محمدؐ
انبیاءِ قرآن
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
قرآن حکیم
کاوش
علی شرف الدین
دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

فہرس

عرض ناشر

عرض ناشر عام طور پر ان کتابوں میں لکھا جاتا ہے جو کثیر الفوائد ہونے کی وجہ سے طلب میں اضافے پر بعض نکات کی توجیہ وتشریح کے ساتھ ادارہ نشر کی طرف سے لکھی جاتی ہیں یا کسی بڑی شخصیت کی کتاب جسے صاحبانِ ادارہ اپنے ادارے کیلئے باعث افتخار و اعزاز سمجھتے ہوں اس کی اشاعت پر مولف کا شکریہ ادا کرنے کیلئے لکھا جاتا ہے۔ان توجیہات کے تحت ہماری کتاب کی ابتداء میں عرض ناشر کا لکھا جانا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ ہماری کتابوں کا دکانوں، اسٹالوں اور کتب خانوں میں رکھا جانا یا مدارس دینی کے طلبہ کے ہاتھوں اور کسی کے کمرے میں دیکھا جانا عیب سمجھا جاتا ہے۔

ہماری کتابوں پر ایک قسم کی غیر اعلانیہ وغیر رسمی پابندی عائد ہے لہٰذا ان پر عرض ناشر لکھنے کا کوئی مطلب بنتا ہے نہ اس کی کوئی افادیت ہے اور نہ ہی کسی کی طرف سے اس کتاب کی تصنیف و اشاعت کی درخواست ہوئی ہے۔

کتاب حاضر ہماری کتاب **"انبیاء قرآن"** کا تیسرا سلسلہ ہے جسے شروع کئے تقریباً تین چار سال گزر چکے ہیں ہم اپنے خلاف مسلسل ہونے والی مہم جوئیوں، بندشوں اور جاننے والوں کے انجانے سلوک کی وجہ سے حوصلہ شکنی کے دورے گزر رہے تھے لہٰذا نبی کریمؐ کی ذات گرامی کے بارے میں مسلسل اہانت اور جسارت کے دورانیہ میں ہم امت محمد ہونے کی کوئی نشانی پیش نہ کر سکے اب اس شرمندگی کے ساتھ مرنے سے پہلے کتاب کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھ کر نامکمل صورت میں چھپوا رہے ہیں۔ بعض لوگ ہماری کتابوں کے مہنگا ہونے کو بہانہ بنا کر ہمیں دبانے کی کوشش کرتے ہیں ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اس اعتراض کی عقلی و شرعی زاویے سے کوئی منطق نظر نہیں آتی ہے۔کتاب حاضر کو مشتریوں کی طرف سے خیر مقدم یا بعض ہفت روزں اور ماہنامہ جرائد کی طرح مفت تقسیم کرنے کی خوش فہمی میں نہیں چھاپ رہے ہیں بلکہ کتاب کی غرض اشاعت اپنے دین کے دین وعقائد کے نظریات کو تحریری شکل میں لانا ہے تا کہ میرے مرنے کے بعد کوئی کافر و مرتد قرار نہ دے جیسا اس وقت میرے بارے میں یہ چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں **"وہ شیعیت کو خیر باد کہہ چکے ہیں"** معلوم نہیں مرنے کے بعد یہ بھی کہیں کہ وہ تو مسلمان ہی نہیں تھے لہٰذا خدا، رسولؐ قرآن، آخرت، کعبہ، آئمہ طاہرینؑ، اصحاب کرامؓ اور عام مسلمانوں کے بارے میں اپنے نظریات کا اظہار کرنے کیلئے یہ کتاب چھاپ رہا ہوں۔علاوہ ازیں وہ حضرات جو کتابیں پڑھنے کا حوصلہ نہیں رکھتے اور نہ انہیں وقت ملتا ہے وہ یہ باتیں پڑھ کر ہماری مظلومانہ بے بسی اور مرتے وقت عقائد و نظریات کے بارے میں اپنے نظریے کیلئے جو وہ ہمارے بارے میں قائم کرنا چاہتے ہیں رہنمائی حاصل کر سکیں۔

ادارہ

تمہید

﴿ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ ☆وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴾[١]
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ﴿اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ☆عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ﴾ [٢] وَ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا ﴾[٣]﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتَابَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ☆قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْہُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصَّالِحَاتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا حَسَنًا ☆مَّاکِثِیْنَ فِیْہِ اَبَدًا ☆وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ﴾[٤] وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ کَمَا قَالَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی فِیْ کِتَابِہٖ ﴿اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴾ [٥] وَقَالَ فِیْ شَاْنِ نَبِیِّہٖ ﴿مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ ﴾[٦] وَقَالَ ﴿الٓمٓصٓ ☆کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْہُ لِتُنْذِرَ بِہٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴾[٧] ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنَاکَ عَنْھُمْ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا ﴾[٨]﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ کِتَابًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْہُ بِاَیْدِیْھِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ☆وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ مَلَکٌ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ☆وَلَوْ جَعَلْنَاہُ مَلَکًا لَّجَعَلْنَاہُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْھِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ﴾ [٩]﴿قُلْ اِنِّیْ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴾[١٠]﴿وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ☆قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَھَادَۃً قُلِ اللّٰہُ شَھِیْدٌ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ اَئِنَّکُمْ لَتَشْھَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اٰلِھَۃً اُخْرٰی قُلْ لَّآ اَشْھَدُ قُلْ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ﴾

[١] "اور دعا کریں کہ اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آجائیں۔" (مومنون ۹۷،۹۸) [٢] "جس نے قلم کے ذریعے سکھلایا جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔" (العلق ۴،۵) [٣] "تمام شکر و ثنا اللہ ہی کیلئے ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک و ساجھی رکھتا ہے اور نہ وہ کمزور ہے کہ اسے کسی حمایتی کی ضرورت ہو اور تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ۔" (اسراء ۱۱۱) [٤] "تمام شکر و ثنا اسی اللہ کیلئے سزاوار ہے جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن اتارا اور اس میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ بلکہ ہر طرح سے ٹھیک ٹھاک رکھا تا کہ اپنے پاس کی سخت سزا سے ہوشیار کر دے اور ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبریاں سنا دے کہ ان کیلئے بہترین بدلہ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان لوگوں کو بھی ڈرا دے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے۔" (کہف ۱تا۴) [٥] "اللہ تعالیٰ اور فرشتے نبی پر صلوات بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم ان پر صلوات بھیجو اور خوب صلوات بھیجتے رہو۔" (احزاب ۵۶)

←

حمد وستائش اس ذات کیلئے سزاوار ہے جس نے ہمیں ایسے دین کی اقتداء اور پیروی کرنے والوں میں قرار دیا جس کے سوا کوئی بھی دین قابل قبول نہیں، یہ وہی دین ہے جو روز ازل سے خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے، انبیاءؑ ہمیشہ اسی دین پر مرنے جینے کیلئے دست بدعا رہے:

﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً ﴾ "اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنی اطاعت گزار رکھ۔" (بقرہ ۱۲۸)

قرآنِ کریم میں اہل ایمان کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنا اختتام اسلام پر کرنے کیلئے ہمیشہ آمادہ رہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴾ "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہیے اور دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔" (آل عمران ۱۰۲)

ابراہیمؑ خلیل اور یعقوبؑ نے بھی مرتے وقت اپنی اولاد سے یہی سفارش کی:

﴿وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ☆أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ ﴾ "اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی کہ ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند فرما لیا ہے، خبردار! تم مسلمان ہی مرنا۔ کیا یعقوب کے انتقال کے وقت تم موجود تھے؟ جب انھوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم

➡ ۶ "تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمدؐ نہیں لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔" (احزاب ۴۰) ۷ "المص یہ ایک کتاب جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے ڈرائیں سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہو اور نصیحت ہے ایمان والوں کیلئے۔" (اعراف ۱،۲) ۸ "اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ رکھیں جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں اور اسی کے چہرے کے ارادے رکھتے ہیں، خبردار آپ کی نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں کہ دنیوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جائیں دیکھیں اس کا کہنا نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔" (کہف ۲۸) ۹ "اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے۔ اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا۔ پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم اس کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اس کو آدمی ہی بناتے اور ہمارے اس فعل سے پھر ان پر وہی اشکال ہوتا جواب اشکال رہے ہیں۔" (انعام ۷تا۹) ۱۰ "آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔" (انعام ۱۵) ۱۱ "اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے اور وہی بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔ آپ کہئے کہ سب سے بڑی چیز گواہی دینے کیلئے کون ہے آپ کہئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تا کہ میں اس قرآن کے ذریعے سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرما دیجئے کہ بس وہ تو ایک معبود ہے اور بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔" (انعام ۱۸،۱۹)

کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی۔" (بقرہ ۱۳۲:۱۳۶)

تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم نے تو اہل ایمان کو اسلام پر مرنے کا حکم دیا ہے لیکن اس کے پیروکار ہمیشہ فرقے پر مرنے کیلئے دعا گو رہتے ہیں اسی طرح فرقے کے بغیر موت کو ہلاکت اور مستحق جہنم قرار دیتے ہیں جب کہ قرآن کریم نے حکم دیا ہے کہ فرقوں میں نہ بٹ جانا:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ "تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا۔" (آل عمران ۱۰۵) ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾ "اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔" (انعام ۱۵۳) ﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ﴾ "اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو بڑے حج کے دن صاف اطلاع ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے اور اس کا رسول بھی۔"

(توبہ ۳)(توبہ ۱۱۴، یونس ۴۱، زخرف ۲۶، ممتحنہ ۴)

یہ تعجب اس وقت رفع ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت اسلام کی پیروی کے دعویدار اسلام کے دو اہم اساس و ستون یعنی قرآنِ کریم اور نبی کریمؐ کی سیرتِ طیبہ سے نا آشنا اور اجنبی ہیں۔ اہل اسلام پیغمبرؐ کے بعد آنے والے اپنے فرقے کے مقتداء و پیشواء اور پیر و علماء کی سوانح حیات کے دقائق سے جتنا واقف و آشنا ہیں اتنا نبی کریمؐ کی سیرت سے واقف و آگاہ نہیں! اسلام کے نام پر منعقد ہونے والے اجتماعات میں نبی کریمؐ کے بارے میں گفتگو کرنا تو دور کی بات ہے خود نبی کریمؐ سے مختص اجتماعات میں بھی مسلمان اپنے فرقے کے قائدین کی حیات و فضائل بیان کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہمارا یہ دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ ہم خود بھی لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو ایک داعی اور مرشد اسلام کے طور پر پیش کرتے رہے ہیں۔ ہم نے پچاس سال دعوتِ ارشاد و ہدایت میں زندگی گزاری لیکن اس بات سے غفلت میں رہے کہ ہم خود سیرت طیبہ نبی کریمؐ سے نا آشنا و نا آگاہ تھے و حجۃ الاسلام بنے ہوئے تھے ہم انسانی زندگی کے اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی مسائل کے حل میں ناکامی کے بعد دین میں تحقیق کرنے لگے جس طرح ایک طبیب مریض کے مداوا سے مایوس ہونے کے بعد اس کے جسم کے مختلف حصوں میں بیماری کو تلاش کرتا ہے بعینہ اسی طرح ہم نے اپنے اور اپنے دین کے بارے میں تحقیق کرنا شروع کر دی اور اپنی خامیوں کو تلاش کرنے کی طرف متوجہ ہوئے، خود اپنے بارے میں تحقیق کی تو اس نتیجے پر پہنچا کہ مروج الاحکام والدین بنے ہوئے ہیں لیکن دین مقدس اسلام کے دونوں مصادر سے نا آشنا و ناواقف ہیں البتہ قرآن کریم اور نبی کریمؐ کی حقانیت کے بارے میں اجمالی عقیدے سے متعلق ہمارے اندر شکوک و شبہات نے جنم نہ لیا، پھر سوچا کہ جس دین پر ہم قائم ہیں اور اس کے مروج بھی ہیں آیا اس دین میں مسائل کا حل نہیں یا اس کی ترویج و اشاعت کے ذمہ دار افراد میں عیب و نقص ہے جہاں تک دین کے ساتھ ہمارے سلوک کی بات ہے تو وہ دینی نافہمی اور نا سمجھی کی وجہ سے ہوتا ہے کافی سوچ و بچار کے بعد ذہن نے اس طرف متوجہ کیا کہ جو بھی قصور و کوتاہی ہے وہ سوچ میں ہے چند لمحے کیلئے خود کو اس سوال کے سامنے لا کھڑا کیا کہ ٹھیک ہے تم قرآن نہیں جانتے لیکن یہ بتاؤ نبی کریمؐ کی سیرت کے بارے میں کتنا جانتے ہو۔ اس سوال کے جواب میں ہمارا

سرتردواور شرمندگی سے نیچے جھک گیا کیونکہ بول تو ہم اس حوالے سے کچھ نہیں جانتے لیکن اگر تھوڑا بہت جانتے بھی ہیں تو وہ کسی درد کی دوا نہیں ہے کیونکہ ہم نبی کریمؐ کی سیرت کے بارے میں نہ تو کچھ بول سکتے ہیں اور نہ ہی لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہماری مثال ان افراد کی مانند ہے جو غیر قانونی طریقے سے اعلیٰ تعلیمی سند کے حامل بن جاتے ہیں، اس سند کے حوالے سے تعجب نہیں ہوتا کیونکہ جن درسگاہوں سے ہم اور ہمارے جیسے بہت سے ساتھیوں نے پڑھا ہے وہاں سیرت نبیؐ نصاب میں شامل ہی نہیں ہے۔

کتب جمع کرنے کے شوق میں ہم نے بہت سی کتابیں نبی کریمؐ کی حیات و سیرت کے حوالے سے جمع کر رکھی تھیں لیکن ان کتب کو ترتیب و تنظیم دیتے وقت ہمیشہ انہیں غیر ضروری کتب کے ساتھ رکھا اور ابھی تک ان سے استفادہ نہیں کر سکے۔ ہمارے مرنے کے بعد ان کتب کو ردی کاغذ میں بھی کوئی نہیں خریدے گا کیونکہ ان میں مقدس اسماء درج ہیں۔

ایک عرصے سے ہم نے اپنی تالیفات کی تمہید میں اپنے حق میں ہونے والے ناروا سلوک کے قیل وقال کا ذکر کرکے اپنی مظلومیت کا مظاہرہ کرنے کیلئے خس و خاشاک کا سہارا لینے کی سیرت اپنائے رکھی لیکن نبی کریمؐ کی سیرتِ طیبہ پر تحریر کی جانے والی اس کتاب کی تمہید میں اس روش کے جاری رکھنے کو ہم ساحت مقدسِ رسول اللہؐ کے بارے میں ایک قسم کی اہانت و جسارت تصور کرتے ہیں، اگر کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر زیادہ مظالم ہوئے ہیں تو وہ نعوذباللہ خود کو رسول اللہؐ سے برتر سمجھتا ہے۔ کیوں کہ دعوت الی اللہ کی راہ میں جو اہانتیں اور جسارتیں رسول اللہؐ نے اٹھائی ہیں انھیں برداشت کرنا کسی اور کیلئے ممکن نہیں:

نبی کریمؐ کو ساحر، جھوٹا اور مجنوں کہا گیا:

﴿وَقَالُوا يَاأَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ﴾ "انھوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے یقیناً تو تو کوئی دیوانہ ہے۔" (حجر ۶)(شعراء ۲۷، صافات ۳۶، دخان ۱۴، ذاریات ۳۹)

﴿إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا﴾ "تم اس کی تابعداری میں لگے ہوئے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔"
(اسراء ۴۷)(فرقان ۸، شعراء ۱۵۳)

﴿وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ "اور اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے کے تمام رسول بھی جھٹلائے جا چکے ہیں تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں" (فاطر ۴) ﴿وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ﴾ "اگر لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو ان سے پہلے بھی تکذیب کی قوم نوح نے اور عاد اور ثمود نے۔" (حج ۴۲) ﴿وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ "اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو ان سے پہلے والوں نے بھی تو تکذیب کی ہے۔" (فاطر ۲۵) ﴿إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ﴾ "مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے" (شعراء ۱۲) ﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ﴾ "پس یہ صرف آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم لوگ درحقیقت اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور تحقیق آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جاتے رہے ہیں" (انعام ۳۳، ۳۴)

﴿فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ﴾ "اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ سے پہلے بہت سے

رسول جھٹلائے جاچکے ہیں۔" (آل عمران۱۸۴)

حاضر صفحات کیلئے ہم نے فرقے کی محبت وعداوت میں غلو گیری وآلودگی اور شاذ ونادر مبہم نقولات سے پرہیز کرتے ہوئے مسلماتِ تاریخ سے جمع آوری کی ہے۔اس سلسلے میں ہم نے اپنی بساطِ علمی کے تحت سنت وسیرتِ رسول کریمؑ کے مسلم مواد کو قرآنی آیات کی کسوٹی سے پاس ہونے کے بعد جمع کیا ہے تاہم یہ شیعہ یا سنی سیرت نگار بننے کی بجائے اسلام ومسلمین کے ساتھ امین بننے کی ایک کوشش ہے۔

سیرت نبی ﷺ پر تصنیف وتالیف کے اہداف ومقاصد

سیرت نبویؑ سے آشنائی وآگاہی کی ضرورت اس لئے ہے کیونکہ یہ تاریخ کا ایک حصہ ہے اور تاریخ سے آگاہ ہونا بھی ایک علم ہے،علم کی فضیلت اپنی جگہ واضح ہے لہٰذا فہم مطالعہ سیرت نبویؑ دیگر شخصیات اور نوابغ روزگار کی حیات اور تاریخ کی مانند ہے سیرتِ نبی اسلامؑ کے بارے میں ایک کامل واتم آگاہی حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے بطور تمہید آپؑ کی ولادت سے پہلے دنیا میں رائج حکومتوں خاص طور پر جزیرۃ العرب اور سرزمین مکہ مکرمہ کے اوضاع واحوال سے آشنائی حاصل کی جائے۔یہ حالات کس حد تک نبی کریمؑ کی آمد کیلئے سازگار اور مناسب تھے۔

ہر قوم وملت اپنی ایک تاریخ رکھتی ہے جس طرح ہر انسان کی ایک تاریخ ہوتی ہے اس کے والدین اور عزیز واقارب اسکی تاریخ ولادت سے شروع کرتے ہیں اور وفات پر ختم کرتے ہیں،اس دورانیے میں اس پر گذرنے والے نشیب وفراز کے حالات بھی اس کی تاریخ میں شامل کرتے ہیں یہاں سے اس انسان کے والدین اور خاندان کا پتہ چلتا ہے اور اگر اس کے والد کا پتہ نہ چلے تو وہ انسان معاشرے میں بدنام وگمنام اور حقیر وذلیل قرار پاتا ہے۔اسی طرح اسے ایک خاندان سے بھی نسبت دی جاتی ہے یوں اگر کسی بڑے خاندان سے نسبت نہ ہو تو اس انسان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔اقوام وملل کی بھی ایک تاریخ ہوتی ہے قوم وملت سے تعلق رکھنے والے بھی اپنی قوم کی تاریخ کے آغاز کو یاد رکھتے ہیں اور گزرنے والے دکھ ومصیبت، عیش وعشرت اور فتح وشکست کو اپنی نسلوں کے سامنے دھراتے رہتے ہیں اس سنت کے تحت انسانیت کی تاریخ ثبت ہوتی رہی، نسل آدم کی تاریخ چند مراحل سے گزری ہے:

☆ تاریخ کا آغاز آدم صفی اللہ ؑ سے کیا گیا۔جس کا اختتام نوح ؑ کے زمانے میں طوفان پر ہوا۔

☆ نوح ؑ کی اولاد نے تاریخ کی گنتی طوفان سے شروع کی اسکا اختتام ابراہیم ؑ کے نارِ نمرود میں ڈالے جانے پر ہوا۔

☆ ابراہیم ؑ کی اولاد نے تاریخ کی گنتی کا آغاز نارِ نمرود سے کیا جس کا اختتام تعمیر کعبہ پر ہوا۔

☆ اسماعیل ؑ کی اولاد نے تعمیر کعبہ سے تاریخ کی نئی گنتی کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ کعب بن لوی تک جا پہنچا۔

☆ کعب بن لوی کی اولاد نے اپنی تاریخ کا آغاز ان کی موت سے کیا،یہ تاریخ چلتی رہی یہاں تک کہ عام الفیل کا واقعہ رونما ہوا۔

☆ اہل مکہ نے عام الفیل سے تاریخ کی ابتدا کی جس کا سلسلہ پیغمبر اسلامؑ کی بعثت تک جاری رہا۔

☆جب پیغمبر اسلامؐ مبعوث بہ رسالت ہوئے تو مسلمانوں نے بعثت کو سال کا آغاز قرار دیا۔

☆جب رسول اسلامؐ نے ہجرت کی تو ہجرت کی ابتداء کو سال کا آغاز قرار دیا گیا یہاں تک کہ عمرؓ کے دور میں باقاعدہ مسلمانوں کو اپنا مبداء سال معین کرنے کا مسئلہ درپیش آیا تو علیؑ نے ہجرت نبیؐ کو سال کی ابتدا قرار دینے کا مشورہ دیا کیونکہ یہ مسلمین کی عظمت اور استقلال کا دن تھا۔

حقیقت اسلام پیغمبرؐ کی حیات طیبہ کا خلاصہ ہے، آپؐ کی حیات قرآنی اور غیر قرآنی وحی کے درمیان بنی ہے لہٰذا نقل تاریخ کی حد تک رہنے کا تصور صحیح نہیں بلکہ فہم سیرت نبویؐ کیلئے درج ذیل مراتب کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ امت اسلامیہ کی تاریخ کا آغاز دعوت اسلام کے اعلان سے ہوتا ہے، دعوت اسلام نبی کریمؐ سے شروع ہوئی ہے لہٰذا آپؐ کی حیات طیبہ اور سیرت کے بغیر مسلمان کی مثال اس فرزند کی مانند ہے جسے اپنے باپ کا پتہ نہ ہو لہٰذا امت اسلام کی مثال محمدؐ کی شناخت کے بغیر فرزند ناخلف جیسی ہوگی۔

۲۔ شخصیت رسولؐ کو سمجھنے کیلئے چند نکات کا جاننا ضروری ہے۔

☆ آپؐ کی حیات طیبہ کا آغاز کیسے ہوا؟

☆ کس معاشرے میں آپؐ کی نشوونما ہوئی؟

☆ کن مشکلات کا آپؐ نے سامنا کیا؟

☆ کون سے وسائل و ذرائع آپؐ کے اہداف کو آگے بڑھنے میں ممد و معاون ثابت ہوئے؟

۳۔ زندگی گزارنے کیلئے ایک اعلیٰ وارفع نمونے کا ہونا ناگزیر ہے جسے وہ اپنے لئے آئینہ زندگی بنا سکے۔ دنیا میں ہر انسان اپنے لئے ایک نمونہ انتخاب کرتا ہے لیکن اس انتخاب کے وقت اجتماعی اور سیاسی حالات اس پر اثر انداز ہوتے ہیں بعض بے وقوف مسلمان اپنے لئے نمونہ انتخاب کرتے وقت نبی کریمؐ سے مادون (کمتر) پر راضی ہوتے ہیں جیسا کہ بعض امام علی بن ابی طالبؑ، امام حسن، امام حسینؑ کو نمونہ بناتے ہیں ان کے بالمقابل بعض ابوبکرؓ و عمرؓ اور عمر بن عبدالعزیز کو نمونہ بناتے ہیں۔ جب کہ بشریت کیلئے سب سے اعلیٰ وارفع نمونے نبی کریمؐ کا خدا نے اعلان کیا ہے۔ گرچہ درج بالا ذوات دنیا کے عام انسانوں سے کئی گنا افضل و اشرف ہیں لیکن بشریت کیلئے اسوہ صرف رسول اللہؐ کی ذات ہے۔ اس انتخاب کے وقت بعض دیگر اپنے دور کے کسی فقیہ او رمجتہد، مقامی عالم دین، اجتماعی و سیاسی شخصیات، دنیائے کفر و شرک، بت پرست و قوم پرست، فاسق و فاجر او رملحد و کافر کے بارے میں بغیر کسی شرم و حیاء کے کہتے ہیں کہ ہمیں ان کے مشن کو جاری رکھنا ہے جبکہ خداوند متعال نے قرآن کریم میں بندگانِ خدا کیلئے ابراہیم خلیل اللہ کو مقتدا و پیشوا قرار دینے کا حکم دیا ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ

وَمَآ اَمْلِکُ لَکَ مِنَ اللهِ مِنْ شَیْءٍ رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا وَاِلَیْکَ اَنَبْنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ☆رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ☆لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ ''تمہارے لئے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کیلئے بغض وعداوت ظاہر ہوگئی لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں اے ہمارے پروردگار تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے اے ہمارے رب! تو ہمیں کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال اور اے ہمارے پالنے والے ہماری خطاؤں کو بخش دے بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے یقیناً تمہارے لئے ان میں اچھا نمونہ ہر اس شخص کیلئے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی ملاقات کی امید رکھتا ہو اور اگر کوئی روگردانی کرے تو اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز ہے اور سزاوار حمد وثنا ہے۔'' (ممتحنہ۴تا۶)

زندگی کے ہر شعبے میں ایک نمونے کا ہونا ہر جگہ اور زمان میں ممکن ہے لیکن تمام شعبوں کا نمونہ ایک ہی انسان میں ملنا مشکل ہے ممکن ہے کوئی شخص اقتصادی میدان میں نمونہ ہو لیکن خرچ میں نہ ہو یا خرچ کرنے میں نمونہ ہو اور در آمد بنانے میں نمونہ نہ ہو لیکن زندگی کے نشیب وفراز کیلئے صرف نبی کریمؐ کی ذات مبارک کامل نمونہ ہے جیسا کہ خداوند متعال سورۂ احزاب کی آیت ۲۱ میں فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ''یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ ہے''

۴۔ ایک مسلمان کیلئے پیغمبرؐ کی سیرت کو سمجھنا اس لئے بہت ضروری ہے کیونکہ آپؐ کی سیرت کو سمجھنے سے قرآن کریم سمجھنے اور اس سے مانوس ہونے میں مدد ملتی ہے۔

مجھے اس کثیر الفاظ اور قلیل المعانی تحفہ سیرت طیبہ کے مواد کو جمع کرنے اور ترتیب وتنظیم کے ساتھ تصحیح کرنے میں جو مخلص و مونس اور معاون ومددگار ملے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

جناب برادران عزیز جناب مبشر، جناب محمد حسن، جناب برادر خادم حسین، سید محمد روح اللہ، جناب محمد علی نقوی، جناب برادر ارشد عباس شیرازی، سید محمد باقر اور جناب ناصر شاہ نقوی قابل ذکر ہیں میں ان کا احسان مند ہوں ان برادران نے وقت نکال کر میری معاونت کی لیکن تین برادران جناب محمد باقر، جناب فدا علی اور تسکین عباس غیر متوقع ومنتظر انتہائی ناساز حالات میں اپنے اخلاص اور لگن سے اس کتاب کو آخری شکل وصورت دینے کے ساتھ ساتھ میری تسلی کا سبب بنے۔ خداوند متعال سے دعا ہے کہ حقیر پیکر احتیاج ونیاز مند اور یہ برادران امت نبی کریمؐ کے خدمت گزار بن کر شریعت اسلامی میں محو ہو جائیں۔

تمہید کا اختتام درج ذیل آیات کریمہ سے کرتے ہیں۔

﴿اللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُدَی اللّٰہِ یَھْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَهٗ مِنْ ھَادٍ ☆اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْھِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَقِیْلَ لِلظّٰلِمِیْنَ ذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْسِبُوْنَ﴾ "اللہ تعالی نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جوایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے، جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں۔ آخر میں ان کے جسم اور دل اللہ تعالی کے ذکر کی طرف نرم ہوجاتے ہیں یہ ہے اللہ تعالی کی ہدایت جس کے ذریعے جسے چاہے راہ راست پر لگا دیتا ہے اور جسے اللہ ہی راہ بھلا دے اس کا ہادی کوئی نہیں بھلا جو شخص قیامت کے دن بدترین عذاب کی سپر اپنے منہ کو بنائے گا۔ ظالموں سے کہا جائے گا کہ چکھو جو کچھ تم کماتے تھے۔" (زمر ۲۳ تا ۲۴) ﴿اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ ھٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَھَا وَلَهٗ کُلُّ شَیْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ☆وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ☆وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ سَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَھَا وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ "مجھے تو بس حکم دیا گیا ہے کہ میں اس گھر کے پروردگار کی عبادت کروں جسے اس نے حرمت والا بنایا ہے اور اسی کیلئے ہر چیز ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوجاؤں اور میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں پس جو ہدایت پائے تو یقیناً اپنی جان کیلئے ہدایت پائے گا اور جو بھٹک جائے تو کہہ دیجئے! میں تو بس ڈرانے والا ہوں اور کہہ دیجئے تمام شکر و ثنا اللہ کیلئے ہے جلد ہی وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم انھیں جان لوگے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے آپ کا رب غافل نہیں" (نمل ۹۱ تا ۹۳)

﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ "جب کبھی بھی انہیں ان کے رب نے کہا فرمانبردار ہوجا انہوں نے کہا میں نے رب العالمین کی فرمانبرداری کی۔" (بقرہ ۱۳۱) ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ "اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما یقیناً تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔" (بقرہ ۱۲۸)

علی شرف الدین

رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ ق

not found.

file\Border\FRAME64.jpg not found.

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ

اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی چند بستیاں اور رکھی تھیں جو برسرِ راہ ظاہر تھیں اور ان میں چلنے کی منزلیں مقرر کر دیں تھیں ان میں راتوں اور دنوں کو بہ امن و امان چلتے پھرتے رہو۔

(سورہ مبارکہ سباء آیت ۱۸)

دراساتِ سیرت نبوی ﷺ

نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ کو دقت آمیزی، باریک بینی، ہمہ گیری، منظم و مربوط انداز میں لکھنے، سمجھنے اور اس کے اہداف و مقاصد کے بارے میں بحث و گفتگو کرنے کیلئے سیرت کے لغوی و اصطلاحی معانی، اس کی اقسام و انواع اور اہداف کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

دراساتِ سیرت نبوی ﷺ

دراسات درس کی جمع ہے۔ جیسا کہ صاحب "مقائیس اللغۃ" لکھتے ہیں یہ تین حروف "د، ر، س" سے مرکب ہے جس کا ایک ہی معنی یعنی آہستہ اور چپکے سے مٹنا اور ناپید ہو جانا ہے۔ یہیں سے "درس البیت" کہتے ہیں یعنی گھر کے آثار مٹ جانا، دیواریں ختم ہونا اور آثار و نشانی ختم ہونا۔ اسی سے پھٹے بوسیدہ کپڑے کو دریس کہتے ہیں۔ کسی خطاب کے سننے اور کتاب کے پڑھنے کو درس اس لئے کہا جاتا ہے کہ پڑھنے والے اس کو بار بار تکرار کرتے ہیں تا کہ حفظ ہو جائے اور ذہن سے نہ نکل جائے۔ اسی سے درس پڑھنے کی جگہ کو مدرسہ کہتے ہیں، اور سبق کے ایک حصہ کو بھی درس کہتے ہیں۔ بعد میں علماء نے دراسات کو کسی چیز کو بنیاد سے اٹھانے، تجزیہ و تحلیل کرنے اور تحقیق کرنے کے معنوں میں استعمال کیا۔ دراسات سیرت نبوی کے موضوع کے بارے میں کسی قسم کا تجزیہ و تحلیل اور تحقیق کرنا ہمارے احاطہ اور استطاعت سے باہر ہے کیونکہ وہی شخص اس موضوع سے متعلق تجزیہ و تحلیل کر سکتا ہے جس کے پاس دو قسم کا سرمایہ وافر مقدار میں موجود ہو۔

۱۔ متعلقہ شخص کے پاس پیغمبر اسلامؐ کی سیرت سے متعلق تمام ضروری مصادر صاف و سالم صورت میں موجود ہوں لیکن ہمارے پاس سوائے قرآن کریم کے مصادر سیرت صاف اور سالم صورت میں موجود نہیں ہیں۔ دراسات سیرہ کے چار اہم مصادر ہیں:

۱۔ تاریخ	۲۔ کتب سیرت
۳۔ سنت نبی کریمؐ	۴۔ قرآن کریم

ہماری قرآن سے اس حد تک محرمیت نہیں ہے کہ اس کے اسرار کو سمجھیں۔ سنت ضعیف و مرسلات اور مرفوعات سے مخلوط پڑا ہے جبکہ تاریخ بہت منتشر و پراگندہ ہے جسے جمع کرنے کی استطاعت نہیں ہے۔

۲۔ دوسری اہم چیز یہ ہے کہ متعلقہ شخص فہم و درک اور خاص ذہنیت کا حامل ہو ہم اس سے بھی محروم ہیں لہٰذا یہاں ہماری دراسات سے مراد سیرت نبویؐ کے بارے میں موضوعات کی فہرست پیش کرنا ہے تا کہ علماء اور محققین سے درخواست کر سکیں کہ وہ اس سلسلے میں اپنی استطاعت اور فرائض کو بروئے کار لائیں۔ ہم صرف یہاں اس کے موضوعات اور عناوین کی نشاندہی کریں گے اور اسی کو قارئین کی خدمت میں مختلف زاویوں سے بار بار تکرار کریں گے تا کہ ان کی اذہان شریف سے نہ نکل جائے۔

بعثت سے عصر حاضر تک سیرت پیغمبر اسلام ﷺ

پیغمبر اسلامؐ کی سیرت طیبہ کے بارے میں لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی کریمؐ کو زمانے کا مرکزی نقطہ بنا کر آپؐ سے پہلے اور بعد کے زمانوں کی تقسیم بندی کر دی جائے تو درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

۱۔ولادت سے پہلے: پہلے مرحلے میں جہالت سے جنم لینے والی بری عادات، رسومات، تخیلات، بت پرستی، بربریت اور وحشی گری کا دور نظر آتا ہے جہاں انسان کا استحصال اپنی مثال آپ تھا۔

۲۔ولادت تا بعثت: آپؐ کی ولادت با سعادت سے لے کر بعثت تک کے ادوار کے حوالے سے دو نکتے قابل ذکر ہیں۔

الف: اس وقت بعض انسان جہالت کی حالت زار سے نکلنے کیلئے کسی نجات دہندہ کے منتظر تھے۔

ب: آپؐ کی نبوت کو مخدوش گردانے کیلئے آپؐ کے دادا، والد اور والدہ کے ذکر سے لے کر بعثت تک کو قصے کہانیوں، خوابوں اور غیب گوئیوں سے مخلوط کرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ ان سب کو آپس میں جوڑنے سے یہ نتیجہ نکلے ہے کہ آپؐ کی نبوت وہمیات وخیالات کا مجموعہ اور افسانہ ہے ایک تاثر یہ بھی ابھرتا ہے کہ راہبوں، نجومیوں، فال سازوں اور کہاوت سازوں نے روز اول سے ہی آپؐ کے چہرے پر نور نبوت دیکھا گویا تاریخی مخدوش نقولات کا ماحصل یہ ہے کہ نعوذ باللہ پیغمبر اسلامؐ کی نبوت اوباش اور راہ لٹے سیدھے لوگوں کے خیالات کا مجموعہ ہے۔

۳۔بعثت تا ہجرت: پیغمبر اسلامؐ کی بعثت سے ہجرت تک کے دور میں مشرکین نے آپؐ کو کاہن، جادوگر اور دیوانہ کہہ کر نظر انداز کیا بعد ازاں جب انہوں نے اچھی طرح درک کر لیا کہ آپؐ تمام انواع واقسام کے باطل نظریات پر مبنی خرافات، سیاسی واقتصادی اور معاشرتی افکار پر لگنے والی مہر باطل کو روئے زمین سے ختم کرنے والی ہستی ہیں تو انہوں نے اپنی تمام تر توانائیوں اور وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر طرف سے آپؐ کے خلاف بھرپور مزاحمت پر اتر آئے تا کہ آپؐ کو اس دعوت سے روکا جائے۔ مشرکین اور دیگر اسلام دشمنوں کے اس رویے میں بنیادی طور پر اصلاح طلب انسانوں کیلئے عبرت وتسلی کے تمام اسباق مکمل طور پر موجود ہیں۔

۴۔ہجرت تا وفات: یہ دور فکری وعملی غرض ہر سطح پر اور رہبر آن دین وشریعت کی بالادستی، مسلمانوں کی آپس میں اخوت و برادری کو مسلسل بڑھانے اور تمام اختیارات وافتخار سازی کے نشانات کو مٹانے کا دور تھا۔

۵۔وفات تا خلافت وامامت: یہ مومن وجان فشان، سمجھدار ومخلص، دلوں کے اندر مفاد یا دنیا طلبی کے ریشے کو جلانے وختم کرنے والوں کا خرافات کو جوں کا توں باقی رکھنے والوں کے ساتھ مزاحمت ومقابلے کا دور تھا۔

۶۔خلافت تا ملوکیت: یہ نبوت اور رسالت آسمانی کی جانشینی وافتخار کے تاج کو اتار کر بادشاہی واقتدار طلبی یعنی بغیر تاج پوشی سلطنت کا دور تھا۔

۷۔ملوکیت تا عصر حاضر: یہ پیغمبرؐ کی سیرت کے ہر پہلو اور ہر جگہ پر غیر اسلامی وغیر دینی یعنی جاہلیت وعصبیت، مسیحیوں

کی رہبانیت، یونانیوں کی اقلیت اور یہود ونصاریٰ کی دنیاداری کو جاگزیں کر کے آپؐ کے نام سے فرقہ بندیاں وغیرہ چسپاں کرنے کیلئے مواد بنانے اور رواقعات جعل کر کے انہیں جمع کرنے کا دور تھا۔

ان سب ادوار میں رونما ہونے والے حالات وواقعات کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کریم اور آپؐ کی مسلمہ و متفق علیہ سیرت پر مبنی دو آئینوں سے آپ کی سیرت طیبہ کو سمجھنے کے عمل کو سیرت موضوعی قرار دینا مناسب ہے۔

دراست تجزیہ وتحلیل سیرت نبوی ﷺ

نقل حوادث تاریخ کے بعد ہر دانشمند، مفکر، عاقل اور عالم انسان کو منقولاتِ حوادث تاریخ کے بارے میں دقت کے ساتھ غور وفکر کرنے اور نقد وانتقادی نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے تاکہ ماحصل سیرت سے سودمند نتائج بر آمد کئے جا سکیں۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب ہم اسلام اور نبی کریمؐ کو دو مترادف کلمات سمجھیں گے پھر دوسرے مرحلے پر اسلام کے اصول و فروع کے دائرے میں اہم اور مہم یعنی خالص اسلام اور اسلام میں شامل چیزوں کے بارے میں فرق کریں گے۔ تاریخ اسلام میں زمانی فاصلے کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس میں دیگر چیزوں کا اضافہ بھی ہوتا رہا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ، خلفائے راشدینؓ، آئمہ طاہرینؑ اور علماء ودانشمندوں کے بارے میں حقائق تک پہنچنے کی غرض سے کئے جانے والے تجزیہ وتحلیل سے بعض دین چور او رڈکیتی پیشہ لوگوں کو بہت چڑ اور پریشانی ہوتی ہے اور انھیں یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ تجزیہ وتحلیل سے کہیں ان کی چادر کے ہٹنے سے دین میں ان کی طرف سے شامل کی گئی گندگی کی بو نہ پھیلنا شروع ہو جائے۔ معاملہ جو بھی ہو صاحبان دین وشریعت، صاحبان عقل وشعور اور دعوائے علم رکھنے والوں کیلئے یہ ناگزیر ہے کہ کوئی بھی چیز تقلیدی طور پر کسی سے قبول کر کے خود کو طوطی نہ بنائیں، خاص کر نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ کے بارے میں مزید محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ جس طرح سے پاک ومنزہ دین میں غلیظ وباطل چیزوں کو داخل کیا گیا ہے اگر کوئی اس گندگی کو صاف کرنے کا ارادہ کرے اور زبان وقلم کو استعمال میں لائے تو دوسری طرف سے اس راہ میں رکاوٹ بننے کیلئے یہ نعرہ بلند کیا جاتا ہے کہ اس طرح کی باتوں سے امت کی وحدت کو خطرہ لاحق ہے بلکہ وہ انتشار کا شکار ہو کر پاش پاش ہو جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ باطل پر اتفاق بھی دین ہے، جس میں تفرقہ ڈالنا قتل سے بھی بدتر ہے تاہم اسے جان و مال کے بدلے جوں کے توں رہنے دینا دین کو جمود اور فرسودگی کے تہہ خانے میں دھکیلنے کے مترادف ہے، جس کے بعد اسلام دشمنوں کیلئے نبی کریمؐ اور محافظان شریعت کے کردار کو تاریخ کا افسانہ بنانا آسان ہو جائے گا۔ پیغمبر اسلامؐ کی سیرت طیبہ کے ہر پہلو کو نقد وتنقید کی نظر سے تجزیہ وتحلیل کر کے صاف و شفاف شکل میں منظر عام پر لانا امت اسلامی کے ہر فرد اور خاص کر علماء ودانشوروں کی اولین ذمہ داری ہے۔ اگر یہ کام نہ کیا گیا تو نبی کریمؐ کی شخصیت افسانوی شکل اختیار کر لے گی یا پھر ایک تاریخی نابغہ روزگار بنے گی جس کے بعد ہماری زندگی میں پیغمبر اسلامؐ کے کردار کیلئے کوئی جگہ نہیں ہوگی اور جب ہماری زندگی پیغمبر اسلامؐ کی سیرت سے الگ کر دی جائے گی تو ہمیں انکی طرف نیاز مند رہنے کی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔

دراست موضوعی

سیرت نویسی اور سیرت فہمی میں یہ طریقہ شہید آیت اللہ سید محمد باقر الصدر کی ابتکار ہے جو کہ عقل مسلم اور نقل غیر متنازع سے ماخوذ ہے جبکہ سابق الذکر طریقہ سیرت جواب تک رائج ہے اسے سیرت نقلی اور تجزئی کہا جا سکتا ہے۔ سیرت نویسی کی یہ قسم اپنی جگہ ضروری اور ناگزیر ہونے کے باوجود بہت زیادہ نقص و خلل سے پُر ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ اکثر جعلی اور خود ساختہ صفحات پر مشتمل ہے چنانچہ بعض نے کہا ہے کہ اسرائیلی جعلی روایات کے نفوذ کی ایک جگہ سیرت نبیؐ کے جنگی صفحات ہے۔

۲۔ بہت سی نقولات ایک دوسرے سے متصادم اور متعارض ہیں ہر ایک موضوع میں دو متضاد قول ملتے ہیں۔

۳۔ سیرت کے بہت سے مواد کو تسلیم کرنے سے نبوت حضرت محمدؐ ایک افسانہ و اساطیر سابقین بن جائیگی۔

۴۔ سیرت نویسی میں اس کے مصدر اصلی قرآن کریم کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

۵۔ حیات طیبہ کے بہت سے پہلوؤں کے بارے میں سکوت و خاموشی ہے جیسے خمس غنائم کا ذکر کرنے کے بعد اس کے مصرف کے بارے میں خاموشی ہے کہ سہم اللہ اور سہم ذوالقربیٰ رسول کس مد میں خرچ کرتے ہوئے کن کن کو دیا گیا۔

۶۔ مشاہدات و تجربات کے سراسر منافی ہے جیسے بعثت سے پہلے شق القلب یا شق الصدر اور تطہیر القلب کا ذکر ہے۔

۷۔ متشابہات پر مبنی ہے جیسے معجزہ شق القمر، معراج آسمانی وغیرہ۔

جب ہم سیرت نبویؐ پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ کسی نے اس موضوع کو صرف تاریخی زاویہ نگاہ سے لکھا جیسا کہ ابن ہشام، ابن اسحٰق اور ابن سعد وغیرہ بعض نے اس سلسلے میں احادیث کو بنیاد بنایا، کسی نے آیات قرآنی کی روشنی میں لکھنا پسند کیا گویا ایک ہی موضوع کو ہر ایک نے مختلف زاویہ نگاہ اور مختلف مصادر و مآخذ کے تحت لکھا۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت پیغمبر اسلامؐ پر لکھی گئی تمام کتابیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان میں نہ صرف تضاد و تناقص پایا جاتا ہے بلکہ یہاں جھوٹ، جعل اور غلو بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ اگر سیرت نبویؐ لکھتے وقت تاریخ، روایات اور قرآن سب کو مدنظر رکھا جائے تو یہ صورتحال پیش نہ آتی اور کوئی بھی کتاب تحریفات سے پُر نہ ہوتی لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ آپؐ کی سیرت طیبہ کو سیرت موضوعی کی صورت میں تنظیم و ترتیب دیا جائے کیونکہ آپؐ ان انسانوں کی مانند نہیں کہ جن کے احساسات و جذبات بچپنے، جوانی اور بڑھاپے میں بدلتے رہتے ہیں جو مختلف ادوار میں مختلف الخیال اور مختلف المزاج ہوتے ہیں اور نہ ان لوگوں کی طرح جو ایک دور میں ناتجربہ کار اور دوسرے دور میں ماہر و تجربہ کار انسان کہلاتے ہیں۔ آپؐ کے تمام ادوار ایک دوسرے سے جدا جدا نہیں ہیں اور نہ ہی آپؐ کی اہلیت و صلاحیت ارتقائی منازل کی محتاج و نیازمند تھی جس طرح قرآن کریم کی آیات بظاہر آپس میں بے ربط و متضاد نظر آتی ہیں لیکن حقیقت میں واحد مفہوم و معنی رکھتی ہیں۔ اسی طرح آپؐ کی سیرت بھی سانچہ قرآن و وحی کے اندر ہے چنانچہ حسب تعبیر قرآن آپؐ قوت اور شہرت کا مظاہرہ کرتے وقت اور قصاص و انتقام لینے کے موقع پر، رحیم و

کریم، بھوک و پیاس کے موقع پر استقامت دکھانے والے اور اُمی صفت ہوتے ہوئے غیب سے بات کرنے والے انسان تھے لہٰذا آپؐ کی سیرت پاک کو سیرت موضوعی میں لکھنے اور پڑھنے کی ضرورت ہے۔

سیرت نویسی میں تعصب کی عینک

بعض شیعہ و سنی سیرت نگاروں نے خود کو محقق بتاتے ہوئے مایوس کن حد تک متعصبانہ رویہ اختیار کر کے پیغمبر اسلامؐ کی سیرت طیبہ کے بعض حقائق کیلئے بے جا خس و خاشاک سے تمسک اور چشم بندی کر کے اس میں بعض من گھڑت داستانوں کا اضافہ پیش کیا ہے۔ جس سے سیرت نبوی میں بہت سی ایسی داستانیں صفحات میں اضافے کا باعث بنی ہیں سیرت نبویؐ پر ایسے تباہ کن طور پر قلم اٹھانے والوں کو یہ کیسے زیب دیتا ہے کہ وہ صدر اسلام کے ابتدائی اور کلیدی کاروان میں شامل افراد کو دانستہ طور پر ان کے نفس کے جھکاؤ کی بنیاد پر نقد و تنقید کا نشانہ بنائیں اس سلسلے میں بعض حقائق بطور مثال قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

سیرت کی کتابوں میں ابوبکرؓ کی دعوت اسلام میں سبقت، پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ ہجرت، ابوبکر، عمر، عثمان × کی طرف سے مالی معاونت کو نظر انداز کرنے، دعوت ذوالعشیرۃ میں حضرت علیؑ کے کھانے کا بندوبست کرنے اور نبی کریمؐ کی طرف سے وزارت و خلافت علیؑ کے اعلان کا اضافہ کرنے، غزوہ تبوک میں علیؑ کو مدینے میں جانشین چھوڑنے کے مسئلہ کو گھر تک محدود کرنے، نبی کریمؐ کی رحلت کے موقع پر کسی کے دامن میں آپ کے سر رکھنے کو بڑی فضیلت قرار دینا اور ان جیسے دیگر مسائل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے سیرت نگاری کیلئے تعصب کی عینک لگا کر کام کیا ہے۔

اتباع رسول ﷺ اور دن کا منایا جانا

نبی کریمؐ کی ولادت اور وفات کا دن منانا اس لئے نہیں کہ قرآن کریم میں کوئی آیت یا خود آنحضرتؐ نے اس سلسلے میں کوئی ہدایت یا حکم دیا ہے ایک مسلمان کے پاس اتنا ہی اسلام ہوگا جتنا وہ آپ سے وابستہ رہے گا۔ آپ سے وابستگی آپ کی یاد، تعلیمات اور ہدایت پر قائم رہنے میں پوشیدہ ہے البتہ اس سلسلے میں اجتماعی طور پر کوئی دن منانے کیلئے شریعت میں کوئی حکم نہیں ہے تو مذمت بھی نہیں کی گئی ہے، کسی دن کے تعین کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن عملی میدان میں یہ کہنا درست نہیں کہ ہمارے پاس فلاں دن صحیح ہے۔ اس حوالے سے قرآن میں جو کچھ آیا ہے وہ آپؐ کی اتباع اور تاسی کرنا ہے۔ اتباع و تاسی اسی صورت میں ہوگی جب امت آپ کی سیرت کے تمام پہلوؤں اور تعلیمات سے وابستہ ہو جائے گی۔ صرف **"ہمارے پاس"** کہہ کر ایک دن کو مختص کر کے اسے اہمیت دینا امت میں افتراء اور انتشار پھیلانے کے علاوہ یہ دین و شریعت کو ناقابل جبران دھچکا پہنچانے والا عمل ہے جس میں دین و دیانت کی بو تک نہیں آتی۔

دوسری جانب بعض کا خیال ہے کہ انہی اجتماعات کے منانے سے جہاں ایک طرف دین زندہ ہوتا ہے وہیں دوسری جانب دشمن اسلام پر یہ عمل گراں گزرتا ہے اور وہ خوف و دہشت میں پڑ جاتے ہیں۔ یہ منطق شاید اسلام کے ابتدائی دور میں یا کچھ صدی پہلے تک تو درست ہو لیکن دور حاضر میں اسلام کے دشمن تو ان اجتماعات سے خوش ہیں کیونکہ ایک تو مسلمانوں کے

جذبات ہوا میں معلق ہوتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ اس طرح کے اجتماعات سے دشمن کے مفادات کو کوئی خطرہ نہیں۔ دشمن کو غم وغصہ دلانے سے زیادہ اہمیت آپؐ کی پیروی وتاسی کر کے دین کی سربلندی کرنے میں ہے اگر مسلمان دونوں طریقوں کو بیک وقت اپنانے کی کوشش کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

سیرت حضرت محمد ﷺ

ہم سیرت حضرت محمدؐ کیلئے چند کلمات استعمال کر سکتے ہیں جو رائج بھی ہیں جیسے قصص حضرت محمدؐ، تاریخ حضرت محمدؐ، سیرت حضرت محمدؐ یا سیرت نبویؐ۔ ان کلمات میں سے کون سا طریقہ افہام وتفہیم سے قریب ہے اسے دیکھنے کیلئے ہر ایک کے موارد واستعمال کے بارے میں بحث وگفتگو کرتے ہیں۔

سیرت مادۂ سیر "س، ی، ر" سے لیا گیا ہے، سیر کے معنی چلنے اور حرکت کرنے کے ہیں۔ قواعد لغت عرب کے تحت کلمہ سیرہ بروزن فعلہ ہے، کلمہ سیر میں سین پر زیر اور آخر میں "ہ" لگانے سے اس کا معنی ایک خاص طریقہ کار کے تحت ہونے والی حرکت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جلسہ مادہ جلس سے ہے، جلس بیٹھنے کو کہا جاتا ہے لیکن جیم کے نیچے زیر اور آخر میں "ہ" لگانے سے یہ ایک خاص طریقے سے بیٹھنے کا معنی دیتا ہے۔ اس اصول کے تحت سیرہ ایک خاص طریقہ اور نوعیت والی سیر کو کہتے ہیں۔ یہ کلمہ تقریباً ہجرت کی پہلی صدی کے آواخر یا دوسری صدی کے اوائل میں نبی کریمؐ کی حیات طیبہ پر کچھ لکھنے کیلئے استعمال ہوا۔

سیرت کے لغوی اور اصطلاحی معنی واضح ہو جانے کے بعد سیرت نویسی کے اہداف ومقاصد اور اقسام کی وضاحت کرنا ضروری ہے ہم نبی کریمؐ کی سیرت پر خاص توجہ دینے کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

جب بھی کلمہ سیرت مسلمان مورخ کے سامنے آتا ہے تو وہ اس سے صفحات روشن وتابناک حیات نبی رحمت وہدایت مراد لیتا ہے، اس سلسلے میں رسول اسلامؐ کے آباءواجداد کے علاوہ آپ کی پیدائش، نشوونما کے مراحل، قریش میں آپؐ کے مقام ومنزلت اور وہ صفات جن سے آپؐ متصف تھے جنھیں کافر ومشرک بھی تسلیم کرتے تھے بیان کی جاتی ہیں۔

دوسرا حصہ بعثت اور بعد کے مراحل پر مشتمل ہے جہاں آپؐ نے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی جس میں مخفی اور پوشیدہ تمام مراحل شامل ہیں۔ اس حصہ میں مشرکین کی پیدا کردہ مشکلات، زحمتوں اور مصیبتوں کا تذکرہ ہوتا ہے جو آپ نے اٹھائیں غرض دونوں مراحل میں سیرت کا محور ومرکز حضرت محمدؐ ہیں۔ رسول اسلامؐ کی بعثت سے پہلے کی سیرت، اس وقت کے واقعات، دور دراز علاقوں میں ہونے والے حوادث، آپؐ کی اپنی زندگی کے نشیب وفراز کے دوران اقتصادی، اجتماعی، سیاسی اور دفاعی زندگی کے بارے میں کوئی کتاب آپؐ کی زندگی میں مدوین نہیں ہوئی کیونکہ اس وقت عرب تاریخ لکھنے کے عادی نہیں تھے۔ چنانچہ سیرت پیغمبر اسلامؐ پر مشتمل کتابوں میں انتہائی زمانے کے حالات وواقعات نہیں ملتے ہیں جو آپ کی زندگی میں ہوں۔ رسول اسلامؐ کی سیرت کے بارے میں کچھ کتابیں اس وقت ہماری دسترس میں ہیں وہ سب دوسری یا تیسری صدی کی لکھی ہوئی ہیں۔

اہداف سیرت شناسی

اہداف سیرت شناسی درج ذیل ہیں۔

۱۔آیا پیغمبرؐ کی سیرت سے آگاہی کا مقصد صرف یہ ہے کہ تاریخ انسانیت کے مختلف ادوار کے ایک پہلو یا حصے کے بارے میں جان لیا جائے یعنی چھٹی صدی میلادی میں جزیرۃ العرب میں کیا کیا واقعات گزرے ان میں سے ایک اہم واقعہ حضرت کی ذات گرامی کا غیر معمولی شخصیت ہونا ہے آیا نبی کریمؐ کی غیر معمولی شخصیت پر روشنی ڈالی جائے، جس طرح دنیا کے تاریخ نویسان و تاریخ کے شیفتہ گان نوابغ شخصیات کے بارے میں آگاہی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ ایک مسیحی نے کتاب تالیف کی جس میں ان تمام شخصیات کا ذکر ہے جنھوں نے کسی نہ کسی موقع پر تاریخ کا رخ موڑا۔ان ہستیوں میں اس نے نبی کریمؐ کا نام سرفہرست لکھا ہے۔جب دوسروں کیلئے ہمارے نبی کریمؐ ایک عجوبہ اور بڑی نوابغ نظر آنے والی ذات ہیں اور وہ آپ کی شخصیت کے متعلق قلم و زبان کا سہارا لیتے ہیں تو ہم مسلمانوں کیلئے یہ اور زیادہ سزاوار ہے کہ آپ کی سیرت طیبہ کو دوسروں سے زیادہ سمجھیں۔

۲۔قرآن کریم میں خداوند عالم نے نبیؐ کی سیرت کو ہمارے لئے قرآن کے بعد دوسرا مصدر شریعت قرار دیا ہے اور ہمیں ان کی سنت کی تاسی کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ ''اور جو کچھ رسول دے لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ'' (حشر۷)

۳۔جس نبی کی ہم امت ہیں ان کے ناطے ہی سے ہم یہودیت اور نصرانیت سے ممتاز ہوئے ہیں۔اگر ہم اس نبیؐ کی سیرت اور حیات طیبہ پر خصوصی توجہ نہیں دینگے اور اسے صفحات تاریخ میں ثبت نہیں کرینگے تو ممکن ہے کہ چند صدیاں گزرنے کے بعد آپؐ کا نام بھی قصہ رستم و اسفندیار اور شیرین و فرہاد جیسے افسانوں کی طرح افسانہ بن جائے، یوں بعض آپؐ کو حقیقت اور بعض شخصیت فرضی قرار دے دیں۔

۴۔انسانی زندگی کو چلانے ،حرکت میں رکھنے اور اسے بہتر و برتر بنانے کیلئے ایک نمونے کی ضرورت کو ناگزیر سمجھا جاتا ہے تا کہ اس کی پیروی کرکے انسان دنیا میں اپنی غرض و غایت اور خلقت کیلئے عاقلانہ و مدبرانہ طور پر شعور و آگاہی کے ساتھ زندگی کے لمحات کو گزارے۔

درج بالا اہداف و مقاصد کے پیش نظر مورخین اور سیرت نویسان اسلام نے نبی کریمؐ کی حیات طیبہ کو منظر عام پر لانے کیلئے بہت سی توانائیاں صرف کی ہیں لیکن ان کی کاوش ایک دوسرے سے مختلف رہی ہے۔

سیرت نویسی میں افراط و تفریط

نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ میں اصول و ضوابط غیر متنازع کے دائرے میں محدود ہو کر بعض نے سیرت نویسی کرنے کی بجائے عشق بے معنی میں آکر خود پیغمبرؐ کیلئے بے سند معاجز نقل کی ہیں، بعض نے اصحاب اور زوجات کے بارے میں غلو آمیز فضائل

نقل کیے ہیں جنھیں سند بنا کر آج بھی وقتاً فوقتاً نبی کریمؐ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں بعض دیگر ذوات اور ہستیوں کے بارے میں غلو کر کے وقتاً فوقتاً پیغمبر اسلامؐ کی حیثیت گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اسلام کو گھٹا کر اسلام سے بے پرواہی برتتے ہوئے ان ذوات کے فضائل نقل کرنے پر اصرار کئے ہوئے ہیں۔ان کے بالمقابل بعض نے دشمنی کی عینک لگا کر اسلام کی تاریخ میں بعض مواقع پر جن لوگوں کا کردار ہے اس سے انکار کرنے یا مشکوک بنانے کی سرتوڑ کوشش کی ہے اگر کوئی شخص ان دو گروہوں کے درمیان سے گزرنا چاہے تو اسے غلوئے محبت اور غلوئے دشمنی دونوں سے دور ہو کر سیرت نگاری کرنا چاہیے لیکن یہاں کم سے کم اس کیلئے یہ کہا جائے گا کہ اس نے اپنے فرقے کے خلاف دوسرے فرقے کیلئے کام کیا ہے یہ تہمت میرے بارے میں پرانی اور بوسیدہ ہو چکی ہے اب میرے لئے نیا الزام یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے ضد میں آ کر لکھا ہے۔

خدا کا احسان ہے نہ ہم نے کسی دوسرے کیلئے کام کیا ہے نہ کسی کی ضد میں آ کر لکھا ہے دنیا تو میری ہے ہی خراب، انشاء اللہ آخرت خراب نہیں کرینگے۔اپنے مذہب کے اصل چہرے کو پیش کرنے کی خاطر اس کے گرد و غبار، بوسیدہ و فرسودہ اور بدبو والی چادروں کو ہٹا کر مذہب کے اصلی چہرے کو تلاش کرنے کی کوشش نے مجھے اس دہانے پر کھڑا کیا ہے اور میرے لئے اس وقت نہ بعید سے آسرا ہے نہ قریب سے آسرا ہے صرف رحمت حق کا سہارا ہے۔

اقسامِ سیرت نویسی

نبی کریمؐ کی سیرت و حیات نویسی بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم ہوتی ہے ان تین مختلف ناموں سے عنوان بنانے کی ضرورت ہے۔ذیل میں ہم اقسام سیرت نویسی کے چند نمونے پیش کرتے ہیں:

۱۔ سیرت نبیؐ بحیثیت ایک نابغہ روزگار جو تاریخ بشریت میں گزرے ہیں اس میں انبیاء و مرسلینؑ اور ارباب اقتدار، سلاطین و حکام سب کا ذکر آتا ہے اس میں ہمارے نبیؐ کا بھی ذکر ہے چنانچہ کتب تاریخ میں آپؐ کا ذکر اسی زاویہ سے ثبت ہے جیسا کہ غیر مسلموں نے نوابغ کی فہرست میں آپؐ کا نام رکھا ہے۔بعض عرب مورخین و مفکرین جن پر قوم پرستی غالب ہے یا متاثر ہیں یا پھر ان کا خلیہ ان کے اندر آیاتِ قرآن اور سیرت نبی کریمؐ سے مسمار نہیں ہوا ہے ہمیشہ اسلام کے ساتھ عربیت کو مقرون رکھتے ہیں۔

۲۔سرزمین حجاز میں اٹھنے والی شخصیت کے حوالے سے بعض نے آپؐ کی تاریخ کو تاریخ جزیرۃ العرب سے جوڑا ہے عرب کہاں سے شروع ہوئے اور آپؐ کا دور تاریخ عرب میں کہاں سے شروع ہوا۔

۳۔صرف آپؐ ہی کی حیات طیبہ کو اٹھایا ہے۔

۴۔بعض نے آپؐ کی حیات طیبہ کو تاریخی اعتبار سے بالترتیب لکھا ہے یعنی آپ کی ولادت سے شروع کرتے ہوئے دوسرے مرحلے میں جوانی پھر اعلان نبوت، مشرکین مکہ کے ساتھ مزاحمت، مدینہ کی طرف ہجرت، غزوات اور آخر میں آپ کی وفات کا ذکر ہے۔

۵۔بعض دیگر نے آپؐ کی زندگی کو ایک زاویئے سے اٹھایا ہے، جیسے واقدی نے آپؐ کی سیرت لکھتے وقت غزوات یعنی آپ کی زندگی کے عسکری پہلو کو اجاگر کیا ہے۔

۶۔بعض لکھنے والوں نے آپؐ کے اخلاق جمیلہ ونبیلہ کیلئے زبان وقلم کو استعمال کیا ہے جس میں آپؐ کی طرف سے اپنے اہل وعیال، عزیز واقارب، دوست احباب اور قوم وقبیلہ کے علاوہ دشمنوں کے ساتھ روا رکھے گئے حسنِ سلوک کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت طیبہ پر چند زاویوں سے بحث وگفتگو کرنے کی ضرورت ہے

کتب تاریخ اور سیرۃ میں پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں لکھی گئی آراء ونظریات کی طرف رجوع کرنے یا ان کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمارے سامنے آپؐ کی سیرت چند حصوں میں نمایاں ہوتی ہے لہٰذا آپؐ کی بعثت سے پہلے سرزمین جزیرۃ العرب اور اس کے گردونواح کی تمام صورت حال کے اہم زاویوں کو سامنے لانا ہے جس میں مندرجہ ذیل عنوانات آتے ہیں:

(ا) جزیرۃ العرب سے باہر قائم حکومتوں کا دین ودیانت اور ثقافت وسیاست۔

(۲) خود جزیرۃ العرب کی صورت حال کو مختلف زاویوں سے سامنے لانے کی ضرورت ہے خاص کر مکۃ المکرمہ اور حاکم قوم قریش کی صورتحال۔

الف: سیاسی، اجتماعی، اقتصادی حالات اور دین ودیانت کی صورت حال۔

ب: خود نبی کریمؐ کی شخصیت سے متعلق امورات جس میں مندرجہ ذیل نکات آتے ہیں۔ یعنی آپ کی بعثت سے پہلے کے واقعات، اس میں بھی کئی باب ہیں۔

☆ آپ کے سلسلہ نسب کے حوالے سے کہ آپ کا نسب کس قبیلے سے تھا اور دیگر عشائر وقبائل سے رشتہ کہاں تک تھا۔

☆ جاہلیت عرب اُس وقت کس دور سے گزر رہی تھی ان کی عادات وتقالید، ان کی ثقافت، سیاست اور اجتماعیات و اخلاق کیا تھے۔

☆ عرب کے دوسری دنیا سے تعلقات وروابط کیا تھے۔

سیرت کے مصادر درج ذیل ہیں۔

۱۔ اس بارے میں لکھی گئی کتب تاریخ مثلاً سیرۃ ابن اسحاق، سیرۃ ابن ہشام وغیرہ۔

۲۔ دور جاہلیت میں عربوں کیلئے شعر وشاعری اس قدر اہمیت کی حامل تھی کہ اسے سراہا جاتا یہاں تک کہ ان کے اشعار کو اسلام کے بعد بھی حفظ کیا کرتے تھے اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے پیغمبرؐ کی بعثت سے پہلے عرب کی تاریخ، ان کا اخلاق و کردار اور اقدار کس نوعیت کی تھیں اس سلسلے میں بھی تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ان اشعار کے بارے میں یہ احتمال قوی ہے کہ بعثت سے پہلے کے شعراء میں اُس وقت کے حالات کی جھلک نظر آتی ہے! یہ احتمال بھی اپنی جگہ موجود

ہے کہ اسلام کی آمد کے بعد والے شعراء نے اپنے اشعار کو قدیم شعراء کی طرف نسبت دی ہو کیونکہ یہ شعراء کے ہاں ایک معمولی بات ہے کہ وہ دوسروں کے شعر کو اپنا بناتے یا اپنے سراہے ہوئے اشعار کو دوسروں کے کھاتے میں ڈالتے چنانچہ مفاد پرست ضمیر فروش اور دین فروشوں کا یہی وطیرہ رہا ہے۔

اس وقت عرب اپنے دور کے حوادث و واقعات 'اپنے حسب و نسب فخر و مباہات، جود و کرم اور ایثار و قربانی کو اپنے اشعار میں پیش کرتے تھے البتہ یہ شعراء کے دیوانوں تک محدود رہتے تھے۔

۳۔قرآن کریم کی بعض آیات ایسی ہیں جن میں آپ ؐ کی بعثت سے پہلے عربوں کے حالات اور ان کی ذہنیت کو بیان کیا گیا ہے جیسے سورۂ فیل اور سورۂ قریش وغیرہ۔

چونکہ قرآن کریم کسی شخصیت کی سیرت کی کتاب نہیں ہے لہٰذا اس میں اتنی آیات نہیں کہ جن میں زمانہ جاہلیت کی تمام خصوصیات کو بطور کافی و وافی بیان کیا گیا ہو۔

۴۔دعوت مثلث زاویہ مکانی یعنی آپ کس جگہ مبعوث ہوئے اور آپ کی بعثت کا دائرہ کہاں تک تھا:

الف: مکہ مکرمہ

ب: اس کے گرد و نواح

ج: دعوت مثلث زمانی اور مکانی کی سمت کہاں تک ہے۔

☆ **زاویہ زمانی:** کب سے کب تک کیلئے مبعوث ہوئے۔

☆ **دائرہ دعوت:** آپ ؐ کی دعوت کا محور و دائرہ کن کن چیزوں کے گرد احاطہ کرتا ہے کیا یہ تنہا عقائد، اخلاقیات اور بعض رسومات امور دنیا کا احاطہ کرتا ہے یا امور آخرت سے متعلق زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبہ پر محیط ہے۔

☆ دین کا امتیاز اور تشخص جسے دیگر ادیان و مذاہب پر فوقیت حاصل ہے۔

بعض تاریخ و سیرت نویسیوں نے آپ ؐ کی سیرت کا تجزیہ و تحلیل پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر آپ ؐ نے اپنی دعوت کو پہلے مرحلے میں انتہائی احتیاط سے مخفی رکھا جبکہ اسے اعلانیہ طور پر ظاہر کرنے کے موقع پر اپنی دعوت کا مخاطب صرف اپنے عزیز و اقارب کو قرار دیا اور اصحاب کو حبش اور مدینے کی طرف بھیج دیا وغیرہ کے اسباب و علل پر روشنی ڈالی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت کا امتیازی پہلو

نبی کریم ؐ کی سیرت طیبہ تاریخ بشریت میں گزرنے والے انبیاء و المرسلین اور نوابغ و مصلحین کی بہ نسبت ہر حوالے سے امتیاز کی حامل ہے۔ آپ ؐ کی حیات طیبہ کے آغاز سے لے کر وفات تک کے مراحل کا جائزہ لیا جائے تو آپ ؐ جیسی کامل، واضح اور روشن کوئی اور ہستی نہیں ملتی، نہ کسی اور کو اتنے روشن زاویے سے ایسی حیات نصیب ہوئی ہے۔

۱۔دنیا کی تاریخ میں نوابغ روزگار شخصیات کے والدین کا پتہ نہیں چلتا ہے جبکہ آپ ؐ کے والدین عبداللہؓ اور آمنہؓ کا سلسلہ

نسب کئی پشتوں تک مشہور و معروف اور غیر متنازعہ شخصیات سے ملتا ہے۔

۲۔ انسانیت اور بشریت کے آسمان پر آپ ؐ کی حیات طیبہ کا ہر پہلو تمام زاویئے سے واضح، روشن، نمایاں اور درخشاں ستارے کی مانند نظر آتا ہے جبکہ آپ ؐ کی سیرت میں کسی قسم کی قصہ و کہانی اور افسانا نامی کوئی چیز نہیں ملتی۔

۳۔ آپ ؐ کی حیات طیبہ کے ابتدائی دور سے لے کر دعوائے نبوت تک کے دورانیے میں کسی بھی وقت معاشرے کی برائیوں، خرابیوں اور دلدلوں کے علاوہ غیر معقول اقوال و کردار کی محافل و مجالس سے آپ ؐ نے خود کو ہر سطح پر دور رکھا۔

۴۔ دعویٰ نبوت سے وفات تک تبلیغ دین کے تمام پہلو **"جن میں قیام و جہاد بھی شامل ہے"** کو عملی جامہ پہنانے کے دوران پیش آنے والی دشواریوں اور پریشانیوں میں فتح و شکست کے مواقع پر اور موقع محل پر آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کے تمام واقعات و حالات میں آپ ؐ ہمت و استقامت کے ساتھ علمی و فلسفیانہ اصولوں پر قائم و دائم نظر آتے ہیں اگر کہیں کوئی غیبی امداد حاصل ہوئی تو وہ آپ ؐ کی جنگی اصول و حکمت عملی سے متصادم نظر نہیں آتی۔

۵۔ آپ ؐ کے تیس (۳۰) سالہ دور رسالت میں دعوت کا مرکزی اور بنیادی نکتہ عقل، منطق اور استدلال سے بھرپور نظر آتا ہے کیونکہ کسی مقام اور مرحلے پر آپ ؐ نے اپنے مقام و منصب کی بنیاد پر فریق مخالف کو خاموش کرنے کی خاطر اپنے نظریئے کو مسلط کئے جانے سے متعلق کوئی کردار ادا نہیں کیا۔

۶۔ آپ ؐ کی عمر جب پندرہ (۱۵) سال تھی تو اس وقت قریش اور ان کے حلیفوں کی قبیلہ بنی ہوازن سے ہونے والی جنگ کے دوران "جسے جنگ فجار کا نام دیا گیا" آپ ؐ اپنی قوم اور چچاؤں کے ترکش میں تیر دشمن کو نشانہ بنانے کیلئے جوڑ کر دیتے تھے۔ اس سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ؐ کم عمری سے ہی اجتماعی، دفاعی اور سیاسی امور میں شریک رہے ہیں لیکن یہاں ہمارا مقصد ایک ایسی نئی سیرت موضوعی کی طرف اشارہ کرنا ہے جو کہ ابھی تک ہماری نظروں سے غائب ہے یا منظر عام پر نہیں آئی ہے یا پھر ہم اس تک نہیں پہنچے ہیں، وہ یہ ہے کہ آپ ؐ کی سیرت طیبہ کو اسی پہلی سیرت کی شکل میں یعنی آغاز ولادت سے لے کر وفات تک لکھا جائے لیکن ایک پہلو کو دوسرے سے جوڑ کر اس طرح لکھا جائے کہ سیرت کا ایک مرحلہ دوسرے مرحلے کیلئے شاہد و گواہ بن جائے۔ اس طریقہ کار کے تحت نبی کریم کی سیرت طیبہ میں پائے جانے والے بہت سے اشتباہ، غلط گوئیاں اور تضاد و تناقص خود بخود ختم اور رفع ہو جائیں گے ہم اس طریقہ سیرت نویسی پر ایک مناسب، لائق و سزاوار اور جامع کتاب تو ضبط تحریر میں نہیں لا سکیں گے تا ہم اس سلسلے میں ایک قدم اٹھانے کی کوشش ضرور کریں گے۔

تقدیم و ترجیحات

سیرت نبی ؐ پر لکھی گئیں کتابوں میں ایک بڑا خلل ترجیحات کا فقدان ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن کریم میں دین کی دعوت کے آغاز سے لے کر فتح مبین تک کے بیس سالہ دور نبوت میں آپ ؐ پر ایمان لانے والوں کی درجہ بندی کی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویؐ میں پیغمبر اسلام ؐ کی زبان مبارک سے بیان کردہ درجہ

بندی کو حرف بہ حرف تطبیق کر کے سیرت نبویؐ کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے تا کہ پیغمبر اسلامؐ کی یہ سیرت بھی لوگوں کو صحیح طور پر سمجھ آئے کہ پیغمبر اسلامؐ کی نگاہ میں سب صحابہ کرامؓ برابر نہیں تھے۔ بطور مثال قرآن کریم کے نقطۂ نظر سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ کو بعد میں ایمان لانے والے صحابہ پر سبقت اور فضلیت و برتری حاصل ہے، اسی طرح پہلے ہجرت کرنے والوں کو بعد میں ہجرت کرنے والوں پر یا فتح مکہ کے بعد ہجرت کی فضلیت کا دور ختم ہونے کے اعلان کے بعد ہجرت کرنے والوں پر، جہاد کرنے والوں کو گھروں میں رہنے والوں پر، بھوک و افلاس اور تنگ دستی و نا داری کے موقع پر پہلے انفاق کرنے والوں پر اسی طرح اہل علم کو جاہلوں پر فوقیت و ترجیح دی گئی ہے لہٰذا ان ترجیحات کو نظر انداز کر کے تمام اصحاب کو ایمان کے ایک درجے پر یا بعض کو کفر و طاغوت سے یاد کرنا اور ایک نظر سے دیکھنا ایک غلط اور بے بنیاد باب کھولنے کے مترادف ہے۔

اسلام خداوند متعال کا بنایا ہوا دین ہے یہ کسی انسانی معاشرے کے تجربات کا نتیجہ نہیں ہے کہ جہاں کے افراد دوسرے علاقوں اور ممالک سے پڑھ لکھ کر اور وہاں کے علم و تجربہ کی سوغات لا کر اپنے علاقوں اور اپنے ممالک میں ترقی و تمدن کی بنیاد رکھتے ہیں۔ یہ ایک دین ہے جس کا مصدر وحی ہے جو اللہ تبارک تعالیٰ سے ملتی ہے۔ چنانچہ یہاں صرف وہی معیارات و فضائل کارگر و قابل عمل اور لائق تسلیم ہونگے کہ جو انسانوں کو بذریعہ وحی معلوم ہوئے ہوں۔ یہاں وہ معیار و فضلیت نہیں چل سکتا کہ جس کا عام انسانی معاشرے میں رواج ہے جن کے تحت صاحبان اقتدار کے عزیز و اقارب اولاد، رشتہ دار، غلام و کنیز، داماد و سسر، سسرال اور میکے والوں کو ایک دوسرے پر فضلیت و برتری حاصل ہوتی ہے۔ اسلام نے روز اوّل سے ہی حسب و نسب اور رشتہ داری و قرابت داری کی بنیاد پر قائم کی جانے والی فضلیت و برتری کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے دور جاہلیت کی ان غیر منطقی و فرسودہ نشانیوں کو زیر زمین دفن کر دیا ہے۔ اگر پیغمبر اسلامؐ نے اہل بیت اطہارؑ کی کوئی فضلیت و برتری بیان کی ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپؐ نے فضلیت و برتری کے قرآنی و شرعی معیار میں کوئی ترمیم کر دی ہے اور نہ ہی پیغمبر اسلامؐ نے استثناء کرتے ہوئے کہا ہے کہ دین و شریعت میں کسی اور کا کوئی مقام و منزلت نہیں سوائے میرے اہل بیتؑ کے۔ اگر پیغمبر اسلامؐ نے اہل بیت کی کوئی فضلیت و برتری بیان کی ہے تو اس سے دین و شریعت میں موجود فضائل و معیارات پر پورا اترنے والے اہل بیت مراد ہیں پیغمبر اسلامؐ کی زبان مبارک سے بیان کی جانے والی اہل بیت کی فوقیت و برتری سے یہ مراد نہیں کہ اس گھرانے میں پیدا ہونے والے جاہل دوسرے خاندانوں کے علماء سے بہتر ہیں یہاں کے بزدل دوسروں کے دلیر و شجاع افراد سے اور یہاں کے کنجوس دوسرے خاندانوں کے سخی افراد سے بہتر ہیں اور نہ ہی نبی مکرمؐ نے یہ فرمایا ہے کہ اہل بیت کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ظالم و بے دین دوسرے خاندانوں کے عادل اور دیندار افراد کے برابر ہوں گے۔

علماء اہل سنت کے ہاں مصادر کے حوالے سے اس قدر محرومی نہیں جتنی محرومی علماء شیعہ میں پائی جاتی ہے کیونکہ ان کے پاس بہت سی کتب تاریخ و سیرت موجود ہیں جو سینکڑوں کی تعداد سے تجاوز کر گئی ہیں لیکن ان تمام کتب میں تضاد و تناقض پایا جاتا ہے۔

اگر ان متضاد و متناقص چیزوں کو نکال کر کوئی سیرت کی کتاب بنائیں گے تو یہ بیس سال پر آشوب تلاطم، رونق پر شور حیاتِ

انقلاب پیغمبر اسلامؐ زیادہ سے زیادہ ایک ہزار صفحہ سے تجاوز نہیں کر سکے گی۔

ترجیح مرجوحات

عقل، قرآن اور سنت و سیرت پیغمبرؐ سے یہ درس حاصل ہوتا ہے کہ اہم اور مہم میں فرق کر کے اہم کو مہم پر ترجیح دی جائے۔ اسی طرح راجح و مرجوح میں فرق کر کے مرجوح کو مقدم رکھا جائے لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں نے نبی کریمؐ کی سیرت نویسی پر لکھی جانے والی کتب میں جو توانائیاں فکر و مال اور اوقات کی صورت میں صرف کی ہیں ان میں نبی کریمؐ کی اجتماعی و سیاسی اور جنگی و اقتصادی زندگی کے تمام پہلوؤں کے علاوہ اخلاقی سلوک و کردار کو نظر انداز کیا گیا ہے جو رہتی دنیا تک تمام انسانیت کیلئے نمونہ تھے ان کی جگہ پر آپؐ کی سیرت کے بعض ایسے پہلوؤں کو آگے لا کر فروغ دیا گیا جو یا تو امت کیلئے قابل تاسی نہیں اور اگر قابل تاسی قرار پائیں تو زندگی ساز نہیں یا پھر ان کی سند صحیح نہیں ہے۔ بعض حالتوں میں ان کی سند قرآنی آیات اور پیغمبرؐ کی متواتر و مسلمہ اور متفق علیہ سیرت سے متصادم ہوتی ہے۔ پھر ستم بالائے ستم کہ آواخر الذکر پہلوؤں پر اگر کسی نے انگلی اٹھانے کی کوشش کی یا اشکال و اعتراض کیا تو اسے حدیث اور رسول اللہؐ کی فضیلت اور مقام و شان کا منکر قرار دیا جاتا ہے جو کہ ایک المیہ ہے۔ ہم ذیل میں سیرت مرجوعات کی ایک مختصر فہرست پیش کرتے ہیں جسے کتابوں کے علاوہ بیان و قلم اور عملی زندگی میں بھی ترجیح دی جاتی ہے۔

۱۔ **رسول اللہ ﷺ کی شکل و شمائل اور قد و قامت:** اس پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں آپؐ کی سیرت سے منسوب یہ مخصوص پہلو امت کیلئے کسی بھی حوالے سے قابل تاسی نہیں ہے کیونکہ ہر انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ اپنے آپ کو رسول اللہؐ کی شکل و شمائل میں ڈھال سکے۔

۲۔ **کھانے پینے سے متعلق سیرت:** جس میں کہا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ فلاں فلاں چیزیں کھاتے تھے جس کے تحت فلاں چیز مثلاً میٹھا، خاص قسم کی کھجور یا سبزی کی فلاں قسم کھائیں حالانکہ کھانے پینے کے سلسلے میں خداوند عالم نے قرآن کریم میں اصول متعین کر دیئے ہیں کہ حلال چیزیں کھائیں، حرام سے پرہیز کریں، ضرورت کے تحت کھائیں اور کھانے میں اسراف نہ کریں لیکن خاص قسم کے کھانے مخصوص طریقے سے کھانے کی بات اپنی جگہ صحیح بھی ہو تب بھی یہ چیزیں امت کیلئے زندگی ساز نہیں اور نہ ہی دوسری اقوام و ملل کے سامنے انھیں پیش کر سکتے ہیں تا کہ ان کو بنیا دپر دین کی طرف رغبت دلا سکیں۔

۳۔ **لباس کی وضع قطع:** کسی خاص لباس کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے جیسے عمامہ اور عبا وغیرہ۔ اگر جاہل اور بے پرواہ انسان بھی عمامہ اور عبا پہنیں گے تب بھی اس کا احترام کیا جائے گا کیونکہ اس حلقے کے نزدیک یہ عمامہ اور عبا رسولؐ کی ہے جو کہ بہت فضیلت کی حامل ہے۔

۴۔ **پگڑی، سر کے بال اور داڑھی وغیرہ:** یہ سب چیزیں جو کہ انسانی زندگی کا معمول ہیں ان کیلئے کوئی ایک طریقے کو پسند کرتا ہے تو دوسرا کسی اور طریقے کو پسند کرتا ہے۔ اس سلسلے میں کسی ایک طریقہ کار کو اپنانے میں زندگی کی مشکلات کے حل ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

۵۔خوارق عادات: پیغمبرؐ کی سیرت میں بہت سے خوارق عادات (معجزات) کوبھی پیش کیا گیا ہے اگر کوئی اس کے اعداد و شمار میں سے کسی بھی معجزے کے بارے میں تردد کرے تو فوراً کہا جاتا ہے کہ یہ تو معجزات کے منکر ہیں ۔اگر ان معجزات کو جمع کیا جائے اور ان کی وجہ سے ایمان لانے والوں کی تعداد کو جوڑا جائے تو اس کا کیا تناسب بنے گا کہ ایک معجزے پر کتنے لوگ ایمان لائے ۔اگر ان تمام معجزات پر خاموش ہو کر احتمال صدق دیں گے تو ایک دو نسل گزرنے کے بعد آنے والوں کیلئے یہ سب ایک خبر واحد بن جائے گی جبکہ خبر مردود کے بارے میں حکم قرآن ہے کہ جب تک ثابت نہ ہو جائے اسے قبول نہ کیا جائے ۔بعد میں آنے والی امتوں کیلئے ان معجزات کی کیا حیثیت و اہمیت ہوگی غرض ایسی مرجوحات کو مقدم رکھ کر زندگی ساز اصولوں کو قلم و بیان میں لانے سے گریز کیا گیا ہے۔

سیرت رسول ﷺ میں بنات رسول پر کتب

عقل و نقل اور قرآن و سنت کے تحت انبیاء ؑ کیلئے اولاد میں ذکور و اناث کا ہونا یا نہ ہونا باعث فضیلت نہیں گردانا گیا ہے ، نہ ہی اسے ان کی فضیلت میں شمار کیا گیا ہے اور نہ ہی یہ ان ذوات کیلئے نقص و عیب ہے ۔اس سلسلے میں وہ دیگر عام انسانوں کی طرح ،اولاد کے ہونے سے خوش اور اس کے نہ ہونے یا مرجانے سے مغموم ہو جاتے تھے ۔اولاد اگر صالح ہے تو نعمت ہے اور اگر فاسد ہو تو مصیبت (نقمت) ہے خدا نے بعض انبیاءؑ کو اولاد صالح سے نوازا تو بعض کی اولاد فاسد نکلی ۔انبیاءؑ کیلئے اپنی اولاد اور امت کی اولاد میں وراثت کے سوا تمام دیگر توجیہات میں یکسانیت ہوتی ہے کیونکہ اس میں امتیاز صحیح نہیں ہے انبیاء کی اولاد صرف مالی وراثت لینے میں دوسروں پر مقدم ہوتی ہے ۔اسی حقیقت کو سامنے رکھنے کے بعد یہ دیکھنا ہوگا کہ نبی کریمؐ کی کتنی بیٹیاں تھیں اور خود نبی کریم کی سیرت پر اس موضوع کو ترجیح دینے کی کیا منطق ہے ۔جس پر کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اگر یہ حقیقی کی بجائے ربیبہ و پرورده تھیں تو کیا اس وقت انھیں ایک غیر کفو اور فاسق کے عقد میں دینے کی عقل و شرع کے تحت کوئی منطق بنتی تھی تاہم ہمارے ہاں سیرت کی کتابوں میں پیغمبرؐ کے بارے میں ایسے عناوین کو سرخ و جلی عبارات میں لکھا جاتا ہے۔

سیرت نویسی میں فریقین کی طرف سے غلو گیرائی اور حقیقت سے چشم پوشی

امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ اور بعض اصحاب کے بارے میں ان کے بعض فضائل و مناقب حقائق سے متصادم یا پا بہ ہوا نظر آتے ہیں یعنی جن کی جڑیں زمین میں نہیں ہوا میں ہیں ۔معلوم یہ ہوتا ہے کہ شیعہ سنی سیرت نویسوں نے پیغمبر اسلامؐ اور اسلام سے زیادہ اپنے مذہب کے آئمہ کو ان کے عقیدت مندوں کی خوشنودی کیلئے بلا سند بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے اس کے بارے میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

الف۔ابو بکرؓ بن ابی قحافہ اور مبہم فضیلت

ابو بکرؓ جبل ثور کے دامن میں پہنچے تو وہاں سے غار تک پیغمبرؐ کو کاندھوں پر اٹھا کر لے گئے یہ واقعہ چند حقائق کے خلاف ہے۔

۱۔ پیغمبر اکرمؐ ابو بکرؓ سے عمر میں دو سال بڑے تھے اور آپ جسمانی طور پر معزور بھی نہیں تھے۔

۲۔ہجرت کے وقت نبی کریمؐ بیمار تھے نہ ضعیف اور نہ ہی کہیں سے زخمی ہوئے تھے۔

۳۔پیغمبر اسلامؐ اُس سے پہلے بھی پہاڑوں پر چڑھنے کے عادی تھے۔آپؐ مبعوث بہ رسالت ہونے سے قبل غار حرا جسے ''جبل نور کہتے ہیں'' کی چوٹی پر تشریف لے جاتے تھے۔غار ثور نہ غار حرا سے بلندی پر واقع ہے نہ ہی اس کے راستے سے زیادہ دشوار گزار ہے۔

۴۔قدیم سیرت نویسوں میں سے کسی نے بھی اپنی کتاب میں اس واقعے کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ب۔عمرؓ بن خطاب اور قبول اسلام

عمرؓ بن خطاب کے اسلام لانے کے بارے میں تاریخ قویم سمیت بعض دیگر کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ عمرؓ نے چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام قبول کیا۔تاہم آپ کے اسلام لانے کے بارے میں عبداللہ بن عمر نے رسول اللہؐ سے یہ دعا نقل کی ہے کہ

''خداوندا اسلام کو دو عمروں (عمرؓ بن خطاب یا ابی جہل بن ہشام) میں سے ایک کے ذریعے عزت وقوت بخش''اللّٰھم اعز الاسلام باحدالعمرین''

اس دعا کے بعد معلوم ہوا کہ خدا کے نزدیک عمرؓ زیادہ محبوب تھے۔جب عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو یہ دن مسلمانوں کیلئے فتح شمار ہوا اور ایک مشکل سے نجات ملی۔یہاں پر عمرؓ بن خطاب پر تنقید یا ان کی اہمیت کو گھٹانا ہمارا مقصد نہیں لیکن درج بالا حدیث بہت سے حقائق سے متصادم ہے۔ذیل میں اس کا تجزیہ ملاحظہ کریں۔

۱۔کیا پیغمبرؐ نے انہی دونوں افراد کے علاوہ کسی اور کیلئے دعا نہیں کی؟

۲۔مکہ میں ان دونوں سے کئی گنا زیادہ مال و دولت اور بڑے عشیرہ وقبائل سے تعلق رکھنے والی شجاعت وشہامت کی حامل شخصیات موجود تھیں جن میں سرفہرست ابو طالبؑ جو خود پیغمبر اکرمؐ کے کفیل اور صاحب دولت تھے۔عباسؓ جو مال و دولت کے مالک تھے،حمزہؓ جو صاحب شجاعت وشہامت تھے،خالد بن ولید جو پرچم دار اور وسائل جنگی کے مالک تھے اسی طرح ولید بن مغیرہ مخزومی اور سہیل بن عمرو وغیرہ ہیں۔ان افراد میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی پیغمبر اسلامؐ نے کوئی دعا نہیں فرمائی صرف اور صرف دو اشخاص کے حق میں کیوں دعا فرمائی؟

۳۔آیا پیغمبرؐ کیلئے یہ ممکن تھا کہ دعا کے ذریعے لوگوں سے اسلام قبول کروایں؟اگر ایسا ممکن تھا تو اسلام پھیلانے میں مشکلات ومصائب کا سامنا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟جبکہ خداوند عالم فرماتے ہیں کہ آپؐ کے چاہنے سے کوئی اسلام نہیں لائے گا جب تک خدا نہ چاہے۔پیغمبرؐ جو ہادی خلق بن کر آئے تھے اگر ہدایت ہونے میں دعا کا کوئی کردار ہوتا ہے تو آپؐ کل خلائق کی ہدایت کیلئے دعا کرتے اور تمام انسان بیک وقت اسلام قبول کرتے اور ہدایت پا جاتے۔اس سے غزوات رونما ہوتے نہ جنگوں کی نوبت آتی؟

اسی طرح عمرؓ کی صفت و مدح کیلئے پیغمبرؐ کے ساتھ نسبت دے کر چند قسم کے فضائل نقل کیئے گئے ہیں ۔عمرؓ کی شان میں غلو کرتے ہوئے پیغمبر اسلامؐ کے مقام کو گرانے کی ایک مثال تفسیر الکبیر فخر الرازی سورۂ مبارکہ توبہ آیت ۸۵ میں دکھائی دیتی ہے کہ جب عبداللہ بن ابی رئیس منافقین کے جنازہ پر نماز پڑھنے کیلئے پیغمبرؐ کھڑے ہوئے تو عمرؓ نے اس پر نماز جنازہ پڑھنے سے روکنے کیلئے پیغمبرؐ کو اس کی سیاہ تاریخ کے صفحات سنائے پیغمبرؐ نماز جنازہ پڑھنے کیلئے کھڑے ہوئے تو جبرائیلؑ یہ آیت لے کر نازل ہوئے ۔چند دیگر مبہم فضائل کیلئے درج ذیل آیات کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

☆ آیہ تحریم خمر ☆ آیہ تحویل قبلہ ☆ آیہ حجاب خواتین

ان اور دیگر آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ خدا نے عمرؓ کے نظریے کو وحی کے مطابق خدا کا پسندیدہ قرار دیا اور پیغمبر اسلامؐ کے موقف کو نا درست قرار دیا ۔بتائیں ایسی غلو گیرائی کی ذھن میں نبی کریمؐ کی سیرت کیسے روشن نظر آئے گی؟اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا

''اگر میں مبعوث بارسالت نہ ہوتا تو اے عمر تم ہوتے یا اگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوتا تو عمر ہوتا۔''

پیغمبرؐ کی دعوت کے ابتدائی مراحل میں ایمان لانے والے مسلمانوں سے مزاحمت و عداوت پر اصرار کرنے والوں میں عمرؓ بھی شامل تھے اور عمرؓ ۳۹ مردوں اور عورتوں کے بعد انتہائی شدومد سے مخالفت کرنے کے بعد ایمان لائے ۔ دوسری جانب عمرؓ،ابو بکرؓ کی نسبت فضیلت میں بڑھ جانے کے باوجود پہلے خلیفہ منتخب نہ ہوئے ؟ جبکہ ابو بکرؓ کو پہلا خلیفہ منتخب کیا گیا ۔ان باتوں سے عمرؓ کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ رسول اللہؐ کی تنقیص ہے،ہم ہر اس چیز کو نہیں مانتے جس میں رسول اللہؐ کو انکے مقام سے گرایا گیا ہو۔

ج۔امیر المومنین علی ابن ابی طالب ؑ اور خود ساختہ کہانی

کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریمؐ نے کعبہ کے اندر جا کر بتوں کو توڑ کر باہر نکالنا شروع کیا،بعض بت اس لئے توڑے جانے سے رہ گئے کیونکہ وہاں تک پیغمبرؐ کا ہاتھ نہیں پہنچ رہا تھا تو آپؐ نے علیؑ کو دوش پر بٹھایا جس کے بعد ان بتوں کو بھی گرا دیا۔ مقررین و خطباء علیؑ کی فضیلت کے نام پر اس طرح کی قصہ کہانیاں بیان کر کے پیغمبرؐ کی کتنی اہانت و جسارت کرتے ہیں !حتیٰ کہ بعض اوقات یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ محمدؐ کے دوش پر بٹھائے جانے سے علیؑ کا مقام پیغمبرؐ سے بلند ہو جاتا ہے یعنی علیؑ کو حاصل فضیلت پیغمبر اسلامؐ کو بھی حاصل نہیں ہے ۔آیئے اس بارے میں تجزیہ و تحلیل کی کوشش کرتے ہیں:

۱۔کسی بھی سیرت کی مستند کتاب میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ملتا،اگر کوئی یہ کہے کہ سنیوں نے علیؑ کی دشمنی میں اسے حذف کیا ہے تو ہم اپنے اس مدعا کو ثابت کرتے وقت حوالہ کہاں سے دیں گے جو سب کیلئے قابل قبول ہو۔

۲۔بت وہاں رکھا جاتا ہے جہاں پرستش کیلئے رسائی ممکن ہوتا کہ اسے چومنے،صاف کرنے اور ارد گرد خوشبو لگانے میں آسانی ہو تو یہاں علیؑ کو دوش پر بٹھانے کی پیغمبرؐ کو ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

۳۔کعبہ کے اندر کی خصوصیات جیسے زمین، ستون اور چھت کے علاوہ چھت پر جانے والے زینوں کی تعداد تک کتب سیرت میں بیان ہوئی ہے یہ بات کسی بھی تاریخی سیرت کی کتاب میں نہیں آئی ہے کہ کعبہ کی عمارت میں یا دیوار پر کوئی چھجہ تھا یا طاقچہ تھا جہاں بتوں کو رکھا جاتا ہو۔لہٰذا فضائل گھڑ لینے کے بعد جب ان کیلئے کوئی مصدر و ماخذ اور منطق نہ بنے تو اس طرح کے فضائل کی وجہ سے فضائل حقہ میں بھی شکوک وشبہات جنم لیتے ہیں!

سیرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ امتیازی سلوک

مصادر سیرت طیبہ پر شیعہ اور سنیوں کی لکھی گئی تاریخی کتب سے صرف اور صرف پیغمبر اسلامؐ کی شخصیت کو نمایاں کر کے منظر عام پر لانا کسی بھی سیرت نگار کیلئے ممکن نہیں ۔اگر چہ پیغمبر اکرمؐ کی سیرت طیبہ کو سمجھنے کیلئے اصحاب کرامؓ کی حیات کے مطالعہ کے ناگزیر ہونے میں جائے شک نہیں جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اصحاب کے ذکر کے بغیر نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ کو کما حقہ نہیں سمجھ سکتے ہیں مثلاً

۱۔پیغمبر اسلامؐ نے پہلے مرحلے میں کن لوگوں کو اسلام کی دعوت دی؟

۲۔کن لوگوں نے دعوت اسلام کو پہلے قبول کیا؟

۳۔کن لوگوں نے آپ کے ہمراہ ہجرت کیلئے سبقت کی اور کون پیچھے رہ گئے؟

۴۔کن افراد نے پیغمبرؐ کے ساتھ اخلاص کا ثبوت دیا اور اس سلسلے میں کوتاہی کرنے والے کون تھے۔

۵۔آپؐ کی دعوت کے سلسلے میں کس کس نے امانتداری اور وفاداری کا مظاہرہ کیا اور کس کس نے آپ کے ساتھ منافقت اور خیانت کی؟

لہٰذا سیرت پیغمبرؐ میں ذکر صحابہ کا ہونا لازمی جزو ہے لیکن ایک گروہ کو اصحاب کا ذکر کرنے سے ہی کڑواہٹ محسوس ہوتی ہے جس کی وجہ سے انھوں نے سیرت پیغمبرؐ کے بارے میں کچھ ضبط تحریر میں لانے سے بھی گریز کیا ہے یا پھر ان کی تمام خدمات سے نادانستہ طور پر چشم پوشی کر کے آگے بڑھنے کی سنت کو اپنانے کی کوشش کی گئی ہے دوسری جانب ایک گروہ اصحاب کو اس انداز میں منظر عام پر لایا ہے کہ گویا اسلام پھیلانے میں مکمل ان کا کردار حاوی ہے اور محمدؐ ان کے طفیلی ہیں،ان کی تحریر کردہ کتب سیرت میں پیغمبرؐ کی شخصیت پر اصحاب کے فضائل حاوی نظر آتے ہیں ۔انہی کتابوں میں صحابہ کے اس حد تک فضائل لکھے گئے ہیں کہ ان کی شعاعوں میں نبی کریمؐ کی حیات دھندلی نظر آتی ہے۔جیسے چاند کے بادل میں چھپ جانے سے ستاروں سے روشنی آ رہی ہو انہوں نے پیغمبرؐ کی سیرت کا ایک حصہ آپؐ کے اصحاب و تابعین کی سیرت کے نام سے اپنایا ہوا ہے اہل سنت و الجماعت آپ کی سیرت طیبہ کے بارے میں اصحاب کی سیرت کا مطالعہ کر کے نتیجہ اخذ کرتے ہیں لہٰذا اصحاب کی شخصیات کے بارے میں بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں سر فہرست "الاصابه فی اسماء صحابه" ہے جو کہ ابن حجر کی تحریر کردہ ہے۔ اول الذکر گروہ نے امامت یا آئمہ طاہرینؑ کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔آئمہ کے فضائل و مناقب کو اس طریقے

سے اٹھایا ہے جس میں محمدؐ کی مثال پہلے گروہ کی قائم شدہ مثال سے زیادہ مختلف نہیں۔ جب تیسرا غیر جانب دار حلقہ یہ صورتحال دیکھے گا تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگا کہ صاحبان فضیلت یا تو اصحاب ہیں یا آئمہؒ یا پھر محمدؐ کی فضیلت کے معتقدین نہیں ہیں اگر ہیں بھی تو دوسرے درجے پر کیونکہ اصحاب یا امامت کے معتقدین تو ہر جگہ نظر آتے ہیں لیکن صرف محمدؐ کو چاہنے والے مفقود ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دنیائے کفر و شرک کو توہین رسالت جیسی جسارت کرنے کی جرأت ہوئی ہے اور وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں گے کہ مسلمان اصحابؓ کے مرید ہیں یا آئمہؒ کے اور محمدؐ کی شخصیت کو دوسرے درجے کی حیثیت حاصل ہے۔ دور حاضر میں اصحاب اور آئمہ کے مقابلے میں حضرت محمدؐ کو ہی صاحب فضیلت، سب سے اعلیٰ اور افضل دکھانا سیرت نگاروں اور خاص کر عادی حالات کے تحت سوچ و فکر رکھنے والوں کیلئے ناممکن بن گیا ہے!

سیرت پیغمبر اسلام ﷺ اور مستشرقین کا کردار

مستشرقین نے پہلے دن سے کمربستہ ہو کر اسلام کے ساتھ مقابلہ و مزاحمت کرنے کا عزم و ارادہ کر رکھا ہے اس سلسلے میں وہ قول و فعل اور فکر و سوچ کو بروئے کار لا رہے ہیں۔ انکا یہ اقدام ترجیحات کی بنیاد پر استوار ہے یعنی ہر وہ چیز جو دین اسلام کی اساس و بنیاد ہے اس کے خلاف انہوں نے دل کھول کر قلم و زبان کی طاقت استعمال کی ہے یقیناً اسلام کی اساس قرآن کریم ہے لہٰذا انھوں نے اس کے کسی خاص حکم، سورہ اور آیت ہی نہیں بلکہ کلمہ کلمہ کو نشانہ بنایا ہے۔ اسلام کی دوسری بنیاد پیغمبر اسلامؐ کی ذات گرامی ہے انہوں نے اس سلسلہ میں پیغمبر اسلامؐ کی ولادت سے لے کر اختتام خلافت تک کی تاریخ کو نشانہ بنایا ہے اس سلسلہ میں صاحبان عقل و شعور کو چاہیے کہ وہ غور و خوض کریں تا کہ ان کی مذموم عزائم پر مبنی کاوشیں منظر عام پر آسکیں۔ انہوں نے پیغمبر اسلامؐ کی سیرت کو ہر طرح سے ضد و نقیض کا نشانہ بنانے کی مہم چلائی۔ ایک طرف انہوں نے سیرت پیغمبرؐ کیلئے سنت رسولؐ کو حجت گردانے کی سرتوڑ کوشش کی تو دوسری طرف سنت رسولؐ کو بڑھا چڑھا کر قرآن کریم کو کنارے پر لگانے کی مہم کو جاری رکھا لہٰذا آپ کو تاریخ اسلام سے متعلق کوئی کتاب یا سند و مصدر ایسا نہیں ملے گا جو ان کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ رہ کر ہمارے پاس پہنچا ہو۔ مستشرقین نے کبھی عداوت و دشمنی کی زبان اور کبھی منافقت و دروغ گوئی کے ذریعے سیرت پیغمبرؐ کو بدنام و مخدوش بنانے کی کوشش کی ہے۔

نبی کریمؐ کی حیات و سیرت کے بارے میں ایک نمایاں عنوان "محمدؐ اور مستشرقین" ہے محمدؐ اور مستشرقین کے بارے میں مختلف عناوین پر تحریریں سامنے لائی گئیں ہیں اس سلسلے میں کچھ تقسیم بندی اور وضاحت ہم نے اپنی کتاب "قرآن اور مستشرقین" میں کی ہے بعض حلقے علم و آگاہی کے ساتھ یا سادہ فکری یا پھر سطحی سوچ کے باعث مستشرقین کے بہت گرویدہ ہیں انہی حلقوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اس محمدؐ کا کیا کہنا جن کے بارے میں دنیا کے دانشوروں نے بہترین کلمات سے اظہار تواضع و انکساری کی ہے انہی حلقوں کا خیال ہے کہ محمدؐ کو ہم سے زیادہ مغرب والے یا غیر مسلم لوگ جانتے ہیں تا ہم بعض اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مستشرقین کی جانب سے حضرت محمدؐ کے متعلق جو کچھ بھی کہا گیا ہے وہ سوء نیت اور دھوکہ دہی کے کھاتے میں چلا جاتا ہے۔

دنیا میں بعض افراد ایسے ہیں جو دنیا میں گزرنے والی اہم اور نابغہ روزگار شخصیات کی صفات و خصوصیات، کامیابی و کامرانی کے اسباب و علل کا تجزیہ کرتے ہیں چاہے وہ شخصیات تجزیہ نگاروں کے ہم خیال ہوں یا مخالف۔ دنیا میں اصول یہی رہا ہے کہ تاریخ میں جو کوئی کسی بڑے خطے میں عالمی سطح پر انسانیت کا رخ موڑنے میں کامیاب ہوا ہو دنیا اسی کا ذکر کرتی ہے ان سے متعلق کچھ اسباب و وجوہات کی باتیں خلوت میں ہوتی ہیں بعض باتیں ان کے مریدوں کو خوش کرنے یا ملک کے پالیسی ساز اداروں کو اسباق و ہدایت دینے کیلئے کی جاتی ہیں۔

حضرت محمدؐ کے بارے میں مستشرقین کے نظریات پر مشتمل بہت سی کتابیں موجود ہیں ہماری اس کتاب کے صفحات میں اتنی گنجائش نہیں کہ مستشرقین کی کتابوں سے حضرت محمدؐ کے متعلق موجود مواد کو جمع کریں بلکہ اس کیلئے ایک مکمل کتاب کی ضرورت ہے۔

ہم چونکہ حضرت محمدؐ سے عقلی و قلبی دلیل کی بنیاد پر لگاؤ رکھتے ہیں لہٰذا تملق و چاپلوسی گوئیوں کی تعریف کو بنیاد بنا کر محمدؐ کی شخصیت کو نہیں اٹھائیں گے محمدؐ کی شخصیت کسی دانشور یا نابغہ روزگار کی تائید و سند سے نہیں بنی ہے بلکہ اس کی محکم سند خدا نے اپنی عظیم کتاب قرآن کریم کی شکل میں نازل فرمائی ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا یہ محمدؐ کے نبی ہونے کیلئے کافی نہیں کہ ہم نے ان پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو صبح و شام پڑھا کرتے ہیں:

﴿اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ ''کیا انھیں یہ کافی نہیں؟ کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمادی جو ان پر پڑھی جارہی ہے'' (عنکبوت ۵۱)

ان مذموم و ناپاک ہاتھوں سے گزر کر ہم تک پہنچنے والی سیرت کے متعلق صحیح اور غلط کی رائے قائم کرنا بے پرواہ یا دینی کاروبار چلانے والوں کیلئے مفید و آسان ہوسکتا ہے لیکن شیدائیان و جگر سوزان اسلام کیلئے یہ ایک کٹھن مرحلہ اور خطرناک موج ہے لہٰذا اس کشتی کو منزل تک لے جانے کیلئے عقل سلیم اور قرآن کریم دونوں سفینوں کی ضرورت ہے۔

مستشرقین اور مطالعہ سیرت

پیغمبر اسلامؐ کی سیرت کے مصادر کا ایک بڑا حصہ مستشرقین کے ہاتھوں سے مندرجہ ذیل صورتوں میں مسلمانوں تک پہنچا ہے۔

۱۔ سیرت پیغمبرؐ کے بارے میں لکھی گئی وہ کتابیں جو مغرب والے برصغیر سے جنگ کے دوران مال غنیمت کے طور پر لے گئے تھے ان میں ترمیم و تصحیح یا دیگر مداخلت کی گئی جو بعد از اں ہم تک پہنچی ہیں۔

۲۔ ان کی منافقانہ سازشوں کے ذریعہ کبھی سیرت میں تحریف کی گئی تو کبھی نقد و تنقیص کا نشانہ بنایا گیا، ایک طرف پیغمبرؐ کی ایک فضلیت کو جیسے اُمّی کی جگہ لکھنے پڑھنے کو ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کی گئی تو دوسری طرف ایک صفت مذموم کو ان کی فضلیت قرار دے کر ہم تک پہنچایا گیا ہے اور اس سلسلے میں رہی سہی کسر انکی درس گاہوں سے سند یافتہ یا انکے گرویدہ لوگوں نے پوری کردی۔

سیرت نویسی کے بارے میں ہماری ترجیحات

ہم کبھی یہ نہیں کہتے کہ ہماری ترجیحات مسلم اور حقیقت پر مبنی ہیں بلکہ ہم نے اپنی تصنیفات کیلئے جن ترجیحات کو اپنایا ہے اس پر بھی بحث وگفتگو ہوسکتی ہے اسی طرح ہم نے اس کتاب سیرت کو تحریر میں لاتے وقت جن ترجیحات کا خیال رکھا ہے وہ اگر غلط ہیں تو ان کی تصحیح ہوسکتی ہے، سیرت کے بارے میں ہم نے درج ذیل ترجیحات کو اہمیت دی ہے۔

۱۔ان مصادر پر اعتماد کیا ہے جو قدیم سے قدیم تر ہوں چاہے شیعوں کے یا اہل سنت کے ہوں۔

۲۔ان سیرت نویسوں اور مؤرخین کی تالیفات پر جنھوں نے اپنے مدعا کے حق میں دلائل وشواہد پیش کئے ہیں۔

۳۔جنھوں نے سیرت پر کتابیں لکھ کر حوالہ دیتے ہوئے تاریخی مصادر کی نشاندہی کی ہے۔

۴۔نقولات عقل اور مسلمہ تجربات سے متصادم نہ ہوں۔

۵۔جن باتوں کو ہر سیرت نویس نے لکھا ہو اور اس پر اکثریت کا اجماع ہو۔

۶۔سیرت میں موجود مواد مسلمہ تاریخی نقولات سے متصادم ومتعارض نہ ہو۔

۷۔مزاج سیرت پیغمبرؐ کے خلاف نہ ہو۔

۸۔اسلام اور قرآن وسنت سے ماخوذ مسلمات کے منافی نہ ہو۔

۹۔صریح قرآنی آیات کے خلاف نہ ہو۔

۱۰۔اس بات کو ترجیح دی ہے کہ پیغمبرؐ پر پہلے ایمان لانے ،ہجرت میں سبقت کرنے جنگوں میں آپؐ کے ہم رکاب جہاد کرنے آپؐ کو مدینہ میں دعوت دینے، آپؐ کیلئے ضیافت کا اہتمام کرنے اور دین اسلام کیلئے ایثار وقربانی دینے والوں کے اعزاز واحترام کو باقی رکھا جائے۔

۱۱۔کتاب لکھتے ہوئے سیرت نویسی کے دوران کسی بھی مرحلے پر عصبیت اور بے جا دشمنی سے نہ اپنے چاہنے والوں کی کسی غلطی پر مہر صحت لگائی گئی ہے اور نہ ہی غیر ضروری دوستی میں اپنے چاہنے والوں کی حمایت کی خاطر کسی مقام پر غلو کو داخل ہونے دیا گیا ہے اسی طرح اپنے نہ چاہنے والوں کیلئے حاصل فضیلت کو بھی نظر انداز کرنے اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔

مصادر کتب سیرت

۱۔تاریخ　　　　۲۔ سیرت
۳۔سنت　　　　۴۔قرآن کریم

۱۔ تاریخ

ڈاکٹر رفیق انجم اپنی گرانقدر کتاب ''موسوعہ تاریخ علم'' میں لکھتے ہیں کہ کلمہ تاریخ مادہ ''ارخ و ورخ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''بیّنت وقت کتابہ'' یعنی ہم نے اس کے وقت کو بیان کیا، جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ تاریخ مادہ ''الارخ'' سے بنی ہے الف پر زبر یا زیر دونوں مستعمل ہیں۔ الرخ گائے کے اس چھوٹے بچھڑے کو کہتے ہیں جو تازہ پیدا ہوا ہو۔

یہ کلمہ اصل میں فارسی کے دو کلمات سے مرکب ہے یعنی ماہ اور روز یعنی مہینہ اور دن۔ تاریخ کی عام تعریف یہ ہے کہ تاریخ انسان کی ماضی کا ایک ایسا قصہ یا اس کی داستان ہے جو منظم اور مرتب ہو کر مکتوب کی صورت میں ہمارے ہاتھ آئی۔ انسانِ عاقل و ہوشمند جب بھی کسی واقعے کے بارے میں سنتا ہے تو اسے قانونِ مادی کی آزمائش گاہ سے گزارتا ہے، جس طرح مادے کی دگرگونی میں اس کے وجود ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اسباب وعلل تلاش کئے جاتے ہیں، اسی طرح ایک انسان بیمار ہو جائے تو طبیب پہلے مرحلے میں مرض کی تشخیص کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ متعلقہ شخص کو کوئی مرض لاحق ہے یا نہیں اور مرض ہونے کا یقین ہو جانے کی صورت میں وہ دوسرے مرحلے پر اس مرض کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ تیسرے مرحلے میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ متعلقہ شخص کو مرض کیسے اور کہاں سے لاحق ہوا تا کہ آئندہ اس کی روک تھام کیلئے اقدام کیا جاسکے۔ بالکل اسی طرح تاریخ کے بارے میں بھی تحقیق کی جاتی ہے جس کے ذریعے اس میں داخل ہونے والی برائیوں کے اسباب وعلل کو تلاش کیا جاتا ہے تا کہ معاشرے سے برائیوں کا خاتمہ ہو اور آئندہ کیلئے روک تھام کی جاسکے۔

۱۔سیرت نبی کریمؐ کے مصادر میں سے پہلا مصدر تاریخ ہے لیکن بعض افراد کفر والحاد کو فروغ دینے کی خاطر توحید اور دین و دیانت کو داؤ پر لگا کر واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ ''تاریخ پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ تمام خرابیاں تاریخ کے دروازے سے ہی داخل ہوئی ہیں۔ تاریخ اپنی لکھی ہوئی نہیں بلکہ دوسروں کی تحریر کردہ ہے لہٰذا اس پر کیسے بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔'' بعض افراد تاریخ کو رڈ کرنے کیلئے دینی و مذہبی لبادہ اوڑھ لیتے ہیں تا کہ سادہ لوح عوام یہ سمجھ بیٹھیں بلکہ یقین و اطمینان کر لیں کہ اس طرح کی باتیں کرنے والے مذہبی دانشور ہیں جن کی تحقیق بھی ہوگی لیکن ان حلقوں سے ہمارا سادہ سا سوال یہ ہے کہ آپ کے باپ دادا یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آپ فلاں کے پوتے ہیں یا فلاں بڑے خاندان سے تعلق رکھتے تھے یہ تو تاریخ ہے،

البتہ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کسی بیابان یا میدان یا پھر غار اور جوراہے سے مل گئے ہوں۔

۲۔ اس موقف کی رڈ میں ایک دوسرے حلقے کا کہنا ہے کہ تاریخ میں جو کچھ بھی آیا ہے آپ کو ماننا پڑے گا کیونکہ جو چیز تاریخی صفحات پر ایک بار ثبت کر دی گئی ہے اسے دوبارہ ختم نہیں کیا جا سکتا، تاریخ، تاریخ ہے جس سے انکار ممکن نہیں، اس موقف کا مطلب ہوگا کہ فلاں شخص کا باپ فلاں ہے جبکہ بعض کے مطابق فلاں ہے، اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں اسلام آیا ہے جبکہ بعض کا اصرار ہے کہ اسلام نامی کوئی چیز نہیں، بعض کہتے ہیں واقعہ کربلا رونما ہوا تھا جبکہ دیگر اس سے انکار کرتے ہیں، تاہم تاریخ کی تمام چیزیں جمع تضاد و تناقص پر مشتمل ہیں جنہیں من وعن تسلیم کرنا فسطائیت ہے، جس طرح پوری تاریخ کو رڈ کرنا درست نہیں اسی طرح ہر نقل کو قبول کرنا بھی عقل کے خلاف ہے کیونکہ ایسی صورت میں نہ قانون بن سکتا ہے نہ آئین اور نہ ہی کوئی اسباق لے سکتا ہے۔ قرآن کریم کی سورہ حجرات میں آیا ہے کہ اگر تمہیں کوئی خبر لائے تو اسے من وعن قبول نہ کرو ورنہ پشیمان ہو جاؤ گے، خسارے میں پڑ جاؤ گے یا دھوکہ ہوگا۔

نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ سے نقل تاریخ ہو یا روایت غرض سیرت کی کتابوں میں قصہ کہانیاں اور متضاد و متناقص چیزوں پر مشتمل بہت سے صفحات بھی شامل ہیں جس کی وجہ سے بعض سیرت کی کتابیں ضخیم مجلّات کی شکل اختیار کر گئی ہیں، بعض بزرگان کے مطابق تین مقامات سیرت نبیؐ، کعبہ اور تفسیر قرآن کے دروازے سے اسرائیلی اور مذاہب باطلہ کی غلاظتیں پھینکی جاتی ہیں جس کی وجہ سے قرآن کتاب الٰہی سے نکل کر حدیث کی کتاب بن گئی ہے۔ بعض حلقوں کے نزدیک تاریخ سادہ سی کتابوں پر مشتمل چیز ہے جس کے بارے میں پڑھ کر ہر ایک تاریخ دان بننے کا دعویٰ کرتا ہے جیسے حیات القلوب، تاریخ اسلام اور چودہ ستارے جو کہ اسرائیلی اور مذاہب باطلہ کی خرافات اور غلاظتوں کا مجموعہ ہیں۔

تاریخ ایک علم ہے جس کے اصول وضوابط اور قوانین ہیں، تاریخ سے ناآشنائی کی وجہ سے مفسرین قرآن کریم کی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے سودے بازوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور یوں علم و تحقیق کے دعویداروں کے قلم و زبان سے جہالت کی بو آتی ہے لہٰذا ہمیں عام تاریخی صفحات اور خاص کر سیرت نبویؐ کے بارے میں موجود کتابوں کے صفحات کے متعلق کچھ وضاحتیں کرنا ہوں گی۔

اس وقت ایک گروہ حکمرانوں کا ہے جو عالمی کفر والحاد کی خوشنودی اور اطاعت کی خاطر معاشرے کو روشن خیالی کے نام سے کفر والحاد میں دھکیلنا چاہتا ہے جس کیلئے کثیر رقوم خرچ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے جبکہ دوسری جانب اسلامی معاشرے کے قیام کے خواہشمند بھی ہیں جو اپنی تمام تر بے سروسامانی کے ساتھ دین اسلام کی سربلندی چاہتے ہیں۔ تاریخ میں دونوں حلقوں کیلئے انمول نمونے گزرے ہیں اور دونوں ان نمونوں کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں مثلاً بعض اقتدار طلب اور ظالم و جابر انسانوں جیسے ہٹلر، اتاترک، لینن، سٹالین، صدام اور میکاولی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں اور ان کی زندگی کے طور طریقے یعنی سیرت الحادی سے استفادہ کرتے ہیں۔ البتہ صالحین کیلئے بھی تاریخ میں اعلیٰ وارفع مثالیں موجود ہیں اور یہ حلقہ اس

سلسلے میں آئمہ طاہرینؑ اور خلفاء راشدینؓ سب کے آقا و سرور رسول اللہؐ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتا ہے۔ ہر مسلمان اپنی تاریخ کا مطالعہ کرنے کیلئے سبق کے پہلے صفحہ کے طور پر رسول اللہؐ سے شروع کرتا ہے اور پھر دوسرے سبق کے طور پر خلفائے راشدینؓ اور آئمہ طاہرینؑ کی سیرت کا مطالعہ کرتا ہے جبکہ تیسرے سبق کیلئے صالح علماء و مجتہدین کی حیات سے متعلق جاننے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن یہ بات ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ پہلے مرحلے میں دوسرے سبق کو نصاب سے نکالنے کیلئے کس طرح مذہب کی کلہاڑی کو استعمال میں لا کر کتنی چابکدستی سے ہٹلر جیسی شخصیات کو دوسرے سبق میں لانے کی کوشش کی گئی اور پھر خود رسول اللہؐ کو نصاب سے نکالنے کیلئے توہین آمیز خاکے بنانے کی جرأت کی گئی ہے۔ اس موقع پر صاحبانِ عقل و شعور کو درک کرنا چاہیے کیونکہ نصاب کے اسباق سے علمائے صالح، آئمہ طاہرینؑ، اصحاب رسول اللہؐ کی سیرت کو نکالنے کی کوشش خود رسول اسلامؐ کی اہانت و جسارت ہے۔ غرض رسول اللہؐ کی سیرت کے مطالعے کا مقصد یہ دیکھنا ہے کہ آپ نے دعوت اسلام کا آغاز کہاں سے اور کیسے کیا۔ اس سلسلے میں کن کن وسائل اور ذرائع کو بروئے کار لایا گیا اور وہ کون سے امور تھے جن سے آپ مسلسل پرہیز و گریز کرتے رہے، آپ کو کن مقامات پر کامیابی حاصل ہوئی اور کن مواقع پر ناکامی سے دوچار ہوئے، آپ کی سیرت میں کس حد تک غیبی عوامل مؤثر رہے، یہ ساری چیزیں جاننا اس لئے بھی ضروری ہے کیونکہ بعض کا خیال ہے کہ پیغمبر اسلامؐ تمام معاملات غیبی ڈوری سے چلاتے تھے اور یہ کام کسی اور کے بس کی بات نہیں تھا۔ اس موقف کے تحت پیغمبرؐ کی سیرت افسانوی اور شخصیت عنقائی ہوگی اسی طرح نہ ان پر کسی کا احسان ہوگا اور نہ ہی ان کی طرف سے کسی پر کوئی احسان ہوگا۔

آجکل بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو رسول اللہؐ کے نام سے کھاتے پیتے ہیں اور خود کو نبیؐ کا وارث ہونے کے دعوے کے ساتھ اس جملے سے مذاق بھی اڑاتے ہیں کہ آپ تو کہتے ہیں کہ ہم رسولؐ کی پیروی کریں کیا یہ ہوسکتا ہے؟

معلوم نہیں کہ رسول اللہؐ کی پیروی ناممکن ہونے اور قرآن سمجھنے کا امکان نہ رہنے کے بعد لوگ کس نبی کے وارث اور کس شریعت کے مبلغ بنے بیٹھے ہیں حالانکہ پیغمبرؐ کی سیرت کے نشیب و فراز ایسے عوامل و علل کے تحت بنے جو آپ کے بعد آنے والے مصلحین کیلئے شمع حیات، مشعل راہ، چراغ ہدایت اور مستقبل کیلئے درخشاں ستارے کی مانند ہیں۔ نبی کریمؐ نے اپنی دعوت کو وحی اور دقت و باریک بینی کے ساتھ آگے بڑھایا جسے سنت کہتے ہیں یہ مختلف لوگوں کے ہاتھوں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کمی بیشی کا شکار تو ہوسکتی ہے جس کی بنا پر کسی معاملے میں اشتباہ تو ہوسکتا ہے لیکن قابل تاسی اور پیروی نہ ہونے کی بات انتہائی غلط ہے کیونکہ خداوند متعال نے اپنی کتاب عزیز میں نبی کریمؐ کو جو رہنمائی اور نصرت کے وعدے سے نوازا ہے وہ عمومی ہے جو ہر آنے والے زمانے کے لوگوں کیلئے بھی یکساں ہے اس حقیقت کی روشنی میں ہمیں تاریخ و سیرت کے تمام صفحات کی دقت و باریک بینی کے ساتھ اصول و ضوابط کی آزمائش گاہ سے گزار کر نا قبول کرنا ہوگا۔

مثلثِ تاریخ

اس کے تین نکات ہیں:

۱۔نقل واقعہ

۲۔علل واسباب حدوث واقعہ

۳۔واقعہ سے برآمد ہونے والے نتائج

ان تین عناصر کے مرکب ہونے کے بعد، تاریخ انسانیت کیلئے درس ونصاب کے قابل بن جاتی ہے۔اگر واقعہ رونما نہ ہوا ہوتو اسے تاریخ نہیں کہیں گے اگر بغیر سبب حدوث واقعہ ہوا ہے تب بھی وہ قابل اعتناء (اعتبار) نہیں ہے اسی طرح اگر واقعہ سے نتیجہ برآمد نہیں ہوتا ہے تو اس سے انسان کا کوئی رشتہ وتعلق نہیں بن سکتا ہے لہٰذا اس حقیقت کے بعد تاریخ نگار، تاریخ پڑھنے، لکھنے اور سننے والے کو ان تین چیزوں میں سے ہر ایک پر توجہ کرنے اور جائزہ لینے کی ضرورت ہے:

۱۔نقل واقعہ: تاریخ میں واقعے سے متاثر ہونے کے بعد اسے فائدہ مند بنانے کیلئے اس کے بعض حصے کو حذف کرنا اور اس میں جھوٹ ملانا ایک عادی کام ہے۔قرآن میں یہ حکم ہے کہ جب بھی تمہارے پاس کوئی خبر آئے تو اس کے بارے میں تحقیق کرلیا کرو:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا﴾ ''اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو'' (حجرات ۶)

تاریخ کے متعلق تحقیق ہمارے پاس موجود کتابوں کی نقل پر ہی کی جانی چاہیے علاوہ ازیں من وعن قبول، ردّیا بعض کو قبول اور بعض کو ردّ کرنے کی کیا منطق ہے کیونکہ اصل نقل کا واضح وثابت ہونا ضروری ہے۔

۲۔علل واسباب حدوث واقعہ: کوئی بھی واقعہ علل واسباب کے بغیر وجود میں نہیں آتا اگر واقعہ کی اصل علل مل جائے تو وہ نتیجہ خیز اور سودمند ہوجاتا ہے اس سے نتائج برآمد کئے جاسکتے ہیں علت وسبب کے چھپانے سے نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا ہے مثلاً مقتول کے اصلی قاتل کو چھپا کر اجنبی کو مقدمے میں لاکھڑا کیا جائے جیسا کہ بہت سے ایسے واقعات رونما ہوچکے ہیں کہ قاتل کو چھڑا کر بری کو پکڑنے کی خیانت عام ہے۔جو افراد اصل واقعے سے انکار نہیں کرپاتے وہ سبب واقعہ میں دخل اندازی کرکے غیر سبب کو اصل بناتے ہیں چنانچہ واقعہ کربلا میں سبب عمر سعد اور اس کا لشکر تھا لیکن ان کو یزید نے بھیجا تھا۔علل واسباب تک محدود ہوکر کچھ گروہ یزید اور اس کے اعوان کو بری قرار دیتے ہوئے ان پچاس سال پہلے گزرنے والوں کے کھاتے میں ڈالتے ہیں چنانچہ خلیفہ اول ودوم کو واقعہ کربلا کا بانی ومبانی ٹھہرایا گیا ہے حاشا وکلا اس قسم کی خودساختہ تفسیر وتوجیہ کرنے والے محقق وفلسفی بن جاتے ہیں۔

۳۔واقعہ سے برآمد ہونے والے نتائج: واقعہ سے نتیجہ اخذ کرنے سے روکنے کیلئے واقعے پر عبادت کی چادر چڑھائی جاتی

ہے جیسا کہ جلوس عزا کے ایک خاص راستے سے گزارنے اور خاص جگہ تک پہنچانے کی روایت ،اسلام تہس ونہس ہوجائے ،ملت پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوجائے اس جلوس عزا کے اپنے ہدف تک پہنچنے کے علاوہ ان کے پاس کوئی مقصد نہیں ہوتا اور اس راہ میں ہر قسم کی قربانی حقیر وقلیل سمجھی جاتی ہے اسی طرح میلاد نبیؐ ہے ۔تاریخ کے بعض واقعات میں تاریخ نگار ہیر پھیر کرتے ہیں ،بعض علل وسبب بیانی میں غلطی کرتے ہیں بعض سوچے سمجھے غلط نتائج اخذ کرتے ہیں، یوں ایک عرصہ گزرنے کے بعد یہ سب نقل بن جاتا ہے پھر اس پر مزید اسباب وعلل کا اضافہ ہوتا ہے اور اجنبی نتائج برآمد ہوتے ہیں خلاصہ کلام نہ تاریخ سے گریز و بے نیازی ممکن ہے نہ تاریخ کا ہر ہر حرف سند بنتا ہے۔

کتب تاریخ

دعوت اسلام ،حیات پیغمبرؐ پیغمبرؐ پر ایمان لانے میں سبقت کرنے والوں، آپؐ کے کہنے پر ہجرت کرنے والوں کے نام اور دیگر واقعات تاریخ بشری کا ایک حصہ ہیں جیسے عادی حالات میں دیکھ کر کتاب یا اس کے مؤلف کو تسلیم نہ کرنے کی بات قابل قبول نہیں اور یہ سیرت عقلاء سے بھی متصادم ہے اسی طرح کوئی بھی بات یا واقعہ جو تاریخ میں ثبت ہوا ہے سے کوئی اپنی خواہش اور صوابدید پر رد نہیں کر سکتا جب تک اسے مسلم ،مستند اصول وضوابط سے متصادم ومتعارض نہ پائے۔

پیغمبر اسلامؐ کی سیرت کا مطالعہ کرنے کیلئے پہلے مرحلے میں تاریخ کے بارے میں تحریر شدہ کتابوں کے متعلق سرسری آگاہی حاصل کرنا ضروری ہے ،تاریخ کی کتاب لکھنے والوں میں سے ہر ایک نے سیرت نبی کریمؐ کو صرف ایک زاویئے سے اٹھانے کی کوشش کی ہے مثلاً:

الف۔جغرافیائی تاریخ: یعنی مملکت اسلامی میں سے صرف ایک خطے کو اٹھایا ہے کہ فلاں خطے پر اسلام کب، کیسے اور کس کے ذریعے آیا ہے اس سلسلے میں بطور مثال ''تاریخ حجاز'' یعنی مکہ و مدینہ، ''تاریخ مصر'' اور ''تاریخ بغداد'' سرفہرست ہیں۔

ب۔زمانی تاریخ: بعض کتب میں اسلام سے پہلے کا زمانہ ،اسلام کا ابتدائی زمانہ اور دنیا میں کون سا واقعہ کب پیش آیا اور اس حوالے سے اسلام پر کیا گذرا اسے بیان کیا گیا ہے۔

ج۔تاریخ بدون سند: کسی واقعہ کو سند کے بغیر ذکر کرنا جیسے کتاب ہدایہ ونہایہ ابن کثیر اور کامل ،تاہم ابن اثیر (متوفی ۶۳۰) نے تمام اسلامی اقالیم اور خاص کر صلیبی جنگوں کو اٹھایا جن میں وہ خود بھی شریک تھے ،ابن اثیر نے اپنی کتابوں کے حوالے سے کتاب کی دسویں جلد میں بہت کچھ لکھا ہے۔

د۔شخصیات: بعض مؤرخین تاریخ میں گذرنے والے اہم افراد کو طبقات کی بنیاد پر ضبط تحریر میں لائے ہیں ،مثلاً کتاب طبقات حفاظ ذہبی اور طبقات کبریٰ ابن سعد میں تمام اصحاب وتابعین اور تبع تابعین کے نام ہیں جن کا کسی نہ کسی طرح سیرت پیغمبرؐ سے تعلق ہے ،اصحاب وتابعین کا تعلق جتنا اثر رسالت سے ہوگا اتنی ہی سند مستحکم ہوگی۔

ھ۔تاریخ انساب: بعض مؤرخین نے تاریخ کو نسب کے طور پر اٹھایا ہے جیسے کتاب: انساب واشراف بلاذری، جمہرۃ

انساب العرب اور نہایت العرب ان کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ تاریخ کی اہم شخصیات کا خاندان اور نسب کیا تھا کیا ان شخصیات کا کوئی وجود بھی تھا یا نہیں۔

تاریخ پر اعتماد میں مورخ کا کردار

تاریخ بھی ایک حوالے سے حدیث یا نقل ہے دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ حدیث کی نقل صحیح ثابت ہونے کے بعد حجت ہوتی ہے جبکہ مؤرخ کا قول حجت نہیں ہوتا لیکن کسی تاریخ کو اپنانے اور کوئی نتیجہ اخذ کرنے کیلئے وہی شرائط لاگو ہونا ضروری ہیں جو حدیث کیلئے ہوتی ہیں۔مستند و معتبر تاریخ نقل کرتے وقت متن تاریخ کے ساتھ ایک مؤرخ میں مندرجہ ذیل خصوصیات وصفات کا ہونا ضروری ہے، ایک ذمہ دار تاریخ نگار کا اس کی لکھی ہوئی تاریخی سطورات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے چہ جائیکہ مؤرخ خود کو کتنا ہی امین، منصف یا غیر جانب دار قرار دے دے یا پھر خاموش رہے۔

۱۔کسی سے تاریخی مواد نقل کرتے وقت باریک بینی اور دقت سے کام لے اور کسی مورخ کی تعریف و مذمت میں منافقانہ رویہ نہ اپنائے، ان کی حیات میں تعریف و توصیف اور موت کے بعد تنقید نہ ہو، اسی طرح گزرنے والوں کی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرے نہ ہی ان کی غلطیوں سے چشم پوشی اختیار کرے، کیونکہ بڑی بڑی غلطیاں تو معاف ہوسکتی ہیں لیکن ان کے بنیادی عقائد کی باتوں کو قبول کرنا آسان کام نہیں بلکہ ان کو قبول کرنے کیلئے ٹھوس دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲۔عصر حاضر میں علماء کی بیشتر باتیں ایک دوسرے کی شان میں ہوتی ہیں اسے بنیاد بنا کر کوئی فیصلہ نہ کرے۔

۳۔جن افراد سے مورخ کو دلی لگاؤ اور محبت ہو، انھیں زیادہ اہمیت نہیں دینا چاہیے کیونکہ اکثر و بیشتر مواقع پر محبت برائیوں کو دیکھنے میں حجاب بن جاتی ہیں۔

۴۔کسی کے بارے میں لکھتے وقت اس بات کو مدنظر رکھا جائے کہ بیان اتنا واضح ہو کہ دوسروں کے سمجھ میں آجائے۔مجمل گوئی اور اشارہ و کنایہ سے گریز کیا جائے۔

۵۔تاریخ نقل کرتے وقت نہ پست یا سطحی سوچ وصفت والے انسان کو مقام و عزت دے اور نہ اعلیٰ صفات کے مالک افراد کی اہمیت کو گھٹائے۔

۲۔تاریخ اسلام یا سیرت نبی کریم ﷺ

تاریخ اسلام اور سیرت نبی کریمؐ مترادف کلمات ہیں جیسے انسان و بشر، اسلام کوئی ایسا دین نہیں جس کے سانچے میں رسول اللہؐ نے تربیت پائی ہو اور تاثر لے کر نابغہ روزگار شخصیت بنے ہوں اور نہ ہی نبی کریمؐ ایسی شخصیت ہیں جن کے ذہنی تصورات کو اسلام کا نام دیا گیا ہو بلکہ اسلام رسول اللہؐ کی حرکات و سکنات کا نام ہے جو اپنی جگہ ساختہ مکتب وحی کے تربیت شدہ ہیں اور انہوں نے وحی اعجازی اور غیر اعجازی کے درمیان پرورش پائی ہے۔وہ اسلام جو ہم تک پہنچا ہے اس کا پہلا مصدر اب تک آب و تاب کے ساتھ موجود ہے اس نے دور قدیم میں مشرکین قریش کو چیلنج کیا اور دور حاضر کے مشرکین کیلئے بھی چیلنج بنا ہوا ہے۔اس میں کسی قسم کی

خرابی یا کوئی عیب و نقص نہیں بلکہ تمام خرابیاں اس کے ماننے والوں کے فہم و ادراک اور عمل پیرا ہونے اور ان کی طرف سے کی جانے والی روگردانی میں پوشیدہ ہیں لیکن وہ اب بھی توبہ نصوح کر کے اچھائیوں کی طرف پلٹ سکتے ہیں۔

دوسرا مصدر آپؐ کی سیرت ہے جسے اصحاب، امت یا اس وقت کے لوگوں نے آپؐ کے گفتار و کردار سے اذہان و اوراق میں ثبت کیا۔ ایک صدی تک مسلمان آپؐ کی حیات یعنی قول و فعل کے بارے میں مشاہدات کو ذہن کے صفحۂ قرطاس پر ثبت کرتے رہے۔ سیرت جس طرح کے حوادث کی زد سے گزر کر ہم تک پہنچی ہے اس کیلئے ہمیں آپؐ کی سیرت کا مطالعہ کرتے اور اسے تحریر میں لاتے وقت تاریخی پس منظر کو بھی مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں ایک کلمے کے بارے میں اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس کے بارے میں اب تک بہت سے مفکرین اور علماء کو اشتباہ ہے وہ کتابت وحی اور تدوین وحی ہے اس کی مزید تفصیل ہم کتاب ''قرآن میں علم واجتہاد'' میں بیان کریں گے۔

کتابت وحی آپؐ کی حیات کے ساتھ ساتھ چلی جبکہ تدوین وحی رحلت کی ایک صدی بعد شروع ہوئی۔ دورِ حاضر میں سیرت کی کتابیں جو ہمارے پاس موجود ہیں وہ دوسری یا تیسری صدی کی تحریر کردہ ہیں اور تاریخ کی سب سے قدیم تاریخی کتاب طبری نے ۳۱۰ھ میں تحریر کی لہٰذا اس سے پہلے اور بعد کے مصادر کو تحریر میں لاتے وقت ترجیحی بنیادوں پر کام کرنا چاہیے۔

مصادرِ سیرت نبوی ﷺ

۱۔ فکر و نظر، علم و آگاہی، عقائد و شریعت، اخلاق و سیاست، حقوق و واجبات کو ان کی ناقابل انکار حقیقت سے جوڑنے کے عمل کو مصادر اولی سے جوڑنا کہتے ہیں۔ اگر کہیں بھی ان چیزوں کا اپنے مصادر اولی اور حقیقت سے وصل نہ ہو تو انہیں ناخلف، باطل، جھوٹ، خرافات اور بے بنیاد و افتراء سمجھ کر مسترد کر دیا جائے گا اور پھر اس سے لاتعلقی اور بیزاری کا اعلان کرنا کسی بھی حوالے سے قابل مذمت نہیں رہتا بلکہ حق و حقیقت اور انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ انکی مذمت کی جائے۔ اس مسلمہ حقیقت کے تناظر میں ہمیں ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) سال سے زائد مدت پیچھے جا کر اپنے نبیؐ کی سیرت کو سمجھنا، اسے صفحۂ قرطاس پر لانا اور اس حوالے سے اجتماع کو خطاب کرنا اتنا آسان نہیں۔ یہ عمل مجلّات و اخبارات کی کالم نویسی جیسا نہیں ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی لکھی گئی کتب سیرت کا مطالعہ کر کے سیرتِ نبی کریم تک پہنچ کر اسے سمجھنے کی امید رکھنا تو درکنار بلکہ وہاں تک نہ پہنچنے کے بارے میں مطمئن ہو جانا زیادہ قرین صحت اور انصاف ہوگا کیونکہ آپؐ کی سیرت کے بارے میں لکھی گئی کتابوں میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک ناقابل تردید سقم کی حامل ہے جو حقائق ضد قرار پاتا ہے۔ یہ سیرت مختلف فرقوں کی لکھی ہوئی ہے اور فرقوں کے نزدیک اس وقت تاسی اور پیروی کیلئے صرف اور صرف نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ کی کوئی خاص اہمیت اور ضرورت محسوس نہیں کی جاتی بلکہ ان کے لب و لہجہ اور شعر و نثر سے واضح ہوتا ہے کہ انہیں سعادت و کامرانی اور کامیابی اپنے ملک کے قائد و بانی یا عارف و صوفی عشیرے فرقے کے نامزد سربراہ یا علاقے کے فقیہ و مجتہد کی تاسی و پیروی کرنے میں نظر آتی ہے لہٰذا وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اب انہیں اس بات کی ضرورت نہیں کہ ایک

ہزار چار سو سال پہلے گذرے ہوئے نبی کی پیروی کریں۔ آپ ؐ کی سیرت طیبہ کا چہرہ انہیں قرآن میں نظر نہیں آتا کیونکہ انہیں قرآن سے خاص لگاؤ اور دلچسپی نہیں جبکہ احادیث میں ضعف سند کے ساتھ ضعفِ دلالت ہے۔ فرقوں کے افکار و نظریات کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی کتب سیرت میں پیغمبر ؐ کے چہرۂ مبارک سے اصحاب کے چہرے زیادہ منور و تابناک نظر آتے ہیں۔ ان حلقوں کے خیال کے مطابق اگر اصحاب بر جستہ اپنی قربانیاں پیش نہ کرتے تو محمد ؐ کی تمام کوششیں ناکام ہو جاتیں ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ وہی اصحاب ہی ہیں جنہوں نے محمد ؐ کو محمد ؐ بنایا ہے اگر نبوت کا سلسلہ باقی رہتا تو انہی اصحاب میں سے ایک کو نبوت کیلئے منتخب کیا جاتا۔ جبکہ دوسری جانب بعض دیگر حلقوں کی طرف سے آئمہ طاہرینؑ اور ان کے خاندان کے خاص افراد کے چہرے محمد ؐ سے زیادہ تابناک دکھائے گئے ہیں۔ انکا خیال ہے کہ خدا نے محمد ؐ کو انہی ذوات کی تعریف کرنے اور امت کو ان کے بارے میں آگاہی کیلئے مبعوث کیا ہے ان حلقوں کا یہاں تک کہنا ہے کہ اگر یہ ذوات نہ ہوتیں تو خود محمد ؐ بھی مبعوث بہ رسالت نہ ہوتے۔ تاہم یہ افراد یہ ثابت کرنے سے قاصر ہیں کہ ان ذوات کو یہ مقام و منزلت کہاں سے اور کیونکر حاصل ہوا ہے گویا روئے زمین میں اہل بیتؑ ایسی ذوات ہیں جو صاحب بیت سے زیادہ مقام و منزلت رکھتے ہیں۔ نبی کریم ؐ کی سیرت سمجھنے کی کوشش کرنے والوں کی راہ میں مصدر سیرت کی تلاش اور جستجو میں ناکامی کا یہ ایک زاویہ ہے۔

۲۔ ہر انسان کیلئے دو عالم ہیں ایک عالم شہود ہے جسے وہ حواس خمسہ کے ذریعے درک کرتا ہے یہاں پر انسان اپنے تمام مسائل میں خود مجتہد و محقق ہے وہ اپنی سماعت و بصارت اور لمس و ذائقے سے چیزوں کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے۔ دوسرا عالم، عالمِ غیبت ہے جو حواس خمسہ کے دائرہ سے باہر ہے اس میں مستقبل، عصر حاضر کی نظروں سے دور راو راو جھل ہے آسمان، زیر زمین چیزیں مد و بصر سے باہر ہیں اسی طرح اسکا گذشتہ ماضی ہے۔

پیغمبر اسلام ؐ کی سیرت کے بارے میں مکتوباتی مصادر (حدیث یا تاریخ) لکھنے کا آغاز دوسری نصف صدی میں ہوا۔ مؤلفین اور مصنفین کیلئے وقت کے حکمرانوں، خلفاء، امراء، برسر اقتدار حکام کے خوف، دباؤ، لطف و کرم اور خوش آمدید کی فضا میں پیغمبر ؐ کی سیرت طیبہ کے بارے میں لکھی گئی سطورات میں شامل تحریف وتزویر اور خلاف واقعہ امور کو نکالنے یا سیرت طیبہ کو ان سے پاک کرنا ایک مشکل کام تھا۔ خاص کر ان افراد کیلئے جن کی نظر فرقہ کی عینک کی حدودِ بصارت سے آگے تجاوز نہیں کر سکتی۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ یہ صفحات ایک ردی کاغذ کی مانند ہیں لہٰذا انہیں کوڑا دان میں پھینک دیا جائے جہاں سے مفاد پرست ٹولہ اسے اٹھا کر اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرے۔ ہمیں ان صفحات کے ساتھ وہی سلوک کرنا ہے جو گراں قدر اور قیمتی چیزوں کی تلاش کیلئے خام مال کے ساتھ کرتے ہیں جس طرح گرانقدر قیمتی چیزوں کے متلاشی افراد خام مال سے اپنے مقصد کی چیز کو تلاش کرنے اور اسے مناسب وسائل و ذرائع کے ذریعے جانچنے کیلئے صحیح معیار استعمال کرتے ہیں ہمیں بھی اپنے نبی کریم ؐ کی سیرت کو اخذ کرنے کیلئے انہی صفحات و اوراق میں ہی مختلف چیزوں کو دیکھنا ہے۔

ہمیں پہلے مرحلے میں اس باب میں لکھی گئی کتب اوران کے مصنفین ومولفین کی مختصر سوانح حیات اوران کو درپیش مسائل کا جائزہ لینا ہوگا۔

راویان سیرت

۱۔عروہ ابن زبیرؓبن عوام (متوفی ۹۲ھ)ان کی ماں اسماءؓ بنت ابی بکر تھیں۔اسلام اور حیات صدر اسلام کے بارے میں ان سے بہت سی احادیث نقل ہوئی ہیں۔یہ اپنے دور کے فقیہ،محدث اور مورخ تھے لیکن ان کا تحریر کردہ کوئی اصل صفحہ ہمارے پاس موجود نہیں بلکہ جو کچھ بھی ہے وہ ان مورخین کی تحریریں ہیں جنھوں نے ان سے نقل کیا ہے۔

۲۔ابن اسحاق واقدی طبری۔انھوں نے ابن زبیر سے احادیث نقل کی ہیں۔

۳۔ابان بن عثمان بن عفان متوفی ۱۰۵ھ:انہوں نے حیات رسولؐ کے بارے میں تحریریں لکھی ہیں۔

۴۔وہب ابن سنبہ الیمنی (متوفی ۱۱۰ھ)

۵۔عاصم بن عمرو بن قتادۃ (متوفی ۱۲۰ھ)

۶۔شرجیل بن سعد (متوفی ۱۲۳ھ)

۷۔موسیٰ بن عقبہ: آپ نے ۱۴۱ھ میں کتاب لکھی جس سے بعد میں آنے والے علماء نے روایات و احادیث نقل کی ہیں لیکن ان کی اصل کتاب اب موجود نہیں ہے۔

۸۔صاحب کتاب معارف عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ)

۹۔محمد بن سعد بن منیع بصری زہری

۱۰۔احمد بن یحیٰی بلاذری (متوفی ۲۷۹ھ)

۱۱۔صاحب اخبار طوال مصنف دینوری (متوفی ۲۸۲ھ)

۱۲۔یعقوب (متوفی ۲۸۴ھ)

۱۳۔طبری (متوفی ۳۱۰ھ)

۱۴۔عبداللہ ابن ابی بکر بن حزم

۱۵۔محمد بن مسلم بن شہاب الزھری: سب سے پہلی کتاب جو سیرت کے نام سے لکھی گئی ہے وہ پیغمبرؐ کے غزوات پر مشتمل ہے جسے محمد بن مسلم زہری متوفی ۱۲۴ھ نے تحریر کیا اور بعض کے نزدیک وہب بن منبہ یمانی نے تحریر کی کہتے ہیں کہ مسلم بن عبداللہ بن شہاب زہری جو کہ محمد بن مسلم زہری کے والد ہیں عبداللہ زبیر کے معتقدین میں سے تھا۔وہ ایک طرف تو بنی امیہ کے مخالف لیکن دوسری طرف بنی ہاشم سے بھی دشمنی رکھتا تھا کیونکہ بنی ہاشم نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت نہیں کی تھی۔محمد بن مسلم بھی اپنے والد کے عقیدے پر چلے وہ عروۃ بن زبیر سے متاثر تھے اور عروۃ بن زبیر اہل بیت ؑ سے

زیادہ دشمنی رکھتا تھا۔محمد بن مسلم کی کتاب مغازی میں رسول اسلامؐ کے تمام غزوات وسرایا کو شامل نہیں کیا گیا جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اس حوالے سے ہمارے پاس موجود ہے ان کے شاگرد محمد بن راشد کا جمع کردہ ہے۔

۱۶۔محمد بن عمرو واقدی: محمد بن عمرو بن واقد واقدی، کنیت ابوعبداللہ اہل مدینہ، مسکن بغداد متولد ۱۳۰ھ متوفی ۲۰۷ھ ان کی تصنیفات یہ ہیں: اخبار مکہ' ازواج نبی' تاریخ فقہاء' تاریخ کبیر' سیرت ابی بکر' کتاب امر الحبشہ والفیل' کتاب جمل' کتاب حرب الاوس والخزرج' کتاب ردہ' کتاب **سقیفہ**' کتاب سیرہ اور کتاب صفین۔

۱۷۔المقریزی: نام احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد بن ابراہیم بن تمیم البعلی العبیدی الحسینی المقریزی المقریزی لبنان کے ایک علاقے کا نام ہے جہاں سے احمد بن علی کا خاندان مصر منتقل ہوا۔انکے آباواجداد علماء حنابلہ سے تعلق رکھتے تھے انکا دادا محدث حنابلہ تھا جبکہ ماں کی طرف سے شمس الدین بن صائغ حنفی سے تعلق رکھتے تھے۔

مقریزی ۷۶۶ ہجری میں قاہرہ کے ایک محلّہ برجوان میں پیدا ہوئے، کم عمری میں حکومتی عہدوں پر فائز ہوئے اور قاضی بھی رہے لیکن بعد میں مذہب حنفی سے منخرف ہوئے۔سلطان برکوک نے انہیں ۸۰۱ھ میں قاہرہ کا کاتب مقرر کیا جس کی وجہ سے ان کا معاشرے کے تمام طبقات سے واسطہ پڑا بعد میں سلطان فرج برکوک نے ۸۱۱ھ میں انہیں دمشق کے مدارس کیلئے مدرس اعلیٰ مقرر کیا۔یہ ۸۳۹ھ میں دوبارہ مصر واپس آگئے اور اپنے گھر کو مدرسے کے طور پر چلانا شروع کر دیا اور یہاں سے تصنیف تاریخ کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔سب سے پہلے مقریزی نے اپنے علمی تسلسل کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہوئے کتاب مواضع واعتبار خط آثار کی تکمیل کی۔مقریزی نے ۸۴۵ھ میں وفات پائی۔

۱۸۔ابن حزم الظاہری اندلسی: امام حافظ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم بن غالب بن صالح بن خلف بن معد بن سفیان۔آپ کے جد پارسی تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے پھر ان کے باپ نے مغربی علاقوں میں جا کر قرطبہ میں قیام کیا۔۳۵۴ھ کو ماہ رمضان میں پیدا ہوئے، ابن حزم کو اندلس میں وزیر بنایا گیا لیکن آپ نے وزارت کو چھوڑ کر میدانِ علم میں داخل ہو جانے کو اپنے لئے باعثِ فخر وعزت سمجھا یہ فقہ میں فقیہ اور معروف مورخ بنے ان کے جد یزید بن ابی سفیان برادر معاویہ کے غلام تھے۔ابن حزم کے اجداد اصل جنس ونسب کے حوالے سے ایرانی اور والدین کی قریش سے وابستگی کے حوالے سے قریشی تھے اسی بنیاد پر وہ بنی امیہ کے دوستوں سے دوستی اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے تھے جو کہ ان کی خاص پہچان تھی چنانچہ اکثر وبیشتر مؤرخین اور سیرت نگاروں نے انھیں ایک مسلمہ شخصیت کے طور پر تسلیم کیا ہے ان کے والد احمد بن سعید بن حزم بنی امیہ کو اپنا ولی نعمت سمجھتے تھے انہوں نے مقام وعزت والے گھرانے میں پرورش پائی جس پر یہ ناز بھی کیا کرتے تھے لیکن انکا کہنا تھا کہ عزت وشرف حصولِ علم میں ہے نہ کہ مال وجاہ میں۔

سیرت نویسی پیغمبرؐ کی حیات طیبہ کے لمحات کا نام ہے اور اس میں آپؐ کی طفولیت، غزوات اور وفات تک کا عرصہ شامل ہے سیرت نویسی کا باقاعدہ آغاز پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد ہوا۔

مندرجہ بالا وہ شخصیات ہیں جنہوں نے سیرت نبویؐ لکھنے کی طرف توجہ دی اور ان کی کتب بعد میں لکھنے والوں کیلئے مصادر وماٰ خذ بنیں، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان شخصیات کی کتب سیرت اپنی اصل شکل میں اس وقت کسی کے پاس موجود نہیں ہیں اگر ان سے کوئی چیز منسوب ہے تو وہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں موجود منقولات پر مشتمل ہے۔ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ محمد بن اسحٰق کی لکھی ہوئی سیرت، سیرت نبویؐ پر لکھی جانے والی کتابوں میں معتبر ہے لیکن یہ بھی ہماری دسترس میں نہیں۔

ابن خلقان نے سیرت رسولؐ کو مغازی اور سیرت ابن اسحٰق سے نقل کیا ہے ان کا کہنا تھا کہ سیرت نبویؐ پر لکھنے والے تمام مصنفین و مولفین کی بر گشت ان کتابوں کی طرف ہے۔

مصادر سیرت

کتب سیرت سے مراد وہ کتابیں ہیں جن میں نبی کریمؐ کی ولادت سے لے کر رحلت تک کے حالات زندگی تحریر ہیں جن میں تمام تر توجہ آپؐ کی سیرت کے نشیب و فراز، دگر گونی، مصائب و مشکلات، سکون و اطمینان کے لمحات جمع کرنے پر دی گئی ہے بعض کے مطابق اس سلسلے میں جن مورخین نے سب سے پہلے قلم اٹھایا ہے ان میں عروہ بن زبیر (متوفی ۹۴ ھ) ابان بن عثمان (متوفی ۹۶ ھ) عاصم بن عمر بن قتادہ (متوفی ۱۱۹ ھ) شرحبیل بن سعد (متوفی ۱۲۳ ھ) ابن شہاب زہری (متوفی ۱۲۴ ھ) اور عبداللہ بن ابی بکر بن حزم (متوفی ۱۳۵ ھ) شامل ہیں یہ وہ شخصیات ہیں جن کی کتابیں ہم تک نہیں پہنچیں ہیں البتہ ان کے شاگردوں نے ان سے حاصل کردہ نقولات کو جمع کر کے کتاب کی شکل میں مرتب کیا تھا۔

سیرت کی کتابوں کے مورخین میں ایک اور زاویہ سے درج ذیل شخصیات شامل ہیں:

۱۔ سیرۃ ابن اسحاق: تمام کتب تاریخ وسیرت **"جو اس وقت ہمارے ہاں موجود ہیں"** وہ مصدر و ماخذ کے حوالے سے سیرۃ ابن ہشام کی طرف جبکہ سیرۃ ابن ہشام کا مصدر سیرۃ ابن اسحاق کی طرف بر گشت کرتا ہے گویا سیرۃ ابن اسحاق تمام کتب سیرت کی ماں ہے۔ جبکہ محققین علماء کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس سیرۃ ابن اسحاق اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں ہے موجودہ سیرۃ ابن اسحاق دیگر کتابوں سے اخذ کی گئی ہے بلکہ اب کی سیرۃ ابن اسحٰق کا مصدر سیرۃ ابن ہشام ہے۔

ابن اسحٰق کا اصل نام محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار تھا ۸۵ ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ ھ میں وفات پائی، ان کی کنیت ابوبکر یا ابوعبداللہ تھی یہ مدنی و قریشی اور قیس بن مخرمہ بن مطلب بن عبد مناف کے موالی تھے۔ ان کے جد عین التمر انبار کے نزدیکی علاقے سے آئے تھے جو کہ کوفہ کے مغرب میں واقع ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس مقام پر خالد بن ولید کی مدد سے ۱۲ ھ میں قبضہ کیا، خالد بن ولید ابن اسحاق کے جد کو عین التمر سے اسیر کر کے لائے، عبداللہ ابن اسحاق الحضرمی نحوی بھی ان کے ساتھ تھے انہیں مدینہ لایا گیا، انہوں نے اپنی جوانی مدینے میں گزاری، حسین و جمیل نوجوان تھے۔ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق نے پہلے مدینہ چھوڑا پھر ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کرتے رہے۔ آپ حصول علم کیلئے ۱۱۵ ھ میں اسکندریہ پہنچے۔

انہوں نے بعض صحابہ کا دور دیکھا اکثر و بیشتر ان کی سیرت کا مصدر فرزندان صحابہ اور مدینے میں موجود تابعین تھے ۱۱۹ ھ تک

اسکندریہ میں قیام کرنے کے بعد مدینہ آ گئے لیکن مدینہ واپس آنے کے بعد ان کا دو بڑے علماء سے اختلاف ہوا جن میں سے ایک عالم دین ہشام بن عروۃ بن زبیر تھے جنہوں نے ۱۴۶ھ میں وفات پائی، دوسرے مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ تھے۔ ہشام بن عروۃ ابن اسحٰق کو جھوٹا قرار دیتے اور لوگوں کو ان کی باتیں سننے سے منع کرتے تھے۔ مالک کا ان کے بارے میں کہنا تھا کہ یہ دجال ہے حتیٰ انہیں زندیق بھی کہا گیا۔ ہم اس تحقیق میں نہیں پڑتے کہ ان میں یہ اختلاف کیسے اور کیونکر ہوا کیونکہ یہ معمولی بات ہے۔ جب ایک علاقے میں ایک ہی شعبہ اور اس کے ماہرین کی کثرت ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرتے اور ایک دوسرے کے مقام کو کم کرنے یا اہمیت کو گھٹا کر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ عبدالملک بن مروان کا دور تھا اور اس کی خواہش تھی کہ پیغمبرؐ کی سیرت نقل کرتے وقت بنی ہاشم اور انصار کے فضائل کو کم سے کم کیا جائے۔

ابن اسحٰق کو بنی امیہ کی جانب سے تہمت کا سامنا تھا کیونکہ وہ بنی امیہ کے خلاف تھے اور اسی کی بنیاد پر انہیں مدینہ چھوڑنا پڑا اور وہ کوفہ منتقل ہو گئے۔ ۱۳۶ھ سے ۱۴۴ھ تک کوفہ میں رہنے کے بعد وہ منصور دوانقی کے پاس حیرہ چلے گئے جہاں انھوں نے منصور کے حق میں کتاب "مغازی" لکھی، بنی عباس کے قدریہ سے اچھے روابط تھے اسی بنیاد پر بنی امیہ کے خلاف تھے جب منصور نے بغداد بنایا تو ابن اسحٰق بھی منصور کے ساتھ بغداد پہنچے تو زیاد بن عبداللہ بکائی (متوفی ۱۸۳ھ) محمد بن سلمہ حرانی (متوفی ۱۹۱ھ) یونس بن بکیر (متوفی ۱۹۹ھ) نے ابن اسحٰق سے اخبار نقل کرنا شروع کی۔ منصور نے ابن اسحٰق کو اپنے بیٹے مہدی کی تربیت کیلئے مقرر کیا۔ بعد ازاں وہ وہاں سے خراسان اور پھر رے چلے گئے۔ انہوں نے منصور کے کہنے پر مہدی کے درس کیلئے ایک سیرت لکھی جس کے تین حصے تھے جن میں سے ایک حصہ مدینہ، دوسرا حصہ کوفہ اور تیسرا حصہ بغداد میں لکھا گیا۔ یہ کتاب کئی ممالک سے حاصل کی گئی معلومات پر مشتمل تھی منصور نے ابن اسحٰق کو رغبت دلائی کہ اپنی کتاب میں عباسؓ بن عبد المطلبؓ کے کردار کو ترجیح دے اور عباسؓ کے کردار کے کمزور پہلو سے صرف نظر کرے اس کتاب میں ابن اسحاق نے بعثت سے پہلے کے واقعات کو بھی شامل کیا جبکہ مسلمین اور مشرکین کے بہت سے اشعار کو حذف کیا۔ ان کی تصانیف میں کتاب خلفاء، کتاب سیرت، کتاب مغازی شامل ہیں۔

۲۔ سیرت ابن ہشام: ابو محمد عبدالملک بن ہشام (متوفی ۱۲۸ھ) نے سیرت محمد بن اسحاق کی تقسیم بندی اور ترتیب و تنظیم کی ہے۔ سیرت ابن ہشام نے مؤلف کو شہرت عام دی دراصل یہ سیرت ابن اسحاق کی تلخیص و تہذیب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت ابن اسحٰق سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہو گئی۔

ابن ہشام لکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجہؓ بنت خویلد تھیں۔ ابن ہشام نقل کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ پر جبرئیل نازل ہوئے اور خداوند عالم کی طرف سے خدیجہؓ کو سلام پہنچایا اس کے بعد نزول وحی میں کچھ عرصہ کیلئے وقفہ آیا۔

۳۔ مغازی واقدی: اس وقت کی لکھی گئی سیرت کی پہلی کتابوں میں سے جو کتاب ہمارے پاس موجود ہے وہ "محمد بن عمر

واقدی" کی تصنیف ہے یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے دوسروں سے صرف نقل کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ خود بھی موقع و محل پر عینی شاہد بنے چنانچہ خود واقدی کا کہنا ہے کہ میں نے جب بھی جہاں کہیں کسی صحابی یا شہید کے فرزند یا ان کے چاہنے والے ان کے غلام یا کنیز میں سے کسی کو بھی دیکھتا تو اس سے ضرور پوچھتا کہ وہ اپنے خاندان کے بارے میں کہاں تک جانتا ہے اور اس کے خاندان کے لوگ کہاں مارے گئے اگر کوئی کسی مقام کی نشاندہی کرتا تو خود اس مقام پر خود جانے کی کوشش کرتا اور متعلقہ جگہ کا معائنہ کرتا۔ ابن منیع کا کہنا ہے کہ میں نے ہارون فردی سے سنا کہ میں نے واقدی کو مکہ میں دیکھا تو اس وقت ان کے ہاتھ میں ایک کوزہ تھا جب میں نے ان سے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہو تو انہوں نے کہا کہ حنین جا رہا ہوں۔

۴۔طبقات الکبریٰ: محمد بن سعد (متوفی ۲۶۸ھ) ان کی کتاب کی پہلی اور دوسری جلد پیغمبرؐ کی سیرت کے بارے میں ہے۔

۵۔شمائل نبوی و خصائل مصطفوی ﷺ: ترمذی (متولد ۲۰۹ھ متوفی ۲۷۹ھ) یہ کتاب پیغمبرؐ کی مختلف صفات کے بارے میں ہے۔

۶۔سیرت رسول ﷺ: اسے امام طبری (متولد ۲۲۴ متوفی ۳۱۰ھ) نے جمع کیا ہے یہ کتاب طبری کی تاریخ کی دوسری جلد بھی ہے۔

۷۔اخلاق و آداب نبی ﷺ: عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان اصفہانی المعروف ابی شیخ (متوفی ۳۶۹ھ) اس کتاب میں بھی پیغمبرؐ کی صفات کو جمع کیا گیا ہے۔

۸۔کتاب شفاء: قاضی ایاز بن موسیٰ یحصبی (متولد ۴۷۹ھ متوفی ۵۴۴ھ)

۹۔جوامع سیرۃ: علی محمد بن احمد بن حزم اندلیسی (متولد ۳۸۴ متوفی ۴۵۶ھ) یہ کتاب رسول اللہؐ کی سیرت کا خلاصہ ہے۔

۱۰۔روز الانف: یہ شرح سیرۃ نبوی ابن ہشام، تصنیف عبدالرحمٰن سہیلی (متولد ۵۰۸ھ متوفی ۵۸۱ھ) ہے

۱۱۔زاد المعاد فی الخیر العباد: ابن قیم جوزی (متوفی ۷۵۲ھ) یہ فقہ سیرت میں قدیم ترین کتاب ہے جس میں پیغمبرؐ کی جنگوں سے فقہ استنباط کی گئی ہے۔

۱۲۔سیرۃ نبوی: ابن کثیر (متولد ۷۰۰ھ متوفی ۷۷۴ھ)

۱۳۔سیرہ حلبیہ: (مسمات انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون) مؤلف شیخ علی بن ابراہیم حلبی (متولد ۹۸۵ھ متوفی ۱۰۴۴ھ) یہ سیرت کی وہ کتاب ہے جو بغیر سند لکھی گئی ہے۔ اسی کتاب کے ص ۲۶۳ طبع اردو میں علیؑ کے پیغمبر اکرمؐ کی پشت پر سوار ہو کر بتوں کو توڑنے اور گرانے کا متضاد و متناقض اور بے ربط واقعہ نقل ہوا ہے جہاں لکھا ہے کہ بتوں کو رات کے وقت توڑا یا دن کے وقت توڑا گیا، کعبے کی چھت پر توڑا گیا۔

۱۴۔سیرت رسولؐ: اس کتاب کو قرآن سے اخذ شدہ قرار دیا جاتا ہے یعنی اس کی تحریر کیلئے قرآن سے زیادہ استناد کیا گیا ہے جس کے مصنف محمد عزت دروز ہیں۔

سیرت نبی ﷺ اور شیعہ وسنی مصادر

سیرت نبی اسلامؐ کے بارے میں شیعوں کے پاس کوئی خاص اور معتبر و مستند کتاب موجود نہیں ہے ان کے پاس اگر کوئی کتاب ہے بھی تو وہ صحت وسقم کے حوالے سے یا تو اہل سنت والجماعت کی کتابوں سے مختلف نہیں ہے یا اس کے مصادر بھی وہی ہیں جو اہل سنت کی کتابوں کے ہیں۔

اہل تشیع سیرت نبیؐ کے بارے میں بہت سستی اور بے رغبتی و بے توجہی برتتے ہیں،اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ سیرت نبیؐ کے صفحات پر اکثر و بیشتر پیغمبرؐ کے اصحاب نمایاں نظر آتے ہیں چونکہ انہیں اصحاب سے شکوہ رہتا ہے لہٰذا ان کو سامنے لانے کے بارے میں ان کا ضمیر ان کا ساتھ نہیں دیتا کیونکہ انہوں نے اصحاب سے دشمنی کے تصور کو زندہ رکھنا ہے۔

نبی اسلامؐ کی سیرت پر مرتب کردہ کتب فقر اور محرومیت سے دو چار ہیں کیونکہ پیغمبر اسلامؐ کی حیات طیبہ کا بڑا حصہ آیات قرآن کریم سے مربوط ہے جبکہ ہم قرآن کریم سے سیرت نبیؐ اخذ کرنے کے عادی نہیں ،شاید انہیں قرآن سے انس نہیں، ان کے بقول سیرت نبیؐ کیلئے صرف تفسیر اہل بیتؑ کے نیاز مند ہیں۔

سیرت وحیات نبی کریم ﷺ پر شیعہ تصانیف

علامہ بزرگوار آقائے تہرانی اپنی کتاب "الذریعہ الی تصانیف الشیعہ" کی ج ۲۰ ص ۱۵۴ اور ج ۲۱ پر محمد اور محمدیہ کے نام سے چار کتابوں کا ذکر کرتے ہیں۔ان میں سے پانچ کتابیں (شمارہ ۱۸۹۱،۱۸۹۲،۱۸۹۳اور ۱۸۹۴) میں شامل ہیں لیکن ان میں سے کسی بھی کتاب میں پیغمبرؐ کی سیرت کے متعلق کوئی مواد موجود نہیں ہے۔صاحب الذریعہ نے چھبیس (۲۶) جلدوں پر مشتمل کتاب ترتیب دی ہے جس میں ایک ہزار پانچ سو پچاسی کتابوں کا ذکر ہے۔ان میں نبی کریم کی سیرت پر صرف چند کتابوں کے نام شامل ہیں۔

پہلی کتاب "کحل البصر فی السیرۃ البشر ،تالیف شیخ عباس قمی ،شمارہ ۳۱۵" دوسری کتاب "المصطفیٰ و سوانح" کا ذکر ہے جو کہ اردو کی لکھی گئی پہلی سیرت کی کتاب ہے،جس کے مصنف مرزا احمد علی امرتسری ہیں۔تیسری کتاب "حیات القلوب" جو کہ تین جلدوں پر مشتمل ہے یہ کتاب علامہ محمد باقر مجلسی کی تصنیف ہے۔

علامہ مجلسی کی کتب کے بارے میں علماء کا نقطہ نظر جاننے کے بعد آپ بخوبی اندازہ لگا سکیں گے کہ انھوں نے کیا لکھا ہے!

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ پیغمبرؐ کی حیات کریمہ پر کہیں اور کتابیں نہیں لکھی گئی ہیں ہوسکتا ہے کہ کتابیں موجود ہوں اور ہماری رسائی ان تک نہ ہو اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ایسی کتابیں موجود ہیں لیکن وسائل و ذرائع کی موجودگی میں متلاشیانِ کتب کو اگر اس موضوع پر کتابیں نہ ملیں خصوصاً جب مراکز تشیع ایران وعراق میں بھی اس موضوع پر کتابیں مفقود ہوں تو یہ لمحہ فکریہ ہے۔

اس صورتحال کے پیش نظر سیرت کے بارے میں کوئی بھی بات یہ کہہ کر رد کر دینا بے معنی ہوگا کہ یہ ہماری کتابوں میں موجود نہیں اور دوسروں کی کتابوں سے لی گئی ہے۔

☆**سیرت المصطفیٰ ﷺ تالیف سید ہاشم معروف حسنی:** سید علی میر شریف لکھتے ہیں کہ یہ کتاب عصر جدید میں پیغمبرؐ کی سیرت مطہرہ پر لکھی گئی کتاب ہے۔اس کتاب میں مؤلف بزرگوار نے سیرت مصطفیٰؐ کے بارے میں موجود متن پر نقد وتحلیل کی جرأت کی ہے اور اپنے نقطہ نظر کے تحت صحیح کو غلط سے جدا بھی کیا ہے تاہم مؤلف بزرگوار نے زیادہ تر اعتماد مصادر و مآخذ شیعہ پر ہی کیا ہے سید علی میر شریف کتاب کی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ مؤلف بزرگوار نے اپنی تمام تر کوشش کے دوران ضعیف اور غیر معتبر نقولات سے پرہیز کا دعویٰ کرنے کے باوجود بہت سے غیر مستند ضعیف اقوال بھی نقل کیے ہیں۔

یہ کتاب چھبیس (۲۶) فصول ایک مقدمہ اور دو فہرست مصادر پر مشتمل ہے۔مؤلف نے اپنی کتاب میں نئی تحقیقات پیش کی ہیں۔کتاب کے صفحہ ۵۳ سے ۵۶ تک پیغمبر اسلامؐ کے ابو طالبؑ کے ساتھ شام جانے اور بحیرہ راہب کے ساتھ گفتگو کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ واقعہ سرے سے باطل ہے کیونکہ اس کی سند اور متن دونوں ضعیف ہیں جسے دشمنان اسلام نے اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے تا کہ پیغمبرؐ کی نبوت کو مشکوک بنایا جاسکے۔متن کے ضعیف ہونے کے بارے میں مزید لکھا ہے کہ یہ کہا جانا کہ ابو طالبؑ نے پیغمبرؐ کو ابو بکرؓ اور بلال حبشیؓ کے ساتھ راستے سے واپس مکہ بھیجا غلط بات ہے کیونکہ ابو بکرؓ اور بلالؓ دونوں کی عمر اس وقت دس سال سے زیادہ نہیں تھی یہ کیسے ممکن ہے کہ جس بچے کے بارے میں دشمن کا خطرہ ہو اسے دو نابالغ بچوں کے ساتھ بھیجا جائے۔دوسری بات یہ کہ ابو طالبؑ پیغمبرؐ کی خاص رعایت کے ساتھ نگرانی کرتے تھے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہود و نصاریٰ پیغمبرؐ کو اذیت پہنچا سکتے ہیں۔

۲۔کتاب کے صفحہ ۵۹ پر لکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کا مال خدیجہ میں اجیر ہونا باطل ہے کیونکہ پیغمبرؐ کبھی کسی کے اجیر نہیں ہوئے۔

۳۔صفحہ ۱۶ پر ابو ہریرہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا مگر یہ کہ وہ چرواہا بنا تو اصحاب نے پوچھا کیا آپ بھی ایسے ہی تھے تو پیغمبرؐ نے فرمایا ہاں میں بھی ایسا ہی تھا۔مؤلف کہتے ہیں کہ بعید نہیں ہے ابو ہریرہ نے یہ بات فضیلت بنانے کیلئے جعل کی کیونکہ وہ خود چرواہا تھا۔

مولف بزرگوار کہتے ہیں کہ سیرت نویسوں نے جعفر بن ابی طالبؑ کو ایمان لانے والوں میں بتیسواں (۳۲) قرار دیا ہے ان کی کتاب کے صفحہ ۱۱۹ سے ۱۲۰ پر علامہ مجلسیؒ اور ابن ابی الحدید سے نقل کیا گیا ہے کہ جعفر بن ابی طالبؑ ایمان لانے والوں میں دوسری شخصیت تھے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ ”مسلمانوں کا حبش کی طرف ہجرت کرنا قریش کی جانب سے اذیت و آزار سے بچنے کیلئے تھا“ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ان میں سے بعض مکہ کے بہت بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے کوئی ان کو چھیڑ نہیں سکتا تھا اس کے علاوہ پیغمبرؐ کی ہجرت کے سات سال تک یہ لوگ مکہ شہر میں رہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی ہجرت تبلیغ اسلام کیلئے تھی اور اسلام کے پیغام کو مکہ سے باہر تک پہنچانا مقصود تھا۔

صفحہ ۱۹۵ سے ۲۰۰ پر لکھا ہے کہ یہ بات بھی غلط ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے پیغمبرؐ کے چہرۂ مبارک پر جسارت کرتے ہوئے

تھوکا تھا کیونکہ عقبہ کی اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ پیغمبرؐ کے ساتھ اس حد تک جسارت کرے اگر ایسا کرتے تو ابو طالبؑ اور حمزہؓ ان کو جواب دیتے جس طرح وہ دیگر دشمنوں کو جواب دیتے تھے۔

ابو طالبؑ کے ایمان لانے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تاریخ نے جتنا ظلم ابو طالبؑ پر کیا اور اس کی وجہ سے جتنی بے احترامی پیغمبرؐ کی ہوئی ہے اتنی کسی اور کی نہیں ہوئی۔

☆**فروغ ابدیت:** بعض کا کہنا ہے کہ مصادر کیلئے دوسروں کی کتابوں کو لیا گیا ہے یہ بات بے معنی ہے اس لئے کہ اس وقت کی ایک مایہ ناز ہستی آیت اللہ جعفر سبحانی نے دو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب سیرت نبی کریمؐ پر بنام "فروغ ابدیت" تالیف کی ہے۔ اس میں ۱۴۵ مصادر کا ذکر کیا ہے، صرف چوالیس (۴۴) کتابیں اہل تشیع کی ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر کتابیں فقہ کے متعلق ہیں نہ کہ سیرت رسولؐ کے متعلق تو ایک انسان اگر اہل بیت اطہارؑ جو جانشین رسول اللہؐ ہیں ان کے متعلق اور پیغمبر اکرمؐ کے بارے میں جاننا چاہے تو کہاں رجوع کرے؟

کتب سیرت پر اعتماد

گزشتہ صفحات میں سیرت کی کتابوں پر نقد و انتقاد اور شکوک و شبہات پیش کرنے کے حوالے سے کسی قاری کے ذہن میں یہ تاثر قائم نہیں ہونا چاہیے کہ ان کتابوں میں سے کسی پر بھی اعتماد و بھروسہ نہیں کرنا چاہئے یا بقول شیعہ، یہ تمام کتابیں اہل سنت کی لکھی ہوئی ہیں لہٰذا ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا یہ شکوک و شبہات بھی عقل و عقلاء اور سیرت عقلاء کے منافی ہیں کیونکہ عقل و عقلاء کہتے ہیں کہ جو کچھ تم تک پہنچے، اسے فوراً قبول یا رد کرنے کی بجائے جائے امکان میں جگہ دی جائے اور پھر اس پر تجزیہ اور نقد و تحلیل کی جائے۔ بعد ازاں اس کے مثبت و منفی پہلوؤں کو سامنے لانے کیلئے اسے مسلمات کے سانچے میں سے گزارا جائے۔ بغیر تجزیہ و تحلیل کے یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ جو کچھ ان کتابوں میں ہے وہ الف تا ے جھوٹ، من گھڑت اور بالکل غلط ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ جو کچھ ان کتابوں میں موجود ہے وہ سب وحی منزل ہے کیونکہ اسے ہمارے بزرگوں اور اکابرین نے لکھا ہے لہٰذا اسے من و عن ماننا پڑے گا۔ ان دونوں طریقوں کو مقابرہ عقلی کہتے ہیں یعنی عقلی فیصلے سے ٹکراؤ اور عقلی فیصلے کو مسترد کرنا۔

۳۔ سنت نبی کریم ﷺ

سنت رسولؐ سیرت کا دوسرا مصدر ہے جبکہ سیرت نبی کریمؐ یا اسلام ایسے دو مترادف کلمات ہیں جن کی حقیقت ایک ہے کیونکہ رسول اللہؐ کے تمام افعال، اقوال اور تقریر قرآن کے بعد دوسرا مصدر رہیں چاہے آپؐ کی سنت عبادات، معاملات اور سیاسیات سے متعلق ہو یا اسلامیات سے متعلق، غرض یہ سب اسلام بھی ہے اور سیرت بھی اس میں سنت اور حدیث دونوں شامل ہیں تاہم جو روایات آپؐ کی سیرت طیبہ، ولادت، بعثت، نزول وحی اور آپؐ پر ایمان لانے والے اہل بیتؑ اور اصحاب سے متعلق ہیں انکا مجموعہ اس وقت ہمیں میسر نہیں۔ سنت رسولؐ زیادہ تر اصحاب سے مروی ہے جبکہ اصحاب کی روایات پر شیعوں کو زیادہ اعتماد نہیں

اس حوالے سے وہ محرومیت اور فقر سے دوچار ہیں۔تیسرا مصدر کتب تاریخ وسیرت ہیں چونکہ تاریخ اور سیرت نویسان تمام کے تمام اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں اسی لئے شیعہ ان پر اعتماد نہیں کرتے ہیں اس کے علاوہ ان کتابوں میں ایسے واقعات موجود ہیں جو ان ناپسندیدہ شخصیات کی تعریف میں ہیں یا بقول بعض ان کے عقائد خود ساختہ سے متصادم ہیں لہٰذا ان پر بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ایک ہی طریقہ باقی رہ جاتا ہے کہ انکی پسند کی باتیں انہی مصادر و مآخذ سے نکال کر ترتیب دی جائیں اور اس پر لکھا جائے یہ فلاں آیت اللہ کی سیرت نبیؑ پر تالیف ہے۔اس عمل کو دیکھ کر سیرت نویس بے چارہ غصے میں آ کر کہتا ہے کہ ایسی کتابوں پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔یہ سب اس لئے ہوا کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے حسب تعبیر زہرا =:

"افعلی عمیتر کتموھا وراء ظھور کم"

اہل سنت والجماعت نے نبی کریمؐ کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ سیرت نبیؐ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب انہی کے آثار ہیں۔شیعوں نے سیرت نبیؐ کو انہی سے لیا ہے لیکن ایک عام انسان کیلئے پیغمبر اسلامؐ کی سیرت طیبہ کو سمجھنا آسان نہیں ہے کیونکہ انہوں نے اس سلسلے میں کچھ اصول وضوابط وضع کئے ہیں وہ ان کا پاس رکھتے ہوئے نظر نہیں آتے ہیں بطور مثال بعض سیرت نویسان پیغمبر اسلامؐ کی سیرت لکھتے وقت دعوت اسلام قبول کرنے میں پہل کرنے ،اسلام کی خاطر ہجرت کرنے میں سبقت لینے،مشکلات ومصائب میں بھی پیغمبر اسلامؐ کے دوش بدوش چلنے والوں کے درمیان اور آخر وقت میں بے بسی وبے چارگی کے عالم میں جائے فرار نہ پانے کی وجہ سے با دل نا خواستہ ایمان لانے والوں کے ذکر اور ان پر تنقید کرنے میں کوئی خاص فرق نہیں رکھتے اور دونوں کا ایک جیسا احترام یا مخالفت کرتے نظر آتے ہیں ،اسی طرح برادران اسلام دین اسلام کے مخالف یا دین کے سلسلے میں کوتاہی کرنے یا پھر دل میں عداوت ودشمنی رکھنے والوں اور دعوت اسلام پر پہلے ہی دن سے لبیک کہنے اور پھر تا دم مرگ اسلام کی خاطر ایثار وقربانی میں پیش پیش رہنے والوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان سب کو برابر گردانتے ہیں حتیٰ ان افراد کو کہ جنکا پیغمبر اسلامؐ نے خون ھدر کیا اور فرمایا تھا کہ وہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں اور پھر با دل نخواستہ انہیں معاف کیا گیا تھا ،یہ حلقہ متعلقہ افراد کے بارے میں مزید کہتا ہے کہ اسلام و پیغمبر اسلامؐ سے عداوت ودشمنی ختم ہونے کے بعد ان کے دل میں تائید خدائی سے الہام نے جگہ لے لی چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ عکرمہ،اسید اور غلام وحشی سب کے دلوں میں حقانیت وعظمت رسولؐ جاگزیں ہوگئی تھی۔گویا ان کی تحریروں میں کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد کوئی بھی شخص ایسا نہیں تھا جو کراہت اور رنجیدگی وافسردگی میں یا با دل نخواستہ پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لایا ہو بلکہ اسلام ان کیلئے حق وحقیقت اور روز روشن کی طرح نمایاں ہو کر کشف ہوا تھا۔اس کے متعلق چند باتیں درج ذیل ہیں:

۱۔فتح مکہ کے دن لوگ کراہت سے ایمان لائے یا از روئے نفاق ایمان لانے کا دروازہ ہمیشہ کیلئے مسدود ہو گیا تھا۔

۲۔ابتداء میں لکھی گئی کتابیں اور بعد میں لکھی گئی کتابوں میں فرق نہیں رکھتے ہیں ممکن ہے پہلی اور دوسری صدی میں لوگوں کے ہاتھ میں کوئی زبانی یا تحریری مصادر آئے ہوں لیکن کیا ایک ہزار سال گزرنے کے بعد لکھی گئی کتابیں مصادر حق ہے

مصادر ہمیشہ پرانی کتابیں ہونی چاہئیں بطور مثال ابن سعد نے جو اضافے کئے وہ کہاں سے لائے بعد میں لکھنے والے محققین و سیرت نگار پہلے والوں کے شارح و مفسر ہو سکتے ہیں لیکن نئے ناقل نہیں بن سکتے۔

۳۔ مصادر سیرت کیلئے لکھنے والے مسلمانوں اور مستشرقین کی لکھی گئی کتابوں میں فرق نہیں کرتے بلکہ فرقے اسلام اور نبی اسلامؐ سے زیادہ اپنے فرقے کی خاطر مستشرقین کے زہریلے نقولات کو زیادہ اچھالتے ہیں لہٰذا وہ ہر سیرت نبی کریمؐ پڑھنا چاہتے ہیں۔ غرض آپؐ سیرت طیبہ کے بارے میں موجود مصادر کو سامنے رکھیں اور ان میں تضاد و ناقص یا اختلافات کے مواقع میں سے کس کو ترجیح دینا ہے پہلے اس کا فیصلہ کریں۔

آیا اپنے فرقے کے تعصب میں ہر نقل کو رد کر سکتے ہیں؟ کیا قرآن و سنت رسولؐ میں منقولات کو رد و قبول کرنے کا کوئی اصول ہے یا من مانی ہے۔

اصطلاحات کتب احادیث

احادیث کے ضعیف و صحیح ہونے کی بات اپنی جگہ اس وقت محال کی حد تک پہنچی ہے کیونکہ ہمارے اور رسولؐ کے درمیان چودہ سو سال سے زائد عرصہ گذر چکا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جائے جنہوں نے راویات شناسی کے متعلق تحقیق و دقت کی ہے۔ کتب احادیث واضح کی میں کچھ اصطلاحات ہیں جن سے واقف ہونا ضروری ہے۔

۱۔ **صحیح:** جس حدیث کی سند معصوم تک پہنچتی ہو اور تمام راوی عادل ہوں وہ صحیح حدیث کہلاتی ہے۔

۲۔ **حسن:** اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راویوں میں ایک یا دو ایسے افراد موجود ہوں جن کی عدالت ثابت نہ ہو لیکن لوگوں نے ان کی تعریف کی ہو۔

۳۔ **موثق:** وہ حدیث ہے جس کے سلسلۂ روایت میں ایک یا ایک سے زائد ایسے افراد موجود ہوں جو معتبر ہونے کے باوجود شیعہ امامی نہ ہوں۔

۴۔ **ضعیف:** وہ حدیث جس کے سلسلۂ روایت میں ایک یا ایک سے زائد راوی فاسق، مجہول الحال یا حدیث جعل کرنے والا ہو۔ احادیث کی یہ تقسیم بندی علمائے متاخرین نے کی ہے جن میں علامہ حلی اور احمد بن طاؤس شامل ہیں۔

شیعہ، سنی دونوں کی روایات

احادیث جمع کرنے والوں نے اس سیرت کو اپنایا کہ وہ ہر مسلمان سے روایت قبول کرتے تھے چاہے اس کا تعلق کسی بھی فرقے سے ہوتا، تاہم انھوں نے سچا ہونے کو مدنظر رکھا اور مذہب کو بحث گفتگو نہیں بنایا۔

اہل سنت کے بعض مصنفین پر شیعہ ہونے کا شبہ ظاہر کیا گیا جن میں صاحب کتاب "المصنف" امام عبدالرزاق صنعانی، صاحب کتاب "مستدرک علی الصحیحین" حاکم نیشاپوری اور صاحب کتاب "سیرۃ" محمد بن اسحاق (امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کے شاگرد) شامل ہیں جبکہ سب سے بڑی تصنیف کے مالک امام نسائی کو شیعہ قرار دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے شیعہ

ہونے کے مسئلہ کو اس حد تک اٹھایا گیا کہ بالآخر انھیں اسی الزام میں قتل کر دیا گیا۔ امام نسائی زیادہ تر حضرت علیؑ کے موقف کی حمایت کرتے اور آپ کے مخالفین کو غلط ٹھراتے تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ ترمذی حضرت علی کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کی بجائے علیہ السلام کہنے پر اصرار کرتے تھے۔ اس کے باوجود ترمذی کا نام شیعہ مصنفین کی فہرست میں نہیں رکھا گیا ہے۔ اس کی غالب وجہ یہ ہے کہ اہل سنت اس وقت سے اب تک ان کی نقل کردہ احادیث پر عمل کرتے آئے ہیں بلکہ انھیں ان کی خدمات پر سراہا جاتا ہے۔ اسی طرح ابن ماجہ بھی ترمذی اور نسائی کی طرح تشیع کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے علاوہ ازیں چاروں کتب سنن کے مصنفین یا تو فارس کے رہنے والے تھے یا پھر افغانی یا ماوراء نہر تھے۔ احمد بن حنبل کے شاگرد ابو داؤد سب سے پہلے سنت جمع کرنے والے ہیں۔ امام احمد بن حنبل فرقی تعصب میں مبتلا ہونے سے پہلے شیعہ اصول فقہ کے حامی تھے۔ سنن کی چاروں کتابوں میں بہت سی روایات حضرت علیؑ اور آپ کے اصحاب سے منقول ہیں۔

مصادرِ سنت نبی ﷺ

نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ کا دوسرا مصدر آپ کی سنت کریمہ ہے جس میں کسی شک و تردید کی گنجائش نہیں ہے لیکن سیرت کا بھی دوسرا مصدر آپؐ کی سنت ہے یہ اپنی جگہ اہل حوزات و مدارسِ دین کی اصطلاح کے تحت ایک دوسرے پر متوقف ہیں یہ سیرت میں سنت مصدر قرار دینے کا پہلا اشکال ہے اس سے مراد وہ سنتیں ہیں جو فریقین کی کتب و تاریخ میں موجود ہیں اور قرآن، عقل و نقل مسلمات سے متصادم نہیں ہیں نہ کہ ہر نقل جنھیں اسناد غیر معتبر کہا جاتا ہے جو چند ین حوالوں سے مخدوش ہیں:

۱۔ تمام فقہا و محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان کتب میں غیر مستند ضعیف احادیث موجود ہیں چنانچہ ہر ایک کتاب میں موجود غیر مستند احادیث کی تعداد بھی بیان کی گئی ہے اسے ملاحظہ کیجئے۔

۲۔ نبی کریمؐ کی حیات طیبہ کے بارے میں لکھی گئی کتابوں میں فریقین نے نبی کریمؐ سے زیادہ اصحابؓ اور اہل بیتؑ کی شان بیان کرنے کیلئے مبالغہ آرائی کی راہ کو اپنایا ہے جس کے تحت اصحاب یا اہل بیت سورج یا چاند اور خود حضرت محمدؐ ایک چھوٹے سے ستارے کی مانند نظر آتے ہیں۔ گویا اصحاب اور اہل بیت کا سورج طلوع نہ ہوتا تو محمدؐ کا ذکر صفحۂ قرطاس سے محو رہتا تاہم نبی کریمؐ کی سنت حسب آیاتِ قرآن واجب اطاعت ہے۔ اس سے روگردانی کرنے والا نہ مطیع رسولؐ بنتا ہے نہ ہی مطیع خدا۔ سنت رسولؐ کو مسترد کیا جانا درحقیقت قرآن کو رد کرنے کے مترادف ہے لیکن ہر قسم کی تاریخی نقولات کو سنت رسولؐ قرار دے کر اسے ناقابل تردید حقیقت بنایا جانا بھی سنت کا دفاع نہیں بلکہ سنت رسولؐ میں کباڑ پھینکنے کیلئے دروازہ کھولے رکھنے کی ایک کاوش ہے چنانچہ سیرت نبی کریمؐ کو آپ کی سیرت اور سنت مرویہ میں جو کہ کتب احادیث میں منقول ہے قرار دیا جائے کیونکہ اس میں جائے شک و گنجائش نہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کی سیرت طیبہ قرآن کے بعد شریعت اسلامی کا دوسرا مصدر و مآخذ ہے۔ اس میں بھی جائے شک و تردید نہیں کہ علماء حدیث نے کتب احادیث میں جعلی، ضعیف اور غیر مستند روایات کی موجودگی کا اعتراف کیا ہے تیسری بات یہ کہ سیرت نویسوں نے سیرت کے بارے

میں مروی روایات کی صحت وسقم کی وضاحت ونشا مذہبی نہیں کی ہے لہٰذا جن افراد نے سیرت نویسی پر قلم اٹھایا اور ان کی طرف سے اصول وموازین کے تحت بعض احادیث کو غیر مستند قرار دیا جانے لگا تو دوسری طرف سے ان کے اس عمل پر فوری طور پر الزام تراشیوں کی بوچھاڑ ہونے اور ان پر مستشرقین کے پیروکار ہونے کی تہمتیں بھی لگائی جانے لگیں گویا ان کی نظر میں احادیث کی چھان بین کرنا اور بعض احادیث کو غیر مستند قرار دینا عمل مستشرقین ہے لیکن ضعیف وصحیح دونوں حدیثوں کو ایک ترازو میں تولنا اور ضعیف وغیر مستند احادیث کو بھی من وعن قبول کرنا ان کے خیال میں ایسا عمل ہے جو مستشرقین کے خلاف ہے گویا ان کے پاس صرف وہ حدیث غیر مستند ہے جس میں آپؐ نے حجتہ الوداع کے موقع پر تمام حجاج اور انصار ومہاجرین کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! میری حیات میں میری طرف جھوٹی نسبت دی گئی، میرے بعد بھی اس میں اضافہ ہوگا۔

پیغمبر اسلامؐ کی سیرت طیبہ میں نص قرآن کریم کے تحت شریعت اسلام کا دوسرا مصدر سنت رسولؐ ہے۔ اتنی اہمیت کے حامل ہونے کے باوجود اسے مسلمانوں نے کم اہمیت دی ہے۔ معلوم نہیں کہ اس کوتاہی کے بارے میں وہ کیا تصورات رکھتے ہیں بہر حال یہ بات طے ہے کہ سیرت حضرت محمدؐ روشن اور واضح صورت میں ہر طالب علم کیلئے میسر نہیں۔ جو کتابیں اب تک لکھی گئی ہیں ان میں سیرت نویسوں نے ماخذ گیری میں راہ افراط کو اپنایا ہے جبکہ بعض نے صرف ایک کتاب ہی کو تاریخ کا مآخذ قرار دیا ہے بعض دیگر کا صرف کتب تاریخ پر دارو مدار رہا تو کئی دوسروں نے کتب تاریخ سے صرف نظر کرکے روایتوں پر اکتفا کیا حالانکہ آپؐ کی سیرت طیبہ میں پہلا مآخذ ومصدر قرآن کریم ہے جس میں آپ کے ذکر کا آغاز خداوند متعال نے آپؐ کے دور بچپن سے کیا ہے اور سرّ وخفا اور خلوت وجلوت کے تمام مناظر کی تصویر کشی کی ہے۔

سنت کے بارے میں ذیل کے چند مفروضات میں سے ایک کا انتخاب کرنا گزیر ہے۔

۱۔ صرف سنت رسول اللہؐ حجت ہوگی اور کسی کی نہیں۔

۲۔ سنت اصحابؓ بھی سنت رسول اللہؐ کی طرح حجت ہے۔

۳۔ سنت آئمہ طاہرینؑ بھی سنت رسول اللہؐ کی طرح حجت ہے۔

۴۔ سنیوں کیلئے سنت رسول اللہؐ کے ساتھ سنت اصحاب بھی حجت ہے۔

۵۔ اہل تشیع کیلئے سنت رسول اللہؐ کے ساتھ سنت آئمہ طاہرینؑ بھی حجت ہے۔

۶۔ اصحابؓ اور آئمہ طاہرینؑ دونوں کی سنت بطور ناقل دونوں گروہوں کیلئے قبول ہونی چاہیے چاہے روایت کی صحت قرآن کی حامل نہ ہو اور ان کی روایات چاہے عقل ونقل مسلم سے متصادم بھی ہوں تب بھی قبول کرنا پڑیں گی ایسا نہیں ہے۔

احادیث کی کتب کے مندرجات جن پر عمل کرنے کیلئے چند مفروضات میں سے ایک کا انتخاب ناگزیر ہے:

۱۔ سب کو مسترد کریں صرف قرآن پر انحصار کریں۔ یہ مفروضہ قرآن کریم کے سراسر خلاف ہے۔

۲۔سب کوقرآن جیسے قبول کریں یہ مفروضہ وجدان وضروریات کے خلاف ہے۔

۳۔صحیح اورضعیف احادیث کی تمیز کی بنیاد قابل عمل اورغیر قابل عمل احادیث پر قرار دی جائے۔یہ کسوٹی احادیث کو حسن، موثق،صحیح اورغیر صحیح پرلکھی گئی تقسیم کے خلاف اور تقسیم کو بے بنیاد قرار دینے کا باعث بنے گی۔

۴۔صحیح ،ضعیف ،موثق اورمسدود احادیث میں سابقہ تحقیقات پر اکتفا کریں اورگذشتگان کی تقلید کریں مزید کسی اورکو تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۵۔ہروہ انسان جوان احادیث کی بنیاد پرفتویٰ دینا چاہتا ہے اسے خود تحقیق کرنا چاہیے آیا علم الحدیث میں تحقیق درایت درحال اپنے آخر کو پہنچی ہے یا یہ دروازہ سب کیلئے کھلا ہے۔

۶۔جب اجمال یا تفصیل کے ساتھ ہمیں معلوم ہے کہ ان احادیث میں خودساختہ وجعلی احادیث ہیں تواس صورت میں صحیح وضعیف اورجھوٹی احادیث کوالگ کرنا ناگزیر ہے۔

۷۔خود کتب احادیث میں فرق رکھنا ضروری ہے یا کہ جوبھی کتاب چھپ کرمنظر عام پرآجائے ہمارے لئے کافی ہے چاہے اس کا مصنف ومولف گمنام ہو چنانچہ بہت سی کتابوں کو کتب شناس علماء نے جعلی قراردیا ہے۔

۸۔کتب احادیث میں عصر رسالت سے نزدیک لکھی گئی کتابیں زیادہ قابل اعتماد ہیں یا بعد میں لکھی گئی کتابیں زیادہ معتبر ہیں۔

مصادرسنت، نبی کریمؐ کی شرعی سنت کا دوسرا صفحہ ہونا ثابت ہونے کے بعد اگلا مرحلہ سنت رسولؐ کی جمع شدہ کتابیں تلاش کرنا ہے وہ کونسی کتابیں ہیں، ان کتابوں سے آشنا ہوا ضروری ہے اس سلسلے میں اہل سنت والجماعت اوراہل تشیع کی کونسی کتابیں ہیں جنھیں مصادر یا امہات کتب احادیث کہا جاتا ہے، کیا تمام کتابیں مورد اعتماد ہیں یا ان میں بھی ضعیف و نا قابل اعتماد احادیث پائی جاتیں ہیں؟

ہم پہلے کتب اہل سنت کا نام پھران میں موجودروایات کے بارے میں اہل سنت کے علمائے عظام کے نظریات کا جائزہ لیں گے۔

کتب سنت

کتب سنت وہ ہیں جنھیں آئمہ حدیث نے نقل کیا ہے جن کی صداقت وامانت پرعلمائے اعلام کا اتفاق ہے جیسے صحاح ستہ،موطا امام مالک،مسند امام احمد وغیرہ۔ان تمام کتب میں تمام تر اقوال وافعال کی برگشت رسول اللہؐ کی طرف دی گئی ہے۔چونکہ ان کا مقصد احکام شرعی کو نکالنا تھا جس کیلئے وہ حدیث بیان کرتے تھے لہٰذا انہوں نے اپنی کتب فقہی ابواب یا اسمائے صحابہ پر لکھی ہیں۔

کتب احادیث اہل سنت

اہل سنت کی کتب احادیث کو صحاح ومسانید اورمستدرکات کہتے ہیں صحاح اس لئے کہتے ہیں کہ ان کتب کے مولفین کے نزدیک یہ احادیث صحیح ہیں،مسانید کا مطلب ہے کہ کتب میں موجود احادیث کو صاحبان کتب نے صحابہ کرامؓ کے ناموں کے

حروف تہجی کے حوالے سے جمع کیا ہے اور مستدرک سے مراد یہ ہے کہ جو احادیث صحاح و مسانید میں نقل نہیں ہوئیں انہیں ان کتب میں جمع کیا گیا ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

صحیحین

۱۔ صحیح بخاری

تالیف ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بخاری فارسی آپ ایرانی الاصل تھے ۱۹۴ھ کو شہر بخارا کے گاؤں خرتنگ میں پیدا ہوئے جو کہ سمرقند میں واقع ہے۔ ۲۵۶ھ یا ۲۵۷ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی، آپ کے بارے میں زرکلی نے اعلام ج ۶ ص ۳۴ میں لکھا ہے محمد بن اسماعیل نے ایک ہزار علماء سے چھ لاکھ احادیث جمع کیں پھر ان میں سے جو انھیں صحیح نظر آئی اس کو کتاب کی صورت دی۔

حدیث کی اس کتاب کا مکمل نام "الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ" ہے اس کتاب کو موضوعات کی بنیاد پر ترتیب دی گئی ہے اور ہر موضوع کو ایک کتاب کا نام دیا گیا ہے، اس طرح موضوعات پر مبنی (۷۷) کتابیں ہیں ہر کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے ہر باب میں صرف اس سے متعلق احادیث جمع ہیں جن میں پیغمبر اسلامؐ کی حیات، دور جاہلیت اور حیات عبدالمطلبؓ کے زمانے، ابتداء وحی، پیغمبرؐ کی ولادت، آپؐ کی شکل و شمائل، معجزات و کرامات، آپؐ کی غیب گوئیاں، کھانے پینے کے طور و طریقے اور لباس کی خصوصیات وغیرہ کے متعلق معلومات درج ہیں۔

یہ کتاب اہل سنت کے نزدیک قرآن کے بعد معتبر ترین کتاب ہے یہ جامع اصح و مستند ہے اس کی احادیث مکررات و متابعات کے ساتھ نو (۹۰۰۰) ہزار ہیں جبکہ ملحقات کی تعداد ایک ہزار تین سو اکتالیس (۱۳۴۱) ہے۔ اس میں سے مکررات احادیث کو حذف کیا جائے تو (۲۶۰۲) احادیث بچتی ہیں۔ بعض نے بخاری کی احادیث پر فقہ کے ابواب ترتیب دیئے ہیں جن کی تعداد تین ہزار چار سو پچاس (۳۴۵۰) ہے اس پر بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں جن کی تعداد حاجی خلیفہ نے بیاسی (۸۲) لکھی ہے، معروف شرح، ابن حجر کی "فتح الباری" ہے اور شرح قسطلانی کی "ارشاد الساری" بھی صحیح بخاری کی معروف شرح ہے۔

ابن صلاح نے کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی احادیث مکررات کو شامل کر کے (۷۲۷۵) متن ہیں، حافظ ابن حجر کے مطابق متابعات و ملحقات کے علاوہ مکررات سمیت احادیث کی تعداد (۷۳۷۷) ہے۔ جس میں سے غیر تکرار خالص (۲۶۰۲) احادیث ہیں، متن میں تعلیقہ شدہ احادیث مرفوعہ کا اضافہ کرنے سے (۱۵۹) احادیث بڑھ جاتی ہیں، مجموعاً خالص احادیث (۱۲۷۶۱) ہیں اس میں تعالیق کی تعداد (۱۳۴۱) ہے۔

امام بخاری کا بیان ہے کہ میں نے کتاب میں ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل کیا پھر دو رکعت نماز پڑھی ان احادیث کو میں نے چھ لاکھ احادیث میں سے چنا ہے اور انہیں اپنے اور خدا کے درمیان حجت قرار دیا ہے، اس میں جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے اسی طرح میں نے یقین حاصل کرنے کے بعد استخارہ کر کے احادیث کو جمع کیا فریدی کا بیان ہے کہ مؤلف نے اسے نوے (۹۰)

ہزار لوگوں سے سن کر لکھا ہے۔

بعض علمائے اہل سنت نے اس کتاب کے بارے میں افراطی نقطۂ نظر اپنایا ہے اور یہاں تک کہا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے بخاری کو سلام کہا تھا اور بعض نے خواب اور کرامات بیان کی ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے اس پر مہر صحت لگائی ہے۔ ابن ابی جمرہ کا بیان ہے کہ اگر صحیح بخاری کو کسی مشکل کے حل کیلئے پڑھیں گے تو وہ آسان ہو جائے گی۔

کتاب الظنون باب علم حدیث میں کاتب حلبی لکھتے ہیں کہ علم حدیث میں بہت سی کتابیں ہیں لیکن علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن کے بعد صحیح بخاری اور اس کے بعد صحیح مسلم ہے۔

احمد بن محمد قسطلانی زہبی لکھتے ہیں کہ کتاب خدا کے بعد دنیائے اسلام میں صحیح بخاری سب سے مستند کتاب ہے۔

فاضل نوری "دراتقریب" میں لکھتے ہیں کہ صحیح مسلم و صحیح بخاری قرآن کے بعد مستندترین کتابیں ہیں لیکن صحیح بخاری صحیح مسلم سے بھی زیادہ مستند ہے بعض نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح بخاری صحیح مسلم پر فوقیت رکھتی ہے، بعد میں صحیح بخاری سے دفاع کرنے والا ایک گروہ پیدا ہوا، ان کا کہنا تھا جو کچھ صحیح بخاری میں ہے وہ صحیح اور مستند ہے اس کے خلاف ایک گروہ کہتا ہے کہ اس میں جو کچھ ہے، وہ تمام کا تمام صحیح نہیں ہے اس پر (۳۲) اساتید اور دانشوروں نے امضاء کی ہے، بہر حال بعض علما مرحوم بخاری کے بارے میں اس حد تک معتقد ہیں کہ ان کو معصوم کے درجے تک لے جاتے ہیں اور اس کتاب کو روئے زمین پر سب سے معتبر گردانتے ہیں۔

۲۔ صحیح مسلم

تالیف ابوحسین مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری متولد ۲۰۶ھ متوفی ۲۶۱ھ۔ یہ کتاب صحیح بخاری کے بعد حدیث کی دوسری کتاب ہے، صاحب اعلام زرکلی لکھتے ہیں امام مسلم نے بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) احادیث جمع کیں۔ صحیح مسلم کی تقسیم بندی کتاب کے نام پر ہوئی ہے ہر کتاب کے ابواب ہیں جن میں پیغمبرؐ کے فضائل، معجزات، شکل و صورت، مکہ و مدینہ کے حالات زندگی، ازواج مطہرات، ملوک، عشائر و قبائل ہمراہ یہ اور غزوات کے بارے میں وارد احادیث جمع ہیں۔ یہ صحیح بخاری کے بعد دوسری بڑی معتبر کتاب ہے لیکن روایات کی تنظیم کے حوالے سے یہ صحیح بخاری سے بہتر کتاب ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ کتاب اپنی تنظیم و ترتیب ابواب میں بے نظیر ہے لہٰذا یہ حدیث کی دوسری دائرۃ المعارف ہے۔

۲۔ صحیح مسلم ۸ جلدوں ۵۰ کتب اور (۱۳۰۵) ابواب پر مشتمل ہے علامہ محمد فواد عبدالباقی کے شمار کے مطابق اس میں صحیح احادیث کی تعداد (۳۰۳۳) ہے بعض علماء نے ۱۲۱۷۹ احادیث جمع کر کے اسے مختصر کیا ہے۔

۳۔ بعض نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے۔ علامہ عبدالرحمن بن کمال سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے "الدیباش" کے نام سے صحیح مسلم پر شرح لکھی ہے۔

۴۔ کشف الظنون جلد۱ میں مکی بن ابدان نے مسلم بن حجاج قشیری سے نقل کیا ہے کہ اگر صاحبان حدیث دوسو سال تک

احادیث لکھتے رہیں گے تو ان کا مصدر و مآخذ ہماری کتاب ہوگی میں نے اس کتاب کی احادیث کو تین لاکھ احادیث سے چنا ہے، ابن صلاح کا بیان ہے کہ مسلم نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ حدیث کی شرط یہ ہے کہ اس کی سند اول سے آخر تک ثقہ ہونی چاہیے، شذو ذو علت سے نہیں ہونی چاہیے بہت سی احادیث مسلم کے نزدیک صحیح ہیں لیکن بخاری کے نزدیک صحیح نہیں ہیں کیونکہ مسلم کے پاس صحیح کی جو شرائط ہیں وہ بخاری کے پاس ثابت نہیں تھیں ۔ مسلم نے جن (۶۲۵) شیوخ سے سند لی ان سے بخاری نے سند نہیں لی، مسلم نے اپنی کتاب میں (۴۰۰۰) احادیث اصول مسلم، مکررات سے نکال کر ضبط کی ہیں مکررات کو ملا کر (۷۲۷۵) احادیث ملتی ہیں ۔

۵۔ بعض نے صحیح مسلم کو نقد و انتقاد کا نشانہ بنایا ہے، تذکرۃ الحفاظ ج ۲، ص ۵۸۹ میں منقول ہے کہ مسلم بن حجاج بخاری جیسے عقائد فاسد رکھنے والے تھے انہوں نے زہلی کو اپنی مجلس میں آنے سے منع کیا تھا، امام مسلم کو عراق و حجاز میں پسند نہیں کیا جاتا تھا، شیعوں کا کہنا ہے کہ صحیح مسلم کے ابواب میں بہت سی احادیث علم حدیث اور روایات کے حوالے سے صحیح نہیں بعض نے کہا ہے کہ ان کے بعض دعوے صحیح نہیں ۔

سنن اربعہ (سنن ابی داؤد، سنن امام ترمذی، سنن امام نسائی، سنن امام ابن ماجہ)

بعض کے مطابق ان میں موجود سب کچھ صحیح نہیں لیکن ان میں موجود زیادہ تر روایات صحیح ہیں اور ضعیف روایتیں کم ہیں ہوسکتا ہے کہ ضعیف روایات کا فقہاء و علماء کے عمل سے جبران ہو جائے، مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کتب سے احادیث اخذ کریں، یہی مراجع معتمد ہیں ان میں احادیث صحیح سند کے ساتھ صحابہ سے نقل ہیں ۔ ان کتابوں میں موجود اکثر و بیشتر احادیث فرقو عہ ہیں یعنی درمیان کا حوالہ موجود ہے ۔ ان کتابوں کی محدثین نے فقہ کے ابواب پر ترتیب دی ہے ۔

مؤلفین نے سنن اربعہ کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی طرح بہتر طریقے سے نقل کرنے کی پابندی نہیں کی تاہم یہ مستند ہیں یا ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں، مؤلفین نے معتبر احادیث کو آگے رکھنے کی کوشش کی ہے اور خوف خدا کا خیال رکھا ہے، ان کتب کے علاوہ بعض اہل سنت کی کتابوں کے مؤلفین کو شیعہ کی طرف نسبت دی گئی ہے ۔ ان افراد کا شیعوں میں نہ گنا جانا اس وجہ سے ہے کہ شیعوں نے انہیں اپنوں میں شمار نہیں کیا ہے جبکہ اہل سنت نے ان کی کتابوں میں موجود روایات سے تمسک کیا ہے ۔ ایک اور بات یہ کہ تمام کتب اربعہ کے مؤلفین ایرانی و افغانی ماورائے نہر کے تھے ۔ سنن کے پہلے مؤلف ابی داؤد امام احمد بن حنبل کے شاگرد تھے، سنن اربعہ میں حضرت علیؑ کی فضیلت کے متعلق بہت سی روایات مروی ہیں علماء کا کہنا ہے، جن لوگوں نے ہماری کتابوں میں احادیث کو جمع کیا ہے وہ لوگ عصمت کے درجہ پر فائز نہیں تھے لہٰذا ان کی احادیث کے ساتھ دقیق معاملہ کرنے کی ضرورت ہے خصوصاً فقہ کی احادیث میں دقت کرنے کی ضرورت ہے جب یہ اصول شرعیہ کلیہ کے ساتھ متصادم ہوں ۔ اگر مذاہب والوں کے ہاں تحقیقات کے دروازے بند ہوں تو دوسروں کے ہاں بند نہیں ہونے چاہئیں اگر ایک گروہ کی جانب سے دروازے بند ہوں تو دوسروں کی جانب سے کھولنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بلکہ انہیں کھولنے کی ضرورت ہے ۔ سنن اربعہ

میں موجود احادیث کی کل تعداد انیس ہزار چھ سو تہتر (۱۹۶۷۳) ہے ان میں ضعیف احادیث کی تعداد تین ہزار تین سو چوون (۳۳۵۴) ہے جو کہ کل کا سترہ فیصد ہے اس کے علاوہ علامہ البانی فرماتے ہیں کہ جعلی احادیث کا ذکر کسی بھی جگہ نہیں ہے بلکہ فقہ، تاریخ اور نظام زندگی کے بارے میں اسی سے لوگ دھوکہ کھاتے ہیں۔

ا۔ سنن ابی داؤد

تالیف ابوداؤد سلیمان بن اسحاق بن بشیر ازدی بجستانی (متولد ۲۰۲ھ متوفی ۲۷۵ھ) یہ کتاب سنن ابی داؤد کے نام سے مشہور ہے علامہ ابراہیم بن اسحاق حربی کتاب کے مؤلف کے بارے میں لکھتے ہیں ابوداؤد کیلئے حدیث اتنی نرم تھی جس طرح داؤدؑ کیلئے لوہا۔ علامہ حافظ خطابی نے "معالم سنن" میں لکھا ہے کہ یہ کتاب، شریف ہے، علم دین میں اس جیسی کوئی کتاب نہیں ہے، تمام لوگوں کی طرف سے اسے پذیرائی ملی ہے، تمام فقہاء نے اسے قبول کیا ہے اور اس کی طرف رجوع کیا ہے، ابن اعرابی نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر کسی کے پاس علم کتاب کے بارے میں سوائے قرآن کے کچھ نہ ہو تو کتاب سنن ابی داؤد کی موجودگی میں وہ کسی علم کا محتاج نہیں ہوگا۔

سنن ابی داؤد میں ۳۵ کتب، (۱۸۷۱) ابواب ہیں جبکہ مجموعہ احادیث (۵۲۷۳) ہے کشف الظنون کا بیان ہے کہ مکررات کے علاوہ (۴۰۰۸) احادیث متن ہیں، شیخ ناصر البانی کے مطابق اس میں موجود اکثر و بیشتر احادیث ضعیف ہیں ابن تیمیہ نے منہاج الاصول میں لکھا ہے کہ اس میں غلط اور جھوٹی احادیث ہیں ابی داؤد نے ہر باب میں ایک ایک یا دو احادیث پر اکتفا کیا ہے یہ کتاب صحیح بخاری اور مسلم کے بعد محسنات میں شمار ہوتی ہے یہ باقی تین سنن اور دیگر کتابوں پر مقدم ہے بعض کا کہنا ہے اس میں احادیث ضعیف بھی ہیں خود ابی داؤد نے اہل مکہ کو خط لکھا کہ ان کی کتاب میں ضعیف احادیث پائی جاتی ہیں لیکن ہم نے سب کی طرف سے متروک احادیث کو جمع نہیں کیا ہے ابی داؤد کا بیان ہے کہ ہم نے رسول اللہؐ کی پانچ لاکھ احادیث جمع کیں ان میں سے چار ہزار آٹھ سو احادیث کا انتخاب کیا۔ کشف الظنون میں ہے کہ یہ احادیث احکام کے بارے میں ہیں۔

۲۔ سنن ترمذی

تالیف ابوعیسیٰ محمد بن سورے ترمذی (متولد ۲۰۰ھ متوفی ۲۷۹ھ) اس کتاب کے بارے میں ترمذی خود کہتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب کو لکھنے کے بعد علمائے خراسان اور علمائے حجاز تک پہنچایا۔

تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ جس جس گھر میں یہ کتاب ہے گویا اس گھر میں ہدایت کرنے والا نبیؐ ہے، اس میں مکرر احادیث زیادہ ہیں، صحیح اور ضعیف بھی ہیں، بعض نے کہا ہے کہ اس میں جعلی احادیث زیادہ ہیں کیونکہ اس میں نواصب اور خوارج سے بھی احادیث نقل کی گئی ہیں۔

انہوں نے ہر اس حدیث کو جمع کیا جو خود انھوں نے سنی تھی بعد میں ان کی تشخیص کی یہ پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے حدیث کو تین حصوں صحیح احسن اور ضعیف میں تقسیم کیا ہے، امام ترمذی احادیث کی تحقیق کرنے اور درایت کے بارے میں تساہل

برتتے میں مشہور تھے ترمذی میں آٹھ سو تینتیس (۸۳۳) ضعیف احادیث ہیں متابعات و تعلیقات کو ملانے کے بعد اس کی تعداد (۴۳۲۰) بنتی ہے ضعیف احادیث کی تعداد (۱۹.۲۵) فیصد ہے۔

۳۔ سنن نسائی

تالیف شیخ بزرگ ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی نسائی نیشاپوری (متولد ۲۱۵ھ متوفی ۳۰۳ ھ) آپ خراسان اور سرخیز کے درمیان رہتے تھے علمائے اہل سنت انہیں علم و دانش کا پیشوا سمجھتے ہیں، آیت اللہ محمد باقر خوانساری نے اپنی کتاب میں انھیں شیعہ قرار دیا ہے کیونکہ انہوں نے حضرت علیؑ کی فضیلت میں کتاب لکھی ہے۔

سنن نسائی دو صورت میں موجود ہے ایک سنن صغیر ہے اور دوسری سنن کبیر ہے صحاح ستہ میں سنن صغیر کو شمار کیا جاتا ہے امام نسائی نے اپنی کتاب کی تین بار ترتیب و تنظیم کی ابن کثیر کہتے ہیں کہ سنن نسائی مجہول الحال ہے اس میں موجود احادیث ضعیف ہیں کیونکہ انہیں مجہول الحال لوگوں سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں ضعیف احادیث کی تعداد (۴۴۲) ہے جبکہ کل تعداد (۵۷۴۳) ہے ضعیف احادیث کی تعداد کل کا (۷.۷۵) فیصد ہے۔

۴۔ سنن ابن ماجہ

تالیف ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی (متولد ۲۰۹ھ متوفی ۲۷۵ ھ) ابوعبداللہ محمد اپنی کتاب کی تالیف کی خاطر شام، مصر، مکہ، بغداد، بصرہ اور کوفہ گئے اور بزرگان سے علم حدیث کو سنا علماء کی ترتیب کی مناسبت سے یہ چوتھی کتاب ہے۔ یہ صحاح ستہ میں سے ایک ہے کہتے ہیں کہ ان کی یہ کتاب مالک کی موطاء پر برتری رکھتی ہے علامہ عبدالرحمن بن کمال سیوطی نے اس کی شرح لکھی ہے علمائے اہل سنت کا کہنا ہے کہ سنن ابن ماجہ میں بہت سی احادیث جعلی ہیں ان میں سے ایک حدیث امام مہدی کے بارے میں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ امام مہدیؑ وہی عیسیٰؑ ہیں ایک اور حدیث میں ہے کہ سب سے پہلا شخص جس سے خدا مصافحہ کرے گا وہ عمرؓ بن خطاب ہیں اور جو شخص کسی بھی بیماری کی وجہ سے مرے وہ شہید ہے۔

حدیث کی یہ کتاب گذشتہ کتب کی نسبت کم اہمیت کی حامل ہے بعض اسے صحاح ستہ میں شمار نہیں کرتے۔ وہ صرف پہلی پانچ کو صحاح خمسہ کہتے ہیں بعض نے صحاح ستہ میں اس کی جگہ موطا امام مالک یا مسند درمی کو شامل کیا ہے۔ اس میں احادیث کی کل تعداد (۴۳۳۶) ہے جن میں سے (۹۴۷) کو شیخ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے ضعیف احادیث کل کی نسبت (۲۱.۸۴) فیصد ہیں ضعیف احادیث سے عقیدہ، فقہ، نظام فقہ اور نظام حیات کے بارے میں استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ سنن اربعہ کے علاوہ چند کتب معروف ہیں۔

۱۔ موطا امام مالک: تالیف مالک بن انس فقہ مالکی کے بانی (متوفی ۱۷۹ھ) یہ کتاب کتب صحاح میں شمار ہوتی ہے اسے صحیح مسلم اور بخاری سے بھی زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے اس کے میسر نسخے مختلف قسم کے ہیں۔

۲۔ مسند احمد: تالیف احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) یہ کتاب چالیس ہزار احادیث پر مشتمل ہے جنہیں مؤلف نے (۸۰۰)

اصحاب سے نقل کیا ہے اس کا نام "مفتاح کنوز سنہ" ہے احادیث تلاش کرنے کیلئے حروف کی بنیاد پر ایک فہرست ترتیب دی گئی ہے کتاب کے مؤلف مقدمے میں لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کیلئے سات لاکھ احادیث میں سے معتبر احادیث کو جمع کیا اس میں جو کچھ ہے، وہ صحیح ہے۔

ابن تیمیہ جو علمائے حنبلی کے بزرگان میں سے ہیں اور احمد بن حنبل کو اپنا امام سمجھتے ہیں کہتے ہیں احمد نے اپنی کتاب میں ضعیف روایات کو جمع کیا ہے جو قابل عمل نہیں ہیں ان کا کام صرف حدیث جمع کرنا تھا۔

ان کتابوں کے علاوہ اور بھی کتب احادیث موجود ہیں مثلاً معجم طبرانی مستدرک حاکم نیشاپوری، جمع جامع سیوطی، سنن دارمی، کنز العمال متقی ہندی، سنن بیہقی، آثار طحاوی، بلوغ المرام فی احادیث الاحکام صنعانی، نیل الاوطار شوکانی، نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ زیلعی وغیرہ۔

کتب اربعہ

یہ چار کتابیں، کتب اربعہ معتبرہ کے نام سے مشہور ہیں اور عام وخاص، علماء وفقہاء کی توجہ کا مرکز ہیں۔ بعض نے ان کتابوں پر شرح اور حاشیے لکھے ہیں جبکہ بعض نے ان کتابوں میں موجود راویوں کی سند کے بارے میں اپنا بیان لکھا:

۱۔ اصول وفروع روضہ کافی

یہ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی (متوفی ۳۲۸ھ) کی تالیف ہے۔ یہ سب سے قدیم اور معتبر ترین کتاب ہے اس میں (۱۶۰۰۰) احادیث ہیں کہتے ہیں کہ اس میں موجود احادیث صحاح ستہ کی احادیث سے زیادہ ہے، اگر صحاح ستہ میں موجود مکرر احادیث کو حذف کیا جائے تو اصول میں موجود احادیث کی تعداد زیادہ بنتی ہے۔ کلینی نے ۲۰ سال میں انہیں جمع کیا بعد میں علماء نے اس پر شرحیں لکھیں، سب سے معروف شرح مرآۃ العقول تالیف علامہ مجلسی ہے۔ الکافی فی الحدیث کے بارے میں شیخ بزرگ تہرانی فرماتے ہیں کہ یہ کتب اربعہ میں سب سے پہلے اجل کتاب ہے جس پر سب کو اعتماد ہے۔ اس جیسی کتاب آل رسول سے منقول احادیث کے بارے میں نہیں لکھی گئی ہے۔ کتاب کافی کی چھ جلدیں ہیں دو اصول پر، دو فروع پر اور دو روضہ کے متعلق ہیں یہ ۳۴ کتابیں ہیں جن میں (۳۳۶) ابواب ہیں اور سولہ ہزار (۱۶۰۰۰) احادیث جمع ہیں جس میں سے (۵۰۷۲) صحیح، (۱۴۴) حسن، (۱۷۸) موثق، (۳۰۲) قوی اور (۹۴۸۵) ضعیف احادیث ہیں۔ اس میں (۱۹۹) احادیث صحاح ستہ کی احادیث سے زائد ہیں کیونکہ صحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) کی تعداد (۷۰۰۰) سے کم ہے۔ باقی چار کتب احادیث کی تعداد (۹۰۰۰) تک نہیں پہنچتی ہے۔ کتاب کافی غیبت صغریٰ میں ۲۰ سال کے اندر لکھی گئی۔

۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ

اسے ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بابویہ قمی معروف بہ شیخ صدوق (متوفی ۳۸۱ھ) نے تالیف کیا۔ اس میں (۵۹۹۸) احادیث ہیں اس کتاب کا نام زکریا راضی کی کتاب من لا یحضرہ الطبیب سے لیا گیا ہے اس کی شرح روضۃ المتقین ہے جسے محمد

تقی مجلسی نے لکھا ہے۔ شیخ صدوق کی دوسری کتابیں خصال امالی کمال الدین وغیرہ ہیں۔ آیت اللہ تہرانی فرماتے ہیں کہ مولف کتاب تین سو (۳۰۰) کتابوں کے مصنف تھے یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ ۶۳۶ یا ۶۶۶ ابواب ہیں اور (۵۹۹۸) احادیث پر مشتمل ہے اس کا ایک نسخہ کربلا میں شیخ محمد بن علی قمی شیخ طریحی کے والد، شیخ محمد علی بن طریح بن خفابی بن فیاض بن محمد بن خمیس بن جمعہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

۳۔ تہذیب الاحکام

یہ ابوجعفر محمد بن حسن بن علی معروف شیخ طوسی متولد (۳۸۵ھ متوفی ۴۶۰ھ) کی تالیف ہے۔ اس کتاب کو شیخ طوسی نے کتاب شیخ مفید پر شرح کے عنوان سے لکھا ہے اس میں (۱۳۵۰۹) احادیث جمع ہیں اس کی بھی بعض نے شرح لکھی ہے ایک شرح علامہ مجلسی نے لکھی ہے۔

بزرگ تہرانی فرماتے ہیں یہ بھی کتب اربعہ میں سے ایک احادیث کا مجموعہ ہے یہ مصادر فقہ علماء ہے۔ تہذیب الاحکام کو اصول کافی معتمد وقدما سے یعنی علمائے متقدمین کی معتبر کتابوں سے جمع کیا گیا ہے۔

۴۔ استبصار فی ما اختلف من الاخبار

آیت اللہ بزرگ تہرانی لکھتے ہیں کہ اس کتاب کی تالیف شیخ طائفہ ابی جعفر محمد بن حسن بن علی طوسی مولود ۳۸۵ھ نے کی۔ آپ ۴۰۸ھ میں خراسان سے عراق آئے اور بغداد میں سکونت اختیار کی۔ ۴۴۸ھ کو نجف منتقل ہوئے، آپ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے نجف کو مرکز علمی بنایا، ۴۶۰ھ کو وفات پائی۔ یہ کتب اربعہ میں سے ایک ہے جس سے اس وقت سے عصر حاضر تک کے فقہائے اثناعشری استنباط کرتے ہیں۔ اس کے تین جز ہیں جس میں سے دو جز عبادات کے بارے میں ہیں تیسرا دیگر ابواب فقہ عقود وایقاعات اور حدود و دیات پر مشتمل ہے۔ بعض علماء نے اس کے ابواب کو ۹۲۵ یا ۹۱۵ بتایا ہے۔ اس میں موجود احادیث کی تعداد کو علماء نے ۶۵۳۱ بتلایا ہے لیکن جو تعداد خود شیخ نے آخر کتاب میں لکھی ہے وہ ۵۵۱۱ ہے۔

ان کے علاوہ احادیث کی چند ایک کتب درج ذیل ہیں:

۱۔ وسائل الشیعہ

تالیف محمد حسن مشتغری حر عاملی (متولد ۱۰۳۳ھ متوفی ۱۱۰۴ھ) یہ تین محمد میں سے ایک ہیں۔ وسائل الشیعہ کی ترتیب طہارت سے دیت تک ہے بعض کے مطابق یہ کتب اربعہ میں بہترین ترتیب ہے بحار و وافی سے بھی بہتر کتاب ہے۔ بحار میں بغیر کتب اربعہ سے احادیث کو اکٹھا کیا گیا ہے جو اکثر غیر احکام میں سے ہیں۔

یہ اس وقت مسائل فقہی میں رائج معروف ترین کتب میں سے ہے، فقہاء و مجتہدین مصادر میں سے اسی کتاب کو دیکھتے ہیں اس کے ہر باب میں مخصوص احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ اس میں (۳۵۸۵۰) احادیث ہیں ان سب کی سند کا بھی ذکر ہے آخر میں خاتمہ ہے جس میں طریقہ حدیث کے بارے میں تفصیلات ہیں۔

محمد ابن حسن بن علی ابن محمد ابن حسین حر عاملی مشغری شب جمعہ ۸ رجب المرجب ۱۰۳۳ھ کو لبنان کے ایک گاؤں مشغری میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے باپ، چچا اور نانا شیخ عبدالاسلام بن حر سے حاصل کی آپ چالیس سال لبنان میں رہے۔ اس دوران دو بار حج بیت اللہ کی پھر عراق آئے اور وہاں آئمہ اطہار ؑ کی زیارت کی وہاں سے مشہد مقدس میں امام رضاؑ کی زیارت کیلئے گئے وہیں پر آپ نے مجاورت اختیار کی۔ تقریباً ۲۴ سال مشہد میں رہے۔ یہاں سے دو دفعہ حج کو گئے۔ اس دوران آپ نے اپنی پہلی کتاب "جواہر السنیۃ فی الاحادیث القدسیۃ" تالیف کی اور صحیفہ ثانیہ کے نام سے لکھی گئی کتاب میں امام سجادؑ کی دعائیں جمع کیں جو پہلے صحیفہ میں نہیں تھیں پھر چھ جلدوں میں تفصیل "وسائل الشیعہ فی تحصیل الشرعیہ" تالیف کی جس میں کتب اربعہ کی تمام احادیث ہیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں ستر سے زائد کتابوں سے بھی نقل کیا ہے۔ اس میں کتابوں کے نام اور سند کا بھی ذکر ہے پھر تین جلدوں میں ایک کتاب "ہدایۃ الامۃ الی احکام الائمہ" لکھی اس میں احادیث کی سند اور مکررات کو حذف کیا ہے۔ پھر ایک کتاب "فہرست وسائل الشیعہ" لکھی جس میں ابواب احادیث پر ایک باب میں موجود تعداد حدیث کو ایک جلد میں جمع کیا اس کتاب کا نام "من لا یحضر الامام" رکھا اور دو جلدوں میں کتاب "اثبات الہداۃ بالنصوص و المعجزات" لکھی اور اس میں بیس ہزار احادیث اور ستر ہزار سندیں شیعہ سنی کی تمام کتابوں سے جمع کیں۔

کہتے ہیں اس میں انہوں نے بیالیس کتب خاصہ سے اور چوبیس کتب عامہ سے نقل کیا ہے۔ انھوں نے ایک کتاب "رسالۃ فی الرجعۃ" کے بارے میں لکھا اور اس کا نام "الایقاظ من الہجعۃ بالبرہان علی الرجعۃ" رکھا جس کے بارہ باب ہیں اس میں چھ سو احادیث، چونسٹھ آیات قرآن اور متقدمین و متاخرین علماء کے رجعیت کے بارے میں اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب امام زمان کے نام کے بارے میں لکھی جس کا نام "کشف التعمیہ فی حکم التسمیہ" ہے۔ انہوں نے ایک اور کتاب "فصول المہمۃ فی اصول الائمۃ" لکھی۔

علامہ شیخ حر عاملی ایک دفعہ مشہد مقدس جاتے وقت اصفہان سے گزرے وہاں بڑے بڑے علماء سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں۔ انہوں نے ان سے انس و محبت کی ان علامہ موصوف میں سب سے زیادہ جس سے انسیت پیدا ہوئی وہ علامہ مجلسی اعلیٰ اللہ مقامہ تھے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو حدیث نقل کرنے کا اجازہ دیا۔ حر عاملی اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے جہاں دیگر کتب سے وسائل الشیعہ میں احادیث نقل کی ہیں وہاں انہوں نے محمد باقر مجلسی سے بھی احادیث نقل کی ہیں انہوں نے سب سے آخر میں لکھا کہ میں نے ان کو اجازت دی ہے۔ ان کے بارے میں ایک حکایت یہ بھی ہے کہ موصوف ایک دفعہ اصفہان گئے یہ بادشاہ سلیمان صفوی موسوی کا دور تھا شیخ صاحب اس بادشاہ کی مجلس میں چلے گئے خدا ان کے برہان کو منور کرے۔ یہ محترم جلسے میں شریک ہوئے اور جہاں بادشاہ نے تکیہ لگا تھا۔ اس مسند کے قریب جا بیٹھے تو بادشاہ یہ سمجھا کہ انہوں نے میرے ساتھ جسارت کی ہے دونوں کے تعارف کے بعد بادشاہ کو معلوم ہوا کہ شیخ موصوف اصل میں عرب ہیں اور ان کا نام محمد ابن حسن حر عاملی ہے۔ شاہ سلیمان نے ان کی طرف رخ کر کے فارسی میں کہا "فرق میان حر و خر چقدر است" تو شیخ

نے فوراًاور بغیر کسی تر دد کے جواب دیا"قبلت مسند"۔جب شیخ واپس مشہد مقدس پہنچے اور ایک عرصہ وہاں گزارا تو بادشاہ نے انہیں منصب قضاوت وعہدہ شیخ الاسلام بخشا یوں انکا رفتہ رفتہ وہاں کے مشہور ومحترم علماء میں شمار ہونے لگا ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں ۔ایک دفعہ ان کے پاس کسی نے کسی طالب علم کے بارے میں گواہی دی اور کہا کہ یہ شخص کتاب "ذبطعہ شیخ بہائی" اصول پڑھتے ہیں تو ان کی شہادت کو انہوں نے مسترد کر دیا۔

گر چہ علامہ حر عاملی کثیر تصنیفات وتالیفات کے مالک ہیں لیکن تمام کی تمام کتب تحقیق و دقت سے خالی ہیں اور یہ مزید تہذیب وتنقیح کی محتاج ہیں ان کے معمولی سے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں کیا کیا نقائص ہیں اسی طرح زیادہ تصنیفات والے دیگر لوگوں کی کتابوں میں بھی زیادہ غلطیاں ہوتی ہیں جیسے علامہ حلی وغیرہ چنانچہ بعد کے ہمارے بعض علماء نے شہید ثانی کو علامہ حلی پر ترجیح دی ہے کیونکہ ان کی تحریر زیادہ محکم ہے۔

ان کی حدیث کی کتاب تحقیق اور دقت نظر سے خالی ہے اس میں متناقصات اخبار جمع ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ جو بھی اخباری سیرت پر چلتا ہے اس کی بھی ایسی ہی سیرت بن جاتی ہے اور شیخ موصوف بھی اخباریوں میں سے تھے ان پر تنقید کرنے والے اور اس خصلت میں شریک سب لوگ اصحاب ظاہری او را خباری ہیں ۔ان کے ساتھ اس صفت میں شریک اور بھی بہت مصنفین ومولفین ہیں ۔

وسائل الشیعہ کے بارے میں آیت اللہ بروجردی کا نقطۂ نظر

حجۃ الاسلام سید محمد حسن بروجردی فرزند مرجع کبیر آیت اللہ بروجردی فرماتے ہیں کہ ان کے والد گرامی وسائل الشیعہ اور اس کے مؤلف حر عاملی کے بارے میں فرماتے تھے کہ ان کی کتاب تالیف سے عصر حاضر تک مرجع فقہاء بنی ہوئی ہے لیکن ان کی یہ کتاب تنقیح وتہذیب کی احتیاج رکھتی ہے ۔اس کتاب کو فقہی کتاب کہا جا سکتا ہے بجائے اس کے کہ اسے کتاب حدیث کہا جائے ۔وہ احکام فرعی کے بارے میں واردروایات کو جمع کرنے کی نیت رکھتے تھے نہ کہ مکمل ایک کتاب حدیث لکھنے کی۔

پھر آیت اللہ بروجردی وسائل الشیعہ کی خامیوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں اگر مجھے مہلت ملی تو میں ایک ایسی کتاب تالیف کروں گا جس میں تکرار،حدیثوں کے چند ٹکڑوں اور فضول چیزوں کو جمع کرنے سے گریز کروں گا چنانچہ انہوں نے اس نیت کے تحت جامع کتاب شیعہ ترتیب دینے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

۲۔وافی

تالیف محمد بن مرتضٰی معروف ملامحسن فیض کاشانی (متولد ۱۰۰۷ھ متوفی ۱۰۹۱ھ) یہ مختلف علوم میں مہارت رکھتے تھے ۔وافی کے اندر کتب اربعہ میں موجود احادیث سے مکررات کو حذف کر کے باقی احادیث کو جمع کیا گیا ہے اور مشکل روایات کی تشریح کی گئی ہے اس میں دیگر کتب سے بھی احادیث جمع کی گئی ہیں،اس میں پچاس ہزار احادیث جمع ہیں یہ کہتے تھے میں نے کتب اربعہ میں ایسی احادیث کو پایا جو ایک دوسرے کے منافی ہیں ۔وافی جمع احادیث ایک مقدمہ چودہ کتب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مقدمہ تین تمہیدات پر مشتمل ہے خاتمہ احادیث کی اسناد کے بارے میں ہے۔

۳۔بحارالانوار

تالیف محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۱۱۱ھ) مدفون اصفہان۔بحار کی ایک سو دس (۱۱۰) جلدیں ہیں علامہ مجلسی اپنے دور میں تاریخی اعتبار سے سب سے زیادہ وسائل رکھتے تھے۔انہیں بادشاہانِ صفوی کی طرف سے بہت سے وسائل حاصل تھے۔انہوں نے جمع حدیث کیلئے ایک ادارہ کھولا اور احادیث جمع کیں۔

مقالہ نگار محسن کدیور لکھتے ہیں بحارالانوار دراخبار آئمہ اطہارؑ کی اسلامی روایات کا سب سے بڑا مجموعہ ہے یا اسے دائرۃ معارف نقلی شیعہ کہا جا سکتا ہے۔علامہ کی تالیفات میں سے یہ سب سے بڑی کتاب ہے اسکی تصنیف و تالیف کیلئے علامہ مجلسی نے اپنے شاگردوں میں سے ایک گروہ منتخب کیا۔انھوں نے اس وقت اپنے حاصل شدہ سیاسی مقام و منصب سے شیعوں کی نایاب کتابوں کو دور دراز پنہاں اور گمنام جگہوں سے جمع کرنا شروع کیا یہ پہلی بار رسمی طور پر حکومت کے ذریعے شیعوں کو ملنے والے آثار و فوائد میں سے ہے۔کہتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں شیعہ نقطہ نظر سے تحقیق کرنے کیلئے بحار سے مدد لینا ضروری ہے بصورت دیگر کی گئی تحقیق ناقص متصور ہوگی اس لئے ہر محقق اس کتاب کا نیازمند ہے لیکن اس کتاب کی طرف رجوع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ خود علامہ کے بارے میں ضروری نکات ذہن نشین ہوں۔

۱۔ علامہ جیسا کہ ان کی تصنیفات اور ان کے ہم فکر لوگوں کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ایک معتدل اخباری شخص تھے۔

۲۔بحار ایک ایسا مجموعہ احادیث ہے جس میں موجود شیعہ احادیث کے صحیح و غلط کی تمیز نہیں کی گئی ہے۔

۳۔مجلسی ایک محدث اور پہلے مرحلے کے مؤلف تھے لیکن انہیں فکر تشیع کا نمائندہ نہیں کہا جا سکتا۔

۴۔ان کے روایات سے ماخوذ نتائج خاص کر عقائد کے بارے میں نتائج عوامی اور سطحی سوچ رکھنے والے ہمج الرعاع کی سوچ کا مظہر ہیں۔اس سلسلے میں علامہ بزرگوار طباطبائی رضوان اللہ علیہ فرماتے ہیں کاش وہ ان مسائل کے بارے میں اظہار نظر نہ فرماتے اور صرف نقل کرنے پر اکتفاء کرتے تو ان کی آبرو باقی رہتی۔

۵۔مقالہ نگار لکھتے ہیں مصلح کبیر سید محسن امین نے اپنی کتاب اعیان شیعہ میں علامہ مجلسی کے بارے میں مرزا حسین نوری کی تعریف نقل کی ہے۔

"مجلسی کا فضل قابل انکار نہیں ان کی کتابوں سے عوام نے بہت فائدہ اٹھایا ہے لہذا یہ پوشیدہ نہیں ہے لیکن ان کے آثار بہت زیادہ تہذیب و تصفیہ کے محتاج ہیں اس میں سب کچھ جمع ہے انھوں نے احادیث سے جو کچھ اخذ کیا ہے وہ سب جلد بازی کی وجہ سے ہے لہٰذا اس میں اشتباہ زیادہ اور صحیح کم ہے جو کچھ علامہ مجلسی کی تعریف دوسروں نے کی ہے گرچہ وہ صاحب فضل تھے لیکن یہ سب تعریفیں تعصب پر مبنی ہیں کیونکہ مجلسی کو یہ موقع ایک ایسی شیعہ حکومت کے اقتدار میں آنے کی وجہ سے ملا ہے جس نے مذہب کو اپنے رقیب و حریف کے خلاف لڑنے کیلئے استعمال کیا۔ایران سے باہر

چونکہ اخبارگری کوفروغ مل رہا تھا لہٰذا صفوی دور میں بھی نقل رویات کو بہت زیادہ فروغ دیا گیا۔اس دور میں دو کتابوں کو پذیرائی ملی ان میں سے ایک وسائل الشیعہ جو فقہ کے بارے میں ہے اور دوسری بحارالانوار جو کہ فقہ سے ہٹ کر ہے۔"

صاحب تفسیر المیزان علامہ بزرگوار محمد حسین طباطبائی رضوان اللہ علیہ (متوفی ۱۳۲۱ھ) کتاب بحارالانوار کے بارے میں اظہار نظر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ جمع احادیث کے لحاظ سے سب سے بڑی کتاب ہے۔علامہ مجلسی کا نقطہ نظر مذہب کا احیاء اور روایات کو جمع کرنا تھا۔ان کی اطلاعات اور معلومات بہت وسیع تھیں۔ان کی خدمات قابل قدر ہیں لیکن یہ روایت شناسی کے فن میں گہرائی نہیں رکھتے تھے۔"

علامہ طباطبائی نے بحار کی نئی طبع کا ایک دورہ مکمل کر کے کتاب کے مختلف مقامات پر اپنا نقطہ نظر بیان کیا اور سات جلدوں تک اپنا حاشیہ لکھا ہے جہاں بہت سی جگہوں پر علامہ مجلسی کو رد کیا ہے۔حوزات شیعہ کے کمرہ اجتہاد کی کھڑکیوں سے اخباری پاسداران نے جب دیکھا کہ علامہ طباطبائی اخبار و اخباریوں کے ساتھ کیا کر رہے ہیں تو انھیں اجتہاد کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تا کہ وہ اخباری نمک کھاتے ہوئے اخبار کے خلاف لکھ سکیں اس کی مثال آجکل کے ان مغرب مخالف ملکوں کی ہے جہاں آزادی واستقلال کے جلسے جلوسوں کی اس وقت تک آزادی ہوتی ہے جب تک ان میں مغرب کے مفادات کو نشانہ نہ بنایا جائے۔مقالہ نگار لکھتے ہیں علامہ طباطبائی نے بحار کی سات جلدوں کے ۸۸ مقامات پر اپنا نقطہ نظر بیان کیا ہے۔

ساحۃ الحجۃ قاضی محمد علی، حاشیہ فقہ الماوئی مجموعہ سوالات از آیت اللہ شیخ محمد حسین کاشف الغطاء صفحہ ۱۲۹ میں فرماتے ہیں کتاب بحار ایک دائرۃ المعارف ہے جس میں متفرقات ومشتتات کو جمع کیا گیا ہے مولف نے اس میں جو کچھ جمع کیا ہے اس سے اس کی صحت کی ضمانت نہیں دی ہے نہ اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے نہ اس میں موجود باتوں کو تشیع کی طرف نسبت دی جاسکتی ہے مولف کا مقصد صرف ان چیزوں کو جمع کرنا تھا۔

بحار اور کافی میں موجود ضعیف روایات

آیت اللہ فضل اللہ فرماتے ہیں کہ مجلسی "بحار" کو ایک کشکول سے تشبیہ دیتے تھے اور اپنی کتاب میں موجود روایتوں کی ضمانت نہیں دیتے تھے جبکہ کلینی اپنی کتاب میں موجود روایتوں کی ضمانت دیتے تھے بعد میں آنے والے علماء نے اس میں موجود روایات کی ضمانت نہیں دی ہے جبکہ علامہ مجلسی خود مرآۃ العقول فی شرح الاحادیث الرسول * کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک کافی میں موجود روایتوں میں سے صرف پانچ ہزار صحیح ہیں۔

آیت اللہ فضل اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے تحت ہمارے پاس سوائے قرآن کے کوئی بھی کتاب سو فیصد صحیح نہیں ہے لہٰذا ہم نہیں کہہ سکتے کہ کتاب کافی میں موجود تمام روایتیں صحیح ہیں۔ہماری کتب احادیث کی صحت کے حوالے سے علماء میں اختلافات ہے بعض علماء بعض احادیث کو صحیح سمجھتے ہیں اور بعض دیگر علماء ان کو صحیح نہیں سمجھتے۔شیخ کلینی نے کافی میں نقل شدہ روایات اس وقت

کہ ان مشہور راویوں سے نقل کی ہیں کہ جن کے پاس ان سے پہلے والوں کی کچھ کتب موجود تھیں۔

''آیا علماء کے اجماع سے کسی مسئلے پر اتفاق ہونے کے بعد دوسرے افراد کیلئے ضروری ہے کہ اس کے معتقد ہوجائیں اور پھر اس کے بارے میں کسی کو تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟''

آیت اللہ فضل اللہ فرماتے ہیں کہ کسی حکم شرعی پر فقہاء کا اجماع ہونا حجت نہیں ہے مگر یہ کشف ہوجائے کہ ان کا اجماع آئمہؑ کے کسی قول یا فعل وتقریر کے نتیجے میں ہوا ہے، اجماع علماء اگر دلیل کی بنیاد پر ہے تو حجت دلیل کی وجہ سے ہے نہ اجماع کی وجہ سے۔ ہم دلیل کو دیکھیں گے اگر دلیل صحیح نہیں ہے تو اجماع کا کوئی وزن نہیں ہے دلیل دینا حجت نہیں ہے، ہم خود جانتے ہیں کہ بہت سے مسائل پر متاخرین یا مشہور علماء کے نزدیک اجماع تھا لیکن یہی مسئلہ متقدمین علماء کے نزدیک اجماع نہیں ہے لہٰذا فقہاء و متکلمین کے اقوال اپنی جگہ حجت نہیں ہیں کیونکہ یہ لوگ معصوم نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ کبھی تو صحیح بات کرتے ہیں اور کبھی خطا کرتے ہیں اگر انہوں نے اپنے نظریے کو کسی معصوم کے قول سے مستند کیا اور ہمارے پاس بھی ثابت ہوا کہ یہ قول معصوم ہے تب تو ان کا نظریہ حجت ہوگا یہ کسی قول شرعی یا عقلی پر اعتماد کر کے فتویٰ دیں تو ہمیں ان کے اجماع پر نہیں رکنا چاہیے بلکہ ان کی دلیل کے بارے میں دیکھنا چاہیے اگر ان کی دلیل کامل ہوئی تو ہم اسے قبول کریں گے اور اگر ان کی دلیل ناقص ہوئی تو ہم ان سے اختلاف کریں گے چنانچہ کتنی بار متاخرین علماء نے اجماع متقدمین کی مخالفت کی ہے۔

۴۔ مستدرک الوسائل یا مستنبط الوسائل

یہ علامہ نوری الحاج مرزا حسین بن علامہ مرزا تقی بن مرزا محمد طبرسی (متوفی ۲۷ جمادی الآخر ۱۳۲۰ھ) کی ترتیب شدہ کتاب ہے۔ یہ وسائل و بحار کے بعد روایات کا چوتھا بڑا مجموعہ ہے یہ تین بڑی جلدوں پر مشتمل ہے اس میں تیئس (۲۳۰۰۰) ہزار احادیث ہیں یہ علامہ مجلسی کے زمانہ کے بعد کی بات ہے لیکن علم میں اس کے مقابل میں ہے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے لہٰذا علم کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں اس کی ترتیب اس طرح سے ہے۔

۱۔ پہلے جن کتابوں سے احادیث نقل کی ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے۔

۲۔ یہ کتابیں جن سے احادیث نقل کیں اعتبار کے حوالے سے کیسی ہیں۔

۳۔ ان کتابوں تک کیسے پہنچے۔

۴۔ کتاب کافی کے بارے میں یہ کہا ہے کہ جہاں بیان عدۃ اصحابنا ہے وہاں احادیث معتبر نہیں ہیں۔

۵۔ اصحاب اجماع کے بارے میں نقل کیا۔

۶۔ تہذیب کی شرح میں لکھا ہے یہ ۱۳۱۹ھ کو تمام ہوئی۔ اسکی جلد اول میں دو ہزار گیارہ باب ہیں اور اس میں (۸۸۶۵) احادیث ہیں دوسری جلد میں دو ہزار باون باب ہیں جس میں (۹۸۱۹) احادیث ہیں تیسری جلد میں ایک ہزار تین سو تریسٹھ باب ہیں اور (۴۸۳۰) احادیث ہیں۔ یہ وسائل الشیعہ کی ترتیب پر ہے اس کے اندر وسائل میں تکرار شدہ احادیث کو الگ کیا گیا ہے۔

آخر میں ایک خاتمہ بنایا گیا ہے جس میں حدیث شناسی کے بارے میں مواد موجود ہے۔

مرزا حسین کے بارے میں امام خمینیؒ کا نقطۂ نظر

حضرت امام خمینی قرآن میں تحریف کو رد کر کے صاحب مستدرک مرزا حسین نوری کو یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں ان کی کتاب نہ علمی وزن رکھتی ہے نہ کسی کام کی ہے۔ انہوں نے ضعیف روایتوں کو اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے۔ قدما اصحاب صاحبان کتب اربعہ ان روایتوں کو اعتبار سے ساکت سمجھتے تھے مجملہ مستدرک الوسائل اس بے اعتباری میں شمار ہوتی ہیں۔

مذہب مافوق نقد

انسانی زندگی کے روزمرہ معاملات اور لین دین میں خریداری سوچ سمجھ کر کی جاتی ہے تا کہ ممکنہ نقصان سے بچا جا سکے۔ اگر کوئی اہم چیز لینی ہو تو اس کیلئے متعلقہ ماہر کو بلایا جاتا ہے یعنی چیزوں کی اہمیت کے پیش نظر متعلقہ شعبے کے قابل اور باعث اطمینان ماہر کی خدمات حاصل کی جاتیں ہیں۔ اس میں سے ایک اہم چیز رقم ہے آج کل جعلی نوٹوں سے بچنے کیلئے بڑے بڑے اداروں اور بینکوں میں مشینیں لائی گئی ہیں جن سے گزار کر نوٹ وصول کئے جاتے ہیں۔ اس عمل کو اس وقت آزمائش کہتے ہیں۔ نوٹ یا رقم کو نقدی کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ سابق زمانے میں سونے چاندی کے سکوں میں کھوٹ یا ملاوٹ کو جاننے کیلئے سکوں کو تولا جاتا تھا یا پھر زمین پر گرا کر آواز سے معلوم کی جاتی تھی تا کہ کسی بھی ممکنہ خطرے سے بچا جا سکے۔ گویا انسانی زندگی میں قدیم زمانے سے عصر حاضر تک اہمیت والی چیزیں تحقیق اور چھان بین کے بغیر نہیں لی جاتیں ہیں لیکن تعجب اس بات کا ہے کہ بد قسمتی و بد نصیبی اور لا پرواہی صرف مذہب کے معاملے میں کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مذہب مافوق نقد ہے یعنی اس میں تحقیق اور آزمائش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مذہبی رہنما جو کچھ کہہ دیں وہی ٹھیک ہے اور اسے ماننا پڑے گا جسے ان کی زبان میں تقلید کہتے ہیں۔ پہلے چند مسائل کے بارے میں ایسی باتیں کی جاتیں تھیں لیکن رفتہ رفتہ پورے دین کے بارے میں یہ کہا جانے لگا کہ یہ نقد و تنقید سے مافوق ہے۔ مذہبی رہنما جس قدر مشہور و معروف ہوں اور جتنی مریدین و مقلدین زیادہ رکھتے ہوں وہ اتنے ہی مافوق نقد قرار پاتے ہیں۔ تاہم پیغمبر اسلامؐ سے منقول روایتیں چپ چاپ اور آنکھیں بند کر کے نہیں لی جا سکتیں ہیں کیونکہ بہت ساری روایات کو جھوٹے اور غلط لوگوں نے جعل کیا ہے۔ متاخرین علماء کی لکھی ہوئی کتابوں کے متعلق ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ ان میں کسی قسم کی چون و چرا کرنے کی ضرورت نہیں ہے چاہے وہ سو سال پہلے لکھی گئی ہوں یا پانچ سو سال پہلے۔ آپ کو ان کے بارے میں تحقیق کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ دوسری جانب یہ کہا جاتا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم دونوں تحقیق کر کے چھاپی گئی ہیں لہٰذا ان کے بارے میں آپ کچھ نہیں بول سکتے، ان دونوں کے مصنفین نے تحقیق کر کے صحیح احادیث کو جمع کیا ہے اور ضعیف و غلط کو جمع نہیں کیا ہے جو احادیث ان سے رہ گئی تھیں انہیں بعد میں مصنفین سنن اربعہ نے جمع کیا ہے۔ دونوں گروہوں کی اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے کیلئے مفاد پرست انہیں کتابوں سے اپنی مطلب کی چیزیں نکال لیتے ہیں جیسا کہ بعض کو صحیح بخاری و مسلم پسند نہیں آتی تو ان دونوں سے استناد کر کے اپنا مطلب نکالتے ہیں۔

شیخ کلینی نے سولہ ہزار (۱۶۰۰۰) احادیث جمع کیں علامہ مجلسی کے مطابق ان میں سے نو ہزار (۹۰۰۰) احادیث ضعیف ہیں جب کہ اس کتاب کے بارے میں یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اصول کافی ہمارے لئے کافی ہے۔ پچاس (۵۰) سال کے بعد شیخ صدوق آئے انھوں نے کلینی کی چھوڑی ہوئی حدیثوں کو جمع کیا لیکن ان پر نقد و تنقید کی اجازت نہیں دی گئی انہوں نے مزید کہا کہ ہم نے احادیث کو صحیح و معتبر سمجھ کر جمع کیا ہے۔ آج کل پیغمبرؐ کی حدیث کو غلط کہہ کر رد کر دینے والے شیخ صدوق کی نقل کو قال رسول اللہؐ سے برتر قال صدوق کہہ کر بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ شیخ طوسی کی رحلت کے بعد گیارہویں صدی میں علامہ مجلسی آئے انہوں نے ان احادیث کو جو پہلے والوں کو نہیں ملیں ان کو جمع کیا۔ آپ کہتے ہیں کہ جب علامہ مجلسی نے لکھ دیا ہے تو کسی اور کو اعتراض کا حق نہیں پہنچتا ان کے بعد صاحب عوالم نے بحار کے برابر کی کتاب لکھ کر احادیث جمع کیں جو علامہ کو نہیں ملیں تھیں اور جو احادیث انھیں بھی نہ ملیں وہ آیت اللہ العظمیٰ نے جمع کیں۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں ہر دن جیسے انسان کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے کتب احادیث کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ اگر کسی نے ان کتابوں میں موجود بعض مسائل کے بارے میں اشکال و اعتراض کیا تو اس کے خلاف ہر قسم کے اقدامات کئے جاتے ہیں جس میں بدنامی قطع تعلقات اور اقتصادی بندش شامل ہے۔ گویا اس کام کے سامنے غیر مرئی چوکیدار کھڑے ہیں۔ یہ سب اس منطق کے تحت کیا جاتا ہے کہ مذہب مافوق نقد ہے گویا مذہب تمام باطل نظریات کا کباڑ خانہ ہے۔ اس طریقے سے دین کے بارے میں تحقیق و تصحیح کے دروازے بند کر کے اور کباڑ پھینکنے کے تمام دروازے کھلے رکھنے کے بعد پیغمبرؐ کی سیرت طیبہ، آئمہ طاہرینؑ اور اصحاب باوفا کی شخصیات کے چہرے واضح و روشن صورت میں کیسے پیش کئے جائینگے؟

احادیث پر تنقید کی دو صورتیں

محدثین نے حدیث کی حجیت کے بارے میں جاننے کیلئے دو اصطلاحیں یعنی روایات و درایت وضع کی ہیں۔ زمانہ قدیم سے عصر حاضر تک علماء و محققین ان دونوں اصطلاحوں پر نقد و تنقید کرتے آئے ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہے گا اگر کوئی اس راہ میں رکاوٹ بنتا ہے تو اس پر اخباری اور حدیثی کا لیبل چسپاں کیا جاتا ہے کیونکہ اس گروہ کو یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں نقد و تنقید کی نظریں ان کی شامل کردہ جعلیات و تحریفات پر نہ پڑیں۔ حدیث پر سند کے بارے میں باہر سے ہونے والی تنقید کو خدشات کہتے ہیں جبکہ متن میں شکوک و شبہات کو درایت کہا جاتا ہے۔ علماء کا کہنا ہے کہ حدیث کی سند کے بارے میں شکوک و شبہات درحقیقت متن پر اشتباہ سے جنم لیتے ہیں۔ جب انسان کو کسی حدیث کا متن قابل ہضم نہیں رہتا تو پھر وہ سند کی تحقیق کیلئے اس کی طرف رخ کرتا ہے اگر حدیث کی سند اپنی جگہ معتبر اور موثق ہو تو اسے رد کرنے کی بجائے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے تاہم احادیث کی بڑی تعداد ایسی ہے جن کے متن مخدوش ہیں۔

۱۔ کتب سیرت میں بہت سی احادیث ایسی ہیں جن میں چھوٹے چھوٹے اور معمولی عمل کی بجا آوری کیلئے بہت زیادہ اجر و ثواب بیان ہوا ہے بعض احادیث میں مستحب کی ادائیگی کا ثواب اتنا زیادہ بتایا گیا ہے جتنا کہ اصل واجب کی ادائیگی پر نہیں ہے۔

۲۔بہت سے کھانوں کے بارے میں ہے کہ ان کے کھانے سے بہت ثواب ملتا ہے۔

۳۔فضائل و مناقب کی احادیث۔

۴۔مشاہدات و تجربات سے متصادم احادیث۔

۵۔صریح آیات قرآنی سے متصادم احادیث۔

۶۔مسلمہ روایات سے متصادم احادیث۔

اسی طرح بعض اصحاب کرامؓ کی نقل کردہ احادیث میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔جن اشخاص سے احادیث نقل ہوئی ہیں ان میں سے ہر ایک کو سامنے رکھ کر ان کیلئے معقول اور قابل ہضم توجیح بیان کرنی چاہیے۔جن افراد سے زیادہ احادیث نقل ہوئی ہیں ان میں ابو ہریرہ،عبداللہ بن عمر،ام المومنین عائشہ بنت ابی بکر،جابر بن عبداللہ،عبداللہ بن عباس،انس بن مالک علی ابن ابی طالب اور ابو سعید خدری شامل ہیں۔اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان شخصیات کی وہ کون سی خصوصیات ہیں اور ان کا آپس میں کیا تناسب ہے جن کی بنیاد پر بعض نے زیادہ احادیث کو جمع کیا ہے اور بعض دیگر نے کم۔احادیث کم نقل کرنے والوں میں یہ ذوات ابوبکر،عمر بن خطاب،زبیر بن عوام،عبداللہ زبیر،ام المومنین ام سلمہ،حفصہ،سودہ،زینب اور دیگر زوجات النبی شامل ہیں۔

اہل سنت اور اہل تشیع کی کتب روایات اور ان میں موجود روایتوں کی صحت وسقم کا معیار

اس موضوع پر محقق استاد زہیر شاویش (متولد ۱۳۴۴ھ) دمشق کے مقالہ نگار کا ایک منعقد ہونے والے مقابلے میں مقالہ بنام "السنة موازین و معاییر (سنت کے اصول و ضوابط)" مجلہ الرصد "صادر ائتلاف جمہوری اسلامی دمشق" ش ۵۳ ص ۶۹ پر نشر ہوا۔آپ کی عقائد و حدیث اور فقہ میں تحقیقات ہیں آپ شام کی مجلس نیابی کے عضوا (ممبر) ہیں یہ "هية التشريعة" چندین ہزار کتابوں کی ناشر ہے،آپ خود کئی کتابوں کے مؤلف ہیں مقالے کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

کتب صحاح ستہ جن میں سنت مطہرہ رسول جمع ہے ان کے مؤلفین ہوا و ہوس کی پیروی کرنے والے یا انحرافی فکر رکھنے والے نہیں تھے اور نہ ہی وہ مذہبی فرقہ بندی و عصبیت کے حوالے سے پہچانے جاتے تھے ان کی مثال مورخ و بجلی جیسی ہے جہاں جہاں انہوں نے لوگوں کی زبان سے سنا اسے انتہائی دقت اور امانتداری سے جمع کیا اسے لوگوں کو سنایا اور کتابوں میں راویوں کی سند کے ساتھ اسے نقل کیا پھر متن کو بحث و تحقیق کیلئے پیش کیا،متن کی جانچ پڑتال کیلئے انہوں نے معیار اور اصول وضع کیے، اس بات کی موافق و مخالف سب نے گواہی دی ہے انہی اصول و قواعد سے کام لے کر دقت و باریک بینی سے کام کیا گیا ہے مؤلفین کتابوں میں نبی کریمؐ کے اقوال و افعال اور سکوت و خاموشی کے بارے میں نقل کرتے وقت اقرار لیتے تھے انہوں نے اخلاق رسولؐ،بعثت سے پہلے کی سیرت اور بعثت کے بعد کی سیرت کا ذکر کیا ہے پھر اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ کی فہم و سیرت میں اختلافات کو بھی سامنے لائے ہیں اسی طرح اصحاب کی علمی و عملی صورت کو بھی درج کیا ہے۔

برادران شیعہ کے ہاں ہر حدیث کی انتہا کسی امام تک پہنچنا ضروری ہے جبکہ صحاح ستہ میں انتہا صحابی تک پہنچنا ضروری

ہے میں کتب اصول اربعہ کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا ہوں البتہ صحاح ستہ پر گفتگو کروں گا، صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں انتہائی دقت اور ذمہ داری سے لکھی گئی ہیں لہٰذا ان کے بارے میں نقد وانتقاد صحیح نہیں ہے۔ استاد زہیر شاویش فرماتے ہیں کہ کوئی بھی ایسی حدیث جو کہ ضعیف ہو وہ عقیدہ دین اور نظام زندگی میں حجت نہیں بن سکتی۔ لیکن بعض کا کہنا ہے کہ احادیث میں دینی شعائر کی تعظیم ہے۔ اس حلقے کی یہ بات اہل دین کے ساتھ ایک دھوکہ ہے اور وہ دین وشریعت کو غلطیوں اور جھوٹ کی آلودگیوں سے بچانے کی بجائے اس میں جھوٹ کو شامل کرنے کے درپے ہیں لہٰذا ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ صحیح اور غلط کو واضح کرے جبکہ علماء کو چاہیے کہ وہ حدیث کے صحیح یا غلط ہونے کی تمیز کریں۔ ایک ایسا گروہ نکلنا چاہیے جو مذہب کے اصولوں کے بارے میں تحقیق کرے۔ ان اصولوں کے بارے میں مستند احادیث کو جمع کرے جنھیں بعد میں دیگر مکاتب فکر کی خدمت میں پیش کیا جائے تا کہ وہ اس بارے میں اپنے نقد وانتقاد اور اعتراض واشکالات کو ضبط تحریر میں لائیں بعد ازاں اس کی بنیاد پر سب باتوں کی تحقیق وتصحیح کے بعد اسے آخری مرحلے پر عوام کے سامنے لایا جائے۔

استاد زہیر شاویش مزید فرماتے ہیں کہ جہاں تک صحیح بخاری اور مسلم کا تعلق ہے ان دونوں کتابوں میں حدیث نقل کرتے وقت انتہائی دقت اور باریک بینی سے کام لیا گیا ہے، ان کتب کے بارے میں نقد وتنقید کی زبان کھولنے کی بے ادبی کرکے اس محترم مجلس کی فضا کو مکدر نہیں کریں گے۔ مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری کے بارے میں بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک فتح باری ہے جس کی تصنیف وتالیف حافظ ابن حجر نے کی ہے۔ اس کتاب میں صحیح مسلم سے تین ہزار تینتیس احادیث (۳۰۳۳) نقل کی گئی ہیں۔ استاد شاویش مزید فرماتے ہیں کہ جہاں تک کتب سنن اربعہ کی بات ہے ان میں جو احادیث موجود ہیں وہ بطور اطلاق تمام کی تمام صحیح نہیں ہیں بلکہ ان میں ضعیف کم اور صحیح احادیث کی تعداد زیادہ ہے ان کے مؤلفین نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی طرح ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا ہے جس میں یہ کہا گیا ہو کہ ان میں موجود تمام احادیث صحیح نقل کی گئی ہیں یا جو کچھ ان میں لکھا ہے وہ سب درست ہے ہمارے پاس اگرچہ سنت پر لکھی گئیں کتابیں بہت ہیں لیکن ہم یہاں صرف چار کتابوں کا ذکر کرنے پر اکتفاء کریں گے ان میں سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ شامل ہیں۔ ان چاروں کتابوں میں موجود احادیث پر سب سے آخر میں سرانجام دی جانے والی خدمات کے طور پر احادیث کے صحیح یا غلط کی تمیز کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ جن لوگوں نے احادیث کو جمع کرنے کا کام کیا ہے وہ متعلقہ احادیث کے راویوں کو معصوم نہیں گردانتے تھے بلکہ انھوں نے موثق اور اوثق میں فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے احادیث کو جہاں بھی اصول شریعت کے خلاف تھیں نقد وتنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

اہل سنت کی کتب روایت اور ان کے بارے میں علمائے شیعہ کا نقطہ نظر

کتب احادیث میں ضعیف روایات کا ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ تمام کتابیں ردی میں دی جائیں، کیونکہ سونا یا دیگر قیمتی جواہرات ومعدنیات کا حصول مٹی سے ہی کیا جاتا ہے خاص کر دیکھیں کہ متوقع زمین کی کتنی قیمتی ہوتی ہے اور اس کی کتنی بولی لگتی ہے

ان کتابوں کے بارے میں بے وقوفانہ اور بے ادب و جاہلانہ کلمات بھی درست نہیں کہ بخاری آگ جلانے والے آلہ کو کہتے ہیں اور نہ طنز میں یہ کہنا صحیح ہے کہ ان کی غلط روایات پر مشتمل کتاب قرآن کے بعد دوسری کتاب کیسے بن سکتی ہے، ایسا کہنے والوں کو اپنے گریبان میں جھانک کر بات کرنا چاہیے کیا وہ خود یہ نہیں کہتے ہیں کہ نہج البلاغہ اخ القرآن، صحیفہ سجادیہ اخت القرآن یا بقول بعض حدیث قرآن کی اخت یا کتاب اصول کافی شیعوں کیلئے کافی ہے جبکہ علامہ مجلسیؒ کے مطابق اصول کافی کی نو ہزار احادیث ضعیف ہیں۔

کتب احادیث اور ہماری گذارشات

آخر میں ہم پیغمبر اکرمؐ سے مروی روایات کی کتب کے مجموعہ اور راویوں کے متعلق قارئین کرام کی خدمت میں چند گذارشات بیان کرنا چاہیں گے۔

۱۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کتابوں میں آئی ہوئی حدیثوں میں سے کسی ایک کو بھی ضعیف قرار نہیں دیا جا سکتا ہے لیکن اگر کوئی انھیں رد کرے تو اس پر منکر سنت اور مستشرقین کے حامی ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اس کی کیا منطق ہو سکتی ہے!

۲۔ ہم کسی صحابی یا صحابیہ اور خاص کر امہات المومنین کی جسارت و اہانت، ان کی احادیث کو رد کرنے اور انھیں جھٹلانے کے داعی نہیں۔ تاہم بعض اصحاب اور صحابیات سے منقول احادیث مرویات بہت زیادہ ہیں اور ان کا تناسب پیغمبرؐ سے قربت رکھنے والے افراد کی روایات سے میل نہیں کھاتا ہے ہم اسے لمحہ فکریہ سمجھتے ہیں۔ بطور مثال ابو بکرؓ جنہوں نے پہلے اسلام قبول کیا، امیر المومنینؑ جو کہ پیغمبرؐ کے ہاں پلے بڑھے اور زیدؓ بن حارثہ جو کہ بعثت سے پہلے سے آپ کے ساتھ تھے اور دوسری جانب حضرت عائشہؓ ہیں جن کی پیغمبرؐ سے قربت حضرت علیؑ اور ابو بکرؓ کے مقابلے میں دس سال بعد ہوئی لیکن ان کی احادیث کا علیؑ اور ابو بکرؓ دونوں سے مروی احادیث سے دوگنا ہونا تعجب خیز بات ہے کیونکہ اس کی کوئی منطق بھی نہیں بنتی۔ اور کیا ام المومنین عائشہؓ حضرت سیدۃ نساء العالمینؑ سے زیادہ پیغمبرؐ کے ساتھ رہیں؟ یا ان سے زیادہ ذہانت رکھتی تھیں؟ ہم نعوذ باللہ یہ نہیں کہتے کہ ام المومنین عائشہؓ، ابو ہریرہ یا عبداللہ بن عمر نے غلط گوئی سے کام لیا ہے بلکہ ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ یہ ذوات رسول اللہؐ سے بلند مقام نہیں رکھتیں۔ جب رسول اللہ کی طرف روایات کے سلسلے میں غلط نسبت دی گئی ہے تو ان کی طرف بھی ایسی ہی نسبت دی گئی ہوگی ہے۔ ہمارا کہنا صرف اتنا ہے کہ یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ "کتب سیرت میں جو کچھ ہے اسے ماننا پڑے گا" یہ کوئی اصولی بات نہیں بلکہ ہر حدیث کی اپنی جگہ سند اور متن دونوں حوالوں سے تحقیق ہونی چاہیے؟

وہ کتب جن کے مندرجات یا اصل کتاب میں شک و تردید ہے

۱۔ کتاب عوالم و معارف

کتاب عوالم وعلوم معارف جلد ۱۱، تالیف شیخ عبداللہ بن نوراللہ بحرانی اصفہانی، تحقیق آیت اللہ سید محمد باقر اصفہانی، ناشر موسسہ امام مہدی (۱۴۶۱ھ)۔ علامہ مجلسی (متوفی ۱۱۱۰ھ) نے کتاب بحار الانوار کو جب اختتام تک پہنچایا تو مستدرک بحار لکھنے کی

طرف متوجہ ہوئے اور اہل بیتؑ سے وارد ان روایتوں کو یکجا کیا جو بحار میں نہیں آئی تھیں لیکن وہ ایک نئی کتاب مستدرک بحار کے نام سے تصنیف کرنے کی خواہش پر عمل درآمد نہ کرسکے اور وفات پا گئے ۔علامہ مجلسی کے بعد ان کے برجستہ شاگرد محدث بزرگ علامہ شیخ عبداللہ بحرانی نے ہمت باندھی اور اپنے استاد کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے میدان میں اتر آئے، کتاب عوالم کو ضبط تحریر میں لانے کیلئے مصروف ہوگئے جن احادیث کو صاحب بحار جمع نہیں کرسکے انھیں صاحب عوالم نے نئے انداز و طریقے اور نئے عنوانات کے تحت جمع کیا اور یوں شیعوں میں دوسرا دائرۃ المعارف وجود میں آئی جس میں آل محمدؑ کی احادیث کا ذخیرہ ہے ۔اس کتاب کی متعدد جلدیں ایران اور عراق کے کتب خانوں میں ملتی ہیں ۔اس بارے میں معلومات کیلئے کتاب الذریعہ ج۵ املاحظہ فرمائیں ۔حال ہی میں قم میں قائم ہونے والے ادارے موسسۂ امام مہدیؑ میں پرانی کتابوں کی تحقیق ،اشاعت اور تکمیل کرنے ،استدراک اور رجال کی طرف راویوں کو نقل کرنے کی طرف توجہ دی گئی اور یوں چند جلدیں وجود میں آئیں ۔علم وجہل ،علم وعقل ،نصوص آئمہؑ ،حدیث غدیر ،حضرت زہراؑ ،امام حسنؑ ،امام حسینؑ ،امام زین العابدینؑ ،امام محمد باقرؑ ،امام جعفر صادقؑ ،امام موسیٰ کاظمؑ اور امام جوادؑ سے متعلق کتابیں شائع ہوئیں جبکہ امام ہادیؑ اور امام حسن عسکریؑ کے بارے میں کتاب کی تالیف میں مصروف ہیں ان کا مخصوص نسخہ منظر عام پر نہیں آیا ،حیات امام علیؑ اور امام مہدیؑ سے متعلق کتابوں کی اشاعت ہونے والی ہے ان کتابوں میں کتاب ''زندگانی حضرت زہرا = ''مفصل کتاب ہے یہ کتاب موسسہ ہذا میں چھپنے والی کتابوں میں سب سے بڑی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کے اجرا میں آیت اللہ سید محمد باقر موحدی سمیت دیگر کئی محققین نے بہت سی زحمتیں اٹھائی ہیں ،مؤلف مرحوم کتاب عوالم نے اس کتاب میں (۱۴۰۶) حادیث جمع کی جبکہ بحار کی جلد ۴۳ میں (۴۲۵) حدیثیں تھیں تاہم بعد میں اس میں مزید (۱۸۱) احادیث کا اضافہ کیا گیا یہ کتاب پہلی چھاپ کے وقت ۳۲۴ صفحات پر مشتمل تھی دوسری طباعت کے وقت اس میں ۷۰۶ صفحات کا اضافہ ہوا پھر اس میں مزید ۲۱۹ صفحات شامل ہوئے اور پھر کتاب کی آخری طباعت کے ساتھ اس میں ۲۰۰ اور احادیث پر مبنی صفحات کا اضافہ ہوا اس طرح مجموعاً احادیث ایک ہزار آٹھ سو اکاون (۱۸۵۱) احادیث تک جا پہنچا ۔مولف محقق نے بہت سی کتابوں یعنی احادیث اور اخبار کا مطالعہ کیا ہے ۔صاحب الذریعہ لکھتے ہیں کہ **عوالم جامع العلوم والمعارف والاحوال من الآیات والاخبار والاقوال** " کے نام سے معروف ہے یہ بھی بحار سے بڑی ایک ضخیم کتاب ہے اس کی سو جلدیں ہیں ۔

۲۔تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام

مقالہ سید عامر حلو ''استاد محمد علی اسبر'' کی ''حیات امام حسن عسکری علیہ السلام'' میں ایک موضوع آپؑ کے نام سے رائج تفسیر امام حسن عسکریؑ کی آپؑ سے سند کے بارے میں لکھا ہے اور اس تفسیر کو بہت اہمیت دی ہے اس کی تعریف کی ہے کہ اس تفسیر کو شیعہ کتب میں ایک بڑا مقام دیا گیا ہے انہوں نے اس تفسیر کی مقام ومنزلت کے بارے میں یوں استدلال کیا ہے کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اصول کافی میں ،طبرسی نے کتاب احتجاج میں ،ابن شہر آشوب نے مناقب میں اور علامہ مجلسی نے

بحار میں اس تفسیر کی روایات نقل کی ہیں ۔سید عامر حلو کہتے ہیں کہ ان علمائے بزرگان کی طرف سے اس تفسیر سے روایات نقل کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کتاب امام حسن عسکریؑ کی ہے ۔

مقالہ نگار لکھتے ہیں کتابوں میں سے ایک موضوعہ ہیں جن میں اخبار صحیح ، نادر، کمیاب اور ضعیف سب کو جمع کیا گیا ہے اصل میں ان کا نقطہ نظر حدیث کو جمع کرنا تھا نہ کہ صحیح احادیث کو جمع کرنا ،لہٰذا بعض کتب ایسی ہیں ان کے بارے میں تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ کتابیں جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ ان مؤلفین کی ہیں یا نہیں ۔جیسے کتاب ''احتجاج'' طبرسی کی اور ''مناقب'' ابن شہر آشوب کی ہے یا نہیں تا ہم اس تفسیر کی امام حسن عسکریؑ سے نسبت بذات خود اپنی جگہ مشکوک ہے، حنیف نے کہا ہے کہ یہ سہل دیباجی نے لکھی ہے چنانچہ ہمارے بہت سے علماء نے لکھا ہے،اسی مجلّے کے ش ۳۳،ص ۱۳۳ میں مرزا ابوالحسن شیدانی نے اس تفسیر کو امام حسن عسکریؑ سے نسبت دینے کو مشکوک قرار دیا ہے ۔علاوہ ازیں ہم یہاں پر اس تفسیر کے بارے میں بعض بزرگ علماء کی آراء و نظریات کو پیش کرتے ہیں :

☆ علامہ حسن بن سدید بن یوسف بن مطہر تخلص حلی متوفی ۷۲۶ ھ نے لکھا ہے کہ یہ تفسیر جسے امام حسن عسکریؑ کی طرف سے نسبت دی گئی ہے ،جعلی ہے اور اس میں موجود احادیث بھی مردود ہیں جسے جعل کرنے والا سہل بن احمد دیباجی ہے ۔

☆ ابن غزائری صاحب کتاب صنعا لکھتے ہیں کہ یہ تفسیر جعلی ہے جسے سہل دیباجی نے اپنے باپ سے نقل کیا اور اس میں احادیث مجہول و مردود ہیں ۔

☆ محقق داماد نے اپنی کتاب شارع نجات ص ۱۱۸ میں لکھا ہے کہ یہ تفسیر جعلی ہے یہ ابی محمد سہل بن احمد دیباجی کی ہے اور اس میں جعلی احادیث ہیں بلکہ یہ آئمہؑ کی طرف تہمت وافتراع ہے ۔

☆ شیخ محمد جواد بلاغی نے تفسیر سورۂ اعلیٰ و رحمٰن میں لکھا ہے کہ تفسیر بہ منسوب امام حسن عسکریؑ جس کے بارے میں ہم نے ایک مخصوص کتابچہ تحریر کیا ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ یہ جھوٹی اور جعلی ہے اس کتاب کے جھوٹے ہونے کیلئے اتنا کافی ہے کہ اس کی روایات تناقص و تضاد پر مشتمل ہیں اور بہت سی احادیث قرآن اور مسلمہ تاریخ کے خلاف ہیں ۔

☆ آیت اللہ ابوالقاسم خوئی معجم الرجال ج ۱۳ ص ۱۵۹ پر لکھتے ہیں کہ تفسیر امام حسن عسکریؑ کی طرف نسبت علی بن محمد بن سیار اور انکے دوست اور ساتھی یوسف بن محمد بن زیاد نے دی ہے یہ دونوں مجہول الحال ہیں لہٰذا ان کی روایت پر اعتبار نہیں کیا جاتا ہے چہ جائیکہ وہ امام سے ہی نقل ہو یہ بات تو بعد کی ہے کہ کتاب ہی امام کی طرف نسبت دی جائے ۔متعلقہ کتاب کے اندر موجود مواد سے دیکھنے والوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب جعلی اور خود ساختہ ہے ۔ایسی کتاب کی محقق علماء میں سے کسی کی طرف نسبت نہیں دی جا سکتی چہ جائیکہ ایسی کتاب کی نسبت امام حسن عسکریؑ کی طرف دی جائے ۔اسے سید نعمت اللہ جزائری ،علامہ مجلسی اول ،سید عبداللہ شبر ،سید ہاشم بحرانی ، فیض کاشانی اور مجلسی صاحب بحار نے امام سے منسوب کیا ہے بعض نے درمیان کا رستہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے ان میں سے ایک آیت اللہ شیخ رضا استادی ہیں ۔

۳۔تالیفات ہاشم بحرانی

کتاب دمولف شناس معتمد علماءو محققین مرزا عبداللہ آفندی (بارہویں صدی) اپنی کتاب ریاض العلماء ج ۵ میں لکھتے ہیں سید ہاشم بن سلیمان بن اسماعیل بحرانی توبلی کی بہت سی تالیفات ہیں ان میں سے ایک کتاب معالم الذلفی ہے جو عالم برزخ اور قیامت کے متعلق ہے۔اس میں غیر معروف اور عجیب وغریب کتابوں سے نقل کیا گیا ہے جو ان کے استاد علامہ مجلسی کی کتاب میں بھی نقل نہیں ہوا ہے ان کی چھوٹی بڑی پچھتر (۷۵) کتابیں نقل کی گئی ہیں۔ان کی ایک کتاب "تفضیل علی علیہ السلام علی الانبیاء العزم" ہے جسے انہوں نے لکھا جب یہ چل پھر نہیں سکتے تھے بعض طالب علموں کے اصرار پر انہوں نے یہ کتاب لکھی درحالانکہ ان کی ضعف و ناتوانی اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔انہوں نے طلباء کو اس کتاب کی املا لکھوادی۔رسالہ ختم ہوتے ہی ایک دو دن کی اندر (۱۱۵۷ھ) میں وفات پا گئے۔

خلفاء پر طعن کے متعلق جتنی بنیادی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ انہیں کی تالیف شدہ ہیں۔ان کی کتاب البرہان فی تفسیر القرآن آئمہؑ سے مروی اخبار پر مشتمل ہے جسے انھوں نے شاہ سلیمان صفوی کیلئے تحفے کے طور پر لکھا۔اس کتاب کو ایسی کتابوں سے جمع کیا گیا ہے جو اپنی جگہ غریب اور غیر معروف ہیں جن کا کہیں نام بھی نہیں سنا گیا ہے۔

نقل وجمع احادیث واخبار میں ان کے برابر یا ان سے بہتر علامہ مجلسی کے علاوہ کوئی ہستی نہیں تھی لیکن اتنی صاحب کتاب ہستی ہونے کے باوجود کسی مسئلہ شرعی میں ان کا فتوئی یا نقطہ نظر دیکھنے میں نہیں آیا ہے سب جمع آوری ہے معلوم نہیں قوت درک ونظر نہیں رکھتے تھے یا پرہیز گاری تھی۔

شیخ محمد بن ماجد کی وفات کے بعد بحرین کی قضاوت ان کے ہاتھ میں آئی،امور حسبیہ میں بہت دخل رکھتے تھے انکی تصنیفات میں سے ایک آئمہ ہدیٰ کی امامت کے دلائل سے متعلق "معجزات مدینہ" ہے۔ایک کتاب "التوفنید فی فضائل الحسین الشہید" ہے اسی طرح "وفات نبیؐ اور وفات زہراؑ" دو کتابیں ہیں۔صاحب روضات الجنات کہتے ہیں کہ ان میں غلطیاں بہت زیادہ ہیں سہو اور تحریف نقل واخبار سے کوئی کتاب محفوظ نہیں ہے۔ان کی ایک تالیف "غایۃ المرام فی فضائل امیرالمومنین والائمہ" ہے اس میں اسی ہزار (۸۰۰۰۰) ائمہؑ کے فضائل نقل ہیں۔سلطان العصر ناصر الدین نے اس کے فارسی ترجمہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

۴۔قرآن وسیرت محمد ﷺ

اہل غلو نے پیغمبر اسلامؐ کو ذاتی اور مخصوص عناصر ترکیبی سے مرکب کر کے خاص شکل وصورت میں دکھانے کی بہت مذموم کوششیں کیں تا کہ اس کے نتیجے میں مسلمان محمدؐ کی ذات تک محدود رہیں اور آپؐ کی فکر ونظر اور کردار دوسروں تک سرایت نہ کر پائے۔علاوہ ازیں پیغمبر اسلامؐ کے وجود کو مجمل ومبہم کلمات میں تعبیر کیا گیا تا کہ یہ عظیم شخصیت کسی مسلمان کیلئے بھی قابل فہم ودرک نہ رہے لیکن جس ذات نے محمدؐ کو آخری رسالت پہنچانے کیلئے انتخاب کیا ہے اسی نے آپؐ کی تمام خصوصیات و امتیازات،خلوت وجلوت،نشیب وفراز اور طفولیت وکہولت کے مدارج کو قرآن کریم کی آیات وکلمات میں واضح وآشکار طور پر

بیان کیا ہے گویا قرآن کریم ایسا صاف وشفاف آئینہ ہے جس میں ذات محمدؐ کا وجود صاف وشفاف نظر آتا ہے۔

قرآن کریم کی کثیر آیات میں لوگوں کی اس فکر کو مسترد کیا گیا ہے کہ شخصیتِ محمدؐ عام عناصرِ انسانی سے مختلف ہے۔قرآن کریم میں محمدؐ کے امت سے رابطے کے بارے میں فرمایا کہ محمدؐ کا امت سے جوڑ اور ربط صرف رسالت کی وجہ ہے ورنہ محمدؐ موت وحیات میں ایک عام انسان سے مختلف نہیں ہیں کثیر آیات میں خداوند عالم نے پیغمبرؐ کی امت کے ساتھ رشتۂ نسبی وجسمانی کی بجائے رشتۂ محبت وشفقت اور رحمت کو اٹھایا ہے۔

قرآن کریم پیغمبر اسلامؐ کی حیات طیبہ کے بارے میں غیر متزلزل اور اصلی وحقیقی مصدر ہے جو آپؐ پر خدا کی طرف سے نازل ہوا جس میں کسی بھی حوالے سے باطل کی ملاوٹ نہیں کیونکہ قرآن کریم کتاب ہدایت ہے جس میں نظام عدل وانصاف ہے لہٰذا یہ کتاب پیغمبرؐ کی حیات ونبوت پر حاوی ہے جب ہم قرآن کریم میں آپ کی حیات طیبہ کے بارے میں آیات تلاش کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم میں آپؐ کی ولادت سے پہلے والے واقعات کو دو سورتوں میں بیان کیا گیا ہے ان سوروں میں سے ایک سورہ قریش ہے جس میں ایک حادثے کے بارے میں بتایا گیا ہے جبکہ دوسری سورہ فیل میں واقعے کے ساتھ قریش کے اقتصادی حالات کا ذکر ہے سورہ کو قریش اس لئے کہتے ہیں چونکہ سورے کا مخاطب قریش تھے سورے میں قریش کو خداوند عالم اپنا وہ عظیم احسان یاد دلاتے ہیں اگر وہ یہ نعمت ان کے اوپر نہ فرماتے تو آج قریش دنیا میں نہ ہوتے یا وہ عزت ومقام نہ رکھتے چونکہ قریش کی تمام تر عزت ومقام اس گھر (کعبہ) سے وابستہ تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنی توجہ اور اپنا لطف وعنایت نہ فرماتے تو یہ گھر ویران و ناپید ہو جاتا۔کعبے کو بچانے کا واقعہ سورۂ فیل میں موجود ہے۔

سیرت نبی کریم ﷺ کیلئے اولین مصدر قرآنِ کریم ہے

نبیؐ کی حیات کا سب سے پہلا اور معتبر ماٰخذ قرآن کریم ہے فریقین نے اب تک سیرت نبی کریمؐ پیش کرنے کیلئے اپنی تمام تر توجہ سنت اور کتب تاریخ پر مرکوز کر رکھی ہے جسکی وجہ سے سیرت نبی کریمؐ واضح طور پر منظر عام پر نہیں آسکی بلکہ بہت سے متضاد، متناقص اور نا قابل فہم و درک واقعات کے لحاظ سے سیرت پیغمبرؐ کے طور پر پیش کئے گئے ہیں جنہیں بزور مذہب منوانے کی کوشش کی جاتی ہے جبکہ سیرتِ پیغمبرؐ کے لئے اوّل مصدر قرآن کریم ہے جس میں شک وشبہ کی ذرہ برابر گنجائش نہیں اور اس کے چاروں طرف ایک غیر متزلزل دیوار کھڑی ہے۔قرآن کریم میں پیغمبر اسلامؐ کی سیرت کے سلسلے میں کہیں خلا، معمہ، مبالغہ آرائی اور نقص وعیب نظر نہیں آتا ہے اور نہ قرآن اس پر چادر قدسیت چڑھاتے ہوئے نظر آتا ہے۔قرآن کریم میں پیغمبر اسلامؐ کے سر واخفا، نہان و پنہان، خلوت وجلوت اور وہم وخیال غرض ہر قسم کے تصورات کو کلمات جلی میں آشکار وعیاں کیا گیا ہے یہی قرآن کے الٰہی کتاب ہونے کی دلیل کیلئے کافی ہے ورنہ دنیا کا کوئی قائد ورہبر اپنے راز وخطورات باطنی کو فاش نہیں کرتا، لہٰذا قرآن کریم پیغمبرؐ کی سیرت بیان کرنے کیلئے اوّلین مصدر ہے لیکن بدقسمتی سے اگر کسی معاملے میں قرآن سے استدلال کرنے اور قرآن کو ترجیح دینے کی کوشش کی گئی تو اس پر "حسبنا کتاب اللہ" کہنے اور سنت رسولؐ کو مسترد کرنے کا الزام لگایا جاتا

ہے۔اس کی مثال ایسی ہے کہ بھیڑیا نے میمنہ سے کہا کہ تم میرے پانی کو گندا کر رہے ہو،اسی قسم کی الزام تراشی نے ہمیں سیرت نبویؐ میں قرآن سے استناد کرنے سے دور رکھا ہے۔

اس دور کیلئے اصلی اور حقیقی مصدر قرآن کریم ہے کیونکہ آپ کی گفتار و کردار نشست و برخاست تکلم و خاموشی سب خدا کی نظارت میں اور وحی کی حدود میں انجام پائی ہے لہٰذا اس دور میں کوئی ایسی بات آپ کی ذات کے بارے میں قابل قبول نہیں جو آیات قرآنی سے متصادم ہو اگر ہم قرآن سے صرف نظر کر کے آپ کی حیات کو تاریخ کی کتب سے لیں یہ نبیؐ اور قرآنی آیات دونوں پر ظلم ہوگا اور یہ صحیح نہیں ہے البتہ قرآن کو سمجھنے کیلئے پہلے تاریخی مصادر کے ہونے میں جائے شک نہیں ہے فہم قرآن کیلئے اتنی مد تاریخ سے ضرور لیں گے جس پر سب کا اتفاق ہو پیغمبر اسلامؐ کی سیرت یعنی بعثت تا وفات کے متعلق لکھی گئی کتابوں کے تمام واقعات کی صحت پر قرآن کی مہر صحیح کا ہونا ضروری ہے۔آپؐ کی سیرت پر لکھی گئی کتابیں ایسی ہیں جو عام تاریخ سے ماخوذ ہیں جن میں جعل سازوں کا ہاتھ ہے یا روایات سے ماخوذ ہیں اور ان روایات میں جعل سازی کے متعلق سب کا اتفاق ہے۔

قرآن اور سیرت نبی کریم ﷺ

قرآنِ کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں ملتی جس میں پیغمبر اسلامؐ کی صفاتِ شخصی،حلیہ، رنگ و شکل، قد و قامت اور عام انسانوں کے ذہن میں آپ کے متعلق موجود تصورات انسانی کے بارے میں اشارہ موجود ہو کیونکہ ایسی صفات پیغمبرؐ کی رسالت سے کوئی ربط نہیں رکھتیں۔پیغمبرؐ سے متعلق جو چیزیں قرآنی آیات میں موجود ہیں وہ قرآن میں تمام تر ہدایت و رہبری سے متعلق تعبیرات کی ترجمان ہیں۔خداوند عالم ہم سے یہ نہیں چاہتے کہ ہم پیغمبرؐ کے حلیہ اور دیگر شخصی خصوصیات تک محدود رہیں کیونکہ ایسی صورت میں پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد ہمارا اسلام سے ارتباط ٹوٹ جائے گا خداوند عالم نے انسانوں کو فقط حضرت محمدؐ کی ذات گرامی سے متصل نہیں کیا بلکہ رسالت پیغمبرؐ سے جوڑا ہے قرآن کریم کی آیات ملاحظہ ہوں:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ﴾ ”محمد صرف رسول ہی ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟“ (آ عمران ۱۴۴)(احزاب ۴۰)

قرآنِ کریم نے جہاں جہاں پیغمبر اسلامؐ کی صفات بیان کی ہیں وہاں رسالت کی صفت کو ہی مقدم رکھا ہے چنانچہ فرمایا کہ پیغمبرؐ خلق عظیم پر فائز اور مومنین کیلئے شفیق و مہربان ہیں، جیسا کہ ان آیات میں ذکر ہوا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ ”اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں۔“ (آل عمران ۱۵۹)﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ”تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔“ (توبہ ۱۲۸)

مشرکین کے عناد و دشمنی اور تکذیب وافتراء سے پیدا ہونے والی صورتحال کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے کہ اس وقت آپؐ پر کیا گزر رہی تھی:

﴿فَلَعَلَّکَ تَارِکٌ بَعْضَ مَا یُوحٰی اِلَیْکَ وَضَآئِقٌ بِہٖ صَدْرُکَ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ کَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَہٗ مَلَکٌ﴾ ''پس شاید کہ آپ اس وحی کے کسی حصے کو چھوڑ دینے والے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے اور اس سے آپ کا دل تنگ ہے بصرف ان کی اس بات پر کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اترا؟ یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہی آتا۔'' (ہود۱۲)(انعام ۴)

اسی طرح بعض آیات میں مشرکین کی ان کوششوں کا ذکر ہے جب انہوں نے پیغمبرؐ کو دین کے راستے سے ہٹانے کیلئے مادی و معنوی یا سماجی سہولتوں کی پیش کش کی تھی تا کہ پیغمبرؐ اپنے موقف سے دستبردار ہو جائیں:

﴿وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَہٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْکَ خَلِیْلًا☆وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْہِمْ شَیْـًٔا قَلِیْلًا☆ اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا ☆ وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْکَ مِنْہَا وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ ''یہ لوگ آپ کو اس وحی سے جو ہم نے آپ پر اتاری ہے بہکانا چاہتے کہ آپ اس کے سوا کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھڑ لیں، تب تو آپ کو یہ لوگ اپنا ولی دوست بنا لیتے۔ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ ان کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتے۔ پھر تو ہم بھی آپ کو دوہرا عذاب دنیا کا کرتے اور دوہرا ہی موت کا، پھر آپ تو اپنے لئے ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار نہ پاتے۔ یہ تو آپ کے قدم اس سرزمین سے اکھاڑنے ہی لگے تھے کہ آپ کو اس سے نکال دیں پھر یہ بھی آپ کے بعد بہت ہی کم ٹھہر پاتے۔'' (اسراء ۷۳تا۷۶)

جب مشرکین اور کافرین ایمان نہ لانے پر اصرار کرتے تھے تو آپؐ غم زدہ اور پریشان ہو جاتے آپؐ نے اس سلسلے میں فرمایا:

﴿فَلَا تَذْہَبْ نَفْسُکَ عَلَیْہِمْ حَسَرٰتٍ﴾ ''پس آپ کو ان پر غم کھا کر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالنی چاہیے'' (فاطر ۸)

﴿لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ ''ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ تو اپنی جان کھو دیں گے۔'' (شعراء ۳)

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْہِمْ وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ﴾ ''آپ صبر کریں بغیر توفیق الٰہی کے آپ صبر کر ہی نہیں سکتے اور ان کے حال پر رنجیدہ نہ ہوں اور جو مکر و فریب یہ کرتے رہتے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہوں۔'' (نحل ۱۲۷)

قرآنِ کریم کے ایک سلسلہ آیات میں خط مستقیم سے عقیدہ و عمل کی صورت میں انحراف کرنے کا انجام بیان ہوا ہے:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ﴾ ''جبکہ وحی بھیجی گئی ہے آپ کی طرف اور ان (انبیا) کی طرف جو آپ سے پہلے یہ کہ اگر آپ نے شرک کیا تو ضرور ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال اور ضرور ہو جاؤ گے آپ گھاٹے میں رہنے والوں میں سے۔''

(زمر ۶۵)(انعام ۸۸، یونس ۱۰۵، ۱۰۶، حاقہ ۴۴)

ایک سلسلہ آیات میں خداوند عالم نے آپؐ کو ہدایت فرمائی کہ ہمیشہ فقراء و مستضعفین اور محرومین کے ساتھ رہیں:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ”اور مطمئن کرلو اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام اور طلب گار ہیں اس کی رضا کے اور نہ ہٹاؤ تم اپنی نظروں کو ان کی طرف سے اس غرض سے کہ پسند کرو تم زینت، دنیاوی زندگی کی۔“ (کہف۲۸) (انعام ۵۲)

بعض آیات میں خداوند عالم نے آپ کو ہدایت فرمائی کہ فقراء ہی اس دعوت الٰہی کا سنگ میل اور پہلا پہیہ ہیں جس پر چلتے ہوئے اگلی منزل تک پہنچا جا سکتا ہے۔ بعض آیات کے اندر مسلمانوں میں موجود ضعف و کمزوریوں کی نشان دہی کی گئی ہے، بعض آیات میں خداوند عالم نے پیغمبرؐ اور مسلمانوں کو موت کی یاد دلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس دنیا میں اس نیت سے زندگی نہ گزارو کہ یہیں باقی رہنا ہے بلکہ یہاں سے ایک دن واپس جانا ہے۔ ایک اور آیت میں فرمایا کہ آپؐ اور تمام لوگوں کو مرنا ہے:

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ ”یقیناً آپ کو بھی انتقال کرنا ہے اور انھیں بھی یقیناً مرنا ہے۔“ (زمر۳۰)

ایک آیت میں فرمایا گیا کہ آپؐ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشہ کیلئے نہیں رکھا

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ﴾ ”آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہیشگی نہیں دی، کیا اگر آپ فوت ہو گئے تو وہ ہمیشہ کیلئے رہ جائیں گے۔“ (انبیاء۳۴)

ایک اور آیت میں فرمایا ہے کہ محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ ”تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد (ﷺ) نہیں لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔“ (احزاب۴۰)

دوسری آیات میں ہجرت اور جہاد کرنے والوں کے متعلق فرمایا

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ☆وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾ ”جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو پناہ دی اور مدد کی یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو ایمان تو لائے ہیں لیکن ہجرت نہیں کی تمہارے لئے ان کی کچھ بھی رفاقت نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں ہاں اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے سوائے

ان لوگوں کے کہ تم میں اوران میں عہدوپیان ہے تم جو کچھ کررہے ہواللہ خوب دیکھتا ہے ۔کافرآپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اگر تم نے ایسانہ کیاتو ملک میں فتنہ ہوگااور زبردست فساد ہو جائے گا۔'' (انفال ۷۲،۷۳)

بعض دیگر آیات میں فرمایا:

﴿یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ☆ قُمْ فَاَنْذِرْ☆ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ﴾ ''اے کپڑا اوڑھنے والے۔کھڑے ہو جایئے اور آگاہ ہو جایئے۔اوراپنے رب ہی کی بڑائیاں بیان کریں۔'' (مدثر۱تا۳)

بعض آیات میں خداوند عالم نے پیغمبر اسلامؐ اور آپ پر ایمان لانے والوں کی خصوصیات وامتیازات اور دوسروں کے ساتھ سلوک کا ذکر کیا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ﴾ ''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت آپس میں رحم دل ہیں۔'' (فتح ۲۹)

قرآن تائید پیغمبر اکرم ﷺ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہم نے قرآن کو حضرت محمدؐ سے لیا ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں حتیٰ قرآن اور محمدؐ کے دشمن بھی اس بات کے قائل ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کی حقانیت کی تائید وتوثیق محمدؐ نے کی ہے جس طرح تاریخ میں دیگر کتابوں کی تصدیق وتائید ان کے مصنفین ومؤلفین کی طرف سے ہوتی رہی ہے۔

گرچہ اب بھی بعض اخبار وحدیث نویسیوں کا اصرار ہے کہ قرآن کی عظمت وبزرگی یا سند وصحت اس میں ہے کہ یہ کتاب ہمیں محمدؐ سے ملی ہے لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ حقانیت قرآن کی تائید محمدؐ سے نہیں ہوتی بلکہ قرآن محمدؐ کی صداقت اور نبی برحق ہونے کی واضح وآشکار دلیل ہے۔مستشرقین اس بات کو ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں کہ قرآن محمدؐ کی تصنیف وتالیف ہے حالانکہ قرآن کے اندر موجود مفاہیم ومطالب ان کے اس دعویٰ کے جھوٹ ہونے کیلئے کافی ہیں۔یہ ان کی عداوت ودشمنی کا واضح ومنہ بولتا ثبوت ہے۔ہر مصنف ومولف اپنی کتاب کی تدوین میں زیادہ سے زیادہ کوشش کرتا ہے اس میں اپنی شخصیت کو ہر طرح سے بےعیب وبےنقص پیش کرے مزید برآں اس کتاب کی تصدیق وتعریف کسی اور سے بھی لیتا ہے جن کا بیان ان الفاظ میں ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مصنف ومولف نے اس کی تدوین میں بہت کوشش کی ہے اور وہ قابل تحسین ہے لیکن اگر ہم قرآن کے محتویٰ ومطالب کے لئے ایک ایک آیت وکلمہ پر انگلی رکھیں تو ہمیں سینکڑوں آیات ایسی ملیں گی جن سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کو اپنے دعوتی عمل میں نشیب وفراز اور مسائل وجھکاؤ کا سامنا ہوا مثلاً خداوند متعال نے مختلف مواقع پر پیغمبرؐ سے فرمایا

☆ اگر آپ نے اس میں کوئی کلمہ اپنی طرف سے شامل کیا تو ہم آپ کی گردن پکڑ لیں گے۔(حاقہ ۴۴)

☆ گر ذرہ بھر بھی دشمنان خدا کی طرف جھکاؤ ہوا تو ہم آپ کے تمام اعمال برباد کردیں گے۔(زمر ۶۵)

☆ آپ نے ان کو کیوں اجازت دی یہ اجازت نہیں دینی چاہیے تھی ہم نے اس دفعہ آپ کو بخش دیا (توبہ ۴۳)
☆ جن چیزوں کو ہم نے حلال قرار دیا ہے ان کو آپ حرام کیوں قرار دے رہے ہیں۔ (تحریم ۱)
☆ اگر لوگ آپ سے پوچھیں تو آپ انھیں اس طریقے سے جواب دے دیں۔ (انفال ۱)
☆ آپ کو یہ بات کس نے بتائی ہے اس کی کیا شان اور مرتبہ ہے۔ (قدر ۲)
☆ یہ واقعات ہم نے آپ کو بتا دیئے آپ کو اس سے پہلے پتہ نہیں تھا۔ (یوسف ۱)
☆ آپ خود کو لوگوں کے مسلمان ہونے کی خاطر کیوں ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ (اعراف ۲۵)
☆ آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کیوں کرتے ہیں ہم نے آپ کو وکیل تھوڑی بنایا ہے کہ آپ لوگوں کو کسی نہ کسی طریقے سے مومن بنائیں۔ (انعام ۱۰۷، زمر ۴۱)
☆ آپ ان سے کہہ دیں تمہارا دین تمہارے لئے میرا دین میرے لئے ہے۔ (کافرون ۶)
☆ وحی رکنے سے آپ کیوں پریشان ہیں جبکہ آپ ہمارے قبضے میں اور ہمارے زیر تربیت ہیں تو وحی آنے یا نہ آنے میں کیوں فرق کرتے ہیں آپ پر وحی نازل ہونا اور وحی کا رکنا دونوں خیر ہے۔ (سورۂ ضحیٰ)

جس طرح موجودات کے زندہ رہنے کیلئے رات اور دن بھی خیر ہے کلمہ ''قل'' جو پیغمبرؐ کیلئے خاص حکم ہے وہ بھی قرآنِ کریم میں درج ہے ان تمام آیات سے چند حقائق سامنے آتے ہیں:

۱۔ قرآن میں درج کلمات وحروف میں حضرت محمدؐ کا کوئی دخل نہیں اگر اس میں آپؐ کا کوئی عمل دخل ہوتا تو آپ ان آیات کو اس قرآن میں شامل نہ کرتے جن میں خدا نے آپ کو تنبیہ کی اور احتساب کیا ہے کیونکہ کوئی بھی پیغام رساں ایسے پیغام کو خوشی و آسانی سے کسی تک لے جانے کیلئے آمادہ نہیں ہوتا جس پیغام کا ظاہر اس پیغام رساں کی خطا کی ترجمانی کرتا ہو۔

۲۔ بعض آیات میں خداوند متعال نے پیغمبرؐ کی عظمت و بزرگی اور اپنے ہاں آپؐ کی قرب و منزلت کو بیان کیا ہے جس کی روشنی میں آپؐ تمام انسانوں حتیٰ انبیاءؑ پر بھی فضیلت و برتری رکھتے ہیں۔ آپؐ کا فکر و سلوک اور کردار و رفتار قرآن کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے لہٰذا کوئی بھی شخص آپؐ کی سیرت طیبہ اور حیات کریمہ پر لکھتے وقت قرآن کریم کی آیات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس سے چشم پوشی کر سکتا ہے۔ آپؐ کی سیرت عظمیٰ و سیرت کاملہ کی ساخت آیات قرآن سے بنی ہوئی ہے اور آپ کی زندگی کا نشیب و فراز، سب وحی کی نظارت و سرپرستی میں رہا ہے لہٰذا سیرت محمدؐ لکھتے وقت سیرت نویس مصدر و مآخذ کیلئے تمام تر توجہ قرآن کریم پر مرکوز ہونی چاہیے۔

اہل حدیث و اخباریوں کی جانب سے قرآن کریم کو ایک خاموش و جامد اور صامت کتاب قرار دینے کیلئے تمام تر کوشش اور اصرار کیا جاتا ہے کے لیکن قرآن کا ہر موڑ پر بانگِ دھل اعلان و اصرار ہے کہ وہ بیان گر، ترجمانِ حقائق، نور تابناک، لسانِ رتب اور کلام بلغاء و فصحائے متکلمین ہے، جس میں کسی قسم کی کج فہمی یا المعنی فی بطن شاعر جیسی راہِ فرار و الافق نہیں ہے جبکہ یہ

کہنا کہ "قرآن کا یہ اعلان صحیح ہے لیکن اس کا معنی اہل بیتؑ سے لینا چاہئے" یہ اہل بیتؑ کی محبت میں نہیں ہے بلکہ اہل بیتؑ کے نام کو استعمال کر کے قرآن کو کنارے پر لگانے کے مذموم عزائم کا حصہ ہے کیونکہ اس وقت نہ اہل بیتؑ موجود ہیں نہ ان کی طرف سے اس بارے میں بقدر کافی بیان آیا ہے جو کچھ موجود ہے اس کی تعداد بہت کم ہے اور اس میں سے بھی بعض تکرار ضعیف و نامعقول ہونے کے ساتھ قرآن و سنت قطعیہ سے متصادم ہے۔

قرآن اور محمد ﷺ

قرآن مجید رسول اللہؐ کی نبوت کی دلیل ہے اس نے دعوت اسلام کے مخالفین کو چیلنج کیا ہے کہ اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ایک سورہ یا آیت بنا کے لائیں لیکن وہ قرآن کی مثل کوئی نہیں لا سکا تو معلوم ہوا محمدؐ اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں۔ پیغمبرؐ کی نبوت کے بارے میں دلالت کرنے والی آیات میں صریح و ظاہر اور قریب و بعید کی بنیاد پر ایک دوسرے سے فرق ہے۔ پیغمبرؐ نے جب خدا کی جانب سے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تو انہوں نے ایسی خبریں دیں جو اس وقت سے پہلے کسی نے نہیں دی تھیں نہ آپ کے بعد کسی کیلئے ایسی خبر دینا ممکن ہے۔ خداوند عالم نے پیغمبر اسلامؐ کی نبوت کے دلائل میں ایک سلسلہ آیات نازل فرمایا ہے جو گزشتہ انبیاءؑ کے حالات پر مشتمل ہے، یہ صداقت قرآن کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ہے:

۱۔ خداوند عالم پیغمبرؐ سے فرماتے ہیں کہ جب مریمؑ کی کفالت کرنے کیلئے لوگ قلمیں پھینک رہے تھے تو آپ وہاں نہیں تھے:

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ "آپ تو ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ قلمیں پھینک رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے۔" (آل عمران ۴۴)

۲۔ جب ہم نے کوہ طور پر موسیٰؑ کو حکم دیا آپ وہاں نہیں تھے:

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ "اور آپ اس وقت مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا اور آپ مشاہدہ کرنے والوں میں سے نہ تھے۔" (قصص ۴۴)

۳۔ جب موسیٰؑ اہل مدین میں تھے تو آپ نہیں تھے:

﴿وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ﴾ "اور نہ ہی آپ مدین میں موجود تھے" (قصص ۴۵)

۴۔ جب ہم نے موسیٰؑ کو پکارا تھا تو آپ نہیں تھے:

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا﴾ "اور نہ آپ طور کے دامن موجود تھے جب ہم نے موسیٰ کو پکارا۔" (قصص ۴۶)

۵۔ جب یوسفؑ پر وہ وقت گزر رہا تھا تو آپ نہیں تھے:

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ﴾ "آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ اپنا عزم پختہ کر کے سازش کر رہے تھے۔" (یوسف ۱۰۲)

۶۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جنھیں نہ آپ جانتے ہیں نہ آپ کی قوم:

﴿تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَاقَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ﴾ "یہ خبریں غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی وحی ہم آپ کی طرف کرتے ہیں انہیں اس سے پہلے آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔" (ھود۴۹)

پیغمبرؐ کے حامل نبوت ہونے کی صفات، صلاحیت و اہلیت کی دلیل کو قرآن کریم نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے:

﴿ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ﴾ "یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کو وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔" (آل عمران۴۴)

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ "ایمان والوں پر اللہ نے بڑا احسان کیا کہ انکے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔" (آل عمران۱۶۴) ﴿لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ "تحقیق تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے تمہیں تکلیف میں دیکھنا اس پر شاق گزرتا ہے وہ تمہاری بھلائی کا نہایت خواہاں ہے اور مومنین کیلئے نہایت شفیق مہربان ہے۔" (توبہ۱۲۸) (روم۲۱)

قرآن اور مراحل نبوت

۱۔نبوت: پیغمبر اسلامؐ کی نبوت گذشتہ انبیاءؑ کی نبوت کا تسلسل ہے لہٰذا ان کی سیرت کو مدنظر رکھتے ہوئے پیغمبر اسلامؐ کی حیات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

۲۔سیاست عالم: پیغمبر اسلام کی بعثت سے پہلے مکہ کی سرحدوں سے باہر قائم ریاستوں کے حکمراں مکہ پر قابض ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔قرآن کریم نے ان کی سرکشی اور انسان دشمنی کے لمحات کو بھی پیش کیا ہے اس سلسلے میں سورۂ فیل و قریش اور اصحاب تبع ملاحظہ کیجیے۔

۳۔سن طفولیت پیغمبرؐ: قرآن نے موسیٰ و عیسیٰؑ کی طرح آپؐ کی حیات کو گہوارے سے نہیں اٹھایا تاہم دور طفولیت کی طرف ضرور اشارہ کیا ہے، قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ جب آپ بچے تھے تب بھی آپ نے ہمارے سایۂ رحمت اور نگرانی میں پرورش پائی۔

۴۔آغاز بعثت: خداوند عالم نے پیغمبر اسلامؐ کو نبوت کیلئے مبعوث کیا لہٰذا اس کا آغاز کس جملے، کلمے یا آیت سے کیا گیا ہے اس کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔اس سلسلے میں سورہ مبارکہ علق کی پہلی پانچ آیتیں ملاحظہ کیجئے۔

۵۔بار نبوت: پیغمبرؐ مبعوث بہ رسالت ہونے کے بعد بار نبوت کو برداشت کرتے ہوئے کن حالات سے گزرے، یہ بھی قرآن میں مذکور ہے۔

۶۔نبوت کا مرحلہ: قرآن میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جب آپؐ نے اپنی نبوت کا برملا اعلان کیا تو اس کیلئے کیا تمہید باندھی اور کس طریقے سے لوگوں تک اپنی دعوت کو پہنچایا۔

۷۔تدبیرِ ہجرت: آپؐ نے مکہ میں مشرکین کی مزاحمتوں اور مقابلوں کی وجہ سے پریشان ہو کر دعوتِ اسلام کو شہر سے باہر لے جانے کیلئے کیا طریقہ کار اپنایا، کون سی تدبیر کی اور مکہ چھوڑنے کیلئے کیا تمہید باندھی اس کا بھی قرآن کریم میں ذکر ہوا ہے۔

۸۔قریش اور ہجرت: دعوتِ پیغمبرؐ کے بعد مشرکین قریش پر کیا اثرات مرتب ہوئے ،لوگوں نے اس دعوت کا کس طریقے سے مقابلہ کیا یہ سب قرآن کریم میں بیان ہوا ہے۔

۹۔لوگوں کی تقسیم بندی: جب پیغمبرؐ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپؐ کو تین قسم کے گروہوں کا سامنا ہوا یعنی مومنین' منافقین اور کافرین لہٰذا ان تینوں گروہوں کے رویوں کا تفصیل کے ساتھ قرآن کریم میں ذکر ہوا ہے۔

۱۰۔غزوات: مشرکین نے پیغمبرؐ کی دعوت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کیلئے کیا تدابیر اختیار کیں اور آپؐ نے ان کے حملے کو روکنے کیلئے کیا لائحہ عمل یا طریقۂ دفاع اپنایا اور کس طرح یکے بعد دیگر پیغمبر اسلامؐ پر جنگیں اور غزوات مسلط کئے گئے ۔ان سب کا ذکر قرآن میں بیان ہوا ہے۔

قرآن کریم سے متصادم سیرت کے دو نمونے

نبی کریمؐ کی مکی زندگی میں سیرت کے دو ایسے نمونے ملتے ہیں جو اس وقت کے مشرکین کی جانب سے آپؐ کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کے بھی خلاف ہیں جبکہ اس میں مبینہ طور پر کردار ادا کرنے والے بھی اپنی جگہ مجہول الحال اور گمنام انسان تھے ۔اس مفروضیت کے علاوہ یہ قرآن کریم کی صریح آیات سے بھی متصادم ہیں۔

۱۔لکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے طائف سے واپس مکہ آتے ہوئے شہر پہنچنے سے قبل ایک مقام پر قیام کیا اور پناہ مانگنے کی غرض سے ایک شخص کو مکہ بھیجا جہاں پہلے دو افراد کی جانب سے پیغمبرؐ کی درخواست رد کئے جانے کے بعد تیسرے شخص جبیرہ بن مطعم نے آپ کو پناہ دی یہ وہی شخص ہے جس نے اپنے بیٹے سے عائشہؓ کی منگنی کی تھی لیکن ابوبکرؓ کے پیغمبرؐ پر ایمان لانے کی وجہ سے اس منگنی کو توڑ دیا تھا، علاوہ ازیں وہ مشرکین کی جانب سے پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ قطع تعلقات میں بھی برابر کا شریک رہا۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے ان سے پناہ کیوں طلب کی، پناہ وہی طلب کرتا ہے جو مکہ کے باہر سے شہر میں داخل ہونے والا ہو، محمدؐ اسی شہر کے نہ صرف باشندے تھے بلکہ ایک مشہور و معروف خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔مکہ میں آپ پر ایمان لانے والوں کے علاوہ اپنے خاندان کے ہی بڑے صاحبان عزت و شرف کی حامل شخصیات موجود تھے جو روز اول سے ہی آپ کا تحفظ کر رہے تھے جیسے آپ کے چچا حضرت حمزہؓ اور عباسؓ وغیرہ۔ عباسؓ نے عقبہ دوم کے موقع پر پیغمبرؐ اور اہل مدینہ کے درمیان معاہدہ طے پاتے وقت کہا تھا کہ محمدؐ اپنے خاندان میں محفوظ ہیں اگر تم ان کا تحفظ کر سکتے ہو تو اپنے ساتھ لے جاؤ نیز خداوند متعال نے خود پیغمبرؐ کی زبانی فرمایا کہ میں گمراہوں سے مدد نہیں مانگتا ہوں۔

۲۔دوسرے شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پیغمبرؐ کی مکہ سے مدینہ ہجرت کے وقت راستے میں رہنمائی کیلئے عبد

اللہ بن ارىقط کو اپنے ساتھ لیا جو کہ مشرک تھا۔ اس شخص سے رہنمائی کی خاطر مدد لینا بھی آیت سے متصادم ہونے ہے علاوہ ازیں تاریخی تجزیہ و تحلیل کے حوالے سے اس میں دو قسم کے نقائص پائے جاتے ہیں۔

الف: کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے عبداللہ سے سفر میں رہنمائی حاصل کی لیکن آگے چل کر یہ شخص گمنام ہو جاتا ہے۔

ب: ایک شخص مشرک ہو اور پیغمبرؐ پر اسی مکہ میں تیرہ سال گزرنے کے باوجود ایمان نہ لایا ہو تو وہ آپؐ اور ابو بکرؓ کی جانب سے دی جانے والی قلیل اجرت پر کیسے راضی ہو سکتا ہے اور اپنے مشرک بھائیوں کے بڑے اور جائز انعام کو کس طرح مسترد کر سکتا تھا۔ یہاں اس انسان کی یہ بات حق و صداقت سے قریں نظر آتی ہے جس نے کہا ہے کہ سیرت ان جگہوں میں سے ایک ہے جہاں اہل باطل نے بہت سی چھوٹی چیزیں شامل کی ہیں جس نبی کی زبان سے یہ کہلوایا گیا ہو کہ میں گمراہ لوگوں سے مدد لینے والا نہیں ہوں وہ کیسے عبداللہ ارىقط سے سفری رہنمائی حاصل کر سکتا ہوں۔ جہاں آپؐ نے اپنے رفیق سفر کیلئے ابو بکرؓ کو اپنے ہمراہ لیا تھا اسی طرح راستہ جاننے والے ایک مسلمان کو اپنی رہنمائی کیلئے ساتھ لے جایا جا سکتے تھے۔

not found.

file\Border\FRAME64.jpg not found.

بعثت سے پہلے اوضاع بشریت

قال مولٰنا امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

وَاهْلُ الْاَرْضِ یَوْمَئِذٍمِلَل مُتَفَرِّقَةٌ،وَاَهْواءٌ مُنْتَشِرُةٌ، وَ طَرَائِقُ مُتَشَتَّتَةٌ،بَیْنَ مُشَبِّهٍ لِلّٰه بِخَلْقِهِ، اَوْ مُلْحِدٍفِی اسْمِهِ،اَوْمُشِیْرٍاِلَی غَیْرِهِ،فَهَدَاهُمْ بِهِ مِنَ الضَّلاٰلَةِ، وَ اَنْقَذَهُمْ بِمَکَانِهِ مِن الجَهَالَةِ

''اس وقت زمین پر بسنے والوں کے مذاہب جدا جدا، خواہش متفرق و پراگندہ اور راہیں الگ الگ تھیں یوں کہ کچھ اللہ کو مخلوقات سے تشبیہ دے رہے تھے کچھ اس کے ناموں کو بگاڑ رہے تھے، کچھ اسے چھوڑ کر غیروں کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ اللہ نے آپ کی وجہ سے انھیں گمراہی سے ہدایت کی راہ پر لگایا اور آپ کے وجود سے انھیں جہالت سے باہر نکال لیا۔''

(نہج البلاغہ خطبہ ۱)

① ـــــــ جغرافیائی پس منظر

② ـــــــ ریاستیں اور سرداریاں

③ ـــــــ اجتماعی صورتحال

بعثت سے پہلے اوضاعِ بشریت

تاریخ جدید وقدیم کے مولفین ومصنفین کے مطابق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سے قبل جزیرۃ العرب اور اس کے حدود اربعہ پر محیط مقتدر حکومتیں اور اجتماع بشریت ایک ایسی عمارت کی شکل اختیار کئے ہوئے تھے کہ جسے حرکت دینے والی آندھی کی آمد کا انتظار ہو۔ یہ وہ وقت تھا جب کوئی بھی چیز اپنے مقام ومنزلت پر نہیں تھی بلکہ بھیڑ چوپان اور ظالم قاضی بنے ہوئے تھے۔ اسی طرح مجرم کو سعادت منداور عزت مند سمجھا جاتا جبکہ نیک انسان محرومیت وافلاس کا شکار تھا۔ خودساختہ عادات واطوار کو عبادات و مذہب کا نام دیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اس زمانے میں عورتوں کی خرید وفروخت، اندرونی خلفشار، فسق وفجور، طغیان وسرکشی، لوگوں سے جنگ، استحصال واستعمار کرنے والوں کی آزادی، رشوت ستانی، ڈاکہ زنی اور چوری کا بازار گرم تھا۔ مثلاً نخوتِ قومی، فخر و مباہات، بے قصور اور سادہ لوح انسانوں پر تسلط وغلبہ حاصل کرنے کیلئے سرگرمیاں بھی عام تھیں۔ مصلحین اور نیکوکاروں کو مفسدین جبکہ اسراف وتبذیر کو جود وسخا تصور کیا جاتا تھا۔ مذہب کے بارے میں سکوت وجمود کو مستحسن قرار دے کر ہر برائی کا استقبال وخیر مقدم کیا جاتا تھا، مدبر وحکیم ہستی کے حضور خاضع وخاشع ہونے کی بجائے لوگ چمکدار ستاروں اور پھلدار درختوں، بہتے دریاؤں اور بڑے بڑے پتھروں کے سامنے سربسجود ہوتے تھے لہٰذا نسل کشی، جنگیں، قتل وغارت گری، غلامی واسارت، انا پرستی وقوم پرستی جیسی تمام چیزیں ایسی ہیں جو لوگوں کے دروازے پر دستک دیتی آئی ہیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

جب بھی انسان مصیبتوں کی دلدل میں پھنس جاتا ہے اور اسے پریشانیاں گھیر لیتی ہیں تو وہ اس سلسلے میں ایک نجات دہندہ کی تلاش میں امیدیں باندھے رہتا ہے ایسے حالات کے بارے میں قرآن کریم کی لقمان آیت ۳۲ میں کچھ اس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

> ﴿وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ﴾ "اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ خلوص کے ساتھ اعتقاد کر کے اللہ تعالیٰ کو ہی پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں، اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہیں۔"

لیکن انسان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ نجات دہندہ آئے گا یا نہیں۔ اگر آئے گا تو کب اور کہاں سے آئے گا اگر آ بھی گیا تو وہ اسے کیسے پہچانیں گے کہ یہ نجات دہندہ ہے۔ اسی کرب واضطراب میں کئی نسلیں گزر جاتی ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ خداوند متعال نے عالم بشریت کے نجات دہندہ نبی آخرالزماں کو مکہ اور اپنے جوار میں کس طرح اٹھایا؟ اس وقت مکہ سمیت پورے جزیرۃ العرب اور اس کے حدود اربعہ میں قائم حکومتوں، حکام، اجتماع، اوضاع واحوال، لوگوں کی بود وباش، تجارت واقتصاد، اجتماعی نظم وضبط، درآمدات وبرآمدات، عادات واطوار اور دین ودیانت کی مجموعی صورت حال کیا تھی۔ نبی کریمؐ نے

ان تمام چیزوں کی خاطر نعم البدل کیلئے کیا اقدامات کئے اور دور حاضر میں ہمارے پاس کون سی چیزیں کس حالت میں ہیں؟

ا۔جغرافیائی پس منظر

کسی دعوت کے فروغ کیلئے علاقہ اور مقام کی زرخیزی کے اثر انداز ہونے کے بارے میں اختلاف واقع ہوسکتا ہے چنانچہ ایک ماہر و مدقق تجربہ کار داعی اپنی دعوت کے فروغ کیلئے ایسے علاقے کا انتخاب کرتا ہے جہاں اسے پذیرائی ملے۔ یہ عام مفکرین و داعیان کی فکر ہے لیکن انبیاءؑ کی بعثت ایسی نہیں ہے جو داعی کے اختیار میں ہو، انبیاءؑ کو خداوند متعال اپنی مشیت کے مطابق انتخاب کرتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ خدا اس حکمت عملی کا خیال نہیں رکھتا۔خداوند متعال نے اپنے نبی کو مکہ میں مبعوث کیا پھر مدینہ کی طرف ہجرت کرائی۔اس طرح دعوت کے اس عمل کو آگے بڑھایا، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خداوند متعال نے اپنے آخری پیغمبرؐ کو جزیرۃ العرب اور خاص کر سرزمین مکہ میں کس حکمت و فلسفے کے تحت منتخب کیا؟ یہاں ہم پہلے مرحلے میں مکہ سے شروع کرتے ہیں کیونکہ پیغمبرؐ کی بعثت کا نقطۂ آغاز سرزمین مکہ ہے جسے خداوند عالم نے اپنی کتاب میں کبھی بلد کہہ کر یاد کیا ہے اور کبھی قریہ جبکہ ایک جگہ پر ام القریٰ کہا ہے۔قریہ اور بلد کے بعد ام القریٰ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ صرف اہل مکہ کیلئے مبعوث نہیں ہوئے گویا جس وقت پیغمبرؐ مکہ میں تھے اس وقت حبش کیلئے بھی مبعوث تھے لہٰذا اپنے اصحاب کو وہاں بھیجا اسی طرح مکہ میں ہوتے ہوئے مدینہ کیلئے بھی مبعوث تھے چنانچہ دعوت پیغمبرؐ کی انتہا قرآن کریم کی آیات کے تحت وہاں تک ہے جہاں تک ناس ہیں جیسا کہ قرآن میں کلمہ ﴿یا ایھا الناس﴾ "اے لوگو" استعمال ہوا ہے۔پیغمبرؐ مکہ میں تھے لیکن آپ فلسطین کیلئے بھی مبعوث ہوئے تھے چنانچہ آپؐ کو رات کے وقت مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ لے جا کر واپس لایا گیا تاکہ یہ بات واضح ہو جائے یہ نبی صرف مکہ کیلئے مختص نہیں بلکہ فلسطین کیلئے بھی نبی ہیں خداوند متعال نے اپنے نبی کو کیوں ترقی یافتہ علاقے یعنی مرکز روم و فارس یا پھر حبش و شام میں مبعوث نہیں فرمایا۔ان علاقوں کی بجائے اللہ رب العزت نے نبی اسلامؐ کو مکہ میں مبعوث فرمایا جہاں سرزمین اور آب و ہوا موزوں نہیں۔قرآن کریم میں فرمایا کہ ہم نے آپ کو غیر زرعی علاقے میں مبعوث فرمایا۔ یہاں رہنے والوں کی ضروریات زندگی کا سامان شام اور یمن سے حاصل کیا جاتا تھا لہٰذا ایسی سرزمین میں پیغمبرؐ کو مبعوث کرنے کی کیا منطق ہوسکتی ہے جو اپنے باسیوں کی ضروریات کو بھی پورا کرنے کے قابل نہیں تھی۔ جس سرزمین میں آسمانی رحمت یعنی بارش ضائع ہوتی ہو اور سبزہ نہ اُگتا ہو وہاں خداوند متعال نے رحمت معنوی کا نزول فرمایا۔

اسلام کی آمد سے قبل عربوں کی تقسیم بندی

عربوں کے نسب کی برگشت عبرانی ،اشوری ،کلدانی اور فینیقی قوموں کی طرف ہوتی ہے یہ تمام قومیں سام بن نوح سے پھیلی ہیں ،یہ چونکہ بحیرہ احمر کے مشرقی علاقے میں مقیم تھیں اس لئے انھیں عرب کہا جانے لگا۔البتہ یہاں کے رہنے والے تمام کے تمام اصل عرب نہیں تھے بلکہ بعض لوگ دیگر مقامات سے آ کر یہاں سکونت پذیر ہو گئے تھے زبان سمیت دیگر عرب خصوصیات اپنائے جانے کی بناء پر انھیں بھی عربوں میں شمار کیا جانے لگا۔اس حوالے سے عرب خطے کو علماء اجتماع نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے

۱۔عرب عاربہ　　　　۲۔عرب مستعربہ

۱۔عرب عاربہ: عرب عاربہ اصل عرب ہیں جیسا کہ صاحب تاج العروس زبیدی کا کہنا ہے کہ عرب عاربہ خالص عربی ہیں انہی سے دیگر لوگوں نے عربی زبان سیکھی ۔ان سے پھیلنے والے افراد کو قبیلہ نوح کہا جاتا ہے،ان کا سلسلہ سام بن نوح سے ملتا ہے ۔ان کی نسل سے پھیلنے والے چند قبائل یہ ہیں ۔ عاد،ثمود،امیم،عبیل،طسم،جدلیس،عملیق،جرھم اور وبار۔

عرب عاربہ اپنی جگہ دو گرہوں بائدہ اور غیر بائدہ میں منقسم تھے۔

الف۔**بائدہ:** گروہ بائدہ میں وہ لوگ شامل تھے جس کی نسل ختم ہونے کی وجہ سے ان کا وجود بھی اس دنیا میں باقی نہیں رہا۔ ہود،لقمان،ثمود،طسم،امیم،عبیل اور جرھم کے علاوہ عمالقہ اور حضور کی قومیں۔

ب۔**غیر بائدہ:** اس گروہ کے لوگ اول الذکر گروہ کے بعد عرب سرزمین پر آئے اس لئے انھیں عرب قحطان بھی کہتے ہیں ۔اس حوالے سے عرب کو دو طبقات قحطانی اور عدنانی میں تقسیم کیا گیا یہ وہ طبقات ہیں جنھوں نے بڑی بڑی حکومتیں قائم کیں ۔جن میں حمیر،سباء،لخم اور غسان وغیرہ شامل ہیں ۔عرب عاربہ میں یعرب بن قحطان کو صاحب ترقی و تمدن انسان سمجھا جاتا تھا۔

۲۔عرب مستعربہ: عرب مستعربہ شمالی جزیرہ میں رہنے والوں کو کہا جاتا ہے انہی میں سے حضرت محمدؐ مبعوث ہوئے اس جگہ کو جزیرہ العرب اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس سرزمین کے اطراف و اکناف میں سمندر واقع ہیں یہ خطہ سمندروں کے گھیرے میں ہے جس کے باعث ایک طرح کا جزیرہ نما علاقہ نظر آتا ہے۔

عرب مستعربہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو باہر سے آکر عربوں میں گھل مل گئے اس میں خالص عرب باشندے شامل نہیں ۔تاہم یہ وہ لوگ ہیں جو معد بن عدنان بن اود اولادِ اسماعیلؑ سے پھیلے۔اس تعریف کے تحت وہ لوگ جنھوں نے سرزمین عرب کی طرف ہجرت کی اور عربی زبان بولنے لگے عرب مستعربہ میں شامل ہیں۔

۲۔ریاستیں اور سرداریاں

اس سلسلے میں ہم عالم کو چند حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔مکہ وہ مقام ہے جہاں حضرت محمدؐ پیدا ہوئے اور پرورش پائی اور یہیں سے اعلانِ نبوت بھی کیا؟ یہاں کس قسم کی سیاست حاوی تھی اور کس فکر کا حامل خاندان انسانی معاشرے پر حکمران تھا۔

۲۔سرزمینِ عرب پر سیاست کی شکل وصورت کیسی تھی۔

۳۔یمن کے مختلف علاقے خودمختار تھے جہاں کے قبائل اپنی جگہ حاکم تھے۔جن میں سے بعض نے اپنی طاقت وقدرت کے بل بوتے پر حکومت قائم کررکھی تھی،مکہ والے اہل تجارت تھے،جبکہ جنوب میں یمن پر صنعاء وغیرہ حکومت کرتے تھے جن میں الدولۃ المعینیۃ قابل ذکر ہے جو ۵۶۰ سے ۱۴۰۰ قبل میلادی تک رہے ۔سیاست عالم کی مزید تفصیل درج ذیل ہے۔

زمانِ بعثت حضرت محمد ﷺ اور عالمی سیاست

ولادت نبی کریمؐ اور آپؐ کی بعثت کے دور میں سرزمینِ عرب کے اندر قائم حکومتوں اور ریاستوں کے بارے میں مختصر معلومات وآگاہی ضروری ہے تا کہ ان حکومتوں کے اثر ونفوذ اور قبولیت اسلام کے بارے میں صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں مدد لی جاسکے۔ تاریخ عرب کے مطابق جس وقت پیغمبر اسلامؐ نے دعوت کا آغاز کیا اس وقت دنیائے عرب میں بعض بادشاہان اور تاج پوش موجود تھے تاہم عربوں کی اپنی جگہ خودمختاریا آزادنہیں تھیں۔

بادشاہانِ یمن

تاریخ میں بتلایا جاتا ہے کہ قوم سبا نامی ایک ایسی قوم گزری ہے جس کے بارے میں آثار قدیمہ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ قوم اڑھائی ہزار سال پہلے موجود تھی۔ ساڑھے چھ سو(۶۵۰) سال قبل میلادی ان کے بادشاہان کو مکرب سبا کہتے تھے اور ان کا دارالحکومت شہر صرواح تھا۔ اسی دور میں بند سبا بنایا گیا۔ اس دوران اس خطے میں بہت سے انقلابات آئے، حوادث اور جنگیں ہوئیں یہاں تک کہ ان کی خودمختاری اور آزادی چھن گئی یہ وہ دور تھا جب رومیوں نے عدن پر تسلط حاصل کیا اور ان کی مدد سے حبشیوں نے حمیر وہمدان کی باہمی کشاکش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ۳۴۰ میلادی کو یمن پر قبضہ کیا۔ انکی ۳۷۸ میلادی تک حکومت مستحکم رہی پھر ایک وقت آیا جب بند میں شگاف پڑ گیا جس کے نتیجے میں ایک بڑا سیلاب آیا جس کا ذکر قرآن میں سیل عرم کے نام سے کیا گیا ہے:

﴿فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ﴾ "پس انھوں نے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر طاقتور سیلاب بھیج دیا۔" (سبا:۱۶)

۵۲۳ میلادی کو یہودی بادشاہ ذونواس نے نجران مسیح پر ایک بڑا حملہ کیا اور انہیں زبردستی یہودی بنانے کی کوشش کی۔ جب نجران مسیح نے یہودی مذہب قبول کرنے سے انکار کردیا تو ذونواس نے خندقیں کھدوا کر انھیں بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں جھونک دیا اس واقعے کا ذکر یوں آیا ہے:

> ﴿قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ☆ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ☆ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ☆ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ☆ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ "خندقوں والے ہلاک کئے گئے۔ وہ ایک آگ تھی ایندھن والی۔ جبکہ وہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے تھے اور مومنین کے ساتھ جو کر رہے تھے اس کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے۔ یہ لوگ ان کا بدلہ نہیں لے رہے تھے سوائے اس کے کہ وہ اللہ غالب لائق حمد کی ذات پر ایمان لائے تھے۔" (بروج۴تا۸)

اس واقعے کے نتیجے میں نصرانیت طیش میں آئی روم کے حکام نے حبشیوں کو یمن پر حملے کی ترغیب دی لہٰذا حبشیوں نے رومیوں کی شہہ پا کر ۵۲۵ میلادی میں ارباط کے زیر قیادت ستر ہزار فوج سے یمن پر دوبارہ قبضہ کرلیا پھر اس فوج کے ایک سربراہ رابرہہ نے ارباط کو قتل کر کے خود اقتدار پر قبضہ کرلیا اور ساتھ ہی بادشاہ حبش کو بھی اس تصرف پر راضی کرلیا۔ یہ وہی ابرہہ تھا جس

نے کعبے کو نقصان پہنچانے کیلئے لشکر کشی کی اس کا لشکر بعد میں اصحاب فیل کے نام سے معروف ہوا، واقعہ فیل کے بعد یمنیوں نے فارس سے مدد طلب کی اور سیف ذی یزن کے بیٹے معدی کرب کی مدد لے کر حبشیوں سے جنگ کر کے انہیں ملک سے نکال باہر کیا اس جنگ میں کامیابی کے بعد ۵۷۵ میلادی کو یہاں ایک بار پھر مستقل حکومت قائم ہوئی اور معدی کرب ملک کا بادشاہ بنا۔ اس نے بعض حبشیوں کو اپنی خدمت اور شاہی جلو کی زینت کیلئے روک لیا لیکن یہ شوق مہنگا ثابت ہوا۔ ان حبشیوں نے ایک روز معدی کرب کو دھوکے سے قتل کر کے ذی یزن کے خاندان سے حکمرانی کا چراغ ہمیشہ کیلئے گل کر دیا ادھر کسریٰ نے اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صنعا پر ایک فارسی النسل گورنر مقرر کر کے یمن کو فارس کا ایک صوبہ بنالیا۔ یہاں تک کہ آخری گورنر باذان نے ۶۲۸ میلادی میں اسلام قبول کر لیا اور یمن اسلام کی علمبر داری میں آ گیا۔

بادشاہان حیرہ

عراق اور اس کے گرد نواح پر ۵۲۹۔۵۵۷ ق م کے زمانے ہی سے اہل فارس کی حکمرانی چلی آ رہی تھی یہاں تک کہ ۳۲۶ قبل میلادی سکندر مقدونی نے دارا اوّل کو شکست دے کر فارسیوں کی طاقت توڑ دی جس کے نتیجے میں ان کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور طوائف الملو کی شروع ہو گئی یہ انتشار ۲۳۰ میلادی تک جاری رہا اسی دوران حجاز میں مقیم قحطانیوں نے عراق کی طرف ہجرت کی اور کچھ علاقوں پر سکونت اختیار کر لی پھر عدنانیوں میں سے بعض نے عراق کی طرف ہجرت کر کے جزیرۂ فرات کے ایک کنارے پر سکونت اختیار کر لی۔ اردشیر کے دور میں اہل فارس نے عراق کو ایک بار پھر اپنے قبضے میں لے لیا۔ اردشیر ساسانیوں کا مؤسس تھا۔ اس نے پورے فارس کے باشندوں کو متحد کیا۔ اس دوران قبیلہ قضاعہ شام کی طرف ہجرت کر گئے جبکہ حیرہ اور انبار کے قبائل نے بادشاہِ فرس کے زیر سایہ رہنے کو ترجیح دی۔ کسریٰ نے اپنے بعد نوشیروان کو شاہی میں آنے دیا تو منذر و حیرہ کی حکومت واپس آ گئی۔ سرزمین حجاز میں ۶۳۲ میلادی کو بادشاہت آل لخم کو منتقل ہوئی اور ان کی حکومت ۸ ماہ گزری تھی کہ خالد بن ولید کی قیادت میں لشکر اسلام نے حیرہ پر قبضہ کر لیا۔

بادشاہانِ شام

قبائل و عشائر قضاعہ نے شام کی طرف ہجرت کی اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ یہ لوگ بنی سلیم بن حلوان سے تعلق رکھتے تھے ان میں سے ایک شاخ ''بنی ضجعم تھی جو ضجاعمہ کے نام سے مشہور ہوئی'' قضاعہ کی اس شاخ کو رومیوں نے صحرائے عرب کے بدوؤں کی لوٹ مار روکنے اور فارسیوں کے خلاف استعمال کرنے کیلئے اپنا ہمنوا بنالیا اور اسی کے ایک فرد کے سر پر حکمرانی کا تاج رکھ دیا۔ ان کے مشہور ترین بادشاہ کا نام زیاد بن ہبولہ تھا۔ دوسری صدی میلادی میں آل غسان کی حکومت کا دور شروع ہو گیا جس نے ضجاعمہ پر غلبہ حاصل کیا آل غسان کو روم کی طرف سے شام پر بادشاہ تسلیم کر لیا جس کا دارالحکومت دومۃ الجندل تھا۔ آل غسان نے بادشاہ روم کی اطاعت میں شام پر حکومت کی تاہم ۱۳ھ میں جنگ یرموک کے ساتھ ان کے دور حکومت کا بھی خاتمہ ہوا۔ ان کے آخری بادشاہ کا نام جبلہ بن ایہم تھا۔

ریاست حجاز

حضرت اسماعیلؑ کے پاس کعبہ کی کلیداری کے ساتھ مکہ کی حکومت بھی تھی۔آپ ۱۳۷ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔آپ کے دو بیٹوں میں ایک کا نام نبایت اور دوسرے کا نام قیدار تھا۔یکے بعد دیگر دونوں مکہ کے والی ہوئے بعد ازاں ریاست مکہ قبیلہ بنو جرہم کی طرف منتقل ہو گئی۔اولاد ابراہیمؑ لوگوں کی نظر میں بہت محترم تھی لیکن اس کے باوجود ریاست مکہ ان کے ہاتھوں سے نکل گئی جس کے بعد وہ ایک طویل عرصے تک ریاست واقتدار سے دور رہے اور یوں انھیں گمنامی کی زندگی گزارنی پڑی۔ یہاں تک کہ بخت نصر کے غلبہ سے قبیلہ بنو جرہم کمزور ہو گئے اور ریاست مکہ کے افق پر ستارۂ عدنان طلوع ہوا۔

بخت نصر دوئم نے ۵۸۷ قبل میلادی میں عرب پر حملہ کیا جس سے اولاد عدنان منتشر ہو گئی اس طرح مکہ میں قبیلہ بنو جرہم کی حالت خراب ہوتی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے زائرین بیت اللہ پر زیادتیاں شروع کر دیں اور خانہ کعبہ کا مال کھانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ان کا یہ رویہ عدنانیوں کو ناگوار گزرا اور ان کی غیرت وحمیت میں جوش آیا یہاں تک کہ بنو خزاعہ مر الظہر ان میں پہنچے انھوں نے دیکھا کہ قبیلہ عدنان قبیلہ بنو جرہم سے نفرت کرتا ہے تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ایک عدنانی قبیلے کو ساتھ لے کر بنو جرہم کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور انھیں مکہ سے نکال کر اقتدار پر خود قبضہ کر لیا یہ واقعہ دوسری صدی عیسوی کے وسط کا ہے۔قبیلہ جرہم نے مکہ چھوڑنے سے پہلے چشمہ زم زم کو بند کر کے اس جگہ کا نام ونشان تک مٹا دیا اور اس میں کعبہ کے آثار وتاریخی چیزیں دفن کر دیں۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ عمرو بن حارث بن مضاض جرہمی نے کعبے کے دو آہو اور حجراسود کو نکال کر چشمہ زم زم کے کنویں میں دفنا دیئے بعد ازاں وہاں سے انتہائی مخزون حالت میں یمن کی طرف چلے گئے۔جرہم کو مکہ میں طویل حکومت کرنے کے بعد ریاست وحکومت سے محروم ہونا پڑا اور یوں قبیلہ بنو خزاعہ مکہ پر مسلط ہوا تاہم انہوں نے قبیلہ بنو بکر کو تین عہدے دیئے جس کے تحت ان کی درج ذیل ذمہ داریاں تھیں:

۱۔ لوگوں کو عرفہ سے مزدلفہ لے جانا اور یوم النفر، اسی طرح منیٰ سے مکہ روانگی کا پروانہ دینا یعنی ۱۲ سے ۱۳ ذی الحجہ تک حاجی کنکری نہ مار سکتے تھے جب تک کہ پہلے یہ کنکری نہ مارتے۔

۲۔مزدلفہ سے عید کے دن منیٰ جانے کا عمل۔

۳۔اشہر الحرم کی تبدیلی، آئندہ سال کیلئے حج کے دن کا اعلان کرنا۔

اس طرح خزاعہ نے مکہ پر ۳۰۰ سال تک حکومت کی۔ان کی حکمرانی کے دوران عدنانیین نجد اور عراق کے اطراف اور بحرین تک پھیل گئے جبکہ مکہ کے اطراف میں قریش او راہل حرم قیام پذیر رہے لیکن انہیں کعبہ اور مکہ کے امور میں کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی، یہاں تک کہ قصی بن کلاب وہاں آن پہنچے۔قصی بن کلاب کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ ماں کی گود میں ہی تھے کہ ان کے والد فوت ہو گئے تو ان کی ماں نے قبیلہ بنی عذرہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی۔ربیعہ بن حرام اپنی بیوی کے ہمراہ

شام چلا گیا قصی بھی ماں کے ساتھ چلے گئے قصی کا اصل نام زید تھا قصی جب بڑے ہوئے تو ایک دن کسی شخص نے انہیں نسب کے حوالے سے طعنہ دیا اور یہی واقعہ قصی کی مکہ واپسی کا سبب بنا۔ مکہ کی ریاست قبیلہ خزاعہ کے حلیل بن حبشہ کے ہاتھوں میں تھی۔

قصی بن کلاب نے کعبہ کے نگراں حُلَیل بن حبشہ خزاعی کی بیٹی سے شادی کی اور ان سے کثیر اولاد پیدا ہوئی انہی میں عبد مناف بھی تھے جو اموی اور ہاشمیوں دونوں کے دادا تھے۔ حُلَیل نے اپنی وفات سے پہلے کعبے کی خدمت کیلئے اپنی بیٹی سے درخواست کی لیکن اس نے کہا اس خدمت کی ذمہ داری میرے لئے نا قابل برداشت اور ناممکن ہے اس کے بعد حلیل نے یہ کام اپنے ایک بیٹے کے سپرد کیا لیکن وہ بے پرواہ اور شہوات وخواہشات میں مستغرق انسان تھا۔ اس لئے اس نے بھی بہانہ تراشی کی پھر مکہ کی تولیت کیلئے خزاعہ اور قریش کے درمیان جنگ ہو گئی۔

جنگ کا انجام قصی کے رئیس مکہ بننے پر منتج ہوا۔ اس کے ساتھ ہی قبیلہ خزاعہ سے کعبہ اور مکے کے تمام معاملات کی ذمہ داریاں قصی کو منتقل ہوئیں۔ البتہ اقتدار کی منتقلی کیسے اور کس طرح عمل میں آئی اسکا جاننا ہمارے لئے اتنا اہم نہیں۔ غرض قصی نے خزاعہ کو ملک بدر کر دیا۔ یہ تمام حالات ۴۴۰ میلادی میں پیش آئے جس کے بعد قریش کی حکمرانی کا سلسلہ شروع ہوا۔ تمام جزیرۃ العرب سے مکہ آنے والے انہی کی طرف رجوع کرتے، قصی نے اطراف مکہ میں رہنے والوں کو مکہ طلب کیا اور انہیں سکونت دی۔

قصی کے زمانے میں لوگ کعبہ کی عظمت واحترام کی وجہ سے اس کی عمارت سے دور رہتے تھے یہاں تک کہ کعبہ کے اردگرد موجود درختوں کو بھی نہیں کاٹتے تھے لیکن قصی نے کہا کہ یہاں سے درختوں کو کاٹ کر اپنے لئے کعبے کے نزدیک گھر بنائے جائیں تا کہ کعبہ کی ہیبت واحترام میں ہم محفوظ رہیں چنانچہ سب سے پہلے خود قصی نے درختوں کو کاٹ کر اپنا گھر بنایا، بعض کے مطابق قصی سے پہلے موجود قبائل عمالقہ، جرہم، خزاعہ اور قریش سب مکہ کے دروں میں سکونت اختیار کئے ہوئے تھے، سب کے ہاں کعبہ محترم تھا۔ کسی کی کعبہ کے قریب در و دیوار کھڑی کرنے کی ہمت نہیں تھی کہ وہاں سکونت اختیار کی جائے جب قصی کو خزاعہ کے بعد اقتدار حاصل ہوا تو انہوں نے قریش کے قبائل کو جمع کر کے یہاں گھر بنانے کا حکم دیا۔ ان سے کہا دن کے وقت یہاں رہیں، جنابت کی حالت میں کعبہ میں داخل نہ ہوں۔ قصی نے کہا اگر تم کعبہ کے گرد رہو گے تو لوگ تم سے ڈریں گے اور حملہ کرنے یا جنگ لڑنے کو حرام سمجھیں گے۔ بعض کے مطابق قصی نے یہاں پہلے دارالندوہ بنایا۔

رئیس اور دیگر لوگ اپنے مسائل کے حل کے بارے میں صلاح ومشورے قصی کی گھر میں کرتے تھے بعض کے مطابق گذشت زمان کے ساتھ جب قصی کا گھر چھوٹا پڑا تو قصی نے قوم کے امورات کے بارے میں صلاح ومشورہ کیلئے الگ گھر بنوایا جو دارالندوۃ کے نام سے مشہور ہوا۔

دارالندوۃ

الندی بروزن فعیل اس مقام کو کہا جاتا ہے جہاں قوم مذاکرے اور گفتگو کیلئے بیٹھتی ہے لیکن جب قوم منتشر ہوتی ہے تو اسے ندوۃ نہیں کہتے ہیں دارالندوۃ اس جگہ کو کہتے تھے جہاں مشرکین مکہ اسلام آنے سے پہلے صلاح مشورہ کیلئے بیٹھتے تھے

چنانچہ سورہ علق آیت ۷ا میں بھی آیا ہے ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَه﴾ مشرکین نے اہل مکہ کیلئے اس شوریٰ میں رکنیت کیلئے عمر کی حد چالیس سال رکھی جبکہ خاندانِ قصی کیلئے یہ شرط عائد نہیں تھی کیونکہ اس خاندان کے چھوٹے بھی امیر و سرپرست تھے۔ ظہور اسلام کے وقت دارالندوۃ کی کلید حکیم بن حزام کے ہاتھ میں تھی جسے بعد میں انھوں نے معاویہ بن ابی سفیان کو ایک لاکھ درھم میں فروخت کر دیا عبداللہ بن زبیر نے حکیم سے کہا کہ تم نے عزت وکرامتِ قریش کو فروخت کر دیا تو حکیم نے کہا تقویٰ آنے کے بعد قریش کی تمام کرامت وعزت چلی گئی۔

قصی کو ان امور پر دسترس حاصل تھی:

ا۔ قریش دارالندوہ میں جمع ہو کر اہم امور پر صلاح ومشورہ کرتے اور ساتھ ہی یہاں عقد وازدواج کی مراسم بھی طے ہوا کرتی تھیں۔

۲۔ جنگوں میں پرچم قصی کے ہاتھوں باندھا جاتا تھا۔

۳۔ کعبہ سے متعلق تمام امور ان سے وابستہ تھے۔

۴۔ ایام حج میں پانی جمع کرتے اور حجاج کو پلاتے تھے۔ اس پانی میں کھجور اور کشمش بھی ڈالی جاتی تھی۔

۵۔ حجاج کو کھانا کھلانے کا کام یعنی مہمان نوازی بھی ان کی ذمہ داریوں میں شامل تھی۔

قصی نے پہلی بار قریش کے تمام لوگوں کے مال و دولت میں سے ایک مخصوص مقدار کو جمع کرنے کا حکم دیا تا کہ اسی مال کے ذریعے حجاج کی مہمان نوازی اور ساتھ ہی غریب وغرباء کی مالی مدد ہو سکے۔

قصی کے دو بیٹے تھے جس میں بڑے کا نام عبدالدار اور چھوٹے کا نام عبدمناف تھا۔ قصی کی وصیت کے مطابق تمام مناصب دارالندوہ، حجابت، لواء، سقایہ اور رفادہ بڑے بیٹے عبدالدار کو دیئے گئے، عبدمناف کو قصی کی حیات میں ہی صاحب عزت واحترام اور قابل ولائق سمجھا جاتا تھا عبدالدار کے بعد یہ مناصب عبدمناف کے پاس آئے، عبدمناف کی وفات کے بعد ان کی اولاد اور عبدالدار کی اولاد میں اختلافات پیدا ہو گیا جس کے بعد قریش دو حصوں میں تقسیم ہو گئے یہاں تک کہ نوبت آپس میں جنگ وجدال تک جا پہنچی، بالآخر معاملہ افہام وتفہیم اور صلح وصفائی سے ہی طے پایا تاہم مکے کے مناصب منقسم ہو کر رہ گئے جس کے نتیجے میں سقایہ اور رفادہ بنی عبدمناف کو جبکہ دارالندوہ، لواء اور حجابت بنی عبدالدار کو ملے۔

جب بنو عبدمناف نے اپنے خاندان کے درمیان اختلاف کو ختم کرنے کیلئے قرعہ اندازی کی تو قرعہ ہاشمؓ بن عبدمناف کے نام نکلا اس طرح حاجیوں کو پانی پلانا اور کھانا کھلانا ان کے حصے میں آیا۔ یہ ذمہ داری بعد میں ہاشمؓ بن عبدمناف کے بھائی مطلب بن عبدمناف کو سونپی گئی، مطلب کی وفات کے بعد یہ ذمہ داری عبدالمطلبؓ بن ہاشم رسول اللہؐ کے دادا نے سنبھالی۔ عبدمطلب کے بعد یہ ولایت عباسؓ بن عبدالمطلب کو منتقل ہوئی۔ قریش کے دیگر خاندانوں کے پاس بھی مکے کی ریاست سے متعلق کچھ نہ کچھ مناصب تھے مکہ کو ایک اصطلاح کے مطابق طوائف الملوک یا آج کی جدید اصطلاح کے تحت امارات کہا جاتا تھا جہاں سب مل کر مکے کے مسائل کو جمہوری انداز میں طے کرتے تھے گویا دارالندوہ ایک اسمبلی تھی اور اس میں شریک ہونے والے اس کے رکن تھے۔

مکہ کی سیاسی اصطلاحات

۱۔حجابت: بیت اللہ یعنی کعبہ اور مسجد الحرام کی خدمت اور چابی کی سپردگی، اس وقت عرب میں اس چابی کے حامل فرد اور قبیلہ کو معزز گردانا جاتا تھا۔ یہ بنی عبدالدار کے سپرد تھی جسے پیغمبرؐ کے زمانے میں عثمان بن طلحہ انجام دیتے تھے۔

۲۔سقایت: یعنی زم زم اور دیگر چشموں سے حجاج کیلئے پانی کی فراہمی اور مکہ سے منیٰ تک پانی پہنچانا۔ یہ انتہائی فضیلت و شرافت کا مقام تھا عرب انگور نچوڑ کر لوگوں کو پلاتے تھے۔ یہ خدمت بنی ہاشم کے سپرد تھی جسے حضرت عباسؓ انجام دیتے تھے۔

۳۔رفادہ: قریش سے مالیت اور نذر و نیاز جمع کرنا پھر اس سے حجاج اور عام مسافرین، فقراء، مساکین کی اعانت کرنا اور حجاج کو کھانا کھلانا۔ یہ منصب عبدالمطلبؓ کے بعد بنی نوفل میں منتقل ہوا ان کی جانب سے وارث بن عامر اس پر مامور تھے۔ پیغمبرؐ کے زمانے میں یہ منصب حارث بن عمر کے پاس تھا۔ یہ آج بھی باقی ہے چنانچہ سعودی حکومت ہر سال اس کا اہتمام کرتی ہے۔

۴۔عمارت: مسجد حرام اور بیت اللہ کی تعمیر اور مرمت کرنا، یہ عہدہ حضرت عبدالمطلبؓ کے فرزند جناب عباسؓ کے ہاتھ میں تھا۔

۵۔سفارت: دوسری قوموں سے صلاح و مشورہ اور افہام و تفہیم کرنے کی اجازت کہ وہ اپنی صوابدید پر صلح کریں چاہے وہ قریش ہوں یا غیر قریش یا پھر دوسروں کے معاملے میں مراسلت کرنا، یہ خدمت بنی عدی کے پاس تھی بعد میں یہ منصب عمرؓ بن خطاب کے پاس رہا۔

۶۔ندوہ: یعنی مجلس شوریٰ کا سرپرست ان کی سرپرستی میں تمام فیصلے اور قوانین نافذ ہوتے تھے، یہ بنی اسد میں یزید بن زمعہ بن الاسود کے ہاتھ میں تھا۔

۷۔قبہ: جنگ کے دوران لشکر کیلئے خیموں کا انتظام کرنا، یہ خدمت بنی مخزوم کے پاس تھی پیغمبرؐ کے زمانے میں خالد بن ولید یہ ذمہ داری انجام دیتے تھے۔

۸۔لواء: یعنی علم برداری کہ سارے قریش ان کے پیچھے ہوں گے وہی لشکر کا نظم و نسق سنبھالتے تھے۔ اس کو اس وقت عقاب کہتے تھے یہ بنی امیہ کے پاس تھی سب سے آخر میں یہ منصب ابی سفیان کے پاس چلا گیا۔

۹۔اعنہ: گھڑ دوڑ میں گھوڑوں اور سواروں کا انتظام کرنا، یہ خدمت بنی مخزوم کے پاس تھی پیغمبر کے زمانے میں یہ خدمت خالد بن ولید انجام دیتے رہے۔

۱۰۔اشناق: قبائل کے باہمی منافشات و اختلافات رفع کرنے کیلئے دیت اور تاوان وغیرہ ادا کرنا، اور جس شخص کے پاس دیت اور تاوان دینے کی استطاعت نہ ہو اس کی اعانت کرنا، یہ خدمت بنی تیم بن حرہ کے پاس تھی زمانہ پیغمبر میں ابوبکرؓ کے سپرد تھی۔

۱۱۔اموال محجر یا دیہ: وہ مال جو بتوں کے نذر و نیاز کے نام سے جمع ہوتا تھا۔ یہ بنی سہم میں سے حارث بن قیس کے

تصرف میں تھا بعض کے مطابق بعد میں یہ خدمت حسان بن کعب کے پاس رہی۔

۱۲۔ایسار و ازلام: یعنی بتوں کی نگہداری کرنا اور فال نکالنا۔ یہ منصب بنی امیہ کے پاس تھا۔

مجمع متماسک و قرابت

فلاسفہ و حکمائے انسان شناس قدیم زمانے سے عصر حاضر تک یہ کہتے آئے ہیں کہ انسان اس دنیا میں زندگی گزارنے کیلئے اجتماعی تعلقات و روابط سے بے نیاز نہیں رہ سکتا لیکن یہ تعلقات و روابط اگر خدا کی مقرر کردہ حدود شرعی کے تحت ہونگے تو معاشرہ فاضلہ و عادلہ کہلائے گا اور اگر اس سے ہٹ کر ہوگا تو حسب تعبیر قرآن وہ معاشرہ امت ظالمہ ہوگا۔ سر زمین مکہ میں پیغمبر اسلام کی بعثت سے پہلے کا معاشرہ بھی معاشرہ امت ظالمہ تھا جہاں لوگ انتہائی فقر و فاقہ اور محرومی کی زندگی گزار رہے تھے اور زندگی کی تنگی اور سختی سے نجات حاصل کرنے کیلئے کوئی اپنے بچوں کو قتل کرتا تو کوئی اپنی عورتوں کو عصمت فروشی کی اجازت دیتا تھا تا کہ ان کا گزر اوقات ہو سکے۔اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ معاشرہ چاہے قدیم زمانے سے مربوط ہو یا عصر حاضر کا معاشرہ ہو شرعی حدود سے نکل جانے والے تمام معاشرے اپنے ظالم ہونے کی واضح نشاندہی کرتے ہیں کیونکہ ان پر مسلط طاقتور گروہ انہیں بہتر نہیں ہونے دیتے ان کا مفاد اسی میں ہوتا ہے کہ ان معاشرتی برائیوں کو جوں کا توں رکھا جائے۔دور جاہلیت میں سرزمین مکہ اسی طرح کی صورتحال سے دوچار تھی جہاں پورے عرب میں دس (۱۰) خاندان اس زمانے کے مطابق صاحبان طاقت وقدرت تھے جنھیں آج کے دور کے مطابق شرفاء کہتے ہیں۔یہ خاندان خود آپس میں مقام و منزلت کے حوالے سے ایک دوسرے سے مختلف تھے۔کوئی دینی مقام و منصب کی وجہ سے محترم تھا یعنی کعبہ کی تولیت وکلیدداری وغیرہ کی وجہ سے تو کوئی کثرت اولاد کی وجہ سے،کوئی عشائر و قبائل اور کوئی مال و دولت ہونے کی وجہ سے محترم تھا غرض ہر ایک کو دوسرے کا احترام کرنا اور ان اصولوں کا پاس رکھنا پڑتا تھا کیونکہ وہ مکہ میں ہرج ومرج اور خانہ جنگی سے خوفزدہ رہتے تھے۔اس سلسلے میں نبی کریم کی سیرت طیبہ پر قلم اٹھانے والے ارباب تاریخ و سیرت لکھتے ہیں کہ بنی ہاشم کے گھرانے کی معاشرے میں عزت واحترام معنویت کے حوالے سے تھی بنی مخزوم عشائر و قبائل اور افرادی قوت کے حوالے سے اور بنی امیہ مال و دولت کے حوالے سے مشہور خاندان تھے۔

ذیل میں ہم عرب کی اجتماعی صورتحال پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

۳۔اجتماعی صورتحال

☆دین و دیانت قبل از بعثت ☆اخلاق ☆اقتصادی حالت

☆دین و دیانت قبل از بعثت

عرب ابتدائی مراحل میں دین ابراہیم خلیلؑ کے تابع خدا کی وحدانیت و یکتاپرستی کے پابند تھے لیکن گزرتے وقت کے ساتھ ان کے ذہنوں سے دین کا ایک بڑا حصہ محو ہوتا چلا گیا،پھر یہ خدا کی وحدانیت اور بعض شعائر ابراہیمیؑ تک محدود ہو گئے۔

آسمانی شریعت اوراس کی منسوخی

یہ جملہ معروف ومشہور ہے کہ آسمانی شرائع ایک دوسرے کی ناسخ ہیں یعنی بعد والی شریعت نے پہلے والی شریعت کو منسوخ کیا ہے ۔یہ موضوع نسخ شرائع کے بارے میں معقول ومقبول بلکہ پسندیدہ ہے ۔

اس حوالے سے چند نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ انسان کی جہل و نادانی ،مفادات میں اختلاف اور حالات کی دیگر گونی انسان کو مجبور کرتی ہے کہ ہر دور میں وہ اپنے قانون وآئین میں نظر ثانی کرے لیکن یہ عمل خدا کی طرف سے نازل کردہ شریعت میں قابل درک وفہم نہیں کیونکہ شریعت خداوند متعال قادراور عالم وغنی کی طرف سے نازل ہوتی ہے جہاں نہ جہل کی رسائی ہے نہ فقر و ناتوانی کی ،نہ ہی حالات وحوادث کی دگر گونی اسے متاثر کرسکتی ہے لہٰذا اس کے وضع کردہ آئین وقانون میں تبدیلی آنا بے معنی ہے ۔انسان کی بنیادی ضروریات میں ابتداء سے عصر حاضر تک کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی ہے،غریزہ جنسی ،کھانا پینا ، مسکن ،لباس کی احتیاج آج بھی ویسے ہی ہے جو ہزاروں سال پہلے تھی ۔اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد دوسری حقیقت کو بھی دیکھنا ضروری ہے ۔

۲۔شریعت آسمانی میں ناسخ آیا ہے چنانچہ آیات قرآنی اور روایات اسلامی میں اس کی تشریح موجود ہے اور علماء کا بھی اس پر اجماع ہے،اس لئے کہتے ہیں کہ آسمانی شریعتیں پانچ ہیں جن میں آخری شریعت،شریعت اسلام ہے ۔ان دو حقائق کو تسلیم کرنے کے بعد تیسری حقیقت کو تلاش کرنا ہے ۔

۳۔شریعت آسمانی میں کن کن نکات پر اتفاق اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور کن چیزوں میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔اس کی تفصیل درج ذیل ہے ۔

☆**عقائد:** اقسام توحید جیسے خالقیت ،رازقیت اور ربوبیت وغیرہ پر تمام ادیان آسمانی متفق ہیں یعنی سب کا خالق خداوند متعال ہے تخلیق وربوبیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ۔

☆**امہات شریعت:** یعنی اخلاق ،عدل ،انصاف سے لگاؤ اور ظلم ،بغاوت ،فساد سے نفرت کرنے کے معاملے پر تمام شریعتوں میں اتفاق پایا جاتا ہے تمام شرائع میں جملہ محرمات جو انسان کی سعادت کیلئے مانع ہیں ابتدا سے ہی حرام ہیں ۔ہر وہ چیز جو انسان کی سعادت میں بنیادی کردار رکھتی ہے وہ ابتداء سے واجب اور ضروری ہے ۔نقطہ اتفاق و اتحاد بیان کرنے کے بعد اگلا نقطہ اختلاف ہے یعنی شریعتوں میں تغیر وتبدیلی کہاں اور کیسے آئی ہے ۔

الف:شریعتوں میں نسخ اور تبدیلی آنے کا معنی یہ ہے کہ انبیاءؑ کے گزرنے کے بعد ان کی امتوں نے ان میں دخل اندازی اور ہیر پھیر کر کے ان میں غیر شرعی چیزوں کو شامل کیا جس کے بعد یہ بشر کیلئے باعث خیر اور صلح وسعادت نہ رہیں لہٰذا مخلوق کیلئے خداوند متعال پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے ایک بار پھر نبی مبعوث کرے تاکہ شریعتوں میں شامل کردہ

چیزوں کو نکال کر اصل وحی کو ثابت کیا جائے۔

ب: یہ بات واضح اور معروف و مشہور ہے شریعتیں پانچ ہیں جبکہ انبیاءؑ کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نبی نئی شریعت نہیں لایا یعنی ہر نبی ہر جگہ کیلئے باعث شریعت نہیں تھا۔

ج: انبیاءؑ اپنی جگہ اصلاح و ہدایت اور حق و باطل میں تمیز کرنے والے تھے کیونکہ انبیاءؑ کو دنیا سے ایک روز جانا تھا۔ انبیاءؑ کے جاتے ہی مفاد پرستوں نے دین کے ساتھ کھیلنا شروع کیا جس کی بنا پر خدا نے شریعت کی بقاء کیلئے انبیاءؑ کی بعثت کا سلسلہ جاری رکھا۔ انبیاءؑ کی تعداد میں اضافہ ہوا کیونکہ زماں و مکان کے فاصلہ کی وجہ سے ایک نبی ہر جگہ جا کر دعوت نہیں دے سکتا تھا۔

تصادم شریعت

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شریعت آسمانی کے پیروکاروں کے نظریات میں تصادم اور تناقض پایا جاتا ہے، ہر کوئی خود کو حق اور دوسرے کو باطل گردانتا ہے حتیٰ کہ یہود مسیحؑ اور نصرانی شریعت موسیٰؑ کو تسلیم نہیں کرتے ان کا یہ مقولہ قرآن میں بھی آیا ہے۔

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ ”یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں اور نصرانہ کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں۔“ (بقرہ ۱۱۳)

اسلام کہتا ہے فی زمانہ خدا کی طرف سے دین اسلام آیا ہے، تمام کو دین اسلام کے پرچم تلے جمع ہونا چاہیے اس سلسلے میں دلیل و برھان کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ نصاریٰ کہتے ہیں ہمارا دین خدا کی طرف سے ہونے میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن دین مسیحؑ کے بعد محمدؐ دین اسلام لائے ہیں اس کا دعویٰ کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے دعویٰ کو ثابت کریں کہ مسیحؑ کے بعد محمدؐ آئے۔ مسلمان یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی آمد یقینی ہے لیکن ان کے اور موسیٰؑ کے دین میں یہ نہیں ہے کہ ان کا دین آخری دین ہے بلکہ ان ادیان میں نئے آنے والے پیغمبرؐ اور شریعت کی بشارت دی گئی تھی۔ اس بشارت کی خبر خدا نے اپنی کتاب قرآن میں بھی دی ہے چنانچہ سورہ بقرہ آیت ۸۹ میں یہود کی حالت کو نقل کیا ہے کہ وہ دین اسلام کی آمد کے انتظار میں تھے اسی طرح عیسیٰؑ کی زبان سے یہ بشارت بیان ہوئی ہے کہ میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمدؐ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَابَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَّأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ ”اور مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے۔“ (صف ۶) ﴿فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ ”سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو تا کہ تم راہ پر آجاؤ۔“ (اعراف ۱۵۸)

دین وشریعت میں زمنی خصوصیات

انسانوں کے ذہنی،فکری اور عملی ارتقاء میں تعدد ناگزیر ہے۔اس کی دو اہم وجوہات ہیں:

۱۔ ہرایک انسان کی خواہشات دوسروں سے مختلف ہوتی ہیں۔خواہش اور علم وآگہی میں فرق تعدد اور کثرت کا بنیادی سبب ہے لیکن جب کسی چیز کو اس ذات باری تعالٰی کی طرف نسبت دیں گے کہ جس کی ذات میں کوئی فقرو نیاز اور جہل و نادانی کی گنجائش نہیں ہے اور وہ حقائق ودقائق پر احاطہ رکھتا ہے تو وہاں اختلافِ تعدد قابل تصور نہیں ہوتا ہے لہٰذا دین و شریعت میں کیوں تعدد ہو جبکہ یہ تو خداوند متعال کی ذاتِ غنی اور ازلی سے صادر شدہ اور نا قابل تردید حقیقت ہے۔

۲۔تعدد و کثرت ادیان کا ہونا بھی قرآن کریم کی بہت سی آیات سے ثابت ہے جس میں جائے شک و ریب نہیں، دوسری طرف کہتے ہیں کہ ادیان سماوی میں ناسخ ومنسوخ نامی کوئی چیز نہیں ان دونوں کو سامنے رکھ کر یہاں ملحدین ومشرکین کو شکوک وشبہات پھیلانے اور ساتھ ہی سابقہ دین وشریعت سے انکار واختلاف کا موقع و جواز ملتا ہے لہٰذا یہ سوال عین ممکنہ اور معتدل شکل اختیار کر لیتا ہے کہ آخر دین وشریعت میں تعدد کیوں اور کس لئے ہے؟ اور اس کی کیا منطق ہے؟اس سوال کا جواب دینے کی زیادہ تر ذمہ داری آخری دین اور آخری نبی اور ان کے ماننے والوں پر عائد ہوتی ہے کیونکہ لاحقہ اپنی جگہ سابقہ کی آمد کا اعتراف کرتا ہے۔یہ سوال بھی اٹھایا جاتا ہے کہ خداوند متعال نے ایک ہی نبی اور ایک ہی دین و شریعت پر اکتفا کیوں نہیں کیا اور اس ذات احد و بے نیاز کو تعدد و کثرت کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی یہیں سے کئی اور سوالات سامنے آتے ہیں اور بعض مرتبہ سوال سے سوال جنم لیتے ہیں کہ کیونکر خداوند متعال نے جو ہر حوالے اور زاویہ نگاہ سے واحد و یکتا اور بے ہمتا ہے اپنی ایک مخلوق اور نوعِ احد ''جو تمام کی تمام شکل وصورت، رنگ ونسل اور قد و قامت میں مختلف ہونے کے باوجود یکساں صفات وخصوصیات کی حامل ہے اس'' کیلئے ایک شریعت کی بجائے چندین شریعتیں اور کئی انبیاءؑ مبعوث کئے ہیں۔اس سوال کا جواب سمجھنے کیلئے کہ کیونکر شریعتیں مختلف اور انبیاءؑ کی تعداد بڑھتی گئی ہمیں چند نکات ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔

الف۔طبیعت انسان: تمام انسانوں کے ''جن کی طرف یہ شریعتیں آئیں اور انبیاءؑ نے انہیں دعوت دی'' فکری وجسمانی اور نفسیاتی رجحانات اور قابلیت وصلاحیت یکساں نہیں تھی۔جس دن سے بشر نے روئے زمین پر قدم رکھا ہے اس کی قابلیت و صلاحیت اور پختگی کے ساتھ ضرورت و نیازمندی آئے دن بڑھتی چلی گئی اور اب بھی بڑھتی جارہی ہے۔شریعتِ الٰہی انسانوں کی تمام جسمانی وفکری اور ذہنی قابلیت وصلاحیت کے علاوہ ضرورت و فائدہ مند اور نقصان دہ چیزوں کے موافق و مطابق آئی ہے۔عربی مثال کے مطابق ''طابقا النعل بن النعل ''یعنی جب دو ٹکڑے برابر ہوں تو انہیں آپس میں جوڑتے وقت کوئی کمی بیشی نہیں آتی۔

جو ہستی انسان کے وجود کی خالق ہے وہی اس کے نظام کا بھی خالق والا ہے لہٰذا خداوند متعال نے انسان کیلئے جو نظام

بھیجا ہے اس میں اس کی تمام خصوصیات اور بڑھتی ہوئی بنیادی ضروریات اور زمان و مکان کے حالات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

ب۔ بقائے حیات صفات: اللہ تبارک تعالیٰ کے بنائے ہوئے دین وشریعت کے تحت انسان کے اندر بعض صفات و خصوصیات طبیعت وغریزہ کا وجود بھی رکھا گیا ہے جو انسان کی دنیا کی جسمانی زندگی کیلئے ضروری ہے لیکن ان کا غلط استعمال یا استعمال میں حد سے تجاوز انسان کیلئے انتہائی ضرر رساں اور نقصاندہ ہے۔ بطور مثال دنیا کی زندگی گزارنے اور خلافت الٰہی کی ذمہ داریاں سنبھالنے کیلئے ایک حد تک مال و دولت کا ہونا ناگزیر ہے لیکن مال و دولت صرف اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب حُب دنیا دامن گیر ہو دوسری طرف جس وقت انسان میں مال کی محبت حد سے بڑھ جائے تو یہ صفت اس کیلئے انتہائی مہلک ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح حُب ذات اپنی ذات کیلئے نقصاندہ چیزوں کو دور کرنے کیلئے ضروری ہے اسی طرح اپنی نوع ونسل کو جاری رکھنے کیلئے غریزۂ جنسی اور حب اولاد ہو تو ان کی صحیح تربیت و پرورش کیلئے عقل وشرع کی ہدایت ضروری ہے۔ یہ سب بقائے حیات کیلئے ناگزیر صفات ہیں لیکن ان کی مقررہ حدود سے تجاوز خود انسان اور معاشرے کیلئے طاعون جیسی مہلک وبا اور تباہ کن سیلاب کی شکل اختیار کر لیتا ہے اگر اسے فوراً اور بروقت قابو نہ کیا جائے تو یہ سب کیلئے انتہائی نقصاندہ اور سنگین ثابت ہوگا۔ جس طرح دریا کیلئے ہمیشہ بند باندھنے کی ضرورت اور اس کے کنارے آبادی نہ بنانا عقلی فعلی ہے۔ انسان کے اندر مختلف صفات کا پایا جانا بقائے حیاتِ شخصی ونوعی کیلئے ناگزیر ہے لیکن یہاں بھی حد سے تجاوز خود انسان کی اپنی ذات اور اس کی نوع کیلئے مضر ہوتا ہے۔

ج۔ متضاد صفات: اللہ تعالیٰ نے جہاں ایک طرف انسان کو علم و دانش اور شعور و آگاہی سے نوازا ہے وہاں اس نے اس کے اندر بھول چوک اور نسیان کی صفت بھی رکھی ہے چنانچہ انسان دنیا اور مال و دولت سے لگاؤ اور مادے سے دوستی کرتے ہوئے عقل و فطرت کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے اور بالآخر اپنے خالق تک کو بھول جاتا ہے لہٰذا اسے ان مہلک بیماریوں سے بچانے اور لاحق خطرات سے ڈرانے والے کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی جاتی رہی ہے اور یہ ضرورت اس کیلئے ناقابل انفکاک ہے چنانچہ سورۂ نساء کی آیت ۱۶۵ میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے:

﴿رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ ''یہ سب رسول بھیجے گئے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ نہ رہے لوگوں کے پاس اللہ کے حضور، کوئی حجت رسولوں کے آجانے کے بعد۔''

د۔ تربیت تدریجی: انسان کی جسمانی ونفسانی غرائض وطبیعت کی تربیت وتزکیہ اور رہنمائی و رہبری کے تمام مراحل کیلئے نصاب کا پایۂ تکمیل تک پہنچنا ناگزیر تھا لہٰذا خداوند متعال نے سلسلۂ انبیاءؑ کو ایک ضروری حد تک باقی اور جاری رکھا، یہاں سے ہم یہ کہتے ہیں کہ خداوند متعال کا دین وشریعت لانے والے انبیاءؑ لے کر آئے سب کے سب ایک ہی غایت وہدف کی طرف دعوت تھے۔ خدا کی وحدانیت، انسان کو خدا کی بندگی کی طرف پلٹانے اور اس کی طرف متوجہ کرنے کے طور وطریقوں میں زمان ومکان کے حوالے سے فرق ہونا ناگزیر تھا لہٰذا خداوند متعال نے دین وشریعت کو ایک ہی

وقت اور مرحلے میں بھیجنے کی بجائے اسے ترتیب وتنظیم کے ساتھ بتدریج نازل کیا۔

دنیا میں رائج ادیان

۱۔دھری: بعثت سے پہلے عربوں کا ایک حلقہ ایسا تھا جو کسی خالق کو نہیں مانتے تھے جنھیں دھری کہا جاتا تھا البتہ اس حلقے کا دائرہ کار محدود تھا ان کی رڈ میں صرف ایک دو آیات آئی ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ان کا ذکر آیا ہے:

﴿مَا هِيَ اِلاَّ حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلاَّ الدَّهْرُ﴾ ''دنیاوی زندگی تو بس یہی ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مارتا ہے'' (جاثیہ۲۴)

۲۔منکرین حیات بعد الموت: بعض خالق کو تو مانتے تھے لیکن حیات بعد الموت کو نہیں مانتے تھے:

﴿بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ﴾ ''نہیں بلکہ یہ لوگ نئی تخلیق کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔'' (ق۱۵)

۳۔یہودیت: عرب کے بعض حصوں میں دین یہود تھا۔

۴۔نصرانیت: بعض عرب نصاریٰ تھے۔عرب میں دین نصاریٰ روم کی طرف سے اس وقت اثر پذیر ہوا جب انہوں نے حبش پر قبضہ کیا۔لشکر حبش کا یمن پر قبضہ ۳۴۰ میلادی میں ہوا اور یہ ۳۷۸ میلادی تک برقرار رہا اس دوراہے میں تبشیرین مسیح یمن میں پھیل گئے۔ایک شخص زاہد مستجاب الدعویٰ، جس کا نام فیمیون تھا وہ نجران آیا اور اس نے لوگوں کو دین مسیح کی طرف دعوت دی لوگوں نے اس شخص میں صدق وصفا دیکھی تو انہوں نے دین مسیحیت کو قبول کیا۔جب لشکرِ حبش نے یمن پر قبضہ کیا تو مسیحیت کو فروغ حاصل ہوا اور یمن کے بادشاہ کے مدمقابل ابرہہ یمن پر قابض ہوا۔یہاں تک کہ یمن میں مسیحیوں نے کعبہ یمانی کے نام سے ایک کلیسا تعمیر کیا اور عربوں کو اس طرف موڑنا چاہا۔اسی طرح عرب قبائل کے ساتھ ساتھ۔قبائل تغلب اور بعض بادشاہانِ حیرہ نے دین نصاریٰ کو قبول کیا نصرانی قبائل میں قبیلہ تازب اور قبیلہ طے وغیرہ شامل تھے۔

۵۔مشرکین: پیغمبر اسلامؐ کی پیدائش اور بعثت کے زمانے میں مکہ میں بت پرستی مختلف ناموں اور طریقوں سے رائج تھی۔پہلے سیرت نگار ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس وقت ہر گھر میں ایک بت ہوتا تھا، جس کی پوجا کی جاتی تھی، اگر کسی شخص کو کہیں سفر پر جانا ہوتا تو گھر سے نکلتے وقت پہلے اس بت کو مس کر کے جاتا تھا اور واپسی پر بھی سب سے پہلے اس بت کو چوم کر گھر میں داخل ہوتا تھا۔جب پیغمبر اسلامؐ نے ﴿لا الٰہ الا اللہ﴾ کا نعرہ بلند کیا تو ہر قوم و قبیلے میں بت ہونے کی وجہ سے مشرکین نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ ان سب ''الہ'' کو چھوڑ کر صرف ایک کو مانیں۔

۶۔ملائکہ پرست: بعض ملائکہ پرست تھے۔

۷۔جن پرست: بعض جن پرست تھے۔

۸۔مجوسی: عرب میں دیگر ادیان میں سے مجوس بھی تھے جن کی آبادی اہل فارس کے پڑوسی علاقوں عراق، بحرین، احساء ھجر، سواحل خلیج عربی اور یمن کے کچھ حصہ میں پائی جاتی تھی لیکن دین مجوسی یمن پر فارس کے قبضے کے بعد زیادہ پھیلا

جب یہود و نصاریٰ نے اثر و نفوذ کیا تو مجوسیت میں کمی آ گئی۔

۹۔صابیہ: صابیٔ یعنی ستارہ پرست، یہ ستارہ پرست کلدانی تھے جو حضرت ابراہیمؑ سے تعلق رکھتے تھے۔شام میں ستارہ پرستی کو عروج حاصل تھا۔ادیان و مذاہب کی اس بحث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت دنیا مختلف ادیان و مذاہب کی کھچڑی تھی۔

سرزمین توحید میں بتوں کی درآمدات

قبیلہ خزاعہ کے رئیس عمرو بن لحیہ اپنے خاندان میں صاحب قدرت وسلطنت ہونے کے علاوہ دیندار، نیک خصلت اور انسان دوست تھے جس کی وجہ سے لوگ ان سے محبت اور ان کی پیروی کرتے تھے،انھیں بزرگ عالم اور ولی اللہ بھی سمجھا جاتا تھا ایک دفعہ عمرو بن لحیہ شام چلا گیا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں تو اس نے بھی اس بات کو اچھا سمجھا دوسری طرف دیکھا جائے تو شام محلِ بعثت انبیاءؑ اور نزولِ کتب آسمانی کا مرکز تھا تاہم عمرو واپسی پر ایک بت بنام ''ہبل'' اپنے ساتھ لایا اور اسے کعبہ میں رکھا،لوگوں کو خدا کی عبادت کے ساتھ اس بت کی بھی پوجا کرنے کی دعوت دی۔عرصہ گزرنے کے بعد اہلِ حجاز نے بھی اہلِ مکہ کی پیروی کرنا شروع کی کیونکہ انکی نظر میں اہل مکہ دین میں ان سے آگے تھے۔عرب کے قدیم بتوں میں سے ایک بت ساحل بحر احمر قدید کے نزدیک نصب تھا جسکا نام ''منات'' تھا اس کے بعد طائف میں بت ''عزیٰ'' بنایا گیا یہ تینوں حجاز کے بڑے بت تھے یوں بت پرستی پورے حجاز میں پھیل گئی جس کے بعد یہ کہا جانے لگا عمرو بن لحیہ ''جن'' سے ملاقات کرتا ہے،جس نے اسے خبر دی ہے کہ قوم نوحؑ کے بت جدہ میں مدفون ہیں جب حج کا موسم آیا تو ان بتوں کو عرب کے قبائل کو بھی دیا گیا جنھوں نے اپنے علاقوں میں ان بتوں کو نصب کیا رفتہ رفتہ عرب کے ہر علاقے اور ہر گھر میں ایک بت رکھا جانے لگا جب پیغمبر اسلامؐ نے مکہ فتح کیا تو کعبہ کے گرد و پیش تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت تھے آپؐ نے ان سب کو نکال کر توڑ دیا۔

جزیرۃ العرب میں بت پرستی

شہید سید محمد باقر الصدر فرماتے ہیں جس وقت نبی کریمؐ سرزمینِ مکہ میں مبعوث ہوئے اور نزول قرآن کا آغاز ہوا تو اس وقت مشرکین مکہ کائنات کے خالق و مدبر کو خدا ہی سمجھتے تھے سورۂ زخرف اور دیگر سورتوں میں بھی اس کا ذکر آیا ہے لیکن ان کا کہنا تھا کہ خدا تک ہماری رسائی ممکن نہیں ہے ہم نہ ہی اس کی بات سن سکتے ہیں لہٰذا ہمارے اور اس کے درمیان شفیع کا واسطہ ہونا ناگزیر ہے ان کا خیال تھا انہوں نے جن بتوں کو اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ بنایا ہے وہ نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں ابتداء میں مشرکین بتوں کے سامنے واسطے کے حوالے سے خاضع ہوتے تھے۔

﴿أُوْلَـٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا﴾ ''جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔'' (اسراء ۵۷)

رفتہ رفتہ ان کی اس انحرافی فکر میں شدت آئی اور انہوں نے اس واسطے کو ہی الوہیت کا درجہ دے دیا۔خدا کے ساتھ تخلیق و تدبیر کائنات میں بتوں کو شریک گرداننا شروع کردیا یوں عرب بت پرستی وصنم پرستی اور شرک میں ڈوب گئے۔سرزمین عرب میں بت پرستی کی بدترین شکل فروغ پانے لگی یہاں تک کہ ہر قبیلہ وشہر کیلئے ایک بت مخصوص ہوتا تھا۔رفتہ رفتہ بت ہر گھر کی ضرورت بن گیا۔اس سلسلے میں کلبی کا بیان ہے مکہ کے ہر گھر میں ایک بت ہوتا تھا گھر کے افراد باہر جاتے وقت اور واپسی پر اسے چومتے تھے حالت یہاں تک پہنچی کہ عرب پتھروں کو بھی مقدس سمجھنے لگے کیونکہ بت پتھروں سے بھی بنتے تھے۔

صحیح بخاری میں ابی رجاء العطاردی سے ایک روایت نقل ہے ہم پتھر کی پوجا کرتے تھے اگر کوئی بہتر چمکدار شکل وصورت کا پتھر ملتا تو پہلے کو چھوڑ کر اس کی پوجا کرنا شروع کردیتے اگر ہمیں پتھر نہ ملتا تو ہم مٹی جمع کر کے اس پر گوسفند کا دودھ دوہتے پھر اس کا طواف کرتے تھے۔عرب جب کسی جگہ طعام (کھانے) یا استراحت کیلئے اترتے تو چار پتھر جمع کرتے ان میں سے ایک کو رب قرار دیتے اور تین کو ثانی یعنی چولہا بنانے کیلئے استعمال میں لاتے لیکن جاتے وقت ان پتھروں کو چھوڑ جاتے۔پتھروں سے ہٹ کر عرب جنوں، ملائکہ اور ستاروں کی بھی پوجا کرتے تھے۔ان کا نظریہ تھا کہ یہ چیزیں ہمارے نفع ونقصان اور تدبیر و تقدیر میں دخل رکھتی ہیں کوئی شخص عرب سرزمین میں بت پرستی کی شکل وصورت کا مسلمانوں کی موجودہ رائج بت پرستی سے موازنہ کرے تو پھر کون احمق ہوگا جو یہ کہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔بت پرستی اس وقت بھی اپنی تمام شکل وصورت میں آب وتاب کے ساتھ روبہ عروج موجود ہے۔آیئے ان میں سے بعض چیزوں کے بارے پر نظر ڈالتے ہیں۔

بت پرستی کی انواع واقسام

سب کے مشترک بت کا نام طاغوت ہے،عربوں میں بت پرستی یا طاغوت پرستی اس وقت سامنے آئی جب انہوں نے کعبہ کے ساتھ ساتھ بعض دوسرے گھروں کی تعظیم واحترام کرنا شروع کی۔جس طرح کعبہ کا احترام کرتے خادم وحاجب بنتے نذرونیاز لاتے،اسکے گرد طواف کرتے اور اس کے سامنے حیوانات ذبح کرتے تھے اسی طرح دیگر گھروں کے ساتھ بھی یہ عمل کرتے تھے تاہم کعبہ کو سب پر فضیلت حاصل تھی کیونکہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ سے منسوب تھا اور عرب اپنے آپ کو نسلِ ابراہیمؑ سے نسبت دے کر فخر محسوس کرتے تھے۔

خاندانی بت خانوں کی ایک فہرست

۱۔عزیٰ: قریش اور بنی کنانہ کیلئے عزیٰ کا بت خانہ تھا ان کیلئے ایک کھجور کا درخت تھا اس کے محافظ قریش سے بنی شیبان جو بنی سلیم میں سے تھے اور بنی ہاشم کے حلیف تھے۔

۲۔لات: بتِ لات طائف میں تھا جس کی پوجا قبیلہ ثقیف کے لوگ کرتے تھے اس کے خادم قبیلہ ثقیف سے بنو مصلف تھے۔

۳۔منات: بتِ منات اوس وخزرج اور ان کے حلیفوں کا تھا جو اہل یثرب سے تعلق رکھتے تھے۔

۴۔ذوالخلصہ: یہ قبیلہ دوس، خثعم اور بجیلہ کیلئے تھا۔

۵۔رعام: خاندان حمیرو یمن کیلئے صنعا میں ایک گھر تھا اس کا نام رعام تھا۔

بت اور بت پرستی سے بیزاری

لکڑی تراش کر، لوہے یا چاندی کو ڈھال کر بت بنائے جاتے تھے ان کو شکل وصورت میں بنائے جانے کی وجہ سے **صنم** کہتے تھے جس بت کا جسم اور شکل وصورت نہ ہوتی اسے وثن کہتے تھے، یہ تعداد میں اعداد وشمار سے باہر تھے پانچ بتوں کا ذکر قرآن کریم کی سورۂ نوح میں آیا ہے۔اسی بڑھتی اور پھیلتی ہوئی بت پرستی کی جنونی حرکت کو دیکھ کر بعض صاحبانِ عقل وشعور مراسم بت پرستی میں برابر کے شریک ہوتے تھے ان کی جنونی و بچگانہ اور غیر عاقلانہ حرکتوں کو دیکھ کر ضمیر انکے اندر سے انکی ملامت کرتے تھے یہ بتوں کے گرد طواف کرتے اور سجدہ ریز ہو کر عرضِ نیاز کرتے تھے۔عوامی جاہلوں کے ریلے کے سامنے خود کو بے بس پاتے لیکن صاحبانِ عقل وشعور کیلئے بیچارگی اور بے بسی میں اسقدر رو بے رہنا بھی سوالیہ نشان ہے! جو لوگ اپنے آپ کو صاحبانِ عقل و شعور کہتے اور اپنے مقابلے میں دوسروں کو احمق و دیوانہ سمجھتے تھے ان میں احمق و دیوانہ ہونا کا فرق کیسے اور کون کرے گا اور کب ہوگا یہ بھی ضمیر کے اندر سے سوال اٹھتا رہتا ہے؟ جنکے ضمیر مردہ ہیں وہ اس تمیز کو بھی دبا کے رکھتے ہیں اور اس جھٹکے کو بھی دبا لیتے ہیں جو انھیں اپنے ضمیر ووجدان کی طرف سے لگتا ہے لیکن جن لوگوں کے ضمیر و وجدان میں کچھ جان ہوتی ہے وہ کسی نہ کسی حوالے سے اظہار کئے بغیر رہ نہیں سکتے۔چنانچہ بت پرستوں کی بت پرستی کے ایک میلے میں چند آدمی اس دیوانے پن و بے عقلی کی حرکتوں پر تنقید کا ایک دوسرے کے ساتھ مظاہرہ کئے بغیر نہ رہ سکے اور آخر میں ایک دوسرے سے اظہار کرنے پر مجبور ہو گئے کہ تمہاری قوم کی اس حرکت کا حقیقت سے دور کا واسطہ نہیں۔وہ دین ابراہیمؑ پر ہوتے ہوئے بھی ان پتھروں کا طواف کر رہے ہیں یہ پتھر کیا ہے نہ بولتا ہے اور نہ سنتا ہے نہ پوجنے والوں کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ کوئی نقصان لہٰذا بہتر ہے کہ اس کو چھوڑ کر کسی اور دین کی تلاش کی جائے ان کا ذکر کتب تواریخ میں اس طرح آیا ہے:

۱۔ ورقہ بن نوفل بن خویلد: یہ دین حق کی تلاش کرتے ہوئے نصرانی ہو گئے۔

۲۔عبداللہ بن جحش: یہ دین تلاش کرتے کرتے آخر میں پیغمبرؐ کے ہاتھوں مسلمان ہوا۔مسلمانوں کے ساتھ حبش میں ہجرت کی انکے ساتھ ان کی زوجہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان بھی تھیں یہ اس وقت مسلمان ہو چکی تھیں حبش پہنچنے کے بعد عبداللہ بن جحش اسلام سے مرتد ہو کر نصرانی ہو گیا ام حبیبہ الگ ہو گئیں بعد میں پیغمبرؐ نے انھیں اپنے عقد میں لے لیا۔

۳۔عثمان بن حویرث: دین تلاش کرتے کرتے بادشاہ روم کے پاس پہنچا اور نصرانی ہو گئے اور وہاں سے مقام ومنزلت حاصل ہوئی۔

۴۔زید بن عمرو بن نفیل: یہ نہ یہودی ہوا نہ نصرانی بلکہ بت پرستی سے بھی الگ رہا اور ہمیشہ اہل مکہ کو بت پرستی پر طنز وملامت کرتا تھا اہل مکہ نے غصہ میں آکر اسے ترک مکہ کرنے پر مجبور کیا تو یہ شہر چھوڑتے ہی مر گیا۔اس طرح عرب سرزمین میں جہاں بت پرستی اپنے عروج پر پہنچی تھی وہاں لوگ بت پرستی سے تنگ آچکے تھے۔

عربوں کی دینی حالت

دورِ جاہلیت کے دینی مظاہر جلی میں شرک و بت پرستی شامل تھی لیکن عرب خود کو دین ابراہیمؑ کا پیروکار بھی سمجھتے تھے۔اہل مکہ متعدد عادات و رسومات اور شرک و بت پرستی میں جکڑے ہوئے تھے جن میں سے اکثر و بیشتر خرافات عمرو بن لحیہ کی ایجاد کردہ تھیں لیکن اہل مکہ کا کہنا تھا کہ عمرو بن لحیہ کی ایجاد کردہ چیزیں بدعت حسنہ اور دین ابراہیمؑ کی منافی نہیں ہیں ان کے بت پرستی پر مشتمل مختلف مراسم اور طور و طریقے ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ یہ بتوں سے پناہ حاصل کرتے، انہیں اپنے سینے سے لگاتے اور انہی سے اپنی مشکلات کیلئے فریاد کرتے۔مشرکین مکہ کا عقیدہ تھا کہ جب ہم بتوں کو پکارتے ہیں تو یہ خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہماری حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔

۲۔بتوں کے پاس جاتے اور انکے گرد طواف کرتے ان کے سامنے خود کو خاضع و ذلیل سمجھتے اور سجدہ کرتے۔

۳۔مال اور دیگر انفاق کے ذریعے بتوں سے تقرب حاصل کرنے کیلئے حیوانات و گوسفند اور اونٹ بھی ان کے نام پر ذبح کرتے۔مشرکین کا بتوں کے نام پر ان کے سامنے حیوانات ذبح کرنے کا عمل اور مذبوح حیوانات کے گوشت کھانے سے منع کرنے کا ذکر قرآن کی ان آیات میں آیا ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ ”حرام کیا گیا ہے تم پر مردار، خون خنزیر کا گوشت اور وہ جانور کہ پکارا گیا ہو غیر اللہ جس پر اور گلا گھٹ کر یا چوٹ سے یا بلندی سے گر کر یا سینگ لگنے سے اور وہ جسے کھایا ہو درندے نے، مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا اور وہ بھی جو ذبح کیا گیا ہو آستانے پر۔“ (مائدہ ۳)﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهٗ لَفِسْقٌ﴾ ”اور مت کھاؤ اس میں سے کہ نہ لیا گیا ہو نام اللہ کا اس پر اور بے شک ایسا کرنا فسق ہے۔“ (انعام ۱۲۱)

۴۔تقرب حاصل کرنے کی انواع میں سے ایک یہ تھی کہ اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں سے کچھ بتوں کیلئے مخصوص کرتے بتوں کیلئے ان چیزوں کے مختص کرنے کے بارے میں کہتے کہ یہ خدا کا حصہ ہے لہٰذا حیوانات اور زراعت میں سے ایک حصہ مختص کرنے کو اپنا حق سمجھتے تھے۔اپنے اس عمل کی تائید کیلئے مزید کہتے کہ ہماری رسائی صرف بتوں تک ہے۔اس کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں آیا ہے:

﴿وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلٰى شُرَكَائِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ ”اور کرتے ہیں اللہ کیلئے اسی کی پیدا کردہ کھیتی سے اور مویشیوں سے ایک حصہ پھر کہتے ہیں یہ اللہ کیلئے ہے ان کے اپنے خیال میں اور یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کیلئے ہے پس جو حصہ ہے ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کا وہ نہیں پہنچتا اللہ کو اور جو ہے

اللہ کا وہ پہنچ جاتا ہے ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بہت برا ہے جو فیصلہ وہ کرتے ہیں۔" (انعام ۱۳۷)

۶۔ انھوں نے حیوانات میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام جعل کیے:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ "اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔" (مائدہ ۱۰۳)

ابن اسحٰق کا بیان ہے:

۱۔بحیرہ وسائبہ: بحیرہ سائبہ کی بچی کو کہا جاتا تھا جبکہ سائبہ اونٹنی کو کہتے جو دس مادہ بچوں کو جنم دیتی تھی اور درمیان میں کوئی نر پیدا نہ ہوتا تھا مشرکین مکہ اس پر سوار نہیں ہوتے تھے، اس کے بال نہیں کاٹے جاتے تھے اور بتوں کے نام پر اسے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد یہ اونٹنی جو مادہ بچہ جنتی، اس کا کان چیر دیا جاتا تھا اور اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ اس پر بھی سواری نہ کی جاتی اس کے بال نہ کاٹے جاتے اور مہمان کے سوا کوئی اس کا دودھ نہیں پیتا تھا۔

۲۔وصیلہ: وصیلہ اس بکری کو کہا جاتا تھا جو پانچ (۵) دفعہ پے درپے دو دو مادہ بچے جنتی تھی اور درمیان میں کوئی نر پیدا نہ ہوتا تھا۔ اس بکری کو اس لئے وصیلہ کہا جاتا تھا کہ وہ سارے مادہ بچوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتی تھی۔ اس کے بعد اس بکری سے جو بچے پیدا ہوتے انھیں صرف مرد کھا سکتے تھے۔ البتہ کوئی بچہ مردہ پیدا ہوتا تو اسے مرد و عورت دونوں کھا سکتے تھے۔

دور جاہلیت کی بت پرستی کے اس طریقہ کا ذکر سورہ انعام کی آیت ۱۴۰ میں آیا ہے:

﴿وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ﴾ "اور وہ کہتے ہیں کہ جو چیز ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کیلئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہے تو اس پر سب برابر ہیں۔"

۳۔حام: حام اس نر اونٹ کو کہتے تھے جس کی جفتی سے یکے بعد دیگرے دس (۱۰) مادہ بچے پیدا ہوتے، درمیان میں کوئی نر نہ پیدا ہوتا نہ اس پر سواری کی جاتی تھی نہ ہی اس کے بال کاٹے جاتے تھے۔

عرب دورِ جاہلیت میں اس طرح کے سارے کام بتوں سے مربوط ہو کر کرتے اور اسے خدا کے ساتھ تقرب سمجھتے تھے، ان آیات میں ان کے کاموں کی مذمت کی گئی ہے:

﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ "جان لو! اللہ ہی کا حق ہے خالص عبادت واطاعت اور وہ لوگ جنہوں نے بنا رکھے ہیں اس کے سوا دوسرے سرپرست کہ نہیں عبادت کرتے ہم ان کی مگر اس غرض سے کہ پہنچا دیں وہ ہمیں قریب اللہ کے کسی درجے میں" (زمر ۳)

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ "اور یہ عبادت کرتے

ہیں اللہ کے سوا ان کی جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں انہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہماری سفارش کرنے والے ہیں اللہ کے حضور" (یونس۱۸)

استقسام ازلام

﴿وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ﴾ "اور یہ کہ قسمت معلوم کرو تم جوئے کے تیروں سے۔" (مائدہ۳)

دورجاہلیت میں ازلام عربوں کے ہاں طلب تقسیم کیلئے استعمال ہونے والے تیروں کو کہتے تھے جو کہ لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے تھے اور ان تیروں میں سے بعض پر "امرنی ربی" بعض پر نہانی ربی" اور بعض پر کچھ نہیں لکھا ہوتا تھا مشرکین کسی سفر پر جانے سے پہلے کعبے کے خادم یا کسی کاہن کے پاس جاتے تو خادم اپنی تھیلی میں رکھے لکڑی کے تیروں کو ہلاتا بعد ازاں ان تینوں میں سے ایک تیر نکال لیتا اگر اس پر "امرنی ربی" لکھا ہوا ہوتا تو وہ سفر پر چلے جاتے اور اگر کچھ نہ لکھا ہوتا تو دوبارہ اس عمل کو دہراتے لیکن اگر "نہانی ربی" لکھا ہوا تیر ہوتا تو وہ سفر نہیں کرتے تھے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس رب نے انہیں امر یا نہی کیا ہے وہ رب اعلیٰ، رب ارباب تھا یا وہ رب تھے جن کی پرستش کرتے تھے اگر وہ یہ کہتے اس سے مراد رب ارباب ہے تو ان کو کیسے پتہ چلتا کہ خدا نے انہیں امر یا نہی کیا ہے لہٰذا یہ جھوٹ تھا اگر اس سے مراد وہ رب تھے جن کی وہ پرستش کرتے تھے تو یہ اپنی جگہ باطل ہے تھا کیونکہ وہ قدرت امر و نہی نہیں رکھتے لہٰذا ان سے طلب تقسیم یا طلب فیصلہ کرنا اپنی جگہ باطل ہے۔

ازلام

ازلام زلم کی جمع ہے یہ لکڑی کا ایک ٹکڑا تیر کی شکل میں ہوتا تھا تا ہم اس کا پھل نہیں ہوتا ہے۔ مشرکین اس کے بارے میں اعتقاد بھی رکھتے تھے اور مادی فائدہ بھی لیتے تھے جب وہ کوئی کام کرنا یا سفر پر جانا چاہتے تو پہلے کعبہ کے پاس جاتے اور صاحب ازلام سے مشورہ کرتے تھے۔ بت ہبل کے پاس سات تیر ہوتے تھے جس پر ان کے بارے میں فیصلہ لکھا ہوتا تھا اس میں سے ایک تیر کو نکالتے اور اس پر تحریر شدہ بات پر عمل کرتے۔

صاحب طبری کا کہنا ہے کہ ازلام تین قسم کے تھے ایک پر افعل، دوسرے پر لاتفعل اور تیسرا خالی ہوتا تھا۔ ان کو تھیلی میں رکھ کر ہلاتے ان میں سے ایک تیر نکالتے اگر اس پر افعل لکھا ہوتا تو وہ متعلقہ کام انجام دیتے لیکن اگر "لاتفعل" لکھا ہوتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے تھے اور اگر وہ تیر نکلتا جس پر کچھ لکھا نہ ہوتا تو وہ دوبارہ یہی عمل دہراتے۔ یہ عمل جنگ، سفر، شادی اور خرید و فرخت سے پہلے کیا کرتے تھے اور اس عمل سے مادی فوائد بھی حاصل کرتے تھے یہ عمل آجکل کی قماربازی کی مانند تھا۔ جس میں گوسفند اور اونٹ وغیرہ ادھار پر خریدتے اور اسے ذبح کر کے اس کے اٹھائیس یا دس حصے کرتے تھے اور ہر ایک کا نمبر لگاتے پھر ان میں سے جس کا نمبر نکلتا وہ حصہ حاصل کرتے تھے یہاں دس قسم کے تیر ہوتے تھے جن میں سے سات پر حصص لکھا ہوتا اور تین خالی ہوتے تھے، جس تیر پر "الفذ" لکھا ہوتا اس کا مطلب ایک حصہ ہوتا تھا دوسرے پر "التوأم" لکھا ہوتا جس کا مطلب دو حصے، تیسرے پر "الرقیب" یعنی تین حصے، چوتھے پر "الحلس" یعنی چار حصے، پانچویں پر "النافر" یعنی پانچ حصے، چھٹے پر "المسبل" یعنی

چھ حصے، ساتویں پر "المعلی" یعنی سات حصے۔ باقی تین تیروں میں سے ایک پر "المنیع" دوسرے پر "السفیع" اور تیسرے پر "الوغد" لکھا ہوتا تھا۔ جن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا وہ صرف قیمت دیتے تھے، یہ ایک قسم کی قماربازی تھی جو اس وقت رائج تھی۔

نطفہ کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کے بارے میں بھی پانسہ ڈالتے اور تیروں پر منکم، غیر منکم اور ملصق لکھتے، اگر کسی کے نسب میں شک ہو جاتا تو اسے ہبل کے پاس لے جاتے، اس کے متولی کے پاس قربانی دیتے پھر فال نکالتے اگر فال منکم نکلتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا یہ انہیں میں سے ہے اور اگر غیر منکم ہوتا تو اس کا مطلب لیتے یہ حلیف کے نطفہ سے ہے لیکن اگر ملصق ہوتا تو کہتے کہ یہ گھر میں رہنے والوں میں سے ہے نہ کہ نسب اور حلف سے۔

بعض کے مطابق عرب ازلام کے ذریعے تقسیم کا عمل انجام دیتے زلم اس ظرف کو کہتے ہیں جس کا دستہ نہیں ہوتا، ان کے پاس تین اقسام کے ازلام ہوتے تھے بعض تیروں پر "لا" لکھا ہوتا اور بعض پر "نعم" لکھا جاتا تھا۔ مشرکین سفر پر جانے، شادی بیاہ اور خاص کام کرنے سے پہلے ہبل کے پاس جاتے اور اس کے متولی سے استخارہ کراتے اگر نعم نکلتا تو متعلقہ عمل کو انجام دے دیا جاتا لیکن اگر لا نکلتا تو وہ کام سال بھر کیلئے ملتوی کر دیا جاتا، دوسرے سال پھر اس عمل کو دہراتے تھے۔

تغیر و محافظہ کاری

احادیث میں آیا ہے عوام الناس گلہ گوسفند کے مانند ہوتے ہیں جہاں سے کوئی آواز اٹھتی ہے اسی کی طرف رخ کرتے ہیں۔ خداوند متعال کی طرف سے انبیاءؑ آئے تا کہ انسان کو حیوانی سوچ، حیوانی طرز زندگی اور حیوانی اہداف کے حصول کی مہم جوئی سے نکال کر ان کا رخ اعلیٰ وارفع مقاصد کی طرف موڑا جا سکے جس کیلئے انھیں پیدا کیا گیا ہے۔ انبیاءؑ انسان کے اندر بنیادی تغیر و تبدیلی کیلئے تشریف لائے وہ چاہتے تھے کہ انسانوں سے ایک دوسرے کے استحصال، لوٹ مار، جرم و جنایت اور ان کی درندہ صفت سرگرمیوں کا خاتمہ کریں اور انہیں حد سے تجاوز کرنے نفرت اور انحراف و گمراہی سے باز رکھیں۔ یہ انبیاءؑ کا منشور اور ان کی بعثت کا ہدف تھا، یہی ہدف و منشور ان کی عملی سیرت تھی۔ ان کے مقابل میں وہ جرائم پیشہ لوگ تھے کہ جن کا مفاد انسان کو اسی حالت زار میں رکھنے میں مضمر تھا۔ ان کی امنگیں اسی قابل مذمت طرز زندگی سے پورا ہوتی تھیں۔ انہی کمزور و مظلوم لوگوں کی کمائی سے ان کی عیش و طرب کی محافل و مجالس گرم ہوتی تھیں۔ وہ یقیناً اس دعوت انبیاءؑ کو پھلتے پھولتے دیکھنا نہیں چاہتے تھے اور ہر قیمت پر انبیاءؑ کا راستہ روکنے اور موجود حالت اور اس کی ابتری کو جوں کے توں رکھنے کے خواہاں تھے۔ آج بھی اسی ذہنیت و عمل کے لوگ موجود ہیں جنہیں قرآن نے کبھی مشرکین اور مستکبرین قرار دیا ہے یہ وہ گروہ ہے جن کے کمزور لوگوں کی حالت زار سے مفادات وابستہ تھے۔ انہوں نے انبیاءؑ اور ان کے اہداف و مقاصد کو کامیابی سے ہمکنار ہونے سے روکنے کیلئے ان کی راہ میں روڑے اٹکائے، اور اپنے اس مذموم عمل کے انجام آوری کیلئے ہر وسیلے اور ذریعہ کو استعمال کیا۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ وہ روز اول سے ہی انبیاءؑ کے مد مقابل سدِ راہ بنے رہے۔

انبیاءؑ اپنے مشن کو آگے بڑھانے کیلئے تین چیزیں مدنظر رکھتے تھے۔

۱۔وہ اپنی دعوت کی حقانیت پر یقین محکم رکھتے تھے۔
۲۔وہ خدا کی نظر عنایت پر یقین رکھتے تھے۔
۳۔دنیا کے تکلیف دہ حالات سے گزرنے کے بعد جنت رضوان پر کامل یقین رکھتے تھے۔

لہٰذا وہ ہر قسم کی مشکل اور مصیبت کو نظر انداز کر کے آگے بڑھتے تھے۔متکبرین و مفاد پرستوں نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے انبیاءؑ کی حکمت عملی، صبر و استقامت اور خدا پر اعتماد و بھروسے اور غیر متزلزل عزم و ارادے کو پیش نظر رکھ کر اپنے آپ کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا بعد ازاں ہر گروہ کیلئے الگ الگ ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔

پہلا گروہ: پہلے گروہ کا کام یہ تھا کہ وہ انبیاءؑ کی ہر قسم کی تکذیب کرے اور انہیں جھٹلائے اور لوگوں کو ان پر اعتماد کرنے سے باز رکھے۔

دوسرا گروہ: دوسرے گروہ کے ذمے قتل و غارت گری اور جلاؤ گھیراؤ ہوتا جو کہ اس وقت سب سے سستا اور آسان کام سمجھا جاتا تھا۔

تیسرا گروہ: متکبرین کا بنایا ہوا تیسرا گروہ وہ تھا جو لباسِ دینی زیب تن کیے رنگِ مذہبی اپنائے ہوئے پاسدار و محافظ دین اور دین و مذہب کے دردمند ہونے کا نعرہ بلند کر کے تمام باطل اور خرافات کی نہ صرف پاسداری کرتا تھا بلکہ ان کے فروغ کیلئے عطیات، صدقات اور چندہ بھی اکٹھا کرتا تھا تاکہ اپنے لئے پرکشش ذریعہ آمدن بنانے کے علاوہ انبیاءؑ اور ان کی مقصد کے حصول کیلئے جدوجہد اور راہ ہموار کرنے والوں کا راستہ بھی روک سکیں۔

☆اخلاق

دورِ بعثت میں جزیرۃ العرب کی اجتماعی صورتحال

جب اہل بحث و تحقیق کسی زمانے، علاقے، قوم کی اجتماعی صورتحال کا تجزیہ و تحلیل کرنا چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل موارد کے بارے میں بحث کرتے ہیں:

۱۔گھر کے اجتماعی حالات یعنی مرد و عورت ''جو پہلا اجتماعِ انسانی ہے'' کس شکل و صورت میں موجود تھا۔
۲۔ایک انسان کا اپنے قوم و عشیرہ کے ساتھ کیا سلوک تھا۔
۳۔ایک قبیلے کا دوسرے قبائل و عشائر کے ساتھ کیا سلوک تھا۔

مرد اور عورت

ہماری تاریخ نویسی اور تاریخ بیانی میں ایک بڑا نقص و عیب یہ دیکھا گیا کہ تاریخ لکھتے وقت تمام صورتحال کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا اور ایک ہی زاویئے کو اٹھانے پر اکتفا کیا جاتا ہے جو کہ تاریخ پر ایک قسم کا ظلم اور جنایت ہے۔اگر کوئی کسی قوم کے حالات کے بارے میں کچھ لکھنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ تمام حالات کو تحریر میں لائے۔مثال کے طور پر آج کل ہمارے ملک میں شراب نوشی کو فروغ حاصل ہے تو یہ کہنا غلط ہوگا کہ سب شرابی ہیں کیونکہ یہاں شراب سے نفرت کرنے والے بھی موجود ہیں۔ غرض دورِ جاہلیت میں مرد و عورت کے تعلقات بھی اسی طرح کے تھے جس طرح آج ہمارے ہاں آج کل مختلف شکل و صورتوں

میں موجود ہیں۔بڑے گھرانوں میں عورت اچھی خاصی آزادی رکھتی تھی وہ اپنے قول وفعل میں خودمختار اوراپنے خاندان میں محفوظ ومحترم مقام رکھتی تھی اس کی حفاظت کی خاطر جنگ ہوتی تھی ان خاندانوں میں عورت اتنا مقام ومنزلت رکھتی تھی کہ اگر کوئی عرب اپنا تعارف کرانا چاہتا یا دوسرے سے اس کا تعارف کرانا چاہتے تو عورت کے ساتھ خطاب منسوب کرکے بات کرنے کو پسند کرتے تھے کبھی بڑے بڑے خاندانوں میں عورت ہی جنگ کی آگ کو بھڑکاتی تھی چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب ابوسفیان نے مکہ میں اعلان کیا کہ محمدؐ ایک بڑا لشکر مکے میں لارہے ہیں تمام لوگ اپنی جان ومال کو بچانے کیلئے گلی کوچوں سے گھروں میں چلے جائیں ہم اس بڑے لشکر کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو اس کی بیوی ہندہ نے اسکی داڑھی پکڑ کر قوم سے خطاب کیا اس شیخ کو قتل کرو یہ قوم کا خائن ہے۔یہی ہندہ جنگ احد میں بھی قریش کو پیغمبرؐ کے خلاف اُکسانے والی چلتی پھرتی متحرک عورت تھی لیکن یہ بات مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ اتنی آزادی وخودمختاری محترم اور صاحب حل وفصل ہونے کے باوجود گھر کی سرپرستی مرد کے ہاتھ میں ہوتی تھی فیصلہ آخر میں مرد کا ہوتا تھا۔بڑی سے بڑی صاحب حیثیت اور مقام ومنزلت کی حامل عورتوں کے عقدوازدواج کا اختیار خاندان کے بزرگوں کے ہاتھ میں ہوتا تھا یہ فیصلے اجنبی اجتماعات، گلی کوچوں، رقاصہ خانوں، کھیل کود کے میدانوں اور عزیزواقارب سے چھپا کر نہیں ہوتے تھے۔زمانہ جاہلیت میں تمام عورتوں کے زندہ درگور اور ذلیل وخوار ہونے کی بات درست نہیں جیسا کہ فرزدق عرب کا معروف شاعر جو زمانِ خلافتِ بنی امیہ میں شامل تھا اپنے حریف ورقیبوں کے مقابل میں اپنی تعریف کرتے ہوئے کہتا کہ ہم اس خاندان سے ہیں جو زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو خرید کر آزاد کرنے والے تھے۔

جاہلیت

علماء نے لغت اورآیاتِ قرآنی سے جاہلیت کے مختلف معانی پیش کئے ہیں۔یہاں سے کہتے ہیں کہ اسلام آنے سے پہلے پوری دنیا یا جزیرۃ العرب جاہلیت کے دور سے گزر رہا تھا جسے بعض قُرونِ اولیٰ بھی کہتے ہیں لیکن ارباب تاریخ وسیرت نویسان لکھتے ہیں کہ یہ ایک نسبی ہے اسلام کی آمد سے پہلے پوری دنیا یا جزیرۃ العرب بالکل ان پڑھ وانجان تھا اور لوگ کچھ بھی نہیں جانتے تھے یعنی حیوانی زندگی بسر کررہے تھے ایسا نہیں ہے بلکہ عرب اوراس کے گردونواح میں دنیا ثقافت وتمدن رکھتی تھی، یہاں پر ہم نے سرزمینِ مکہ کو لیا ہے کہ یہاں کے رہنے والے بالکل جاہل وانجان نہیں تھے اس کی چند مثالیں ہیں:

۱۔لغت عرب میں آیا ہے کہ انگور کی ابتداء کے پھول سے لے کر زیب بننے تک کیلئے عربوں نے چالیس لفظ ذکر کئے ہیں اسی طرح تلوار کیلئے پچاس اور شیر کیلئے ایک سوبیس (۱۲۰) نام ذکر کئے ہیں آسمان کے بہت سے ستاروں کے نام انہوں نے وضع کیے ہوئے تھے۔اسی طرح نباتات اور حیوانات حتیٰ خود انسان کے مراحل ومراتب اور نمو کیلئے الگ الگ کلمات وضع تھے۔

۲۔جزیرۃ العرب کے شمال مغرب میں باقاعدہ ایک مستقل حکومت قائم تھی جسکا نام مملکتِ نمسانسہ تھا جو روم کی حلیف تھی لیکن اپنے لئے کچھ استقلال بھی رکھتی تھی، عراق میں ایک قسم کی مستقل حکومت تھی جو ایران کی حمایت میں تھی۔سرزمینِ حجاز میں کعبہ کے بیت اللہ ہونے کی وجہ سے مکہ قابل احترام سرزمین تھی اور عرب یہاں حج کرتے تھے۔اس بیت کے حج

کیلئے اطراف واکناف سے آنے والے حجاج کی خاطر قتل وغارت گری اور جنگ وغیرہ کو جوان کی سنت تھی اسے چار مہینے ممنوع قرار دیا جاتا تھا تا کہ لوگ امن وسلامتی سے حج کر سکیں۔

جاہلیتِ عرب کی بُری عادات وتقالید

عرب میں دورِ جاہلیت کی بُری عادات وتقالید میں سے ایک لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا تھا تاہم اس کے اسباب وعوامل کے تجزیہ وتحلیل کے حوالے سے مختلف گروہوں میں اختلاف ہے:

۱۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ لوگ ننگ و عار سے بچنے کیلئے ایسا کیا کرتے تھے کیونکہ حالتِ جنگ میں شکست کی وجہ سے یہ دشمن کے ہاتھ اسیر ہو جاتے تھے۔

۲۔ مرد لڑکیوں کو اپنے عزیز واقارب یا والدین اور برادران کیلئے ایک گراں فالتو بوجھ سمجھتے تھے۔ انکا خیال تھا کہ لڑکیاں نہ تو جنگ کر سکتی ہیں اور نہ ہی گھر کو بچا سکتی ہیں۔

۳۔ بعض کا خیال ہے کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اقتصادی زندگی میں بغیر کمائے کھاتی ہیں جس کے نتیجے میں انسان دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ غرض جو بھی ہو یہ عمل بعض عشائر وقبائل میں رائج تھا اسلام نے اسے حرام قرار دیا:

﴿وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ☆ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ ''اور جب زندہ گاڑی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ آخر کس گناہ پر مارا گیا اسے۔'' (تکویر ۹،۸)

یہ بات باعث تحقیق ہے کہ یہ عمل کس حد تک عرب معاشرے میں رائج تھا کیونکہ مبالغہ گوئی اور قصہ سازی انسانی فطرت میں ہے۔ تاریخ اسلامی کا کوئی باب ایسا نہیں جو افراط وتفریط سے بچ گیا ہو۔ ہمیں نصوصِ اسلام قرآن کریم کی آیات اور روایاتِ معتبر ومستند کو بنیاد بنا کر کمالِ احتیاط اور تحقیق سے بولنا اور لکھنا چاہیے کیونکہ بے لگام وغیر محدود تعریف بھی قابل مذمت ہے، اسی طرح غیر محدود تنقید بھی قابل مذمت ہے۔ اگر یہ ایک عام اور شائع عمل ہوتا تو عرب میں عورتیں ناپید ہو جاتیں۔

بعض عوامل کے بارے میں جیسا کہ قرآنِ کریم نے اشارہ کیا ہے کہ عرب یہ فعل فقر کے خوف سے انجام دیتے تھے۔ خوفِ فقر میں انسان قتل کرنے میں لڑکے لڑکی کے فرق کا لحاظ نہیں کرتا۔ یہ کہنا کہ لڑکے کو اس وجہ سے چھوڑ دیتے تھے کہ لڑکا کماتا ہے یہ بات چنداں معقول نہیں ہے کیونکہ لڑکے کے جوان ہو کر کمانے کی حد کو پہنچنے کیلئے ۱۶، ۱۷ سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے اور اس عرصہ میں والدین فقر وفاقہ میں ڈوب جانے کا سوچ سکتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں زیادہ تر آیات اولاد کے قتل کی مذمت کے بارے میں ہیں جن میں لڑکے یا لڑکی کا خاص ذکر نہیں آیا ہے بلکہ اسکا سبب فقر بتلایا گیا ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾ ''اور نہ قتل کرو تم اپنی اولاد کو ڈر سے افلاس کے ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں بھی اور تمہیں بھی بیشک ان کا قتل کرنا ہے جرم بہت بڑا۔'' (اسراء ۳۱)

(انعام ۱۳۷، ۱۴۰، ۱۵۱) البتہ لڑکیوں کا ذکر (تکویر ۹،۸) میں آیا ہے باقی میں اولاد کا ذکر ہے۔

۴۔یہ کہنا بھی غلط ہے کہ لڑکیاں جنگ وجدال میں کام نہیں آتی تھیں، تاریخ جنگ وجدال بتاتی ہے کہ لڑکیاں جنگوں میں شریک ہوتی تھیں، دف وڈھول بجاتیں اوراپنے مردوں کو جنگ کا شوق دلاتیں، اسی طرح علاج ومعالجہ اور تیمارداری کرتی تھیں۔
۵۔عصر حاضر کی جاہلیت اور ٹیکنالوجی میں بھی اولاد (لڑکا ہو یا لڑکی) کے قتل کا سلسلہ وقتاً فوقتاً اور مختلف شکل وصورت میں انجام پا رہا ہے اسی طرح فقر و فاقہ کے ڈر سے والدین اپنے نونہالوں کو فروخت کر رہے ہیں؟ یعنی اولاد سے دستبردار ہونا قتل نہیں تو کیا ہے؟
۶۔ تاریخ میں کہیں نہیں ملتا ہے کہ دورِ جاہلیت میں لڑکیوں کی کمی کی وجہ سے شادی میں مشکلات پیدا ہوتی تھیں۔
۷۔دورِ جاہلیت کی عادات میں سے ایک کثرت سے زوج کا عمل تھا جسے لوگ برا نہیں سمجھتے تھے اگر لڑکیوں کی تعداد کم ہوتی تو زوجات کی تعداد زیادہ ذکر نہ ہوتی اور لوگ اسے برا سمجھتے اس کا مطلب ہے لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔

تصویر کا ایک رُخ

اہل جاہلیت کا اخلاق

دورِ جاہلیت میں لوگ سطحی سوچ رکھنے کے علاوہ بُرے اخلاق وکردار کے مالک بھی تھے اوراچھے فضائل کے مالک بھی یا پھر ان میں نیک خصلت نامی کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ایسے تصورات ازروئے عدالت ایک پلڑے کو نیچے دبا کر دوسرے پلڑے کو اوپر اٹھانے کے مترادف ہیں۔حقیقت میں ایسا ہے کہ جہاں ایک طرف ان میں بری صفات تھیں وہاں دوسری طرف وہ اعلیٰ اخلاق کے مظہر بھی تھے۔ذیل میں ہم عرب جاہلیت میں رائج کچھ نیک خصائل واخلاق کی مثالیں پیش کرتے ہیں:

۱۔صاحبانِ جودوکرم: عرب سخاوت کو اپنے اور خاندان کیلئے آباء واجداد کا طرۂ امتیاز سمجھتے اور اس کا اظہار اپنے اشعار میں بھی کرتے تھے۔کسی بھی وقت بخل وکنجوسی کرنے کو ناقابل بخشش گناہ سمجھتے تھے۔اگر انتہائی سرد وگرم موسم میں کسی کے پاس کوئی بھوکا پیاسا مہمان آجاتا اور ان کے پاس مال دنیا کے حوالے سے کوئی چیز موجود نہ ہوتی تو وہ اونٹ ''جوان کے اوران کے گھرانے کیلئے سرمایہ حیات ہوتا تھا'' اسے بھی جوشِ جودوکرم میں ذبح کر دیتے تھے اسی خصلت کے پیش نظر وہ لوگوں کے ذمہ کثیر دیات کو بھی اپنی جیب سے ادا کرتے تا کہ کسی کی جان کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے اس کام سے وہ اجتماع میں جا کر فخر ومباہات کرتے بعض اوقات اس کام میں افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے،عرب شراب نوشی کی تعریف کرتے تھے وہ شاعر جو شراب نہیں پیتے تھے وہ بھی شراب پلانے کو جود وکرم کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے لہٰذا عرب اسی مناسبت سے انگور کو کرم کہتے تھے۔

۲۔عہدووفا: عہدووفا پر قائم رہنا دورِ جاہلیت کے دین میں شمار ہوتا تھا وہ عہدوپیمان پر قائم رہنے کی راہ میں اولاد کی جان جانے اور گھروں کو ویران ہونے کو بھی حقیر اور نا چیز سمجھتے تھے۔

۳۔عزتِ نفس مجروح ہونے ،ذلت وخواری اور ظلم وزیادتی برداشت کرنے سے انکار: یہ صفت ان کی شجاعت اور

غیرت میں انتہا کی وجہ سے تھی یہ کسی بھی ایسے کلمے کو "جس سے ان کی عزتِ نفس مجروح یا ذلت کا احساس ہوتا" اسے برداشت نہیں کرتے تھے۔اس کے خلاف فوراً تیر وتلوار اور نیزہ و ڈھال اٹھا کر جنگ کی آگ بھڑکاتے اور اسی راہ میں وہ جان و مال تک کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

۴۔عزم وارادہ میں پختگی: عزم وارادہ میں پختہ تھے جس چیز میں بزرگی اور باعث فخر دیکھتے اس کے حصول میں کسی رکاوٹ کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

۵۔حلم وبردباری: ان کے پاس حلم و بردباری اور متانت ومحبت بہت محترم تھی۔یہ شجاع اور جنگجو ہونے کے باوجود ان چیزوں کو پسند کرتے تھے۔

۶۔صداقت وامانت داری: عوامی اور دیہاتی زندگی کو پسند کرتے اور تجمّل وترقی امتیازات سے دور رہتے جبکہ صداقت،امانت داری اور دھوکہ دہی سے نفرت کرتے تھے۔یہی چیزیں ان کے اخلاقِ حمیدہ کا سبب بنیں اورانہوں نے رسالتِ آسمانی کو جلد قبول کیا اور انسانیت ونوعِ بشر کی قیادت سنبھالی۔

۷۔جمع اختین اور ماں سے شادی نہیں کرتے تھے اسی طرح سوتیلی ماں سے شادی کرنے کو عیب سمجھتے تھے۔

ان صفات نے عربوں کو دنیائے بشریت کیلئے ایک گراں قدر قوم ہونے کا اہل بنایا۔خاص طور پر عہد و پیان پر پابندی، عزم وارادہ میں استحکام اور عزتِ نفس کا نگہبان ہونا اسکا سبب تھا۔

تصویر کا دوسرا رُخ

معبودِ واحد سے عاری ظلمتوں سے بھرا ماحول

مشرکین عرب عرافوں،کاہنوں اور نجومیوں کے اخبار پر بے حد اعتماد و بھروسہ کرتے تھے۔یہ لوگ آئندہ ہونے والے حوادث کے بارے میں پیشن گوئی کرنے یا دیگر اسرار کا دعویٰ کرتے تھے بعض کاہن یہاں تک کہتے کہ یہ خبریں انہیں ایک جن لا کر دیتا ہے جو ان کے تابع ہے۔بعض کہتے تھے کہ ہمارے پاس ایسے مقدمات واسباب موجود ہیں جن کی مدد سے ہم لوگوں کے احوال کا جواب دیتے ہیں۔عراف کا یہ دعویٰ تھا کہ جو آدمی ان سے کوئی بات پوچھنے آتا ہے تو وہ کچھ مقدمات واسباب کے ذریعے جائے واردات کا پتہ لگا کر دیتے ہیں۔نجومی ستاروں پر نظر رکھتے اور ان کی حرکت کو دیکھ کر آئندہ عالم میں دگرگون ہونے والے حالات کی پیشگوئی کا دعویٰ کرتے۔نجومیوں کے اخبار کی تصدیق کرنا درحقیقت ایمان بہ نجوم ہے۔دورِ جاہلیت کے مشرکین میں بدشگونی کا بھی رواج تھا اسے عربی میں طیرہ کہتے ہیں اس کی صورت یہ تھی کہ مشرکین کسی چڑیا یا ہرن کے پاس جا کر اسے بھگاتے تھے پھر اگر وہ داہنے جانب بھاگتا تو اسے اچھائی اور کامیابی کی علامت سمجھ کر اپنا کام کر گزرتے اور اگر بائیں جانب بھاگتا تو اسے نحوست کی علامت سمجھ کر اپنے کام سے باز رہتے اسی طرح اگر کوئی چڑیا یا جانور راستہ کاٹ دیتا تو اسے بھی منحوس سمجھتے۔بعض دنوں،مہینوں، جانوروں گھروں اور عورتوں کو منحوس سمجھتے تھے۔ان کا عقیدہ تھا کہ جب تک مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے اس کو سکون نہیں ملتا اور اس کی

روح بیابانوں میں گردش کرتی رہتی ہے اور "پیاس پیاس" یا مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ کی صدا لگاتی رہتی ہے جس دن اس کا بدلہ لے لیا جاتا ہے تو اسے راحت اور سکون مل جاتا ہے۔

دور جاہلیت میں مشرکین اس قسم کے تصورات رکھتے تھے تا ہم اس وقت بھی ان میں سے بعض لوگ دین ابراہیمؑ پر تھے۔انہوں نے اسے کلی طور پر نہیں چھوڑا تھا جیسا کہ بیت اللہ کی تعظیم کرنا، طواف کرنا، حج کرنا، عمرہ کرنا، اور حیوانات کو کعبہ کیلئے ہدیہ کرنا وغیرہ۔ البتہ اس میں انہوں نے بھی کچھ بدعتیں ایجاد کر رکھی تھیں مثلاً قریش کا کہنا تھا کہ ہم اولاد ابراہیمؑ اہل حرم ہیں اور دیگر عرب کو یہ افتخار حاصل نہیں ہے جو ہمیں حاصل ہے۔اہل مکہ اپنے آپ کو اہل حمس (یعنی بہادر اور گرم جوش) کہتے تھے۔ان کا مزید کہنا تھا کہ ہمیں حرم کی حدود سے باہر کی طرف نہیں نکلنا چاہیے کیونکہ عرفات حرم سے باہر ہے لہٰذا وہ عرفات میں وقوف نہیں کرتے اور مزدلفہ میں ہی رہتے تھے جبکہ قرآن کا حکم ہے عرفات میں وقوف کیا جائے جیسا کہ بقرہ ۱۹۹ میں یوں ذکر ہوا ہے:

﴿فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ﴾ "پھر جب چلو تم عرفات سے تو ذکر کرو اللہ کا مشعر حرام میں ٹھہر کر اور ذکر کرو اللہ کا اسی طریقے سے جس کی ہدایت کی ہے اللہ نے تم کو۔"

اپنے اعتقاد کے مطابق محرم کا آغاز ہوتے ہی چادر لپیٹ لیتے تھے۔انہوں نے اہل حل پر پابندی عائد کی ہوئی تھی وہ اپنے لباس میں کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے تھے بلکہ وہ اہل حمس کے لباس میں طواف کرتے اور لباس نہ ملنے کی صورت میں ننگے طواف کرتے تھے اسی طرح عورت سوائے درعا کے تمام لباس اتارتی تھی سورہ اعراف کی آیت ۳۱ میں فرمایا:

﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ "اے اولاد آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔"

یہ حالت احرام میں اپنے گھروں کے دروازے سے نہیں بلکہ دیوار میں سوراخ کر کے اندر داخل ہوتے تھے کیونکہ یہ دروازے سے داخل ہونے کو فعل حرام سمجھتے تھے خداوند عالم نے سورہ مبارکہ بقرہ آیت ۱۸۹ میں اس فعل سے منع فرمایا ہے:

﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾ "اور نہیں ہے نیکی یہ کہ آؤ تم گھروں میں ان کے پچھواڑے سے بلکہ نیکوکار وہ ہے جو ڈرے اللہ سے اور آؤ تم گھروں میں ان کے دروازوں سے۔"

قارئین یہ اہل مکہ کے شرک و بت پرستی اور وہمیات پر مشتمل عقائد تھے جس کے خرافاتی دروازے سے یہود و نصاریٰ اور مجوس نے ان کے اندر نفوذ کیا۔

☆اقتصادی حالات

مکہ اور اقتصادی حالات

پیغمبر اسلامؐ کی جائے بعثت یعنی سرزمین مکہ کے اجتماعی و اقتصادی حالات سے واقف و آشنا ہونے کیلئے ضروری ہے کہ بعثت ختمی مرتبتؐ سے پہلے اور بعد کے دونوں ادوار پر طائرانہ نظر ڈالی جائے جس وقت حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند اور ان کی والدہ کو مکے میں چھوڑا، اس وقت سرزمین مکہ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے پہاڑوں میں گھری ہوئی ایک خشک اور بے آب و

گیاہ جگہ تھی لیکن یہ کہنا خلاف واقع ہوگا کہ بعثت پیغمبرؐ کے دور میں بھی مکہ اسی صورت میں تھا کیونکہ قصی بن کلاب کی قیادت و رہبری سنبھالنے کے بعد مکہ کی تاریخ کا رخ بدل گیا تھا۔وہ یہاں آکر آباد ہوئے اور اس جگہ کو اس کے اطراف واکناف میں رہنے والوں کیلئے باعث طمع و رشک بنایا۔ابرہہ کی مکہ پر چڑھائی کی خواہش اس کا واضح ثبوت ہے۔قصی نے مکہ میں آباد ہونے کے بعد یہاں اجتماعی نظم ونسق قائم کیا۔ان سے پہلے یہاں سربراہی اور قیادت ورہبری کا سلسلہ عشائری نظام پر قائم تھا،انہوں نے اس شہر کے نظم ونسق کیلئے صلاح ومشورہ کی خاطر ایک کمیٹی قائم کی جس میں قریش کا دیگر قبائل پر غلبہ تھا اور وہی اس دس رکنی عشائر کی قیادت کرتے تھے جن میں قبائل ہاشم،امیہ،مخزوم،جمعہ،سہم،طین،عدی،اسد،نوفل،اور زہرہ شامل تھے۔یہاں سے لوگ،افریقہ،ایشیا،اور عرب کے دیگر علاقوں میں تجارت کیلئے جاتے تھے اور وہاں سے لائے ہوئے سامان کی فروخت کیلئے بازار قائم کرتے تھے اس قسم کے بازار کو بازار عکاظ کہتے تھے۔

اقتصادِ مشرکین اور کعبہ

پیغمبر اسلامؐ کی بعثت سے پہلے کی تاریخ کا تذکرہ قرآن کریم کی ایک مختصر سورہ میں آیا ہے۔اس سورہ میں اہل مکہ کے اجتماعی،اقتصادی اور سیاسی تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے جسے ہم مرحلہ وار بیان کرینگے۔

۱۔ ابتدائی زمانے میں سرزمین مکہ پہاڑوں اور وادیوں پر مشتمل بے آب وگیاہ علاقہ تھا جہاں نہ تو زرعی اور نہ ہی صنعتی پیداوار ہوتی تھی جس کے باعث یہاں کے لوگ اپنی زندگی گزارنے میں دوسروں کے محتاج اور نیازمند تھے۔اس سلسلے میں وہ دو علاقوں (شام،یمن) سے اپنی ضروریات پوری کرتے تھے:

الف: شام، جو اپنی جگہ خود روم کے تابع اور اس کے تسلط میں تھا۔

ب: یمن، جو فارس کی سلطنت کے زیر اثر چلتا تھا اہل مکہ ایک واسطے سے روم کے ظالم و جابر حکمرانوں کے زیر نگر یا فارس کے مجوسیوں کے دست نگر تھے۔انسان کا کسی کی طرف دست نیاز کرنا ذلت ہے جیسا کہ روایات میں ہے کہ سوال کرنا ذلت اٹھانے کے مترادف ہے گرچہ اتنا پوچھنا کیوں نہ ہو کہ راستہ کس طرف ہے۔

اہل مکہ اُس وقت قتل و غارتگری، ڈاکہ اور چوری جیسی سرگرمیوں کے عادی تھے،عرب درحقیقت اس طرح اپنے اوپر ظلم کرتے تھے لیکن عام طور پر انہیں دوسرے علاقوں میں محترم سمجھا جاتا تھا۔یہ لوگ دوسرے عرب علاقوں میں امن وامان سے جاتے اور سلامتی سے واپس آتے تھے۔انہیں یہ عزت و مقام صرف اس لئے حاصل تھا کہ وہ کعبے یعنی خانہ خدا کے پڑوسی یا اس کے خدمت گزار تھے۔

۲۔اہل عرب یمن اور شام کی طویل مسافت کو خوف وہراس کے عالم میں طے کرتے تھے اور واپسی پر بھی انہیں ایسی ہی صورت حال کا سامنا ہوتا تھا گویا انہیں اجتماعی طور پر کوئی مقام ومنزلت حاصل نہیں تھی۔یہ نہ اقتصادی طور پر خودکفیل تھے اور نہ ہی سیاست میں خودمختار تھے چنانچہ اہل مکہ فقر مثلث میں جکڑے ہوئے تھے،دیگر حکومتوں کی وجہ سے یہ اپنے امور کے بھی مالک

نہیں تھکتا ہم یہ جگہ آج اسلام اور نبی اسلامؐ کے سائے میں فقر و بدبختی سے نکل کر عالم اسلام کا مرکز اور پناہ گاہ بنی ہوئی ہے۔

قرآن کریم کی آیات اور روایات کے علاوہ خطباتِ نہج البلاغہ سے مکہ کے بارے میں ظاہر ہوتا ہے کہ یہ علاقہ ذرائع معاش کے اسباب زرعی و صنعتی اور تجارتی یعنی تبادل اجناس کے مراکز سے دور تھا۔ اس ضمن میں اہل مکہ کی ضروریات چند طریقوں سے پوری ہوتی تھیں:

الف: اہل مکہ کی درآمد کا دارو مدار کعبہ کے احترام کی وجہ سے تھا کیونکہ ان کی تمام تر اجتماعی و اقتصادی حیثیت کعبہ کی مرہونِ منت تھی کعبہ کی خدمت و احترام کے صلے میں اطراف و اکناف اور جزیرہ العرب کے رہنے والے ان کا احترام کرتے تھے اور اس احترام کے پیش نظر اہل مکہ اپنی زندگی کی ضروریات کو مختلف طریقوں سے پورا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ گرمی وسردی کے موسم میں تجارت کیلئے حبش وشام کی طرف رُخ کرتے جہاں سے اپنی ضروریات زندگی کا سامان لاتے اور اسی پر اپنی گزراوقات کرتے تھے۔

ب۔ عرب حج کے موقع پر کعبہ کی زیارت کیلئے مکہ آتے۔ کعبہ کے احترام کی وجہ سے یہ سال کے چار مہینوں میں امن وسکون کی زندگی گزارتے، حج کے موقع پر لوگ اپنے عزیز و اقارب کے قافلوں سے بھی ملاقات کرتے کیونکہ ان مہینوں میں لوگوں کی جان و مال محفوظ ہوتی تھی۔ عرب اپنا سامان اور وسائل و پیداوار یہاں لاتے اور یہاں میسر سامان اپنے گھروں اور علاقوں کو لے جاتے مثلاً شام کا سامانِ تجارت حبش جاتا جبکہ حبش کا سامان حیر اور حیرا کا سامان شام جاتا تھا۔ اس تجارتی عمل کیلئے مختلف جگہوں پر میلے اور بازار لگائے جاتے لیکن رفتہ رفتہ ایک ایسا دور آیا کہ اس گھر کا تقدس عرب میں بعض افراد کے دلوں میں کم ہو گیا اور انہوں نے اس کے احترام کو ترک کر دیا اس عمل سے بعض متضعف لوگ قوی و قدرت مند لوگوں کا نشانہ بننے لگے جس سے اہل مکہ کو اس حوالے سے خطرہ لاحق ہو گیا کہ کعبہ کا احترام ختم ہونے کے بعد لوگ یہاں نہیں آسکیں گے۔

مبادلاتی سامان

تجارت اور لین دین کیلئے سرزمین مکہ میں دو قسم کے سکے چلتے تھے جن میں ایک رومی اور دوسرا ایرانی تھا۔ ان میں سے ایک کو درہم اور دوسرے کو دینار کہتے تھے۔ دینار پر ایران کا نقش تھا جسے بغلیہ اور سر دار امیہ جبکہ دوسرا درہم روم کا تھا جسے طبریہ اور یزطیہ کہتے تھے۔ دونوں درہم چاندی سے بنے ہوئے ہوتے تھے لیکن وزن کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف تھے، چنانچہ وزن میں اختلاف کی وجہ سے اہل مکہ درہم کو گن کر نہیں لیتے تھے بلکہ تول کے حساب سے لیتے تھے لہٰذا درہم کی قدر و قیمت کے بارے میں علما فرماتے ہیں کہ جس درہم کا حکم شریعت میں ملتا ہے وہ درمیانی جسامت، جو کے پچیس (۲۵) دانوں کے وزن کے برابر ہے، ان کے نزدیک دس درہم سات مثقال سونے کی قیمت کے برابر ہیں جبکہ ایک مثقال سونا جو کے بہتر (۷۲) دانوں کے وزن کے برابر ہے۔ گذشتہ دور میں جن اوزان کو استعمال کیا جاتا تھا وہ مندرجہ ذیل ہیں: صاع، مد، رطل، اوقیہ، مثقال۔

مکہ میں اس وقت رومی دینار رائج تھا جو کہ سونے کا ہوتا تھا جبکہ فارس میں چاندی کا دینار چلتا تھا شام اور مصر میں بھی

دینار رائج تھے جبکہ عراق میں فارس کا دینار چلتا تھا تاہم وہاں سونے کو زیادہ اہمیت حاصل تھی لیکن مکہ میں درہم و دینار دونوں چلتے تھے ۔کلمہ دینار عرب میں باہر سے آیا ہے ۔یہ لاطینی ہے جو انجیل میں بار بار تکرار ہوا ہے ۔دینار ہمیشہ مثقال میں تولا جاتا ہے ،ایک مثقال خالص سونا متوسط جو کہ بہتر (۷۲) دانوں کے وزن کے برابر ہوتا ہے ۔نبی کریمؐ کے زمانے میں ایک انسان کی دیہ آٹھ سو دینار یا آٹھ سو درہم تھی ۔

مکہ کے سرمایہ دار

مال و دولت اور عیش و عشرت کے حوالے سے مکے میں عشائر قریش میں بنی امیہ اور بنی مخزوم خوشحال گھرانوں میں شمار ہوتے تھے ۔بیرون ملک جانے والے تجارتی قافلے میں ولید بن مغیرہ ،ابولہب اور ابو احیحہ بن سعید بن عاص بن امیہ کا حصہ تیس ہزار ہوتا تھا۔

مکہ کے دو مشہور سرمایہ داروں میں سے ایک عبداللہ بن جدعان تیمی تھے ،وہ سونے کے برتن میں پانی پیتے اور بہت سے فقراء و مساکین کو کھانا کھلاتے تھے اور دوسرے عباس بن عبدالمطلبؓ تھے جو کہ سودی کاروبار میں زیادہ مشہور تھے فتح مکہ یا حجتہ الوداع کے موقع پر جب سود کے خاتمے کا حکم نازل ہوا تو پیغمبر اسلامؐ نے سودی کاروبار کے خاتمے کا آغاز اپنے چچا عباسؓ سے کیا۔

مکہ میں صنعت اور زرعی پیداوار بڑھانے کے اسباب نہیں تھے کیونکہ زمین پتھریلی اور پانی کی قلت تھی لہٰذا اہل مکہ اس پر کسب کرنے کو موالیوں کا کام سمجھ کر اسے انجام نہیں دیتے تھے ۔

اس وقت کی مالی حالت کا اندازہ وہاں کے صاحبان مال و دولت کی ثروت سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس وقت ابو سفیان اپنے تجارتی قافلہ لے کر شام پہنچا تو اس کے پاس پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) دینار اور دو ہزار پانچ سو (۲۵۰۰) اونٹ ساتھ تھے اور ان کی محافظت کیلئے تین سو (۳۰۰) افراد تعینات تھے ۔وہ راستوں میں ضرورت کے تحت فقراء و مساکین اور ڈاکہ ڈالنے والوں سے معاہدے بھی کرتے تھے ۔کہتے ہیں کہ ابو سفیان کے پاس موجود قوم میں سب سے زیادہ حصہ ابو احیحہ کا تھا جو تیس ہزار (۳۰۰۰۰) دینار بنتا ہے جبکہ بنی امیہ کا حصہ دس ہزار (۱۰۰۰۰) دینار تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ پورے مکے کے مال کا پانچواں حصہ بنی امیہ کے پاس تھا ۔لہٰذا باقی افراد ابی احیحہ کے ساتھ ہوتے تھے ۔ان میں بنی مخزوم بھی صاحب ثروت سمجھے جاتے تھے ۔عبداللہ بن جدعان کا قبیلہ بنو تیم کے بڑے سرمایہ داروں میں شمار ہوتا تھا کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک صاحب ثروت ابولہب بھی تھا جس نے عاص بن ہشام بن مغیرہ کو چار ہزار (۴۰۰۰) درہم بطور قرض جسے عاص بن ہشام واپس نہ کر سکا تو ابولہب نے عاص بن ہشام مخزومی کو یہ چار ہزار (۴۰۰۰) درہم معاف کر کے اپنے بدلے جنگ بدر میں بھیجا ۔کہتے ہیں کہ مکہ میں کچھ خواتین بھی مال و دولت کی حامل تھیں ان میں ابو جہل کی ماں ،ابو سفیان کی زوجہ ہند اور خدیجہؓ بنت خویلد معروف تھیں ۔

ایام حج میں مشرکین عرب کے بازارہائے عکاظ

اسلام کے ظہور سے پہلے قریش جزیرۃ العرب میں مختلف جگہوں پر میلے لگایا کرتے تھے جنہیں بازار عکاظ کہا جاتا تھا۔

عکاظ عین پر پیش ک ،الف ،اور آخر میں ظ ۔لیثی کے مطابق عکاظ عرب جاہلیت کے دور میں ایک بازار کا نام تھا جسے

دورِ حاضر کی اصطلاح کے تحت میلہ کہا جاتا ہے جہاں ہر سال شعراء جمع ہوتے اور اپنے اپنے انشاء کردہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ اس دوران عرب ایک دوسرے پر فخر و افتخار کرتے تھے۔

اصمعی کا کہنا ہے کہ عکاظ ایک نخلستان ہے جہاں سے طائف تک کا سفر پیدل ایک رات اور مکہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے یہ وہ مقام بھی ہے جہاں جنگ فجار واقع ہوئی تھی۔ یہاں ایک پتھر ہوتا تھا جس کے گرد عرب طواف کرتے تھے بازار عکاظ طائف میں ہی ہوتا تھا ذوالمجاز عرفہ کے عقب اور مجنہ میں واقع ہے جو مرّ الظہران کا حصہ ہے اور مرّ الظہران مکے اور عسفان کے درمیان ایک مقام ہے عرب شوال میں بازار لگاتے پھر یہاں سے مجنہ چلے جاتے اور اس مقام پر بیس (۲۰) ذوالعقدہ تک قیام کرتے پھر ذوالمجاز جاتے جہاں وہ حج تک قیام کرتے تھے۔ بازار عکاظ (میلہ) لگانے کے دیگر مقامات یہ تھے:

۱۔ دومۃ الجندل: یہ شام اور مدینہ کے درمیان جبل طی کے قریب ایک قلعہ اور بستی ہے جو مدینے سے پندرہ سولہ دن کی مسافت پر واقع ہے جہاں ربیع الاوّل میں میلہ لگتا تھا۔

۲۔ مشقر: نجران اور بحرین کے درمیان واقع قلعہ کا نام ہے یہاں جمادی الاوّل میں میلہ لگتا تھا۔

۳۔ صحار: صحار یمن کی ایک بستی کا نام ہے جو عمان میں ایک پہاڑی سلسلے سے متصل ہے جہاں ماہ رجب کی پہلی تاریخ سے پانچ روز تک میلہ لگتا تھا۔

۴۔ شحر: بحر ہند کے ساحل پر یمن کی جانب ایک چھوٹے گاؤں کا نام ہے اس مقام پر بھی میلہ لگتا تھا۔

۵۔ عدن: بہر ہند کے ساحل پر یمن کے نواح میں ایک مشہور تجارتی شہر ہے جہاں ماہ رمضان کی پہلی تاریخ کو میلے کا انعقاد کیا جاتا تھا۔

۶۔ صنعا: یمن کا دارالحکومت جہاں درختوں اور کنوؤں کی کثرت تھی یہاں رمضان المبارک کی پندرہ تاریخ کو بازار عکاظ لگتا تھا۔

جزیرۃ العرب میں بعض بازار قائم تھے جہاں لوگ اپنی پیداوار یا تجارتی مراکز قائم کرتے تھے اور دوسری طرف سرزمین مکہ ان کیلئے تبلیغات کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ یہاں اپنی چیزوں کو فروخت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی قوم کا تعارف اور موقف بیان کرنے کیلئے لوگ جمع ہوتے تھے۔

اہل مکہ نے شام والوں سے عہد و پیمان باندھا تھا کہ اہل مکہ کی تجارت کیلئے راستہ پُر امن ہونا چاہیے پہلے قریش کی تجارت مکے سے باہر نہیں ہوتی تھی چنانچہ ہاشم بن عبد مناف اس سلسلے میں جا ثلیق بادشاہ جو کہ قیصر روم تھا اس سے ملے اور گزارش کی کہ میری قوم تاجر ہے اور آپ ان کو یہاں تجارت کے سلسلے میں آنے کیلئے تحفظ کریں تو قیصر نے اس سلسلے میں ایک تحریر لکھ کر دی بعد ازاں عبدالمطلب بن عبد مناف یمن گئے وہاں کے بادشاہ سے بھی تجارتی عہد لیا، عبدالشمس بن عبد مناف اسی سلسلے حبش میں جبکہ نوفل بن عبد مناف ایران گئے۔

ترکیبِ اجتماعی مکہ

انسابِ قریش

عدنان

عدنان پیغمبرؐ کے اکیسویں (۲۱) جد تھے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جب میرا نسب عدنان تک پہنچے تو وہیں پر رک جانا اور فرمایا کوئی اس سے آگے جائے گا تو سمجھو اہل انساب نے جھوٹ بولا ہے لیکن علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پیغمبرؐ کا نسب عدنان سے آگے لے جایا جا سکتا ہے اور وہ اس حدیث کو ضعیف گردانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عدنان و ابراہیم کے درمیان چالیس پشت تحقیق کیلئے ہیں عدنان کے بیٹے معد سے نزار پیدا ہوئے جو معد کی اکلوتی اولاد تھی لیکن نزار کے چار بیٹے تھے جن کے نام ایاد، انمار، ربیعہ، اور مضر ہیں اور ان سے چار (۴) قبائل پھیلے۔

ربیعہ اور مضر کا خاندان بہت پھیل گیا اور ان سے عرب کی نسل بنی ربیعہ پھیلی جس سے اسد بن ربیعہ، عنزہ القیس، ابنا وائل بکر، تغلب اور حنیفہ وغیرہ ہیں۔ مضر سے دو قبیلے قیس بن عیلان بن مضر اور الیاس بن مضر عیلان بنے جبکہ قیس بن عیلان سے بنو سلیم، بنو ھوازن، غطفان، عبس ذبیان، اشجع اور غنی بن اعصر بنے۔

الیاس بن مضر سے تمیم بن مرہ، ھذیل بن مدرکہ، بنو اسد بن خزیمہ اور کنانہ سے کنانہ بن خزیمہ، قریش اور قریش سے اولاد فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ سے ہیں۔ قریش چند خاندانوں کا مجموعہ تھا جن میں سہم، عدی، مخزوم، تیم، اور زہرہ شامل تھے، چار قبائل عبد شمس، نوفل، مطلب اور ھاشم کا تعلق عبد مناف سے تھا ہاشم سے خداوند عالم نے حضرت محمدؐ کا انتخاب کیا۔

قصی

قصی بن کلاب پیغمبرؐ کے پانچویں جد میں تھے یہ پہلے شخص تھے جو بنی کنانہ میں سے بادشاہ بنے اور ان کی قوم نے ان کی اطاعت کی۔ انہوں نے ایک طویل جنگ قبیلہ خزاعہ سے لڑنے کے بعد مکے کی حکومت حاصل کی اور کعبے کے خادم بنے۔ ان سے پہلے مکے پر خزاعہ کی حکمرانی تھی اور وہ کعبے کے ۴۷۰ میلادی تک والی رہے۔ قصی کو قصی اس لئے کہا جاتا تھا کیونکہ یہ کلمہ دور کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا یعنی وہ اپنے عشیرے سے دور ہو کر اپنے ماموں بنی کلب کے ہاں گئے تھے۔ بعض کے مطابق وہ اپنی ماں کے ساتھ قبیلہ اخوالہ گئے کیونکہ ان کی ماں کا تعلق اخوالہ سے تھا۔ حلبی نے اس کی ایک اور توجیہ بیان کی ہے کہ قصی اس وقت اپنی ماں کے ساتھ شام گئے جب ان کی ماں نے قصی کے باپ کی وفات کے بعد ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کی جو انہیں شام لے گئے۔ قصی اپنے اصلی باپ کو نہیں جانتے تھے اس لئے وہ اپنی ماں کے دوسرے شوہر کو باپ کہتے تھے لیکن جب بڑے ہوئے تو ماں کے دوسرے شوہر کے خاندان کے ایک شخص سے ان کا جھگڑا ہو گیا اور وہ ان پر غالب آ گیا اس نے

غصے میں آ کر قصی سے کہا کہ تم غریب ہو اور اپنے ملک و قوم کے پاس کیوں نہیں جاتے، تم ہم میں سے نہیں ہو تو اس نے حیرانگی سے پوچھا میں کون ہوں تو اس شخص نے کہا کہ اس بارے میں اپنی ماں سے جا کر پوچھنا۔ قصی گھر آیا اور اپنی ماں سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے قصی سے کہا کہ تمہارا شہر ان کے شہر سے اچھا ہے تمہاری قوم ان سے بہتر ہے اور تمہارا باپ محترم تھا تم کلاب کے بیٹے ہو اور تمہاری قوم بیت الحرام میں ہے جہاں پورے عرب کے لوگ جاتے ہیں۔ جلدی نہ کرو جب کوئی شخص مکہ جا رہا ہو تو اس کے ساتھ چلے جانا یعنی حج کے مہینے کو آنے دو۔ جب حج کا مہینہ آیا تو قصی حجاج کے ساتھ مکے گئے، وہاں اخوال نے ان کی فضیلت و شرافت کا ذکر کیا تو قوم نے ان کا احترام کیا پھر یہ قوم کے رئیس بن گئے انہوں نے خلیل خزاعی کی بیٹی سے شادی کی۔ خلیل اس وقت مکے کا بادشاہ تھا اس لئے بیت اللہ اس کی تولیت میں تھا۔ قبیلہ خزاعہ کے سب سے آخری بادشاہ کی جب اولادیں بڑھ گئیں اور مال و دولت کی کثرت ہوئی تو اتفاق سے بادشاہ انتقال کر گیا۔ قصی نے خزاعہ سے کہا کہ وہ مکہ کے ولایت کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ قریش اسماعیل سے زیادہ قریب ہیں۔ انہوں نے قریش اور بنی کنانہ سے کہا کہ خزاعہ کو مکے سے نکال دو جس پر انہوں نے خزاعہ کو مکہ سے نکال باہر کیا۔

پرانے جھگڑے

مکہ کے نواح میں دو بڑے قبیلے بنو بکر بن عبد مناۃ اور بنو خزاعہ رہتے تھے ان دونوں نے مل کر بنو جرہم سے بیت اللہ کی مجاوری اور مکہ کی سرداری چھین لی، بنو جرہم کی بے دخلی کے بعد بیت اللہ کی مجاوری اور مکہ کی سرداری بنو خزاعہ کے پاس آ گئی۔ پھر قصی نے اپنے قبیلہ کی مدد سے بنو بکر اور بنو خزاعہ دونوں کو مکہ سے نکال دیا، انہوں نے صحراؤں اور ریگستانوں کے باسی قریش کو مکہ میں آباد کر کے اپنی سطح مضبوط کر لی، اس وقت سے مکہ کے قریش اور بنو بکر میں شدید دشمنی چل رہی تھی پھر جب بنو بکر نے قریش کے ایک نوجوان کو قتل کر دیا تو قریش نے بدلے میں بنو بکر کے سردار کو قتل کر دیا اس سے پرانی دشمنی میں شدت آ گئی، اسی کی وجہ سے جب مکہ کے قریش بدر کیلئے لشکر جمع کر رہے تھے تو انہیں خوف تھا کہ پیچھے سے بنو بکر مکہ پر حملہ نہ کر دیں لیکن اللہ کے دین اور اس کے رسولؐ کی دشمنی میں بنو بکر کی ذیلی شاخ بنو مدلج کے سردار سراقہ بن جشم نے قریش کو یقین دلایا کہ ان کی عدم موجودگی میں بنو بکر مکہ پر حملہ نہیں کریں گے۔ بنو بکر کی ایک اور شاخ بنو بدیل کا سردار نوفل بن معاویہ اللہ کے رسولؐ کے خلاف مکہ کے قریش کو ہتھیار اور کرائے کے سپاہی بھی فراہم کیا کرتا تھا۔ اسلام کے خلاف اپنے جوش و جذبہ کی وجہ سے نوفل بن معاویہ کا شمار مکہ کے قریشی رہنماؤں میں ہونے لگا۔ بنو جرہم، بنو بکر نے اپنی صدیوں پرانی دشمنی کو بھول کر مکہ کے قریش کے ساتھ اللہ کے دین اور اس کے رسولؐ کے خلاف اتحاد و محاذ قائم کر لیا، اس کے علاوہ قریش اور بنو بکر کے درمیان نسلی رشتہ بھی تھا وہ دونوں کنانہ پر جا کر مل جاتے تھے، بنو خزاعہ سے مکہ کے سارے قریش کا کوئی رشتہ نہیں تھا وہ صرف قصی کی آل کے ننھیالی رشتہ دار تھے جن میں قصی کے بیٹوں عبد مناف، مغیرہ، عبد الدار اور عبد العزیٰ کی اولاد شامل تھی رسول اللہؐ کے دادا ہاشم کی دادی بنو خزاعہ کی بیٹی تھیں ہاشم کی وفات کے بعد ان کے بھائی نوفل نے ان کی حویلی پر قبضہ کر لیا ہاشم کے یتیم عبد المطلب کا ماموں ابو سعد مدینہ سے (۸۰) آدمیوں کا لشکر لے کر مکہ آیا

اور اپنے بھانجے کو اس کی حویلی کا قبضہ دلایا تب بنو خزاعہ نے بنو ہاشم کے ساتھ اتحاد کا معاہدہ کر لیا اور کہا کہ عبدالمطلب ہمارا بھی بیٹا ہے۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ اسی معاہدے کی وجہ سے عبد مناف کے دو بیٹے عبدالشمس اور نوفل بھی بنو خزاعہ کے خلاف ہو گئے ننھیالی رشتہ اور اس معاہدے کی وجہ سے بنو خزاعہ ہاشم اور مطلب کی آل سے قریب تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ بنو بکر اور بنو خزاعہ میں بھی دشمنیاں پیدا ہو گئیں جب بنو خزاعہ نے بنو بکر کے ایک حلیف کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے میں بنو بکر نے خزاعہ کا ایک آدمی قتل کر دیا، جواب میں پھر خزاعہ نے بنو بکر کے سردار اسود کے دو بیٹے قتل کر دیئے، اسود بڑا نامی گرامی سردار تھا اس کے خاندان کی دیت باقی لوگوں سے دوگنی ہوتی تھی لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ بنو بکر اور بنو خزاعہ بھی یہ جھگڑے ایک طرف رکھ کر اللہ کے رسولؐ کے خلاف سرگرم ہو گئے۔

قریش

قریش عرب بشر کی منتخب قوم ہے یہ قلب و دل عرب ہیں۔ اسلام، کعبہ اور محمدؐ کے نام کے ساتھ قریش کا نام بھی ناگزیر ہے چاہے مثبت صورت میں ہو یا منفی صورت میں۔ قریش نضر بن کنانہ بن فہر بن مالک بن نضر کی اولاد سے ہیں تاہم انھیں قریش کہنے کی وجہ واضح نہیں ہے البتہ بعض علمائے انساب نے اس کی چند تفاسیر بیان کی ہیں:

۱۔ قریش مادہ تقریش سے ہے تقریش جمع کرنے کو کہتے ہیں چونکہ قصی بن کلاب نے لوگوں کو جمع کیا تھا لہٰذا انھیں مجمع کہتے تھے۔ انھوں نے قبائل قریش کو منتشر ہونے کے بعد جمع کیا آپ فرزند کلاب تھے جن کا اصل نام حکیم تھا انھیں کلاب اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ کتوں کے ذریعے شکار کرتے تھے۔

۲۔ بعض نے ان کو قریش کہنے کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے دونوں بازو قوی اور ایک حیوانِ دریائی سے مشابہت رکھتے تھے جس کا نام قرش تھا یہ اپنے سامنے آنے والے دریائی حیوانوں کو چیرتی پھاڑتی تھی۔ یہ عرب بھی لوگوں پر غالب آتے تھے اس لئے ان کو قریش کہا جاتا تھا۔ کہتے ہیں قصی بن کلاب سے پہلے یہ نام عرب میں نہیں پہچانا جاتا تھا۔

الف۔ قریش تصغیر قرش کو کہتے ہیں۔ قرش اس مچھلی کو کہتے تھے جو دریا میں موجود دیگر حیوانات پر حملہ آور ہوتی تھی۔ قریش دریا کے کنارے پر رہنے کی مناسبت سے ہے اور یہ مناسبت کچھ حد تک صحیح بھی ہے جیسا کہ قبائل عدنانیہ تہامہ کے ساحل پر زندگی گزارتے تھے اور اہل مکہ و مدینہ کے ساتھ مالی معاملات کرتے تھے۔ انہوں نے وہاں عبادت کیلئے بھی جگہ بنائی ہوئی تھی۔ دریا میں موجود مچھلی کے خوف سے لوگ ڈر جاتے تھے یہ ایک قسم کی تقدیس و عبادت تھی جسے پہلے زمانے کے بدو عرب تسلیم کرتے تھے۔

ب۔ قریش تقرش کا مصدر ہے جس کا مطلب تجارت ہے، قریش بھی تاجر تھے قبیلہ قریش آمد اسلام کے وقت تجارت کے میدان میں اعلیٰ مقام پر تھا۔

قبائل قریش کی تین قسمیں تھیں جن میں غالب، حارث شامل تھے۔

غالب سے لوئی پیدا ہوا جس کی نسل سے کعب و عامر نکلے ۔کعب سے مرۃ اور مرۃ سے کلاب، تیم اور مخزوم جبکہ کلاب کی نسل قصی سے چلی قصی سے عبدالمناف پیدا ہوئے ،عبدالمناف کے چار(۴) بیٹے تھے جن میں عبدالشمس، ہاشم، مطلب اور نوفل شامل تھے۔

بنی امیہ کا تعلق عبدالشمس سے تھا۔امیہ کی دو قسمیں تھیں جن میں سے ایک امیہ اصغر اور دوسری امیہ اکبر تھی ۔امیہ بنو حارث بن امیہ سے تھے انھیں ان کی ماں عبلۃ بنت عبید بنو تمیم کی نسبت سے العبلات کہتے تھے ۔عبدالشمس کے دو بیٹے تھے عیاس اور عنابس ۔

امیہ نے اپنے چچا ہاشم سے رقابت کی وہ تاجر، مال دار اور کثیر اولا دوالے تھے امیہ کی نسل ابو سفیان بن حرب بن امیہ سے چلی جو کہ دعوت اسلام کو روکنے والوں میں سے تھا۔جبکہ امیہ اکبر سے سعید ابن عاص بن وائل ۔عثمان بن عفان، مروان ابن حکم اور معاویہ بن سفیان، عتاب بن اسید تھے ۔

مکہ کے انتظامی امور

مکہ ایک طویل عرصہ کی بدوی و دیہاتی اور خانہ بدوشی یا چادر نشینی وغیرہ کی زندگی گزارتے ہوئے چار سو پچاس میلادی کے بعد ترقی و تمدن یا شہری زندگی میں منتقل ہوا پھر یہاں افہام و تفہیم ،اطاعت و فرمانبرداری اور تقسیم ذمہ داری کی بنیاد پر ایک نظام قائم ہوا۔یہ عمل نبی کریمؐ کے پانچویں جد قصی بن کلاب کے ہاتھوں انجام پایا۔انہوں نے مکہ کے اطراف و اکناف میں منتشر لوگوں کو کعبہ کے نزدیک جمع کیا اور وہاں اپنے لئے بھی رہائش بنائی ۔اس سے پہلے لوگ کعبہ کے احترام میں کعبہ سے دور رہتے تھے قصی بن کلاب کے کہنے پر وہ کعبہ کے نزدیک رہنے لگے۔قصی کا کہنا تھا کہ کعبہ سے دور رہنے اور کعبہ کے نزدیک آبادی نہ ہونے کی وجہ سے کعبہ ایک طرف سے کھلا رہے گا اور ایسی صورت میں ہمارے لئے اس کی حفاظت مشکل ہو جائے گی چنانچہ انہوں نے اپنی قوم کو مطمئن کیا کہ وہ کعبہ کے اطراف میں اپنے گھر بنائیں اور اپنے گھروں اور کعبہ کے درمیان اتنی جگہ چھوڑ دیں کہ طواف کرنے والے آسانی سے طواف کر سکیں لہٰذا انہوں نے خود قریش کے درمیان زمین تقسیم کی اور کہا کہ اتنے فاصلے کے بعد اپنے گھر بناؤ، گویا ان کے گھر قلعہ کی مانند ہوتے تھے۔یہاں قصی نے اپنے لیے ایک قصر بنایا۔اس کا دروازہ کعبہ کی طرف کھلتا تھا بعض کے مطابق یہ قصر دارالندوہ تھا۔اس میں وہ اہل مکہ کی زندگی سے متعلق مسائل کے بارے میں گفتگو کرتے تھے اور خود اس کی ریاست و سربراہی کرتے تھے ۔اس دار میں شمولیت صرف خاندان قریش تک محدود تھی، دارالندوہ میں غیر قریشی کے داخلے کے لئے ضروری تھا کہ اس کی عمر چالیس سال سے زیادہ ہو۔قصی نے کعبہ کے گرد گھر بنانے کا انتظام کرنے کے بعد یہاں کی زندگی کی مختلف ذمہ داریوں کو یکے بعد دیگرا پنی صوابدید پر تقسیم کیا۔

ا۔اگر کسی غیر قریشی سے جنگ کی نوبت آتی تو قریشی دارالندوہ میں جاتے اور وہاں نیزے کے اوپر ایک سفید کپڑا باندھ کر قریشیوں کو دیتے ۔یہ سنت بعد میں عقد لواء کے نام سے جاری رہی ۔

۲۔انہوں نے باہر سے حج کعبہ کیلئے آنے والوں کو کھانا کھلانے اور ان کی مہمان داری کی عادت بنائی چونکہ اس کیلئے کثیر سرمائے کی ضرورت تھی لہٰذا انہوں نے تمام قریشیوں کو ایک مالیت محدود ادا کرنے کیلئے کہا تا کہ وہ حجاج کی خدمات اور دیگر ضروریات کے اخراجات پورے کر سکیں اس میں کھانے پینے کے اخراجات کے علاوہ دیگر نادر لوگوں کی معاونت بھی شامل تھی۔اس عمل کو قریشوں نے رفادہ کا نام دیا۔

قصی ان تینوں کے علاوہ دو اور وظائف پر بھی کام کرتے تھے ان میں ایک سقایت یعنی جب تک حاجی مکہ میں رہیں گے انہیں پانی فراہم کرنا اور دوسرا حجابت یعنی کعبہ کی کلید برداری تا کہ اس کی صفائی اور دیکھ بھال کی جا سکے۔مکہ ان کے دور میں انتہائی ترقی و تمدن کے دور میں داخل ہوا اور اس کا اثر اطراف و اکناف میں رہنے والے قبائل پر بھی اثر پڑا، اس طرح قصی نے مکہ اور اس کے اطراف و اکناف میں ایک بلند مقام و ریاست حاصل کر لی۔جب ان کی موت نزدیک ہوئی تو انہوں نے اپنے بیٹے عبدالدار کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کیا جس سے کسی نے اختلاف نہ کیا لیکن عبدالدار اور عبد مناف کی وفات کے بعد عبدالدار اور عبد مناف کے بیٹوں کے درمیان ان مناصب پر نزاع پیدا ہو گیا۔قریش کے دیگر عشائر و قبائل یعنی بزرگوں نے اس مسئلے کو اچھے طریقے سے حل کیا اور اختلافات کو وفنا دیا۔اس تنازع کے ہر فریق کو ایک ایک منصب سپرد کیا گیا۔حاجیوں کو کھانا کھلانے اور انہیں پانی فراہم کرنے کی ذمہ داری عبدالشمس بن عبد مناف کے سپرد ہوئی جبکہ کعبہ کی کلید برداری، جنگی پر چم اور دارالندوہ (یعنی دار اجتماع جب بھی اہل مکہ کو کوئی مشکل پیش آتی تو یہاں صلاح و مشورے کیلئے جمع ہوتے تھے) کی سربراہی یہ تینوں ذمہ داریاں عبدالدار کی اولاد میں رہیں۔

چونکہ عبدالشمس کثیر الاعیال ہونے کی وجہ سے زیادہ عسر و حرج کی زندگی گزارتے تھے لہٰذا انہوں نے مناسب سمجھا کہ ان دو مناصب سے سبکدوش ہو جائیں اور انہیں اپنے بھائی ہاشم کے سپرد کر دیں۔وہ ایک صاحب ثروت اور بڑی سرمایہ دار شخصیت تھے، یہاں سے قریش سے مالیت وصول کرنے کا کام بھی ہاشم کے سپرد ہو گیا اور اس طرح ان کے پاس پہلے سے زیادہ مال و دولت جمع ہوتا گیا۔وہ حاجیوں کو کھلاتے پلاتے تھے۔وہ تجارت سے بھی شغف رکھتے تھے انہوں نے قریش میں دو طرح کی تجارت کی سنت ایجاد کی۔سردیوں میں یمن کی طرف تجارتی قافلہ بھیجتے اور وہاں سے خوشبو اور حریر وغیرہ لاتے اور گرمیوں میں یہ قافلہ شام جاتا تھا چنانچہ شام کے اس سفر میں وہ فلسطین میں غزہ نامی جگہ پر وفات پا گئے۔وہ جگہ ابھی بھی غزہ ہاشم کے نام سے مشہور ہے۔انکا ایک واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے شام کے سفر کے دوران یثرب کے بنی نجار کی ایک خاتون سلمہ بنت عمرو سے شادی کی۔بیوی کو حمل کی حالت میں میکے چھوڑ کر شام کی طرف چلے گئے جہاں ان کا انتقال ہو گیا۔سلمہ کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ تھا۔سر کے بالوں میں سفیدی کو شیبہ کہتے ہیں یہی ان کے اس نام کی وجہ تسمیہ ہے ہاشم کی وفات کے بعد ان کے پاس حاجیوں کو کھانا کھلانے اور فراہمی آب کی جو دو ذمہ داریاں تھیں وہ ان کے بھائی مطلب کو منتقل ہو گئیں۔مطلب صاحب جود و سخا اور صاحب مال و ثروت تھے چنانچہ لوگوں نے انہیں فیاض کا لقب دیا۔مطلب یثرب میں اپنے بھائی کے

سسرال میں گئے اور وہاں سے اپنے بھتیجے کو اپنے گھوڑے پر سوار کر کے مکہ لائے تو لوگوں نے شیبہ کو غلام سمجھا۔ یہاں سے وہ شیبہ کو عبدالمطلب کہنے لگے یعنی مطلب کا غلام پھر شیبہ کی جگہ پر عبدالمطلب کا نام غالب آ گیا۔ ۲۲۰ میلادی کو فیاض نے یمن میں وفات پائی تو رفادۃ اور سقایہ کی ذمہ داری عبدالمطلب کو منتقل ہو گئی وہ قریش میں ایک بلند و محترم مقام کے مالک ہو گئے۔ اس وقت مکے میں اقتدار اور ریاست درحقیقت قصی کے پوتوں کے پاس تھا۔ حضرت عبدالمطلبؓ نے زم زم کے کنویں کھدوائے اور آپس کے اختلافات کو بزرگوں کے حق میں ختم کیا اور دس قبائل پر مشتمل ایک مجلس تشکیل دی جسے اشراف مکہ کہا جاتا تھا آپ ان کی سرپرستی کرتے تھے۔ اس مجلس میں شمولیت کا منصب ان دس قبیلوں میں ہر قوم و عشیرہ کے بڑے فرد اور بزرگ کیلئے مختص کیا گیا تھا مکہ کعبہ کی وجہ سے مرکز عام تھا اور یہاں لوگوں کی آمد کی وجہ سے ہجوم رہتا تھا چنانچہ حضرت عبدالمطلبؓ نے مکہ کی انتظامیہ کے امور اس طرح تقسیم کئے۔

امور	قبیلہ	امور	قبیلہ
حجابت	بنی عبدالدار	رفادہ	بنی نوفل
سقایہ	بنی ہاشم	ندوۃ	بنی عبدالعزیٰ
اشناق	بنی تیم	قبہ	بنی مخزوم
سفارت	بنی عدی	دیہ یا اموال محجرہ	بنی سہم
عقاب	بنی امیہ	ازلام	بنی امیہ

ان امورات کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔

واقعہ فیل اور غیبی مداخلت

جغرافیائی طور پر سر زمین یمن جزیرۃ عرب کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اس وقت حبش اس کا مرکز تھا یہاں پر حمیرین حکومت کرتے تھے، ابرھہ اس وقت بادشاہ حبش کی طرف سے یمن کا حاکم تھا وہ اپنی تند و تیز طبیعت میں معروف و مشہور تھا اس کا رنگ کالا، بال گھنگریالے اور جسم دیو قامت اور سر بہت بڑا تھا۔ اس کا منہ ایک طرف سے کٹا ہوا تھا اسی وجہ سے اسے اشرم بھی کہتے تھے۔ یہ بادشاہان حبش کے دین پر تھا جو سخت متعصب نصرانی تھے، نصرانیت میں غلو کرتے تھے، دین نصاریٰ کے علاوہ کسی دین کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اسی یمن میں عرب بھی مقیم تھے جو مغلوبیت، شکست خوردگی اور ذلت و خواری کی زندگی گزار رہے تھے لیکن وہ اپنے تاریخی نسب پر فخر کرتے اور اس کے شائق تھے چونکہ عربوں کی عزت و افتخار کعبے کی وجہ سے تھی الہٰذا یہ کعبے سے بہت محبت کرتے تھے، اطراف میں رہنے والے عرب کعبے کی طرف متوجہ تھے چنانچہ خداوند متعال نے مکہ کو "ام القریٰ" یعنی اس کے اطراف میں رہنے والوں کیلئے مرکز کہا ہے ہر سال یہ لوگ حج کے موقع پر مکے کی طرف رخت سفر باندھتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ ہر قسم کی زحمت و مشقت برداشت کرتے تھے جب حج کا موسم ختم ہوتا تھا تو واپس اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے، ان کے چہروں پر سکون و اطمینان اور آرام و خوشی نمایاں ہوتی تھی کہ انہوں نے ایک فریضہ ادا کیا ہے اور اپنے مقصد میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے ہیں۔ یمن کے عربوں کا ہر سال شوق و جذبے سے مکہ کی طرف رواں دواں ہونا اور اپنے لئے فخر سمجھنا بادشاہ ابرھہ کیلئے سوالیہ نشان بن گیا کہ یہ لوگ کیوں کر ہر سال اتنی زحمت و مشقت برداشت کر کے وہاں جاتے ہیں۔ اس کو جواب ملا کہ وہاں ایک سادہ سا گھر ہے جس کی تعمیر اتنی سادہ ہے جس میں نہ ہنر ہے نہ اس کی زیب و آرائش البتہ اس کی بنیاد ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے رکھی تھی۔ یہ سن کر ابرھہ نے اپنے دل میں سوچا کہ میں یمن کے عربوں کا اس گھر سے رُخ موڑ دوں گا اور ان کو اپنی طرف متوجہ کروں گا۔

اس نے کہا کاش! کہ یہ کام مکہ کی بجائے میرے ملک یمن میں ہوتا اس نے اس کام کو عملی جامہ پہنانے کیلئے غور و خوض کرنا شروع کیا بالآخر اس کی فکر اس نتیجے پر پہنچی کہ یمن میں ایک کلیسا بنایا جائے اور اسے کعبہ کا نام دیا جائے تاکہ عرب کعبہ مکہ کی بجائے اس کی طرف رخ کریں۔ اس کا خیال تھا اگر ایسا ہو جائے تو یہ میری سلطنت اور ملک کیلئے نعمت بننے کے ساتھ دین نصرانیت کو عرب میں فروغ دینے کا سبب بنے گا اور اقتصادی اعتبار سے شہر صنعا مرکز تجارت بنے گا جسکی وجہ سے پورے جزیرۃ العرب پر ہماری سلطنت قائم ہو جائے گی۔ اس کی فکر نے اسے عملی جامہ پہنانے کی طرف دعوت دی اور یہ فیصلہ اپنے انجام کو پہنچا کہ شہر صنعا میں ایک ایسا کلیسا بنایا جائے جس کے قبے چمکدار ہوں جو افق سماء سے ملیں۔

اس نے اس بارے میں سوچنے کے بعد اپنی تمام تر طاقت و توانائی جمع کی، ماہر تجربہ کار اور فن تعمیرات سے آگاہ لوگوں کو جمع کیا جو سب سے بہتر فن تعمیر جاننے والے تھے اور کثیر مال و دولت کو ایک مخصوص گھر کی تعمیر پر خرچ کیا۔ خود اس نے تعمیراتی

کام کی نگرانی کی یہاں تک کہ تیز رفتاری سے لوگوں کا پسندیدہ بلند اور خوبصورت گھر بنایا کیونکہ نئے لوگوں کو اس گھر کی طرف رغبت دلانا تھی یہ کلیسا بہترین لکڑی و سونے سے آراستہ و پیراستہ تھا، زیب و آرائش اور ہنر و خوبصورتی کے ساتھ ماہر معماروں کا بنایا ہوا یہ گھر اہل یمن کو متاثر نہ کر سکا وہ اپنے پرانے عقیدہ بت پرستی پر باقی رہے اور ان کی توجہ دل و جان سے کعبے کی طرف رہی اور ہر سال حج کیلئے مکے کی طرف جانے کا سلسلہ اپنی آب و تاب کے ساتھ باقی رہا یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھ کعبے کیلئے تحفے تحائف بھی لاتے تھے۔

تاہم کلیسا کیلئے بادشاہ یمن کا حکم صادر کرنا باقی تھا کہ عرب کعبہ مکہ کی بجائے کعبہ یمن کی طرف حج کیلئے آئیں۔ اس کی تعمیر اور عزائم سے جب عرب واقف ہوئے تو ایک دن بنی کنانہ کا ایک شخص کعبۂ ابرہہ میں آیا اور قضائے حاجت کر کے چلا گیا دوسرے دن کی صبح کو ابرھہ اپنے کعبہ کی منزلت کو بلند کرنے کیلئے غرور اور رُعب و دبدبے سے اس میں داخل ہوا اس نے دیکھا کہ اس کے کعبہ میں آلودگی پڑی ہے تو غیض و غضب اور طیش میں آ کر خادم سے کہا اس شخص کو تلاش کر کے لاؤ جس نے یہ کام کیا ہے تا کہ اس کو عبرت ناک سزا دی جائے جو آنے والوں کیلئے بھی باعث عبرت بنے۔ خادم نے کہا کہ ایک عربی طواف کیلئے آیا تھا لیکن وہ یہ گندگی پھیلا کر چلا گیا۔ جب اس شخص کا پتہ نہ چلا اور نا کامی کی خبر اس تک پہنچی تو اس نے طیش میں آ کر کہا اگر مجرم نہیں ملا تو اس کی قوم تو ہر جگہ ملے گی لیکن ہمیں ادھر اُدھر جانے کی بجائے جس مقصد کیلئے ہم نے یہ کعبہ بنایا ہے اس کو عملی جامہ پہنانے کیلئے آگے بڑھنا چاہیے یہ اس صورت میں ممکن ہے جب مکہ کا کعبہ خطہ ارضی سے ناپید ہو جائے اور کعبہ یمن ہی بلند و بالا مرکز نظارت بنے چنانچہ عربوں کو رعب و دبدبے کے ساتھ خاضع و خاشع کرنے اور دبانے کی خاطر اس نے افرادی وسائل و ذرائع جنگی سے لشکر کو آراستہ و پیراستہ کیا اور خود قیادت و رہبری کی نیت سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

اس نے قسم کھائی کہ عربوں کا یہ مقدس گھر گرا کر رہے گا اور اس کی مٹی کو اُڑنے والا گرد و غبار بنا دے گا۔ اس حوالے سے اس نے تمام تر وسائل تیار کیے اور بادشاہ حبش کو آگاہ کیا کہ وہ کعبے کے بارے میں یہ عزائم رکھتا ہے لہٰذا اس ارادے کے باعث برآمد ہونے والے اثرات و نتائج کیا ہو سکتے تھے اس سے بھی آگاہ کیا، ابرھہ نے ہزاروں کی تعداد میں لشکر جمع کیا اور تمام وسائلِ جنگ و تخریب کاری کو اپنے ساتھ لے کر ملک سے نکلا جب یہ مکہ کی جانب چل نکلے تو ان کے سروں کے اوپر جھنڈے لہرا رہے تھے لشکری اپنے گھوڑوں پر چیختے ہوئے ابرھہ کے آگے آگے تھے۔ لشکر کے آگے ایک بڑا ہاتھی تھا جسے اہل عرب نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس کے اوپر حُروب کجاوا رکھا تھا تا کہ لشکر کا قائد جنگی ہتھیار، تیر اور نیزے وغیرہ سے محفوظ رہے جبکہ ابرہہ خود اپنے اوپر چمڑے سے بنا ہوا خول پہنے ہوتا تھا۔ اس نے ہاتھی کو اپنے لشکر کے آگے رکھا تا کہ کعبے کو منہدم کرنے کا کام ہاتھی سے لیا جائے اسی ہاتھی کی وجہ سے اس واقعے کو حادثۂ فیل کہا جاتا ہے لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بادشاہ ابرھہ نے کعبے کی تخریب اور ویرانی کیلئے ہاتھی کو کیوں استعمال کیا؟ کیا ان کیلئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کعبہ کو گرا دیں۔ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ابرھہ جو ہر حوالے سے مغرور و ظالم اور جابر حاکم تھا وہ اپنے غرور کی وجہ سے

یہ چاہتا تھا کہ عربوں کے مقدس قبلہ کو جس طرح سے بھی ہو سکے ذلت اور برے طریقے سے ختم کیا جائے تا کہ عربوں کو یہ عبرت حاصل ہو کہ وہ ابرھہ کے سامنے ذلیل وخوار رہیں۔ ہاتھی کی وجہ سے اس سال کو عربوں نے "عام الفیل" کا نام دیا اور اسی سال پیغمبر اسلامؐ کی ولادت ہوئی۔

کہتے ہیں کہ جب ابرھہ طائف پہنچا تو اس نے راستے میں رکاوٹ بننے والوں سے جنگ کی، انھوں نے حبش کے رہنے والے ایک شخص جس کا نام اسود بن مقصود تھا کو مکہ بھیجا۔ اسود بن مقصود نے وہاں جا کر لوگوں کے اموال غارت میں لئے جس میں دو سو اونٹ حضرت عبدالمطلبؓ بن ہاشم کے تھے۔ ابرھہ نے چار افراد مکہ بھیجے اور ان سے کہا کہ وہ شہر کی بزرگ ہستی سے ملیں اور ان سے کہیں کہ ہمیں بادشاہ یمن نے بھیجا ہے اور ہم تم سے جنگ کرنے کیلئے نہیں آئے بلکہ ہم تو صرف اس گھر کو گرانے آئے ہیں تو حضرت عبدالمطلبؓ نے بھی جواب میں کہا کہ ہم بھی تم سے جنگ کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہم تم سے جنگ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہ خدا کا گھر ہے جو کہ اس کے خلیل کا بنایا ہوا ہے اگر اس نے اپنے گھر کے دشمن کو نہ روکا تو یہ اسکے گھر کی بے حرمتی ہے ہم اس گھر اور اس کے مالک کے درمیان حائل نہیں ہونگے پھر حضرت عبدالمطلبؓ بھی ان نمائندوں کے ساتھ ابرھہ کے پاس گئے۔ آپ نے اس سے ملنے کی اجازت طلب کی تو اس نے عبدالمطلبؓ کو جو خاندان قریش کی طرف سے بزرگ ہستی کے طور پر آئے تھے انہیں ملنے کی اجازت دی۔ ابرھہ نے آپکا بہت احترام کیا اپنے تخت پر بیٹھنے کی بجائے خود اتر کر ان کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا، اس نے عبدالمطلبؓ سے کہا آپ کی کیا حاجت ہے تو آپ نے کہا تمہارے لشکر نے میرے دو سو اونٹ پکڑ لئے ہیں۔ ابرھہ نے تعجب سے کہا آپ میرے لشکر کے ہاتھوں پکڑے گئے دو سو (۲۰۰) اونٹوں کی بات کیوں کرتے ہیں اور اس گھر کی بات کیوں نہیں کرتے جو آپ اور آپ کے آباؤ واجداد کے دین کا مظہر ہے، جسے گرانے کیلئے ہم آئے ہیں، اس سوال پر عبدالمطلبؓ نے کہا کہ میں اپنے اونٹوں کا مالک ہوں کعبے کا نہیں، کعبہ کا اپنا مالک ہے وہ خود جانے اور اس کا گھر۔ حضرت عبدالمطلبؓ واپس آئے تو قریش کو خبر دی کہ تم مکے سے نکل جاؤ، پہاڑوں اور غاروں میں پناہ لو اور ابرھہ کے لشکر سے خود کو بچاؤ جو بہت کثیر تعداد میں ہے۔

اس کے بعد آپ نے چند آدمیوں کے ساتھ مل کر کعبہ کے دروازے کو پکڑا اور خدا سے مدد کے لئے دعا کی کہ ہمیں لشکر ابرھہ پر غلبہ دے۔ جب ابرھہ نے مکے میں داخل ہونا چاہا تو اس کا ہاتھی جس کا نام "محمود" تھا مُخَمّس میں رک گیا لیکن جب اسے دوسری طرف موڑا جاتا تو چل پڑتا اس لشکر میں کل تیرہ ہاتھی تھے۔ ۵۷۰ میلادی کو یہ لوگ دروازہ مشعر الحرام پہنچے۔ پیچھے کی جانب خداوند کریم نے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے جنہوں نے تین تین پتھر کی کنکریاں ایک چونچ اور دو، دو پنجوں میں اٹھائی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اس طریقے سے سنگ باری کی کہ جس کسی کو پتھر لگتا وہ مر جاتا تھا پھر خداوند عالم نے ایک سیلاب بھیجا جس نے ان سب کو دریا میں پھینکا جو اس لشکر سے نکل گیا وہ بچ گیا اس صورت حال کے باعث ابرھہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا یوں خداوند عالم نے اپنی غیبی مداخلت سے ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا اور ابرہہ کا خواب شرمندہ تعبیر نہ

ہوسکا۔اس واقعہ کا ذکر سورہ مبارکہ فیل میں ہوا ہے۔

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيلِ☆ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ☆ وَ أَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ☆ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ☆ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ﴾ ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی چال کو بے مقصد نہیں بنا دیا؟ اور ان پر دستے دستے پرندے بھیج دیئے۔ جو ان پر سخت مٹی کے پتھر برسا رہے تھے۔ سو اس نے انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا۔'' (سورہ فیل)

یہ ایک عجیب اور غیر عادی منظر تھا بلکہ عربوں نے اسے بڑا معجزہ تصور کر کے کہا اگر ابرھہ اس جنگ میں غلبہ حاصل کرتا تو کعبہ منہدم ہو جاتا جس سے مسیحیت عربوں پر غلبہ حاصل کرتی اور وہ ان کو ذلیل و خوار کر کے اپنا تابع بنانے اور لوگوں کو یہودیت و مسیحیت اپنانے پر مجبور کرتے۔اس واقعہ کی اہمیت کے پیش نظر عربوں نے اس دن سے اپنی تاریخ کا آغاز کیا اور اسے ''عام الفیل'' کا نام دیا۔ اس سے پہلے عرب کی تاریخ ''کلاب'' کی موت کے دن سے چل رہی تھی پھر اس تاریخ میں تبدیلی آئی اور اسی سال کے ربیع الاول کے مہینے میں پیغمبر اسلامؐ پیدا ہوئے۔اس شہر والوں کیلئے پیغمبرؐ کی ولادت بھی خدا کی طرف سے رحمت والطاف تھی۔

اس واقعہ کا بنیادی کردار حبشی النسل شخص ابرھہ بن سباح الاشرم نے ادا کیا، لیکن بعد میں اسی خاندان کا ایک شخص پیغمبر اسلام پر ایمان لایا۔

سورۃ الفیل یا آمد اسلام کی گھنٹی

اگر ہم قرآن کریم کی تلاوت غور سے کریں تو نتیجہ واضح و روشن صورت میں سامنے آتا ہے کہ خداوند عالم نے یہاں داعیانِ الٰہی کو کامیاب و کامران بنانے کا وعدہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم انہیں دشمنوں پر غلبہ دینگے گرچہ لوگ اسلام دشمنوں کو رعب و دبدبے کا مالک کیوں نہ سمجھیں اور ان کے کثیر مال و دولت سے متاثر کیوں نہ ہوں سورۂ مبارکہ فیل میں پیغمبرؐ اور دین اسلام کی راہ پر چلنے والوں کیلئے قصے کے ساتھ ساتھ بشارت بھی ہے۔اس سورہ کے ضمن میں مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ابرہہ کا یمن سے ہاتھی لائے جانے کا مقصد یہ تھا کہ عربوں کے مقام اور عزت و بزرگی کو ہاتھی کی بدشکل سونڈ کے ذریعے آلودہ کر کے کم کر دے اور کعبہ کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر لوگوں کے رجحان کو خود ساختہ گھر کی طرف موڑنے پر مجبور کرے۔

۲۔مکہ اور اس کے اطراف میں رہنے والے ابرہہ کے مقابلے میں کمزور تھے جس کے باعث وہ ابرہہ کو ان مقدسات کی ممکنہ پائمالی سے نہیں روک سکتے تھے۔

۳۔عبدالمطلبؓ جنھیں اس گھر کا زعیم و سرپرست اور محافظ سمجھا جاتا تھا انھوں نے اس گھر کو تباہی سے بچانے کیلئے ادنی سی درخواست بھی نہ کی۔

۴۔جس اسلحے سے یہ عربوں کو ذلیل کرنا چاہتے تھے اس سے خود ذلیل ہوئے عبدالمطلبؓ نے گھر کی حفاظت کو گھر کے مالک پر چھوڑ دیا اور اپنے اونٹوں کی حفاظت کو ترجیح دی۔

۵۔خداوند عالم نے جس گھر اور نبی کو بچانے کا وعدہ دیا تھا اسے کافرین ومشرکین ختم نہیں کر سکتے تھے۔

یہاں ہم اپنے نبی کریمؐ کی ولادت باسعادت سے لے کر بعثت تک کی روئیداد کا ذکر کریں گے تا کہ اس دوران گزرنے والے صحیح واقعات آپؐ کی بعثت کے بعد اعلان رسالت میں کس حد تک موثر تھے اسی طرح بعض گھڑے ہوئے واقعات جنھیں بعض نادانستہ طور پر فضیلت تصور کرتے ہیں اور بعض عمداً دہراتے ہیں تا کہ کسی نہ کسی طرح سے آپؐ کی رسالت مشکوک قرار پائے۔اس سلسلے میں پہلے جزیرۃ العرب کی اجتماعی، سیاسی اور دینی صورت حال سے آگاہی ضروری ہے۔

ولادت تا بعثت

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ

ہم نے ہرامت میں رسول بھیجا کہ صرف اللہ کی عبادت کرواور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو پس بعض لوگوں کوتو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر مراہی ثابت ہوگئی پس تم خود زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟

(سورہ مبارکہ نحل آیت ۳۶)

ولادت تا بعثت

ولادت حضرت محمد ﷺ

آپؐ کے سلسلہ نسب کے بارے میں ارباب انساب عرب لکھتے ہیں کہ آپ فرزند عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نذار بن معد بن عدنان ہیں (عدنان عدن سے ہے کسی چیز کے کسی جگہ استقرار پانے کو عدن کہتے ہیں اسی وجہ سے جنت کی ایک صفت عدن ہے)معد بن عدنان تک آپ کے سلسلہ نسب کے متعلق علمائے انساب میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا لیکن عدنان سے حضرت اسماعیلؑ اور حضرت آدمؑ کے بارے میں بعض نے اختلاف کیا ہے ۔حضرت اسماعیل کی نسل مکہ میں قیدار بن اسماعیل کے ذریعے پھیلی ،والد کی طرف سے آپؐ کا نسب ہاشم بن عبد مناف اور ماں کی طرف سے کلاب بن مرہ تک پہنچتا ہے ۔ہاشم وکلاب دونوں عدنان کے پوتے تھے۔

مسیحیوں کی مفروضہ تاریخ میلاد مسیح کا ۵۷۰واں سال تھا کہ عالم بشریت کے ظلم واستحصال کے اس دور میں ایک طاقتور لشکر جنگی نے وسائل و ذرائع کی مدد سے روئے زمین پر خدا کی عبادت کیلئے بنے ہوئے گھر کو مسمار کر کے اسے بے نام ونشان کرنے کا ارادہ کیا یہ واقعہ فیل کے نام سے مشہور ہوا۔اہل مکہ نے بھی رائج سنت کی تأسی کرتے ہوئے اسے اپنی خوشی اور مصیبت کو اپنی تاریخ کا نکتہ آغاز قرار دیا۔انھوں نے اپنی سابقہ تاریخ کو بھلا کر ابرہہ کی لشکر کشی اور عبرت ناک شکست کے دن سے ہی اپنی نئی تاریخ شروع کر دی۔کعبہ کو مسمار کرنے کیلئے جس وسیلے پر لشکر کے قائد ابرہہ کو ناز تھا وہ ہاتھی تھا۔اسی کی بنیاد پر اہل مکہ نے اس سال کو عام الفیل قرار دیا یعنی ہاتھی کا سال۔اسی سال دنیائے بشریت کو چراغ ہدایت دکھا کر خدا کا آخری پیغام پہنچانے والی ہستی تشریف لائی آپؐ مکہ میں اخلاق و کردار کے حوالے سے مشہور ومعروف خاندان بنی ہاشم کے گھرانے میں پیدا ہوئی۔

آپؐ کا اسم گرامی محمدؐ اور کنیت ابوالقاسم ہے۔آپؐ کی حیات طیبہ کے بارے میں لکھی گئی کتابوں میں آپ کی حتمی تاریخ ولادت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔بعض نے ۹ ربیع الاول ،بعض نے ۱۲ ربیع الاول ،بعض نے ۱۷ ربیع الاول عام الفیل بتائی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ولادت با سعادت اور اسناد

تشیع کے بعض علمائے بزرگان نبی کریمؐ کی تاریخ ولادت میں پائے جانے والے اختلاف کو حق بجانب قرار دینے کیلئے دو باتوں سے استناد کرتے ہیں۔

۱۔ایک عظیم المرتبت پیغمبرؐ کی ولادت، بعثت اور رحلت کے بارے میں اختلاف کرنا انتہائی افسوس ناک صورتحال ہے جس کی کوئی توجیہ نہیں ہوسکتی گویا یہ حلقہ اس لہجے میں یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ تین تہائی اکثریت کی جانب سے اختلاف نا قابل توجیہ اور ایک چوتہائی کا اختلاف قابل توجیہ اور وزنی ہے۔

۲۔یہ حلقہ اپنی انتخاب شدہ تاریخ کو یہ کہہ کر صحیح گرداتنا ہے کہ یہ تاریخ اہل بیتؑ کی بتائی ہوئی ہے۔ان کا مزید کہنا ہے کہ کسی شخص کے بارے میں معلومات دوسرے لوگوں کی بہ نسبت اہل بیتؑ کو زیادہ ہوتی ہیں مثلاً بچہ پیدا ہونا، کسی کا وفات پانا، شادی کا ہونا اور گھر کی رازکی باتیں وغیرہ لہٰذا محلّہ والوں کو اس کا پتہ نہیں چلتا۔یہ بات صحیح نہیں کیونکہ محلّہ میں جب کسی کے ہاں بچے کی پیدائش ہوتی ہے یا کوئی فوت ہوتا ہے تو دوسرے یا تیسرے دن اس بارے میں پورے محلے کو علم ہوجاتا ہے چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم۔

۳۔انھوں نے اپنے مؤقف کی تائید میں کوئی مستند روایت اہل بیت اطہارؑ سے استناد کر کے پیش نہیں کی ہے بلکہ انھوں نے اپنی بات کو اہل بیتؑ کا مؤقف گردانا ہے۔

۴۔نبی کریمؐ کی بعثت کی تاریخ کے بارے میں اپنے مؤقف کو منوانے کیلئے امام سے مستند اور معتبر حدیث پیش کرنے کی بجائے رمضان میں نزول قرآن کریم کے معانی میں تحریف معنوی کرنے کی انتھک کوشش کی گئی ہے گویا حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنے اور فرقے کے بارے میں بے مقصد تشخص کو زندہ رکھنے اور اجلاسوں وسیمیناروں میں اتحاد امت پر تقریر کرنے میں ان دونوں کسی قسم کی ہم آہنگی اور ارتباط نظر نہیں آتا۔

آپ کا اسم گرامی محمد ﷺ

خداوند متعال کی جانب سے انسانوں کی ہدایت ورہبری کے لئے بھیجے جانے والے انبیاء ومرسلین کے سلسلہ کو ہمارے نبی کریمؐ کے بعد ختم کیا گیا۔آپؐ کے اسمائے گرامی اور صفات حمیدہ وجمیلہ کے بارے میں ارباب سیر وتاریخ نے نوک قلم کو حرکت میں رکھا ہے روایات اسلامی سے آپ کے بارے میں بہت سے اسماء وصفات بیان کیے ہیں لیکن ہم فلسفہ اسمائے کی روشنی میں ہی اسماء وصفات کو بیان کریں گے۔اسماء چاہے مادہ سمو سے بنا ہو یا سماء سے،مقصد مسمیٰ کو عمومیت سے نکال کر خاص کا لباس پہنانا ہے، اجتماع سے فرد میں لانا، بےنشان سے بانشان بنانا اور مبہم ومجمل سے نکال کر اسے واضح وروشن کرنا ہے،فلسفۂ اسم گزاری قدیم زمانے سے عصر حاضر تک انہی مقاصد کی خاطر وضع کیا گیا ہے،اس اصول کے تحت علمائے لسانیات نے ہر چیز کیلئے تین طریقوں سے اسماء وضع کرنے کی کوشش کی ہے،کثیر وجلیل مظاہر سے اس کیلئے صفات منتخب کی گئی ہیں،کبھی صفات اسماء پر غلبہ حاصل کرتی ہیں اور اسم ناپید ہوتا ہے،کبھی اسم اتنا پسندیدہ ہوتا ہے کہ جس صفت نے اس اسم کو باقی رکھا ہوتا ہے اس جیسی کوئی صفت نہیں بن سکتی۔تمام صفات اس اسم کے اندر گھل مل جاتی ہیں۔

آپ کے اسم گرامی میں تقدیم وتاخیر کے متعلق جاننے کیلئے اسم کی اقسام بیان کرتے ہیں:

اسم ارتجالی

وہ اسم جو والدین ابتداء میں مولود کیلئے رکھتے ہیں تا کہ اسی نام سے پکارا جائے ،والدین اور عزیز وا قارب کو یہ علم نہیں ہوتا مستقبل میں مولود کن صفات واوصاف کا حامل ہوگا لیکن وہ اپنے ارمانوں اور آرزوں کے تحت ایک اسم گزاری کرتے ہیں اسے اسم ارتجالی کہتے ہیں۔

اسم کنیت

یہ اسم شاید اہل عرب تک محدود ہے کیونکہ اہل عرب کسی کا ارتجالی نام لینے سے گریز کرتے ہیں وہ اس کو کسی بیٹے بیٹی کا باپ کہہ کر پکارتے ہیں اگر وہ بڑا ہونے کے بعد مزید مقام ومنزلت حاصل کرے اور محترم رہے تو یہی نام رائج رہتا ہے۔اس سنت کے تحت ہمارے پیغمبر کی آپ کے بڑے بیٹے کے نام سے کنیت ابوالقاسم ہے لیکن خدا نے جس نام کو پسند کیا ہے وہ نہ کنیت ہے نہ دیگر صفات ہیں بلکہ سب سے پسندیدہ صفت وہی ہے جسے آپ کی والدہ گرامی اور جد بزرگوار نے انتخاب کیا تھا خداوند کریم نے آپ کو اسی نام سے پکارا ہے چنانچہ قرآن کریم کی چار آیات میں آپ کو اسی نام سے یاد کیا گیا ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ ''محمدؐ تو بس رسول ہی ہیں ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں'' (آل عمران ۱۴۴) ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ ''محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ہاں وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں'' (احزاب ۴۰) ﴿وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''اور جو کچھ محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے اس پر بھی ایمان لائے اور ان کے رب کی طرف سے حق بھی یہی ہے'' (محمد ۲) ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں'' (فتح ۲۹)

قرآن میں آپ کا نام احمد بھی ذکر ہوا ہے:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ ''اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جن کا نام احمد ہے'' (صف ۶)

اس کے علاوہ خدا نے آپؐ کو ہمیشہ یا ایھا النبی کہہ کر خطاب کیا ہے۔

تاریخ میں آیا ہے عبدالمطلبؑ نے آپ کا نام آپ کے آبا ؤ اجداد اور قوم میں سے کسی کے نام پر نہیں رکھا عبدالمطلبؑ نے کہا میں چاہتا ہوں زمین و آسمان میں سب اس کی تعریف وستائش کریں خود جناب عبدالمطلب کا اصل نام شیبۃ الحمد تھا۔روایات میں آیا ہے کہ عبدالمطلبؓ نے آپ کا نام الہام الٰہی سے رکھا تھا کیونکہ یہ نام اسمائے عرب میں رائج نہیں تھا۔کہتے ہیں کہ عبدالمطلبؓ کو جب یہ خبر ملی کہ آمنہؑ کے ہاں ایک فرزند ہوا ہے تو آپ آمنہؑ کے پاس پہنچے اور بچے کو گود میں اٹھایا پھر انہیں کعبہ میں لائے اور وہاں بارگاہ خدا میں اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کیا۔

عبداللہؑ اور نذر عبدالمطلبؑ

پیغمبر اسلامؐ اور دیگر انبیاءؑ کے آباؤ واجداد کے بارے میں یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ ذوات عام فضائل و مناقب اور شرف کے حوالے سے دیگر انسانوں کی نسبت اپنے دور میں سب سے اعلیٰ وارفع فضائل کے مالک تھے۔

پیغمبرؐ کی سیرت کے بارے میں بہت سی ایسی کتابیں بھی ہیں جو آپ کی سیرت طیبہ سے متعلق قصہ کہانیوں سے بھری پڑی ہیں اور ان کا مقصد آپ کی ولادت سے پہلے اور بعد کے حالات کو طبیعی مسلمات اور عقلی حدود وقیود سے خارج کر کے اوہام و خیالات پر چلانا ہےتا کہ آپ کے معتقدین آپ کے حقیقی چہرے کو سمجھنے کی بجائے انہی چیزوں کو اہمیت دے دیں اگر کوئی نزاع و مخاصمت اور قیل وقال کرے تب بھی اسی حوالے سے نفی واثبات میں یہ معاملہ آگے چلتا رہے اور نوبت آپ کی ذات تک نہ پہنچ سکے۔ ان قصہ کہانیوں میں سے ایک قصہ جو ہوا میں معلق نظر آتا ہے آپ کے والد گرامی کو آپ کے جدامجد عبدالمطلبؑ کی طرف سے ذبح کرنے کی نذر ہے جسے اکثر و بیشتر مؤرخین نے آپ کی سیرت سے متعلق کتابوں میں لکھا ہے۔ کتب تاریخ میں آنے والی غیر معقول اور غیر شرعی اسناد پر مشتمل نقول میں سے ایک نقل عبدالمطلبؑ کی نذر ہے۔ اس بے ہودہ، غیر عقلی اور غیر شرعی نذر کے نقل کے بارے میں ہم نے اپنی کتاب انبیاء قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کی سیرت کے ساتھ اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مزید معلومات کیلئے اس کتاب کی طرف رجوع کریں تاہم اصل قصہ ابن اسحاق طبری اور ابن اثیر نے طبقات میں نقل کیا ہے۔ پیغمبرؐ سے یہ منسوب کرنا کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں یہ ایک بے بنیاد و غیر معقول بات ہے جو سیرت اور تاریخ نویسوں نے آپ کی حیات طیبہ کے بارے میں لکھی ہے۔ اس قصہ کو نقل کرتے ہوئے اکثر مورخین نے واقعے کو نقل کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے بعض نے اس پر اپنی توجیہات پیش کرنے کی کوشش کی ہے کئی دیگر نے اسے مسترد بھی کیا ہے۔

ہم صفحات حاضر پر عائشہ بنت شاطی کی کتاب معی المصطفیٰؐ کے صفحہ ۲۷ سے نقل کرتے ہیں جہاں یہ قصہ کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

عبدالمطلبؑ نے اپنے بیٹے حارث کے ہمراہ زم زم کے چشمہ کو کھودنا چاہا جو ایک عرصہ سے بند پڑا تھا تو قریش نے انھیں ایسا کرنے سے منع کیا۔ آپ نے خاندان قریش کی طرف سے ہونے والی مزاحمت اور ناگوار مقابلوں سے تنگ آ کر بتوں کے سامنے جا کر یہ نذر کی اگر ان کے ہاں دس (۱۰) بیٹے ہو جائیں تو ان میں سے ایک کو کعبہ کے سامنے ذبح کریں گے وقت گزرتا گیا اور عبدالمطلبؑ کے بیٹوں کی تعداد پوری ہوگئی، سب سے آخری اور چھوٹے بیٹے کا نام عبداللہؑ رکھا، جب عبداللہؑ بلوغت کی حد کو پہنچے تو عبدالمطلبؑ نے بیٹوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ چلو میرے ساتھ تا کہ اپنی پرانی نذر کے تحت تم میں سے ایک بیٹے کو کعبہ کے سامنے ذبح کروں والد کی اس خواہش پر ہر بیٹے نے اپنے اپنے نام کی ایک ایک پرچی لکھ کر کعبہ کے پاس فال نکالنے والے شخص کے حوالے کر دی، بالآخر قرعہ ہمارے نبی کریمؐ کے والد گرامی عبداللہؑ کے نام نکلا۔ نقل سے ظاہر ہوتا ہے اگر اس نذر میں آپ کی جان جاتی تو اس سے ہمارے نبی کی آمد خود بخود ختم ہو جاتی یہ تو اس کاہن عورت کا احسان تھا جس نے عبدالمطلب

ؓ کوعبداللہؓ کی قربانی سے منع کیا لیکن عبدالمطلبؓ کا جھکاؤ عبداللہؓ کی طرف تھا اوران کی نظریں ان پر جمی رہتی تھیں چنانچہ ان کا دل بیٹے کیلئے تڑپنے لگا، عبدالمطلب دل سے اپنے اس نذر سے دستبردار ہونا چاہتے تھے لیکن عرب میں رائج نذر و منت کی انتہائی وفاداری اور پابندی کی خاطر نذر سے پیچھے ہٹ نہیں سکتے تھے جبکہ عرب کے قریش کی نظر میں بھی عبدالمطلبؓ کی نذر غیر پسندیدہ اور غیر معقول تھی بلکہ انھیں نذر پر عمل کرنے سے روکنے کی کوشش کر رہے تھے اس سلسلے میں قریش کا موقف یہ تھا کہ اگر ایک دفعہ اس نذر پر عمل ہوا تو یہ ایک سنت بن جائے گی اور جب تک روئے زمین پر انسان موجود رہیں گے انھیں یہ عمل کرنا پڑے گا۔ قریش کی جانب سے اس ردعمل پر عبدالمطلبؓ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھے یہ کام کرنے نہیں دیتے تو مجھے اس بارے میں مشورہ دو۔ قریش نے عبدالمطلبؓ کو یہ مشورہ دیا کہ خیبر میں ایک فال گیر ہے آپ اس سے مشورہ کریں۔ جب عبدالمطلبؓ نے خیبر کی عرافہ کو اپنا ماجرا سنایا تو فال نکالنے والی عرافہ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے ہاں انسان کا کتنا دیہ ہے تو انہوں نے کہا کہ دس (۱۰) اونٹ، چنانچہ عرافہ نے عبدالمطلبؓ سے کہا کہ آپ کعبہ کے پاس جائیں وہاں دس (۱۰) اونٹوں اور عبداللہؓ کے درمیان قرعہ اندازی کریں اور جب بھی قرعہ میں عبداللہؓ کے نام نکلے تو اونٹوں میں مزید دس کا اضافہ کریں اور قرعہ اندازی کا عمل دھرائیں، یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھیں یہاں تک کہ خدا اونٹوں پر راضی ہو جائے، عبدالمطلبؓ فال گیر سے مشورے کر کے واپس مکہ پہنچے اور قرعہ اندازی کے عمل کو اسی انداز میں بجالائے جس طرح فال گیر نے بتایا تھا۔ قرعہ اندازی کے عمل کے دوران جب اونٹوں کی تعداد سو (۱۰۰) تک پہنچی تو قرعہ اونٹوں پر نکل آیا۔ اس موقع پر قریش کے لوگوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں لیکن عبدالمطلبؓ اپنے ایمان وصداقت کی بنا پر اس عمل سے مطمئن نہیں تھے۔ انھوں نے قرعہ اندازی کے عمل کو مزید تین بار دھرایا ہر بار قرعہ اونٹوں پر نکلا تو اونٹوں کو حرم کے پاس چھوڑ کر لخت جگر عبداللہؓ کو اپنے ساتھ گھر لے گئے بعد ازاں عبدالمطلبؓ قبیلہ بنی زہرہ کے پاس گئے قبیلہ بنی زہرہ نسب وشرف میں بلند مقام رکھتا تھا، وہاب بن عبدالمناف بن زہرہ ان کا رئیس تھا، عبدالمطلبؓ نے ان کی بیٹی آمنہ کی اپنے بیٹے عبداللہؓ سے شادی کیلئے خواستگاری کی۔

دریں اثنا اہل مکہ اس قصہ پر عبداللہؓ کے دلدادہ ہوگئے کیونکہ عبداللہؓ ذبح کے مرحلے میں آنے کے بعد بچ چکے تھے۔ ام القریٰ مکہ میں مشعل روشن کی گئی اور ہر جگہ محافل ومجالس کے علاوہ رقص وغنا کی تقریبات منعقد کی گئیں یوں اس قصۂ ذبح سے اسماعیلؑ کی قربانی کے واقعہ کی یاد تازہ ہوگئی جسے عرب عدنانیہ یعنی اولاد اسماعیلؑ نسل بہ نسل یاد کرتی چلی آرہی تھی اس واقعہ کے بعد مکہ کی محافل ومجالس میں عبداللہؓ کا ذکر عام وخاص ہر زبان پر جاری ہوگیا، یہاں تک کہ یہ قریش کی دوشیزاؤں کی توجہ کا مرکز بنے، ان کی ایک جھلک دیکھنا ہر ایک کی خواہش وآرزو بن گئی ان کی گزرگاہوں خاص کر کعبہ اور بنی زہرہ کے ہاں جاتے وقت قریش کی دوشیزائیں اپنے آپ کو پیش کرتیں اور ان سے شادی کی خواہش کا اظہار کرتیں یہاں تک کہ ان دوشیزاؤں کی طرف سے کہا گیا کہ اگر عبداللہؓ ان سے شادی کرلیں تو وہ ان کے بدلے ذبح کئے گئے اونٹوں کی تعداد کو دوبارہ پورا کرنے کیلئے تیار ہیں اس قسم کی پیشکش کرنے والوں میں ایک سے فاطمہ بنت مُرّ تھی جسے مکہ میں سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین

عورت سمجھا جاتا تھا بعض روایات کے مطابق وہ قبیلہ خثعم کی کاہنہ تھی، دوسری عورت لیلیٰ عدویہ تھی جس کا کہنا تھا کہ میں عبداللہؑ کی پیشانی میں نور دیکھ رہی ہوں جب عبداللہؑ کی شادی آمنہؑ بنت وہاب زہری سے ہوئی تو اس کے بعد جب عبداللہؑ کا گزر ان عورتوں کے سامنے سے ہوتا تو یہی عورتیں ان کی طرف پہلے کی مانند متوجہ نہیں ہوتی تھیں، عورتوں کے رویے میں اس اچانک تبدیلی پر عبداللہؑ کو تعجب ہوا اور ان سے اس بارے میں استفسار کرنے لگے اس پر نوفل کی بیٹی نے جواب دیا تیرے چہرے میں موجود پہلے والا نور اب نہیں لہٰذا ہمیں اب تمہاری ضرورت نہیں، فاطمہ بنت مر نے کہا کہ ہماری پیشکش ایک ہی دفعہ تھی میں چاہتی تھی کہ پہلے تمہارے چہرے میں موجود نور میرے اندر منتقل ہو جائے لیکن خدا نے ایسا نہیں ہونے دیا، اسی طرح لیلیٰ عدویہ کا کہنا تھا کہ جب میں نے تمہاری پیشانی پر نور دیکھا تو میں نے اپنے آپ کو پیش کیا لیکن تم نے مسترد کر دیا تم نے آمنہؑ سے شادی کی ہے اب وہ نور ختم ہو گیا ہے۔ یہ باتیں جب آمنہؑ تک پہنچیں تو پہلے سے زیادہ عبداللہؑ سے متاثر ہوئیں یہاں تک کہ انھیں شب زفاف کے دوران خواب میں نظر آیا کہ ان کے وجود سے ایک نور نکل کر دنیا کو روشن کر رہا ہے ایک ہاتف نے آسمان پر یہ ندا دی کہ تم سید البشر کی ماں بنی ہو۔ یہ قصہ اتنا مشہور و معروف ہو گیا کہ محدث قمی نے پیغمبرؐ کی زیارت کے فقرات میں یہ کلمات نقل کئے ہیں جن میں کہا جاتا ہے کہ میں فرزند ذبیحہ ہوں۔

قارئین کرام ذبح عبداللہؑ کے اس قصہ سے متعلق بعض تجزیاتی نکتوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں:

۱۔ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ قصہ راوی کی روایات میں موجود متن کے کلمات اور اس کے سیاق وسباق کے تحت کس حد تک اس کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔ ایک انسان عاقل وہ بھی سرزمین مکہ میں قریش کی سرکردہ و محترم شخصیت عبدالمطلبؑ سے کیا اس قسم کی نذر کی توقع کی جا سکتی ہے؟

۳۔ اگر فرض کیا جائے حضرت عبدالمطلبؑ کافر و مشرک تھے جیسا کہ اس روایت میں ہے کہ بتوں کے سامنے گئے تو کیا آپ ایسی نذر کر سکتے تھے۔

۴۔ عبدالمطلبؑ کے ایک موحد اور خدا پرست انسان ہونے کے حوالے سے یہ قصہ کس حد تک صداقت پر مبنی ہے۔

عبدالمطلبؑ اور نذر عبداللہؑ تجزیہ و تحلیل کی گذرگاہ میں

عبدالمطلبؑ کی جانب سے عبداللہ کو بتوں کے سامنے نذر کئے جانے سے متعلق واقعے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل نکات کتب تاریخ میں آئے ہیں جنھیں سلسلہ وار ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ عبدالمطلبؑ کے سب سے چھوٹے فرزند عبداللہؑ تھے آپ حسن و جمال میں بینظیر و بے مثال ہونے کی وجہ سے اپنے والدین اور عزیز و اقارب کے علاوہ اہل شہر و دیار کیلئے قابل دلکش و فریفتہ انسان تھے۔

۲۔ حضرت عبدالمطلبؑ اپنی نذر کے مطابق جب عبداللہؑ کو کعبے میں بتوں کے پاس لے جا رہے تھے تو ان کی عمر پچیس (۲۵) سال تھی اس طرح کیا ان کے ذبح ہونے کیلئے قرعہ اندازی، شادی اور وفات تینوں واقعات انتہائی محدود زمانے میں رونما ہوئے؟

۳۔ابوجعفر طبری اور عبدالملک بن ہشام کے مطابق عبدالمطلبؑ اپنے بیٹے کے ہمراہ بنی اسد کی ایک عورت کے نزدیک سے گزرے۔بنی اسد کی عورت کا نام ام قتال تھا یہ قبیلہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ سے تھی یہ ورقہ بن نوفل بن اسد کی خواہر تھی جو کہ کعبہ کے پاس رہتی اور لوگوں کو مشورہ دیا کرتی تھی،اس نے اپنے پاس سے گزرنے والے عبدالمطلبؑ کے بیٹے سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو،عبداللہؑ نے جواب میں کہا والد کے ساتھ جا رہا ہوں،اس عورت نے اس موقع پر ان سے شادی کی خواہش ظاہر کی اور ان کے ذبح کے بدلے نحر کئے گئے سو(۱۰۰)اونٹوں کو انھیں دینے کی پیشکش کی،جس پر عبداللہؑ کا جواب تھا کہ میں اپنے باپ کا کہنا مانوں گا اور اپنے باپ کا ساتھ دوں گا میں نہ ان سے الگ ہوں گا اور نہ ان کی مخالفت کروں گا۔عبدالمطلبؑ بیٹے کو لے کر وہاب بن عبد مناف بن زہری کے پاس گئے آمنہؑ بنت وہب کے رشتے کیلئے خواستگاری کی۔محمدؐ کے مقام و منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے ان کے نبی بن جانے کا علم کون کیسے جان سکتا ہے۔اس سلسلے میں چند عقلی تصورات بن سکتے ہیں:

☆ انسان کے اندر متحرک حس،امید،آرزو اور خواب شاید انسان کو کہانت گوئی اور تخرص کی طرف لے جائے اور تصورات کے سمندر میں ڈوب جانے کے بعد اپنا ارمان اور آرزو اس کیلئے یقین میں تبدیلی ہو جائے۔

☆موسیٰؑ جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو خداوند عالم نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو نبوت کیلئے منتخب کیا،موسیٰؑ کو یقین نہ آیا اور خداوند عالم سے اپنے نبی بننے کی دلیل مانگی تو خداوند عالم نے انھیں ید بیضا اور عصا کی نشانی عطا کی۔ہم پیغمبر کی سیرت طیبہ کے بارے میں دیکھتے ہیں کہ جب آپؐ غار حرا میں حالت عبادت و اعتکاف میں تھے تو اس دوران جبرئیل نے آپ کو پڑھنے کیلئے"اقراء" کہا تو آپ کو اندازہ نہ ہوا کہ آپ کو نبوت مل رہی ہے۔غار حرا سے واپسی کے بعد بھی آپ نے کوئی ایسا جملہ نہیں فرمایا جس میں یہ کہا ہو کہ مجھے خدا نے منصب نبوت پر فائز کیا ہے۔

☆ کوئی شخص یا افراد کسی دوسرے کے بارے میں اس وقت کچھ کہہ سکتے ہیں کہ جب انھوں نے متعلقہ فرد کے بچپنے سے جوانی تک کے معاملات کو قریب سے دیکھا ہو۔مثلاً والدین اور عزیز و اقارب اپنے بچے کی شیر خوارگی سے لے کر سن بلوغت اور خلوت و جلوت میں اس کے ساتھ ہوتے ہیں لہٰذا وہ اس کے اندر موجود تمام اعلیٰ و ارفع اور بری صفات کے بارے میں جانتے ہیں اس سلسلے میں پیغمبرؐ کو سمجھنے کیلئے آپؐ کے دادا عبدالمطلبؑ یا چچا حارث کو ان کے بارے میں زیادہ پتہ ہونا چاہیے تھا نہ کہ دور کے لوگوں کو۔

☆انسان نطفے سے بنا ہے جبکہ نطفہ خون اور مٹی سے بنا ہے اس میں کوئی ایسا نور نہیں ہوتا جو دیکھنے میں آجائے۔

☆جب عورت حاملہ ہو جاتی ہے تو خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ تم نہیں جانتے کہ رحم مادر میں کیا ہے۔ایک ایسے مرحلے پر جب نطفہ غذا یا خون کی صورت میں باپ کے جسم کے خلیوں میں ہو اور اس نے نطفہ کی شکل بھی اختیار نہ کی ہو تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کو نظر آجائے۔

☆عبداللہؑ کی پیشانی میں نور جن عورتوں نے دیکھا وہ مشرکہ و کافرہ عاشقہ تھیں جبکہ خود آپ کی زوجہ آمنہ بنت وہب نے ایسے کسی نور کے دیکھنے کی بات نہیں۔

☆اس روایت میں موجود کلمات کے مطابق بالفرض عبداللہؑ کو شرک اور بتوں کا گرویدا مانا جائے تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ اس وقت مشرکین بتوں کے حضور بہترین نذورات کے طور پر کیا کرتے تھے۔ یہ تو تاریخ میں ملتا ہے کہ انسان مقرر کرنے کی نذر کی گئی جیسے حضرت مریمؑ کی والدہ (حنہ) نے اپنے شکم میں موجود بچے کو بیت المقدس کی خدمت کیلئے نذر کر دیا:

﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي﴾ ''جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے' اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی' تو میری طرف سے قبول فرما!'' (آل عمران ۳۵)

لیکن بتوں کیلئے کسی انسان کے ذبح کرنے کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی ہے جبکہ قصہ کے متن سے یہ بھی واضح ہے کہ عبدالمطلبؑ کی نذر پر عمل درآمد سے مشرکین پریشان تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس خدشہ کا اظہار بھی کیا کہ اگر عبدالمطلبؑ اس نذر پر عمل درآمد کریں گے تو یہ نسل در نسل سنت بن جائے گی، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین کی سابقہ سنت نہیں تھی۔

☆عبدالمطلبؑ عاقل اور سمجھدار ہونے کے ساتھ انتہائی فہم و فراست اور شجاعت کے مالک تھے جس کے باعث انہوں نے ابرہہ کو دوٹوک جواب دیا تھا۔ ایسی شخصیت دیوانہ پن کا مظاہرہ کر کے اپنے عزیز ترین بیٹے کو بت کے سامنے کیونکر نذرانہ کر سکتی ہے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو یہ ان کیلئے موجب لعن و نفرین بنتا۔ لہٰذا حضرت عبدالمطلبؑ جیسے سیاستمدار اور قریش کے سرور آقا تو دور کی بات کسی احمق کی طرف سے بھی کوئی ایسا کام کرنے کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی اور نہ آئندہ ایسا واقعہ پیش آئے گا۔

☆عبدالمطلبؑ خدا کو کعبہ کا محافظ سمجھتے تھے نہ کہ بتوں کو، کیونکہ وہ مؤمن تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے ابرہہ سے کہا کہ میں اونٹ کا مالک ہوں گھر کا مالک کوئی اور ہے وہ جانے تم جانو لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مؤمن اتنی جلد بازی میں نفس محترمہ کو قتل کرنے کی نذر کرے۔ نذر بذات خود مستحسن ہوتی ہے لیکن یہاں یہ فعل قبیح ہے۔

☆انسان وہ نذر کر سکتا ہے جس کا وہ مالک ہو لیکن جن چیزوں کا وہ مالک نہیں وہ انھیں اپنے لئے استعمال میں تو لا سکتا ہے یا ان سے استفادہ کر سکتا ہے لیکن فنا نہیں کر سکتا جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب ذبح ولد کا خواب دیکھا تو آپ نے اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہیں کیا بلکہ اس بارے میں فیصلہ اسماعیلؑ پر چھوڑا تو کیا عبدالمطلبؑ اپنے بیٹے کو چپکے سے ذبح کرنے لگے تھے۔

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾ ''پھر جب وہ اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ چلے پھرے تو اس نے کہا میرے پیارے بچے!

میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟'' (صافات۱۰۲)

☆قرعہ اندازی کے نتیجے میں سو(۱۰۰) اونٹوں کے نحر کیے جانے پر مکہ کی سرزمین پر مشرکین نے انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا لیکن اس بارے میں کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا کہ سو کے سو اونٹ کس مقام پر کن کن لوگوں نے نحر کیے اور اتنی بڑی مقدار میں بننے والے گوشت کے کھانے والے کون تھے یا اس گوشت کا کیا کیا گیا، بدقسمتی سے امت اسلامی میں عصائے ارتداد بعض ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو عقل و نقل مسلّم کے بغیر سامنے آنے والی ضعیف و مشکوک احادیث پر تنقید اور شکوک و شبہات کرنے والوں کو مختلف طریقے سے اس کا نشانہ بناتے ہیں تا کہ کسی کو لب کھولنے کی ہمت نہ ہو، ان کی طرف سے مشکوک احادیث کو کبھی نبی کی شان میں، کبھی اصحاب تو کبھی اہل بیتؑ کی شان میں ظاہر کر کے من وعن منوالیا جاتا ہے جس کا مقصد جتنا ہو سکے نبوت، رسالت اور اسلام یہاں تک خدا کو مشکوک قرار دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ توحید، رسالت اور اسلام کے بارے میں اہانت و جسارت کرنے کے بعد بھی ان کے بال تک نہیں ہلتے بلکہ یہ نچلی سطح کے حلقوں کی عظمت و بزرگی کے پاسدار بنے رہتے ہیں۔

پیغمبر ﷺ اور یتیمی

کتب تاریخ و سیر میں ہے کہ پیغمبر اسلامؐ اپنی مادر گرامی کے شکم میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔ بعض کے مطابق آپؐ کے والد گرامی کی وفات آپؐ کی پیدائش کے اٹھائیس دن بعد ہوئی۔ جب آپؐ چھٹے سال کے ہوئے تو ماں کا سایۂ شفقت بھی سر سے اٹھ گیا۔

محمد ﷺ کی رضاعت

عرب میں عام طور پر اور اشراف میں بالخصوص یہ عادت تھی کہ وہ اپنے ہاں پیدا ہونے والے مولود کیلئے مرضعہ کی تلاش کرتے جو دودھ پلانے میں مشہور ہوتی۔ ان کے بچوں کو دودھ پلانے کیلئے قبیلہ بنی سعد کو مشہور سمجھا جاتا تھا یہ عام طور پر بچوں کو دودھ پلانے کیلئے کسی دیہاتی عورت کی تلاش میں رہتے تھے تا کہ بچہ کھلی فضا اور آزاد ماحول میں پرورش پا سکے چونکہ دیہاتوں میں بچوں کی نشو نما بغیر کسی پابندی کے آزاد ماحول میں ہوتی ہے اور وہاں بچوں کے چلنے پھرنے میں مکمل آزادی ہوتی ہے یوں بچوں کے ارادے قوی ہوتے ہیں اور وہ جسمانی تربیت کے طبعی مراحل میں شجاع ہو جاتے ہیں۔ دیہاتوں کی یہ صفت امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں بیان فرمائی ہے پیغمبر اسلامؐ کے جد بزرگوار حضرت عبدالمطلبؓ نے آپؐ کو ریاست و زعامت کے گھرانے میں پرورش دینے کی بجائے ایک بادیہ نشین فقیر و محروم عورت کہ جس کا نام حلیمہ بنت ابی ذویب سعدیہ قبیلہ بنی سعد کے حوالے کر دیا تا کہ وہ آپؐ کو اپنے قبیلہ میں لے جائیں۔ حلیمہ سعدیہ، بنی سعد بن ابی بکر کی خواتین کے کاروان کیساتھ دودھ پلانے کیلئے بچوں کی تلاش میں مکہ آئی ہوئی تھیں اس موقع پر ان کے شوہر بھی ساتھ تھے۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہم مکہ پہنچے تو ہر دودھ پلانے والی عورت کے سامنے محمدؐ کو پیش کیا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ یتیم ہے اور دودھ پلانے والی عورت کی تکریم و احترام والدین کرتے ہیں، جب مجھے کوئی بچہ نہ ملا تو میں نے محمدؐ کو گود میں لے لیا۔ حلیمہ نے آپؐ کی چار سال تک پرورش کی۔

بعض کے مطابق پیغمبر اسلامؐ جب پیدا ہوئے تو آپؐ یتیم ہی تھے یعنی حمل کے دو ماہ گزرنے کے بعد آپؐ کے والد گرامی جناب عبداللہؑ وفات پاگئے تھے۔ آپؐ کی عمر ۶ سال ہوئی تو آپؐ کی والدہ ماجدہ آمنہؑ بنت وہب آپؐ کو اس سن طفولیت میں چھوڑ کر رخصت ہوئیں اور آپؐ ماں کے سائے سے بھی محروم ہوگئے۔ یتیمی در یتیمی سے منتقل ہوتے ہوئے آپؐ اپنے جد بزرگوار عبدالمطلبؑ کی کفالت میں آئے انہوں نے والد او روالدہ دونوں کی ذمہ داریاں بطریق احسن نبھائیں۔ ۸ سال کی عمر میں رؤف و مہربان جد بزرگوار نے بھی اپنا دست کفالت ارادۂ الٰہی سے اٹھایا اور اس دنیا سے رخصت ہوئے وہ حد سے زیادہ آپؐ سے محبت اور شفقت رکھتے تھے جناب عبدالمطلب اس نور چشم کو اپنے عم بزرگوار کے ہاتھ میں انتہائی سفارش اور نصیحتوں کے ساتھ بطور امانت چھوڑ گئے وہ خود کثیر العیال اور مالی حوالے سے فقیر تھے جبکہ آپ کے دادا او روالد گرامی نے پانچ اونٹوں چند گوسفند اور ایک کنیز کے علاوہ کوئی ترکہ نہیں چھوڑا تھا۔ خداوند متعال نے ابتداء ہی سے تربیت ہمرپرست اور طبعی مراحل و درجات سے الگ رکھ کر آپؐ کی نشو ونما کی تا کہ دنیا اور خاص کر شکوک و شبہات پھیلانے والے لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ یہ ایسی ہستی ہے جسکے اندر ذاتی صلاحیت و قابلیت اسی وجہ سے آئی ہے کہ وہ اس عظیم گھرانے میں پیدا ہوئے جو جزیرۃ العرب میں خانہ خدا کے سرپرست تھے پورے اہل عرب کی توجہات انکی طرف تھیں۔ ان کے پاس تربیت اولاد کے وسائل و ذرائع موجود تھے اور یہی چیزیں ان کے مراحل طبعی میں دخل انداز تھیں لہٰذا خداوند عالم نے اشرف المخلوقات کو ان طبعی طور اثر انداز ہونے والی چیزوں اور اس فضا و ماحول سے محروم و دور رکھا اور انتہائی قسم کے فقر و فاقہ، تنگ دستی، منت و سماجت، مشکلات، صعوبتوں اور سختیوں کے جھیلنے اور سامنا کرنے کے دور سے گزارا تا کہ نبوت و رسالت ملنے کے موقع پر ان تمام مشکلات کا مقابلہ کرسکیں۔

پیغمبر اکرمؐ مکہ کے معاشرے میں معنوی و روحانی حوالے سے محترم گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لیکن آپ دوسرے زاویوں سے ایسے خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے "جو افرادی قوت سے طاقت و قدرت کا مالک ہو یا مال و دولت کے حوالے سے مضبوط ہو" لہٰذا جب آپ نے نبوت کا اعلان کیا تو مشرکین نے آپ کے بارے میں وہی جملہ کہا جو قوم بنی اسرائیل نے طالوت کے انتخاب کے بارے میں کہا تھا۔ اہل مکہ کا مزید کہنا تھا کہ اگر خدا کو سرزمین مکہ کیلئے نبی منتخب کرنا تھا تو بنی مخزوم کے ولید ابن مغیرہ یا طائف کے رئیس کو ہی منتخب کرتا۔

گرچہ خداوند عالم نے اپنے بعض انبیاءؑ مثلاً موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی ولادت کا ذکر انکے بچپنے کے دور سے ہی اور صریح الفاظ میں نام لے کر شروع کیا ہے لیکن آپؐ کے دور ولادت اور آغاز زندگی کے بارے میں اتنے اشارے پر اکتفا کیا کہ آپ یتیم و بے سرپرست اور فقیر و تنگ دست تھے ہم نے آپ کو اپنی نظارت و رحمت کے سائے میں پالا ہے جنہیں خداوند متعال نے اس حالت میں اٹھایا ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ انہیں تنہا چھوڑ دیں جیسا کہ سورۂ والضحیٰ میں ذکر ہوا ہے:

﴿ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ☆ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ☆ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ﴾ "کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر پناہ دی؟ اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی؟ اور آپ کو تنگدست پایا تو مالدار کر دیا" (ضحیٰ ۶ تا ۸)

بربریت کے بادل کے سائے میں مستضعفین کو صلح کے مشورے

نبی کریمؐ کی ولادت سے بعثت کے دورانیے کو دنیا میں ظلم و بربریت کا دور مانا جاتا ہے اس کے متعلق نہج البلاغہ کے متعدد خطبات میں امیر المومنینؑ کے کلمات بھی ملتے ہیں اس دور میں اصحاب اخدود کا قتل و کشتار ہونا، مکہ پر ابرھہ کی چڑھائی، انفرادی طور پر ضعیف و ناتواں سے مال و دولت کی چھیننا جھپٹی، گزرگاہوں پر ڈاکہ و چوری کے بڑھتے ہوئے واقعات اور امن و امان کی خراب صورت حال سے صاحبان ضمیر و وجدان اور ارباب سلیم فطرت یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ انسانیت کو یا تو کسی قانون کے دھارے میں لایا جائے یا کسی گروہ و فرد کی سرپرستی میں دے دیا جائے۔ یہ سوچ ابتدائی طور پر مایوس کن حالات میں آگے بڑھ رہی تھی کیونکہ جب تک کوئی سوچ اجتماعی شکل اختیار نہیں کرتی اس کی انفرادیت معاشرے میں عام طور پر پوچھی جاتی ہے کہ یہ سوچ کتنے لوگوں کی ہے کیونکہ کم لوگوں کی وجہ سے اس کے مؤثر ہونے کی حیثیت و اہمیت کم ہوتی ہے لہٰذا اجتماعی سوچ کا ہونا ضروری ہے۔ اصحاب اخدود کے بارے میں خداوند عالم نے فرمایا:

﴿قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ☆ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ☆ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ☆ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ﴾

"خندقوں والے ہلاک کیے گئے وہ ایک آگ تھی ایندھن والی جبکہ وہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ جو کر رہے تھے اس کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے۔" (بروج ۴تا۷)

امن مکہ کو لاحق خطرہ

مکہ کے امن کو اس وقت خطرہ لاحق ہوا جب فجار پیش آئی اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جنگ فجار کے اسباب

کہا جاتا ہے کہ بنی ضمرہ سے تعلق رکھنے والے براض بن قیس حرب بن امیہ کا پناہ دہندہ تھا، براض بن قیس نے ہذیل قبیلے کے ایک شخص حارث کو قتل کر دیا جس پر حرب بن امیہ نے قیس کو اپنے ہاں سے نکال دیا، وہ نعمان بن منذر سے جاملا، بعد ازاں وہ عروہ بن عتبہ بن جعفر بن کلاب کا ساتھی بن گیا۔ نعمان ہر سال مکہ کے بازار عکاظ میں ایک قافلہ بھیجتا تھا، عرب ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے تھے لیکن خود نعمان نے بلعا بن قیس کے ایک بھائی کو قتل کر دیا جس پر بلعا نے نعمان کے قافلے پر جوابی حملہ کر دیا۔

جنگ فجار

جزیرۃ العرب میں دو جنگیں لڑی گئیں جو بعد میں فجار کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ایک جنگ مکہ کے گرد و نواح میں ہوئی جو بعد میں چار جنگوں پر منتج ہوئی جبکہ دوسری یثرب میں ہوئی:

پیغمبر اسلامؐ کی عمر جب بیس (۲۰) برس ہوئی تو جنگ فجار پیش آئی، اس جنگ میں ایک طرف قریش اور ان کے حلیف بنو کنانہ جبکہ دوسری جانب قبیلہ قیس، بنی عیلان اور ان کے حامی تھے۔ یہ جنگ مکہ اور طائف کے درمیان واقع مقام نخلہ پر وقوع پذیر ہوئی۔ یہ جنگ اتنی ہولناک تھی کہ اس میں مکہ مکرمہ یعنی حرم اور حرام مہینے دونوں کی حرمت چاک کی گئی جس کی وجہ سے

اسے جنگ فجار کا نام دیا گیا،اس جنگ میں بہت سارے لوگوں کا قتل عام ہوابالآخرفریقین میں صلح ہوگئی۔جنگ کا با قاعدہ اختتام ایک معاہدے کے ساتھ ہوا۔اس جنگ میں پیغمبرؐ بھی شریک ہوئے ۔جنگ کے خاتمے کیلئے معاہدہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ہوا جو"حلف الفضول" کےنام سےمعروف ہوا۔اس معاہدےکوپایہ تکمیل تک پہنچانےوالوں میں زبیر بن عبدالمطلب سرفہرست تھے ۔معاہدے میں طے پایا کہ مکہ یا بیرونِ مکہ سے آنےوالا کوئی شخص مظلوم نہیں رہےگااوران کی مدد کرتے ہوئے انھیں اپنے حقوق دلوائے جائیں گے،معاہدے میں پیغمبرؐاور آپ کا خاندان بھی شامل تھا۔جب خداوند عالم نے آپؐ کونبوت سے نوازاتواس وقت آپؐ نے اس معاہدے کے بارے میں فرمایا میں اپنے چچا کے ہمراہ عبداللہ بن جدعان کےگھر میں ہونےوالے حلف الفضول میں شامل تھا،یہ میرا پسندیدہ معاہدہ تھاجسے توڑنا نہیں چاہتا اگر چہ اسےتوڑنے کیلئے مجھےسرخ اونٹ کیوں نہ دیا جائے ۔اس وقت سرخ اونٹ عربوں کے ہاں پسندیدہ ہوتا تھا آپؐ نے فرمایا کہ اسلام حلف پرپابندرہنےکی دعوت دیتا ہے جسے میں بہت پسند کرتا ہوں۔

سب کا خون اس ایک مقصد کیلئے بہے گا

اگر چہ سرزمین مکہ سیاسی اوراجتماعی طور پرآزادعلاقہ تھااوروہاں کسی خاص گروہ یاحکومت کی بالادستی قائم نہیں تھی لیکن کعبہ کی وجہ سے اطراف واکناف میں رہنےوالے عربوں کیلئے یہ جگہ مقدس ومحترم تھی اوریہ اس کے احترام کوسب اپنا فرض سمجھتے تھے یہاں کے رہنےوالےاپنی زندگی کوکعبہ کے رحم وکرم پرگردانتے تھےاوراپنی گزراوقات کوکعبہ کےمرہون منت سمجھتے تھے،قرآن کریم کی سورہ قریش میں اہل مکہ کواسی نعمت کی یاددلائی گئی ۔غرض یہاں کےلوگوں میں امن وامان کے حوالےسےعدم تحفظ کا احساس تھاجس کیلئےلوٹ مار،قتل وغارت گری اورڈاکہ زنی جیسی بدکردارحرکتوں کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے تھی چنانچہ برائیوں کی روک تھام شہر کی نیک نامی کیلئے اجتماعی حرکت کی ضرورت کااحساس کرتے ہوئے پہلے مرحلے پرصلح کا مشورہ اورعہدوپیمان کا ایک اجتماع منعقد کیا گیا۔

پہلا اجتماع

اس کا اہتمام عبدالمطلبؓ اورعاتکہ بن عبدالمطلب نے کیا،اس موقع پرانھوں نےعطروخوشبوکا بھی اہتمام کیااوربعض شخصیات کوبلاکرکہا کہ وہ اس پرہاتھ رکھ دیں جس میں رمزواشارہ ہوگا یہ اپنے اوردوسروں کیلئے حامی اورداعی ہوں گے،بعض دوسروں کا کہنا ہے کہ اس کا اہتمام کرنےوالی ام حکیم بیضادختر عبدالمطلب تھی۔

دوسرا اجتماع

اس اجتماع میں بنی مخزوم،بنی عبدالدار اورسہم وعدی وغیرہ شامل تھےانھوں نے ایک گائے ذبح کی تا کہ اس کے خون میں ہاتھ ڈالیں اورعہد کریں کہ مشکلات وشدائد میں ایک دوسرے کے حامی وناصرہوں گے یہ معاہدہ بعد میں "حلف لعقع" کے نام سےمشہورہوا۔

حلف الفضول

جزیرۃ العرب میں حکومت وعدالت نامی کوئی چیز نہ تھی کہ جس کا دروازہ مظلوم دادرسی کیلئے کھٹکھٹاتے ۔ سارا عرب قبائلی نظام میں جکڑا ہوا تھا اگر کسی قبیلے کا کوئی فرد دوسرے قبیلے کے کسی فرد کو قتل کرتا تو مقتول کا قبیلہ صرف اس قاتل سے باز پرس نہ کرتا بلکہ قاتل کے پورے قبیلے کو اپنے انتقام کا نشانہ بناتا تھا لہٰذا کسی مسافر و غریب الوطن یا کمزور قبائل کو طاقتور قبائل سے انصاف ملنا ممکن نہیں تھا، سرزمین مکہ میں بھی کوئی حکومت وعدالت گاہ نہیں تھی وہاں دارالندوہ تھا جہاں قریش کے دس قبائل وعشائر کے نمائندے بیٹھتے تھے یہ درحقیقت ایک دوسرے کے حلیف تھے اگر غیر قریشی قبیلے سے ان کا واسطہ پڑتا تو یہ قریشی قبائل متحد ہو کر اس قبیلے کیساتھ لڑتے ایسے اوقات میں وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون اس دور کے عربی اخلاق کے تحت کہتے تھے کہ اپنا بھائی چاہے ظالم ہو یا مظلوم اس کی مدد کرو ۔

یہ ایک معاہدے کا نام ہے جو پیغمبر اسلامؐ کی بعثت سے پہلے عبداللہ بن جدعان کے گھر پر وقوع پذیر ہوا، اس معاہدہ کے اسباب وعلل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ زبید نامی ایک شخص مکہ میں مال تجارت لے کر آیا تو اس سے وہ مال تجارت قریش کی ایک سربرآوردہ شخصیت عاص بن وائل نے ادھار میں خرید لیا لیکن بعد میں اس نے اس کی قیمت دینے سے انکار کر دیا ۔ زبیدی نے دیگر عشائر وقبائل قریش سے مدد مانگی کہ اس سے مال واپس دلوائیں کیونکہ عاص ایک بڑی شخصیت اور قبیلے کا سربراہ تھا لہٰذا ان قبائل نے ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے انکار کر دیا ۔

اس بے چارے نے اپنی شکایت عاص بن وائل کے حلیف قبائل عبدالدار، مخزوم، جمح، اور عدی وغیرہ تک پہنچائی لیکن انہوں نے اس سے بے اعتنائی برتی اور الٹا اسے دھمکیاں دے کر خالی ہاتھ واپس لوٹا دیا زبیدی ان سے مایوس ہونے کے بعد طلوع آفتاب کے وقت جب قریش حرم میں محفل جما کر بیٹھتے تھے، جبل ابی قبیس پر چڑھ کر بلند آواز میں فریاد کرنے لگا کہ اے فہر کی اولاد، اس مظلوم کی آواز سنو کہ جس کا مال ومتاع مکہ شہر میں چھین لیا گیا ہے غریب الدیار اور بے یار ومددگار ہے ۔ احرام کی حالت میں اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، اس نے ابھی عمرہ ادا نہیں کیا، مکہ کے رئیسو! میری فریاد سنو، مجھ پر حطیم اور حجر اسود کے درمیان ظلم کیا گیا ہے ۔ عزت وحرمت تو اس کی ہے کہ جس کی شرافت کامل ہو، جو فاسق وفاجر اور دھوکہ باز ہو اس کے لباس کی تو کوئی حرمت و تکریم نہیں ہوتی ۔ یہ فریاد حرم میں موجود تمام قریشیوں نے سنی لیکن اس بے چارے کی فریاد پر زبیر بن عبدالمطلب کو کان دھرنے اور دل دھڑکنے کا اعزاز وافتخار نصیب ہوا وہ بے تاب ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ اب یہ بات اس حد تک قابل صبر وتحمل نہیں کہ ہم اس پر خاموش رہیں یہاں غریبوں کا حق غصب ہو یا لوٹ مار ہو چنانچہ ان کی فریاد پر وہاں موجود بنی ہاشم، بنو زہرہ، اور بنی طیبن بن مرہ کے سردار بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ عبداللہ بن جدعان تیمی کے گھر میں جمع گئے یہ حضرت ابوبکرؓ کے چچا تھے ۔

درج بالا روساء نے معاہدہ کیا کہ ہمیشہ متحد اور یک دست ہو کر ظالم کے خلاف مظلوم کا ساتھ دینگے انہوں نے خدا سے وعدہ کیا کہ اس معاہدہ پر کاربند رہیں گے کیونکہ یہ معاہدہ انتہائی شرافت وفضیلت کا آئینہ دار تھا چنانچہ تاریخ عرب اور تاریخ قریش

میں یہ ایک یادگار معاہدہ بن گیا جو بعد میں "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہوا۔ کتاب سیرۃ النبیؐ ندوی کے حاشیہ پر اسکو حلف الفضول کہنے کی توجیہ میں لکھا گیا ہے کہ اس معاہدہ کی طرف بلانے والے اشراف مکہ کے تین افراد تھے ان تینوں کا نام فضل تھا جن میں سے ایک کا نام فضل بن فضالہ، دوسرے کا نام فضل بن وداع اور تیسرے کا نام فضل بن حارث تھا بعض نے انکے نام فضل شراعہ، فضل بن بزاعہ اور فضل بن اوزاع لکھے ہیں جبکہ بعض نے ان کے نام فضل بن قضاعہ، فضل بن مشاعہ اور فضل بن بصاعہ لکھے ہیں۔ اشراف کے ناموں کی وجہ سے اس معاہدہ کا نام حلف الفضول پڑ گیا بعض کا کہنا ہے کہ اسکے اختتام پر قریشیوں نے کہا کہ یہ لوگ ایک بافضیلت عمل میں داخل ہوئے پیغمبرؐ نے بعد میں فرمایا "میں نے قریش کو کسی بہتر حلف میں جمع ہوتے نہیں دیکھا سوائے اس کے"۔

پیغمبر اسلام ﷺ اور تعمیر کعبہ

سیرت پیغمبرؐ میں ایک موضوع تعمیر کعبہ میں آپ کی شرکت ہے۔ کعبہ جیسا سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۷ میں آیا ہے کہ خدا کی پرستش وعبادت کے رمز کیلئے حضرت ابراہیم خلیلؑ کے ہاتھوں بننے والا پہلا گھر ہے اس گھر کے معمار حکم خدا سے ابو الانبیاء ابراہیمؑ اور ان کے فرزند ذبیح اسماعیلؑ تھے۔

> ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ "ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ ہمارے پروردگار! تو ہم سے قبول فرما تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔" (بقرہ ۱۲۷)

روئے زمین پر اس ذات لامکان کیلئے ایک مکان جس میں وہ مکین نہیں کی ضرورت کیوں پیش آئی اس سلسلے میں علامہ رمضان بوتی اپنی کتاب فقہ السیرہ میں لکھتے ہیں۔ اس گھر کے معمار حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں بت پرستی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ہر جگہ اور ہر گھر میں ہر وقت بت پرستی ہی بت پرستی ہوتی تھی اس بت پرستی کے ہوتے ہوئے انسان معبود حقیقی کو بھول چکے تھے، امیر المومنین نہج البلاغہ کے خطبہ اول میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ابتدائی دور میں بت پرستی اپنی پریشانیوں کی تسلی وتشفی کی خاطر اور اس کے گمان کے تحت شروع ہوئی کہ بت خدا اور ہمارے درمیان واسطہ ہیں لیکن گزشت زمان کے ساتھ یہ بت معبود اصلی کی شکل اختیار کر گئے جس کی وجہ سے لوگ اصلی خدا کو بھول گئے۔ اس دور کے بت پرست خود ایک دوسرے سے بھی دور ہو گئے کیونکہ ہر قبیلے نے اپنا بت اپنے گھروں میں رکھا تھا تاہم وہ مرکز توحید سے دور ہو گئے۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ یہ بت تمہیں فائدہ دے سکتے ہیں نہ نقصان نفع ونقصان سے عاری بت پرستی سے لوگوں کو خدا کی واحدانیت و یگانگت کی طرف دعوت دینے کے بعد دوبارہ خدا اور بندوں کے درمیان رابطے کیلئے پتھر ومٹی سے بنے ایک گھر کے گرد چکر لگانا بہت سے لوگوں کے اذہان میں شکوک وشبہات کو جنم دینے کا سبب بنتا ہے۔ ممکن ہے اس سے منافقین ومستشرقین یہ کہہ سکیں بت پرستی اور کعبہ میں کیا فرق ہے۔ جب خدا ہے تو اس گھر سے رشتہ کیسا۔ کیا خدا پرست اور توحید پرست اس پتھر کے گرد

گردش نہیں کرتے تھے۔ یہاں سے اس فکر کو بھی تقویت ملی کہ شرک وبت پرستی پہلے سے فطرت میں تھی اور توحید نے بعد میں جنم لیا۔ ان کی اس فکر کے شواہد سادہ لوح عوام کے کردار سے بھی ملتے ہیں جو تمام تر حاجتیں کعبے کے درو دیوار سے مانگتے ہیں کثیر آیات میں ہے کہ بت نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں دوسروں کیلئے تو درکنار اپنے آپ کو نفع ونقصان سے نہیں بچا سکتے چنانچہ دنیا کو یہ بتانے کیلئے یہ معبود نہیں ہیں بلکہ خود بھی حوادث زمانہ کی زد میں ہیں کعبہ چندین بار آسیب کا شکار ہوا۔ پیغمبرؐ کی بعثت سے پہلے مکے میں سیلاب آیا جس سے کعبے کی دیواروں میں شگاف پڑ گیا۔ اور اس کی بنیادیں ہل گئیں۔ قریش نے محسوس کیا ہماری عزت وشرافت اس گھر کے واسطے سے ہے جو ابراہیمؑ کی یادگار ہے اس وجہ سے کعبہ کی تعمیر نو کو قریش نے اپنے اولین فرائض میں شمار کیا۔ تمام قریش نے اس گھر کی تعمیر کیلئے جانی ومالی معاونت کی جس سال قریش نے کعبہ کی تعمیر کا کام شروع کیا اس وقت پیغمبرؐ کی عمر ۳۵ سال تھی آپؐ نے بھی دوسروں کی طرح پتھر اٹھا کر شرکت کی۔

جب دیوار کعبہ حجر اسود رکھنے کی جگہ تک پہنچی تو قریش میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ حجر اسود کون اٹھا کر یہاں رکھے گا اختلاف یہاں تک پہنچا کہ جنگ چھڑنے کا خطرہ لاحق ہوا کسی نے مشورہ دیا اس مشکل کو حل کرنے کیلئے اس کو حکم تسلیم کریں جو سب سے پہلے کعبے میں داخل ہو اور اس کا فیصلہ ہم سب کیلئے قابل قبول ہو۔ چنانچہ سب سے پہلے پیغمبرؐ مسجد الحرام میں تشریف لائے جس پر سب نے خوشی محسوس کی کہ صادق وامین یہ فیصلہ کریں گے جن کی پاکیزگی پر سب کو اطمینان تھا پیغمبرؐ نے ایک چادر منگوائی اور حجر اسود کو اٹھا کر اس میں رکھا اس کے بعد تمام قبائل سے فرمایا اس چادر کے کونوں سے پکڑو اور اسے دیوار کے پاس لے جاؤ جب پتھر کو دیوار کے پاس لایا گیا تو پیغمبرؐ نے حجر اسود خود اٹھا کر اس جگہ پر رکھا۔ دوسری بار جب یزید ابن معاویہ کے دور میں لشکر شام نے غارت گری کرتے ہوئے حصین بن نمیر سکونی کی قیادت میں عبداللہ ابن زبیر کا محاصرہ کیا تو یزید کے حکم سے تقریباً ۶۳ ھ کو مسجد الحرام میں منجنیق سے پتھر برسائے گئے جس سے کعبہ کو نقصان پہنچا۔ جب حج کا موسم آیا اور حاجی حج کیلئے آئے تو ان سے کعبے کی تعمیر کے بارے میں مشورہ لیا گیا ابن عباس نے کہا جو چیز خراب ہوئی ہے صرف اسے بنائیں باقی چھوڑیں۔ عبداللہ ابن زبیر اس پر راضی نہ ہوا اور کہا اگر تمہارا گھر گرے گا تو کیا تم اسکی تعمیر نہیں کرو گے اس نے کہا میں تین دن یہاں رہوں گا پھر فیصلہ کروں گا لہٰذا تین دن بعد اسے گرا کر دوبارہ بنوانے کا فیصلہ ہوا پھر بنیاد رکھی گئی اس میں اس نے چھ بالشت جگہ جو باہر نکلی تھی وہ داخل کی اور دس ہاتھ بلند کیا اس کے بعد جب حجاج ابن یوسف نے عبدالملک سے کہا عبداللہ ابن زبیر نے ایک باب نکلنے کیلئے اور ایک داخل ہونے کیلئے بنایا ہے۔ عبدالملک بن مران نے کہا جس ہاتھ سے عبداللہ بن زبیر نے بنایا ہے ہم اس میں ہاتھ نہ ڈالیں گے اگر اس نے زیادہ بنایا ہے تو اسے اپنی جگہ قائم رکھو اگر پتھر آگے پیچھے رکھا ہے تو وہیں رہنے دو لیکن اس نے جو دروازہ کھولا ہے اسے بند کر دو۔ جب ہارون رشید نے کہا کہ نئے سرے سے بنائیں تو مالک بن انس نے کہا کہ خدا کیلئے ایسا نہ کریں یہ کعبہ لوگوں کے ہاتھوں کا کھیل بن جائے گا ہر بادشاہ اسے گرا کر دوبارہ بنائے گا۔

نبی کریم ﷺ کی نبوت کے بارے میں تخرصات

نبی کریمؐ کی نبوت میں کاہنوں، راہبوں، منجموں تخرصات رجم بالغیب کرنے والوں کی قصہ کہانیوں میں سے ایک آپؐ کی سفر شام کی داستان ہے۔

نبی کریم ﷺ اور سفر شام

کتب سیر و تاریخ میں آپؐ کی سیرت کی بارے میں ایک موضوع آپؐ کا شام کی طرف سفر کرنا ہے۔اس حوالے سے تین مرتبہ سفر میں جانے کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ ایک روایت کے مطابق جب آپ کی عمر بارہ سال کو پہنچی تو آپؐ کے چچا ابو طالبؓ نے تجارت کے سلسلے میں شام جانے کی تیاری کی آپؐ نے ساتھ چلنے پر اصرار کیا،ابو طالبؓ محبت میں آپ کو ساتھ لے جانے سے انکار نہ کر سکے ۔اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ابو طالبؓ کے ساتھ اس سفر میں قریش کے بعض سربراہان بھی تھے۔جب یہ قافلہ دیر راہب پر پہنچا تو تھوڑی دیر آرام کرنے کی غرض سے سامان اتارا گیا اس موقع پر راہب دیر سے نکل آیا اور قافلہ میں کسی کو تلاش کرنے لگا یہاں تک کہ پیغمبرؐ کے ہاتھ کو پکڑ کر کہا کہ یہ عالمین کے سردار ہوں گے۔قریش کے بزرگان نے راہب کی بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ عالمین کے سردار بنیں گے جس پر راہب نے کہا تم لوگ مکہ کے عقبہ سے نکلے تو کوئی درخت اور پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدے میں نہ گرا ہو اور اس کے شانے پر سیب کی طرح مہر نبوت ہے ۔بعد ازاں راہب نے قافلے کیلئے کھانا بنایا، اس وقت پیغمبرؐ اونٹ چرا رہے تھے۔راہب نے کہا کہ انہیں بلائیں جب آپ آئے تو آپ پر بادل سایہ کئے ہوئے تھے۔جب آپ قافلے کے نزدیک آئے اور درخت کے سائے میں پہنچے تو سایہ صرف آپؐ پر پڑا۔راہب نے قسم کھا کر کہا اسے روم مت لے جاؤ اگر یہودیوں نے انہیں پہچان لیا تو قتل کر دیں گے جس پر ابو طالبؓ نے ابو بکرؓ اور بلالؓ کے ساتھ انہیں واپس مکہ بھیج دیا۔

۲۔جس وقت پیغمبرؐ کی عمر بیس (۲۰) سال اور ابو بکرؓ اٹھارہ (۱۸) سال کے ہوئے تو آپ دونوں نے حضرت ابو طالبؓ کے ساتھ شام جاتے ہوئے سدر کے درخت کے نیچے قیام کیا اس موقع پر ابو بکرؓ نے راہب سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جس پر راہب نے ان سے پوچھا کہ درخت کے نیچے کون ہے ۔انھوں نے کہا یہ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔راہب فوراً بولا واللہ! یہ نبی ہیں کیونکہ اس درخت کے نیچے عیسیٰؑ کے بعد صرف نبیؐ نے بیٹھنا تھا ۔یہ بات ابو بکرؓ کے دل میں بیٹھ گئی چنانچہ جب پیغمبرؐ مبعوث بہ نبوت ہوئے تو ابو بکرؓ آپ پر ایمان لائے۔

دوسرا سفر

خدیجہؓ بنت خویلد جو قریش کے متوسط خاندان سے تعلق رکھتی تھیں آپ کو طاہرہ اور سیدہ قریش کہہ کر پکارا جاتا تھا کیونکہ آپ شرافت وفضلیت کے بلند مرتبے پر فائز تھیں ۔حضرت خدیجہؓ کے پاس بہت مال و دولت تھا جس سے آپ تجارت کرتی تھیں ۔

خدیجۃ الکبریٰ = کی خواہش تھی محمدؐ اُن کے مال تجارت کو شام لے کر جائیں کیونکہ آپ جانتی تھیں محمدؐ صدق وصفا عفت او رپیکرِ اخلاق وامانتداری کے حامل انسان ہیں ۔انہوں نے پیغمبرؐ سے کہا آپؐ میرا مال لے کر میرے غلام میسرہ کے ساتھ شام جائیں میں آپ کو دوسروں سے زیادہ منافع دوں گی ۔رسول اللہؐ نے اس پیشکش کو قبول فرمایا اور شام روانہ ہوئے راستے میں دیر راہب کے قریب قیام فرمایا، راہب نے پیغمبرؐ کو دیکھنے کے بعد سر اٹھا کر میسرہ سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے جو درخت کے نیچے بیٹھا ہے؟ میسرہ نے کہا یہ قریش کا ایک آدمی ہے جو اہل حرم ہے ۔راہب نے کہا اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کوئی نہیں بیٹھتا ۔

پیغمبرؐ مال فروخت کرنے کے بعد وہاں سے دوسری نوعیت کا مال خرید کر مکہ واپس روانہ ہوئے ۔سفر کے دوران میسرہ ہمیشہ پیغمبرؐ پر نظر رکھے ہوئے تھا ایک مرحلے پر اس نے دیکھا جب گرمی بڑھ گئی تو دو ملک آپؐ کو سورج کی تپش سے بچا رہے تھے، مکہ پہنچنے پر میسرہ نے راہب کی بات اور راستے میں ملائکہ کے سایہ کرنے کے واقعہ کو خدیجہؓ کے سامنے بیان کیا اس روایت کے مقابل میں ابن سید نے کتاب عیون میں ایک اور روایت نقل کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ابو طالبؑ نے پیغمبرؐ سے اپنی بے چارگی ،محرومیت اور روزگار کی تنگی کی شکایت کرتے ہوئے آپؐ کو رغبت دلائی کہ خدیجہؓ کا مال لے کر تجارت کے سلسلے میں شام جائیں ۔

مندرجہ بالا روایتیں اپنی جگہ اضطراب واختلاف اور عبارات میں ایک دوسرے سے زیادہ مختلف ہیں اس کے علاوہ مضمون ومعنائے روایت انسانِ عاقل اور تلاشِ حقیقت کرنے والوں کے ذہنوں میں کئی سوالات پیدا کرتے ہیں راویوں نے بالفرض اگر سفر شام کو مشکوک نہیں بھی بنایا تو کم سے کم وہ تفاصیل جو معجزات وکرامات پر مشتمل ہیں ضرور مشکوک تھی ہیں ۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل سوالات قاریوں کے اذہان میں آتے ہیں :

۱۔پیغمبر اکرمؐ ایک متین وسنجیدہ اور بردبار شخصیت کے حامل انسان تھے انہوں نے کس طرح ابو طالبؑ کے ساتھ جانے پر اصرار کیا؟

۲ ۔ابو طالبؑ ۱۲ سالہ بچے کو مکہ سے شام کے طویل اور مشکل سفر کیلئے ساتھ لے جانے پر کیسے آمادہ ہوئے؟

۳۔جس وقت پیغمبرؐ کی عمر ۱۲ سال تھی اس وقت بلالؓ اور ابو بکرؓ ان سے بھی چھوٹے تھے اس لئے ابو طالبؑ نے اس طویل سفر میں کیسے تین بچوں کو واپس مکہ بھیجا؟

۴۔وہ کونسا درخت تھا جس کے نیچے صرف نبی بیٹھتے تھے آیا خدا نے کسی اور کو بیٹھنے سے روکا تھا یا لوگوں کو کس طرح معلوم تھا کہ اس درخت کے نیچے عام لوگوں کو بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے؟

۵۔جس وقت ابو طالبؑ کا قافلہ عقبۂ مکہ سے نکلا تو درختوں اور پتھروں کے پیغمبرؐ کیلئے سجدہ کرنے کو صرف اور صرف راہب بحیرہ نے کیسے دیکھا آیا ابو طالبؑ اور ان کے ساتھیوں نے اسے نہیں دیکھا؟

۶۔پیغمبرؐ کیلئے درختوں اور پتھروں کے سجدہ کرنے کی کیفیت اور نوعیت کیا تھی؟

۷۔آیا درخت اور پتھر خدا کے علاوہ انبیاءؑ کیلئے بھی سجدہ کرتے ہیں جبکہ عقل و شرع دونوں کسی بھی چیز کو غیر خدا کے سامنے سجدہ کرنے سے منع کرتے ہیں؟

۸۔قافلے میں موجود دوسرے افراد میں سے کسی نے بھی بادل کو سایہ کرتے ہوئے دیکھ کر نہیں پوچھا کہ یہ ہستی کون ہیں جن پر بادل نے سایہ کیا ہے؟

۹۔ابوبکرؓ بحیرہ راہب کی خبر سن کر پیغمبرؐ پر ایمان لے آئے لیکن خبر دینے والا راہب کیوں محمدؐ پر ایمان نہ لایا؟

۱۰۔شام میں رومیوں کی حکومت تھی جہاں مسیحی آباد تھے نہ کہ یہودی تو کیسے راہب نے شام میں داخل ہونے سے منع کیا؟

۱۱۔میسرہ نے راہب سے پیغمبرؐ کی نبوت کی خبر اور پیغمبرؐ پر ملائکہ کو سایہ کرتے ہوئے دیکھا اسی طرح جس وقت پیغمبرؐ نے دعوائے نبوت کیا تو لوگ آپ کی بات تک نہیں سنتے تھے تو اس وقت میسرہ کہاں تھا؟

۱۲۔حضرت خدیجہؓ نے میسرہ کی بات سن کر خود کو پیغمبرؐ کی زوجیت میں دینے کا اصرار کیا لیکن وہ غلام (میسرہ) جس نے محمدؐ کی کرامات بیان کیں عقد خدیجہؓ کے وقت کہاں تھا۔

۱۳۔رسول اللہؐ اور سفر شام کے بارے میں علامہ محقق ابوالحسن ندوی اپنی گرانقدر کتاب سیرت نبویؐ کے صفحہ ۱۵۰ پر لکھتے ہیں کہ مکہ اور شام کی سرحد پر عیسائیوں (نصاریٰ) کے بحیرہ نامی عالم دین رہتا تھا وہ معمول کے مطابق اپنے رہبانیت خانہ میں مقیم تھا کہ حضرت محمدؐ اپنے چچا کے ہمراہ وہاں پہنچے تو اس عیسائی راہب نے پہلے تو محمدؐ کو کھانے پر دعوت دی بعد ازاں یہودیوں کی جانب سے لاحق خطرات سے ڈرا کر واپس مکہ بھیجنے کا مشورہ دیا جس پر ابو طالبؑ نے محمدؐ کو واپس مکہ روانہ کیا۔

اس واقعے سے استناد کرتے ہوئے ایک فرانسیسی مستشرق (CARRA DE VAUX) نے ایک کتاب تحریر کی جس کا نام ''مؤلف قرآن'' رکھا جس میں وہ لکھتا ہے کہ محمد نے قرآن راہب سے سیکھا۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں بعض مؤرخین و سیرت نویسان اس طرح کی کئی قصہ کہانیاں نبی کریمؐ کے فضائل و مناقب میں شمار کر کے نقل کرتے ہیں تو دوسری جانب عوام اور دانشوروں کی اکثریت اس جیسی بہت سی دیگر حکایتوں سے لطف اندوز ہوتی ہے لیکن ذرہ برابر عقل و شعور اور قرآن کی حقانیت پر ایمان رکھنے والے اس قصے کے گرد و پیش پر طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد اس بات کا یقین کر سکتے ہیں کہ یہ مستشرقین کا گھڑا ہوا قصہ ہے۔ علامہ موصوف اس قصہ کے بارے میں مندرجہ ذیل اشکالات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ آیا ۹ سے ۱۲ سالہ لڑکے نے ایک مسیحی انسان سے کھانے کی نشست کی مدت میں ایسے مسائل کے کلیات کا سبق لیا ہوگا حالانکہ آپ منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد شرک و مسیحیت کے باطل کو جڑ سے اکھاڑنے والا تھے۔

۲۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس تعلیم میں ایسی باتیں ہوں جو ۳۰ سے ۴۰ سال یعنی بحیرہ راہب کی ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کے بعد شرمندہ تعبیر ہوئیں جیسا کہ روم کے مسیحیوں کو فارس کے سامنے پہلے شکست ہوگی پھر وہ دوبارہ طاقتور ہوں گے جس کے بعد وہ ایک بار پھر غلبہ حاصل کریں گے۔ اس سلسلے میں سورہ مبارکہ روم کی آیت ا تا ۷ ملاحظہ فرمائیں۔

﴿الٓمٓ☆غُلِبَتِ الرُّوْمُ☆فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ☆فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَیَوْمَىِٕذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ☆بِنَصْرِ اللّٰهِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ☆وَعْدَ اللّٰهِ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ☆یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ "الم۔ رومی مغلوب ہوگئے ہیں نزدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائینگے۔ چند سال میں ہی اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اس روز مسلمان شادمان ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے وہ جسکی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اصل غالب اور مہربان وہی ہے اللہ کا عدوہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے وہ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر ہیں۔"

۳۔ معجزات شام کے بارے میں ابوالحسن ندوی ص ۱۰۳ پر سیرۃ ابن ہشام حصہ اول ص ۱۶۸ علامہ شبلی نعمانی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایات مرسلات میں سے ہیں لیکن جن سے انھیں نقل کیا گیا ہے وہ معلوم نہیں ہیں۔ ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں کہ ان روایات کو صحابہ کی بجائے غیروں اور مجہول اشخاص سے نقل کیا گیا ہے۔ تاہم قارئین کرام یہ معجزات کئی اور حوالوں سے بھی مخدوش ہیں:

الف۔ ان روایات کا راوی عبدالرحمن بن غزوان ہے جو علماء رجال کے نزدیک مشکوک ہے چنانچہ علامہ ذہبی نے اس سے نقل شدہ روایات کو روایات نکیرہ قرار دیا ہے۔

ب۔ ذہبی کہتے ہیں سفر شام میں ذکر ہے کہ ابو طالبؑ نے پیغمبرؐ کو بلالؓ کے ساتھ راستے سے واپس بھیجا حالانکہ اس وقت بلالؓ کہاں تھے اور اس وقت ابوبکرؓ نے بلالؓ کو نہیں خریدا تھا، انھوں نے بلالؓ کو پیغمبرؐ کی بعثت کے بعد خریدا۔

ج۔ بعض کے مطابق اس وقت ابوبکرؓ بھی موجود نہیں تھے کیونکہ ابوبکرؓ پیغمبرؐ سے دو سال چھ ماہ چھوٹے تھے۔

د۔ ان معجزات کا ذکر ابو طالبؑ نے کسی سے نہیں کیا اور نہ ہی یہ پیغمبرؐ سے منقول ہیں۔

ھ۔ معجزات کے بارے میں یہ واقعات مستشرقین کے مذموم عزائم کا حصہ ہیں جنھیں پیغمبرؐ کی نبوت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کیلئے گھڑا گیا ہے کیونکہ مستشرقین نے دعویٰ کر رکھا ہے کہ پیغمبرؐ نے نبوت اور قرآن کو دین عیسیٰؑ کے علماء سے لیا ہے جسے ثابت کرنے کیلئے ان معجزات کو گھڑ لیا گیا ہے۔

اگر ایسا کوئی معجزہ اس وقت صادر ہوا ہوتا تو قرآنِ کریم میں اس کی طرف ضرور اشارہ کیا گیا ہوتا۔

ان نکات کے علاوہ اس سفر شام کے بارے میں اور بہت سے سوالات اذہان میں ابھرتے ہیں جن سے یہ احساس ہوتا ہے یہ واقعہ پیغمبرؐ کے دشمنان نے آپؐ کی رسالت اور انسان ساز تعلیمات کے بارے میں غور کرنے سے روکنے اور اذھان کو مشکوک و وہمی معجزات میں مصروف و مشغول رکھنے کیلئے گڑھا ہے۔

انتخاب نبوت

الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي
التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ
الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ
كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ
اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

جولوگ ایسے نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تو رات و انجیل میں لکھا ہوا
پاتے ہیں ۔وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ
چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور
طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں
اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ
پوری فلاح پانے والے ہیں۔

(سورہ مبارکہ اعراف آیت ۱۵۷)

انتخاب نبوت

تمہید بعثت نبی کریم ﷺ

میلاد نبیؐ کریم ،تاریخ عرب کی سر فصل اور نقطہ آغاز ہے ۔آپؐ کعبہ پر ابرہہ کی لشکر کشی کے چالیس سال بعد مبعوث بہ رسالت ہوئے یہ واقعہ اپنی تمہیدات وانجام کے حوالے سے دنیا میں اہل کفر و باطل اور شرک کی تنگ نظری ،حرص وطمع ،لالچ اور سازشی ذہنیت کی ترجمانی کرتا ہے ۔ساتھ ہی اس بات کی وضاحت بھی سامنے آتی ہے کہ ارادۂ خداوندی کسی بھی وقت بڑے سے بڑے طاقت وقدرت مند کو حیران وسرگردان کر کے انجام تک پہنچا دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ آخر ہمارے ساتھ اتنا بُرا حشر کیوں ہوا لیکن وہ اس کے اسباب وعوامل تک پہنچنے سے قاصر و ناتواں رہتے ہیں یہ واقعہ کافرین و مشرکین کی سنت اور خداوند متعال کی سنت جاریہ کی نہی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

تاریخ بعثت

سرزمین مکہ پر نبی کریمؐ کی بعثت کا سورج کس سن اور کس مہینے میں طلوع ہوا،اس حوالے سے سنہ پر تو سب مسلمانوں کا اتفاق ہے لیکن مہینے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے،علمائے امامیہ عام طور پر ۲۷ رجب المرجب ۴۰ عام الفیل کو روز بعثت قرار دیتے ہیں ۲۷ رجب کیلئے زیارتیں نقل کی ہیں جیسا کہ شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب سفینۃ النجات ج ۱ میں حرف "البلد بعده اللعین" ذکر کیا ہے جبکہ مفاتیح الجنان میں اس کی سند کتاب مصباح الکفعمی بتائی گئی ہے مصباح الکفعمی کے بارے میں آیت اللہ محمد باقر خونساری اپنی کتاب روضات الجنات ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ اس کتاب میں "لعنت من الحسین و فوت من الحسین" ہے۔ دوسرے محقق آفندی فرماتے ہیں کہ صاحب مصباح الکفعمی شاہ اسماعیل صفوی کے ہم عصر تھے لیکن اہل سنت والجماعت نے بعثت کے مہینے کو ماہ مبارک رمضان قرار دیا ہے،ماہ مبارک رمضان میں پیغمبرؐ کا مبعوث برسالت ہونا قرآن کریم کی آیات سے مستند ہے۔نبی کریمؐ کی بعثت کا آغاز نزول قرآن سے ہونے پر پوری ملت اسلامیہ کا اتفاق ہے جبکہ ارشاد خداوندی ہے

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ "یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا" (قدر ۱)

اور سورہ بقرہ میں بھی خداوند متعال فرماتے ہیں کہ ہم نے قرآن کو ماہ رمضان میں نازل کیا

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ "ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔" (بقرہ ۱۸۵)

لہٰذا تاریخ بعثت کا رمضان کے مہینے میں ہونا قرآن سے ثابت ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی چالیس (۴۰) سالہ عمر میں بعثت کا آغاز

دنیا کے انسان شناس ماہرین کہتے ہیں "انسان جب چالیس سال کا ہوتا ہے تو اس کا جھکاؤ فکری وجسمانی طور پر زوال کی طرف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔" لیکن خداوند متعال نے دنیا کو شقاوت وبدبختی کی انتہا سے نکال کر سعادت و نیک بختی کی طرف

لانے کیلئے چالیس سال کی عمر میں پیغمبرؐ کو عہدہ نبوت پر فائز کیا۔ پیغمبرؐ نے بچپن سے ہی فطرت توحید پر پرورش پائی۔ کبھی بھی بت اور بت پرستوں کے سامنے خاضع نہیں ہوئے، جب آپؐ اپنی قوم کو ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی تعظیم واحترام کرتے ہوئے دیکھتے تو تعجب کرتے۔ آپ ہمیشہ بت اور بت پرستوں سے دور رہنے کو بہتر سمجھتے تھے۔ آپ اہل مکہ کو جہالت و نادانی پر مبنی اجتماعی و دینی خرافات کی دلدل میں پھنستے دیکھ کر تنگ آ گئے تھے لہٰذا آپ نے خود کو ان سے علیحدہ کر کے ایک خلوت گاہ تک پہنچایا یہ جگہ شہر مکہ سے باہر ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے جسے غار حرا کہا جاتا ہے (اب اسے جبل نور کہتے ہیں)۔ آپ نے اس جگہ کو فکر و تدبر اور جائے خلوت کیلئے مناسب سمجھا۔

پیغمبر ﷺ اور وحی

قرآن کو سمجھنے کیلئے سیرت محمدؐ کا سمجھنا ناگزیر ہے کیونکہ قرآن کریم کی آیات کا ایک بڑا حصہ جیسا کہ آیات سے واضح ہوتا ہے آپ کی زندگی کے نشیب و فراز اور دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے ہم یہاں ان آیات کو پیش کریں گے جن میں خداوند عالم نے ہمارے نبی کریمؐ کی حیات طیبہ سے پردہ اٹھایا ہے۔

سورہ شوریٰ کی آیت ۵۲ میں خداوند عالم پیغمبرؐ سے خطاب کر کے فرمایا ﴿ما کنت تدری ما الکتٰب﴾ کہ آپ مبعوث بہ رسالت ہونے سے پہلے علم کتاب سے ناواقف تھے۔ اس مفہوم و معنی کی تائید سورہ علق کی ابتدائی آیات سے بھی ہوتی ہے جس میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ پیغمبرؐ پڑھنا نہیں جانتے تھے، اللہ نے آپؐ کو پڑھنا سکھلایا گویا نبی خاتم "جو کہ خلائق کیلئے ہادی و رہبر بن کر آئے تھے" انھوں نے درس و تعلیم کی ابتدا وحی سے کی۔

پہلی وحی

آپؐ خدا، وسیع و عریض کائنات اور محیر العقول انسان کے بارے میں سوچتے رہتے تھے۔ اس غور و فکر کے دوران جب آپؐ کی عمر چالیس سال کو پہنچی تو جبرائیل امینؑ رمضان المبارک میں آپؐ پر وحی لے کر نازل ہوئے اور آپؐ کو پڑھنے کی دعوت دی لیکن آپؐ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ قرأت کے تقاضا کے بعد ملک وحی نے سورہ علق کی پہلی پانچ (۵) آیات کریمہ کی تلاوت کی جنہیں نبی کریمؐ نے بعد میں اپنی زبان سے جاری کیا۔ وحی الٰہی سے دل منور ہونے کے بعد آپ کرب و اضطراب اور خوف و ہراس اضطراب کی کیفیت میں واپس گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؑ کو اس واقعے سے آگاہ کیا تو انہوں نے آپؐ کی تسلی کیلئے فرمایا

> "خداوند عالم آپؐ کو کبھی شرمندہ نہیں کریں گے کیونکہ آپؐ نیک صفات کے حامل انسان ہیں اور صلہ رحمی، گفتگو میں صداقت، امانت داری، مہمان داری اور مصیبت زدوں کی معاونت آپؐ کا شیوہ رہا ہے۔"

یہیں سے آپؐ کی دعوت کا پہلا مرحلہ شروع ہوا۔

حضرت محمد ﷺ کی دعوت کے مختلف مراحل وادوار

کتب تاریخ اور سیرت کی کتب میں درج ہے کہ حضرت محمدؐ کی دعوت دو (۲) ادوار سے گزری ہے پہلا دور مکی دور کہلاتا ہے جبکہ دوسرا مدنی دور کہلاتا ہے مکی دور تیرہ سال پر محیط ہونے کے ساتھ اپنی جگہ تین مراحل سے گزرا ہے:

پہلے مرحلے میں داعی اور مدعو دونوں لوگوں کی نظروں سے مخفی اور پوشیدہ رہے یہ عرصہ اور مورخین و سیرت نگاروں کے بقول تین سال پر محیط تھا۔ اس دوران پنتالیس (۴۵) افراد نے اسلام قبول کیا۔

۱۔ **پہلا مرحلہ:** اعلانِ دعوت۔

۲۔ **دوسرا مرحلہ:** اقرباء کو انذار کے ساتھ دعوت دینا۔

۳۔ **مکہ سے باہر دعوت:** ان قبائل وعشائر کو دعوت دینا جو مکہ آتے تھے۔

ارباب سیرت وتاریخ آپؐ کی سیرت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جب پیغمبر اسلامؐ مبعوث برسالت ہوئے تو پہلے تین سال تک آپؐ کی دعوت انتہائی محتاط انداز میں جاری رہی۔ آپؐ پر ایمان لانے والے گھروں سے نکل کر دّروں اور پہاڑوں کے دامن میں جا کر عبادت کرتے لیکن آپؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کی نقل وحرکت کے متعلق مشرکین میں ذکر ضرور ہوتا تھا تاہم مشرکین اسے نظر انداز کر کے اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور نہ ہی اسے اپنے مستقبل کیلئے خطرے کا باعث سمجھتے تھے۔

ارباب اقتدار کے گھروں میں نبی کریم ﷺ کی دعوت کا نفوذ

بہت سے سیرت نویسوں نے یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ دعوت نبی کریمؐ کو ابتدائی مراحل میں سرزمین مکہ کے ضعیف و ناتوان، کمزور و بے بس افراد، بے چارے غلاموں اور کنیزوں کی طرف سے پزیرائی ملی ہے چنانچہ اس نظریے کے قائل سیرت نویس اس کی تائید میں کہتے ہیں کمزوری و ناتوانی کی وجہ سے مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ اس وقت کے ارباب اقتدار سرکردہ افراد اور صاحبان مقام وحیثیت پیغمبر اسلامؐ کی دعوت پر پہلے مرحلے میں ایمان لانے والوں کے متعلق پروپیگنڈا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ معاشرے میں سطحی سوچ رکھنے والے ہیں، جیسا کہ کفر وشرک کی اس سیرت کا قرآن کریم میں ذکر ہوا۔

﴿وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ﴾ "اور ہم نہیں دیکھتے تیری پیروی کرنے والوں کو مگر یہ کہ وہ ہمارے رذیل، سطحی رائے رکھنے والے ہیں۔" (ہود۲۷)

ارباب اقتدار کو ایمانداروں پر انگلی اٹھانے کا موقع سیرت نبویؐ کو موضوعی انداز میں نہ لکھنے کی وجہ سے ملا ہے اگر نبی کریمؐ پر ایمان لانے والوں کا ترتیب سے جائزہ لیا جائے تو سب لوگوں پر واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ دعوت پیغمبرؐ مکہ مکرمہ کے برگزیدہ اور مقتدر خاندانوں میں نفوذ کر چکی تھی اور انہوں نے اس دعوت کو ابتدائی مرحلے میں قبول کیا تھا لیکن حکمت کے تحت تین سالوں پر محیط ایک عرصہ تک قریش کی نظروں سے مخفی و پوشیدہ رکھا گیا۔ پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے والوں کی اکثریت قریش

کے بڑے بڑے مؤقر اور باحیثیت خاندانوں کے ایسے افراد اور نوجوانوں پر مشتمل تھی کہ جو پیغمبرؐ پر ایمان لانے سے پہلے عیش و عشرت کی زندگی میں مستغرق تھے۔ اور بعض افراد علم و فضل میں برتر، اجتماع میں صاحبِ عزت، والدین کے چشم و چراغ اور اپنے گھر کے مالک و سربراہ تھے اگر ہم دیوانِ نبوت کے اندر ایمان لانے میں سبقت کرنے والوں کی فہرست پر سرسری نگاہ ڈالیں تو بعض کی طرف سے پیش کی گئی یہ فکر بے بنیاد اور بے اساس ثابت ہو جاتی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی دعوت پر پہلے پہل کمزور و ناتوان محروم و نادار، غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے، کسی بڑے عشیرہ یا صاحبانِ عزت کے سائے میں طفیلی زندگی گزارنے والے ایمان لائے۔ سیرت نبویؐ کی ایسی غلط تفسیر اور اسے داغدار بنانے کی یہ کاوش دراصل نبی کریمؐ کی سیرت کو تاریخ بشریت میں اٹھنے والی زمینی مصلحتوں سے جوڑنے کی خاطر کی گئی ہے۔ دنیا کے بعض خطوں میں بھوکے پیاسے مزدور طبقات نے سرمایہ داری کے خلاف قیام کرنے والوں کی پذیرائی کی تاکہ سیرت پیغمبر اسلامؐ کا مطالعہ کرنے والے افراد کو یہ تاثر دیا جائے کہ نبی کریمؐ کی دعوت بھی سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اٹھنے والی تحاریک جیسی تھی۔

پیغمبر اسلامؐ کی سیرت طیبہ کو صرف وہ افراد سمجھ سکتے ہیں جو کسی بھی خبر کو چاہے صوتی ہو یا تحریری دوسری نقولات اور مکتوبات سے جوڑ کر پڑھنے کے عادی ہوں کیونکہ آپ کی سیرت طیبہ میں دشمنان نے بہت سی خود ساختہ چیزیں داخل کی ہیں لیکن وہ افراد جو معلومات کی جمع آوری کے ماہر اور عادی ہیں انکا حافظہ ضعیف ہوتا ہے ان کو پہلے اوراق میں پڑھے ہوئے مطالب وسط میں یاد نہیں رہتے اور نہ ہی آخری صفحات کی پڑھی ہوئی باتوں کو پہلے صفحات سے جوڑنا آتا ہے لہٰذا انہوں نے یہ بات اٹھائی ہے کہ مکہ میں پیغمبرؐ پر ایمان لانے والوں کا اکثریتی طبقہ غلاموں، کنیزوں اور فقراء و مساکین پر مشتمل تھا۔ یہ بات پیغمبرؐ پر پہلے ایمان لانے والے گروہ کے حالات سے میل نہیں کھاتی ہے کیونکہ پہلے ایمان لانے والے افراد مکہ کے اقتصادی و اجتماعی حوالے سے صاحبانِ حیثیت لوگ تھے جن میں سب سے پہلے ایمان لانے والی قریش کے ایک بڑے خاندان کی محترم و معظم اور مؤقر خاتون خدیجۃ الکبریٰؑ تھیں پیغمبر اسلامؐ کی دعوت کو قبول کرنے والوں میں بنی ہاشم کے چشم و چراغ اور بیت الحرام کے متولی حضرت ابو طالبؑ شامل تھے۔ اسی طرح سکران بن عمرو بن عبدالشمس برادرِ سہیل بن عمرو عامری اور ان کی زوجہ محترمہ سودہ بن ضمعہ بن قیس قریشی اور حضرت ابوبکرؓ جو قریش کے ایک بڑے خاندان بنی تیم سے تعلق رکھتے تھے کہ جن کے خاندان کی ایک بڑی شخصیت عبداللہ بن جدعان تھے جن کے گھر میں حلف الفضول انجام پایا تھا اور اس گھرانے کے صاحبِ عزت، صاحبِ مال و دولت اور مقام و منزلت کے حامل ابوبکرؓ تھے یہ لوگ اوباش افراد نہیں تھے بلکہ سر زمین مکہ کے خاندان و عشائر کے لختِ جگر تھے۔

دعوتِ اسلام

حضرت محمدؐ نے منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد اپنی دعوت کا آغاز سب سے پہلے اپنے قریب ترین حلقہ احباب سے کیا آپؐ نے دعوت کو انتہائی خفیہ اور راز میں رکھا۔ سب سے پہلے کون لوگ آپؐ پر ایمان لائے؟ اس حوالے سے کتب تاریخ

وسیرت میں بہت حد تک اتفاق پایا جاتا ہے چنانچہ ہم ان افراد پر جن کے دلوں میں دین وصداقت سے زیادہ عصبیت کی آگ بھڑک رہی تھی نکتہ چینی کرنے کی بجائے ان مسلمہ حقائق کو بیان کریں گے جنھیں اکثریت نے نقل کیا ہے۔

دعوتِ سری پیغمبر ﷺ (خفیہ دعوت)

مؤرخین وسیرت نگاروں کے مطابق پہلی وحی کے بعد وحی آنے کا سلسلہ رک گیا جس کی وجہ سے آپ غمزدہ ہو گئے پھر وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو خداوند عالم نے آپ کو چادر اوڑھنے والا کہہ کر پکارا: ﴿یَاأَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ سورۂ مدثر ومزمل اور سورہ ضحیٰ اس بات کی دلیل ہیں کہ پہلی وحی کے نزول کے بعد وحی میں وقفہ آیا۔

یہاں سے آپؐ نے خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت کیلئے دعوت کا آغاز کرتے ہوئے خفیہ اور محدود پیمانے پر اپنے جانے پہچانے اور قابل اعتماد افراد کو دعوت دینا شروع کی پیغمبرؐ نے اپنے چار قریبی افراد کو دعوت دی پھر قریبی احباب اور جان پہچان رکھنے والے با اعتماد لوگوں کی طرف بھی دعوت کو انتہائی محتاط انداز میں آگے بڑھایا تاہم اس مرحلے پر بھی دعوت کے قبول اور اس پر عمل کرنے کو صیغہ راز میں رکھا گیا۔

پیغمبرؐ پر ایمان لانے والے ان افراد میں سے ہر ایک پیغمبرؐ کی دعوت کو اپنے قریبی اور با اعتماد افراد تک پہنچاتا۔ آپؐ پر ایمان لانے والے افراد کوہ صفا پر واقع دار ارقم بن ابی ارقم میں جمع ہوتے تھے جہاں وہ نبی کریمؐ سے دین اسلام کے بنیادی اصول وفروع سیکھتے تھے، ان دنوں پیغمبرؐ پر ایمان لانے والے سرزمین مکہ کے پہاڑوں کے درّوں میں جا کر عبادات انجام دیتے تھے یہاں تک کہ ان کی اس قسم کی نقل وحرکت اور عبادات کے نئے طور وطریقے مشرکین قریش نے بھی دیکھ لئے، جس کے بعد مشرکین میں پیغمبرؐ اور ان کے رفقاء کی نقل وحرکت کے متعلق شکوک وشبہات اور تشویش بڑھ گئی۔ پھر اسلام کی دعوت سے سرّ واخفاء کی چادر ہٹ گئی۔ اس دعوت کے چند اہم نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت محمدؐ نے مبعوث بہ رسالت ہونے کے بعد اپنی نبوت ورسالت کی دعوت کو انتہائی مخفی وپوشیدہ رکھا جس کا واضح ثبوت سورہ مزمل ومدثر کی آیات ہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب سرزمین مکہ میں دعوت اور پیغمبرؐ کی نبوت پر ایمان لانے والے افراد منظر عام پر نہیں آئے تھے بلکہ داعی اور مدعو دونوں مخفی وپوشیدہ تھے۔ آپ یہ انداز اور اعلان رسالت کے بعد داعی ظاہر ہوئے تو اہل مکہ کو پتہ چلا کہ عبد المطلبؓ کے پوتے اور ابو طالبؓ کے بھتیجے نے ایک نئے دین کا اعلان کیا ہے۔ تاہم اس بات کا علم کسی اور کو نہیں تھا کہ اس دین کو کس کی طرف سے پذیرائی ملی ہے اور کس نے اسے قبول کیا ہے البتہ اہل مکہ صرف اتنا جانتے تھے کہ اس دعوت کو ان کے چچا ابولہب نے مسترد کیا ہے۔

۲۔ پیغمبرؐ نے دعوت کے سلسلے میں نشست وبرخاست کیلئے ایک ایسے گھر کو مرکز بنایا جس کے مالک کے مسلمان ہونے کا کسی کو پتہ تک نہیں تھا۔ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ارقمؓ نے دعوتِ محمدؐ کو قبول کرلیا ہے۔

۳۔ ارقمؓ بنی مخزوم سے تھے جو بنی ھاشم کے مخالف تھے لہٰذا کسی کے خواب وخیال میں یہ بات نہیں تھی کہ ان کے گھر میں

اس دعوت کے بارے میں حکمت عملی طے ہورہی ہے ارقمؓ اس وقت (۱۶) سال کے جوان تھے۔

پہلے ایمان لانے والوں کے اسمائے گرامی

پیغمبراسلامؐ کی نبوت ورسالت پرایمان لانے میں پہل کرنے والوں کا مقام ومنزلت انکا دوسروں سے برتر ہونا عقل و نقل اورقرآن کریم کی آیات سے واضح وروشن ہے جس میں کسی قسم کے شک وتردید کی گنجائش نہیں لیکن ہماری گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ ایمان لانے میں سبقت کرنے والے کون لوگ تھے اورانکی طرف سے سبقت کرنے کی کیاوجوہات تھیں؟ ہم یہاں ان افراد کی نشاندہی سے پہلے سبقت حاصل کرنے کے متعلق کچھ ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ یہ تشخیص افراد کیلئے معاون اور ایک معیاری حیثیت رکھتی ہے۔

نبی کی شخصیت کے ظاہروباطن سے آگاہ اورواقف انسان ہی ایمان لانے میں سبقت کرسکتے تھے کیونکہ انھوں نے کسی بھی وقت حضرت محمدؐ کی زندگی میں انحراف وغیر مناسب اورناپسندیدہ حرکات وسکنات نہیں دیکھی بلکہ ہمیشہ آپؐ کو ایک نمونہ کامل واتم انسان ہی پایا۔بشر ہمیشہ ابتداء واحساسِ شعور سے آخری لحات تک ایک نمونہ کامل واتم میں رہتا ہے۔اس اصول کے تحت سب سے پہلے پیغمبرؐ پرایمان لانے میں سبقت کرنے والے یقیناً آپؐ کے گھر کے افراد ہی ہونگے جودن رات آپؐ کی رسالت سے پہلے آپؐ کے چراغ کے گرد پروانے کی مانند گردش کرتے تھے۔ان افراد میں خدیجۃ الکبریٰؑ، حضرت علی بن ابیطالبؑ اورزیدؓ بن حارثہ بن شراحیل کلبی شامل تھے۔یہ تینوں پیغمبرؐ کے گھرانے کے افراد تھے جو شب وروز، خواب و بیداری، خلوت وجلوت غرض تمام حالات میں آپؐ کے ہم نشین تھے۔پیغمبرؐ ان کی نیات واعمال سے ناواقف ونابلد نہیں تھے نہ ہی یہ اقرباء بھی آپؐ کی زندگی کے نشیب وفراز کے بارے میں کسی قسم کے شکوک وشبہات نہیں رکھتے تھے۔اکثر وبیشتر ارباب سیرو تاریخ کے مطابق درج ذیل افراد نے آپ پرایمان لانے میں سبقت کی۔

پہلی شخصیت خدیجۃ الکبریٰ =

کتاب ''محمد رسول اللہ'' کے مؤلف محمد صادق ارجون ج ا میں لکھتے ہیں کہ مؤرخین ومحدثین اور سیرت نویسان اس بات پر متفق ہیں کہ پیغمبرؐ پرسب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی آپؐ کی زوجۂ باصفاوباوفا خدیجۃ الکبریٰؑ ہیں۔اللہ اوراس کے رسولؐ کی لائی ہوئی کتاب پرایمان لانے میں آپ سے پہلے نہ کسی مرد نے سبقت کی اور نہ ہی کوئی عورت ایسا کرسکی، یہ اعزاز صرف حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کو حاصل ہے۔ابن ہشام نقل کرتے ہیں کہ جبرئیلؑ پیغمبرؐ پرنازل ہوئے اورخداوند عالم کی طرف سے خدیجہؑ کوسلام پہنچایا اس کے بعد نزول وحی میں کچھ عرصہ وقفہ آیا۔

دوسری شخصیت علی علیہ السلام

خدیجہؑ کے بعد دعوتِ اسلام کوقبول کرنے میں پہل کرنے والی دوسری عظیم ہستی آپؐ کے پروردہ، آپؐ سے کی غذا کے ساتھ آپ کے لعاب سے مادی غذا لینے والے، آپؐ کے بستر پر سونے والے اور اوامر ونواہی الٰہی کا خطاب ہونے کے بعد

سب سے پہلے تکلیف وفریضہ الٰہی کو اپنے گلے کی زینت بنانے والے علی ابن ابی طالبؑ تھے۔ خدیجۃ الکبریٰؑ کے بعد علیؑ کا آپؐ کے سب سے زیادہ قریب ہونا بھی تاریخ میں ثبت ہے۔ سیرت ابن ہشام، ابن اسحاق سے نقل کرتے ہیں کہ خدیجۃؑ کے بعد نہ صرف علیؑ پیغمبرؐ پر ایمان لائے بلکہ پیغمبرؐ کی سابقہ امانت اور سچائی کی بنیاد پر آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔

تیسری شخصیت زید بن حارثہ ÷

پیغمبرؐ پر ایمان لانے میں سبقت کرنے والے تیسری شخصیت برزخی زیدؓ بن حارثہ بن شراحبیل الکلبی بن کعب بن عبد عزیٰ بن امری القیس الکلبی تھے جنھیں گھر والا بھی کہہ سکتے ہیں اور باہر والا بھی۔ گھر والا اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے پیغمبر اسلامؐ کو اپنے باپ پر ترجیح دی اور آپؐ کے سائے میں زندگی گزارنے کو اپنے باپ پر مقدم رکھا۔ ان کے اسی بے ریب اخلاص ومحبت کو دیکھ کر حضرت محمدؐ نے انہیں اپنے ہمراہ کعبہ کے سامنے لے گئے اور اجتماع میں ابوت و بنوت کا اعلان کیا اس حوالے سے بھی انھیں گھر والے کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ اجنبی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور غلامی کے دور سے گزر چکے تھے اس لئے وہ باہر والے بھی تھے لہٰذا ہم انہیں گھر اور باہر کے درمیان برزخی شخصیت کہہ سکتے ہیں ان کی فضیلت و برتری کیلئے ہم ان کی حیات کے چند نکات پیش کرتے ہیں:

الف: پیغمبر اسلامؐ نے زیدؓ بن حارثہ کو خاندان بنی ہاشم کی دامادی کا شرف بخشا۔

ب: اپنی اولاد کے مقام سے نوازا۔

ج: آپ اصحاب پیغمبرؐ میں واحد شخص ہیں جن کا نام قرآن میں بیان آیا ہے۔

د: اسلامی جنگوں میں سپہ سالاری کے ساتھ حیاتِ پیغمبرؐ میں آپ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ آپ کی حیات طیبہ کے متعلق مزید جاننے کیلئے 'معرکہ موتہ' ملاحظہ کریں۔

چوتھی شخصیت ابوبکر ÷

آپ ابوبکرؓ فرزند عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر۔ ابن ہشام نے ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ زیدؓ کے بعد آپؓ پیغمبرؐ پر ایمان لائے ان کا اصل نام عبداللہ لقب صدیق اور کنیت ابوبکر تھی۔

دعوتِ اسلام قبول کرنے والی چوتھی شخصیت تھے جس پر تقریباً سبھی ارباب تاریخ وسیر کا اتفاق ہے تاہم دوسری جانب ایک گروہ ایسا بھی ہے جو ان سے نالاں ہے اسی لئے عصبیت کو ترجیح دیتے ہوئے کچھ ایسی وجوہات پیش کی گئیں جن کی بنیاد پر سبقت ایمان میں انکی چوتھی شخصیت ہونے کو مشکوک قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں

☆ ''وہ اپنے والد ابی قحافہ، بیٹے عبدالرحمٰن اور بیوی کو قانع نہ کر سکے یہاں تک کہ یہ لوگ فتح مکہ تک ایمان نہ لائے لہٰذا انکے پہلے ایمان لانے اور دوسروں کے ایمان لانے میں واسطہ بننے کی منطق خودساختہ ہے''، لیکن اس تحقیق اور منطق

سے عصبیت کی بہت زیادہ بو آتی ہے۔

تاہم ابوبکرؓ اپنی قوم میں پسندیدہ و مانوس شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک تاجر بھی تھے اور لوگوں کے درمیان ان کیلئے اُنس و محبت پائی جاتی تھی۔ لوگوں سے اچھے اخلاق اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ انہوں نے اپنی قوم کے معتبر و قابل اعتماد لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔

حضرت ابوبکرؓ کے پیغمبرؐ پر ایمان لانے کے بارے میں متعصب سنی اور شیعہ حضرات دونوں نے افراط و نا انصافی سے رقم طرازی کی ہے۔ سنیوں نے ابوبکرؓ کے ایمان کو مرکزی حیثیت دینے کیلئے علی بن ابی طالبؑ کے ایمان کو تحت شعاع قرار دینے کی کوشش کی ہے تو دوسری جانب شیعہ متعصبین نے پیغمبرؐ کے گھر سے باہر یعنی انتہائی قریبی عزیزوں کے بعد ابوبکرؓ کو پیغمبرؐ پر ایمان لانے والی پہلی شخصیت قرار دینے سے گریز کر کے انھیں کئی افراد کے بعد ایمان لانے والوں میں شمار کیا ہے جو کہ تعصب فکری کو حقیقت کی جگہ جاگزیں کرنے کے مترادف ہے۔

ابوبکرؓ کی دعوت پر اسلام قبول کرنے والے

جب ابوبکرؓ اسلام لائے تو انہوں نے اپنے قریبی دوست و احباب جن پر وہ بھروسہ کرتے تھے انہیں اسلام کی دعوت دینا شروع کی ابن ہشام نے لکھا ہے کہ ابوبکرؓ کی دعوت پر مندرجہ ذیل افراد پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لائے:

۱۔ عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب انہوں نے دعوتِ اسلام کو قبول کیا جب یہ خبر انکے چچا ابوالعاص تک پہنچی تو اس نے کہا "تم نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمدؐ کا دین قبول کیا ہے میں تم کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم اس دین کو نہیں چھوڑو گے" اس دھمکی کے مقابلے میں انہوں نے اپنے دین پر قائم اور راستوار رہنے کا اعلان کیا۔ جب ان کے چچا نے دیکھا کہ انھوں نے دین پر ثابت قدمی کا عزم کیا ہے تو انہیں آزاد چھوڑ دیا بعض کا کہنا ہے کہ انہوں نے عثمانؓ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں اس کے باوجود وہ اپنی بات پر قائم رہے۔

۲۔ زبیرؓ بن العوام الاسدی بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بھی ان افراد میں شامل ہیں جنہوں نے ابوبکرؓ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ (۸) یا بعض کے مطابق سولہ (۱۶) سال تھی۔

۳۔ آپ کی دعوت سے اسلام قبول کرنے والوں میں عبدالرحمٰن بن عوف بن عبد بن الحارث ابن زھرہ بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بھی تھے۔

۴۔ سعدؓ بن ابی وقاص الزھریان، ابی وقاص کا نام مالک بن اھیب بن عبد مناف بن زھرۃ بن مرۃ بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی تھا کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو اسلام کی طرف دعوت دی تو انہوں نے بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اسے قبول کیا اور پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت انکی عمر (۱۹) سال تھی۔ آن کا

تعلق بنی زہرہ سے تھا۔پیغمبرؐ کی والدہ آمنہ اس خاندان سے تھیں ۔علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص کے ایمان لانے کی خبر انکی والدہ تک پہنچی تو اس پر یہ بات بہت ناگوار گزری اور ان سے کہا ”تم کو پتہ نہیں کہ خدا اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اس پر سعد نے جواب دیا مجھے اس بارے میں بخوبی علم ہے۔ ان کی ماں نے کہا کہ میں اس وقت تک نہ کھاؤں گی اور نہ ہی کچھ پیوں گی جب تک تم محمدؐ سے منہ نہیں موڑ لیتے اور بتوں کی پوجا نہیں کرتے۔“ سعد کی ماں دن رات بھوکی رہی ،تین دن گزرنے کے بعد سعد نے کہا آپ نہیں جانتی اگر آپ کے پاس ایک ہزار زندگیاں ہوتیں اور وہ ایک ایک کر کے ختم ہو جاتیں تب بھی میں محمدؐ کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔آپ کھانا کھائیں یا نہ کھائیں ۔سعد کے اس دوٹوک موقف نے ان کی والدہ کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اور بالآخر انھوں نے کھانا کھانا شروع کر دیا۔

۵۔ طلحہ بن عبید اللہ التیمی بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی۔

دارارقم

دعوتِ اسلام کیلئے ایک پرسکون جگہ کی ضرورت مرحلہ وار مسائل کی مناسبت سے پیش آئی جسے ہم ذیل میں بیان کرینگے:

۱۔ پیغمبرؐ نے مبعوث برسالت ہونے کے بعد دعوت اسلام کا آغاز کیا اس وقت آپؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والے شہر سے باہر پہاڑی دروں میں رہتے تھے اور وہیں نماز ادا کرتے تھے تا کہ یہ عمل مشرکین کی نظروں سے اوجھل رہے ایک دفعہ نبی کریمؐ کی اس رسم عبادت پر مشرکین قریش کی نظر پڑی تو کفر وشرک کے مراسم عبادی سے مختلف افعال کو دیکھ کر وہ اس عمل کو طاقت کے ذریعے دبانے پر کمر بستہ ہوئے۔

۲۔جب پیغمبرؐ کو مکہ کے پہاڑی دروں میں امن نہ ملا تو آپؐ نے وعظ وارشاد اور مراسم عبادت کی انجام دہی کیلئے دار ارقم بن ابی ارقم کا انتخاب کیا۔باہر کے وہ افراد جو مخفی طور پر اسلام قبول کرنے والے فقیر و نادار افراد کو پیغمبرؐ صاحب ثروت وخود مختار افراد کے سپرد کرتے تھے تا کہ وہ انکی دیکھ بھال کریں ان میں سے جو شخص کچھ آیات حفظ کر لیتا تھا تو اس سے کہا جاتا کہ ان آیات کو نو وارد مسلمین کو سکھائے۔یوں دعوت اسلام کا حلقہ اپنے کم و میف میں جاری و ساری رہا پیغمبرؐ پر ایمان لانے والے اکثر و بیشتر ضعیف و ناتواں اور بے روزگار ہوتے تھے چنانچہ ایک دن پیغمبرؐ کی خدمت میں جناب خباب،صہیب رومی، بلال حبشی اور عمار × بیٹھے ہوئے تھے تو مشرکین نے پیغمبرؐ کے گرد ان افراد کو دیکھ کر کہا محمدؐ اپنی قوم کو چھوڑ کر ان پر راضی ہو گئے ہیں آیا آپؐ کے خدا کیلئے اپنی قوم سے زیادہ یہی لوگ پسندیدہ ہیں، آیا آپؐ چاہتے ہیں ان کے تابع رہیں اگر آپؐ ان لوگوں کو اپنے سے دور کر دیں تو پھر ہم آپ کی دعوت پر غور کریں گے:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ☆ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ

بَیْنِنَا اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ﴾ ”اور ان لوگوں کو نہ نکالیے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں خاص اسی کی رضامندی کا قصد رکھتے ہیں۔ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی انکے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں۔ورنہ آپ ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائینگے اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ لوگ کہا کریں، کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو خوب جانتا ہے۔“ (انعام ۵۳،۵۴)

اوائل اسلام میں ایمان لانے والوں کے اسمائے گرامی

ا۔دارالارقم میں شرکت کرنے والوں کے اسماء

دار ارقم بن ارقم میں پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے والے اور معارف اسلامی سیکھنے والے مسلمانوں کے اسمائے گرامی جنھیں قرآن کریم نے سابقین کہا ہے بعض کے مطابق ان کی تعداد اکاون (۵۱) ہے:

خدیجہ بنت خویلد	علی بن ابی طالب	زید بن حارثہ	ابوبکر بن ابی قحافہ
عثمان بن عفان	عبدالرحمن بن عوف	زبیر بن العوام	سعد بن ابی وقاص
طلحہ بن عبیداللہ	ابوعبیدہ	ابوسلمہ عبداللہ	ارقم بن ابی ارقم
قدامہ بن مظعون	عبداللہ بن مظعون	عبیدہ بن الحارث	سعید بن زید
امراتہ (فاطمہ بنت الخطاب)	اسماء بنت ابی بکر	خباب بن الارت	عمیر بن ابی وقاص
عبداللہ بن مسعود	مسعود بن قاری	سلیط بن عمرو	حاطب عمرو
عیاش بن ابی ربیعہ	اسماء بنت سلامہ	خنیس بن حذافہ	عامر بن ربیعہ
عبداللہ بن جحش	ابواحمد بن جحش	جعفر بن ابی طالب	اسماء بنت عمیس
حاطب بن الحارث	حطاب بن الحارث	معمر بن الحارث	سائب بن عثمان بن مظعون
مطلب بن ازھر	روجتہ (رملہ بنت ابی عوف)	نعیم بن عبداللہ	عامر بن فہیرہ
خالد بن سعید	امیہ بن خلف	حاطب بن عمرو	ابوحذیفہ
واقد بن عبداللہ	خالد بن بکیر	عامر بن بکیر	عاقل بن بکیر
ایاس بن بکیر	عمار بن یاسر	صہیب بن سنان	

اس کے علاوہ چند اور لوگوں نے ایمان لانے میں سبقت کی۔

ا۔بلال بن رباح حبشی۔

۲۔ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن الجراح بن ہلال بن اھیب بن ضبۃ بن الحارث بن فہر۔

۳۔مخزومیان عثمان بن مظعون بن حبیب وہب بن حذافۃ بن جمح بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی اوران کے دو بھائی قدام اورعبداللہ ،عبیدہ بن الحارث بن المطلب بن عبدمناف۔

ان کےعلاوہ کچھ افرادایمان لائے ۔یہ افراد پہلے مرحلہ میں ایمان لانے والوں میں سے تھے جو سب کے سب قریش سے تعلق رکھتے ہیں ۔انکی تعداد چالیس سے کچھ زیادہ بیان کی جاتی ہےاورانکا ذکرسابقین میں کیا جاتا ہے، یکے بعد دیگر مرد وزن آپ پرایمان لاتے رہےاوریہ بات محافل ومجالس میں موضوع گفتگوقرارپائی پیغمبرلوگوں کےساتھ بیٹھتےاورانکی دین کی طرف رہنمائی فرماتے تھے۔اس طرح یہ دعوت مخفی طورپرمختلف انداز میں جاری رہی اوروحی اپنےتسلسل سےنازل ہوتی رہی ۔چھوٹی سورتیں اورآیات اسی دوران نازل ہوئیں جواس وقت کے ماحول اورذہنیت کےمطابق تھیں ۔اس وقت زیادہ ترآیات تزکیہ نفوس،بُری عادات کوچھوڑنے ،دنیاپرستی سے پاک ہونے اورجنت وجہنم کی تعریف کے حوالے سے نازل ہوئیں گویالوگوں کوایک گندے معاشرے سے دوسرے عالم میں منتقل کرنامقصودتھا۔

مشرکین قریش کےخیالات

محمدغزالی ”فقہ السیرہ“میں لکھتے ہیں کہ یکے بعددیگرمسلمانوں کی خبریں قریش تک پہنچتی تھیں مگروہ انھیں اہمیت نہیں دیتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ محمدؐان دین داروں میں سے ہیں جوالوہیت کی طرف دعوت دیتے ہیں جیسا کہ امیہ ابن ابی صلت،قیس ابن ساعدہ اورعمرو بن نفیل بھی لوگوں کوالوہیت کی دعوت دیا کرتے تھےاورقریش اس گمان میں تھے کہ محمدؐ کی دعوت کےساتھ بھی وہی حشرہوگاجوان سے پہلےوالوں کےساتھ ہواہے۔

مشرکین کےخیال میں زیدبن عمراورامیہ بن ابی حلب جیسےمنحرف انسانوں نے بتوں کی عبادت سے روگردانی اس لئے کی کہ وہ اپنی عقل کےمطابق کسی دین کی تلاش میں تھے ۔مشرکین کاخیال تھا کہ محمدؐاورانکےپیروکاربھی آخرایک دن واپس اپنے آباؤاجداد کےدین کی طرف پلٹ آئیں گےاس کےباوجودسری دعوت جاری تھی ایک دن نمازپڑھتےوقت کسی نے سعدبن ابی وقاص سے پوچھ گچھ کی اورتلخ گفتگوکی یہاں سے دعوت فاش ہونے کاسلسلہ شروع ہواپھرخداوندمتعال کی طرف سےآیت ﴿فاصدع﴾یا﴿فانذر﴾ ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾نازل ہوئیں نبی کریمؐ نےاپنی دعوت کابرملااعلان کرنے کافیصلہ کیااس اعلان کوکتب سیرت اورتاریخ میں”دعوت ذوالعشیرہ“کےعنوان سےیادکیاجاتا ہے گویااسے آپؐ کی سیرت میں ایک نئی فصل یانیامرحلہ تصورکرسکتے ہیں ۔اس سلسلے میں اہل تجزیہ وتحلیل اورسیرت نگاروں نے چندنکات و موضوعات استفہام واستفسارکیلئےموضوع قراردیئے ہیں۔

اقرباءکودعوت دینے کی حکمت اورفلسفہ

پیغمبر اسلامؐ نے حکم خدا کے مطابق اپنے خاندان کے قریبی افرادکودعوت اسلام دی اوران کی موجودگی میں اپنی نبوت و رسالت کااعلان کیا۔بعض کا استفسار ہے کہ جب یہ دعوت اپنی جگہ انسانی اور عالمی ہےتو پھراس کا آغاز اقرباءاور خاص قبیلے سے شروع کرنے میں کونسی حکمت پنہاں تھی ۔اس سلسلے میں علماءاور سیرت نویس تین اہم نکات بیان کرتے ہیں۔

۱۔ دعوت کا آغاز لامحالہ رائج دین کی عادات و رسومات کے ساتھ ٹکراؤ ہےلہٰذا جن کے مفادات باطل چیزوں کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں وہ ایسی دعوت کومسترد کردیتے ہیں بلکہ ان کی طرف سے مقابلہ اور مزاحمت کا خطرہ بھی ہوتا ہےایسے حالات میں داعی کی حمایت و دفاع قریب ترین افرادزیادہ موثر طریقے سے کرسکتے ہیں ۔اسی حکمت وفلسفہ کےتحت خدانے پیغمبرؐ کوحکم دیا کہ آپ اپنی دعوت کا آغازاپنے عزیزواقارب سے کریں۔

پیغمبرؐ کی دعوت کیلیےحمایت ودفاع کی ذمہ داری حضرت ابوطالبؑ نے اپنی پشت پر اٹھائی جس کی وجہ سے پیغمبرؐاس دعوت کوبطریق احسن جاری رکھ سکے۔دعوت ہمیشہ ایک حامی اور پشت پناہ کی محتاج ہوتی ہے۔شعراءآیت ۲۱۴ میں خداوندعالم نے پیغمبرؐ کوحکم دیا کہ آپ اقرباءکودعوت دیں چاہےوہ اسے قبول کریں یانہ کریں،ان کی طرف سے دعوت کی حمایت کرنے کی صورت میں ان کا عزم وارادہ دعوت کےفروغ میں معاون ومددگارثابت ہوگا۔

۲۔یہ دعوت چونکہ چندرسوم ورواج اور تہواروں پرمشتمل دعوت نہیں تھی کہ جسے انسان سال مہینے، ہفتےیاایک دن میں انجام دیکرعہدہ برآں ہوسکتاہوجسطرح آج کل بہت سے دینداروں نے دین کے بارے میں ایسی سوچ اور سلوک کواپنایاہوا ہے جبکہ اس کے برعکس یہ دعوت انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں میں تغیروتبدیلی کی خواہاں اوراپنی فکروثقافت کی بالادستی چاہتی تھی ۔اس لئے یقیناًیہ دعوت بہت سے افراد کےمفادات سے متصادم بھی تھی جسکی وجہ سے انکی طرف سے مزاحمت کاسامنا حتمی تھا۔ان مزاحمتوں سے بچنے کیلئے سب سے زیادہ گرم جوشی سے پشت پناہی عزیزواقارب ہی کرسکتے تھےاس حوالے سے پیغمبرؐ کوابوطالبؑ،عباسؓ اورحمزہؓ کی حمایت اور پشت پناہی حاصل ہوئی اوراس پشت پناہی کی قیادت ابوطالبؑ نے کی جبکہ باقی افراد نے ہرموقع ومحل پرآپ کی حمایت کوعملاً ثابت کیا یہ وہ دواہم حکمتیں تھیں جنھیں آپ نے دعوت کوذوالعشیر ہ سے مربوط کرنے میں پیش نظررکھا۔

۳۔نئی دعوت ابتدائی طورپر رائج مذاہب اور عادات ورسومات پرآسمانی بجلی کی طرح گرتی ہےلہٰذا کسی بھی دعوت کے پہلے مرحلے پر بدزبانی، گالی گلوچ یا دیگر تشدد کی کاروائیاں بذات خوددعوت کےفروغ میں رکاوٹ بنتی ہیں چنانچہ دعوت کےعمل میں انتہائی سادہ وصاف اورفریق کے ساتھ صلح وآشتی اور افہام وتفہیم پراکتفاء کرنا چاہیے۔خداوندمتعال نے پیغمبرؐ کودعوت کے سلسلے میں مشرکین کی جانب سے کسی بھی قسم کے مسخرے پن اوراستہزاء کی پرواہ نہ کرنے کاحکم فرمایااسی طرح چندہدایات فرمائی گئیں۔

الف۔فریق کے غصہ وغضب اور ناراضگی کو پیش نظر نہ رکھا جائے اسی طرح خود کو ان چیزوں سے دور رکھا جائے۔

ب: اذیت و تکلیف کا اسی حساب سے جواب دینے سے گریز کیا جائے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ ''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین میں دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے گفتگو کریں تو کہتے ہیں: سلام۔'' (فرقان ۶۳)

ج: پیغمبرؐ کی دعوت تین بنیادی نکات اور اصولوں پر استوار تھی:

☆ ایمان باللہ

☆ ایمان با رسالت

☆ ایمان با آخرت

ان تین نکات کے ساتھ پیغمبرؐ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین مکہ سے انہی نکات کے تحت معاہدہ ہوا اسلام کی دعوت کا آغاز اقرباء سے کیا گیا اس حوالے سے چند سوالات جنم لیتے ہیں۔

۱۔ دعوت کا آغاز اقرباء سے کرنے میں کیا فلسفہ و حکمت موجود تھی۔

۲۔ اقارب کی حدبندی کیا ہوگی ایک' دو' تین پشت یا تمام اہل قریش اس میں شامل ہیں۔

۳۔مکان دعوت یعنی دعوت کس مقام پر انجام پائی۔

۴۔دعوت کن کن قبائل اور عشائر کو دی گئی اور انھیں کس چیز کی پیش کی گئی۔

۵۔اس دعوت کو عزیز و اقارب میں کس حد تک پذیرائی ملی۔

یہاں ہم دو نکات کی وضاحت کیساتھ جو حکمت علماء سیرت نے تاریخ میں بیان کی ہے اسے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

☆ دعوت کا اعلان کرتے وقت آپؐ کی طرف سے اقارب و عشائر کو مقدم رکھنے اور دعوت کا آغاز ان سے کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ دعوت خاص طور پر اپنی قوم کیلئے تھی بلکہ اس عمل کا مقصد دعوت کے اگلے مراحل کیلئے کامیابی کی تمہید باندھنا تھا کیونکہ ایک نئی دعوت کیلئے داعی پر اعتماد اور بھروسہ یا اس کے قول و فعل میں صداقت و مطابقت کے بارے میں شاہد و گواہ کی ضرورت تھی۔ کسی بھی دعوت کی پذیرائی اور قبولیت کیلئے پیشگی طور پر داعی کی خصوصیات اور امتیازات کے بارے میں علم و آگاہی ضروری ہے سب سے زیادہ داعی کے قریبی حلقے ہی اس سے آگاہ و آشنا ہوتے ہیں۔ایک ایسی الٰہی و حقیقی دعوت جس کے داعی کی ذات شکوک و شبہات سے پاک ہو تو لوگوں کیلئے اس کی دعوت کو قبول کرنا آسان ہوگا، چنانچہ پورے اہل مکہ نے آپ کی ذات اقدس کے بے عیب اور صفات سے پُر ہونے کا اقرار کیا انہی وجوہات کی بنا پر دعوت قبول کرنے والے نہ صرف داعی کے نزدیک ہوتے گئے بلکہ دوسروں کیلئے بھی اس

دعوت کو قبول کرانے میں معاون و مددگار اور موثر ثابت ہوئے۔ دعوت کے بارے میں پیغمبر اسلامؐ کے ابتدائی اعلان سے واضح ہوتا ہے کہ آپؐ نے اہل مکہ کے قبائل کو خطاب کرکے فرمایا

"اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آرہا ہے جو تمہارے اوپر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کروگے؟"

لوگوں نے کہا ہاں ہم تصدیق کرتے ہیں کیونکہ ہم نے آپؐ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں پایا۔ آپؐ نے فرمایا میں تمہیں ایک دردناک عذاب سے ڈراتا ہوں پیغمبرؐ نے اپنے نزدیک ترین افراد سے اس عام اجتماع میں اس بات کی تصدیق حاصل کی کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔ گویا یہ عمل آپؐ کی دعوت کے سچا ہونے کا ایک اجتماعی طور پر نا قابل تردید اور غیر مشکوک شاہد بنا۔

دعوت ذوالعشیر یا اعلان رسالت انذار کے لہجے میں

یہ دعوت کہاں اور کس جگہ انجام پذیر ہوئی اس سلسلے میں کسی مرحلے تک پہنچنے کیلئے انتہائی دقت کے ساتھ تجزیہ و تحلیل کی ضرورت ہے ہم اس سلسلے میں پہلے کلمہ انذار کو بیان کرتے ہیں۔

کلمہ نذر

ن، ذ، ر تین حروف سے مرکب ہے صاحب مقاییس اللغہ لکھتے ہیں یہ ایسا کلمہ ہے جو ڈرانے کیلئے استعمال ہوتا ہے اسی سے انذار بنا ہے جس کے معنی پیغام خوف پہنچانا ہے۔ اسی سے نذر بنا ہے جہاں وعدہ خلافی کا ڈر ہو۔ اسی سے نذیر (اسم فاعل) ہے نذیر ڈرانے والے کو کہتے ہیں۔ کلمہ انذار کلمہ نذر کے باب افعال کا مصدر ہے مستقبل کے بارے میں ڈرانے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں یہ کلمہ زیادہ تر ڈرانے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(احقاف ۳، ۱۲، ۲۱، فصلت ۱۳، نیل ۱۴، بقرہ ۶، یٰسین ۶، ۱۰، ۱۱، ۷۰، نبا ۴۰، انبیا ۴۵، ۵۱، انعام ۱۹، ۹۲، ۱۳۰، مریم ۳۹، ۹۷، فاطر ۱۱، شوریٰ ۷، ۲۱۴، کہف ۲، ۴، ۵۶، غافر ۱۸، ۱۵، اعراف ۲، ۶۳، ۶۹، توبہ ۱۲۲، زمر ۷۱، یونس ۲، ابراہیم ۴۴، نوح ۱، مدثر ۲، نمل ۲، ابراہیم ۵۲، مائدہ ۱۹)

ان آیات کے علاوہ کثیر آیات میں بھی یہ کلمہ تکرار ہوا ہے۔ اس وقت اس بارے میں مفصل اور تفصیل سے بات کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم یہاں سیرت نبوی میں ایک بڑے عنوان دعوت ذوالعشیر ہ کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ اس عنوان کو جعل کرنے والوں نے اس کی سند کیلئے قرآن کریم کی سورۂ مبارکہ شعراء کی آیت ۲۱۴ سے استفادہ کیا ہے۔ جہاں ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ آیا ہے یعنی اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈراؤ لیکن عنوان میں دعوۃ ذوالعشیر ہ بنایا گیا ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کلمہ دعوت یہاں کیسے آیا؟ دعوت کے اور دعوت میں جن خود ساختہ مطالب کے بیان ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے یہ دونوں اس آیت اور دیگر کثیر آیات سے متصادم ہیں۔ کیونکہ پیغمبر اکرمؐ کی بعثت کا ایک کلمہ سے آغاز ہوا وہ کلمہ "اقرا" ہے (علق ۱) دوسرا مرحلہ شروع کرنے کیلئے قرآن کریم نے چند کلمات استعمال کئے ہیں۔

۱۔ فَاصْدَعْ (حجر۹۴)

۲۔ یَاأَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ☆ قُمْ فَأَنْذِرْ (مدثر۱،۲)

۳۔ یَاأَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ (مزمل۱)

۴۔ وَأَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْأَقْرَبِیْنَ (شعراء۲۱۴)

ان چار آیات میں پیغمبرؐ کو حکم ہوا کہ آپؐ اپنی بات کو دوٹوک الفاظ میں بیان کریں اور نہ ماننے والوں کو آئندہ کے دردناک عذاب کی خبر سنائیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان آیات کے کن کلمات وفقرات سے جانشینی کا اعلان ہوا ہے جیسا کہ روایات میں ذکر ہوا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں اس سلسلے میں سیرت نویسوں نے کیا کہا ہے اور قرآن اس سلسلے میں کیا کہتا ہے۔

خداوند عالم نے سورہ مزمل اور سورہ مدثر کی ابتدائی آیات اور سورہ حجر کی آیت ۹۴ پیغمبرؐ پر نازل کی:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ "سو (اے نبیؐ) ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرو ان باتوں کا جن کا آپ کو حکم دیا جارہا ہے اور پرواہ نہ کرو مشرکوں کی۔"

اسی طرح سورہ شعراء کی آیت ۲۱۴ نازل ہوئی، اس سورہ کی ابتداء میں حضرت موسیٰؑ کا قصہ ہے جس میں بنی اسرائیل کے ہجرت کرنے، بنی اسرائیل کے فرعون کی قوم سے نجات پانے اور فرعونیوں کے غرق ہونے کے تمام مراحل کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تفصیل اس لئے آئی کہ جب پیغمبرؐ اپنی قوم کو خدا کی طرف دعوت دیں تو اپنے صحابہؓ کیلئے کامل نمونہ ہوں یہ سورہ مبارکہ ابتداء سے انتہا تک قصہ حضرت موسیٰؑ پر مشتمل ہے اس میں حضرت موسیٰؑ کی مشکلات ومصائب اور مشقتوں کا ذکر ہے جو اس جانب اشارہ ہے کہ جب نبی کریمؐ کو اپنی قوم کے دعوت کو فراعین کے سامنے رکھیں گے تو آپ کو بھی انہی مشکلات اور مصیبتوں سے گزرنا ہوگا جن سے حضرت موسیٰؑ گزر چکے تھے ان چیزوں کا ذکر کرنا اس لئے ضروری تھا تاکہ پیغمبرؐ اس سلسلے میں پہلے ہی سے آگاہ رہیں اور ساتھ ہی آپؐ کو یہ بشارت دینا بھی مقصود تھا کہ آخر میں ان فراعنہ کے خاتمے پر آپؐ کو غلبہ حاصل ہوگا جس طرح خداوند متعال نے نوحؑ ابراہیمؑ اور لوطؑ کو نجات دلانے کے ساتھ نیکی اور سعادت عطا فرمائی۔

اسی طرح جب اعلانیہ دعوت کا عمل سرانجام دینا ہے تو پھر ہر چیز کا مقابلہ کرنا ہوگا غرض اس کے بارے میں لوگوں کو ابتداء ہی سے بصیرت وآگاہی ہوجائے۔

اس سورۂ مبارکہ میں انبیاءِ الٰہی کو جھٹلانے والوں کا ذکر آیا ہے جن میں قوم نوح و عاد و ثمود اور قوم ابراہیم وقوم لوط و اصحاب ایکہ شامل ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان کا انجام بھی بیان ہوا ہے لہٰذا یہاں بھی داعیوں کو جن چیزوں کا سامنا تھا ان سب کا ذکر خداوند عالم نے کیا۔ خداوند عالم نے یہ بھی بتلایا کہ جھٹلانے والوں کو انجام تک پہنچا دیا جائے گا اور عاقبت خیر صرف مومنین کی ہوگی۔

آیت کریمہ کے نزول کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے مقتدر خاندان کی شخصیات کو بلایا جن کی تعداد پینتالیس (۴۵) تھی ۔ بعض کے مطابق ان افراد کی آمد کے بعد جلسے کا آغاز کرتے ہوئے سب سے پہلے آپ کے چچا ابولہب نے کہا

"یہ آپؐ کے چچا اور چچا زاد ہیں ان سے بات کریں لیکن انحراف اور غلط گوئی سے گریز کریں، یہ یاد رکھیں کہ آپؐ کی قوم میں سارے عرب سے لڑنے کی طاقت و قدرت نہیں ہے ۔ مجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ میں آپ کو روکوں اور قریش کو بھی چاہیے کہ وہ آپ کو اس سے روکیں یہی ان کے حق میں بہتر ہے، میں نے کسی ایسے فرد کو نہیں دیکھا جو اپنی قوم کیلئے شر اور برائی لایا ہو۔"

ابولہب کی جسارت آمیز گفتگو پر نبی کریمؐ مجلس میں خاموش رہے ۔ پیغمبرؐ نے خدا سے مدد طلب کی اور اسی پر توکل کرتے ہوئے ان لوگوں کو دوبارہ بلالیا اور خدا کی حمد و ستائش کے بعد اس سے مدد مانگی اور اسی پر اعتماد و بھروسہ کا اعلان کرتے ہوئے پہلے اس کی وحدانیت کا اعلان کیا پھر فرمایا

"کوئی بھی رہنما اپنی قوم کو جھوٹی خبر نہیں دیتا ۔ خدا کی قسم ! میں پوری انسانیت کی ہدایت کیلئے خدا کی طرف سے مبعوث ہوا ہوں ۔ بخدا تم لوگ موت سے اسی طرح دوچار ہو گے جیسے سو جاتے ہو اور اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جیسے سو کر جاگتے ہو پھر جو کچھ تم کرتے ہو اس کا تم سے حساب لیا جائے گا ۔ اس کے بعد یا تو ہمیشہ کیلئے جنت ہے یا ہمیشہ کیلئے جہنم ۔"

جب آپ کی بات ختم ہوئی تو ابو طالبؑ نے کہا

"میرے لئے آپ کی معاونت کرنا پسندیدہ عمل ہے لہٰذا ہم نے آپ کی نصیحت پر غور کیا اور ہم کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں ۔ میں آپ کے خاندان کا ہی ایک فرد ہوں اس لئے آپ کی حمایت اور تحفظ کو نہیں چھوڑوں گا۔"

ابو طالبؑ کی گفتگو سننے کے بعد ابولہب نے کہا "محمدؐ کی حمایت کرنا بہت بری بات ہے اس لئے کسی اور کا ہاتھ پکڑنے سے پہلے اس کا ہاتھ پکڑا جائے ۔" ابو طالبؑ نے کہا "جب تک ہم زندہ ہیں اس کا دفاع کرینگے ۔" جب پیغمبرؐ کو ابو طالبؑ کی حمایت کا یقین ہوا تو آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اہل مکہ جب کسی خطرے سے دوسروں کو جب آگاہ کرتے تو پکارنے والا پہاڑ کی بلندی سے یا صباحاہ ! کی آواز بلند کرتا تھا لہٰذا پیغمبرؐ نے بھی یا صباحاہ کہہ کر آواز دی پیغمبرؐ کی یہ آواز ہوا کے دوش پر مکہ کے گھر گھر پہنچ گئی جس پر قریش کے افراد اپنے گھروں سے نکل کر آپؐ کے گرد جمع ہوئے تو آپؐ نے ان کو توحید اور رسالت و آخرت پر ایمان لانے کی طرف دعوت دی ۔ صحیح بخاری میں یہ قصہ ابن عباسؓ سے نقل ہوا ہے جب آپؐ پر آیہ "انذار" نازل ہوئی تو آپ نے ندا دی اے بنی عدی ! یہاں تک کہ قبائل قریش میں سے ہر ایک کا نام لیا جس جس نے سنا وہ آپ کے پاس حاضر ہوا اور وہ لوگ جو نہیں پہنچ سکتے تھے انھوں نے اپنے نمائندے کو بھیجا جب ابولہب اور دیگر قریش پہنچے تو پیغمبرؐ نے فرمایا "اگر

میں تمہیں خبر دوں کہ ایک لشکر پچھلی وادی میں موجود ہے اور وہ تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا میری تصدیق کرو گے۔" ان لوگوں نے کہا "ہم نے صدق کے سوا کبھی آپ کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا" پیغمبرؐ نے فرمایا "میں تمہیں دردناک عذاب سے ڈراتا ہوں اے قریش! اپنی جانوں کو جہنم سے نجات دو۔" ابولہب نے کہا "خدا تمہیں ختم کرے تم نے ہمیں اسی لئے بلایا تھا۔" خداوند عالم نے اس کی نفرین کے جواب میں وحی نازل کی۔

﴿الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ "وہ جو ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ دوسرے معبود، سو عنقریب انھیں معلوم ہو جائے گا۔" (حجر ۹۶)

پیغمبرؐ اپنے قبیلے سے مخاطب ہوئے

"کوئی بھی قائد لشکر اپنے اہل سے جھوٹ نہیں بولتا۔ خدا کی قسم میں دھوکہ نہیں دوں گا اسکے بعد فرمایا خدا کی قسم اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں میں خدا کی طرف سے پوری دنیا کیلئے رسول بن کر آیا ہوں۔"

پیغمبرؐ نے اپنی دعوت کے دوسرے مرحلے میں مشرکین کی خرافات کے خلاف بولنا شروع کیا اور بتوں کی حقیقت اور ان کی ادنیٰ قدر و قیمت کی وضاحت کرتے ہوئے ان کے خلاف واضح دلیل و برہان سے مثالیں دیں۔ آپؐ نے فرمایا "جو لوگ ان بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور انہیں اپنے اور خدا کے درمیان وسیلہ گردانتے ہیں وہ واضح و آشکار طور پر گمراہی میں ہیں۔" یہ سننا تھا کہ پورا مکہ غیظ و غضب میں ڈوب گیا مکہ میں ہر طرف عجیب و ناپسندیدہ صورت حال پیدا ہو گئی۔ جب لوگوں نے سنا کہ بت پرست گمراہ ہیں۔ انہیں یہ بات ایسے محسوس ہوئی جیسے آسمان سے ان پر بجلی آگری ہو۔ اس کے بعد قریش دعوت اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے اس اچانک آنے والے اسلامی انقلاب کو ناکام بنانے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ اس انقلاب نے ان کی عادات و رسومات پر حملہ کر دیا تھا۔ پیغمبر اکرمؐ نے بیک وقت دعوت کے اعلان کے ساتھ اپنی صداقت پر گواہی لی۔ یہاں لاحق یا مفروضہ خطرات سے بچنے کیلئے آپ نے اپنی حمایت کرنے والوں کی نمائش نہ کی لیکن ان لوگوں کے سامنے لائے جو مستقبل میں اس دعوت کیلئے مزاحمت کر سکتے تھے۔ دوسری روایت ابو ہریرہ سے نقل ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ پیغمبرؐ نے کوہ صفا پر جا کر اسی نوعیت کا اعلان کیا۔

بعض سیرت نگار کہتے ہیں کہ جب آیہ انذار اتری تو پیغمبر اسلامؐ نے علی ابن ابی طالبؑ کو بلایا اور انھیں کھانا بنانے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ کھانے میں گوسفند کی ران ہونی چاہیے، جب کھانا تیار ہوا تو پیغمبر اسلامؐ نے حکم دیا کہ بنی ہاشم بن عبد المطلب کو بلایا جائے تا کہ انھیں اسلام کی طرف دعوت دوں۔ علیؑ نے آپؐ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کو دعوت دیں، جب دعوت کا اہتمام ہوا تو چالیس افراد شریک ہوئے۔ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو پیغمبرؐ نے ان سے بات کرنا چاہی لیکن ابولہب نے آپ کو کچھ کہنے نہیں دیا اور یوں مجلس دعوت اسلام کے سلسلے میں کسی پیشرفت کے بغیر برخاست ہو گئی چند روز گزرنے کے بعد پیغمبرؐ نے علیؑ کو ایک بار پھر دعوت کا اہتمام کرنے کا حکم دیا اس دفعہ کھانا کھانے کے فوراً بعد پیغمبرؐ نے فرمایا

"مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہیں دین کی طرف دعوت دوں تم میں سے کون ہے جو میری مدد کرے۔" جب سب پر خاموشی طاری ہوئی تو علیؑ اٹھے اور کہا "یا رسول اللہؐ میں آپ کی مدد کیلئے حاضر ہوں" لیکن پیغمبرؐ نے علیؑ کو بیٹھ جانے کا حکم دیا اور اپنی دعوت کو دوسری بار دہرایا جب اقارب نے اس بار پھر مثبت جواب دینے میں کوتاہی کی تو علیؑ نے پھر اپنی طرف سے تائید کا اظہار کیا۔ اس موقع پر پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ کے شانوں پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "یہ تمہارے درمیان میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہے اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔" پیغمبرؐ کی ان باتوں پر قوم کے لوگ ہنسی مذاق کرتے ہوئے گھر سے باہر نکلے اور نکلتے وقت ابو طالبؑ سے کہنے لگے "محمدؐ نے تمہیں اپنی بات سننے کیلئے کہا ہے۔"

ہاشم معروف حسنی اس صدی کے ایک محقق شیعہ عالم نقل کرتے ہیں کہ اس واقعہ کو احمد بن حنبل نے اپنی مسند، ابن کثیر نے کامل اور دیگر متعدد محدثین نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ اس سلسلے میں تفسیر المیزان ج۱۵ میں عزیز و اقارب کیلئے دعوت طعام کا اہتمام، دعوت میں معجزانہ کردار، امیر المومنینؑ کی برادری، وزارت و وصایت اور اپنے بعد خلیفہ ہونے کا اعلان اور اقرباء کی طرف سے پیغمبرؐ کی دعوت پر علیؑ کے سوا دیگر تمام کی خاموشی کے بارے میں روایات نقل ہیں۔

جب ہم اس واقعے کے بارے میں دانشوروں اور علماء کی دھواں دھار تقاریر، اس کے صحیح ہونے پر طلباء کے اصرار اور دوسروں کی جانب سے تسلیم نہ کرنے پر بے پرواہی کے بارے میں جو کچھ سنتے اور دیکھتے ہیں تو اسے بالائے طاق رکھتے ہیں کیونکہ ہم بخوبی جانتے ہیں عام علماء اور دانشوروں نے اس بارے میں تحقیق کرنے کی زحمت نہیں کی ہے تو پھر عام لوگوں سے کیا توقع کی جا سکتی ہے لیکن تعجب ہے کہ اس ملت کے نوابغ روزگار اور محققین جو تحقیقات کے بعد ہی اظہار نظر فرمانے کی شہرت رکھتے ہیں وہ جب مولا علیؑ کے چاہنے والوں سے فضائل سنتے ہیں تو ملنگ بن کر غلط کا انکار نہیں کرتے اور جب بولتے ہیں تو حواس میں نہیں رہتے، ان کے اس طریقہ کار سے دین و مکتب، نبوت اور قرآن کی تعلیمات دفن ہوتی جا رہی ہے اور ساتھ ہی مولا علیؑ کی ولایت و امامت کو تقویت اور اس بارے میں وضاحت کیلئے پیش کیے جانے والے دلائل و ثبوت مشکوک ہوتے جا رہے ہیں۔ اس حلقے کے پاس کسی مسئلے کو سمجھانے کیلئے غصہ، دھمکی ہے اور مخالفین کے خلاف اسی چیز کو کارآمد سمجھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ **"اگر نہ مانے تو ان کی ایسی کی تیسی، دشمن علی کی سمجھ میں بات کہاں آئے گی"** ایسی باتوں سے اگر کسی کو فائدہ ہو رہا ہے اور ان کے پنجے مسلمانوں پر گرفت پکڑتے جا رہے ہیں تو وہ دنیائے کفر و شرک ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اس استدلال میں کہاں تشویش لاحق ہوتی ہے۔ بزرگ محقق و مایہ ناز و افتخار والی ہستیاں جن کے نام سنتے ہی بڑے بڑے لوگوں کے سر جھک کر خاضع ہو جاتے ہیں، ہماری ان علماء سے کوئی نسبت نہیں اگر ہے بھی تو نم اور سمندر کی سی ہے۔ چنانچہ ہماری حیثیت ان بزرگوں کی خدمت میں صرف سائل کی سی ہے اور اسی حیثیت کے پیش نظر ان کے بیانات پر اپنے سوالات درج کرتے ہیں۔ یہ وہ ذوات ہیں جنھوں نے قرآن کریم کی تفسیر کرنے میں سابقہ روایت یعنی تفسیر قرآن بہ حدیث سے گریز کرتے ہوئے تفسیر قرآن بہ قرآن کا باب کھولا لیکن بعد میں ایسی کتابوں سے روایات استناد کر کے تفسیر قرآن لکھنا شروع کی جن کے بارے میں فریقین

کے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ان میں ضعیف وصحیح دونوں قسم کی نقولات جمع ہیں۔ سورہ شوریٰ آیت ۲۱۴ سے کسی بھی طرح اس واقعہ کیلئے استناد کرنے کا اشارہ تک نہیں ملتا جو کہ اپنی جگہ لمحہ فکریہ ہے۔ متعلقہ گروہوں کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص، کسی کی عدالت میں مقدمہ دائر کرے۔ جہاں مدعیٰ اپنی جگہ طالب حق اور داعی صادق ہے لیکن وکیل کا کہنا ہے کہ اپنے حق کے حصول میں بہت زیادہ جھوٹ بولنے اور غلط گوئی کرنے میں کوئی حرج نہیں، آیت کریمہ انذار سے امیر المومنینؑ کی ولایت پر استدلال دونوں کا آپس میں دور کا بھی ربط نہیں ہے۔ اس پر مندرجہ ذیل اہم اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

۱۔ کھانے کا اہتمام کرنے کیلئے خاص طور پر علیؑ کو حکم دینے کی کوئی منطق نہیں بنتی۔ اسلام کھلانے پلانے سے شروع نہیں ہوا اور نہ ہی اس کام کے حسن و خوبی کے متعلق کوئی آیت اتری ہے کہ مشرکین کو دعوت اسلام کے ساتھ دعوت طعام دی جائے۔

۲۔ یہ لوگ رسول اللہؐ کو **"ساحر و جادوگر"** کہنے والے تھے، قلیل کھانے سے بطور معجزہ کثیر افراد کو کھلا کر کتنے لوگوں کو متاثر کیا گیا اس چیز کو دیکھ کر کتنے لوگ ایمان لائے؟

۳۔ دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر بعض ایسی شخصیات موجود تھیں جو پیغمبر اکرمؐ سے عشق و محبت رکھتی تھیں لیکن ان کی طرف سے پیغمبرؐ کی طلب نصرت پر آپؐ کی طرف سے مدد کیلئے تکرار کے باوجود خاموش رہنے کی کیا منطق تھی؟

۴۔ پیغمبر اکرمؐ نے جب بحیرہ بن فراس قبیلہ عامر بن صعصعہ کو دعوت دی تو اس نے کہا کہ ہماری حمایت کے بعد اگر آپؐ اپنی دعوت میں کامیاب ہوئے تو اس میں ہمارا کیا حصہ ہوگا تو آپؐ نے فرمایا "یہ اختیار میرے ہاتھ میں نہیں اس کا فیصلہ خدا کو ہی کرنا ہے۔" تو اس نے کہا کہ ابھی ہم آپ کے دشمن کیلئے گردن دے دیں جب غلبہ ہو جائے تو اقتدار کسی اور کو ملے ہمیں آپ کے اس امر کی کوئی غرض نہیں۔ اس واقعہ میں موجود پیغمبرؐ کا یہ بیان پہلی گفتگو سے متصادم نظر نہیں آتا جہاں پیغمبرؐ ساتھ دینے والے کو وصی و جانشین منتخب فرما رہے تھے؟

۵۔ پیغمبرؐ اپنا ساتھ دینے والے کو اپنا جانشین قرار دیتے تو مشرکین کو بھی یہ کام انجام دینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوتی جیسا کہ درج بالا واقعہ میں بحیرہ نے کہا؟

۶۔ اگر یہ مقام و منصب صرف آپؐ کے خاندان ہی میں کسی کیلئے تھا تو آپؐ کی نبوت اور دنیا کی ملوکیت میں کیسے تمیز کی جائے گی؟

۷۔ صاحب المیزان، مجمع البیان سے عشیرہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں عشیرہ قرابت داروں کو کہتے ہیں کیونکہ انسان اپنے قرابتداروں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پسند کرتا ہے لہٰذا قرابت داروں کو خصوصی طور پر یہاں ڈرانے کا مقصد یہ تھا کہ اس دعوت میں آپؐ اور آپؐ کے اقربین کو کوئی سہولت، رعایت اور امتیازات حاصل نہیں ہیں جس طرح نظام ملوکیت میں بادشاہ اور ان کے اقربا قانون سے بالاتر ہوتے ہیں جبکہ رعایا سے ہر چیز کا حساب لیا جاتا ہے۔ دین اسلام میں ایسا نہیں، یہاں خدا کی حکم عدولی کی صورت میں عذاب کا مستحق قرار پانے میں نبی، امت، اقارب اور اجنبی میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ سب کے سب خدا کے بندے ہیں اور خدا ہی ان کا مولا ہے۔ پیغمبرؐ سے دوسری

آیت میں فرمایا گیا کہ اگر آپؐ نے کسی کے سامنے خاضع ہونا ہے تو صرف اور صرف ان مومنین کے سامنے خاضع ہوجائیں جو آپ کی پیروی کرتے ہیں (شعراء۲۱۵) اگر کسی نے آپؐ کی مخالفت کی تو ان سے کہہ دیں کہ ہم تمہارے اس عمل سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔

نعوذباللہ مشرکین کے سامنے پیغمبر کو خاضع کرنے کے مفروضات سے علیؑ کی حقانیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ علیؑ کی حقانیت کو مشکوک بنانے کی ایک کوشش ہے جو کوئی غلط گوئی کے ساتھ ڈنڈا لے کر پھرتا ہے وہ حق کی حمایت نہیں کرسکتا۔فضیلت سازوں نے دین اسلام کو صرف علیؑ کی فضیلت میں خلاصہ اور محدود کر کے نبی کریمؐ کی نبوت کو سبوتاژ ہی نہیں کیا بلکہ علیؑ کی قیادت و رہبری کیلئے ایک نا کام و ناقص اور ناممکن فضیلت گھڑی ہے۔

قریش کی بربریت ومظالم

مشرکین ابتداء سے پیغمبر کی دعوت کو معمولی گردانتے رہے وہ اس دعوت پیغمبرؐ کو معمولی اور خود بخود ختم ہونے والی دعوت تصور کرتے تھے انہیں بعد میں احساس ہوا اس دعوت میں آئے روز اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔کفار مکہ خاص طور پر مشرکین قریش اس دعوت کو روکنے کیلئے سوچنے لگے اور اسے عملی جامہ پہنانے کی غرض سے وہ مختلف مراحل و مراتب کو آزماتے رہے۔ظالمین و جابرین کی ہمیشہ سے یہ سنت و سیرت رہی ہے جب وہ آسان وسائل و ذرائع کے ذریعے اپنے اہداف تک پہنچنے میں نا کام ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں بیچارے لوگوں کو اپنے غیظ وغضب کے ذریعے ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ وہ اپنے غیظ وغضب کے بُرے نتائج سے ڈرتے بھی ہیں۔رسولؐ کی دعوت کو روکنے کیلئے پہلے مرحلے میں مشرکین مکہ نے پیغمبر اسلامؐ کا تمسخر و مذاق اڑانا شروع کیا لیکن جب دیکھا کہ آپؐ اپنے دعوتی عمل سے باز نہیں آرہے ہیں تو قریش نے آپؐ پر سب وشتم کرنا شروع کردیا۔لوگوں کو آپؐ سے دور رکھنے کیلئے آپ کو جھوٹا ،مجنوں اور ساحر کہنے لگے کبھی آپ کی نقل اتارتے جسے آج کل کی اصطلاح میں ''نفسیاتی جنگ'' کہتے ہیں۔کفار مکہ نے آپؐ پر ایمان لانے والوں کے خلاف بھی ایسی ہی نفسیاتی جنگ چھیڑ رکھی تھی تا کہ اس تحقیر وتذلیل کو دیکھ کر یہ نئے ایمان لانے والے اپنے ایمان سے برگشت کر جائیں اور اس سے دوسروں کی ہمت بھی ٹوٹ جائے لیکن جب انہیں یہ حربہ کامیاب ہوتا ہوا دکھائی نہ دیا تو انہوں نے اگلے مرحلے میں آپؐ پر ایمان لانے والے کمزور وضعیف لوگوں کو جنھیں کسی بڑی طاقت کی حمایت حاصل نہ تھی چن چن کر اپنے ظلم وستم اور بربریت کا نشانہ بنانا شروع کیا مشرکین کے اس ظلم کا پہلا نشانہ یاسرؓ ان کی بیوی اور ان کے فرزند عمارؓ بن یاسر بنے۔یاسرؓ اپنے خاندان کے ساتھ یمن سے تشریف لائے تھے جب انہوں نے مکہ میں قیام کا فیصلہ کیا تو قبیلہ بنی مخزوم سے معاہدہ کیا کہ وہ انہیں تحفظ دینگے چنانچہ اس معاہدے کی روشنی میں عمار یاسرؓ کو مولا بنی مخزوم کہتے تھے۔یاسرؓ ان کی بیوی سمیہؓ اور عمارؓ تینوں نے پیغمبرؐ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔کفار مکہ ان تینوں افراد کو نکال کر ابطح کے مقام پر لے گئے جہاں انہیں عین دوپہر کے وقت سخت گرمی و دھوپ میں رکھا اور ان کو مار پیٹ کی۔پیغمبرؐ کا وہاں سے گزر ہوا آپ انھیں اس عذاب سے نجات نہیں دلا سکتے تھے اور نہ ہی

ان کا دفاع کرسکتے تھے چنانچہ آپؐ نے ان سے صرف اتنا فرمایا ''اے آل یاسرؓ صبر کرو تمہارا وعدہ واجر اللہ کے پاس ہے۔''

یاسرؓ اس ظلم و تشدد کے نتیجے میں شہید ہوگئے جب ان کی بیوی سمیہؓ نے یہ حالت دیکھی تو انہوں نے ابوجہل کو برا بھلا کہا جس پر اس نے ان کے سینے و ہاتھ پر نیزا مارا جس سے وہ بھی شہید ہوگئیں، اسلام کی پہلی شہیدہ عمار یاسرؓ کی والدہ تھیں، مشرکین ان سے کہا کرتے تھے کہ تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑا جائے گا جب تک تم محمدؐ پر سب اور لات و منات اور عزیٰ کی تعریف نہیں کروگے، عمارؓ نے بحالت مجبوری ایسا ہی کیا لیکن جب وہ روتے ہوئے پیغمبرؐ کے پاس پہنچے تو پیغمبرؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے تو انہوں نے کہا کہ میں نے آپؐ کو برا بھلا کہا ہے پیغمبرؐ نے فرمایا کہ تمہارے دل میں کیا ہے کیا تم رسالت پر مطمئن ہو؟ تو عمارؓ نے کہا یقیناً پھر پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اگر تمہیں مجھ سے برائت کرنے کیلئے کہیں تو تم دوبارہ برائت کرو۔ ان کے اس عمل کے بارے میں سورہ نحل کی آیت ۱۰۶ نازل ہوئی:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ ''جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔''

عمارؓ کے بارے میں علیؑ سے مروی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ''عمار یاسرؓ سر سے پیر تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں۔'' عمارؓ امیر المومنینؑ کے ساتھ بھی جنگوں میں شریک رہے۔ آپ جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے ہمراہ لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

بعثت پیغمبر اسلام ﷺ اور زحمتوں کا تسلسل

پیغمبر اسلامؐ کے اعلان نبوت کے ساتھ مشرکین قریش نے اس دعوت کے مقابلے میں اپنا موقف یکے بعد دیگرا اور موقع کی مناسبت سے ظاہر کرنا شروع کیا جسے ذیل میں ملاحظہ کریں:

۱۔ رسول اسلامؐ پر مختلف تہمتیں باندھی جاتی تھیں تا کہ لوگ آپؐ سے دور ہوجائیں:

الف: یہ پرانے قصے کہانیاں ہیں:

﴿وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ ''اور کہتے ہیں: یہ پرانے لوگوں کی داستانیں ہیں۔'' (فرقان ۵) (قلم ۱۵)

ب: آپ پر دیوانہ پن کا الزام:

﴿اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ﴾ ''اس نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اسے جنون لاحق ہے؟'' (سبا ۸)

ج: آپ کو جھوٹا، کاہن کہنا:

﴿وَقَالَ الْكَافِرُوْنَ هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ﴾ ''اور کفار کہنے لگے: یہ جھوٹا جادوگر ہے۔'' (ص ۴) (فرقان ۴)

د: آپ پر ساحر، چشم بندی کا الزام:

﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ﴾ ''یہ جادو کے سوا کچھ نہیں ہے جو منتقل ہو کر آیا ہے'' (مدثر ۲۴)

۲۔ یہ کہنا کہ آپ مجادلۃ گفتگو پر اتر آتے ہیں:

﴿قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظٰمَ وَھِیَ رَمِیْمٌ ☆قُلْ یُحْیِیْھَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَھَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ”اور کہنے لگتا ہے: ان ہڈیوں کو خاک ہونے کے بعد کون زندہ کرے گا؟۔ کہہ دیجئے: انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا۔“
(یٰسین ۷۸، ۷۹)(انعام ۸، جاثیہ ۲۴، ۳۵)

۳۔ مکروفریب:

﴿وَقَدْ مَکَرُوْا مَکْرَھُمْ وَعِنْدَ اللّٰہِ مَکْرُھُمْ وَاِنْ کَانَ مَکْرُھُمْ لِتَزُوْلَ مِنْہُ الْجِبَالُ ﴾ ”اورانہوں نے اپنی مکاریاں کیں اوران کی مکاریاں اللہ کے سامنے تھیں اگرچہ ان کی مکاریاں ایسی تھیں کہ جن سے پہاڑ بھی ٹل جائیں۔“
(ابراہیم ۴۶)

۴۔ مطالبہ معجزات، دلیل تکوینیات، جو ہر انسان کیلئے انجام دینا مشکل ہو:

﴿فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ کَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ﴾ ”ورنہ یہ کوئی معجزہ پیش کرے جیسے پہلے انبیاء (معجزوں کے ساتھ) بھیجے گئے تھے“ (انبیاء ۵)﴿اَوْ تَکُوْنَ لَکَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْھٰرَ خِلٰلَھَا تَفْجِیْرًا☆اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ قَبِیْلًا☆ اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُہٗ ﴾ ”یا آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیں جیسا کہ خود آپ کا زعم ہے یا خود اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئیں۔ یا آپ کیلئے سونے کا ایک گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک آپ ہمارے لئے ایسی کتاب اپنے ساتھ اتار نہ لائیں جسے ہم پڑھیں۔“ (اسراء ۹۱ تا ۹۳)

۵۔ ایک طرف مذاکرہ ومجادلہ کی دعوت دیتے تو دوسری طرف مسلمانوں کی تعذیب اور کمزور طبقوں اور تمام ایمان لانے والوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا۔

دعوتِ اسلام کو روکنے کیلئے مختلف مزاحمتیں

دشمنانِ اسلام نے دعوتِ اسلام کے خلاف مزاحمت کے ابتدائی مراحل میں پیغمبرؐ پر ایمان لانے اور آپؐ کے ساتھ نشست و برخاست کرنے والوں کو طرح طرح کی جسمانی و روحانی اذیتیں دینا شروع کیں بعض کو ہاتھ پیر باندھ کر گرم ریت پر آفتاب کی تمازت میں لیٹایا گیا، کھانے پینے سے روکا گیا، بعض کے سینے پر بھاری چیزیں جیسے پتھر وغیرہ رکھے جاتے، بعض کو مارا پیٹا گیا اس طرح کے تشدد کے باعث بعض مسلمانوں کی جان بھی چلی گئی اور بعض نے اس روزگارِ سیاہ سے جان بچانے کیلئے حبش و مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

کفار مشرکین کی طرف سے ابوبکرؓ کی مار پیٹ

لکھتے ہیں ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو خدا و رسولؐ کی طرف دعوت دینے کیلئے اٹھے تو مشرکین ان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں مارا پیٹا گیا، آپ پر زیادہ تشدد کرنے والوں میں عتبہ بن ربیعہ شامل تھا جس نے حضرت ابوبکرؓ کے سر اور چہرے پر جوتیاں

ماریں یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ جب زمین پر گرے تو بنی تیم نے انہیں اس خیال سے زمین سے اٹھایا کہ وہ مر گئے ہیں۔

قریش خانہ جنگی سے ڈرتے تھے

شرک وبت پرستی کے خلاف پیغمبر اسلامؐ کی دعوت پر اکابرین قریش نے انتہائی دقت اور باریک بینی سے غور وخوض کیا تاہم وہ اس دعوت کے جواب میں اپنی طرف سے ہر قسم کی طاقت کے استعمال سے گریز کرنے کے خواہاں تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کا انجام ان کے خلاف ہوگا۔ وہ تمام تر کوشش فکری جنگ پر مرکوز کیے ہوئے تھے کیونکہ دعوت پیغمبرؐ میں کوئی ایک قبیلہ، ایک گروہ یا کسی ایک خاندان وعلاقے کے لوگ داخل نہیں ہوئے تھے۔ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مکہ کے اشراف خاندانوں میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی فرد ان کے علم واجازت کے بغیر دین محمدؐ میں داخل ہو چکا تھا۔ چنانچہ مخالفین اس حقیقت کو جان چکے تھے کہ آپ سے طاقت وقدرت کے ساتھ جنگ کرنے کا نتیجہ خانہ جنگی ہوگا لہٰذا وہ انتہائی صبر وتحمل اور غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اس مسئلے کو فکری انداز اور خوش اسلوبی کیساتھ اپنے میں حق تمام کریں۔

انہوں نے پہلے یہ سوچا کہ اشراف قریش کے خاندانوں سے یہ کہیں کہ اپنے خاندان کے افراد کو مسلمان ہونے سے روکیں یا یہ کہیں کہ وہ محمدؐ اور دین محمدؐ کا ساتھ نہیں دیں گے لیکن ان کو یہ بات قابل عمل نظر نہ آئی اس کی بجائے انہوں نے سوچا کہ تمام اشراف قریش حضرت ابو طالبؑ کے پاس جائیں اور ان سے نرمی وترشی دونوں لہجوں میں گفتگو کریں۔ ترشی اس لئے کہ شاید وہ ڈر جائیں اور نرمی اس لئے کہ وہ قریش کے ساتھ جنگ سے گریز کریں اور صلح وآشتی کو ترجیح دیتے ہوئے محمدؐ کی دعوت سے دست بردار ہو جائیں۔ ایسی صورت میں وہ دوسرے خاندانوں کو بھی آسانی سے قانع کر سکتے تھے اور انہیں کہہ سکتے تھے کہ دیکھو اس دعوت کے بانی محمدؐ ہیں۔ جب محمدؐ کے حامیوں نے انہیں چھوڑ دیا ہے اور ان سے دست بردار ہو گئے ہیں تو تم لوگ بھی اپنے خاندان کے مسلمان ہو جانے والے لوگوں سے دست بردار ہو جاؤ، وہ چاہتے تھے کہ اس طرح پیغمبر اسلامؐ اور آپ پر ایمان لانے والے لوگ بے سہارا و بے آسرا رہ جائیں۔ اگر ایسا ہو جاتا تو پھر انہوں نے دوسروں سے کہنا تھا کہ دیکھو جب بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب نے اپنے آبائی دین کے تحفظ کیلئے اپنی آنکھ کے تارے کی حمایت چھوڑ دی ہے تو تمہیں بھی چاہیے کہ اپنے اپنے قبیلے اور خاندان کے مسلمان ہونے والے افراد کی حمایت سے الگ ہو جاؤ۔ وہ ترشی سے اس لئے گریز کرتے تھے کہ اگر بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب ابو طالبؑ کا ساتھ دیں گے تو دوسرے قبیلوں سے ان کے رشتہ دار بھی ان کے مدمقابل کھڑے ہوں گے اور ان کے حلیف بھی ان کی حمایت میں ان کے ساتھ ہوں گے اور پھر مکے میں ایک ختم نہ ہونے والی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔

مشرکین قریش کی طرف سے مذاکرات کیلئے پیش قدمی

مشرکین قریش اس زعم میں مبتلا تھے کہ وہ کمزور وضعیف لوگوں کو اپنے ظلم وستم کے ذریعے پیغمبرؐ سے دور کر لیں گے اور ان کے مظالم سے تنگ آ کر یہ کمزور لوگ واپس اپنے پہلے دین پر آ جائیں گے لیکن پیغمبرؐ پر ایمان لانے والوں کے صبر واستقامت

نے ان کے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا کسی بھی شخص نے ایمان لانے کے بعد راہ فرار اختیار نہیں کی مشرکین نے دیکھا کہ ایک بے سہارا غلام بلالؓ بھی ان کے ہر قسم کے ظلم کے جواب میں صرف احد احد کا کلمہ دہراتا ہے، مسلمانوں کی طرف سے صبر و ایمان کی ان مثالوں کو دیکھ کر دوسرے لوگوں نے بھی رفتہ رفتہ رسولؐ پر ایمان لانا شروع کر دیا اور یوں اس بدلتی ہوئی صورت حال کے باعث ایمان لانے والوں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہوتا چلا گیا مشرکین مکہ رسولؐ کی دعوت کو روکنے کیلئے دوسرے طریقوں کو سوچنے پر مجبور ہوئے۔ بالآخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ رسولؐ اور آپؐ کے پشت پناہ ابو طالبؑ سے مذاکرات کئے جائیں ابو طالبؑ سے مذاکرات کیلئے انہوں نے دو طرح کی حکمت عملی اپنائی ایک طرف سے طمع و لالچ دوسری طرف سے جنگ کی دھمکی سے خوف زدہ کیا۔

قریشی وفد کے جناب ابو طالب ﷺ سے مذاکرات

جب پیغمبر اسلامؐ نے کسی جھجک و تردد، خوف و ہراس، قریش کی طاقت و قدرت اور شان و شوکت کی پرواہ کئے بغیر کوہ صفا پر دعوت اسلام کا برملا اعلان کیا اور قریش کو عاقبت کے بارے میں ڈرایا تو ان میں ہل چل سی مچ گئی۔ اس خوف و ہراس کے عالم میں انہوں نے ایک نمائندہ وفد تشکیل دیا تا کہ ابو طالبؑ سے مذاکرات کر کے پیغمبرؐ کو اس نئی دعوت سے دستبردار ہونے کی ترغیب دلائی جا سکے، وفد میں شامل افراد کے نام یہ ہیں:

عتبہ	شیبہ	پسران ربیعہ	ابوالبختری	ابوجہل
ابوسفیان بن حرب بن امیہ	نبیہ اور منبہ	الاسود بن مطلب	ولید ابن مغیرہ	العاص بن ہشام
پسران حجاج بن عامر اور عاص بن وائل				

قریش ابو طالب ﷺ کی خدمت میں

مذاکرات کے پہلے دور کی ناکامی پر قریش کا ایک اور وفد ابو طالبؑ کے پاس گیا جس نے ابو طالبؑ سے کہا

"آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے دین کا مذاق اڑاتا ہے، ہمیں احمق کہنے کے ساتھ ہمارے بزرگوں کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ آپ اسے ایسا کرنے سے روکیں یا پھر آپ ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں۔ ہم آپ کو وہی مقام و منزلت دیں گے جو آپ کو حاصل ہے۔"

ابو طالبؑ نے بہت نرمی اور اچھے انداز میں ان کو جواب دیا اور وہ چلے گئے، قریش نے دیکھا کہ محمدؐ اپنی پہلی حالت پر برقرار ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ ابو طالبؑ سے آخری بار بات کی جائے۔

مشاورت قریش اور ولید بن مغیرہ

ولید بن مغیرہ ابی جہل کا چچا تھا۔ اس کے خاندان کا شمار قریش کے بڑے خاندانوں میں ہوتا تھا۔ یہ عیش و عشرت میں معروف

اوراس حوالے سے اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔قریش نے جب کعبہ کودوبارہ بنانے کیلئے اس کی دیوارکوگرانا چاہاتو اندرہی اندرڈررہے تھے،ولید نے ہی کعبے کی دیوارکوگرایا اور پھردوسروں کوآگے بڑھنے کی ہمت ہوئی۔نبی کریمؐ جب مبعوث ہوئے اورلوگوں کو بت پرستی چھوڑکرخدا کی بندگی اپنانے کی دعوت کا آغاز کیاتو قریش آپ کی راہ میں حائل ہوئے،آپ کواذیت وایذااوراستہزاء کا سامنا کرنا پڑا،آپ کی دعوت کی مخالفت ہوئی اس کام میں ولید پیش پیش تھا۔

حج کے زمانے میں جب حجاج مکہ آنے کی تیاری کررہے تھےقریش مشورے کیلئےولید کے پاس پہنچے۔لوگوں نے بھی یہ چاہا کہ مسئلہ کوولید بن مغیرہ پرچھوڑدیا جائے کیونکہ وہ ان کے نزدیک مقام ومنزلت رکھتا تھا۔ولید نے کہااس بارے میں تم سب لوگ ایک رائے اختیارکرلوتو لوگوں نے کہا آپ ہی کہیں۔اس نے کہانہیں تم لوگ کہومیں سنوں گااس موقع پرایک شخص نے کہا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ کاہن ہے،ولید نے کہا کہ وہ کاہن نہیں،میں نے بہت سے کاہنوں کودیکھا ہے،ان میں کاہنوں کی علامات نہیں ہیں۔لوگوں نے کہاتو پھروہ دیوانہ ہےولید نے کہا دیوانہ بھی نہیں،میں نے بہت مجنون دیکھےان کووسوسہ نہیں ہوتا پھریہ کہا گیا کہ وہ شاعر ہیں ولید نے کہا ہم نے شاعروں کواچھے طریقے سے سمجھا ہے یہ شاعر بھی نہیں ہیں۔لوگوں نے کہا کہ وہ جادوگر ہیں ولید نے کہامیں نے ساحراورسحربھی دیکھا ہےوہ گرہیں لگاتے ہیں وہ ساحربھی نہیں ہےلوگوں نے کہا اب ہم اورکیا کہیں اس کے بعدولید نے کہا

"خدا کی قسم اس کے کلام میں مٹھاس وحلاوت ہےاس کی فرع میں ثمرات ہیں جوکچھ تم کہتے ہوان میں سے کوئی چیزاس میں نہیں البتہ تم جوکہتے ہووہ سب باطل ہے۔"

تمہاری باتوں میں سےقریب ترین بات ساحرکہنا ہے کیونکہ ساحرباپ بیٹے کےدرمیان،بھائیوں کےدرمیان،شوہراوربیوی اسی طرح عشیرہ وقبائل کےدرمیان جدائی ڈالتا ہے۔اس کے بعدوہ لوگ منتشرہوگئے تاہم وہ اس انتظارمیں رہے کہ حج کے دن آجائیں توکسی کوبھی پیغمبرؐ سے ملنے نہ دیا جائے جب حج کا موسم آیا تو یہ لوگ ہرچوراہے پربیٹھنے لگےاورگزرنے والوں سے کہنا شروع کردیا کہ محمدؐ سے نہ ملنا کیونکہ وہ جادوکرتا ہےاوربتوں کوبرابھلا کہتا ہے۔یہ واقعہ سیرت ابن ہشام جلدا میں بھی درج ہے۔

ولیداپنی جگہ بہت عاقل،زیرک،سمجھدار،سنجیدہ اورپختہ انسان تھاایک دن اس نے پیغمبرؐاسلام سےقرآن کریم کی تلاوت سنی تو اس نے اپنی قوم بنی مخزوم سے کہا کہ"واللہ میں نے محمدؐ سے ابھی ایک کلام سنا ہے جونہ تو جن کا کلام ہےاورنہ ہی کسی انسان کا،اس میں ثمربخش مٹھاس وتازگی اورگہرائی ہےجس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔"قریش نے یہ کہنا شروع کردیا کہ ولید بھی منحرف ہوگیا ہے اوراس نے بھی دین محمدؐ کواپنالیا ہے۔ولید کی شخصیت رہتی دنیا کیلئے درس حیات اورسبق ہے کہ اتنی عقل،سوچ وسمجھ،فراست اور ذہانت کا حامل ہونے کے باوجودبھی وہ ہدایت حاصل نہیں کرسکا۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ارادہ کے بغیرعقل وعلم کسی کام کے نہیں،مغیرہ اپنے کفروبت پرستی اورغیرت قومی پراڑا رہااس نے لوگوں کی چہ میگوئیوں سے بچنے کیلئے رسول اللہؐ سےعداوت جاری رکھی اورلوگوں کوراہ خدا سے روکتا رہا،اس کےاس کفروطغیان میں روزبہ روزشدت آتی گئی۔یہاں تک کہ خداوندمتعال نے سورہ

مدثر۱۱تا۲۶میں اس کی حرکتوں اور بے چارگی کا ذکر کیا۔یہاں پر عقل مند بننے والوں کو غور کرنا چاہیے۔

﴿ذَرْنِىْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ☆ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُودًا ☆ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ☆ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ☆ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ☆ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ☆ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ☆ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ☆ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ☆ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ☆ ثُمَّ نَظَرَ ☆ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ☆ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ☆ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ☆ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ☆ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ﴾ ''اوراس کیلئے کثیر مال قرار دیا ہے اور نگاہ کے سامنے رہنے والے بیٹے قرار دیئے ہیں اور ہر طرح کے سامان میں وسعت دے دی ہے اور پھر بھی چاہتا ہے کہ اور اضافہ کردوں ہر گز نہیں یہ ہماری نشانیوں کا سخت دشمن تھاتو ہم عنقریب اسے سخت عذاب میں گرفتار کریں گے اس نے فکر کی اور اندازہ لگایا تو اسی میں مارا گیا کہ کیسا اندازہ لگایا پھر اسی میں اور رتباہ ہوگیا کہ کیسا اندازہ لگایا پھر غور کیا پھر تیوری چڑھا کر منہ بسور لیا پھر منہ پھیر کر چلا گیا اور اکڑ گیا اور آخر میں کہنے لگا کہ یہ تو ایک جادو ہے جو پرانے زمانے سے چلا آرہا ہے یہ تو صرف انسان کا کلام ہے ہم عنقریب اسے جہنم واصل کردیں گے۔''

مسلمانوں کے بچاؤ کی احتیاطی تدابیر

مسلمانوں نے مشرکین کی پر تشدد کاروائیوں کے باعث پہلے مرحلے میں حکمت عملی کے ساتھ جان بچا کر مکہ سے نکل کر دور دراز کے علاقوں کا رخ کیا تا کہ سکون واطمینان کی زندگی گزاری جاسکے اور مسلمان سکھ کا سانس لے سکیں خداوند متعال نے اپنے وعدۂ نصرت کو پورا کیا۔خداوند عالم نے مسلمانوں کی تمام کمزوری، ناتوانی اور بے سروسامانی کے باوجود ہر میدان میں کثیر مشرکین کے غرور کو خاک میں ملا دیا اور یوں انہیں ذلیل وخوار ہو کر فرار ہونا پڑا۔

قارئین آج کل کے مسلمانوں کی طرف سے ہونے والی مزاحمتوں سے دل چاہتا ہے میدان سے نکل کر اور دین و مذہب کے مظاہر سے چھپ کر کسی غار میں جا کر سکوت وخاموشی کی زندگی گزاری جائے اور میدان سے دستبردار ہونے کو راہِ نجات قرار دیا جائے کیونکہ موجودہ دور میں ایسی صورت حال سے دوچار ہیں جہاں قصے کہانیاں مجالس ومحافل کی زینت کا سبب بنی ہوئی ہیں فخر ومباہات اور داد وخوش آمد حاصل کرنے کے خواہشات بڑھتی چلی جارہی ہیں کیونکہ بڑے بڑے معتقدین کا اصرار ہے کہ دشمن کا خطرہ اب ٹل چکا ہے۔اب ہم ان ہستیوں کی فتح وکامیابی کے طفیل سے چین وسکون کی زندگی بسر کریں گے۔موجودہ دور میں مشرکین نے اپنی طرز مزاحمت میں ایک اور مکارانہ انداز کا اضافہ کیا ہے جس کا نام ثقافتی مزاحمت ہے،اس طریقہ مزاحمت میں وہ ہماری ہی نسل کو غلط تربیت دینے کی کوشش کررہے ہیں جس سے ہمیں اپنے گھر میں ہی ایک نئی مزاحمت کا سامنا ہے،اسی طرح یہ دعوت کا تمسخر اڑانے کیساتھ اسے نا قابل عمل قرار دینے کی کوشش بھی کرتے ہیں اسے اپنی زندگی کیلئے شقاوت وبدبختی قرار دیتے ہیں۔دوسری طرف وہ چاہتے ہیں خود مسلمانوں میں ایسا نا قابل وصل شگاف پیدا کردیا جائے جو ایک دوسرے سے ملنے ملانے، اتفاق واتحاد کے تمام راستے مسدود کردے۔یہ عمل ان کے بقول کامیابی سے آگے بڑھ رہا ہے۔

قریش کی جناب ابو طالبؑ کو دھمکی

قریش کا وفد پھر ابو طالبؑ کے پاس آیا اور کہا

''ہم نے آپ سے آپ کے بھتیجے کی شکایت کی تھی لیکن آپ نے اس کے بارے میں کوئی سنجیدگی اختیار نہیں کی گئی۔قوم کی نظر میں آپ کا بڑا مقام ہے لیکن آپ کے بھتیجے کی باتیں قوم کیلئے نا قابل برداشت ہوگئی ہیں اگر اب بھی آپ اسے روکنے میں کامیاب نہ ہوئے تو پھر آپ کو اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کرنا ہوگا ہم اس سے لڑیں گے یہاں تک کہ دونوں میں سے ایک ختم ہو جائے گا۔''

ابو طالبؑ پر یہ دھمکی آمیز باتیں سخت اور گراں گزریں لیکن برادرزادے کو قریش کے حوالے کرنے یا ان سے ہاتھ اٹھانے کو ان کے ضمیر نے گوارہ نہ کیا۔آپؑ نے سوچا کہ جو باتیں قریش نے ان کے ساتھ کی ہیں کیوں نہ محمدؐ کے سامنے بیان کی جائیں لہٰذا آپؑ نے پیغمبرؐ سے کہا

''برادرزادے! آپ میرا خیال رکھیں اور ایسے کام پر مجھے مجبور نہ کریں جسے برداشت کرنے کی میں طاقت نہیں رکھتا۔''

پیغمبرؐ نے چچا کی ان باتوں سے گمان کیا کہ شاید چچا کے ارادے میں تبدیلی آگئی ہے اور وہ اب میرا ساتھ چھوڑنے والے ہیں۔آپؐ نے ابو طالبؑ سے کہا

''اگر یہ قریش میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو بھی میں اپنی دعوت کو ختم نہیں کروں گا خدا ہمیں ضرور غلبہ دے گا۔''

یہ کہہ کر آپؐ رونے لگے۔ابو طالبؑ نے یہ دیکھ کر پیغمبرؐ سے کہا

''بھتیجے! تم جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہو کہو میں آپ کو کبھی بھی قریش کے سپرد نہیں کروں گا۔''

یوں قریش پیغمبرؐ کی دعوت کو روکنے کے دوسرے مرحلے میں بھی نا کام ہوگئے اس کے بعد ان کے دلوں میں پیغمبرؐ پر ایمان لانے والوں کیلئے غصہ بڑھ گیا۔قریش نے فیصلہ کیا کہ محمدؐ کو روکنے کیلئے ہر طرح کی کوششیں بروئے کار لائینگے۔جب آپؐ نے قریش کی جنونیت سے بھری عداوت و دشمنی کی اس کیفیت کو دیکھا کہ جس میں ہر قسم کی گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا تھا تو ایسے حالات میں آپؐ نے دعوت اسلام کو مکہ سے باہر لے جانے کا فیصلہ کیا۔

حضرت محمد ﷺ اور مشرکین کی تجاویز

مشرکینِ مکہ نے حضرت محمدؐ کی دعوت کو اپنے لئے خطرہ محسوس کیا کیونکہ رفتہ رفتہ اس دعوت کو فروغ مل رہا تھا یہ دیکھ کر وہ پیغمبر اسلامؐ سے مذاکرات پر آمادہ ہوئے۔

پہلی تجویز

سیرت نویسیوں کے مطابق قریش کی بعض شخصیات جن میں حارث بن قیس سہمی، عاص بن ابی وائل اور ولید بن مغیرہ وغیرہ

نے پیغمبر اسلامؐ سے کہا کہ آپ ہمارے دین کی پیروی کریں، ہم آپ کے خدا کی عبادت کرینگے، ہم آپ کو اپنے امور میں شریک کریں گے،اس طرح اگر آپ کے دین میں کوئی خیر ہے جو ہمارے دین میں نہیں تو ہم اس میں شریک ہونگے اور سمجھیں گے ہم نے خیر میں حصہ لیا۔اگر ہمارے دین میں کوئی خیر ہے تو آپ اس خیر میں شریک ہوں ان کی اس پیشکش پر پیغمبرؐ نے فرمایا کہ معاذاللہ ہم اپنے خدا کے ساتھ کسی کو شریک کریں،مشرکین نے کہا کہ آپ ہمارے بتوں کو صرف مس کریں ہم آپ کی تصدیق کرینگے اور آپ کے خدا کی عبادت یا پرستش کریں گے پیغمبرؐ نے فرمایا کہ انتظار کرو میرے رب کی طرف سے کیا حکم آتا ہے،اس وقت سورہ کافرون نازل ہوئی:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ☆لَآ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ☆ وَلَآ أَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ أَعْبُدُ☆وَلَآ أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُّمْ☆وَلَآ أَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ أَعْبُدُ☆لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ ''آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کررہا ہوں تمہارے لئے تمہارا دین ہے میرے لئے میرا دین ہے۔''

اس موقع پر پیغمبر اسلامؐ مسجد الحرام کی طرف متوجہ ہوئے تو مسجد میں کچھ قریش بیٹھے ہوئے تھے،پیغمبر اسلامؐ نے یہ سورہ انہیں پڑھ کر سنائی جس پر مشرکین مایوس ہوگئے اور انہوں نے ایک بار پھر پیغمبر اسلامؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کو اذیتیں پہنچانا شروع کردیں:

﴿قُلْ أَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَأْمُرُوْنِّيْ أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾ ''آپ کہہ دیجئے اے جاہلو! کیا تم مجھ سے اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کو کہتے ہو۔'' (زمر/۶۴)

مشرکین کے اس تصور کو کہ انبیاءؑ بھی دنیا کی دیگر اجتماعی اور سیاسی شخصیات کی مانند تھے جو اپنے موقف میں تبدیلی کرسکتے تھے اس تصور کو رد کرنے کیلئے آیت نازل ہوئی یہ بتادیا گیا کہ یہ تنہا ہمارے نبی کا موقف نہیں بلکہ تمام انبیاءؑ اسی موقف کے حامل تھے انبیاءؑ اور اہل دین و دیانت کیلئے اصولوں سے سودہ بازی کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے چنانچہ سورہ نحل کی آیت ۳۶ میں اس کی طرف اشارہ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ ''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔''

سورۂ مبارکہ اسراء کی آیات ۷۳تا۷۵ میں مشرکین کی طرف سے مجادلہ یعنی بے دلیل چیزوں کو دلیل کے طور پر پیش کر کے پیغمبرؐ کو اپنے موقف سے ہٹانے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے،مشرکین اپنے شرک پر ڈٹے ہوئے تھے اور کسی نہ کسی بہانے سے پیغمبرؐ کو شرک کی طرف راغب کرنے کی کوشش میں تھے چاہے یہ ایک لمحہ کیلئے ہی کیوں نہ ہوتا کہ دین محمدؐ کی

بنیادکو باطل قرار دیا جائے۔آیات ملاحظہ کریں:

﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِىَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا☆ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا☆ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا﴾ "یہ لوگ آپ کو اس وحی سے جو ہم نے آپ پر اتاری ہے بہکانا چاہتے کہ آپ اس کے سوا کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھڑ گھڑا لیں' تب تو آپ کو یہ لوگ اپنا ولی دوست بنا لیتے۔اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ ان کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتے۔پھر تو ہم بھی آپ کو دوہرا عذاب دنیا کا دیتے اور دوہرا ہی موت کا' پھر آپ تو اپنے لئے ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار بھی نہ پاتے۔"

دوسری تجویز

مشرکین نے پیغمبر اسلامؐ سے کہا کہ اگر آپ ہم سے مشارکت نہیں کرتے ہیں اور آپ کا اپنی دعوت کو جاری رکھنے پر اصرار ہے تو کم سے کم اس قرآن کو بدل کر کوئی اور کتاب لے لائیں:

﴿قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ "آپ یوں کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ تو میں تم کو وہ پڑھ کر سناتا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع دیتا کیونکہ میں اس سے پہلے تو ایک بڑے حصہ عمر تک تم میں رہ چکا ہوں پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے۔" (یونس ۱۶)

پیغمبرؐ نے فرمایا قرآن میرا کلام نہیں ہے بلکہ یہ وحی الٰہی ہے جسکا میں تابع ہوں۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن پیغمبرؐ کی زبان نہیں بلکہ یہ پیغمبرؐ کی ذات کے اندر اور باہر کے حالات سے واقف ذات الٰہی کا کلام ہے:

﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾

"جب لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے آپ یوں کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کروں بس میں تو اسی کا اتباع کرونگا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔" (یونس ۱۵)

قریش کا نمائندہ "عتبہ بن ربیعہ" اور سماعت قرآن کریم

جب کفار مکہ کو ابو طالبؑ سے مذاکرات میں ناکامی کا سامنا ہوا تو انہوں خود پیغمبر اسلامؐ سے مذاکرات کرنے کا سوچا چنانچہ ایک دن حرم میں سربراہان قریش کی ایک محفل جمی ہوئی تھی جس میں عتبہ بن ربیعہ بھی شامل تھا۔اس کے سامنے ہی پیغمبر اسلامؐ تنہا بیٹھے ہوئے تھے۔عتبہ بن ربیعہ کو یہ ناگوار گزر رہا تھا کہ حمزہؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد آئے روز دین محمدؐ کے پیرو کاروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔عتبہ نے اپنی قوم سے کہا تمہاری کیا رائے ہے، میں جا کر محمدؐ سے کوئی بات کروں اور ان کیلئے کچھ

تجاویز پیش کروں، شاید وہ کوئی تجویز قبول کرلیں اور ہمارے خلاف تحریک چلانے سے باز آجائیں۔ سب نے کہا اے ابو ولید بہت اچھا ہے آپ جائیں اور محمدؐ سے بات کریں عتبہ اپنی جگہ سے اٹھ کر پیغمبرؐ کے پاس آیا اور کہا

"اے میرے برادر زادے آپ ہمارے درمیان قوم و قبیلے بلکہ ہر حوالے سے بہت بلند مقام و منزلت رکھتے ہیں لیکن آپؐ اپنی قوم کیلئے بڑا ناگوار پیغام لائے ہیں جس سے قوم کے درمیان انتشار پھیل گیا ہے آپ نے قوم کے عقلا کو دیوانہ کہا، ان کے خداؤں اور دین کی عیب جوئی کی اور ان کے آباؤ اجداد کو کافر گردانا ہے، آپ مجھ سے کچھ تجاویز سنیں اور ان پر غور کریں شاید ان میں سے کوئی آپ کو پسند آجائے۔"

پیغمبرؐ نے فرمایا اے ابو ولید! بتائیں کیا تجاویز ہیں؟ عتبہ نے کہا

"اے میرے بھتیجے اگر آپ اس تحریک سے مال کی خواہش رکھتے ہیں اور دولت مند ہونا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنائیں گے اگر آپ پر کسی جن کا اثر ہو گیا ہے اور آپ اس سے جان نہیں چھڑا سکتے تو ہم طبیبوں کو بلائیں گے اور آپ کا علاج کرائیں گے کیونکہ ایسا ہوتا ہے کبھی انسان کو کوئی بلا و مصیبت گھیر لیتی ہے لیکن علاج کرنے سے وہ مصیبت دور ہو جاتی ہے۔"

پیغمبرؐ نے انتہائی سکون و اطمینان اور سنجیدگی سے عتبہ کی باتیں سنیں اور فرمایا کہ اے ابو ولید آپ نے اپنی گفتگو ختم کی، اب میری بات سنو۔ پیغمبرؐ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورۂ فصلت کی ابتدائی آیات تلاوت کیں:

﴿حٰمٓ ☆ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ☆ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ☆ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ "حٰم۔ اتاری ہوئی ہے بڑے مہربان بہت رحم والے کی طرف سے۔ کتاب ہے جس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے۔ قرآن عربی زبان میں ہے اس قوم کیلئے جو جانتی ہے۔ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہے پھر بھی ان کی اکثریت نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ تو جس کی طرف ہمیں بلا رہا ہے ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں۔"

جب عتبہ نے قرآن سنا تو اس کے ہاتھ شل ہو گئے، پیغمبرؐ نے تلاوت ختم کی اور عتبہ سے کہا اب آپ جائیں اور خود فیصلہ کریں، عتبہ جب واپس اپنے قبیلے گیا تو انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم عتبہ جو چہرہ لے کر گیا تھا اس کی جگہ دوسرا چہرہ لایا ہے تو عتبہ نے کہا خدا کی قسم میرے پاس بہت بڑی خبر ہے میں نے ایسا کلام پہلے کبھی نہیں سنا جو کہ نہ شعر ہے نہ سحر اور نہ ہی وہ شخص کاہن ہے، یہ مرد جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو اسے مت چھیڑو، اگر اس شخص کو عرب نے مار ڈالا تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعے انجام پا جائے گا اور اگر یہ شخص عرب پر غالب آگیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی" یہ سن کر عتبہ کی قوم نے کہا تم پر اس کی زبان کا جادو چل گیا ہے۔ عتبہ نے کہا کہ یہ میری سوچ ہے تم نے جو کچھ کرنا ہے کرو۔

عجز وناتوانی کا اعتراف کرانے کی کوشش

جب مشرکین نے دیکھا کہ پیغمبرؐ کسی صورت میں ان سے مذاکرات کرنے اور اپنے موقف میں تبدیلی پر تیار نہیں تو انہوں نے پیغمبرؐ کے سامنے ایسے سوالات رکھے جن کا جواب دینا کسی بھی انسان کیلئے عقلاً محال ہے دوسری طرف ایسے سوالات پیغمبرؐ کی رسالت ونبوت کے بھی خلاف تھے۔

۱۔ **چشمہ پھوٹنا:** ان کی خواہش پر زمین سے چشمہ پھوٹنا یا پھر پیغمبرؐ کا ایک ثروت مند انسان ہونا۔ قرآن کریم میں اسکا اس طرح ذکر ہوا ہے:

﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا☆اَوْ تَکُوْنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْھٰرَ خِلٰلَھَا تَفْجِیْرًا﴾ ”انھوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان لانے والے نہیں تاوقتیکہ آپ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کردیں یا خود آپ کیلئے ہی کوئی باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اور اس کے درمیان آپ بہت سی نہریں جاری کر دکھائیں۔“ (اسراء ۹۰،۹۱)

خداوند عالم نے پیغمبر اسلامؐ کو لوگوں کی ہدایت اور دین و دیانت کا راستہ دکھانے کیلئے مبعوث کیا اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نہ کہ انہیں دنیوی امور چلانے کے طریقے سکھانے کیلئے بھیجا۔

۲۔ **کھجور اور انگور کے باغات کا ہونا:** مشرکین چاہتے تھے کہ پیغمبر اسلامؐ کیلئے کھجور اور انگور کے باغات ہونے چاہئیں جبکہ ان کا ہونا نبوت ورسالت کا ثبوت نہیں بنتا بلکہ یہ ایک کاشتکار اور تاجر کا کام ہے۔

۳۔ **آسمان زمین پر گر جائے:** نبی لوگوں کو ہدایت کرنے اور سعادت کا راستہ دکھانے کیلئے مبعوث ہوئے لیکن اگر لوگ ہی ختم ہو جائیں تو نبوت کس کیلئے ہوگی۔

۴۔ **خدا کو سامنے لایا جائے:** یہ مطالبہ محال ہے۔

۵۔ ملائکہ سامنے لائے جائیں اور غیب کو شہود میں تبدیل کر دیا جائے:

﴿وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ﴾ ”اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی۔“ (انعام ۸)

۶۔ محمدؐ کی رہائش گاہ سونے سے بنی ہو۔

۷۔ پیغمبرؐ آسمان پر چڑھ جائیں۔

قریش اور تلاوت قرآن

۱۔ عمرؓ اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کے بعد ان کے گھر گئے اور وہاں آیات کی تلاوت کو سنا قرآن کی تلاوت سنتے ہی بے قرار ہو گئے۔

۲۔ابن اثیر نے کتاب 'بدایہ' میں بیہقی سے نقل کیا ہے کہ ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریک ایک دفعہ قرآن سننے کی غرض سے رات کو پیغمبرؐ کی طرف نکلے پیغمبرؐ گھر میں نماز پڑھ رہے تھے یہ تینوں الگ الگ کونوں میں بیٹھ کر قرآن سنتے رہے جب آپؐ کی نماز ختم ہوگئی تو یہ چلے گئے پیغمبرؐ کے گھر سے چلے جانے کے بعد انھوں نے ایک دوسرے پر ملامت کی اور فیصلہ کیا کہ وہ دوبارہ وہاں نہیں جائینگے اور اس بارے میں سوچنے لگے کہ اگر ہمارے بچوں نے پیغمبرؐ کو قرآن پڑھتے دیکھ لیا تو ان پر کیا اثر پڑے گا۔لیکن وہ دوسری رات پھر پیغمبرؐ کے پاس چلے گئے اور قرآن سن کر واپس ہو گئے اسی طرح تیسری رات بھی گئے اور یوں انہوں نے چار راتوں تک مسلسل قرآن سنا لیکن اس بار انھوں نے قرآن نہ سننے کی قسم کھائی کہ وہ دوبارہ وہاں قرآن سننے نہیں جائیں گے جب صبح ہوئی تو اخنس بن شریک اپنے ساتھیوں کو لے کر ابوسفیان کے گھر آیا اور کہا اے ابوحنظلہ تم جو کچھ محمدؐ کے بارے سنتے ہو اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ابوسفیان نے کہا کہ ہم نے کچھ چیزیں سنی ہیں۔ان کی گفتگو کے بارے میں سورہ حجر آیت ۹۴، یوسف ۸۰، فصلت ۲۶ میں ذکر ہوا ہے۔

دعوت پیغمبر ﷺ کو روکنے کیلئے مختلف وسائل وذرائع کا استعمال

جب قریش نے دیکھا کہ محمدؐ اپنی دعوت سے کسی بھی صورت میں دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں ہیں تو انہوں نے اس دعوت کے سلسلے کو روکنے کیلئے مختلف ذرائع اور وسائل کو بروئے کار لانے کیلئے صلاح ومشورے کئے۔انھوں نے اپنے مقصد کے حصول کیلئے مندرجہ ذیل وسائل وذرائع کو استعمال میں لانے کا فیصلہ کیا:

۱۔ محمدؐ کی ہر جگہ ہر طرح سے تذلیل وتحقیر کی جائے، ان کی باتوں پر ہنسی مذاق اور مسخرہ پن کا مظاہرہ کرنے کے علاوہ ان کے مقام ومنزلت اور معنویت کی بھی توہین کی جائے۔اس سلسلے کا پہلا قدم انہوں نے محمدؐ کو دیوانہ قرار دے کر اٹھایا:

﴿وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ﴾ "اور وہ کہتے ہیں، اے وہ شخص نازل ہوا ہے جس پر قرآن، یقیناً تو ضرور دیوانہ ہے۔" (حجر ۶)

۲۔ کبھی انہیں جھوٹا اور ساحر کہا گیا:

﴿وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ﴾ "اور کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک انھیں ڈرانے والا آ گیا اور کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے۔" (ص ۴) (قلم ۵۱، مطففین ۲۹ تا ۳۲)

۳۔ پیغمبرؐ کے پیغامات اور تعلیمات کو مشکوک قرار دیا جائے:

﴿وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ "اور یہ بھی کہا کہ یہ تو اگلوں کے افسانے ہیں جو اس نے لکھا رکھے ہیں بس وہی صبح وشام اس کے سامنے پڑھے جاتے ہیں۔" (فرقان ۵) (نحل ۱۰۳، فرقان ۷)

۴۔ قرآن کا مقابلہ قصہ اور کہانیوں سے کر کے اسے مسترد کیا جائے۔

نضر بن حارث نے ایک دفعہ قریش سے کہا

"تم جو بھی حیلہ اپناؤ، اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ محمدؐ تمہارے درمیان ایک تازہ جوان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک امین، صادق اور پسندیدہ شخصیت بھی ہیں لیکن جب ان کی داڑھی میں سفیدی آنے لگی اور وہ پیغام لائے تو اس وقت تم لوگوں نے انھیں ساحر قرار دیا۔ خدا کی قسم وہ ساحر نہیں کیونکہ ہم نے ساحروں کو دیکھا ہے وہ پھونکتے اور گرہ باندھتے ہیں جبکہ محمدؐ یہ کام نہیں کرتے۔ تم لوگوں نے انہیں کاہن قرار دیا حالانکہ وہ کاہن نہیں، ہم نے کاہنوں کی قافیہ سازی کو دیکھا ہے۔ تم نے انہیں شاعر کہہ کر پکارا جبکہ وہ شاعر نہیں، ہم نے شعر بھی دیکھا اور اسکے سارے اصناف، ہجز اور رجز وغیرہ سنے ہیں۔ تم نے محمدؐ کو مجنون کہا جبکہ وہ مجنون نہیں، ہم نے مجنون کو دیکھا ہے۔ اے قریش! تم اس مسئلے پر غور وخوض کرو کیونکہ یہ تمہارے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔"

اس کے بعد نضر حیرہ چلا گیا جہاں اس نے بادشاہان فارس (ایران) اور رستم و اسفندیار کے قصے کہانیوں کا مطالعہ کیا۔ پھر واپس آیا، جہاں جہاں پیغمبرؐ لوگوں کو دعوت دیتے وہاں نضر اپنا ایک حلقہ بنا کر قصہ سنانا شروع کر دیتا اور کہتا کہ محمدؐ ہم سے اچھا قصہ خواں نہیں ان کی گفتگو میں ہم سے زیادہ بہتری کہاں؟ بعض روایات میں کہا گیا ہے نضر نے بعض گانا گانے والی کنیزیں خریدیں اور جہاں جہاں لوگ پیغمبرؐ کی طرف مائل ہوتے نظر آتے وہاں ایک گانا گانے والی کنیز کو بھیج دیتا تا کہ لوگوں کا اسلام کی طرف غلبہ یا رجحان نہ بننے پائے۔ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ﴾ "اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں۔" (لقمان ۶)

۴۔ اسلام اور شرک کا مشترکہ نکات پر اتفاق کی تجویز: مشرکین نے اس نکتہ پر بھی اتفاق کیا کہ کچھ عادات اسلام کی اپنائی جائیں اور اس کے بدلے میں محمدؐ کو کچھ عادات و رسومات مشرکین اپنانے کی پیشکش کی جائے:

﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾ "وہ تو چاہتے ہیں کہ آپ ذرا نرم ہوں تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔" (قلم ۹)

انہوں نے اس سلسلے میں یہ تجویز بھی دی کہ محمدؐ ایک سال تک بتوں کی پوجا کریں جسکے بدلے میں مشرکین ایک سال خدائے محمدؐ کی عبادت کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ اس میں اگر خیر ہے تو ہم آپ کے ساتھ اس خیر میں حصہ دار ہوں گے لیکن اگر ہمارے بتوں کی پوجا میں کوئی خیر ہے تو آپ بھی حصہ دار بنیں گے۔ اس بارے میں سورۂ کافرون نازل ہوئی۔

پیغمبر ﷺ اور قریش

پیغمبر اسلامؐ نے جب اعلان نبوت کیا تو قریش تین حصوں میں تقسیم ہو گئے اور یہ سلسلہ قطع تعلقی تک جاری رہا۔

۱۔ ایک گروہ بنی ہاشم و بنی مطلب کا تھا جو آپؐ کا دفاع کرتے تھے گرچہ ان میں بھی لوگ ظاہری طور پر شرک پر تھے اور ایمان نہیں لائے تھے۔

۲۔دوسرا گروہ بنی عبدالشمس اور بنونوفل کا تھا جولاتعلق اور غیر جانبدار رہا،یہ دونوں قبیلے بھی خاندانِ عبدمناف سے تعلق رکھتے تھے۔
۳۔تیسرا گروہ قریش کا تھا جو پیغمبرؐ کی دعوت کے ساتھ نبرد آزما رہا اور اس کی راہ میں مزاحم تھا۔

قریش کا حضرت محمد ﷺ اوران کے حامیوں سے قطع تعلقی کا اعلان

دعوت پیغمبر اسلامؐ کے مقابلے میں قریش کا سلوک یا مزاحمت کوئی نئی ابتکار نہیں تھی قرآن کریم کی آیات میں بھی اس مزاحمت کے نئے ہونے کی نفی کی گئی ہے جب بھی کسی قوم میں غلط عادات ورسومات رائج ہوجائیں تو اس معاشرے کے اسلامی غیرت کے حامل اکابرین ان رسومات کو کبھی برداشت نہیں کرتے اور نہ آئندہ کوئی کرے گا۔

اس سنت جاریہ کے ہوتے ہوئے مترفین و طاغین اور جاہلین کے معاشرے میں جب حضرت محمدؐ مبعوث بہ رسالت ہوئے تو آپ نے بھی ان رسومات و عادات اور سیاسیات کو ختم کرنے کا اعلان کیا،مشرکین نے پیغمبرؐ کو اس کام سے روکنے کے تمام طور طریقے اپنائے۔

۱۔ پہلے مرحلے میں کاہن،مجنوں،غلط حرکات کرنے والے کہا پھر اور جن و ساحروں سے متاثر ہونے کی تہمت وافترا باندھ کر لوگوں کو آپ سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی۔جب یہ منصوبہ ناکام ہوا اور پیغمبرؐ کی دعوت کو آئے دن فروغ و پذیرائی ملنے لگی تو مشرکین کے مفادات خطرے میں پڑ گئے تو انہوں نے مسلمانوں کے کمزور وناتواں حلقے کو زدوکوب کرنا شروع کیا اہل ایمان کو مشرکین کے اس طریقہ تشدد سے بچانے کیلئے پیغمبرؐ نے کمزور اور ضعیف افراد کو مکے سے باہر کسی محفوظ جگہ پر منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔مشرکین کی خواہش تھی کہ بادشاہِ حبش مسلمانوں کو تحفظ فراہم نہ کرے لیکن جب وہ اس بارے میں بھی کامیاب نہ ہوئے تو انہوں نے پیغمبرؐ کو خاموش کرانے کیلئے ایک نئے حربے کے تحت مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا جس میں بنی ہاشم اور خاص طور پر محمدؐ کے حامی و مدافع حضرت ابو طالبؑ کو طمع ولالچ اور خوف و دھمکی دونوں کے ذریعے پیغمبرؐ کی حمایت ترک کرنے کا کہا گیا لیکن اس سلسلے میں بھی وہ ناکامی سے دوچار ہوئے چنانچہ اگلے اقدام کے تحت انہوں نے غیر بنی ہاشم مشرکین قریش اور بنی کنانہ کے ساتھ مل کر وادی مصخف میں ایک مشترکہ اجلاس منعقد کیا جس میں بنی ہاشم سے قطع تعلقات کرنے کیلئے صلاح ومشورہ کیا۔اس معاہدے کے تحت پہلی بار طویل المدتی منصوبے کی بنیاد پر انتہاپسندانہ اقدام کرتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ حضرت محمدؐ اوران کے پیروکاروں یا ان کے حامی خاندانوں سے سماجی واقتصادی اور اجتماعی تعلقات قطع کیے جائیں تاہم مشرکین قریش نے اس پر بہت غور وخوض کیا کہ اس فیصلے کے کیا دوررس اثرات ونتائج مرتب ہوسکتے ہیں۔مشرکین قریش قطع تعلق کے مرحلے تک اس لئے پہنچے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ فیصلہ تیر وکمان اور تلوار و نیزہ چلانے سے زیادہ کمرشکن اور اسلام کی عمارت کو زمین بوس کرنے میں مؤثر ثابت ہوسکتا ہے۔اس فیصلے کے سنگین نتائج کو سمجھنے کیلئے چند باتوں کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔

الف:اس دور میں اقتصادی واجتماعی لاتعلقی کے بعد مکے میں پیدا ہونے والی صورت حال میں زندگی اور بود و باش کہاں

تک ممکن ہوسکتی تھی؟

ب: اقتصادی و اجتماعی محاصرے کے بعد بنی ہاشم سیاسی طور پر اپنا مقام کیسے باقی رکھ سکتے تھے؟

آج کے دور میں وسیع و عریض رقبے پر پھیلے ہوئے ممالک جن کے پاس زندگی کے وسائل و ذرائع کی فراوانی ہے وہ اس کے باوجود ترقی یافتہ ممالک کی جانب سے اقتصادی و اجتماعی ناکہ بندی سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ ان باتوں کو مدنظر رکھنے کے بعد اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت محمدؐ کو اپنے دین اور دعوت کے سلسلے میں خدا پر کس حد تک اعتماد و بھروسہ تھا اور ان کی حمایت و پیروی کرنیوالے خود آپؐ پر کتنا اعتماد و بھروسہ کرتے تھے آیئے ہم اس کے بارے میں جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ مکہ اس سرزمین کا نام ہے کہ جہاں زندگی اور بود و باش کے تمام تر وسائل و درآمدات نہ تو زراعت سے وابستہ تھے اور نہ ہی صنعت سے بلکہ ان کا دارو مدار تجارت پر تھا۔ مکہ کے قریش کی امارت اور سرداری حتیٰ فقیروں کی گزراوقات کی روٹی تک دور دراز علاقوں اور دیگر ممالک سے اونٹوں کے رخت سفر پر متوقف تھی۔ وہ کئی مہینے اس سفر کی تیاری میں گزراتے تھے، افراد اکھٹے ہوتے، پھر ان میں سے سردار کا انتخاب ہوتا بعد ازاں مال جمع کرتے، اپنے آپ کو مال کو ڈکیتی و غارت گری سے بچانے کیلئے حفاظتی دستے تشکیل دیتے، جن علاقوں سے گزر رہا ہوتا، وہاں کے عشائر و قبائل سے معاملات طے کرتے اور ان سے اجازت لیتے۔ اسی طرح جب واپس آتے تو خریدے گئے مال کو فروخت کرنے میں وقت صرف کرتے اور راستے میں موجود خانہ بدوشوں کو ان کا حصہ دیتے غرض یہ تجارت تنہا ایک گھر یا ایک خاندان کے بس کی بات نہیں تھی اس لئے بہت سے خاندان مل کر یہ تجارت کرتے اور کاروبار زندگی چلاتے تھے، یہاں سے آپ اندازہ لگائیں کہ اگر کسی قبیلے یا عشیرے کو اس تجارت میں شامل نہ کیا جائے تو اس قبیلے کا کیا حشر ہوگا۔

۲۔ اگر مکہ میں رہنے والے بھی مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کا لین دین اور خرید و فروخت بند کردیں، اسی طرح بیرون شہر سے بھی تجارت پر مکمل پابندی ہو تو پھر مسلمان زندگی کی بنیادی ضروریات سے محرومی کے عالم میں اور دوسروں سے کٹ کر تنہائی اور فقر و فاقہ میں کیسے زندگی گزار سکتے تھے۔

۳۔ جو افراد بیرون مکہ سے سامان تجارت لاکر مکہ میں فروخت کرتے تھے اگر ان کو بھی منع کردیا جائے کہ مسلمانوں کو کوئی چیز فروخت نہ کی جائے رفتہ رفتہ یہ خاندان قوت خرید سے بھی محروم ہوجاتے پھر نہ تو ان کے پاس کوئی رقم اور نہ ہی کوئی مال ہوسکتا تھا کہ جس سے وہ اپنی ضروریات زندگی کا سامان خریدیں۔ یہ مشرکین قریش کی مسلمانوں کے خلاف اقتصادی جنگ تھی جسے انہوں نے حضرت محمدؐ اور ان کے ساتھیوں پر مسلط کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

۴۔ اشراف خاندان اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیاں ایک دوسرے سے کرتے تھے۔ اس حوالے سے دس کے دس خاندان ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ داری کی رسی میں بندھے ہوئے تھے انہوں نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ خاندان بنو ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے کسی قسم کا رشتہ نہ جوڑا جائے، نہ انہیں بیٹیوں کے رشتے دیئے جائیں اور نہ ہی اپنے بیٹوں کیلئے ان کی

لڑکیوں کے رشتے قبول کئے جائیں۔خاندان قریش کے سربر آوردہ افراد صبح وشام کعبہ کے گرد اپنی خاندانی برتری اور طاقت کا مظاہرہ کرتے ،یہ ان کا مرکز اجتماع تھا۔خاندانی وشہری زندگی کے تمام معاملات یہاں طے ہوتے تھے چنانچہ ان محافل سے بھی بنو ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو نکالنے کا فیصلہ کیا گیا۔

۵۔قریش کی سرکردہ شخصیات بشمول ابو جہل اور ان کے ساتھیوں نے بڑی سوچ و بچار کے بعد یہ منصوبہ تیار کیا،اس کی دستاویز لکھی اور دوسروں سے اس کی منظوری لی ،انہوں نے اس معاہدے کو تحریری شکل دی بعد ازاں معاہدے پر دستخط کئے، اسے کعبہ کے اندر آویزاں کردیا اور ساتھ ہی اس پر عملی مظاہرے کا اعلان کیا کہ جب تک بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب پیغمبر اسلامؐ کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوجاتے اور انہیں ہمارے حوالے نہیں کردیتے یا خود محمدؐ اس دین کی طرف دعوت دینے سے دست بردار نہیں ہوجاتے ،اس وقت تک اس معاہدے سے اتفاق کرنے والا ہر فرد وقبیلہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے تعلقات منقطع رکھے گے۔قطع تعلقات کے مظاہر مندرجہ ذیل تھے:

- ☆ خاندان بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے کسی قسم کا لین دین اور خرید وفروخت نہیں کی جائے گی۔
- ☆ نہ ان کے ہاں رشتوں کیلئے بیٹیاں دی جائیں گی اور نہ اپنے بیٹوں کا ان کی بیٹیوں سے رشتہ کیا جائے گا۔
- ☆ نہ تو قریش کا کوئی فرد ان کی محفل میں جا کر بیٹھے گا اور نہ ان کو اپنی محفل میں بیٹھنے دیا جائے گا۔
- ☆ کوئی بھی ان سے میل جول نہیں رکھے گا۔
- ☆ ان کیساتھ نرمی ومہربانی اور حسن سلوک کا مظاہرہ نہیں کیا جائے گا۔
- ☆ اگر مسلمانوں سے کسی نے قرض لیا ہے تو ان کا قرض بھی واپس نہیں دیا جائے گا۔
- ☆ اہل مکہ میں سے کسی کو بھی چاہے وہ مرد ہو یا عورت مسلمانوں سے گفتگو کرنے کی اجازت نہیں ہوگی
- ☆ کسی کو یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ کسی مسلمان سے مصافحہ کریں اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کا ہاتھ نجس سمجھا جائے گا۔

یہ معاہدہ طے ہوا لیکن اس کیلئے انتہا اور اختتام کے بارے میں بالکل ذکر نہ ہوا کہ یہ کب تک نافذ رہے گا البتہ یہ کہا گیا کہ یہ معاہدہ اس وقت تک جاری وساری رہے گا جب تک بنو ہاشم اور بنی عبدالمطلب ان کی شرائط نہ مان لیں۔

اشراف مکہ کے علاوہ مکہ کے ارد گرد کے دیگر قبائل نے بھی اس معاہدے کے سلسلے میں مشرکین سے اتفاق کیا، کہتے ہیں کہ ابولہب کے علاوہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے تعلق رکھنے والے تمام افراد نے مشرکین کی جانب سے قطع تعلقات کے دوران حضرت محمدؐ اور حضرت ابو طالبؑ کا ساتھ دیا اگر یہ حمایت خاندانی تعصب کی بنیاد پر تھی جیسا کہ بعض کا خیال ہے تو ہمارا سوال یہ ہے کہ ایسے تعصب کے باوجود آپؐ کا ساتھ دیتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے استقامت دکھانے کا مظاہرہ کرنے میں کیا چیز مانع تھی؟ اور اگر یہ خاندانی تعصب کی بات ہے اور تعصب اس حد تک اپنے عروج پر تھا تو اس تعصب کا عنصر ابولہب کے دل و دماغ سے کب ،کیسے اور کہاں ناپید ہوگیا!؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ ابولہب میں یہ تعصب نہیں تھا تو اس کا

مطلب یہ ہوا کہ ابولہب عرب جاہلیت کی بدترین صفت تعصب قومی سے پاک انسان تھا۔

مشرکین کے یہ تمام مقررات اوران کے اجتماع کے عہدوپیان ابو طالب اور بنی ہاشم کی غیرت وحمیت کو کم کرنے یا مسلمانوں کو اسلام سے برگشت کرنے میں موثر ثابت نہ ہوئے۔ پیغمبرؐ کے قبیلے میں ابولہب کے سوا باقی تمام افراد حتی وہ لوگ بھی جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے ابو طالبؑ کے ساتھ نکلے اور جا کر شعب ابو طالبؑ میں قیام کیا۔

اقتصادی محاصرہ

جس محاصرے کا نبی کریمؐ اوران کے حامیوں کے خلاف فیصلہ کیا گیا اس کے مقابلہ میں کس حد تک صبر وتحمل، استقامت کا مظاہرہ کیا جاسکتا تھا اور اس مشکل سے کیسے اور کیوں کر عہدہ برا ہو سکتے تھے اس کیلئے ابھی تک کوئی تجویز یا طریقہ کار کسی نے پیش کیا ہوا یسا نظر نہیں آیا۔ اس متمدن وترقی یافتہ دنیا میں بھی وقتاً فوقتاً کسی ملک کے خلاف خاص کر اسلامی ملکوں کے ساتھ یہ فیصلے یا دھمکی کی آوازئیں سننے میں آتی رہتی ہیں لیکن کس حد تک ایسے شد و مد کے ساتھ ہونے والے محاصرے کے مقابلے میں استقامت کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے معلوم نہیں، اس نام سے ابھی تک دنیا خوف زدہ ہے جبکہ مختلف علاقوں نے اپنے زمینی ذخائر، سرسبز وشاداب زراعت، مویشی پروری، پھل دار ثمر آور درختوں کے علاوہ صنعت میں بھی پیش رفت کی ہے۔ ایسے موثر وسائل وذرائع ہونے کے باوجود دنیا کی اقوام ایسے فیصلے سننے سے پہلے ہی ہتھیار ڈال دیتی ہیں اور سر تسلیم خم کرنے کیلئے آمادہ ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا موجودہ تناظر کو دیکھ کر دنیا والے نظریہ قائم کرسکتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ اور آپؐ کے حامی افراد نے یہ تین سالہ محاصرہ کیسے گزرا ہوگا۔ تاریخ میں قصوروار کے مقابلے میں بے قصور کو، مجرم کے مقابل میں بے گناہ کو شریر کے مقابلے میں شریف کو ظلم وستم، جنایت اور اذیت وضرر پہنچانے کی سنت وسیرت سے ہمیشہ کافرین ومشرکین اور ظالمین کے وطیرہ میں شامل رہی ہے لیکن گذشت زمان کے بعد جن لوگوں کو مطالبات ماننے کیلئے اذیت پہنچائی جاتی ہے وہ پوشیدہ جگہوں اور تہہ خانوں سے نکل آتے ہیں، خود کو حکمرانوں اور ارباب اقتدار کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں میں اپنے عشیرہ کو اس مصیبت کے عالم میں نہیں رکھوں گا کہ میری وجہ سے میری قوم مصیبت میں مبتلا ہو جائے تاہم رفتہ رفتہ ایک فکر کے حامی اور اس کے چاہنے والے پابندیوں اور ناروا سلوک سے تنگ آجاتے ہیں وہ یکے بعد دیگر مرکزی شخصیت سے دور ہو جاتے ہیں لیکن شعب ابی طالب میں محصور سب افراد کے محاصرہ کا مرکز حضرت محمدؐ کی ذات تھی، نہ محمدؐ نے ایسی کسی بات کا اظہار کیا کہ میں اپنی ذات اور اپنے عشائر واقارب کو اس ظلم میں کیوں رکھوں، مجھ پر ہی ظلم ہونا چاہیے جو کچھ سامنے آئے گا برداشت کروں گا اور نہ آپ کی وجہ سے اس دردناک محاصرے میں رہنے والوں نے زحمتیں جھیلنے سے تنگ آکر نفسیاتی طور پر کسی بھی بہانے سے اس محصور اجتماع سے باہر نکلنے اور کسی کو سفارش و معاونت کرنے کیلئے طلب کیا نہ ہی کسی کے اندر کی خستگی وتھکاوٹ اور حوصلہ شکنی کی خبر باہر پہنچی۔ محاصرے میں رہنے والوں نے اپنے عمل اور اپنے عظیم ارادے میں ذرہ برابر بھی سستی کا مظاہرہ نہ کیا۔ فیصلہ مقاطعہ کے شرم وحیا میں چور چور ہو کر باہر رہنے والے کچھ زندہ ضمیر کی ہلکی سی جھلک رکھنے والے افراد بے ساختہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے ضمیر نے ان کو جھنجوڑا۔ یہاں ایک

سوال پیدا ہوتا ہے اس محاصرے میں رہنے والوں کے اندر کیسے اتنا صبر و حوصلہ اور استقامت پیدا ہوئی؟ اس کا ایک ہی جواب ہے جس کی دو شاخیں ہیں ایک محمدؐ اور ان پر صدق دل سے ایمان لانے والے افراد کا عقیدہ تھا کہ اس بھوک و پیاس اور فقر و محرومیت کے تمام حالات خداوند قادر و علیم کی نظروں سے گزر رہے ہیں اگر وہ دیکھ رہا ہے اور دنیا ان کی طرف نہ دیکھے تو کوئی پرواہ نہیں۔ دوسری شاخ وہ افراد ہیں جو آپ پر ایمان نہیں لائے تھے لیکن ان کا ایمان و یقین تھا کہ محمدؐ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔

شعب ابی طالب

شعب لغت میں پتھر میں شگاف کو کہتے ہیں عام طور پر دو پہاڑوں کے درمیان موجود درے میں کوئی غیر عرب پناہ لیتا تو وہ اسے اپنی شان و شوکت سمجھتے ہوئے وہیں رہنے دیتے۔ درے میں رہنے والے لوگ وہیں خیمہ لگاتے، اس قبیلے کے رئیس کا خیمہ درمیان میں اور عزیز و اقربا ارد گرد ہوتے تھے تاکہ وہ شعب کو گھر تصور نہ کریں۔ شعب ابی طالب میں عربوں کیلئے ایک گھر بنا ہوا تھا لیکن تمام مسلمان اس میں نہیں رہ سکتے تھے چونکہ ان مسلمانوں کو اچانک نکالا گیا تھا لہٰذا وہ اپنی تمام ضروریات کی چیزیں گھروں سے نہ لے جا سکے۔ سوائے چند دن کے خرچے کے ان کے پاس کچھ نہیں تھا اور شعب بھی اس جگہ تھی جہاں سے کوئی شخص نہیں گزرتا تھا۔ مسلمانوں کو اس شعب میں انتہائی خوف و ہراس اور سختی و مشکلات کی زندگی گزارنا پڑی مسلمان یہاں سے اس وقت باہر نکل سکتے تھے جب مکے میں چار مہینے جنگ و جدال بند ہوتی تھی اور وہ کعبے کیلئے قربان ہونے والے حیوانات کے چمڑے جمع کر کے شعب ابی طالب میں لے جاتے جنہیں دوسرے مہینوں میں کھانے کیلئے استعمال کرتے تھے۔

اس طرح پیغمبرؐ اور مسلمانوں نے تین سال تک بدترین اور مشکل ترین زندگی گزاری۔ اسی دوران مشرکین قریش میں سے بعض نے مصالحت و مذاکرات کرنے کی کوشش کی تاکہ انھیں واپس مکہ لایا جائے لیکن قریش کے دیگر لوگ اپنے پہلے مطالبے پر بدستور بضد رہے کہ یا تو مسلمان ہمارے مطالبات منظور کریں یا مرنے تک وہاں رہیں۔ قارئین اگر کسی نے پیغمبرؐ اور مسلمانوں کی استقامت و غیر متزلزل ایمان کا اندازہ کرنا ہے تو پیغمبرؐ کی شعب ابی طالب کی زندگی کو ملاحظہ کرے۔

صاحب معجم البلدان کے مطابق یہ جگہ پہلے شعب ابی یوسف کہلاتی تھی اس کے بعد شعب ابی طالبؑ یا شعب بنی ہاشم کے نام سے معروف ہوئی، آج کل اسے شعب علیؑ کہتے ہیں۔ یہ جگہ کوہ ابوقبیس اور خندمہ کے درمیان واقع ہے یہ جائے ولادت رسول اللہؐ ہے ابھی اس جگہ پر مکتبہ مکہ قائم ہے، یہ مسجد الحرام سے تین سو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ جگہ جناب عبدالمطلبؑ کے قبضے میں تھی جب ان کی بینائی جاتی رہی تو انہوں نے اس شعب کو اپنی اولادوں میں تقسیم کر دیا، یہاں بنو ہاشم سکونت پذیر تھے، حضرت عبداللہؑ بن عبدالمطلب کا حصہ نبی کریمؐ کے قبضہ میں تھا۔

جب شعب ابی طالبؑ کے محاصرہ میں شدت اور سختی آ گئی تو ہر قسم کے تعلقات ٹوٹ گئے نہ وہاں کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچانے دی جاتی اور نہ ہی کسی کو باہر جا کر کوئی چیز خریدنے کی اجازت تھی۔ ایسے حالات میں لوگ درختوں کے پتے اور چمڑا کھانے پر مجبور ہو گئے۔ یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں کے رونے کی آواز دور تک سنائی دیتی تھی۔ کوئی انسان آسانی کے ساتھ

وہاں کوئی چیز نہیں پہنچا سکتا تھا۔ یہ افراد اشہر حرم میں باہر نکل کر کچھ خرید سکتے تھے۔ ان مہینوں میں بھی قیمتیں اس قدر بڑھا دی جاتیں کہ مسلمان کوئی چیز خرید ہی نہ سکیں۔ محصوری کے دوران حفاظت کے پیش نظر حضرت ابو طالبؑ پیغمبر اسلامؐ کو اپنے بستر پر سلا دیتے۔ جب سب لوگ سو جاتے تو اپنی اولاد میں سے کسی کو پیغمبر اسلامؐ کی جگہ سلا دیتے۔

شعب والے

بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے جد امجد قصی نے جب سارے قریش کو مکہ میں جمع کر کے انہیں وہاں اپنے مکانات تعمیر کرنے کا کہا تو حرم کے آس پاس کے علاقے اور دونوں طرف کے پہاڑوں کی گھاٹیوں اور بلندیوں پر بنی کعب کی مختلف شاخوں کو بسایا یہ مکہ کا اندرونی حصہ تھا یہاں کے رہنے والے البطاح یعنی اندرونی حصہ والے اور اہل حرم کہلاتے تھے۔ قریش کے باقی خاندانوں کو مکہ کے بیرونی حصوں میں مکان بنانے کیلئے جگہ دی گئی۔ شروع شروع میں پورے کے پورے خاندان ایک ہی جگہ آباد ہوئے لیکن جب آبادی بڑھتی گئی تو نئے گھر اور مکانات اندرونی حصہ میں بھی بننے لگے۔ کچھ لوگ دوسرے علاقوں اور محلوں میں بھی منتقل ہوتے رہے اس کے باوجود ایک قبیلہ کی اکثریت ایک ہی محلے اور جگہ پر رہتی تھی۔

ابو طالبؑ اپنے قبیلے کے سردار تھے ان کے ہاں باہر سے بھی مہمان آتے رہتے تھے، قبیلہ کے اور مکہ کے لوگ بھی ان کے گھر پر جمع ہوتے تھے۔ سماجی اور سیاسی ضرورتوں کے تحت ان کی حویلی دوسروں سے بڑی تھی۔

بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلبؑ کے اکثر گھرانے اسی محلے یا شعب میں یا اس کے اردگرد رہتے تھے جب کفار مکہ نے ان کے بائیکاٹ یا مقاطعہ کا اعلامیہ تیار کر کے حرم میں لٹکا دیا تو ابو طالب نے دوسرے محلوں میں رہنے والے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے گھرانوں کو بھی اس آبائی محلّہ میں منتقل ہونے کا حکم دیا حضرت خدیجہؑ کا آبائی مکان دوسرے محلے میں تھا، مگر وہ خود رسول اللہؐ کے ساتھ آپ کے آبائی گھر میں رہائش پذیر ہو گئیں، ان کے کاروبار اور تجارت کا مرکز ان کا آبائی مکان ہی تھا لیکن انہوں نے بھی اپنا ضروری سامان رسول اللہؐ کے گھر منتقل کر لیا چنانچہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے سارے لوگ اس محلّہ میں منتقل ہو گئے۔ ان کے بعض حامی قبیلے اور وہ نادار و غریب مسلمان جن کا تعلق کسی قریشی خاندان سے نہیں تھا وہ بھی اس محلّہ میں آ گئے۔ ابو طالبؑ کے سب کو ایک جگہ اکٹھا کر لینے کے اس فیصلے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں، جن لوگوں کا قریش نے سماجی مقاطعہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا اگر وہ مکہ کے دیگر محلوں میں مشرکین کے درمیان بکھرے رہتے تو ان کیلئے زندگی گزارنا مشکل ہو جاتی کیونکہ وہاں ان کے ساتھ ملنے جلنے اور بولنے چالنے والا بھی کوئی نہ ہوتا اسی طرح کسی ضرورت کے وقت کوئی مدد کو آنے والا بھی نہ ہوتا۔ شعب ابی طالب میں سارے لوگ ایسے تھے جو ایک دوسرے کی مصیبت، غم اور خوشی کے ساتھی تھے اگر کوئی چھوٹا موٹا کام کرنا چاہتا تو وہ بھی اسی محلے میں ہو سکتا تھا۔ مکہ کی ساری آبادی دو حصوں میں بٹ گئی، ایک مقاطعہ کرنے والا گروہ دوسرا گروہ جو بڑا اور طاقتور تھا لوگ جن کا مقاطعہ کیا گیا تھا یہ تعداد میں کم تھے لہٰذا مقاطعہ کی وجہ سے ان کے وسائل محدود ہو گئے۔ ایمان لانے والوں میں غریب اور کمزور مسلمان بھی تھے، قریش غریب اور کمزور مسلمانوں پر تشدد کرتے تھے ان حالات میں

خدشہ تھا کہ کسی وقت دونوں گروہوں میں کوئی تصادم نہ ہو جائے اس خدشہ کو دور کرنے کیلئے اور اپنی جماعت میں اتحاد و استحکام قائم رکھنے کیلئے بھی ابو طالبؓ نے سوچا ہوگا کہ وہ سب لوگ ایک ساتھ ایک ہی جگہ پر رہیں لیکن بعض مسلمان جو قریش کے دیگر خاندانوں اور قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے وہ اپنے اپنے گھروں اور خاندانوں کے ساتھ ہی رہے۔

بے مثل استقامت

یہ مقاطعہ یکم محرم ۷ بعثت کو شروع ہوا اور محرم ۱۰ بعثت میں اللہ تعالیٰ نے اس کے خاتمہ کے اسباب پیدا کئے۔ اس طرح یہ مسلسل تین سال تک جاری رہا۔ ان تین سالوں میں رسول اللہؐ، آپؐ کے اہل خانہ، غریب و نادار مسلمانوں، ابو طالبؓ، بنی ہاشم، بنی عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں نے بڑی جرأت و استقامت سے قریش کے ظلم اور مصائب و مشکلات کا مقابلہ کیا اور کسی قسم کی کمزوری نہیں دکھائی، سب لوگ رسول اللہؐ کی حمایت پر ڈٹے رہے۔

شعب ابی طالب میں رہنے والے نہ تجارت کر سکتے تھے نہ مکہ کے بازاروں میں خرید و فروخت کر سکتے تھے۔ باہر سے جب کوئی قافلہ مکہ آتا تو قریش اس کا سارا مال مہنگے داموں خرید لیتے تھے ابولہب ان تاجروں سے کہتا کہ اگر کوئی مسلمان یا بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب کا کوئی فرد کچھ خریدنا چاہے تو قیمت اتنی زیادہ بتانا کہ وہ خرید نہ سکیں اگر تمہارا مال نہ بکا تو میں خود سارا مال خرید لوں گا۔ سال کے صرف چار حرمت والے مہینوں رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، اور محرم میں انہیں باہر سے آنے والوں کے ساتھ خرید و فروخت کا موقع ملتا لیکن ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے انکے پاس روپیہ پیسہ بھی بہت کم ہوتا۔ رسول اسلامؐ اور حضرت خدیجہؓ کے پاس جو کچھ جمع تھا اس سے وہ اپنی اور غریب مسلمانوں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ بہت مالدار تھے وہ بھی غریب اور نادار مسلمانوں کی ضروریات پوری کرتے تھے، مقاطعہ ختم ہونے کے بعد ان کی اپنی مالی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ حضرت عمرؓ بھی مختلف طریقوں سے مسلمانوں کی مدد کرتے تھے لیکن کئی افراد کی ضروریات پوری کرنا بہت مشکل تھا جبکہ جمع پونجی ختم ہو جائے اور گھریلو اشیاء بکنے لگیں، آخری دنوں میں حضرت خدیجہؓ کے گھر میں صرف ایک ہانڈی اور مٹی کا پیالہ رہ گیا، محصورین درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے لیکن چودہ سو سال پہلے مکہ کے خشک اور سنگلاخ پہاڑوں اور وادیوں میں درخت بھی تو بہت ہی کم ہوتے تھے۔ بارش بہت ہی کم ہوتی تھی، اس لئے گھاس اور ہریالی بھی نایاب تھی، شعب ابی طالب میں رہنے والوں کے ہاں خوراک کی قلت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ ایک رات انہیں اونٹ کے چمڑے کا ایک سوکھا ہوا ٹکڑا مل گیا، اسے اچھی طرح دھویا اور پیس کر اس میں پانی ملا کر لئی سی بنائی۔ تین روز تک اسی پر گزارہ کرتے رہے۔

دنیا کی تاریخ میں اتنا سخت اور ظالمانہ مقاطعہ شاید ہی کسی فرد یا گروہ کے ساتھ کیا گیا ہو، قریش مکہ باقاعدہ نگرانی کرتے تھے کہ مکہ کا کوئی باسی چوری چھپے شعب ابی طالب میں رہنے والوں تک کوئی چیز نہ پہنچائے۔ وہ رسول اللہؐ کی قوت مدافعت ختم کرنا چاہتے تھے اور بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب کو مجبور کرنا چاہتے تھے کہ وہ رسول اللہؐ کی حمایت ترک کر دیں۔ اس کے بعد ان

کیلئے قریش کے دیگر خاندانوں کو اپنے اپنے مسلمان ہو جانے والے افراد کی حمایت ترک کرنے پر مجبور کرنا آسان تھا۔ جب سارے قبیلے مسلمانوں کی حمایت ترک کر دیتے تو قریش کے لئے ان سے نپٹنا آسان ہو جاتا لیکن بنو ہاشم و بنی عبد المطلب دونوں خاندانوں نے ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں اور قریش کے مقابلہ میں ہار نہیں مانی، رسول اللہؐ اور ان کے نادار مسلمان ساتھیوں کی استقامت میں بھی ذرہ برابر فرق نہ آیا۔

مکہ کے کچھ بزرگوں نے قریش سے مصالحت کی کوشش کی تو قریش کے سرداروں نے جواب دیا:

> ”اگر محمدؐ اپنے دین سے دستبردار ہو جائیں تو ہم پابندیاں ختم کرنے کیلئے تیار ہیں، اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اپنی موت کا انتظار کریں۔“

موت کے ماحول میں بھی رسول اللہؐ نے پوری قوت اور صلاحیت کے ساتھ دعوت اسلام جاری رکھی۔ آپ حرم کعبہ میں اور قریش کی محفلوں میں اسی طرح قرآن کی تلاوت فرماتے رہے جیسے پہلے فرمایا کرتے تھے، اسی طرح ان سے بحث کرتے رہے اور ان کے سوالات و اعتراضات کے جواب دیتے رہے۔ آپ وادی مکہ سے باہر کے قبیلوں میں بھی تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیتے رہے، جس کے نتیجے میں مکہ کے باہر بدو قبائل میں بھی اسلام پھیلنے لگا قریش کے سرداروں کیلئے یہ بات اور بھی پریشان کن تھی ان کا خیال تھا کہ اتنی سخت پابندیوں میں کوئی انسان اور قبیلہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا اور بنی ہاشم و بنی عبد المطلب کے درمیان ان سختیوں کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو جائے گا اور وہ رسول اللہؐ کو قریش سے مصالحت پر مجبور کر دیں گے، مگر ان کی کوئی امید بر نہ آئی۔ دوسری طرف ابو طالب، بنی ہاشم، بنی عبد المطلبؑ کی استقامت کی وجہ سے ان کی یہ چال بھی ناکام ہو گئی۔ جزیرۃ العرب کے دور دراز علاقوں سے حج اور عمرہ کیلئے آنے والوں میں بھی حضورؐ اسلام تبلیغ فرماتے تھے۔ ان کے خیموں میں قرآن کی تلاوت کر کے انہیں توحید کا پیغام سناتے۔

جب یہ لوگ اپنے اپنے قبیلوں اور علاقوں میں واپس جاتے تو حضورؐ کی استقامت اور قریش کے ظلم کی تفصیلات ساتھ لے کر جاتے، شعب ابی طالب میں رہنے والوں کے بچے رات کو بھوک کی وجہ سے سو نہیں سکتے تھے ان کے رونے کی آوازیں محلے سے باہر مشرک بھی سنتے تھے۔ مکہ کے کچھ لوگ سوچنے لگے کہ کہیں انہوں نے ابو جہل اور اس کے انتہا پسند ساتھیوں کے کہنے پر مقاطعہ سے اتفاق کر کے ظلم و زیادتی تو نہیں کی؟ کیا وہ اپنے خاندانی رشتوں کے حقوق سے غفلت کر کے کوئی جرم تو نہیں کر رہے؟ کیا محض اپنے خاندان کے نوجوان کی حمایت کرنے کی وجہ سے بنو ہاشم اور بنی عبد المطلبؑ کو اس طرح بھوکوں مارنا جائز ہے؟ ایسے کئی لوگ ہوں گے مگر ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کے خوف کی وجہ سے وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے قبیلہ بنو عامر کے ایک سردار کا نام ہشام تھا اس کے والد عمرو اور رسول اللہؐ کے والد حضرت عبد اللہؓ کے ایک چچا نضلہ بن ہاشم ایک ہی ماں سے تھے یعنی ماں جائے بھائی تھے، نضلہ کی اولاد بھی شعب ابی طالب میں محصور تھی۔ ہشام نضلہ کو اپنا چچا اور اس کی اولاد کو اپنے چچا کی اولاد سمجھتا تھا وہ بنی ہاشم سے ہمدردی رکھتا تھا اور رات کے اندھیرے میں اونٹ پر سامان لاد کر شعب ابی طالب کے دہانے لے جاتا اور اونٹ کو اندر

ہانک دیتا۔شعب کے مقیم اونٹ سے سامان اتار لیتے اور اسے شعب سے باہر ہانک دیتے۔

حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ وہ بھی اپنی پھوپھی کیلئے چوری چھپے سامان بھیجا کرتے تھے ایک روز وہ اپنے غلام کے سر پر غلہ رکھ کر شعب کی طرف جا رہے تھے کہ اونٹ پر سوار ابوجہل ادھر سے آنکلا اور پوچھنے لگا کہ

"کیا تو یہ راشن بنو ہاشم کیلئے لے جا رہا ہے؟" وہ حکیم بن حزام سے جھگڑنے لگا۔

"خدا کی قسم! تیرا غلام یہ خوراک ان کے ہاں نہیں لے جاسکتا، میں تمہیں سارے مکہ میں رسوا کروں گا کہ تم نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے؟ ابوجہل ان سے جھگڑ رہا تھا کہ بنو اسد کا سردار ابوالبختری انہیں دیکھ کر رک گیا

"کیا بات ہے اس سے کیوں جھگڑ رہے ہو؟" اس نے ابوجہل سے پوچھا

"یہ بنی ہاشم کے ہاں غلہ لے جا رہا ہے" ابوجہل نے جواب دیا

"یہ اس کی پھوپھی کا غلہ ہے جو اس کے پاس رکھا تھا اس نے منگوایا ہے تو اسے کیسے روک سکتا ہے؟ چھوڑ اسے جانے دے"۔ابوالبختری نے کہا

"نہیں میں نہیں جانے دوں گا" ابوجہل اس سے بھی الجھ پڑا دونوں میں تلخ کلامی ہونے لگی

ابوالبختری نے ابوجہل کے اونٹ کی گردن پکڑ کر جھکا دیا تو اونٹ بیٹھ گیا اس نے ابوجہل کو گدی سے پکڑ کر اونٹ سے نیچے اتار لیا۔لاتوں اور گھونسوں سے اس کی مرمت کی اور قریب پڑی ایک ہڈی اٹھا کر اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔حضرت حمزہؓ ادھر سے گزر رہے تھے وہ انہیں لڑتا دیکھ کر رک گئے۔

ابوالبختری اور ابوجہل فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تا کہ رسول اللہؐ کو حضرت حمزہؓ کے ذریعے یہ واقعہ معلوم نہ ہو، وہ یہ نہ سمجھیں کہ قریش میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔

کتابوں میں ان چند واقعات کے سواء کوئی ایسا حوالہ موجود نہیں جس سے پتہ چلے کہ شعب میں رہنے والوں کو کسی طرف سے کوئی امداد یا غلہ موصول ہوتا ہو۔چار مہینوں میں وہ جو کچھ خرید کر جمع کر لیتے تھے باقی آٹھ مہینے اسی پر گزارہ کرتے تھے کیونکہ دیگر مہینوں میں بیرونی قافلوں کو بھی ادھر جانے سے روک دیا جاتا تھا۔

یہاں ایک بات باعث عبرت ہے کہ مسلمان شعب ابی طالب میں محصور ہوئے لیکن اپنے اوپر گزرنے والی زحمتوں اور مشقتوں کی وجہ سے اسلام سے تنگ آ کر قریش سے جا کر نہیں ملے حتیٰ وہ کفار بھی جو ظاہری طور پر پیغمبرؐ پر ایمان نہیں لائے تھے وہ بھی اس محاصرے سے باہر نہ نکلے لیکن جن کفار نے اس محاصرے کا مشاہدہ کیا وہ اس منظر کو دیکھ کر بے تاب ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس حصار میں رہنے والے درختوں کے پتے کھا رہے ہیں۔رسول اللہؐ کی عظمت و بزرگی محصور لوگوں کے دلوں میں نفوذ کر چکی تھی لہٰذا انہوں نے اس پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔جب مکے میں حج کا موسم آتا تو یہ لوگ باہر سے آنے والے حاجیوں سے کھانے پینے کی چیزیں لینے کیلئے نکلتے۔اس وقت بھی ابولہب ان کا پیچھا کرتا اور باہر سے آنے والے تاجروں سے

کہتا اصحاب محمدؐ کیلئے چیزیں مہنگی کر دو تا کہ یہ لوگ تمہارے پاس نہ آئیں اور تمہیں بھی اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا اگر خسارہ ہوا تو میں اسے پورا کروں گا بلکہ اس میں اضافہ کرونگا، یوں حصار میں رہنے والوں کو فاقوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

معاہدہ ٹوٹ گیا یا صحیفہ مٹ گیا

بعثت کے دس سال بعد محرم کے مہینے میں تین سال گزرنے پر اس معاہدہ کو کالعدم قرار دیا گیا کیونکہ بعض قریش اس میثاق سے راضی نہ تھے، انہوں نے اس کو ختم کرنے کی کوشش شروع کی۔ ھشام بن عمرو بن عامر بن لوی جو کہ ہاشم کے بھتیجے تھے رات کو شعب ابی طالب میں چپکے سے بنی ہاشم سے ملتے اور کھانے پینے کا کچھ سامان دے آتے۔ وہ زہیر بن ابی امیہ مخزومی کے پاس گئے کیونکہ ان کی ماں عاتکہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں اس نے کہا تم کیسے کھانا پینا گوارہ کرتے ہو جب کہ تم جانتے ہو تمہارے ماموں کس حال میں زندگی گزار رہے ہیں کہا میں اکیلا آدمی ان کیلئے کیا کرسکتا ہوں۔ اگر کچھ اور لوگ بھی میرا ساتھ دیتے تو میں اس معاہدہ کو توڑنے کیلئے قیام کرتا اس پر انہوں نے کہا ایک آدمی تو مل گیا۔ اس کے بعد مطعم بن عدی کے پاس گئے اور کہا ہم بنی ہاشم و بنی مطلب عبد مناف کی اولاد ہیں تم نے بنی ہاشم کے ساتھ ظلم میں قریش کا ساتھ دیا اس نے کہا افسوس ہے لیکن میں اکیلا آدمی کیا کرسکتا ہوں اس طرح وہ بھی انکے ساتھ مل گیا پھر ابی البختر ی، ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد بھی انکے ساتھ مل گئے یہ سب حجون میں جمع ہوئے اور اس صحیفہ کو پھاڑنے اور میثاق کے خاتمہ کا فیصلہ کیا زہیر نے کہا ہم پہلے بات کریں گے چنانچہ صبح مجلس میں پہنچ گئے سات بار کعبہ کا طواف کیا پھر لوگوں کی طرف آ کر کہا ہم کھانا کھاتے اور صاف لباس پہنتے ہیں جبکہ بنی ہاشم بھوک سے مر رہے ہیں۔ نہ تم انہیں کھانا خریدنے دیتے ہو اور نہ انہیں کھانے کی کوئی چیز بھیجنے دیتے ہو۔ ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک اس صحیفہ کو پھاڑ نہ دیں۔ ابوجہل نے کہا تم نے جھوٹ بولا تو اس پر زمعہ نے کہا جھوٹ تم بولتے ہو ہم تو اس میثاق پر راضی نہ تھے ابوالبختر ی نے کہا زمعہ نے سچ کہا ہے۔ جو کچھ اس میں لکھا ہے ہم اسے نہیں مانتے، مطعم بن عدی نے کہا ان دونوں نے سچ کہا ہے ابوجہل نے غلط کہا ہے ہم اس میثاق سے برات کا اعلان کرتے ہیں۔ ابوجہل کہنے لگا یہ سب رات کی طے شدہ باتیں ہیں تم نے پہلے سے کسی اور جگہ مشورہ کیا ہے۔ اس وقت ابو طالبؑ بھی مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے انہیں پیغمبر اسلامؐ نے خبر دی تھی کہ اللہ نے انہیں اس صحیفہ کے بارے میں آگاہ کیا ہے اور دیمک کو بھیجا ہے کہ اس میں جتنے ظالمانہ کلمات ہیں ان سب کو کھا جائے۔ یہ سن کر ابو طالبؑ قریش کے پاس گئے اور کہا میرے بھائی کے بیٹے نے خبر دی ہے اس صحیفہ کو دیمک حکم خدا سے کھا گئی ہے اور اس میں صرف نام خدا باقی رہ گیا ہے، اگر یہ بات جھوٹ ہوئی تو میں محمدؐ کو تمہارے حوالے کر دوں گا اور اگر سچ ہوئی تو یہ معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ اس پر لوگوں نے کہا آپ نے انصاف کی بات کہہ رہے ہیں، ان باتوں کے بعد جب انھوں نے صحیفہ کی جانب نظر کی تو اس پر صرف " باسمک اللّٰھم" لکھا تھا باقی سب دیمک چٹ کر گئی تھی تب پیغمبر اسلامؐ اور بنی ہاشم شعب ابی طالب سے آزاد ہوئے اور مشرکین نے آپؐ کی حقانیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا:

﴿وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ ''اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو رخ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا پھرتا جادو ہے۔'' (قمر۲)

روشنی پھیلتی رہی

حج اور عمرہ کے موقع پر جب لوگ مکہ آتے تو قریش ہر ایک قافلہ کے پاس جاتے اور انہیں اسلام اور رسول اللہؐ کی ذات کے خلاف ورغلانے کی کوشش کرتے۔ وہ لوگ پہلے بھی حج اور عمرہ کیلئے آتے رہے ہوں گے سب نہیں تو کچھ تو آ چکے ہوں گے، قریش مکہ جو مال بیرونی منڈیوں سے لاتے تھے وہ مکہ سے ہو کر ریگزاروں اور صحراؤں میں بسنے والوں تک پہنچتا تھا، صحراؤں میں رہنے والے تجارتی میلوں میں آتے یہ میلے زیادہ تر مکہ کے قریب یا حج کے راستوں پر منعقد ہوتے تھے، یہ میلے قبائل کے باہمی میل ملاپ اور معاشرتی تعلقات کی استواری کا بہت بڑا وسیلہ تھے، ان میلوں میں پڑھے گئے اشعار او رقصیدے سارے عرب میں پھیل جاتے تھے، مختلف افراد، خاندانوں اور قبائل کے باہمی معاملات، لڑائی جھگڑوں کی خبریں بھی ان میلوں میں سناتے، حج و عمرہ کیلئے آنے والے لوگ جزیرۃ العرب کی خبریں دوسرے حصوں تک پہنچایا کرتے تھے، راستہ میں جس قبیلہ کے علاقہ میں وہ پڑاؤ کرتے، اس کے سرداراور افراد کو مکہ اور وہاں کے قبائل کے حالات سے آگاہ کرتے۔ رسول اللہؐ مکہ کے ایک معزز او رسرکردہ قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، جو تجارت و امور ریاست میں نمایاں اور مناصب کعبہ پر فائز تھا آپ کے خاندان کے افراد اور ان کے حالات سے بھی سارے قبائل واقف تھے۔ خود رسول اللہؐ نے بعثت سے پہلے چالیس سال مکہ کی معاشرتی اور سماجی زندگی میں بھرپور تعمیری کردار ادا کیا تھا، جزیرۃ العرب کے قبائل اور اہم لوگ آپ سے واقف، آپ کی شخصیت اور اعلیٰ کردار سے آگاہ تھے۔ جب قریش نے مل کر آپ کے خلاف اچانک مہم شروع تو وہ سوچنے لگے کہ محمدؐ کو جسے اہل مکہ اپنا معزز ترین نوجوان سمجھتے تھے اچانک کیا ہو گیا کہ سب اس کے مخالف ہو گئے ہیں۔ وہ قریش کی دشمنی کے خوف اور پروپیگنڈے کے زیر اثر آ کر آپ کی دعوت تو قبول نہ کرتے لیکن یہ سوچ اپنے ساتھ واپس لے کر جاتے تھے، آپ انہیں اسلام اور توحید کا پیغام پہنچاتے جبکہ قریش اپنے مذموم پروپیگنڈہ سے ان کے کان بھرتے، لہٰذا جب حجاج واپس جاتے تو بہت سے سوالات اور معلومات ساتھ لے کر جاتے۔ وہ جہاں جہاں سے گزرتے وہاں کے قبائل میں رسول اللہؐ کے پیغام اور قریش کی شدید مخالفت کی خبریں چھوڑتے جاتے، یوں قریش مکہ نے مل جل کر اسلام کا شہرہ سارے جزیرۃ العرب کے اندر عام کرنے میں کافی کردار ادا کیا۔ جزیرۃ العرب کے سارے حصوں کے قبائل کو معلوم ہو گیا کہ محمدؐ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دیتے اور بت پرستی سے منع کرتے ہیں۔ عرب قبائل میں آپ کی ذات اور دعوت کے بارے میں ایک قسم کا تجسس پیدا ہونے لگا، تجسس کے بعد بعض کو تشویش اور بعض کی جانب سے دعوت کے بارے میں تحقیق شروع ہوئی اور پھر مکہ سے شروع ہونے والی اسلام کی روشنی جزیرۃ العرب کے دوسرے حصوں تک بھی پھیلنے لگی۔

عام الحزن (خدیجہ الکبریٰ ؑ اور ابو طالب ؑ جوار رحمت میں)

پیغمبرؐ شعب ابی طالب میں فقر وتنگدستی، بھوک و پیاس اور ذہنی وفکری پریشانی کے عالم میں تھے کہ اسی دوران خدیجہ کبریٰ ؑ کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت پیغمبرؐ کی عمر ۵۰ سال اور خدیجہؑ کی عمر ۶۵ سال تھی پیغمبرؐ کو جب بھی خدیجہؑ کی یاد آتی تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ زندگی بھر خاص کر شعب ابی طالب میں کسی بھی دن خدیجہؑ اور پیغمبرؐ کے درمیان کوئی اختلاف و ناچاکی دیکھنے میں نہیں آئی لہٰذا یہ ۲۵ سالہ ازدواجی زندگی انس ومحبت میں گزر گئی۔

جس وقت خدیجہؑ نے داعی اجل کو لبیک کہا تو اس وقت پیغمبرؐ اور مسلمانوں کے پاس انھیں کفن پہنانے کیلئے کچھ نہ تھا وہ چادر جو خدیجہؑ خود پہنتی تھیں اسی چادر میں آپ کو دفنایا گیا۔ خدیجہؑ کی وفات کے بعد ابو طالبؑ بھی ۸۶ سال کی عمر میں آپؐ سے رخصت ہو گئے۔

بعض مؤرخین ومحدثین فرقہ پرستوں کا اصرار ہے ابو طالبؑ حالت شرک پر دنیا سے گزر رے ہیں جبکہ ان کے مقابل میں دوسرا فرقہ ابو طالبؑ ہی کو مرکز سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں محمدؐ ان کے تابع تھے، اگر انھیں کوئی فضلیت حاصل ہے تو وہ ابو طالبؑ ہی کی وجہ سے ہے۔ یہ دونوں گروہ اپنے دعویٰ میں عقل، قرآن، تاریخی حوالہ جات اور تجزیہ و تحلیل سے استناد نہیں کرتے ان کے پاس موثر اور قوی دلیل تہمت ہے جس کے ذریعے یہ اختلاف کرنے والے کو اپنے فرقہ سے نکال کر دوسرے فرقے میں داخل کرتے ہیں۔ تاہم خدیجہ الکبریٰ ؑ اور ابو طالبؑ کی وفات سے پیغمبرؐ جہاں غمگین، اندوہناک ہوئے وہاں فضاء مکہ بھی آپ کیلئے تنگ و تاریک ہوئی اسی وجہ سے اس سال کو آپ نے حزن واندوہ کا سال قرار دیا۔ آپ خود کو بے یار و مددگار پا کر مکہ سے نکل کر طائف کی طرف تشریف لے گئے۔

حضرت ابو طالب ؑ

کتاب اسد الغابہ کے مؤلف لکھتے ہیں کہ جب ابو طالبؑ پر مرض کی شدت طاری ہوئی تو انہوں نے اولاد عبد المطلب کو جمع کر کے کہا کہ تم ہمیشہ خیر کے ساتھ رہو جب تک تم محمدؐ کی پیروی وتصدیق کرتے رہو گے ہدایت پاؤ گے لیکن جب خود ان سے ایمان لانے کیلئے کہا گیا تو انھوں نے کہا کہ مجھے قریش کی طرف سے یہ خوف ہے کہ وہ یہ نہ کہیں ابو طالبؑ نے موت کے ڈر سے ایمان قبول کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ابو طالبؑ کو ایمان لانے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ قریش ان کی مزاحمت او سرزنش کرتے کہ ابو طالبؑ نے اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر برادرزادے کے دین کو اپنایا ہے۔ اس قصے کو ملاحظہ کرنے کے بعد دیکھتے ہیں کہ ایمان ابو طالبؑ کے بارے میں حقائق کیا ہیں؟

اگر ہم سیرت نبویؐ میں اسے نقل ومنقولات کی حدود میں رہتے ہوئے لکھیں اور سمجھیں گے تو یہ عمل پہلوانانِ عالم، رستم و اسفندیار، بادشاہانِ قیصر وکسریٰ کی اساطیر سے چنداں مختلف نہیں ہوگا بلکہ یہ اہل تحقیق کیلئے تضاد کا ایک مجموعہ ہوگا کیونکہ سیرت نبویؐ پر قلم اٹھانے اور ان کا اہتمام کرنے والے پہلے شخص محمد بن واقدی تھے جو بنی عباس کے زیر اثر تھے۔

تاریخ اسلام کو لکھتے اور پڑھتے وقت تضادات کو جمع کرنے کے بعد خلفاء بنی عباس کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ حکام کے نمک خواران اور ان کی طرف سے تحفہ و تحائف اور نوازش پانے والوں کے جھوٹ پر مبنی اثرات سے تاریخ محفوظ نہیں رہ سکی ہے۔ بنی عباس نے خود کو خلیفہ بر حق نبی گردانے کیلئے تاریخ اسلام کے صفحات پر دقت سے غور کر کے اس میں رد و بدل کی ہے جس طرح آج کی دنیا میں عالمی استعمار کے زیر اثر رہنے والے حکمران اپنے ملک کے دین و دیانت پر مشتمل صفحات و کلمات سے کھیلتے ہیں اسی طرح خلفاء کے دور میں بھی کم و بیش ایسا ہی ہوا۔ بنی عباس چونکہ اپنے آپ کو خلافت کیلئے زیادہ مستحق اور علویین کو اس منصب کیلئے نااہل گردانتے تھے لہٰذا انھوں نے علویین کے جد ابو طالبؑ کے کفر پر مرنے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ اسلام میں عباسؓ کا مقام بلند ہو جائے اسی طرح فاطمیین نے بنی عباس کو خلافت سے دور گردانے کیلئے عباسؓ اور ان کے بیٹے عبداللہؓ کو کسی موقع و محل پر تنقیص کرنے سے نہیں بخشا ہے۔

ایمان ابو طالب علیہ السلام

قرآن کریم میں پیغمبر اسلامؐ کو قبول اور رد کرنے والوں کے بارے میں تین قسم کی آیات ہیں۔

۱۔ مومنین جنہوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور خدا نے انہیں آخرت کا وعدہ ہے۔

۲۔ کافرین جنہوں نے اس دعوت کا سرے سے ہی انکار کیا انہیں اللہ نے وعدہ جہنم سنایا ہے۔

۳۔ جو افراد زبان سے اس دعوت کو قبول کریں لیکن دل سے قبول نہ کریں انہیں منافقین کہا جاتا ہے، خداوند متعال نے جہنم کی آخری منزل ان کا ٹھکانہ بنائی ہے۔

ایمان چونکہ دل کی وابستگی کا نام ہے لہٰذا علماء نے دل کے ایمان سے رشتہ و تعلق کی چار اقسام کا ذکر کیا ہے۔

الف۔ جو کچھ خدا اور رسولؐ نے مبداء و معاد اور نبوت کے بارے میں بتایا ہے اس پر دلائل کے ساتھ ایمان رکھنا محققین کا یہ ایمان ہے۔ یہ ایمان، زوال پذیر نہیں ہے۔

ب۔ بعض لوگ مبداء و معاد اور نبوت کے بارے میں ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے پاس دلائل و براہین نہیں ہوتے پھر بھی ان کا ایمان حقیقت کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ ایمان، ایمانِ مقلدین ہے گویا یہ لوگ کسی سے متاثر ہو کر ایمان لاتے ہیں۔

ج۔ بعض لوگوں کا ایمان حقیقت سے مطابقت نہیں رکھتا جیسا کہ بت پرست کہتے ہیں کہ یہ بت ہمارے اور خدا کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں جبکہ حقیقت میں ایسا ممکن نہیں اسے جہالت کہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ایمان حقیقت کے خلاف ہوتا ہے۔

د۔ بعض لوگوں کے دل میں نہ ایمان ہوتا ہے اور نہ کفر اور نہ ہی وہ کسی تذبذب کا شکار ہوتے ہیں۔ دل کے حالات معلوم ہونے کے بعد ایمان و کفر اور منافقت کی ایک اور کسوٹی زبان ہے۔ زبان کی تین حالتیں ہیں۔

☆ بعض لوگ زبان سے مبداء و معاد و نبوت کا اقرار کرتے ہیں۔

☆ بعض افراد زبان سے انکار کرتے ہیں۔

☆بعض افراد سکوت و خاموشی اختیار کرتے ہیں۔

یہ تین حالتیں اپنی جگہ دو صورتوں سے خالی نہیں ہیں۔ اپنے اختیار سے ایمان کا اقرار کرنے والوں کو مومنین جبکہ مجبوری کے عالم میں دھوکہ دینے کیلئے اقرار کر کے دل میں اعتقاد نہ رکھنے والوں کو منافق کہتے ہیں۔ اگر کسی نے دل سے ایمان کا انکار کیا اور زبان سے مجبوراً اقرار کیا تو اسے منافقت کہتے ہیں کیونکہ ایسے شخص نے ایسی بات کا اظہار کیا جو اس کے دل میں نہیں تھی۔

بعض لوگ دل اور زبان دونوں سے انکار کرتے ہیں گویا ان کے دل اور زبان میں مطابقت پائی جاتی ہے۔ بعض لوگ دل سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں۔ اسے ایمان کتم کہتے ہیں جیسا کہ مومن آل فرعون اور عمار یاسرؓ کے بارے میں بھی ایسے ہی ایمان کے حوالے سے آیت اتری ہے۔ ہم یہاں قارئین کی خدمت میں چند نکات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ مورخین اور سیرت نگارانِ نبی کریمؐ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ابو طالبؑ نے پیغمبر اسلامؐ کی بے نظیر و بے مثال تربیت و کفالت کے علاوہ آپؐ کی دعوت کیلئے ایک سدِ سکندر سے زیادہ محکم و پائیدار دیوار کی مانند قیام کیا، آپ کی شجاعت و شہامت اور جرأتِ دفاع میں صراحت گوئی کی وجہ سے مشرکین کو پیغمبر اسلامؐ کے خلاف جسارت کرنے کی جرأت نہیں تھی۔

۲۔ مورخین اور سیرت نگاران نے اس مطلب پر بھی اتفاق کیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے حضرت ابو طالبؑ کی وفات کے موقع پر خواہش ظاہر کی کہ آپ دین اسلام کو قبول کر لیں لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

۳۔ ابو طالبؑ نے چندین بار اپنی اولادوں سے سفارش کی کہ دین محمدؐ کو اپنائیں اور آپؐ کے ساتھ رہیں۔

۴۔ اہل تشیع نے ابو طالبؑ کو اس لحاظ سے مظلومِ تاریخ قرار دیا ہے کیونکہ لوگوں نے ان کے کفر و شرک پر مرنے کا دعویٰ کیا ہے لیکن خود انہوں نے ان کے شرک پر نہ مرنے کیلئے کوئی دلیل آیات قرآنی اور نقل تاریخ سے پیش نہیں کی ہے صرف حضرت ابو طالبؑ کی پیغمبرؐ کے حق میں ایثار و قربانی کو پیش کرنے اور بے دریغ حمایت کرنے کی بات کی ہے۔

دونوں فریقین نے اس سلسلے میں تاریخی تجزیہ و تحلیل پیش کرنے کی زحمت نہیں کی ہے ہم اس سلسلے میں نقل تاریخ پیش کرنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ فریقین کیلئے یہ بات قابل قبول نہیں ہو سکتی، ہم یہاں صرف پیغمبرؐ کی دعوت کے حوالے سے درپیش مرحلہ وار نکات کو پیش کرتے ہیں:

۱۔ تاریخ اور سیرت میں اس حوالے سے کوئی چیز بیان نہیں ہوئی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے اپنے گھر والوں کو اسلام کی طرف یا اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی ہو بطور مثال حضرت خدیجہؑ، علی ابن ابی طالبؑ، زید بن حارثہؓ اور اپنی بیٹیاں۔ کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ سب پیغمبرؐ پر بغیر کہے ایمان لائے چنانچہ یہ امکان بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ ابو طالبؑ پیغمبرؐ کی پیشکش کے بغیر ہی ایمان لائے ہوں۔

۲۔ ارباب تاریخ و سیرت لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے تین سال مخفی دعوت کی اور دعوت کو آشکار نہ کیا۔ پیغمبرؐ نے ابو بکرؓ کے سامنے دعوت کو رکھا تو انہوں نے اسے قبول کیا آیا وقت گزرتا رہا اور پیغمبرؐ نے اپنے چچا اور کفیل و حامی کے سامنے دعوت کو پیش نہ کیا؟

۳۔پیغمبرؐ کی بعثت کے تین سال گزرنے کے بعد سورۂ مبارکہ مزمل ٗمدثر اور آیۂ انذار اقربین نازل ہوئیں آپؐ نے خصوصی طور پر خاندانِ عبدمناف کولبجۂ انذار میں دعوت دی تو کیا یہ انذار ابو طالبؑ تک نہیں پہنچا تھا؟

۴۔آیہ ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ (حجر۹۴)اپنی دعوت کااعلان کرواور قبول نہ کرنے والے مشرکین سے منہ موڑو نازل ہوئی تو اس وقت یا بعد میں ابو طالبؑ کے ایمان نہ لانے پر اس آیت کے تحت پیغمبرؐ کا یہ فرض نہیں بنتا تھا کہ ان کے مسلسل انکار کے بعد ان سے روگردانی کر کے اعلانِ علیحدگی کرتے۔

۵۔خدا قرآن میں فرماتا ہے اگر تمہارے اقارب و رشتہ دار ایمان پر کفر کو ترجیح دیں تو تم ان سے بیزاری کا اعلان کرو چنانچہ جب حضرت ابراہیمؑ اپنے چاچا آزر کے بارے میں ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو ان سے برأت کا اعلان کیا۔
کیا قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت ہے کہ جس میں پیغمبرؐ نے ابو طالبؑ سے برأت کا اعلان کیا ہو؟

۶۔پیغمبر اسلامؐ نے ابو طالبؑ کی وفات کے سال کو عام الحزن قرار دیا، آیا ایک نبی ایک کافر و مشرک کے دنیا سے جانے کو اپنے لئے باعث حزن قرار دے سکتا ہے؟ اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی حیات کے خواہاں تھے پیغمبرؐ کو مومنین کی حیات کا خواہاں ہونا چاہیے تھا نہ کہ کافر و مشرک کی حیات کا۔

۷۔تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ مکہ کی کچھ ہستیاں ایسی بھی تھیں جو دینِ ابراہیمؑ پر تھیں وہ مشرکین کے شرک و کفر کی رسومات میں شامل نہیں ہوتے تھے۔اپنے خاندان میں یا قریش میں ایک اجتماعی شخصیت ہونے کے حوالے سے ابو طالبؑ کے کردار و رفتار کو تاریخ کے صفحات میں نقش ہونا چاہیے اگر صفحات تاریخ کسی بھی وقت اس دور کے انسان کے حافظے میں ہوتے تو وہ بعد میں صفحۂ قرطاس پر نقل کیے جاتے تھے۔ابو طالبؑ کے بارے میں کسی تاریخ میں بھی یہ نہیں ملتا ہے کہ آپ بتوں کی پوجا کرتے تھے چنانچہ ابو طالبؑ پہلے سے انسانِ موحد تھے اور خدا کی وحدانیت کو ہر حوالے سے مانتے تھے جہاں تک پیغمبرؐ کی نبوت پر ایمان کا تعلق ہے تو آپ عملی طور پر اس کیلئے سرگرم رہتے تھے، تاہم ابو طالبؑ کے شرک پر مرنے کا اصرار تعصب یا کسی فرقہ کے ساتھ مخالفت کو باقی رکھنے کی خاطر ہے یا پھر تاریخی سطور پر بغیر تحقیق جامد رہنے کی ضد۔

خدیجہ =بنت خویلد

خدیجہؑ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی ،ملقبہ طاہرہ و سیدہ قریش۔آپ عام الفیل سے پندرہ سال پہلے پیدا ہوئیں۔آپ عاقل و بلند مرتبہ، عقل و فکر میں شہرت کی حامل ہونے کے ساتھ باادب ،سب سے زیادہ حسین و جمیل اور صاحب ثروت تھیں۔قریش کے خاندانوں کی نظر آپ پر تھی۔تاریخ کے صفحات میں کسی عورت کے بارے میں اتنی فضیلت تحریر نہیں ہوئی جتنی خدیجہؑ کے بارے میں ہے۔خدیجہؑ جب اپنی حیات زوجیت سے دوبار منقطع ہوئیں تو اعلیٰ صفت شخصیت سے ازدوج کی خواہشمند تھیں۔خدیجہؑ بلند مرتبہ و بلند ہمت خاتون تھیں،انھوں نے دین و دیانت اور طہارت کے ماحول میں پرورش پائی آپؑ زیادہ تر اپنے ابن عمو ورقہ بن نوفل سے انبیاءؑ کی باتیں سنتی تھیں۔زیادہ تر آسمان فضل و فضیلت کی باتیں کرتی تھیں۔خدیجہ

کے دل میں بہت سی ایسی چیزیں گزرتی تھیں جو نفس کو نورانیت دیتی تھیں اور اطمینان وسکون کا باعث بنتی تھیں۔ وہ سوچتی رہتی تھیں کہ کوئی حادثہ وقوع پذیر ہونے والا ہے کسی نہ کسی دن وہ اپنے دامن میں کسی کو لیں گی۔

آپ کا پہلا عقد ابی ہالہ بن زارہ تمیمی سے ہوا جس سے ہالہ اور ہند پیدا ہوئے پھر ابی ہالہ کے مرنے کے بعد عتیق بن عائز بن عبداللہ مخزومی سے عقد ہوا ان کے ساتھ کچھ مدت گزارنے کے بعد الگ ہوگئیں۔ قریشی خوستگاروں سے آپ نے روگردانی کی اور اپنی اولاد کی تربیت وتجارتی زندگی کی طرف توجہ دینے کا فیصلہ کیا کیونکہ آپ صاحب ثروت تھیں اور اپنا مال لوگوں کو تجارت کیلئے دیتی تھیں۔ اپنی قوم میں ہر ایک شخص کو آپ سے شادی کرنے کی خواہش تھی۔ اس سلسلے میں بہت سے لوگوں نے مال ومتاع دے کر خواستگاری کی درخواست کی لیکن حضرت خدیجہؓ نے مسترد کر دیا جن میں عقبہ بن موید، صلا بن ابی حباب، ابوجہل اور ابوسفیان شامل تھے جب انھوں نے پیغمبرؐ میں اخلاق وشرفِ نفس دیکھا تو آپؐ کو منتخب کیا۔

بعثت سے پہلے جب آپ کو پیغمبرؐ کی صدق وصفا، امانتداری اور اچھے اخلاق کا علم ہوا تو آپ نے اپنے غلام میسرہ کو آپؐ کے ساتھ تجارت کیلئے شام بھیجا اور کہا کہ دوسروں کی نسبت آپ کو زیادہ فائدہ دوں گی۔ پیغمبر اسلامؐ میسرہ کے ساتھ جانے پر راضی ہوگئے، خدا نے اس تجارت میں زیادہ فائدہ دیا جس سے خدیجہؓ خوش وراضی ہوگئیں لیکن خدیجہؓ کی توجہ پیغمبرؐ کی شخصیت پر زیادہ تھی آپؐ کے بارے میں ان کے تصورات وخواہشات میں اضافہ ہوتا چلا گیا، جب ان کے عاطفہ میں جوش آیا تو آپ نے درک کیا کہ پیغمبرؐ دیگر مردوں کی طرح نہیں لیکن ایک جوان ہیں انہیں قبول کروں یا نہیں، چالیس سال کی عمر میں شادی کرنے کیلئے اپنی قوم وقبیلے کو کیا جواب دوں گی اس سے پہلے قریش کی بڑی بڑی شخصیات کی طلب کو آپ نے مسترد کیا تھا۔ اس حیرت واضطراب میں آپکی سہیلی نفیسہ بنت منبہ آپکے پاس آئی تو خدیجہؓ ان کے ساتھ تبادلۂ خیال کرتی ہیں۔ نفیسہ نے اپنی سوچ وفراست سے اندازہ لگایا کہ خدیجہؓ کے اندر کیا چیز چھپی ہوئی ہے وہ محمدؐ کے متعلق خدیجہؓ کی پریشانی اور ان کے اندر کے تصورات کو سمجھتی تھی وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کتنے ہی صاحب مال ودولت ان کے چاہنے والے ہیں لیکن وہ انکار کرتی ہیں لہٰذا نفیسہ ان کے گھر سے نکل کر پیغمبرؐ کے گھر جاتی ہیں، بڑی مہارت کے ساتھ آپؐ سے پوچھتی ہیں کہ آپ عقد کیوں نہیں کرتے، آپؐ فرماتے ہیں میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے کہ عقد کروں اس پر نفیسہ ہنس پڑی اور کہا اگر آپ کو مال ودولت کے ساتھ جمال واشراف کی حامل عورت ملے تو قبول کریں گے؟ آپؐ نے پوچھا وہ کون ہوسکتی ہے نفیسہ نے فوراً کہا خدیجہؓ بنت خویلد آپؐ نے فرمایا اگر وہ راضی ہیں تو ہم بھی راضی ہیں۔ تا ہم حضرت خدیجہؓ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔

شعب ابی طالب میں حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی حُزن آور وفات نے پیغمبرؐ کو غم زدہ کیا۔ اصحاب نے اپنے طور پر پیغمبر اسلامؐ کی تنہائی پر شفقت کرتے ہوئے خواہش ظاہر کی اگر آپؐ کسی خاتون کو اپنی زوجیت میں لائیں تو یہ وحشت انس میں بدل جائے گی لیکن کسی نے یہ تجویز پیش کرنے کی جرأت نہیں کی یہاں تک کہ صولة بنت حکیم سلمیہ نے ایک رات پیغمبرؐ کے پاس جا کر اپنی الفت ومحبت سے بھرے کلمات عرض کیے: ''آپ کو خدیجہؓ کی جدائی نے غم زدہ کیا ہے'' پیغمبرؐ نے جواب دیا ''ہاں!

یہ میرے بچوں کی ماں اور گھر کی صاحبہ تھیں' صولۃ دوراندیشی میں کسی اور باتوں میں مصروف ہوگئی پھر پیغمبرؐ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا "کیا میں آپ کیلئے کسی کی خواستگاری کروں' تو پیغمبرؐ خاموش ہوگئے اور دل پیغمبرؐ پر یاد خدیجہؓ غالب رہی اور کچھ دیر تک خدیجہؓ کے ساتھ ۲۰ سالہ زندگی کو یاد کرتے رہے پھر آپؐ نے فرمایا کہ خدیجہؓ کے بعد کون ہوسکتا ہے تو صولۃ نے فوراً جواب دیا: "عائشہؓ آپ کے دوست کی بیٹی' پیغمبرؐ کا ابوبکر کے ایمان لانے اور اپنی نبوت کی تصدیق کرنے اور بعد میں ساتھ دینے کو یاد کرنے کے بعد دل چاہتا تھا لیکن فرمایا "نہیں نہیں" پھر فرمایا ابھی وہ چھوٹی ہے، مجھے اپنے گھر کی دیکھ بھال کرنے والی خاتون کی ضرورت ہے" صولۃ کے مطابق ان کی تجویز کچھ عرصہ کے بعد کیلئے تھی۔ اس نے دوسری پیش کش سودۃؓ بنت زمعۃ کے بارے میں کی تو پیغمبرؐ نے اجازت دے دی۔ اس کے بعد حضرت سودہ بنت زمعۃ کے ساتھ آپ کا عقد ہوا۔

ثروت خدیجہ = کا تبلیغ اسلام میں کیا کردار ہے؟

مستشرقین کی جانب سے اسلام اور نبی کی حقانیت کو مادیات اور زمینی مفادات سے مربوط کرنے کی کوششوں میں یہ کہنا بھی شامل ہے **"اسلام خدیجہؓ کی ثروت و دولت سے پھلا پھولا ہے"** اس بات کو ثابت کرنے کیلئے اس نکتے کو زور و شور سے استعمال کرتے ہیں کہ خدیجہؓ مکہ کی ملکہ اور تاجرہ خاتون تھیں اور ان کے مال نے دعوت اسلام میں بنیادی کردار ادا کیا حالانکہ حقیقت میں یہ بات بنیاد و اساس کے لحاظ سے باطل ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

۱۔ مکہ میں دس خاندان تھے ان میں سے ایک خدیجہؓ کا خاندان بنو اسد تھا ان کے بھائی حزام بن خویلد کے پاس زیادہ مال و دولت ہونے کا تاریخ میں کہیں ذکر نہیں آیا ہے۔ چنانچہ اگر خدیجہؓ بڑی تاجرہ ہوتیں تو ان کے بھائی بھی ضرور تاجر ہوتے۔ خدیجہؓ صاحب مال و ثروت ضرور تھیں کیونکہ ان کا خاندان دس امیر ترین خاندانوں میں سے ایک تھا لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ خدیجہؓ سب سے بڑی تاجرہ تھیں، یہ بات مکہ کے اوضاع اقتصادی کے خلاف ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ خدیجہؓ کا تجارتی قافلہ لے جانے والوں میں سوائے میثرہ کے کسی اور کا نام تاریخ میں نہیں ملتا، جبکہ تاریخ میں یہ ضرور آیا ہے کہ مکہ میں مال و دولت کے حوالے سے بنی مخزوم اور بنی امیہ کا نام لیا جاتا ہے اس بات کی واضح ثبوت یہ ہے کہ مکہ کی تجارتی قیادت ابوسفیان کرتا تھا۔

۳۔ دولت کا ہونا ایک بات ہے اور اس کے ذریعے دین پھیلانا دوسری بات، رقم دے کر دین کو فروغ دیئے جانے کے حوالے سے دو حقائق کو ثابت کرنے کی ضرورت ہے۔

الف۔ تاریخ میں کہیں بھی یہ نہیں ملتا کہ رقم یا مال کے ذریعے کوئی ایماندار ہوا ہو البتہ رقم کے ذریعے لوگوں کو بے دین کیا جاسکتا ہے جیسا کہ آجکل بین الاقوامی ادارے یا این جی اوز رقوم دے کر مسلمانوں کو بے دین بنانے میں مصروف عمل ہیں، اس لئے یہ بات طے ہے کہ رقوم بے دین بنانے کے کام آتی ہے دین دار بنانے کیلئے نہیں۔

ب۔ تاریخ اسلام میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس سے یہ واضح ہو کہ نبی کریمؐ نے خدیجہؓ کے مال سے کسی غلام اسیر کو آزاد کرلیا

ہو۔مال کی بنیاد پر کسی غریب خاندان کی کفالت کی ہو یا پھر رقم کے لالچ میں کسی نے پیغمبر اکرمؐ کے سامنے آ کر اسلام قبول کیا ہو۔لہٰذا مال خدیجہؓ کو اسلام سے جوڑے جانے کی بات صرف اور صرف مستشرقین کی گھڑی ہوئی ہے جسے بعض مستغربین دین فروشوں نے فروغ اور دیگر سیکولر طبقوں نے قبول کیا ہے۔

ایمان کی شعاعیں مکے سے باہر

پیغمبر اسلامؐ نے مکہ کے علاوہ دیگر تمام قبائل و کاروانوں کے سامنے بھی اپنی دعوت پیش کی۔بعض نے اسے مسترد کیا اور بعض کچھ عرصہ بعد ایمان لے آئے جن میں مندرجہ ذیل لوگ شامل تھے:

۱۔سویدؓ بن صامت

یہ یثرب کے رہنے والے تھے انہیں انکی قوم کامل کہتی تھی۔سوید بن صامت جب مکے میں حج یا عمرے کیلئے آئے تو پیغمبرؐ نے انہیں اسلام کی طرف دعوت دی انہوں نے پیغمبرؐ سے کہا جو آپ کے پاس ہے وہ میرے پاس بھی ہے اور ہم دونوں ایک جیسے ہیں۔پیغمبرؐ نے فرمایا کہ آپ کے پاس کیا چیز ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے پاس حکمت لقمان ہے آپؐ نے فرمایا اسے پیش کرو انہوں نے پیش کیا اس موقع پر پیغمبرؐ نے فرمایا یہ کلام حسن ہے اور جو میرے پاس ہے وہ اس سے بہتر ہے کیونکہ وہ قرآن ہے جو نور و ہدایت ہے۔آپؐ نے قرآن کی تلاوت کی اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دی تو انہوں نے قبول کیا اور کہا یہ قول احسن ہے۔سوید بن صامت واپس مدینہ چلے گئے بعض کے مطابق وہ بعاث میں قتل ہوئے۔

۲۔ایاسؓ بن معاذ

یہ بھی یثرب کے رہنے والے تھے اور خزرج سے لڑنے کیلئے اوس کی طرف سے قبیلہ قریش کے پاس بعثت پیغمبرؐ کے گیارہویں سال معاہدہ کرنے آئے تھے۔اس وقت اوس و خزرج کی دشمنی انتہا کو پہنچ چکی تھی،اوس کی تعداد خزرج سے کم تھی۔جب رسول اللہؐ کو ان کی آمد کا پتہ چلا تو آپؐ ان کی مجلس میں تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا میرے پاس تمہارے لئے اچھی بات ہے جب انہوں نے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے اپنے بندوں کے پاس اس بات کی دعوت دینے کیلئے بھیجا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔اللہ نے مجھ پر کتاب بھی اتاری ہے پھر آپ نے آیات قرآن تلاوت کیں۔یہ سن کر ایاس بن معاذ بول اٹھے:اے قوم!خدا کی قسم یہ اس سے بہتر ہے جس کیلئے آپ لوگ یہاں آئے ہو وفد کے ایک رکن ابوالحسیر انس بن رافع نے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھا کر ایاس بن معاذ کے چہرے پر دے ماری اور کہا کہ اس بات کو چھوڑ دو کیونکہ ہم یہاں دوسرے مقصد کیلئے آئے ہیں۔

اس مرحلے پر ایاس خاموش رہے پیغمبرؐ وہاں سے اٹھ گئے اور یہ لوگ بھی واپس مدینے چلے گئے اور یوں قریش سے معاہدہ نہ کر سکے جب یہ لوگ واپس گئے تو اس وقت ایاس بن معاذ کا انتقال ہو گیا لوگوں کو یقین تھا کہ انکی وفات اسلام پر ہوئی ہے کیونکہ موت کے وقت یہ تحلیل و تکبیر اور حمد و تسبیح کر رہے تھے۔

۳۔ طفیلؓ بن عمرو دوسی

قبیلہ دوس کے ایک اہل شرف سردار طفیل بن عمرو دوسی کہتے ہیں ''میں ایک شاعر، کلام اور لفظ آشنا شخص تھا، ایک دفعہ میں حج کعبہ کیلئے مکہ گیا تو قریش کے سردار شہر سے باہر ہی آ ملے اور کہا اے طفیلؓ آپ ہمارے شہر آئے ہیں اور یہ شخص جو ہمارے درمیان موجود ہے اس نے ہمیں سخت پیچیدگی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس کی باتوں (کلام پاک) میں ایسا جادو بھرا ہے کہ زن و شوہر میں تفریق تو ایک طرف وہ خود انسان اور اس کی ذات میں بھی تفرقہ پیدا کر دیتا ہے لہٰذا یہ افتاد کہیں آپ کی قوم پر بھی نہ آن پڑے، آپ اس سے ہرگز گفتگو نہ کریں اور اس کی کوئی بات نہ سنیں'' طفیل بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ محمدؐ سے بچ کر رہوں گا حتیٰ کہ جب میں صبح مسجد الحرام میں گیا تو کانوں کے اندر روئی ٹھونس لی تاہم جب دوسرے روز میں حرم گیا تو آپؐ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ میرے کانوں میں قرآن کے چند جملے پڑے میں نے بڑا عمدہ کلام سنا، میں نے اپنے دل سے کہا:

''میں شاعر ہوں، جواں مرد ہوں، عقل رکھتا ہوں، کوئی بچہ نہیں ہوں جو صحیح اور غلط میں تمیز نہ کر سکوں کیوں نہ محمدؐ سے مل کر سنوں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔''

نماز کے بعد جب آپ گھر کیلئے چلے تو میں پیچھے پیچھے چلا آیا، آپ کے مکان کے نزدیک پہنچ کر میں نے عرض کیا:

''قریش نے مجھے آپ سے اتنا بدگمان کیا ہے کہ میں نے کانوں میں روئی ٹھونس لی تا کہ آپ کی آواز نہ سن سکوں لیکن جو کلام آپ نے کعبہ میں پڑھا وہ مجھے اچھا لگا اس لئے میں آپ سے اس طرح کا مزید کلام سننا چاہتا ہوں''

رسول اسلامؐ نے میری درخواست قبول کرتے ہوئے مجھے قرآن سنایا، میں اس قدر متاثر ہوا کہ وہیں مسلمان ہو گیا، مکہ سے واپس پہنچا تو میرا بوڑھا باپ گھر آیا تو میں نے اپنے باپ سے کہا

''ابا جان مجھ سے دور رہیں، اب میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں''

باپ نے میرے جملے پر حیرت کا اظہار کیا اور پوچھا ''کیوں کیا ہوا'' میرا جواب تھا

''میں مسلمان ہو گیا ہوں اور دین محمدؐ کی پیروی کر لی ہے''

میرے باپ نے بھی غیر متوقع طور پر یہ اعلان کیا

''بیٹا جو تیرا دین، وہی میرا دین ہے''

والد کے ایمان لانے کے اعلان پر میں نے ان سے کہا

''آپ غسل کیجئے، صاف ستھرے کپڑے پہنئے تا کہ میں آپ کو اس دین کی تعلیم دوں جو میں سیکھ کر آیا ہوں۔''

باپ نے بیٹے کے مشورے پر غسل کر کے صاف کپڑے زیب تن کئے تو بیٹے نے انہیں قرآن سنایا یہ بھی مسلمان ہو گئے۔ عمرو دوسی کے مطابق انھوں نے اپنی بیوی سے بھی وہی بات کہی جو باپ سے کہی تھی۔

''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں'' بیوی نے حیرانی سے پوچھا میں نے بیوی کو جواب دیا

"میرے اور تیرے درمیان اسلام نے تفریق کردی ہے، میں نے محمدؐ کا دین اختیار کرلیا ہے"
بیوی نے میرے موقف کی حمایت کرتے ہوئے کہا "مجھے بھی اپنا نیا دین بتاؤ" میں نے ان سے کہا
"جاؤ پہلے ذوالشری (قبیلہ دوس کا بت) کے احاطے میں پہاڑ سے گرنے والے پانی کے چشمہ میں غسل کرکے آؤ"
بیوی کا کہنا تھا "ذوالشریٰ میرے بچوں کو تو نقصان نہیں پہنچائے گا" میں نے یقین دہانی کراتے ہوئے کہا
"نہیں، وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، میں اس کا ذمہ لیتا ہوں"
جب وہ غسل کرکے آئی تو میں نے اسے بھی قرآن سنایا اور وہ بھی مسلمان ہوگئی۔

قبائل جنھیں اسلام کی دعوت دی گئی

بعثت کے دسویں سال جب پیغمبر اسلامؐ طائف سے مکہ واپس تشریف لائے تو دعوت اسلام کو قبائل و دیگر افراد کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ حج کا موسم تھا پیغمبرؐ نے سوچا کہ لوگ حج کرنے آئینگے تو فریضہ حج ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا بھی فائدہ اٹھایا جائے ۔زہری کا بیان ہے کہ جن قبائل کو پیغمبرؐ نے اسلام کی دعوت دی ان قبائل میں بنوعامر بن صعصعہ، محارب بن خصفہ، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنونصر، بنوالبکا، کلب، حارث بن کعب، عذرہ اور حضارمہ شامل تھے۔
زہری مزید کہتے ہیں کہ درج ذیل افراد میں سے کسی نے بھی پیغمبرؐ کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔

ا۔ بنوکلب

مکہ میں پیغمبرؐ قبیلہ بنوکلب کے خاندان بنوعبداللہ کے ہاں گئے جہاں آپ نے انھیں خدا کی طرف دعوت دی اور اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ اے بنی عبداللہ خدا نے آپ کے باپ کا کتنا خوبصورت نام رکھا ہے۔

۲۔ بنوحنیفہ

آپؐ ان کے ہاں بھی گئے اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دی تاہم ان کی طرف سے کسی نے بھی آپؐ کی دعوت قبول نہ کی بلکہ برے طریقے سے رد کیا۔

۳۔ بنوعامر بن صعصعہ

آپؐ بنوعامر بن صعصعہ کے پاس گئے اور انہیں توحید کی طرف دعوت دی۔ بنوعامر کے ایک شخص بحیرہ بن فراس نے کہا کہ خدا کی قسم اگر میں قریش کے اس جوان کا ساتھ دے دوں تو پورے عرب پر چھا جاؤں گا۔ پھر پیغمبرؐ سے کہا کہ اگر میں آپ کی اس دعوت پر لبیک کہوں اور بعدازاں آپ کو اپنے مخالفین پر غلبہ ملے تو کیا اس میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا یہ خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے دے دے پیغمبرؐ کے دوٹوک جواب کے بعد اس نے کہا آپ کی حفاظت میں ہمارا سینہ اہل عرب کے نشانے پر رہے لیکن جب آپ کو فتح ہو تو فائدہ دوسرے اٹھائیں، ہمیں آپؐ کی اس دعوت کا کیا فائدہ ہوگا۔
جب بنوعامر مکہ اپنے علاقے میں واپس گئے تو انہوں نے اپنے ایک بوڑھے کو پیغمبرؐ سے ہونے والی گفتگو سے متعلق واقعہ

سنایا جو بڑھاپے کی وجہ سے حج پر نہ جاسکا تھا۔انھوں نے کہا کہ ایک قریشی آدمی ہمارے پاس آیا جو خود کو نبی کہہ رہا تھا اس نے ہمیں اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ ہم اس کا ساتھ دیں اور اسے اپنے ملک لے آئیں یہ سن کر اس بوڑھے نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور کہا اے بنی عامر یہ شخص پھر مل سکتا ہے۔خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کسی اسماعیلی نے کبھی اس (نبوت) کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا یہ حق ہے تمہاری سوچ کو کیا ہو گیا ہے۔

حجاج یثرب سے ملاقات

پیغام اسلام کی دعوت باہر پہنچانے کیلئے موقع ومحل کی ضرورت تھی۔جب سرزمین مکہ میں دعوت اسلام پر پابندیاں عائد کی گئیں تو رسول اللہؐ ایام حج کے موقع پر عرفات ومنٰی میں حجاج کے خیموں کے پاس تشریف لے جاتے اور ان سے فرماتے خدا کے مہمانوں میں سے کوئی ہے جو میری بات سنے اور اپنی قوم تک اسے پہنچائے۔

۱۔ بیعت عقبیٰ اولیٰ

بعثت کے گیارہویں سال پیغمبرؐ یثرب سے آنے والے حجاج کے پاس گئے جو اپنے فریق کے خلاف جنگ لڑنے کیلئے مشرکین قریش سے معاونت لینے آئے تھے،پیغمبرؐ نے ان کی گفتگو کو سنا اور کہا 'تم جس مقصد کیلئے آئے ہو اُس سے بہتر حل میرے پاس موجود ہے میں خدا کی طرف سے نبی ہوں۔

اس گروہ میں شامل سب افراد نے پیغمبرؐ کی دعوت قبول کر لی۔ابن اسحاق کے مطابق رسولؐ کے حضور اسلام قبول کرنے والے چھ(۶) سعادت مند افراد کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ان کے نام گرامی یہ ہیں:

۱۔ ابوامامہ اسعدؓ بن زرارہ،ابونعیم کے مطابق اسعد بن زرارہ قبیلہ خزرج میں سب سے پہلے ایمان لانے والی شخصیت ہیں ان کا تعلق بنی نجار سے تھا۔

۲۔ عوفؓ بن حارث۔

۳۔ رافعؓ بن مالک بن العجلان،قبیلہ بن زریق بعض کے مطابق ان کے بھائی۔

۴۔ قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ،خاندان بنی سلمہ۔

۵۔ عقبہؓ بن عامر،بنی حرام۔

۶۔ جابرؓ بن عبداللہ بن رئاب،خاندان عبید۔

وطن پہنچ کر ان لوگوں نے نبی کریمؐ سے اپنی ملاقات کا ذکر قوم سے کیا اور انھیں اپنے اسلام قبول کرنے سے متعلق بھی آگاہ کیا۔بعد ازاں اپنی قوم کے افراد کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔اس کے نتیجے میں بعثت کے بارہویں سال عازمین حج کی تعداد چھ (۶) سے بڑھ کر بارہ (۱۲) ہو گئی۔اسلام قبول کرنے والوں میں جابرؓ بن عبداللہ بھی شامل تھے تاہم وہ حج کے موقع پر حاضر نہ ہو سکے جبکہ دیگر بارہ افراد کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔اسعدؓ بن زرارہ، یہ پہلے سال بھی حاضر ہوئے۔
۲۔عوفؓ بن حارث یہ پہلے سال حاضر ہوئے۔
۳۔معاذؓ بن حارث، آپ کا تعلق قبیلہ بنی خزرج سے تھا جبکہ خاندان بنی نجار تھا۔
۴۔رافعؓ بن مالک۔
۵۔ذکوانؓ بن عبدالقیس، قبیلہ بنی خزرج، خاندان بنی ذریخ۔
۶۔عبادہؓ بن صامت، قبیلہ بنی خزرج، خاندان بنی غنم۔
۷۔یزیدؓ بن ثعلبہ، قبیلہ بنی خزرج، خاندان بنی غنم۔
۸۔عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ، بنی خزرج، خاندان بنی سالم۔
۹۔عقبہؓ بن عامر، بنی خزرج، خاندان بن حرام۔
۱۰۔عتبہؓ بن عامر۔
قبیلہ بنی اوس سے تعلق رکھنے والوں کے نام:
۱۱۔ابوالہیثمؓ بن التیہان، آپ کے خاندان کا تعلق بنی عبدالعسل سے تھا۔
۱۲۔عویمؓ بن ساعدہ، خاندان عمرو بن اوس۔

ان بارہ (۱۲) افراد نے حج کے ایام میں عقبہ کے مقام پر پیغمبر اسلامؐ سے ملاقات کی جہاں انھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔اس بیعت کو بیعت نسطون کہتے ہیں۔

عقبہ کی اس بیعت کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت عبادہؓ بن صامت سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

> ''آؤ! مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان سے گھڑ کر کوئی بہتان نہ لاؤ گے اور کسی بھلی بات میں میری نافرمانی نہ کرو گے۔ جو شخص یہ ساری باتیں پورے کرے گا اس کا اجر اللہ پر ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھے گا پھر اسے دنیا ہی میں اس کی سزا دے دی جائے گی تو یہ اس کیلئے کفارہ ہوگی اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھے گا پھر اللہ اس پر پردہ ڈال دے گا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے چاہے گا تو سزا دے گا اور چاہے گا تو معاف کر دے گا''

حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس بات پر آپؐ کی بیعت کی۔

اسلام کا سفیر مدینہ کی طرف

جب بیعت کا کام مکمل اور حج کا موسم ختم ہوا تو پیغمبر اسلامؐ نے بیعت کرنے والوں کے ہمراہ اپنی بعثت کے بارہویں سال

ایک جوان سال مصعبؓ بن عمیر ابدری کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تا کہ انہیں دین وشریعت سکھائیں ۔مصعبؓ سابقین میں سے تھے ۔انہوں نے اسعدؓ بن زرارہ کے گھر قیام کیا۔آپ دونوں نے مل کر انتہائی کوشش اوردل جمی کے ساتھ مدینہ میں اسلام پھیلایا مصعبؓ دعوتی عمل کے ماہر تھے آپ مقری کے خطاب سے مشہور ہوئے یعنی پڑھانے والا ،اس وقت معلم اوراستاد کو مقری کہتے تھے مصعبؓ کو روشن وتابناک اور بڑی واضح کامیابیاں نصیب ہوئیں ۔ان کی کامیابیوں کے بارے میں ایک روایت نقل کی جاتی ہے کہ ایک دن اسعدؓ بن زرارہ انھیں ہمراہ لے کر بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر کے قبیلہ میں گئے وہاں ایک باغ کے اندر مرق نامی ایک کنویں پر بیٹھ گئے ۔ان کے پاس چند مسلمان بھی جمع ہوگئے اس وقت تک بنی عبدالاشہل کے دونوں سردار یعنی سعدؓ بن معاذ اور اسیدؓ بن حضیر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ شرک پر ہی تھے ۔انھیں جب یہ خبر ہوئی تو سعدؓ نے اسیدؓ سے کہا کہ ذرا جاؤ اوران دونوں کو جو ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بنانے آئے ہیں، ڈانٹو اور ہمارے محلے میں آنے سے منع کرو چونکہ اسعدؓ بن زرارہ میری خالہ کا لڑکا ہے (اس لئے تمہیں بھیج رہا ہوں)ورنہ یہ کام میں خود انجام دے دیتا۔

اسیدؓ نے اپنا حربہ اٹھایا اوران دونوں کے پاس پہنچے ۔اسعدؓ نے انھیں آتا دیکھ کر مصعبؓ بن عمیر سے کہا ''یہ اپنی قوم کا سردار آپ کے پاس آرہا ہے ۔اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے سچائی اختیار کیجئے گا'' مصعبؓ نے کہا اگر یہ بیٹھا تو اس سے بات کروں گا۔اسید پہنچے تو ان کے پاس کھڑے ہوگئے ۔انہیں سب وشتم کی اور کہا یہاں کیوں آئے ہو تم ہمارے کمزور لوگوں اور بچوں کو کیوں خراب کرتے ہو ۔اگر تم زندگی چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ مصعبؓ نے کہا آپ بیٹھیں ہماری بات تو سنیں ۔اگر آپ کو ہماری باتیں پسند ہوں تو قبول کریں وگرنہ دوسری صورت میں ہم ان باتوں سے پرہیز کریں گے جو تمہیں پسند نہیں ۔اسیدؓ نے کہا تم نے انصاف کی بات کی انہوں نے حربہ وہیں گاڑدیا اوران کے پاس بیٹھ گئے ۔مصعبؓ بن عمیر نے آیات قرآنی کی تلاوت کی اسید کہتا ہے میں نے مصعبؓ کے چہرے پر اسلام کے نور کو چمکتے دیکھا ۔اور مصعبؓ سے کہا آپ کی باتیں بہت اچھی ہیں اگر ہم بھی اسلام میں داخل ہونا چاہیں تو ہمیں کیا کرنا ہوگا ۔مصعبؓ نے کہا آپ غسل کریں اور لباس کو دھولیں حق کی شہادت دیں اور دو رکعت نماز پڑھیں ۔وہ اٹھے، غسل کیا ۔لباس دھویا اور دو رکعت نماز پڑھی ۔اسید نے کہا میرے ساتھ ایک اور آدمی بھی ہے اگر وہ بھی آپ کی پیروی کرتے ہوئے اسلام قبول کرے تو اس کی پوری قوم اسلام میں داخل ہوجائے گی ۔چنانچہ آپ سعدؓ بن معاذ کے پاس گئے پھر سعدؓ بن معاذ اپنی قوم کے پاس گئے جہاں انکی قوم اپنی مجلس میں بیٹھی ہوئی تھی ۔اپنی قوم سے کہا خدا کی قسم اسید تمہارے پاس سے جس چہرے کو لیکر نکلا تھا اسے بدل کر لایا ہے ۔جب اسید مجلس میں پہنچے تو سعد نے کہا کہ میں نے دونوں آدمیوں سے بات کی مجھے تو ان میں سے کوئی بھی برا نہیں لگا۔

مصعبؓ بن عمیر

آپ خاندانِ عبدالدار کے ایک صاحب ثروت گھرانے میں پیدا ہوئے ،والدین کی محبت وشفقت اور نعمات کی فراوانی میں پرورش پائی ،اچھے وخوبصورت اور قیمتی لباس ،لذیذ غذا سے پلے بڑھے ،جوانی کے دور میں حُسن وجمالِ ظاہر وباطن

دونوں حوالوں سے محافل ومجالسِ مکہ کی زینت بنے ہوئے تھے لیکن ہمیشہ جاہلیت کی ظلمتوں کو چیرنے جلانے کے علاوہ ایسے نظامِ عدل کے خواہشمند تھے جس میں ضعیفوں کو پناہ ملے، سرکش لوگوں کو مہار ولجام دی جاسکے تاکہ انسان فردی اور اجتماعی دونوں حالتوں میں سلامتی حاصل کرسکے۔

مصعبؓ بن عمیر نے جب پیغمبر اسلامؐ کا پیغام سنا تو فوراً آپؐ سے قرب حاصل کیا، ایک دن پیغمبر اسلامؐ نے مصعبؓ کو ایک مخفی اجتماع میں جو ارقم بن ابی ارقم کے گھر میں جاری تھا بلایا اسطرح مصعبؓ نے اپنی اسلامی زندگی کا آغاز دارارقم سے شروع کیا۔ یہ سب سے پہلے پیغمبرؐ کی عنایتوں اور توجہ کا مرکز بنے جبکہ اس وقت جاہلیت مکہ کی طرف سے پیغمبرؐ ہر قسم کی ایذا رسانی کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ دارارقم میں امت اسلامی کے عناصرِ اولی کو پیغمبرؐ درس دیتے گویا انکے اور خدا کے درمیان پیغمبرؐ حلقۂ وصل بنے ہوئے تھے، ایک عرصہ تک مصعبؓ نے اپنے ایمان کو اپنے والدین اور قوم سے چھپائے رکھا لیکن جب عثمان بن طلحہ کو پتہ چلا تو اس نے مصعبؓ کے والدین کو اس کی اطلاع دی۔ ان کے والدین نے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر گھر میں محبوس کردیا جیسا کہ طبقاتِ کبریٰ ابن سعد جلد ۳ میں نقل ہوا ہے مصعبؓ نے کچھ عرصہ قید میں گزارا اور جب رہائی پانے میں کامیاب ہوئے تو حبش کی طرف ہجرت کی۔

مکے میں پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے والوں کو مشرکین نے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں بعض کو قتل کیا انسان سوز مظالم اپنی انتہا کو پہنچے اور مکے کی کھلی فضاء مسلمانوں کیلئے تنگ ہوگئی، دعوتِ اسلام دب گئی ایسے حالات میں پیغمبر اسلامؐ نے ضروری سمجھا کہ مسلمانوں کو ظالمین ومشرکین کے ظلم سے دور رکھنے کیلئے کوئی تدبیر کی جائے پس پیغمبرؐ نے فرمایا زمین پر منتشر ہو جاؤ خدا تمہیں کسی دن جمع کرے گا آپ نے انہیں ہجرت کا حکم دیا تاکہ قریش کے ظلم سے نجات حاصل ہو اور عدل وانصاف کے ماحول کی فضا تلاش کریں اس سلسلے میں پیغمبرؐ نے ہجرت کیلئے سرزمینِ حبش کا انتخاب کیا اور فرمایا وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں کرتا وہ صدق وصفا والی سرزمین ہے امید ہے خدا تمہیں فرج عطا کرے۔ حبش کی طرف ہجرت کرنے والوں میں مصعبؓ بن عمیر بھی شامل تھے اس قافلے میں گیارہ مرد اور چار خواتین شامل تھیں اور بعض کے مطابق اس کے سالار جناب جعفرؓ بن ابی الطالب تھے۔

۲۔ بیعت عقبۂ دوّم

بعثت کے تیرہویں سال حج کے موقع پر یثرب سے حج کی ادائیگی کیلئے آنے والے ۷۰ سے کچھ زائد مسلمان مشرک حاجیوں کے ساتھ مکہ پہنچے جہاں ان کے اور پیغمبرؐ کے درمیان خفیہ رابطے پر اتفاق ہوا اور یہ طے پایا کہ وہ ایام تشریق کے دوران درہ میں پیغمبرؐ سے ملاقات کریں گے جو منٰی سے پہلے جمرے میں واقع ہے لیکن یہ اجتماع رات کی تاریکی میں ہوگا۔ اس سلسلہ میں انصار کی ایک سربرآوردہ شخصیت نے کہا کہ اس اجتماع سے اسلام اور بت پرستی میں حد فاصل کا آغاز ہوا جس کے بعد مسلمانوں کیلئے ایک علیحدہ اجتماع منعقد کرنے کا مقدمہ تیار ہوگیا کعب بن مالک انصاری کہتے ہیں کہ ہم حج کیلئے نکلے تو رسول خداؐ نے ایام تشریق کے دوران عقبہ میں ملاقات کا وعدہ فرمایا۔ ہم حسب وعدہ اس رات عمر بن حرم جو ہمارے بزرگوں میں سے تھے کے ہمراہ ابا جابر کو

ساتھ لئے ہوئے اپنے دیگر مشرک ساتھیوں سے چھپ کر نکلے بعدازاں ہم نے ابا جابر سے کہا کہ تم ہمارے رئیس و آقا ہو ہم تمہارے بارے میں اچھی توقعات رکھتے ہیں، ہمارا دل چاہتا ہے تم روز قیامت آگ کا ایندھن نہ بنو۔اس تمہید کے بعد ہم نے انہیں اسلام کی دعوت دی جسے انھوں نے قبول کیا بعدازاں ہم نے ان سے رسول اللہؐ کے ساتھ عقبہ میں ہونے والی ملاقات کا ذکر کیا۔وہ ہمارے ساتھ عقبہ آئے جب ایک تہائی رات گزری تو ہم رسول اللہؐ سے ملاقات کیلئے اس طرح نکلے جس طرح چڑیا گھونسلے سے سکڑ کر نکلتی ہے اس بار ہم عقبہ پہنچے تو ہماری کل تعداد پچھتر (۷۵) تھی تہتر (۷۳) مرد اور دو (۲) عورتیں۔

اس لمحے رسول اللہؐ اپنے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب کے ساتھ آئے ۔سب سے پہلے گفتگو کا آغاز حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے کیا اور کہا "قوم قریش کے قافلے میں تمہارے خلاف بہت لوگ ہیں ان سے ہماری بات کو چھپا کر رکھنا" یہ اجتماع عباسؓ کے گھر میں ہوا، دوسرے دن پیغمبرؐ نے انہیں وعدہ دیا جب رات کے وقت سب سو چکے ہوں تب ہم عقبہ میں ملیں گے اور اگر ان میں سے کوئی جن سے ہم اجتماع میں ملے تھے سورہا ہو تو اسے نہ جگایا جائے۔

دوسرے دن عباسؓ اور پیغمبرؐ اہل مدینہ سے ملنے گئے تو سب سے پہلے عباس نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا تم لوگوں نے محمدؐ کو اپنی طرف دعوت دی، یہ اپنے قبیلے میں عزیز و محترم ہیں ان کی قوم میں سے ایمان لانے والے اور دیگر انھیں صادق اور امین کہتے ہیں اسی وجہ سے وہ ان کا دفاع کریں گے لیکن محمدؐ کا اصرار ہے کہ تمہاری طرف جائیں، انکے تمہاری طرف آنے کے بعد تمام عرب مل کر ایک کمان سے تمھیں ماریں گے بہتر یہ ہے کہ تم دوسری مرتبہ جمع ہونے کی بجائے ابھی فیصلہ کرو، ایک اور بات میں تم سے کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مجھے بتاؤ کہ تم اپنے دشمن سے لڑو گے تمہارے پاس لڑنے کی طاقت ہے؟ تمہیں لڑنا آتا ہے؟ اس پر سب خاموش ہوگئے اس دوران عبداللہ بن عمرو بن حرام نے اٹھ کر کہا خدا کی قسم ہم اہل جنگ ہیں ہمیں جنگ کی ہی تربیت دی گئی ہے ہم نے اس پر تربیت لی ہے، جنگ کرنا ہم جانتے ہیں تلوار چلانا ہم جانتے ہیں، ہم نے جنگ اپنے آباؤ اجداد سے وراثت میں لی ہے، ہم اتنے تیر برسائیں گے کہ یا ہم مریں گے یا ہمارا دشمن۔عباس نے کہا تمہارے پاس کوئی پناہ گاہ ہے تو براء بن معرور نے کہا ہم نے آپ کی باتیں سن لیں اگر ہمارے دل میں کوئی اور بات ہوتی تو آپ سے کہہ دیتے ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ محمدؐ کے ساتھ صدق دل سے وفا کریں اپنا خون ان کے سامنے بہا دیں اس کے بعد عباسؓ نے پیغمبرؐ کا ہاتھ پکڑا اور اہل مدینہ نے مل کر آپ کی بیعت کی۔

شعبی کہتے ہیں جب پیغمبرؐ اور عباس عقبہ کے مقام پر اہل مدینہ سے ملے تو عباسؓ نے کہا تم نے جو بات کرنا ہے کرو لیکن لمبی بات نہ کرنا تمہارے پاس مشرکین کا جاسوس ہے اگر اسے پتہ چل گیا تو تمھیں شرمندہ کرے گا۔

کعبؓ رسول اللہؐ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ ہم ہر قسم کے وعدہ اور عہد کی وفا کیلئے تیار ہیں ان کے اس جملہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ پختہ عزم و ارادہ، شجاعت و جرات اور اخلاص کے ساتھ اس خطرناک مسئولیت کو اپنے دوش پر اٹھانے کیلئے آمادہ تھے جس کا انجام خطرات سے خالی نہیں تھا۔فریقین کی رضامندی سے یہ معاہدہ طے پایا۔

احمد بن حنبل نے جابر سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہؐ سے پوچھا گیا کہ ہم کس بات پر آپ کی بیعت کریں تو آپؐ نے فرمایا:

۱۔ آرام وسکون ہو یا سخت سے سخت حالات کا سامنا ہو ہم ہر حال میں بات سنیں گے اور بیعت پر ثابت قدم رہیں گے۔

۲۔ فقر وغنا دونوں صورتوں میں مال واخراجات فراہم کریں گے۔

۳۔ امر معروف اور نہی از منکر کریں گے۔

۴۔ خدا کیلئے قیام کرنے میں کسی قسم کی ملامت کا موقع نہیں دو گے۔ جس طرح تم اپنا دفاع کرتے ہو میرا بھی دفاع کرو گے تو خدا تمہیں اس کے صلے میں جنت دے گا۔ پھر رسول خداؐ نے قرآن کی تلاوت فرمائی اور دعا دی اور لوگوں کو اسلام کی طرف رغبت دلائی، ان میں سے ہر ایک نے آپؐ کے ہاتھوں میں ہاتھ دیا اور اقرار کیا کہ وہ ہر حال میں آپ کے ساتھ رہیں گے۔ اس موقع پر براءؓ بن معرور نے پیغمبرؐ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ جس نے آپ کو نبوت پر مبعوث کیا ہے اسی کو ہم گواہ بناتے ہیں ہم اسی طرح آپ کا دفاع کریں گے جس طرح اپنا دفاع کرتے ہیں۔ خدا کی قسم ہم اولادِ جنگ ہیں یہ چیز ہم نے اپنے بڑوں سے وراثت میں لی ہے جس وقت براء رسولؐ سے بات کر رہے تھے ابوالہیثم بن التیہان نے کہا کہ اے رسولؐ ہماری قوم کا یہود کے ساتھ معاہدہ ہے ہم اس کو بھی توڑیں گے لیکن جب آپ کو غلبہ ہوگا تو کیا آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف پلٹ جائیں گے۔ پیغمبرؐ نے تبسم کیا اور فرمایا نہیں خون کا بدلہ خون سے لیں گے۔ میں تم سے ہوں تم مجھ سے ہو۔ جس سے تم لڑو گے میں اس سے لڑوں گا، جس سے تمہاری صلح ہوگی، میں اس سے صلح کروں گا۔

بیعت عقبۂ دوّم کی اہمیت اور عظمت

شرائط بیعت طے ہونے کے بعد اس پر عمل کرنے کے لئے اعلان کی نوبت آئی تو پہلے سال یعنی بعثت کے گیارہویں اور بارہویں سال آنے والے گروہ نے ایک دوسرے پر اس بیعت کے تقاضوں کو واضح کیا۔ عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ نے کہا ہمیں علم ہے کہ ہم نے کس چیز کی بیعت کی ہے ؟ ہمیں اپنے عزیز و اقارب غرض تمام سرخ وسفید سے لڑنا پڑے گا کیا تم خود کو اسکا اہل پاتے ہو اگر تم جان ومال کی مصیبت میں گرفتار ہوئے اور ہمارے بزرگان قتل ہوئے تو پیغمبرؐ کو دشمن کے حوالے نہیں کرو گے۔ بصورت دیگر ذلالت اور رسوائی تمہارا مقدر ہوگی۔ اگر تم اس شخصیت کو اپنے جان مال سے عزیز رکھو گے تو دنیا و آخرت میں سعادت مند رہو گے، اس موقع پر سب نے مل کر پیغمبرؐ سے سوال کیا اگر ہم نے آپکو اپنے اعزا واشراف کے قتل پر ترجیح دی تو ہمیں کیا ملے گا رسول اللہؐ نے فرمایا تمہیں اس کے صلے میں جنت ملے گی۔ سب نے کہا پھر ہاتھ بڑھائیں، حضور اسلامؐ نے ہاتھ بڑھایا جس پر سب نے آپ کی بیعت کی۔ جابر سے ایک روایت ہے کہ جب ہم بیعت کیلئے اٹھے تو ایک ۷۰ یا ۸۰ سالہ شخص اسعد بن زرارۃ نے کہا کہ اے اہل مدینہ رسول اللہؐ کو یہاں سے دعوت پناہ دے کر لے جانا پورے عرب سے جنگ کے مترادف ہوگا۔ اگر آپ ان چیزوں کو برداشت کر سکتے ہو تو انہیں یہاں سے لے کر جاؤ خدا اس کا اجر تمہیں دے گا بصورت دیگر انہیں یہیں چھوڑ دو۔ بیعت کی شرائط پوری ہونے کے بعد آپ کے ہاتھ پر بیعت شروع ہوئی۔ جابر کا بیان ہے اسعد بن زرارہ لوگوں سے مخاطب

ہوئے اور کہا اپنا ہاتھ آگے کرو تا کہ یہ عہد کریں کہ ہم اس بیعت سے دست بردار نہیں ہونگے، اس موقع پر اسعدؓ نے سمجھ لیا کہ قوم اس راستے پر ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہے۔ بیعت کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد رسول اسلامؐ نے انہیں ۱۲ امیروں کے انتخاب کیلئے کہا جو اس بیعت پر عمل کرنے کیلئے مسؤلیت اور ذمہ داری لیں گے۔ چنانچہ خزرج سے نو(۹) اور اوس سے تین (۳) افراد کا انتخاب ہوا۔ خزرج سے منتخب ہونے والوں میں اسعدؓ بن زرارہ بن عدس، سعدؓ بن ربیع بن عمرو، عبداللہؓ بن رواحہ بن ثعلبہ، رافعؓ بن مالک بن عجلان، براءؓ بن معرور بن صخر، عبداللہؓ بن عمرو بن حرام، عبادہؓ بن صامت بن قیس، سعدؓ بن عبادہ بن دلیم اور منذرؓ بن عمرو بن خنیس۔ جبکہ اوس سے اسیدؓ بن حضیر بن سماک، سعدؓ بن خیثمہ بن حارث اور رفاعہؓ بن عبدالمنذر بن زبیر تھے۔

پیغمبرؐ نے فرمایا تم سب اپنی قوم کے سرپرست ہو جیسے حواریں عیسیٰؑ کی طرف سے اپنی قوم پر کفیل تھے۔ جب معاہدہ تمام ہو اور یہ افراد واپس جانے لگے تو انہیں ایک شیطان صفت آدمی نے دیکھا جو بلندی پر بیٹھا تھا اس نے بلند آواز میں کہا اے اہل اخاشب کیا تم محمدؐ کے دین پر آگئے ہو اور اب سب مل کر اکٹھے جنگ کرنے پر راضی ہوئے ہو۔ پیغمبرؐ نے جب یہ آواز سنی تو فرمایا تم سب لوگ اپنے خیموں میں فوراً واپس چلے جاؤ۔ جب اس معاہدے کی خبر قریش کو ملی تو وہ سیخ پا ہوئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس معاہدے کے اثرات ان کے خلاف بڑے تباہ کن ہونگے دوسرے دن صبح ہوتے ہی قریش کے رئیس کی سربراہی میں ایک وفد آیا اور احتجاج کرتے ہوئے کہا ہمیں خبر ملی ہے تم لوگ ہمارے آدمی کو اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتے ہو حالانکہ کوئی عرب قبیلہ ایسا نہیں جس سے جنگ کرنا ہمارے لئے اتنا زیادہ ناگوار ہو جتنا آپ حضرات سے ہے، دوسری طرف خزرج کے عام مشرکوں کو اس بیعت کا علم نہ تھا ان لوگوں نے قسم کھائی ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا یہ لوگ عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس گئے اور ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا یہ بات جھوٹ ہے کیونکہ میری قوم میرے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کرتی۔ اگر میں یثرب میں ہوتا تو تب بھی یہ مجھ سے پوچھے بغیر کوئی ایسا اقدام نہ کرتے۔

جن افراد نے رات کو بیعت کی تھی انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اس پر زعمائے قریش چپکے سے واپس آ گئے۔

بیعتِ عقبۂ دوم کی تکمیل کے موقع پر عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ نے کہا کہ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو نبی بنایا ہے ہم کل ہی آپ کی قیادت میں جنگ کرنے کیلئے تیار ہیں لیکن پیغمبر نے انھیں کسی قسم کی جنگ کیلئے آمادہ ہونے کا حکم نہیں دیا۔ آپؐ نے فرمایا مجھے ابھی اسکی اجازت نہیں دی گئی اسی دوران پیغمبرؐ پر سورۂ حج کی آیات ۳۹ تا ۴۱ اور سورہ بقرہ کی آیت ۱۹۳ نازل ہوئی۔ آپؐ کو مشرکین سے طاقت وقدرت کے ساتھ مقابلہ کرنے کی اجازت مل گئی ہے لیکن یہ طاقت وقدرت ہر لحاظ سے مکے میں میسر نہیں تھی کیونکہ:

۱۔ ایک تو آپؐ پر ایمان لانے والے حبش میں یا مدینہ میں تھے۔

۲۔ دوسری طرف سے جنگ کیلئے محاذ و مورچہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے جو مکہ میں آپؐ کے لئے میسر نہیں تھی۔

۳۔ جنگ ہمیشہ اسلحہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے اور بھی لوازمات ہوتے ہیں جن کا پورا کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔

۴۔ چوتھے مرحلے پر جنگ کیلئے آمادگی اور تیاری کیلئے وقت درکار ہوتا ہے۔

ان تمام مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے آپؐ نے مکے میں موجود آپؐ پر ایمان لانے والوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا اور فرمایا خدا نے آپکو ایسے بھائی اور گھر عنایت کیے ہیں جہاں آپ امن سے زندگی گزار سکتے ہیں۔ اس حکم کے بعد آپؐ کی ہدایت پر مسلمانوں نے فردی اور اجتماعی صورت میں رات کی تاریکی میں دشمن کی نظروں سے چھپتے ہوئے مکے سے نکلنا شروع کر دیا تا کہ اہلِ مکہ کے عتاب اور گرفتاری سے محفوظ رہیں۔

اس طرح مکے سے پیغمبرؐ پر ایمان لانے والے بہت سے افراد مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جہاں انصار نے انکا کھلے دل سے استقبال کیا۔ انکی داخلی اور خارجی دونوں قسم کی پریشانیوں کا مداوا کیا۔ بعض افراد کو اہل مکہ واپس لا کر مکے میں قید کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس طرح مکہ میں ایمان لانے والے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ یہ منظر دیکھ کر قریش پریشان ہوئے اور سوچنے لگے محمدؐ کیلئے مکہ سے باہر ایک مرکز طاقت وقدرت وجود میں آ گیا ہے اور آنے والے وقت میں وہ اہل مکہ کیلئے بڑا خطرہ بن سکتے ہیں لہٰذا اس پر غور وفکر کرنے کیلئے قریش نے دارالندوۃ میں ایک بڑا اجتماع بلایا۔

بیعت عقبہ اولیٰ میں شرکت کرنے والے

مدینہ سے حج کے موقع پر پیغمبر اسلامؐ کے سامنے اسلام قبول کرنے والوں میں دو (٢) خواتین سمیت تہتر (٧٣) افراد شامل تھے، قبیلہ اوس بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر کے گیارہ (١١) افراد بھی تھے جن کے نام یہ ہیں:

١۔ اسیدؓ بن حضیر: یہ بدر میں نہیں تھے۔

٢۔ ابوالہیثمؓ بن تیہان: یہ قبیلہ بنی عبدالاشہل بن جشم سے تعلق تھا۔ انہوں نے بیعت عقبیٰ اولیٰ اور جنگ بدر میں شرکت کی۔

٣۔ سلمہؓ بن سلامہ: یہ بیعت عقبیٰ اولیٰ اور بدر میں شریک ہوئے۔

۴۔ ظہیرؓ بن رافع۔

۵۔ نہیرؓ بن ہیثم۔

٦۔ ابو بردؓہانی بن نیار قضاعی: (بنی حارثہ) یہ اصحاب بدر میں سے تھے۔

٧۔ سعدؓ بن خیثمہ بن حارث: رئیس قبیلہ تھے یہ بدر میں شہید ہوئے۔

٨۔ رفاعہؓ بن عبدالمنذر: انہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی اور احد میں شہید ہو گئے۔

٩۔ عبداللہؓ بن جبیر: یہ اصحاب بدر واحد اور خندق میں سے ہیں۔ دیگر غزوات میں بھی شریک ہوئے اور جنگ یمامہ میں شہادت پائی

١٠۔ معنؓ بن عدی بلوی: حلیف بنی عمرو بن عوف۔ انہوں نے بیعت عقبیٰ اولیٰ، بدر، احد اور خندق میں شرکت کی۔

١١۔ عویمؓ بن ساعدہ: قبیلہ خزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر۔ بیعت عقبیٰ اولیٰ، بدر واحد اور خندق میں شرکت کی۔

قبیلہ خزرج سے ٦٢ مرد تھے اور ٢ عورتیں شامل تھیں۔

۱۔ابوایوبؓ خالدبن زید: آپ کا تعلق بنی النجار سے تھا۔تیم اللہ بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج ۔انہوں نے جنگ بدر،احداور دیگر جنگوں میں شرکت کی اور روم میں وفات پائی۔

۲۔معاذؓ بن حارث: آپ کا تعلق بنی النجار سے تھا اور اصحاب بدر اور احد میں سے ہیں آپ نے دیگر جنگوں میں بھی شرکت کی۔

۳۔عوفؓ بن حارث: بنی النجار سے تعلق تھا اصحاب بیعت عقبیٰ اولیٰ میں سے تھے۔آپ نے جنگ بدر میں شہادت پائی

۴۔معوذؓ بن حارث: آپ بنی النجار سے تھے۔بدر میں شہید ہوئے۔

۵۔عمارہؓ بن حزم: بنی النجار سے تعلق تھے۔اصحاب بدر اور احد وخندق میں سے تھے دیگر غزوات میں بھی شرکت کی۔جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

۶۔ابوامامہؓ: اسعد بن زرارہ۔آپ کا بھی بنی النجار سے تعلق تھا بیعت عقبیٰ اولیٰ اور جنگ بدر میں شامل تھے۔مسجد نبویؐ کی تعمیر کے موقعہ پر وفات پائی۔

۷۔سہلؓ بن عتیک: بنی النجار سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۸۔اوسؓ بن ثابت: بنی النجار سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۹۔ابوطلحہؓ: زید بن سہل: بنی النجار سے تعلق تھا اور بنی حدیلہ سے ہیں۔اصحاب بدر میں سے تھے۔

۱۰۔قیسؓ بن ابی صعصعہ: بنی النجار سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۱۱۔عمروؓ بن غزیہ: بنی النجار سے تعلق تھا۔

۱۲۔سعدؓ بن ربیع: بنی خزرج سے تعلق تھا۔اصحاب بدر میں سے ہیں اور احد میں شہید ہوئے۔

۱۳۔خارجہؓ بن زید: بنی خزرج سے تعلق تھا۔اصحاب بدر میں سے تھے اور جنگ احد میں شہید ہوئے۔

۱۴۔عبداللہؓ رواحہ: بنی خزرج سے تعلق تھے اور رئیس قبیلہ تھے جنگ بدر،احد اور خندق میں شریک ہوئے اور آپ نے دیگر جنگوں میں بھی شرکت کی اور جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔

۱۵۔بشیرؓ بن سعد: بنی خزرج اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۱۶۔عبداللہؓ بن زید مناۃ: بلحارث بن خزرج سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۱۷۔خلادؓ بن سوید: بلحارث بن خزرج سے تعلق تھا۔جنگ بدر،احد اور خندق میں شرکت کی اور غزوہ بنی قریظہ میں شہید ہوئے۔

۱۸۔عقبہؓ بن عمرو: آپ بھی بلحارث بن خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔آپ اصحاب عقبہ میں سب سے جوان مرد تھے۔

۱۹۔زیادؓ بن لبید: بنی بیاضہ بن عامر بن زریق سے تعلق رکھتے تھے۔اصحاب بدر اور سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں سے تھے۔

۲۰۔فروہؓ بن عمرو: بنی بیاضہ بن عامر بن زریق سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۲۱۔خالدؓ بن قیس: بنی بیاضہ بن عامر بن زریق سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۲۲۔رافع ؓبن مالک: آپ بنی زریق بن عامر بن زریق سے تعلق تھا اور اصحاب عقبٰی اولیٰ ونقباء میں سے تھے۔

۲۳۔ذکوان ؓبن عبد قیس: بنی زریق بن عامر بن زریق سے تعلق تھا۔سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں اور اصحاب عقبٰی اولیٰ میں سے تھے۔جنگ بدر میں شہید ہوئے۔

۲۴۔عبادہ ؓبن قیس: بنی زریق بن عامر بن زریق سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۲۵۔حارث ؓبن قیس: بنی زریق بن عامر بن زریق سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۲۶۔براء ؓبن معرور: بنی سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن ساردۃ بن تزید بن جشم بن خزرج سے تعلق تھا،بنی عبید بن عدی بن غنم بن کعب سے تھے آپ نے ہجرت کے بعد مدینہ میں وفات پائی۔

۲۷۔بشر ؓبن براء: بنی سلمہ سے تعلق تھا۔اصحاب بدر و اُحد اور خندق میں سے تھے۔جنگ خیبر میں شہید ہوئے۔

۲۸۔سنان ؓبن صیفی: بنی سلمہ سے تعلق تھا اصحاب بدر میں سے تھے اور جنگ خندق میں شہید ہوئے۔

۲۹۔طفیل ؓبن نعمان: بنی سلمہ سے تعلق تھا اصحاب بدر میں سے تھے اور جنگ خندق میں شہید ہوئے۔

۳۰۔معقل ؓبن منذر: بنی سلمہ سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۳۱۔یزید ؓبن منذر: بنی سلمہ سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۳۲۔مسعود ؓبن یزید بن سبیع: بنی سلمہ سے تھے۔

۳۳۔ضحاک ؓبن حارث: بنی سلمہ سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۳۴۔یزید ؓبن خذام: بنی سلمہ سے تھے۔

۳۵۔جبار ؓبن صخر: بنی سلمہ سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۳۶۔طفیل ؓبن مالک: بنی سلمہ سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۳۷۔کعب ؓبن مالک: بنی سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ اور بنی کعب بن سواد سے تعلق رکھتے تھے۔

۳۸۔سلیم ؓبن عمرو: بنی غنم بن سواد بن غنم سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۳۹۔قطبہ ؓبن عامر حدیدہ: بنی غنم سواد بن غنم سے انکا تعلق تھا اور اصحاب بدر و اصحاب بیعت عقبٰی اولیٰ میں سے تھے۔

۴۰۔یزید ؓبن عامر بن حدیدہ: بنی غنم بن سواد بن غنم سے انکا تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۴۱۔ابوالیسر ؓ کعب بن عمرو: بنی غنم بن سواد بن غنم سے انکا تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے

۴۲۔صیفی ؓبن سواد: بنی غنم بن سواد بن غنم سے تعلق تھے۔

۴۳۔ثعلبہ ؓبن غنمہ بن عدی بن نابی: بنی نابی بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ سے تعلق تھا۔اصحاب بدر میں سے ہیں اور جنگ خندق میں شہید ہوئے۔

۴۴۔**عمروؓ بن غنمہ:** بنی نابی بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ سے تعلق تھا۔

۴۵۔**عبسؓ بن عامر بن عدی:** بنی نابی بن عمرو بن سوا بن غنم بن کعب بن سلمہ سے تعلق تھا اصحاب بدر میں سے تھے۔

۴۶۔**خالدؓ بن عمرو بن عدی:** بنی نابی بن عمرو بن سوا بن غنم بن کعب بن سلمہ سے تعلق رکھتے تھے۔

۴۷۔**عبداللہؓ بن انیس قضاعی۔**

۴۸۔**عبداللہؓ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ بن حرام:** اصحاب بدر میں سے تھے اور احد میں شہید ہوئے۔

۴۹۔**جابرؓ بن عبداللہ:** بنی حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ سے تعلق تھا اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

۵۰۔**معاذؓ بن عمرو بن جموح بن زید بن حرام:** بنی حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ سے تعلق تھا اصحاب بدر میں سے تھے۔

۵۱۔**ثابتؓ بن جذع:** ثعلبہ بن زید بن حارث بن حرام۔ بنی حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ سے تعلق تھا۔ اصحاب بدر میں سے تھے اور طائف میں شہید ہوئے۔

۵۲۔**عمیرؓ بن حارث بن ثعلبہ:** بنی حرام بنی کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ سے تعلق تھا۔ اصحاب بدر میں سے تھے۔

۵۳۔**معاذؓ بن جبل:** بنی حرام بنی کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ سے تعلق تھا۔ اصحاب بدر میں سے تھے، دیگر جنگوں میں بھی شریک ہوئے تھے۔

۵۴۔**خدیجؓ بن سلامہ بلوی:** بنی حرام بن کعب سے تعلق تھے۔

۵۵۔**عبادہؓ بن صامت:** بنی عوف بن خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ اصحاب عقبیٰ اولی اور بدر میں سے تھے۔

۵۶۔**عباسؓ بن عبادہ:** بنی عوف بن خزرج سے تعلق تھا۔ آپ اصحاب عقبیٰ اولی میں سے تھے اور احد میں شہید ہوئے۔

۵۷۔**عمروؓ بن حارث:** بنی عوف بن خزرج سے تعلق تھا۔

۵۸۔**ابوعبدالرحمانؓ:** یزید بن ثعلبہ بلوی۔ بن غصینہ سے تھے۔

۵۹۔**رفاعہؓ بن عمرو:** تعلق بنی سالم بن غنم بن عوف سے تھا۔ اصحاب بدر میں سے تھے۔

۶۰۔**عقبہؓ بن وھب غطفانی:** قبیلہ قیس بن عیلان سے تعلق تھا۔

۶۱۔**سعدؓ بن عبادہ:** بنی ساعدۃ بن کعب بن خزرج سے تعلق تھا۔ اصحاب عقبیٰ اولی میں سے تھے۔

۶۲۔**منذرؓ بن عمرو:** بنی ساعدۃ بن کعب بن خزرج سے تعلق تھا اصحاب بدر و احد میں سے تھے۔

خواتین

۱۔**ام عمارہ نسیبہ بنت کعب:** قبیلہ بنو مازن بن نجار سے تعلق تھا۔

۲۔**ام منیع اسماء بنت عمرو:** قبیلہ بنوسلمہ سے تعلق تھا۔

شناخت نبوت کے نشانات

اَوَلَمۡ یَکۡفِهِمۡ اَنَّآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ
یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَةً وَّ
ذِکۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ

کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو
ان پر تلاوت کی جا رہی ہے اس میں رحمت ہے اور تذکرہ
ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان دار ہیں۔

(سورہ مبارکہ عنکبوت آیت ۵۱)

شناخت نبوت کے نشانات

رسول ورسالت کی شناخت

انسانِ اشرف مخلوقات اور صاحبِ تاجِ کرامت کیلئے سزاوار نہیں کہ وہ حیوان کی مانند جہاں بھی قیل و قال کی آواز بلند ہوجائے اس کی طرف توجہ کرے۔ یہ بھی مناسب نہیں کہ ہر قسم کے داعی کی صدا کو سننے سے گریز کرے کیونکہ ایسا کرنے سے انسان بہت سی خیر اور سعادتوں سے محروم ہوسکتا ہے۔ خدا کی طرف بلانے کیلئے تشریف لانے والے انبیائے کرامؑ کی پیروی کرنے میں ہی ہماری ہدایت و رہنمائی اور ثواب الٰہی کے استحقاق کا دارو مدار ہے۔ اس دعوت سے تجاہل، چشم پوشی اور روگردانی ضلالت و گمراہی پر باقی رہنے اور بعد میں عذاب دنیا و آخرت کے مستحق ہونے کا سبب بنتی ہے لہٰذا انسان کے پاس ایسے معیارات اور کسوٹی ہونی چاہئے جس کے تحت انبیائے برحق اور جھوٹے دعویداروں میں تمیز کی جاسکے۔ اس سلسلے میں علمائے عقائد نے انبیائے برحق کی شناخت کیلئے پانچ معیارات کا ذکر کیا ہے:

۱۔ صدق و صداقت: ابتدائی عمر سے لے کر اپنی دعوت کے آغاز تک چھوٹی اور معمولی چیزوں سے لے کر بڑے بڑے مسائل میں صدق و صداقت نبی کی پہچان ہے۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے بھی اعلانِ نبوت کے ابتدائی موقع پر لوگوں سے اقرار لیتے ہوئے فرمایا کیا تم نے کبھی میرے قول و فعل میں کوئی جھوٹ دیکھا ہے۔ یہ علامت و نشانی ان لوگوں کیلئے مفید و موثر تھی جنہوں نے ابتداء ہی سے آپؐ کی زندگی کے لمحات کو درک کیا تھا ایسے افراد کیلئے آپؐ کی دعوت کو مسترد کرنے کا کوئی عقلی جواز نہیں بنتا تھا۔

۲۔ مستقبل کی پیش گوئیاں: عالم و جاہل دونوں اپنے گردو نواح، زمانہ اور گذشتہ زمانے سے متعلق خبریں کسی نہ کسی وسیلہ اور ذریعہ سے پیش کرسکتے ہیں لیکن آنے والے واقعات کے بارے میں قطعی طور پر خبر کا کوئی ذریعہ کسی انسان کیلئے میسر نہیں ہے۔

۳۔ بشارت: انبیاءؑ کی شناخت کا ایک موثر ذریعہ گذشتہ انبیاءؑ کی طرف سے بشارتیں اور خوشخبریاں تھیں تمام انبیاءؑ کی نبوت کی برگشت خداوند متعال کی طرف ہے۔ انبیاؑ طولی و ارضی حوالے سے ایک دوسرے کے ساتھ دعوت الی اللہ میں یکساں تھے لہٰذا حسبِ فرمانِ امیر المومنینؑ:

"بعد میں آنے والا گذشتہ کی خبر دیتا ہے جس طرح گذشتگان اپنے بعد میں آنے والوں کے بارے میں پیشگوئی اور خوشخبری دیتے ہیں۔"

اس کی نوعیت مختلف ہے کبھی حالات اور واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو کبھی نام بیان کردیتے ہیں مثلاً گذشتہ انبیاءؑ نے ہمارے نبی کریمؐ کے بارے میں بشارت دی۔ پیغمبر اسلامؐ نے ایامِ حج میں مکہ کے باہر سے آنے والوں کو دعوت دیتے ہوئے

ایک گروہ سے پوچھا آپ لوگ کہاں سے آئے ہو۔انہوں نے کہا ہم قبیلہ خزرج سے ہیں تو پیغمبرؐ نے ان سے دوبارہ پوچھا کہ کیا آپ لوگ یہود کے حلیف ہیں تو انہوں نے کہاہاں پھر پیغمبرؐ نے فرمایا کہ کیا آپ لوگ ہماری کچھ باتیں سننے کیلئے آمادہ ہو قرآن کریم کی کثیر آیات میں آیا ہے گذشتہ ادیان کے تابع لوگ ہمارے نبی کو اسی طریقے سے پہچانتے ہیں جسطرح اپنے فرزندوں کو پہچانتے ہیں ۔اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ کریں:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کا پہچانتے ہیں'' (بقرہ ۱۴۶) ﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ ''جنھیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو ایسے پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں'' (انعام ۲۰) ﴿یَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِیْمٰىهُمْ﴾ ''ہر ایک کوان کے شکلوں سے پہچان لیں گے'' (اعراف ۴۶)

۴۔ اعلیٰ وارفع دستورحیات: ایک پسماندہ انسان سے لے کر ترقی یافتہ معاشروں میں رائج عادات و رسومات ایک زمانہ یا خاص علاقے کیلئے مستحسن نظر آتی ہیں تاہم انبیاؑ اعلیٰ وارفع دستور حیات کے حامل ہوتے تھے۔

۵۔خوارق عادات

لاھیجی کہتے ہیں کہ خوارق عادات تین قسم کے ہیں:

الف ۔افراد اور اس پر عمل کرنے والوں کے حوالے سے،انبیاءؑ میں خوارق عادات دعوائے نبوت کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں اس بنا پر انہیں معجزات کہا جاتا ہے۔

ب ۔صلحاء و اولیاء اور مومنین میں یہ بغیر دعویٰ کے سرزد ہوتے ہیں اس لئے انہیں کرامت کہا جاتا ہے۔

ج ۔اگر انہیں غریب اور غیر معروف طریقے سے انجام دیا جائے تو اسے کہانت کہا جاتا ہے۔

اہداف خوارق عادات ومعجزات

ہر باشعور اور عقل و دانش کا حامل انسان کوئی ایسا فعل انجام نہیں دیتا جسکی کوئی غرض و غایت اور اہداف و مقاصد نہ ہوں بلکہ علماء و دانشمندان کا کہنا ہے کہ انسان کے اعمال و افعال کی قدر و قیمت اس کے اہداف و مقاصد کی بلندی کے اندازے سے کی جاتی ہے لہٰذا انبیاءؑ اور رہبران دینی و اولیاء اللہ کے خوارق عادات کے اہداف و مقاصد کو سرسری و سادہ اور معمولی گردانناان کے مقام و منزلت کی اہانت ہے۔آیئے دیکھتے ہیں خوارق عادات ومعجزات کے انجام دینے والوں کیلئے کیا اہداف و مقاصد اور تصورات ہو سکتے ہیں:

۱۔اثبات مقام ومنصب: جو شخص خداوند متعال کی طرف سے نبوت و رسالت کیلئے مبعوث ہوا ہے عام انسانوں کے سامنے یہ دعویٰ ثابت کرنے کیلئے کہ میں واقعاً خداوند متعال کی طرف سے تمہارے لئے پیغام لایا ہوں خارق عادت دلیل پیش کرنا پڑے گی ۔خوارق عادت خدا کے علاوہ کوئی انجام نہیں دے سکتا، نبی خدا کے اذن سے ایک کام کو انجام دے کر

فرماتے تھے کہ دیکھواگر میں خدا کی طرف سے منتخب نہیں ہوں تو کوئی بھی شخص یہ عمل کر کے دکھائے لہٰذا خرق عادت ان بنیادی واساسی اہداف ومقاصد میں سے ہے کہ جس سے ثابت کیا جاسکے کہ یہ انبیاءؑ کی حقانیت کی دلیل ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی طرف سے انسانیت کی طرف ہدایت ورہبری کیلئے مبعوث ہوئے ہیں۔

۲۔عظمت وبزرگی انبیاءؑ: انبیاءؑ نشانی دکھاتے تھے کہ ہم خدا کے مقرب ومنتخب بندے ہیں ایسا نہیں تھا کہ وہ کہیں خداوند کائنات نے کائنات کا قفل کھولنے کی کلید ہمیں دے دی ہے، ہم جب چاہیں کائنات کو تہہ وبالا اور زیروزبر کردیں ایسا بھی نہیں تھا وہ اپنی ذاتی بزرگی وکبریائی کا نشان ثابت کرنے کیلئے ایسا عمل کریں یا جہاں بھی کوئی ایسا فعل کرنے کا تقاضا کرے وہ انجام دینے پر مجبور ہوں اور یہ فعل صرف عوام الناس کے دل بخواہ، انہیں خاموش کرانے، انہیں ٹھنڈا کرنے، اپنے عمل کی برتری ثابت کرنے کیلئے ہو اور اثباتِ رسالت وحقانیت دین کا اس میں کوئی دخل نہ ہو۔

۳۔انجام وعبرت کو ثابت کرنے کیلئے: معجزہ کفر وطغیان میں ڈوبے مغرور انسان کو بے بس کر کے دنیا کے سامنے کفر وطغیان کے انجام وعبرت کو ثابت کرنے کیلئے ہوتا ہے تا کہ یہ بتایا جاسکے کہ کفر وشرک جتنا طغیان وسرکشی کرے وہ ارادہ ومشیت اور قدرتِ خدائی سے ٹکر نہیں لے سکتا ہے۔خدا کسی نہ کسی دن ایسے لوگوں کو درسِ عبرت دے گا اور ثابت کرے گا کہ باطل کی عمر کوتاہ ہے، جس مدعا کو انبیاءؑ نے پیش کیا ہے اس کے ماوراء کائنات میں ایک قدرت مطلقہ موجود ہے۔وہ کسی بھی وقت پس محسوسات سے اپنا فیصلہ کرتا رہتا ہے چنانچہ ہودؑ، لوطؑ، صالحؑ اور عادؑ کی قومیں اسی طرح فرعون اور لشکر ابرہہ کے ساتھ خداوند متعال نے اپنی قدرت نمائی کی۔

۴۔مومنین کی تسلی واطمینان کی خاطر: جہاں مومنین دل وجان سے ایمان باخدا پر قائم ہوں اور سربلندی دین ان کے اولین اہداف وارمان میں شامل ہو، کفر وشرک کا طغیان وزرغا اور روبد وبا انہیں چیلنج کرتا ہو، وہ اپنے ضعف وناتوانی اور بے بسی میں سرحدِ یاس وناامیدی تک پہنچے ہوں، کوئی طاقت وقدرت انہیں بچانے نجات دلانے کیلئے آئے اس آس سے بھی مایوس ہو کر صرف اپنے دین وایمان کے بل بوتے پر دل خدا سے باندھے ہوں وہاں خداوند متعال قانونِ تکوینیات کو کنارے پر لگا کر اسکے حساب وکتاب کے تعاون وتوازن کو مفلوج ونا کارہ بناتا ہے اور دستِ غیبی سے ایک نئے تغیر وتبدل کے قانون کو منظر عام پر لاتا ہے تا کہ اس طرح وہ متقدر لوگوں کو بتائے کہ وہ طاقت وقدرت کا حقیقی مالک اور ان ضعیف وناتوان اور بے بسوں کا حامی وناصر ہے چنانچہ جنگ بدر میں خداوند متعال نے اس قسم کے خرق عادت کی نمائش کی۔

۵۔سماعت وبصیرت کی تلاش: عصر کوہن سے دورِ جدید تک کچھ بے بس وبیچارے صاحب نیرنگ، حیلہ باز چشم وسماعت بندی کے مختلف طور وطریقے سیکھ کر ضعیف العقول اور قوت فیصلہ کا فقدان رکھنے والے مصیبت میں مبتلا انسانوں کے سامنے خود صاحب قدرت ہونے کا دعویٰ اور تغیر وتبدل کرنے کی استطاعت رکھنے کا اعلان کرتے آئے ہیں۔جیسا کہ قدیم زمانے میں سحر وجادو کا دور تھا آج اسے دوسری شکل وصورت میں دنیائے کفر واستعمار نے اپنایا ہوا ہے۔یہ صرف

دکھاوے کی حد تک ہے اور حقیقت سے عاری ہے لیکن مفاد پرست اور منحرف و گمراہ انسان اس عمل کو معجزہ و کرامات کے نام سے یاد کرتے ہیں تا کہ ضعیف العقول مومنین انکے جال و دام میں پھنس جائیں چنانچہ ایک صدی سے مسلمانوں میں گمنام قبور یا سیاہ جھنڈوں سے خوارقِ عادات و معجزات کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ ان اقسام و انواع کے خوارق عادات و معجزات کو سامنے رکھنے کے بعد ان کی تقسیم بندی کرنی ہوگی اسی طرح نبی کریمؐ کے بارے میں لکھی گئی کثیر الصفحات، ضخیم الحجم اور راعداد و شمار سے باہر خوارق عادات کی ایک عادلانہ و منصفانہ دلیل و برہان سے تقسیم بندی کرنا ہوگی تا کہ ہر ایک قسم کے معجزات میں سے آپؐ کے حصے میں کتنے معجزات آتے ہیں۔

خوارقِ عادات و معجزات، الہامات، معجزات دعواتِ مستجابات کی اسناد

تاریخ ادیان میں انبیاءؑ و رہبرانِ دینی اور اولیاء کی سیرتِ قولی و فعلی کے بارے میں گفتگو کو اصول اور محققانہ انداز میں پیش کرنے کی بجائے ان کی حیات کو خوارق عادات، الہامات، معجزات و کرامات اور دعوات مستجابات سے پُر کیا گیا ہے گویا اہل ادیان کیلئے انبیاءؑ و اولیاء میں یہی چیزیں قابل قبول و مورد پسند ہیں اور ان کی تعلیمات و ارشادات اور ہدایت و رہبری کی باتیں عام بشر کیلئے قابل قبول نہیں ہیں تاثر یہی ہے یہ امور انہی ذوات کیلئے مخصوص تھے۔ انبیاءؑ کی طرف اس حد تک غلو اور افراطی رویہ کے نتیجے میں ایک گروہ نے دنیا میں ہر چیز کے تغیر و تبدل کو اصول علت و معلول اور اسباب و مسببات میں محدود کیا ہے، اسی طرح ہر قسم کے ماورائے مادہ سے مداخلت یا خالقِ کائنات کیلئے خالقیت کے مظاہرے کو خارج از عقل قرار دیا ہے۔ ایسے انسان جب دنیا میں زندگی گزارنے اور آمادۂ موت ہونے کیلئے زمینی پیش کردہ اصول و قوانین کی ناکامی کو دیکھتے ہیں تو وہ ان اصول و قوانین کو خالق کائنات کی طرف سے ہدایت و رہبری کا محتاج و نیازمند سمجھتے ہیں وہ ایسی چیزوں میں اس مسئلے کے حل کے متلاشی ہیں۔ ہم متلاشیانِ حق کیلئے ضروری سمجھتے ہیں کہ ایک دفعہ کم سے کم اس مسئلہ پر ایک تفصیلی تجزیہ و تحلیل پیش کریں، ہم اس سلسلے میں معجزات و کرامات اور ان کے ہم معنی و مفہوم دیگر مترادفات کی ایک تقسیم بندی پیش کرتے ہیں:

۱۔ آیات (معجزات) محسوس و ملموس ہیں چنانچہ ہر صاحب ذی حواس کو انھیں ادراک اور محسوس کرنے کیلئے حواس خمسہ کی ضرورت ہے نہ کہ دین و ایمان کی کیونکہ یہ تخلیق تغیر و تبدل ایک نظام تکوین ہے اور قانونِ کونی کے خلاف ہے۔

۲۔ یہ معجزات فکری و معنوی اور عقلی ہیں جو صرف صاحبان عقل و فکر ہی درک کر سکتے ہیں چاہے وہ دیندار ہوں یا غیر دیندار جبکہ ان پڑھ جاہل و نادان اس میں کسی قسم کی خارق عادت نہیں دیکھتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں موجود معجزے صرف عقلاء و دانشمندان ہی درک کر سکتے ہیں۔

۳۔ کتب ادیان تورات، زبور، انجیل، تاریخ اسلام سب میں مختلف معجزات و کرامات نقل ہیں۔ نقل یعنی متواتر و متضافر ہیں ان کا انکار اصطلاح علماء کے تحت مکابرہ و معاندہ سمجھا جاتا ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کے عصا، ید بیضا، شگاف دریا، من و سلویٰ، قحط سالی، پتھر سے انفجار معجزات تھے یا حضرت عیسیٰؑ کا مردے کو زندہ کرنا، اندھوں کو بینائی دینا، گھروں میں جمع

شدہ چیزوں کی خبر دینا اسی طرح پیغمبر اسلامؐ کا مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرنا، داؤدؑ کا ہاتھ کے ذریعے لوہے کو ڈھال کر چیزیں بنانا، حضرت سلیمانؑ کا ہوا میں پرواز کرنا، حضرت ابراہیمؑ کا پرندوں کو زندہ کرنا وغیرہ یہ از راہِ نقل نا قابل تردید سند سے ثابت ہیں، ان کو رد کرنے کی صورت میں زندگی کی کسی بھی خبر پر اعتماد و بھروسہ یا قبول کرنے کی کوئی سند باقی نہیں رہ جاتی ہے۔

نقولات اسناد

ایسے خوارق عادات معجزات و کرامات جن کی خبریں کتب محرف تورات و انجیل یا کتب اساطیر میں ملتی ہیں اور ان کی سند ایک روای پر منتہی ہوتی ہے ان پر اعتماد و بھروسہ کرنے کی کوئی منطق و ترجیح اہل عقل و دین کی طرف سے قائم نہیں ہوئی ہے۔ ان معجزات کو اٹھانے والے معجزات فروشوں کے پاس سوائے شور و شراب، غو غا اور تہمت و افتراء انکار خدا یا انکار مقام نبوت انبیاءؑ کا ڈھنڈورا پیٹنے کے علاوہ کوئی دستاویز نہیں۔

اسنادِ عقلی

کسی بھی معجزہ و کرامت کو جب عقل کے سانچے سے گزارا جائے گا تو اس کی تین اقسام میں سے ایک قسم پر مہر صداقت لگے گی:

۱۔ خلاف عقل: اسے خلاف عقل ہونے پر مسترد محال گردانا جائے گا چنانچہ بہت سے معجزات جو معجزہ فروشوں نے اٹھائے ہیں وہ اسی نوعیت کے ہیں۔

۲۔ جائز الوقوع: ایسے خوارق عادات معجزات و کرامات کا صدور جنہیں عقل مسترد نہیں کرتی ہے جائز گردانے جائیں گے کیونکہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے اس کے ماورا ایک قادر مطلق ہے جو مالوف و معروف طریقے سے ہٹ کر نئے اسباب و علل سے کائنات میں تغیر و تبدل لا سکتا ہے لیکن اسے تسلیم کرنے کیلئے دلائلِ متواتر و متضافر اور نا قابل تردید خبر کی ضرورت ہے۔

۳۔ اطمینان بخش ضمانت: انسان جاہل و نادان اور تلاش حق و حقیقت کرنے والے کسی حقیقت کی جستجو میں ہوں تو وہ ایک حقیقت کو تسلیم کرنے کیلئے ایک اطمینان بخش ضمانت کے خواہاں ہوتے ہیں عقل بھی اس ضمانت کو ضروری و ناگزیر سمجھتی ہے۔ خداوند متعال کیلئے ایسے افراد کے اطمینان و تسلی کی خاطر انبیاءؑ کے ہاتھ پر معجزات ظاہر کرنا ضروری ہے چنانچہ اللہ کے معجزات محسوسات میں انبیاء کرامؑ کے معجزات آتے ہیں۔

خوارق عادات اور دعوت فکر و تعقل

نبی کریمؐ کی حیات طیبہ اور سیرت کریمہ کے مورخین و سیرت نگاروں میں قدیم زمانے سے عصر حاضر تک کئی قسم کے تضاد و نقائص پائے جاتے ہیں۔ جو گروہ بندی پر منتج ہوئے ہیں۔

۱۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے اپنی دعوت کو معجزہ کے اسلحے سے کامیاب بنایا۔ اس سلسلے میں اس گروہ کا مزید کہنا ہے کہ آپؐ کی آمد سے وفات تک زندگی کے ہر لمحے میں معجزات کے ذریعے پیش رفت ہوئی۔

۲۔بعض نے ان معجزات کوحدو احساس سے خارج قرار دیا ہے۔

۳۔تیسرے حلقے نے اسے اعداد و شمار کثیرہ میں محدود کر کے رکھ دیا۔اس سلسلے میں کتاب ''فقہ السیرۃ'' میں استاد ڈاکٹر محمد رمضان البیوطی لکھتے ہیں کہ علماء اور مفکرین میں دو گروہ پائے جاتے ہیں ایک گروہ دعوتِ پیغمبرؐ کی کامیابی معجزہ کے اسلحہ میں گردانتا ہے جبکہ دوسرے گروہ کا اصرار ہے کہ پیغمبرؐ کی حیات بشری اور عادی ہے ایسا نہیں ہے کہ آپؐ نے اپنی پوری دعوت کو خوارق عادات اور معجزے سے چلایا ہو بلکہ آپ معجزہ کے مخالف تھے اور معجزہ طلب کرنے والوں کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔آپ صراحت سے فرماتے تھے کہ نہ معجزہ لانا میرا کام ہے نہ میری معجزہ تک رسائی ہے۔ ایک گروہ حد سے زیادہ معجزات کا مخالف ہے اور معجزے کا سرے سے انکار کرتا ہے،ان کا کہنا ہے کہ جو کچھ پیغمبرؐ کی حیات ہے وہ ایک حیاتِ علم و ذہانت اور فراست ہے۔ان امور میں صادر اعمال کو سادہ عوام معجزہ کہتے ہیں۔بنیادی طور پر اس فکر کا سر چشمہ مستشرقین ہیں اور یہ فکر ان کی پیدا کردہ ہے،اس فکر کی بنیا درکھنے والوں میں گستاف لوبون، اوجسٹ کونٹ،ہیوم، جولدزیھر اور مسلمانوں میں سے مغرب زدہ،دانشور نمائی کے خواہش مند یا مستشرقین کے کارندے وغیرہ شامل ہیں یہ لوگ پیغمبرؐ کی نبوت کو خدا سے لاتعلق رکھ کر پیش کرنے کی مہم پر کاربند ہیں تا کہ نبوت اسلام کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے کیونکہ صاحب معجزہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہدایت و رہبری کیلئے الوہیت سے مربوط و متصل ہیں جبکہ معجزے سے انکار اس رابطے کے فقدان کا نام ہے۔ اس صورت میں نبی صرف ایک مفکر ہو کر رہ جائیں گے۔بعض لوگوں نے غیر شعوری طور پر مستشرقین کے افکار کا گرویدہ ہو کر اس پر اپنے تحلیل و تجزیہ کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ فکری جنگ کے قائدین نے ان کی پشت پناہی کر کے مسلمانوں کے دین میں تشکیک پھیلائی ہے تا کہ الحادی افکار کیلئے لوگوں کے اذہان آمادہ ہو جائیں،انہوں نے علمائے ادب سے کچھ الفاظ عاریۃً لے کر پیغمبرؐ کے نام گرامی سے وصل کیے ہیں تا کہ سادہ لوح مسلمان یہ سوچ کر خوش ہو جائیں کہ یہ ہمارے نبیؐ کی تعریف ہے،بعض نے بطولت،عبقری اور نابغۂ روزگار جیسے الفاظ کو بھی چسپاں کیا ہے جیسا کہ کہتے ہیں ''محمد عبقری، محمد قائد،محمد بطل'' یہ پیغمبرؐ کیلئے کسی بھی حوالے سے قابل تعریف صفات نہیں ہیں آپؐ کی صفت وہی ہے جو خداوند متعال نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہے یعنی نبی اور رسول۔

ابن سینا کی نظر میں

تمام فعل و انفعالِ فعل کو انجام دینے والا فاعل ہوتا ہے جو کبھی مفعول قرار نہیں پاتا جبکہ منفعل بھی فاعل نہیں بنتا جیسے جمادات اس دنیا میں قیام پذیر ہوتے ہیں جن سے استفادہ کیا جاتا ہے۔یہ وہ معقول اضافہ ہے جو قوت اور کامل فاعل کی فضیلت میں شمار کیا جاتا ہے ایک چیز دوسری چیز سے متاثر ہوتی ہے چنانچہ یہ دو اقسام موجودات نفسانی اور موجودات جسمانی پر مشتمل ہیں جو بذات خود فاعل اور منفعل ہیں ان کی چار قسمیں ہیں:

۱۔فاعل و منفعل دونوں نفسانی۔ ۲۔فاعل و منفعل دونوں جسمانی۔

۳۔فاعل نفسانی اور منفعل جسمانی۔ ۴۔فاعل جسمانی اور منفعل نفسانی۔

۱۔ فاعل و منفعل جب دونوں نفسانی ہوں مثلاً عقول، ایک عقل دوسری عقل سے متاثر ہوتی ہے چاہے خواب ہو یا بیداری، یہ بحث فلسفے کا حصہ ہے۔

۲۔ اگر دونوں جسمانی ہوں تو عناصر اربعہ میں سے ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور نئی چیز میں تبدیل ہوتے ہیں جیسے پانی ہوا میں، ہوا آگ میں اور آگ ہوا میں تبدیل ہوتی ہے جبکہ تغیراتِ عناصر طبیعت میں ہیں جیسے فائدہ مند دواؤں اور زہر کا اثر انداز ہونا یہ اثر طبیعت میں ہوتا ہے۔

۳۔جہاں ایک فعل نفسانی اور منفعل جسمانی ہو جیسے نفسانی صفات و خصوصیات، مزاج، معادن و نباتات اور حیوانات ہتولید، نمو و رشد وغیرہ اس عمل پر علم طبیعت میں بحث ہوتی ہے۔

۴۔جہاں فاعل جسمانی اور منفعل نفسانی ہو جیسے نیک کام، اچھی شکل و صورت نفوس بشر پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ابن سینا نے تمام معجزات و کرامات، جادو، سحر، الھامات، طلسم کو تاثیرات اربعہ کہا ہے۔انکا کہنا ہے وحی، کرامت، الھامات، خواب یہ سب فاعل نفسانی اور منفعل نفسانی کا ایک نفس پر اثر کرنا ہے۔

خوارق عادات اور دعویٰ نبوت

بعض نے خوارق عادات (غیر عادی عمل) کو انبیاءؑ تک محدود کر کے ہر قسم کے غیر عادی عمل، سحر، جادو، کہانت، غیب اور کرامتوں کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی کوئی اثر نہیں ہے۔اس کے مقابل میں بعض نے سحر، جادو، شعبدہ اور کرامات کو بھی خوارق عادات میں گنا ہے نبوت کے اثبات میں پیش کی جانے والی خوارق عادات اور غیر انبیاءؑ کے ہاتھوں انجام پذیر ہونے والے غیر عادی کاموں میں فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے ان دونوں میں فرق رکھنے والوں کے بارے میں بعض کا کہنا ہے کہ دونوں ایک چیز ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ اگر کسی نے دعویٰ نبوت کرنے کے بعد ان چیزوں کا مظاہرہ کیا اور کوئی ان کا مقابلہ بالمثل نہ کر سکا تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا اور نبی ہے اگر اس کے ساتھ مقابلہ بالمثل پر لوگ اتر آئیں اور کوئی عمل کر کے دکھائیں تو وہ نبی نہیں ہوگا لہٰذا دعویٰ اور خوارق عادات میں فرق صرف مقابلہ بالمثل کرنے یا نہ کرنے کا ہے ساحر، کاہن یا اولیاء یہ عمل انجام دیتے ہیں لیکن وہ دعویٰ نبوت نہیں کرتے اگر کسی نے جھوٹا دعویٰ نبوت کر کے یہ کام انجام دیا تو خدا پر لازم ہے کہ اسے عاجز کر کے یہ کام نہ کرنے دے۔

دعویٰ اور دلیل نبوت

دعویٰ نبوت کرنے والے کیلئے صلاحیت و اہلیت کا ہونا ضروری ہے جیسے ہر اس شخص کیلئے صلاحیت و اہلیت ضروری ہے جو ایک قوم و قبیلہ یا امت کی فکری و اجتماعی قیادت کا داعی ہو۔اسی طرح نبوت کی طرف دعوت دینے والے کیلئے بھی ایک اہلیت و

صلاحیت کا ہونا ضروری ہے یعنی وہ صادق اور حقیقی معنوں میں اس کا اہل بھی ہو۔ یہاں صادق اور کاذب کے درمیان فرق کا ہونا ضروری ہے اگر ایک شخص دعویٰ نبوت کرے تو اس پر صرف دعویٰ کی بنیاد پر ایمان لانا اور اس کی پیروی کرنا گلہ گوسفند کے ساتھ چلنے پھرنے کے مترادف ہے، اگر شرائط کی عدم موجودگی میں دعویٰ کرنے والے کی دعوت کو قبول نہ کیا جائے تو اس بات کی کوئی مذمت نہیں ہوگی چنانچہ اگر کوئی شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا خدا سے متصل ہونا ضروری ہے، اسی طرح اس کے پاس واضح وروشن دلیل اور نشانی ہونی چاہیے گویا دعویٰ اور دلیل ساتھ ساتھ ہونے چاہئیں، ہمیشہ تاریخ بشریت میں کسی چیز کیلئے دعویٰ اور دلیل ساتھ ساتھ رہے ہیں جیسے عام زندگی کے معمولی مسائل میں بھی دعویٰ کے ساتھ دلیل ناگزیر ہوتی ہے حتی معمولی عہدوں کیلئے بھی کسی کو بغیر دلیل کے قبول نہیں کیا جاتا ہے۔ جتنی مسئولیت اور ذمہ داری بڑی ہوا تنا ہی اس کی دلیل اور نشانی بڑی اور غیر عادی ہونی چاہیے یعنی کوئی دوسرا اس شخص کے مقابلے میں ایسی دلیل پیش کرنے سے قاصر ہو یہاں تک کہ دوسرے کیلئے راستہ بند ہو جائے ۔ اگر نبی کیلئے دعویٰ نبوت اور دلیل کی ضرورت محسوس نہ ہوتی ہو تو معاشرے میں دعویٰ نبوت کرنے والوں کی بھرمار ہو جائے اور دعوت دینے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے لہٰذا نبی کیلئے ضروری ہے کہ اس کے پاس طبیعی طریقے ومعمولی راستے سے ہٹ کر کوئی دلیل ہو جیسا کہ ایک ڈاکٹر طبیعی راستے سے گزر کر تجربات سے دوا کشف کرتا ہے اس طرح طبیعات کی روشنی میں سیارہ ایجاد کرنے والا اسے ایک مصنوعی راستے سے پیش کرتا ہے اگر یہ طبیعی راستے سے ہٹ کر کوئی دلیل پیش کرے تو وہ قابل قبول نہیں ہوگی، لیکن اسی طبیعی راستے سے گزرتے ہوئے دوسرا شخص ان کا مقابلہ کر سکتا ہے اور اسکا عمل قابل قبول بھی ہے چنانچہ انبیاءؑ نے اپنی نبوت کا ثبوت اسی راستے سے فراہم کیا جس وقت پیغمبر اسلامؐ جزیرۂ عرب میں مبعوث ہوئے اور آپؐ نے نبوت کا اعلان کیا اس وقت معاشرہ میں ہر حوالے سے انتشار و پسماندگی ،عداوت و دشمنی، فقر و فاقہ محرومیت ،قوم پرستی و بت پرستی اور غارت گری اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی ،مال و دولت صرف چند سرمایہ دار لوگوں تک محدود تھا قبائل میں جنگ وجدال کا سلسلہ سال ہا سال سے جاری تھا،لوگ اس سے تنگ آچکے تھے ایک انسان کو سکون کی زندگی گزارنے کیلئے بڑے قبائل کی حفاظت و کفالت کی ضرورت پڑتی تھی، بعضوں کے ہاں عورتوں سے انتہائی ذلیل اور شرم آور رویہ اپنایا جاتا حتیٰ انھیں انسان شمار نہیں کیا جاتا تھا ۔ایک ایسے پسماندہ علاقے میں جہاں بت پرستی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہو وہاں تمام بتوں کو توڑ کر ایک خدا کی واحدنیت کو تسلیم کروانے سے بڑھ کر اور کیا معجزہ ہو سکتا ہے، ایسے معاشرے میں قوم وقبیلہ کے نام پر ہونے والی تنگ نظری کا خاتمہ اور وحدت بشریت کا اعلان ہوا لڑکیوں کو زندہ در گوار کرنے کی بجائے مرد کے برابر عزت دی گئی قتل و غارت اور لوٹ مار کی بجائے امن وامان اور سرمایہ داری و جاگیرداری کی بجائے کفالت و ذمہ داری اور اخوت کا اعلان کیا گیا۔ یہ پیغام اس قوم کے اندر سے ہی اٹھنے والی ایک ہستی نے کیا جو یوں گویا ہوئی ”میں تمہارے درمیان عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوں“ سورہ یونس آیت ۱۶ میں اس کا ذکر ہوا ہے:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ” کیونکہ میں اس سے پہلے تو ایک بڑے حصہ عمر تک تم میں رہ

چکاہوں پھر کیاتم عقل نہیں رکھتے۔''

معجزہ

معجزہ،ممکن ہے کوئی یہ کہے یہ خداوپیغمبر کے درمیان جوڑنے اور ربط کرنے کے عمل کو کہتے ہیں بذات خودکلمہ معجزہ اس کیلئے استعمال ہوتا ہے لیکن یہ کلمہ اس کیلئے رسائے کامل نہیں ہے۔

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ معجزہ اس عمل کو کہتے ہیں کہ حاضرین میں سے کوئی بھی ایسا عمل انجام دینے سے عاجز ہو،اس تعریف کے تحت ممکن ہے کہ ایک زمانے میں یہ عمل اس وقت کے لوگوں کیلئے انجام دینا ممکن نہ ہو لیکن گذشت زمان کے ساتھ علم صنعت و کیمیاءاور طبیعی علم کی طویل مسافت طے کرنے کے بعد یہ عمل معروف ہو جو ایک طفل مکتب بھی انجام دے سکے لیکن ہم اس کلمے سے راضی نہیں ہیں ہم پیغمبرؐ کیلئے وہی کلمہ استعمال کرتے ہیں جسے خدا نے استعمال کیا ہے وہ کلمہ ''آیت'' ہے۔پیغمبرؐ کی دعوت کس بنیاد پر کامیاب ہوئی اور پیغمبرؐ نے کس حد تک اپنی دعوت کو خدا سے مربوط کیا؟اس کا ایک عنصر آیت ہے لیکن معجزہ سازوں نے جتنے معجزات پیغمبرؐ کی طرف نسبت دیئے ہیں وہ سب غلط ہیں کیونکہ ان سے منسوب کردہ معجزات میں دو قسم کے نقص وعیب پائے جاتے ہیں جنہیں قبول کرنے کی صورت میں خود نبوت مشکوک قرار پاتی ہے۔

۱۔ محدثین اور مورخین نے اسناد کو اپنی کتب تاریخ واحادیث میں نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے حالانکہ اتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ یہ صحیح ہے۔یہ ایک خبر کی حیثیت رکھتا ہے،ہمیں اسے تمام کسوٹیوں سے گزار کر تسلیم کرنا ہوگا اسی طرح ہر نقل سے انکار کا مطلب انکار وحی نہیں ہے۔

۲۔کثرت معجزات کا مطلب کیا ہے؟ کیا پیغمبر اسلامؐ اپنی پوری حیات میں لحہ بہ لحہ معجزہ دکھاتے رہے؟اس فکر کے تحت پیغمبرؐ کی تاسی ہمارے لئے کسی بھی حوالے سے ممکن نہیں ہوگی لیکن کچھ معجزات پیغمبرؐ کی حیات عمل میں قرآن نے نقل کیے ہیں جنھیں کتب تاریخ وروایات میں سب نے تسلیم کیا ہے اسی لئے ان کی کوئی تفسیر وتحلیل ممکن نہیں۔تاہم جب ہم معجزہ کے ذریعے خدا اور پیغمبرؐ کے درمیان ربط کو تسلیم نہیں کریں گے اور یہ نہ کہیں گے کہ خدا نے یہاں اپنے نبی کے بارے میں قدرت نمائی کی ہے تو اس سلسلے میں قصۂ ابرھہ،پیغمبرؐ کا مشرکین کے حصار میں سے نکل جانا،قصۂ اسریٰ یعنی مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ جانا،قصۂ غلبۂ فتح خیبر کی تفسیر کیسے ہوگی خاص کر قرآن کریم جو کہ پیغمبرؐ کی نبوت کی سب سے بڑی نشانی ہے۔

معجزات وارہاصات

معجزات،خارق عادت تغیر وتبدیلی اور امور محسوسات میں سے ہیں جو کبھی کبھی خداوند متعال کی طرف سے مبعوث ہونے والے داعی سے ظاہر ہوتے ہیں تا کہ یہ ثابت کریں جس قول وفعل کا وہ مظاہرہ کر رہے ہیں یہ (معجزہ)اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا رابطہ بطور مستقیم خدا سے ہے ان کا یہ فعل سحر،ریاضت،شعبدہ اور نبوغ فکری کی مانند نہیں جیسے دوسرے

انسان بھی سیکھ کر انجام دے سکتے ہوں۔

ولادتِ نبیؐ اور آغازِ معجزات

پیغمبر اسلامؐ کی ولادت سے ہی معجزات کے تسلسل کا آغاز کرتے ہوئے دینِ اسلام کو معجزات کی ریل گاڑی پر چلانے کے خواہش مند افراد نے کثیر معجزات بیان کئے ہیں تا کہ خاتم الانبیاء کے انسان ساز پیغامات اور ہدایات کو دنیا کے گوشہ و کنار میں رہنے والے مستضعف اور ستم رسیدہ انسانوں تک نہ پہنچنے دیا جائے۔ اگر معجزات مادی محسوس ہونے کے حوالے سے ایک گروہ تک محدود ہوں تو اس گروہ کے مرنے کے بعد یا اضافہ اور کہانی کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ زندہ دین کو مردہ دین کی بنیاد پر کھڑا کرنے کا یہ عمل دین و شریعت اسلام کیساتھ ہتک آمیز رویہ اور سازش کے علاوہ کچھ نہیں ہوسکتا ہے۔

آیئے اس سلسلے کے چند معجزات کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ طاقِ کسریٰ کے گنبد میں بڑا اشگاف پڑنا۔

۲۔ دریائے ساوا کا خشک یا آتش کدۂ فارس کا خاموش ہونا۔

۳۔ اور تمام بتوں کا اپنے منہ کے بل گرنا وغیرہ۔

ایسے تمام معجزات کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے آیا ان کو روایت کرنے والے مشرک تھے یا مومن؟ اگر مشرکین نے دیکھا تو ان پر کیا اثرات مرتب ہوئے ان میں سے کتنے لوگوں نے اس بارے میں تجسس اور تحقیق کی اور معجزے کی بنیاد پر ایمان لائے دوسرا کونسی مستند قابل قبول یا مشہور و معروف کتب تاریخ میں یہ چیزیں موجود ہیں؟ آیا ایران مجوس کی تاریخ کے اندر قلعہ کسریٰ کے قصے میں یہ واقعہ درج ہے؟ دوسرا یہ کہ فارس میں کتنے آتش کدے تھے اور کس کی آگ خاموش ہوئی اسی طرح عرب سرزمین میں موجود کس کس بت خانے کے بت منہ کے بل گر گئے قارئین! جب محققین کیلئے بے سند معجزات کی تعداد میں اضافہ ہونا ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ سب جھوٹ ہے پھر بھی سچے معجزات یا نبیؐ کے بارے میں کسی قسم کی بات سننے اور غور کرنے کو وقت کا ضیاع قرار دے کر اس سے روگردانی اختیار کی جاتی ہے لہٰذا یہ بات بدیہی ہے جن لوگوں نے دین کو ایسے معجزات پر قائم کیا ہے اس میں انکی حسن نیت شامل نہیں بلکہ وہ برے عزائم کے حامل ہیں۔

شق القمر

پیغمبرؐ کے معجزات محسوس میں سے ایک معجزہ شق القمر ہے جس کیلئے سورۂ قمر کی ابتدائی آیات سے استناد کیا جاتا ہے قرآن کریم میں شق القمر کا ذکر تو موجود ہے لیکن اسکا واقع ہونا قیام قیامت سے مربوط ہے۔ اس معجزہ کے وقوع ہونے کے بارے میں آیت متشابہ ہے اور اس بارے میں نص صریح نہیں جہاں تک احادیث کی بات ہے وہ اپنی اسناد کے ضعف کے ساتھ ایسے معجزات میں رویئت عمومی کے فقدان ہونے کی وجہ سے ناقص ہیں۔ اس معجزے کے دیکھنے کا دعویٰ کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہونی چاہیے تھی لیکن نہ ہونے کے برابر ہے لہٰذا اس معجزے کے دعویٰ کے بارے میں خبر واحد ہے آیت اپنی جگہ صحیح ہے لیکن

روایات سندومتن دونوں حوالوں سے مخدوش ہیں ۔اسے دیگر بہت سے معجزات محسوسات کی طرح ثابت کرنے کیلئے علماءاور بعض مومنین دوچیزوں سے استناد کرتے ہیں پہلے مرحلہ میں اسکاانکار کرنے والوں کومقام نبوت وولایت کامنکر قرار دے کر تہمت وافتراء باندھنے کے ساتھ ہراساں کرکے اسے اپنا نقطہ نظر بیان نہیں کرنے دیتے دوسرے مرحلے میں حدیث پیش کرتے وقت جن معیارات کوسامنے رکھنا چاہیےان سے بے اعتنائی برتتے ہیں ۔تا ہم جس طرح پیغمبر اسلامؐ سے واردروایات صفت ومداح کی صحت ومتن کے بارے میں تحقیق ہونی چاہئے اسی طرح معجزات کے بارے میں واردروایات بھی تحقیق کی متقاضی ہیں ۔شق القمر یعنی چاند کے شگاف ہونے کاعمل لازماًصرف چند مسلمانوں کونہیں دکھایا گیاہوگا کیونکہ اگر چاند شگافتہ ہو جائےتو آسمان پرہونے کی وجہ سے اسے سب کودیکھنا چاہیےتھااسی طرح یقیناًتاریخ میں اس کا ذکر نمایاں جیسا کہ فلکیات میں ہونےوالی تبدیلیوں کے سلسلے میں ماہرین فلکیات کے پاس معلومات ثبت ہوتی ہیں مثلاًسورج گرہن چاندگرہن وغیرہ۔

نبی اُمّی اورمعجزہ قرآن

خداوندمتعال نے پیغمبر اسلام کی نبوت کی علامت ونشانی دیگر گذشتہ انبیاء کی نسبت ہر حوالے سے مختلف یعنی قرآن کی صورت میں پیش کی ۔اللہ تعالیٰ نے ذاتِ پیغمبرؐاورزمان ومکان پیغمبرؐ سے باہر دنیا کے گوشہ وکنار میں صاحبانِ عقل وشعور کیلئے ایک کشتی معجزہ ''قرآن'' کی صورت میں عنایت فرمائی ہے۔دنیا کے ہر عالم ودانشمند کیلئے چاہےوہ علم کے کسی شعبے سے وابستہ ہوادنیٰ ساغوروخوض کرنے کے بعدواضح وعیاں ہوجائے گا کہ یہ کتاب بشری فکراورسوچ کی تخلیق نہیں ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ کلمات کن کن میدانوں میں آپ کواپنے حامل ہی کیلئے ایک آیت حق کے طور پر پیش کرتے ہیں:

۱۔فصاحت وبلاغت کے ماہرین: فصاحت وبلاغت کے ماہرین بخوبی درک کرسکتے ہیں کہ جن کلمات سے آیاتِ قرآن کی ترکیب وتنظیم ہوئی ہےوہ کسی بشر کے ترتیب وتنظیم شدہ کلمات نہیں ہیں ۔قرآن اپنے انتخاب کلمہ میں ترتیب وتنظیم اندازگفتگواورتخاطب میں واضح نظرآتا ہے کہ وہ کسی بشری طاقت سے باہر ہے۔

۲۔تاریخ شناسی: دنیا کی تاریخ ونقل اورعلم وفلسفہ کے ماہرین کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بشر کیلئے گذشتہ خبریں اورآئندہ کی پیشن گوئیاں اس کتاب میں درج ہیں ۔اس طرح کی خبریں دینا کسی مورخِ البقری کیلئے بھی ممکن نہیں ہے۔

۳۔علماءرموزتکوین: کائنات حسب تعبیر علمائے طبیعت ہمیشہ جمع وتفریق اورحرکت وسکون کے طوق میں بند ہے۔بشر کے تمدن،امتیازوپسماندگی اورترقی یافتہ وترقی پذیراسرار کے بارے میں قرآن کریم میں بتائے گئے اشارے کسی زمانے کے فرد کیلئے مخصوص نہیں ہیں۔

۴۔علم النفس: دنیائے ترقی یافتہ ومحیر العقول کوایک حیرت انگیز لاحق مسئلہ علم نفس ہے ۔انسان ابھی تک یہ واضح نہیں کر سکا ہے کہ کونسی چیز غرائض نفس کوپرواز دیتی ہےاوروہ انسان کوسقوط ونابودی کی طرف لے جاتی ہےاس کا حل آیات قرآنی واضح انداز میں پیش کرتی ہیں۔

۵۔علم بقانون: دنیائے بشریت کو اجتماعی طور پر زندگی گزارنے کیلئے حدود و قیود کی ضرورت ہے جسے قانون کہتے ہیں۔آزادی کے منادی کے پاس بھی ایسا قانون نہیں جو ہر ایک کو میسر ہو اور اسکے سائے میں تمام بشریت چین وسکون کی زندگی بسر کر سکتی ہو یہ کسی فرد اور گروہ بشر کیلئے ممکن نہیں ہے اور اگر اس سلسلے میں کوئی جامع قانون ہے تو وہ قرآن کا عطا کردہ تحفہ ہے۔

۶۔علماء اور ماہرین آثار قدیمہ: اگر دنیا میں علم اور فن وہنر کو آثار قدیمہ کی شناخت میں محصور گردانا ہو یا اسے دیگر ضروریات زندگی کے ساتھ ناگزیر سمجھا جائے تو اس کیلئے بھی اس کتاب عزیز قرآن میں ایسے محیر العقول حقائق و معارف ملیں گے جو اُس دور کے انسان تو درکنار آج کے ترقی یافتہ وسائل و ذرائع سے آراستہ و پیراستہ علماء بھی درک کرنے سے عاجز رہے ہیں۔ان سے چودہ سو (۱۴۰۰) سال پہلے قرآن نے کشفِ نقاب کیا ہے کہ اس نے تنہا ماضی کی خبر نہیں دی ہے بلکہ اس کے اسباب زوال وسقوط سے بھی انسان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اتنی ترقی وتمدن اور عیش ونوش میں مستغرق تھے لیکن ایسے حالات میں انھیں کیوں اور کیسے سقوط کا سامنا کرنا پڑا اور اب وہ جگہیں کھنڈرات میں بدل چکی ہیں اس کو بھی بیان کیا ہے یہ آگاہی نہ اس دور میں تھی جب قرآن نازل ہو رہا تھا اور نہ ہی آج کے انسان کیلئے میسر ہے لہٰذا اس حوالے سے بھی قرآن اپنی جگہ ایک معجزہ ہے۔

گذشتہ اور دورِ حاضر کے کتب شناس اور ادیان و مذاہب کے ماہرین تک رسائی کا واحد ذریعہ ان کی کتب ہی ہیں لیکن ان کی کتب میں کسی بھی حصے کو تحریفی ہاتھوں کے ملوث ہونے کے بعد حجت و دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا سکتا ہے جبکہ قرآنِ کریم وہ کتاب ہے کہ جس نے اپنے سے پہلے نازل شدہ کتابوں کے درمیان موجود باریک اور دقیق فرق کو بھی واضح کیا ہے ایک ایسے انسان سے جسے کتاب پڑھنا یا لکھنا آتی ہو وہ اصل کتاب اور داخل کردہ مواد کو دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کیسے کر سکتا ہے جب تک کہ کتاب اس انسان کے خالق کی طرف سے نازل نہ ہوئی ہو جو کہ ہر چیز کے سرّ واخفا سے آگاہ و واقف ہو۔ تاہم محمدؐ اپنی جگہ اُمی تھے لیکن وہ ایک ایسی کتاب لائے جس نے پوری قوم کو حیران و سرگردان کر دیا کیونکہ قرآن ان کے درمیان رائج اقسام فصاحت و بلاغت سے باہر تھا لہٰذا قوم کے ماہرین نے جب قرآن کو سنا تو اس کے مقابلے میں مندرجہ ذیل اقدامات اٹھائے جن کے تحت یہ تاثر دیا جانے لگا:

۱۔یہ سحر ہے۔

۲۔یہ شعر ہے۔

۳۔انہوں نے اپنے نمائندے ولید بن عتبہ کے بارے میں بھی کہا یہ پیغمبرؐ کے سحر میں مبتلا ہو گیا ہے۔

۴۔انہوں نے پیغمبرؐ کی نبوت میں شکوک وشبہات پھیلانا شروع کیے۔

۵۔یہاں تک کہا گیا کہ کسی عجمی یعنی غیر عربی نے ان کو سکھایا ہے۔

معجزۂ اسراء

دین مقدس اسلام ،اس کے داعی برحق اور محافظین اسلام کو کنارے لگا کر اوباش ومفاد پرستوں کو مصروف رکھنے کیلئے دشمنانِ اسلام نے حقائق اسلام کو تہہ وبالا کرتے ہوئے قیل وقال سے بھر کے بے مقصد و لایعنی اور قلیل الفائدہ کام میں مصروف رکھا ہے چنانچہ اس کی ایک کڑی حقیقت اسراء اور معراج رسول اللہ ؐ ہے معجزہ اسراء کا تذکرہ سورۂ مبارکہ اسراء کی ابتدائی آیت میں آیا ہے جبکہ معراج کا ذکر سورۂ مبارکہ نجم میں آیا ہے، ہم چونکہ پیغمبر اسلامؐ کی سیرت طیبہ کو بیان کرنے میں مصروف ہیں لہٰذا آپؐ کی حیات طیبہ سے حقائق کو سامنے لائیں گے جو آپؐ پر ایمان لانے اور آپؐ کی تاسی کرنے کا سبب بنتے ہیں، اس حوالے سے اسراء معجزہ پیغمبر اسلامؐ ہے جسے آپؐ نے مشرکین قریش کے سامنے سادہ اور عام فہم انداز میں پیش کیا کہ میں گذشتہ رات یہاں مکہ سے بیت المقدس ہو کر واپس آیا ہوں اور میں نے اس طویل مسافت کو رات کے ایک محدود وقت میں طے کیا ہے اس سلسلے میں اگر تم کوئی شاہد و گواہ مانگتے ہو تو تمہارا تجارتی قافلہ گذشتہ رات فلاں جگہ پر قیام کئے ہوئے تھا ان کی آمد پر ان سے پوچھ لینا، آپؐ نے معجزہ قابل حس ولمس سے دینی حقانیت کو ثابت کیا لیکن کم حافظہ والوں یا تشکیک وتردید پھیلانے والوں نے اس حوالے سے کئی مسائل کو موضوع گفتگو بنایا ہے مثلاً یہ کون سے سنہ میں ہوا، کس جگہ پر ہوا، کس وقت ہوا، کتنے گھنٹوں میں ہوا، بیداری کی حالت میں ہوا یا نیند کی حالت میں ہوا، روح گئی یا جسم بھی گیا۔ یہ سب الجھن پیدا کرنے، بحث کو تحقیقاتی درس گاہوں تک محدود رکھنے، عوام کو پریشان کرنے اور شکوک وشبہات میں مبتلا کر کے نا قابل استدلال بنانے کیلئے کیا جاتا ہے کہ یہ چیزیں تمہاری سمجھ سے باہر ہیں اور تم سے متعلقہ نہیں ہیں تاہم ہم اسی بات پر اکتفا کرتے ہیں جو کہ خداوند عالم نے سورۂ اسراء میں آپ کی سیر کے متعلق بیان فرمائی ہے، آپؐ نے جب یہ بات مشرکین کے سامنے پیش کی تو انہوں نے اسے رد کرنے یا فلسفیانہ بنانے سے گریز کیا تاہم اسراء آپؐ کی نبوت کا معجزہ حسی اور قابل نقل ہے یہ امت اسلامی میں متفق و نا قابل تردید معجزات میں سے ہے۔

اسراء اور معراج

سیرت پیغمبرؐ کے روشن باب میں ایک روشن و تابناک نقطہ آپ کی اسراء و معراج ہے۔ بعض سادہ اور سطحی ذہن رکھنے والوں کے نزدیک اسراء اور معراج دونوں ایک جیسی چیزیں ہیں جبکہ اسراء اور معراج دو الگ الگ موضوع ہیں۔ اسراء پیغمبر اسلامؐ کا مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر ہے جبکہ معراج مسجد الاقصٰی سے لے کر سدرۃ المنتہٰی یا قاب قوسین تک جانا ہے البتہ دونوں کا مقصد الگ ہے۔ اسراء پیغمبر اسلامؐ کی زمینی سیر کا نام ہے جو کہ پیغمبرؐ کے واضح و روشن معجزہ کی دلیل ہے۔ معجزے کیلئے ضروری ہے لوگوں کیلئے تسلیم کرنے کے مواقع ہوں تاکہ وہ اسکے سامنے خاضع ہوں۔ اگر لوگ پھر بھی اسے مسترد کریں تو عام انسان انہیں مکابرہ اور معاندہ کہیں گے کیونکہ روشن دلائل کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ پیغمبر اسلامؐ کے اس زمینی سفر کے چند حقائق ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ مسجد اقصیٰ سے مسجد الحرام کافی فاصلے پر واقع ہے۔ جس کا سفر پیغمبرؐ نے رات کے بہت مختصر حصے میں طے کیا اور پھر واپس

مکہ بھی آگئے۔طویل مسافت اس بات کی متقاضی ہے یہ سفر ایک معجزے سے طے ہوا ہے۔

۲۔ پیغمبرؐ جب مسجد الاقصیٰ پہنچے تو وہاں کچھ لوگ موجود ہونگے جنہوں نے پیغمبرؐ کو دیکھا ہوگا۔

۳۔بعض افراد بیت المقدس سے مکہ آنے کیلئے راستے میں موجود تھے۔

۴۔بعض نے بیت المقدس کو دیکھا ہوگا جن کے سامنے بتانے پر ان کی طرف سے تصدیق ہوگی۔

۵۔بعض راستے سے واقف تھے۔

پیغمبرؐ کیلئے اپنی اس روداد کو اہل مکہ پر ثابت کرنا آسان تھا کیونکہ پیغمبرؐ کبھی مکہ چھوڑ کر وہاں نہیں گئے تھے لیکن جب آپ نے مسجد اقصیٰ کی صفات بتائیں تو وہ سمجھ گئے کہ پیغمبرؐ وہاں گئے ہیں اور سچ کہہ رہے ہیں۔ہم نے دیکھنا ہے اس واقعہ کے اندر قانون مادہ میں کہاں تصرف ہوا ہے۔

۱۔ ایک حقیقت یہ ہے کہ مسافت، ہوا اور سیر کرنیوالے محمدؐ تینوں اپنی جگہ قابل تبدیل وتغیر نہیں ہیں۔ایسا کرنا ان کی استطاعت و بضاعت سے باہر ہے کہ وہ اپنے اندر کوئی تبدیلی لاسکیں۔

۲۔خدا ان تینوں پر قادر ہے وہ ان تینوں میں لمحہ بھر میں تبدیلی لاسکتا ہے لیکن تبدیلی کس چیز میں آئی ہے آیا تبدیلی سیر کنندہ میں آئی جنھوں نے اس طویل مسافت کو اتنی تند و تیز حرکت سے طے کیا۔

۳۔فضا اپنی جگہ مسافر کو اپنے دباؤ میں روکتی ہے۔خاص کر جہاں سفر مخالف سمت میں ہو۔

۴۔مسافت زمینی ایسی چیز ہے جسے سمیٹا نہیں جاسکتا۔اگر زمین سمٹ جائے تو پورے علاقے میں سمٹ آئی گی۔مکے کو مسجد اقصیٰ کے قریب کریں یا مسجد اقصیٰ کو مکے کے قریب۔غرض اسراء سے پیغمبرؐ نے اپنی نبوت کیلئے استدلال کیا اور قریش کو اس دعویٰ کے سامنے تسلیم و خاضع ہونا پڑا لیکن تسلیم ہونے کے بعد اس کا انکار کردیا گیا یہ ایک الگ بات ہے۔چونکہ اکثر وبیشتر یہی سنت رہی ہے کہ معجزے دیکھنے کے بعد بھی لوگ ایمان نہ لائے۔

معراج النبی ﷺ

قرآن کریم کی سورہ مبارکہ اسراء میں رات کے وقت مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرنے کا ذکر آیا ہے،کلمہ سیر رات کے وقت زمینی مسافت طے کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے یہ ایک قرآنی کلمہ ہے جہاں تک کلمہ معراج کا تعلق ہے تو معراج عروج سے نکلا ہے عروج چڑھائی چڑھنے کو کہتے ہیں، چڑھائی اوپر کی طرف ہوتی ہے اس حوالے سے قرآن میں اس کیلئے کوئی کلمہ استعمال نہیں ہوا ہے لیکن قرآن مجید کی سورہ نجم میں آیا ہے کہ پیغمبر افق اولیٰ قاب قوسین و سدرۃ المنتہیٰ تک گئے یعنی اوپر گئے اور پھر نزول فرمایا اس لئے کلمہ معراج روایات میں آیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے یہ آسمانی عروج تصور معجزہ آیت ونشانی نبوت کیلئے نہیں بلکہ یہ عمل خود نبی سے مربوط ہے تا کہ روح پیغمبرؐ کو تقویت ملے اور اس میں مزید طاقت آجائے گویا جس طرح نزول قرآن میں نزول وحی سے پیغمبرؐ کی روح میں تازگی آئی۔اسی طرح معراج آسمانی سے پیغمبرؐ کی روح نبوت کو مزید طاقت ملی

لیکن یہ معراج کتنی دفعہ ہوا ہے اس میں اختلاف ہے تا ہم یہ حقیقت آیات وروایات کے ساتھ عیاں ہو جاتی ہے کہ پیغمبرؐ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ گئے اور پھر وہاں سے آسمان کی سیر کی اس کے وسائل میں کلمہ براق کا ذکر آیا ہے لیکن یہ سیر کتنی دفعہ ہوئی ہے اس کیلئے صرف سورہ نجم سے دو دفعہ کیلئے استدلال کیا جا سکتا ہے لیکن یہ عمل پیغمبرؐ کی بعثت کے کون سے سن اور کس تاریخ کو ہوا اس میں سیرت نویسوں کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ بعض نے ہجرت سے پانچ سال قبل اور بعض دیگر نے بعثت پیغمبرؐ سے پانچ سال بعد ہونا نقل کیا ہے۔

سیرت نویسوں نے پیغمبر اسلام کی اسراء اور معراج کی حکمت اور فلسفے کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے جہاں تک اسراء کا تعلق ہے تو اس میں چند اہم حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

۱۔ مشرکین قریش جو آپ کی نبوت کے بارے میں تیزی سے مخالفت پھیلانے میں مصروف تھے ان کے مقابلے میں اپنی حقانیت کیلئے ایک معجزہ کے طور پر یہ عمل انجام پایا چنانچہ دوسرے دن کی صبح مشرکین قریش کو جب یہ واضح کیا گیا کہ رات کو آپ مسجد الاقصیٰ گئے اور اسی رات کو واپس بھی آ گئے تو قریش مسخرہ بازی پر اتر آئے۔ پیغمبرؐ نے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کیلئے رات کے وقت مشرکین قریش کے کاروان نے جہاں پڑاؤ ڈالا تھا وہ جگہ بتائی تا کہ اس کاروان کے لوگ آپ کے دعویٰ کی صداقت کے گواہ بنیں۔

۲۔ دنیا اور مشرکین مکہ کو یہ بتانے کیلئے کہ میری نبوت کا دائرہ سرزمین مکہ اور حجاز تک محدود نہیں بلکہ بیرون حجاز بھی میرے دائرہ نبوت میں آتا ہے۔

۳۔ یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ میری نبوت کا تسلسل دیگر گزشتہ انبیاءؑ کی نبوت سے جا کر ملتا ہے کیونکہ بیت المقدس بنی اسرائیل کا مرکز تھا۔ اسی طرح گزشتہ انبیاءؑ سے ملاقات کے بارے میں بھی آپ نے خبر دی۔

جہاں تک معراج کا تعلق ہے اس میں بھی چند حکمتیں ہیں۔

۱۔ آپ کی نبوت روئے زمین پر نوع انسانی کیلئے ہے، آپ آخری نبی ہیں اور آپ کی نبوت پورے کرۂ ارضی پر محیط ہے جو فروغ پا کر ہی رہے گی چنانچہ قرآن کی چندیں آیات میں خدا نے اس کی بشارت بھی دی ہے اور وعدہ بھی کیا ہے کہ وہ پورے کرۂ ارض پر دین کو پھیلا دے گا تا ہم خداوند متعال آپؐ کو ایک ایسی جگہ پر لے گیا جہاں ہر چیز آپ کے زیر نظر تھی وہی جگہ افق اعلیٰ ہے۔

۲۔ اس نبی کی پشت پناہی اور تائید و نصرت خداوند متعال کی جانب سے ہوتی ہے آپ اس ذات کی طرف سے وحی کیلئے وسیلہ ہیں اور آپ حکم خدا سے اپنے کام کو انجام دیتے ہیں۔

دعوت نبی کریم ﷺ میں ہجرت کا کردار

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْأَرْضِ
مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ
مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ
وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

جوکوئی اللہ کی راہ میں وطن کو چھوڑے گا وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف نکل کھڑا ہوا، پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

(سورہ مبارکہ نساء آیت ۱۰۰)

دعوت نبی کریم ﷺ میں ہجرت کا کردار

قرآن وسنت میں ہجرت کے چند مصادیق بیان ہوئے ہیں ان میں سے دو ہجرتیں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں کیونکہ ان میں کثیر سبق آموز پہلو اور زاویئے پوشیدہ ہیں۔ یہ دو ہجرتیں سادہ اور سطحی نہیں بلکہ کئی حقائق و دقائق پر مشتمل ہیں:

۱۔ ہجرت حبشہ جس میں ہجرت کرنے والوں کے ایثار و قربانیوں کا تذکرہ ہے لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں میں قلم و بیان سے اس ہجرت کے بارے میں گفتگو کم ہوتی ہے اس ہجرت کے اہداف و مقاصد ہجرت کرنے والوں کی قربانیاں اور پناہ دینے والے حکمران کے اخلاق ونفسیات کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کے ساتھ اس پر تجزیہ و تحلیل کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ دوسری ہجرت مدینہ ہے اس حوالے سے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ہجرت کا آغاز کب اور کس سے شروع ہوا کس کس نے پیغمبرؐ اور مسلمانوں کی ہجرت کیلئے مقام ومحل، ماحول سازگار بنایا اور اختتام کب ہوا؟ اس ہجرت میں افراد کے کردار اور جس طریقہ کار کا انتخاب کیا گیا ہے سب کے بارے میں تجزیہ و تحلیل کرنے کی ضرورت ہے۔

ہجرت

ہم قارئین کرام کی خدمت میں ہجرت کی اقسام اور فلسفہ وحکمت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں:

۱۔ آیا ہجرت اس مفہوم میں ہے کہ خوشگوار و پُرامن زندگی کے حصول کیلئے وطن اسلامی کی سکونت کو ترک کر کے دیارِ کفر وشرک کا رُخ کیا جائے؟ ہمیں قرآن کریم کی آیات، روایات اور ابتدائی زمانہ مسلمین میں اس ہجرت کا کوئی نمونہ نہیں ملتا لیکن اس صدی کے بعض مسلمانوں کے ہاں یہ عمل پایا جاتا ہے کیونکہ وہ مال و دولت کو سمیٹنے کیلئے وطن اسلامی، دوست احباب اور عزیز و اقارب سب کو خیر باد کہہ کر دیارِ کفر وشرک میں چلے جاتے ہیں، ان کے اس عمل سے دین کو ضعف و ناتوانی کا سامنا کرنا پڑا ہے اس سے دین کو کوئی خاطر خواہ فائدہ تو نہیں ہوا البتہ مسلمانوں کے حوصلے ضرور پست ہوئے ہیں اور ان کی دل شکنی ہوئی ہے اس کے ساتھ طاغوتی طاقتوں کو اسلام و مسلمین کے خلاف اپنے نجس حربے استعمال کرنے کا موقع ملا ہے موجودہ صورت حال میں جب ہر طرف سے مسلمانوں کو دبایا جا رہا ہے تو ایسے مہاجرین اس کام میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

۲۔ ہجرت کا دوسرا مفہوم کفر وشرک کی جانب سے دین و مذہب پر عائد پابندیوں اور ظلم و بربریت سے تنگ آ کر ایک آزاد ماحول کی تلاش میں نکلنا ہے تاکہ دین و دیانت پر آزادی سے عمل کیا جا سکے اور دوسروں تک اس پیغام کو پہنچایا جا سکے، ایسے افراد کی قرآن اور روایاتِ اسلامی میں فضیلت بیان کی گئی ہے بلکہ ایسے حالات میں ہجرت نہ کرنے والوں کو وعید سنائی گئی ہے اور انہیں دنیا و آخرت میں عذاب کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے چونکہ ہجرت اسلام کی سربلندی کیلئے کی جاتی ہے

لہٰذا خداوند عالم نے اس کے اجر کیلئے درجات معین فرمائے ہیں۔ جو بھی اس کام میں سبقت لے گا وہ خدا کے ہاں بلند درجے پر فائز ہوگا۔ جب مشرکین مکہ کی جانب سے پیغمبرؐ اور مسلمین کے خلاف ظلم وستم اور اذیتوں کی مہم بڑھتی چلی گئی تو اس صورتحال کے پیش نظر پیغمبرؐ پر واضح ہوگیا کہ مستقبل قریب وبعید میں یہاں دین کے پھلنے پھولنے کی توقع نہیں ہے لہٰذا آپؐ نے اس علاقے کی سکونت کو ترک کر کے آزاد فضا میں نکلنے کا فیصلہ کیا تا کہ دین اسلام کے فروغ کیلئے آزادی سے کام کیا جا سکے اسی عزم وارادے کے تحت آپؐ نے مسلمانوں کو ہجرت کرنے کا حکم دیا۔

ہجرت اپنی جگہ دو اقسام پر مشتمل ہے۔

۱۔ **ہجرت طبیعی:** طبیعت مسلسل ہجرت میں ہے کیونکہ ہجرت ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک حالت سے دوسری حالت میں جانے یا ایک لباس کو اتار کر دوسرا لباس پہننے کا نام ہے، پوری کائنات اسی اصول پر قائم ہے کائنات ہر روز ایک لباس اتارتی ہے اور دوسرا لباس پہنتی ہے اسی طرح ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتی ہے قرآن کریم میں موجود صفات اس ہجرت سے مختص نہیں کیونکہ یہ طبیعت اور صاحب ارادہ کے اختیار میں نہیں ہے۔

۲۔ **ہجرت اختیاری:** یعنی انسان ایک حالت سے دوسری حالت، ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک عمل سے دوسرے عمل میں منتقل ہونا ہے اسکی اپنی جگہ چند اقسام ہیں:

الف۔ بہتر و برتر کو چھوڑ کر بدتر و برے حالات کی طرف ہجرت کرنا جیسے ایمان کو چھوڑ کر کفر و شرک کی طرف جانا، اسی طرح وطن اسلامی کو چھوڑ کر وطن کفر کی طرف جانا ہے جسے قرآن کی اصطلاح میں ارتداد کہتے ہیں بعض آیات کے تحت ایسے لوگ خسارے میں ہیں یہ زوال وسقوط اور اسفل السافلین کی جانب جا رہے ہیں۔

ب۔ بری و بدتر جگہ و حالت اور عمل سے بہتر کی طرف جانا، ارتقاء اور تمدن وترقی اسی کا نام ہے انسان کی فضیلت وشرافت اسی قسم کی ہجرت میں مضمر ہے یہ ہجرت بھی اپنی جگہ چند اقسام کی حامل ہے۔

☆ **عقیدتی ہجرت:** عقیدہ کفر و شرک کو چھوڑ کر توحید، نبوت اور معاد پر ایمان لانا ہجرت عقیدتی کہلاتا ہے اس ہجرت سے دوسری ہجرتوں کی بنیاد بنتی ہے۔

☆ **عملی ہجرت:** برے اعمال چھوڑ کر نیک اعمال کو اپنانا ہجرت عملی کہلاتی ہے۔

۳۔ **ہجرت مکانی:** جہاں انسان کیلئے دین پر عمل کرنے کے حوالے سے پابندیاں ہوں دین کا مظاہرہ کرنے اور لوگوں کو دین کی طرف دعوت دینے کی اجازت نہ ہو وہاں سے ہجرت کر کے کسی ایسی مناسب جگہ پر جانا جہاں دینی مقاصد پورے ہوتے ہوں ہجرت مکانی کہلاتا ہے قرآن کریم میں وارد زیادہ آیات میں اس قسم کی ہجرت کا ذکر ہوا ہے جہاں مومنین کی صفات بیان کی گئی ہیں قرآن وسنت میں ہجرت کی چند اور اقسام بیان ہوئی ہیں:

الف۔ **اجر وثواب کی بنیاد پر:** خداوند متعال نے مہاجرین کیلئے اجر وثواب بیان کیا ہے چونکہ ہجرت کا معنی ارتقاء ہے لہٰذا ہجرت

کیلئے پاداش میں اجروثواب بیان ہوا ہے جو دوسروں کیلئے نہیں ہے۔

ب۔ **مادیت کی بنیاد پر:** مادی فوائد حاصل کرنے کیلئے ہجرت کرنا روزگار کی تلاش میں نکلنے والے سے لے کر خانہ بدوش، زمین کاشت کرنے والے اور تجارت کرنے والے سب اس میں شامل ہیں۔

ج۔ **ماحول کی بنیاد پر:** انسان کا کسی ایسی جگہ کی تلاش میں ہجرت کرنا جہاں دین کو دوسروں تک پہنچایا جاسکے، ان آیات مبارکہ میں ہجرت کی صفات بیان ہوئی ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُوْلٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ﴾ "بیشک جو لوگ ایمان لائے نیز جنہوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ اللہ کے رحمت کے امیدوار ہیں" (بقرہ۲۱۸) ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ﴾ "جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے اموال سے اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک نہایت عظیم درجہ رکھتے ہیں" (توبہ۲۰)(حج ۵۸)

مہاجرین کی پذیرائی اور خدمت کرنے والوں کیلئے اجروثواب سورہ مبارکہ حشر ۹، انفال ۷۲ تا ۷۴ میں بیان ہوا ہے۔

روایات میں صفات ہجرت کی دو اقسام بیان ہوئی ہیں:

☆ برے اعمال کو ترک کرنا۔ ☆ راہ خدا اور رسولؐ کی تلاش میں امان والی جگہ جانا۔

ہجرت اصطلاح علماء و سیرت نویسان کے تحت ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہونا ہے اسی معنی میں تاریخ بشریت میں مندرجہ ذیل ذوات پاک نے ہجرت کی:

۱۔ عیش وعشرت، راحت کی زندگی میں دشمن کے پھسلانے پر خدا کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے حضرت آدمؑ کی ہجرت۔

۲۔ **ہجرت حضرت نوح**ؑ ۹۵۰ سال تک اپنی قوم کو ہدایت کرنے کے بعد جب مایوس ہوئے تو عذاب آنے پر کشتی کے ذریعہ ہجرت کی۔

۳۔ **ہجرت حضرت ابراہیم**ؑ بتوں کو توڑنے کی پاداش میں نمرود نے انہیں جلاوطنی کا حکم دیا اس پر آپؑ نے اپنی بیوی بھانجے حضرت لوطؑ کے ہمراہ حران اور فلسطین کی طرف ہجرت کی جیسا کہ سورہ عنکبوت کی آیت ۲۶ میں آیا ہے:

﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ﴾ "پس حضرت ابراہیم پر حضرت لوط ایمان لائے اور کہنے لگے کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔"

۴۔ **ہجرت حضرت موسیٰ**ؑ: فرعون کی طرف سے قتل کے ڈر سے مصر چھوڑ کر مدین کی طرف ہجرت کی۔ ہجرت کی تقسیم بندی داخلی اور خارجی اقسام کی بنیاد پر کی جاسکتی ہے۔

☆ **ہجرت داخلی:** جہاں انسان ایک حالت کو چھوڑ کر دوسری حالت کی طرف جاتا ہے جیسے جہل ونادانی اور فساد کی حالت سے نکل کر علم وآگاہی کی طرف جانا ہے۔ اسی طرح اپنے اندر سے ہجرت کرنا یعنی نفس اور خواہشات کو ترک کرنا۔

☆ **ہجرت خارجی:** ہجرت کی دوسری قسم ہجرت خارجی ہے یعنی ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانا اس کی بھی چند اقسام ہیں:
الف۔ یعنی ظالم و جابر حاکم کسی کو جلاوطن کرتا ہے۔
ب۔ فرار از مسئولیت
ج۔ ظالم و جابر کو تسلیم کرنے کی بجائے غیر ظالم کی طرف ہجرت کرنا۔
د۔ بلادِ اسلامی سے بلادِ کفر کی طرف ہجرت کرنا۔

چند دیگر اقسامِ ہجرت

ہجرت بعض گروہوں کیلئے سنگین اور گراں ہے کیونکہ ایک انسان جس نے عمر بھر ایک عادی زندگی گزاری ہو اس کے حصول کیلئے اس نے تگ و دو کر کے توانائیاں خرچ کی ہوں جب اسے اس جگہ کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ منتقل ہونا پڑے جہاں اس کیلئے کوئی بھی صورتحال واضح نہ ہو یقیناً یہ عمل اس کیلئے ناگوار اور ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ اس کا تعلق ہجرت مادی سے ہے۔ جب ہم پیغمبرؐ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کو سامنے رکھتے ہیں تو ہمارے ذہن میں ہجرت مادی اور جسمانی دونوں آتی ہیں۔ ہجرت ظاہری طور پر تغیر مکان یا تبدیلی مکان کا نام ہے۔ ہجرت کرتے وقت انسان کوئی امید و آرزو اور اہداف نظر میں رکھتا ہے جن کے حصول کی خاطر پہلی جگہ کو چھوڑتا ہے۔ کبھی انسان احساس کرتا ہے کہ وہ اس جگہ پر اپنے اہداف و مقاصدِ خداجوئی و خداپسندی کے اعمال انجام نہیں دے سکتا، حق و حقیقت کا اظہار نہیں کر سکتا ہے اسی طرح ظلم و فساد اور برائیوں کے خلاف مزاحمت نہیں کر سکتا تو ایسے حالات میں انسان کا ایسی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ کو منتخب کرنا حکم عقل کے ساتھ حکم شریعت بھی ہے چنانچہ قرآن نے ایسے حالات میں ایسی جگہوں کو چھوڑ کر امن و سکون سے دین و دیانت پر قائم رہنے والی جگہ تلاش کرنے اور اس کی طرف ہجرت کرنے کو مردانِ حق اور خدا پرست لوگوں کی سیرت و شیوہ میں شمار کیا ہے۔ جب انسان کی زندگی مادی پریشانی میں بسر ہو رہی ہو، حالات سازگار نہ ہوں، اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں تو اس وقت وہ لقمہ حیات اور رسائل زندگی کی تلاش میں نکلنا پسند کرتا ہے۔ گویا مادی نکتہ نظر کے تحت پریشانیوں سے نکل کر آرائش و آرام اور راحت والی زندگی کی تلاش میں نکلنے کو پسند کرتا ہے جبکہ ظلم و ظالمین اور جابرین کے زیر تسلط معاشرہ جہاں برائیوں کو فروغ حاصل ہو وہاں سے نکلنا ہجرت معنوی ہے۔ ہجرت معنوی میں عقیدے کا تحفظ، عقیدے سے دفاع، عقیدے کی طرف دعوت شامل ہے۔ اسی طرح تبلیغ رسالت، ظالمین و جابرین کے برے کردار کی مخالفت، خود کو ظلم و ظالمین سے نجات دلانا، عقیدے اور مکتب کو نجات دلانا بھی اس میں شامل ہے۔

۱۔ **ہجرتِ ملموس محسوس:** اس کے بارے میں فلاسفہ کہتے ہیں یہ ہیولائی ہے ہمیشہ لباس، صورتوں میں تبدیلی ہوتی ہے، بعض اوقات ملموس و محسوس ہوتی ہے اور تبدیلی نظر آتی ہے بدلتے ہوئے نظر آتے ہیں یعنی گذشتِ زمان کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس نے اپنی پہلی حالت نہیں رہی ہے۔

۲۔ **ہجرتِ عقلی:** عقل ہیولائی سے عقل بالفعل کی طرف، عقل بالفعل سے عقل مصفات کی طرف ہجرت کرنا ہے، جس طرح

انسان بچپنے سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے کی طرف ہجرت کرتا ہے یہ اجباری ہجرت ہے جس میں اس کا اپنا کوئی ارادہ و اختیار نہیں بلکہ یہ خدا کے قوانین کے تحت ہے۔

ایک ہجرت معنوی ہے یعنی ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف، ایک خصلت سے دوسری خصلت کی طرف، ایک خلق سے دوسری خلق کی طرف، ادنیٰ سے اعلیٰ، بری عادات و رسومات سے صالح عادات کی طرف، غلط چیزوں سے نفرت اور اچھی چیز سے محبت کرنے کی طرف بعض انسان ہجرت کرتے وقت کسی راہنما، رہبر کی پیروی کرتے ہوئے ہجرت کرتے ہیں یہ رہبر و راہنما کبھی عقل و فکر کی صورت میں ہوتا ہے کبھی کتاب اور کبھی دین و دیانت ہوتا ہے۔ انسان کبھی تنہا ہجرت کرتا ہے کبھی ایک گروہ کے ساتھ ہجرت کرتا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کی پوری حیات پاک ہجرت ہی ہجرت ہے جس میں ہجرتِ طبیعی، ہجرتِ اختیاری، ہجرتِ تکاملی جمع ہیں۔ پیغمبرؐ اپنے بچپنے میں عام بچوں کی طرح کھیل کود میں مصروف نہیں رہتے تھے بلکہ اپنے جد کے ساتھ بساطِ علم و حکمت، عدالت میں رہتے مجالسِ لہو سے دور رہتے اور خلوت کو ترجیح دیتے تھے، آپؐ نے گذشتہ ادیان میں گذرنے والے نوابغ بشر، اجتماعی و سیاسی اور دینوی لوگوں سے بلند تر ہجرت کی مثالیں قائم کیں۔ آپؐ نے اپنے دین و عقیدے کی خاطر تنہا خود ہجرت کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پہلے ایک گروہ کو ہجرت کیلئے بھیجا اور اس کے بعد آپؐ نے خود ہجرت فرمائی۔

اسلام اور ہجرت

قرآن و سنت کی روشنی میں کسی انسان کا اپنے وطن، جائے پیدائش یا محل سکونت کو چھوڑ کر کسی اور جگہ کو وطن بنانا ہجرت کہلاتا ہے فرق و احزاب میں ترک وطن یعنی ہجرت کا کوئی معقول تصور نہیں پایا جاتا کیونکہ ان کے نزدیک ان کی تمام سرگرمیاں اپنی قوم، قبیلہ اور وطن کیلئے ہوتی ہیں۔ ان کے نزدیک جو افراد عشائر و قبائل اور وطن کو چھوڑ کر کسی اور جگہ جاتے ہیں انہوں نے ان سے روگردانی کی ہے لہٰذا قوم پرست احزاب و فرق کے نزدیک یہ ایک مذموم و ناپسندیدہ عمل ہے ان کا کہنا ہے انھوں نے اپنے خاندان و قبیلے کو چھوڑا ہے جبکہ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن دین اسلام کسی قوم جغرافیہ یا وطن کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اس کی قوم اس کا عشیرہ و خاندان پیغام اسلام ہے جو تمام لوگوں اور تمام کرہ ارضی کیلئے ہے جہاں جہاں بھی انسان بستے ہیں ان کے لئے آیات قرآنی کے تحت اسلام کے داعی و بانی حضرت محمدؐ کی نبوت و رسالت ہے یعنی جہاں جہاں انسان ہیں اس رسالت و نبوت کا دائرہ وہاں تک ہے۔ زمین خدا کی ملکیت ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں لہٰذا قرآن کریم کی آیات کریمہ پر ایمان لانے اور اسلام کے داعی کی سنت پر عمل کرنے والوں کیلئے اپنے عشیرہ و قبیلہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ کا انتخاب کرنا موجود ہے بلکہ عقل اور قرآن و سنت کی رو سے بعض اوقات یہ ہجرت واجب ہے اور ترک ہجرت کو فعل حرام بلکہ قابل مذمت اور مستحقِ عقاب و سزا گردانا گیا ہے۔ ان حقائق کے تناظر میں جب ہم پیغمبر اسلامؐ کی سیرت طیبہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں جب پیغمبر اسلامؐ نے دعوت اسلام کا آغاز کیا تو قریش مکہ نے آپ کی اس دعوت کو ختم کرنے کیلئے ہر وسیلے اور ذریعے کو اپنایا اور فیصلہ

کیا کہ یہ دعوت نہ تو مکہ میں فروغ پائے اور نہ ہی مکہ سے باہر جائے کیونکہ یہ کسی بھی وقت اہل مکہ کیلئے خطرہ کا باعث بن سکتی تھی، وہ چاہتے تھے اس دعوت کو اس کے گہوارے میں ہی دفنا دیا جائے۔ مشرکین کے اس قول وفعل کو دیکھتے ہوئے پیغمبرؐ کے پاس فیصلہ کرنے کیلئے چند مفروضے بنتے تھے۔

۱۔ اس دعوت کے فروغ کے لئے استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو اور ایمان لانے والوں کو قربان کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی دعوت کا خاتمہ ہو جائے اس مفروضے کی حسن وخوبی کے بارے میں کوئی دلیل ومنطق اور توجیہ نظر نہیں آتی اس کی کیا منطق ہے کہ اگر ایک جگہ پر دعوت کو پذیرائی نہ ملے اور اس جگہ پر لوگ اسے مسترد کر دیں تو اسے باہر نکالنا جائز نہ ہو اگر یہاں کے لوگ ہی اسے قبول نہ کریں گے تو یہ پیدا ہوتے ہی ختم ہو جائے گی اس مفروضے پر عمل کرنے کی کوئی دلیل ومنطق نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا مفروضہ اس دعوت کو یہاں سے نکالا جائے لیکن دعوت کو نکالنے سے پہلے دوسوال پیدا ہوتے ہیں:

☆اسے کہاں لے جایا جائے؟ ☆ کون اسے لے کر جائے؟

ان دوسوالوں کے جواب قرآن کریم کی آیات اور سنت رسولؐ کی روشنی میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

۳۔ دعوت چونکہ عالمی وانسانی ہے لہٰذا اسے کسی بھی جگہ لے جانے میں قباحت وکراہت نہیں ہے لیکن وہ جگہ اس جگہ سے مختلف ضرور ہو گرنہ اسے پہلے والی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا اور دعوت کو یہاں سے بھی نکالنا پڑے گا لہٰذا بہتر جگہ کی تلاش کرنی چاہیے اس کے بھی چند مفروضے ہیں:

الف۔ جگہ ایسی ہو جہاں داعی آسودہ خاطر ومطمئن ہو اور جبر وتشدد اور سختیوں سے پاک ماحول میسر ہو تا کہ کم سے کم اگر دعوت کو فروغ نہ بھی مل سکے تو ہجرت کرنے والوں کا خاتمہ نہ ہو، داعی اپنی دعوت پر قائم واستوار اور پابند وثابت قدم رہ سکے۔

ب۔ اس دعوتی عمل کو فروغ دینے والے افراد کو صاحبان عقل وشعور ہونا چاہیے تا کہ دعوت بذات خود ان کیلئے قابل ہضم ہو، وہ اس راہ میں پیش آنے والی مصیبتوں اور سختیوں پر ثابت قدم رہنے کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کے ہجرت کرنے پر دعوت کیلئے اچھے تاثرات قائم ہونے چاہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں ہم پر واضح ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کیوں اپنی دعوت کو مکہ سے نکالنے کیلئے مسلسل سوچتے رہتے تھے۔ آپ کی یہ سوچ چند صورتوں میں پوری ہوئی۔

قرآن وسنت میں ہجرت

قرآنی ثقافت میں خداوند عالم نے اپنے بندوں کیلئے پسندیدہ وگراں قدر اعمال میں سے ایک عمل ہجرت کو قرار دیا ہے لہٰذا قرآن کریم میں ہجرت کی فضیلت کے بارے میں بہت سی آیات بیان ہوئی ہیں ہجرت کی اہمیت اور مقام ومنزلت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی تاریخ کا آغاز ہجرت پیغمبرؐ سے ہوا قرآن وسنت میں ہجرت کی اتنی فضیلت کیوں بیان ہوئی ہے؟ انسان کے اندر ہجرت کب اور کیسے پیدا ہوتی ہے اس حوالے سے ہمیں چند صفحات ہجرت کے بارے میں لکھنے کی ضرورت ہے۔

قرآن میں ہجرت

ہجرت مادہ ہجر یا ہجو سے ہے ہجرت اسم مصدر ہے لغت عرب میں مندرجہ ذیل معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ کسی چیز کے چھوڑنے کو ہجرت کہتے ہیں:

﴿إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ ”میری قوم نے اس قرآن کو واقعی ترک کر دیا تھا۔“ (فرقان۳۰)

۲۔ کسی چیز کے پیچھا کرنے کو ہجرت کہتے ہیں:

﴿وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ﴾ ”اور انہیں بستروں پر تنہا چھوڑو۔“ (نساء۳۴)

۳۔ ایک دوسرے سے الگ ہونے کو ہجرت کہتے ہیں:

﴿وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا﴾ ”بس تو ہمیشہ کیلئے مجھ سے الگ ہوجا“ (مریم۴۶) ﴿مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ﴾ ”اکڑتے اینٹھتے افسانہ گوئی کرتے اسے چھوڑ دیتے تھے“ (مومنون۶۷)

۴۔ کسی چیز کی طرف توجہ، رخ کرنے کو ہجرت کہتے ہیں۔

۵۔ بے ہودہ گوئی اور بد زبانی کرنے کو ہجرت کہتے ہیں۔

۶۔ رابطہ توڑنے کو ہجرت کہتے ہیں۔

۷۔ ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جانے کو ہجرت کہتے ہیں۔

۸۔ قرآن میں دیار کفر کو چھوڑ کر وطن ایمانی کی طرف جانے کو ہجرت کہتے ہیں:

﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ ”اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سی پناہ گاہیں اور کشائش پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کی غرض سے نکلے پھر راستے میں اسے موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہوگیا۔“ (نساء۱۰۰) (بقرہ۲۱۸)

ہجرت ومہاجر

قرآن کریم میں مومنین کی صفاتِ حمیدہ اور حلیلہ میں سے ایک ہجرت کو قرار دیا گیا ہے چوبیس (۲۴) سوروں میں ہجرت اور ہجرت کرنے والوں کا ذکر آیا ہے۔قرآن کبھی اقدار کی تعریف کرتا ہے اور کبھی ان اقدار کے حامل افراد کے مقام ومنزلت کا ذکر کرتا ہے خداوند عالم نے ایمان باللہ وآخرت کے بعد مردِ مومن کیلئے راہِ خدا میں ہجرت کو بہتر عمل قرار دیا ہے سورۂ بقرہ کی آیات ۱۷۷ سے ۱۷۹ میں اس کا ذکر ہوا ہے۔ہجرت انسان کیلئے ناگوار اور نا قابل برداشت ہے مگر ان ذوات کیلئے نہیں جنھیں ایمانِ باللہ کی وجہ سے ایسا کرنا پڑے چنانچہ پیغمبر اسلامؐ کو اہل مکہ نے مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ﴾"اگر تم ان کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جبکہ انھیں کافروں نے نکال دیا تھا۔" (توبہ۴۰) (محمد۱۳)

علمائے لغت عرب نے ہجرت کا معنی کسی چیز سے دوری انتخاب کرنا بیان کیا ہے یعنی جو چیز انسان کیلئے ناگوار ہو اس سے دوری اختیار کرنا لیکن اسلام میں ہجرت پسندیدہ چیز سے دوری کا انتخاب کرنا ہے۔ہجرت کے حوالے سے ہم یہاں آپ کی خدمت میں پانچ موضوعات پر گفتگو کرینگے:

۱۔خدا کے نزدیک مہاجرین کا مقام ومنزلت: خداوند متعال نے قرآن کریم میں ہجرت کرنے والوں کا مقام ومنزلت بیان کیا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾

"جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے اموال سے اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں جہاد کیا وہ اللہ کی نزدیک نہایت عظیم درجہ رکھتے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔" (توبہ۲۰) (نحل۴۱،۱۱۰)

۲۔ہجرت کرنے والوں کے احکام: دارِ کفر سے دارِ اسلام کی طرف ہجرت انسانِ مسلمان کے دین وایمانِ کامل، صدق وصفا اور یقین محکم کی علامت ہے جبکہ ہجرت نہ کرنے والے کو ضعیف الایمان قرار دیا گیا ہے قرآن کریم ہجرت نہ کرنے والوں کی سختی سے مذمت کی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا﴾"وہ لوگ جو اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں، تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں: ہم اس سرزمین میں بے بس تھے فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی سرزمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟" (نساء۹۷)﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾"اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سی پناہ گاہیں اور کشائش پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کی غرض سے نکلے پھر راستے میں اسے موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہو گیا" (نساء۱۰۰)

صلح حدیبیہ کے بعد مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والی عورتوں کے امتحان لینے کا حکم ہوا:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَآئَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْھُنَّ﴾ ''اے ایمان والو! جب ہجرت کرنے والی مومنہ عورتیں تمہارے پاس آجائیں تو تم ان کا امتحان کرلیا کرو'' (ممتحنہ۱۰)

ہجرت کرنے کے بعد حکومتِ اسلامی کا حق بنتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی فریاد کو پہنچے اور ان کی حمایت کرے:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ﴾ ''ہاں اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے۔'' (انفال۷۲)

۳۔ ہجرت سیرۂ مستمر انبیاء ؑ ہے:

﴿وَقَالَ اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ﴾ ''اور اس نے کہا میں تو ہجرت کر کے اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔'' (صافات۹۹)(انبیاء۷۱)

۴۔ تاریخ اسلام میں ہجرت و مہاجرین کا کردار اور تاریخ اسلام میں ہجرت کی اہمیت: تاریخِ اسلام میں ہجرت اپنے تمام پہلوں سے برتر و برجستہ مقام کی حامل ہے لہٰذا پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد جب تاریخ اسلام کی بنیاد ڈالنے کی بات چلی کہ مسلمان اپنی تاریخ کہاں سے شروع کریں تو کسی نے ولادتِ پیغمبرؐ، کسی نے بعثتِ پیغمبرؐ اور کسی نے فتح مکہ کا مشورہ دیا لیکن مولا امیر المومنینؑ نے ہجرتِ پیغمبرؐ کو تاریخ اسلام قرار دیا کیونکہ اس دن مسلمانوں نے کفر کے مقابلے میں اپنے لئے ایک آزاد و خود مختار زندگی حاصل کی تھی۔ پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کیلئے ہجرتِ مدینہ خدا کی طرف سے عنایت اور الطافِ جلیلہ تھی چنانچہ سورۂ انفال کی آیات ۲۶ اور ۳۰ میں اس کا ذکر آیا ہے۔

۵۔ ہجرت کیلئے نکل کر دارالہجرت پہنچنے سے پہلے مرنے والے افراد: جندب بن ضمرہ پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے والے عمر رسیدہ انسان تھے یہ پیغمبرؐ اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ ہجرت نہ کرسکے جس کی وجہ سے وہ افسردہ و محزون تھے انہوں نے اپنے بچوں سے کہا کہ کسی طرح مجھے مدینہ پہنچا دو میں مکہ میں نہیں بیٹھ سکتا، چنانچہ ایک دن حالتِ بیماری میں اس نیت کے ساتھ گھر سے نکلے کہ جو بھی ہو جائے مدینہ جاؤں گا لیکن اس سفر ہجرت کو طے نہ کرسکے موت نے انکا استقبال کیا انہوں نے دعا کی خداوندا! مجھے ہجرت کرنے والوں کا ثواب عنایت فرما:

﴿وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا کَثِیْرًا وَّسَعَةً وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ﴾ ''جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے گا وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف نکل کھڑا ہوا پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہوگیا۔'' (نساء۱۰۰)

ہجرت پیمانہ صدق وصفا

خداوندمتعال نے ہجرت کومومنینِ خالص وناقص اورجھوٹے لوگوں میں ایمانِ صادق کی نشانی قراردیا ہے۔حقیقی معنوں میں ایمانِ باللہ اورآخرت کے بعد تیسرامرحلہ ہجرت ہے:حشر۹،بقرہ۲۱۶،توبہ۱۰۲،۱۰۹۔

خداوند عالم نے قرآن کریم میں مہاجرین کونصرت ومددکاوعدہ فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ "جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں ترک وطن کیا ہے،ہم انھیں بہترٹھکانادنیامیں عطافرمائیں گے۔"(نحل۴۱)(عنکبوت۵۶)

ہجرت اپنی جگہ فضیلت رکھتی ہے ہجرت میں پہل کرنے والوں اوربعد میں ہجرت کرنے والوں میں فرق ہے سورۂ توبہ کی آیت ۱۰۰میں پہلے ہجرت کرنے والوں کوبعد میں ہجرت کرنے والوں پر برتری دی گئی ہے خداوند عالم نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کرنے اورانفاق کرنے والوں کوبعد میں ہجرت کرنے والوں پرمقدم رکھا ہے:

﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُوْلٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً﴾ "تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے اورقتال کیا ہے وہ برابرنہیں۔"(حدید۱۰)

ہجرت کرنے والےاورہجرت کوپذیرائی دینے والے

کسی کے کرداریاشخصیت،منصب واقتدارکوپیش کرتے وقت اسے کم اہمیت دینایاذکرنہ کرناعلمائے اجتماع کے نزدیک جرم وجنایت میں شمارہوتا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے بُرے نتائج برآمدہوتے ہیں اس سلسلے کی ایک مثال مسلمانوں کا سیرتِ تیرۂ مسلمانانِ ابتدائے اسلام کے ساتھ ناانصافی کرتے ہوئے انھیں نظرانداز کرنااورکم اہمیت دینا ہے جس سے انکاچہرہ غبارآلودیا دھندلاگیا ہے۔یہ عمل صدراسلام کے مسلمانوں کی قربانیوں کوفراموش کیے جانے کے مترادف ہے۔اس سلسلے میں ہم یہاں ہجرت کے حوالے سے اپنی بے توجہی کی طرف متوجہ ہوں گے۔ہجرت کرنے والوں کوپذیرائی دینے والوں کے درخشان وتابناک چہرے قلم وبیان میں کم ہی آتے ہیں۔ذکرِہجرت کے موقع پرہجرت کرنے والوں اورمہاجرین کوپذیرائی دینے والوں کے کردارکوواضح انداز میں سامنے لانے کی ضرورت ہے۔

جومکہ لاکھوں حجاج کواپنے آغوش میں مہمان نوازی کرنےوالوں کی سرزمین ہے۔سرزمینِ مکہ میں مشرکین کاگھیراؤتنگ ہونے کے بعدوہاں اس وقت گنتی کے چندمسلمانوں کیلئےاپنے گھرکی چھت بھی تنگ ہوگئی تھی پیغمبراسلامؐ نے انھیں یہ زمین چھوڑکریثرب کی طرف ہجرت کرنے کامشورہ دیا۔رسولِ اسلامؐ کےاس فرمان کے تحت مسلمانوں نے اپنے خانہ وآشیانہ اورعزیزواقارب کی جدائی میں قربِ رسولؐ کوپسندیدگی سے دیکھتے ہوئے سرزمینِ یثرب میں فقروفاقہ،غربت اوربے کسی وبے بسی کی زندگی کا انتخاب کیا۔مسلمانوں کووہ منظرنہیں بھولناچاہیے کہ جن مسلمانوں نے پیغمبراسلامؐ کی دعوت کوقبول کیاوہ کیسے آمادہ ہوئے کہ اپنے مادری وطن کوچھوڑکرجائیں،انھوں نے یہ سفرکس امید کی بنیادپرکیا وہ لوگ کس قسم کےدلوں کے مالک تھے؟

عصرِ حاضر کے نام نہاد مسلمانوں کی ہجرت کا اُس ہجرت سے موازنہ نہیں کرنا چاہیے جو اس وقت اپنے تمام مال ومتاع کو پہلے مرحلے میں کفروشرک کی جگہوں میں منتقل کرتے ہیں اس کے بعد اپنی عیش ونوش اور روزگار کی خاطر بلادِ اسلام وایمان اور مسلمانوں کے قرب وجوار کو خیرباد کہہ کر بلادِ کفروشرک کے قرب وجوار میں ہجرت کرتے ہیں اور اس کے مقابل میں وہ ہجرت کرنے والے لوگ اپنے تمام مال ومتاع کو کفروشرک کیلئے چھوڑ کر صرف ایمان کو لے کر ایک ان دیکھی منزل کی طرف فقروفاقے کی زندگی گزارنے کیلئے ذہن کو آمادہ کرکے نکلے یہ ان کا دل اور گردہ تھا معلوم نہیں ان کے دل نے اتنی جلدی اپنے قبلہ کا رخ کیسے بدلا، یہ تاریخِ ہجرت کنندہ گان کے درخشان وتابناک صفحات ہیں انھوں نے ایمانِ باللہ وایمان بہ رسول کو اپنی زندگی کا زادِ راحلہ بنا کر اور اس پیچ وخم والے راستوں سے گزر کر اپنے عزیز واقارب کی بجائے پر ان (اہل یثرب) کے سائے میں رہنے کو ترجیح دی دوسری طرف انصار نے انھیں اپنے دل میں کس قدر جگہ دی یہ بھی تاریخ کے درخشان وتابناک صفحات ہیں۔

مہاجر خواتین

ہجرت حفظِ دین اور بلند وارفع درجات کی حامل ہے خداوند عالم نے خواتین کی ہجرت کو خاص اہمیت دے کر اسکا جداگانہ ذکر کیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ﴾ ”اے ایمان والو! جب ہجرت کرنے والی مومنہ عورتیں تمہارے پاس آجائیں تو تم ان کا امتحان کرلیا کرو۔“ (ممتحنہ ۱۰) ﴿فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ﴾ ”اور کتاب اللہ کی رو سے رشتے دار آپس میں مومنین اور مہاجرین سے زیادہ حقدار ہیں۔“ (احزاب ۶)

مسلمانوں کی ہجرت کی تفصیلات درج ذیل ہیں

مکہ سے باہر پرامن جگہ کی تلاش اور مراحل ہجرت: جب قریش نے پیغمبرؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والوں پر کڑی نظر رکھنا شروع کی اور مسلمانوں کو منتشر کرنے اور دعوت کو روکنے کی تمام کوششوں کو بروئے کار لائے تو نبی کریمؐ یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ اپنی دعوت کو خطرہ لاحق ہونے سے پہلے اسے مکہ سے باہر منتقل کیا جائے۔

ہجرت حبشہ

فرید وجدی دائرۃ المعارف قرنِ عشرین ج ۳ میں لکھتے ہیں حبشہ مادۂ حبش سے ہے جس کیلئے چند معانی ذکر ہوئے ہیں مثلاً جمع کرنا اور جمع ہونا، اس گروہ یا جماعت کو کہتے ہیں جو مختلف قبائل سے اکٹھا کرکے جمع کی گئی ہو، یہ لفظ دو صورتوں میں ہوتا ہے۔ پہلا حباشات اور آخری احابیش ہے۔ اسی سے حیشمہ آتا ہے یعنی وہ اونٹ جو بہت سیاہ ہو جس طرح سیاہ چیونٹی۔

احابیشِ قریش ایک قوم ہے جو کنانہ، خزیمہ اور خزاعہ تینوں سے مرکب ایک گروہ ہے یہ مکہ میں ایک پہاڑ کے ساتھ یا دامن میں رہتے تھے اس وجہ سے اس پہاڑ کو حبشہ کہا گیا ہے۔ اسی سے حبشہ ہے جو شمالی افریقہ کے مشرق کی طرف ہے، اس کے شمال میں سوڈان مصری برطانی اور اریتریا ہیں اور جنوب شرقی کی طرف افریقہ انگریزی اور سومال ہیں۔ لغت نامہ دھخدا میں ہے یہ بہت بڑی مملکت ہے اس کے جنوب میں کینیا، آسٹریلیا، ایریٹلیا اور صومالیہ وغیرہ ہیں۔

چوتھی میلادی کی ابتداء میں اہل حبشہ کا ایک گروہ سوریا سے حجاز آیا اور یہاں کے رہنے والوں کو دین مسیحؑ کی طرف دعوت دی، اس طرح یہاں مسیحیت کو فروغ ملا۔ اس سے پہلے یہ لوگ دین موسیٰؑ پر تھے۔ اہل حبشہ یمن اور حجاز تک پھیلے ہوئے تھے پیغمبر اسلامؐ کے زمانے میں پر حبشہ کے حاکم کو نجاشی کہتے تھے۔

قریش کے مظالم سے بچنے کیلئے آپؐ نے بعثت کے پانچویں سال رجب میں چند افراد کو حبشہ کی طرف روانہ کیا لیکن اس نئی جگہ کے انتخاب کے باوجود وہاں دعوت کیلئے ماحول سازگار و پرامن نہیں تھا کیونکہ وہاں کے رہنے والے نصرانی تھے جو بذات خود اپنے دین کے بارے میں متشدد تھے مقتدر بادشاہ یقیناً اپنی حکومت کے سایے میں ایک نئی دعوت کو پھلنے پھولنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا لہٰذا یہ جگہ دعوت کیلئے مناسب نہیں تھی تاہم حاکم نجاشی ایک شریف انسان تھا جو بے جا کسی شخص پر ظلم سے نفرت کرتا تھا اگر چہ مظلوم اس کے مذہب پر نہ بھی ہوتا گویا آج کی اصطلاح کے مطابق وہ اقلیتوں کو بیجا اذیت و آزار پہنچانے کے حق میں نہیں تھا وہ لوگوں کے جان و مال اور عزت کے تحفظ کو اپنی ذمہ داری سمجھتا تھا۔ پیغمبر اسلامؐ نے نجاشی کی اس اخلاقی و اجتماعی خصلت کو دیکھ کر فرمایا وہ ہم میں سے (مسلمان) نہیں ہے، راستہ بھی مشکل ہے لیکن داعی و دعوت کیلئے پرسکون جگہ ملنے تک بے بس و بے چارے افراد کا تحفظ اور اسلام کے اس مقدس پیغام کو مکہ کی سرحدوں سے باہر پہنچانا ضروری تھا ہجرت کیلئے حبش کا فیصلہ کیا گیا جہاں حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والے رہتے تھے اس وقت حبش کا بادشاہ نجاشی تھا جو عقل و فراست اور مروت کا حامل انسان تھا۔

پیغمبرؐ کے اس فرمان کے تحت مکہ سے ایک قافلہ ہجرت کے لئے آمادہ ہوا، اس ہجرت کو ہجرت اُولیٰ کہتے ہیں۔ کتاب فقہ السیرۃ النبویؐ میں ماہر و عالم سیرت نبویؐ نے ابن اسحاق سے نقل کیا ہے اس ہجرت میں نکلنے والے درج ذیل افراد تھے:

۱۔ بنی ہاشم سے جعفر بن ابی طالب اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس۔

۲۔ بنی امیہ بن عبد شمس سے عثمان بن عفان اور ان کی بیوی رقیہ بنت رسول اللہؐ۔

۳۔ بنی عبد شمس سے ابوحذیفہ بن عتبہ اور ان کی بیوی سھلہ بنت سہیل۔

۴۔ بنی اسد بن عبد العزیٰ بن قصی سے زبیر بن عوام بن خویلد۔

۵۔ بنی عبد الدار بنی قصی سے مصعب بن عمیر۔

۶۔ بنی زھرہ بن کلاب سے عبد الرحمٰن بن عوف۔

۷۔ بنی مخزوم سے ابوسلمہ بن عبد الاسد اور ان کی بیوی ام سلمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ۔

۸۔ بنی جمح سے عثمان بن مظعون۔

۹۔ عبد اللہ بن مسعود۔

۱۰۔ بنی عدی بن کعب سے عامر بن ربیعہ جو کہ آل خطاب کے حلیف تھے اور عمر بن وائل اور ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ۔

۱۱۔بنی حارث بن فہر سے سہیل بن بیضاء۔
۱۲۔بنی اسد بن خزیمہ سے عبداللہ بن جحش بن رئاب ان کے بھائی عبیداللہ بن جحش اوران کی بیوی ام حبیبہ بن ابی سفیان،قیس بن عبداللہ اوران کی بیوی بر کتہ بن یسار۔
۱۲۔بنی نوفل بن عبدمناف سے عتبہ بن غزوان بن جابر بن وہب۔
۱۳۔بنی عامر بن لوی سے ابو سیرہ بن ابی رہم۔
۱۴۔حاطب بن عمرو۔

تومسلم حبش کی جانب ہجرت کیلئے نکلےتو بعض تاریخ دانوں کے مطابق ان کی قیادت عثمان ابن عفانؓ کررہے تھےاور کہا جاتا ہے کہ جعفرابن ابی طالب قائد تھےبعض افراد کا خیال ہے کہ پیغمبراسلامؐ نے ان افراد کومحفوظ جگہ کی جانب ہجرت کرنے کاحکم دیا کیونکہ یہ لوگ ضعیف وناتواں اور کمترور تھےاوران افراد کے دفاع اورحمایت وطرفداری کرنے والا کوئی نہیں تھا لیکن یہ فلسفہ درست نظرنہیں آتا کیونکہ جن افراد نے پیغمبرؐ کے حکم سے حبشہ کی جانب ہجرت کی ان افراد کاتعلق مکہ کے بڑے بڑے خاندانوں سے تھا جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ وہ اپنے قبیلے کی بڑی بڑی شخصیات اورصاحبان عزت تھے۔ جب ان افراد کے مکہ سے ہجرت کرنے کی خبرمشرکین کوملی تو ان پر وحشت طاری ہوئی کیونکہ مختلف خاندانوں کے افراد پیغمبرؐ کی دعوت کولے کرجانے میں کامیاب ہوگئے لہٰذاوہ کسی بھی وقت مکہ پرحملہ کرسکتے تھے چنانچہ مشرکین اس بات کونظر انداز بھی نہیں کرسکتے تھےانہوں نے اس صدمہ کےفوراًبعدان افرادکوواپس لانے کیلئےحرکت کی اوران کاپیچھا کرتے ہوئےمنیٰ پہنچے،انہیں معلوم ہوا قافلہ یہاں سے نکل چکا ہے یہ مایوس ہوکرواپس آگئے اوربعد میں افواہ اڑائی گئی کہ محمدؐ اورقریش کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوگیا ہےلہٰذااب مسلمان مکہ میں اپنے مذہب پررہ سکتے ہیں ہجرت کرنے والےافرادکو جب یہ خبرملی تو وہ دوبارہ مکہ کی جانب روانہ ہوئے انہوں نے اپنے خاندانوں سے رابطہ کیااوران کے تحفظ میں یہ لوگ واپس مکہ پہنچےلیکن دیکھا حالات جوں کےتوں ہیں بلکہ اس سے بھی بدترشکل اختیارکرچکے ہیں چنانچہ پیغمبرؐ نے انہیں دوبارہ ہجرت کرنے کاحکم فرمایااس مرتبہ تقریباًاسی ۸۰ سے زائد صحابہ نے مکہ سے ہجرت کی جن میں مردوعورتیں اوربچے سب شامل تھے۔

نبی کریم ﷺ اور ہجرت

پیغمبر اسلامؐ تیرہ سال قریش کی تکذیب وافتراء توہین وتہمت اور ظلم وتشدد کو برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ آپؐ بلال و یاسر اور صہیب رومی × پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم کا بھی دفاع نہیں کر سکتے تھے اور انہیں یہ کہہ کر تسلی دیتے خدا نے آپ کو وعدۂ جنت دیا ہے۔

طائف

طائف مادۂ طوف سے ہے جسکا معنی گردش ہے، مکے کے مشرقی جانب تقریباً نوے (۹۰) کلومیٹر پر ایک مشہور شہر ہے یہ شہر سرسبز وشاداب ہونے کے ساتھ میوہ جات، انگور، انار کی فراوانی سے مالا مال ہے اہل مکہ کے صاحبانِ ثروت گرمیوں میں یہاں سیر وتفریح کیلئے آتے تھے۔

رسول ﷺ کا طائف کی طرف ہجرت فرمانا

پیغمبر اسلامؐ نے مکے سے طائف کی طرف اس امید سے ہجرت کی کہ بنی ثقیف آپ کی دعوت کو قبول کریں گے۔ آپ مکے سے ستائیس شوال بعثت کے دسویں سال ابو طالبؑ اور حضرت خدیجہؑ کی وفات کے بعد خود کو بے سہارا سمجھ کر اپنے آزاد کردہ زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ طائف پہنچے تو قوم کے سرداروں کو دعوت اسلام دی انھوں نے انتہائی جسارت آمیز اور اہانت بھرے کلمات استعمال کئے، کسی نے کہا ہم تم سے بات ہی نہیں کرتے، ایک سردار نے کہا اگر تم نبی ہو جیسا کہ تم کہتے ہو تو تمہاری بات رد کرنا میرے لئے بہت خطرناک ہے اور اگر جھوٹ بولتے ہو تو مجھے تم سے بات ہی نہیں کرنی چاہیے، کسی نے کہا کہ خدا کیلئے سب ختم ہو گئے تھے جو تم ہی کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔

انہوں نے بچوں اور غلاموں کو آپ کے پیچھے لگا دیا وہ آپ کو سب کرتے اور پتھر مارتے، یہاں تک کہ آپؐ کے پاؤں زخمی ہو گئے زیدؓ بن حارثہ آپ کو ان سے بچاتے آپ کے سر پر بھی چند زخم آئے۔ آپ ایک باغ میں پہنچے جسکے مالک ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ تھے وہاں سے وہ لوگ واپس چلے گئے۔ پیغمبرؐ زخموں سے چور اور تھکے ہوئے تھے آپ نے ایک انگور کے درخت کے سائے میں استراحت فرمائی۔ جب پیغمبرؐ کو کچھ دیر سکون ہوا تو آپ نے یہ دعا فرمائی:

> "اللّٰھم الیک اشکو ضعف قوتی وقلة حیلتی و ھوانی علی الناس یاارحم الراحمین، انت رب المستضعفین وانت ربی، الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی ام الی عدوٍ ملکته امری؟ ان لم یکن بک علی غضب فلاابالی، ولکن عافیتک ھی اوسع لی، اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت له الظلمات و صلح علیه امر الدنیا والاخرۃ من ان تنزل بی غضبک اویحل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی، ولا حول ولاقوۃ الا بک" "بارالہا! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو

ہی میرا بھی رب ہے تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس پر دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔"

ادھر آپؐ کو ربیعہ کے بیٹوں نے اس حالتِ زار میں دیکھا تو انہیں قرابت میں کا احساس ہوا انھوں نے نصرانی غلام جس کا نام عداس تھا کو کچھ انگوروں کے ساتھ پیغمبرؐ کی طرف بھیجا۔ جب عداس نے آپؐ کے سامنے انگور رکھے تو آپؐ نے اپنا ہاتھ نکالا اور بسم اللہ کر کے ایک انگور لیا، عداس کو بہت تعجب ہوا اس نے کہا یہ کلمہ یہاں تو کوئی نہیں پڑھتا، پیغمبرؐ نے اس سے پوچھا تم کون ہو تمہارا مذہب کون سا ہے اس نے جواب دیا میں عیسائی ہوں موصل (نینوی) کا رہنے والا ہوں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کیا تم یونسؑ بن متی کی بستی کے رہنے والے ہو اس نے کہا آپ کس طرح جانتے ہیں پیغمبرؐ نے فرمایا وہ میرا بھائی ہے وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں اس پر اس نے پیغمبرؐ کے ہاتھوں اور پاؤں کو چوما۔

پیغمبر اکرمؐ جب اہل طائف کی طرف سے مایوس ہوئے تو آپ کسی پناہ دہندہ کی تلاش میں تھے اس نقل کو کتب سیرت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی مکہ میں داخلے کیلئے پناہ دہندہ کی تلاش

کتاب سیرت مصطفیٰؐ میں تبریزی سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ طائف سے واپسی پر شہر میں داخل ہونے سے پہلے بعض اہل مکہ سے ملے۔ آپؐ نے ان میں سے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا تم میرا پیغام شہر میں پہنچانے کیلئے تیار ہو؟ تو اس نے ہاں میں جواب دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اخنس بن شریق تک میرا پیغام پہنچا دو کہ کیا تم اپنے رب کا پیغام پہنچانے کیلئے محمدؐ کو پناہ دینے کیلئے تیار ہو اس شخص نے شہر میں جا کر اخنس کو پیغمبرؐ کا پیغام پہنچایا۔ تو اخنس نے کہا کہ حلیف کسی کو پناہ نہیں دے سکتا وہ شخص وہاں سے پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کو اس کے جواب سے آگاہ کیا۔ آپؐ نے اس سے فرمایا کہ کیا تم واپس اسی کام کے حوالے سے جانے کیلئے تیار ہو تو اس نے ہاں میں جواب دیا۔ پیغمبرؐ نے اس سے کہا کہ سہیل بن عمرو سے جا کر کہو کہ محمدؐ چاہتے ہیں کہ تبلیغ رسالت کے سلسلے میں تمھاری پناہ میں رہیں حضرت محمدؐ کا پیغام پہنچائے جانے پر سہیل بن عمرو نے بھی یہ کہہ کر اس بات کو رد کر دیا کہ بنی عامر بنی کعب کو پناہ نہیں دیتے۔ تیسری بار نبی کریمؐ نے اپنے قاصد کو مطعم بن عدی کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ محمدؐ تمھاری پناہ میں رہیں؟ مطعم نے اسے قبول کیا۔ مطعم کی جانب سے پناہ دینے کی حامی بھرنے کے بعد پیغمبرؐ مکہ میں داخل ہوئے، مطعم رائج رواج کے مطابق اپنے اور برادرزادہ بیٹوں کے ساتھ مسلح ہو کر مسجد میں داخل ہوا۔ اس موقع پر ابو جہل نے مطعم سے استفسار کیا کہ تم کسی کے تابع بننا چاہتے ہو یا پناہ دہندہ۔ مطعم نے کہا کہ میں مجیر بننا

چاہتا ہوں تو ابو جہل کا کہنا تھا کہ جسے تم پناہ دینا چاہتے ہو اسے ہم بھی پناہ دیں گے۔ کتاب میں آگے جا کر یہ ذکر نہیں ملتا ہے کہ حضرت محمدؐ مطعم کے پاس گئے یا نہیں اگر گئے تو کس قسم کی بات چیت یا عہد و پیان ہوا۔ اس بارے میں کتاب کے صفحات خاموش ہیں البتہ صرف یہ کہا گیا ہے کہ محمدؐ مطعم کی پناہ میں رہے۔ سیرت ابن ہشام اور تاریخ دانوں سے نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ ایام حج میں قبائل عرب کے خیموں میں جاتے اور یہ فرماتے کہ اے قبیلہ فلاں میں خدا کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں تا کہ تمہیں خدا واحد کی عبادت و بندگی اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرانے کی دعوت دوں۔ میری تصدیق، میرا دفاع کرو تا کہ میں خدا کے پیغام کو پہنچا سکوں۔ بتایا جاتا ہے کہ پیغمبرؐ ہر خیمے میں جاتے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کے پیچھے ایک غصیلا (احول) شخص مخصوص لباس میں ملبوس پھرتا تھا۔ جب رسول اللہ خیموں میں مقیم لوگوں سے گفتگو ختم کر کے نکلتے تو وہ لوگوں سے یہ کہتا کہ یہ شخص تمہارے لات ومنات کو چھوڑنے کی دعوت دے رہا ہے۔ اس کی اطاعت مت کرو اور اس کی بات مت سنو جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ پیغمبرؐ کا چچا ابولہب ہے۔

اب ہم مختلف کتب سیرت میں موجود نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ سے متعلق اپنی نوعیت کے اہم پہلوؤں کی طرف آتے ہیں اور اس پہلو کو قرآن وسنت اور خود رسول اللہؐ کی حیات طیبہ کی کسوٹی سے گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وہ نبی جس نے دس بارہ سال مسلسل اہل مکہ اور عرب کو دعوت توحید یعنی شرک و بت پرستی چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کیلئے دعوت دی اپنی جان تک کو داؤ پر لگایا، تین سال تک فقر و فاقہ محرومیت، تنہائی کی زندگی کے لمحات میں صبر و استقامت دکھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور وہ داعی جس نے سرزمین طائف کے مشرکین کی جانب سے اعصاب شکن اور مایوس کن ردعمل کے دوران احمقوں، پاگلوں، غلاموں اور بچوں کے استہزاء اور مسخرہ پن سے گزرنے کے بعد دیوار سے تکیہ کر کے بارگاہ خداوندی میں التجا کی کہ اگر تو میرے ساتھ ہے تو خلق کی طرف سے مجھے چھوڑنے پر کوئی پرواہ نہیں ان کے بارے میں کہا جانا کہ آپ طائف سے واپسی پر اسلام و مسلمین کے تین سرسخت مخالف و مشرکین سے پناہ کی درخواست کرتے رہے یہ منطق آیات قرآن سے کہاں تک متصادم یا مطابقت رکھتی ہے اس حوالے سے پہلے مرحلے میں گفتگو کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں کسی کی پناہ میں جانے یا کسی کو پناہ دینے کے بارے میں چار قسم کے کلمات استعمال ہوئے ہیں ان میں پہلا کلمہ حفظ، دوسرا جار، تیسرا اعصم اور چوتھا کفیل ہے۔

۱۔ کلمہ حفظ: کسی کے تحفظ میں جانا اور تحفظ دینا۔ قاموس قرآن میں آیا ہے کہ حفظ، نگہداری، مراقبت، بچانے اور نگرانی کرنے کو کہتے ہیں ارشاد الٰہی ہے کہ ہر ایک انسان کی محافظت کیلئے ایک محافظ متعین ہے۔ سورہ مبارکہ الطارق کی آیت ۴ ﴿إِن كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾ ''کوئی ایسا انسان نہیں جس پر نگہبان فرشتہ نہ ہو'' علاوہ ازیں (رعد۱۱، ہود۵۷، انعام۶۱، سبا۲۱، شوریٰ۶) میں بھی ذکر ہوا ہے۔

۲۔ کلمہ جار: صاحب التحقیق فی کلمات القرآن صحاح، اساس، مقائیس اور لسان العرب سے نقل کرتے ہیں با آواز بلند فریاد و

فغاں کے ساتھ کسی سے پناہ یا مدد مانگنے کو جار کہتے ہیں سورہ نحل ۵۳ میں فرمایا ﴿وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ﴾ "تمھارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اسی کی دی ہوئی ہیں، اب بھی جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آجائے تو اسی کی طرف نالہ و فریاد کرتے ہو۔" اس بارے میں سورہ مومنون کی آیت ۶۴ اور ۶۵ میں بھی ذکر ہوا ہے۔

۳۔ کلمہ عصم: یہ کلمہ بھی بچائے رکھنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں خداوند عالم فرماتے ہیں کہ خدا ہی بچانے والا ہے۔ سورہ مائدہ ۶۷ ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ "اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔" عصم خدا کے علاوہ بچانے والے کیلئے استعمال نہیں ہوتا۔ (ہود ۴۳، غافر ۳۳، احزاب ۱۷)

۴۔ کلمہ کفیل: کفیل ضامن ہونے کو کہتے ہیں۔ کفیل کفل سے ہے چیتھڑے وغیرہ سے ایک گول چیز بناتے ہیں اور اس کو اونٹ کی کوہان پر رکھتے ہیں تاکہ بیٹھنے میں آسانی رہے اسے کفل کہتے ہیں کفل چوپائے کا چوتڑ یا سرین کا پچھلا حصہ کہلاتا ہے۔ کلمہ کفیل قرآن کریم کی ان آیات میں ذکر ہوا ہے۔ (آل عمران ۴۴، طٰہٰ ۴۰، قصص ۱۲، نحل ۹۱)

قرآن مجید کی ان آیات مبارکہ میں خداوند عالم نے اپنی راہ میں دعوت دینے والوں کیلئے خود اپنی ذات کو حافظ و نگہبان اور پناہ دہندہ قرار دیا ہے۔ داعیان کو نہ صرف خدا کی ذات پر بھروسہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے بلکہ کفار و مشرکین کے خلاف اسی ذات سے مدد لینے کا حکم بھی دیا گیا جیسا کہ سورہ کہف کی ۵۱ میں آیا ہے۔

﴿مَا أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا﴾ "میں نے انہیں آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کے وقت موجود نہیں رکھا تھا اور نہ خود ان کی اپنی پیدائش میں اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا نہیں۔"

اس واقعے میں تین قسم کے نقص ہیں۔

۱۔ جس شخص کو پیغمبرؐ نے تین مرتبہ بھیجا اور وہ واپس آیا اس کے آنے جانے کی اجرت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۲۔ اس کے مسلمان ہونے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

۳۔ بعض نے اس کا نام عبداللہ بن اریقط بتایا ہے جس کا ذکر سفر ہجرت میں کیا جاتا ہے وہاں بھی اس کی اجرت کا تعین نہیں ملتا ہے اس قصہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ تبلیغ رسالت کیلئے مشرکین سے پناہ لیتے تھے۔

دوسرا مرحلہ مشرکین سے پناہ کی درخواست۔ ان کا تعارف اور جوابات

۱۔ **اخنس بن شریق:** کتب معاجم عشائر و قبائل میں اس نام کے شخص کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں حلیف ہوں۔ اور حلیف کسی کو پناہ نہیں دیتا۔ پیغمبر اکرمؐ سرزمین مکہ کے ایک بڑے خاندان کی برجستہ و محترم شخصیت تھی علاوہ ازیں سیاسی

اجتماعات میں چالیس (۴۰) سال سے زائد عرصہ گزارنے والے محمدؐ کو کیا یہ علم نہیں تھا کہ اخنس حلیف ہے اور حلیف کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ اگر اس نے واقعاً یہ عذر پیش کیا ہے تو اس حوالے سے تقصیر (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ کی ہوگی۔

۲۔ سہیل ابن عمرو

الف۔ سہیل ابن عمرو وہی شخص ہے جس نے اپنے بیٹے ابا جندلؓ کو جو کہ اسلام قبول کرنے کے بعد پیغمبرؐ کی پناہ چاہتے تھے زبردستی معاہدہ حدیبیہ میں شامل کرلیا۔ اس موقع پر اس نے معاہدہ توڑنے کی دھمکی دے کر پیغمبرؐ اور مسلمانوں کو پریشان کیا اور بغیر کسی مروت کے بیٹے کو پابند سلاسل رکھا ایک ایسے انسان سے جو اپنے بیٹے کو پناہ دینے کیلئے تیار نہ ہو اس سے پیغمبرؐ کیسے پناہ مانگ سکتے ہیں۔

ب۔ یہ کون سا آئین تھا کہ بنی عامر بن کعب کو پناہ نہیں دے سکتے کیا بنی عمرو اور بنی کعب دو الگ قومیں تھیں؟ یا یہ دونوں برادرزادے تھے اور دونوں کا باپ لوی تھا لیکن ایک دوسرے کو پناہ نہ دے سکیں یہ کس منطق کے تحت تھا؟

۳۔ مطعم بن عدی: مطعم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے پیغمبرؐ کو پناہ دینا شرف وافتخار سمجھتے ہوئے قبول کیا جبکہ دیگر لوگوں نے پیغمبرؐ کو مسترد کیا۔ کیا مطعم بن عدی وہی شخص نہیں جس نے عائشہؓ کی منگنی اپنے بیٹے سے کرنے کے بعد اسے صرف اس لئے توڑ دیا کہ ان کے والد ابوبکرؓ اسلام قبول کر چکے تھے۔ کیا یہ وہی انسان نہیں ہے جس نے پیغمبرؐ کے معراج کے موقع پر کہا کہ آپ جھوٹ بولتے ہیں۔

دنیا میں شخصی بنیاد پر امن دینے کا تصور موجود ہے۔ کسی بھی صاحب قدرت سے کہا جائے کہ مجھے امن دے دو تو وہ امن دے دیتا ہے خواہ جس مذہب سے تعلق رکھتا ہو لیکن ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی نے ایسے شخص کو پناہ دی ہو جو اس کے دین وفکر کے خلاف تبلیغ کرتا ہو۔ جیسا کہ واقعہ کے تحت پیغمبرؐ نے بعض سے کہا کہ تم لوگ مجھے پناہ دو تا کہ میں تبلیغ رسالت انجام دوں۔ ایسا ممکن ہے کہ کوئی مشرک آپ سے کہے کہ آپ میری پناہ میں ہیں لیکن میں آپ کے دین کے خلاف کام کروں گا؟

یہ خودساختہ ومخدوش قصے گنی چنی کتابوں میں ہی ملتے ہیں۔ اس دور کی شخصیات کے تعارف کے بارے میں موجود کتابوں کے اندر بھی ایسے قصے نہیں پائے جاتے ہیں یہ قصے مشرکین نے گڑھے ہیں تا کہ انہیں بنیاد بنا کر مسلمانوں کیلئے اپنے ہاں خدمت گزاری کے کیلئے جواز کا راستہ کھولا جائے!

مقدماتِ ہجرتِ مدینہ

مدینہ منورہ کے قبیلہ خزرج سے آنے والوں نے منیٰ میں مقام عقبیٰ میں اس کی بنیاد ڈالی۔ دوسرے مرحلے میں مقام ہجرت کو سازگار بنانے میں مصعبؓ بن عمیر نے بہت کردار ادا کیا۔ تیسرے مرحلے میں قبیلۂ اوس وخزرج سے آنے والے بہتر (۷۲) حجاج کے پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ ہونے والے معاہدے سے ان مقدماتی تمہیدات کو آخری شکل ملی۔

آغاز ہجرت بمدینہ

جب عقبۂ کبریٰ میں ۷۰ انصار نے پیغمبرؐ کی بیعت کی اس کے بعد دعوت ضیق و تنگ ماحول سے ایک کھلے ماحول میں منتقل ہوئی ۔یہاں سے پیغمبرؐ کے نفس کو سکون ملا اس کے چند دن گزرنے کے بعد آپؐ نے اعلان فرمایا تم میں سے جو بھی جانا چاہتا ہے یہاں سے نکل جائے چنانچہ اصحاب نے مکہ چھوڑ کر یثرب کی طرف ہجرت کی تیاریاں شروع کیں، ہر ایک اپنے ساتھی، زاد و راحلہ اور سواری کی تلاش میں مصروف ہو گیا ۔دوسری جانب انصار انکی آمد و استقبال کیلئے آمادہ رہتے اور محبت و شفقت، ایثار و قربانی، جود و سخا سے استقبال کرتے انکی ان خدماتِ جلیلہ کا ذکر خداوند عالم نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوْقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ "اور جنہوں نے اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انھیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا وہی کامیاب ہے۔" (حشر ۹)

ہجرت کے ہراول دستے

۱۔ ابن اسحاق سے منقول ہے پیغمبرؐ کے حکم پر سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں بنی مخزوم کے ابو سلمہ بن عبدالاسد تھے جنکا اصل نام عبداللہ تھا پہلے دس آدمیوں کے بعد اسلام لائے دو مرتبہ حبش کی طرف ہجرت کی، انہوں نے پہلے حبش کی طرف ہجرت کی پھر واپس مکہ آئے اور جب قریش نے ان کو اذیتیں دیں تو مدینے کی طرف ہجرت کی، یہ ام المومنین ام سلمہؓ کے شوہر تھے ۔ام سلمہ نقل کرتی ہیں اہل مکہ نے مجھے میرے شوہر سے جدا کر کے بنی مغیرہ کے ہاں قید کیا میرا شوہر اور بیٹا ہجرت کر کے مدینہ گئے ۔

۲۔ ابن اسحاق کا بیان ہے ابی سلمہ کے بعد عامرؓ بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰؓ بنت ابی خثمہ، ان کے بعد عبداللہؓ بن جحش اور ان کے بھائی اور ان کی ماں امیمہؓ بنت عبدالمطلب نے ہجرت کی اس طرح بنی جحش کے گھر خالی ہو گئے یہ منظر دیکھ کر عتبہ نے افسوس کرتے ہوئے کہا جحش کے گھر ویران ہو گئے، جس پر ابو جہل نے عباسؓ سے کہا یہ تمہارے بھتیجے کا کام ہے اس نے اپنی قوم کے ساتھ ایسا سلوک اپنایا ہے ۔

۳۔ بعض کے مطابق دوسرے ہجرت کرنے والے مصعب بن عمیرؓ اور ابن مکتومؓ تھے براءؓ بن عازب کہتے تھے ہماری طرف سب سے پہلے آنے والے یہی دو افراد تھے ۔

۴۔ مصعب بن عمیرؓ اور ابن مکتومؓ کے بعد ھلال سعدؓ، عمار یاسرؓ اور ان کے بعد عمرؓ بن خطاب نے زید بن خطاب، عبداللہ بن عمر، عیاش بن ابی ربیعہ کے ساتھ ہجرت کی ۔

اسکے بعد یکے بعد دیگرے اکا دکا لوگوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ جاری رکھا، سب راتوں کو چھپتے چھپاتے مدینہ پہنچ جاتے، ابن اسحٰق سے منقول ہے ۷۰ مردوں اور ۸ عورتوں نے ہجرت کی، ان میں بنو غنم بن دودان بنو مظعون قبیلہ جمح سے، بنو جحش بن رئاب، بنوامیہ کے حلیف، بنو بکر قبیلہ بنو سعد بن لیث سے بنی عدی بن کعب کے حلیف شامل تھے۔اس کے بعد تیسرے مرحلے میں عمر بن خطابؓ نے ۲۰ سواریوں کے ساتھ ہجرت کی انکے ہمراہ یہاں تک کہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہوگیا سوائے ان افراد کے جو تہہ خانوں میں تھے یا زندانوں میں پابند سلاسل تھے۔خود نبی کریمؐ علی بن ابی طالبؓ اور ابوبکرؓ مکہ میں تھے، پیغمبرؐ کی ہجرت کے بعد مکے سے مرکز اور ثقل اسلامی ہمیشہ کیلئے مدینہ منتقل ہوگیا۔

علیؓ سے منقول ہے مکہ کے تمام مسلمانوں نے اہلِ مکہ سے چھپ کر ہجرت کی صرف عمرؓ بن خطاب نے جب ہجرت کرنا چاہی تو تیر و کمان اور تلوار ہاتھ میں لیا کعبہ کے پاس گئے بیت اللہ کا طواف کیا مقام ابراہیمؑ کے پاس نماز پڑھی اور وہاں موجود اہلِ قریش کو ایک ایک کر کے دیکھا اور اور اس طرح مقابلے کی دعوت دی

''کوئی ہے تم میں جو اپنی ماں کو بے اولاد، بیٹے کو یتیم اور بیوی کو بیوہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو'' یہ کہہ کر مدینے کی طرف ہجرت کی۔

صہیبؓ رومی اور ہجرت

صہیب فرزند سنان بن مالک بن نمر بن قاسد۔ یہ ایک رومی اسیر تھے جنھیں کلب خرید کر لایا تھا انھیں عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کیا تھا۔ یہ پہلے ایمان لانے والوں اور پہلے ہجرت کرنے والوں میں سے تھے۔انھوں نے ایمان لانے کی سزا میں بہت اذیتیں جھیلیں۔ جب صہیبؓ رومی نے ہجرت کرنا چاہی تو قریش نے ان سے کہا تم جب مکہ آئے تھے تو فقیر و تنگ دست تھے اور اب صاحبِ مال و ثروت بننے کے بعد مال سمیت یہاں سے نکلنا چاہتے ہو ہم تمہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اس پر صہیبؓ نے کہا اگر میں مال کو چھوڑ دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے قریش نے کہا ہاں۔ صہیبؓ نے مال انکے حوالے کیا اور خود ہجرت فرمائی۔ بدر کے علاوہ دیگر تمام جنگوں میں پیغمبرؐ کے ساتھ رہے۔ جب عمرؓ نے انتخاب خلافت کیلئے شوریٰ تشکیل دی تو اس وقت انہیں امام جماعت معین کیا۔انھوں نے ہی عمرؓ کی نماز جنازہ کی امامت کی۔

ہجرت داعی ودعوت

ہجرت کی وجوہات

پیغمبر خداؐ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی دو (۲) وجوہات تھیں:

۱۔ مدینہ میں موجود انصار و مہاجرین کی رہبری و رہنمائی اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سازگار ماحول کی تلاش کیلئے ہجرت ضروری تھی۔

۲۔ عقبہ دوم کے موقع پر انصار سے ہونے والے عہد و پیمان میں یہ شق بھی شامل تھی کہ انصار کی شہر میں موجود دشمنوں کے مقابلے میں انصار کی نصرت کی جائے گی۔ پیغمبرؐ نے ان دو حکمتوں کی وجہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

یثرب کی جانب رسول اللہ ﷺ کی ہجرت

تیسرے مرحلے پر خود پیغمبر اسلامؐ پورے مکہ کو چھوڑنے کے بعد باقاعدہ طور پر یثرب میں دعوت اسلام کو پھیلانے کی خاطر تشریف لے گئے ہمارا موضوع گفتگو اسی ہجرت کے بارے میں ہے، کیوں پیغمبرؐ کو اچانک اور غیر متوقع حالات میں اس ہجرت کا سامنا کرنا پڑا؟ یا قبل از وقت پیغمبرؐ نے اس کے بارے میں سوچ رکھا تھا یا یہ تصور کرتے تھے کہ وقت آنے تک اسے نظر انداز کیا جائے لہٰذا جب وقت آگیا تو آپ نے اچانک ہجرت کا فیصلہ کیا۔ اکثر و بیشتر لوگوں کے ذہن میں یہ بات ہے کہ جب پیغمبرؐ کو یہ خبر ملی کہ قریشِ مکہ نے آپؐ کے قتل کا منصوبہ تیار کر لیا ہے تو آپؐ نے اچانک اور ہنگامی حالات میں مکہ سے نکل جانے کا ارادہ کیا اور اس سلسلے میں وسائل و ذرائع کیلئے تدبیر کو نہیں اپنایا بلکہ غیبی مدد، وحی کی رہنمائی اور مختصر وسائل و ذرائع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہجرت کی اور ایسے حالات میں ہجرت کرنے والے کیلئے یہی کچھ ہونا چاہیے تھا آیئے دیکھتے ہیں پیغمبرؐ نے کب اور کیسے مکہ چھوڑا، کیسے فاصلہ طے کیا اور کب مدینہ پہنچے؟

ہجرت کی اس روداد اور تفصیلات کو تمام ارباب سیرت نے نقل کیا ہے اس حوالے سے عقل و نقل کے اعتبار سے کوئی شک و شبہ اور اختلاف نہیں ہے، ان تفصیلات کو ہم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں علاوہ ازیں ان نکات کو سامنے رکھتے ہوئے تحلیل و تجزیہ نگار آسانی سے یہ جان سکیں گے کہ پیغمبرؐ نے اپنی اس ہجرت کے بارے میں کس حد تک دقیق منصوبہ بندی کی ہر وہ انسان جسے ان حالات کا سامنا ہو اس کے پاس اس طریقے کو اپنائے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اس حوالے سے چند زاویوں سے بحث و گفتگو اور تجزیہ و تحلیل کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ مشرکینِ قریش کا پیغمبرؐ اور آپؐ کی دعوت کے بارے میں آخری فیصلہ۔

۲۔ وحی الٰہی یعنی پیغمبرؐ کو مشرکین کے فیصلے سے آگاہی، حکم ہجرت اور پیغمبرؐ کی ہجرت کیلئے آمادگی۔

۳۔ پیغمبر اسلامؐ کی ہجرت میں آپ کے مددگار اس ضمن میں مندرجہ ذیل افراد آتے تھے:

الف۔ **حضرت علی بن ابی طالبؑ:** آپؑ نے اس سلسلے میں تین ذمہ داریاں اپنے دوش پر لیں:

☆ شبِ ہجرت پیغمبر اسلامؐ کے بستر پر سونے کیلئے آمادہ ہوئے۔
☆ مکے میں پیغمبر اسلامؐ کے پاس رکھی گئی امانتوں کو لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری۔
☆ باقی ماندہ خاندانِ نبوت کو مکہ سے مدینہ پہنچانے کی ذمہ داری۔

ب۔**مساعد و مددگارِ سفر:** اہل مکہ کے محاصرۂ قتل میں مکہ سے ہجرت کرنا پیغمبر اسلامؐ کیلئے آسان نہیں تھا گرچہ مدد الٰہی آپؐ کے ساتھ تھی لیکن خداوند متعال نے اسے زمینی وسائل کے ساتھ مربوط رکھا چنانچہ آپؐ کو زمینی یار و مددگار کی ضرورت تھی اس حوالے سے درج ذیل افراد نے آپؐ کی مدد ہے:

☆حضرت ابو بکرؓ ☆عبداللہؓ بن ابو بکر ☆اسماءؓ بنت ابو بکر

پیغمبر اسلام ﷺ کے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا اسباب

تیرہ سال مسلسل دعوت دینے کے بعد نبی کریمؐ نے سرزمینِ مکہ کو چھوڑ کر اہل ایمان کے ہمراہ مدینہ منتقل ہونے کا فیصلہ کیا، آپ کے اس فیصلے کے بارے میں اسباب وعلل کی تلاش وجستجو میں رہنے والوں کو چند اہم نکات کا سامنا ہے:

۱۔اپنا گھر بار، عزیز و اقارب، وطن سب کو اپنے دشمن اور مخالفین کیلئے چھوڑ کر ہجرت کرنا درحقیقت دشمنوں کی حوصلہ افزائی اور دوستوں کے لئے حوصلہ شکنی کا سبب ہوتا ہے۔

۲۔جسے اپنوں نے مسترد کیا ہو اس پر غیر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں۔

۳۔جب دعوت خدا کیلئے ہو تو داعی کیلئے موت وحیات کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

۴۔جو ایمان بہ خدا اور رسول رکھتے ہیں وہ لوگوں سے نہیں بلکہ صرف خدا سے ڈرتے ہیں۔

۵۔پیغمبر اسلامؐ نے اگر مکہ چھوڑنا ہی تھا تو دیگر جگہوں کی بجائے مدینہ کو انتخاب کرنے کی کیا منطق تھی، مدینہ میں کیا خصوصیات و امتیازات ہیں۔اس سے پہلے آپؐ نے حبش کو دارِ ہجرت قرار دیا چنانچہ اس وقت بھی مسلمانوں کی ایک تعداد حبش میں موجود تھی آپ وہاں ہجرت فرماتے یا کسی ایسی جگہ جاتے جہاں کے رہنے والے صاحبانِ طاقت وقدرت ہوتے اور اہلِ مکہ سے کسی قسم کی سازباز کے علاوہ ان سے مرعوب وخوفزدہ نہ ہوتے۔

۶۔شہر مدینہ دیگر جگہوں کی بہ نسبت کن خصوصیات و امتیازات کا حامل تھا۔

ہمیں ہجرت مدینہ کے حوالے سے چند سوالات کا سامنا ہے، ہم پہلے مکہ چھوڑنے کے اسباب وعوامل پر روشنی ڈالتے ہیں۔

الف۔تیرہ سال مسلسل اسلام کی طرف دعوت دینے کے بعد پیغمبر اسلامؐ کیلئے یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان تھا کہ مستقبل قریب میں مکہ کے اندر کسی قسم کی کامیابی کیلئے امید و آرزو کرنا ممکن نہیں کیونکہ یہاں آپؐ اور اہل ایمان پر اذیتوں ومشکلات میں اضافہ ہو رہا تھا دعوت کے تمام راستے مسدود ہوتے جا رہے تھے اور آئے دن رقابت بڑھ رہی تھی جس سے دعوت کو روکنے میں تیزی آ رہی تھی ان تمام نا مساعد حالات کو سامنے رکھنے کے بعد مکہ میں قیام وبقاء کا فیصلہ کرنا درحقیقت اس

دعوت کے ساتھ خیانت تصور کی جاتی یعنی دعوت کواپنے گہوارے میں ختم کرنے کے مترادف تھا۔ان حالات میں پیغمبرؐ کے پاس ایسا کوئی لائحہ عمل نہیں تھا جسکی بنیاد پر آپؐ یہاں اس دعوت کی پاسداری کرسکیں۔اس کے باوجود اگر آپؐ ہجرت پر مکہ میں بقاء کو ترجیح دیتے تو عینِ ممکن تھا کہ ضعیف وناتوان اور بے بس مومنین ،مشرکین کے دباؤ میں آ کر دوبارہ شرک کی طرف پلٹ جاتے۔

ب۔ان تمام خطرات کے باوجود پیغمبر اسلامؐ کا دعوت کو اس سرزمین میں محبوس ومحصور رکھنا اس بات کی دلیل بنتا کہ یہ دعوت صرف اہلِ مکہ کیلئے ہے اور باقی انسانیت سے سروکار نہیں جبکہ یہ دعوت پوری انسانیت کیلئے ہے جس کا تقاضا ہے اگر ایک علاقے نے اس دعوت کو مسترد کیا تو اسے دوسرے علاقوں میں لے جایا جائے۔

ج۔دین بشریت کیلئے ہے پیغمبر اسلامؐ اور مومنین کا فرض بنتا ہے اسے محبوس ومحصور جگہ سے نجات دلا کر دوسری قوموں کے درمیان تجربہ کیلئے لے جائیں لہٰذا اس دعوت کو مکہ سے نکال کر دوسری جگہ لے جانا حکمِ قرآن کے ساتھ ساتھ عقل و منطق کا بھی یہی تقاضا تھا۔

د۔ اس وقت مدینہ کے علاوہ اس کے اطراف میں موجود تمام آبادیاں دو بڑی اور طاقتور حکومتوں کے زیر اثر تھیں جو اپنے عقائد ورسومات،افکار ونظریات اور عادات وتقالید کے مزاحم ومخالفین کو گہوارے میں ہی ختم کرنے کی طاقت وقدرت رکھتے تھے وہ کسی صلاح ومشورہ کے پابند نہیں تھے چنانچہ اس سے پہلے ہجرت کرنے والے مسلمانوں نے اپنا تحفظ تو کیا لیکن انھیں وہاں کسی کو دعوت دینے کی اجازت نہیں تھی۔اسی حقیقت کے پیش نظر اگلے مرحلے میں ہجرت کیلئے انتخاب مدینہ تک ہی منحصر رہا جا سکتا تھا دعوت کیلئے مدینہ کے مناسب وسازگار ہونے کی چند اہم وجوہات ہیں:

☆ مدینہ روم اور فارس کی حکومتوں کے زیرِ اثر نہ تھا بلکہ پورا علاقہ اپنی جگہ مختلف آزاد وخودمختار قبائل وعشائر کی نظارت میں تھا۔

☆ اہل مدینہ نے آپؐ کو تحفظ دینے کا آپؐ کی دعوت کو پھیلانے کا عملی ثبوت فراہم کیا جیسا کہ مصعبؓ بن عمیر آپؐ کے نمائندہ بن کر مدینہ میں گئے تو زمین ہموار ہونے کی وجہ سے دعوتِ اسلام کو پھیلایا۔

☆ اہل مدینہ نے آپؐ سے عہدوپیمان باندھا کہ جس طرح وہ اپنے اہل وعیال سے دفاع کرتے ہیں اسی طرح آپؐ اور آپ کے دین کا دفاع کریں گے۔

☆ مکہ کے بغیر مرکز دعوت ناقص تھا،اگر پیغمبرؐ مکہ چھوڑ کر نکلے تھے تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آپؐ نے مکہ سے صرفِ نظر کیا ہے بلکہ مکہ اور اس بیت کو کفر وشرک سے پاک کرنا ضروری تھا لہٰذا آپؐ ایک ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں سے مشرکین کی رگِ حیات پر ہاتھ رکھا جائے تاکہ وہ آپؐ کے سامنے تسلیم ہوجائیں،اس مقصد کی تکمیل کیلئے ان حالات وواقعات کے تناظر میں سرزمین مدینہ سے زیادہ مناسب کوئی جگہ نہیں ہوسکتی تھی۔

مکہ مہجر عباداللہ

سرزمینِ مکہ ابتداء سے ہی مہجر اولیاء وبندگانِ برگزیدۂ حق سبحانہ وتعالیٰ رہی ہے امتِ مسلمہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں اپنی غفلت وبے حسی اور دنیاوی مسائل کی دلدل اور قیدوبند سے خودکوآزادکراکراس گھر (کعبہ) کی طرف ہجرت کرتی ہے۔ بیت اللہ یعنی کعبہ رمزِ ہجرت رہا ہے جس کی طرف سب سے پہلے حضرت آدم صفی اللہؑ آپ کے بعد حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ، حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ نے ہجرت کی لیکن رسولِ خاتم النبیینؐ کی ذاتِ پاک نے یہاں سے ہجرت فرمائی۔ ہجرت لفظ اور معنی دونوں حوالوں سے مقبول وپسندیدہ کلمہ ہے کیونکہ انسانی زندگی ہمیشہ دائم الہجر ت ہے، تمام ارتقاء وتکامل ہجرت ہی کے ذریعہ سے ہے انسان اپنی ماں کے رحم سے ہجرت شروع کرتا ہے یعنی نطفہ سے علقہ کی طرف، علقہ سے مضغہ کی طرف یہاں تک کہ سات (۷) مراحل ومراتب تمام کرنے کے بعد رحم مادر سے دنیا کی طرف ہجرت کرتا ہے، ہجرت کا یہ عمل دنیا میں بھی جاری رہتا ہے انسان ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اور ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک علاقہ سے دوسرے علاقے کی طرف ہجرت کرتا آیا ہے۔

ہجرت مدنیہ کیلئے پیغمبر اکرم ﷺ کی حکمت عملی

۱۔ آپ نے مکہ چھوڑنے سے پہلے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر اپنی چادر اوڑھ کر سونے کا حکم دیا تا کہ مشرکین آپ کو سوتے ہوئے دیکھ کر سکون سے گھر کا محاصرہ کئے رہیں اور آپ آسانی سے اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیں، یہ عمل کفار کو دھوکے میں رکھنے کیلئے تھا دشمن نے جب آپ کے بستر پر کسی کو سوتے ہوئے دیکھا تو مطمئن ہو کر گھر کا محاصرہ کرنا شروع کردیا، ایک شخص نے آکر ان سے کہا تمہیں ناکامی ہوئی ہے محمدؐ یہاں سے نکل چکے ہیں۔ اس عمل سے ہمیں درس ملتا ہے، آپ کو خداوند متعال کی حمایت اور اس پر بھروسہ تھا اس کے باوجود آپ نے بشری وانسانی احتیاطی تدابیر جو ایک انسان کے اختیار میں ہیں اور جن کے ذریعے اپنے فریق، حریف ورقیب کو غفلت میں رکھا جاسکتا ہے ان میں کسی قسم کی کوتاہی و سستی نہیں کی۔ خداوند عالم نے اس وقت مشرکین کی آنکھوں کو اندھا کیا، نیند کو ان پر غالب کیا اور آپ کو ان کے درمیان سے نکالا۔ یہاں خداوند متعال نے آپ کو متنبہ کیا آپ اس دنیا میں بشری منصوبہ بندی اور اسباب وعوامل سے دستبردار و غافل نہ ہوں۔ ہمیں اپنے رب پر کتنا ہی اعتماد و بھروسہ ہو، اپنی ذمہ داری اور تدبیر وفراست اختیار کرنے میں کوتاہی و سستی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ہم اپنے اعمال کے بارے میں جوابدہ ہیں۔

۲۔ بعض کے مطابق پیغمبر اسلامؐ کو جب وحی کے ذریعے علم ہوا کہ قریش نے آپؐ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو آپؐ سفر کی تیاری کے بارے میں صلاح ومشورہ کرنے کیلئے زوال کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے کیونکہ اس وقت سب لوگ اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے لہٰذا نظروں سے چھپ جانے کے لئے انتہائی موثر اقدام تھا۔

۳۔ گھر میں موجود تمام افراد کو باہر نکال کر آپ نے تنہائی میں حضرت ابوبکرؓ کو سفر کی تیاری کے بارے میں آگاہ کیا۔

۴۔اس سفر کے دوران تین چیزوں کا ہونا انتہائی ضروری تھا:

☆ مکہ سے مدینہ کیلئے زادِ سفر کی ضرورت تھی۔ ☆ سواری

☆ اپنے اور اپنی سواری کیلئے کھانے پینے کا سامان۔

۵۔ نکلتے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر کے پچھلے دروازے سے نکلے تاکہ اگر کوئی ان کی تاک میں ہو تو اس سے بچ سکیں۔

۶۔ آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ نے دوران سفر تین دن تک غار میں قیام کیا لہٰذا یہ جاننے کی کوشش کی جانی چاہیے کہ فوراً مکہ سے نکلنے کے بعد جلد از جلد مدینہ روانہ ہونے کی بجائے تین دن قیام کرنے میں کیا مصلحت وحکمت پوشیدہ تھی!

۷۔ کہتے ہیں عبداللہ بن ارقط لیثی نامی مشرک سے بات طے ہوئی کہ وہ راستے میں آپؐ کی رہنمائی کرے گا۔ جبکہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ قرآن کریم اور سیرت نبویؐ کے تحت مشرک و کافر سے مدد لینا جائز نہیں ہے علاوہ ازایں عبد اللہ بن ارقط سے اجرت کا تعین کتنا ہوا اور وہ مشرکین کے بڑے جائزے والعام کو رد کر کے کم اجرت پر کیسے راضی ہوا؟ ہجرت مدینہ کے دوران مدینہ پہنچنے اور مدینہ میں استقرار کے دوران اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور نہ ہی اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ اس نے اسلام قبول کیا!

۸۔آپؐ نے مکہ سے مدینے جاتے ہوئے عادی راستے کو ترک کیا اور دریا کے کنارے والے راستے کا انتخاب کیا۔

۹۔ راستے میں سواری پر حضرت ابوبکرؓ کبھی آپؐ کے پیچھے بیٹھتے اور کبھی آپؐ آگے سوار ہوتے۔

۱۰۔حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو حکم دیا قریش ان کے بارے میں جو باتیں کریں ان کی خبرات کے وقت لے کر آیا کرتے تاکہ دشمن کی نقل وحرکت اور اطلاع وآگاہی کی بنیاد پر منصوبہ بندی کی جائے نہ کہ وھم وگمان کی بنیاد پر کوئی قدم اٹھایا جائے۔

۱۱۔ غارثور مکہ کے جنوب میں ہے جبکہ مدینہ مکے سے شمال کی طرف ہے آپ مدینے کے راستے پر نہیں گئے چونکہ احتمال غالب تھا مشرکین مدینے کے تمام راستوں پر جو شمال کی طرف ہیں نکلیں گے اس لئے آپ جنوب کی طرف گئے اور وہ راستہ اختیار کیا جو یمن کی طرف جاتا ہے، ۵ میل فاصلہ طے کرنے کے بعد آپ غار میں چھپ گئے جو ایک اونچے پہاڑ پر واقع ہے اور اسکا راستہ انتہائی دشوار گذار ہے، چڑھنا بہت مشکل ہے راستے میں پتھر ہی پتھر ہیں۔

۱۲۔آپ سیدھے غار میں تشریف لے گئے کیونکہ جب مشرکین کو پتہ چلتا محمدؐ گھر میں نہیں ہیں تو وہ تمام تر کوششوں کو بروئے کار لاکر چاروں طرف کم از کم مدینے کے راستے تک ضرور پیچھے جاتے۔ یقیناً پیغمبرؐ گھر سے نکلنے میں کامیاب ہو بھی جاتے تو مشرکین آپ کو پکڑ سکتے تھے لہٰذا آپ تین دن غار میں رہے اور دوسری طرف مشرکین اپنی تمام تر کوششوں کے بعد مایوس ہو کر گھروں میں بیٹھ گئے اس کے بعد آپ وہاں سے مدینہ تشریف لے گئے۔

۱۳۔اسماء بنت ابوبکرؓ شام کے وقت کھانا لاتی تھیں وگرنہ غار میں بھوکے پیاسے رہ کر آپ اس سفر پر نہیں نکل سکتے تھے اسی

طرح اگر عبداللہؓ کھانا لے کر آتے تو وہ مشرکین کی نظر میں آجاتے۔

۱۴۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام عامرؓ بن فہیرہ کو حکم دیا وہ اپنی بکریاں یہاں پر چرائیں، جب رات کا ایک حصہ گذر جاتا تو وہ بکریاں لے کر ان کے پاس پہنچ جاتے۔ پیغمبر اسلامؐ اور ابوبکرؓ رات کو آسودہ ہو کر دودھ پی لیتے۔ پھر صبح تڑکے کے وقت ہی عامرؓ بن فہیرہ بکریاں ہانک کر چل دیتے۔ جس کا مقصود عبداللہؓ اور اسماءؓ کے قدموں کے نشانات کو مٹانا تھا تا کہ ان نشانات کے ذریعے کفار آپؐ تک نہ پہنچ سکیں۔ عامر بن فہیرہؓ ایک غلام تھے۔ جنہیں ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کیا۔ یہ دار ارقم میں پیغمبرؐ کی محفل درس میں شریک ہوتے تھے۔ اسلام لانے پر انہیں اذیت پہنچائی گئی تا کہ اس دین سے برگشت کریں لیکن وہ دین سے برگشتہ نہ ہوئے، بدر و احد میں شریک رہے۔ پیغمبرؐ نے غار کے دورانیہ کو طول نہیں دیا کیونکہ اس طرح آپ لوگوں کی نظروں میں آسکتے تھے، عبداللہؓ اور اسماءؓ کے آنے جانے کی وجہ سے لوگ آگاہ ہو سکتے تھے تو بہ ہم میں آپ کے غار میں قیام کا ذکر ہوا ہے۔

۱۵۔ غار سے نکلنے کے بعد پیغمبرؐ نے جنوب کی طرف توجہ کی پھر وہاں سے مغربی ساحل کی طرف گئے آپ ساحل کے ساتھ ساتھ چل پڑے پھر مدینے کی طرف اپنا رخ موڑا اور ایسے راستے کا انتخاب کیا جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہیں تھی، یہ راستہ عادی نہیں تھا تا ہم آپ نے خود کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ و مخفی رکھا۔

دارالندوہ میں صلاح مشورہ اور ہنگامی اجلاس

جب اصحاب رسولؐ اپنے مال و دولت اور بیوی بچوں کے ہمراہ مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچ گئے تو یہ صورتحال مشرکین کیلئے کرب و اضطراب اور انتہائی پریشانی کا باعث بنی۔ انھوں نے مستقبل قریب میں اپنے لئے ایسے بڑے خطرے کو درک کر لیا جو ان کے اجتماعی اور اقتصادی وجود کیلئے تہدید تھا انہوں نے دیکھا حضرت محمدؐ کی شخصیت میں لوگوں کی قیادت و رہبری کی موثر صلاحیت موجود ہے، ان کے اصحاب میں عزم و ارادہ اور استقامت و فداکاری پائی جاتی ہے۔ اوس و خزرج بھی قوت و طاقت اور دفاع کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں ان دونوں قبیلوں میں ایسے عقلاء اور صاحبان جذبات و احساسات بھی ہیں جنہوں نے اپنی اندرونی عقدہ حقارت اور دشمنی کو یکسر فراموش کر کے داخلی جنگ کی کڑواہٹ سے نجات حاصل کر لی ہے۔ انھوں نے یہ بھی درک کر لیا جس تجارت کیلئے وہ مکہ سے شام تک سفر کرتے ہیں وہ مسلمانوں کی وجہ سے خطرہ میں پڑ جائے گی اور اگر حضرت محمدؐ نے مدینہ میں حکومت قائم کر لی تو وہ ہمارا مقابلہ کریں گے۔ مشرکین نے اپنے لئے بڑھتے ہوئے ان خطرات کو بھانپ لیا چنانچہ اسے روکنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے بہتر اور کامیاب وسائل کی تلاش و جستجو پر تمام تر توجہ مرکوز کرنے کو ضروری سمجھتے ہوئے سب نے پیغمبرؐ کے قتل پر اتفاق کیا۔ بعثت نبوت کے ۱۴ سال گزرنے کے بعد یعنی بیعت عقبیٰ کے دو ماہ ۱۵ دن بعد دارالندوہ میں صبح سویرے ایک ہنگامی اجتماع منعقد ہوا جو اپنی تاریخ کا اہم ترین اجتماع تھا۔ اس اجتماع میں تمام قبائل مشرکین کے نمائندوں نے شرکت کی تا کہ دعوت اسلامی کے حامل حضرت محمدؐ کے خاتمے اور انہیں روکنے کیلئے کسی بہتر اور عملی منصوبہ پر

اتفاق کیاجاسکے دارالندوہ میں شریک ہونے والے نمائندگان قریش کے نام یہ ہیں۔

۱۔قبیلہ بنی مخزوم سے ابو جہل بن ہشام

۲۔بنی نوفل بن عبد مناف کے قبیلہ سے جبیر بن مطعم ،طعیمہ بن عدی اور حارث بن عامر

۳۔ بنی عبد الشمس بن عبد مناف سے ربیعہ کے دو بیٹے شیبہ، عتبہ اور ابو سفیان بن حرب

۴۔بنی عبد الدار سے نضر بن حارث ،یہ وہ شخص ہے جس نے پیغمبر اسلام پر اونٹ کی اوجھڑی پھینکی تھی

۵۔ بنی اسد بن عبد العزیٰ اور ان کے قبیلہ سے ابو البختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام

۶۔ بنی سہم سے نبیہ بن حجاج اور منبہ بن حجاج

۷۔ بنی جمح سے امیہ بن خلف

جب یہ تمام افراد طے شدہ وقت پر دارالندوہ پہنچے تو ابلیس شیخ جلیل کی صورت میں عبا اوڑھے، راستہ روکے، دروازے پر آن کھڑا ہوا۔لوگوں نے کہا یہ کون سے شیخ ہیں؟ابلیس نے کہا: "یہ اہل نجد کا ایک شیخ ہے آپ لوگوں کا پروگرام سن کر حاضر ہو گیا ہے باتیں سننا چاہتا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ آپ لوگوں کو خیر خواہانہ مشورے سے بھی محروم نہ رکھے" لوگوں نے کہا ٹھیک ہے آجاؤ مشرکین کے ساتھ ابلیس بھی دارالندوہ میں داخل ہو گیا۔جب تمام مدعوین دارالندوہ میں حاضر ہوئے تو جلسہ کا آغاز ہوا جس میں انہوں نے اپنے موجودہ مسائل اور ان کے حل پر گفتگو کی اور شرکاء سے تجاویز طلب کی گئیں ابوالاسود نے کہا ہم حضرت محمدؐ کو اپنے درمیان سے نکال دیں اور انہیں ملک سے جلاوطن کر دیں۔وہ جہاں جانا چاہیں، چلے جائیں۔ہم نے اپنے مسائل کو حل کرنا اور اپنے حالات کو پہلے کے حالات کی طرف پلٹانا ہے۔اس پر شیخ نجدی نے کہا نہیں یہ کوئی رائے نہیں ہے۔کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ کتنی شیریں اور میٹھی زبان میں گفتگو کرتے اور اتنے اچھے اور موثر انداز میں اپنی بات پیش کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں جگہ بنا لیتے ہیں۔اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمہارے اور کسی بھی عرب خاندان کیلئے اچھا نہیں ہوگا بلکہ اس رائے پر عمل سے تمہارے لئے خطرات ٹلیں گے نہیں بلکہ مزید بڑھ جائیں گے۔وہ تمہارا پیچھا کریں گے اور پوری مملکت کو پاؤں کے نیچے رکھیں گے۔لہٰذا یہ رائے صحیح نہیں ہے۔کوئی اور تجویز دو اس پر ابوالبختری نے کہا حضرت محمدؐ کو اسیر کر کے پابند سلاسل کر دو انہیں پس زندان بھیج دو وہ زندان ہی میں وفات پا جائیں گے جیسے زہیر و نابغہ کے ساتھ ہوا ہے۔شیخ نجدی نے کہا یہ بھی کوئی بہتر رائے نہیں۔اگر تم نے انہیں جیل میں بند کر دیا۔جیسا کہ تم کہتے ہو تو ان کی شان و عظمت میں اور اضافہ ہوگا اور وہ تمہارے بند دروازوں سے نکل کر ان کے چاہنے والوں تک پہنچ جائیں گے اور پھر ہو سکتا ہے وہ تمہارے اوپر حملہ آور ہوں اور جیل کے دروازوں کو توڑ کر ان کو آزاد کروالیں اور ہو سکتا ہے اس طرح وہ تم پر غلبہ و تسلط بھی حاصل کر لیں اس لئے یہ رائے بھی صحیح نہیں۔

جب یہ دونوں تجاویز سب نے مسترد کر دیں تو ایک اور سخت تجویز سامنے آئی جس پر تمام حاضرین نے اتفاق کیا یہ تجویز مجرم مکہ ابو جہل بن ہشام کی طرف سے آئی اس نے کہا میری رائے ہے شاید آپ نے اس پر نہیں سوچا اور شاید آپ اس سے اتفاق نہ

کریں تو انہوں نے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے جس پر اس نے کہا ہم ہر خاندان سے ایک ایک جوان لیں اور ہر ایک کو تلوار بھی دیں، پھر حضرت محمدؐ کے گھر پر ہجوم کی شکل میں حملہ آور ہو جائیں اور سب مل کر انہیں مار دیں اور جب وہ قتل ہو جائیں تو ہمیں ان کے شر سے نجات مل جائے گی اور ہم خوش وخرم زندگی گزارنے لگیں گے، اگر بنی ہاشم اس قتل پر کچھ کرنا چاہیں گے تو ہم اس کی دیت دے دیں گے چونکہ بنی عبد مناف اپنی پوری قوم سے تو نہیں لڑ سکتے لہٰذا ان کی اس مجبوری سے ہمیں فائدہ ہوگا اور آخر کار وہ اس دیت پر راضی ہو جائیں گے۔ شیخ نجدی نے کہا، صحیح رائے یہی ہے اور اس کے بعد مجھے کسی اور رائے کی تلاش بھی نہیں اس پر سب نے اتفاق کیا اور شرکاء اس تجویز پر جلد ہی عمل کرنے کے فیصلہ کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے۔

خانہ محمدؐ کا محاصرہ اور ہجرت پیغمبر ﷺ

دارالندوہ کا اجلاس ایک ظلم و بربریت کے فیصلے کے اعلان کے بعد برخواست ہوا۔ اسی وقت خداوند متعال نے اپنے نبیؐ کو قریش کے فیصلے سے آگاہ کیا اور انہیں مکے سے نکلنے کا حکم دیا اور فرمایا آج کی رات آپ جس بستر پر سوتے ہیں اس پر نہ سوئیں۔ پیغمبر اسلامؐ دن کو ابوبکرؓ کے گھر گئے تا کہ ہجرت کے بارے فیصلہ کریں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میں اپنے گھر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ظہر کے وقت کسی نے ابوبکرؓ سے کہا پیغمبرؐ تشریف لائے ہیں کیونکہ پیغمبرؐ کا اس وقت یہاں آنا ایک غیر عادی عمل تھا ابوبکرؓ نے تشریف آوری کی وجہ پوچھی پیغمبرؐ نے تمہارے پاس جو لوگ ہیں ان کو ہٹاؤ ابوبکرؓ نے کہا یہ آپؐ کے گھر والے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے یہاں سے نکلنے کی اجازت مل چکی ہے۔ ابوبکرؓ نے پوچھا کیا میں آپؐ کے ساتھ جاؤں پیغمبرؐ نے فرمایا ہاں، ہجرت کا فیصلہ کرنے کے بعد پیغمبرؐ گھر تشریف لائے اس دوران مجرمین قریش جو اس جنایت کو اپنے دوش پر اٹھانے والے تھے۔ دن بھر اس منحوس منصوبہ بندی کو عملی جامع پہنانے کیلئے تیاریوں میں مصروف رہے اس کام کیلئے انہوں نے درج ذیل گیارہ آدمیوں کا انتخاب کیا:

ابوجہل بن ہشام	طعیمہ بن عدی	حکم بن عاص	ابولہب	امیہ بن خلف	زمعہ بن الاسود
عقبہ بن ابی معیط	ابی بن خلف	نضر بن حارث	نبیہ بن حجاج	منبہ بن حجاج	

رات ہوتے ہی یہ لوگ پیغمبرؐ کے دروازے پر آئے اور انتظار کرنا شروع کیا تا کہ پیغمبرؐ سو جائیں اور یہ ان پر ٹوٹ پڑیں۔ انہیں یقین تھا وہ اس منحوس منصوبہ بندی میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ ابوجہل تکبر و غرور میں اپنے ساتھ جرم کا ارتکاب کرنے کیلئے آنے والوں سے ہنسی مذاق کرتے ہوئے کہہ رہا تھا محمدؐ گمان کرتے ہیں کہ اگر تم میری پیروی کرو گے تو تم عرب و عجم کے بادشاہ بن جاو گے۔ پھر موت کے بعد زندہ ہو گے تمہارے لئے اردن کے باغات جیسی جنتیں ہونگی اگر میری پیروی نہیں کرو گے تو تمہارے اندر واقعات قتل ہوں گے پھر زندہ ہو گے پھر تمہارے لئے آگ ہوگی اور اس میں جلا دیئے جاؤ گے۔

ہجرت کے موقع پر امر و نصرت خداوندی

پیغمبرؐ کو قتل کرنے کا وقت آدھی رات طے ہوا تھا لہٰذا یہ سب آدھی رات تک جاگتے رہے اور وقت کا انتظار کرتے رہے لیکن خدا سب پر غالب ہے قریش مکہ جو فیصلہ کئے ہوئے تھے اس پر خدا کا فیصلہ غالب تھا کیونکہ آسمان و زمین میں اُسی کا فیصلہ چلتا ہے وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے۔ خدا دوسروں کو پناہ دینے والا ہے وہ خود کسی سے پناہ نہیں لیتا۔ پیغمبرؐ نے وہی کام کیا جسکا خدا نے انہیں حکم دیا:

﴿وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ﴾ ”وہ موقع یاد کرو جب کفار تمہارے خلاف سازش کر رہے تھے تا کہ تمہیں قید کر دیں یا قتل کر دیں یا نکال باہر کریں اور وہ لوگ داؤ چل رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر والا ہے۔“ (انفال ۳۰)

خداوند عالم نے اس آیت میں متنبہ کیا اگر مشرکین نے پیغمبرؐ کو یہاں سے نکالا تو ان کی خوش فہمی ہے کہ وہ یہاں سالم رہیں گے اور نہ وہ دین خدا سے لڑ کر اس پر غالب آسکتے ہیں چاہے تم جن و انس کی مدد ہی کیوں نہ لے لیں۔ دار الندوہ میں پیش کی جانے والی تجاویز کا مقصد دین اسلام کا خاتمہ کرنا تھا تا کہ مکہ میں کسی نئے دین کو فروغ نہ ملے لیکن خداوند عالم نے وعدہ دیا مشرکین کے نہ چاہتے ہوئے بھی اس دین کو غلبہ حاصل ہوگا جیسا سورۂ توبہ آیت ۳۳ میں ذکر ہوا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ ”اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے او رتمام مذہبوں پر غالب کر دے اگر چہ مشرک برا مانیں۔“

جس وقت قریش اپنے جرم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انتہائی آمادہ و تیار ہوئے اسی وقت انہیں انتہائی برے طریقے سے شکست کا سامنا ہوا کیونکہ پیغمبرؐ نے علیؑ سے فرمایا آپ میرے بستر پر سو جائیں اور میری چادر اوپر اوڑھ لیں۔ آپ کو ان سے کوئی گزند نہیں پہنچے گی آپ روزانہ صبح و شام کو وادیٔ ابطح پر جا کر یہ اعلان کریں کہ اگر کسی نے محمدؐ کے پاس کوئی امانت رکھی ہو تو وہ آ کر مجھ سے وصول کرے ان امانتوں کو لوٹانے کے بعد آپ اہل خانہ کو ساتھ لے کر مدینہ آ جائیں اس کے بعد پیغمبرؐ باہر آئے مکے کی سر زمین کی مٹی اٹھا کر قریش کے سروں پر پھینکی جس سے انہیں کچھ نظر نہ آیا۔ اس وقت آپؐ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ﴾ ”اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے ان کو ڈھانک دیا سو وہ نہیں دیکھ سکتے۔“ (یٰسین ۹)

اس کے بعد آپ نے کعبہ سے وداع کیا اور فرمایا کہ اگر قوم (قریش) مجھے کعبہ کا جوار چھوڑنے پر مجبور نہ کرتی تو میں نہ نکلتا یہ کہنے کے بعد آپ کے دل میں ایک قسم کی شکستگی پیدا ہوئی تو آیت نازل ہوئی کہ خدا آپ کو جلد ہی واپس یہاں لائے گا۔ وہاں سے گھر کی عقبی کھڑکی سے نکل کر غار ثور جو یمن کی طرف ہے چلے گئے۔

صاحب غار

مؤرخین اور سیرت نگاروں کا اتفاق ہے اس سفر میں آپؐ کے ساتھی حضرت ابو بکرؓ تھے۔قرآن کریم میں بھی آپؐ کے ساتھ کا ذکر ہوا ہے۔

﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ ''اگر تم ان کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جبکہ انھیں کافروں نے نکال دیا تھا دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' (توبہ ۴۰)

اس میں جائے شک وتردید نہیں آپؐ کو ابو بکرؓ کہاں سے کیسے ملے اور کیونکر آپ نے ان کو ساتھ ملایا اس سلسلے میں تین قسم کی نقولات ملتی ہیں:

۱۔ پیغمبر اسلامؐ تن وتنہا اس غار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے کہ ابو بکرؓ نے تاریک رات میں آپؐ کا پیچھا کیا جونہی آپؐ نے ابو بکرؓ کے قدموں کی آہٹ سنی تو آپؐ ڈر گئے اور جلدی جلدی چلنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے آپؐ کے جوتے پھٹ گئے اور پاؤں کی انگلیوں سے خون بہنے لگا، حضرت ابو بکرؓ نے آواز بلند کی تو آپؐ نے پہچان لیا کہ پیچھا کرنے والے مشرکین نہیں بلکہ ابو بکرؓ ہیں اس کے بعد وہ آپؐ کے ساتھ غار میں گئے۔

۲۔ پیغمبرؐ نے علیؑ سے فرمایا جب ابو بکرؓ آجائیں تو ان سے کہہ دیں کہ میں غار ثور کی طرف گیا ہوں اس طرح ابو بکرؓ آپؐ کے پیچھے غار میں پہنچ گئے۔ان دو نقولات کو ابو بکرؓ مخالف گروہ نے پسند کیا ہے۔

۳۔پیغمبر اسلامؐ نے تمام اہل ایمان کے مکے سے ہجرت کرنے کے بعد تنہا حضرت ابو بکرؓ اور علیؑ کو وہاں رکھا تا کہ ان میں سے ایک آپؐ کے پاس موجود لوگوں کی امانتوں کو واپس کر کے آپؐ کی بیٹی اور دیگر اہل خانہ کو مدینہ لے آئیں اور دوسرے اس طویل اور خوف و وحشت سے پُر راستے میں آپؐ کے ساتھ رہیں، دوسرے کام کیلئے آپؐ نے ابو بکرؓ کا انتخاب کیا۔اس نقطۂ نظر کے تحت کہتے ہیں پیغمبرؐ یا تو سیدھے ابو بکرؓ کے گھر جا کر ان کو ساتھ لے گئے یا ابو بکرؓ کو پہلے سمجھا کے رکھا کہ وہ غار ثور پر میرا انتظار کریں۔تاہم پیغمبر اسلامؐ کی اس ہجرت میں ہمیں غیبی امداد خداوندی کی جھلک نظر آتی ہے۔محاصرے سے نکلنا پیغمبرؐ یا کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی جبکہ باقی معاملات اسباب وعلل طبیعی، اجتماعی فہم وفراست اور تدبر وحکمت عملی پر مشتمل تھے۔ان دونوں عوامل غیبی وظاہری کو جوڑنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس حوالے سے پہلی دو نقولات اصول وموازین سے میل نہیں کھاتی ہیں۔احتمالات بعیدہ سے محفوظ تیسری نقل ہی ہے جس میں آپؐ نے پہلے سے ہی ابو بکرؓ کو اس سفر میں اپنے لئے معاون ساتھی کے طور پر منتخب فرمایا یہ ان کیلئے ایک اعزاز وافتخار ہے جس کے بننے میں کسی قسم کا کوئی حرج نہیں ہے۔

پیغمبرؐ نے پانچ میل کا سفر طے کیا یہاں تک کہ آپ ایک پہاڑ پر پہنچے جو جبل ثور کے نام سے معروف ہے۔اس غار کو ثور

کہنے کی توجیہ میں مؤرخین اور مکہ کے جغرافیہ دانوں نے درج ذیل توجیہات لکھی ہیں ۔
یاقوت حموی کہتے ہیں کہ ثور بیل کو کہتے ہیں جبکہ مکہ میں واقع پہاڑ میں ایک غار ہے اسی مناسبت سے اس پہاڑ کو جبل ثور کہا جاتا ہے جبکہ اس غار کو غار ثور اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں ثور بن عبد مناۃ پیدا ہوا تھا۔ جبل ثور مکہ کے جنوب میں واقع ہے جس کی بلندی سطح سمندر سے پانچ سو (۵۰۰) میٹر ہے۔
یہ ایک اونچا پہاڑ ہے جس پر پتھر ہی پتھر ہیں اس پر چلنا بہت مشکل ہے ۔ پیغمبرؐ غار میں پہنچ گئے تو اس کو صاف کیا، آپؐ اور ابو بکرؓ وہاں بیٹھ گئے ۔ تین دن جمعہ ہفتہ اور اتوار کی رات تک وہاں رہے۔

غار سے مدینہ تک

محاصرہ کرنے والے وقت کے انتظار میں تھے اس وقت ایک شخص آیا اس نے انہیں دروازے پر دیکھ کر پوچھا آپ کس کے انتظار میں ہیں انہوں نے کہا محمدؐ کے انتظار میں اس نے کہا تم ناکام ہوئے ۔ وہ تو یہاں سے تمہارے سروں پر مٹی ڈال کر چلے گئے ہیں ۔ جب انہوں نے اپنے سروں کو دیکھا تو واقعاً مٹی سے اٹے ہوئے تھے وہ اندر داخل ہوئے اور دیکھا بستر پر علیؑ پیغمبرؐ کی چادر اوڑھ کر سوئے تھے انہوں نے علیؑ سے پوچھا محمدؐ کہاں ہیں آپؑ نے جواب دیا مجھے خبر نہیں ہے۔
قریش سخت غصے میں تھے کیونکہ انہیں یقین ہو گیا تھا محمدؐ ان کے ہاتھ سے پہلے دن ہی سے نکل گئے ہیں ۔ انہوں نے سب سے پہلا اقدام علیؑ کو مارنے کا کیا انہیں کعبے کی طرف لے گئے ایک گھنٹے تک روک کر رکھا شاید کوئی خبر دے دیں جب ان سے کوئی خبر نہ ملی تو ابو بکرؓ کے گھر گئے لیکن وہاں سے بھی کوئی خبر نہ ملی ۔ بعض کے مطابق اس کے بعد قریش نے مکے میں پھر ہنگامی اجلاس بلایا جس میں سخت پہرا رکھا اور اس میں فیصلہ کیا جس نے بھی محمدؐ کے زندہ یا مردہ ہونے کے بارے میں معلومات فراہم کیں اسے ایک سو اونٹ دیں گے ۔ چنانچہ سوار اور قدموں کے نشان پہچاننے والے سب میدان میں آگئے ۔ تلاش و جستجو شروع کی پہاڑوں اور دروں میں گھسے لیکن تگ و دو کے بعد پیغمبرؐ کے کوئی آثار نہ ملے تلاش کرنے والے غار ثور کے دروازے تک پہنچے لیکن تدبیر خداوند عالم غالب آئی ۔ چند قدم کے فاصلے سے یہ لوگ واپس چلے گئے جب قریش تلاش کرنے کے بعد مایوس ہوئے تو تفتیش و تلاش کا مسئلہ اپنے اختتام کو پہنچا ۔ پیغمبرؐ ابو بکرؓ اور عامر بن فہیرہ کے ساتھ ایک غیر معروف راستے پر پہنچے جس سے کوئی آگاہ نہیں تھا اس کے بعد وہاں سے شمال کی طرف بحر احمر کی طرف اپنا سفر شروع کیا۔
پیغمبرؐ کی ہجرت کے بعد مشرکین قریش نے اپنے تمام تر غم و غصے کو اس جدوجہد میں صرف کیا کہ کسی طرح پیغمبرؐ کو تلاش کیا جائے ۔ پیغمبرؐ نے تین دن تک غار میں قیام کیونکہ آپ جانتے تھے مشرکین آپؐ کی تلاش میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے وہ پہلے سے زیادہ غم و غصہ اور جذبہ انتقامی کے تحت ہر معروف راستے پر آپ کو تلاش کریں گے، ہر راستہ شناس سے اس سلسلے میں مدد لیں گے ۔ پیغمبرؐ تین دن اور تین راتیں غار میں ٹھہرے رہے، جب مشرکین کے حوصلے پست ہو گئے اور ان کی ہمتیں جواب دے چکیں اس وقت پیغمبرؐ غار سے باہر تشریف لائے پیغمبرؐ مکہ سے مدینہ آنے جانے والے عام راستے سے صرف نظر کیا

کیونکہ اس پر شام کی طرف سے اکثر قافلے آتے جاتے رہتے تھے اس نے دریا کے کنارے کو انتخاب کیا جو غیر معروف راستہ تھا ساحلی راستے کو منتخب کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اس راستے کی مسافت باقی راستوں کی نسبت کم تھی۔

جب آپ قبیلہ مدلج کے پاس پہنچے تو بنی مدلج کی محفل میں ایک آدمی نے کہا میں نے ابھی ساحل پر ایک سیاہی دیکھی ہے شاید وہ محمدؐ اور ان کے ساتھی نہ ہوں قریش میں سے سراقہ بن مالک نے فوراً سمجھ لیا یہ حضرت محمدؐ ہی ہیں لیکن اس نے سوچا جو مال انعام میں رکھا گیا ہے وہ مجھے کیوں نہ ملے اس نے فوراً کہا وہ محمدؐ نہیں ہیں بلکہ کوئی اور رفع حاجت کیلئے گیا ہوگا اتنا کہہ کر وہ بیٹھ گیا اور پھر خاموشی سے اپنے خیمے میں جا کر لونڈی کو کہا میرا گھوڑا نکالو اور ٹیلے کے پیچھے روک کر میرا انتظار کرو ہمراقہ کا بیان ہے میں نے جلدی سے تیاری کی اور نیزہ لے کر گھر کے پچھواڑے سے باہر نکلا اور اس راستے پر آ گیا جلد ہی میں نے پیغمبرؐ کو پا لیا جب میں نے پیغمبرؐ کو دیکھا تو میرا گھوڑا پھسلا اور میں نیچے گر گیا۔ میں اٹھا اور دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی طرف بڑھا سراقہ قریب آیا تو پیغمبرؐ نے بددعا کی جس سے گھوڑا زمین میں دھنسنا شروع ہو گیا خداوند عالم نے اس کو اپنے مذموم عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دیا ہمراقہ سوچنے لگا محمد حق پر ہیں وہ آگے بڑھا اور پیغمبرؐ سے معافی مانگی اور اپنے لئے امان نامہ حاصل کیا، اپنا زادِ راہ آپؐ کو پیش کیا لیکن آپؐ نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا ہمارے بارے میں خبر کو پوشیدہ رکھنا اس نے کہا آپ مطمئن ہو جائیں، جو لوگ پیغمبرؐ کی تلاش و جستجو میں غرق تھے انھوں نے سراقہ سے پیغمبرؐ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا ادھر کی کھوج خبر لے چکا ہوں یہاں تمہارا جو کام تھا وہ کیا جا چکا ہے۔ آپؐ سرزمین مکہ سے دوپہر کے وقت نکلے تھے جب سورج اپنی تمام تر تپش زمین کی طرف پھینک رہا تھا اس حالت میں سفر کرنے والے کا حال کیا ہوگا کیونکہ وہ سفر جو صبح و شام پہاڑوں اور ٹیلوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلے پر محیط تھا ان مصیبتوں اور تکالیف کو وہی درک کر سکتا ہے جو اس آگ سے گذرا ہو، ایسے ماحول اور لمبی مسافت میں سفر کرنے والے ہمیشہ دوپہر کے وقت کسی سایہ دار جگہ کو تلاش کرتے ہیں تا کہ وہاں آرام کر سکیں اور جب سورج غروب ہونے کو آتا ہے تو ان کی سواریاں حرکت میں آ جاتی ہیں پیغمبرؐ اس سے پہلے اپنے بچپنے میں اپنے والد کی قبر کی زیارت کیلئے اپنی والدہ کے ساتھ اس راستے سے گزرے تھے لیکن آج نہ والدہ تھی اور نہ کوئی اور عزیز اور نہ ہی کسی دنیاوی چیز کے حصول کیلئے آپ نے یہ مشکل سفر اختیار کیا تھا بلکہ آپؐ مدینے میں دین و رسالت کے بوئے جانے والے بیج کی آبیاری کیلئے تشریف لے جا رہے تھے ایک لمحے کیلئے سوچئے خداوند متعال نے پیغمبرؐ کو مومنین کیلئے رؤف و مہربان قرار دیا لیکن لوگوں نے انہیں ایک اشتہاری مجرم قرار دیا اور ان کا خون بہانے کیلئے کثیر مال و دولت مختص کیا۔

نبی کریم کی مدینہ ہجرت کے بعض پیچیدہ نکات

آپؐ کی مکہ سے مدینہ ہجرت تاریخ نبوت یعنی بعثت کے بعد دوسرا بڑا تحول تھا امت مسلمہ کیلئے یہ واقعہ نا قابل فراموش ہونے کے ساتھ ساتھ باعث اعزاز و افتخار ہے جبکہ اس کے اثرات اور رحمت اسلام سے آج تک کروڑوں مسلمان سرفراز اور لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ ہم اس سلسلے میں تفصیل میں جانے سے گریز کرتے ہوئے اہم، ناگریز اور پیچیدہ نکات کو اختصار کے

ساتھ بقدر ضرورت بیان کرتے ہوئے چند ایک کی وضاحت کرنا چاہیں گے۔

۱۔ چونکہ مشرکین کی طرف سے نبی کریمؐ پر ایک فیصلہ کن اور آخری حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کو حتمی شکل دی گئی تھی لہٰذا آپ کا مکہ سے ہجرت کرنا ناگزیر تھا بصورت دیگر آپ مکہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔

۲۔ مشرکین کے پر تشدد رویے اور اذیت و آزار کے بڑھتے ہوئے واقعات کے باعث پیغمبر اسلامؐ مکہ سے نکلنا چاہتے تھے جس کیلئے آپ نے پہلے ہی تیاری شروع کر رکھی تھی اور کسی مناسب موقع محل کے انتظار میں تھے۔ بقول فارسی ضرب المثل "عدو شُد سبب خیر" یعنی دشمن نے آپ کیلئے خیر و سلامتی کا دروازہ کھولا۔

۳۔ آیا مکہ سے آپؐ کے نکلنے کا سارا عمل باریک بینی، منصوبہ بندی اور حکمت عملی کے تحت ہوا یا پھر غیبی تائید و نگرانی میں۔

۴۔ نبی کریمؐ کے سفر ہجرت میں ابوبکر کا کردار

الف۔ پیغمبر اسلامؐ نے ابوبکرؓ کا انتخاب اپنے سفر میں ساتھی کی حیثیت سے کیا یا وہ خود رضا کارانہ طور پر آپ کے ہم سفر بنے۔

ب۔ دونوں بادل ناخواستہ ایک دوسرے کے ساتھی بنے۔

واقعہ ہجرت اتنا سادہ اور سطحی قصہ نہیں جس پر سرسری نظر ڈال کر انسان آگے گزر جائے بلکہ یہ زمینی حقائق کے تحت کی گئی منصوبہ بندی اور مشیت و ارادہ الٰہی کے تحت عمل میں آنے والا اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے۔ ساتھ ہی یہ دعوت نبی کریمؐ کی راہ میں رکاوٹ بننے والے دشمنوں کو خواب غفلت میں رکھنے کی الٰہی حکمت عملی کا یادگار قصہ ہے۔

آیئے اب ہم پہلے اہم نکتے کی طرف آتے ہیں۔ نبی کریمؐ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کیلئے پہلے ہی تمام اقدامات مکمل کر چکے تھے، اس سلسلے میں درج ذیل حقائق ملاحظہ کریں۔

۱۔ اوس و خزرج کے افراد سے منیٰ میں معاہدہ تھا۔

۲۔ نبی کریمؐ نے ایمان لانے والوں کی اکثریت کو پہلے ہی مدینہ روانہ کر دیا تھا اور مکہ میں آپ کے ساتھ دو قابل ذکر شخصیات علیؑ اور ابوبکرؓ ہی رہ گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ اس ہجرت کیلئے پہلے ہی آمادہ اور چوکنا تھے جبکہ مشرکین قریش کا فیصلہ حضرت محمدؐ کی آرزوؤں کو عملی جامہ اور آپ کی روانگی کے وقت خود قریشیوں کے سر پر ذلت و خواری کا تاج پہنانے کا سبب بنا گویا جو آپؐ نے مشرکین کے سروں پر پھینکی وہی ان کی ذلت و خواری کیلئے کافی تھی جس کا خواب فتح مکہ کے موقع پر شرمندہ تعبیر ہوا۔

۳۔ اگر خداوند متعال نبی کریم کو اپنی کفالت و نگرانی میں نہ رکھتے تو آپ کا مشرکین کے ہاتھوں بچ نکلنا ممکن نہیں تھا۔

۴۔ نبی کریم کا گھر چالیس جنگجوں خونخوار اشقیاء کے محاصرے میں تھا اس صورت حال میں آپ کا گھر سے نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

۵۔ آپؐ بیدار حالت میں تعینات اوباشوں کے درمیان سے کیسے بچ کر نکل گئے؟

۶۔ پیغمبر اسلامؐ کے گھر سے غار تک پہنچنے کے بعد سے قدموں کے نشانات کیسے مٹ گئے؟

۷۔ پیغمبر اسلامؐ کو تلاش کرنے والوں کو غار کے دہانے پہنچنے کے بعد احتیاطی طور پر اس کے اندر دیکھنے کی جرأت و ہمت کیوں نہیں ہوئی؟

۸۔ غار کے دروازے پر مکڑی نے اتنے مختصر عرصے میں جال کیسے بُنا۔

یہ سارے عوامل اس بات کی دلیل ہیں کہ انسان کتنا ہی عاقل اور تجربہ کار کیوں نہ ہو اگر غیبی معاونت و نگرانی نہ ہو تو وہ اس دنیا میں دشمنوں کے ہاتھوں بے بس و بے چارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

واقعہ ہجرت میں ابو بکرؓ کا آپ کے ساتھی ہونے کو تاریخ کے صفحات سے نہیں مٹایا جا سکتا ہے لیکن تاریخ میں ثبت یہ سطور اب تک بعض افراد کے گلے میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہیں اور خاص کر اس بارے میں سورہ توبہ ۴۰ کی تفسیر و توجیہ اس حلقے کو تھکا دینے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت کی تفسیر کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور غلط انداز میں تفسیر بالرائے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں یہ بات بھی افسوس ناک ہے کہ اپنی پسند اور ناپسند کی بنیاد پر آیت قرآنی سے بھی کھیلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بہر حال ہجرت کے اس غیر معمولی واقعے میں ابو بکرؓ کی موجودگی کے حوالے سے کئی پہلوؤں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ابو بکرؓ کی جانب سے پیغمبر اکرمؐ کا ہمسفر بننے کی دو صورتیں بن سکتی ہیں۔

الف۔ ابو بکرؓ نبی کریم کے ساتھ بری نیت سے جا ملے تھے۔

ب۔ اخلاص حسن نیت سے اور اپنی خواہش کی بنا پر پیغمبرؐ کے ساتھی بنے۔

☆ بعض حلقوں کا خیال ہے کہ ابو بکر پیغمبرؐ کا ساتھ دینے کے سلسلے میں حسن نیت نہیں رکھتے تھے اسی وجہ سے وہ غار میں پریشان اور چیخ و پکار کرتے رہے۔

☆ پیغمبر اسلامؐ کو اس سفر میں ایک ساتھی ناگریز تھا چنانچہ آپ نے ان کو اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا جبکہ ابو بکرؓ نے بھی آپ کی خواہش کے تحت ہی ساتھ دیا۔

اوّل الذکر حلقہ ایسا نہیں سمجھتا۔ ان کا موقف ہے کہ پیغمبر اسلامؐ اکیلے گھر سے نکلے تھے اور راستے میں ابو بکرؓ آپ سے جا ملے اگر آپ انھیں اپنے ساتھ لے کر نہ جاتے تو آپ کیلئے اس حوالے سے خطرہ بن سکتے تھے کہ مشرکین کو آپ کے بارے میں معلومات فراہم کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے بحالت مجبوری انھیں اپنے ساتھ لے لیا۔ حالانکہ پیغمبر کی ذات جنہیں خدا کی تائید و نصرت کے ساتھ مشرکین کے درمیان سے صحیح و سالم انداز میں نکالا گیا انہیں کسی اور ساتھی کی کیا ضرورت تھی؟

اس سلسلے میں ہمیں کسی کی خوشنودی کو پیش نظر یا پھر کسی کی جانب سے تہمت وافتراء، الزام تراشی یا غیض و غضب کو نظر میں رکھنے کی بجائے دین اسلام اور اسے لانے والی ہستی محمد مصطفیٰؐ کو بچانے کی فکر میں لگا رہنا چاہیے۔ اسی بات کی روشنی میں ہم چند مفروضے بنا سکتے ہیں۔

۱۔خداوند عالم نبی کریمؐ کو اپنے گھر سے اٹھا کر لمحہ بھر میں مدینہ پہنچا سکتا تھا جس طرح اسرا کے موقع پر مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ لے گیا۔

۲۔زمینی پرُخطر لحات اور دشمن اسلام کے تعاقب سے بچنے کیلئے ایک شجاعت مند، رازدار، امین اور فدا کار ساتھی کی موجودگی سے کسی کو انکار نہیں ہونا چاہیے لہٰذا اس سلسلے میں گھر کو خالی رکھ کر علیؑ کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔

۳۔پیغمبرؐ نے گھر سے نکلتے وقت دعا پڑھی اور مٹی پھینک کر مشرکین کے حصار سے نکل گئے۔ پیغمبرؐ ابو بکرؓ کو بھی راستہ چلتے وقت اندھا بنا سکتے تھے تاکہ انھیں اپنے ساتھ لے کر نہ جانے کے باوجود ان کی طرف سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

۴۔کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ (نعوذ باللہ) مفاد پرست، مشکوک اور منافق انسان تھے نبی کریمؐ انھیں بادل ناخواستہ ملاقات ہونے کی وجہ سے اپنے ساتھ لے گئے۔ اگر ایسا ہی ہے تو ابو بکرؓ نے قریش کو پیغمبرؐ کے بارے میں معلومات فراہم کر کے ان سے بھاری رقم انعام کے طور پر کیوں وصول نہ کی اور قریش کا خیر خواہ بننے کا موقع کیسے اور کیوں ہاتھ سے جانے دیا۔

۵۔پیغمبرؐ نے مکہ سے نکلتے وقت ابو بکرؓ سے سواری خریدی۔ آپؐ نے ان سے خریداری کیوں کی؟ خود جا کر سواری کا بندوبست کیوں نہیں کیا کیونکہ ابو بکرؓ کی جانب سے یہ پیغمبر پر ایک طرح کا احسان ہوتا ہے۔

۶۔کہا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ اور ابو بکرؓ غار میں تین دن تک رہے۔ ان تین دنوں میں وہاں کھانے پینے کیلئے کیا بندوبست کیا گیا؟

☆ پیغمبرؐ خود گھر سے کھانا اپنے ہمراہ لے گئے تھے یا بعد میں آنا شروع ہوا؟

☆ مشرکین میں سے کوئی بھیجنے والا تھا؟ ☆ خدا کی طرف سے مائدہ اُترا

☆ تینوں دن بھوکے پیاسے رہے ☆ ابو بکرؓ کے گھر سے کھانے پینے کی چیزیں آتی تھیں؟

۷۔کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ غار میں پریشان تھے جو کہ ان کی سوءنیت اور بُرے عزائم کی دلیل ہے۔ انھیں اتنی پریشانی میں وہاں رہنے کی کیا ضرورت تھی، وہ باہر دیکھنے کا بہانا کر سیدھے گھر چلے جاتے یا پھر مشرکین کے پاس جا کر پیغمبرؐ کی غار میں موجودگی کی اطلاع دے کر انعام کے انعام حاصل کر لیتے۔

۸۔کہا جاتا ہے کہ مشکوک ہونے کے باوجود پیغمبر اسلامؐ بحالت مجبوری ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر گئے تو پھر پہنچ کر ان کی بیٹی سے شادی کی کیا منطق ہو سکتی ہے۔

جو لوگ حقائق پر پردہ ڈال کر یا انہیں توڑ مروڑ کر یا پھر واقعات میں شکوک وشبہات پھیلا کر غلط نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں انہیں سوچنا چاہیے کہ اس کا نشانہ خود نبی کریم کی ذات بھی بن سکتی ہے۔ اس حلقے کی طرف سے پیغمبرؐ کے ساتھیوں کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا آج کل کی سیاسی اصطلاح کے تحت "تفرقہ ڈالو حکومت کرو" کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

ہجرت سے پہلے مدینہ کے حالات

یثرب

یثرب ''ی،ث،ر،ب'' یثرب ایک شخص کا نام تھا جس کا عمالقہ سے تعلق تھا جو سب سے پہلے اس سرزمین پر آباد ہوا اس کے بعد یہ جگہ اسی کے نام سے معروف ہوئی اس نام کا ذکر قرآن کریم کی سورہ احزاب میں آیا ہے لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے جب خدا نے سورہ احزاب کی آیت ۱۳ میں اس مقام کو یثرب کہا تو اس نام کو چھوڑ کر مدینہ کہنے میں کیا حسن اور منطق ہے؟ اسکے جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ خداوند متعال نے یہ کلمہ منافقین کی زبان سے نقل کیا ہے تاہم خداوند عالم نے اس جگہ کیلئے جو نام منتخب کیا، وہ مدینہ ہے، جس کا ذکر سورہ احزاب ۱۳ میں آیا ہے:

﴿ وَاِذْ قَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰاَهْلَ يَثْرِبَ لَامُقَامَ ﴾ ''اور جب ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا: اے یثرب والو! تمہارے لئے یہاں ٹھہرنے کی گنجائش نہیں ہے''

تبدیلی نام

پیغمبر اسلامؐ کا سب سے پہلا اصلاحی قدم یثرب کا نام تبدیل کرنا تھا کیونکہ یثرب مادہ ثرب سے ہے۔ ثرب کلام عرب میں برائی، ملامت اور سرزنش کیلئے استعمال ہوتا ہے چنانچہ پیغمبرؐ نے اس کا نام مدینہ رکھا اور پہلا نام استعمال کرنے سے منع کیا، بعض نے کہا یثرب کی جگہ طابہ رکھا۔

تعریف مدینہ

پیغمبرؐ کی آمد کے بعد یثرب، مدینۃ الرسول کے نام سے معروف ہوا یہ چند دیہی علاقوں پر مشتمل تھا اس سے مکے تک کا فاصلہ تین سو میل ہے اور یہ مکے کے شمال میں واقع ہے۔ معجم البلدان میں اس کیلئے ۲۹ نام بیان ہوئے ہیں بعض نے ۳۰ نام بتائے ہیں سمہودی نے کتاب وفاالوفا میں ۹۴ نام لکھے ہیں ناموں کی کثرت اس جگہ کی شناخت و مقبولیت کی دلیل ہے۔ اس کو یثرب کہنے کا ذکر سورہ یوسف اور سورہ بلد میں ہوا ہے۔

مدینہ سے مکہ ۱۰ منزل ہے ہر منزل ۲۰ مرحلوں کی مسافت ہے، کوفہ سے مدینہ ۲۰ مرحلہ ہے اور بصرہ سے مدینہ ۱۸ مرحلہ ہے، رقعہ سے مدینہ ۲۰ مرحلہ اور بحرین سے ۱۵ مرحلہ ہے جبکہ، دمشق سے مدینہ ۲۰ مرحلہ پر واقع ہے۔

یہود مدینہ

مدینہ میں یہودیوں کی آباد کاری کی تاریخ کے بارے میں چند اقوال نقل ہوئے ہیں ان میں سے دو کو ہم یہاں قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

۱۔ علمائے یہود نے اپنی کتابوں میں پیغمبر اسلامؐ کی بعثت اور آپ کی ایک ایسی جگہ ہجرت اور حکومت کرنے کی پیش گوئیاں دیکھیں تو یہ لوگ شام سے اس صفت کی حامل جگہ کی تلاش میں نکلے اس طرح انھوں نے مدینہ میں سکونت اختیار کی۔

۲۔ جب ستر میلادی کو روم اور یہود میں جنگ چھڑی تو اس کا اختتام فلسطین کی ویرانی پر ہوا، ہیکل سلیمانی بیت المقدس ٹوٹ گیا۔ یہاں سے یہود دنیا کے دیگر گوشہ و کنار میں منتشر ہو گئے، ایک کثیر جمعیت جزیرۃ العرب میں منتقل ہوئی۔ ان میں سے تین قبائل نے مدینے میں سکونت اختیار کر لی، ان کی کل تعداد دو ہزار افراد پر مشتمل تھی، بنی قینقاع کے جنگجوؤں کی تعداد سات سو افراد پر مشتمل تھی جبکہ بنی نضیر پر مشتمل افراد کی بھی اتنی ہی تعداد تھی، بنی قریظہ کی تعداد سات سو سے نو سو افراد تک بتائی جاتی ہے لیکن تاریخ میں آیا ہے کہ ان تینوں قبیلوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے یہودی قبائل بھی حجاز میں رہتے تھے ان میں یہود بنی عوف، یہود بنی نجار، یہود بنی سعدہ، یہود بنی ثعلبہ، یہود بنی جفنہ اور یہود بنی حارث شامل تھے۔

کتاب وفا الوفا جلد ا میں لکھتے ہیں کہ یہود کے بیس (۲۰) سے کچھ زیادہ قبائل تھے لیکن تین قبیلوں سے بنی اوس و خزرج کا معاہدہ تھا۔ یہ خود آپس میں ایک دوسرے سے عداوت و دشمنی اور ناچاکی رکھتے تھے۔ بنی قینقاع، بنی خزرج کے حلیف تھے لہٰذا جنگ بعاث میں بنی نضیر اور بنی قریظہ نے بنی قینقاع کو بہت نقصان پہنچایا انھیں تتر بتر کیا اور لوگوں کو اسیر کر لیا۔ چنانچہ ان کے آپس میں اختلاف اور انتشار کے بارے میں سورۂ بقرہ کی آیت ۸۴، ۸۵ میں آیا ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَاتَسْفِكُوْنَ دِمَآئَكُمْ وَلَاتُخْرِجُونَ اَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ☆ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ﴾ ”اور جب لیا ہم نے پختہ عہد تم سے کہ نہ بہانا تم آپس میں خون اور نہ نکالنا اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اس کا اقرار کیا تھا اور تم خود اس پر گواہ ہو۔ پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ قتل کرتے ہو اپنوں کو اور نکال دیتے ہو اپنے ہی ایک گروہ کو ان کے وطن سے، چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ اور زیادتی سے۔ اور اگر آتے ہیں وہ تمہارے پاس قیدی بن کر تو چھڑا لیتے ہو تم ان کو فدیہ دے کر، حالانکہ سرے سے حرام تھا تمہارے لئے ان کا نکالنا ہی۔“

بنی قینقاع مدینہ کے اندر رہتے تھے جب بنی نضیر اور بنی قریظہ نے انہیں نکالا تو اس وقت وہ مدینہ شہر کے اندر رہتے تھے جبکہ خود بنی نضیر وادی بطحان میں مدینہ سے دو یا تین میل کے فاصلے پر رہتے تھے ان کے باغ، نخلستان اور زرعی زمین تھی، بنی قریظہ وادی مہزور میں جو جنوب مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر تھی وہاں رہائش پذیر تھے۔ یہ آپس میں کوئی حکومت قائم نہ کر سکے، عشائر و قبائل کے رؤسا ان پر حکومت کرتے تھے اور ان سے جزیہ لیتے تھے۔ ہر یہودی قبیلہ نے ایک عرب قبیلہ سے معاہدہ کیا ہوا تھا۔ یہود اپنا تعارف اہلِ علم اور اہل دین و شریعت کے نام سے کراتے تھے، ان کے پاس مدارس تھے جن سے یہ امور دین احکام شریعت، اپنی تاریخ اور گذشتہ انبیاءؑ کی تاریخ لکھواتے تھے، ان کی اپنی عبادت گاہ اور مشاورت خانے تھے، ان کے پاس آئین و

دستور تھا جو کہ بعض کتب گذشتہ سے لیا گیا تھا بعض اسے علماء اور کاہنوں سے لیتے تھے۔ان کا دین سے رشتہ ہر آئے دن ٹوٹتا گیا یہاں تک کہ ان کا عرب مشرکین سے امتیاز ختم ہوگیا سحر‘ جادو‘ اذیت پہنچانا‘ کینہ اور حسد انکی پہچان بن گیا ان کے علماء الٹی سیدھی حرکتیں کرتے تھے۔سحر میں یہود بہت آگے نکل چکے تھے اور اس کو ایک اسلحہ کے طور پر استعمال کرتے تھے چنانچہ زہر کھلانا بھی انکا اسلحہ تھا۔جنگ خیبر میں پیغمبر اسلامؐ کو انہوں نے زہر یلا کباب پیش کیا تھا معاملات یعنی لین دین میں دھوکے وفریب کے تمام طریقے ان کے ہاں رائج تھے یہاں تک کہ یہ دوسروں سے ربا لینا جائز سمجھتے اور اپنوں سے ربا کو حرام سمجھتے تھے۔

اہل کتاب کی جانب سے نبی کریم ﷺ کی آمد کا انتظار

قرآن کریم کی کثیر آیات کے مطابق ہمارے نبی کریمؐ جو کہ خاتم المرسلین وخاتم النبیین ہیں ان کی آمد کے بارے میں گذشتہ کتب تورات وزبور اور انجیل میں بشارتیں موجود ہیں جن کی تصدیق خود ان ادیان کے علماء وقتاً فوقتاً کرتے رہتے تھے چنانچہ اس بارے میں اظہار کی شدت اس وقت بڑھ جاتی تھی جب اہل کتاب مشرکین سے شکست کھاتے یا انھیں صدمہ پہنچتا تھا چنانچہ مدینہ میں اہل یہود کے بارے میں آیت ہے کہ یہ لوگ مشرکینِ قریش اوس وخزرج سے کہتے کہ آخری نبی آنے والے ہیں جب وہ مبعوث ہوں گے تو ہم ان سے مل کر تمہارا خاتمہ کریں گے۔ان کی اس پیش گوئی نے مشرکینِ مدینہ کو بھی سوچنے پر مجبور کردیا کیونکہ وہ خود بھی آپس کی مسلسل خونریزی، اسارت و غارت گری اور جنگ وجدال سے تنگ آکر ایک نجات دہندہ کی تلاش وجستجو میں رہتے تھے۔بعثت کے بارہویں سال مشرکینِ قریش کا ایک قافلہ حج کرنے مکہ گیا جہاں قافلے کے ارکان منیٰ میں عقبہ اولیٰ پر ایک خیمے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت محمدؐ وہاں پہنچے، آپؐ نے اس موقع پر ان سے پوچھا کہ تم لوگ کہاں سے آئے ہو، انھوں نے کہا کہ ہم یثرب سے آئے ہیں پیغمبرؐ نے ان سے مزید پوچھا کہ تم لوگ یہودیوں کے موالی اور حلیف نہیں تو انھوں نے ہاں میں جواب دیا۔پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ان کے دین سے ہمارا دین بہتر ہے لہٰذا تم لوگ میری پیروی کرو، یہاں سے اہل یثرب کے عقل نے انھیں یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ ہم کیونکر یہود سے پہلے ان پر ایمان لانے میں سبقت نہ کریں تا ہم اہل کتاب نے پیغمبرؐ کے بارے میں پیشن گوئی کرتے ہوئے بہت سی جعلیات اور خود ساختہ چیزوں کو پیغمبر اکرمؐ کی سیرت طیبہ میں شامل کردیا ہے۔انھوں نے پیغمبرؐ کی شناخت کو شکل وصورت، قد وقامت کے علاوہ کچھ خارق عادات سے ملا کر بنایا ہے جو کہ کسی بھی حوالے سے آیاتِ قرآنی اور عقل وتجربے سے مطابقت نہیں رکھتی۔اس سلسلے میں چند مثالیں ذیل میں پیش کرتے ہیں تا کہ قارئین سیرت شناسی میں غیر معقول نقولات کے بارے میں بروقت جان لیں۔

۱۔ عبد المطلبؓ بارہا لوگوں سے کہتے تھے کہ میرے بیٹے کو چھپا کے رکھیں تا کہ یہودی انھیں نہ دیکھ پائیں۔یہودی اگر انھیں دیکھ لیں گے تو قتل کردیں گے۔

۲۔ایک مسیحی راہب نے شام کی سرحد پر پیغمبر اکرمؐ کے قد وقامت اور شکل وصورت کو دیکھ کر ابو طالبؑ سے کہا کہ اس جوان کو جلد مکہ واپس لے جاؤ۔

۳۔مکہ میں ایک یہودی عورت تھی ،ایک دن اس کی محفل میں محمدؐ کی نبوت کی نشانی کے بارے میں ذکر ہوا جس کی بنیاد پر خدیجہؓ نے خود کو محمدؐ کیلئے پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔

۴۔جب پیغمبرؐ نبوت پر مبعوث ہوئے تو خدیجہؓ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں کہ وہ یہ بتادیں کہ محمدؐ پر واقعاً کوئی ملک نازل ہوا ہے یا کسی اور چیز نے انھیں متاثر کیا ہے۔

یہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی نبی کی نبوت کی شناخت کیلئے ثابت نہیں ہوتیں۔دنیا میں شکل وصورت،قد و قامت اور گفتگو کے لہجے میں ایک جیسے لوگ کسی بھی ملک،علاقے،خاندان اور گھرانے میں بھی ہوتے ہیں۔جعفر طیارؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پیغمبرؐ کے ہم شکل تھے۔امام حسنؑ کے بارے میں آیا ہے کہ آپؐ پیغمبرؐ سے زیادہ شباہت رکھتے تھے جبکہ علی اکبر بن الحسینؑ کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ آپؐ پیغمبرؐ سے ہر لحاظ سے شکل وصورت میں مشابہت رکھتے تھے لہٰذا ایسی دلیل کو اچھالنا اصل دلیل کو کمزور کرنے کی خاطر ہوتا ہے اور ایسی دلیل مذموم عزائم رکھنے والے ہی اچھالتے ہیں جو ذوات صدق دل اور ایمان خالص و عقیدہ راسخ کے تحت محمدؐ پر ایمان لائی ہیں،انھوں نے نہ شکل وصورت کو بنیاد بنایا،نہ قد و قامت،نہ نسبت اور نہ ہی سابقہ پیشن گوئی کو بلکہ وہ دو بدو گفتگو اور ان کے سابقہ کردار و رفتار کے لمحات و دقائق،صفات اور خصوصیات وصداقت کو نبوت سے جوڑ کر ایمان لائے۔ان اہل ایمان میں یثرب کے مشرکین بھی شامل تھے ان کے متعلق ہم مختصر ذکر کریں گے۔

اوس وخزرج

اوس وخزرج یمن سے تعلق رکھتے تھے مشہور بند مآرب ٹوٹنے اور حبش کے حملے کے بعد یہ لوگ منتشر ہو گئے۔حارث بن ثعلبہ عنقاء بن عمرو مزیقیا اور اس کی بیوی قیلہ بن زرقم بن عمر بن جفنہ اور ان کے دو بیٹے اوس وخزرج ہجرت کر کے مدینہ آئے انصار اوس وخزرج کو ملا کر بنو قیلہ کہتے تھے جیسا کہ حضرت زہراؑ نے اپنے خطاب میں ان دونوں کو بنو قیلہ کہہ کر خطاب کیا۔ یثرب میں بنی اسرائیل کی طرف سے بادشاہ کا نام فیتوان تھا اس وقت اوس وخزرج اسی بادشاہ کے تابع تھے اس بادشاہ کو مالک بن عجلان خزرجی نے قتل کیا مالک نے فیتوان کو قتل کرنے کے بعد غسان کے بادشاہ کے پاس پناہ لی یا وہ یمن چلا گیا اور شکایت کی کہ فیتوان نے ان پر بڑے ظلم کیے تھے اس لئے اس نے اسے قتل کر کے راہ فرار اختیار کی۔وہ اب یہودیوں کے ڈر سے واپس نہیں جا سکتا تھا اس نے ابو جبیلہ سے روسائے یہود کو قتل کرنے کے لئے معاہدہ کیا اور یمن سے شام آ کر یہودیوں کو قتل کرنے کے ساتھ غارت گری کی پھر واپس شام چلا گیا اس دن سے اوس وخزرج مدینہ میں صاحب طاقت وقدرت بنے انہوں نے یہودیوں کو دبا کے رکھا اس طریقے سے مدینہ میں مال و دولت کے مالک بنے،اوس وخزرج کو یہود پر فتح ملنے کے بعد ریاست وقدرت انکے ہاتھ میں آئی لیکن بعد میں خود ان کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے جنگ وجدال اور افتراق کا سلسلہ شروع ہوا۔شکست خوردہ یہودیوں نے اپنا انتقام ان دو قبائل سے لینے کیلئے تفرقہ وانتشار اور بغض وعداوت پھیلانے کو اپنے زہریلے اسلحے کے طور پر استعمال کیا جس کے نتیجے میں اوس وخزرج میں وقفہ وقفہ سے جنگیں ہوتی رہیں ہر جنگ عداوت کے

نئے بیج بوتی گئی ان جنگوں میں دونوں قبائل کے بہت سے افراد قتل ہوئے یہاں تک کہ پیغمبر اسلامؐ مدینہ تشریف لائے۔اوس و خزرج دونوں بنی قحطان سے تعلق رکھتے تھے جنہیں عرب کے ماہرینِ انساب عرب'عرب عاربہ کہتے تھے قریش کا ان دونوں سے رشتۂ ازدواج قائم تھا چنانچہ ہاشم بن عبد مناف نے جو مکہ میں رئیسِ قریش تھے بنی نجار کی سلمہ بنت عمرو بن زید بن عدی بن نجار خزرج سے شادی کی تھی لیکن قریش اپنے آپ کو ان سے افضل سمجھتے تھے جیسا کہ جنگ بدر کے موقع پر عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نے مبارزہ کیلئے دعوت دی تو انہوں نے انصار کے ساتھ مقابلہ کرنے کو اپنے لئے سبب تحقیر سمجھا اور پیغمبرؐ سے کہا کہ ہمارے مقابلے میں ہماری اپنی قوم سے برابر کے آدمی کو بھیجو چنانچہ پیغمبرؐ نے عبیدہ بن حارثؓ حمزہؓ اور علیؑ کو ان کے مقابلے میں بھیجا۔

یہود کا قبیلہ اوس اور خزرج سے تعلق

قبیلہ اوس جنوب مشرق میں قیام پذیر تھا جو کہ منطقہ عوالی ہے جبکہ قبیلہ خزرج منطقہ شمالی کی طرف آباد تھا مغرب کی طرف کچھ بھی نہ تھا۔قبیلہ خزرج چار قبائل مالک'عدی'مازین اور دینار پر مشتمل تھا۔یہ چاروں بنی نجار سے تعلق رکھتے تھے جو مسجد نبوی کے گرد آباد تھے جہاں اوس رہتے تھے یہاں زمین زرعی تھی۔قبیلہ خزرج کی زمین زرخیز نہیں تھی،ان کے ہمسائے بنی قینقاع تھے۔

اوس وخزرج ایک مدت تک یہودیوں کیساتھ زمین داری کرتے رہے یہود چونکہ صاحبان مال و دولت تھے لہٰذا ان کے اور یہودیوں کے درمیان اختلافات بڑھتے چلے گئے،ان کی مثال اس وقت کے مزارع اور زمینداروں جیسی تھی۔اوس وخزرج خود داخلی جنگ کا شکار تھے کبھی فتح و کامیابی خزرج اور کبھی اوس کو ہوتی لیکن اس کا فائدہ ہمیشہ کیلئے قبیلہ خزرج کو ہوتا۔اس حوالے سے بنی قریظہ و بنی نضیر نے قبیلہ خزرج کے خلاف جنگ لڑنے کیلئے قبیلہ اوس سے معاہدہ جنگ طے کیا جبکہ بنی قینقاع نے خزرج سے معاہدہ کیا،دونوں قبائل کے درمیان یہ جنگ اپنی انتہا تک گئی تاہم اوس اور خزرج کے مابین ۶۱۶ میلادی میں ہونے والی آخری جنگ میں خزرج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا آخر کار فریقین جنگ سے تنگ آ گئے اور دونوں نے جنگ بندی کر کے عبداللہ بن ابی سلول کو اپنا بادشاہ بنانے پر اتفاق کیا پیغمبرؐ کی آمد سے اس کی تاج پوشی نہ ہو سکی۔بنی اوس وخزرج کے افراد کی صحیح تعداد کتنی تھی اسکا ذکر نہیں آیا ہے،اسکا اندازہ صرف اس بات سے کر سکتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر ان کے جنگجو افراد کی تعداد چار ہزار تھی۔

اوس اور خزرج کی جنگیں

جنگ فجارِ اول

فجارِ اول میں قبیلہ اوس نے قبیلہ خزرج کے بعض جوانوں سے خیانت کی جوان کے پاس بطور رہن تھے۔یہ جنگ یثرب کے بعض باغات میں لڑی گئی۔اس جنگ میں قبیلہ خزرج کی قیادت عبداللہ بن ابی بن ابی سلول کر رہا تھا جبکہ قبیلہ اوس کی قیادت ابی قیس بن اسلت کے پاس تھی۔اس جنگ میں بہت خون خرابہ ہوا یہاں تک کہ دونوں قبیلے نابودی کے قریب پہنچے۔

جنگ فجارِ دوم

قبیلہ خزرج نے ابنی قریظہ اور بنی نضیر کے بعض جوان قتل کر دیئے جو بطور رہن ان کے پاس تھے اس پر یہود نے اوس کے ساتھ اتحاد کر کے خزرج سے جنگ لڑی ۔ ابن اثیر کے مطابق جنگ فجار اہل مکہ نے ایک جبکہ اہل مدینہ سے دو بار لڑی یوں قبیلۂ اوس اور خزرج تیرہ سال تک ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے۔

جنگ بعاث

قبیلۂ اوس وخزرج کی آخری جنگ کو جنگ بعاث کہتے ہیں ۔اس جنگ میں بنی قریظہ اور بنی نضیر قبیلہ اوس کے ساتھ تھے۔ اس جنگ کیلئے چالیس دن تک تیاری کی گئی اور ہر فریق نے عرب قبائل سے اپنے لئے حلیف تلاش کئے ۔قبیلہ اشجع اور جہینہ خزرج کے ساتھ جبکہ قبیلہ مزینہ اوس کے طرفدار تھا ۔بنی قریظہ کی زمین جو بعاث کے نام سے معروف تھی میدانِ جنگ قرار پائی ۔جنگ میں اوس کی طرف سے حزیر حضیر کتائب بن سماک اور خزرج کی طرف سے عمرو بن نعمان البیاضی اپنے اپنے لشکر کی قیادت کر رہے تھے ۔اس جنگ میں عبداللہ بن ابی اور اس کی جماعت نے شرکت نہیں کی ۔یہ جنگ قبیلہ بنی خزرج کی پہلی جنگوں میں کامیابی کے خلاف انتقامی طور پر لڑی گئی جس میں قبیلہ اوس اور ان کے حلیفوں نے نہ صرف ان کے قتل پر اکتفا نہ کیا بلکہ ان کے گھروں اور باغات کو بھی جلایا جس کی وجہ سے اپنی فقر و فاقہ کا سامنا کرنا پڑا اہل یثرب کی اس مجموعی صورت حال کو قرآن نے سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۳ میں بیان کیا ہے:

﴿إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا﴾ ”جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی اور اس کی نعمت سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے کہ اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا“

نبی کریم ﷺ کا مدینہ میں ورود و استقرار

وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی
وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی
اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی

یقیناً آپ کیلئے انجام آغاز سے بہتر ہوگا اور جلد ہی آپ کا رب آپ کو نوازے گا پس آپ راضی ہو جائیں گے کیا اس نے آپ کو یتیم پا کر جگہ نہیں دی۔

(سورہ مبارکہ ضحیٰ آیت ۴ تا ۶)

نبی کریم ﷺ کا مدینہ میں ورود واستقرار

قباء میں پیغمبر اسلام کی آمد

آپؐ چودھویں بعثت نبوی بروز دوشنبہ ۸ ربیع الاول ہجری مدینہ کے قریب قبا نامی جگہ پر پہنچے۔عروہ ابن زبیر نے نقل کیا ہے کہ جب مدینے میں موجود مسلمانوں نے پیغمبرؐ کی مکے سے نکلنے کی خبر سنی تو پانچ سو سے زائد افراد ہر صبح مدینے سے باہر نکل جاتے تھے اور آپؐ کا ظہر تک انتظار کر کے واپس گھروں کو چلے جاتے، جبکہ گرمی کا سخت موسم تھا۔ایک روز طویل انتظار کے بعد لوگ اپنے گھروں کو پہنچ چکے تھے کہ ایک یہودی اپنے کسی ٹیلے پر کچھ دیکھنے کیلئے چڑھا۔کیا دیکھتا ہے رسول اللہؐ اور آپؐ کے رفقاء سفید کپڑوں میں ملبوس، جن سے چاندنی چھلک رہی تھی تشریف لا رہے ہیں اس نے بیخود ہو کر نہایت بلند آواز سے کہا:

"عرب کے لوگو! یہ رہا تمہارا نصیب جس کا تم انتظار کر رہے تھے"

یہ سنتے ہی مسلمان ہتھیاروں کی طرف دوڑے اور ہتھیاروں سے سج دھج کر استقبال کیلئے امنڈ پڑے۔

انہوں نے پیغمبرؐ کو دیکھا ہوا نہیں تھا لہٰذا تمیز نہ کر سکے، خواتین اپنی چھتوں سے دیکھ کر ایک دوسرے سے کہتی تھیں کہ ان دونوں میں کون رسول اللہؐ ہیں۔اور وہ بشارت جو یہود کے ہاں تھیں وہ سچ ثابت ہوئیں۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ مدینے میں بنی عمرو بن عوف (ساکنانِ قباء) کے قبیلے میں شور و غوغا بلند ہوا اور تکبیر و تحلیل بلند کرتے ہوئے سب استقبال کیلئے نکل پڑے۔مرد اور جوان کہہ رہے تھے:

"اللہ اکبر! جاء رسول اللہ، اللہ اکبر! جاء محمدؐ، اللہ اکبر! جاء رسول اللہ"

اس دن جیسا خوشی اور مسرت والا دن اہل مدینہ نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

سب نے آپؐ کو خوش آمدید کہا اس دن مسلمانوں پر خوشی، سکون اور اطمینان چھایا ہوا تھا۔اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

﴿فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ﴾ "اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گے پس یقیناً اس کا کارساز اللہ ہے اور جبریل ہیں اور نیک ایمان دار اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں۔" (تحریم ۴)

لوگوں سے ملنے کے بعد آپؐ اُن کے ساتھ داہنی جانب مڑے اور بنی عمرو بن عوف میں تشریف لائے۔رسول اللہؐ نے قبا میں کلثوم بن ہدم اور بعض کے مطابق سعد بن خثیمہ کے مکان میں قیام فرمایا۔

ادھر علیؑ مکہ میں تین روز تک رہے اور لوگوں کی جو امانتیں رسول اللہؐ کے پاس تھیں انھیں ادا کر کے مدینہ کا رخ کیا اور قباء میں رسول اللہؐ سے آ ملے۔آپ کے ساتھ خاندان نبوت نے بھی ہجرت کی۔

مدینہ میں آمد

قباء میں پیغمبرؐ پیر، منگل، بدھ اور جمعرات چار دن تک رہے، انہی دنوں میں مسجد قبا کی بنیا د رکھی اور اس میں نماز پڑھی۔ یہ سب سے پہلی مسجد ہے جس کی پیغمبرؐ نے بنیا د رکھی جمعہ کے دن حکم خدا سے آپ اونٹ پر سوار ہوئے حضرت ابوبکرؓ آپ کے پیچھے تھے آپ نے اپنے نہیالی بنی نجار کی طرف پیغام بھیجا چنانچہ وہ تلواریں حمائل کئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپؐ مدینہ میں داخل ہوئے تو شہر کی گلیوں میں حمد و ثنا سبحان اللہ، الحمد للہ کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور انصار کی بچیاں خوشی و مسرت سے ان اشعار کے نغمے بکھیر رہی تھیں:

اشرق البدر علینا   من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا   ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا   جئت بالامر المطاع

ترجمہ:

ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب   چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا
کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے   شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا
ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی   بھیجنے والا ہے تیرا کبریا

ابوایوب انصاری کے گھر میں

پیغمبر اسلامؐ سو آدمیوں کے ساتھ مدینے میں داخل ہوئے اس دن سے یثرب کا نام مدینۃ الرسول (شہرِ رسولؐ) پڑ گیا جسے مختصراً مدینہ کہا جانے لگا ہر جگہ پر آپؐ کا استقبال کیا گیا، ہر قبیلہ اور محلّہ والے آپؐ کو اپنے ہاں قیام کرنے کی دعوت دیتے ہوئے کہتے آپؐ ہمارے ہاں قیام کریں ہماری جان و مال آپؐ کیلئے ہیں اگر چہ یہ صاحبان ثروت و دولت نہیں تھے لوگ آپؐ کی اونٹنی قصواء کی نکیل پکڑ لیتے لیکن پیغمبر اسلامؐ فرماتے اسے چھوڑ دو اسے خدا کی طرف سے حکم ہے کہاں رکنا ہے۔ جب پیغمبر اسلامؐ قبیلہ بنی نجار کے ہاں پہنچے تو بعض خواتین دف بجاتی ہوئی یہ شعر کہہ رہی تھیں اے محمدؐ! ہم بنی نجار کی خواتین ہیں آپؐ کیلئے ہم کتنے اچھے پڑوسی ہیں۔ جب پیغمبرؐ وہاں سے قبیلہ بنی مالک بن نجار کے ہاں پہنچے تو آپؐ کی اونٹنی اس جگہ بیٹھ گئی جہاں اس وقت مسجد نبوی کا دروازہ نصب ہے۔ یہ جگہ بنی نجار کے دو یتیم بچوں کی تھی جہاں وہ کھجور وغیرہ سکھاتے تھے۔

پیغمبرؐ اونٹنی سے نیچے نہ اترے یہاں تک کہ وہ اٹھ کر تھوڑی دور گئی پھر مڑ کر دیکھنے کے بعد پلٹ آئی اور اپنی پہلی جگہ بیٹھ گئی۔ اسد ابن زرارہ نے اونٹنی کی نکیل پکڑ لی آپ نے پوچھا ہم کس کے گھر کے قریب ہیں تو ابوایوب انصاریؓ نے کہا یہ رہا میرا دروازہ اس کے بعد آپؐ نیچے تشریف لائے۔ یہ آپؐ کے نہیال والوں یعنی بنو نجار کا محلّہ تھا۔ پیغمبرؐ چاہتے تھے ان کے پاس رہیں تا کہ

انھیں یہ عزت واکرام ملے ابوایوبؓ خالد بن زید نجاری خزرجی انصاری اونٹی کی طرف بڑھے اور کجاوہ کو لے کر گئے آپؐ نے فرمایا انسان کجاوے کے ساتھ ہے پھر آپؐ نے فرمایا یہیں ہمارے لئے قیلولہ کی جگہ بنادیں۔

ابوایوب آپؐ کی ضیافت ومہمان داری میں راہ مبالغہ اپناتے ہوئے خود گھر کے تہہ خانے میں گئے اس خیال سے کہ میرا پیغمبرؐ کے ساتھ اوپر بیٹھنا مناسب نہیں ہے ۔انہوں نے پیغمبرؐ سے درخواست کی آپؐ اوپر قیام کریں اور وہ خود بچوں سمیت تہہ خانے میں رہیں گے۔پیغمبرؐ نے فرمایا:ابوایوبؓ آپ میری اور میرے ساتھیوں کی مدارات کریں ہم تہہ خانے میں بیٹھیں گے ابوایوبؓ مالدار انسان نہیں تھے لیکن پیغمبرؐ کی اپنے گھر آمد کو اپنے لئے راحت وسکون سمجھتے تھے،ابوایوبؓ کہتے ہیں ہم پیغمبرؐ کیلئے کھانا بنا کر بھیجتے جب بچا ہوا کھانا واپس آتا تو جس جگہ آپؐ کے مبارک ہاتھ لگتے اسے تبرک کےطور پر کھاتے تھے۔ایک دن پیغمبر اسلامؐ تہہ خانے میں تھے کہ ہمارے پانی کا کوزہ ٹوٹ گیا میں اور اُمّ ایوب نے ایک چادر سے جسے ہم اوڑھتے تھے جسکے علاوہ ہمارے پاس کوئی کپڑا نہیں تھا اس سے پانی کو خشک کیا تاکہ پانی کا کوئی قطرہ پیغمبر اسلامؐ پر نہ گرے پیغمبر اسلامؐ نے ان کے گھر میں سات مہینے قیام فرمایا یہاں تک کہ پیغمبر اسلامؐ کیلئے مسجد اور رہائش دونوں کا انتظام ہوگیا تو آپؐ مستقل طور پر اپنی رہائش گاہ میں منتقل ہوگئے۔

پیغمبر ﷺ کی مدینے کی زندگی

۱۔ پہلے مرحلے میں فتنے،اضطراب،اندرکی مشکلات،بیرونی دشمنوں کی طرف سے حملہ اور زراعت برباد ہونے کے خدشات کا سلسلہ ۶ ھ تک جاری رہا۔

۲۔دوسرا مرحلہ حدیبیہ کے بعد مشرکین سے معاہدے کا دور ہے۔جو فتح مکہ کے بعد ۸ ھ اپنے اختتام کو پہنچا اس دور میں بادشاہان کو اسلام کی طرف دعوت دی گئی۔

۳۔تیسرے مرحلے میں لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہوئے،اس دور میں بہت سے قبائل وعشائر اور اقوام نے مدینے آکے اسلام قبول کیا یہ دور گیارہویں ہجری ربیع الاول تک جاری رہا۔یہاں تک کہ پیغمبرؐ وفات پاگئے۔

مہاجرین کی مدینۃ النبی ﷺ میں زندگی

ہجرت کا مقصد تنہا یہ نہیں تھا کہ مسلمان اذیتوں اور صعوبتوں سے نجات حاصل کرسکیں بلکہ ہجرت کا مقصد ایک پُرامن ماحول میں اجتماعی ہم آہنگی اور تعاون والی زندگی قائم کرنا تھا لہٰذا مدینہ پہنچنے کے بعد ہر مسلمان کا فرض بنتا تھا کہ وہ اس نئے وطن کی تعمیر وترقی میں اپنا کردار ادا کرے اور اس ضمن میں ہر ممکن کوشش کو بروئے کار لائے پیغمبر اسلامؐ اس سلسلے میں امام ورہبر اور ہادی ومرشد تھے تمام امورات کی برگشت آپ کی طرف ہوتی تھی آپؐ کو مدینے میں جن اقوام اور عشائر وقبائل کا سامنا تھا وہ ایک دوسرے کی نسبت تین گروہوں پر مشتمل تھے ہر ایک کے الگ مسائل تھے۔

مہاجرین جو ایمان لانے کے بعد مکہ چھوڑ کر مدینہ آئے تھے یہاں ان کے مسائل مکی زندگی سے مختلف تھے۔مکہ میں یہ لوگ

ایک کلمہ پر متفق، اپنے گھروں میں ذلیل ومقہور اور مجبور تھے۔ ان کی کوئی بات نہ سنی جاتی تھی اور نہ ہی یہ وہاں کوئی کردار ادا کر سکتے تھے بلکہ وہاں تمام تر اختیارات ان کے دشمنوں کے ہاتھوں میں تھے۔ مہاجرین کیلئے وہاں کوئی نیا معاشرہ قائم کرنا یا تنظیمی وتعمیری کردار ادا کرنا ممکن نہیں تھا لہٰذا مکہ میں نازل ہونے والی آیات کو ملاحظہ کرنے سے پتہ چلتا ہے مکہ میں بنیادی عقائد وافکار کو مختصر سوروں میں نازل کیا گیا اور انفرادی عمل کرنے کا حکم دیا گیا اس کے ساتھ ساتھ نیکی اچھے اخلاق اپنانے اور رذائل سے پرہیز کرنے کا حکم ہوا لیکن مدینہ آنے کے بعد تمام اختیارات ان کے ہاتھوں میں تھے یہاں ان پر کوئی مسلط نہیں تھا۔ اب مہاجرین اپنے مستقبل کیلئے ہر قسم کی تعمیر وترقی اور تمدنی زندگی کی بنیاد ڈال سکتے تھے اپنے اجتماعی واقتصادی مسائل پر توجہ دے سکتے تھے، اپنی سیاست وحکومت کو چلا سکتے تھے اس کے علاوہ اپنے دشمنوں سے لڑنے کے مسائل کے ساتھ، حلال و حرام اور دیگر مسائل پر بھی غور کر سکتے تھے۔ ان کے پاس وقت تھا کہ یہ اپنا ایک منفرد معاشرہ قائم کریں ایسا معاشرہ جہاں جہالت کا گزر نہ ہو جس معاشرے کے قیام کیلئے انہوں نے کئی سال ظلم وستم اور تکلیفیں برداشت کیں لیکن ایسا معاشرہ دو دن، ایک ہفتہ یا ایک سال میں قائم نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اس کیلئے طویل دورانیے کی منصوبہ بندی کی ضرورت تھی ان سب باتوں کی ذمہ داری خود رسول اللہؐ پر عائد تھی:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ”وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔“ (جمعہ۲)

اصحاب پوری طرح پیغمبرؐ کی طرف متوجہ اور آپ کا ہر حکم اپنانے کیلئے آمادہ تھے۔ رسول اللہؐ کی پیروی میں ہی ان کی خوشی تھی۔ بنیادی مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے ان کا حل ایک وسیع پیمانے کا کام تھا کیونکہ یہ عبوری مسائل نہیں تھے۔ اس وقت ایمان لانے والوں میں دو قسم کے گروہ تھے:

۱۔ جن کا ملک، وطن اور مال و دولت ان کے اپنے ہاتھوں میں تھا اور ایمان لانے سے وہ عداوت جو ان کے درمیان تھی ختم ہو گئی اب یہ امن وسکون کی زندگی کے حامل تھے۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو اپنی جانوں کے علاوہ سب کچھ کھو چکا تھا، آج کل کی اصطلاح کے مطابق وہ پناہ گزین تھے۔ ان کی تعداد کم نہیں تھی بلکہ آئے روز اس میں اضافہ ہو رہا تھا جبکہ مدینہ میں اس قدر وسائل نہیں تھے کہ ہر آنے والے کی زندگی کا بندوبست کیا جا سکے۔ مدینہ والوں کو ناقابل برداشت بوجھ کے ساتھ دشمنان اسلام کی طرف سے چیلنج کا بھی سامنا تھا پیغمبرؐ اور مسلمانوں کو پناہ دینے کی سزا میں دیگر قبائل نے عدم تعاون کا رویہ اپنایا لہٰذا پیغمبر اسلامؐ کو ایک طرف سے مہاجرین کی حالت زار سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل تلاش کرنا تھا تو دوسری جانب مدینہ کے مسلمانوں پر پڑنے والے بوجھ کو کم کرنا تھا۔ مشرکین مدینہ گرچہ مسلمانوں پر مسلط نہیں تھے لیکن اپنا دین چھوڑنے کے بارے میں پریشان

تھے،انہوں نے مسلمانوں سے نبرد آزمائی کے لئے کوئی اقدم نہ کیا بلکہ وہ اس مسئلے پر سوچ رہے تھے۔

۳۔تیسرا گروہ پیغمبرؐ اور مسلمانوں کا دشمن تھا لیکن وہ اپنی دشمنی کا اظہار نہیں کر رہے تھے۔اس گروہ کا بانی عبداللہ ابن ابی تھا جس کے بارے میں پیغمبر اسلامؐ کے آنے سے پہلے جنگ بعاث (اوس وخزرج کے درمیان ہونے والی جنگ) کے بعد یہ اتفاق کیا گیا تھا کہ وہ اسے مشترکہ طور پر اپنا بادشاہ بنائیں گے کیونکہ اس سے پہلے اوس وخزرج کسی کی سرپرستی میں نہیں تھے۔اس کے بادشاہ بننے کا اعلان ہونے والا تھا کہ اچانک پیغمبر اسلامؐ کی مدینہ میں آمد ہوئی۔پیغمبرؐ کی آمد کے بعد لوگ اسے بادشاہ بنانے سے منحرف ہو گئے لہٰذا عبداللہ ابن ابی کو رنج تھا کہ محمدؐ کے آنے کے بعد اسکی سیادت چھن گئی ہے اسی وجہ سے پیغمبرؐ کے آنے پر اس کے اور اس کے ساتھیوں کے دل میں عداوت پڑ گئی۔عبداللہ ابن ابی نے دیکھا شرک پر رہنے سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا چنانچہ جنگ بدر کے بعد اس نے مسلمانوں کی فتح کو دیکھ کر اسلام لانے کا اعلان کیا لیکن اس کا کفر اس کے اندر موجود تھا وہ ہمیشہ مسلمانوں کے اندر کسی سقم کی تلاش میں رہتے اس کے ساتھی وہی افراد تھے جو اس کے بادشاہ بننے کی صورت میں مقام ومنصب ملنے کے متمنی تھے لہٰذا موقع ومحل دیکھ کر یہ ضعیف العقل مسلمانوں سے اپنی بات منوانے اور اپنے منصوبے پر عمل کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتے۔

اساسِ اسلام

پیغمبر اسلامؐ نے مشرکین مکہ کے گھیراؤ اور محاصرے سے نجات پا کر سرزمین یثرب میں اپنے اور پر ایمان لانے والوں کے درمیان پہنچ کر امن وسکون کا سانس لیا تو اپنی رسالت کی اساس کی بنیاد رکھی،جس کی تفصیل آپؐ نے اپنی زندگی بھر اور اپنے بعد اپنی امت کیلئے مشعل راہ اور منشور دائم وجاوید کے طور پر باقی چھوڑی۔اس کا اجمال اور خلاصہ ان تین نکات میں کیا جاتا ہے:

۱۔ **امت کا خدا سے ربط:** امت کا ربط خدا سے ہو یہ پہلی بنیاد ہے،نبی وامام اور عالم ہر مسلمان کی پوری زندگی اس اساس کیلئے وقف ہونی چاہیے،تمام توانائی بذل ہوتا کہ انسانِ مسلمان ہمیشہ خدائے بزرگ وبرتر سے مربوط رہے اس ربط کے ٹوٹنے کے بعد مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا،اس ربط کے الگ مظاہر ہیں جنہیں قرآن کریم نے شعائر اللہ کہا ہے تفصیل بعد میں آئیگی۔

۲۔**امت کا ایک دوسرے سے ربط:** یہ امت اپنا ارتباط دیگر سے بحیثیت مسلمان قائم کرے گی۔اس ارتباط کے بعد تمام ارتباط جو پہلے رائج تھے مثلاً قوم،قبیلہ اور نسب انکا اس ربط کے بغیر کوئی تصور نہ ہوگا۔

۳۔**دوسری اقوام وملل سے ربط:** اس امت کا دوسری اقوام وملل سے جو اس دین کو قبول نہیں کرتے،ان سے تعلق کیسے برقرار رکھا جائے۔

یہ تین اساس اسلام ہیں مسلمانوں کی تمام انفرادی،اجتماعی،ثقافتی،اقتصادی اور سیاسی زندگی کا محور ان تینوں روابط سے متصل ہے ان سے نہ ملنے کی صورت میں وہ رابطہ اسلام کے خلاف ہوگا۔آیئے اس کی تفصیل وتشریح اور نمونے پیش کرتے ہیں جن کی آنحضرتؐ نے پہلے وابتدائی مرحلے میں بنیاد رکھی،پیغمبر اسلامؐ نے مدینے میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلی اساس وبنائے

اسلام مسجد کوقرار دیا یعنی مسجد کے ذریعے مسلمانوں کا خدا سے مربوط ہونا ایک دوسرے سے ملاقات کرنا، حالات سے آگاہ ہونا اوروحدت کی رمزونشانی سمجھا جاتا تھا۔

پیغمبراسلامؐ ۱۳سال مکے میں رہے تو انتہائی خوف وہراس کے عالم میں عبادت کرتے تھے۔اگر آپؐ اعلانیہ طور پر عبادت بجالاتے تو اہل مکہ کی اذیت کا نشانہ بنتے لہٰذا نمازیں چھپ کرسے پڑھا کرتے تھے خداوند عالم نے مومنین کیساتھ سورۂ نور کی آیت ۵۵ میں جو وعدہ فرمایا اس وعدہ کی وفا پیغمبرؐ پر ایمان لانے والوں کیساتھ سرزمین مدینہ میں کی:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ''تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انھیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کیلئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کیلئے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں۔''

پیغمبرؐ اور مسلمانوں کو جب دشمن پر غلبہ ملتا تھا تو وہ اپنے شعائر دینی کا بھرپور طریقے سے اظہار کرتے تھے سب سے پہلا مظاہرہ اعلانِ توحید ہے جس کا ہر آئے دن اعلان کرنا ہے جیسا کہ سورۂ حج کی آیت ۴۱ میں آیا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوٰتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔''

پہلی اساس مسجد

مسجد کے اہداف ومقاصد، اس کی تعمیرات اور اس کی تعداد میتوں کے متعلق قرآن کریم اور سنت وسیرت نبیؐ کی روشنی میں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

مسجد مادہ سجود سے ہے سجود انسانی پیشانی کو خدا کے حضور خضوع وخشوع کے اعتراف کیلئے زمین پر رکھنے کو کہتے ہیں۔ بندے کو اپنی عبودیت وبندگی کے اظہار کیلئے اس سے بلند اور ارفع طریقہ نہیں مل سکتا ہے لہٰذا اس سے آگے جانے کی کوشش طغیان وکفر ہوگا۔یہ عمل خدا کے علاوہ کسی اور کیلئے کیا جائے گا جیسے بعض لوگ آئمہؑ کی ضریحوں پر جا کر کرتے ہیں تو یہ عمل قرآن کریم کی آیات کے تحت شرک ہے۔مسجد بندے کیلئے جائے خضوع وخشوع ہے۔یہی فلسفہ اور مقصد بندہ پر طاری ہونا چاہیے لہٰذا ضروری ہے مسجد کی فضاء، در ودیوار بھی بندے کو دنیا سے زیادہ خدا کی طرف خشوع وخضوع حاصل کرنے کا سازگار ماحول

فراہم کریں۔اس اصول کے تحت بلند وبالا مینار، آرائش وزیبائش اور چمک دمک کی حامل تمام مساجد فلسفہ مسجد اور قرآن وسنت سے متصادم ہیں یہ عمل خدا اور رسولؐ کے حضور ناپسندیدہ ہے۔قرآن وسنت کے تحت خدا کی درگاہ میں خشوع وخضوع حاصل کرنے کے علاوہ بندگان خدا کی دینی تعلیم وتربیت اور دینداروں کے مقاصد دینی کی خاطر نشست وبرخاست کرنے کی جگہ یہی مکان ہے۔نبی کریمؐ نے جب مسجد تعمیر کی تو بے گھر مسلمان یہاں آکر قیام کرنے کے علاوہ عقائد اور احکام سیکھتے تھے۔جنگ و جہاد کے فیصلے یہیں سے ہوتے تھے۔نبی کریمؐ کی زندگی میں یہی سیرت رہی۔

مسجد نبوی

پیغمبر اسلامؐ کی مدینہ ہجرت دراصل مسلمانوں کے استقلال کا مظہر تھی۔یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد خلیفہ دوم کے دور میں بھی تمام اصحاب نے اتفاق سے مسلمانوں کی عزت اور استقلال آپؐ کی ہجرت کو گردانا۔پیغمبرؐ تکبیر وتحلیل کے پر شگاف نعروں کے ساتھ بنی نجار کے محلے میں تشریف لائے جن کی زبانِ حال یہ تھی کہ ہم سب آپ کے حامی وناصر ہیں۔ وہاں آپؐ نے اشارۂ وحی کے تحت خدا کا گھر تعمیر کیا۔پیغمبر اسلامؐ نے بنی نجار کا محلّہ اسی لئے منتخب کیا کہ آپ کا وجود بابرکت کسی بھی محلے میں ہوتا تو وہ اس بات کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے۔پیغمبرؐ پر ایمان لانے میں تمام برابر تھے لیکن بنی نجار پیغمبرؐ کے ننہیال تھے لہٰذا یہ اہل رسول اللہؐ تھے، یہ ان کا حق بنتا تھا کہ پیغمبرؐ اُن کے محلے میں قیام کریں۔بنی نجار کے نقیب اسعدؓ بن زرارہ تھے۔یہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے تین بار عقبۂ مِنٰی میں آپؐ کے ساتھ عہد و معاہدہ کیا اور مدینے میں اسلام پھیلانے کیلئے ہر قسم کے چیلنجوں کا مقابلہ کیا۔پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ انصار کے گھروں میں سے بنی نجار کا گھر بہترین گھر ہے۔آپؐ نے رہتی دنیا تک مسلمانوں کیلئے پناہ گاہ، عبادت وبندگی اور اجتماعی دفاع کیلئے غیر متنازعہ جگہ کی بنیاد رکھی۔

تعمیر مسجد نبوی ﷺ

پیغمبر اسلامؐ کے مدینہ منورہ میں قیام کے بعد پہلا عمل مسجد کی تعمیر تھا اس سلسلے میں آپؐ نے بنی نجار کے ان دو یتیموں کو بلایا جو اس زمین کے مالک تھے جہاں مسجد نبویؐ تعمیر کرنی تھی تا کہ ان کے ساتھ معاملہ طے کریں، ان دونوں نے کہا ہم اپنی زمین آپؐ کیلئے ہبہ کرتے ہیں لیکن پیغمبرؐ نے اس کی قیمت ادا کر کے مسجد تعمیر کی، آپؐ خود مسجد بنانے میں مصروف ہوئے، اینٹیں اور پتھر اٹھاتے اور جب انصار و مہاجرین آپ کی تاسی کرتے تو آپؐ فرماتے خدا انصار و مہاجرین پر رحمت نازل کرے، مسلمان درگاہِ خداوندی میں حمد وثنا کرتے۔اس دوران مکے سے اسلام لانے والے مسلمان یکے بعد دیگرے مدینے کی طرف ہجرت کر آئے۔ وہاں محبوس افراد کے علاوہ سب نے ہجرت کی۔ہم تعمیر مسجد نبوی سے یہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں:

۱۔اس دین کے ابتدائی کلمات، بندے کو خدا سے جوڑنا ہے یعنی اس دین کا نقطۂ آغاز اللہ ہے۔

۲۔تاریخ مسجد نبویؐ سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مسجد نمازِ جمعہ و جماعت کے علاوہ تمام اجتماعی اور دفاعی سرگرمیوں حتیٰ کہ یہ ابن سبیل، مہاجرین ومساکین اور بے نوا غریبوں کے مسکن سے بھی مقدم ہے۔

۳۔قرآن کریم کی آیات اور سنت وسیرت رسولؐ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ مسجد مرکز عبادت وبندگی خدا ہونے کے ساتھ ساتھ مرکز اجتماع اور امت مسلمین کی وحدت کا گھر ہے۔قرآن کریم کی دو آیات میں مسجد کے بارے میں مسلمانوں کو سختی کے ساتھ متوجہ کرایا گیا ہے:

الف۔مسجد کی اس انتظامیہ کی مذمت کی گئی ہے جو لوگوں کو مسجد سے روکتے ہیں:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ''جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گزر جاؤ۔'' (مائدہ۲) ﴿وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ''اور ان میں کیا بات ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سزا نہ دے حالانکہ وہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں۔''
(انفال ۳۴) (حج ۲۵، فتح ۲۵، بقرہ ۱۱۴)

ب۔مسجد چونکہ مرکز اجتماع مسلمین ہے لہٰذا اس اجتماع کو ختم کرنے کیلئے جو بھی عبادت گاہ چاہے مسجد کے نام سے ہو یا کسی اور نام سے وہ اس مسجد اسلام کے خلاف ہوگی:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کیلئے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں۔'' (توبہ ۱۰۷)

ایک مسجد کے قرب وجوار میں قائم ہونے والی دوسری مسجد کو خدا نے مسجد ضرار کہا ہے بعض مفاد پرستوں نے مسجد ضرار کی تہمت سے بچنے کیلئے حسینیہ اور امام بارگاہ کے نام سے عمارتیں بنانا شروع کردیں۔جب مسجد اور حسینیہ ان کیلئے ناکافی ہوئے تو مدارس کا قیام عمل میں لایا گیا یوں تین ناموں سے عمارتیں کھڑی کی گئیں جن میں سے ایک مسجد ہے جو صرف نماز کے وقت تک محدود ہے دوسری عمارت مومنین کے درمیان تقسیم بندی اور انتشار کا سبب بن رہی ہے جبکہ علماء ومجتہدین نے دین ومذہب کی ترویج واشاعت، درس وتدریس اور تحقیق وتالیف کی بجائے اپنے دوش پر صرف اسلام کیلئے تعمیراتی کام کو ترجیح دے کر تیسری عمارت تاسیس کی ہے۔آج کل آپ کو بڑے بڑے فقہا ملیں گے جنہوں نے رسالہ عملیہ کے بعد حسینیہ اور مدارس کے قیام کو پہلی ترجیح دی ہے۔

قارئین کرام ،خدا،رسولؐ اور حقانیت قرآن پر ایمان رکھنے والے مسلمان کو چاہیے کہ خدا کو شاہد وحاضر قرار دیتے ہوئے اپنے ضمیر ووجدان سے مخاطب ہو کہ مسجد کے کونے یا چند قدم کے فاصلے پر بریلوی، چشتی، قادری، جعفری اور حنفی کے نام سے مسجد یا جماعت خانہ اور امام بارگاہ قائم کرنا قرآن وسنت رسولؐ کے مطابق ہے یا خلاف؟ مسلمان اس سے اسلام کی سربلندی چاہتے ہیں یا کسی اور کی؟ اس سے خدا کی خوشنودی چاہتے ہیں یا شیاطین جن وانس کی؟ مسلمان خود فیصلہ کریں۔

۴۔مسجد نبوی کی تاریخ میں یہ نکتہ حرف جلی میں نظر آتا ہے کہ ہر قسم کی مزاحمت اور مسجد کے اہداف ومقاصد کو روکنے کی کوشش حرام ہے کثیر آیات قرآنی میں یہ حکم موجود ہیں۔چاہے مسجد کے نام سے نمازیوں کی سہولت کے بہانے سے ہی کیوں نہ ہو، اس کے مقابل میں بننے والی مسجد کو منہدم کرنا واجب ہے مسجد نبوی سے چار کلومیٹر کے فاصلے پر قائم ہونے والی مسجد کو پیغمبر

اسلامؐ نے منہدم کیااور وہ ابھی تک ویران وخرابہ ہے۔ہر مسلمان بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ جب تین چار کلومیٹر کے فاصلے پر موجود مسجد، مسجدنبوی کیلئے ضرار بن سکتی ہے تو کیونکر ہر دوسری گلی میں تعمیر ہونے والی مسجد خاص کر کے اس کے پہلو میں بننے والی امام بارگاہ نامی عمارت اس مسجد کیلئے ضرار نہیں، کیا یہ امت مسلمہ کی دولت کا سرف بے جا نہیں ہے؟

دوسری اساس اخوت

اسلام کی دوسری اساس اخوت وبرادری ہے ۔مسلمان ایک امت کے طور پر ایک دوسرے سے رشتۂ اخوت میں منسلک ہیں ۔اسلام آنے سے پہلے اقوام وملل میں رائج رشتۂ اخوت نسبی تھا لیکن اسلام نے اخوت نسبی کے ساتھ دو اور رشتوں کو اس تعلق میں شامل کیا، ان میں سے ایک انسانی رشتہ ہے یعنی انسان ایک دوسرے کے بحیثیت انسان بھائی ہیں ۔ایک انسان دوسرے انسان پر ظلم وتعدی اور استحصال روا نہیں رکھ سکتا ہے تاہم دوسرا رشتہ جو سب سے قوی ہے وہ رشتہ ایمانی ہے، اسلام نے رشتۂ نسبی پر رشتۂ ایمانی کو ترجیح دی ہے چنانچہ انسانوں کے درمیان اسلام ہی کی بنیاد پر رشتہ قائم ہوگا۔پیغمبر اسلامؐ جب مدینے میں پہنچے تو آپؐ نے اپنی نگرانی میں ایک رشتۂ مواخات یعنی رشتۂ ایمانی کو قائم کیا اس اخوت و برادری کی مثال تاریخ میں نہ اس سے پہلے کسی نے دیکھی ہے اور نہ بعد میں آنے والی نسلیں شاید دیکھیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے مہاجرین وانصار کے درمیان اخوت وبرادری کا اعلان فرمایا۔پیغمبرؐ نے رشتہ کسی طاقت وقدرت اور خوف وہراس یا طمع ولالچ جیسے وسائل سے نافذ نہیں کیا بلکہ ایمان باللہ اور اطاعتِ رسولؐ کی بنیاد پر اسے قائم کیا۔یہ اخوت برائے نام نہیں تھی بلکہ زندگی کے تمام مسائل کو اس پر استوار کیا گیا۔انصار ثروت و مال اور دولت کے مالک تھے جس سے مہاجرین محروم تھے کیونکہ مہاجرین تو اپنا مال و دولت مکہ چھوڑ آئے تھے اور وہ فقط اپنے دین کو لے کر مدینہ آئے تھے، انصار ومہاجرین نے پیغمبر اسلامؐ کے فرمان کے مطابق اپنے درمیان اخوت قائم کی ۔آپؐ نے انصار کے مال کو اسی اخوت کی بنیاد پر تقسیم کرنے کا حکم دیا۔

اساس نامہ اسلام کی تدوین وتوسیع

پیغمبر اسلامؐ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپؐ پر ایمان لانے والے دو گروہ تھے،ان دو گروہوں میں سے ایک مہاجرین اور دوسرے انصار تھے ۔ان دونوں گروہوں نے اپنے دین وایمان کی خاطر ایثار وقربانی اور فداکاری کا وہ مظاہرہ کیا کہ کسی بھی قوم وملت کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی خداوند عالم نے اپنی کتاب عزیز قرآن میں ان دونوں گروہوں کے ایثار وفداکاری اور ان کی صفاءِ قلب کا ذکر فرمایا ہے۔

مہاجرین نے اپنے دین وایمان کی قیمت کے عوض اپنے خاندان، گھربار، جائے پیدائش، عزت ومقام اور مال ودولت سب چیزوں کو پیچھے چھوڑ دیا انھوں نے اصحاب کہف کی طرح دین وایمان خداوند عالم کی خوشنودی کی خاطر اس راہ میں شہادت طلبی کرتے ہوئے ہجرت کی، جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے جبکہ انصار نے اپنے دین وایمان کی قیمت کے عوض اپنے ہاں ہجرت کر کے آنے والوں کو اپنے گھربار اور مال ودولت میں حصہ دیا ۔اسی طرح یہود ومشرکین کی مخالفت کو مول لے کر جانثاری

کے ساتھ مہاجرین کو پناہ دی خداوند متعال نے سورۂ حشر میں ان کی فدا کاری کا ذکر کیا ہے ان دونوں گروہوں کے اجتماع کے بعد دین اسلام مرحلۂ دعوت وتبلیغ اور موعظۂ حسنہ سے نکل کر فدا کاری، تنظیم امت اور تاسیس حکومت کے مراحل میں داخل ہوا لہٰذا اس کے اہم اساس نامے کی تدوین وتوسیع سب سے پہلا اقدام تھا جسے رسول اللہؐ نے انجام دینا تھا پیغمبر اسلامؐ نے اس کو تین اہم بنیادوں پر قائم کیا جسکا قول وتحریر علمی کی صورت میں اعلان فرمایا:

۱۔ خدا اور بندوں کے درمیان رابطہ کو اب نئی شکل وصورت اور مفہوم میں حقیقت بخشی جو آپؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کیلئے پہلے میسر نہیں تھا۔ پانچ وقت کی نماز جمعہ وجماعت، تعلیم وتربیت اور صلاح ومشاورت وغیرہ کیلئے رابطہ کے مظہر ومرکز مسجد کی بنیاد رکھی جو عبادت گاہ، مرکز اجتماع مسلمین، درس گاہ اور مرکز صلاح ومشورہ تھی۔

۲۔ وہ مسلمان جو اپنے عزیز واقارب، خانہ وآشیانہ کو چھوڑ کر الف کی مانند ہجرت کر کے یہاں آئے تھے ان کا صاحبانِ مال ودولت، عشیر واقارب اور خانہ وآشیانہ رکھنے والوں سے ایک ایسا رشتہ قائم کرنے کا اعلان باقی تھا جس رشتے کے ضمن میں وہ ایک دوسرے کے حقدار ہونے حتیٰ کھانے پینے اور وارث وغیرہ میں بھی برابر ہو نگے یا ایک دوسرے کے بارے میں مسئول ہو نگے اسکا نام ''اخوتِ اسلامی'' رکھا۔

مہاجرین جب مکہ سے اپنے عزیز واقارب سے جدا ہو کر ہجرت کر کے مدینے آئے تو مدینہ کی آب وہوا ان کیلئے سازگار نہیں تھی وہ خشک پہاڑی علاقے میں زندگی گزارنے کے عادی تھے لیکن مدینے کے سرسبز وشاداب علاقے کی ہوا گرمیوں میں مرطوب اور سردیوں میں سرد ہوتی ہے مہاجرین اس کے متحمل نہیں تھے لہٰذا مدینے میں وبا جیسی حالت پیدا ہو گئی یہاں تک کہ یہ اصحاب اہلِ مکہ کو سبّ وشتم کرنے لگے کہ انہوں نے ہی ان کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا تو پیغمبر اسلامؐ نے ان کو سبّ وشتم کرنے سے منع فرمایا اور درگاہ خدا میں دعا کی کہ مدینہ مہاجرین کیلئے سازگار بنائے۔

اس کے علاوہ اتنی تعداد میں مہاجرین جب مدینہ پہنچے تو فقر وفاقہ اور بھوک وپیاس ان پر غالب آئی یہاں تک کہ ان کے گھر مہمان آتے تو پیش کرنے کیلئے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ خود پیغمبر اسلامؐ پر گراں گزرا کہ کئی کئی دنوں تک آپؐ کے گھر چولہا نہیں جلتا تھا اسی حالت میں پانچ مہینے گزارنے کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے دو مرحلوں میں نظام برادری کا اعلان فرمایا پہلے مرحلے میں مہاجرین کا مہاجرین سے برادری کا رشتہ قائم کیا تا کہ مہاجرین کے دلوں سے غربت' آہ وحسرت کو دور فرمائیں اور دوسرے مرحلے میں مہاجرین اور انصار کے درمیان اخوت وبرادری کا رشتہ قائم کیا۔

اخوتِ اسلامی کی بنیاد

مؤرخین وسیرت نویسوں نے پیغمبرؐ کی مدینہ آمد کے بعد آپکے ابتدائی اقدامات کے بارے میں لکھا ہے آپؐ نے مدینے میں موجود مسلمانوں، مہاجرین وانصار کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کیا تا کہ اس گہرے اور باریک رشتے میں منسلک ہونے کے بعد ایک ایسا نا قابل شگاف اجتماع تشکیل پا سکے جو قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کے مفہوم کا عملی تجسم پیدا کرے جہاں خداوند عالم نے

مومنین کی صفات میں بیان فرمایا یہ آپس میں متحد ہوکر کفار کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہیں:

﴿إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ﴾ ”بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔“ (صف ۴)

یہاں سطحی وعوامی ذہن رکھنے والے یا مستشرقین ومستغربین جنہوں نے اسلام کے خلاف کہیں سے بھی اشکال واعتراض کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے یا حوزات و درس گاہوں میں اشکال واعتراض کو اپنی شناخت وپہچان گردانے والے سوال کر سکتے ہیں اگر ایک گہرے و باریک رشتے پر امت کو منظم ومربوط کرنا تھا تو اخوت کی بجائے ابوت اور بنوت کا رشتہ قائم کیا جاتا کیونکہ یہ اس سے قوی ومحکم رشتہ ہے۔ اس اشکال کا جواب دینے کیلئے ہمیں کلمۂ ابوت و بنوت اور اخوت کے فلسفہ لغوی کو تلاش کرنا ہوگا۔ لغت میں ابوت و بنوت کس سے بنا ہے کیونکہ ایک کو اب اور دوسرے کو ابن کہتے ہیں اسی طرح اخوت کس چیز سے بنی ہے؟

ابوت اور بنوت

بنوت مادہ بناء سے ہے صاحب صحاح لکھتے ہیں کہ ابن کا اصل بنو ہے اس میں الف کے اضافے سے آخری واو حذف ہوگئی ہے جس طرح اب اور اخ سے حذف ہوئی ہے یعنی اب میں پہلے ابو اور اخ میں اخو تھا یہ گھر بنانے کو کہتے ہیں یہیں سے شب زفاف کو بنی کہتے ہیں کیونکہ شب زفاف گزارنے کیلئے مرد ایک قبہ تعمیر کرتا ہے۔ اب کی جمع آباء ہے۔

بناء

کسی چیز پر کسی چیز کے کھڑا کرنے کو کہتے ہیں:

﴿ءَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا﴾ ”کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا۔“ (نازعات ۲۷)

زمین کے اوپر خدا نے آسمان کو چھت بنایا:

﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً﴾ ”جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا۔“ (بقرہ ۲۲)

یہ کلمہ قرآن میں ہمیشہ کسی تعمیر شدہ جگہ کیلئے استعمال ہوتا ہے:

﴿أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَى مِنَ اللهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ﴾ ”بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خوف خدا اور اس کی رضاطلبی پر رکھی ہو وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گرنے والی کھائی کے کنارے پر رکھی ہو“ (توبہ ۱۰۹) ﴿قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ﴾ ”انہوں نے آپس میں کہا کہ اس کیلئے ایک الاؤ تیار کیا کرو اور اسے دہکتی ہوئی آگ کے ڈھیر میں پھینک دو۔“ (صافات ۹۷) (نحل ۲۶)

اسی سے ابن بنا ہے یعنی باپ سے پیدا ہونے والا بیٹا جس سے باپ زندہ ہے، اسی طرح مسافر کو ابن سبیل کہتے ہیں کیونکہ وہ راستے سے زندہ ہے عالم کو ابن العلم، رات جاگنے والے کو ابن الیل، زیادہ کھانے والوں کو ابن البطن کہتے ہیں لہٰذا ابوت اور بنوت دونوں مفہوم مادی ہیں ایک دوسرے کے بننے میں مادہ کے عنصر ابوت و بنوت میں تین چیزیں واضح و روشن ہیں:

۱۔دونوں میں مادے کا عنصر غالب ہے۔

۲۔دونوں میں ایک دوسرے کی وجہ سے استقلال پایا جاتا ہے۔

۳۔ایک دوسرے کی وجہ سے امتیاز وافتخار تفاوت وطبقات پایا جاتا ہے انہی تین وجوہات کی بنیاد پر خداوند متعال نے اہل ایمان کے رشتے کو ابوت و بنوت کی بجائے اخوت پر استوار کیا۔

یہاں رشتہ صرف معنوی ہے، ایک دوسرے سے فرق وامتیاز کا فقدان ہے اور طبقات بندی کا کوئی نام نہیں ملتا ہے چنانچہ ان تینوں تصورات کے تحت میاں بیوی رشتہ ازدواج میں آنے سے پہلے دینی حوالے سے بہن بھائی ہیں باپ بیٹا ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔اسی فلسفے کو اجاگر کرنے کیلئے پیغمبر اسلامؐ نے اپنے نئے اجتماع کی بنیاد کو اخوت پر قائم کیا اور اس سلسلے میں ایک مثال ایسی قائم کی کہ جہاں فرق آسمان کی ساخت اور زمین کی ساخت دونوں ایک جگہ آ کر ہاتھ ملائیں، محمدؐ مرسل نے اپنے پروردہ و تربیت یافتہ علیؑ سے اخوت باندھی آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اور آپؐ کے آزاد کردہ زیدؓ بن حارثا خی بنے اسی طرح باقی مہاجرین وانصار کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا۔

علمائے لغت کا کہنا ہے اخوت واخ کا اصل معنی بھائی نہیں بلکہ جب انسان کسی زخم یا درد میں مبتلا ہوتا ہے تو بے ساختہ اس کے منہ سے کلمۂ اخ نکلتا ہے یہ عمل عالم و جاہل مرد و عورت، چھوٹے بڑے سب انسانوں سے مربوط ہے۔یہ کلمہ سننے والے اس درد والم کی فریاد کو پہنچتے ہیں چنانچہ درد والم کے ازالے کیلئے آنے والے کو اخ کہتے ہیں یہاں سے پتہ چلتا ہے ہر وہ انسان جو انسان کے درد والم کے موقعہ پر اس کی فریاد کو پہنچے اسے اخ کہتے ہیں یعنی درد والم میں شریک انسان ایک دوسرے کے اخ ہیں، باپ بیٹا ایک دوسرے کے اخ ہیں اگر درد والم کا احساس رکھتے ہیں اور اگر ایسا نہیں تو وہ اخ نہیں ہیں پیغمبر اسلامؐ نے اس نئے اجتماع کی تشکیل میں رابطے کو جسمانی و مادی کی بجائے روحانی بنیاد پر استوار کرنے کیلئے رشتۂ اخوت قائم کیا۔دینی رشتے میں کلمہ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔چنانچہ سلمانؓ فارسی سے کسی نے پوچھا آپ کا تعارف کیا ہے آپ کس کے فرزند ہیں تو جواب دیا میرا نام سلمانؓ ہے اور میں فرزندِ اسلام ہوں، امیر المومنین علیؑ نے معاویہ کو اپنے خط میں لکھا جس وقت تم خاندانی عصبیت کو فروغ دیتے ہوئے پیغمبرؐ اور امت اسلام سے لڑ رہے تھے اس وقت ہم اسلام کی خاطر اپنے عزیز و اقارب کو قتل کر رہے تھے:

"ولقد کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ، نقتل آبائنا و ابنا ئنا و اخواننا و اعمامنا ما یزیدنا ذلک الا ایمانا وتسلیما" "ہم رسول اکرمؐ کے ساتھ اپنے خاندان کے بزرگ، بچے، بھائی بند اور چچاؤں کو بھی قتل کر دیا کرتے تھے اور اس سے ہمارے ایمان اور جذبۂ تسلیم میں اضافہ ہی ہوتا تھا۔" (نہج البلاغہ خطبہ ۵۶ جوادی ص ۱۰۷)

مہاجرین وانصار میں اخوت وبرادری

پیغمبرؐ جب مدینے پہنچے تو مہاجرین وانصار کے درمیان صیغۂ اخوت جاری کیا جس کا ذکر سورہ انفال آیت ۶۳ میں ہوا ہے:

﴿وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ﴾ ''اور اللہ نے انکے دلوں میں الفت پیدا کی ہے آپ روئے زمین کی ساری دولت خرچ کرتے تو بھی انکے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان کو جوڑ دیا۔''

بعض تواریخ میں آیا ہے کہ اس برادری میں پینتالیس (۴۵) مہاجرین کا پینتالیس (۴۵) انصار سے اخوت وبرادری کا عقد باندھا گیا بعض نے یہ تعداد ۵۰ بتائی ہے بعض دیگر نے گیارہ سو بتائی ہے۔

جن میں چند کے نام درج ذیل ہیں

پیغمبر اسلام محمد رسول اللہؐ اور علی بن ابی طالب		ابوبکر اور خارجہ بن زید بن ابی زہیر خزرجی
عمر بن خطاب اور عتبان بن مالک خزرجی		جعفر بن ابی طالب اور معاذ بن جبل
ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ اور سعد بن معاذ		عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ربیع خزرجی
زبیر بن عوام اور سلمہ بن سلامہ بن وقش		طلحہ بن عبیداللہ اور کعب بن مالک
عثمان بن عفان اور اوس بن ثابت بن منذر		سعید بن زید اور ابی بن کعب
مصعب بن عمیر اور ابوایوب خالد بن زید		ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ اور عباد بن بشر
عمار یاسر اور حذیفہ بن یمان عبسی		سلمان فارسی اور ابوالدرداء عویمر بن ثعلبہ
ابوذر بریر بن جنادۂ غفاری اور منذر بن عمر		ابوسرۃ بن ابی رہم اور سلامہ بن وقش
خباب بن ارت اور تمیم غلام خراش بن صمہ		صفوان بن وہب اور رافع بن عجلان
صہیب بن سنان اور حارث بن صمہ		عبداللہ بن مخرمہ بن عبدالعزی اور فروہ بن عمر
مسعود بن ربیعہ اور عبید بن تیہان		معمر بن حارث بن معمر اور معاذ بن عفراء
واقد بن عبداللہ بن عبد مناف اور بشر بن براء		زید بن خطاب اور معن بن عدی
ارقم بن ابی ارقم اور طلحہ بن زید		بلال اور ابورویحہ
عبداللہ بن عبدالرحمن خثعمی		

ان کے درمیان رشتۂ اخوت جاری ہوا۔ مومنین نے اخوت وبرادری میں ایثار وقربانی کی بے نظیر مثال پیش کی۔ یہاں پر ہم اس اخوت سے مرتب ہونے والے نتائج میں سے ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔

انس بن مالک سے روایت ہے کہ عبدالرحمن بن عوف کو سعد بن معاذ ربیع خزرجی انصاری کا بھائی بنایا گیا تو سعد بن ربیع انصاری نے اپنا مال و دولت ان کے سامنے پیش کیا عبدالرحمن نے کہا خدا آپ کے مال و دولت اور آپ کے اہل وعیال میں برکت دے۔

امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ سعد نے عبدالرحمن سے کہا میں مدینے میں سب سے زیادہ مالدار ہوں ایک حصہ آپ لے جائیں اور ایک میرے لئے چھوڑ دیں، میری دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک کا انتخاب کریں میں اسے طلاق دے کر آپ کے نکاح میں دے دوں گا۔ عبدالرحمن نے کہا کہ خدا آپ کے مال و دولت میں برکت دے مجھے بازار کا راستہ دکھائیں پھر وہ روزانہ جاتے رہے ایک دن بازار جا کر واپس آئے تو ان پر زردی کا اثر تھا پیغمبرؐ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے پیغمبرؐ نے فرمایا اس کا مہر کتنا دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کھجور کے دانے کے برابر سونا دیا ہے پیغمبرؐ نے فرمایا ولیمہ دے دیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا خدا نے حالت ایسی بنائی ہے کہ اگر میں کہیں سے پتھر اٹھاؤں تو وہاں سے سونا نکلے گا۔

پیغمبر اسلامؐ کے انصار و مہاجرین کے درمیان ارث قائم کرنے کے بعد وہ ایک دوسرے کے بھائی بن گئے، ایک کے مرنے کے بعد دوسرا اس کا وارث ہوتا تھا۔ اور اس کے صلۂ ارحام اور مال و اسباب پر دعویٰ نہیں کرتا تھا۔ یہ کل ۹۰ افراد جن میں سے ۴۵ مہاجر اور ۴۵ انصار تھے بعض کا کہنا ہے کہ کل ۱۰۰ افراد تھے ان میں سے ۵۰ مہاجر اور ۵۰ انصار تھے۔ دو سال اس اخوت و برادری میں گزارنے کے بعد جنگ بدر کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿أُوْلُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ﴾ "اور رشتے ناتے والے ان میں سے بعض بعض سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کے حکم میں۔" (انفال ۷۵)

انصار کی محبت کی عکاسی اس بات سے ہوتی ہے کہ اہل مدینہ نے اپنی تمام املاک پیغمبر اسلامؐ کے ہاتھ میں دیں اور کہا جو کچھ خدا نے مال و دولت ہمیں دیا ہے وہ ہم نے اپنے مہاجر بھائیوں کو بخش دیا اب ہمارے پاس خرمہ کے باغات ہیں یہ بھی ہمارے درمیان تقسیم کر دیں۔

تحویل قبلہ (قبلہ کی تبدیلی)

پیغمبر اسلامؐ جب مبعوث برسالت ہوئے تو آپؐ بیت المقدس جو کہ مرکز و مبعث انبیاءؑ و مرسلین ہے کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے رہے جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو وہاں ایک سال پانچ مہینے تک اسی طرح نماز پڑھتے رہے۔ مدینہ کے یہودی آپؐ کی نبوت کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلانے کیلئے کہتے محمدؐ ایک طرف تو ہمارے دین کی مخالفت کرتے ہیں اور دوسری طرف ہمارے قبلے کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں جبکہ بعض کہتے معلوم نہیں محمدؐ کا قبلہ کس طرف ہے۔

یہودیوں کی طرف سے مسلسل طنز و شماطت پیغمبرؐ کیلئے گراں گزری چنانچہ آپؐ ہمیشہ درگاہِ خداوندی میں دست بدعا رہتے تھے کہ وہ قبلے کا رخ تبدیل کرے۔ ایک دن پیغمبر اسلام بشر بن برہ بن محرور قبیلہ بنی سلمہ کے ہاں تشریف لے گئے جہاں آپؐ

کیلئے ٹھہرانے کا اہتمام کیا گیا تھا،اس موقع پر نماز کی ادائیگی کیلئے آپؐ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نزدیکی مسجد میں چلے گئے جب آپؐ دو رکعت نماز ادا کر چکے تو اسی دوران یہ آیت نازل ہوئی:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ''ہم آپ کو بار بار آسمان کی طرف منہ کرتے دیکھ رہے ہیں سو اب ہم آپ کو اسی قبلے کی طرف پھیر دیتے ہیں جسے آپ پسند کرتے ہیں اب آپ اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کریں۔'' (بقرہ ۱۴۴)

تبدیلی قبلہ کے ساتھ ہی یہودی حلقوں میں اسلام کے خلاف اعتراضات اور شکوک وشبہات پھیلانے میں تیزی آنے لگی انھوں نے کہنا شروع کیا اب ان کے قبلے کا رخ کیوں بدل گیا ہے۔علم وتحقیق کے جدید دور میں بھی یہودیوں کے پروردہ یعنی یہودی نواز طبقے اور علم کو وسیلے کی بجائے بت بنانے والے مستشرق دانشور دانشمندی کا مظاہرہ کرنے کی خاطر سوال کرتے ہیں آخر اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے کہ ایک عرصے تک مکہ سے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی گئی اور اب اچانک رخ تبدیل کر کے کعبے کی طرف نماز پڑھی جانے لگی۔

ان کی طرف سے یہ استفسار بھی ہے کہ اصل قبلہ کونسا ہے؟ یہودیوں کے مطابق اگر پیغمبرؐ پہلے دن سے ہی اصل قبلے کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیتے تو یہ طنز واعتراض سننا نہ پڑتے لیکن ان تمام سوالوں کا جواب خداوند متعال نے اپنی کتاب میں پہلے ہی دے دیا ''قبلہ چاہے بیت المقدس ہو یا کعبہ،عبادت وبندگی کی نشانی کیلئے بطور وسیلہ ہیں۔عبادت خدا کیلئے ہوتی ہے اور خدا زمان ومکان سے پاک ومنزہ ہے۔

﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ''عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس سے انہیں کس چیز نے ہٹایا؟ آپ کہہ دیجئے کہ مشرق ومغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کر دے۔'' (بقرہ ۱۴۲)

انسان نے ہمیشہ وسیلے کو ہدف کا مقام دے کر بت پرستی شروع کی جس طرح یہودی اپنے قبلے کیلئے بیت المقدس پر اصرار کرتے ہیں کیونکہ یہ آثار متبرکہ اور نشانی خالدہ انبیاء بنی اسرائیل تھی لہٰذا وہ کسی بھی حوالے سے اپنا رخ وہاں سے ہٹانے پر تیار نہیں تھے اسی طرح عرب کعبہ کو آثار ابراہیم خلیلؑ قرار دے کر وہاں سے کسی اور طرف رخ کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔گویا دونوں عبادت وبندگی کیلئے اپنے اپنے پسندیدہ قبلے تک محدود رہنے کو ترجیح دے رہے تھے لہٰذا خداوند متعال نے دونوں قوموں کا امتحان اور آزمائش کرنے،انانیت اور عصبیت سے دستبرداری اور تسلیم للہ ہونے کیلئے پیغمبر اسلامؐ کا پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کروایا تا کہ مشرکین عرب کو پتہ چلے کہ خداوند متعال کیلئے کوئی خاص جگہ مختص نہیں خدا کیلئے ہر وہ جگہ محترم ہے جس کی طرف اس کے بندے اس کے حکم کے مطابق متوجہ ہوتے ہیں۔اسی طرح یہودیوں نے پیغمبرؐ کی نبوت میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کیلئے یہ اعتراض کیا اگر محمدؐ نبی ہوتے تو گذشتہ انبیاءؑ کی پیروی کرتے۔اس لئے وہ ہمارے لئے نبی نہیں ہیں خدا نے

پیغمبر اسلامؐ کی نبوت کو قوم و قبیلہ، علاقہ، مشرق و مغرب، شمال اور جنوب کی سرحدوں سے بالاتر پیش کرنے کیلئے بیت المقدس کی طرف رخ کرایا اور بعد میں کعبے کی جانب رخ کرنے کا حکم دیا۔ نص آیات قرآنی کے تحت سب سے پہلے بندگی خدا انجام دینے کیلئے سید الانبیاء والمرسلینؐ کے توسط سے عرب و اسرائیل دونوں کے جد اعظم کی نشانی کو قبلۂ دائمی کی طور پر متعارف کرایا۔ یہ اس وقت سے لے کر تا قیام قیامت خلق خدا کیلئے امتحان و آزمائش بنا رہے گا۔

اصحاب صفہ

مکے سے مدینے ہجرت کرنے والوں کو اکثر و بیشتر سر چھپانے کیلئے پناہ گاہ تک میسر نہیں ہوتی تھی جس کے بعد یہ لوگ مدینہ شہر میں مسجد نبویؐ کے چھت دار چبوترے پر بیٹھے رہتے، جہاں وہ صوم صلاۃ اور تلاوت قرآن پاک میں مصروف رہتے اور جب شام ہو جاتی تو نبی کریمؐ انہیں انصار کے گھروں میں تقسیم کر کے بھیجتے اور بعض کو اپنے ساتھ گھر لے جاتے روایت ہے کہ ایک دفعہ پیغمبر اکرمؐ نے اعلان فرمایا کہ میرے اصحاب کو بلائیں۔ ہم نے ایک ایک کر کے اصحاب کو اٹھایا اور پیغمبرؐ کے گھر کے دروازے تک پہنچا دیا، جب ہم سب وہاں جمع ہوئے تو پیغمبرؐ نے تمام اصحاب کو گھر میں داخلے کی اجازت دی۔ اس موقع پر ایک دسترخوان نما چیز بچھائی گئی جہاں کھانے کی چیزیں رکھ دی گئیں۔ آپ نے پہلے اس جانب ہاتھ بڑھایا اور اصحاب سے فرمایا بسم اللہ شروع کریں اس دوران پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ قسم اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ہمارے پاس جو کچھ تھا وہ اسی دسترخوان پر آپ کے سامنے موجود ہے کہا جاتا ہے کہ اس وقت پیغمبر اسلامؐ کے گھر میں موجود اصحاب کی تعداد ۳۰۰ سے ۴۰۰ تک تھی۔ نبی کریمؐ ان اصحاب کو اپنے آپ اور اپنی اولاد پر مقدم رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضرت فاطمہ زہرا = مشکلات و مصائب کی دہائی لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ انہیں ایک کنیز عطا کی جائے لیکن یہاں پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں کہ میں اصحاب صفہ کو بھوکا چھوڑ کر آپ کیلئے کنیز کا بندوبست نہیں کر سکتا آپ خداوند متعال کی تکبیر و تسبیح سے مدد لیں انہی اصحاب صفہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَايَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَايَسْئَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهِ عَلِيْمٌ﴾ ”صدقات کے مستحق صرف وہ غرباء ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مالدار خیال کرتے ہیں آپ ان کے چہرے دیکھ کر قیافے سے انہیں پہچان لیں گے وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے، تم جو کچھ مال خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے۔“ (بقرہ۲۷۳)

صاحب نقوش نے اپنی کتاب میں اصحاب صفہ کے درج ذیل اسمائے گرامی تحریر کئے ہیں:

اوس بن اوس الثقفی	اسماء بن حارثہ	الاغر المزنی	بلال بن رباح	البراء بن مالک
عبداللہ بن زید الجہنی	ثابت بن ضحاک	ابوذر غفاری	جرہد بن خویلد	جعیل بن سراقہ
عبداللہ بن عبدالاسد	حذیفہ بن الیمان	حذیفہ بن اسید	حبیب بن زید	حارثہ بن نعمان
فرات بن حیان العجلی	حنظلہ بن ابی عامر	حجاج بن عمرو	حجاج بن عمیر	حرملہ بن ایاس
خباب بن الارت	خنیس بن حذافہ	خالد بن یزید	خریم بن فاتک	خریم بن اوس
خبیب بن یساف	رکین بن سعید	ذوالبجادین	رفاعہ ابولبابہ	ابورزین
زید بن خطاب	سلمان فارسی	سعد بن ابی وقاص	سعید بن عامر	سفینہ ابوعبدالرحمن
سعد بن مالک	سالم مولی ابوحذیفہ	سالم بن عبید الاشجعی	سالم بن عمیر	سائب بن خلاد
عیاض بن حمار المجاشعی	شداد بن اسید	صہیب بن سنان	صفوان بن بیضا	طخفہ بن قیس
فضالۃ بن عبدالانصاری	الطفاوی الدوسی	عبداللہ بن مسعود	ابوہریرہ	جاریہ بن حمیل
عبداللہ بن حوالۃ الازدی	عبداللہ بن ام مکتوم	عبداللہ بن عمرو	عبداللہ بن انیس	ثوبان مولی
عبداللہ بن الحارث	عبداللہ بن عمر الخطاب	عبدالرحمن بن قرط	عبدالرحمن جبر بن عمرو	عتبہ بن غزوان
عمار بن یاسر	عثمان بن مظعون	عامر بن عبداللہ	عویمر ابوالدردا	عقبہ بن عامر الجہنی
عباد خالد الغفاری	عمرو بن عوف المزنی	عمرو بن تغلب	عویم بن ساعدہ	عبید مولی
عکاشہ بن محصن الاسدی	العرباض بن ساریہ	عبداللہ بن الخنعمی	عتبہ بن عبدالسلمی	عتبہ بن الندر السلمی
عمرو بن عبسہ السلمی	عبادہ بن قرص	شقران مولی	طلحہ بن عمرو	حازم بن حرملہ
ابوفراس الاسلمی	قرۃ بن ایاس المزنی	کناز بن الحصین	کعب بن عمرو	ابوکبشہ
مصعب بن عمیر الداری	المقداد بن الاسود			

پیغمبر ﷺ اور قبائل یہود

سیرت نبویؐ کے حوالے سے لکھی گئی کتابوں میں آیا ہے جب پیغمبرؐ مدینہ پہنچے تو مدینہ کے کفار آپؐ کے مقابلے میں تین گروہوں میں بٹے ہوئے تھے:

۱۔ ایک گروہ وہ تھا جس نے رسول اللہ سے مصالحت کی کہ وہ آپ سے جنگ نہیں لڑیں گے اور آپ بھی ان سے جنگ نہ لڑیں اسکے علاوہ وہ آپ کے خلاف کسی مہم جوئی میں مدد نہیں کریں گے اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی سے معاہدہ کریں گے وہ مدینہ میں اپنے کفر پر باقی رہیں گے اور ان کے جان و مال کو تحفظ و امن فراہم کیا جائے گا۔

۲۔ دوسرا گروہ آپ سے جنگ کرنے اور دشمنی پر تلا ہوا تھا۔

۳۔ تیسرے گروہ نے نہ تو آپؐ سے صلح کی اور نہ ہی جنگ بلکہ وہ اس انتظار میں تھے کہ مستقبل میں آپؐ اور آپؐ کے دشمنوں کی کیا صورتحال بنتی ہے یہ تیسرا گروہ اپنی جگہ مزید دو گرہوں میں منقسم تھا۔

الف۔ بعض دل سے آپؐ کی کامیابی و کامرانی اور غلبہ کے خواہاں تھے لیکن زبان سے اظہار نہیں کرتے تھے۔

ب۔ بعض ظاہرا آپؐ کے ساتھ لیکن باطن میں آپؐ کے دشمنوں کے ساتھ تھے تا کہ دونوں فریقوں کے خطرے سے بچا جا سکے یہ گروہ منافقین تھا۔

پیغمبرؐ نے درج ذیل گروہوں کے ساتھ ہدایت و اوامر خداوندی کے تحت صلح اور امن و آشتی کا معاہدہ کیا یہ لوگ تین قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔

☆ بنی قینقاع ☆ بنی نضیر ☆ بنی قریظہ

بنی قینقاع نے بدر کے بعد اپنی عداوت و دشمنی اور حسد کا مظاہرہ کیا تو آپؐ نے ان سے جنگ کی اور انہیں مدینہ سے باہر نکالا۔ معرکہ بدر کے چھ ماہ بعد بنو نضیر سے جنگ ہوئی جب کہ انہوں نے پیغمبرؐ کو قتل کرنے کی سازش کی لیکن خدا نے ان سے آپؐ کو بچایا۔ قریظہ بھی آپؐ کے ساتھ دشمنی پر اتر آئے انہوں نے اپنے سابقہ معاہدے توڑ ڈالے اور جنگ خندق پیغمبرؐ کے خلاف لڑی۔ یہ جنگیں یہود و نصاریٰ کے ساتھ ولایت و محبت کرنے سے روکنے کا سبب بنیں ہیں آیت شاید ان آیات کا شان نزول ان واقعات کے تناظر میں ہے۔ شان نزول کو بیان کرنے والوں نے ایک خاص تناظر کو پیش کیا ہے، بیہقی نے دلائل میں ابن عساکر سے انہوں نے عبادہ ابن ولید سے اور انہوں نے عبادہ ابن صامت سے نقل کیا ہے کہ جب پیغمبرؐ نے بنو قینقاع سے جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا تو انھوں نے پیغمبرؐ کے سامنے آکر معاہدے کو توڑا اس وقت عبداللہ بن ابی بن سلول پیغمبرؐ کے سامنے آیا اور بنو قینقاع کی حمایت و سفارش کی اسی طرح عبادہ ابن صامت بھی پیغمبرؐ کے سامنے آئے جو بنی قینقاع کے حلیف تھے۔ عبادہ ابن صامت بنی اوس قبیلہ خزرج سے تھے۔ پیغمبرؐ کے فیصلے کے بعد عبادہ ابن صامت نے بنو قینقاع سے کے گئے معاہدوں کو توڑا اور کہا میں خدا اور رسول و مومنین سے دوستی کرتا ہوں اور خدا کی بارگاہ میں دشمنان سے برائت کا اعلان کرتا ہوں ان کی شان میں آیت

نازل ہوئی۔ایک اور روایت میں آیا ہے عبادہ ابن صامت قبیلہ خزرج کے بنی حارث سے تعلق رکھتے تھے۔انہوں نے کہا میں نے یہود کے بہت سے لوگوں سے معاہدہ کیا ہے لیکن ان کی محبت کے باوجود میں ان سے برأت اور خدا اور اس کے رسول سے ولایت کا اعلان کرتا ہوں جبکہ عبداللہ ابن ابی نے کہا میں آنے والے حالات اور اپنے حلیفوں سے ڈرتا ہوں جسکی وجہ سے اپنے حلیفوں سے برائت نہیں کرتا۔ابن جریر اور ابن منظر نے نقل کیا ہے یہ آیت بنی قریظہ کے ساتھ جنگ کے موقع پر نازل ہوئی انہوں نے معاہدہ کو توڑا اور ابوسفیان بن حرب کو پیغمبرؐ سے جنگ کرنے کی دعوت دی پیغمبرؐ نے ابولبابہ ابن عبدالمنذر کو بھیجا انہوں نے ان کو قلعے سے اترنے کا کہا جب انہوں نے ان کی اطاعت کی تو انہوں نے گلے پر انگلی چلانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تم سب قتل کر دیے جاؤ گے۔بعض روایات میں آیا ہے یہ لوگ شام میں موجود نصاریٰ کو خط لکھتے اور پیغمبرؐ کے بارے میں انہیں لالچ دیتے تھے کہ وہ جنگ لڑیں گے لہٰذا یہ آیات ایسے حالات وواقعات کے تناظر میں نازل ہوئیں۔

میثاق یا عہدو پیمان

اسلام کے دو مصادر (اصلی قرآن کریم اور سنت و سیرت پیغمبر اکرمؐ) میں زیادہ شدت کے ساتھ اہمیت دیئے جانے والے امورات میں سے ایک عہدو پیمان موافیق ہے۔قرآن وسنت نے اس (عہدو پیمان) میں خلل ڈالنے والوں کو شدت و کراہت سے یاد کیا ہے۔کثیر آیات میں خداوند عالم نے اس عہد کی پاسداری کا حکم دیا گیا ہے۔چاہے وہ عہد خدا سے ہو یا خدا کے رسول سے ہو یا رسول کی امت سے ہو۔

عہدو پیمان کی چند اقسام

ا۔امت کا امت سے عہدو پیمان: ان آیات کو ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن میں عہدو میثاق کی کتنی اہمیت ہے۔خدا سے عہدو میثاق کا ذکر قرآن کریم کی سورہ بقرہ آیت ۹۳،۱۰۰ میں آیا ہے کہ جو خدا سے کئے ہوئے عہدو پیمان کو توڑتا ہے وہ بندوں سے کئے ہوئے عہدو پیمان کو کیسے برقرار رکھے گا:

﴿ اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ "یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے، بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں۔" (بقرہ ۱۰۰) ﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴾ "اور وعدے پورے کرو کیونکہ قول و قرار کی بازپرس ہونے والی ہے۔" (اسراء ۳۴)

۲۔عہد عمومی: سورہ مائدہ آیت ا میں عہد کے پابند رہنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴾ "اے ایمان والو! عہدو پیماں پورے کرو تمہارے لئے مویشی چوپائے حلال کئے گئے ہیں بجز ان کے جن کے نام پڑھ کر سنا دیئے جائیں گے مگر حالت احرام میں شکار کو حلال جاننے والے نہ بننا یقیناً اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے۔"

۳۔مشرکین سے عہدوپیمان: جب تک وہ عہد نہ توڑیں مسلمان اپنی طرف سے پہل نہیں کر سکتے ۔قرآن کریم اور سیرت رسول میں ان لوگوں کے ساتھ عہدوپیمان کا پاس رکھنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَى مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ ''بجز ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدے کئے پھر انھوں نے اپنے عہد کو پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی مدت معاہدے تک وفا کرو کیونکہ اللہ متقیوں ہی کو پسند کرتا ہے۔'' (توبہ۴) ﴿كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ ''بجز ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا تو جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو کیونکہ اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔'' (توبہ۷)

۹ھ کو سورہ برأت کا اعلان اس وجہ سے ہوا کہ مشرکین نے پہلے عہد شکنی کی تھی

﴿بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ''اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے بیزاری کا اعلان ان مشرکوں کے بارے میں جن سے تم نے عہدوپیمان کیا تھا'' (توبہ۱)(نساء۹۲)

اگر مشرکین کے ساتھ عہدوپیمان ہو اور ان کا کوئی آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں غلطی وخطا سے قتل ہو جائے تو اس کی دیہ اور گناہ کا کفارہ لازم ہیں جس طرح ایک مسلمان کے خطا سے قتل کئے جائے کی دیہ اور کفارہ ہوتا ہے۔

﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ ''پس ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا۔'' (نساء۹۲)

اگر کہیں کوئی ہجرت کرنے والا آپ سے مدد مانگے تو آپ اس کی مدد کریں لیکن اگر اس نے ایسے انسان کے خلاف مدد مانگی ہو جن سے آپ کا عہدوپیمان بندھا ہوا ہے تو عہد کی پاسداری کریں:

﴿إِلَّا عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ﴾ ''سوائے ان لوگوں کے کہ تم میں اور ان میں عہدوپیمان ہے'' (انفال۷۲)

عہدوپیمان کی اہمیت کی پابندی انسانی بھی ہے اور دینی بھی پیغمبر اسلام ؐ نے مدینہ پہنچنے کے بعد مومنین ومہاجرین اور انصار کے ساتھ ایثار وقربانی کا عہدوپیمان باندھا ہے جسے مواخاتِ مدینہ کہتے ہیں۔پیغمبر اکرم ؐ نے غیر مسلموں کے ساتھ بھی عہد وپیمان کیا کہ ایک دوسرے کو ضرر رسائی واذیت دینے کا کام نہیں کریں گے اور ایک شریف ہمسائے کی حیثیت سے رہیں گے۔ جیسا کہ تین قبائل یہود سے عہدوپیمان باندھا اس کو سیرت نویسوں نے میثاق مدینہ کا نام دیا ہے۔

اصولِ ہمزیستی وہم نشینی

دورِ قدیم سے عصرِ حاضر اور قیامِ قیامت تک جس چیز نے انسانی ذہن کو مصروف اور مشغول رکھا ہے وہ رائج نظام ہمزیستی و ہم نشینی کیلئے درپیش ناانصافی، ظلم و ناروا سلوک سے شکوہ و شکایت ہے اور ایک عدل و انصاف پر مبنی ہم زیستی و ہم نشینی کے ارمان وارمغان ہیں، یہ کہاں اور کس سے ملیں گے۔ دنیائے تاریخ کی اجتماعی زندگی میں یہ نہیں دیکھا گیا کہ کسی نوع نے بے دردی و بے رحمی کے ساتھ اپنی ہی نوع پر ظلم کیا ہو جیسا کہ انسان اپنی نوع کے منہ سے لقمہ حیات چھین کر زندگی گزارتا ہے۔ ظلم کرتے وقت شقاوت و کساوت میں انسان دوسری مخلوقات سے پیش پیش ہے کیونکہ انسان نے ظلم اپنی ہی نوع سے زیادہ سہا ہے لہٰذا یہی مخلوق زیادہ عدالت کی تلاش میں تشنہ گام و سرگردان اور حیران رہتی ہے، جس طرح پیاسا انسان سراب کو پانی سمجھ کر اسکے پیچھے جاتا ہے اسی طرح عدل و انصاف کا تصور بھی ایک وہمی و خیالی ناپید چیز سمجھا جانے لگا ہے جس کی وجہ سے دنیا میں کفر و الحاد کو فروغ مل رہا ہے۔ عدالت کے تحت داعیانِ حقیقی صرف وہی ہستیاں ہو سکتی ہیں جو کہ منجانب اللہ ہوں کیونکہ زمینی داعیانِ عدل و انصاف اگر اس بات کی خوشخبری یا ضمانت کا چرچہ کرتے ہیں تو وہ تمام انسانوں کیلئے نہیں ہوتا ہے وہ صرف اپنی ہی قوم و عشیرہ اور علاقہ تک محدود ہوتا ہے وہ اسی اصول پر عمل پیرا ہوتے ہیں کہ دوسری اقوام و ملل کو محروم و مظلوم کر کے اپنی قوم و علاقے والوں کی زندگی خوشگوار بنائینگے اور انہیں عیش و عشرت فراہم کریں گے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی زمینی داعی تمام روئے زمین پر بسنے والے لوگوں کیلئے عدل و انصاف کی ضمانت فراہم کرے، آسمانی و الٰہی داعیان وقتاً فوقتاً خلقِ خدا کو روئے زمین میں روابط و تعلقات اور طبیعیات و انسانیات میں عدل کی طرف دعوت دیتے آئے ہیں، بعض نے دعوت کی منزل تک پہنچنے سے پہلے داعی حق کو لبیک کہا اور بعض اس دعوت کو عملی حوالے سے پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔ عدل الٰہی کے آخری داعی حضرت خاتم النبیینؐ تھے جنہوں نے تیرہ سال تک مسلسل اس دعوت کو لوگوں کے گوش گزار کرنے کے بعد منطقۂ مکہ و مدینہ سے تعلق رکھنے والے مختلف عشائر و قبائل کو جمع کر کے ایک اصول ہم زیستی و ہم نشینی پر اتفاق کیا اور تمام نسبتوں کو ملغہ کر کے جڑوں کو جلاتے ہوئے اور سابقہ روابط کو محو کرتے ہوئے نئے روابط کا الٰہی بنیاد پر اعلان کیا آپ ایک امتِ عدالت کا قیام وجود میں لائے۔ آپ نے ہم زیستی و ہم نشینی کے تمام اعلیٰ و ارفع بے مثال نمونے کو اس معاہدے میں پرو دیا ساتھ ہی اصولِ ہم زیستی و ہم نشینی کو اپنی امت کے دائرے سے نکال کر غیروں کا بھی احاطہ کرتے ہوئے فرمایا ہماری امت ہر اس انسانی گروہ سے جو ہم سے عناد و دشمنی اور برے عزائم نہ رکھے، دغا و خیانت نہ کرنے کا عہد کرے ہم ان سے بھی اچھے اصولِ ہم زیستی و ہم نشینی کے تحت رہیں گے۔ ذیل میں ہم نبی کریمؐ کے اعلان کردہ اصول بیان کریں گے جنھیں علماء اجتماع اسلامی نے میثاقِ مدینہ کا عنوان دیا ہے۔

میثاقِ مدینہ

مدینے میں یہود کے تین قبائل بنو نضیر، بنو قریظہ، اور بنو قینقاع سب سے زیادہ قوی و شجاع تھے۔ ہجرت کے پہلے سال جب پیغمبرؐ نے مدینہ میں قیام کیا تو تمام یہودیوں سے امن و سلامتی کا ایک معاہدہ کیا۔ مدینے میں اس سے پہلے اس قسم کا کوئی

معاہدہ طے نہیں پایا تھا۔ اگر ان قبائل کے ساتھ اوس وخزرج کے مشرکین ومنافقین اور عبداللہ بن ابی سلول مل جاتے تو یہ ایک بڑی طاقت بن کر ابھرتے اور مسلمانوں کیلئے اسقدر کم وسائل و طاقت کی وجہ سے ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جاتا۔ یہود و مشرکین اور منافقین کے متحد ہونے کی صورت میں مسلمان اس سرزمین پر اپنے قدم نہ جما سکتے لیکن خدا نے مشرکین ومنافقین اور یہود کی عقل پر پردہ ڈالا تا کہ مسلمانوں کے قدرت مند ہونے کی وجہ سے اسلام کی جڑیں مضبوط ہو جائیں۔

مدینہ میں تشریف آوری کے بعد پیغمبر اسلامؐ کی یہ کوشش رہی کہ مدینہ کے گرد ونواح میں مقیم یہودیوں بالخصوص بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ کو اسلام کی طرف دعوت دیں لیکن یہودیوں نے پیغمبر اسلامؐ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اس کے باوجود پیغمبر اسلامؐ نے انہیں عہد و پیمان کی طرف دعوت دی اور انہیں امتِ مدینہ میں شمار کیا۔ پیغمبرؐ کی طرف سے یہودیوں کو یہ اجازت بھی دی گئی کہ اپنی عادات و رسومات کو بدستور بجالاتے رہیں اور ان کے جان ومال اور خاندان بھی امان میں ہونگے لیکن یہودی اپنی طینیت و سیرتِ قدیم اور منافقانہ رویے کو جاری وساری رکھتے ہوئے پیغمبر اسلامؐ کے خلاف ہر قسم کے حیلے بہانوں کو بروئے کار لاتے رہے تا کہ مدینہ میں حکومت قائم نہ رہ سکے۔ تاہم یہودیوں میں سے بہت محدود تعداد نے منافقانہ طور پر ایمان قبول کیا جن کا ذکر سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات میں آیا ہے، علاوہ ازیں انہوں نے پیغمبرؐ سے کئے گئے عہد و پیمان کو بھی پامال کر دیا تاہم اس محدود طبقے نے دین اسلام کے خاتمے کیلئے مسلمانوں کو کفر کی طرف برگشت کرنے اور مشرکین سے ملنے ملانے پر اصرار کیا۔ من جملہ ان کی طرف سے پیغمبرؐ کے خلاف کی جانے والی سازشوں کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں جو درج ذیل ہے:

۱۔ پیمان شکنی: انہوں نے جو عہد و پیمان پیغمبرؐ سے باندھا تھا اسے توڑ دیا۔ اس کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت ۱۰۰ میں آیا ہے:

﴿اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ''کیا ان لوگوں نے جب بھی کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اسے اٹھا پھینکا بلکہ ان میں سے اکثر تو ایمان ہی نہیں رکھتے۔''

۲۔ یہودیوں نے اپنی طرف سے کی جانے والی باتوں سے بھی انکار کیا چنانچہ وہ اوس وخزرج سے یہ کہتے تھے کہ ہماری کتابوں میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ آخری نبی مبعوث ہونے والا ہے اور جب وہ مبعوث ہوں گے تو ہم ان پر ایمان لائیں گے لیکن جب پیغمبر اسلامؐ مبعوث ہوگئے تو سب سے پہلے انہوں نے ہی پیغمبرؐ کی دعوت کو مسترد کر دیا:

﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''اور جب اللہ کی جانب سے وہ کتاب آئی جو ان کے پاس موجود باتوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور وہ پہلے کافروں پر فتح کی امید رکھتے تھے پھر جب ان کے پاس وہ آ گیا جسے وہ خوب پہچانتے تھے تو وہ اس کے منکر ہو گئے پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔'' (بقرہ ۸۹)

۳۔ پیغمبرؑ سے معجزے طلب کئے گئے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَأْتِيْنَا اٰيَةٌ﴾ "بے علم لوگ کہتے ہیں: اللہ ہم سے ہم کلام کیوں نہیں ہوتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟" (بقرہ۱۱۸)

۴۔یہودیوں نے پیغمبر اسلامؐ کو چھوڑ کر یہودیت کی طرف دعوت دی:

﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا﴾ "وہ لوگ کہتے ہیں: یہودی یا نصرانی بنو تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔" (بقرہ۱۳۵)

۵۔یہودیوں نے پیغمبر اسلامؐ کو جنگ بدر کے بعد ہی مزید جنگ کی دھمکیاں دینا شروع کیں اور کہا جن سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی ہے وہ جنگ کرنا نہیں جانتے تھے ہم انہیں بتائیں گے جنگ کیسے ہوتی ہے۔

۶۔اوس وخزرج میں اختلاف پھیلانے اور دشمنی پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔

۷۔یہودیوں کا کہنا تھا کہ ہم خدا کے محتاج نہیں بلکہ خدا خود ہمارا محتاج ہے:

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاءُ﴾ "تحقیق اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جو کہتے ہیں: بے شک اللہ محتاج اور ہم بے نیاز ہیں۔" (آل عمران۱۸۱)

۸۔یہودیوں کی طرف سے پیغمبرؑ کو قتل کرنے کی سازش۔

۹۔یہودیوں کی جانب سے لوگوں کو مسلمانوں اور اہل مکہ کے خلاف اُکسانے کی کوشش۔

۱۰۔یہودیوں کی جانب سے پیغمبرؑ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ احزاب کی تشکیل۔

not found.

file\Border\FRAME64.jpg not found.

اسلام میں جہاد وقتال

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ إِلَّآ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ أَوْ بِأَيْدِيْنَا فَتَرَبَّصُوْٓا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُوْنَ

کہہ دیجئے کہ تم ہمارے بارے میں جس چیز کا انتظار کر رہے ہو وہ دو بھلائیوں میں سے ایک ہے اور ہم تمہارے حق میں اس کا انتظار کرتے ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے کوئی سزا تمہیں دے یا تمہارے ہاتھوں سے پس ایک طرف تم منتظر رہو دوسری جانب تمہارے ساتھ ہم بھی منتظر ہیں۔

(سورہ مبارکہ توبہ ۹ آیت ۵)

اسلام میں جہاد وقتال

غزوات اور سرایا

ارباب سیرت نویسان نے حیات وسیرت نبی کریمؐ میں ذکر ہونے والی جنگوں کو دو مختلف ناموں غزوات اور سرایا سے یاد کیا ہے اور ان کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے:

۱۔**غزوہ:** ایسی جنگ جس میں قیادت خود رسول اللہؐ نے کی ہو۔

۲۔**سریہ:** ایسی جنگ جس میں پیغمبرؐ نے قیادت کسی اور کے سپرد کی ہو۔

درج بالا فرق کی عقلی و منطقی توجیہ پیش نہیں کی گئی ہے یہ دونوں اصطلاحیں سیرت نویسیوں کی اختراع کردہ ہیں معلوم نہیں انھیں پہلے کس نے اختراع کیا یا کس فکر وسوچ کے تحت ان دونوں کلمات کو استعمال کیا گیا؟ یہ موضوع اپنی جگہ تحقیق طلب ہے۔ جہاں تک ہماری فکر وسوچ کا تعلق ہے تو یہ دونوں کلمات قرآن کریم اور سنت نبی کریمؐ میں استعمال نہیں ہوئے ہیں بلکہ پیغمبر کی حیات طیبہ میں کی جانے والی مساعی اور کوششوں کیلئے تین کلمات جہاد، حزب اور قتال استعمال ہوئے ہیں۔ تاہم ان مساعی اور کوششوں کو غزوات اور سرایا کہنے کی درج ذیل توجیہ بن سکتی ہے:

☆ **سرایا:** مادہ سر سے ہے جو کسی چیز کو چھپا کر جانے یا رات کے وقت سفر کرنے کو کہتے ہیں۔ اس تناسب سے ہر وہ چیز جو چھپا کر رکھی جائے اس کیلئے کلمہ سر استعمال ہوتا ہے۔ نبی کریمؐ اپنی تمام جنگوں میں سمت و جہت اور دشمن کا نام وغیرہ چھپا کر رکھتے تھے، سوائے جنگ تبوک کے آپ نے تمام جنگی مہموں کو چھپا کر رکھا۔ اس خوبی کی وجہ سے پیغمبر کی تمام جنگوں کو سریہ کہہ سکتے ہیں۔ سرایا پیغمبرؐ کا وہ معنی ہرگز نہ لیا جائے جن معنوں میں توسیع شدہ اقتدار طلب اور مال و دولت کا حرص رکھنے والے لوگ دوسروں کے علاقوں پر شب خون مارتے ہیں کیونکہ پیغمبرؐ نے جنگی عزائم رکھنے والوں اور اہانت و جسارت کے پیغامات بھیجنے والوں کی طرف رخ کیا۔

☆**غزوہ:** غزوہ کسی مقصد کیلئے نکلنے اور کسی خاص جہت کی طرف توجہ کرنے کو کہتے ہیں یا غزوہ قصد وطلب کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ صاحب لغت دھخدا نے اس کا معنی خواستن، جستن و آہنگ کسی کردن کیا ہے یعنی کسی کی تلاش میں نکلنے، چھلانگ مارنے، کودنے اور دشمن کی طرف جانے کو غزوہ کہتے ہیں غرض سریہ اور غزوہ کے لغوی معانی کے تحت پیغمبرؐ کی جنگی مساعی اور کوششوں کیلئے غزوات یا سرایا دونوں کلمات استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

قرآن اور غزواتِ نبیؐ

قرآنِ کریم اور سنت نبی کریمؐ میں دین اسلام کو تمام انسانوں تک پہنچانے کیلئے کی جانے والی مساعی اور کوششوں کو درج ذیل کلمات سے یاد کیا گیا ہے:

الف۔جہاد　　ب۔حرب　　ج۔قتال

اس سلسلے میں زیادہ تر کلمہ جہاد استعمال ہوا ہے گویا کلمہ جہاد اصطلاح مناطق کے تحت دیگر تمام کوششوں کی جنس ہے جس میں تمام ثقافتی واقتصادی اور اجتماعی جنگی کوششیں شامل ہیں ۔اسلام اپنی دعوت کو دوسروں تک پہنچانے کیلئے وسائل و ذرائع اور سلوک کے حوالے سے دیگر ادیان ومذاہب کے طور وطریقوں سے بالکل مختلف ہے کیونکہ دیگر ادیان ومذاہب کے اندر خلا، خامی، ابہام اور اجمال وتضاد گوئی پائی جاتی ہے وہ اپنے دین کو دوسروں پر ٹھونسنے کیلئے آسائش وآرائش، اقتصادی غلاف، طمع ولالچ، خوف و ہراس، ہجوم وہنگامہ یا پھر قتل وغارت گری کے راستے کو اختیار کرتے ہیں لیکن اسلام کو اپنی فکری حقانیت، دقت وباریک بینی کے ساتھ کی جانے والی سادہ وآسان وضاحت پر اعتماد وبھروسہ ہے جس کی وجہ سے وہ جہاد کی ثقافت پر زیادہ زور دیتا ہے۔

غزوات نبیؐ درحقیقت ہر حوالے سے بشریت کیلئے نعمت ہیں نہ کہ مصیبت پیغمبرؐ کے غزوات میں اگر کوئی شخص قتل ہوا تو وہ انسان دشمن، استحصال کرنے والا اور جنایت کار تھا جس سے بشریت کو نجات دلانا ضروری تھی، قرآن کریم میں بشریت کو نجات دلانے کیلئے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اسلام دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کیلئے بلند درجات اور فوز وسعادت کی بشارت دیتا ہے۔

اسلام اور فلسفہ جنگ

اسلام میں فروعاتِ دینی کی ذیلی شاخ جنگ ہے، جنگ جہاد کا ایک جز ہے جبکہ جہاد اپنی جگہ اساس اور اسلام کی بنیاد ہے اسلام میں جنگ ان حلال چیزوں میں سے ایک ہے جسے انتہائی کراہت کے ساتھ ناگزیر حالات کیلئے جائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ جنگ عزت وکرامت کے تحفظ کیلئے ضروری ہے۔

اسلام نے انسانوں کے درمیان موجود ہر قسم کے تضاد وتناقص اور تزاحم کو دفنایا ہے انھی میں سے ایک جنگ ہے اسے سوائے محدود جگہوں کے ممکنہ حد تک اس کے اسباب کو دفنا کے رکھا گیا ہے تا کہ یہ اسباب جلتی پر تیل کا کام نہ کریں ۔کلمہ حرب چھ بار قرآن میں آیا ہے اس میں سے پانچ دفعہ بطور خبر اور ایک دفعہ بطور امر آیا ہے بطور امر بھی ان مشرکین کیلئے جو مسلمانوں کے خلاف تجاوز کرنے کے عزائم رکھتے ہوں اس کے برعکس کلمہ سلم ہے یہ اپنے تمام مشتقات کے ساتھ ایک سو ساٹھ(۱۶۰) بار قرآن میں آیا ہے سلام اور اسلام دونوں مادۂ سلم سے مشتق ہیں، سلام مسلمانوں کی ایک دوسرے کیلئے دعا اور تحفہ وتہنیت ہے جبکہ اسلام تمام انسانوں کیلئے سلامتی کا داعی ہے۔بعض اوقات انسانی طبیعت اپنی فطرتِ اصلی سے ہٹ کر طغیان وسرکشی، دوسرے بھائی پر تسلط، اسکی جائیداد پر قبضہ اور فائدہ وغیرہ کو اپنی طرف کھینچنے پر اتر آتی ہے جس سے فساد پھیلتا ہے لہٰذا اسلام نے دعوت الی اللہ کے تحفظ کی خاطر جہاد کو واجب قرار دیا ہے ۔دعوتِ خیر، افہام وتفہیم اور گفتگو ومجادلہ کے بعد اسلام طاغی وباغی

انسانوں سے جنگ لڑنے کا حکم دیتا ہے۔اہل کفروشرک اپنے مدعا کو پیش کرنے سے قاصرو ناتوان ہوتے ہیں وہ دلیل وبرہان میں فقر وفاقہ کی وجہ سے ہمیشہ سب وشتم، طاقت وقدرت اور تشدد پر اتر آتے ہیں اس بنا پر ان سے مقابلہ کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔

انسان کی طبیعت ہمیشہ انحصار پسند اور ہر اس چیز کو پسند کرتی ہے جس میں مکروہات دفع کرنے کی ضمانت ہو جس سے معاشرے میں فساد قائم نہ ہوتا ہو اسلام نے تعدی وتجاوز کو روکنے کیلئے جنگ کا جواز رکھا ہے۔اسلام جنگ وجدال کی بجائے افہام وتفہیم اور دلیل وبرہان پر زیادہ اعتماد کرتا ہے کیونکہ یہ اپنی حقانیت کے بارے میں دلائل کے حوالے سے غنی و بے نیاز ہے اسلام کی دعوت کے مفہوم میں اجمال وابہام اور پیچیدگی نہیں ہے یہ جاہل اور ان پڑھ سے نابغہ روزگار تک کے ساتھ گفتگو اور افہام وتفہیم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس مدعا کی دلیل کیلئے آپ تاریخ اسلام پر ایک نظر دوڑائیں۔آج کی دنیا میں آپ کو چھوٹے چھوٹے ٹولے پورے ملک وملت کو گالی گلوچ دینے توڑ پھوڑ کرنے اور جلاؤ گھیراؤ کا مظاہرہ کرتے ہوئے دکھائی دیں گے۔یہ بغیر کسی وجہ کے بے قصور افراد کو اپنے غیض وغضب کا نشانہ اور ان کی جان ومال کو طعمہ حریق بناتے ہیں جسکے نتیجے میں انسانوں کے درمیان عداوت ونفرت بغض وکینہ بڑھ جاتا ہے لیکن تاریخ اسلام کے ابتدائی دنوں میں دیکھا جاسکتا ہے کہ نبی اسلامؐ نے اپنے مخالفین کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا، پندرہ (۱۵) سال پیغمبرؐ ان سے ہر قسم کے مقابلے وجبر وآزمائی تندوتیز لہجہ اور دھمکی آمیز الفاظ سے گریز فرماتے رہے، انکے قہر وغضب اور عتاب وعناد پر مشتمل کلمات کو ٹھنڈے دل سے خاموشی کے ساتھ سماعت فرماتے رہے انکی گفتگو ختم ہونے کے بعد انکی اجازت سے جواب شروع کرتے اسی طرح اپنے حلقہ مومنین کو بھی ان سے مقابلہ بالمثل کرنے سے روکتے تھے مومنین پر ظلم وستم ہوتا دیکھتے اس کے باوجود ان پر ظلم کرنے والوں سے تندوتیز لہجہ میں خطاب کرنے کی بجائے اپنے مظلوم ومقہور برادر ایمانی سے فرماتے صبر وتحمل کرو آخرت میں تمہارا ٹھکانہ جنت ہوگا۔پیغمبرؐ نے مظلوموں کو ظلم وستم سے بچانے کیلئے بیرونِ مکہ ظلم وستم سے نفرت کرنے والے بادشاہ کے سائے میں زندگی گزارنے کیلئے بھیجا اسی طرح ہجرت مدینہ وجود میں آئی۔ ہمیں پیغمبر اسلامؐ کی حیات وسیرت میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جہاں آپؐ نے جنگ میں پہل کی ہو آپؐ نے مشرکین وکافرین سے جتنی جنگیں لڑیں وہ سب کی سب دفاعی حیثیت کی حامل تھیں۔اسلام ومسلمین کی طرف سے قتل وخونریزی سے نفرت اور گریز کرنے کی واضح دلیل، فتح مکہ ہے لیکن مشرکین وکافرین اپنے عقائد میں دلیل وبرہان کے حوالے سے فقر ومحرومی کا شکار ہوتے ہیں انھیں اپنے مدعا کو ثابت کرنے یا اپنے اوپر لگائے گئے الزام کو رد کرنے کیلئے دلیل کے فقدان کا سامنا کرنا پڑتا ہے چنانچہ وہ فوراً زور وطاقت اور دھمکی ودھونس سے متوسل ہوجاتے ہیں۔یہ سنت اس وقت بھی دنیا میں رائج ہے آپ ملاحظہ کریں جہاں جہاں بھی باطل طاقتیں موجود ہیں چاہے وہ حکومت کی صورت میں، بین الاقوامی صورت یا قبائل وعشائر یا پھر گھرانہ وفرد پر مشتمل ہوں وہ ہمیشہ طاقت شور وشرابے اور گالی گلوچ کو اپناتے ہوئے مقابلے پر اتر آتی ہیں۔مسلمان اپنے مدعا کیلئے کثرت دلائل وبراہین سے مسلح ہیں اور تمام انسانوں سے محبت رکھتے ہیں یہ ایک انسان کے دوسرے انسان پر نسلی حوالے سے برتر وبہتر ہونا تصور نہیں کرتے بلکہ دوسروں پر بلا جواز تعدی وتجاوز کو حرام سمجھتے ہیں لہٰذا یہاں یہ تصور پیدا ہی نہیں ہونے پاتا

کہ وہ جنگ وجدال کے راستے پر چلیں، وہ کسی کے طیش وغضب کے موقع پر بھی حلم اور عفو ودرگزر سے کام لیتے ہیں کیونکہ غصہ آنے کے بعد انسان سوچتا ہے اسی طرح وہ برائی کرنے والوں سے فوراً مقابلہ کرنے پر نہیں اترتے:

﴿وَاِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ﴾ ”اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں“ (انفال ۶۱)

اسلام کے دشمنوں کو آگاہ ہونا چاہیے اگر وہ اسلام کی راہ میں عداوت ونفرت، عناد وانانیت کی حامل رکاوٹیں کھڑی کریں گے یا روڑے اٹکائیں گے تو وہ اسکا مقابلہ نہیں کر سکیں گا کیونکہ اسلام بڑی آسانی سے فطرتِ انسانی سے مخاطب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ فطرتِ سلیم کے حاملان سے پر امید ہے کہ وہ انتہائی خوشگوار حالات میں اسکا استقبال کریں گے اور اسے پذیرائی دیں گے۔ دیگر خوبیوں کے علاوہ اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ ایسی مصنوعی فکر نہیں جسے یونانی درسگاہ کے بند کمروں میں بیٹھ کر بنایا گیا ہو بلکہ یہ خالقِ کون ومکان کی طرف سے انسانیت کیلئے ایک تحفہ ہے جو اپنی حقانیت کے ساتھ خارجی حقائق کا بھی معترف ہے۔ یہ اس چیز کو بہتر طور پر درک کرتا ہے کہ با ہر اس کی گزرگاہ کہاں ہے، اس راہ میں کہاں موڑ، کہاں شگاف اور کہاں رکاوٹیں ہیں۔ اسلام کی گذرگاہ انسانی بستی ہے جہاں مستضعف وضعیف یا سادہ لوح انسان بستے ہوں لیکن اس بستی کے مفاد واقتدار پرست، شہوت پرست اور وحشی صفت انسان ایسی دعوت کو آسانی سے وہاں جاگزین نہیں نے دیتے چنانچہ دینِ اسلام کو اپنا پیغام پہنچانے اور ان موانع کو رفع کرنے کیلئے غیر معمولی طاقت وقدرت استعمال کرنا پڑتی ہے، ان موانع کو رفع کرنے کیلئے قرآنِ کریم نے دعوت جہاد کے بعد مفاد پرست طاقتوں سے مقابلہ کرنے کا اعلان کرتے ہوئے واضح کیا ہے مستضعفین کے حق میں جنگ کرو اس قسم کی جدوجہد کیلئے کبھی لفظ حرب اور کبھی قتال استعمال کیا گیا ہے۔ جسے ہماری اردو زبان میں جنگ کہتے ہیں، جہاد وقتال انسان کی مصلحتِ عامہ کی خاطر فرض کیا گیا ہے۔ نبی کریمؐ نے اپنے دس سالہ دور میں جتنی جنگیں لڑی ہیں ان جنگوں نے تاریخ بشریت کی گذشتہ جنگوں کے نقش کو اذہان سے محو کر کے بشریت کو آگاہ کر دیا ہے کہ یہ آئندہ کیلئے کامل نمونہ ہیں۔ آئندہ جنگوں کے طور وطریقے، اہداف و مقاصد اور اخلاق گذشتہ جنگوں سے مختلف ہوں گے ہمیں امام المسلمین، خلیفۃ المسلمین، سلطان المسلمین کی لڑی جانے والی جنگوں پر نبی کریمؐ کی جنگوں سے موازنہ ومقابلہ کرنے کے بعد مہرِ صحت لگانی چاہیے۔ ایک اعلیٰ وارفع اور مثالی جنگ وہ ہے جس میں انسان کو جلانے کی بجائے اس کو جلا دینے کی کوشش کی جائے اسلام میں جنگ ان آیات کا عملی مصداق ہے:

﴿يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ ”وہ انھیں تاریکی سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے“ (بقرہ ۲۵۷)

غزواتِ نبیؐ گذشتہ وحاضر اور آئندہ تاریخ میں اہداف، طریقہ کار، نوعیت وکیفیت اور اصول واخلاق کے حوالے سے انوکھے وانمول ہیں۔ تاریخ بشریت میں وقوع پذیر ہونے والے معرکوں کے قائدین اپنے اہداف کے حصول میں کسی نہ کسی حوالے سے انحراف اور شکست کا شکار ہوئے ہیں لیکن پیغمبرؐ تمام غزوات میں فاتح وکامیاب ہوئے، آپؐ نے ہر غزوہ میں نمونہ

قائم کیا جو دوسرے غزوات سے بہت مختلف تھا۔غزواتِ نبی کریمؐ کے پہلے مرحلے میں اعلائے کلمہ لاالہ الااللہ اور دوسرے مرحلے میں اس کلمے کے مقابل موانع ومشکلات کو رفع کرنا دکھائی دیتا ہے۔اگر آپ غزواتِ نبیؐ پر دقت وباریک بینی سے توجہ کریں تو صاف نظر آئے گا کہ پیغمبرؐ چاہتے تھے ان جنگوں میں اپنے اور دشمن کے افراد کا قتل کم سے کم ہو، آپؐ بس اتنا چاہتے تھے کہ کفر وشرک کی آواز بلند ہو کر دعوتِ اسلام میں حائل نہ ہو لہٰذا ہر ایک غزوہ کی شناخت ابتدائی مراحل میں مختلف نظر آتی ہے اور ہر غزوہ الگ امتیاز کا حامل ہے مثلاً جنگ بدر کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ ظاہری طور پر ایک قلیل تعداد کا لشکر ایک کثیر طاقت کے مقابلے میں انجام خودکشی کیلئے جا رہا تھا، اس جنگ میں قائد نے ہر قسم کی جنگی تدابیر اور حکمت عملی کو بالکل نظر انداز کر کے فی سبیل اللہ خدا کیلئے خود کو اور مسلمانوں کو موت کے دھانے لے جانے کیلئے آمادہ کیا، مسلمانوں کو اس جنگ کا اچانک اور کس قسم کی تیاری کے بغیر سامنا کرنا پڑا یہاں ایک گروہ مصر نظر آتا ہے اس کا کہنا ہے:

الف۔ایسا معلوم ہوتا ہے مسلمانوں نے لوگوں کو گزرگاہوں سے روک کر ایک غلط کردار اپنانے کی کوشش کی جو اخلاقِ عمومی کے خلاف ہے۔

ب۔مسلمان قوت ایمانی کے بل بوتے پر دشمن سے نہیں لڑے صرف یدِ معجزہ نے انہیں اس میدان میں فاتح وکامیاب اور سرخرو کیا۔یہ وہ تصورات وخیالات ہیں جو دینِ مقدس اسلام کے بنیادی اہداف ومقاصد اور نبیؐ کی اسلامی والٰہی حکمت عملی کو درک نہ کرنے کی وجہ سے پیش آئے ہیں۔اسی طرح جس ماحول میں یہ جنگ چھڑی اور جس انداز سے اس جنگ کی منصوبہ بندی ہوئی اور لشکرِ اسلام نے جس فکر کے تحت خود کو حکم پیغمبرؐ میں محو کیا ہے اسے درک نہ کر سکنے کی وجہ سے یہ ابہامات پیدا ہوئے ہیں۔جنگِ اُحد کے حوالے سے عام نظریہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں شکست ہوئی ہے۔جنگ احد کی نوعیت وکیفیت اور امتیازات کو سامنے رکھنے کے بعد واضح ہوگا کہ پیغمبرؐ اور مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی بلکہ انتہائی خطرناک اور رعب ووحشت کی لڑائی کے باوجود اس جنگ میں مسلمانوں کے کم افراد شہید ہوئے۔

غزوات نبی ﷺ کو مذموم بنانے کی کوشش

غزوات نبی کریمؐ کے بارے میں دو گروہوں کی طرف سے ان کو مذموم اور نا قابل دفاع بنانے کی ناکام کوشش کی گئی ہے خصوصاً مستشرقین نے نبی کریمؐ کے غزوات کو عداوت ودشمنی اور حسد وکینہ پر مبنی لشکر کشی اور دشمن سے انتقامی تشفی قرار دینے کی مذموم کوشش کی ہے، انکا یہ عمل یا تو انکی غزوات نبیؐ کے بارے میں جہل ونادانی کی دلیل ہے یا اسلام ونبی کریمؐ سے عصبیت نے انھیں حقیقت کے خلاف بولنے پر مجبور کیا ہے۔

مستشرقین غزوات کے متعلق پیغمبرؐ کی سیرت کو نا قابل دفاع ظاہر کر کے کمزور انسانوں کی تقدیرات کی مہار دنیائے کفر وشرک اور طاغی وباغی لوگوں کے ہاتھوں میں دینے کیلئے سرگرم ہیں مستشرقین کہتے ہیں کامیابی کا راز درحقیقت پیغمبرؐ اور مجاہدین کی ایثار وقربانی نہیں بلکہ یہ صرف اور صرف ارادۂ الٰہی تھا جس نے انہیں میدان میں فاتح بنایا۔ہم ذیل میں مذموم عزائم پر مبنی فکر

سے پردہ ہٹانے اور نبی کریمؐ کے غزوات کی ایک درمیانی تفصیل پیش کرتے ہیں انصاف پسند قارئین ازخود جائزہ لیں کہ ان بے بنیاد الزامات کی سند کس غزوہ سے ملتی ہے۔ بعض کے مطابق نبی کریمؐ نے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد کل ۲۸ غزوات لڑے جیسا کہ سیرت ابن ہشام جلد ۴ ص ۲۸۱ پر بیان ہوا ہے یہ غزوات ۷ سال کی مدت میں انجام پائے۔ سب سے پہلا غزوہ، غزوہ ابواء ۲ ہجری میں وقوع پذیر ہوا جبکہ آخری غزوہ تبوک ۸ ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ بدر، احد، خندق، قریظہ، خیبر، مکہ، حنین وغیرہ ۱۹ جنگوں میں دشمن نے راہِ فرار اختیار کی۔ ظاہری طور پر جنگی تجزیہ و تحلیل کرنے والے حیران و سرگرداں ہیں ان جنگوں کے حوالے سے کس کے حق میں فتح اور کس کے حق میں ہزیمت کا فیصلہ سنائیں۔ یہ تجزیہ و تحلیل کرنے والے کہتے ہیں "عام طور پر بدر، خندق وحنین کی جنگوں میں خارقِ عادات معجزات و کرامات نظر آتی ہیں جبکہ اُحد میں شکست نظر آتی ہے" لیکن ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ ان غزوات سے خرقِ عادت کے عنصر کو منہا کر کے انہیں الٰہی اور بشری دونوں طاقتوں سے مرکب جنگیں قرار دینے کے بعد ان جنگوں کی فتح و کامرانی کیلئے کن کن عوامل و اسباب سے متصل ہونا ضروری تھا۔ نبی کریمؐ کے غزوات میں فتح و کامیابی کے عوامل اور اسباب کی نشاندہی کرنے والوں نے ابتدائی مرحلے میں تین عناصر کی طرف برگشت کی ہے:

۱۔ لائق و باصلاحیت قیادت

۲۔ لائق و باصلاحیت لشکر

۳۔ اصول و اخلاقِ جنگی جو دشمنوں کو متاثر و فریفتہ کرے جسے آج کل کی اصطلاح میں نفسیاتی و اعصابی جنگ کہا جاتا ہے۔

نبی کریمؐ نے فتح و کامیابی کیلئے ایک اور عنصر تائید و نصرت الٰہی کا اضافہ کیا لیکن یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ اس تائید و نصرت الٰہی کے حصول کیلئے پیغمبرؐ نے صرف خدا کی مشیت کا انتظار کیا یا ازخود اس سرزمین کو نصرت کی بارش کیلئے زرخیز بنایا۔

قیادت کی قابلیت وصلاحیت

تاریخ عسکری میں قیادتوں کا تحلیل و تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عسکری قائدین خون میں غلطاں لاشوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن وہ خصوصیات جو قائدِ مسلمین نبی کریمؐ کے غزوات میں پائی جاتی ہیں وہ تاریخ بشریت کے عسکری و لشکری قائدین میں نہیں پائی جاتی ہیں جنگی قیادت کیلئے مندرجہ ذیل عوامل کا ہونا ناگزیر ہے:

- شجاعتِ شخصی
- قوی ارادہ
- فتح و ناکامی میں غیر عادی طور پر متاثر نہ ہونا
- قبل از وقت آگاہی ہونا
- اپنے ماتحتوں کی قابلیت سے آگاہ ہونا
- متحارب گروہوں کی نفسیات سے آگاہ ہونا
- اپنے لشکر سے پیار و محبت کرنا
- قائد کی باتوں کا لشکر پر موثر ہونا
- ماضی کا بے داغ ہونا
- اپنے لشکر کی نفسیات سے آگاہ ہونا
- بغیر تردد دعوت قبول کرنا
- جنگی اصول سے واقف ہونا

تاریخ بشریت میں کسی کوایسا قائد ورہبر نصیب نہیں ہوا کیوں کہ دنیا کے قائدین ولشکری ایک یا دومیدانوں میں قیادت و رہبری کے حامل ہوتے ہیں لیکن دیگر شعبوں کیلئے متعلقہ ماہرین وقائدین سے ہدایت لے کر متاثر ہوتے ہیں مثلاً

الف۔ قیادتِ علمی وفکری　　　　د۔ قیادتِ اخلاقی

ب۔ قیادتِ سیاسی　　　　ہ۔ قیادتِ عدل وانصاف

ج۔ قیادتِ ثقافتی　　　　و۔ قیادتِ روحانیت ومعنویات۔

یہ صفات نبی کریمؐ میں "قائدِ عسکری" کی حیثیت سے مجتمع تھیں جو دنیا کے کسی قائد ورہبر کو نصیب نہیں ہوئیں اسی لئے میدان جنگ میں شکست کھانے والے لشکر نبی کریمؐ سے کسی قسم کے ظلم وناانصافی کی توقع نہیں رکھتے تھے۔

☆ آپ میدان جنگ میں قائد سیاسی، معلم علم وفکر، عابدو زاہداور وقت کے مسیح تھے۔

☆ آپ میدان جنگ میں کرسیِ عدالت پر وقت کے داؤدؑ، رعایا کے دلوں کو تسخیر کرنے والے سلیمانؑ تھے۔

☆ آپ تمام میدانوں کے کمالِ فضائل، کمالات وجمالات اور جلالت میں ہمیشہ محمدؐ تھے۔

دعوت اسلام اور مزاحم گروہ

دعوت اسلام انسانیت وبشریت کیلئے ایک رحمت وبشارت ہے داعی اسلام پیغمبرؐ مسلمانوں اور بشریت کے درمیان حائل دشمن واستعماری گروہ کفروشرک ہے۔ پیغمبرؐ کو ایک دقیق وباریک حکمت عملی کے تحت ان دشمنان کے بارے میں جائزہ لینے کی ضرورت تھی تاکہ فیصلہ کیا جائے کہ پہلے مرحلے میں کس دشمن کو راستے سے ہٹایا جائے اور کس کے ساتھ مقابلہ کیا جائے:

۱۔ یہود

سب سے قریب ترین دشمن یہود تھے جن سے کسی قسم کی خیرونیکی کی توقع نہ تھی لیکن انہوں نے ظاہری طور پر پیغمبرؐ کی آمد کے موقع پر خوشی کا مظاہرہ کیا پیغمبرؐ نے بھی ان کے ساتھ معاہدہ کیا کہ ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی نہیں کریں گے، اس شہر میں ایک دوسرے کے دشمن کے ساتھ کسی قسم کی معاونت بھی نہیں کریں گے اور امن وسکون کے ساتھ زندگی گزاریں گے۔

۲۔ جزیرۃ العرب سے باہر کے مشرکین وکافرین

ان میں دو گروہ شامل تھے:

الف۔ بادشاہان مقتدر تھے جو اپنی منظم طاقت وقدرت کے ساتھ برسراقتدار تھے جیسا کہ عراق میں بادشاہانِ حیرہ، بادشاہانِ غسانیہ شام میں اور حبش یمن میں تھے۔

ب۔ روم وفارس کی دو بڑی طاقتیں تھیں جو انتہائی طاقت وقدرت کی حامل تھیں ان سے مقابلہ کرنے کی فی الحال مسلمان طاقت وقدرت نہیں رکھتے تھے لہٰذا فوری طور پر ان کے ساتھ محاذ آرائی دعوت اور داعی دونوں کو صفحۂ ہستی سے محو ونابود کرنے کے مترادف تھی۔

۳۔ مدینہ ومکہ کے اطراف واکناف میں رہنے والے مشرک قبائل وعشائر

چھوٹے چھوٹے گروہ بڑے عشائرو قبائل کی سرپرستی میں زندگی گزارتے تھے ان کے ساتھ نبرد آزمائی اسلام کیلئے چنداں فائدہ مند نہیں تھی لہٰذا انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا جس کی وجہ سے ازخود اسلام و مسلمین کے ساتھ مل گئے۔

۴۔ مشرکین قریش

یہ مکہ اور جزیرۃ العرب میں طاقت وقدرت کے مالک تھے انہوں نے پندرہ سال تک مسلسل مسلمانوں کو اذیتوں اور تکالیف پہنچائیں، مسلمانوں کو قید کیا ان کی املاک وجائیداد پر قبضہ کیا لہٰذا جب تک ان کا معاملہ ختم نہ ہوتا اس وقت تک پیغمبرؐ کا کسی کے ساتھ مقابلہ کرنا کسی بھی حوالے سے قرین ثواب نہیں ہوسکتا تھا لیکن چار سو میل کے فاصلے پر بیٹھے قدرت مند دشمن کو کیسے راستے سے ہٹایا جائے اور دشمن بھی ایسا جو کسی قسم کی افہام وتفہیم اور دلیل وبرہان کا قائل نہیں تھا ایسے حالات میں پیغمبر اسلامؐ دعوت اسلام کو مدینے سے باہر نکالنے کیلئے کیا حکمت عملی اور تدبیر اختیار کرتے آیا ہاتھ روک لیتے یا ہجوم وحملہ کرتے یا پھر ازخود حکمت عملی وضع کرکے حرکت وجنبش اور تیاری کرتے؟

جنگ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

جنگ کو عربی میں حرب کہتے ہیں حرب طاقت وقدرت سے مسلح قوم کے دوسری قوم کو فنا و نابود اور مسخر و مطیع کرنے کو کہتے ہیں۔ جنگ دو طریقوں سے لڑی جاتی ہے:

۱۔ عادلانہ اور انصاف پر مبنی ہوتی ہے

۲۔ ظلم وستم اور نا روائی اسکا مقصد ہوتا ہے

اس حوالے سے چند نکات درج ذیل ہیں:

- ☆ جنگ اس عدل کے قیام کیلئے جس سے ایک ظالم وجابر آمر کے ظلم وستم کو زبان اور ہاتھ سے روکا جائے۔
- ☆ جنگ انسانی اقدار واصول کے مطابق ہو اور معاشرے میں امن وسلامتی کے قیام اور ظلم وستم کے خاتمے تک محدود ہو۔
- ☆ جنگ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی حیات، املاک اور اسیروں کے ساتھ حسنِ سلوک روا رکھنا ازحد ضروری ہے
- ☆ عام طور پر جنگ لڑنے والوں کے پاس دوسرے کے علاقے میں داخل ہونے اور انھیں تکالیف ومصیبتیں دینے کیلئے کوئی معقول جواز نہیں ہوتا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایسی جنگ صرف تکبر وغرور اور طمع ولالچ کے نشے میں دھت ہوکر شروع کی جاتی ہے قرآن کریم اور سنت رسولؐ کے تحت فکر اسلامی کو نشر کرنے اور علاقے میں امن وسلامتی کے قیام کیلئے جنگ کرنا ضروری ہے اسلامی جنگوں میں ہمیشہ اقدار واخلاق کا پاس رکھنے کی شدت سے تاکید ہوئی ہے اسلام میں نشر دعوت سے مراد یہ نہیں کہ اس دعوت کو سب قبول کریں یعنی مسیحی یا یہودی سب مسلمان ہوجائیں کیونکہ اس دین کے قبول کرنے میں کسی قسم کا جبر اور تشدد نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ذکر ہوا ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ ”دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں“ (بقرہ۲۵۶)

☆ اسلام کی طرف دعوت دینے والوں کو تحفظ اور آزادی فراہم کرنا تا کہ اسلام کی دعوت پھیلانے میں کوئی ممانعت نہ ہو:

﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ ”اور تم راہ خدا میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا“ (بقرہ۱۹۰)

☆ اسلام خون بہانے اور غنیمت کیلئے جنگ نہیں کرتا ہے بلکہ اسکا مقصد بحالی امن ہے:

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ﴾ ”اور اگر وہ صلح و آشتی کی طرف مائل ہو جائیں تو آپ بھی مائل ہو جایئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے“ (انفال۶۱)

☆ اسلام جنگ میں مجاہدین کی تعداد پر بھروسہ و اعتماد نہیں کرتا بلکہ مجاہدین کی روح پروری، للّٰہیت، خیر و سعادت جیسے تقاضوں کے مطابق پرورش کرنے پر زیادہ زور دیتا ہے۔

☆ اسلام لشکر مجاہدین کے آپس میں اور رقائدین کے ساتھ زیادہ سے زیادہ روابط کے نظام کو ترجیح دیتا ہے اس عمل کی وجہ سے دشمن کے دلوں میں خوف پیدا ہوتا ہے جسکا ایک نمونہ صلح حدیبیہ ہے جہاں مشرکین مسلمانوں کی نگاہوں میں نبی کریمؐ کی مقام و منزلت کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے اور لڑنے سے پرہیز کیا جبکہ مجاہدین کے شکست کھانے اور مشرکین کی کامیابی کی تمام شرائط موجود تھیں۔

☆ اسلامی نقطہ نظر سے جہاد میں شرکت فروع دین میں سے ہے۔ معقول اور شرعی عذر کے تحت نماز، روزہ، حج اور زکات کے ساقط ہونے کی طرح فریضۂ جہاد بھی معذور افراد پر ساقط ہے۔ معذور افراد کو معافی ہے ورنہ تمام امت مجاہد ہے اگر کوئی بغیر کسی عقلی و شرعی عذر کے جہاد میں شرکت سے بہانہ جوئی کرے تو اسلام اسے اس دین کے ساتھ خیانت تصور کرتا ہے اور عتاب کا حکم سناتا ہے:

﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ ”اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا“ (توبہ۳۹) (توبہ۸۳، ۱۱۸)

”جنگ“ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے کلمات کی روشنی میں

کتاب شریف ”نہج البلاغہ“ میں ایک مکرر جملہ ”حرب“ ہے علیؑ فرماتے ہیں جنگ کا شریک کاٹنے والا ہے اسکی خواہش مصیبت ہے جنگ کا معنی خون و ہلاکت، دشمنِ حیات ہے۔ اسے وحشی انسان نے شریف انسان پر مسلط کیا ہے اگر مظلوم انسان خاموش رہے تو اس کا خون بہے گا اگر وہ مقابلے پر اتر آئے تو زیادہ خون بہہ جائے گا۔ خون کا تحفظ کرنا چاہیے خون بہنے نہیں دینا چاہیے اور بلا جواز تعدی و تجاوز کرنے والے کو روکنا چاہیے جنگ ہمیشہ ظالم کے خاتمے کیلئے ہونی چاہیے تا کہ مظلوم کو امان حاصل ہو سکے۔ جنگ فساد کو روکتی شر کی جڑ کو اکھاڑتی اور حیات کو بچاتی ہے اس کائنات میں دو خطوط ہیں ایک خطِ سعادت وسلام ہے جو عدل و مساوات اور خیر و محبت کی طرف جاتا ہے اور دوسرا خطِ شر ہے جو شقاوت، ظلم و استبداد، گروہ بندی بغض عناد اور

جنایت کی طرف جاتا ہے اہل خیر کی طبیعت ایسی نہیں ہوتی کہ وہ جنگ کی آگ روشن کریں۔

جنگی ہدایات

پیغمبر اسلامؐ نے اپنی امت کے جنگجوؤں اور سربراہان کیلئے اصولِ جنگ وضع فرمائے ہیں جن پر ہر مسلمان کا عمل پیرا ہونا ضروری ہے جیسا کہ روایت میں ذکر ہوا ہے

"میں تمہیں سفارش کرتا ہوں خدا سے ڈرو، اپنے اور مسلمانوں کے ساتھ نیک سلوک کرو جب بھی مسلمان نامِ خدا سے راہِ خدا میں نکلیں اور کافر سے جنگ لڑیں تو جنگ میں تعدی، تجاوز اور دھوکہ سے پرہیز کریں کسی بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کریں"

آپؐ ہمیشہ قائدین کو مندرجہ ذیل ہدایات دیتے تھے:

۱۔ جب تم مشرکین سے جنگ کرنے لگو اس بات کا خیال رکھنا اگر وہ قبول اسلام کریں تو جنگ سے ہاتھ روک لینا اگر وہ مہاجرین کی صف میں شامل ہو جائیں تو ان کیلئے وہی حقوق ہیں جو مہاجرین کیلئے ہیں۔

۲۔ اگر وہ اسلام میں داخل ہوں اور اپنے گھروں میں بیٹھنے کو پسند کریں تو ایسی صورت میں انہیں مسلمان بادیہ نشین کی حیثیت حاصل ہوگی اور ان پر اللہ کا حکم نافذ ہوگا لیکن انہیں مالِ غنیمت سے کچھ نہیں ملے گا۔

۳۔ اگر وہ اسلام قبول نہ کریں اور نہ ہی علاقہ چھوڑیں تو ان سے جزیہ لینا، اگر وہ جزیہ دینے کیلئے تیار نہ ہوں تو ان سے جنگ لڑنا اسی طرح اگر کوئی لوگوں کو مقابلے میں لڑنے سے روک رہا ہو تو اسے مت چھیڑنا لیکن اگر کوئی کسی کا دفاع کر رہا ہو تو اس کو تلوار سے روکنا۔ عورت، دودھ پینے والے بچے اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا اسی طرح درختوں کے کاٹنے اور کسی کے گھر کو گرانے سے پرہیز کرنا۔

مسلمانوں کے خلاف قریش کی فتنہ خیزیاں

۱۔ لوگوں کو جنگ کیلئے اکسانا

مشرکین مکہ نے اپنی طاقت و توانائی کے بل بوتے پر ہر قسم کے ظلم اور زیادتی کو مسلمانوں کے خلاف رواج دیا تھی کہ وہ اپنے جاہلانہ کینہ و بغض کی بنیاد پر نبی کریمؐ کی جان کے درپے ہوئے۔ ان کی زیادتیوں میں آئے دن اضافہ ہوتا چلا گیا جب مسلمانوں کو مدینہ میں اطمینان و سکون حاصل ہوا اور اوس و خزرج جیسے محافظ و مدافع ملے، اس وقت مشرکین مکہ نے مشرکین مدینہ کے رئیس عبداللہ بن ابی کو خط لکھا جس کی عبارت کچھ اس طرح تھی "تم نے ہمارے دشمن کو پناہ دی ہے اس سے جنگ لڑو اور اسے وہاں سے نکالو ورنہ خدا کی قسم ہم ایک بڑا لشکر لے کر تمہاری طرف آنے والے ہیں، تم سے جنگ لڑیں گے تمہارے جنگجوؤں کو قتل اور تمہاری عورتوں کی حرمت کو پامال کر ڈالیں گے" جب یہ خط عبداللہ بن ابی تک پہنچا تو اس نے اپنے مشرک بھائیوں کو اکھٹا کیا اور اپنے اندر کے کینہ کو مخفی رکھتے ہوئے پیغمبرؐ کے ساتھ جنگ کیلئے آمادہ ہوا جب آپؐ کو یہ خبر ملی تو اس سے

ملے اور فرمایا "سنا ہے تمہیں مشرکین نے دھمکی دی ہے اگر تم نے کوئی حرکت کی تو ان سے زیادہ تمہیں نقصان ہوگا تم اپنے بیٹوں اور اولاد کو قتل کرنے کیلئے اٹھ رہے ہو" جب عبداللہ بن ابی کے ساتھیوں نے یہ بات سنی تو منتشر ہوگئے لیکن اس کی حرکت سے واضح ہورہا تھا یہ قریش سے متفق ہے۔

۲۔حرم کی زیارت پر پابندی

مشرکین نے کوشش کی کہ پیغمبرؐ اور آپؐ کی حمایت کرنے والوں کو مسجد الحرام یا حج وعمرہ سے روکا جائے، سعد بن معاذ عمرہ کیلئے مکہ گئے اور امیہ بن خلف کے ہاں مہمان ٹھہرے، سعدؓ نے امیہ سے کہا کوئی مناسب وقت دیکھنا کہ میں طواف کرسکوں وہ انہیں دوپہر کے وقت لے گیا۔ راستے میں ابوجہل سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا یہ کون ہے۔

امیہ نے کہا یہ ابن معاذ ہے

ابوجہل نے ابن معاذ سے کہا سمجھتے ہو تم چین سے طواف کرو گے جبکہ تم نے منحرف لوگوں کو پناہ دی ہے اور ان کے معاون و مددگار بنے ہو اگر تم ابا صفوان کیساتھ نہ ہوتے تو سالم مدینہ واپس نہ جاتے

اس پر سعد نے بلند آواز سے کہا اگر تم نے ہمیں منع کیا تو ہم بھی تمہیں مدینہ کے راستوں سے روکیں گے۔

۳۔ مہاجرین کو دھمکی

قریش نے مہاجرینِ مدینہ کو کھلا خط بھیجا "تم یہ نہ سوچنا کہ ہمارے ہاتھوں سے بچ کر یثرب پہنچ گئے ہو ہم وہاں ہی تمہیں ختم کریں گے تمہارے گھر میں تمہارا جنازہ نکالیں گے"۔ مشرکین کی یہ دھمکی زبانی حد تک نہ تھی۔ پیغمبرؐ جانتے تھے قریش اس بارے میں سوچ رہے ہیں لہٰذا آپؐ چین سے نہیں سوتے تھے اور زیادہ تر بیدار رہتے تھے جیسا کہ عائشہؓ سے مروی ہے پیغمبرؐ مدینہ تشریف لانے کے بعد اکثر بیدار رہتے تھے۔

خداوند متعال کی جانب آپ کو کسی سے جنگ وتصادم کی اجازت نہیں تھی لہٰذا آپؐ نے اپنے ماننے والوں کو مشرکین کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم سے بچانے کیلئے حبش کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا پیغمبرؐ حبش کے علاوہ جزیرۂ عرب میں مسلمانوں کو بسانے کیلئے کسی جگہ کی تلاش میں تھے چنانچہ ایامِ حج میں خود کو قبائل وعشائرِ عرب کے سامنے پیش کرتے اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دیتے اس کے ساتھ ہی ان سے جائے پناہ مہیا کرنے کی بات بھی کرتے تھے۔

غزوات اور سرایا کے اہداف

مشرکین نے دیکھا کہ پیغمبر اسلامؐ جنہوں نے کل بے بسی و بے چارگی کے عالم میں مدینہ کے اندر پناہ لی تھی آج قریش کے بالمقابل کھڑے ہیں۔ وہ یہودیوں کو بے دخل اور راستوں کی ناکہ بندی کر رہے ہیں۔ اسی طرح لوگوں کو قتل اور اسیر کر رہے ہیں تو وہ یہ بات سوچنے پر مجبور ہوئے کہ آپؐ کے ساتھ واقعی ایک قدرت وطاقت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور اب کوئی قدم اٹھانے سے پہلے سوچنے کی ضرورت ہے۔ دوسری طرف تکبر وغرور ان قبیلوں پر چھایا ہوا تھا یا اپنے دشمن کو ضعیف اور کمتر سمجھتے تھے جو نبی پیغمبر

اسلامؑ کو پتہ چلتا یہ لوگ جمع ہوکر مدینہ پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں آپؐ ان پر ہجوم کرتے پیغمبر اسلامؐ کے یہ غزوات وسرایہ پہلے مرحلے میں مدینے کو بچانے کیلئے تھے اس حوالے سے ان جنگوں کے اہداف مندرجہ ذیل نکات میں پیش کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ دشمن کی ہر قسم کی سازش اور برے عزائم کو فوراً ناکام اور غیر موثر بنانا اور انہیں مایوس کرنا۔

۲۔ مشرکین سے نفسیاتی جنگ لڑنا تاکہ وہ دعوت اسلام کے راستے میں مائل نہ ہوں۔

۳۔ خود پیش قدمی کرتے ہوئے دشمن کے ساتھ مبارزہ کرنا کیونکہ جس شخص یا گروہ کے گھروں میں ہجوم کرنے والے داخل ہو جاتے ہیں وہ ذلیل ہوتا ہے انھیں تمام تیاریوں کے باوجود شکست ہوتی ہے اور تمام طاقت وقدرت کے باوجود انہیں گھروں میں دفنا دیا جاتا ہے تاکہ وہ دوبارہ کسی اقدام سے باز رہیں۔

۴۔ پیغمبرؐ قریش سے ایک تبلیغاتی جنگ لڑنا چاہتے تھے تاکہ یہ مغلوب ہونے کی وجہ سے آئندہ جنگ سے مایوس ہوجائیں۔

سرایا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ صرف اور صرف شام کی طرف قریش کی آمدورفت میں خلل ڈالنا چاہتے تھے اور اس دوران کسی کو قتل کرنے کے خواہاں نہیں تھے۔ آپ نے کسی بھی موقع پر قریشیوں کو بلا جواز قتل کرنے کا اشارہ تک نہیں کیا لیکن قافلے کو روک کر لوٹے جانے کی اپنی جگہ کئی وجوہات ہوسکتی ہیں:

☆ قریش کے روساء نے مہاجرین وانصار کی جائیداد اور دیگر اموال پر قبضہ کر رکھا تھا جسے ان سے چھڑانا ضروری تھا۔

☆ پیغمبر اسلامؐ کی دعوت کو اہل مکہ تک پہنچانے میں یہی طبقہ رکاوٹ بنا ہوا تھا۔

☆ اس طبقے نے مدینہ کے اندر مہاجرین وانصار میں خوف وہراس پھیلانے کیلئے متعدد بار شب وخون مارا۔

☆ مکہ کے گردونواح میں مقیم قبائل وعشائر کی نظریں قریش پر جمی ہوئی تھیں کیونکہ ان کی طاقت وقدرت ان قبائل کیلئے حوصلہ افزائی کا سبب تھی اور پیغمبرؐ ابھی اتنے طاقتور نہیں تھے کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کیلئے آمادہ ہوں۔ آپ کسی بھی معرکے کیلئے مہاجرین کو اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے کیونکہ بنیادی طور پر مہاجرین قریش کے ظلم وستم کا نشانہ بنے تھے۔ پہلی بار آپ نے کچھ انصار کو ان کے خواہش پر اپنے ہمراہ لیا۔ صحابہ کرامؓ کا موقف تھا کہ قریش نے مسلمانوں کے مال پر قبضہ کر رکھا ہے لہٰذا ہم اپنے مال کے بدلے ان کے قافلے کو لوٹ لیں۔ پیغمبرؐ کا لشکر محدود افراد پر مشتمل تھا جو کہ صرف اور صرف قریش کے قافلے کو روکنے کی حد تک موزوں تھا۔

اذنِ جنگ

پیغمبرؐ مکے میں جنگ سے گریز فرماتے تھے بارہویں سال بیعتِ عقبہ دوم کے بعد مشرکینِ قریش نے آپؐ کی بیعت کرنے والوں کا پیچھا کیا جس پر بیعت کرنے والوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ ہمیں مشرکین سے جنگ لڑنے کی اجازت دی جائے لیکن رسول اسلامؐ نے اجازت نہ دی۔ قریش کے مظالم کی ایک کڑی مسلمانوں کا خون بہانا تھا کہتے ہیں پہلی بار راہِ خدا میں بہنے والا خون سعد بن ابی وقاص کا تھا، وہ نماز میں مصروف تھے تو بعض مشرکین نے انھیں تکلیف پہنچائی تو انہوں نے ایک

پتھر مارا جو کسی مشرک کے سر پر جا لگا۔ جب یہ خبر رسول اسلامؐ کو ملی تو آپؐ نے درگاہِ خدا میں دعا کی کہ قریش کے ساتھ جنگ کی اجازت مل جائے لیکن انتہائی دشمنی کے باوجود جنگ کی اجازت نہ ملی۔ جب پیغمبرؐ اور مسلمانوں نے مدینے کی طرف ہجرت کی تو مسلمان خانہ و آشیانہ اور اپنا مال و اسباب سب کچھ مکہ میں چھوڑ گئے وہ مدینے میں بے سروسامانی کے عالم میں انصار کے اوپر ایک بوجھ کی زندگی گزار رہے تھے، اس کے باوجود مشرکین ان کے پیچھے پڑے تھے۔ انکا خیال تھا محمدؐ کو مدینے میں اگر امن و سکون ملے گا تو ہمارے لئے خیر نہیں چنانچہ انہوں نے وہاں بھی پیغمبرؐ کا پیچھا کیا۔ یہود اور منافقین کو اُکسایا تا کہ رسولؐ سے جنگ لڑیں۔ اس پُر آشوب، بے چینی اور کرب و اضطراب کے دور میں ہر آئے دن قریش کی طرف سے مسلمانوں کو دھمکیاں مل رہی تھیں رسول اسلامؐ نے خدا سے دست بستہ دعا کی یہاں تک کہ اذنِ جہاد کا حکم نازل ہوا، مفسرین میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلی آیہ جہاد کونسی ہے بعض کا کہنا ہے یہ سورۂ حج کی آیات ٣٩ اور ٤٠ آیت ہے بہرحال ہجرت کے دوسرے سال آیت جہاد نازل ہوئی۔ خداوند متعال نے پیغمبر اسلامؐ کو جنگ لڑنے کی اجازت دی:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ ''جن لوگوں پر جنگ مسلط کی جائے انھیں دی گئی ہے کیونکہ وہ مظلوم واقع ہوئے ہیں'' (حج ٣٩) ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں'' (حج ٤١)

مشرکین سے لڑنے کیلئے طاقت و قدرت کا حصول ضروری تھا کیونکہ قریش اپنی تمام طاقت و قدرت اور سرکشی کے ساتھ لڑنے کیلئے آمادہ تھے۔ مسلمان سوچ رہے تھے آیا پیغمبرؐ انصار و مہاجرین کو ساتھ لے جا کر مکہ میں ان سے لڑیں گے یا اپنے گھروں سے دفاع کریں یا پھر ان کے نکلنے سے پہلے ان کے مفادات کو روک کر انہیں ہمیشہ کیلئے سوچنے پر مجبور کر دیں گے!

تاہم اس حوالے سے پیغمبرؐ کے پاس چند زاویے موجود تھے:

١۔ مدینہ کے اطراف و اکناف میں بسنے والوں کو قائل کرنا کہ وہ ایک دوسرے پر تعدی و تجاوز نہ کریں۔

٢۔ مکے بعد دیگر مشرکین کا راستہ روکنے کیلئے گروہ روانہ کرنا تا کہ راستے کے حوالے سے رکاوٹیں پیدا کی جائیں تاہم یہاں سے جنگ کا سلسلہ چل نکلا، دونوں طریقوں پر عمل کرتے ہوئے آپؐ نے ایک قسم کی تمہیدی تیاری اور نقل و حرکت کا آغاز کیا لیکن ضروری تھا مدینہ کے گرد و نواح میں موجود راستوں کی معلومات حاصل کی جائیں تا کہ پتہ چل سکے کہ اہل مکہ کس راستے سے آتے جاتے ہیں؟ تمہیدی تیاری میں چند شقّیں شامل تھیں:

الف۔ راستے میں موجود عشائر و قبائل کے ساتھ عہد و پیمان باندھا جائے۔

ب۔ گرد و نواح میں موجود مشرک عرب آبادکاروں کو یہ باور کرایا جائے کہ مسلمان طاقتور اور قدرتمند ہیں اور اب وہ پہلے والے ضعیف و ناتواں مسلمان نہیں رہے۔

ج۔اس نقل وحرکت کے ذریعے قریش کو دھمکایا جائے تا کہ ان کی شرارتوں میں اضافہ نہ ہونے پائے۔اسی طرح انہیں احساس ہو جائے کہ اگر ہم نے کوئی غلطی کی تو اس کے نتیجے میں ہمارے ہی اقتصاد کو دھچکا لگے گا۔

ان تمام باتوں کا مقصد یہ تھا:

☆ مشرکین مدینہ پر حملہ کرنے سے باز رہیں۔

☆ خانہ خدا میں جانے کا راستہ نہ روکیں۔

☆ مکہ میں موجود نو وارد مسلمانوں کو اذیت نہ پہنچائیں۔

☆ مسلمان جزیرۃ العرب میں دعوت کو پر سکون انداز میں پہنچا سکیں۔اس سلسلے میں کی جانے والی مساعی و کوششوں اور تمہیدی و عسکری لشکر کو ارباب سیرت نے سریہ سیف البحر کا نام دیا ہے۔

سریہ سیف البحر۔ا ہجری

پہلی ہجری کو پیغمبرؐ نے حمزہؓ بن عبدالمطلب کو ۳۰ مہاجرین کے ساتھ شام سے آنے والے ایک قریشی قافلے کے بارے میں پتا لگانے کیلئے فرمایا۔یہ قافلہ ابو جہل کی قیادت میں تین سو آدمیوں پر مشتمل تھا۔اس جنگ میں پرچم سفید تھا جس کے علمبردار حمزہؓ بن عبدالمطلب تھے جبکہ اسے اٹھانے والے ابا مرثدؓ کناز بن حصین غنوی تھے۔دونوں کا آمنا سامنا سیف البحر کے مقام پر ہوا۔ مجدی بن عمرو جہنی جو مسلمانوں اور قریش کا حلیف تھا اس نے درمیان میں آکر جنگ نہ ہونے دی۔

غزوہ ودان ۲ ہجری

ودان ودّ سے ہے جس کا معنی محبت ہے، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جہاں سے ابواء آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے یہ جگہ جحفہ کے قریب ہے اس علاقے میں بنی ضمرہ، غفار اور کنانہ سے تعلق رکھنے والے قبائل رہتے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ ہجرت کے ۱۲ مہینے گزرنے کے بعد صفر کے مہینے میں ستر مہاجرین کے ہمراہ قریش کے ایک قافلے کے تعاقب میں نکلے۔یہ قافلہ ابو سفیان کی قیادت میں شام سے واپس مکہ جا رہا تھا۔آپ نے مدینہ میں سعدؓ بن عبادہ کو جانشین بنایا اس سفر میں آپ کے پرچم دار حمزہؓ بن عبدالمطلب تھے۔

اسی غزوے میں آپؐ نے بنی ضمرہ سے معاہدہ کیا۔معاہدے میں یہ طے پایا کہ وہ آپ سے جنگ کریں گے نہ آپؐ کے کسی دشمن کی مدد کریں گے۔اگر وہ کسی موقع پر پیغمبرؐ سے اپنے دشمن سے مقابلہ کرنے کیلئے نصرت کی درخواست کریں گے تو آپ ان کا ساتھ دیں گے،اس معاہدے پر ان کے رئیس عمرو بن مخشی الضمری نے دستخط کیے۔معاہدہ کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمدؐ بن عبداللہ کی طرف سے بنی ضمرہ کیلئے تحریر ہے کہ وہ اپنی جان اور مال کے بارے میں مامون رہیں گے اس شرط کے تحت کہ وہ دین خدا کی مخالفت نہیں کریں گے اور جب پیغمبرؐ اپنی مدد کیلئے آواز دیں گے تو انھیں آنا ہوگا۔

اس سفر کے دوران آپؐ پندرہ راتیں مدینہ سے باہر رہے۔

غزوہ بواط ۔۲ ہجری

اس غزوہ کیلئے آپؐ ہجرت کے دوسرے سال گزرنے کے بعد نکلے۔آپؐ نے مدینے میں سعدؓ بن معاذ کو اپنا جانشین بنایا۔اس جنگ میں آپؐ کے پرچمدار سعدؓ بن ابی وقاص تھے۔آپؐ دو سو صحابہ کی معیت میں قریش کے سو افراد پر مشتمل قافلے کو روکنے کیلئے نکلے جس کی قیادت امیہ بن خلف جمحی کر رہا تھا لیکن کوئی نتیجہ سامنے نہ آیا۔

غزوہ بدر اولیٰ یا غزوہ سفوان ۔۲ ہجری

رئیس مشرکین کرز بن جابر فہری نے مدینہ سے تین میل دور ایک چراگاہ پر چند مشرکین کے ساتھ چھاپہ مارا اور کچھ مویشی لوٹ لئے جب آپ کو اس کی لوٹ مار کی اطلاع ملی تو آپ ۷۰ صحابہ کے ساتھ اس کی تلاش میں بدر کے قریب وادی سفوان تک تشریف لے گئے لیکن کرز بن جابر وہاں سے آگے نکل چکا تھا لشکر بغیر ٹکراؤ کے واپس آ گیا۔اس غزوہ میں آپؐ کے پرچمدار علی ابن ابی طالبؑ تھے۔مدینے میں آپؐ نے اپنا آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ کو جانشین چھوڑا۔

غزوہ عشیرہ ۔۲ ہجری

پیغمبرؐ کو اطلاع ملی کہ قریش کا تجارتی قافلہ مکہ سے شام کی طرف جا رہا ہے جو اپنی سابقہ روش پر مدینہ کے قریب سے گزرے گا۔اس قافلہ کے اموال میں تمام قریشیوں کا حصہ تھا کہتے ہیں اس قافلے کے پاس پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار اونٹ تھے۔جسکی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی،جبکہ کاروان کے ساتھ ۲۰ سے ۲۵ محافظ تھے جن میں مخرمہ بن نوفل اور عمر بن عاص بھی شامل تھے۔پیغمبرؐ اس قافلہ کے اموال پر قبضہ کرنے کیلئے ۲۰۰ مہاجرین کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے،مدینہ میں آپ نے اباسلمہؓ بن عبدالاسود کو جانشین بنایا اس غزوہ میں آپ کے پرچم بردار حمزہؓ بن عبدالمطلب تھے جب آپؐ مقام عشیرہ (مدینہ اور ینبع کے درمیان نو ۹ منزل فاصلہ ہے) پر پہنچے تو خبر ملی کہ قافلہ نکل چکا ہے۔آپؐ نے واپسی پر بنو مدلج اور ان کے حلیفوں کے ساتھ معاہدہ کیا۔آپ کا یہ خروج بعد میں غزوۂ عشیرہ یا عسریہ کے نام سے معروف ہوا پیغمبرؐ مدینہ میں قافلے کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔

سریہ عبداللہؓ بن جحش (سریہ نخلہ) ۔۲ ہجری

تاریخی کتب سیرت و تاریخ کے مطابق پیغمبر اسلامؐ نے اپنے صحابی عبداللہؓ بن جحش کو بارہ افراد (مہاجرین) پر مشتمل وفد کی قیادت دے کر مدینہ سے باہر روانہ کیا۔اس موقع پر عبداللہؓ کو ایک خط دیتے ہوئے نبی کریمؐ نے فرمایا کہ مدینہ سے دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد اس خط کو کھولا جائے اور اس میں تحریر کی گئی ہدایات پر عمل درآمد کیا جائے۔عبداللہؓ بن جحش مدینہ سے نکلے،جب دو دن کی مسافت طے کر کے ایک مقام پر خط کھولا تو اس میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلستان میں قیام کریں جہاں سے قریش کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔عبداللہؓ بن جحش نے خط کا مضمون دیکھنے کے

بعد اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ خط میں ہمیں نخلے کے اندر جا کر قریشیوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ میں سے کسی کو بھی اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کروں۔عبداللہؓ بن جحش کی باتوں سے کسی نے اختلاف نہ کیا۔اس کے بعد انھوں نے اپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ نخلستان جانے کا فیصلہ کیا۔جب یہ لوگ مقام حران پہنچے تو سعد ابن ابی وقاص اور عتبہ بن غذوان اپنے اونٹوں کی تلاش میں قافلہ سے پیچھے رہ گئے۔جس کے نتیجے میں دونوں قریش کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔جب عبداللہ اپنے بچے کچے ساتھیوں کے ہمراہ نخلہ پہنچے تو قریش کا تجارتی قافلہ گزرا جس میں عمرو بن حضرمی، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ، اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ اور حکم بن کیسان شامل تھے۔جب قریش نے عبداللہ اوران کے ساتھیوں کو دیکھا تو خوف زدہ ہوگئے کیونکہ عبداللہ کے ساتھوں میں سے کسی نے سر منڈ والیا ہوا تھا جسے دیکھ کر قریش کے قافلے نے سکھ کا سانس لیا کہ یہ عمرہ کرکے واپس جانے والے لوگ ہیں۔ادھر عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے صلاح مشورہ شروع کیا کہ قریش کے قافلے پر حملہ کیا جائے یا نہیں مسلمان رجب کی آخری یا شعبان کی پہلی تاریخ کے بارے میں متردد تھے کہ اگر جنگ کی تو مہینے کا احترام نہیں رہے گا اور نہ کی تو کاروان حرم میں داخل ہوجائے گا۔انھوں نے موقع کو غنیمت جان کر قریشی قافلے پر ہلہ بولنے کا فیصلہ کیا، یوں ان کا سب سے پہلا نشانہ عمرو بن حضرمی بنا جو موقع پر مارا گیا دو آدمیوں کو گرفتار کرلیا گیا تاہم نوفل بن عبداللہ فرار ہونے میں کامیاب ہوا۔عبداللہؓ اسیروں اور مال غنیمت کو لے کر مدینہ میں پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں پہنچے۔حیات محمدؐ کے مولف لکھتے ہیں کہ اس سریہ میں پہلی مرتبہ مال غنیمت حاصل ہوا، عمرو بن حضرمی پہلا مقتول جبکہ عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان مسلمانوں کے ہاتھوں پہلے اسیر بنے، صحابہ جب واپس مدینہ آئے تو پیغمبرؐ نے عبداللہؓ سے فرمایا کہ میں نے تمہیں کسی کو قتل کرنے کی ہدایت نہیں دی تھی۔تم نے حرام مہینوں میں قتل کیوں کیا یہ کہہ کر آپ نے مال غنیمت اور اسیروں کو قبول کرنے سے انکار کردیا جبکہ دوسرے مسلمانوں نے بھی عبداللہ کی حرکتوں کی مذمت کی، دوسری جانب قریش نے پیغمبرؐ اور مسلمانوں کی جانب سے ان کے قافلے پر حملے کی مذمت کو غنیمت سمجھ کر خود پیغمبرؐ پر الزام تراشی کا سلسلہ شروع کردیا۔انھوں نے آپؐ پر الزام لگایا کہ محمدؐ نے حرام مہینوں کی حرمت کو پائمال کیا ہے، لوگوں سے مال چھینا اور انسانوں کو اسیر بنایا ہے۔یہود بھی پیغمبر اسلامؐ پر الزام تراشی کے دوڑ میں شامل ہوگئی۔جب مشرکین اور یہودیوں کی جانب سے نبی کریمؐ کے خلاف مہم سرگرم ہونے لگی تو خداوند متعال نے قریش، یہودیوں اور منافقین کے اس پروپیگنڈے پر آیت نازل کی:

﴿یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ كَبِیْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ ''لوگ آپ سے ماہ حرام میں لڑائی کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دیجئے: اس میں لڑنا سنگین ہے لیکن راہِ خدا سے روکنا اللہ سے کفر کرنا ‛مسجد الحرام کا راستہ روکنا اور حرم کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک زیادہ سنگین جرم ہے اور فتنہ انگیزی خونریزی سے بھی بڑا گناہ ہے'' (بقرہ ۲۱۷)

جس میں پیغمبرؐ کیلئے قریشی قافلے کے مال غنیمت اور اسیروں پر ولایت دی گئی۔ادھر قریش نے اپنے اسیروں کی رہائی

کے سلسلے میں دو افراد کو پیغمبر اسلامؐ کے پاس بھیجا تو آپؐ نے فرمایا "جب تک قریش سعد بن ابی وقاص اور عتبۃ بن غذوان کو رہا نہیں کریں گے ہم بھی ان کے اسیروں کو آزاد نہیں کریں گے" مشرکین نے مسلمان اسیروں کو رہا کیا تو ان کے اسیروں کو آزاد کردیا گیا۔ آیت کے نزول اور پیغمبرؐ کے فیصلے سے اسلام کے جنگی اہداف او راصول خط جلی میں واضح ہو گئے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جنگ کے بارے میں کفار و مشرکین کیا کے اہداف تھے اور اسلام کے جنگی اہداف کیا تھے۔

مشرکین کے جنگی اہداف درج ذیل ہیں:

۱۔ اسلام اور نبی کا خاتمہ کرنا، جس کیلئے انکی راہ میں زمان و مکان کی کوئی رکاوٹ حائل نہیں تھی اور اپنے مخالفین کو قتل کرنے کیلئے ہر قسم کا جواز بناتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں بلد حرام میں مسلمانوں کی مار پیٹ کی اور سُمیہؓ کو قتل کیا۔

۲۔ چالیس جنگجوؤں نے پیغمبر اسلامؐ کو اپنے گھر میں ٹکڑے ٹکڑے کرنے کیلئے تلواریں لہراتے ہوئے گھر کا محاصرہ کیا۔

۳۔ یہ اعلان جاری کیا محمدؐ اور ابو بکرؓ جہاں بھی ملیں انھیں قتل کردیا جائے او راس کام کیلئے دونوں کے سر کی قیمت سو اونٹ ہے۔

۴۔ سعد بن وقاص اور عتبۃ بن غزوان کو بلا جواز گرفتار کیا۔

۵۔ مسلمانوں کو مکہ میں پابند سلاسل رکھا۔

۶۔ مسلمانوں کی جائیدادوں پر قبضہ کیا۔

اسلام کے اہداف درج ذیل ہیں:

۱۔ اسلام کا شروع دن سے یہ موقف رہا ہے کہ اگر اسکا پیغام پہنچانے کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے تو وہ کسی بھی حوالے سے تشدد کا حامی و داعی نہیں ہے بلکہ اس کا مخالف ہے۔

۲۔ اسلام امن پسندی کا خواہاں ہے مکہ میں تمام ظلم و اذیت اور آزاد برداشت کرنا حبش اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنا اور سرایا میں کسی کو قتل کرنے سے منع کرنا اسلام کے امن پسند ہونے کی واضح دلیل ہے۔

غزوہ بدر کبریٰ۔۲ہجری

بدر ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔یہ وہ مقام ہے جہاں پیغمبرؐ، آپؐ کے اصحاب اور مشرکین کے مابین پہلی معرکہ خیز جنگ ہوئی۔

قرآن کریم کے سورہ مبارکہ آل عمران کی آیت ۱۲۳ میں بھی اسکا ذکر آیا ہے:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ ''جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد فرمائی تھی جبکہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے''

اس جگہ کو بدر کہنے کی مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

۱۔کتاب موسوعہ علم تاریخ مولف دکتور رفیق العجم لکھتے ہیں مکہ اور مدینہ کے درمیان چند کنویں ہیں ایک کنویں کا نام بدر ہے جس کی وجہ سے اس مقام کو بدر کہا جاتا ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں قریش کے تجارتی قافلے شام جاتے وقت قیام کرتے تھے۔

۲۔صاحب روض الانف ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ بدر قبیلہ بنی غفار کے خاندان بنی نجار کے ایک شخص کا نام تھا۔

۳۔صاحب صحاح اللغۃ نے کہا ہے بدر کے معنی پُر ہونے کے ہیں، کسی چیز کا بھر جانا، اگر کوئی چشمہ پر ہو تو اسے عین بدر کہتے ہیں

۴۔بعض نے کہا بدر کے معنی سبقت کرنے کے ہیں یعنی اپنی طاقت وقدرت کو دوسروں سے سبقت حاصل کرنے پر صرف کیا جائے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا﴾ ''اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کر دو'' (نساء:۶)

۵۔ چودھویں رات کے چاند کو بدر کہتے ہیں کیونکہ اس رات چاند پورا اور اُبھرا ہوتا ہے۔

۶۔ بدر ایک مشہور چشمہ ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان وادی صفراء کے نیچے دریا کے ساحل کے نزدیک ہے۔

۷۔ بعض نے کہا اس کو بدر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جگہ بدر ابن مخلد بن کنانہ سے منسوب ہے۔

۸۔ بعض کا کہنا ہے یہ یہاں قیام پذیر ایک شخص کا نام ہے جسکا تعلق بنی ضمرا سے تھا۔

غزوۂ بدر کے حوالے سے کتبِ تاریخ میں تین واقعات ذکر ہوئے ہیں:

الف۔غزوہ بدر اولیٰ یا صفراء

ب۔غزوہ بدرِ کبریٰ، یہ جنگ ہجرت کے دوسرے سال واقع ہوئی۔

ج۔غزوہ بدر موعد، ابوسفیان نے غزوۂ احد کے خاتمے پر یہاں آنے کی دھمکی دی تھی حسبِ وعدہ لشکرِ اسلام اور لشکرِ مشرکین جمع ہوئے لیکن خشک سالی کو جواز بنا کر ابوسفیان جنگ لڑے بغیر واپس چلا گیا۔اس جگہ پر مشرکین اور مسلمانوں کے

درمیان سب سے پہلی معرکہ خیز جنگ ۲ ہجری ۱۷ رمضان المبارک بروز جمعہ لڑی گئی۔ اس جنگ کو قرآن میں جنگ فرقان کہا گیا ہے کیونکہ حق اور باطل کے درمیان یہ سب سے پہلا جنگی معرکہ تھا۔

مکانِ جنگ

مقامِ بدر، مدینہ کے جنوب سے ۹۶ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مشرکین مکہ کے شمال سے ۱۸۸ میل کا فاصلہ طے کر کے یہاں آئے تھے۔ کیا یہ رائے قابل ہضم ہے کہ پیغمبر اسلامؐ اور آپؐ کے پیروکاروں کو چاہیے تھا وہ اپنے گھروں میں ہاتھ باندھ کر بیٹھے رہتے اور مشرکینِ مکہ تکبر وغرور اور تمام وسائلِ جنگ کے ساتھ مدینہ میں داخل ہو کر آپؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کو قتل کرتے یا اسیر کر کے مکہ لے جاتے۔

دونوں کے اہداف

دونوں گروہوں کے اہداف درج ذیل تھے:

۱۔ مشرکین کا ہدف۔ مشرکین اپنی شام کی طرف آمد و رفت کو تحفظ دینا چاہتے تھے جو انکی تجارت کا سبب تھی۔

۲۔ مسلمانوں کا ہدف۔ قریش کے تجارتی قافلے پر قبضہ اور ان کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کرنا تھا تاکہ وہ مسلمانوں کی دعوت کے فروغ میں حائل نہ ہوں۔

یہاں اسلام کے گرویدہ و عاشق اور اسلام کے خلاف نقد و تنقید کو ہوا دینے والوں کی طرف سے دو اہم سوال ابھر سکتے ہیں اور ایسا ہوا بھی ہے:

الف۔ دین اسلام خود کو امن و آشتی اور سلامتی کا علمبردار سمجھتا ہے اسی طرح قتل و غارت گری، دھوکہ دہی، چوری اور لوٹ مار جیسی کاروائیوں سے "جو کہ دور جاہلیت میں عرب کے بدو کیا کرتے تھے" خود کو دور رکھتا ہے ایسے مرحلے میں اس نے اپنی دعوت کا آغاز لوٹ مار اور چوری سے کیسے کیا؟

ب۔ دین اسلام میں خودکشی حرام ہے جیسا کہ قرآنی آیت بھی ہے:

﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ "اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو" (بقرہ ۱۹۵)

دشمن سے ہر قسم کی طاقت وقدرت حاصل کرنے کے بعد لڑنے کا حکم آیا ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ "تم ان کے مقابلے کیلئے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری اور گھوڑوں کے لئے تیار رکھنے کی کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو" (انفال ۶۰)

اس مرحلے پر کسی قسم کی طاقت وقدرت کیوں نظر نہیں آتی ہے بلکہ اسلام کا لشکر تعداد کم ہونے کے ساتھ نہتا بھی تھا اور اس کے مدمقابل ایک ہزار کا لشکر تھا لہٰذا اتنی کم تعداد کا ایک بڑے لشکر سے نبرد آزما ہونا خودکشی کے مترادف ہے۔

ان دونوں سوالات کا جواب ہم دیں گے لیکن سائل سے ہمارا بھی ایک سوال ہے، یہاں نہ خودکشی واقع ہوئی اور نہ طاقت

والے کمزور پر غالب آئے بلکہ حساب الٹا ہوا، ایسا کیوں ہوا؟ اس بات پر سائل سے غور کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

جنگ بدر کا تجزیہ و تحلیل

جنگ بدر تاریخ اسلام کی سب سے پہلی جنگ ہے۔ مسلمانوں نے ابتداء میں اپنی دعوت کے ۱۵ سال ظلم و ستم اور جنایت کے مراحل میں گزارے پھر سرزمین مدینہ میں مومنین کیلئے ایک الگ بستی و معاشرہ قائم کر کے اپنوں اور غیروں سب کے ساتھ ظلم و ستم کو ممنوع قرار دیا۔ اس طرح ایک نو مولود نظام زندگی کا اعلان ہوا لیکن اچانک جنگ بدر کا سانحہ پیش آیا۔ اس جنگ میں ایک ضعیف و ناتواں اور قلیل گروہ کا ایک کثیر گروہ کے ساتھ مقابلہ تھا جو ہر قسم کے جنگی وسائل و ذرائع کے ساتھ مسلح تھا، یہ جنگ کیونکر اور کیسے رونما ہوئی؟ یہ جنگ ابتدائی مراحل میں مشرکین مکہ کی طرف سے مدینہ پر اچانک ہجوم کا نتیجہ تھی کیونکہ وہ ایک لمبی مسافت طے کر کے مسلمان نشین علاقوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ آیا یہ اقدام مشرکین مکہ کی طرف سے تھا یا پیغمبرؐ اور مسلمان جنگ کیلئے بہانہ جوئی کر رہے تھے ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات حقیقت کے قریب ہے اس کو جاننے کیلئے ان حقائق پر غور و خوض کرنا ضروری ہے:

۱۔ آیا دین مقدس اسلام پیری و مریدی جیسی روش کی مانند ایک مذہب ہے یا کسی قبیلہ و گروہ کے خواب و خیال کا نتیجہ ہے نہیں ہرگز ایسا نہیں بلکہ دین اسلام ایک عالمی و انسانی مذہب ہے جسے پوری دنیا تک پہنچانا ضروری ہے تاکہ تمام لوگ اس سے مستفید ہوسکیں، اس کی نعمتوں، اصول و فروع اور اخلاق سے ہر شہر کا انسان بہرہ مند ہو سکے۔ اس دین کو اپنے محل سے نکال کر دوسروں تک پہنچانے کیلئے وسائل و ذرائع درکار تھے اور ان تمام وسائل و ذرائع میں حائل موانع کو رفع کرنے کی ضرورت تھی سب سے پہلا موانع و رکاوٹ مشرکین مکہ تھے جو آئے دن اس سوچ میں تھے کہ کس طرح محمدؐ اور ان پر ایمان لانے والوں کو مدینہ کی چار دیواری سے بے دخل کر کے صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دیا جائے۔

۲۔ مشرکین مکہ پہلے سے ہی کمزور ونا تواں مسلمانوں کو محبوس کرنے کے ساتھ ہجرت کرنے والوں کے خانہ و آشیانہ اور اموال پر قبضہ کئے ہوئے تھے۔ کیا اسلام عزتِ نفس اور ناموس سے دفاع کرنے کے بارے میں کوئی تصور یا لائحہ عمل نہیں رکھتا ہے؟

۳۔ گرچہ مسلمانوں نے مشرکین کے اموال پر قبضہ کرنے اور ان کے لشکر کو روکنے کی کوشش کی لیکن مشرکین نے مسلمانوں کو آئندہ خطرات سے روکنے اور متنبہ کرنے کیلئے لشکر کشی کی تاہم ان حقائق تک پہنچنے کیلئے بہت سے نقاط پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

قریش سے جنگ کی تیاری اور آمادگی

غزوہ عشیرہ کے موقع پر ابوسفیان کا تجارتی قافلہ نکل جانے کے بعد آپ مدینہ میں اس کی واپسی کا انتظار کرتے رہے اس کام کیلئے آپؐ نے اپنے خبر رساں افراد کو روانہ کیا جونہی آپؐ کو خبر ملی قافلہ واپس آ رہا ہے تو آپؐ نے فرمایا "جس کے پاس سواری ہے وہ ہمارے ساتھ نکلے" لہٰذا جس کے پاس سواری تھی وہ قافلہ قریش کو روکنے کیلئے پیغمبرؐ کے ساتھ ان کا اسلحہ، تلوار، گھوڑا اور اونٹ جن جن کے پاس تھا وہ اس لشکر میں شامل ہوئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی افرادی قوت ۳۰۵ جبکہ بعض کے مطابق

۳۱۵ مہاجرین وانصار پر مشتمل تھی لیکن یہ لشکر کم ہوکر (۳۰۵) رہ گیا چند افراد پیغمبرؐ کے ساتھ نہ جا سکے اس میں مہاجرین سے عثمان بن عفان، طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید جبکہ انصار سے ابولبابہ بن منذر اوسی، عاصم بن عدی، حارث بن حاطب عمری، حارث بن صمعہ، خوات بن جبیر اور عمرو بن عوف شامل تھے۔ مسلمانوں کے جنگی وسائل اور جنگ کے زمان و مکان سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ اس جنگ میں پہل مسلمانوں نے کی یا مشرکین نے۔

مسلمانوں کے پاس دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے ایک اونٹ پر تین یا چار افراد باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایک اونٹ پر علیؑ اور مرشد بن ابی مرشد غنوی باری باری سوار ہوتے، ایک اونٹ پیغمبر اسلامؐ اور دو اور آدمیوں کیلئے تھا پیغمبرؐ کے ہم سفروں نے کہا آپؐ اونٹ سوار ہوکر تشریف لے جائیں ہم دونوں پیدل آئیں گے، آپؐ نے ان سے فرمایا نہ تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقتور ہو نہ ہی میں تم دونوں سے زیادہ اجر وثواب میں بے نیاز ہوں۔

لشکر اسلام کی روانگی

پیغمبرؐ ۸ رمضان المبارک ۲ ہجری کو مدینہ سے نکلے آپ نے مدینہ میں انتظام وانصرام کی ذمہ داری ابولبابہ بن عبد المنذر کے سپرد کی اور نماز پڑھانے کیلئے عبد اللہ بن ابی مکتوم کو معین کیا۔ پیغمبرؐ اور مسلمان قریش کے قافلے کو روکنے کیلئے جلدی میں تھے۔ دوسری جانب تجارتی قافلہ مدینہ کی گزرگاہوں کے رخ پر چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

ابوسفیان مقام روحا پر

ابوسفیان جب روحا پہنچا تو وہاں مجدی بن عمرو جہنی موجود تھا۔ ابوسفیان نے اس سے حضرت محمدؐ کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو اس نے گول مول جواب دیا جس سے یہ مطمئن نہ ہوا اور اِدھر اُدھر جھانکنا شروع کردیا اسے یہ خوف لاحق تھا کہ اچانک مسلمانوں کی گرفت میں نہ آجائے۔ اس نے مجدی سے ایک بار پھر استفسار کیا کہ یہاں سے کوئی شخص یا گروہ تو نہیں گزرا؟ مجدی نے کہا کہ میری موجودگی میں یہاں سے کوئی نہیں گزرا البتہ ٹیلے کے پاس میں نے دو سوار دیکھے جنھوں نے اپنے جانور بٹھائے تھے وہ تھوڑی دیر رکنے کے بعد چلے گئے۔ ابوسفیان نے وہاں جاکر اونٹ کی مینگنیاں توڑیں تو اس میں سے کھجور کی گٹھلی نکلی ابوسفیان نے کہا کہ یہ یثرب کا چارہ ہے پھر اس نے وہاں سے کاروانی شاہراہ پر جانے کی بجائے اپنا رخ ساحل کی طرف موڑا۔

قافلہ ابوسفیان لوٹنے کا واویلا

ابوسفیان جب بحر احمر کے ساحل پر پہنچا تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو ۲۰ مثقال سونا دے کر بکران کیساتھ مکہ بھیجا تا کہ قریش کی مدد حاصل کی جاسکے۔ جب یہ شہر میں داخل ہوا تو اس نے اپنے اُونٹ کی ناک چیری کر کے زین کو اُلٹا دیا' اپنے قمیض کو آگے پیچھے سے چاک کرکے مکہ میں داخل ہوتے ہوئے الغوث......الغوث...... کہہ کر چیخنا اور یہ کہنا شروع کردیا کہ اے قریش! تمہارا مال وسامان جو ابوسفیان کے ساتھ ہے اس کی لوٹ مار ہونے والی ہے اور اُمید نہیں کہ تم لوگ اس کی فریاد کو پہنچو گے۔

جیش مکہ کی روانگی

مکہ میں ضمضم کی چیخ وپکار پر اُودھم مچ گیا اور قریشیوں میں افراتفری پیدا ہوگئی۔اس موقع پر سہیل بن عمرو اٹھا اور قوم سے مخاطب ہوکر کہا"محمدؐ اوران کے اصحاب سے تمہارے قافلے کوخطرہ لاحق ہے،جس کسی کے پاس سواری ہو وہ فوراً قافلے کو بچانے کیلئے تیار ہوجائے۔زادراہ میں دینے کیلئے تیار ہوں"۔زمعہ بن الاسودلات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہنے لگا"محمدؐ اوران کے ساتھی تمہاری قوم کی پوری کمائی لوٹ رہے ہیں لہٰذا اگر محمدؐ نے ایک دفعہ غلبہ حاصل کیا تو وہ تمہارے گھروں تک بھی پہنچ جائیں گے"۔

طعیمہ بن عدی نے چیختے ہوئے یہ کہا"تمھیں اس سے بڑی مصیبت نہیں آئے گی تمہاری عزت ومقام اسی قافلے کو بچانے میں ہے"حنظلہ بن ابی سفیان اور عمرو بن ابی سفیان غیر متوقع طور پر خاموش تماشائی بنے رہے تو کسی نے ان سے پوچھا تم لوگوں پر خاموشی کیوں طاری ہے لوگوں کو جنگ کی رغبت کیوں نہیں دلاتے ہو تو دونوں نے جواب دیا قافلے میں ہمارا کوئی مال شامل نہیں نوفل بن معاویہ دیلمی نے قافلے کے تحفظ کی خاطر نکلنے والوں کیلئے ضروری سامان فراہم کیا،عبداللہ بن ابی ربیعہ نے پانچ سو (۵۰۰) درہم اور حویطب بن عبدالعزیٰ نے ہتھیار خریدنے کیلئے دو سو (۲۰۰) دینار دینے کی پیشکش کی۔قریش نے کہا کہ جو کوئی اس جنگ میں نہیں جاسکتا وہ اپنے بدلے کسی اور شخص کو بھیجے،مکہ میں ابولہب کے سوا کوئی بھی نہ رہا اور ابولہب نے بھی اپنے بدلے عاص بن ہشام کو بھیجا کیونکہ اس نے ابولہب سے چالیس ہزار درہم قرضہ لیا ہوا تھا۔یوں تمام قریش گھروں سے نکل آئے تاہم ان میں ابولہب شامل نہیں تھا،پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ انتہائی تعصب رکھنے اور دعوت اسلام کی راہ روڑے اٹکانے کے باوجود اس نے ابوسفیان کا ساتھ نہ دے کر سب کو حیرت میں ڈال دیا البتہ اس کا انکار محمدؐ سے رشتے یا ابوسفیان سے خاندانی عصبیت کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ اس کی بہن عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ضمضم کے مکہ پہنچنے سے پہلے خواب دیکھا جسے اس نے عباسؓ بن عبدالمطلب کو سنایا۔عاتکہ نے اپنا خواب سنایا کہ میں نے ابطح میں ایک اونٹ سوار کو دیکھا،اس سوار نے کہا کہ اے اہل غدر! اپنے مردوں کے جنازے پر پہنچو۔وہ یہ بات کہتے ہوئے تین بار چیخا۔بعدازاں اس نے اونٹ پر کعبہ کی طرف پشت کرکے بھی یہی اعلان کیا پھر ابی قبیس کے پہاڑ سے ایک پتھر پھینکا جس کے ٹکڑے ہر گھر میں جاگرے۔بتلایا جاتا ہے کہ ابولہب اسی وجہ سے قریشیوں کے ساتھ جانے سے خوف زدہ تھا۔حکیم بن حزام نے قریشیوں کے ساتھ جانے سے انکار کرتے ہوئے یہ جواز پیش کرنے کو غنیمت سمجھا کہ مجھے اس سفر میں جانا بہت برا لگتا ہے۔اس طرح مکہ سے نکلنے والے قریشیوں کی تعداد ایک ہزار تھی ان میں (۶۰۰) زرہ پوش افراد تھے جبکہ ان کے پاس (۷۰۰) اونٹ اور (۲۰۰) گھوڑے تھے۔اس لشکر کے پرچمدار سائب بن یزید تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے،سائب امام شافعی کے پانچویں جد تھے قریش اپنی طاقت وقدرت کے بل بوتے پر انتہائی غرور وتکبر اور غم وغصے میں نکلے خداوند عالم نے ان کے نکلنے کے طریقہ کار اور سوچ کی مذمت کی:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾"ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جو اتراتے ہوئے اور لوگوں میں خودنمائی کرتے ہوئے اپنے گھروں سے چلے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے" (انفال/۴۷)

قریش کے ہمراہ اسلحہ سواری، زادراہ، ڈھول اور گانا گانے والیاں تھیں یہاں تک کہ یہ جحفہ پہنچے، جب ابوسفیان بچ نکلنے میں کامیاب ہوا تو اس نے قیس امری القیس کو یہ پیغام دے کر مکہ بھیجا کہ قریشی قافلہ بچ گیا ہے، لہٰذا تم لوگ واپس چلے جاؤ لیکن مشرکین نے اپنے جاہلانہ جوش و جذبے کے بل بوتے پر مسلسل آگے بڑھنے کو ہی اپنا افتخار سمجھا۔ قریش بدر کی طرف دف و ڈھول بجاتے ہوئے بڑھ رہے تھے یہ جہاں بیٹھتے وہاں اونٹ ذبح کرتے تا کہ عربوں پر قریش کی برتری ثابت کریں۔ لشکر کو کھلانے پلانے کا بندوبست کرنے کی ذمہ داری (۱۲) افراد پر عائد تھی جن میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور ربیعہ کے ۲ بیٹوں کے علاوہ حکیم بن حزام، عباس بن عبدالمطلب، ابوالبختری، زمعہ بن اسود، ابی بن خلف، حجاج کے دو بیٹے نبیہ اور منبہ بھی شامل تھے یہ لوگ لشکر کیلئے روزانہ (۱۰) اونٹ ذبح کرتے تھے۔

ابوجہل نے مکہ سے یہاں تک دس (۱۰) اونٹ ذبح کئے، امیر بن خلف نے عسقان میں ۹ اونٹ، سہیل بن عمرو نے دس اونٹ شیبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ، عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ، نبیہ و منبہ حجاج کے بیٹوں نے دس اونٹ ذبح کئے پھر عباس بن عبدالمطلب نے دس اونٹ ذبح کئے جب کہ ابوالبختری نے چشمہ بدر پر دس اونٹ ذبح کئے۔

ابوسفیان مکہ سے انتالیس (۳۹) میل کے فاصلے پر پہنچا تو اسے یہ اطلاع دی گئی کہ قریش جنگی ساز و سامان کے ساتھ تمہاری طرف چل پڑے ہیں۔ ابوسفیان نے اس پر کہا وائے ہو میری قوم پر۔ یہ عمرو بن ہشام کی حرکت ہو سکتی ہے۔ جسے اس نے واپس جانا اپنی غیرت اور سرپرستی میں خلل تصور کیا ہوگا جو کہ ایک بغاوت ہے جس میں نقص اور شوم ہے۔ اگر محمدؐ کو موقع ملا تو وہ ہمیں ذلیل کر کے مکہ میں داخل ہوں گے۔ جحفہ کے مقام پر بنی زھرہ یہ کہہ کر واپس چلے گئے کہ ہم دفاع کریں گے جنگ نہیں کریں گے لیکن رئیس قریش ابوجہل نے کا اصرار تھا کہ ہم بدر جائیں گے وہاں تین دن قیام کریں گے، اونٹ ذبح کریں گے، گانے گائیں گے، شراب پئیں گے اور عرب دنیا دیکھ لے گی ہم کون ہیں اور ہماری فتح کی خبر ان تک پہنچ جائے گی۔ ابوجہل کی ہمراہی میں لشکر آگے بڑھتا گیا یہاں تک عقنقل نامی جگہ پہنچا اب یہاں مسلمین اور مشرکین کے درمیان صرف ایک پہاڑ حائل تھا مشرکین کو مسلمانوں کی موجودگی کی خبر نہ تھی چنانچہ اس کا ذکر قرآن کریم کی سورہ مبارکہ انفال کی آیت ۴۲ میں آیا ہے جہاں خداوند متعال نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم اپنے شہر سے نزدیک تھے اور وہ اپنے شہر سے دور تھے:

﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ ”جب کہ تم پاس والے کنارے پر تھے اور وہ دور والے کنارے پر تھے اور قافلہ تم سے نیچے تھا اگر تم آپس میں وعدے کرتے تو یقیناً تم وقت معین پر پہنچنے میں مختلف ہو جاتے لیکن اللہ کو تو ایک کام کر ہی ڈالنا تھا جو مقرر ہو چکا تھا تا کہ جو ہلاک ہو دلیل پر ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی دلیل پر زندہ رہے۔“

مسلمانوں کے درمیان صلاح ومشورہ اور پیش قدمی

ذفران کے مقام پر مقدمۃ الجیش نے پیغمبرؐ کو خبر دی ابو سفیان نکل گیا ہے اور قریش قافلہ کے بچاؤ کیلئے مکے سے نکل چکے ہیں۔ جب پیغمبرؐ کو خبر ملی کہ قریش مسلمانوں سے دوگنا بڑا لشکر لے کر انتہائی نخوت، تکبر وغرور کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں تو آپؐ نے اس نازک صورت حال کے بارے میں لشکر کو آگاہ کیا۔

آپؐ نے فرمایا اگر ہم قریش کا اسی مقام پر مقابلہ نہیں کریں گے تو وہ یقیناً ہمارا گھروں تک پیچھا کریں گے۔ اس وقت قریش کے طاقتور لشکر سے نبرد آزما ہونے کیلئے نبی کریمؐ کو تین قسم کی مشکلات کا سامنا تھا:

۱۔ مسلمانوں کی تعداد سے مخالف گروہ چار گنا زیادہ تھا۔

۲۔ آپؐ انصار و مہاجرین کو جنگ کیلئے نہیں لائے تھے بلکہ مقصد صرف اور صرف قابض قافلے کو روک کر ان کے مال کو لوٹنا تھا تا کہ مکہ میں مسلمانوں کے لوٹے گئے اموال کا بدلہ لیا جا سکے یا مشرکین کو دھچکا لگا کر انہیں متنبہ کیا جائے۔

۳۔ پیغمبرؐ کے ساتھ موجود صرف مہاجرین قریش کے خلاف لڑنے کا زیادہ جذبہ رکھتے تھے لیکن انصار کا قافلہ لوٹنے سے براہ راست کوئی واسطہ نہیں تھا۔

۴۔ نبی کریمؐ اور انصار کے درمیان طے پانے والے معاہدے میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا اور دفاع کرنا صرف مدینہ کی حدود تھا نہ کہ مدینہ سے باہر۔ اس تناظر میں پیغمبر اسلامؐ کا جنگ کے بارے میں انصار و مہاجرین سے صلاح ومشورہ کرنا نہایت ضروری تھا کیونکہ انہی کے بل بوتے پر دشمن سے لڑنا تھا۔

اس وقت ایک گروہ خوفزدہ تھا اور پیغمبرؐ سے کہہ رہا تھا کہ آپ نے ہمارے ساتھ جنگ کی بات تو نہیں کی تھی۔ اس گروہ کے متعلق قرآن میں ذکر ہوا ہے:

﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ☆ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ "جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ آپ کو روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔ وہ اس حق کے بارے میں اس کے بعد کہ اس کا ظہور ہو گیا تھا آپ سے اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں۔" (انفال ۵،۶)

پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے اس وقت ہر ایک نے اپنی اپنی رائے دی۔ آپؐ کے پاس بھی نبرد آزمائی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا یہ ایک مشکل مرحلہ تھا لشکر اسلام کیلئے مادی اور معنوی اعتبار سے آمادگی چاہیے تھی چنانچہ آپؐ نے لشکر کو جمع کیا اور ان تک اپنی معلومات پہنچائیں اور ان کی معلومات کا امتحان لیا۔ آپؐ نے فرمایا مجھے مشورہ دو ابوبکرؓ نے کہا ہم دشمن سے ملاقات جا ملیں گے ان کا مقابلہ کریں گے اور سستی و کاہلی نہیں دکھائیں گے اس کے بعد عمر بن خطابؓ کھڑے ہوئے اور ابوبکرؓ کی طرح بات کی۔ مقدادؓ بن عمرو نے کہا کہ جو کچھ خدا کی طرف سے حکم ہے آپؐ وہی کریں ہم آپؐ سے وہ بات نہیں کہیں

گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہی تھی، آپؐ جہاں جائیں گے ہم آپؐ کے پیچھے ہیں یہاں تک کہ یمن تک ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ پیغمبرؐ نے دوبارہ فرمایا کہ مجھے مشورہ دو پیغمبرؐ کا مقصد تھا کہ انصار اپنا نقطہ نظر بیان کریں کیونکہ انصار نے پیغمبرؐ کے دفاع میں لڑنے کا جو عہد و پیمان عقبہ میں باندھا تھا وہ مدینہ کے اندر کیلئے تھا کہ مدینے میں آپؐ پر کوئی ہجوم لائے گا تو آپؐ کا دفاع کریں گے لیکن یہ جگہ (بدر) اس معاہدے میں نہیں آتی تھی لہٰذا ہو سکتا تھا کہ انصار اس جنگ میں حصہ نہ لیں پیغمبرؐ کے اصرارِ مشورہ پر انصار نے احساس کیا کہ مشورہ ہم سے طلب کیا جا رہا ہے، سعدؓ بن معاذ اپنی جگہ سے اٹھے اور پیغمبرؐ سے مخاطب ہوئے شاید آپؐ ہم (انصار) سے پوچھنا چاہتے ہیں تو پیغمبرؐ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے سعد نے کہا

> ''ہم آپؐ پر ایمان لائے، آپؐ کی نبوت کو تسلیم کیا، ہم نے گواہی دی ہے کہ جو کچھ آپؐ لائے ہیں وہ حق ہے لہٰذا ہم اس عہد و پیمان پر قائم ہیں آپؐ جہاں لے جانا چاہیں ہم آپؐ کے ساتھ ہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو نبوت پر مبعوث کیا ہے آپؐ ہم سے کہیں گے کہ اس دریا میں کود و تو ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہیں رہیں گے آپؐ ہم کو دشمن کے مقابل میں صادق پائیں گے انشاء اللہ خدا آپؐ کو وہ چیز دکھائے گا جو آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب بنے گی۔''

اس بات پر پیغمبرؐ خوش ہوئے اور انصار و مہاجرین کی حوصلہ افزائی کی اور فرمایا تم آگے بڑھو خدا نے مجھے دونوں لشکروں سے چاہے قافلہ تجارتی ہو یا لشکر حربی سے جنگ کا حکم دیا ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر یوں ہوا ہے:

> ﴿وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ﴾ ''اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ خدا تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لئے بہر حال ہے اور تم چاہتے تھے کہ وہ طاقت والا گروہ نہ ہو۔'' (انفال ۷)

جب پیغمبرؐ مقام بدر میں مدینہ کے قریب پہلے کنویں پر اترے تو حبابؓ بن منذر نے آپؐ سے سوال کیا ہمارا یہاں اترنا وحی کے تحت ہے یا آپؐ کی ذاتی رائے اور جنگی تدابیر سے ہے پیغمبرؐ نے فرمایا یہ جنگی تدابیر کے تحت ہے تو حباب نے کہا اگر ایسا ہے تو یہ جگہ مناسب نہیں ہمیں آگے بڑھ کر چشمے کے قریب پڑاؤ ڈالنا چاہیے کیونکہ ہم چشمے کے ارد گرد منڈیر بنا کر پانی محفوظ کر لیں گے رسول اللہؐ کو یہ مشورہ پسند آیا۔

بدر پہنچنے کے بعد پیغمبرؐ، ابو بکرؓ کی معیت میں فراہمی اطلاعات کیلئے نکل پڑے، راستے میں ایک بوڑھا عرب ملا رسول اللہؐ نے اس سے قریش اور محمدؐ اور اصحاب محمدؐ کا حال پوچھا لیکن اس نے کہا جب تک تم لوگ یہ نہیں بتاؤ گے کہ تمہارا تعلق کس قوم سے ہے میں بھی کچھ نہیں بتاؤں گا رسول اللہؐ نے فرمایا: جب تم ہمیں بتا دو گے تو ہم بھی تمہیں بتا دیں گے اس نے کہا: اچھا تو یہ اس کے بدلے ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اس نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ محمدؐ اور ان کے ساتھی فلاں روز نکلے ہیں اگر مجھے بتانے والے نے صحیح بتایا ہے تو آج وہ لوگ فلاں جگہ ہوں گے اور ٹھیک اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں اس وقت مدینے کا لشکر تھا

اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے قریش فلاں دن نکلے ہیں ۔اگر مجھے خبر دینے والے نے صحیح خبر دی ہے تو وہ آج فلاں جگہ ہوں گے اور ٹھیک اس جگہ کا نام لیا جہاں اس وقت مکے کا لشکر تھا ۔

جب بوڑھا اپنی بات کہہ چکا تو بولا: اچھا اب بتاؤ کہ تم دونوں کس سے ہو؟ رسول اللہؐ نے فرمایا: ہم لوگ پانی سے ہیں اور یہ کہہ کر واپس چل پڑے ۔وہ کہتا رہا: "پانی سے ہیں" کیا؟ کیا عراق کے پانی سے ہیں؟

آپؐ نے خبر لانے کیلئے ایک معلوماتی گروہ تشکیل دیا اس گروہ میں علیؑ بن ابی طالب، زبیرؓ بن عوام، سعدؓ بن معاذ اور دیگر اصحاب شریک تھے ان لوگوں نے دشمن کے دو آدمیوں کو پکڑ کر ان سے خبر لی، دشمن پہاڑ کے پیچھے تھا ان دونوں سے پیغمبرؐ نے پوچھا قریش کی تعداد کتنی ہے انھوں نے کہا ہمیں اس کا علم نہیں ہے ۔پیغمبرؐ نے ان سے دوسرا سوال پوچھا تم روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہو، انہوں نے کہا ایک دن میں نو یا دس اونٹ ذبح کرتے ہیں اس سے پیغمبرؐ نے اندازہ لگایا کہ دشمن کی تعداد نو سو سے ایک ہزار کے درمیان ہے ۔

دوسرا معلوماتی گروہ دو آدمیوں پر مشتمل تھا جب یہ دونوں چشمۂ بدر پر پہنچے تو ایک عورت کو یہ کہتے ہوئے سنا جواپنے قرض وصول کرنے والے سے کہہ رہی تھی کل یا پرسوں اونٹ آنے والے ہیں میں ان کی خدمت کر کے تمہارا قرض اتاروں گی ان دونوں نے یہ خبر پیغمبرؐ تک پہنچائی اس پر پیغمبرؐ اور اصحاب نے دشمن سے لڑنے کیلئے چشمۂ بدر کو معرکۂ جنگ بنانے کا فیصلہ کیا لشکر نے رات آرام سے گذاری تا کہ صبح تازہ دم ہو کر جنگ کیلئے آمادہ ہوں ۔

بارانِ رحمت کا نزول

خداوند عالم نے اسی رات بارش نازل فرمائی جو مشرکین پر موسلا دھار برسی اور ان کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن گئی لیکن مسلمانوں پر پھوار بن کر برسی اور انھیں پاک کر دیا اور زمین کو ہموار کر دیا ۔اس کی وجہ سے ریت میں سختی آ گئی اور قدم ٹکنے کے لائق ہو گئے قیام خوشگوار ہو گیا اور دل مظبوط ہو گئے ۔

رسول اللہ ﷺ کا نمائندہ قریش کی جانب

پیغمبرؐ نے قریش کی طرف ایک نمائندے کو پیغام دے کر بھیجا "تم جہاں سے آئے ہو وہاں واپس چلے جاؤ، بہتر یہ ہے کہ میرے مقابلے میں لڑنے کیلئے تمہاری بجائے کوئی اور آ جائے ، یہ سن کر عتبہ نے کہا کوئی بھی اس تجویز کو رد نہ کرے ۔اس نے قریش سے کہا: "آج میری بات سن لو چاہے عمر بھر میری نافرمانی کرنا محمدؐ تم سے ہیں وہ جانیں عرب جانیں ۔اگر وہ سچے ہیں تو تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں گے اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو عرب انھیں چیر دیں گے، ابو جہل نے اس تجویز کو مسترد کر دیا ۔

حق اور باطل

قریش کا لشکر العقنقل کے ٹیلے کے پیچھے سے نکل کر میدان جنگ میں اپنی قوت وطاقت پر غرور کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا رسول اللہؐ نے قریش کے لشکر اور سپہ سالاروں کے انداز کو دیکھ کر دعا کی

"اے اللہ طاقت کے نشہ اور غرور میں سرمست قریش تجھ سے مقابلہ کرنے اور تیرے رسول کی تکذیب کرنے آگئے ہیں اے اللہ ان کو ہلاک کردے۔"

قریش اپنے لشکر کو ترتیب دینے میں مصروف ہوگئے۔

رسول اللہؐ صحابہ کرامؓ کو آخری ہدایات دینے لگے، آپ نے صحابہ کرامؓ کو میدان جہاد میں صبرو استقلال سے کام لینے کا حکم دیا آپؐ نے فرمایا جب تک دشمن قریب نہ آجائے ہتھیار استعمال نہ کئے جائیں، اس وقت تک وار نہ کیا جائے جب تک ہدف پوری طرح زد میں نہ آجائے، جب تک میں حکم نہ دوں کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ رسول اللہؐ نے تیراندازوں کو ہدایت کی جب تک دشمن قریب نہ آجائے اس وقت تک وہ ان پر تیر نہ چلائیں اور اپنے تیر ضائع نہ کریں۔

باطل کی کثرت آہن پوش دستوں اور گھوڑسوار حملہ آوروں کے ساتھ مسلح ہوکر اپنے قومی غرور اور طاقت پر فخر و مباہات کررہی تھی اس لشکر کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ اور نائب ابوجہل تھا۔ ان کا قومی جھنڈا ابوعزیز بن عمیر کے پاس تھا، ایک جھنڈا نضر بن حارث کے پاس تھا اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ بھی ایک جھنڈا لئے ہوئے تھا، دوسری طرف قافلہ حق تھا جس کے سپہ سالار اللہ کے رسولؐ تھے ان کی قوت ان کا ایمان تھا۔ رسول اللہؐ کا سب سے بڑا جھنڈا مصعبؓ بن عمیر کے پاس تھا گویا ایک بھائی مصعبؓ بن عمیر رسول اللہؐ کا علمبردار جبکہ دوسرا بھائی ابوعزیز بن عمیر قریش کا علمبردار تھا۔ رسول اللہؐ نے مہاجرین کیلئے "یا بنی عبدالرحمان" کا علامتی کلمہ جنگ مقرر فرمایا اور اوس کیلئے "یا بنی عبیداللہ" مقرر فرمایا، ایک روایت کے مطابق مسلمانوں کا شناختی کلمہ جنگ ایک ہی تھا دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے تیار کھڑے تھے۔

لشکر کی ترتیب

مسلمانوں کا لشکر دو گروہوں سے مرکب تھا مہاجرین کا علم علیؓ بن ابی طالب کے پاس جبکہ انصار کا علم سعد بن معاذ کے پاس تھا، میمنہ کی کمان زبیر بن عوام کے پاس میسرہ کی قیادت مقداد بن اسود کے پاس جبکہ ساقہ کی کمان قیس بن ابی صعصعہ کے پاس تھی لشکر کا مرکزی پرچم سفید تھا جو مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ میں تھا پیغمبرؐ نے اپنے لشکر کو ترتیب دی اس جنگ میں شرکت کرنے والوں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

جنگ بدر میں شرکت کرنے والے مجاہدین

مہاجرین

بنی ہاشم، بنی عبدالمطلب، بنی عبد مناف۔۱۲ مجاہدین

امام البدریین محمد رسول اللہؐ	حمزہ بن عبدالمطلب	علی بن ابی طالب	زید بن حارثہ کلبی
ابومرثد الغنوی	مرثد بن ابی مرثد الغنوی	انسہ حبشی، پیغمبرؐ کے غلام	ابوکبشہ فارسی، پیغمبرؐ کے غلام
عبیدہ بن الحارث	طفیل بن الحارث	الحصین بن الحارث	مسطح بن اثاثہ بن عباد

بنی عبد شمس بن عبد مناف:۱۸ مجاہدین

عثمان بن عفان	ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ	سالم، ابی حذیفہ کے غلام	صبیح، ابی العاصی بن امیہ کے غلام
عبداللہ بن جحش	سنان بن محصن	عکاشہ بن محصن	ابو سنان بن محصن
سنان بن ابی سنان	شجاع بن وہب	عقبہ بن وہب	یزید بن رقیش
محرز بن نضلہ	ربیعہ بن اکثم	ثقف، بنی سلیم	مالک، بنی سلیم
	مدلج بن عمرو، بنی سلیم	ابو مخشی سوید بن مخشی الطائی	

بنی نوفل بن عبد مناف بن قصی:۲ مجاہدین

عتبہ بن غزوان	خباب، عتبہ بن غزوان کے غلام

بنی اسد بن عبد العزی بن قصی:۳ مجاہدین

زبیر بن عوام	حاطب، ابی بلتعہ اللخمی، حلیف	سعد الکلبی، حاطب کے غلام

بنی عبد الدار بن قصی بن کلاب:۲ مجاہدین

مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار	سویط بن سعد بن حرملہ

بنی زہرہ بن کلاب بن مرہ:۸ مجاہدین

عبدالرحمن بن عوف	سعد بن ابی وقاص	عمیر بن ابی وقاص	مقداد بن عمرو، حلیف
عبداللہ بن مسعود، حلیف	مسعود بن ربیعہ بن عمرو، حلیف	ذوالشمالین عمیر بن عمرو، حلیف	خباب بن الارت التمیمی، حلیف

بنی تیم بن مرۃ:۵ مجاہدین

ابوبکر	طلحہ بن عبید اللہ	بلال بن ابی رباح	عامر بن فہیرہ، ابوبکر کے غلام	صہیب رومی، حلیف بنی جدعان

بنی مخزوم:۵ مجاہدین

ابو سلمہ بن عبد الاسد	شماس، عثمان بن عثمان الشرید	ارقم بن ابی الارقم	عمار بن یاسر العنسی، فہر کے غلام	معتب بن عوف الخزاعی غلام

بنی عدی بن کعب:۱۴ مجاہدین

عمر بن خطاب	زید بن خطاب	عمرو بن سراقہ	عبداللہ بن سراقہ
سعید بن زید بن عمرو	مہجع، عمر بن خطاب کے غلام	واقد بن عبداللہ التمیمی، حلیف	خولی بن ابی خولی العجلی، حلیف
مالک بن ابی خولی العجلی، حلیف	عامر بن ربیعہ العنزی، حلیف	عامر بن بکیر، حلیف	عاقل بن بکیر، حلیف
	خالد بن بکیر، حلیف	ایاس بن بکیر، حلیف	

بنی جمح:۵ مجاہدین

عثمان بن مظعون	قدامہ بن مظعون	عبداللہ بن مظعون	سائب بن عثمان بن مظعون	معمر بن حارث

بنی سہم:۱مجاہد

خنیس بن خذافہ

بنی عامر بن لوی بن غالب بن فہر:۷مجاہدین

ابوسبرہ بن ابی رہم	عبداللہ بن مخرمۃ	عبدالبد بن سہیل بن عمرو	وہب بن سعد بن ابی سرح	حاطب بن عمرو
	عمیر بن عوف، سہیل بن عمرو کے غلام		سعد بن خولۃ،حلیف بنی عامر	

بنی حارث بن فہر:۵مجاہدین

ابوعبیدہ بن الجراح	عمرو بن حارث	سہیل بن وہب	صفوان بن وہب	عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ

انصار

قبیلہ اوس

بنی حارث،بنی عمرو بن مالک بن الاوس،بنی عبدالاشہل بن جشم:۱۵مجاہدین

سعد بن معاذ	عمرو بن معاذ	حارث بن اوس	حارث بن انس	سعد بن زید بن مالک
سلمہ بن سلامہ بن وقش	عباد بن وقش	سلمہ بن ثابت بن وقش	رافع بن یزید بن کرز	حارث بن خزمہ بن عدی،حلیف
عبداللہ بن سہل،حلیف	سلمہ بن اسلم بن حریش،حلیف	ابوالہیثم بن التیہان،حلیف	عبید بن التیہان،حلیف	محمد بن مسلمہ الخزرجی،حلیف

بنی ظفر،کعب بن الخزرج بن عمرو بن مالک بن الاوس:۶مجاہدین

قتادہ بن النعمان بن زید	عبید بن اوس	نصر بن حارث بن عبد	معتب بن عبد	عبداللہ بن طارق البلوی،حلیف

بنی حارث بن الحارث بن الخزرج بن عمرو بن مالک بن الاوس:۳مجاہدین

مسعود بن سعد	ابوعبس بن جبر بن عمرو	ابوبردہ بن نیار نام ہانی بلوی،حلیف

بنی عوف بن مالک بن الاوس،بنی ضبیعہ بن زید بن الاوس:۵مجاہدین

عاصم بن ثابت بن قیس،ابی اقلح	معتب بن قشیر بن ملیل	ابوملیل بن الازعر بن زید	عمیر بن معبد بن الازعر	سہل بن حنیف بن واہب

بنی امیہ بن زید بن عوف:۸مجاہدین

ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر	مبشر بن عبدالمنذر	رفاعہ بن عبدالمنذر	سعد بن عبید بن النعمان
عویم بن ساعدہ بن عائش	رافع بن عنجدہ،وہی امہ	عبیدۃ بن ابی عبید	ثعلبہ بن حاطب

بنی عبید بن زید بن مالک بن عوف:۶مجاہدین

انیس بن قتادہ بن ربیعہ	معن بن عدی البلوی،حلیف	ثابت بن اخرم البلوی،حلیف	زید بن اسلم بن ثعلبہ البلوی،حلیف
	ربعی بن رافع البلوی،حلیف	عاصم بن عدی البلوی،حلیف	

بنی معاویہ بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف۔۳ مجاہدین

جبر بن عتیک	مالک بن نمیلۃ المزنی حلیف	نعمان بن عصر البلوی حلیف

بنی ثعلبہ بن عمرو بن عوف بن مالک۔۷ مجاہدین

عبداللہ بن جبیر	عاصم بن قیس بن ثابت	ابوضیاح بن ثابت	ابوحیۃ بن ثابت	سالم بن عمیر بن ثابت
	الحارث بن النعمان بن امیۃ		خوات بن جبیر بن النعمان	

بنی جحجبی بن کلفۃ بن عوف بن مالک۔۲ مجاہدین

المنذر بن محمد بن عقبہ	ابو عقیل بن عبداللہ بن ثعلبہ البلوی حلیف

بنی امرئ القیس بن مالک بن الاوس۔بنی غنم بن السلم بن امرئ القیس بن مالک بن الاوس۔۴ مجاہدین

سعد بن خیثمہ	منذر بن قدامۃ بن عرفجہ	حارث بن عرفجہ	تمیم، سعید بن خیثمہ کے غلام

خزرج

بنی امرئ القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج بن الحارث بن الخزرج بن حارث۔۴ مجاہدین

خارجہ بن زید بن ابی زہیر	سعد بن الربیع بن عمرو	عبداللہ بن رواحہ	خلاد بن سوید بن ثعلبہ

بنی زید بن مالک اخی امرئ القیس بن مالک بن ثعلبہ سے۔۲ مجاہدین

بشیر بن سعد بن ثعلبہ	سماک بن سعد بن ثعلبہ

بنی عدی بن کعب بن الخزرج بن الحارث بن الخزرج۔۳ مجاہدین

سبیع بن قیس بن عیشہ	عباد بن قیس بن عیشہ	عبداللہ بن عبس

بنی احمر بن حارث بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج بن الحارث بن الخزرج۔۱ مجاہد

یزید بن حارث بن قیس

بنی جشم اور زید بنی الحارث بن الخزرج۔۴ مجاہدین

خبیب بن اساف بن عتبہ	عبداللہ بن زید بن ثعلبہ	حریث بن زید بن ثعلبہ	سفیان بن بشر بن عمرو

بنی جدارۃ بن عوف بن الحارث بن الخزرج۔۴ مجاہدین

تمیم بن یعار بن قیس	عبداللہ بن عمیر	زید بن المزن بن قیس	عبداللہ بن عرفطہ

بنی الابجر اور بنی جدرۃ بن عوف بن حارث بن خزرج۔۱ مجاہد

عبداللہ بن ربیع بن قیس

بن عوف بن خزرج، بنی عبید بن مالک بن سالم بن غنم بن عوف بن خزرج۔۲ مجاہدین

عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن مالک بن سلول	اوس بن خولی بن عبداللہ

بنی جزء بن عدی بن مالک بن سالم اور بنی ثعلبہ بن مالک: ۷ مجاہدین

زید بن ودیعہ بن عمرو	عقبۃ بن وہب بن کلدۃ، حلیف	رفاعۃ بن عمرو بن زید	عامر بن سلمہ بن عامر، حلیف یمن	معبد بن عباد بن قشیر
	عامر بن البکیر، حلیف		ابو خمیصہ	

بنی سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج، بنی عجلان بن زید بن غنم بن سالم: ۲ مجاہدین

نوفل بن عبداللہ بن نضلۃ بن مالک بن عجلان	عتبان بن مالک بن عمرو بن عجلان

بنی اصرم بن فہر: ۲ مجاہدین

عبادہ بن صامت	اوس بن الصامت

بنی دعد بن فہر بن ثعلبہ بن غنم: ۱ مجاہد

النعمان بن مالک بن ثعلبہ بن دعد

بنی قریوس بن غنم بن امیہ بن لوذان بن سالم: ۱ مجاہد

ثابت بن ہزال بن عمرو بن قریوس

بنی مرضحہ عمرو بنی غنم بن امیہ بن لوذان: ۹ مجاہدین

مالک بن الدخشم بن مرضحہ	الربیع بن ایاس	ورقہ بن ایاس	عمرو بن ایاس، حلیف یمن	المجذر بن زیاد، حلیف
عبادہ بن الخشخاش، حلیف	نحاب بن ثعلبہ، حلیف		عبداللہ بن ثعلبہ، حلیف	عتبہ بن ربیعہ، حلیف

بنی کعب بن خزرج، بنی ساعدہ بن کعب بن خزرج، بنی ثعلبہ بن خزرج بن ساعدہ: ۲ مجاہدین

ابو دجانہ سماک بن خرشہ	منذر بن عمرو بن خنیس

بنی عمرو بن خزرج بن ساعدہ: ۲ مجاہدین

ابو اسید مالک بن ربیعہ بن البدن	مالک بن مسعود بن البدن

بنی طریف بن خزرج بن ساعدہ: ۶ مجاہدین

عبد ربہ بن حق بن اوس	کعب بن حمار الجہنی، حلیف	ضمرہ بن عمرو، حلیف	زیاد بن عمرو، حلیف
	بسبس بن عمرو، حلیف	عبداللہ بن عامر البلوی، حلیف	

بنی جشم بن خزرج، بنی سلمہ بن سعد بن علی ابن اسد بن سارو بن یزید بن جشم: ۳۹ مجاہدین

خراش بن الصمۃ بن عمرو	الحباب بن المنذر	عمیر بن الحمام	تمیم، خراش بن صمہ کے غلام	عبداللہ بن عمرو حرام
معاذ بن عمرو بن الجموح	معوذ بن عمرو بن الجموح	خلاد بن عمرو بن الجموح	عقبہ بن عامر بن نابی	حبیب بن اسود، غلام
ثابت بن الجذع	عمیر بن الحارث بن لبدۃ	بشر بن البراء بن معرور	طفیل بن مالک بن خنساء	سنان بن صیفی بن صخر
عبداللہ بن الجد بن قیس	عتبہ بن عبداللہ	جبار بن امیہ	خارجہ بن حمیر، حلیف	عبداللہ بن حمیر، حلیف

یزید بن المنذر	معقل بن المنذر بن سرح	عبداللہ بن نعمان	الضحاک بن حارثہ	سواد بن رزن
معبد بن قیس بن صخر	عبداللہ بن قیس	عبداللہ بن عبد مناف	جابر بن عبداللہ بن رئاب	خلیدۃ بن قیس
نعمان بن یسار، غلام	ابو منذر، یزید بن عامر	قطبہ بن عامر بن حدیدۃ	سلیم بن عمرو بن حدیدۃ	عنترۃ، سلیم بن عمرو کے غلام
عبس بن عامر بن عدی	ابوالیسر کعب بن عمرو		سہل بن قیس بن ابی کعب	عمرو بن طلق بن زید بن امیہ

بنی اوی بن سعد اخی مسلمہ بن سعد: ا مجاہد

معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ

بنی زریق بن حارثہ بن غضب بن جشم بن الخزرج: ۲۱ مجاہدین

عبادہ بن قیس بن عامر	اسعد بن یزید بن الفاکہ	الفاکہ بن بشر بن الفاکہ	ذکوان بن عبد قیس بن خلدۃ	معاذ بن ماعص بن قیس
قیس بن محصن	ابو خالد، حارث بن قیس	جبیر بن ایاس بن خالد	ابو عبادۃ، سعد بن عثمان	عقبہ بن عثمان بن خلدۃ
عائذ بن ماعص	مسعود بن سعد بن قیس	رفاعہ بن رافع بن العجلان	خلاد بن رافع بن العجلان	عبید بن زید بن عامر
زیاد بن لبید بن ثعلبہ	خالد بن قیس بن العجلان	رحیلۃ بن ثعلبہ بن خالد	عطیہ بن نویرۃ بن عامر	رافع بن المعلی بن لوذان
		خلیفہ بن عدی بن عمرو		

بنی عمرو بن الخزرج بنی نجار: ۹ مجاہدین

ابو ایوب بن خالد بن زید	ثابت بن خالد بن نعمان	سراقہ بن کعب	عمارۃ بن حزم بن زید	سہیل بن قیس یا رافع
عدی بن الزغباء، حلیف	مسعود بن اوس بن زید بن اصرم		ابو خزیمہ بن اوس بن زید	رافع بن حارث بن سواد

بنی سواد بن مالک بن غنم: ۱۱ مجاہدین

عوف بن حارث رفاعہ	معوذ بن الحارث بن رفاعہ	معاذ بن الحارث بن رفاعہ	نعمان بن عمرو بن رفاعہ	عبداللہ بن قیس بن خالد
عصمہ الشجعی، حلیف	ودیعہ بن عمرو الجہنی، حلیف	ثابت بن عمرو بن زید	ثعلبہ بن عمرو بن محصن	سہل بن عتیل یا عتیک بن نعمان
		حارث بن صمۃ بن عمرو		

بنی معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار: ۲ مجاہدین

ابی بن کعب بن قیس	انس بن معاذ بن انس بن قیس

بنی عدی بن عمرو بن مالک بن نجار سے: ۴ مجاہدین

اوس بن ثابت بن منذر بن حرام	ابو شیخ ابی بن ثابت بن منذر بن حرام	ابو طلحہ زید بن سہل بن الاسود بن حرام	ابو شیخ ابی بن ثابت اخو حسان

بنی عدی بن نجار: ۱۲ مجاہدین

حارثہ بن سراقہ بن الحارث	عمرو بن ثعلبہ بن وہب بن عدی	سلیط بن قیس بن عمرو بن عتیک	ابو سلیط بن اسیرۃ بن عمرو، اخو خارجہ
ثابت بن خنساء بن عمرو بن مالک	عامر بن امیہ بن زید بن الحسحاس	محرز بن عامر بن مالک	سواد بن غزیہ بن اھیب البلوی، حلیف
ابو زید قیس بن سکن	ابو الاعور بن الحارث بن ظالم	سلیم بن ملحان	حرام بن ملحان، مالک بن خالد

بنی مازن بن النجار سے :۶ مجاہدین

قیس بن ابی صعصعہ عبداللہ	عصمۃ الاسدی، حلیف	ابوداؤد عمیر بن عامر	سراقہ بن عمرو بن عطیۃ	قیس بن مخلد بن ثعلبۃ

بنی دینار بن نجار :۵ مجاہدین

نعمان بن عبدعمرو بن مسعود	الضحاک بن عبدعمرو	سلیم بن الحارث بن ثعلبۃ	جابر بن خالد بن مسعود	سعد بن سہیل بن عبدالاشہل

بنی قیس بن مالک بن کعب بن حارث بن دینار بن نجار :۲ مجاہدین

کعب بن زید بن قیس	بجیر بن ابی بجیر العبسی، حلیف

یمین شہداء بدر :۴ مجاہدین

عتبان بن مالک بن عمرو العجلان بن زید بن غنم خزرج	عصمۃ بن الحصین بن وبرۃ بن خالد	حلال بن المعلی خزرجی
	صالح بن شقرات، رسول اللہؐ کے غلام	

عبداللہؓ بن سہیل بن عمرو کی لشکر اسلام میں شمولیت

عبداللہؓ بن سہیل بن عمرو قریش کی سربرآوردہ شخصیت کے فرزند تھے۔ وہ اسلام لانے کے بعد حبش کی طرف ہجرت کرنے والے دوسرے کاروان میں شامل تھے، وہاں سے واپسی پر ان کے باپ سہیل بن عمرو نے انھیں پکڑ کر بہت اذیت پہنچائی، یہاں تک کہ انہوں نے دین اسلام سے برگشتہ ہونے کا اعلان کیا جس پر سہیل مطمئن ہوا اور انہیں بدر ساتھ لیکر گیا۔ جب بدر پہنچے تو عبداللہؓ جنگ چھڑنے سے پہلے مشرکین سے نکل کر مسلمانوں سے مل گئے جس پر ان کے باپ کو بہت غصہ آیا اس وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی یہ بدر، احد، خندق اور دیگر غزوات میں پیغمبرؐ کے ساتھ شریک رہے۔ یہاں تک کہ وہ ۳۸ سال کی عمر میں یمامہ میں شہید ہوئے۔

قریش کی ہٹ دھری

قریش کے لشکر سے کچھ لوگ نکلے اور اس چشمے کی طرف بڑھے جس کے گرد مسلمانوں نے منڈھیر بنا کر اس کا پانی محفوظ کر لیا تھا قریش پیاسے نہیں تھے بلکہ وہ تو اپنی جرأت کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے۔ حکیم بن حزام کو مسلمانوں نے روکنا چاہا تو رسول اللہؐ نے منع فرما دیا، وہ چشمے تک پہنچے، پانی پیا اور اپنے لشکر میں واپس چلے گئے اس کے بعد قریش کے لشکر سے اسود بن عبدالاسد مخزومی باہر آیا اس نے بلند آواز میں نعرہ لگایا میں نے اللہ سے وعدہ کیا ہے اور میں اسے پورا کرنے آرہا ہوں میں مسلمانوں کے چشمہ سے پانی پیوں گا اس کی منڈھیر توڑوں گا یا اپنی جان دے دوں گا۔

اسود بن عبدالاسد چشمے کی طرف بڑھا تو حمزہؓ نے آگے بڑھ کر اسے روکا اور ایسا وار کیا کہ اس کا پاؤں پنڈلی سے الگ ہو گیا۔ وہ پشت کے بل زمین پر گرا اور اپنی قسم پوری کرنے کیلئے رینگتا ہوا چشمے کی طرف بڑھنے کی کوشش کرنے لگا وہ حوض کے قریب پہنچا تو حمزہؓ نے آگے بڑھ کر اس کے غرور کا سر قلم کر دیا۔

دعوت مبارزت

قریش کا سپہ سالار عتبہ آگے بڑھا اسے ابو جہل کا طعنہ یاد تھا چنانچہ وہ قریش پر اپنی بہادری ثابت کرنا چاہتا تھا اس کا بھائی شیبہ اس کے دائیں طرف اور بیٹا ولید بائیں طرف تھے وہ تینوں چلتے ہوئے دونوں فوجوں کے درمیان پہنچ گئے۔عربوں کے رواج کے مطابق عتبہ چلایا ''کون ہے جو ہمارا مقابلہ کرے گا''

اسلامی لشکر سے تین انصاری نوجوان معاذؓ، معوذؓ اور عوفؓ پسران حارث مقابلے کیلئے نکلے یہ تینوں بھائی تھے۔ایک روایت کے مطابق معوذ اور عوف کے ساتھ عبداللہ بن رواحہ مقابلے کیلئے میدان میں نکلے تھے۔

عتبہ نے کہا

''تم کون لوگ ہو جو ہمارے مقابلہ کیلئے آئے ہو'' انہوں نے اپنا اپنا تعارف کرایا۔

عتبہ نے چلا کر کہا پھر اس نے آواز بلند کی

''ہمیں تمہاری ضرورت نہیں۔محمدؐ ہمارے مقابلے کیلئے ہماری برادری کے اور ہمارے ہم مرتبہ آدمی بھیجو''

رسول اللہؐ نے فرمایا

''عبیدۃ بن حارث آگے بڑھو۔حمزہؓ آگے بڑھے۔علیؓ آگے بڑھو''

عبیدہؓ، حمزہؓ اور علیؓ مقابلے کیلئے میدان میں اترے آپ حضرات نے اپنے سروں پر آہنی خول پہن رکھے تھے جس کی وجہ سے عتبہ بن ربیعہ نے پوچھا ''تم کون کون ہو''

حمزہؓ نے کہا ''میں ہوں اللہ اور اس کے رسولؐ کا شیر حمزہ بن عبدالمطلب۔''

شیبہ نے کہا ''اچھے ہمسر ہو''

علیؓ نے کہا ''میں ہوں اللہ کا بندہ اور اس کے رسولؐ کا بھائی''

عبیدہؓ نے کہا ''میں ان کے حلیفوں میں سے ہوں عبیدہؓ بن حارث''

عتبہ نے کہا ''بلاشبہ تم معزز مد مقابل ہو''

عبیدہ عمر میں حمزہؓ اور علیؓ سے بڑے تھے وہ قریش کے سب سے بڑے سردار عتبہ کی طرف بڑھے حمزہؓ نے شیبہ کے مقابلے کی دعوت کو قبول کیا اور علیؓ عتبہ کے بیٹے ولید کی طرف بڑھے۔

عربوں کی روایت کے مطابق تینوں الگ الگ مقابلہ کرنے لگے۔

حمزہؓ نے شیبہ بن ربیعہ کو سنبھلنے نہ دیا اور قتل کر دیا، علیؓ نے ولید کا خاتمہ کر دیا جبکہ عبیدہؓ اور عتبہ بن ربیعہ دونوں نے ایک دوسرے کو زخمی کر کے گرا دیا، جنگی روایت کے مطابق دونوں فاتح اب اپنے زخمی ساتھی کی مدد کر سکتے تھے۔

حمزہؓ اور علیؓ عبیدہؓ کی مدد کیلئے آگے بڑھے اور عتبہ کا خاتمہ کر دیا اور عبیدہؓ کو اٹھا کر لشکر اسلام میں واپس لے آئے۔اس کے بعد

عام جنگ کا اعلان ہوا اور مشرکین کے سربراہان و روساء ڈھیر ہونے لگے۔

ابوالبختر ی کا قتل

رسول اللہؐ نے ہدایت کی بنو اسد کے ابوالبختر ی کو قتل نہ کیا جائے۔ابوالبختر ی مکہ کے ان سرداروں میں سے تھا جس نے کبھی آپ کو اذیت نہیں پہنچائی تھی قریش کے لوگ جب رسول اللہؐ سے زیادتی کرتے تو ابوالبختر ی انہیں منع کیا کرتا تھا۔وہ ان ہی پانچ سرداروں میں سے تھا جنہوں نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے ساتھ لاتعلقی کا معاہدہ ختم کرایا تھا اس نے ابوجہل سے کہا تھا معاہدہ کی دستاویز میں جو کچھ لکھا ہے ہم اس پر خوش نہیں، ہم اس کی پابندی کا اقرار نہیں کریں گے اس نے بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب کو معاہدہ کے خاتمہ کی اطلاع دی تھی،میدان جنگ میں جب ابوالبختر ی کا مجذرؓ بن زیاد سے آمنا سامنا ہوا تو انھوں نے کہا رسول اللہؐ نے ہمیں تمہارے قتل سے منع فرمایا ہے ابوالبختر ی نے پوچھا کیا تم میرے ساتھی جنادہ بن ملیحہ کو بھی قتل نہیں کرو گے جو مکہ سے میرے ساتھ آیا ہے مجذرؓ نے کہا واللہ ہم تیرے ہمرکاب کو نہیں چھوڑیں گے،رسول اللہؐ کی طرف سے ہمیں اکیلے تیرے لئے حکم ہے ابوالبختر ی نے کہا ہم دونوں ساتھ مریں گے اس پر مجذر نے دونوں کو قتل کردیا۔

امیہ بن خلف کا قتل

امیہ بن خلف عبدالرحمٰن بن عوف کا دوست تھا وہ جب بھی ملتا انہیں عبدعمرو کے نام سے پکارتا مگر یہ کوئی جواب نہیں دیتے تھے،ان کا نام اسلام قبول کرنے سے پہلے عبدعمرو تھا بعد میں پیغمبرؐ نے عبدالرحمٰن رکھا۔ایک روز امیہ بن خلف نے کہا کیا تجھے اس نام سے نفرت ہے جو تیرے باپ نے رکھا تھا تو کہا ہاں مجھے اس نام سے بلایا جانا پسند نہیں کیونکہ رسول اللہؐ نے میرا نام عبدالرحمٰن رکھا ہے لہٰذا تم مجھے اس نام سے بلایا کرو امیہ بن خلف نے کہا میں رحمان کو نہیں جانتا۔جنگ بدر میں امیہ اپنے لڑکے علی کا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا کہ ادھر سے عبدالرحمان کا گزر ہوا وہ دشمن سے کچھ زرہیں چھین کر لے جارہے تھے۔

امیہ بن خلف نے ان سے کہا کیا تمہیں میری ضرورت نہیں میں تمہارے لئے ان زرہوں سے بہتر ہوں کیا تمہیں دودھ کی حاجت نہیں یعنی جو مجھے قید کرے گا میں اسے فدیے میں خوب دودھ دینے والی اونٹنیاں دوں گا۔عبدالرحمٰن نے زرہیں پھینک کر امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے علی کو قیدی بنالیا،عبدالرحمٰن ایک ہاتھ میں باپ کو اور دوسرے ہاتھ میں بیٹے کو پکڑ کر اپنے مقام کی طرف چل پڑے ان کا فدیہ عبدالرحمٰن بن عوف کا حق تھا۔راستے میں بلالؓ نے دیکھ لیا اور کہا آج یا یہ زندہ رہیں گے یا میں۔

بلالؓ نے کہا اے اللہ کے انصارو! یہ کفار کا سرغنہ امیہ بن خلف ہے یہ سنتے ہی انصار نے امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کے ٹکڑے کردیئے۔امیہ بن خلف کو بچاتے ہوئے عبدالرحمٰن بن عوف خود بھی زخمی ہوگئے اور ران کے پاؤں پر تلوار کا زخم آگیا۔عبدالرحمٰن نے کہا اللہ بلالؓ پر رحم کرے ان کی وجہ سے میری زرہیں بھی گئیں اور دونوں قیدی بھی مارے گئے۔

بلالؓ قبول اسلام سے پہلے امیہ بن خلف کے غلام تھے،اسلام قبول کرنے کے بعد امیہ آپ کو سخت سزائیں دیا کرتا تھا انہیں گرم ریت پر پیٹھ کے بل لٹا کر ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا اور کہا کرتا جب تک محمدؐ کا دین نہیں چھوڑو گے تمہارا یہی حال ہوتا

رہے گا چنانچہ اسے دیکھتے ہی بلالؓ کو وہ سب مظالم یاد آگئے تھے چنانچہ اس پر حملہ کر کے قتل کردیا۔

ابو جہل کا انجام

عتبہ بن ربیعہ کے قتل کے بعد ابو جہل مشرکین کا قائد بنا۔ وہ اپنے محافظوں میں درختوں کے جھنڈ کی مانند گھرا ہوا تھا تاکہ اس تک رسائی ناممکن ہو قریش کے دستے آگے بڑھ کر حملہ کرتے لیکن پسپا ہو کر واپس چلے جاتے جبکہ مسلمان صفیں باندھے لڑ رہے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف بھی ایک صف میں کھڑے تھے آپ کے دائیں اور بائیں طرف انصار مدینہ کے دو نوعمر مجاہد معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفراء کھڑے تھے ان میں سے ایک نے دھیمے انداز میں سے پوچھا "عبدالرحمٰن چچا جان ذرا مجھے بتائیں ابو جہل کونسا ہے" تا کہ دوسری طرف کھڑا اس کا ساتھی نہ سن لے۔

عبدالرحمان بن عوف نے کہا تم ابو جہل کو دیکھ کر کیا کرو گے اس نے کہا میں نے سنا ہے وہ رسول اللہؐ کو گالیاں دیتا ہے اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب تک مجھے ابو جہل نہ ملا اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔" عبدالرحمٰن نے حیرانی سے اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ "چچا جان کفار کے لشکر میں ابو جہل کونسا ہے" عبدالرحمٰن کے دوسری طرف کھڑے نوعمر لڑکے نے ان کا بازو دباتے ہوئے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

عبدالرحمٰن نے کہا دیکھتے نہیں! یہ رہا تم دونوں کا شکار جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی وہ دونوں اپنی تلواریں لئے جھپٹ پڑے اور اسے قتل کردیا پھر پلٹ کر رسول اللہؐ کے پاس آئے، آپؐ نے فرمایا تم میں سے کس نے قتل کیا ہے؟ دونوں نے کہا: میں نے قتل کیا ہے، آپؐ نے فرمایا، اپنی اپنی تلواریں پونچھ چکے ہو؟ بولے نہیں، آپؐ نے دونوں کی تلواریں دیکھیں اور فرمایا: تم دونوں نے قتل کیا ہے، البتہ ابو جہل کا سامان معاذ بن عمرو بن جموح کو دیا گیا۔ دونوں حملہ آوروں کا نام معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفراء ہے۔ ابو جہل کا غرور خاک میں مل چکا تھا یہی وہ شخص ہے جو نبی اسلامؐ کے قتل میں شریک افراد کا سرغنہ تھا۔ یہ اپنے آٹھ ساتھیوں سمیت بدر کی جنگ میں واصل جہنم ہوا۔ ان میں سے امیہ بن خلف، ابی بن خلف، زمعہ بن الاسود، منبہ بن الحجاج، اور نبیہ بن الحجاج تھے جو کہ بدر میں قیادت کر رہے تھے اسی طرح عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی قتل کر دیئے گئے۔ روساء کے قتل کے بعد مشرکین کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔

فریقین کے جنگی نقصانات

اس جنگ میں آٹھ (۸) انصار اور چھ (۶) مہاجر شہید ہوئے، جبکہ ستر (۷۰) مشرکین ہلاک اور ستر (۷۰) اسیر ہوئے۔

شہدائے بدر

مہاجرین کے شہداء: ۶ شہداء

عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب	عمیر بن ابی وقاص، سعد بن ابی وقاص کے بھائی	ذوالشمالین بن عبدعمرو الخزاعی، حلیف بن زہرہ
مجمع مولی عمر بن خطاب	صفوان بن بیضاء بنی حارث بن فہر	عاقل بن بکیر اللیثی، حلیف بن عدی بن کعب

انصاری شہداء:۲شہداء

سعد بن خیثمہ بن عمرو بن عوف	مبشر بن عبدالمنذ ربن زنبر

قبیلہ خزرج:۶شہداء

یزید بن الحارث بن فسحم بن الحارث بن خزرج	عمیر بن الحمام ،بنی سلمہ	رافع بن المعلی ،بنی حبیب بن عبدحارثہ	حارثہ بن سراقہ ،بنی نجار
	عوف بن عفراء ،بنی نجار	معوذ بن عفراء ،بنی نجار	

مقتولین قریش

بنی عبدشمس بن عبدمناف ،اس کے حلیف اور غلام:۱۲مقتولین

حنظلہ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ یہ زیدؓ یا ابن ہشام کے مطابق حمزہؓ علیؑ اور زیدؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔	
حارث بن حضرمی عمار یاسرؓ کے ہاتھوں قتل ہوا	عامر بن حضرمی حلیف ،نعمانؓ بن عصر حلیف اوس کے ہاتھوں قتل ہوا
عمیر بن ابی عمیرا و راس کا بیٹا ابوحذیفہ کے غلام سالمؓ کے ہاتھوں قتل ہوا	وھب بن حارث ،حلیف
عبیدہ بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبدشمس ،زبیرؓ بن عوام کے ہاتھوں قتل ہوا	
عاص بن سعید بن عاص بن امیہ ،علیؑ بن ابی طالب کے ہاتھوں قتل ہوا	عامر بن زید ،حلیف
عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبدشمس ،عاصمؓ بن ثابت بن ابی الاقلح یا ابن ہشام کے مطابق علیؑ بن ابی طالب کے ہاتھوں قتل ہوا	
عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس ،عبیدہؓ بن الحارث بن المطلب یا ابن ہشام کے مطابق حمزہؓ اور علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوا	
شیبہ بن ربیعہ بن عبدشمس ،حمزہؓ کے ہاتھوں قتل ہوا	ولید بن عتبہ بن ربیعہ ،علیؑ بن ابی طالب کے ہاتھوں قتل ہوا
عامر بن عبداللہ ،بنی انمار بن بغیض ،حلیف ،علیؑ بن ابی طالب کے ہاتھوں قتل ہوا	

بنی نوفل بن عبدمناف:۲مقتولین

حارث بن عامر بن نوفل	طعیمہ بن عدی بن نوفل

بنی اسد بن عبدالعزیٰ:۷مقتولین

زمعہ بن الاسود بن المطلب بن اسد ،ثابت بن الجذع یا ابن ہشام کے مطابق حمزہ ،علیؑ اور ثابت کے ہاتھوں قتل ہوا				عمیر ،غلام
حارث بن زمعہ	عقبہ بن زید ،حلیف	عقیل بن الاسود بن المطلب	ابوالبختری العاص بن ھشام	نوفل بن خویلد بن اسد

بنی عبدالدار بن قصی ،اس کے حلیف و غلام:۴مقتولین

نضر بن حارث بن کلدۃ	زید بن ملیص ،عمیر بن ہاشم کے غلام	نبیہ بن زید بن ملیص	عبید بن سلیط ،حلیف

بنی تیم بن مرۃ:۴مقتولین

عمیر بن عثمان بن عمرو	عثمان بن مالک بن عبید	مالک بن عبیداللہ بن عثمان	عمرو بن عبداللہ بن جدعان

بنی مخزوم بن یقظہ اور اس کے حلیف: ۲۴ مقتولین

ابو جہل عمرو بن ہشام	عاص بن ہشام بن مغیرۃ	احد بنی عمرو بن تمیم	ابو مانع الاشعری	حرملہ بن عمرو
ابو قیس بن ولید	ابو قیس بن الفاکہ	رفاعہ بن ابی رفاعہ	عبداللہ بن منذر بن ابی رفاعہ	منذر بن ابی رفاعہ
مسعود بن ابی امیہ	سائب بن ابی سائب	عمرو بن سفیان	اسود بن عبدالاسد بن ہلال	حاجب بن سائب بن عویمر
عویمر بن سائب بن عویمر	زہیر بن ابی رفاعہ	جابر بن سفیان	حذیفہ بن ابی حذیفہ بن مغیرہ	ہشام بن ابی حذیفہ بن مغیرہ
سائب بن ابی رفاعہ	خیار حلیف		عائذ بن سائب بن عویمر	عمیر حلیف

بنی سہم بن عمرو: ۷ مقتولین

منبہ بن حجاج بن عامر	نبیہ بن حجاج بن عامر	عاص بن منبہ بن حجاج	حارث بن منبہ بن حجاج
عامر بن عوف بن ضمیرہ	ابو عاص بن قیس بن عدی		عاصم بن عوف بن ضمیرہ

بنی جمح بن عمرو بن ھصیص اور اس کے حلیف: ۴ مقتولین

امیہ بن خلف بن وہب	علی بن امیہ بن خلف	اوس بن معیر بن لوذان	سبرہ بن مالک حلیف

بنی عامر بن لوی سے: ۲ مقتولین

معاویہ بن عامر	معبد بن وہب

مکہ میں سوگواری پر پابندی

کتاب سیرت مصطفیٰ کے مولف ہاشم معروف الحسنی لکھتے ہیں جب قریش بدر میں ستر مقتولین اور ستر اسیروں کی قربانی دینے کے بعد فریاد و فغان کرتے ہوئے مکہ پہنچے تو قریش کے خطیب نے مصیبت زدوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اپنے مُردوں پر نہ رو ناان پر نوحہ و مرثیہ خوانی کرو بلکہ صبر سے کام لو اگر تم شعر سرائی کرو گے تو تمہارا غصہ و کینہ ٹھنڈا پڑ جائے گا، اگر یہ خبر محمدؐ تک پہنچے گی تو وہ تمہاری ملامت کریں گے میرے لئے اس وقت تک سر پر تیل لگانا حرام ہے جب تک محمدؐ سے انتقام نہ لے لوں۔

اسود بن مطلب کے دو بیٹے زمعہ، عقیل اور پوتا حارث قتل ہوئے خود اسکی آنکھ ضائع ہوئی لیکن یہ مکہ میں قریش کی پابندی کی وجہ سے گریہ نہیں کر سکتا تھا اگر رونا آجاتا تو یہ مکہ سے باہر جا کر روتا تھا۔

ہاشم معروف واقدی سے نقل کرتے ہیں قریش کی خواتین نے ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ سے پوچھا بدر میں قتل ہونے والے اپنے والد، بھائی، چاچا اور دیگر عزیزوں پر گریہ کیوں نہیں کرتی ہو؟ تو ہند نے جواب میں کہا مجھے ڈر ہے کہ یہ خبر محمدؐ کو پہنچے گی تو وہ ملامت کریں گے اس نے قسم کھائی جب تک محمدؐ سے انتقام نہیں لوں گی سر پر تیل نہیں لگاؤں گی۔ اس کے شوہر ابوسفیان نے قسم کھائی جب تک بدر کا بدلہ نہ لے لوں اپنی بیوی کے قریب نہیں جاؤں گا۔

گریہ وزاری

کیا گریہ وزاری کس درد کی دوا ہے؟ کیا قرآن وسنت میں اس کی کوئی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں رونے کے بارے میں جو آیات آئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ رونا انسان کے اندر پائے جانے والے نقص وعیب اور خلا سے جنم لیتا ہے اس نقص وعیب کا دو حال سے حساب ہوتا ہے:

۱۔ کسی کے سامنے خود کو قصوروار اور تقصیروار پا کر انسان روتا ہے جیسا کہ سورہ یوسف آیت ۱۶ میں آیا ہے:

﴿وَجَآءُوٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ﴾ ''اور عشاء کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے پہنچے''

۲۔ اپنے رب کے حضور اپنے گناہ اور کوتاہیوں کو یاد کر کے رونا جیسا کہ سورہ مریم آیت ۵۸ میں آیا ہے:

﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا﴾ ''ان کے سامنے جب اللہ رحمان کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی تھی یہ سجدہ کرتے اور روتے گڑگڑاتے گر پڑتے تھے''

۳۔ کسی ذی قدر چیز کے کھو جانے سے رونا آنا، کثیر مال کے خسارے یا عزیز وا قارب کے فقدان سے رونا۔

گریہ وزاری ان تینوں مصادیق کو سامنے رکھنے کے بعد ہمارے ہاں رائج فکر عزاداری میں رونے کی اہمیت و فضیلت آئی ہے اس کی جہاں تک امام حسینؑ کی مظلومانہ شہادت کی خبر سننے کے بعد گریہ آنا محزون ہونا اپنی جگہ معقول بھی ہے اور شرعی بھی۔ یہ خبر سننے کے بعد لاتعلقی و بے پرواہی صرف دشمن ہی برت سکتا ہے لیکن رلانے کیلئے جو قصے کہانیاں بنائی گئی ہیں امام حسینؑ کو ان ہی کی نذر کر دیا گیا ہے جس سے جعل سازی کے کارخانوں کو فروغ ملا ہے، دشمنانِ اسلام واہل باطل کو فائدہ پہنچا ہے، اسلام اور اہل بیتؑ کو کنارے پر لگایا ہے اس سے دشمنوں سے عملی میدان میں دشمنی برتنے کی حرارت کو ٹھنڈا کیا گیا ہے، اسی وجہ سے کفر و شرک سے نفرت اور دوری کا جذبہ ٹھنڈا پڑ رہا ہے۔ اس گریہ وزاری کیلئے وضع کردہ قصوں اور کہانیوں کے ذریعے درخشان و تابناک سیرت پر لکھی گئی مستند تاریخی نقولات، محققین کے تجزیہ و تحلیل اور تبصروں کو تہہ خانوں اور فراموش خانوں کے سپرد کر دیا گیا ہے اگر رونا کسی درد کی دوا بنتا ہے تو اس حالت زار پر بھی کچھ نظم ونثر کی صورت میں نذرانہ کیا جانا چاہیے!

رونے رلانے کے سلسلے میں ایک سند پیش کی جاتی ہے جو اپنی جگہ جعلی ہے اسکا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، جنگ اُحد کے بعد پیغمبرؐ نے جب انصار و مہاجرین کی خواتین کو احد میں شہید ہونے والوں پر گریہ کرتے ہوئے سنا تو آپؐ نے حسرت سے فرمایا ''میرے چچا حمزہؓ پر رونے والا کوئی نہیں ہے'' یہ جملہ کھلا و سفید جھوٹ ہے جو پیغمبرؐ کی طرف نسبت دیا گیا ہے کیونکہ حمزہؓ قریش کے ایک بڑے خاندان بنی ہاشم کی ایک سربرآوردہ شخصیت تھے ان کے عزیز وا قارب اور رشتہ دار مکہ و مدینہ دونوں میں تھے سرفہرست انکی بہن صفیہؓ بنت عبدالمطلب اور ان کی بھتیجا زادی فاطمۃ الزہراؑ موجود تھیں پیغمبرؐ نے یہ کیسے فرمایا ہے کہ میرے چچا پر رونے والا کوئی نہیں ہے۔

ان چیزوں سے پتہ چلتا ہے کہ امام حسینؑ کی سیرت طیبہ پر چل کر عزت سازی، ظلم ستیزی، دشمن سے نبرد آزمائی، غیرت و

حمیت کی پاسداری، اسلام و مسلمین کی سربلندی کیلئے سوچنے کی حس کو جھوٹی کہانیوں کے ذریعے نکلنے والے آنسوؤں سے ٹھنڈا کرنے کی دقیق وباریک منصوبہ بندی کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر سال اسی وجہ سے اسلامی اصول واحکام اور اقدار ناپید ہوتے جا رہے ہیں اور عزاداری میں ہر سال نئے طور وطریقے داخل کئے جا رہے ہیں۔

غنائم جنگ بدر

مشرکین ۱۵۰ اونٹ، ۱۰ گھوڑے، ہتھیار، چمڑے کے بستر، دباغت شدہ کھالیں، قیام وطعام اور آرام کی ضروریات سے متعلقہ اشیاء چھوڑ کر بھاگ گئے علاوہ ازیں مسلمانوں ستر افراد کو قید کیا مشرکین نے جاتے وقت الگ الگ ٹولیوں اور بدحواسی و بدنظمی کے عالم میں فرار کیا۔

جنگ بدر کے غنائم کے بارے میں قرآن کریم کی سورہ انفال آیت ۱ میں کلمہ نفل اور آیت ۴۱ میں کلمہ غنیمت استعمال ہوا ہے نفل، زیادہ کو اور غنیمت غیر متوقع حاصل شدہ مال کو کہتے ہیں ان دو کلمات کے معنی ذہن نشین کرنے کے بعد اگلے مرحلے میں جنگ بدر کے آغاز وانجام کو سامنے رکھنا ہوگا تب نفل اور غنیمت سمجھ میں آئیں گے۔

پیغمبرؐ ۳۱۴ مہاجرین وانصار کے ساتھ بغیر ساز وسامان کے بغیر قریش کے تجارتی قافلہ کو روکنے کیلئے گئے جو کہ ۴۰ افراد کی محافظت میں تھا۔ اگر پیغمبرؐ قافلہ تک پہنچ جاتے تو اطمینان سے غلبہ حاصل ہو جاتا اور کثیر مال غنیمت ہاتھ آتا لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹ ہوا، یعنی قافلہ ہاتھ سے نکل گیا اور مکے سے ایک ہزار کا لشکر مکمل جنگی ساز وسامان سے لیس ہو کر قافلہ محمدؐ اور اصحاب محمدؐ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کیلئے روانہ ہوا۔ اس صورتحال کے پیش نظر پیغمبرؐ نہ مدینہ آ کر گھروں میں بند ہو کر بیٹھ سکتے تھے اور نہ ہی میدان میں عادی طور پر استقامت دکھا سکتے تھے۔ بہر حال میدان میں آمنا سامنا ہوا کوئی بھی تجزیہ وتبصرہ نگار کہے کہ جو لوگ لڑنے کے مقصد سے آئے تھے وہ بغیر کسی قدرت نمائی کے دوسرے گروہ پر غلبہ پا کر مال غنیمت حاصل کر لیں لیکن یہاں بھی معاملہ الٹ ہوا جو لوگ تیار نہیں تھے وہ آمادہ لوگوں پر اور بے سہارا لوگ با سہارا لوگوں پر غالب آئے جس کی وجہ سے وہ متوقع غنیمت سے زیادہ غنیمت کے مالک بن کر مال اور عزت کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹے یہیں آیہ ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ......﴾ ''مرغوب چیزیں کی محبت لوگوں کیلئے مزین کر دی گئی ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کئے گئے خزانے اور نشاندار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی'' (آل عمران ۱۴) کا عکس نظر آنا شروع ہو گیا۔ مشرکین سے حاصل ہونے والے مال غنیمت پر جھگڑا ہونے لگا جنھوں نے غنیمت جمع کی تھی انھوں نے اسے اپنا حق قرار دیا جنھوں نے دشمن کا پیچھا کیا تھا انھوں نے اسے اپنا حق گردانا اور جنھوں نے پیغمبرؐ کی محافظت کی تھی انھوں نے اسے اپنا حق قرار دیا۔ اس اختلاف پر فیصلہ خدا نے صادر فرمایا اور یہ دو آیات نازل ہوئیں۔ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو کچھ تمھیں ملا وہ تمہاری استحقاق سے زیادہ ہے تم انھیں نہیں لوٹ سکتے تھے اور نہ ہی ان پر غلبہ حاصل کر سکتے تھے ہم نے تمھیں ہمت و کامیابی عنایت کی۔ اب جو مال تمھیں ملا ہے اس کا فیصلہ رسول اللہؐ کو کرنے دو۔

غنائم خمس

مذکورہ بالا دو آیات کے صریح کلمات سے ثابت ہوتا ہے کہ غنائم جنگی کا پانچواں حصہ نکالنے کے بعد باقی مال مجاہدین میں تقسیم کیا جائے۔اس کلیے کو سامنے رکھنے کے بعد سائل کا جواب دینے سے بڑے بڑے فحول فقہاء و مجتہدین اور سیرت نگار مفسرین محققین واماندہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

۱۔ خدا، رسول اور ذوی القربیٰ تینوں کے حصے پیغمبرؐ کے پاس ہوتے تھے گویا ایک آدمی ایک تقسیم سے تین حصے سے اور اپنی تین جیبوں میں الگ الگ رکھے اب اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کس جیب سے خرچ کرے اس تفسیر کی کیا وضاحت اور منطق پیش کریں گے کہ خدا کا حصہ ایک جیب میں، رسول کا حصہ دوسری جیب میں اور ذوی القربیٰ کا حصہ تیسری جیب میں؟

۲۔ آیت مجاہدین کے درمیان اختلاف کی وجہ سے نازل ہوئی کسی نے یہ نہیں لکھا ہے کہ پیغمبرؐ نے خمس اپنے پاس رکھ کر اپنی مرضی اور صوابدید پر تقسیم کیا بلکہ سیرت نگاران لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے خمس نہیں لیا۔

۳۔ پیغمبرؐ کی حیات تنزیل آیات کے دور کا مصداق جلی ہے آیا آپؐ غنائم جنگی کے علاوہ اہل مدینہ کے کسب و کاج، زراعت و تجارت اور مزدوری و صنعت وغیرہ سے خمس وصول کرتے تھے؟ اوائل اسلام میں جنگی غنائم کے علاوہ خمس نہ ہونے کے باوجود فقہاء کی دیگر مالیات پر خمس وصول کرنے کی کیا منطق ہے؟ ابھی تک اس سوال کے جواب کیلئے کسی کو زبان و قلم سے اظہار کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

جنگی اسیر

جنگ میں شکست ہونے کی صورت میں دو بڑے نتائج کا سامنا ہوتا ہے ایک قتل ہے اور دوسرا اسارت ہے قتل ہونے والے تو قتل ہو جاتے ہیں لیکن مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو جانے والوں کے اجساد ناپاک کیلئے کوئی احترام و کرامت نہیں ہے وہ گندگی و بدبو سے بچنے کیلئے دفنائے جاتے ہیں۔اسیر اپنی جگہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ وہ افراد جو اپنی عداوت و دشمنی اور کینے کو باقی رکھے ہوتے ہیں جس میں کمی نہیں آتی اسیر ہوتے ہیں یا اپنے آپ کو اسیری کیلئے پیش کرتے ہیں تا کہ دوسرے موقع پر دوبارہ میدان جنگ میں آ جائیں۔

۲۔ وہ افراد جو بادل ناخواستہ میدان میں آتے ہیں یا میدان میں آنے کے بعد پشیمان ہوتے ہیں یا بے ارادہ انسان ہوتے ہیں۔قرآن و سیرت میں اسیروں کے متعلق فیصلہ نبی کریمؐ اور امت کی اعلیٰ قیادت کے اختیار میں رکھا گیا ہے کہ وہ ان کے قتل و آزادی کے بارے میں اسلام و مسلمین کی خیر و بھلائی کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کریں اسیر جتنے دن مسلمانوں کے پاس ہونگے، ان کے ساتھ سلوک کرتے وقت اسیر کنندہ اور اسیر شدہ کے کھانے پینے کے بارے میں کوئی فرق نہیں ہوگا آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں اسیر کے متعلق حقائق کو کس حد تک مدنظر میں رکھا گیا ہے۔

اسیر ہونے والے افراد

بنی ہاشم بن عبد مناف: ۳ اُسراء

عقیل بن ابی طالب بن عبد عبد المطلب	نوفل بن حارث بن عبد المطلب	عباس بن عبد المطلب

بنی مطلب بن عبد مناف: ۲ اُسراء

سائب بن عبید بن عبد یزید	نعمان بن عمرو بن علقمہ بن المطلب

بنی عبد شمس بن عبد مناف اور اس کے حلیف: ۷ اُسراء

عمرو بن سفیان ابی حرب	حارث بن ابی وحرہ بن ابی عمرو	ابو عاص بن ربیع بن عبد العزیٰ	ابو عاص بن نوفل بن عبد شمس
ابو ریشہ بن ابی عمرو، حلیف	عقبہ بن عبد الحارث بن حضرمی، حلیف		عمرو بن ازرق، حلیف

بنی نوفل بن عبد مناف اور اس کے حلیف: ۳ اُسراء

عدی بن خیار بن عدی بن نوفل	عثمان بن عبد شمس، حلیف	ابو ثور، حلیف

بنی عبد الدار بن قصی اور اس کے حلیف: ۲ اُسراء

ابو عزیز بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف	اسود بن عامر، حلیف

بنی اسد بن عبد العزیٰ بن قصی اور اس کے حلیف: ۳ اُسراء

سائب بن ابی جیش بن المطلب بن اسد	حویرث بن عباد بن عثمان بن اسد	سالم بن شماخ یا شداخ، حلیف

بنی مخزوم بن یقظہ بن مرۃ اور اس کے حلیف: ۹ اُسراء

خالد بن ہشام بن مغیرہ	امیہ بن ابی حذیفہ بن مغیرہ	ولید بن ولید بن مغیرہ	عثمان بن عبد اللہ بن مغیرہ	خالد بن الاعلم، حلیف
صیفی بن ابی رفاعہ بن عابد	ابو المنذر بن ابی رفاعہ		ابو عطاء عبد اللہ بن ابی سائب	المطلب بن حنطب بن حارث

بنی سہم بن عمرو بن حصیص: ۴ اُسراء

ابو وداعہ بن ضبیرہ بن سعید بن سعد سہمی	فروۃ یا سروۃ بن قیس بن عدی بن خرافہ	حنظلہ بن قبیصہ بن حذافہ بن سعد
	حجاج بن حارث یا قیس بن عدی بن سعد	

بنی جمح بن عمرو حصیص سے: ۵ اُسراء

عبد اللہ بن ابی بن خلف بن وہب	ابو عزہ عمرو بن عبد بن عثمان	فاکہ، امیہ بن خلف کے غلام	وہب بن عمیر بن وہب بن خلف
	ربیعہ بن دراج الجمحی بن اھبان		

بنی عامر بن لؤی: ۳ اُسراء

سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود	عبد بن زمعہ بن قیس بن عبد شمس	عبد الرحمٰن بن مشنوء بن وقدان بن قیس

بنی حارث بن فہر: ۴ اُسراء

طفیل بن ابی قمیع	عتبہ بن عمرو بن حجدم	قیس بن سائب مخزومی	نسطاس، امیہ بن خلف کے غلام

ابن ہشام کا اضافہ ۲۲ اُسراء

☆ **بنی ہاشم سے:** حلیف عتبہ
☆ **بنی مطلب:** عقیل بن عمرو، تمیم بن عمرو، ابن تمیم بن عمر
☆ **بنی عبدشمس سے:** خالد بن اسید بن ابی وقاص اور انکا غلام ابوعریض یسار
☆ **بنی نوفل کا غلام** نبہان
☆ **بنی اسد سے:** عبداللہ بن حمید بن زہیر
☆ **بنی عبدالدار کا حلیف** عقیل
☆ **بنی تمیم بن مرہ سے** مسافع بن عیاض اور ان کے حلیف جابر بن زبیر
☆ **بنی مخزوم بن یقظہ سے:** قیس بن سائب
☆ **بنی جمح بن عمرو بن ہصیص کے غلام** عمرو بن ابی بن خلف ۔ ابورہم بن عبداللہ حلیف ۔ نسطاس، امیہ بن خلف کے غلام ۔ ابورافع، امیہ بن خلف کے غلام ۔ غلام امیہ بن خلف ۔
☆ **بنی سہم بن عمرو سے:** اسلم مولیٰ نبیہ بن حجاج
☆ **بنی عامر بن لوی سے:** حبیب بن جابر ۔ سائب بن مالک
☆ **بنی حارث بن فہر کے حلیف** شافع، شفیع

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی سلامتی کی خبر

اہل مدینہ بدر کی خبر کیلئے منتظر تھے کیونکہ ان کے عزیز و اقارب اور رشتہ دار نبیؐ کے ساتھ پہلی بار دشمن سے لڑنے گئے تھے ۔ وہ اس سوچ میں تھے کہ ان پر کیا گزری ہوگی ۔ منافقین اور یہود اس خوشخبری کے انتظار میں تھے کہ محمدؐ اور ان کے اصحاب کا کیا انجام ہوا ہے ۔ جب پیغمبرؐ مدینہ کے نزدیک پہنچے تو زیدؓ بن حارثہ اور عبداللہؓ بن رواحہ کو بھیجا تا کہ اہل مدینہ کو خبر دیں، دونوں مدینے کی مختلف گلیوں میں داخل ہوئے اور آواز لگائی "یا معشر الانصار تمہیں خوشخبری ہو رسول خداؐ سلامتی سے ہیں اور مشرکین قتل ہوئے ربیعہ اور حجاج کے دونوں بیٹے قتل ہوئے سہیل بن عمرو اور دیگر بہت سے لوگ اسیر ہوئے ہیں" مسلمانوں کیلئے یہ انتہائی خوشی کے لمحات تھے کیونکہ انھیں راحت و سکون اور نیا شوق و ولولہ ملا تھا، انھیں اپنے اندر ایک قوت و طاقت کا احساس ہوا کہ انہوں نے اپنے نفس و عقیدہ کی بنیاد پر قریش سے نجات حاصل کی ہے ۔

عاصم بن عدی نے عبداللہ بن رواحہ سے یہ خبر سنی تو ان سے پوچھا جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں حق ہے تو انھوں نے کہا واللہ حق ہے ۔ کل پیغمبرؐ آئیں گے اور ان کے ساتھ مشرکین کے اسیر بھی ہوں گے ۔ مسلمانوں کے بچوں نے اشعار پڑھے "ابوجہل مرگیا" یہ بات منافقین کیلئے گوارا نہ تھی ۔ انھوں نے کہنا شروع کر دیا "پیغمبرؐ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قتل ہوگئے ۔ زید اور عبداللہ بن رواحہ اپنے حواس کھو بیٹھے ہیں انہیں پتہ نہیں چل رہا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں" یہود و منافقین نے اس منافقانہ روش کے ذریعے حالات خراب کرنے کی کوشش کی لیکن جلد ہی خوشخبری کی موج نے ان کے تمام جھوٹے پروپیگنڈے خس و خاشاک کی طرح بہا دیئے ۔ دوسرے دن اہل مدینہ پیغمبرؐ کے استقبال کیلئے تکبیر و تحلیل کے ساتھ مدینے سے باہر نکلے ۔

جنگی مجرم

پیغمبر اسلامؐ عام جنگوں میں اسیر ہونے والوں کو قتل کرنے سے منع فرماتے تھے لیکن جنگ بدر میں اسیر ہونے والوں میں سے دو اسیروں کو مدینہ جاتے وقت راستے میں ہی قتل کر دیا گیا۔ کتاب محمد رسول اللہؐ کے مولف محمد صادق ابراہیم ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ جنگ بدر میں اسیر ہو کر راستے میں قتل ہونے والے دو افراد میں سے ایک نضر بن حارث علقمہ بن کلدہ عبدری اور دوسرا عقبہ بن ابی معیط تھا نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط دونوں کو مشرکین نے مدینہ میں مقیم یہودی علماء کے پاس بھیجا تا کہ یہ لوگ محمدؐ سے مناظرہ کرنے کیلئے ان سے سوالات ذہن نشین کر لیں۔ یہودی علماء نے ان دونوں کو سمجھایا کہ وہ محمدؐ سے تین چیزوں کے بارے میں پوچھیں اگر وہ ان تینوں سوالات کا جواب دیں تو سمجھ لینا کہ وہ پیغمبرؐ ہیں لیکن اگر وہ جواب نہ دے سکیں تو وہ جھوٹے ہوں گے پھر تم لوگ اپنا فیصلہ کر لینا:

الف۔ وہ کونسا جوان ہے جس نے قدیم زمانے میں سفر کیا اور اس کا ایک قصہ بھی ہے؟

ب۔ وہ شخص کون ہے جس نے مشرق سے مغرب کا سفر کیا؟

ج۔ روح کیا چیز ہے؟

ان دونوں نے سوالات کو ذہن نشین کر کے قریش کو اس بارے میں اطلاع دی۔ جب قریش کی جانب سے یہ تینوں سوالات پیغمبرؐ سے پوچھے گئے تو خداوند کریم نے ان کے جواب میں سورہ کہف نازل کی۔

نضر اور عقبہ دونوں کو آپ کی خصوصی ہدایت پر قتل کیا گیا لہٰذا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ان دونوں کی باطنی خباثت اور شیطانی عداوت کے تاریک صفحات کی چند سطریں قارئین کی خدمت میں پیش کی جائیں۔

ا۔ نضر بن حارث

نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ ہمیشہ قریش کے ہر اجتماع اور محفل میں شریک ہوتا تھا اس شخص نے جنگ بدر میں مشرکین کا پرچم اٹھا رکھا تھا اور یہ قریش کے اکابر مجرمین میں سے تھا اسلام دشمنی اور رسول اللہ کی ایذاء رسانی میں حد درجہ بڑھا ہوا تھا، پیغمبرؐ نے جب اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنے قریب کھڑے قیدی سے کہا واللہ محمدؐ مجھے قتل کرا دیں گے جب وہ مجھے دیکھ رہے تھے تو انکی نظروں میں موت کا پیغام تھا نضر اپنے جرائم سے باخبر تھا اس کا دل اسے ان جرائم سے آگاہ کر رہا تھا جنھیں یہ کمزور مسلمانوں پر مظالم کرتا تھا تا کہ وہ اپنا دین چھوڑ دیں۔ پیغمبرؐ کے خلاف مہم چلانے والوں میں سب سے آگے تھا۔ جب رسول اللہؐ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے، انہیں قرآن اور اللہ کا پیغام سناتے تھے تو نضر بن حارث وہاں پہنچ جاتا اور لوگوں سے کہتا محمدؐ جو کچھ سنا کر گئے ہیں اور جسے اللہ کی طرف سے وحی اور خدا کا کلام کہتے ہیں وہ تو پرانے زمانے کے قصے کہانیاں ہیں، میرے پاس تو اس سے بھی بہتر کتاب ہے جب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے تو یہ لوگوں کو ایران کی قدیم تاریخ میں سے رستم اور اسفندیار کے قصے اور کہانیاں سناتا اور کہتا محمد کی باتیں نہ سنا کرو، نضر ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے رسول اللہؐ کو قتل

کرنے کا فیصلہ کیا اور ہجرت کی رات آپ کو قتل کرنے کیلئے ہتھیار لگا کر آپ کے گھر کے باہر ساری رات کھڑے رہے تا کہ آپ گھر سے باہر آئیں تو وہ سب مل کر آپ کو قتل کردیں۔ یہ ہمیشہ رسول اور مسلمانوں کو ختم کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔ پیغمبرؐ کے ہجرت کرنے کے بعد اس نے مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا چنانچہ یہ لوگوں کو اکسا کر بدر کے میدان میں لایا۔ اب اسے اپنے تمام جرائم یاد آرہے تھے لیکن یہ کسی ایسے آدمی کی تلاش میں تھا جو اس کے جرائم کی پیغمبرؐ کے سامنے صفائی پیش کرے اور اسے معافی دلادے۔ اتنے میں اسے مصعبؓ بن عمیر نظر آئے تو اس نے ان سے درخواست کی، اے مصعبؓ خدا کے واسطے محمدؐ کے سامنے میری سفارش کرو لیکن مصعبؓ نے جواب دیا تم نے خدا اور اس کے رسولؐ کی توہین اور مسلمانوں پر مظالم ڈھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی تھی۔

یہ سن کر نضر بن حارث کوئی جواب نہ دے سکا اس نے قرابت داری کا سہارا لیا اور کہا اے مصعبؓ جس طرح مسلمانوں نے مجھے قیدی بنایا ہے اگر اسی طرح قریش مکہ نے تجھے قیدی بنایا ہوتا تو میرے جیتے جی قریش تمہیں تہ تیغ نہ کرسکتے۔ مصعبؓ نے جواب دیا جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ صحیح نہیں اور نہ ہی میں اور تم یکساں ہیں کیونکہ اسلام نے تو جاہلیت کے سارے تعلقات ختم کر دیئے ہیں، نضر بن حارث مقداد کا قیدی تھا۔ انھیں اس کے بدلے میں بھاری رقم فدیہ کے طور پر ملنے کی امید تھی اس کے قتل کا خوف دیکھ کر انھوں نے کہا نضر میرا قیدی ہے۔ نضر بن حارث کو مدینہ جاتے وقت مقام صفراء پر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اسے پیغمبرؐ کے حکم پر علیؑ نے قتل کیا۔

۲۔ عقبہ بن ابی معیط

عقبہ بن ابی معیط قریش میں پست خصلت اور مجہول نسب ہونے کے علاوہ قتل و غارت گری اور طاغوتی مجالس میں ذلیل و خوار ہونے والے افراد میں سے تھا۔ یہ شخص ہمیشہ حکام جور کی رضامندی، ان کی خوشحالی اور قرب حاصل کرنے کا خواہشمند رہتا تھا یہ شخص رسول اللہؐ کو ایذا پہنچاتا تھا ایک دفعہ قریش کی محفل میں کسی نے کہا کہ کوئی ایسا شخص ہے جو اوجھڑی کی گندگی محمدؐ پر حالت سجدے میں پھینک کر آئے تو عقبہ نے جواب دیا کہ میں ایسا کروں گا۔ قریش کے سرکردگان نے اسے سراہتے ہوئے کہا کہ تم ہی اسی کام کیلئے لائق و مناسب ہو۔ یہ شخص گندگی اٹھائے اس جگہ گیا جہاں پیغمبر اسلامؐ نماز پڑھ رہے تھے، جس وقت آپؐ سجدہ میں گئے تو اس نے یہ ساری گندگی آپؐ کے اوپر ڈال دی، اس حرکت پر قریشیوں نے ہنسی مذاق کیا۔ اس دوران ایک آدمی اس جسارت آمیز حرکت کی خبر دینے کیلئے دوڑتا ہوا سیدۃ نساء العالمین زہرائے مرضیہ = کے پاس آیا آپ نے فوراً جا کر اپنے والد گرامی کی پشت سے گندگی کو صاف کیا اور لباس کو پاک کرکے قریش کو عتاب کیا۔ جس پر سب نے شرم کے مارے سر نیچے کرلیا اور کسی نے بھی ایک جواب بھی نہیں دیا۔ یہ پیغمبرؐ کی ہجرت کے بعد نو وارد مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتا تھا یہاں بھی زمانے کی گردش نے اس شخص کو ایک ایسا دن دکھلایا جہاں اسے محمدؐ کے ہاتھوں اسیر ہونا پڑا اور اس کا حقیقی انجام عرق الظبیہ کے مقام پر ہوا یہ مقام مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے جہاں پیغمبر اسلامؐ نے عاصم بن ثابت بن ابی ملح انصاری کو حکم دیا کہ اسے قتل کردیا جائے۔

اسلام میں مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ سلوک

اسلام نے ایمان لانے والوں اور ایمان نہ لانے والوں کے ساتھ سلوک کیلئے پانچ اصول وضع کیے ہیں جن کے تحت وہ حقوق میں برابر و یکساں ہیں:

☆عدالت ☆معاملہ بالمثل ☆فضیلت

☆عہد پر وفا ☆ضعیف و ناتوان کی مدد کرنا

ان پانچ اصولوں میں اسلام کسی قسم کے فرق و امتیازات کو مسلمانوں اور غیر مسلموں میں روا نہیں رکھتا ہے ان پانچ اصولوں میں برابر ہونے کی ایک ہی بنیاد ہے چونکہ اسلام انسان کی حریت و آزادی کا داعی و حامی ہے لہٰذا وہ انسان پر عقیدۂ اسلام کو ٹھونستا نہیں ہے:

ا۔ عدالت

الف۔ دین اسلام میں اپنوں اور غیروں کے ساتھ تعلق و سلوک کا معاملہ عدالت پر قائم ہے۔ میز عدالت پر سب برابر ہیں، اس کی سب سے واضح مثال مسلمانوں کا کفار حربی کے ساتھ سلوک ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿وَلَايَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ''اور نہ آمادہ کرے تم کو دشمنی کسی قوم کی کہ اس نے روکا تھا تم کو مسجد الحرام سے'' (مائدہ۲)

ب۔ عدالت کے قائم کرنے والے بنو چاہے اپنے نفس کے خلاف گواہ بننا پڑے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ ''اے ایمان والو عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی مولا کیلئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو'' (نسا۱۳۵)(مائدہ۸،۴۲،انعام۱۵۲،اعراف۲۹)

ج۔ خدا عدل و احسان کا حکم دیتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ ''اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ اچھے سلوک کرنے کا حکم کرتا ہے'' (نحل۹۰)

د۔ خدا نے قرآن میں یہود کی مذمت کی ہے جو اپنے درمیان عدالت قائم کرتے اور غیر یہود کا حق کھاتے تھے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ﴾ ''یہ اس لئے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں کا حق کوئی گناہ نہیں'' (آل عمران۷۵)

ہ۔ خدا نے انبیاءؑ کو عدالت قائم کرنے کے لئے بھیجا ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو

کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمایا تا کہ لوگ عدل پر قائم رہیں" (حدید ۲۵)

اسلام میں جنگ بذات خود قیام قسط (عدالت) کیلئے ہے آیات کے علاوہ کثیر روایات بھی اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں۔ دشمن اور دوست دونوں کے ساتھ ظلم نہ کیا جائے کیونکہ خدا نے اپنے اوپر عدالت کو ثبت کیا ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ "اللہ تعالیٰ فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے" (آل عمران ۱۸)

و۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جو ظالم کے ظلم میں مدد کرتا ہے وہ دائرۂ اسلام سے باہر ہے:

"من یعاون الظالم فی ظلمه فهو خارجٌ علی الاسلام"

ز۔ جو ظالم کے ساتھ چلتا ہے وہ اسلام سے خارج ہے:

"من مشی مع ظالم فقد خرج من الاسلام"

ح۔ انسان کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی قوم، جنس، ہم وطن کے ساتھ نیکی کرتے وقت ان کے ظلم میں بھی ان کی مدد کرے، قومیت کی بنا پر ظلم میں مدد کرنا عصبیت ہے پیغمبرؐ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف دعوت دے اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی بنا پر جنگ لڑتا ہے:

"لیس منا من دعا الی عصبیة و لیس منا من قاتل علی عصبیة"

۲۔ معاملہ بالمثل

اسلام نے عدالت کے فروغ میں معاملہ بالمثل کا اعلان کیا ہے کہ معاشرے میں عدالت مطلقہ قائم کی جائے عام طور پر عدالت کی میز یا کمرۂ عدالت میں قاضی دوست و دشمن میں تمیز نہیں کرتے ۔اسلام نے دعوت دی ہے کہ غیر سے بھی عدالت کا سلوک کیا جائے چاہے افراد یا گروہ کے درمیان ہو ۔اگر تعدی ظلم ہے تو ظلم رفع کرنا عدل ہے چنانچہ اس آیت میں آیا ہے:

﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ "جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے" (بقرہ ۱۹۴)

کہتے ہیں اس آیت کی رُو سے تعدی روکنے کے لئے جنگ جائز ہے لیکن اگر کسی نے خود تعدی کی تو جنگ کا جواز نہیں بنتا:

﴿وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ "اور حد سے آگے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا" (مائدہ ۸۷)

اگر کسی تعدی کو رد کیا جائے گا تو اس کا جواب تعدی کی مقدار کے مطابق دیا جائے گا ایسا نہیں ہے کہ جس نے آپ سے جنگ نہیں کی اس سے جنگ کر کے زمین میں فساد برپا کیا جائے ۔معاملہ بالمثل کے لئے اسلام نے صرف جنگ میں اسیر بنانا

جائز قرار دیا ہے کیونکہ مقابلے میں دشمن مسلمانوں کو اسیر کرتے ہیں، کفار اسیروں کو ذبح وقتل اور بھوک و پیاس میں مبتلا رکھتے تھے اوران کے اعضاء وجوارح کو کاٹتے تھے لیکن اسلام ان میں سے کسی چیز کی اجازت نہیں دیتا۔ حمزہ ؓ کے مثلہ کو دیکھ کر پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہم بھی مثلہ کریں گے تو آیت نازل ہوئی کہ آپ ایسا نہ کریں:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ﴾ ''اور اگر بدلہ لو بھی تو بالکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمہیں پہنچایا گیا ہو اور اگر صبر کرلو تو بے شک صابروں کیلئے یہی بہتر ہے'' (نحل ۱۲۶)

۳۔ وفا بہ عہد

اسلام سلامتی کی طرف دعوت دینے کیلئے آیا ہے لہٰذا اگر کوئی تسلیم ہو کر امن کا خواہاں ہو تو اسلام کا فرض ہے کہ اس کو امن دے لیکن امن وسلامتی کیلئے عہدو پیان کی ضرورت ہے اور عہدو پیان خطوط وضمانتوں سے نہیں بلکہ عہد پر وفا کرنے سے ہوتا ہے اسی لئے قرآن کریم نے عہد پر وفا کرنے کی تاکید کی ہے اور عہد کی وفا نہ کرنے کو علامت نفاق قرار دیا ہے اس کا تذکرہ ان آیات میں آیا ہے:

الف۔ **عہد کا وفا کرو**

﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا﴾ ''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول وقرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو'' (نحل ۹۱)

ب۔ **ان جیسے نہ بنو جو عہد کو توڑتے ہیں**

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ﴾ ''اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا کہ تم اپنی قسموں کو آپس کے مکر کا باعث ٹھہراؤ'' (نحل ۹۲)

ج۔ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ﴾ ''اور تم اپنی قسموں کو آپس میں دغابازی کا بہانہ نہ بناؤ'' (نحل ۹۴)

د۔ ﴿بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ﴾ ''اس لئے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھا چڑھا ہو جائے'' (نحل ۹۲)

ہ۔ ﴿إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ ''بات صرف یہ ہے کہ اس عہد سے اللہ تمہیں آزما رہا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے لئے قیامت کے دن ہر چیز کو کھول کر بیان کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے تھے'' (نحل ۹۲)

۴۔ فضیلت اخلاق

چاہے جنگ ہو یا صلح، اخلاق سب میں شامل ہونا چاہیے یہ اخلاق تمام اطراف عالم میں پھیلنا چاہیے برے اخلاق وہ ہیں جو چیز تم اپنے علاقہ والوں یا دوست کیلئے بُری سمجھتے ہو وہ چیز تمہارے دشمن کے لئے بھی بری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مشرکین

نے حمزہؓ کا مثلہ کیا تو پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا مثلہ نہ کرو چاہے بھونکنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کفار کے پاس اسیر بھوکا مرتا ہے تو تمہارے پاس اسیر بھوکا نہیں مرنا چاہیے۔ اس جنگ میں جنگی فتح و شکست کے قوانین غیر متوقع طور پر بدل گئے اور نتیجہ بھی برعکس نکلا جس کا شکر قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ "جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد فرمائی تھی جبکہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے اس لئے اللہ ہی سے ڈرو! تا کہ تمہیں شکر گزاری کی توفیق ہو"

(آل عمران ۱۲۳)

پیغمبرؐ اور مسلمانوں کے چند اہداف تھے:

۱۔ پیغمبرؐ مشرکین و بت و سر پرست دشمنان خدا پر اس بات کو واضح کرنے کیلئے نکلے تھے کہ مدینہ میں موجود مسلمانوں کا اجتماع تاریخ بشریت کو نئے رخ پر لگانے کا عزم کر چکا ہے۔ مسلمان موت کے دہانے تک پیغمبر اسلامؐ کے اشاروں پر چلنے کیلئے آمادہ و تیار ہیں وہ ہر اس جگہ پر جانے کیلئے تیار ہیں جہاں پیغمبرؐ انھیں لے جانا چاہیں۔

۲۔ ظالم و شقی اور بے رحم مشرکین نے بے چارے مسلمانوں کو اذیت و آزار دے کر سرزمین مکہ سے نکال دیا تھا، اسی طرح ان کے گھروں اور مال پر قبضہ کر لیا تھا لہٰذا غارت شدہ اموال کا بدلہ لینا ضروری تھا۔

۳۔ قریش کے غرور و تکبر کو توڑنے کیلئے ان سے اموال کا چھیننا ضروری تھا تا کہ مدینہ کی شاہراہوں پر ان کے آنے جانے کی سہولت ختم ہو جائے اور مسلمانوں کی ہیبت ان کے دلوں میں بیٹھ جائے۔

۴۔ مشرکین خود کو طاقتور سمجھتے تھے۔ جس طرح بھی ہو انھیں سمجھانا ضروری تھا کہ تم مسلمانوں کے مقابلے میں ضعیف و کمزور اور اپنی وحدت کے حوالے سے منتشر ہو۔ درج بالا اہداف و مقاصد میں سے کسی ایک کے حاصل ہونے پر پیغمبرؐ نے اپنے مقصد میں کامیاب تھے۔

دشمنوں سے سلوک

خدا نے انسانوں کو اخلاق، فضیلت، شرافت اور دین و مذہب کی خلعت پہنائی ہے جسکا ذکر قرآن کریم کی متعدد آیات میں آیا ہے۔ ایک انسان کا دوسرے انسان سے بہتری اور برتری کا ثبوت اخلاق فاضلہ میں ہے، یہ اخلاق فاضلہ انسان کے اندر کس حد تک گہرے، راسخ اور اس کے وجود سے جڑے ہوئے ہیں اسکا اندازہ معمول کے حالات سے نہیں بلکہ ہمیشہ غیر عادی حالات سے ہوتا ہے۔ ایک انسان کی تواضع و دردمندی کی فضیلت اقتدار کے دور میں نظر آتی ہے اسی طرح شرافت و شفقت کا دعویٰ اور اسکی چکائی کرنے والے کی حقیقت میدان جنگ میں غلبہ ہونے کے موقع پر واضح ہوتی ہے لہٰذا خدا نے میدان جنگ کو انسانوں کی آزمائش کا حال جانچنے کی جگہ قرار دیا ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ﴾ "اور ہم کسی

نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے دشمن کے ڈر سے' بھوک پیاس سے مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے'' (بقرہ ۱۵۵)

میدان جنگ میں پتہ چلتا ہے کہ ایک شخص کتنا امن پسند وعدالت پسند اور رحم دل انسان ہے، یہ ایسی جگہ ہے جہاں برہنہ، بے پردہ اور بے حجاب کر کے اس کی حقیقت کو سامنے لایا جاتا ہے کہ وہ کس حد تک قانون و آئین کا پابند ہے چنانچہ میدان جنگ میں دو گروہ منکشف ہو جاتے ہیں:

۱۔ ایک گروہ وہ ہے جب ان کو فتح و کامیابی نصیب ہوتی ہے تو وہ اپنے دشمن سے بدترین، پست سے پست تر، بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ ناروا سلوک اپناتے ہوئے لذت اٹھاتے ہیں۔

۲۔ اول الذکر کے مقابلے میں اہل دین و دیانت انبیاءؑ اور ان کے وارثوں کی جنگی حکمت عملی کو اپناتے ہیں۔ خداوند متعال نے قرآن میں پیغمبرؐ کے متعلق فرمایا آپؐ خلق عظیم پر فائز ہیں:

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ ''اور بیشک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں'' (قلم ۴)

اور آپؐ نے خود فرمایا ''میں اخلاق کریمہ کو مکمل کرنے کے لئے آیا ہوں'' بیان خدا اور بیان رسولؐ کو سامنے رکھتے ہوئے ہم پیغمبرؐ کو جنگوں اور غزوات میں دیکھتے ہیں جن کے اہداف کے بارے میں آپؐ فرماتے تھے ''ہم کلمۃ اللہ کی سربلندی، عدالت وحق کے رواج اور کرامت انسانی کیلئے جنگ لڑتے ہیں''۔ اس دعویٰ کا پاس آپ نے کس حد تک رکھا کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے کسی سے ایک بھی جنگ نہیں لڑی جب تک کہ ان لوگوں کو خدا کی عبادت و بندگی اور بت پرستی چھوڑنے کی دعوت نہ دی ہو، آپ نے ان لوگوں سے جنگ لڑی جو اپنی مصلحت و منفعت دنیا کو مدنظر رکھتے ہوئے آپؐ اور آپ کی دعوت کے سامنے سینہ سپر ہو گئے تھے تاکہ دعوت کے محروم و مہذب انسانوں تک پہنچانے میں حائل ہوں۔

تاریخ کامل جلد دوم اور تاریخ طبری جلد دوم پر لکھتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر پیغمبرؐ نے فرمایا ''ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ اور ہماری دعوت کے سامنے رکاوٹ نہ بنو'' اسی طرح پیغمبرؐ میدان جنگ میں اپنے لشکر کو ہدایت دیتے تھے۔

الف۔ جو زخمی ہو کر گرے اس پر حملہ نہ کیا جائے

ب۔ مرنے والے کا مثلہ نہ کیا جائے

ج۔ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے

جنگ حنین میں پیغمبرؐ ایک مقتول عورت کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے غصے سے پوچھا کہ اس عورت کو کس نے قتل کیا تو لوگوں نے کہا کہ خالد بن ولید نے، آپؐ نے فرمایا کہ انھیں بلاؤ جب ولید آئے تو آپؐ نے فرمایا کہ عورتوں، بچوں اور اسیروں کو قتل نہ کرو، امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کا ایک خطبہ شرح نہج البلاغہ از ابن حدید ج ۱۵ کتب ۱۴، آداب جنگ کے بارے میں موجود ہے۔ اسی طرح پیغمبرؐ نے فرمایا ''جب تک لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت نہ دی جائے، ان پر حملہ نہ کرو اور ان سے

محبت سے پیش آ ؤ، روئے زمین پر کوئی بھی خاندان چاہے اینٹ والے گھر میں رہتا ہو یا چادر کے آشیانے میں، اسکا اسلام لانا میرے نزدیک پسندیدہ ہے بجائے اس کے کہ مردوں کو قتل کیا جائے عورتوں اور بچوں کو اسیر کر کے لایا جائے" پیغمبر اسلام مردوں کے ساتھ اخلاق کریمہ سے پیش آتے تھے۔ آپؐ نے جنگ بدر میں مقتولین قریش کو دفنایا اور جن ستر افراد کو اسیر کیا گیا تھا ان کے بارے میں سفارش کی کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔

۱۔ اسیر کی آزادی کے تمام وسائل و ذرائع کو فراہم کیا گیا ہے۔ چنانچہ بدر کے اسراء کی آزادی کیلئے کم سے کم اور آسان شرائط رکھی گئیں جبکہ جنگ حنین کے اسیروں کو بغیر کسی معاوضے کے رہا کیا گیا۔

۲۔ مسلمانوں کو رغبت دلائی گئی ہے کہ مسلمان اسیروں کی رہائی کا پاس و خیال رکھا جائے۔

﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ "کسی گردن کو آزاد کرنا" (بلد۱۳)

۳۔ اسلام میں اسیر کرنے کا طریقہ ملغہ ہے۔ ڈاکے و چوری اور شب خون مار کر مادی فوائد و منافع حاصل کر کے اسیر کرنے کا کوئی تصور قرآن میں نہیں ہے۔ تاہم دنیا نے کفر و شرک کے تسلط اور غلبے کے اس دروازے کو ان کے ہاتھوں سے چھیننے کیلئے جنگی اسراء بنانے کے جواز کو باقی رکھا ہے۔

﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ "یا تمہاری ملکیت کی لونڈی" (نساء۳)(مومنون۶)

۴۔ اسلام نے مسلمان اسیروں کی آزادی کیلئے زکوٰۃ کا ایک حصہ معین کیا ہے۔

۵۔ ہر گناہ پر غلام کی آزادی کا حکم دیا ہے

﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ "پس ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا" (نساء۹۲)

۶۔ بعض پڑھے لکھے مغرب کے بارے میں دانشمند اور اسلام سے نا آشنا و نابلد لوگ کہتے ہیں کہ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے اور ان کی خواہش ہے کہ مسلمان ہمیشہ مشرکین کے ہاتھوں اسیر رہیں اور خود مسلمانوں کے ہاتھ ہمیشہ بندھے رہیں کہ وہ برحق اور جائز طریقے سے اسیر نہ کرسکیں کہتے ہیں کہ کیا اب بھی اسیر کا عمل ہے؟ کیا اسیر کیا جاسکتا ہے؟ انہیں آیات قرآن سے کوئی دلچسپی نہیں یہ مغرب کے پرستار و دلدادہ بننے کے خواہشمند ہیں، ہر اس لفظ کو استعمال کرنے کیلئے تیار ہیں جس سے اسلام کی اہانت ہو اور مغرب والوں کی خوشامد ہو۔

اُسراء کے بارے میں پیغمبرؐ نے وصیت کی کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ پیغمبرؐ نے فدیہ کی ادائیگی کے بدلے اسیروں کی رہائی کا اعلان کیا۔ جو قیدی فدیہ نہیں دے سکتے تھے ان سے کہا گیا ہر ایک فدیہ کے بدلے دس مسلمانوں کو خط و کتابت سکھائے جسکے بعد اسے آزاد کر دیا جائے گا۔

اسیروں کے احکام

جب مسلمانوں اور کافروں میں جنگ ہو تو بہت سے امور پیش آتے ہیں ان میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کے افراد کو گرفتار کر لیتا ہے، ان گرفتار شدہ گان کو قیدی کہا جاتا ہے؟

سورۃ الانفال میں قیدیوں کے قتل کرنے اور فدیہ لیکر چھوڑنے کا حکم ہے جبکہ سورہ محمدؐ میں احسان کر کے چھوڑ دینے اور فدیہ لے کر چھوڑ دینا دونوں طریقوں کا ذکر ہوا ہے۔ فدیہ لینے کے دو طریقے:

الف۔ اپنے قیدیوں کو چھڑانے کیلئے ان کے قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے۔

ب۔ کافر قیدیوں کو مال لے کر چھوڑ دیا جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ انہیں ذمی بنا کر رکھ لیا جائے یا انہیں غلام و باندی بنا لیا جائے۔

اسیروں کی تقسیم

مدینہ آنے کے بعد اسیر دو دو چار چار کر کے صحابہ کرام میں تقسیم کر دیئے گئے پیغمبرؐ نے حکم دیا کہ ان قیدیوں کو آرام کے ساتھ رکھا جائے اور ان سے اچھا سلوک کیا جائے، مصعبؓ بن عمیر کے بھائی ابوعزیز بھی ان قیدیوں میں سے تھے وہ کہتے تھے "مجھے جن انصاریوں نے گھر میں قید رکھا وہ کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوروں پر گزر بسر کرتے تھے"۔

متوقع آزادی کے امیدوار

وہ اسیر جو عام جنگی سپاہی کی حیثیت سے یا بادل ناخواستہ جنگ میں شریک ہوئے یا پھر جن کی عداوت اور دشمن روشن و واضح نہیں تھی ان کی کسی نہ کسی طریقے سے آزادی متوقع تھی۔

ستر میں سے دو مجرموں کی قتل کے بعد ۶۸ مجرموں میں سے قابل ذکر اسیر یہ ہیں۔

- ☆ عباس ابن عبدالمطلب اور ان کے برادر زادے حارث بن ابی طالب اور عقیل ابن ابی طالب
- ☆ ابو العاص بن ربیع
- ☆ ولید بن ولید
- ☆ سائب بن ابی جیش
- ☆ ابو وداعہ سہمی
- ☆ سہیل بن عمرو
- ☆ خالد بن ہشام مخزومی
- ☆ عبداللہ بن سائب
- ☆ مطلب بن حنطب
- ☆ عبداللہ بن ابی بن خلف
- ☆ قیس ابن سائب مخزومی
- ☆ مصعب بن عمیر کے بھائی ابوعزیز بن عمیر
- ☆ نسطاس مولی بنی امیہ بن خلف
- ☆ وھب بن عمیر جمحی
- ☆ ام المومنین سودۃ بنت زمعہ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ

قریشی اسیروں سے فدیہ

قریش کے قیدیوں سے ان کی حیثیت کے مطابق فدیہ لیا گیا، یہ رقم چار ہزار درہم سے لے کر ایک ہزار درہم تک تھی۔ معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ ہر قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ یعنی سولہ سو درہم تھا، روح المعانی میں لکھا ہے کہ ہر ایک قیدی کا فدیہ سو اوقیہ تھا۔ اوقیہ جیسا کہ معجم لغت فقہاء ص ۹۷، میں آیا ہے ایک مقدار معین وزن کو کہتے ہیں اس کی جمع اواقی ہے، اس کی مقدار اپنے

موزون کے حوالے سے ایک دوسرے سے مختلف ہے مثلاً چاندی کا ایک اوقیہ ایک سوانیس (۱۱۹) گرام ہوتا ہے، سونا ساڑھے سات مثقال جو ۲۹.۷۵ گرام ہوتا ہے مملکتوں کے حوالے سے بھی فرق پڑتا ہے جیسے مصر میں چونتیس (۳۴) گرام، جنوب شام دوسو (۲۰۰) گرام اور شمال شام حلب میں تین سو تینتیس (۳۳۳) گرام ایک اوقیہ ہوتا تھا۔

جو قیدی پڑھے لکھے تھے اور فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے انہیں رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک مدینہ کے مسلمانوں کے دس لڑکوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دے۔ جب اس کے زیر تعلیم لڑکے پڑھ لکھ کر تیار ہو جائیں گے تو اسے آزادی مل جائے گی، ان دنوں مسلمانوں کی مالی حالت اچھی نہیں تھی اس کے باوجود رسول اللہؐ نے ایک طالب علم کی تعلیم پر چار ہزار درہم سے ایک ہزار درہم تک کے درمیان رقم خرچ کی۔ زیدؓ بن حارثہ نے انہی قیدیوں سے تعلیم حاصل کی تھی، انصار کے بچوں کو تعلیم دے کر رہائی حاصل کرنے والوں کی تعداد دس تھی۔ قریش کے قیدی رہائی کے لئے اپنے زیر تعلیم لڑکوں پر سختی بھی کرتے تھے کہ وہ جلد پڑھنا لکھنا سیکھ جائیں ایک روز ایک بچہ روتا ہوا اپنی ماں کے پاس گیا ماں نے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟

''مجھے استاد نے مارا ہے'' بچے نے روتے ہوئے جواب دیا۔

''وہ بد طینت بدر کا بدلہ لے رہا ہے آئندہ اس کے پاس پڑھنے نہ جانا'' اس کی ماں نے کہا۔

جو قیدی پڑھے ہوئے نہ تھے اور فدیہ کی طاقت بھی نہیں رکھتے تھے ان سے فدیہ کیلئے اجرت پر مزدوری کرائی گئی اس طرح رسول اللہؐ نے قیدیوں کیلئے رہائی میں آسانیاں پیدا کیں۔

صیفی بن ابی رفاعہ مخزومی نے وعدہ کیا کہ اسے رہا کر دیا جائے تو وہ مکہ جا کر فدیہ کی رقم ارسال کر دے گا، اس کے وعدے پر اعتبار کر کے اسے آزاد کر دیا گیا لیکن مکہ جانے کے بعد اس نے فدیہ کی رقم بھیجنے کا وعدہ ایفا نہ کیا۔

داماد رسول ﷺ

قیدیوں میں اللہ کے نبیؐ کے اپنے داماد ابوالعاص بن ربیع بھی تھے ان کی والدہ ہالہ خدیجہؓ کی بہن تھیں۔ رسول اللہؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی زینبؓ ان سے بیاہی گئی تھیں۔ یہ شادی رسول اللہؐ کے منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے ہوئی تھی قریش مکہ نے ابوالعاص سے کہا کہ وہ رسول اللہؐ کی صاحبزادی کو طلاق دیدے اس کے بدلے وہ جس دوشیزہ سے چاہے گا اس کی شادی کر دی جائے گی۔

ابوالعاص نے قریش کے دباؤ اور مشورہ کے تحت رسول اللہؐ کی صاحبزادی کو طلاق دینے اور تکلیف پہنچانے سے انکار کر دیا۔

ابوالعاص اپنے آبائی دین پر قائم رہا اور قریش کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کیلئے آیا تھا لیکن قید ہو گیا۔ رسول اللہؐ کی صاحبزادی نے ابوالعاص کے فدیے میں کچھ مال بھیجا جس میں ایک ہار بھی تھا یہ ہار ان کی والدہ خدیجہؓ نے انہیں شادی کے موقع پر دیا تھا ہار دیکھ کر رسول اللہؐ پر رقت طاری ہو گئی آپ کو خدیجہؓ اور بیٹی یاد آ گئیں چنانچہ ماں کا بیٹی سے پیار اور وہ ہار سب یادیں زندہ ہو گئیں۔

رسول اللہؐ نے صحابہ سے فرمایا "تمہاری مرضی ہوتو اس اسیر کو آزاد کردو اور اس کا زرفدیہ واپس کردو"

رسول اللہؐ کی خواہش پر ابو العاص کو اس شرط پر آزاد کردیا جائے کہ وہ زینبؓ بنت رسول اللہؐ کا راستہ چھوڑ دے گا۔ زینبؓ کا ہار بھی انہیں واپس کردیا اور وہ فدیہ ادا کئے بغیر آزاد ہو کر مکہ روانہ ہوگیا۔ ابی العاص نے زینبؓ کو بھیجنے کا کیا ہوا وعدہ پورا کیا اور بعد میں اسلام قبول کرلیا۔

عباس × بن عبدالمطلب

عباسؓ کنیت ابو الفضل فرزند عبدالمطلب والدہ نیلہ بنت خباب، آپ رسول اللہؐ سے تین سال بڑے تھے فضل آپ کا بڑا بیٹا تھا، آپ کے ایک فرزند عبداللہ، بعد میں حبر امت کے نام سے مشہور ہوئے۔ جب بیعت عقبہ میں رسول اللہؐ نے اہل مدینہ سے عہد و پیمان باندھا تو آپ پیغمبرؐ کے ساتھ تھے۔

عباسؓ پہلے ایمان لا چکے تھے لیکن انھوں نے اپنے ایمان کا اظہار نہ کیا، آپ بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے پیغمبرؐ نے فرمایا جو عباسؓ سے ملے وہ انہیں قتل نہ کرے کیونکہ وہ کراہت میں نکلے ہیں، انھیں کعب بن عمرو نے اسیر کیا۔ بدر کے اسیروں کو رسیوں سے باندھ کر رکھا گیا تھا۔ ان کی آہوں اور کراہٹ کی وجہ سے پیغمبرؐ کو نیند نہیں آرہی تھی کسی نے پیغمبرؐ سے پوچھا آپ کو نیند کیوں نہیں آرہی تو آپؐ نے فرمایا عباسؓ کی کراہنے کی وجہ سے ایک شخص نے جا کر ان کی رسیوں کو کھولا تو پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اب عباسؓ کی آواز نہیں آرہی ہے کسی نے کہا کہ ہم نے ان کی رسی کھول دی ہے پیغمبرؐ نے فرمایا سب کی رسیاں کو کھول دو۔

عباسؓ مشرکین کے ساتھ بیس اوقیہ سونا لے کر چلے تھے تا کہ اپنے ساتھیوں کو کھلاتے پلاتے رہیں (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا) یہ بیس اوقیے صحابہ نے ان سے مقام بدر میں مال غنیمت کے طور پر لے لئے جب قید کر کے لائے گئے اور ان سے سوال ہوا کہ فدیہ دیں تو انہوں نے کہا کہ جو بیس اوقیے لے لئے گئے ہیں انہیں کو کافی سمجھا جائے سرور عالمؐ نے فرمایا کہ جو چیز آپ ہمارے مقابلے میں خرچ کرنے کیلئے لے کر آئے تھے وہ آپکے حساب میں نہیں لگ سکتی۔

عباسؓ نے جواب دیا میں مسلمان ہو چکا ہوں رسول اللہؐ نے فرمایا آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اگر یہ سچ ہے تو اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا، آپ ہمارے دشمنوں کے ساتھ ان کے حامی بن کر آئے ہیں۔ ہم آپ کی ظاہری حالت پر حکم نافذ کرتے ہیں لہٰذا آپ اپنی جان، اپنے بھتیجوں نوفل اور عقیل اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ ادا کریں۔ عباس نے کہا "اے محمدؐ آپ مجھے اس حال میں چھوڑنا چاہتے ہیں کہ زندگی بھر قریش سے بھیک مانگا کروں" میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ اس قدر فدیہ دے سکوں۔ آپ نے فرمایا وہ مال کہاں ہے جو آپ نے اور آپ کی بیوی ام الفضل نے ملکر دفن کیا ہے اور آپ نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں سفر میں مقتول ہوگیا تو یہ مال میرے بیٹوں عبداللہ، فضل اور قثم کے کام آئے گا عباسؓ نے کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہؐ اس بات کا علم میرے اور ام الفضل کے علاوہ کسی اور کو نہیں تھا آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے بتایا۔ اس پر عباسؓ کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں اور وہ بات پھر دہرائی کہ جو بیس اوقیہ میدان جنگ میں مجھ سے لیے گئے

ہیں وہ میرے فدیہ کے حساب میں لگا دیئے جائیں۔ آپ نے فرمایا نہیں، وہ حساب میں نہیں لگ سکتے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں (بطور مالِ غنیمت کے) عطا فرمایا ہے لہٰذا عباسؓ نے اپنا، اپنے دونوں بھتیجوں اور اپنے حلیف کا بھی فدیہ دیا۔

صحیح بخاری جلد اول میں ہے "انصار میں سے بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اجازت دیجئے کہ ہم عباسؓ کی جان کا بدلہ چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی نہ چھوڑو"۔

یہ قانون مساوات اختیار کرنے کا ایک نمونہ ہے، لوگ مساوات کا نام تو لیتے ہیں لیکن جب اپنے پرائے کا سوال آتا ہے تو قانون بھول جاتے ہیں اور قانون غیروں کیلئے بن جاتا ہے بعض اوقات اپنی جان اور اپنے لوگ قانون سے بالاتر ہو جاتے ہیں یہ طریقہ اسلام کے خلاف ہے۔

انھوں نے جنگ احد کے موقع پر مشرکین کی تیاریوں کے بارے میں پیغمبرؐ کو آگاہ کیا۔

فتح مکہ سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کی پیغمبرؐ کی وفات کے بعد علیؑ کی خلافت کے حامی تھے، ۱۰ رجب ۳۲ ہجری کو عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ۸۸ سال کی عمر میں وفات پائی آپ بقیع کے قبرستان میں دفن ہیں۔ آپ کی نسل بنی عباس کے نام سے معروف ہے اس کے بارے میں جاننے کیلئے ہماری کتاب "قرآن میں امام وامت" کی طرف رجوع فرمائیں۔

ولید بن ولید

بنو مخزوم کے قیدیوں میں سے تھے یہ قبیلہ کے سردار کے فرزند تھے، باپ فوت ہو گیا تھا۔ ان کے دو بھائی خالد بن ولید اور ہشام بن ولید فدیہ دینے کے لئے مدینہ آئے تو عبداللہؓ بن جحش سے فدیہ کے بارے میں بات چیت ہوئی، انہوں نے ولید کے فدیے میں ان کے باپ کی زرہ مانگی تو خالد نے زرہ دینے سے انکار کر دیا، پھر عبداللہؓ نے کہا اگر ولید تمہارا بھائی ہوتا تو تم کبھی بھی انکار نہ کرتے اس پر خالد کو غصہ آ گیا چنانچہ مکے سے اپنے والد کی زرہ منگوا کر عبداللہؓ کو دے دی ولید کی آزادی کے بعد جب تینوں بھائی مکہ واپس جا رہے تھے تو رات کے وقت اندھیرے میں ولید بھاگ کر مدینے واپس آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ خالد اور ہشام دونوں ولید کی تلاش میں مدینہ پہنچے، ان کو دیکھ کر کہا کہ اگر تم نے مسلمان ہی ہونا تھا تو فدیہ دینے سے پہلے مسلمان ہو جاتے، ولید نے کہا اگر میں ایسا کرتا تو لوگ کہتے کہ فدیہ بچانے کیلئے مسلمان ہو گیا ہے۔ ولید اپنے بھائیوں کے ساتھ مکے آئے تاکہ اپنا ساز و سامان مدینہ لے جائیں لیکن جب مکہ آئے تو بھائیوں نے انھیں عیاش اور سلمہ کے ساتھ قید میں ڈال دیا، یہ دونوں ابوجہل کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔

بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینا اور اس پر عتاب نازل ہونا

بدر کے بعد سوال پیدا ہوا کہ قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ رسول اللہؐ نے اصحاب سے مشورہ مانگا ابوبکرؓ نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم کے افراد ہیں اور رشتہ دار بھی ہیں ان کو زندہ رہنے دیجئے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ ہمارے بازو بن جائیں یا اس وقت ان سے فدیہ لے لیا جائے یعنی ان کی

جانوں کے بدلہ میں مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا اور شہر مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا، اجازت دیجئے کہ ہم ان کی گردنیں ماردیں، عبداللہؓ بن رواحہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! کوئی ایسی جگہ دیکھئے جہاں خوب زیادہ لکڑیاں ہوں، انہیں اس میں داخل کر کے آگ سے جلا دیا جائے۔ رسول اللہؐ نے خاموشی اختیار فرمائی پھر ابو بکرؓ کی رائے کو اختیار فرمالیا۔ اور کسی اپنے پرائے کی رعایت نہیں کی اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ☆ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ☆ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ”نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے پاس قیدی موجود رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی نہ کر لے تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے، اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے، اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو بڑا عذاب پہنچ جاتا، سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں، اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے“

(انفال ۶۷تا۶۹)

اور اس کے علاوہ اور بھی بعض اقوال ہیں کیونکہ صحابہ کے مشورے سے یہ طے ہو گیا تھا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ جو مال مشرکین سے لے لیا گیا تھا اس میں صحابہ کا بھی حصہ تھا اس لئے رسول اللہؐ نے اس میں کسی اپنے پرائے کی رعایت نہیں فرمائی۔

بدر کے بعد کی جنگی مہمات

غزوہ بنی سلیم ۲ ہجری

بنی سلیم اور بنی غطفان نے مدینہ پر حملے کا منصوبہ بنایا جو اس غزوہ کا سبب بنا یہ غزوہ جنگ بدر کے سات دن بعد پیش آیا اس کی قیادت رسول اللہؐ نے خود فرمائی، پیغمبر اسلامؐ اپنے لشکر کے ہمراہ بنی سلیم کے ایک چشمے پر پہنچے جس کا نام الکدر تھا آپ نے یہاں تین دن قیام کیا اور پھر واپس مدینہ آئے، اس جنگ میں پرچم علیؑ ابن ابی طالب کے ہاتھ میں تھا۔ پیغمبر اسلامؐ دو سو اصحاب کے ساتھ ان کے گاؤں میں داخل ہوئے اور پانچ سو اونٹ غنیمت میں لیے۔ آپ نے خمس نکالنے کے بعد باقی مال غنیمت اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔ اس جنگ میں پیغمبر اسلامؐ کے حصے میں ایک غلام آیا جو بعد میں مسلمان ہو گیا جب پیغمبرؐ نے اسے نماز پڑھتے دیکھا تو آزاد کر دیا۔

غزوہ بنو قینقاع ۲ ہجری

بنو قینقاع ایک یہودی قبیلے کا نام ہے یہ مدینہ کے اندر رہتے تھے۔ مورخین لکھتے ہیں بنو قینقاع یہود میں سب سے مشہور جرائت مند اور شجاع قوم تھی یہ جنگجو تھے اور زیور سازی کا کاروبار کرتے تھے۔ عبداللہ بن ابی اور عبادہ بن ثابت ان کے حلیف تھے پیغمبر اسلامؐ جب مدینہ تشریف لائے تو سب سے پہلے مدینہ کے اطراف میں موجود یہودی قبائل وعشائر سے یہ عہد و پیمان باندھا کہ وہ پیغمبرؐ کا ساتھ دیں گے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح و کامرانی اور قریش کی بدترین شکست سے بنو قینقاع کا مسلمانوں اور پیغمبرؐ سے حسد بڑھتا چلا گیا جو اس غزوے کا سبب بنا۔

یہودیوں کے مسلمانوں سے دشمنی کے اسباب

یہود پہلے دن سے ہی اسلام سے بغض و عداوت رکھتے تھے حالانکہ یہ لوگ پیغمبر اسلامؐ کی آمد کی بشارت دینے والے تھے اور اس بشارت کی دلیل کو اپنی کتابوں میں موجود محکم و مستند دلائل سے پیش کرتے تھے اس کے باوجود یہ اسلام کے خلاف اپنی عداوت و دشمنی میں سرگرم تھے اسکی چند وجوہات تھیں:

۱۔ یہودیوں نے دیکھا کہ پیغمبر لوگوں کو ایسے دین کی طرف دعوت دے رہے ہیں جو ایک کامل نظام کا حامل ہے اس دین کا اقتصادی نظام سود اور ذخیرہ اندوزی کی سختی سے مخالفت کرتا ہے یہ ہر قسم کے استحصال اور غلام سازی کا بھی مخالف ہے اس دین نے ہر انسان کے مال میں سائل و محروم انسانوں کا ایک حصہ مقرر کیا ہے چنانچہ یہ نظام ان کی امیدوں اور اہداف و مقاصد کے خلاف تھا۔

۲۔ یہودیوں کو امید تھی کہ قریش اور ان کی سازشوں کے ذریعے اس دین کا خاتمہ ہو جائے گا لیکن قریش کی شکست کی

خبریں سننے کے بعد انکی امیدوں پر پانی پھر گیا اور انکے حسد میں اور اضافہ ہوا۔

۳۔ان کی عداوت و دشمنی اس وقت مزید بڑھ گئی جب انہوں نے دیکھا پیغمبر اسلامؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والے کسی دھوکے یا دباؤ میں آنے والے نہیں اور کوئی مشکل یا پریشانی انہیں ہراساں نہیں کر سکتی۔ ہر آئے دن اسلام کی عظمت کے بڑھتے ہوئے حالات کو دیکھ کر مسلمانوں کے حوصلے بڑھتے چلے گئے جبکہ دشمنوں کے حوصلے پست ہوتے گئے، یہودی سوچ رہے تھے کہ فرصت اور طاقت سے استفادہ کرتے ہوئے مسلمانوں سے نمٹنا چاہیے۔

۴۔ یہودی پہلے عربوں سے حسد کرتے تھے جبکہ خود رسول اللہؐ قریشی تھے لہٰذا یہود نے پہلے دن سے ہی آپ کی نبوت کا انکار کیا۔

۵۔ یہود پر اس وقت وحشت طاری ہوئی جب انہوں نے دیکھا اہل مدینہ اوس و خزرج جو ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے آج وہی اوس و خزرج ایک ہی صف میں محمدؐ کے پیچھے کھڑے ہیں۔

غزوہ بنوقینقاع کے اسباب

جنگ بدر کے بعد قریش نے یہودیوں کو خطوط و مراسلے بھیجے اور انہیں مسلمانوں سے جنگ کرنے کی ترغیب دلائی اس سلسلے میں بنوقینقاع کے یہودیوں نے پہل کی، انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کفار کے ساتھ جنگ میں حصہ نہ لینے کے وعدے کو توڑا پھر مسلمانوں کے ساتھ کھلے عام کفر، غرور اور دشمنی کا مظاہرہ کرنے کی ابتداء کی۔ایک دفعہ ایک مسلمان عورت ان کے بازار میں ضرورت کی اشیاء لینے گئی تو ایک زرگر کی دکان پر بیٹھ گئی اس زرگر نے عورت کے چہرے سے حجاب ہٹانا چاہا اور اس کے لباس کو پیچھے سے کسی چیز سے باندھ دیا جسکا اس عورت کو پتہ نہ چلا جب یہ اٹھی تو بے پردہ ہو گئی یہودیوں نے اسے دیکھا تو ہنسنے لگے جب اس عورت نے فریاد کی تو ایک مسلمان فوراً وہاں پہنچ گیا اور زرگر پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، یہودیوں نے اس مسلمان کو قتل کر دیا جس پر مسلمان غضبناک ہوئے۔عبادہ بن ثابت نے یہودیوں سے عہد کو توڑا اور پیغمبرؐ سے مخاطب ہوئے

"میں خدا اور اس کے رسول سے ولایت کا اعلان کرتا ہوں اور یہودیوں سے معاہدہ توڑتا ہوں"

عبداللہ بن ابی نے اپنے معاہدے کو برقرار رکھا پیغمبرؐ نے یہودیوں کو اپنے بازار میں جمع ہونے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا "خدا سے ڈرو، تم نے جان لیا ہے کہ میں خدا کا پیغمبرؐ ہوں تمہاری کتابوں میں میرا نام موجود ہے" یہودیوں نے جواب دیا، "محمدؐ آپ نے کیا سمجھا ہے کہ ہم آپ کی قوم جیسے ہیں آپ دھوکہ میں نہ رہیں کہ آپ ایک ایسی قوم سے لڑتے رہے ہیں جو لڑنا نہیں جانتے تھے اگر آپ ہمارے ساتھ لڑیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہم کتنے جنگجو ہیں۔"

لشکر کی روانگی

یہودیوں کی کھلی مخالفت کے بعد مسلمانوں نے پیغمبر اسلامؐ کی قیادت میں ان کی طرف پیش قدمی کی پیغمبرؐ نے مدینے میں بشیرؓ بن عبدالمنذر کو جانشین مقرر کیا۔اس جنگ میں اسلامی سپاہ کے علمبردار حمزہؓ بن عبدالمطلب تھے۔مسلمانوں کی لشکر کشی پر یہود نے قلعے کے دروازے بند کر دیئے، ان کی تعداد سات سو تھی پیغمبرؐ نے ان کے قلعے کا محاصرہ کیا جو کئی دن تک جاری رہا۔اس غزوہ

میں رئیسِ منافقین نے یہود کو بچانے کی کوشش کی جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

منافقین کا غزوہ بنی قینقاع میں کردار

ابن ہشام کا بیان ہے کہ بنو قینقاع سب سے پہلا یہودی قبیلہ ہے جس نے رسولؐ سے اپنا معاہدہ توڑا جس پر پیغمبرؐ نے ان کا محاصرہ کیا۔ جب پیغمبرؐ کو ان پر تسلط حاصل ہوا تو عبداللہ بن ابی سلول نے کہا اے محمدؐ میرے معاہدین پر احسان کیجئے۔ پیغمبرؐ نے اس کی طرف سے منہ موڑا تو اس نے اپنا ہاتھ پیغمبرؐ کی زرہ کی جیب میں ڈال دیا اور آپؐ سے کہنے لگا مجھے صلح کرنے کا اختیار دے دیں۔ پیغمبرؐ کو غصہ آیا آپ نے اس سے فرمایا "ویلک ارسلنی" "افسوس ہو تم پر مجھے چھوڑ دو" لیکن اس نے کہا کہ میں آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ میرے معاہدین پر احسان نہیں کریں گے، جن میں سے ۳۰۰ زرہ پوش اور ۴۰۰ غیر زرہ پوش افراد شامل ہیں، کیا آپ انھیں ایک ہی صبح کاٹ کر رکھ دیں گے؟ میں آپ کے بارے میں حالات کی تبدیلی سے ڈرتا ہوں بالآخر رسول اللہؐ نے رعایت کا معاملہ کیا اور اس کی خاطر ان سب کی جان بخشی کر دی البتہ انھیں حکم دیا کہ وہ مدینے سے نکل جائیں، عبداللہ بن صامت نے ان لوگوں کی مدینہ سے شہر بدری کی نگرانی کی۔

غزوہ سویق ۔ ۲ ہجری

جنگ بدر میں قریش ۷۰ افراد قتل اور ۷۰ اسیر کروانے کے بعد جب مکہ واپس پہنچے تو انھوں نے نذر کی جب تک محمدؐ سے انتقام نہیں لینگے نہ نہائیں گے اور نہ سر دھوئیں گے۔ جب پیغمبر اسلام غزوۂ بنی سلیم سے واپس مدینہ تشریف لائے تو ابوسفیان قریش کے دو سو سواروں کو لے کر مدینے پر ہجوم کرنے کیلئے نکلا، وہ یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ جنگ بدر میں شکست کھانے کے باوجود وہ دوبارہ جنگ لڑنے کی طاقت و قدرت رکھتا ہے۔ ابوسفیان نے مدینے سے ۱۲ میل کے فاصلے پر توقف کیا، وہاں سے اس نے بنی نضیر سے رابطہ کیا پھر اپنے بعض افراد کو مدینے کی طرف بھیجا جنہوں نے کھجوروں کے باغات جلائے اور دو آدمیوں کو قتل کیا۔

جب پیغمبرؐ کو خبر پہنچی تو آپؐ ان سے مقابلے کیلئے مدینہ سے نکل کر قرقرہ الکدر پہنچے۔ جب ابوسفیان کو پتہ چلا کہ آپؐ ان سے مقابلے کیلئے نکلے ہیں تو وہ اپنے ساتھ لایا ہوا کھانے پینے کا سامان چھوڑ کر اپنی سواریوں پر تیزی سے بھاگ گیا چونکہ اس سامان میں زیادہ تر جو کا آٹا تھا جسے عربی میں سویق کہتے ہیں لہٰذا اس جنگ کا نام سویق پڑ گیا۔ یہ جنگ ابوسفیان کیلئے باعث ننگ و عار ثابت ہوئی۔

غزوۂ ذی امر یا غزوہ غطفان ۔ ۳ ہجری

پیغمبرؐ کو خبر ملی بنی ثعلبہ اور محارب ذی امر میں مدینہ پر حملہ کرنے کی نیت سے جمع ہوئے ہیں آپؐ نے لوگوں کو دعوت دی اور ۱۲ ربیع الاول کو ۴۵۰ افراد کے ساتھ چند گھوڑے لے کر ان کی طرف نکلے اور مدینہ میں عثمانؓ بن عفان کو اپنا جانشین بنایا۔ ذو امر نجد کے علاقے میں ایک چشمے کا نام ہے اس لئے اس غزوے کو غزوہ نجد بھی کہا جاتا ہے، راستہ میں ذی قصہ پر قبیلہ ثعلبہ کے ایک شخص جس کا نام جبار تھا کو پکڑ کر پیغمبرؐ کی خدمت میں لایا گیا انہوں نے پیغمبرؐ کو خبر دی کہ اگر وہ لوگ آپ کے آنے

کی خبرسنیں گےتو آپ سے نہیں لڑیں گے پیغمبرؐ نے اسے اسلام کی طرف دعوت دی تو اس نے قبول کرلیا آپؐ نے انھیں بلالؓ کی رفاقت میں دے دیا انہوں نے راہ شناس کی حیثیت سے مسلمانوں کو دشمن کی سرزمین تک راستہ بتلایا، جونہی بنی ثعلبہ ومحارب نے آنحضرتؐ کی لشکر کشی کی خبرسنی تو پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگ گئے پیغمبرؐ نے پیش قدمی جاری رکھی آپؐ صفر کے مہینے تک وہاں رہے۔اس غزوہ کے بارے میں سورۃ مائدہ کی آیت ۱۱ نازل ہوئی

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ ھَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ فَکَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ﴾ ”ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو خدا نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا“

الف۔اس غزوے میں دو حکایات مختصر سے فرق کے ساتھ بیان ہوئی ہیں سیرہ مصطفٰی ص ۴۵۲ پر تاریخ ابی الفداء سے نقل کرتے ہیں کہ بنی غطفان کے ایک شخص نے اپنی قوم سے کہا، کیا میں محمدؐ کو قتل کروں۔اس کے بعد وہ پیغمبرؐ کے پاس آیا اور کہا میں آپکی تلوار دیکھنا چاہتا ہوں کیونکہ میں چاندی کا کام جانتا ہوں پیغمبرؐ تلوار گھٹنے پر رکھے ہوئے تھے آپ نے تلوار اسے دے دی اس نے تلوار کو نیام سے نکال کر حرکت دی۔آپ سے کہا کیا آپ مجھ سے ڈر نہیں رہے ہیں تو پیغمبرؐ نے فرمایا نہیں خدا سے ڈرتا ہے وہ مجھے بچائے گا۔اس نے تلوار نیام میں رکھ کر واپس کردی۔

ب۔دوسرا قصہ نقل کرتے ہیں، بارش ہونے کی وجہ سے پیغمبرؐ اپنے گیلے کپڑے سکھانے کیلئے پھیلا کر ایک جگہ آرام کر رہے تھے کہ دعشور بن حارث بنی غطفان کا پہلوان پہاڑ سے اتر کر آیا یہ اچانک قتل کرنے کی مہارت رکھتا تھا۔اس نے پیغمبرؐ کی تلوار اٹھائی اور آپؐ کے سرہانے جا کھڑا ہوا اور کہا آپ کو کون مجھ سے بچائے گا۔پیغمبرؐ نے فرمایا خدا۔اس کے دل پر رعب طاری ہوگیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی بعض کے مطابق جبرائیل نے اسے چوٹ لگائی جس سے یہ گر گیا اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔پیغمبرؐ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا آج تمہیں مجھ سے کون بچائے گا تو اس نے پیغمبرؐ کو کلمہ پڑھانے کی درخواست کی۔

اس جنگ کے واقعات میں ملتا ہے کہ پیغمبرؐ نے نماز خوف ادا کی قارئین کرام ان نقولات پر غور کریں تو پیغمبرؐ کے عمل کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں۔

☆ گویا آپ نے تمام قسم کی حفاظتی تدابیر کو نظر انداز کیا جیسا کہ اول الذکر دو حکایتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

☆ حفاظتی تدابیر کیلئے آپؐ اس حد تک احتیاط فرماتے تھے کہ نماز خوف ادا کرتے تھے تا کہ دشمن سے لاحق خطرات کو کم کیا جا سکے۔

جو محمدؐ جنگ کیلئے گئے ہوں اور نماز خوف ادا کرتے ہوں وہ اصحاب کو چھوڑ کر تنہائی میں آرام کر رہے ہوں اور پھر دشمن کے ہاتھ میں تلوار تھما دیں یہ سب کیسے اور کیونکر ہو سکتا ہے؟ ان کہانیوں کا توکل بخدا کے نام سے سیرت پیغمبر اکرمؐ میں شامل کیا جانا مسلمانوں کو جنگ و جہاد کے اصول و مبانی سے گریز کر کے بے احتیاطی و لاپرواہی برتنے کی شبہ دینے کے علاوہ اور کیا مقصد

ہوسکتا ہے؟ یہ تو ہماری باتیں ہیں مقررین وسامعین کو ایسے واقعات نقل کرتے ہوئے مزہ آتا ہے لیکن انہیں عقل وتدبر اور فکر سے آراستہ باتیں خشک لگتی ہیں اور وہ انہیں سننا گوارا نہیں کرتے۔

سریہ قردہ (سریہ زیدؓ بن حارثہ کلبی)۔ ۳ ہجری

اس سریے کے سربراہ زید بن حارثؓ تھے۔جب جنگ بدر میں قریش کو شکست ہوئی تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ شام کیلئے ساحل کا راستہ چھوڑ کر عراق کا راستہ اختیار کیا جائے ۔اس دفعہ کاروان کیلئے کافی مالیت چاندی اور دیگر چیزیں مہیا کی گئیں چنانچہ صفوان بن امیہ کی قیادت میں کاروان نئے راستے سے روانہ ہوا۔پیغمبر اسلامؐ نے فوراً حملے کی تیاری کی اور سو سواروں کا قافلہ زیدؓ بن حارثہ کی کمان میں دے کر روانہ کیا زیدؓ نے قردہ نامی چشمے پر قریش کے پڑاؤ کیے ہوئے قافلے کو جالیا اور قافلے پر قبضہ کرلیا مشرکین بھاگنے پر مجبور ہوئے۔زیدؓ مال غنیمت لے کر واپس آئے۔جس کا خمس تقریباً ۲۰ ہزار درہم تھا پیغمبرؐ نے سارا مال سریے میں شریک افراد میں تقسیم کردیا۔

غزوہ احد ۔۳ ہجری

قرآن کریم کے اندر پیغمبر اسلامؐ کی جنگوں میں ترتیب اور اہمیت کے حوالے سے جنگ احد دوسری جنگ ہے جو زمان و مکان دونوں لحاظ سے قرآن کریم میں مذکور ہے یہ مکان کے حوالے سے زیادہ معروف ہے اس جنگ کو جبل احد (جبل رحمت) کی وجہ سے جنگ احد کہتے ہیں۔

اس جنگ میں مسلمانوں اور پیغمبر اسلامؐ سے ہر قسم آزمائش کی گئی جیسا کہ سورہ آل عمران آیت ۱۶۶ میں ذکر ہوا ہے:

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ "اور دونوں فریقوں کے درمیان مقابلے کے روز تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اللہ کے اذن سے تھی اور اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ مومن کون ہیں"

اس جنگ کی دو نمایاں باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ سب سے زیادہ مسلمان اس غزوہٗ میں شہید ہوئے جن کی تعداد ۷۰ تھی ان تمام شہدائے احد کے سرور و آقا حمزہؓ بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ پیغمبر اسلامؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے اور آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا۔ یہ جنگ پیغمبر اسلامؐ کی ہجرت کے دو سال نو مہینے سات دن بعد واقع ہوئی۔

بدر و احد کا فاصلہ زمانی و مکانی

بدر مکہ کی طرف مدینہ کے جنوب مغرب میں واقع ہے جبکہ احد پہاڑ کے دامن میں مدینہ کے شمال کی طرف چار کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ جنگ احد و بدر میں زمانی فاصلہ ایک سال کچھ دن ہے۔ جنگ بدر ہجرت کے دوسرے سال رمضان میں ہوئی جبکہ جنگ احد ہجرت کے تیسرے سال شوال میں ہوئی۔ یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ بدر کے بعد مشرکین مکہ کیلئے ایک اور جنگ کی ضرورت کیوں پیش آئی اور لشکر کشی کرنے کی کیا وجوہات تھیں؟ مشرکین مکہ جونہی بدر سے واپس مکہ پہنچے تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف دوبارہ ہجوم کرنے کیلئے سوچنا شروع کر دیا لیکن اس کے زمان کا تعین کرنے کی بجائے فی الوقت صرف تیاری کا آغاز کیا۔

مشرکین کی تیاری

مشرکین نے پہلے مرحلے میں مادی وسائل و ذرائع کیلئے جدوجہد کی کہ مال کس کس نام سے اور کہاں سے جمع کیا جائے۔ اس سلسلے میں فیصلہ کیا گیا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ جانے والے قافلہ میں چونکہ تمام قریش کا حصہ تھا لہٰذا اسے جنگ کی ضروریات کیلئے مختص کیا جائے۔ اس جمع آوری کا ذکر سورۂ انفال کی آیت ۳۶ میں آیا ہے:

۱۔ مادی تیاری

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ﴾ "جن لوگوں نے کفر اختیار کیا یا اپنے اموال کو صرف اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ

لوگوں کو راہِ خدا سے روکیں تو یہ خرچ بھی کریں گے اور اس کے بعد یہ بات ان کیلئے حسرت بھی بنے گی اور آخر میں مغلوب بھی ہو جائیں گے اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا یہ سب جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے"۔

۲۔ نفسیاتی تیاری

مورخین کہتے ہیں کہ روسائے قریش نے خواتین کو بدر میں ہلاک ہونے والوں پر رونے سے منع کیا کیونکہ رونے سے جذبات ٹھنڈے ہو جاتے ہیں، حزن اور غم وغصہ دل سے مٹ جاتا ہے۔ وہ چاہتے تھے انکے جذبات جلتے رہیں اور کینہ بڑھتا رہے تاہم تیسری ہجری کو پانچ ہزار افراد پر مشتمل سوار و پیادہ لشکر ابوسفیان کی قیادت میں نکلا اور اپنے ساتھ عورتوں کو بھی لایا تا کہ ہنگامی صورتحال یا شکست کے حالات میں مردوں کو فرار سے روکا جائے۔ مشرکین کی ذہنیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اتنی طاقت کے باوجود خوفزدہ اور غیر مطمئن تھے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے استقامت نہیں دکھا پائیں گے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ "اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑے بڑے مجرموں کو مسلط کر دیا کہ وہاں پر برے منصوبے بناتے رہیں (درحقیقت) وہ غیر شعوری طور پر اپنے ہی خلاف منصوبے بناتے ہیں" (انعام ۱۲۴)

جنگ احد کا پیش خیمہ

جب مسلمانوں نے قریش کے شام اور عراق کی طرف جانے والے تجارتی راستوں پر تسلط حاصل کیا اور قریش کو ان دونوں راستوں پر چلنے سے روک دیا تو ان کی تجارت صرف حبش تک محدود ہو گئی جو شام کی بنسبت غیر سودمند تھی۔ جنگ بدر کے غلبہ کے بعد یہ قریش کیلئے اقتصادی ناکہ بندی تھی جو ان کیلئے ناقابل تلافی نقصان کا باعث بنی، پیغمبرؐ اور مسلمانوں نے قریش کے تجارتی راستے پر قابض ہو کر ان کے اقتصاد کو دھچکا پہنچایا اور مدینے سے باہر اپنی دعوت کو پھیلانے کیلئے راستہ ہموار کیا۔ اس کے بالمقابل جنگ بدر کی شکست کے بعد مشرکین کے دلوں میں مقتولین کے انتقام کا شعلہ بھڑک رہا تھا وہ اپنی کھوئی ہوئی کرامت و شرافت کو دوبارہ حاصل کرنے کے آرزومند تھے۔ انہیں جنگ بدر کے بعد جنگ سویق اور زیدؓ بن حارثہ کے سریہ سے کوئی عبرت حاصل نہ ہو سکی۔ جذبۂ انتقام نے سربراہان قریش کو مجبور کیا چنانچہ وہ جنگ بدر کی شکست کو فراموش کرنے اور قریش کے رعب و دبدبے کو واپس لانے کیلئے انھوں نے جنگ کا فیصلہ کیا۔

دوسری جانب مدینہ اور اس کے گردونواح کے مشرکین میں سے بعض نے سکوت وخاموشی کو مناسب سمجھا اور مسلمانوں سے معاہدے کئے۔ بعض مسلمان ہوئے اور بعض اپنے گھروں میں روپوش ہو گئے۔ بنی قینقاع کی مدینہ بدری کے بعد شہر یہودیوں سے خالی ہو چکا تھا جبکہ مدینہ کے اطراف میں رہنے والے یہودی بنی قینقاع کی جلاوطنی اور کعب بن اشرف کے قتل کے بعد ظاہری طور پر مجبور ہو چکے تھے کہ وہ اپنے کئے گئے عہدو پیمان پر قائم رہیں، اگر چہ خفیہ طور پر انہوں نے اس عہد کو توڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہاں سے مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان نئی نبرد آزمائی کے حالات نے جنم لیا اور ایک

دوسرے کواحتیاطی تدابیر کرنے میں مصروف کیا۔

دشمن کی تیاری کی خبر

پیغمبرؐ کے چچا عباسؓ جواس وقت مکے میں تھےانہوں نے کسی شخص کے ذریعےایک خط پیغمبرؐ کو بھیجا جس میں قریش کی جنگی تیاریوں اورانکی افرادی قوت کےاعدادوشماربیان کئے۔وہ شخص انتہائی تیز رفتاری سے مکہ و مدینہ کی مسافت کو تین دن کے اندر طے کر کے پیغمبرؐ کے پاس پہنچااور خط آپؐ کو دیااس وقت آپؐ مسجد قبا میں قیام فرمارہے تھے۔اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ مشرکین کی نقل وحرکت پرنظر رکھے ہوئے تھے جیسا کہ ابھی مشرکین مکہ سے نہیں نکلے تھے کہ قاصد خبر لے کر پیغمبرؐ کی طرف روانہ ہوا۔تاہم ابی بن کعبؓ نے پیغمبرؐ کو خط پڑھ کرسنایاتو آپؐ نےفوراًاپنے اصحاب میں سے دوآدمیوں کو معلومات کیلئے مشرکین کی طرف بھیجاانہوں نے قریش کے لشکر کو مدینہ کے قریب پایاجہاں انہوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ اہل مدینہ کے کھیتوں میں چھوڑے ہوئے تھے، یہ صورت حال دیکھ کر مسلمان خوفزدہ ہوگئے کیونکہ اس دفعہ مشرکین انتہائی تیاری اورآمادگی کے ساتھ آئے تھے۔

تیاری کیلئے صلاح ومشورہ

پیغمبرؐ نے جنگی حکمت عملی طے کرنے اور صلاح مشورہ کیلئے صحابہؓ کو جمع کیا۔کہتے ہیں خودنبی کریمؐ گھروں کے اندر رہ کر مبارزہ آرائی اوردفاع کو ترجیح دے رہے تھےتا کہ قریش مدینے میں داخل ہوں تو جنگجو مدینہ ہی میں جنگ لڑیں چونکہ مشرکین کو مدینہ کے راستوں کا پتہ نہیں ہےلہٰذاوہ پریشان ہوجائیں گے جس کی وجہ سے مسلمانوں کوان پرکاری ضرب لگانے کا موقع مل جائے گا،اس رائے پراصحاب کے ساتھ رئیس منافقین عبداللہ بن ابی نے بھی اتفاق کیالیکن وہ افراد جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوسکے تھے خاص کر نوجوان انکی غیرت وحمیت نے یہ گوارانہ کیااورانھوں نے مدینے سے باہر نکلنے کوترجیح دی۔اس رائے میں بعض وہ افراد بھی شامل ہوئے جو جنگ بدر میں شریک تھے،ان کا موقف تھااس طرح قریش یہ سمجھیں گے کہ مسلمان ڈر گئے ہیں اوراب وہ گھروں میں رہنے کوترجیح دیتے ہیں۔جب پیغمبرؐ نے دیکھا اکثریت مدینہ سے باہر نکلنے کوترجیح دے رہی ہےتو آپؐ نے فرمایا ہم باہر ہی جنگ لڑیں گے کیونکہ آپؐ میدانِ جنگ میں ہمیشہ اکثریت کی آراء کوہی مقدم رکھتے تھے۔آپؐ نے اصحاب کو مدینہ سے باہر نکلنے کا حکم دیا،خود مکان کے اندرداخل ہوئے اوراسلحۂ جنگ پہن کرباہر تشریف لائے۔لوگوں نے محسوس کیا کہ ہم نے اپنی رائے کو رسول اللہ کی رائے پرٹھونسا ہےلہٰذارائے واپس لینے کی درخواست کی پیغمبرؐ جنگی امور میں تعدنظریات اور مختلف فیصلوں کو پسند نہیں کرتے تھےلہٰذافرمایا کسی نبی کیلئے اسلحۂ جنگ پہننے کے بعد اسے اتارنا سزاوارنہیں ہے جو کچھ مقدر میں ہےوہی ہوگا۔یہ منطق تین حوالوں سے باطل ہے:

۱۔ گھروں سے دفاع کرنے کی تجویز رئیس منافقین عبداللہ بن ابی نے دی تھی جیسا کہ ابن اسحاق کا بیان ہے عبداللہ ابن ابی بن سلول نے کہا آپ مدینہ میں رہیں، آپ مدینہ سے باہر نہ جائیں ہم جب بھی مدینہ سے باہر نکلے تو ہم پر مصیبت

پڑی۔آپ لوگوں کو چھوڑیں میری بات مانیں اگر دشمن ویسے ہی رہ گیا تو ہم انھیں گھیر لیں گے اگر ہم پر ہجوم لیکر آئے تو مرد و عورت اور بچے سب انھیں پتھر ماریں گے،اگر یہ لوگ واپس چلے گئے تو ناامید ہو کر جائیں گے۔

۲۔ اس نقل میں ہے کہ پیغمبرؐ جنگی امور اکثریتی رائے کو ترجیح دیتے تھے جب آپؐ جنگی ہتھیار لگا کر باہر آئے تو پھر اصحاب کی اکثریت نے مدینہ کے اندر رہ کر لڑائی کرنے کا فیصلہ کیا یہاں آپؐ نے کیوں صحابہ کی بات کو رد کیا۔یہ بات وضاحت کرتی ہے کہ اس نقل میں تضاد ہے۔

۳۔ پیغمبر اسلامؐ نے اپنی باقی ماندہ زندگی میں اس بات کا کوئی فلسفہ بیان نہیں کیا ہے کہ انسان دشمن کا گھر سے ہی اچھی طرح دفاع کر سکتا ہے کیونکہ گھروں سے دفاع کرنے کی منطق اپنی جگہ غلط ہے۔امیر المومنین علیؑ بن طالب نہج البلاغہ خطبہ ۲۷ میں فرماتے ہیں:

"فَوَاللهِ مَا غُزِیَ قَوْمٌ قَطُّ فِی عُقْرِ دَارِهِمْ اِلاَّ ذَلُّوا" "خدا کی قسم جس قوم سے اس کے گھر کے اندر جنگ کی جاتی ہے اس کا حصہ ذلت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ہے۔

لشکر اسلام کی روانگی

پیغمبرؐ نے سب لوگوں کو صبر و استقامت کی نصیحت کی تو پچاس سواروں سمیت ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ بیرون مدینہ "ثَنِیَّۃ الوَدَاع" نامی جگہ پہنچے جہاں مسلمانوں کے ساتھ ایک گروہ آملا پیغمبرؐ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں آپ کو بتایا گیا یہ عبداللہ بن ابی کے حلیف یہودی ہیں پیغمبرؐ نے فرمایا کیا یہ مسلمان ہو چکے ہیں؟ان لوگوں نے کہا نہیں۔اس پر آپؐ نے اہل شرک کے خلاف اہل کفر کی مدد لینے سے انکار کر دیا۔ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر پیغمبرؐ کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ کہیں گے ہم اس کامیابی میں برابر کے شریک ہیں اور پیغمبرؐ کے بعد یہ دوسرے درجے پر آ جاتے۔لشکر نے رات احد اور مدینے کے درمیان گذاری طلوع فجر سے کچھ پہلے آپ پھر چل پڑے اور مقام شوط پہنچ کر فجر کی نماز ادا کی۔

شرکائے احد

اس جنگ میں تین گروہوں نے حصہ لیا:

۱۔ ایک گروہ مکہ سے اسلام و قرآن،دین سے دشمنی،اور اپنے کھوئے ہوئے جہنمیوں کے خون کے انتقامی جذبے سے سرشار تھا،یہ مشرکین کا گروہ تھا۔

۲۔ دوسری طرف پیغمبر اسلامؐ اور آپ کے چیدہ و برگزیدہ جانثاران پر مشتمل ایک گروہ تھا ان میں چند ایک ایسے لوگ بھی تھے جو جنگ بدر میں شہادت نصیب نہ ہونے کی وجہ سے جام شہادت کی تشنگی و شوقِ شہادت سے لبریز تھے۔ان کا پیغام یہ تھا کہ میرے فلاں عزیز کو بدر میں شہادت نصیب ہوئی لیکن میں رہ گیا۔ایسے لوگوں کی ایک فہرست ہے جنہوں نے جنگ میں شہید ہونے کیلئے شرکت قبول کرنے کی درخواست پیغمبرؐ کے حضور پیش کی۔

۳۔تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جنکی سر توڑ کوشش تھی کہ وہ پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کو جنگ بدر میں نصیب ہونے والی خوشی کو عذاب میں تبدیل کردیں تاکہ مشرکین کے زخموں پر مرہم رکھا جاسکے۔یہ منافقین کا گروہ تھا اس گروہ کا سرغنہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔اس نے منافقین کو تین گروہوں میں تقسیم کیا:

الف۔ایک گروہ کو پیغمبر اسلامؐ کے جنگ میں شریک کیا تا کہ پیغمبرؐ کو فتح نصیب ہونے کی صورت میں خود کو جنگ کا شریک گردانے۔

ب۔دوسرا گروہ یہود کا تھا جو منافقین کا حلیف ہونے کے بہانے پیغمبرؐ کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کیلئے بے جا ہٹ دھرمی کر رہا تھا اسے پیغمبرؐ نے مسترد کردیا۔

ج۔تیسرا گروہ وہ تھا جو پیغمبرؐ کے لشکر کے ایک تہائی لوگوں یعنی ۳۰۰ افراد پر مشتمل تھا یہ لشکر کی حوصلہ شکنی کیلئے راستے سے الگ ہوکر واپس مدینہ آگیا بعض کے مطابق ان کے جدا ہونے کے بعد لشکر اسلام میں ۶۵۰ مجاہدین باقی رہ گئے۔

لشکر منافقین

عبداللہ بن ابی بن سلول متوفی ۹ھ قبیلہ خزرج کا رئیس تھا۔جنگ بدر کے بعد ظاہری طور پر مسلمان ہوا۔پیغمبرؐ جب مکہ میں تھے تو وہاں منافقین کا وجود تک نہیں تھا کیونکہ مکہ کی زندگی پیغمبرؐ اور مسلمانوں کے لئے امتحان و آزمائش اور مصیبتوں سے پُر ایام پر مشتمل تھی لہٰذا مکی زندگی میں منافقین کا ذکر نہ تاریخ میں آیا ہے نہ ہی قرآن میں،منافقین کی سازشوں کا آغاز جنگ بدر کے موقع پر ہوا چنانچہ سورۃ انفال میں ارشاد رب العزت ہوتا ہے۔

"جب منافقین اور جن کے دلوں میں بیماری تھی کہہ رہے تھے:انہیں تو ان کے دین نے دھوکہ دے رکھا ہے جبکہ اگر کوئی اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو اللہ یقیناً بڑا غالب آنے والا حکمت والا ہے۔"

چنانچہ کہہ سکتے ہیں منافقین اپنے محدود پیمانے پر مشغول تھے وہ گروہ وا جتماع کی صورت میں بدر کی فتح و کامیابی کے بعد نمودار ہوئے ان میں سے بعض حقیقی اسلام لے آئے تھے لیکن اکثر و بیشتر مشرک عبداللہ بن ابی جو کہ قبیلہ خزرج کا بادشاہ بننے والا تھا اس کے کہنے پر اسلام میں داخل ہوئے۔اقتدار و ریاست کی خواہش ابن ابی کا دل کھا رہی تھی۔وہ سامنے سے پیغمبرؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اگر وہ پیغمبرؐ کا مقابلہ واضح انداز میں کرتا تو جو حواری اس کے اردگرد تھے وہ بھی اس سے الگ ہوجاتے لہٰذا وہ منافقانہ راہ چلتا رہا کہ اس کا حلقہ بھی اس کے ساتھ رہے اور پیغمبرؐ کا مقابلہ کر سکے۔پیغمبر اسلامؐ نے بھی دیکھا کہ جب انھیں آمنے سامنے مقابلہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تو آیات قرآن کو وقتاً فوقتاً ان کی حرکتوں کی طرف بطور تصریح یا اشارہ بیان کرتے رہے۔

جنگ احد میں منافقین کا کردار

پیغمبر اسلامؐ ایک ہزار افراد کے ساتھ احد کی طرف روانہ ہوئے۔ابھی تھوڑی ہی مسافت طے کی تھی کہ عبداللہ بن ابی ایک تہائی لشکر کو لے کر الگ ہوگیا اس نے حضورؐ سے کہا آپ نے میری بات نہیں مانی ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اپنے آپ کو کیوں

قتل ہونے دیں اس کے ساتھ اہل نفاق وشک بھی مل گئے اس وقت عبداللہ بن حزام اس سے مخاطب ہوئے اور کہا خدا سے ڈرو پیغمبرؐ اور اپنی قوم سے الگ نہ ہو۔ جب کہ یہ دشمن سے نزدیک ہو رہے ہیں اس نے جواب دیا اگر ہم لوگ جانتے کہ آپ لوگ لڑائی کریں گے تو ہم واپس نہ ہوتے۔ جب ان لوگوں نے واپس آنے سے انکار کیا عبداللہ بن حزام نے کہا خدا اپنے نبی کو تم سے بے نیاز کردیگا۔

منافقین کی سازش و بزدلی

پیغمبرؐ بالکل دشمن کے قریب پہنچے تو اس وقت عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لیکر لشکر اسلام سے الگ ہو گیا۔ اس پر مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا جس کا ذکر قرآن میں ہے:

﴿اِذْ ھَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ”جب تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے حالانکہ اللہ ان کا مددگار تھا اور مومنین کو چاہیے کہ اللہ پر توکل کریں“ (آل عمران ۱۲۲) ﴿وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ﴾ ”جن سے کہا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا کافروں کو ہٹاؤ تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور ساتھ دیتے۔“ (آل عمران ۱۶۷)

لشکر اسلام کی ترتیب و تنظیم

مسلمانوں نے احد کے میدان کو محاذ بنایا پیغمبرؐ نے پچاس تیراندازوں کو عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں ایک پہاڑی پر متعین کیا جو جبل رماۃ کے نام سے مشہور ہے تاکہ دشمن پیچھے کی طرف سے حملہ آور نہ ہو سکے اور مسلمانوں کو پیچھے سے پشت پناہی ہو اس کا ذکر قرآن میں کچھ اس طرح ہوا ہے:

﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ”اے نبی! اس وقت کو بھی یاد کرو جب صبح ہی صبح آپ اپنے گھروں سے نکل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے مورچوں پر باقاعدہ بٹھا رہے تھے اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے“ (آل عمران ۱۲۱)

پیغمبرؐ نے مدینہ کی طرف رخ کر کے اور احد کے پہاڑ کی طرف پشت کر کے فرمایا جب تک باضابطہ اجازت نہ دی جائے کوئی بھی جنگ میں پہل نہ کرے، آپؐ نے تیراندازوں کیلئے غیر مشروط قطعی حکم صادر کیا ”تم ہماری پشت پناہی کرنا اور اپنی جگہ پر ثابت قدم رہتے ہوئے یہاں سے نہ ہلنا اگر تم نے دیکھا ہم قتل ہو رہے ہیں تب بھی ہمارا دفاع کرنے کی بجائے پیچھے سے دشمن کے گھوڑوں کو تیر مارنا جس سے دشمن کے گھوڑے استقامت نہ دکھا سکیں گے“ اس کے علاوہ پیغمبرؐ نے چند ایک امور انجام دیئے:

۱۔ اصحاب کی صف بندی کرتے وقت قوی وقدرتمندوں کو آگے رکھا۔

۲۔ ہدایت جاری کی کوئی بھی شخص آپ کی اجازت کے بغیر جنگ کیلئے نہ نکلے۔

۳۔ اصحاب کو میدان جنگ میں صبر واستقامت اور شجاعت ومردانگی دکھانے کی تلقین کی۔ یہاں تک کہ ان کے اندر شجاعت پیدا

کرنے کی خاطر پیغمبرؐ نے تلوار نکال کر فرمایا کون ہے جو اس کا حق ادا کرے یعنی تلوار کا صحیح استعمال کرے کئی لوگوں نے تلوار لینا چاہی لیکن آپؐ نے انکار کر دیا یہاں تک کہ ابودجانہ سماکؓ بن خرشہ نے کھڑے ہو کر پوچھا اس کا حق کیا ہے؟ پیغمبرؐ نے فرمایا اس تلوار کا حق یہ ہے کہ دشمن کو جھکنے تک مارے، ابودجانہ مردِ شجاع تھے وہ ایک سرخ کپڑا اپنے پاس رکھتے تھے۔ جب وہ اس کپڑے کو سر پر باندھتے تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ یہ جنگ کیلئے نکلے ہیں۔ لوگ انھیں "عصابۃ الموت" کہتے تھے انھوں نے پیغمبرؐ سے تلوار لی اور سرخ کپڑے کو سر پر باندھ کر میدان کی طرف نکلے، اپنی عادت سے ہٹ کر فخر و مباہات سے قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھنے لگے پیغمبرؐ نے فرمایا "اس قسم کا چلنا خدا کو پسند نہیں مگر ایسے موقع پر سزاوار ہے"۔ اس موقع پر پیغمبرؐ زبانِ وحی سے لوگوں کو بتا رہے تھے:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ☆ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ☆ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ☆ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ☆ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ﴾ "بالتحقیق اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم کمزور تھے پس اللہ سے ڈرو تا کہ تم شکرگزار بن جاؤ۔ جب آپ مومنین سے کہہ رہے تھے: کیا تمہارے لئے کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے نازل فرما کر تمہاری مدد کرے؟ ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو دشمن جب بھی تم پر اچانک حملہ کر دے تمہارا رب اسی وقت پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ اور یہ بات اللہ نے صرف تمہاری خوشی اور اطمینان قلب کیلئے کی ہے۔ اور فتح و نصرت صرف اللہ ہی کی جانب سے ہے جو بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔ کافروں کے ایک دستے کو کاٹ دے یا انھیں ذلیل و خوار کر دے تا کہ وہ نامراد و پسپا ہو جائیں" (آل عمران ۱۲۳ تا ۱۲۷)

مشرکینِ قریش کی جنگ سے پہلے سیاسی جنگی کاوشیں

جنگ شروع ہونے سے پہلے قریش نے مسلمانوں کی صفوں میں تفرقہ اور اختلاف پھیلانے کی کوشش کی، ابوسفیان نے انصار کو پیغام بھیجا تم لوگ ہمارے اور ہمارے ابنِ عم کے درمیان سے نکل جاؤ ہم تمہیں نہیں چھیڑیں گے لیکن ان کی یہ کوشش انصار کے بلند و محکم پہاڑ کی مانند ایمان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی انصار نے انہیں ذلت آمیز جواب دیا تا کہ وہ زیادہ مایوس ہو جائے۔

ابی عامر فاسق جس کا نام عبد عمرو بن صیفی تھا اور مدینہ والے اسے راہب کہتے تھے یہ پیغمبرؐ کی مدینہ آمد سے پہلے قبیلہ اوس کا سربراہ تھا جب پیغمبرؐ مدینہ تشریف لائے تو یہ کھل کر پیغمبرؐ کی دشمنی پر اتر آیا لیکن پیغمبرؐ کی مقبولیت اور انصار کی طرف سے آپؐ کی پذیرائی کو دیکھ کر یہ مدینہ سے فرار ہو کر مکہ چلا گیا تا کہ قریش کو پیغمبرؐ کے خلاف جنگ کیلئے آمادہ کرے۔ یہ جنگ بدر میں نہیں تھا لیکن احد میں اوس اور مکہ کے غلاموں کو ملا کر پندرہ آدمیوں کے ہمراہ اس وقت آیا جب دونوں لشکر جنگ کیلئے ایک دوسرے

کے قریب تھے یہ مشرکین سے کہنے لگا میں میدانِ جنگ میں اپنے قبیلہ اوس کے آدمیوں کو جو محمدؐ کے ساتھ ہیں اگر ندا دوں تو وہ نکل کر قریش کی مدد کریں گے۔ میدان میں ابو عامر نے ندا دی اے معشرِ اوس! میں ابو عامر ہوں، اس پر قبیلہ اوس کے افراد نے اسے جواب دیا اے فاسق! خدا تمہیں ہم سے خیر نہ دکھائے اور یہ کہنے کے بعد اس پر حملہ کر دیا یہاں سے جنگ شروع ہو گئی۔

میدانِ جنگ میں مشرک عورتیں بھی شریک تھیں جن کی قیادت ہند بنت عتبہ زوجۂ ابوسفیان کر رہی تھی۔ ہند لشکر کی صفوں میں گھومتے ہوئے دف و ڈھول بجا کر مردوں کو غیرت اور ہمت دلاتی تھی۔

لشکرِ مشرکین کی صف بندی

مشرکین نے اپنے ۲۹۰۰ افراد پر مشتمل لشکر کی صف بندی کی۔ مرکزی قیادت ابی سفیان بن صخر بن حرب کو دی۔ لشکر کے دائیں جانب کی قیادت خالد بن ولید جبکہ بائیں جانب کی قیادت عکرمہ بن ابی جہل کو دی اسی طرح پیادہ لشکر کی قیادت صفوان بن امیہ کو دی، تیر اندازوں کی قیادت عبداللہ بن ربیعہ کو دی، مرکزی پرچم طلحہ بن عبدالدار کے پاس تھا کیونکہ جب عبد مناف اور بنی عبدالدار میں قصی بن کلاب کی وراثت تقسیم ہوئی تو صاحب پرچم عبدالدار بنے۔ اس حوالے سے کوئی ان سے اختلاف نہیں کرتا تھا کیونکہ یہ انکا خاندانی ورثہ تھا۔ ابوسفیان عبدالدار کو جذبات میں لانے کیلئے چیخ اٹھا اور کہنے لگا کہ تمہاری پرچم داری سے ہمیں بدر میں مصیبت کے سوا کچھ نہیں ملا، دشمن ہمیشہ مرکزی پرچم کی طرف حملہ آور ہوتا ہے، تم پرچمداری کو ٹھیک طریقے سے سنبھالو نہیں تو پرچم ہمارے حوالے کر دو کیونکہ پرچم کے گر جانے کے بعد لشکر کا زندہ بچ نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم نے اپنے مرنے والوں کا انتقام لینا ہے۔ ابوسفیان لشکر کا مرکزی قائد و سربراہ تھا لہٰذا اس کی خواہش تھی پرچم بنی عبدالدار کو نہ دیا جائے، کیونکہ جنگ بدر میں مشرکین کا پرچمدار نضر بن حارث لشکرِ اسلام کے ہاتھوں اسیر ہو گیا تھا۔ ابوسفیان، بنی عبدالدار کو غصہ دلانے میں کامیاب ہوا وہ جذباتی ہو کر اور بول اٹھے "ہم پرچم کسی اور کے ہاتھ نہیں دیں گے کل جب دشمن سے ملیں گے تو تم دیکھ لینا کہ ہم کیا کرتے ہیں" اتنے میں مشرکین کے سپاہی مرکزی پرچم کے گرد جمع ہوئے اور ابوسفیان کو برا بھلا کہنے لگے۔ اس موقع پر عبدالدار نے کہا کہ پرچم صرف بنی عبدالدار ہی اٹھائیں گے۔

انھوں نے کہا کل جب دشمن سے ملیں گے دیکھیں گے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ بنی عبدالدار نے میدان جنگ میں ثابت قدمی دکھائی یہاں تک کہ ان کے خاندان کے جنگجو میدان احد میں یکے بعد دیگر مسلمین کی تلوار کا لقمہ بن گئے۔ جب پیغمبر اسلامؐ نے پوچھا کہ مشرکین کے لشکر کا پرچم کس کے ہاتھ میں دیا گیا ہے تو آپ کو بتایا گیا کہ پرچم بنی عبدالدار کے پاس ہے تو پیغمبر اسلامؐ نے پرچم علیؑ سے لے کر مصعبؓ بن عمیر کو دے دیا۔ واضح رہے کہ مصعب کا تعلق بنی عبدالدار کا تھا۔ فریقین میں جنگ کے باقاعدہ آغاز سے قبل مشرکین کی جانب سے خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل پہلی صف میں آئے۔

لشکرِ اسلام کا شرک کے پرچمداروں کا خاتمہ کرنا

جب آتشِ جنگ روشن ہوئی اور میدانِ جنگ میں فریقین کا تصادم ہوا اس وقت لشکرِ اسلام نے اپنی توجہ لشکر مشرکین کے

مرکزی پرچم پر مرکوز رکھی ۔مشرکین کا سب سے پہلے پرچم دار طلحہ بن ابی طلحہ عبدری تھا جسکا شمار شجاعانِ قریش میں ہوتا تھا، اسے مسلمان کبش الکتیبہ (لشکر کا مینڈھا) کہتے تھے یہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر نکلا اور لوگوں کو مقابلے کے لئے للکارا کیونکہ یہ بہت شجاعت مند تھا اس وجہ سے کسی نے جواب نہیں دیا یہ دیکھ کر زبیر بن عوامؓ نے اسے زیادہ غرور و تکبر کرنے کی مہلت نہ دی اور شیر کی مانند جست لگا کر اونٹ پر جا چڑھے پھر اپنی گرفت میں لے کر زمین پر کود گئے اور تلوار سے ذبح کر دیا، جب نبی کریمؐ نے پہلی فتح کو دیکھا تو تکبیر بلند کی اور زبیرؓ کی تعریف میں یوں فرمایا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیرؓ بن عوام ہے طلحہ کے واصل جہنم ہونے کے بعد مرحلہ وار مشرکینِ مکہ کی پرچمدار گرنے لگے ۔پھر اسکے بھائی ابوشیبہ عثمان بن ابی طلحہ نے میدان میں آ کر رجز پڑھا، انکا حمزہؓ بن عبدالمطلب نے اس پر حملہ کرتے ہوئے اس کے بازو پر ایسا وار کیا کہ پورا حصہ کٹ کر الگ ہوا اور اسکا پھیپھڑا نظر آنے لگا۔اس کے بعد ابوسعد بن ابی طلحہ میدان میں آیا جسے سعدؓ بن ابی وقاص نے ایسا تیر مارا جو ٹھیک گلے پر لگا جس سے اس کی زبان باہر نکل آئی ۔بعض نے ذکر کیا ہے یہ علیؑ کی ضربت سے مارا گیا ۔اس کے بعد مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے پرچم اٹھایا جسے عاصم بن ثابت بن ابی افلح نے ایک تیر مارا جس سے وہ مر گیا ۔اس کے بعد پرچم کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ نے اٹھایا مگر زبیرؓ بن عوام اس پر ٹوٹ پڑے اور بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا پھر مشرکین کا جھنڈا جلاس بن طلحہ بن ابی طلحہ نے اٹھایا اسے لشکرِ اسلام سے طلحہ بن عبیداللہؓ نے نیزا مارا جس سے یہ بھی مر گیا ،یہ چھ پرچمدار ایک ہی خاندان ابی طلحہ عبداللہ بن عثمان بن عبدالدار کے گھرانے سے تھے ۔اس کے بعد پرچم عبدالدار سے ارطاۃ بن شرحبیل نے سنبھالا جسے علیؑ بن ابی طالب اور کہا جاتا ہے کہ حمزہؓ بن عبدالمطلب نے قتل کیا ۔اس کے بعد شریح بن قارظ نے پرچم اٹھایا اسے قزمان نامی ایک منافق نے قتل کیا جو لشکرِ اسلام میں اپنی ذاتی غیرت وحمیت کی خاطر شریک تھا، اس کے بعد پرچم کو ابی زید عمرو بن عبد مناف عبدری نے اٹھایا اسے بھی قزمان نے قتل کیا پھر شرحبیل بن ہاشم عبدری نے پرچم اٹھایا اسے بھی قزمان نے ہی قتل کیا ۔یہ دس پرچمدار عبدالدار کے گھرانے سے یکے بعد دیگر خاک وخون میں غلطان ہو گئے جب ان میں سے کوئی بھی اس پرچم کو اٹھانے والا نہ رہا تو ایک حبشی غلام صواب نے اس پرچم کو اٹھایا اور پہلے والوں کی بنسبت ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور جنگ کی یہاں تک کہ اس کے دونوں ہاتھ کٹ گئے اس کے مارے جانے کے بعد پرچم کو اٹھانے والا کوئی نہ رہا کسی کو پرچم اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی پرچم زمین پر ہی گرا رہا اس دوران جنگ پورے میدان میں پھیل گئی ۔شجاعت وشہامت اور برتری مسلمان لشکر میں نمایاں نظر آنے لگی، مسلمان شرک پر سیلاب کی مثل حملہ آور ہونے لگے اور امت امت کہتے ہوئے (جو مسلمانوں کا شعار تھا) آگے بڑھتے گئے ۔

اس غزوے میں بنی جمح سے ابوعزہ ،عمرو بن عبداللہ ،ابی بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح قتل ہوئے ۔ابن اسحاق کہتے ہیں جب پیغمبرؐ احد کے میدان میں کسی جگہ تکیہ کیے ہوئے تھے اتنے میں ابی بن خلف آیا اور پوچھا محمدؐ کہاں ہے؟! اگر وہ زندہ رہے تو میں زندہ نہ رہوں گا پیغمبر اسلامؐ کے اصحاب نے اجازت چاہی اس پر حملہ کریں جب وہ نزدیک آیا تو پیغمبرؐ نے سامانِ جنگ حارث بن صمہ سے لیا اور آگے بڑھ کر اس کی گردن پر وار کیا جس سے یہ زخمی ہو کر زمین پر گر گیا ۔مشرکین کی طرف سے خالد

بن ولید نے متعدد بار مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

لشکر اسلام کا غلبہ اور جنگ کی کایا پلٹنا

جونہی میدانِ جنگ میں لشکر اسلام کو کامیابی حاصل ہونے کے امکانات نمودار ہونے لگے تو ٹیلے پر تعینات تیر اندازوں نے غنیمت.....غنیمت.....کی آواز بلند کرنا شروع کر دی انھوں نے رسول اللہؐ کی ہدایات کو پس پشت ڈال کر ذلیل وحقیر مال غنیمت کے لالچ میں منہ سے طمع ولالچ کی رال ٹپکاتے ہوئے اپنے امیر و قائد عبداللہؓ بن جبیر کو پیچھے چھوڑا اوران کی ہدایت کا مذاق اڑایا، لالچی افراد مسلمانوں کی پشت پر واقع اہم ترین مورچے کو دشمن کیلئے خالی چھوڑ کر میدان جنگ میں اتر پڑے جس کے نتیجے میں شکست خوردہ دشمن وہاں سے حملہ آور ہوا اور ٹیلے پر موجود عبداللہؓ بن جبیر اوران کے بچے کچے ساتھیوں کو شہید کر دیا، جس کے بعد خونریز لڑائی شروع ہوئی اور مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ پر دشمن کا حملہ

دوسری جانب لوگ جب منتشر ہونے لگے تو رسول اللہؐ نے آواز دی کہ میں یہاں ہوں، اس وقت دشمنوں نے ہر طرف سے تیر مارنے شروع کر دیئے کیونکہ چار آدمیوں کے درمیان پیغمبر اکرمؐ کو قتل کرنے کا عہد ہوا تھا ۔ انکے افراد کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ عبداللہ بن شہاب ۲۔ عتبہ بن ابی وقاص

۳۔ عمر بن قمیئہ ۴۔ ابی بن خلف

مشرکین نے مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنے کیلئے تمام تر توجہ رسول اللہؐ کی طرف کی کر دی، کسی نے آپ کو پتھر مارا، کسی نے تیر اندازی کی تو کوئی تلوار سے حملہ آور ہوا۔ یہاں تک کہ آپ شدید زخمی ہو گئے، آپ کے سر مبارک اور چہرے پر زخم آ گئے آپ کی زرہ ٹوٹ گئی اور جسم سے خون جاری ہوا۔ عتبہ بن ابی وقاص نے موقع پا کر رسول اللہؐ کی طرف چار پتھر پھینکے جن سے آپ زخمی ہو گئے ایک پتھر نے نہ صرف آپ کے ہونٹ کو زخمی کیا بلکہ سامنے کے دو دانت بھی ٹوٹ گئے۔

پیغمبرؐ نے فرمایا "وہ قوم کیسے نجات پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کر دیا"۔ یہ وہ وقت تھا جب مجاہدین پیغمبرؐ کی فکر میں پریشان تھے اتنے میں علیؑ بن ابی طالب آگے بڑھے اور پیغمبر اسلامؐ کے دست مبارک کو پکڑ لیا اور طلحہؓ نے آپ کو سہارا دے کر اٹھایا۔ عبیدہؓ بن الجراح نے آپ کے چہرے میں چبھ جانے والے لوہے کے ٹکڑے کو کھینچے ابو دجانہؓ نے خود کو رسول اللہ کے سامنے انسانی ڈھال بنایا جس کی وجہ سیان کا جسم زخمی ہو گیا۔ سعد بن ابی وقاص پیغمبرؐ کے سامنے سے دشمن کو تیر مارتے رہے۔ قتادہ بن نعمان کی آنکھ پر تیر جالگا۔ پھر مشرکین کے حملے میں شدت آئی اور اس خونریزی میں (۱۰) مجاہدین نے فدا کاری وشاندار جرأت کا مظاہرہ کیا طلحہؓ بن عبداللہ نے خود کو پیغمبرؐ کے سامنے سینہ سپر کیا۔ انس بن نضر نے جب بعض مہاجرین وانصار کو حیران و سرگرداں دیکھا تو ان سے کہنے لگے تم لوگ کیوں حیران و پریشان بیٹھے ہو۔ ان کا جواب تھا کہ کیا کریں پیغمبرؐ تو قتل ہو گئے، انس نے کہا "اگر ایسا ہے تو پیغمبر کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے، اٹھو اسی راہ پر تم بھی مرو ہم بھی مریں گے۔" یہ کہہ وہ آگے بڑھے اور

شہادت نے ان کے قدم چوم لئے جنگ کی شدت کا اندازہ پانچ انصار بھی پیغمبرؐ کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔

ابوسفیان کی رسول ﷺ کے قتل کی یقین دہانی کیلئے چیخ وپکار

جنگ احد میں عام جنگ کے دوران پیغمبرؐ کے پرچم دار اور مدینہ مدینے جانے والے آپؐ کے پہلے سفیر مصعبؓ بن عمیر، ابن قمیہ کے ہاتھوں شہید ہوئے تو منادی نے ندا دی کہ محمدؐ قتل ہوگئے ہیں یہ سننا تھا کہ مسلمان میدان سے فرار ہونے لگے۔ اس وقت ابوسفیان بن حرب نے اعلان کیا کہ تم میں سے کون ہے جس نے محمدؐ کو قتل کیا؟

ابن قمیہ نے کہا میں نے محمدؐ کو قتل کیا ہے، ابوسفیان نے کہا دنیا کے بادشاہان اپنے پہلوانوں کو ستارہ جرأت کا ہار پہناتے ہیں ہم بھی تمہیں مکہ پہنچنے پر سونے کا ہار پہنائیں گے یہ کہہ کر وہ دیگران سے سوال کرنے لگا کہ آیا واقعی محمد قتل کردیئے گئے ہیں کچھ افراد نے کہا کہ ہمیں پتا نہیں۔ اسی دوران اس نے خالد بن ولید کو دیکھا اور اس دریافت کیا تو اس نے جواب دیا میں نے ابھی ان کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھتے ہوئے دیکھا ہے بعض کے مطابق پیغمبرؐ اپنے ساتھیوں کو بلانے کیلئے پہاڑ پر چڑھے تھے ابوسفیان تذبذب اور شک وتردد میں مبتلا تھا وہ اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا لشکر اسلام کے نزدیک آکر بلند آواز میں پکارا ''کیا تم میں محمدؐ ہیں؟'' پیغمبرؐ کے حکم سے کسی نے جواب نہ دیا ''کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہیں؟'' اس مرتبہ بھی کسی کو جواب دینے کی اجازت نہ ملی ''کیا تم میں ابن خطاب ہیں'' پیغمبرؐ نے اس مرتبہ بھی جواب دینے سے منع فرمایا۔ اس پر ابوسفیان کو یقین ہوگیا اور اس نے کہا کہ یہ تینوں شخصیات قتل ہوچکیں ہیں وہ واپس مکہ پہنچ کر یہ خوشخبری اہل مکہ اور قریش کو سنانے کیلئے بے چین ہورہا تھا، پیغمبرؐ نے عمرؓ بن خطاب سے فرمایا کہ اس کے سوالوں کا جواب دیں۔ عمرؓ نے کہا ''ہم تینوں زندہ ہیں تم جھوٹ بک رہے ہو اور تم ذلیل و رسوا ہو''۔ ابوسفیان نے اپنی سبکی کو مٹانے کیلئے کہا "اعل هبل وظهر دینک" ''ھبل تیری اونچی شان ہو اپنا دین غالب کرو'' پیغمبرؐ کے حکم سے عمرؓ نے جواب دیا "الله اعلیٰ واجل" ''خدا اس نے بلند اور بزرگ ہے'' ابوسفیان نے کہا "لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم" ''ہمارے لئے عزیٰ ہے اور تمہارے لئے عزیٰ نہیں'' پیغمبرؐ نے کہا جواب دو کہ "الله مولنا ولا مولیٰ لکم" ''اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں''۔

ابی عامر فاسق مقتولین میں پیغمبر اسلامؐ کو تلاش کرنے لگا اور جب وہاں آپؐ کو نہ پایا تو کہا کہ ابن قمیئہ نے جھوٹ بولا ہے۔

میدان احد میں بھگدڑ

جب پیغمبر اسلامؐ کے قتل کی افواہ جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی تو مسلمانوں کی فتح وکامیابی ماند پڑ گئی اور مسلمانوں کی صفوں میں بھگدڑ مچ گئی مشرکین کی ہمت بڑھ گئی اور وہ دوبارہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے دوسری جانب مسلمانوں کا غم وغصہ بڑھ گیا اس صورتحال کے باعث مایوسی نے بعض مسلمانوں کو گھیر لیا۔ جس کی وجہ سے لشکر اسلام عملاً تین گروہوں میں بٹ گئے:

۱۔ ایک گروہ وہ تھا جنھوں نے میدان کارساز سے راہ فرار اختیار کی، یہ لوگ کون تھے، کیوں فرار ہوئے اور ان کی سزا کیا ہوسکتی ہے۔ اس بارے میں قرآن کریم کی سورہ مبارکہ آل عمران کی آیات ۱۵۳، ۱۵۲ اور ۱۵۵ میں ذکر آیا ہے۔

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ☆ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ﴾ "اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم اس کے حکم سے انھیں کاٹ رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم نے پست ہمتی اختیار کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز تمہیں دکھا دی تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا تو پھر اس نے تمہیں ان سے پھیر دیا تا کہ تم کو آزمائے اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگزر فرما دیا اور ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ جب کہ تم چڑھتے چلے جا رہے تھے اور کسی طرف توجہ تک نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے" ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ﴾ "تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ ہوئی تھی یہ لوگ اپنے بعض کرتوتوں کے باعث شیطان کے پھسلانے میں آ گئے لیکن یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا اللہ تعالیٰ ہے بخشنے والا اور تحمل والا۔"

۲۔ دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو میدان میں حیران و سرگرداں رہے اگرچہ یہ لوگ سوچ رہے تھے کہ ہم نبی اور حق کے ساتھ ہیں لہٰذا کامیابی ہمارا مقدر ہوگی۔ ہمیں بدر میں جس طرح کامیابی ملی ہے یہاں بھی فتح نصیب ہوگی۔ یہ کہتے تھے اگر ہم حق پر ہیں تو میدان میں قتل نہیں ہوں گے پھر کہتے کہ ہماری نجات کا کوئی بندوبست ہے یہ گروہ الٹا سوچ رہا تھا۔

۳۔ یہ وہ گروہ تھا جو پیغمبر اسلامؐ کے گرد حلقہ زن رہا اور میدان میں ہر طرح سے استقامت دکھائی۔

اب ہم ان تینوں گروہوں کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پہلا گروہ کے راہ فرار اختیار کرنے کے بظاہر دو اسباب تھے۔

۱۔ جنگ کے دوسرے مرحلے کے آغاز پر اس گروہ کے طمع و لالچ نے پورے لشکر کو ایک بڑی مصیبت سے دوچار کر دیا اور یہی صورت حال آج بھی دنیا میں مسلمانوں کیلئے اندرونی طور پر درپیش ہے جہاں ایک حلقہ اپنے لئے چند پیسوں اور حقیر دنیا کی خواہش کیلئے اسلام و مسلمین کی عزت کو داؤ پر لگاتے ہیں تا کہ وہ کچھ کما سکیں۔ مال دنیا کی خاطر اسلام سے فرار ہو کر کفر کی سرزمین میں داخل ہونے کے آرزومند ہمیشہ سے موجود رہے ہیں لیکن میدان احد میں اس حلقے کے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی ورنہ جنگ کی صورت حال نہایت تباہ کن ثابت ہوتی۔

۲۔ جو لوگ میدان سے فرار ہو گئے یہ کام ان کی ضعف اور کمزور قوت ارادی کی بنا پر ہوا۔ ہر وہ انسان جو اپنے رب سے غفلت برتے گا اور دنیاوی زندگی کی طرف متوجہ ہوگا وہ اس کے وجود سے شیطان کیلئے ایک دروازہ کھل جاتا ہے یا جن کے دلوں میں ایمان نے جگہ بنائی ہے وہ غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر حق کی طرف پلٹ آتے ہے۔ مثال کے طور پر احد میں کچھ لوگ پلٹ کر آئے تو خدا نے بھی ان کی تقصیر کو معاف کیا تا کہ دنیا میں خواہشات نفسانی کی بنیاد پر قدم میں لغزش

آنے والوں کیلئے درس عبرت بنے رہیں اور پلٹ کر آنے والوں کے گناہ بخشے جاتے رہیں۔

کہتے ہیں کہ جب میدان احد سے سب فرار ہو گئے تو پیغمبرؐ کے پاس علی ابن ابی طالبؑ کے سوا کوئی نہ رہا، یہ بھی فضلیت سازوں کے عزائم کا ایک حصہ ہے۔ان کو اس سے غرض نہیں کہ تاریخ میں کیا ہے اور ان کے اس طرح کے بیانات کی واقعات نفی واقعات میں موجود ہیں انہیں اس بات کی پراوہ بھی نہیں ہے کہ ان حرکات سے اسلام کا چہرہ داغدار ہو سکتا ہے انہیں صرف اپنے عزائم کی خاطر علیؑ سے واسطہ ہے ورنہ ایسی باتیں نہ کرتے جو حقائق سے متصادم ہیں۔

۱۔ لشکر اسلام کے فرار ہونے کے بعد میدان جنگ میں نبی کریمؐ اور علیؑ تنہا ۲۹۰۰ افراد پر مشتمل لشکر کے بیچ سے کیسے بچ گئے جبکہ مشرکین کی خون آشام تلواروں کی پہلی ترجیح محمدؐ کو قتل کرنا تھا جو کہ پہلے ایک دفعہ ان کے محاصرے سے بچ کر نکل چکے تھے اب ان کے محاصرے سے کیسے بچے؟

۲۔ پورے لشکر اسلام نے میدان جنگ سے فرار کیا تھا تو ۷۰ اصحاب کہاں شہید ہوئے؟

۳۔ اگر لشکر اسلام فرار ہو گیا تھا تو لشکر کو منظم ہونے کے بعد میدان جنگ میں کس نے دوبارہ اپنا بول بالا کیا؟

۴۔ مشرکین جنھوں نے بدر کا انتقام لے کر اپنے مقتولین کے برابر اصحاب شہید کئے انھوں نے اتنی جلدی میدان سے واپس جانے کا ارادہ کیوں کیا اور ۷۰ افراد کا انتقام لینے کے بعد کس نے انہیں مکہ کی طرف پسپا ہونے پر مجبور کر دیا؟

لشکر کفر کی پسپائی

جب مشرکین کی کمر ٹوٹ گئی،انھوں نے اونٹ پر لدے اپنے بت کے گرد جمع ہو کر دعا کرنا شروع کر دی اور ساتھ ہی عورتوں کی محافظت کرنے لگے۔جب مشرکین کامیابی سے ناامید ہوئے تو وہ اپنا مال و اسباب اور دیگر جنگی ساز و سامان سب میدان میں چھوڑ کر بھاگنے لگے۔کہا جاتا ہے کہ یہ وہ وقت تھا جب کوئی ان کی خواتین کو اسیر کرنا چاہتا تو اسے روکنے والا کوئی نہیں تھا لیکن مسلمانوں کا لشکر انھیں اسیر بنانے کی بجائے مال غنیمت پر ٹوٹ پڑا یہاں تک کہ پیغمبرؐ تک کو بھلا دیا گیا۔پھر پیغمبرؐ نے علیؑ کو بھیجا تا کہ دیکھیں وہ کیا کر رہے ہیں اور ان کا کیا ارادہ ہے۔اگر وہ گھوڑوں کو چھوڑ کر اونٹوں پر سوار ہوں تو مکہ کی طرف جا رہے ہوں گے اور اگر گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹوں کو ہانک رہے ہوں تو مدینہ جا رہے ہوں گے۔پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر انہوں نے مدینہ کا ارادہ کیا تو ہم ان کا پیچھا کریں گے۔علیؑ نے اطلاع دی وہ لوگ گھوڑوں کو چھوڑ کر اونٹوں پر سوار ہیں اور واپس مکہ جا رہے ہیں۔جب قریش واپس گئے تو مسلمان شہیدوں اور زخمیوں کو تلاش کرنے لگے۔

صفیہؓ بنت عبدالمطلب کی میدان جنگ میں اپنے بھائی کی تلاش

نبی کریمؐ نے جب اپنے عمہ بزرگوار صفیہؓ کی آمد کی خبر سنی تو ان کے بیٹے زبیرؓ بن عوام سے کہا کہ اپنی والدہ کو میدان سے واپس بھیج دو کیونکہ وہ اپنے بھائی کی مثلہ شدہ جسد کو دیکھنا برداشت نہیں کر سکیں گی۔انہوں نے جب اپنی ماں کو نبی کریمؐ کا پیغام سنایا تو صفیہؓ نے کہا میں صبر کروں گی یہ کہہ کر وہ اپنے بھائی کے مثلہ شدہ جسد پاک پر پہنچیں۔

بدر میں ملیں گے

ابن اسحٰق کا بیان ہے جب ابوسفیان اور اسکے ساتھی احد کے میدان سے واپس جانے لگے تو انہوں نے کہا ہمارا ''آئندہ سال بدر میں پھر لڑنے کا وعدہ ہے'' پیغمبرؐ نے ایک صحابی سے فرمایا ان سے کہو ہمارے اور تمہارے درمیان وعدہ ہے۔

بعض کے مطابق جب ابوسفیان مکہ میں پہنچا تو اس نے ھبل کے سامنے جا کر شکر ادا کیا اس نے سر منڈوا کر خوشبو لگائی اور اپنی نذر پوری کی اس نے بدر کے بعد نذر کی تھی کہ جب تک ہم مقتولین کا بدلہ نہیں لیں گے اس وقت تک ہماری عورتیں ہم پر حرام ہیں کہتے ہیں اس نے پیغمبرؐ کو پیغام بھجوایا کہ آئندہ سال ہم دوبارہ بدر صفراء میں ملیں گے۔

فریقین کا جانی نقصان

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مشرکین کے ۲۲ آدمی قتل ہوئے، مسلمانوں کے ۷۱ افراد شہید ہوئے۔ یہ تعداد بدر میں مشرکین کے مقتولین کے تقریباً برابر ہے۔

شہدائے احد

ابن اسحاق نے جنگ احد کے شہداء کی تعداد ۶۵ بتائی ہے۔ ابن ہشام نے اس میں پانچ کا اضافہ کیا ہے۔ ابن قتیبہ نے مہاجرین سے ۴ اور انصار سے ۷۰ شہداء کا ذکر کیا ہے، ابی الحدید نے سعید بن مصیب سے نقل کرتے ہوئے انصار سے ۷۱ افراد کا تذکرہ کیا ہے۔

مہاجرین کے شہداء

بنی ہاشم بن عبد مناف بن عبدالمطلب: ا شہید	بنی امیہ بن عبد شمس: ا شہید
سیدالشہدا حمزہؓ بن عبدالمطلب عم نبیؐ	عبداللہؓ بن جحش، حلیف بنی اسد بن خزیمہ

بنی عبدالدار بن قصی: ا شہید	بنی مخزوم بن یقظہ: ا شہید
مصعبؓ بن عمیر	شماسؓ بن عثمان

انصار کے شہداء

اوس و خزرج

بنی عبدالاشہل: ۱۲ شہداء

عمروؓ بن معاذ بن نعمان	حارثؓ بن انس بن رافع	ایاسؓ بن اوس بن عتیک بن عمرو	سلمہؓ بن ثابت بن وقش
عمروؓ بن ثابت بن وقش	رفاعہؓ بن وقش، ثابت کے بھائی	ثابتؓ بن وقش، عمرو اور سلمہ کے والد	صیفیؓ بن قیظی
حبابؓ بن قیظی	عبادؓ بن سہل	حارثؓ بن سہل معاذ، سعد بن معاذ کے بھائی کا بیٹا	عمارہؓ بن زیاد بن سکن
عتیکؓ بن التیہان	عبیدؓ بن التیہان	حسیلؓ بن جابر، حذیفہ بن یمانی کے والد	حبیبؓ بن زید بن تیم

بنی ظفر:۱شہید

یزیدؓ بن حاطب بن امیہ بن رافع

بنی عبید بن زید:۱شہید

انیسؓ بن قتادہ

بنی عمرو بن عوف، بنی ضبیعہ بن زید:۴شہداء

ابوسفیان بن حارث بن قیس بن یزید	حنظلہؓ الغسیل الملائکہ بن ابی عامر بن صیفی	قیسؓ بن زید بن ضبیعہ	مالکؓ بن امہ بن ضبیعہ

بنی ثعلبہ بن عمرو بن عوف:۲شہداء

ابوحبۃ بن عمرو بن ثابت، سعد بن خیثمہ لامہ کے بھائی	عبداللہؓ بن جبیر بن النعمان

بنی سلم بن امری القیس بن مالک بن الاوس:۲شہداء

خیثمہؓ، سعد بن خیثمہ کے والد	عبداللہؓ بن سلمہ، حلیف بنی عجلان

بنی معاویہ بن مالک:۳شہداء

سبیعؓ بن حاطب بن حارث بن قیس بن ہیشہ	سویبقؓ بن حارث بن حاطب ہیشہ	مالکؓ بن عملیہ، حلیف

بنی خطمہ:۲شہداء

حارثؓ بن عدی	عمیرؓ بن عدی

بنی نجار، بنی سواد بن مالک بن غنم:۴شہداء

عمروؓ بن قیس بن زید	قیسؓ بن عمرو بن قیس	ثابتؓ بن عمرو بن زید	عامرؓ بن مخلد

بنی مبذول:۲شہداء

ابوھبیرہؓ بن حارث بن علقمہ	عمروؓ بن مطرف بن علقمہ بن عمرو

بنی عمرو بن مالک بن نجار:۱شہید

اوس بن ثابت بن المنذر، حسان بن ثابت کے بھائی

بن عدی بن نجار:۱شہید

انسؓ بن نضر بن ضمضم، عم انس بن مالک خادم نبیؐ

بنی مازن بن نجار سے:۲شہداء

قیسؓ بن مخلد	کیسانؓ

بنی دینار بن نجار سے:۲شہداء

سلیمؓ بن حارث	نعمانؓ بن عبد عمرو

بنی حارث بن خزرج:۳شہداء

خارجہؓ بن زید بن ابی زہیر	اوسؓ بن ارقم بن زید	سعدؓ بن الربیع بن عمرو بن ابی زہیر

بنی ابجر، بنو خدرہ:۳شہداء

مالکؓ بن سنان، والد ابی سعید خدری	سعیدؓ بن سوید بن قیس	عتبہؓ بن ربیع بن رافع

بنی ساعدہ بن کعب بن خزرج:۲شہداء

ثعلبہؓ بن سعد بن مالک بن خالد	ثقفؓ بن فروہ بن البدن

بنی طریف رحط سعد بن عبادۃ-۲ شہداء

عبداللہؓ بن عمرو بن وہب	ضمرہؓ حلیف جہینہ

بنی عوف بن خزرج، بنی سالم، بنی مالک بن عجلان اوران کا حلیف-۵ شہداء

نوفلؓ بن عبداللہ	عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ	نعمانؓ بن مالک بن ثعلبہ بن فہر	مجذرؓ بن زیاد البلوی حلیف	عبادہؓ بن الحسحاس

بنی سلمہ، بنی حرام-۴ شہداء

عبداللہؓ بن عمرو بن حرام، والد جابر بن عبداللہ	عمروؓ بن الجموح	خلادؓ بن عمرو بن جموح	ابوایمنؓ عمرو بن جموح کے غلام

بنی سواد بن غنم-۳ شہداء

سلیمؓ بن عمرو بن حدیدہ	عنترہؓ سلیم بن عمرو کے غلام	سہلؓ بن قیس بن ابی کعب

بنی زریق بن عامر-۲ شہداء

ذکوانؓ بن عبدقیس	عبیدؓ بن المعلی بن لوذان، بنی حبیب

ایمان کے تابناک نقوش

۱۔پرچمدار رسول اللہ ﷺ حمزہ سید الشہداء ÷

جب سرزمین مکہ میں پیغمبر اسلامؐ کے اعلان نبوت و رسالت اور دین اسلام کی طرف دعوت کی خبروں میں آئے دن اضافہ ہونے لگا تو حمزہ محمدؐ کے بارے میں وہ خبریں سنتے جو پہلے سننے میں نہ آئی تھیں لیکن آپ ان کے بارے میں اظہار نظر کرنے سے گریز کرتے جہاں تک ان کی طرف سے حمایت کرنے کی بات ہے تو چونکہ رئیس قوم ابو طالبؓ رسول اللہؐ کی حمایت و طرفداری میں پیش پیش تھے لہٰذا آپؓ چنداں حمایت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے دوسری طرف آپ قریش کی تہمت و افترا پردازیوں کی خبریں بھی سنتے مگر انہیں نظر انداز کرتے شاید آپؐ ان کا مقابلہ کرنا مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے لیکن حضرت محمدؐ کو ہر دن بڑھتی ہوئی اذیتوں اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ۔ایک دفعہ حمزہ بن عبدالمطلبؓ شکار سے واپس آرہے تھے ابھی ان کے پاس تیر و کمان اور زرہ موجود تھی کہ شہر مکہ میں داخل ہوئے ۔آپؓ نے لوگوں کو باتیں کرتے سنا کہ ابی الحکم نے محمدؐ کو سب و شتم کیا ہے حمزہؓ اسی عالم میں کعبہ کی جانب چل پڑے جیسے طواف کرنے جا رہے ہوں وہاں ابوجہل بیٹھا ہوا تھا آپ کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا ۔آپ نے کمان اس کے سر پر ماری جس کی وجہ سے اس کا سر پھٹ گیا اور خون نکل آیا پھر کہا تم محمدؐ کو سب و شتم کرتے ہو میں بھی اسی کے دین پر ہوں ۔سب و شتم مت کرتے رہو اگر تم مرد ہو تم میرا مقابلہ کرو ۔اتنے میں بنی مخزوم کے آدمی ابوجہل کی مدد کرنے کیلئے نکلے تو حمزہؓ ایک شیر غضبناک کی صورت میں ان سے لڑنے کیلئے آمادہ ہو گئے ۔انہوں نے کہا گویا تم محمدؐ کے دین میں داخل ہو گئے ہو تو حمزہؓ نے کہا اگر حق آشکار ہو جائے تو کون روک سکتا ہے ۔واضح رہے میں محمدؐ کے دین میں داخل ہوا اور میں اس کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ حق ہے اگر تم مرد ہو تو مجھے روکو ۔جب بنی مخزوم کے ایک

شخص ابوعمارہ نے حمزہؓ کوابوجہل سے محاذ آرائی سے روکنا چاہاتو ابوجہل نے کہا کہ اے ابوعمارہ اسے چھوڑ دو میں نے اس کے برادرزادے کوسب وشتم کیا ہے اس وجہ سے وہ ایسی باتیں کررہا ہے۔حمزہؓ نے جب اسلام قبول کیاتو قریش یہ محسوس کرنے لگے کہ محمدؐ کادفاع کرنے والوں میں نہ صرف اضافہ ہورہا ہے بلکہ ان میں طاقت بھی آگئی ہے اب ان کے خلاف بولنے سے گریز کرنا چاہیے۔اب وہ ایک نئے طریقہ یا تجویز پر غور کرنے لگے تاکہ محمدؐ کو تبلیغ سے روکا جائے۔

حمزہؓ بن عبدالمطلب بن ہاشم کی والدہ حالہ بنت وہیب بن عبدمناف بن زہرہ تھیں۔یہ پیغمبر گرامیؐ کی والدہ کے چچا کی بیٹی تھیں حمزہؓ ماں اور باپ دونوں طرف سے پیغمبرؐ سے نسبی رشتہ رکھتے تھے،آپ پیغمبرؐ کے برادر رضاعی بھی تھے اس طرح آپ کا پیغمبرؐ سے تین قسم کا رشتہ ہے۔آپ ہجرت سے ۵۴ سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے،نسبی خصوصیات کے ساتھ ساتھ شجاعت و قدرتِ جسمانی کے بھی حامل تھے لہٰذا آپ کو قریش میں سب سے مضبوط اور قدرت مند جوان سمجھا جاتا تھا۔آپ پیغمبرؐ کی تمام جسمانی ونفسانی اور اخلاقی خصوصیات غرض تمام کردار و رفتار کی باریکیوں سے واقف وآشنا تھے۔مندرجہ بالا رشتے کو نظر میں رکھنے کے بعد اب ہم آپ کے اسلام اور ایمان بہ رسالت کے بارے میں سیرت نویسوں کی طرف سے لکھے گئے تاریخی صفحات کو نقل کرتے ہیں۔طبری نے ابن اسحٰق سے نقل کیا ہے ایک دن ابوجہل بن ہشام کوہ صفا سے گزرا تو اس نے پیغمبرؐ کو دیکھ کر سب وشتم کیا اور دعوتِ اسلام کو برا بھلا کہا اور پیغمبرؐ کو ضعیف،کمزور و ناتواں کہہ کر برے کلمات سنائے لیکن پیغمبرؐ نے اسکا کوئی جواب نہ دیا۔پھر وہ قریشیوں کے ایک حلقہ میں جا بیٹھا۔

عبداللہ بن جدعان تیمی کی ایک کنیز کوہ صفا پر واقع اپنے مکان سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔دریں اثنا حمزہؓ بن عبدالمطلب اپنی کمان ہاتھ میں لئے شکار سے واپس آکر کعبہ کا طواف کرنے کے بعد وہاں پہنچے جہاں ابوجہل نے پیغمبرؐ کے ساتھ گستاخی کی تھی کنیز نے جب حمزہؓ کو گزرتے ہوئے دیکھا تو وہ آپ سے مخاطب ہوئی اور کہا اے ابا عمارہ کیا آپ کو علم ہے ابھی تھوڑی دیر پہلے ابوجہل نے آپکے برادرزادہ محمدؐ سے ناروا سلوک کیا ہے اور ان سے انتہائی جسارت سے پیش آیا ہے۔اس پر حمزہؓ غصے سے بھڑک اٹھے اور سیدھے ابوجہل کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور بولے:"او سرین پر خوشبو لگانے والے بزدل!تو میرے بھتیجے کو گالی دیتا ہے حالانکہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں"اس کے بعد کمان سے اس زور کی مار ماری کہ اس کے سر پر بدترین قسم کا زخم آگیا۔

اس پر ابوجہل کے قبیلے بنومخزوم اور حمزہؓ کے قبیلے بنوہاشم کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اٹھے لیکن ابوجہل نے یہ کہہ کر انھیں خاموش کر دیا کہ ابوعمارہ کو جانے دو۔میں نے واقعی اس کے بھتیجے کو بہت بری گالی دی ہے۔

قریش نے حمزہؓ کے قبول اسلام کے بعد جان لیا کہ اب اسلام طاقتور اور عزت مند ہوگیا ہے۔اب حمزہؓ رسول اللہؐ سے دفاع کریں گے اور ان سے کوئی جسارت نہیں کرسکے گا حمزہؓ کا یہ کلمہ کہ "میں بھی اسی کے دین پر ہوں"اس پر بعض متعصب سیرت نگاروں یا پیغمبرؐ کے عزیز و اقارب سے ناروا عداوت رکھنے والوں یا پھر بنی امیہ نوازوں نے حمزہؓ سے ضربت کھائی ہے اور کہا ہے کہ حمزہؓ نے قومی عصبیت اور جذباتیت میں آکر ایمان قبول کیا ہے لیکن ایک انصاف مزاج مصری مولف استاد محمود

شرکاوی اپنی کتاب اہل البیت کے صفحہ ۷ اپر لکھتے ہیں حمزہؓ ابتدائی دنوں میں ہی اسلام لا چکے تھے، پہلے ہی دنوں سے عبد المطلبؓ کی اولاد دعوتِ اسلام کی طرف جھکاؤ رکھتی تھی لیکن وہ قریش کی دشمنی کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہی چیز قریش کے دلوں میں باعث خوف بنی ہوئی تھی وہ ڈر رہے تھے کہ کہیں حمزہؓ اور خاندانِ ابو طالب، رسول اللہؐ کے دفاع کا اعلان نہ کردیں۔ حمزہؓ نے سلمٰی بنت عمیس خثعمی سے شادی کی جو اسماء بنت عمیس زوجہ جعفر طیارؓ کی ہمشیرہ تھیں یہ دونوں بہنیں پہلے دن سے ہی اسلام لائی تھیں۔ سلمٰی سے عمارہ پیدا ہوئیں۔

جب نبی کریمؐ مدینہ پہنچے اور خداوند عالم نے آپ کو اذنِ جہاد دیا تو ابتدائی مراحل میں قریش کے تجارتی کاروان کا راستہ روکنے کیلئے ۳۰ سواریوں پر مشتمل ایک کاروان پیغمبرؐ نے حمزہؓ کی قیادت میں روانہ کیا۔ اسی طرح غزوہ ذی العشیرہ ۲۰۰ مہاجرین کے لشکر میں پرچمدار حمزہؓ تھے۔ غزوہ بدر میں بھی پرچم حمزہؓ کے پاس تھا۔

حمزہؓ بن عبدالمطلب جنگ احد کے سید الشہداء ہیں۔ ابن اسحاق کے مطابق انھوں نے عثمان بن ابی طلحہ جو کہ بنی عبدالدار کے پرچمدار تھے کو قتل کیا اور پھر جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کے ہاتھوں شہید ہوئے، وحشی آپؓ کو شہید کرنے کے صلے میں آزاد ہوا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر یہ طائف کی طرف فرار ہوگیا جب اہل طائف کے نمائندے نے ہجرت کے نویں سال مدینہ میں آکر اسلام قبول کیا تو وحشی کا ارادہ تھا شام، یمن یا کسی اور جگہ فرار کرجائے، کسی نے اسے بشارت دی کہ دینِ اسلام کا اقرار کرنے والے کو محمدؐ نہیں مارتے تو وحشی پیغمبر اسلامؐ کے پاس آیا اور کلمہ پڑھ لیا اس نے پیغمبرؐ کو حمزہؓ کے قتل کرنے کا طریقہ بتایا تو آپؐ نے فرمایا کہ اپنے چہرے کو مجھ سے چھپاؤ میں تمہیں نہیں دیکھ سکتا۔ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد جب مسلمان مسیلمہ کذاب سے جنگ کیلئے نکلے تو یہ بھی ساتھ تھا، اس نے انصار کے ساتھ مل کر مسلیمہ کذاب کو قتل کیا اس کا کہنا تھا میں نے جاہلیت کے دنوں میں سب سے بہتر اور مسلمان ہونے کے بعد سب سے بدتر شخص کو قتل کیا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ یہ جوا کھیلتا تھا اس پر حد بھی جاری ہوئی۔ عمرؓ نے کہا میں جانتا ہوں خدا حمزہؓ کے قاتل کو نہیں بخشے گا۔

ام معاویہ ہند بنت عتبہ ابوسفیان کی بیوی نے جب دیکھا لشکرِ اسلام میں ضعف و سستی آئی ہے تو یہ چند عورتوں کو لیکر میدان میں آئی اور شہید ہونے والوں کے اجسادِ پاک کا مثلہ کرنا شروع کیا، ان کے ناک، کان کاٹ کر گلے کا ہار اور ہاتھوں کیلئے چوڑیاں بنائیں، اپنے سونے کے گوشوارے اتار کر اس وحشی غلام کو دے دیئے جس نے حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔ ہند نے صرف چند اعضاء کا مثلہ کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حمزہؓ کے پیٹ کو چاک کرکے کلیجہ نکال کر چبانا چاہا لیکن چبا نہ سکی تو تھوک دیا اور ایک پتھر پر جاکر چیخنا شروع کردیا۔ جب آتشِ جنگ ٹھنڈی ہوئی اور پیغمبر اسلامؐ میدان میں تشریف لائے، آپؐ کی نظر حمزہؓ کے مثلہ شدہ جسد پر پڑی تو بے اختیار ہوکر فرمایا اگر مجھے قریش پر فتح ملی تو ان کے تیس آدمیوں کا مثلہ کروں گا، دریں اثنا پیغمبرؐ کا یہ فرمان آپؐ کے اصحاب و یاران نے سنا کہ پیغمبرؐ کس حد تک غم زدہ اور پریشان ہیں تو سب نے مل کر کہا اگر ہمیں دشمن پر غلبہ حاصل ہوا تو ہم ان کا ایسے طریقے سے مثلہ کریں گے کہ عرب میں اس کی کوئی مثال نہیں ملے گی۔

پیغمبر اسلامؐ اور آپؐ کے اصحاب ان لخراش مناظر میں بہت محزون اور اندوہناک تھے، سب مشرکین کے خلاف غم وغصہ میں تھے اسی لیے خداوند متعال نے میدانِ جنگ میں پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کو اپنے غم وغصے پر قابو کرنے اور نظامِ عدل قائم کرنے کا حکم دیا:

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ☆ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾ ''اور اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اسی قدر بدلہ ہے جس قدر تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور اگر تم نے صبر کیا تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔ اور آپ صبر کریں اور آپ کا صبر صرف اللہ کی مدد سے ہے اور انکے بارے میں حزن نہ کریں اور نہ ہی ان کی مکاریوں سے تنگ ہوں'' (نحل ۱۲۶، ۱۲۷)

۲۔ عبداللہؓ بن جحش

عبداللہؓ بن جحش بن رئاب بن یعمر ان کی ماں امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھیں یہ دارارقم میں داخل ہونے سے پہلے پیغمبرؐ پر ایمان لائے اور حبش کی طرف ہجرت کی۔ ام المومنین زینبؓ بنت جحش ان کی بہن تھیں۔ پیغمبرؐ نے آپ کو سریہ نخلہ میں مجاہدین کا قائد بنایا۔ بنی اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتے تھے اور رسول کریمؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ انھوں نے اُحد کے دن دعا کی

''خداوندا دشمن کے مقابلے میں ہمیں طاقت وقدرت عطا فرما، ہمیں شہادت عطا فرما میں چاہتا ہوں میرے کان، ناک راہِ خدا میں کٹ جائیں اور جب قیامت کے دن تو پوچھے گا عبداللہ کان اور ناک کو کیا ہوا تو میں کہوں تیری راہ اور تیرے پیغمبرؐ کی نصرت میں دے دیئے۔''

عبداللہؓ کی دعا قبول ہوئی میدان احد میں برسرپیکار تھے کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آپ ابوالحکم بن اخنس بن شریق کے ہاتھوں شہید ہوئے، آپ کے کانوں اور ناک کا مثلہ کر کے اعضاء کو دھاگے میں پرویا گیا۔ آپکو المجدع فی اللہ لقب ملا۔ حمزہؓ، عبداللہؓ کے ماموں تھے دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا شہادت کے وقت عبداللہؓ کی عمر چالیس سے زیادہ تھی۔

۳۔ پرچمدار اسلام مصعبؓ بن عمیر

اس جنگ میں پرچم دار اسلام، سفیر محمدؐ، قاری اور انصار اوس وخزرج کے مدرس اول مصعبؓ بن عمیر تھے آپؓ نے نبی کریمؐ کے گرد پروانے کی مانند دفاع کرتے ہوئے شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور پیغمبر اسلامؐ کے حامی ومدافع عم بزرگوار ابو طالبؓ کے جوار میں اپنے لئے جگہ بنائی۔

ان کا تعلق مکہ کے قبیلہ بنی عبدالدار سے تھا جنگ اُحد میں مہاجرین کا پرچم آپ کے ہاتھ میں تھا اور آپ پیغمبرؐ کے حضور جنگ کر رہے تھے۔ عبداللہ بن قمیئہ لیثی کے ہاتھوں شہید ہوئے تو رسول اللہؐ نے لواء کو علیؑ کے ہاتھوں میں دیا۔ مصعبؓ اور ابو دجانہؓ دو اصحاب نے زندگی کے آخری لمحات تک رسول اللہؐ سے دفاع کیا۔

۴۔ فرزند منافق شہدائے احد کا شاخسار اور یادگار شہید

کسی کے بارے میں اس طرح گفتگو کرنا کہ فلاں کا باپ تو منافق تھا یا "اس کا کیا کہنا" اس کا باپ تو جلیل القدر انسان تھا یہ باتیں قرآنی ثقافت سے اجنبیت اور نامحرمیت کی واضح نشانی ہے۔ انسان جب ایسے کلمات اپنے منہ سے ادا کرتا ہے تو اس سے جاہلیت دینی کی بد بو آتی ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے قرآن کریم کی کثیر آیات میں فرمایا ہے کہ مردے سے زندہ پیدا ہوتا ہے اور زندے سے مردہ۔ اس کی واضح مثال اور مصداق جلی حنظلہ ہیں جو دنیا میں ہر فاسق و فاجر والدین کی اولاد کے کیلئے درس چھوڑ گئے ہیں اور نیک و صالح والدین کی اولاد کے غرور و تکبر پر طمانچہ مار گئے ہیں۔ وہ ابو عامر فاسق جس نے مکہ جا کر اپنے لئے گروہ تشکیل دیا اور مشرکین کو میدان جنگ میں اپنا مقام ثابت کرنے کی یقین دہانی کرائی اور جنگ سے پہلے قبیلہ اوس کو محمدؐ سے الگ ہونے کی دعوت دی اسی کے بیٹے حنظلہ میدان جہاد میں اسلام کے ساتھ صدق و وفا کے پیکر جمیل بنے جنھوں نے اپنی شادی کے پہلے دن ہی میدان جنگ میں اپنے لباس عروسی کو شہادت کا کفن بنایا۔

حنظلہ انصار میں سے تھے بنی عمرو بن عوف بنی ضبیعۃ بن زید سے تعلق تھا آپ غسیل الملائکہ کے لقب سے معروف ہوئے جنگ میں ابوسفیان سے مقابلہ کیا اپنی تلوار سے اس پر وار کیا، شداد بن اسود بن شعوب لیثی نے شہید کیا رسول اللہؐ نے فرمایا حنظلہؓ کو ملائکہ غسل دے رہے ہیں اسی لئے آپ غسیل الملائکہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

۵۔ معزور شخص اور ان کے جواں سال بیٹوں کا احوال

عمرو بن جموح نامی ایک باغیرت مسلمان کے چار بیٹے تھے، وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ احد میں جانا چاہتے تھے، لیکن بیٹوں نے عذر خواہی کی اور کہا کہ خدا نے آپ پر جہاد کرنا معاف کیا ہے لہٰذا آپ گھر بیٹھے رہیں ہم میدان میں جا رہے ہیں عمرو نے پیغمبرؐ سے اپنے بیٹوں کی شکایت کی اور کہا میں اپنی معذوری کے ساتھ بہشت میں جانا چاہتا ہوں، رسول اللہؐ نے فرمایا خدا نے آپ پر جہاد معاف کیا ہے پھر ان کے بیٹوں سے فرمایا ان کو جنگ میں جانے سے مت روکو شاید خدا انہیں شہادت نصیب کرے۔ عمرو انصاری تھے خزرج بنی سلمہ بنی حرام سے تعلق رکھتے تھے، بہت مضبوط انسان تھے انتہائی دلیری کے ساتھ جنگ میں جاتے تھے۔ ابن جموع نے جنگ میں جاتے وقت کہا خدایا مجھے دوبارہ واپس گھر نہ پلٹانا۔ چنانچہ باپ بیٹے ایک ساتھ میدان میں کود پڑے اور شہید ہو گئے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا یہ دنیا میں میرے لئے اچھے دوست تھے۔

۶۔ شماسؓ بن عثمان

مہاجرین میں سے تھے اور بنی مخزوم بن یقظہ سے تعلق رکھتے تھے رسول اسلامؐ جس طرف رخ کرتے شماس نظر آتے آپ شمشیر کے ذریعے جنگ اُحد میں رسول اسلامؐ سے دفاع کر رہے تھے جب رسول اللہؐ زمین پر گرے تو انھوں نے اپنے آپ کو سپر (ڈھال) کے طور پر رسول اللہؐ پر گرا دیا اور شہید ہوئے۔ جنگ اُحد میں اہل مدینہ اپنے شہیدوں کو مدینہ لائے تا کہ مدینے میں دفن کریں جب رسول اللہؐ کو خبر ملی تو آپؐ نے فرمایا کہ شہیدوں کو احد واپس لے جائیں اور وہیں دفن کریں، رسول اللہؐ

کی ہدایت پہنچنے تک تمام شہداء دفن ہو چکے تھے لیکن شماسؓ کی لاش تنہا رہ گئی تھی آپ کا جسد مبارک اُحد میں لے جا کر دفن کیا گیا۔

۷۔ عمارہؓ بن زیاد بن سکن

انصار سے تھے قبیلہ اوس و طائفہ بنی عبدالاشہل سے تعلق رکھتے تھے جب جنگ میں سختی آئی تو دشمن رسول اللہ تک پہنچ گیا اس وقت آپ کو زخم لگ چکے تھے، آپؐ نے فرمایا: ''کون ہے جو اس وقت خود کو راہِ خدا میں دے''

اس پر انصار کے جوانوں میں سے پانچ افراد نکلے ان میں عمارہؓ بن زیاد بن سکن بھی تھے، آپ آگے بڑھے اور جنگ کی جب آپ میں حرکت کرنے کی قدرت نہ رہی تو ایک گروہ نے دشمن کو رسول اللہؐ سے دور کیا۔ عمارہؓ جو وہ زخم کھا چکے تھے رسول اللہؐ نے فرمایا میرے نزدیک آجاؤ، عمارہؓ نے نزدیک جا کر اپنے چہرے کو رسول اللہؐ کے قدموں پر رکھا اسی حالت میں آپ کی روح جسد خاکی سے جدا ہو گئی۔

۸۔ اُصَیرمؓ عمرو بن ثابت بن وقش

انصار سے تھے قبیلہ اوس اور طائفہ بنی عبدالاشہل سے تعلق تھا کہتے ہیں یہ ایک رکعت نماز پڑھے بغیر جنت میں داخل ہوئے کیونکہ جب بھی ان سے کہا جاتا اسلام قبول کرو تو انکار کر دیتے تھے۔ جب رسول اسلام اُحد کی طرف نکلے تو ان کے دل میں اسلام کا نور منور ہوا، اپنی تلوار لے کر خود کو لشکرِ اسلام کے درمیان پہنچا دیا اور جنگ کی۔ جب بنی اشہل کے مردوں نے اپنے شہداء کو تلاش کیا تو عمروؓ کو شہداء کے درمیان پایا اس وقت ان میں کچھ رمق موجود تھی ان سے پوچھا آپ نے خدا اور رسول کیلئے جنگ کی یا قومی عصبیت کیلئے تو جواب دیا میں مسلمان ہو چکا ہوں اب میرے اوپر یہ حالت آئی ہے یہ کہنے کے بعد ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی جب پیغمبرؐ کو خبر دی گئی تو آپؐ نے فرمایا وہ اہل جنت میں سے ہیں۔

۹۔ ثابتؓ بن وقش (عمروؓ کے والد)

اپنے بھائی رفاعہؓ اور دو بیٹوں عمروؓ اور سلمہؓ کے ساتھ اُحد میں شہید ہوئے۔ ثابتؓ بن وقش اور حسیلؓ یمان (حذیفہؓ کے والد) دونوں بوڑھے تھے انھیں بچاؤں کے پاس بٹھایا گیا تھا ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہم کس چیز کے انتظار میں زندہ رہیں ہم دونوں کی عمریں بہت کم رہ گئی ہیں کیوں نہ تلوار لے لیں، رسول اسلام تک پہنچیں اور شہید ہو جائیں۔ دونوں نے تلوار لی خیمہ سے باہر نکلے اور مجاہدین کے درمیان چلے گئے ثابتؓ شہید ہو گئے ابی حذیفہ کفار اور مسلمانوں کے درمیان پریشان تھے۔ اچانک غلطی مسلمانوں میں سے ایک شخص کی زد میں آنے کی وجہ سے زخمی ہوئے، رسول اللہ نے دیہ دینا چاہا تو انہوں نے کہا میں دیہ مسلمانوں کو معاف کر دی۔

۱۰۔ عبداللہؓ بن جبیر

انصار سے تھے اور قبیلہ اوس بنی ثعلبہ بن عمرو سے تعلق رکھتے تھے۔ جنگ احد میں پچاس تیر اندازوں کے ساتھ پہاڑی درہ پر متعین تھے۔ تیر اندازوں نے جب فرمانِ رسولؐ کی مخالفت کرتے ہوئے غنیمت کے لالچ میں درہ خالی کیا تو آپ اپنی جگہ

ثابت قدم رہے اور دشمن سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

۱۱۔ انسؓ بن نضر

یہ بھی انصار سے تھے قبیلۂ خزرج اور طائفہ بنی عدی بن نجار سے تعلق رکھتے تھے، پیغمبرؐ کی شہادت کی افواہ کے بعد جب مسلمان اپنے ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھے تو انھوں نے سب کو خطاب کر کے کہا "تم لوگ کس لئے بیٹھے ہو" کسی نے کہا رسول اللہؐ قتل ہو گئے تو انھوں نے کہا "رسول اللہؐ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے اٹھو اور جس راستے پر رسول اللہؐ چلے ہیں اسی راستے پر چلیں اور شہید ہو جائیں، پھر کہا خدایا جو کچھ مسلمانوں نے کیا ہے اس کیلئے میں معذرت خواہ ہوں اور جو کچھ مشرکین نے کیا ہے اس سے میں بےزار ہوں"۔ سعدؓ بن معاذ کے پاس جا کر کہا اے سعدؓ میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اس کے بعد انھوں نے جنگ کی اور شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر تیر و تلوار کے اسی (۸۰) سے زائد زخم لگے۔ ان کے بدن کا مثلہ کیا گیا انھیں انکی کی بہن ربیع دختر نضر نے ناخنوں سے پہچان لیا۔

۱۲۔ سعدؓ بن ربیع

انصار سے تھے قبیلۂ خزرج بنی حارث بن خزرج سے تعلق رکھتے تھے، مالک بن دخشم نے کہا تمہیں پتہ ہے محمدؐ قتل ہوئے ہیں اسوقت سعدؓ کے جسم پر بارہ زخم آ چکے تھے کہا میں گواہی دیتا ہوں رسول اسلامؐ نے رسالت انجام دی اب تم بھی اپنے دین سے دفاع کرو۔ زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں پیغمبرؐ نے مجھے سعدؓ بن ربیع کی تلاش میں بھیجا اور فرمایا اگر آپ انھیں کہیں پائیں تو میری طرف سے سلام کہنا اور ان سے کہنا پیغمبرؐ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہیں۔ زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں میں شہداء کی لاشوں کے درمیان پہنچا تو سعدؓ بن ربیع کو اس حالت میں پایا کہ وہ آخری سانس لے رہے تھے اور انہیں نیزے، تلوار اور تیر کے ستر سے زیادہ زخم لگے ہوئے تھے میں نے کہا اے سعدؓ! رسول اللہؐ نے آپ کیلئے سلام کہا ہے اور کہا ہے بتائیں آپ کیا محسوس کر رہے ہیں، سعدؓ نے کہا رسول اللہؐ کو بھی میری طرف سے سلام کہنا اور بتانا میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اور میرا پیغام انصار کو دینا "اگر تم میں سے ایک آنکھ بھی ہلتی رہی اور دشمن رسول اللہؐ تک پہنچ گئے تو تمہارے لئے اللہ کے حضور کوئی عذر نہ ہوگا" یہ کہتے ہی انکی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

۱۳۔ خارجہؓ بن زید

بنی حارث بن خزرج سے تعلق رکھتے تھے مالک بن دخشم کہتے ہیں کہ خارجہ بن زید کے جسم پر تیرہ (۱۳) زخم آ چکے تھے میں نے کہا رسول اسلامؐ قتل ہوئے ہیں انھوں نے کہا "اگر محمدؐ قتل ہو گئے ہیں تو محمدؐ کا خدا تو زندہ ہے محمدؐ نے رسالت انجام دی اب تم بھی دین کا دفاع کرو"۔

۱۴۔ عبداللہؓ بن عمرو بن حرام

انصاری تھے قبیلۂ خزرج بنی سلمہ بن سعد سے تھے۔ آپ جابرؓ کے والد تھے۔ جابرؓ کا بیان ہے کہ میرے والد اُحد میں سب

سے پہلے شہید ہوئے مغلوب ہونے سے پہلے رسول اللہؐ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔

۱۵۔ خلادؓ بن عمرو بن جموح

اپنے والد عمرو اور تین بھائیوں معاذؓ ابوایمنؓ اور معوذؓ کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہوئے، سب شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔

۱۶۔ مالکؓ بن سنان

قبیلہ خزرج کے بنی ابجر بنی خدرة بن عوف سے تعلق رکھتے تھے۔ابوسعید خدری کے والد تھے کہتے ہیں کہ تین دن تک بھوکا رہا لیکن کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔

۱۷۔ ذکوانؓ بن عبد قیس

قبیلہ خزرج کے بنی زریق بن عامر سے تعلق رکھتے تھے کہتے ہیں کہ یہ اور اسعدؓ بن زرارہ دونوں سب سے پہلے اسلام کا پیغام مدینہ میں لائے۔

۱۸۔ مخیریقؓ

بنی ثعلبہ بنی فطیون سے تھے علمائے یہود سے تعلق رکھتے تھے اور صاحب ثروت و دولت تھے ان کے خرما کے باغات تھے پیغمبر اسلامؐ کے نبی ہونے پر ایمان رکھتے تھے لیکن اپنے مذہب یہودیت پر باقی تھے جنگ اُحد کے دن مشرکین سے جب جنگ ہوئی تو اس دن ہفتہ تھا انھوں نے یہودیوں سے کہا خدا کی قسم تم جانتے ہو محمدؐ کی مدد کرنا تم پر فرض ہے یہودیوں نے کہا آج ہفتے کا دن ہے انھوں نے کہا اس سے کچھ نہیں ہوتا یہ کہہ کر جنگی سامان سے مسلح ہو کر پیغمبر اسلامؐ کے پاس احد میں آ گئے اور مجاہدین سے مل گئے اور وصیت کی اگر میں شہید ہو جاؤں تو میری پوری املاک پیغمبر اسلامؐ کو دی جائے وہ جہاں چاہیں اسے خرچ کریں چنانچہ یہ جنگ میں شہید ہوئے اور ان کی تمام جائیداد رسول اللہؐ کو ملی جو بعد میں اوقاف رسولؐ کے نام سے مشہور ہوئی۔

۱۹۔ مجذرؓ بن ذیاد بلوی

بنی عوف بن خزرج کے حلیف تھے انہوں نے زمانہ جاہلیت میں اوس وخزرج کی جنگ میں سوید بن صامت کو قتل کیا تھا سوید کے بیٹے حارث نے جو منافق تھا اپنے باپ کے انتقام میں مجذرؓ کو شہید کر دیا اور مکہ کی طرف فرار ہو گیا رسول اللہؐ نے بعد میں اسے قتل کر دیا۔

۲۰۔ ثابت بن دحاحہ بلوی

یہ بھی بنی زید بن مالک کے حلیف تھے۔احد میں جب مسلمان مایوس ہو کر منتشر ہوئے تو انھوں نے فریاد کی "اے انصار! میرے پاس آ جاؤ میں ثابت بن دحاحہ ہوں اگر محمدؐ قتل ہوئے ہیں تو خدائے محمدؐ تو زندہ ہے وہ مرنے والا نہیں۔اپنے دین کی

راہ میں جہاد کرو خدا تمہاری مدد کرے گا" انہوں نے چند افراد کے ساتھ مل کر دشمن کے ایک گروہ پر حملہ کیا جس میں خالد بن ولید، عمرو بن عاص، ضرار بن خطاب اور عکرمہ بن ابی جہل شامل تھے آخر خالد بن ولید کے نیزے سے زخم کھا کر شہید ہوئے ان کے باقی ساتھی بھی شہید ہوئے کہتے ہیں یہ جنگ اُحد کے آخری شہید تھے۔

۲۱۔ یزیدؓ بن حاطب

یہ بنی اوس کے قبیلہ ظفری سے تعلق رکھتے تھے، جنگِ احد میں زخمی ہوئے اور اسی زخم کی وجہ سے چل بسے جب آپ کو زخمی حالت میں محلّہ بنی ظفر لایا گیا تو مردوں اور عورتوں نے بہشت کی خبر دی انکا والد منافقین میں سے تھا کہنے لگا میرے بچے کو کس چیز کی بشارت دیتے ہوا سے دھوکہ دے کر اس حالت تک پہنچایا گیا ہے۔

منافق شخص قزمان کا واقعہ

ابن اسحاق قاسم بن عمر قتادہ سے نقل کرتے ہیں قزمان بنی ظفر کا ہم پیمان تھا پیغمبرؐ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ اہل دوزخ میں سے ہے جنگ احد میں اس نے مسلمانوں کے ہمراہ مشرکین سے جنگ کی اور شجاعت مندی و مردانگی دکھائی سات آٹھ مشرکین کو قتل کیا۔ زخمی ہونے کی وجہ سے اسے بنی ظفر کے محلے میں لایا گیا۔ مسلمانوں نے کہا تم نے آج بہت امتحان دیا خوش قسمت ہو جنت میں جاؤ گے۔ قزمان نے کہا کس بات کی خوشی ہے خدا کی قسم میں نے قبیلہ و خاندان کی عزت و شرف کی خاطر جنگ کی اگر قبیلہ نہ ہوتا تو جنگ نہ کرتا۔ جب زخم کا درد بڑھنے لگا تو اس نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر خود کو مارا اور خودکشی کر لی۔ قارئین کرام یہ ہے قوم و وطن کے تعصب میں جنگ لڑنے والے کا انجام چاہے وہ پرچم اسلام کے سائے میں ہو یا پیغمبرؐ کے اقتداء میں لڑتا ہو۔

جنگ احد میں خواتین اسلام کا کردار

اسلامی جنگوں میں لشکر کی پشت پر خواتین اسلام کی موجودگی ایک عادی روایت تھی جہاں وہ بوقت ضرورت زخمیوں کی مرہم پٹی لشکر کے خورد و نوش کی تیاری اور رمردوں کو کمان کیلئے تیر کی فراہمی میں اہم کردار کرتی تھیں لیکن جان بکف ہو کر ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں نیزہ اٹھا کر نبرد آزما ہونے اور رمردوں کو شہادت کی عملی رغبت دلانے پھر اپنے نبی کی جان پر خود کو فدا کرنے والی خواتین کو کیسے فراموش کیا جا سکتا ہے۔ اس جنگ میں دیگر خواتین کے ساتھ بیت نبوت سے بھی چودہ خواتین جن میں سے زہرا مرضیہ =، ام المومنین عائشہؓ، حمنہؓ بنت جحش خواہر زینبؓ بنت جحش اور ام ایمن شریک تھیں۔ چند ایک خواتین اسلام کے واقعات درج ذیل ہیں۔

زہرا مرضیہ = اور شست و شو چہرہ مبارک

پیغمبر اسلامؐ کے دندان مبارک شہید ہونے کی وجہ سے خون بہنے لگا تو امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ اور زہرا مرضیہؑ نے زخم کو دھویا اور چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھی جس سے خون بند ہو گیا۔

ام عمارہؓ نسیبہ

آپ کعب بن عمرو مازنی کی بیٹی تھیں، خاندانِ بنی مازن بن نجار سے تعلق تھا جنگ احد میں اپنے کاندھے پر مشکیزہ رکھ کر لشکر کو پانی پلاتی رہیں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی اور پیغمبر اسلامؐ کا وجود خطرے میں پڑ گیا تو اس خاتون نے ہاتھ میں نیزہ اور تلوار لے کر جنگ کی اور زخمی ہوئیں۔ اسی عالم میں عبداللہ بن قمئہ پیغمبرؐ کو شہید کرنے کیلئے آگے بڑھا اور کہا محمدؐ کہاں ہیں اگر میں زندہ رہا تو ان کو زندہ نہیں چھوڑوں گا، ام عمارہؓ اور مصعبؓ بن عمیر نے اس کا راستہ روکا، اس دوران عبداللہ بن قمئہ نے ام عمارہ کے بازو پر وار کیا۔ کہتے ہیں ام عمارہؓ کے جسم پر تیر و تلوار کے بارہ زخم آئے تھے آپ اپنے شوہر عاصمؓ بن مازنی اور دو بیٹوں عبداللہؓ اور حبیبؓ کے ساتھ پیغمبرؐ کا دفاع کرتی رہیں۔

پیغمبرؐ مدینہ میں بنی دینا کی ایک عورت کے پاس پہنچے جس کے والد بھائی شوہر اور بیٹے سب شہید ہو چکے تھے جب انھوں نے پیغمبرؐ کو دیکھا آپؐ زندہ ہیں تو کہا ہر مصیبت جو ہمارے اوپر پڑی ہے وہ معمولی ہے۔

منافقین و یہود کی مسلمانوں کو شماتت

پیغمبرؐ جب مدینہ پہنچے تو منافقین نے پیغمبرؐ کی نبوت کو جھٹلانے کیلئے شماتت شروع کر دی جسارتوں کی اس مہم میں انہوں نے ہر وہ بات کہی جو ان کے منہ میں آئی پیغمبرؐ اس المیہ و مصیبت اور سطحی طور پر کھائی ہوئی مسلمانوں کی شکست کو جوں کا توں رکھتے تو مسلمان دشمنوں کی چہ میگوئیوں کا نشانہ بن جاتے اور آئے دن مخالفین کی مسخرہ پنی کے تیر ان کے جسم میں پیوست ہوتے رہتے۔

جنگ ختم جانے کے بعد عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین نے مسلمانوں پر پڑنے والی مصیبت کو بنیا دبنا کر انصار کو شماتت و ملامت کی، عبداللہ بن ابی نے مسلمانوں کی طرف سے لڑ کر زخمی ہونے والے اپنے زخمی بیٹے عبداللہؓ سے کہا "محمدؐ کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کا انجام یہی ہونا تھا باقی بچوں نے میری اطاعت کی لیکن تم نہ مانے لہٰذا اپنی مخالفت کا انجام دیکھ لیا" یہ سن کر عبداللہؓ نے جواب دیا "جو خدا نے رسولؐ اور مسلمانوں کے ساتھ کیا میں اس پر راضی ہوں۔"

یہودیوں کی جانب سے پیغمبرؐ کے خلاف یہ مہم شروع کی گئی کہ "محمدؐ طالب سلطنت ہیں نبی کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا ہے اگر تم ہمارے ساتھ ہوتے تو ایسا نہ ہوتا" ان کے اس عمل کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو رسول اللہؐ سے دور کیا جائے عمرؓ نے ایسی کئی باتیں سننے پر پیغمبرؐ سے انہیں قتل کرنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

پیغمبرؐ نے اس مہم کو روکنے کیلئے ایک ایسی حکمت عملی کو مناسب سمجھا جس سے دشمن کو کاری ضرب لگائیں تاکہ مصیبت زدہ لشکر کے اندر معنویات آجائے اور دشمن کا مکر و فریب خود ان کے سر پر پڑے اسی طرح مشرکین و منافقین کے دلوں میں اسلام کا رعب بیٹھ جائے۔

دشمن کا پیچھا

تیسری ہجری آٹھ شوال کی رات مسلمانوں کیلئے انتہائی افسوسناک اور کربناک تھی، ایک طرف مصیبت زدہ خواتین کی

فریادوفغان اورگریہ وزاری تھی تو دوسری طرف جنگ کے زخمیوں کے دردکی شدت سے دلخراش سسکیاں، آہیں، پریشانی، تھکاوٹ،ضعف وکمزوری،غم وغصہ اورمحزون حالت تھی،تیسری جانب غم ومصیبت زدہ لشکر پر دوبارہ حملے کے خدشہ نے باقی ماندہ لشکراسلام اورپیغمبرؐ کی نیندحرام کررکھی تھی گویایہ رات غم وغصہ،مصیبت اوررعب ووحشت کی شب دیجور تھی ۔اس کاذکر قرآن میں کچھ اس طرح ہوا ہے:

﴿وَلاَ تَهِنُوا وَلاَ تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ☆ إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الأيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاء وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ ”ہمت نہ ہارواور غم نہ کروکہ تم ہی غالب رہوگے بشرطیکہ تم مومن ہو۔اگر تمھیں کوئی زخم لگا ہے تو تمہارے دشمن کوبھی ویسا ہی زخم لگ چکا ہے“(آلعمران ۱۳۹،۱۴۰)

پریشانیوں کے باوجودرات کےوقت مسلمانوں نے مدینے کی ناکہ بندی اورآمدورفت پرکڑی نگرانی اورپہرہ لگائے رکھا، خاص طورپرمسلمان اپنے قائدرسول اللہؐ کی حفاظت کرتے رہے کیونکہ آپؐ کے بارےمیں ہرطرف سے حملہ ہونے کاخدشہ رہتا تھاخودپیغمبرؐ نے بھی اسی حالت میں رات بسر کی،آپؐ سوچ رہے تھے کہ مشرکین جنہیں میدان جنگ میں ظاہری کامیابی ملی ہے اوروہ استفادہ حاصل کئے بغیر چلے گئے ہیں یقیناً پشیمان ہونگے اورمدینہ پرحملہ کرنے کیلئے واپس پلٹیں گے دوسری جانب طلوع سورج کاانتظارکس حدتک کیاگیاہوگاہمارے لئےاس کااندازہ کرنامشکل ہے چونکہ ہم آرام وسکون اوربےخوفی میں اپنے شب وروزگزاررہے ہیں۔

جب صبح ہوئی تو پیغمبراسلامؐ وحشت ودہشت میں پڑنےوالے مسلمانوں کی دلجوئی کیلئے حکم فرماتے ہیں

”کل جوافرادمیدانِ جنگ میں مشغول تھےوہ آج دوبارہ میدانِ جنگ میں آئیں گےتاکہ دشمن کوکاری ضرب لگا کردوربھگایاجائےلیکن جنہوں نےکل میدان جنگ میں شرکت نہیں کی انہیں آج شرکت کرنےکاحق نہیں ہے“

عبداللہ بن ابی نے کہامیں بھی آپ کے ساتھ چلوں،رسول اللہؐ نےفرمایانہیں، جابرؓ بن عبداللہ نے پیغمبرؐ سے اجازت لی میری یہ خواہش تھی کہ جہاں بھی آپ جنگ میں جائیں میں آپؐ کےساتھ رہوں لیکن میرے والدنے مجھے بہنوں کے پاس رکھاآپ ابھی اجازت دیجئے کہ میں آپ کےساتھ چلوں پیغمبرؐ نےانھیں اجازت دےدی۔پیغمبراسلامؐ کی اس ندا کی تھوڑی ہی دیربعدزخمی اورتھکےہوئے مسلمان مجاہدین پیغمبراسلامؐ کےگردجمع ہوئے اوردشمن کاپیچھاکیاپیغمبرحمراءالاسدپہنچےتو ابوسفیان روحاپہنچ چکاتھاحمراءالاسدکےمقام پرپیغمبرؐ کی معبدخزاعی سےملاقات ہوئی یہ مشرک تھااس کےقبیلہ خزاعہ کاپیغمبرؐ سےقوی رابطہ تھا۔قبیلہ خزاعہ اوربنی ہاشم کےدرمیان معاہدہ تھایہ نیک نیت لوگ تھےاورپیغمبرؐ کےرازدارتھے۔معبدنےجب پیغمبرؐ کی حالت دیکھی تواس کے ضمیر نےاسے جھنجوڑااس نےپیغمبرؐ سےکہامجھے آپ کی حالت دیکھ کربہت دکھ ہواہے،خدا آپ کوشفا دےیہ کہہ کراس نےمکےکی طرف رخت سفرباندھااس کےاظہارہمدردی پررسول اللہؐ نےاس سےفرمایا”ابوسفیان کے پاس

جاؤاوراس کی حوصلہ شکنی کرو۔پیغمبرؐ کوخدشہ تھا کہ مشرکین واپس پلٹ کرمدینہ پرحملہ کرنے کیلئے آئیں گے یہ بات سچ ثابت ہوئی چنانچہ مدینہ سے ۳۶میل دورجانے کے بعدانہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا ہمیں فتح ملی اورہم نے اپنا انتقام لےلیااب ہمیں دوبارہ جاکران کا خاتمہ کرنا چاہیے۔اس فکرکا اظہار کرنے والے ظاہر بین سطحی لوگ تھے۔صفوان بن امیہ جومشرکین کی ایک سربرآوردہ شخصیت تھی اس نے کہا:"لوگوایسانہ کرو۔مجھے ڈرہے کہ جومسلمان غزوہ احد میں نہیں آئے تھے وہ بھی اب تمہارے خلاف جمع ہوجائیں گےلہٰذااس حالت میں واپس چلے چلو،فتح تمہاری ہے،ورنہ مجھے خطرہ ہے کہ مدینے پرپھرچڑھائی کروگےتوگردش میں پڑجاؤگے"لیکن صفوان بن امیہ کی یہ رائے اکثریت نے مسترد کی لشکر نے اتفاق کیاواپس مدینہ جائیں گے۔

مقام روحاپرمعبد کی ابوسفیان سے ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ ابوسفیان مسلمانوں کوکاری ضربت لگانے کیلئے ایک بڑے حملے کے بارے میں سوچ رہاہے ابوسفیان نے معبدخزاعی سے کہا ہم نے فیصلہ کیاہے کہ ہم واپس ہونگے اورحملہ کریں گے۔تم بتاؤتمہارے پیچھے کیاخبرہے؟ معبدخزاعی نے کہا تمہیں میری نصیحت ہے ایسا مت کروتم جاؤگےتوگھوڑوں کے سردیکھو گے۔میں نے محمدؐ اوران کے ساتھیوں کوایک شعلہ آورآگ کی مانندتمہاری طرف آتے دیکھاہے ان کے ساتھ نئے تازہ دم جنگجوبھی ہیں جنہوں نے کل جنگ میں شرکت نہیں کی تھی وہ بھی شرمندگی کے ساتھ آرہے ہیں۔معبد کی بات سے مشرکین کی ہمت ٹوٹ گئی اورخوف ورعب ان پرچھا گیا۔انہوں نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ ابھی واپس مکہ چلے جائیں۔بعض کے مطابق مصبیہ بن امیہ بھی معبدخزاعی کے ساتھ تھا۔حمراءالاسد کے میدان میں پیغمبرؐ نے تین دن قیام کیاجب آپ کویقین ہو گیا کہ مشرکین مکہ کی طرف چلے گئے ہیں تب آپؐ واپس مدینہ تشریف لائے۔

ابوسفیان کومسلمانوں پردوبارہ حملہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟

پہلاعامل: کہتے ہیں کہ ایک عامل معبدخزاعی تھا جس نے مقام روحاپرپہنچ کرابوسفیان کومسلمانوں پرحملہ کرنے سے بازرکھا۔

دوسراعامل: داخلی عامل صفوان بن امیہ بن خلف تھا جوکہ لشکرقریش کے سربرآوردہ افرادمیں سے تھااُسکاباپ امیہ بن خلف جنگ بدرمیں قتل ہواتھا۔صفوان نے ابوسفیان سے کہا"ہم یہ سمجھتے ہیں کل کے حالات دیکھنے کے بعدبہتر یہی ہے کہ ہم واپس مکہ جائیں اوراپنی کل کی کامیابی پراکتفاکریں"۔ایک حوالے سے ان دونوں عوامل نے ابوسفیان کودوبارہ مدینہ پرحملہ کرنے سے بازرکھا۔

نتائج جنگ اُحد

دورانِ جنگ میدانِ اُحد میں پیغمبراسلامؐ کی شہادت کی جھوٹی افواہ پھیلی،اس افواہ کے بعدمسلمانوں کی روحِ جہادٔ شجاعت وشہامت میں کمزوری اورسستی کاواقع ہوناحتمی تھا۔یہ خبرمسلمانوں کیلئےمیدان جنگ میں یاس وناامیدی کاسبب بنی اورمشرکین کے حوصلے بلندہوگئے۔یہاں تین گروہ بن گئے

ا۔وہ افراد جن کےدلوں میں نفاق تھایا ضعیف الایمان تھے انہوں مشرکین سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی یا اس بارے میں سوچا۔

۲۔بعض نے میدان جنگ کو چھوڑ کر مدینے کا رخ کیا۔بعض مترجمین سورہ آل عمران آیت ۱۵۳ میں موجود کلمہ ﴿تُصْعِدُوْنَ﴾ کا نا قابل فہم ترجمہ کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ لشکر اسلام نے احد سے فرار ہونے کے بعد پہاڑوں پر چڑھنا شروع کردیا۔کلمے کا یہ ترجمہ عربی لغت کی اصطلاح کے تحت غلط ہونے کے علاوہ میدانی حقائق سے بھی متصادم ہے۔

الف۔مترجمین نے اوپر چڑھنے کو صعود کہا ہے جبکہ صعود کے معنی دور ہونا ہے جیسا کہ آیہ تیمم اور دیگر آیات میں ذکر ہوا ہے۔

﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ "تو تیمم کرو پاک مٹی سے۔" (نساء۴۳)

﴿صَعِيْدًا جُرُزًا﴾ "ایک چٹیل میدان۔" (کہف۸)

ب۔اسی طرح زمین پر تیز رفتاری سے چلنے کو صعود کہتے ہیں یہاں اوپر چڑھنے کا معنی و مفہوم نہیں بنتا ہے کیونکہ یہ میدان جنگ کے درج ذیل حقائق کے خلاف ہے۔

☆ میدان جنگ سے فرار کرنے والے پہاڑوں پر نہیں چڑھتے کیونکہ اس طرح دشمن کے قبضے میں آنا آسان ہے۔

☆ فرار ہونے والے اپنی پناہ گاہ یعنی گھروں کی طرف فرار ہوتے ہیں۔لہٰذا صعود کے معنی پہاڑ پر چڑھنا غلط ہے۔

۳۔ ایک گروہ وہ بھی تھا جس کا مدعا یہ تھا اگر محمدؐ قتل ہوئے ہیں تو خدائے محمدؐ زندہ ہے، جو دین پیغمبرؐ لائے ہیں وہ زندہ ہے محمدؐ گذشتہ انبیاءؑ کی طرح نبی تھے جس طرح گذشتہ انبیاءؑ دنیا سے گزرے ہیں محمدؐ نے بھی ایک دن جانا تھا ہمارا شرک کی طرف پلٹ کر جانا صحیح نہیں ہے۔

احد میں مسلمانوں کی شکست اور افرادی خسارے کی وجوہات

ا۔ جب مشرکین شکست کھانے کے بعد میدان چھوڑ کر فرار ہو رہے تھے اس وقت مسلمان ان کا پیچھا کر کے ہمیشہ کیلئے ختم کر سکتے تھے لیکن مسلمانوں نے ایسا نہ کیا۔

۲۔ مسلمان لشکر کفار کو دور بھگانے کے بعد مال غنیمت جمع کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اس کام میں جلد بازی کی۔

۳۔ پیغمبرؐ کی سخت ہدایات کے باوجود تیر انداز غنیمت کی لالچ اور نہ ملنے کی بدگمانی میں عبداللہؓ بن جبیر اور ان کے ساتھ چند ساتھیوں کو چھوڑ کر میدان میں اتر آئے۔جس کی وجہ سے لشکر اسلام کو اس صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔جنگ احد میں لشکرِ اسلام کی شکست کے یہ چند اسباب تھے جہاں مسلم لشکر نے نبی کریمؐ کے موقف اور ارادے کی مخالفت کی راہ کو اپنایا۔

خدا وعدہ خلافی کرنے والا نہیں

چندین آیات قرآن کے اندر اس بارے میں صراحت سے اعلان کیا گیا ہے۔خدا سے وعدے کی خلاف ورزی ممکن نہیں کیونکہ وعدے کی خلاف ورزی عجز اور ضعف و ناتوانی کی نشانی ہے جبکہ خدا قادر مطلق ہے اس کے علاوہ خدا کا وعدہ زمان و مکان یا کسی ایک گروہ سے مخصوص نہیں بلکہ وعدۂ خدا ہر جگہ اور ہر زمانے میں یکساں ہے سورہ مبارکہ آل عمران کی آیت ۱۳۹ میں فرمایا

کہ تم کمزور اور رنجیدہ نہ ہو جاؤ تم ہی غالب رہو گے۔

مدینے سے نکلتے وقت مسلمانوں کی اکثریت میں ایمان ونفاق کے مخلوط گروہ تھے ان میں سے بعض لوگ اپنے ایمان کے ساتھ دلوں میں نام ونمود، اور مقام وشہرت کا جذبہ لے کر مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہوئے تھے لہٰذا لشکر میں ایمانی کی مقدار اتنی نہیں تھی جتنی بدر میں تھی وہ اس مقدار ایمان کے ساتھ احد کیلئے نہ نکلے جس طرح وہ بدر کیلئے نکلے تھے۔بدر میں لشکر ایمان کا مقابلہ لشکرِ کفر کے ساتھ ہوا اور اہل ایمان کے مخلوط لشکر کو فتح وکامیابی حاصل ہوئی لیکن اُحد میں جانے والے لشکر کے اندر اکثریت ایمان کا فقدان رکھتی تھی جہاں انسانوں کا مقابلہ انسان سے ہوا۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں انسان کا مقابلہ انسان سے ہو تو وہاں غلبہ ہمیشہ صرف انسانی طاقت وقدرت کے توازن کے مطابق ہوتا ہے۔

بدر میں فتح اور احد میں شکست

اس حوالے سے چند نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ بدر میں فتح اور احد میں شکست کے حوالے سے قانون الٰہی کارفرما تھا یا جنگی قانون اس کا سبب بنا۔غزوات نبی کریمؐ کے بارے میں تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ جہاں ایک طرف لشکر اسلام کو جنگ بدر میں فتح وکامرانی نصیب ہوئی جس کے دوران مشرکین کے بیس (۲۰) سرکردگان کو تہہ تیغ کیا گیا اور ستر (۷۰) کو اسیر بنایا گیا، ساتھ ہی لشکر اسلام نے بہت بڑی مقدار میں غنیمت بھی حاصل کی، دوسری طرف جنگ احد میں چند مسلمانوں کی شہادت پر جنگی صفوں میں بھگدڑ مچ گئی جس کے ساتھ ہی مسلمان میدانِ جنگ سے فرار ہونے لگے اور نتیجتاً شکست ہوئی۔آیا حقیقت بھی یہی ہے یا یہ تجزیہ کے خلاف ہے۔

۲۔ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تو احد میں شکست کیوں ہوئی اور اس کے اسباب وعلل کیا تھے۔

۳۔ خداوندمتعال نے سورۂ انفال کی آیت ۶۵ میں وعدہ فرمایا ہے اگر مسلمان ایک سو ہوں تو وہ ہزار کافروں پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں یعنی ایک مسلمان دس کافروں کے ساتھ لڑ سکتا ہے اور انہیں شکست دے سکتا ہے۔انفال کی آیت ۶۶ میں مسلمانوں سے خداوندمتعال فرماتے ہیں کہ تم ایک سو جنگجو دو سو کافروں پر غلبہ حاصل کر سکتے ہو یعنی ایک مسلمان کا دو کافروں سے مقابلہ ہے۔

۴۔ آیا خداوندمتعال نے بدر میں مسلمانوں سے اپنا وعدہ وفا نہ کیا جبکہ احد میں وعدہ وفا نہ ہوا؟ کیا ایسا کہنا درست ہوگا؟ یا یہ کہ خدا نے بدر میں اپنی مداخلت سے مسلمانوں کو کامیاب کرایا جبکہ احد میں مسلمانوں کو ان کے جنگی قانون یا حکمت عملی پر چھوڑ دیا۔

یہ چند سوالات نبی کریمؐ کے دو غزوات میں تفاوت کے پیش نظر تجزیہ وتحلیل کرنے والوں کو درپیش ہیں لہٰذا ہم یہاں اس سلسلے میں بعض تجزیہ نگاروں کی آراء اور نظریات کو قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہیں گے۔

جنگ احد میں فاتح کون ہوا؟

مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور مشرکین فاتح و کامیاب ہوئے لیکن اس اتفاق کی کوئی معقول سند موجود نہیں بلکہ یہ اتفاق ایک قوتی اور سطحی فکر کی غمازی کرتا ہے اگر حقائق کو سامنے رکھا جائے تو دو حقیقتیں ہمارے اوپر عیاں ہوجاتی ہیں۔

۱۔ پہلی حقیقت اس جنگ میں ہونے والی فتح مسلمانوں کے ہاتھوں سے اس وقت نکل گئی جب تیرانداز مال غنیمت کے لالچ میں اپنی جگہ سے ہٹ گئے جسکی وجہ سے مشرکین کے لشکر نے پہاڑی درہ سے بھرپور حملہ کیا گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں بہت سے اصحاب شہید ہوگئے۔ان میں بہت سی برجستہ و برگزیدہ شخصیات شامل تھیں۔انکے ساتھ خود پیغمبر اسلام بھی زخمی ہوئے لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب لشکر مشرکین نے مسلمانوں کو اذیت دی،اور انکا محاصرہ کیا تو کیسے مسلمان انکا حصار توڑنے میں کامیاب ہوئے یہ ایک لحاظ سے مسلمانوں کی شکست کے باوجود کامیابی تھی کیونکہ انہوں نے جنگ احد میں خود کو خاتمہ سے بچالیا جبکہ انکا محاصرہ کرنے والے سب آگئے تھے لہذا انکا نکلنا لمحہ فکریہ ہے۔
عسکری لحاظ سے جنگ احد میں مشرکین کو فتح ہوئی لیکن مسلمانوں کا ان سے بچ نکلنا قریش کی شکست ہے۔اسکی شاہد اس سلسلے میں نازل ہونے والی آیت ہے۔

۲۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ جنگ احد کے خاتمے کے بعد دوسرے دن پیغمبر اسلامؐ مسلمانوں کو اپنے ہمراہ لیکر حمراالاسد تک ابوسفیان اور اسکے لشکر کے پیچھے گئے تاکہ واضح کریں کہ وہ کمزور نہیں ہوئے۔پیغمبر اسلامؐ کا ابوسفیان کا پیچھا کرنا اور انکا وہاں سے فرار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ احد میں نہ تو مشرکین کو صحیح معنوں میں فتح و کامرانی حاصل ہوئی اور نہ ہی مسلمانوں کو شکست فاش ہوئی۔

کون کہتا ہے کہ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی؟

کسی بھی جنگ میں فتح و شکست کا تعین کرنا اتنا آسان اور سادہ نہیں اور نہ ہی اتنا دقیق اور باریک ہے۔لوگوں کو یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ تمہاری نہیں ہماری فتح ہوئی ہے،رائے عامہ میں فتح و کامیابی کیلئے تاریخی جنگوں کے طے کردہ مقیاس و معیار موجود ہیں۔
آیئے ہم بدر اور احد کی جنگوں کا موازنہ کرکے دیکھتے ہیں:

۱۔ کہا جاتا ہے کہ مشکرین کو اس جنگ میں فتح اور مسلمانوں کو شکست ہوئی میدان جنگ کے تجزیہ نگار اس بات کو مسترد کرتے ہیں کیونکہ مسلمانوں کے ہاتھوں دو تہائی مسلح لشکر کو پہلے مرحلے میں شکست کا سامنا کرنا پڑا اسکے بعد دیگران کے پرچم دار گرتے چلے گئے لہذا یہ ان کی پہلی شکست تھی۔

۲۔ جنگ بدر میں مسلمانوں نے مشرکین کے ستر (۷۰) افراد کو قتل کردیا جبکہ احد میں مشرکین نے ستر (۷۰) مسلمانوں کو شہید کرکے کھاتہ برابر کردیا۔

۳۔بدر میں مسلم لشکر نے اپنے مخالفین کے ستر (۷۰) افراد کو قیدی بنالیا جبکہ احد میں کوئی مسلمان مشرکین کے ہاتھوں اسیر نہیں ہوا۔
۴۔بدر کی جنگ میں مسلمانوں نے مشرکین سے مال غنیمت حاصل کیا جبکہ احد میں مشرکین کو کوئی مال نہیں ملا۔
۵۔جنگ احد کی ابتداء میں مسلمانوں نے مشرکین کے دس سر کردہ ارکان سمیت ۲۲افراد کو موت کے گھاٹ اتارا جو اپنی جگہ فوجی حوالے سے اہمیت کے حامل تھے۔
۶۔جنگ میں شکست کھانے والے فرار ہوتے ہیں جبکہ فاتح میدان میں موجود رہتے ہیں۔احد کے میدان میں رہنے والے مسلمان اور راہ فرار اختیار کرنے والے مشرکین تھے۔بڑی تعداد میں صحابہ کے شہید ہونے اور منافقین کی موجودگی کے باوجود میدان کا خالی نہ کرنا اس مفروضے کے غلط ثابت ہونے کی دلیل ہے جس کے تحت کہا جاتا ہے کہ احد میں مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔
۷۔فاتح لشکر مفتوحہ علاقے کو تاراج اور تہہ وبالا کردیتے ہیں اور قتل و غارت گری ہوتی ہے۔مدینے میں کوئی محافظ نہ ہونے اور شہر خالی ہونے کے باوجود مشرکین نے مدینہ کی طرف رخ نہیں کیا بلکہ مکہ کی جانب چلے گئے۔
۸۔فاتح لشکر مفتوحہ افراد کا پیچھا کرتا ہے،جب مشرکین مکہ گئے تو پیغمبرؐ نے ان کا پیچھا کیا۔کون فاتح رہے اور کون مفتوح یہ فیصلہ آپ پر ہے؟

جنگ احد کے دروس وعبرتیں

۱۔ اس جنگ میں خداوند متعال نے مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ میدان جنگ میں تنہا فتح و کامیابی کیلئے مسلمان ہونا کافی نہیں بلکہ خدا اور رسولؐ کے احکامات کی پابندی ضروری ہے۔
۲۔ ایک بڑی امت کو نقصان پہنچانے،اس کی سعادت کو شقاوت میں تبدیل کرنے کیلئے پوری امت کے اٹھنے کی ضرورت نہیں چند افراد ہی قوم و ملت کو جہنم کے دھانے لے جاسکتے ہیں جیسا کہ ۷۰۰افراد کے دفاع کو ۴۰ آدمیوں نے داو پر لگایا۔
۳۔وقتی جذبات،دنیاداری اور زندگی کی خاطر لغزش کھانے والے اگر خدا اور رسولؐ کی طرف دوبارہ پلٹ آئیں تو خدا بخشنے والا ہے۔
۴۔امت اسلامی کیلئے نبی کریمؐ کے بعد ان کی لائی ہوئی شریعت کی پاسداری کرنا ضروری ہے کیونکہ نبی کریمؐ کی شریعت کی پاسداری ہر شخص کی جان سے زیادہ عزیز ہے۔

سریہ بئر معونہ ۔۴ ہجری

موٴرخین کے مطابق بئر معونہ مکہ اورعسفان کے درمیان ایک جگہ کانام ہے جہاں پیغمبرؐ کی جانب سے تبلیغ کیلئے بھیجے گئے اصحاب اوربنی عامر کے درمیان اچانک معرکہ آرائی ہوئی تھی ۔اسی مناسبت سے اس سریہ کوسریہ بئر معونہ کہا جاتا ہے۔اسے سریہ کواصحاب کے قائدمنذر بن عمروخزرمی کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

ابن اسحاق سے نقل کرتے ہیں کہ چوتھی ہجری میں غزوہ احد کے چار ماہ بعدقبیلہ بنی عامر کی ایک مشہور شخصیت ابو براء عامر بن مالک بن جعفرعامر جوملاعب لاسنہ کے نام سے مشہورتھا۔پیغمبراسلامؐ کے پاس آیااورکہا کہ محمدؐ میں سمجھتاہوں کہ آپ جو دعوت دے رہے ہیں وہ اچھی ہے،میری قوم میرے ساتھ ہیں،اگرآپ اپنے اصحاب میں سے بعض کومیرے ساتھ بھیجیں تا کہ میری قوم کودعوت اسلام دے سکیں اُمید ہے کہ قوم دعوت قبول کرلے گی،اگرایساہوتا ہےتو یہ آپ کیلئےباعث قوت ہوگا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ مجھے اصحاب کے بارے میں اہل نجد سے خطرہ لاحق ہے ۔ابو براء نے کہا کہ وہ میری پناہ میں ہونگے ۔اس موقع پرپیغمبراسلامؐ نے ابوبراٴ کواسلام کی دعوت دی تواس نے اسے قبول کیانہ ردکیا،بہرحال پیغمبراسلامؐ نے اس کے ساتھ منذرابن عمروخزرجی کی قیادت میں بعض کے مطابق ستر(۷۰)رکنی ایک وفد بھیجا۔یہ لوگ بئر معونہ کے مقام پر پہنچےتوانھوں نے حرام بن ملحان کوجوام سلیم کابھائی اورانس بن مالک کے ماموں تھےایک خط دے کرعامر بن طفیل بن مالک بن جعفر کلابی عامری کے پاس بھیجا،عامرابوبراٴ کابرادرزادتھا۔عامرخط دیکھنے کے بعد پہلے حرام پرٹوٹ پڑااورانھیں قتل کردیا۔اس موقع پر اس نے اعلان کیا کہ وہ ابو براء کےلوگوں کوپناہ نہیں دے گا۔پھراس نے بنی عامر سے مددطلب کی لیکن انھوں نے مدد کرنے سے انکارکردیاتوبنی سلیم کے قبیلہ ذکوان وغیرہ نے اُس کی مددکی ۔ان کے حملہ کرنے پراصحاب رسول کے ساتھ ان کی معرکہ آرائی ہوئی اوراصحاب رسول قتل ہوئے ۔جب یہ خبر رسول اللہؐ تک پہنچی تو آپ نےفرمایا کہ ان ناخوش گوارحالات کاسبب ابو براٴہےجس نے اصحاب کواپنی پناہ میں لیاتھا،مجھے پہلے ہی اس بات کاڈرتھا۔پیغمبراسلامؐ ان شہداء کے بارے میں بالکل بے بس تھے کیونکہ انھیں کسی قسم کی جنگ کیلئےنہیں بھیجا گیا تھا بلکہ ان کوبھیجے جانے کامقصدصرف اورصرف تبلیغ کرنا تھا۔جبکہ عرب میں رائج اجتماعی قوانین کے تحت بھی نمائندوں کوقتل نہیں کیاجاتا تھا۔اس سریے میں بچ جانے والا واحد شخص عمروابن امیہ ضمری تھاجودشمن کے ہاتھوں اسیر ہوگیا۔عامر بن طفیل نے ان کی پیشانی کے بال کٹوا کراپنی ماں کی طرف سے آزادکردیا تھاجس پر ایک گردن آزادکرنے کی نذرتھی۔جب عمرو مدینہ کیلئے نکلے اورمقام قرقرہ پہنچےتو وہاں بنی عامراوربنی کلاب کے دو آدمی اترے۔یہ دونوں رسول اللہ کے حلیف تھےعمرو نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ کون ہوتوانھوں نے جواب دیا کہ ہم بنی عامر کے لوگ ہیں عمرو نے ان دونوں کوسوتے میں قتل کردیا۔عمروکاخیال تھا کہ انھوں نے اپنے ساتھیوں کاانتقام لےلیاہے۔

سریۂ بئر معونہ پر ایک طائرانہ نظر

نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ میں سرایا اور غزوات کے تاریخی نقولات کے بارے میں تسلی بخش طریقے سے تحقیقات اور چھان بین کرنے کی ضرورت ہے، اسی طرح ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی حرف آخر نہیں ہے، کوئی انسان کتنا ہی تحقیق کا دعویٰ رکھتا ہو اس کے سقاط قلم سے بہت سی غیر تحقیقی باتیں نکل جاتی ہیں تاہم سریہ رجیع اور سریہ بئر معونہ اپنی نوعیت کے منفرد اور انوکھے واقعات ہیں۔ جن کی وضاحت کیلئے بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے البتہ تمام سیرت نگاروں نے ان واقعات کا ذکر کیا ہے لہٰذا ہم نے بھی اجمالاً ان کا ذکر کیا ہے لیکن سریہ بئر معونہ کے بارے میں چند باتیں غور طلب ہیں جنھیں ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ ابو براء کے بارے میں لکھا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے اسے اسلام پیش کیا اور دعوت دی لیکن اس نے دعوت قبول نہ کی اس کے باجود پیغمبر اسلامؐ نے اعتماد کرتے ہوئے اس کے ہمراہ اصحاب کیوں روانہ کئے؟

۲۔ پیغمبر اسلامؐ نے اہل نجد کے ممکنہ خطرات وخدشات کا اظہار کیا، لیکن آپؐ نے مشرک اہل نجد کے خطرات سے بچنے کیلئے اپنے اصحاب کو ابو براء مشرک کی پناہ میں کیوں دیا۔

۳۔ پیغمبرؐ کی طرف سے مشرکین کے ایک گروہ سے عدم اطمینان اور دوسری پر اعتماد و بھروسہ کیسے ممکن ہے؟

۴۔ غیر معمولی اور ناگہانی صورتحال یا حادثات کے پیش نظر آپ پر وحی نازل ہوتی تھی مثلاً شب ہجرت، بنی نضیر کے غدر اور بنی قریظہ کے بارے میں خداوند عالم نے آپؐ کو آگاہ کیا، لیکن یہاں سنگین صورتحال کے بارے میں رہنمائی کا کوئی ذکر نہیں ہے؟

۵۔ لکھتے ہیں کہ ابو براء نے پیغمبر اسلامؐ سے قوم کو دعوت اسلام دینے کیلئے مبلغ بھیجنے کا مطالبہ کیا اور پیغمبرؐ نے ۷۰ صحابہ کو روانہ کیا لیکن عام طور پر دعوت اسلام یا تبلیغ دین کیلئے ایک یا دو اصحاب کو بھیجا جاتا تھا جیسا کہ رجیع میں ہوا، اس بار ۷۰ اصحاب کو بھیجنے کی کیا منطق ہوسکتی ہے؟

۶۔ کہا جاتا ہے کہ دعوت اسلام کیلئے بھیجے گئے اصحاب قتل ہوگئے کیا ۷۰ اصحاب اور ان کے مخالفین میں ہاتھا پائی تک نہیں ہوئی یا ۷۰ اصحاب میں سے کسی ایک نے بھی مزاحمت نہیں کی؟ اس قتل عام میں مخالفین کے کسی شخص کے مرنے یا زخمی ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے؟

۷۔ عمرو کی جانب سے دو افراد کا قتل بھی غور طلب ہے کیسے ہوسکتا ہے کہ عرب جنگجو نامعلوم شخص کی موجودگی میں خرگوش کی نیند سو گئے ہوں؟

۸۔ جن دو افراد کو قتل کیا گیا ان کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ ان کا تعلق بنی عامر سے تھا اور بنی عامر کے لوگوں نے ہی پیغمبرؐ کی طرف سے بھیجے گئے اصحاب کو قتل کیا تو یہ دونوں کیسے اور کب نبی کریمؐ کے حلیف بنے؟

قارئین سیرت وسنت کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ تمام سیرت نگاروں نے اس واقعہ کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

یقیناً آج سے ۲۰۰یا۳۰۰سال پہلے لکھی گئی کتاب میں کوئی چیز موجود ہولیکن ہزار سال گزرنے پر اس سے پانچ سو(۵۰۰) کتابیں لکھی جائیں گی تو سب کی سب کتابوں میں اصل واقعے کا تواتر نہیں ہوگا اور خبر واحد ہوگی اور واقعہ اصل مصدر سے نقل کرنے میں متواتر ہوگا۔ چنانچہ ایسے بہت سے واقعات اور بھی ہیں جن کا ذکر انفرادی طور پر ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں ذکر کیا ہے اب انہی واقعات کو ان سے دیگر تاریخ وسیرت نویسان نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ جس طرح ہمارے ہاں علامہ مجلسی نے اپنی کتاب بحار میں کئی ایک حدیث جمع کیں جو اپنی جگہ مشکوک تھیں لیکن بعد میں کتابیں لکھنے والوں نے بحار سے اس طرح کی تمام احادیث نقل کیں۔

شہدائے بئر معونہ کے نام

اُبّی بن ثابت انصاری، از بنی مغالہ	ابی بن معاذ انصاری، بنی مالک بن نجار	انس بن معاذ انصاری، بنی مالک بن نجار
اوس بن معاذ انصاری	بشیر انصاری	ثابت بن خالد انصاری، بنی مالک بن نجار
حرام بن ملحان انصاری، بنی عدی بن نجار	حکم بن کیسان، مولی بنی مخزوم	خالد بن ثابت انصاری ظفری
رأب بن حنیف انصاری اوسی	سہیل بن عامر انصاری، بنی مبذول بن مالک بن نجار	سفیان بن ثابت انصاری
سفیان بن حاطب انصاری ظفری	سُلیم بن ملحان انصاری، بنی غنم بن عدی بن نجار	سہیل بن عامر انصاری
رافع بن بدیل خزاعی	طفیل بن سعد انصاری، بنی نجار	عامر بن فُہیرہ مہاجر
عائذ بن ماعص انصاری زرقی	عبداللہ بن قیس انصاری، بنی عدی بن نجار	قطبہ بن عبد عمرو انصاری دیناری
مالک بن ثابت انصاری، بنی نبیت	عمرو بن اساعا انصاری، حلیف بنی عمرو بن عوف	مسعود بن سعد انصاری زرقی
معاذ بن ماعص انصاری زرقی	منذر بن عمرو انصاری ساعدی	منذر بن محمد انصاری عوفی
حارث بن صمہ انصاری، بنی مالک بن نجار	سعد بن عمرو انصاری، بنی مبذول بن مالک بن نجار	ابو عبیدہ بن عمرو انصاری
نافع بن بدیل خزاعی	ابو شیخ بن ابی بن ثابت انصاری	

نقل میں کہا گیا ہے کہ چالیس یا ستر صحابہ شہید ہوئے لیکن درج بالا اسماء کے علاوہ باقی شہداء کے ناموں کا ذکر نہیں ہوا ہے جو کہ اس واقعہ کے مخدوش ہونے کی دلیل ہے۔

غزوہ بنونضیر ۔ ۴ہجری

طائفۂ بنی نضیر یہودیوں کے ان تین طائفوں میں سے ایک ہے، جس نے پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا۔اس عہد نامے میں لکھا تھا کہ مسلمان اور یہودی ایک دوسرے پر لگنے والے خون بہا میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، پیغمبرؐ دس انصار کے ساتھ خود قلعۂ بنی نضیر کی طرف تشریف لے گئے تا کہ اس خون بہا میں ان سے معاونت طلب کریں، بنی نضیر نے کھلے بازوں سے گرم جوشی کے ساتھ آپؐ کا استقبال کیا انھوں نے درخواست کی کہ پیغمبر خداؐ قلعے کے اندر تشریف لے آئیں لیکن آپؐ نے اندر جانے سے انکار کیا۔آپؐ ایک گھر کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور اپنے آنے کے مقصد کو پیش کیا ادھر بنی نضیر کے لوگ مشورہ کرنے لگے کہ موقع کو غنیمت سمجھ کر پیغمبرؐ پر چھت سے پتھر گرا یا جائے تا کہ آپؐ شہید ہو جائیں اس کام کو انجام دینے کیلئے عمرو بن جحاش کو مقرر کیا گیا لیکن خداوند عالم نے ان کے بُرے عزائم سے پیغمبرؐ کو آگاہ کیا آپؐ فوراً اس جگہ سے اٹھے اور واپس مدینے کیلئے چل پڑے بعد میں صحابہ بھی آپ سے آ ملے۔پیغمبر اسلامؐ مدینہ پہنچے تو اس عہدنامے کو سامنے رکھا جس کے تحت یہ فیصلہ ہوا تھا۔بنی نضیر پیغمبرؐ اور آپؐ کے اصحاب کے خلاف کوئی اقدام نہیں کریں گے، اسی طرح مسلمان ان سے امن میں رہیں گے اور مسلمانوں کے دشمنوں کی کسی قسم کی امداد نہیں کرینگے، اگر انہوں نے اس عہدنامے کی مخالفت کی تو پیغمبر اسلامؐ کو یہ حق حاصل ہوگا وہ انہیں قتل کریں انکی عورتوں اور بچوں کو اسیر کرتے ہوئے ان کے اموال پر قبضہ کریں۔

اس تحریر پر بنی نضیر سے حی بن اخطب، بنی قینقاع سے مخریق اور بنی قریظہ سے کعب بن اسد نے دستخط کئے تھے۔جب بنی نضیر نے اس عہد کو توڑا اور پیغمبر اسلامؐ کو شہید کرنے کی سازش کی تو آپؐ نے اس عہدنامے کو منسوخ کرنے کا اعلان فرمایا اور بنی نضیر کو کم سے کم سزا یہ دی کہ وہ مدینہ چھوڑ جائیں چنانچہ قلعہ بنی نضیر کا محاصرہ کیا گیا اور انہیں حکم دیا گیا دس دن کے اندر مدینہ خالی کر دیں۔

منافقوں کے رئیس عبداللہ بن ابی اس سے پہلے یہود کے بنی قینقاع کے بارے میں نبی کریمؐ سے لجاجت و جسارت پر اتر آیا تھا جہاں وہ قبیلہ خزرج کا ہم پیمان تھا لیکن اس وقت بنی نضیر قبیلۂ اوس کے ہم رکاب تھے ان سے دفاع پر اترنے کی یہاں کوئی منطق نہیں بنتی تھی۔

تاہم عبداللہ بن ابی کی بنی نضیر سے دفاع کرنے پر اصرار کی توجیہ یہ ہوسکتی تھی کہ اس نے یہ احساس کیا کہ بنی نضیر کے مدینہ چھوڑنے کے بعد منافقین کیلئے شہر میں قیام دشوار ہو جائے گا اور ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں رہے گی اس خدشہ کے پیش نظر منافقین میں سے چار افراد جنکا ابن ہشام نے ذکر کیا ہے انہوں نے بنی نضیر کی شخصیات سے خفیہ ملاقات کی اور ان سے کہا

"تم محمدؐ کے خلاف استقامت دکھانا اور قلعہ نہ چھوڑنا، ہم بھی تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔اگر محمدؐ سے جنگ ہوئی تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے اگر تمہیں نکلنا پڑا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے"۔

لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی نے بنی نضیر کی شخصیات کو پیغام بھیجا کہ ہم اپنے قبیلے سے دو ہزار جنگجوؤں کو تمہاری مدد کیلئے لائیں

گے جو آخری لمحات تک تمہارا دفاع کریں گے اتنے میں دیگر قبائل جیسے بنی قریظہ اور بنی غطفان بھی تمہارے ساتھ ہو جائینگے قرآن کریم میں اس کا ذکر کچھ اس طرح ہوا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ☆ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَیُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ ☆ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ☆ لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰی ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ﴾ "کیا آپ نے ان منافقین کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں: اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ضرور نکل جائیں گے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات ہرگز نہیں مانیں گے اور اگر تمہارے خلاف جنگ کی جائے تو ہم ضرور بالضرور تمہاری مدد کرینگے۔ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ قطعاً جھوٹے ہیں۔ اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کرینگے اور اگر یہ ان کی مدد کیلئے آ بھی جائیں تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ ان کے دلوں میں اللہ سے زیادہ تمہاری ہیبت بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ یہ سب مل کر تم سے نہیں لڑیں گے مگر قلعہ بند بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں سے۔ ان کی آپس کی لڑائی بھی شدید ہے۔ آپ انہیں متحد سمجھتے ہیں لیکن ان کے دل منتشر ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ عقل سے کام لینے والے نہیں ہیں۔" (حشر ۱۱ تا ۱۵)

بنی نضیر نے اس دھوکے میں آ کر پیغمبرؐ کے سامنے جسارت آمیز جرأت کا مظاہرہ کیا کہ ہم اپنے گھروں سے نہیں نکلیں گے آپ نے جو کچھ کرنا ہے کریں۔ قبیلہ بنی نضیر کے ایک عاقل و ہوشمند شخص سلام بن مشکم نے اپنے رئیس حی بن اخطب سے کہا

"تم اپنی جان کی قدر و قیمت کو جان لو اور عبداللہ بن ابی کے جھوٹے دھوکے میں نہ آنا وہ چاہتا ہے کہ تم میدانِ جنگ میں مارے جاؤ تم محمدؐ سے لڑو گے وہ اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے گا۔ عبداللہ بن ابی تمہارا دفاع کرنے سے عاجز و ناتوان ہے"۔

حی بن اخطب نے قبیلہ بنی قریظہ کے رئیس کی طرف آدمی بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ ہماری مدد کریں تو انھوں نے جواب دیا کہ قبیلہ بنی قریظہ میں سے ایک فرد بھی پیمان شکنی نہیں کرے گا۔ سلام بن مشکم نے پھر کہا کہ عبداللہ بن ابی کسی قسم کے وعدے کی وفا نہیں کرے گا اس سے پہلے اس نے بنی قینقاع سے وعدہ کیا تھا اور وہ اس کے دھوکے میں آ گئے تھے۔ عبداللہ نے اعلانِ جنگ کیا تھا آخر بنی قینقاع مسلمانوں کے محاصرے میں آ ئے عبداللہ بن ابی کی طرف سے کوئی مدد کو نہ آئی، وہ خود گھر میں آرام سے سوتے رہے اور مسلمانوں کو بغیر مزاحمت کے چھوڑ دیا جس کے نتیجے میں بنی قینقاع کو سر تسلیم خم ہونا پڑا۔ سلام نے مزید کہا کہ جب عبداللہ بن ابی نے اپنے ہم پیمان بنی قینقاع کی مدد نہیں کی تو ہماری مدد بھی نہیں کرے گا۔ مجھے تعجب ہے کہ تم

لوگ کس سے مدد کی امیدیں رکھتے ہو۔ہم سابق زمانے میں ایک عرصہ ان کے دشمن کے ساتھ لڑتے رہے لیکن قبیلہ بنی نضیر کے رئیس حی بن اخطب نے اس مرد عاقل اور ہوشیار و منافق شناس کی بات قبول نہ کی اور اپنے قلعے میں بیٹھے رہنے پر اصرار کیا۔بنی نضیر ان منافقین کے دھوکے میں آئے اور پیغمبرؐ کو جواب دینے میں دیر کی یہاں تک کہ لشکر اسلام نے قلعے کا محاصرہ کیا جس کے دوران عبداللہ بن ابی کے پیغام آتے رہے لیکن جب انہیں منافقین کی طرف سے ان کے دفاع میں کسی قسم کی نقل و حرکت کی خبر سننے میں نہ آئی تو ان پر خوف و وحشت طاری ہوئی،بنی نضیر کے ایک گروہ نے اپنے قبیلے پر تند و تیز انداز میں تنقید کی اور کہا کہ کہاں ہے عبداللہ بن ابی اور اس کی مدد؟انھوں نے بے بسی کے عالم میں کہا کہ ذلت ہم یہودیوں کی تقدیر میں لکھی ہے۔قرآن کریم میں سورۂ حشر کی چند آیات بنی نضیر پر گذرنے والے حالات اور منافقین کے دھوکے کی تفسیر و تشریح کرتی ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ☆ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ☆ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ ”وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافر ہونے والوں کو پہلے ہی حملے میں ان کے گھروں سے نکال دیا۔تمہارا گمان نہیں تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور ان کا گمان یہ تھا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے مگر اللہ ان پر ایسی جانب سے آیا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور انکے دلوں میں رعب ڈال دیا۔وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مومنین کے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے پس اے بصیرت رکھنے والو!عبرت حاصل کرو۔اور اگر اللہ نے ان پر جلاوطنی لکھ نہ دی ہوتی تو انہیں دنیا میں ضرور عذاب دیتا اور آخرت میں تو ان کیلئے ہے ہی جہنم کا عذاب۔یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کی اور جو اللہ سے دشمنی کرے تو اللہ یقیناً سخت عذاب دینے والا ہے۔“

غزوہ بدر دوم (بدر صغریٰ)۔۴ ہجری

مسلمانوں اور مشرکین دونوں کیلئے کسی نئی جنگ میں داخل ہونے کیلئے جنگ احد ایک موثر اور حوصلہ شکن جنگ تھی۔جنگ بدر میں مشرکین کی بڑی بڑی شخصیات اور دیگر صاحبانِ لواء یکے بعد دیگر خاک و خون میں غلطان ہو چکے تھے جبکہ احد میں مسلمین کے شہداء کی تعداد جنگ بدر میں ہلاک ہونے والے مشرکین کے برابر تھی لہٰذا فی الوقت ایک کو فاتح کہنا اور دوسرے کو ہزیمت شدہ کہنا آسان نہیں رہا تھا فریقین واپس پہنچنے کے بعد اپنے گرد و پیش علاقہ جات میں موجود بعض دشمنان کو یہ بتانے اور سمجھانے میں کامیاب رہے کہ ان کا گروہ اس وقت علاقے میں طاقت ور اور قدرتمند گروہ ہے لہٰذا تنہا ان کے ساتھ کوئی گروہ مقابلہ نہیں کرسکتا اس صورت حال کے پیش نظر مسلمان اور مشرکین دونوں اپنی داخلی و خارجی صورت حال کو دیکھ کر از خود کسی جنگ کا اعلان کرنے کی خاطر جلدی کرنے کے حق میں نہیں تھے۔وقت گزرتا گیا دریں اثنا رئیس ابوسفیان کو اپنا کیا ہوا وعدہ یاد آیا لیکن جب

ملاقات وقت نزدیک آتا گیاتوابوسفیان نکلنے سے کراہت محسوس کرنے لگا۔اس کیلئے نہ نکلنا ذلت وخواری کا سبب تھا جبکہ وہ مسلمانوں کی طرف پیش قدمی کرنے سے بھی خوفزدہ تھا،اسی دوران نعیم بن مسعود اشجعی مکہ پہنچاتوابوسفیان نے اس سے کہا

''ہم نے محمدؐ اوران کے اصحاب کووعدہ دیا تھا کہ بدر صغراء میں ملیں گے لیکن اس سال قحط سالی ہےاور جنگ کرنا ہمارے فائدے میں نہیں لہٰذا ہمیں اس وقت جنگ لڑنی چاہیے جب ارزاق فراوان ہوں تاہم اگر محمدؐ نکلےاور ہم نہ نکلےتو یہ ہمارے لئے ذلت کاباعث ہوگااوران کی ہمت بڑھ جائے گی،ہم تمہیں بیس اونٹ دیں گے جس کی ضمانت سہیل بن عمرو دیتا ہےلیکن تم مدینہ جاؤاورمحمدؐ اوراصحاب محمدؐ کواس جنگ کیلئے نکلنے سے روکو''

یہ فوراًمدینہ گیااورمبالغہ سے کام لیتے ہوئے بدر کی طرف مشرکین کی پیش قدمی وتیاری سے پیغمبرؐ کوآگاہ کیا،یہ سن کر آپؐ نے فوراًفرمایا''جس ذات کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگرکوئی بھی میرے ساتھ نہ نکلاتو میں جاؤں گا''۔اس سلسلے میں پیغمبرؐ نے مدینہ میں عبداللہؓ بن رواحہ کوخلیفہ کےطور پر چھوڑااور رلواءعلیؑ بن ابی طالب کے ہاتھ میں دیا آپؐ ایک ہزار پانچ سوکالشکر لےکر نکلے،لشکر کے پاس دس گھوڑے تھے۔آپؐ پہلی ذی الحجہ کووہاں پہنچے،مشرکین نہ نکلے آپؐ نے وہاں بازار لگایامال تجارت فروخت کیا،آٹھ دن قیام کے دوران درہم کے درہم کمائے اورپھرواپس آگئے۔ابوسفیان بھی مکہ سے آبرو بچانے کی خاطر دوہزارافرادپرمشتمل لشکر لےکر نکلاانکے پاس ۵۰ گھوڑے تھےلیکن یہ چشمہ مجنہ کے مقام پرخیمہ زن ہوگیا جسے مرالظہر ان کہتے ہیں،وہاں ابوسفیان نے کہاواپس چلوقحط سالی ہےاور جنگ کرنا ہمارے لئے صحیح نہیں ہے۔جب شادابی اور ہریالی ہوگی کہ جانور چرسکیں اورتم بھی دودھ پی سکولہٰذا میں واپس جارہا ہوں تم بھی واپس چلے چلو،اہل مکہ نے اس لشکر کوجیش اسویق کہا یہ دودھ میں ستوڈال کرپینے کی وجہ سے معروف ہوا۔دریں اثنامعبد بن معبدخزاعی مکہ پہنچااورمشرکین کوپیغمبرؐ اور اصحاب پیغمبر کے بدرپہنچنے کی خبردی توصفوان بن امیہ نے ابوسفیان سے کہا کہ میں نے تم کوکہاتھا کہ قوم کووعدہ مت دو۔اب انہوں نے ہم پرجرائت کی ہےاورہم نہیں جاسکے،یوں مشرکین دوبارہ پیغمبرؐ سے جنگ لڑنے کیلئے افرادی اورمالی قوت جمع کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔

غزوہ دومۃ الجندل ۔۵ہجری

دومۃ الجندل دمشق سے پانچ دن اورمدینہ سے پندرہ دن کے فاصلے پرتبوک کے نزدیک واقع ہے۔پیغمبراسلامؐ نے سباعؓ بن عرفطہ غفاری کومدینے میں اپناجانشین مقررکیااوردومۃ الجندل کی طرف نکلے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ کوخبرملی کہ یہاں کچھ لوگ مدینہ پرہجوم کرنے کیلئے جمع ہورہے ہیں تو آپؐ ایک ہزاراصحاب کولےکر نکلے جب دشمن کوآپؐ کی آمد کی خبرملی تو وہ مرعوب اورخوفزدہ ہوکروہاں سے منتشر ہوگئے۔پیغمبراسلامؐ ان کے چھوڑے ہوئے اونٹوں کولےکرواپس مدینہ تشریف لائے۔

اتحادی احزاب کی ضرورت

یہ مسلمہ امر ہے کہ اتحادی احزاب طاقت وقدرت کے عوامل واسباب کے باوجود ضعف وشکست کا بیج بھی اپنے شکم میں رکھتے ہیں جب ایک طاقت وقدرت مندگروہ اپنے دشمن کے مقابلے میں کمزوری وناتوانی محسوس کررہا ہوتا ہے تو جلدی اپنے مقابل کے سامنے تسلیم ہونے سے گریز کرتا ہے۔ جہاں تک تسلیم ہونے کی بات ہے دشمنانِ پیغمبر اسلامؐ چاہے مشرکین عشائر اور یہودِ لجوج ہوں یا مشرکینِ قریش ہر ایک نے یہ حقیقت تسلیم کی کہ ہم میں سے کوئی بھی تنہائی میں محمدؐ کا مقابلہ نہیں کرسکتا لیکن مقابلہ کرنا ضروری ہے، کیسے کریں؟ کس سے اتحاد بنائیں؟ اس میں کون پہل کرے؟

کفار ومشرکین کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو اسی صورت میں صفحۂ ہستی سے مٹایا جاسکتا ہے۔ جب ان کے تمام قبائل جنگ میں حصہ لیں۔ اس تحریک خبیثہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے بنی نضیر جو کہ اپنی کینے کی وجہ سے پیش پیش تھے سامنے آئے کہا جاتا ہے کہ چند یہودیوں سلام بن ابی حقیق نضیری اور حی بن اخطب نضیری وغیرہ نے پہلی بار قبائلیوں کو نبی کریمؐ کے خلاف جنگ میں شرکت کی دعوت دی۔ تقریباً دس ہزار افراد کا اتحادی لشکر تشکیل پایا انہوں نے فیصلہ کیا کہ شوال میں مدینہ پر حملہ کریں گے۔ قریش کے اتحادیوں میں قبیلہ بنی سلیم، بنی اسد، بنی مرہ بنی خزار بنی غطفان شامل تھے جبکہ بنی قریظہ نے بعد میں اتحادی بننے کا اعلان کیا۔

☆**قریش**: ۴۰۰۰ افراد کی ابوسفیان نے قیادت کی ☆**بنی فزارہ**: حارث بن عوف انکا قائد تھا

☆**بنی اسد**: ان کی قیادت طلحہ بن خویلد اسدی نے کی ☆**بنی مرہ**: ان کی قیادت مسعود بن رخیلہ کے پاس تھی

☆**بنی سلیم**: ۷۰۰ افراد کی سفیان بن عبدالشمس نے قیادت کی ☆**بنی غطفان**: بنی غطفان کی قیادت عیینہ بن حصین کر رہا تھا

کفار ومشرکین کا لشکر مدینے کے قریب خیمہ زن ہوا لشکر کے متعلق اہل ایمان کا رویہ قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾ ”اور ایمان داروں نے جب لشکروں کو دیکھا کہا اٹھے! کہ انہیں کا وعدہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اور اسکے رسول نے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے سچ فرمایا اور اس نے ان کے ایمان میں اور شیوۂ فرمانبرداری میں اور اضافہ کردیا۔“ (احزاب ۲۲)

منافقین اور کمزور نفس لوگوں کی نظر اس پر پڑی تو انکے دل دہل گئے جس کا ذکر سورہ احزاب آیت ۱۲ میں ہوا ہے

﴿وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ ”اور اس وقت منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں شک کا روگ تھا کہنے لگے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے محض دھوکہ فریب کا ہی وعدہ کیا تھا۔“

غزوۂ احزاب۔۵ ہجری

قرآنِ کریم میں مشرکین قریش وغیر قریش اور یہودی اسلام ومسلمین کے خلاف اتحادی لشکر کشی کو غزوۂ احزاب کہا گیا ہے قرآن نے اس جنگ کو احزاب کا نام دیا ہے۔ کتب تاریخ اور ارباب سیرت نگاران نے دفاعی لحاظ سے ہونے والی منصوبہ بندی

کی وجہ سے اسے غزوۂ خندق کہا ہے۔

خندق فارسی لفظ ہے جو کلمہ کندک سے لیا گیا ہے جس کا معنی کھودنا ہے یا وہ گودی جو کسی قلعے یا لشکر گاہ کے قریب کھودی جاتی ہے تا کہ کوئی دشمن اُسے عبور کر کے وہاں تک نہ پہنچنے پائے اور سیلاب وغیرہ کے خطرے سے بھی بچا جا سکے۔ طبری کا بیان ہے کہ سب سے پہلی خندق موشہر بن ایرج بن افریدون نے کھودی۔ مدینہ میں پہلی مرتبہ خط دفاعی کیلئے خندق کھودی گئی اس غزوے کو احزاب کہنا مشرکین کی ایک نئی حکمت عملی اور خندق کہنا نشانی ہے۔

غزوہ احزاب کے اسباب

اس جنگ کے درج ذیل اسباب تھے:

۱۔ نبی کریمؐ نے جنگ احد میں نا قابل برداشت جانی و مالی نقصان اٹھانے کے باوجود فاتح لشکر کی مانند دشمن کا تعاقب کیا۔

۲۔ بنی نضیر کی جلاوطنی کے باعث مسلمانوں کے حوصلے مسلسل بلند ہوتے گئے اور خطے میں ان کی ہیبت بیٹھ گئی۔

۳۔ جنگ احد میں مشرکین کی جانب سے مسلمانوں کو دھمکی دینے کے باوجود بدر موعد میں مسلمانوں سے جنگ کرنے کی انھیں ہمت نہ ہوئی۔ ان تمام عوامل کے بعد یہودیوں اور مشرکین میں یہ احساس زور پکڑتا گیا کہ محمدؐ کا مقابلہ انفرادی طور پر ممکن نہیں انھیں ختم کرنے کیلئے ایک بڑے اتحادی لشکر کی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کی طرف سے جنگ کیلئے صلاح و مشورے

مدینے کی تاراجی کیلئے دشمنوں کے اتحادی لشکر کی خبر سننے کے بعد پیغمبرؐ اور بزرگ مہاجرین وانصار نے صلاح و مشورے کیلئے بیٹھنے کا فیصلہ کیا کہ جنگ کیلئے دور نہیں جائیں گے بلکہ مدینہ کے باہر ایک طرف سے خندق کھودیں گے یہ مشورہ سلمان فارسیؓ نے دیا۔ مدینہ کی جس طرف سے حملہ ہونے کا زیادہ خطرہ لاحق تھا اس طرف سے کھدائی کا آغاز کر دیا گیا۔ یہ خندق مدینہ اور جبلِ صلاح کے درمیان شہر سے باہر کھلی جگہ پر کھودی گئی۔

سلمان فارسیؓ خندق کھودنے کی تجویز دینے کے علاوہ عملی میدان میں بھی پیش پیش تھے جب صحابہ نے انھیں اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی تو نبی کریمؐ نے فرمایا "سلمان منا اهل بیت" "سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں"۔ ہم اگر اس جلیل القدر صحابی کا ذکر کرنا بھی نبی کریمؐ کی سیرت کا جزو سمجھیں جس طرح دیگر اصحاب کا ذکر کیا ہے تو غزوہ احزاب ان کے ذکر کے حوالے سے مناسب و موزوں مقام ہے۔

سلمان فارسی ÷

نبی کریمؐ کے جن اصحاب کے اسمائے گرامی خط جلی میں درج ہیں ان میں سلمان فارسیؓ کا نام بھی آتا ہے ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ سلمانؓ میرے اہل بیت میں سے ہے۔ اسلام اور نبی کریمؐ کے بارے میں سلمانؓ کے اخلاص اور آپ کی شخصیت سے متعلق اسلامی فرقوں میں کسی کو جائے شک و تردید نہیں۔ جنگ احزاب میں

سلمانؓ کی تجویز پر نبی کریمؐ اور مسلمانوں کو حاصل ہونے والی کامیابی تاریخ اسلام میں نا قابل فراموش حقیقت ہے۔سلمانؓ کے اسلام لانے سے پہلے اور نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد آپ کی زندگی کے لمحات کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا ہم جیسے سطحی فکر وسوچ رکھنے سرمایہ علمی میں فقر کی زندگی گزارنے والے اور کسی شخصیت کو ناپنے کی کسوٹی نہ رکھنے والے کیلئے ایک مشکل کام ہے تاہم سلمانؓ تاریخ اسلام میں ایک ممتاز نام ہے جو ہمارے لئے باعث افتخار ہے وہ بھی ایک ایسے مرحلے پر جب آپ کی شخصیت کو معمہ بنانے کیلئے اسے معجزاتی اور عنقائی شخصیت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔گویا وہ صاحب کرامات انسان تھے یا دنیا سے بالکل کٹے ہوئے اور لاتعلق انسان تھے ان کی حیات کا مطالعہ کرکے دل چاہتا ہے کہ اس دنیا سے اٹھ کر چلے جائیں جینے کیلئے ان کی حیات میں کوئی درس نہیں۔

کتاب صفوۃ الصفوہ میں لکھتے ہیں کہ سلمانؓ نبی کریمؐ کی مدینہ آمد سے پہلے غلامی کی زندگی گزار رہے تھے لہٰذا وہ بدر اور احد کی جنگوں میں شریک نہ ہو سکے انہوں نے دعوت اسلام قبول کرنے کے بعد پہلی بار جنگ احزاب میں شرکت کی۔اس کے بعد ہونے والی تمام جنگوں میں شریک رہے۔جنگ قادسیہ کے موقع پر کوفہ میں لشکر اسلام کی سکونت کیلئے جگہ کا انتخاب بھی سلمانؓ نے کیا۔سلمانؓ پیغمبرؐ کی رحلت کے موقع پر مولا امیر المومنینؑ کی حمایت کرنے والی پہلی شخصیت تھے تاہم بعد میں خلفاء کے ساتھ علیؑ بن ابی طالب کے مصالحت آمیز سلوک کی بنیاد پر تمام جنگوں اور فتوحات میں دیگر لوگوں کے ساتھ برابر کے شریک رہے خلیفہ دوئم عمرؓ نے انھیں مدائن کا والی بنایا۔

شیعہ سنی علمائے رجال کی جانب سے سلمانؓ کے بارے میں قصہ کہانیاں بیان کرکے اسلام و مسلمین کی سربلندی کیلئے ان کی خدمات سے چشم پوشی اور اس کی نا قابل توجیہ تفاسیر پیش کی گئی ہیں۔

ان کی وفات کے متعلق کتب تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے دول اسلامی کے مؤلف ابی عبداللہ ذھبی متوفی ۷۴۶ لکھتے ہیں کہ سلمانؓ نے چھتیس (۳۶) ہجری میں وفات پائی، ذہبی نے کتاب تاریخ اسلام عہد خلفائے راشدینؓ میں لکھتے ہیں کہ سلمانؓ نے ۳۴ ہجری میں ۲۵۰ سال کی عمر میں جنگ جمل سے پہلے وفات پائی اور ان کا جائے مدفن مدائن ہے جبکہ کتاب اعیان الشیعہ میں ان کی وفات کی تاریخ ۳۵، ۳۶ یا ۳۷ھ بتائی گئی ہے۔

پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کیلئے تشویشناک صورتحال

جنگی حکمت عملی میں خندق کھودنے کے بعد ایک تشویشناک صورت حال پیغمبرؐ اور مسلمان اس وقت کیلئے پیش آئی جب یہودی قریظہ نے بھی اتحادی لشکر میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔ان کیلئے یہ ممکن تھا کہ دوسری طرف سے آ کر مدینہ میں داخل ہوں، عورتوں اور بچوں کو قتل یا اسیر کرکے مال کو غارت کریں یا پھر اتحادی لشکر کو پیچھے سے لا کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوں۔یہ لوگ مدینہ کے گلی کوچوں سے آشنا تھے اور ان کیلئے گلیوں میں لڑنا آسان تھا لہٰذا یہ صورتحال انتہائی تشویشناک اور پریشان کن تھی۔اس احتمال نے خندق کی تجویز غیر موثر کر دی، یہود نے اس عمل کا آغاز کرتے ہوئے ایک یہودی کو مدینہ کے محلے میں خبر لینے کیلئے

بھیجا کہ ان کے گھر کہاں ہیں؟ کیسے ہیں؟ راستہ کیسا ہے؟ دریں اثنا رسول اللہ کی پھوپھی حضرت عبدالمطلب کی بیٹی صفیہؓ نے ایک عمودِ خیمہ ہاتھ میں اٹھایا اور اس یہودی کے سر پر دے مارا جس سے وہ ضربت کی تاب نہ لاتے ہوئے موقعہ پر ہی مر گیا۔ یہود اس شخص کی انتظار میں تھے کہ خبر لائے گا لیکن وہ واپس ہی نہ آیا تو مایوس ہوئے کہ اندر تو بہت زیادہ احتیاطی تدابیر اختیار کی گئی ہیں اور کسی کو اندر جانے کی مجال نہیں اگر کوئی اندر گھس بھی گیا تو اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں یوں بنی قریظہ کو ڈر و خوف کی وجہ سے اس اتحاد میں شامل ہونے اور حصہ ڈالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ درحقیقت اس وقت مسلمان انتہائی نازک صورتحال سے دوچار تھے جس کی کیفیت اس آیت میں بیان کی گئی ہے:

﴿اِذْ جَاءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا☆هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا﴾ ”جب کہ دشمن تمہارے پاس اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ یہیں مومن آزمائے گئے اور پوری طرح وہ جھنجھوڑ دیے گئے۔“ (احزاب ۱۰،۱۱)

پھر اس موقع پر منافقین نے بھی سر نکالا انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا☆ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا﴾ ”اور اس وقت منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں شک کا روگ تھا کہنے لگے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے محض دھوکہ فریب کا ہی وعدہ کیا تھا۔ ان ہی کی ایک جماعت نے ہانک لگائی کہ اے مدینہ والو! تمہارے لئے ٹھکانہ نہیں لوٹ چلو اور ان کی ایک جماعت یہ کہہ کر نبی سے اجازت مانگنے لگی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے ان کا پختہ ارادہ بھاگ کھڑا ہونے کا تھا۔“ (احزاب ۱۲،۱۳)

لشکر کفر و شرک کی آمد

جب لشکر خندق کے قریب پہنچا تو حیران و پریشان ہوا کیونکہ انہوں نے کسی جنگ میں اس قسم کی تیاری نہیں دیکھی تھی۔ خندق کی وجہ سے لشکرِ احزاب مسلمانوں پر حملہ نہ کر سکا۔

نعیم بن مسعود کی کاوش اور محاصرے کا اختتام

خدا کی طرف سے پیغمبرؐ اور مسلمانوں کیلئے وعدۂ نصرت نعیم بن مسعود بن عامر بن انیف بن ثعلبہ کی صورت میں سامنے آیا جن کے مسلمان ہونے کا کسی کو پتہ نہیں تھا انھوں نے پیغمبرؐ سے درخواست کی، آپؐ مجھے اس وقت جو کہیں گے میں وہ کروں گا پیغمبرؐ نے ان سے فرمایا کہ آپ قوم میں تنہا ہیں لہٰذا کوئی فوجی اقدام تو نہیں کر سکتے البتہ جس قدر ممکن ہو ان کی حوصلہ شکنی کریں۔

نعیم بن مسعود دورِ جاہلیت میں مشرکین بنی قریظہ کے صاحب راز و اسرار تھے، انھوں نے جا کر بنی قریظہ سے کہا کہ قریش کا

معاملہ آپ لوگوں سے مختلف ہے ۔یہ علاقہ آپ کا ہے یہاں آپ کا گھر بار ہے،مال و دولت ہے،بال بچے ہیں ۔آپ اسے چھوڑ کر کہیں اور نہیں جا سکتے ،جب قریش وغطفان محمدؐ سے جنگ کرنے آئے تو آپ نے محمدؐ کے خلاف ان کا ساتھ دے دیا، ظاہر ہے ان کا یہاں نہ گھر بار ہے نہ مال و دولت، نہ بال بچے ہیں اس لئے انھیں موقع ملا تو کوئی قدم اٹھائیں گے ورنہ بوریا بستر باندھ کر رخصت ہو جائیں گے پھر آپ لوگ ہوں گے اور محمدؐ ہوں گے ۔لہٰذا وہ جیسے چاہیں گے آپ سے انتقام لیں گے،اس پر بنو قریظہ چونکے اور بولے نعیم بتایئے !اب کیا کیا جا سکتا ہے؟انھوں نے کہا، دیکھئے قریش جب تک آپ لوگوں کو اپنے کچھ آدمی یرغمال کے طور پر نہ دیں، آپ ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوں ۔اسی طرح نعیم بن مسعود نے قریش سے بھی کہا کہ بنو قریظہ محمدؐ سے اپنی عہد شکنی پر پشیمان ہو گئے ہیں ۔آپ لوگوں سے کچھ یرغمال حاصل کر کے ان کو محمدؐ کے حوالے کر دیں گے اگر وہ یرغمال طلب کریں تو آپ ہرگز نہ دیں ۔

نعیم بن مسعود کی کاوش کامیاب رہی اور بنو قریظہ وقریش کے درمیان ناچاقی اور بدگمانی نے جڑ پکڑ لی ۔ایک مہینہ محاصرہ کرنے کے بعد قریش اور انکے حلیف میدانِ جنگ چھوڑ کر واپس اپنے گھروں کو چلے گئے ۔

جنگ احزاب میں لشکر کفر کی ناکامی کے علل واسباب

کسی بھی جنگ وتحریک یا تنظیم کو لاحق شکست کے اسباب وعلل پس پردہ ہوتے ہیں ۔

مشرکین نے جنگ کے دوران شہر میں داخل ہو کر گھروں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا لیکن بڑے اتحاد ہوا اور غرور وتکبر کے باوجود وہ مسلمانوں کے گھروں کا صفایا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے،اس کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں ۔جنگی اصول وقوانین کے ماہرین نے اس جنگ میں لشکرِ کفر وشرک کے ناکامی سے دوچار ہونے کے اسباب وعلل کو مندرجہ ذیل نکات میں پیش کیا ہے:

۱۔جاسوس کی ناکامی: ایک گروہ نے موقع پاکر پیچھے سے مسلمانوں پر دھاوا بولنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی کوشش میں ناکام ہوئے ،یہودیوں کی جانب سے بھیجے جانے والے جاسوس کو عمۃ رسول اللہؐ نے عمود خیمہ مار موقع پر ہلاک کر دیا، ادھر یہودی اپنے جاسوس کے ذریعے خفیہ معلومات کے منتظر تھے انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ جاسوس کا کب سے کام تمام ہو چکا ہے ۔جاسوس کے قتل سے مشرکین کے ایک بڑے منصوبے پر پانی پھر گیا ۔

۲۔حوصلے پست ہوا: قریش کے نامور شہسوار وشجاع افراد جیسا کہ عمرو بن عبدود اور عکرمہ بن ابی جہل نے شجاعت وجوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خندق پار کر کے مسلمانوں کو مبارزت کیلئے للکارا ۔عمرو بن عبدود علیؑ کے دوبدو کھڑا ہو گیا بالآخر علیؑ کی ضرب نے اس کا کام تمام کر دیا جبکہ عکرمہ اور باقی مشرکین بھاگ گئے ۔جس سے مشرکین کے حوصلے پست ہو گئے ۔

۳۔عدم اعتماد: نعیم بن مسعود غطفانی نے بنو قریظہ اور قریش کے درمیان ایک عدم اطمینان کی فضا قائم کر دی جس کے باعث ان کے اتحاد میں دراڑ پڑنا شروع ہو گئی ۔

"أَيُّهَا النَّاسُ، اَلْمُجْتَمِعَةُ أَبْدَانُهُمْ اَلْمُخْتَلِفَةُ أَهْوَاؤُهُمْ كَلَامُكُمْ يُوهِي الصُّمَّ الصِّلَابَ وَفِعْلُكُمْ يُطْمِعُ فِيكُمْ

اَلْأَعْدَاءَ تَقُوْلُوْنَ فِي الْمَجَالِسِ (مجالسکم): كَيْتَ وَكَيْتَ فَإِذَا جَاءَ الْقِتَالُ قُلْتُمْ: حِيدِي حَيَادِ!" "اے وہ لوگو! جن کے جسم ایک جگہ پر ہیں اور خواہشات الگ الگ ہیں۔ تمہارا کلام تو سخت ترین پتھر کو بھی نرم کرسکتا ہے لیکن تمہاری حرکات دشمنوں کو بھی تمہارے بارے میں پرامید بنا دیتی ہیں۔ تم محفلوں میں بیٹھ کر ایسی ایسی باتیں کرتے ہو کہ خدا کی پناہ لیکن جب جنگ کا نقشہ سامنے آتا ہے تو کہتے ہو "دورباش دور"۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۲۹)

۴۔متعدد قیادتی لشکر: اس جنگ میں کفار و مشرکین کا پورا لشکر ایک قائد کے زیرِ فرمان نہیں تھا بلکہ ہر ایک قبیلہ کے جدا جدا سردار تھے گویا یہاں لشکر کسی ایک قائد کا نہیں تھا بلکہ یہاں قیادتوں کا ایک اتحاد قائم ہوا تھا۔ مشرکین کی تعداد دس ہزار (۱۰۰۰۰) تھی اور مسلمان ان کے مقابلے میں ایک تہائی یعنی تین ہزار (۳۰۰۰) تھے لیکن مشرکین ایک قیادت کے تابع نہیں تھے، ایک قیادت کے زیر اثر ہونا ان کیلئے شرم کا باعث اور نا قابل قبول تھا۔ قریش کی جانب سے کئی قبائلیوں پر مشتمل اتحاد بنانے کے باوجود تمام جنگوؤں کو مرکزی قیادت کے جھنڈے جمع نہ کر سکے۔ اس سے یہ یقین اور بھی پختہ ہو جاتا ہے کہ جنگ کیلئے جنگجوؤں کی تعداد بڑھائے جانے کی بجائے قیادت کی وحدت کا تصور زیادہ سودمند ہوتا ہے۔

۵۔متحد ہدف کا فقدان: پورے لشکر میں سب کے پاس ایک ہدف نہیں تھا کہ جس پر سب متفق ہوں بلکہ ہر ایک مختلف اور جداگانہ اہداف رکھتا تھا، ہر ایک اپنے مقاصد کے حصول کیلئے تگ و دو کر رہا تھا یہی حال ان کے سپہ سالاروں کا بھی تھا کہ وہ کسی ایک ہدف پر متفق نہیں تھے۔

۶۔غیر متوقع خندق کا سامنا: اس وقت تک اہلِ عرب فن اور وسیلۂ جنگ میں خندق کھودنے سے نا آشنا تھے یہ ان کیلئے غیر متوقع اور نئی بات تھی، انہیں میدانِ جنگ میں یہ چیز پہلی بار نظر آئی لہٰذا وہ اس عمل (خندق) پر قابو پانے کے اسباب و علل کے بارے میں سوچ نہیں سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں مسلسل ایک مہینہ رہنے کے باوجود لشکرِ اسلام پر ہجوم نہ کر سکے۔

۷۔غیر مناسب موسمی حالات کا سامنا: جس وقت مشرکین قریش و عرب نے مدینہ کو تاراج کرنے کی نیت سے چڑھائی کی اس وقت ایک طرف تو سردی تھی اور دوسری جانب مکہ کے مشرکین کھلے میدانوں میں خیمہ زن تھے، سردی سے بچنے کیلئے ان کے پاس کوئی وسیلہ و ذریعہ بھی نہیں تھا اس بے سروسامانی کے عالم میں طویل عرصہ تک مسلمانوں کو محاصرے میں رکھنا ان کیلئے اکتاہٹ اور گھبراہٹ کا سبب بن گیا۔

۸۔آپس میں بے اعتمادی کی فضاء: جن قبائل و عشائر سے مل کر یہ اتحاد یہ قائم ہوا تھا ان کے اتحاد کا رشتہ بہت کمزور تھا اس جنگ میں شریک مشرکین اور یہود ذہنیت کے حوالے سے ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ وہ ایک دوسرے پر اعتماد و بھروسہ کرنے کی برداشت نہیں رکھتے تھے لہٰذا جلد ہی بے اعتمادی کی فضاء نمودار ہونے لگی۔ اگر وہ مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر بھی لیتے تو یہ بات ان کیلئے واضح نہیں تھی کہ انکے حصے میں مال غنیمت کتنا آئے گا۔ یہود کی خواہش تھی کہ

مشرکینِ قریش اور دیگر قبائل و عشائر مسلمانوں کا استحصال کرنے کے بعد یہاں سے چلے جائیں اور فتح و کامیابی کا اصل ثمر و فائدہ یہودیوں کو حاصل ہو جائے یہی کڑواہٹ مشرکین کو بھی تھی کہ قربانی ہم دیں اور فائدہ یہود اٹھائیں لہٰذا مشرکین اپنی جان دے کر یہود کو اپنے علاقے میں بالادستی اور غلبہ دینے کیلئے جو دوستا کے متحمل نہیں تھے پیغمبرؐ کے آنے سے پہلے بھی انکا آپس میں اتفاق نہیں تھا۔

۹۔ **طویل محاصرہ:** مشرکین نے مسلمانوں کو طویل محاصرے میں رکھنا آسان سمجھا تھا لیکن اس محاصرے کو کب اور کتنے عرصہ تک رکھ سکتے تھے کیونکہ یہاں غیر یقینی حالات تھے۔ یہ لوگ ایسی جنگ کے عادی نہیں تھے اور صرف چند دن جنگ کر کے فتح یا شکست کی صورت میں جلدی اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے یہ خانہ بدوش بھی نہیں تھے کہ انھوں نے اپنے ساتھ طویل مدت کیلئے وسائلِ زندگی لے کر سفر شروع کیا ہو۔ جنگ محصور حالت میں تھی اور مزید عرصہ گھر بار سے دور محصور علاقے میں رہنا ان کیلئے قابل قبول نہیں تھا لہٰذا انھوں نے وہاں سے چلے جانے کو ترجیح دی۔

یہ چند وجوہات تھیں جن کے باعث قریش کے اتحادی رسول اللہؐ سے جنگ کرنے سے کتراتے رہے۔ واضح رہے کہ اس جنگ میں تیراندازی کے دوران مسلمانوں کے چھ (۶) افراد شہید ہو گئے جبکہ مشرکین کے تین جنگجو مارے گئے۔

جنگ احزاب کے اثرات

جنگ احزاب کے بعد مسلمان اور انکے مخالفین میں جنگ کی شکل و صورت بدل گئی۔ پہلے مسلمان اپنے گھر میں رہتے تھے، باہر والے ان کے خانہ و آشیانہ پر ہجوم و غارت گری کر کے غنیمت کی امیدیں وابستہ کرتے ہوئے حملہ کرتے تھے۔ مسلمان اس وقت اس کرب و اضطراب میں ہوتے تھے کہ وہ اپنے گھر سے ہی اپنے دشمن سے لڑیں یا شہر سے باہر جا کر لڑیں لیکن جنگ احزاب کے بعد نہ یہود کی ہمت رہی اور نہ مشرکین کی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوں چنانچہ جنگ احزاب کے خاتمہ کے موقعہ پر پیغمبرؐ نے فرمایا:

"اَلْاٰنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا یَغْزُوْنَا، نَحْنُ نَسِیْرُ اِلَیْهِمْ" "اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے اب ہمارا لشکر ان کی طرف جائے گا۔"

غزوہ بنوقریظہ ۔۵ ہجری

پیغمبرؐ جنگ احزاب میں محاصرہ ختم ہونے کے بعد گھر پہنچے صبح کی نماز کے بعد آرام فرمایا ظہر کے وقت جبرئیل نازل ہوئے اور بنی قریظہ کی طرف جانے کا حکم بیان کیا آپؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں اور لوگوں میں اعلان کریں کہ نمازِ عصر بنوقریظہ میں پڑھیں گے ۔بنوقریظہ یہودیوں کی تیسری قوم تھی یہ قبیلۂ اوس کے حلیف تھے ۔انہوں نے پیغمبرؐ کے ساتھ عہدو پیان باندھا اور میثاقِ مدینہ پر دستخط کئے تھے،ان کا رئیس کعب بن اسد قریظی تھا۔

حی بن اخطب نضیری نے پیغمبرؐ کے خلاف قبائل وعشائر کو جمع کیا کعب بن اسد نے جب یہ خبر سنی تو اپنے قلعے کا دروازہ اس کیلئے بند کر کے ملاقات کرنے سے انکار کردیا۔حی بن اخطب کے اصرار پر دروازہ کھولا گیا،اس ملاقات کے بعد بنوقریظہ نے رسول اللہؐ سے کیا گیا معاہدہ توڑ دیا اور احزاب میں شامل ہو گئے تا کہ رسول اللہؐ سے جنگ لڑیں ۔جب رسول اللہؐ کو اسکا علم ہوا تو آپؐ بہت پریشان ہوئے کہ ساری قومیں مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئی ہیں یہاں منافقین نے بھی اس فرصت سے استفادہ کرتے ہوئے بنوحارثہ اور بنوسلمہ کو جو مدینہ سے باہر تھے پیغمبرؐ کا ساتھ دینے سے روک دیا۔

لشکرِ اسلام کی روانگی

پیغمبرؐ نے ابن ام مکتومؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین چھوڑا۔پرچم جنگ حضرت علیؑ کے ہاتھ میں دیا اور بنوقریظہ کی طرف روانہ ہو گئے ۔اس لشکر میں کل تین ہزار (۳۰۰۰)افراد تھے جن میں سے چھتیس (۳۶)سوار تھے۔پیغمبرؐ نے بنوقریظہ کو پچیس (۲۵) دن تک محاصرے میں رکھا اس طرح ان کے دلوں میں رعب بیٹھ گیا،جب ان کو پتہ چلا کہ پیغمبرؐ ان کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہیں تو کعب بن اسد نے یہود کو تین تجاویز پیش کئے:

۱۔ہم محمدؐ کی نبوت کی تصدیق کریں کہ یقیناً وہ نبی مرسل ہیں اس طرح اپنی جان و مال،ناموس اور اولاد کا تحفظ کریں ۔بنی قریظہ نے کہا کہ ہم تورات کے علاوہ کسی اور حکم کو نہیں مانیں گے۔

۲۔ہم اپنے بیوی بچوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کریں اور پھر محمدؐ کا مقابلہ کریں تا کہ ہمارے پیچھے کوئی پریشانی نہ رہے ۔اس پر بنی قریظہ نے کہا کہ ان سب کو مارنے کے بعد زندہ رہنے کا کوئی مزہ نہیں ہوگا۔

۳۔آج اتوار کی رات ہے،محمدؐ اور انکے اصحاب اطمینان سے بیٹھے ہیں آؤ ہم قصر سے حملہ کرینگے بنی قریضہ نے کہا کہ جب انکی طرف سے حملہ نہیں ہوا ہے تو ہم اپنی طرف سے حملہ نہیں کرینگے کیونکہ ہم بلا جواز اپنے ہفتہ کے دن کو خراب نہیں کرینگے۔

ابولبابہ سے مشاورت

یہود نے رسول اللہ کی طرف ایک آدمی بھیجا کہ ہم ابولبابہ بن عبد المنذر رقبیلہ بنوعمرو بن عوف سے مشورہ کریں گے پیغمبرؐ نے ابولبابہؓ کو ان کی طرف بھیجا،انہوں نے ان سے پوچھا آپ کیا مشورہ دیتے ہیں تو ابولبابہ نے ہاتھ اپنے گلے پر پھیرتے

ہوئے اشارہ کیا کہ تم سب کو مارڈالا جائے گا یہ کہہ کران کے قدم لرزنے لگے اورانہوں نے احساس کیا کہ میں نے خدااوراس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت کی ہے انھوں نے اپنے آپ کو مسجد نبویؐ کے ستون سے باندھ لیااور کہا کہ جب تک خدا میری توبہ قبول نہ کرے میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔جب ابولبابہؓ کی واپسی میں تاخیر ہوگئی تو پیغمبرؐ نے پوچھا کیا ہوا ہے تو آپؐ کو بتایا گیا کہ ابولبابہ نے یہ کام کیا ہے آپؐ نے فرمایا ''اگر وہ میرے پاس آتے تو میں بخشش کی دعا کرتا'' لیکن جب وہ وہی کام کر بیٹھے ہیں تو اب میں انھیں ان کی جگہ سے کھول نہیں سکتا۔

سعد بن معاذ کی ثالثی

جب صبح ہوئی تو بنی قریظہ تسلیم ہونے پر آمادہ ہوگئے اس وقت قبیلہ اوس نے پیغمبرؐ سے درخواست کی یارسول اللہؐ یہ لوگ ہمارے حلیف ہیں آپؐ نے اس سے پہلے بنی قینقاع کو عبداللہ بن ابی کے اختیار میں دیا تھا جو کہ خزرج کے حلیف تھے پیغمبرؐ نے فرمایا اے بنی اوس تم اپنے لوگوں میں سے کسی کا انتخاب کرو، انہوں نے سعد بن معاذؓ کا انتخاب کیا جو کہ مجروحینِ جنگ احزاب کے ساتھ زیر علاج تھے۔

سعدؓ بن معاذ نے جنگ خندق کے موقع پر دعا مانگی تھی خداوندا! تو مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک بنی قریظہ کے بارے میں میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں، قبیلہ بنی اوس نے سعدؓ سے کہا اے اباعمر اپنے حلیفوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ آپ ان سے حسن سلوک کریں جب لوگوں نے گذارش کی بھرمار کردی تو بولے اب وقت آگیا ہے کہ سعدؓ کو اللہ کے بارے میں کسی طاقتور کی پرواہ نہ ہو۔جب سعد بن معاذؓ کو ایک گدھے پر بٹھا کر پیغمبرؐ کے سامنے لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا اپنے سردار کے استقبال کیلئے کھڑے ہو جاؤ پھر آپ نے فرمایا اے سعدؓ! یہ لوگ تمہارے فیصلے پر راضی ہوئے ہیں۔سعد بن معاذؓ نے کہا ''ان کے متعلق میرا فیصلہ یہ ہے کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عوتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے اور اموال تقسیم کر دیئے جائیں''۔

رسول اللہؐ نے فرمایا سعدؓ نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو خدا اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔

اس کے بعد رسول اللہؐ کے حکم پر بنی قریظہ کی عورتوں اور بچوں کو مدینہ لاکر بنونجار کی ایک عورت جو حارث کی صاحب زادی تھی کے گھر میں قید کر دیا گیا جبکہ دیگر اسیروں کو اسامہ بن زید بن حارثؓ کے گھر میں رکھا گیا، حی بن اخطب اور کعب بن عدی کے ساتھ چھ سو سے زائد افراد کو قتل کر دیا گیا۔

اس جنگ میں بنو قریظہ کے قصر سے حاصل کئے گئے مال غنیمت کی تفصیل درج ذیل ہے:

ایک ہزار پانچ سو تلواریں، تین سو زرہیں، دو ہزار نیزے، پانچ سو ڈھالیں، اس کے علاوہ اور بھی سامان تھا۔بنو قریظہ کے اموال سے رسول اللہؐ نے خمس نکال کر باقی جنگجوؤں میں تقسیم فرمایا۔اس غنیمت کے تین ہزار بہتر حصے کئے شہسواروں کو تین حصے دیئے جن کی تعداد چھتیس تھی۔جب پیغمبرؐ واپس مدینہ پہنچے تو خداوند عالم نے پیغمبرؐ کو ابولبابہؓ کو بخشنے کی خبر دی۔

زیارت بیت اللہ

پیغمبرؐ نے ہجرت کے ایک سال اور کچھ مہینے بعد حکم خداوندی سے نماز کے دوران مسجد اقصی (جو کہ فلسطین میں واقع ہے) سے مسجد حرام (خانہ کعبہ) کی طرف رخ پھیر لیا۔ اس کے بعد سے لیکر آج تک مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہے اور دنیا کے تمام مسلمان اسی کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ عرب پہلے سے مکہ کی طرف متوجہ تھے، وہ چار مہینے کعبے کی طرف رخ کرتے اور اسی کو محترم سمجھتے تھے وہ کعبہ میں موجود بتوں کی پوجا کرتے تھے جبکہ مسلمان پہلے دن سے ہی بتوں سے منحرف ہو کر خدائے واحد پر ایمان لائے اور اس گھر سے منحرف نہ ہوئے لیکن ایک سوال عربوں کے ذہن میں تھا کہ مسلمان کیوں مسجد حرام کی زیارت نہیں کرتے؟

تیاری کا اعلان

پیغمبر اسلامؐ اور مسلمان ہجرت کے بعد ۶ سال تک مسلسل مشرکین و یہود سے نبرد آزما رہے اس دوران سب کے دلوں میں حج و عمرہ کا شوق بڑھتا گیا ایک دن لوگ مسجد میں جمع تھے اس وقت پیغمبر اسلامؐ مسجد میں تشریف لائے۔ رسول اللہ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ مسجد الحرام میں انتہائی اطمینان و سکون سے داخل ہو رہے ہیں آپؐ کے ساتھ کچھ صحابہ ہیں کچھ نے بال منڈوائے اور کچھ کتروائے جب یہ خواب لوگوں نے سنا تو سب نے یک زبان ہو کر کہا الحمد اللہ یہ خبر پورے مدینے میں بجلی کی طرح پھیل گئی لیکن یہ سوال ہر ایک کے ذہن میں آنے لگا کہ آیا اس سلسلے میں مشرکین سے جنگ و طاقت کا مظاہرہ کیا جائے گا یا قریش ہمیں مکے میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں گے۔ پیغمبر اسلامؐ نے اپنے نمائندے ذوالقعدہ کے مہینے میں اطراف و اکناف میں رہنے والے غیر مسلم عربوں کی طرف بھیجے کہ وہ سب بیت الحرام میں داخل ہونے کیلئے تیار ہو جائیں تا کہ عرب جان لیں کہ ہم صرف فریضہ حج ادا کرنے آ رہے ہیں۔ یہاں دو احتمالات تھے۔

الف۔ آیا قریش پیغمبرؐ اور مسلمانوں کو بیت اللہ میں آرام سے داخل ہونے دیں گے اور غلبۂ اسلام کیلئے اس کے اثرات و نتائج کس حد تک موثر ہوں گے یہ ایک مفروضہ تھا۔

ب۔ دوسرا احتمال یہ تھا کہ قریش کے اس موقف کی کوئی عرب تائید نہیں کرے گا ایسا کرنا لوگوں کو دین اسماعیلؑ و ابراہیمؑ سے روکنا تھا آیا اس عمل سے کیا تمام اہل عرب قریش کے خلاف ہو سکتے تھے؟

ج۔ یہ بھی ممکن تھا کہ جن غیر عرب نے دین اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ مشرکین کے اس عمل کی وجہ سے مسلمانوں کا ساتھ دیں ان میں بھی لوگ بلند ہو جائیں اور کہیں کہ مسلمان احرام باندھ کر آئے ہیں کوئی اسلحہ ان کے پاس نہیں ہے یہاں تک کہ اگر تلوار ہے تو وہ بھی نیام میں ہے اور آگے آگے قربانیاں ہیں یہ صرف طواف کعبہ کیلئے آئے ہیں۔

د۔ اگر قریش مکہ میں اپنے گھروں میں جنگ کرتے تو خود بدنام ہو جاتے لہذا یہ ان کے لئے قابل برداشت نہیں تھا۔

اگر قریش پھر بھی اس مہینے میں آپ کے ساتھ جنگ کرنے پر اصرار کرتے اور آپ کو حج و عمرہ کرنے سے منع کرتے تو یہ

قریش کی طرف سے دیگر عربوں کیلئے بھی ایک مثال بن جاتی اور انھیں اس حوالے سے تائید نہ ملتی اور نہ ہی مسلمانوں سے لڑنے کی معاونت حاصل ہوتی، یا اپنے حلیفوں کی مدد اور ہمدردی سے محروم ہو جاتے۔ جب تک قریش کے حلیف مسلمانوں کو روکنے کیلئے ساتھ نہ دیتے تو ان کیلئے روکنا ممکن نہیں تھا، مشرکین میں سے کوئی بھی قبیلہ مسلمان فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا لیکن تمام قبائل اور تمام قوتوں کو مسلمانوں کے خلاف جمع کرنا آسان نہیں تھا خصوصاً جہاں نتیجہ واضح نہ ہو جب تک کسی طریقے سے ان کے جذبات کو نہ اٹھایا جائے جیسا کہ ان کی مقدس چیز پر حملہ ہو رہا ہے یا ان کی ناموس خطرے ہو تا ہم دیگر عرب قبائل کو اس حوالے سے یقین تھا کہ مسلمان ان کے مال اور جائیداد پر حملہ نہیں کریں گے۔ یہودیوں میں سے صرف یہود خیبر اتحادی بن سکتے تھے لیکن وہ بھی ڈرتے تھے کہ ان کا حال بھی بنی قریظہ، بنو نضیر، اور بنو قینقاع جیسا نہ ہو جائے۔

قربانی کی خریداری

پیغمبرؐ نے عمرے پر جانے کا فیصلہ کیا تو قربانی کی خریداری کیلئے بسر بن سفیان کعبی خزاعی کا انتخاب کیا بسر جو کہ تازہ مسلمان ہوئے تھے ان سے آپ نے فرمایا ہمارے ساتھ چلو ہم انشاءاللہ عمرے پر جائیں گے۔ پھر پیغمبرؐ نے ان سے فرمایا جائیں اور قربانی کے جانور خریدیں۔ یہ شہر مدینہ سے باہر وادیوں میں گئے اور ستر جانور خرید کر ذی جدر میں لائے یہ مدینہ سے باہر جانوروں کی چراگاہ ہے جہاں اہل مدینہ اپنے جانور چراتے تھے جب پیغمبرؐ تیار ہوئے تو ستر جانور وں کو لانے کا حکم دیا اور ناجیہ ابن جندب اسلمی پر ذمہ داری عائد کی کہ ان جانوروں کو ذوالحلیفہ لے کر جائیں اسی طرح اصحاب میں سے صاحبان ثروت جیسا کہ ابوبکر، عثمان، مالک بن عوف، طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن عبادہ نے بھی قربانی کے جانور خریدے۔

عمرہ حدیبیہ میں منافقین کی شرکت

عمرہ حدیبیہ میں منافقین بھی شریک تھے۔ عبداللہ بن ابی سلول اور جد بن قیس دونوں پیغمبرؐ کے ساتھ شریک سفر تھے۔ جد بن قیس وہی شخص ہے جس نے تبوک کے موقع پر پیغمبرؐ سے کہا تھا کہ مجھے یہاں رہنے کی اجازت دیں۔ یہ دونوں منافق اس لئے مدینہ سے نکلتا کہ موقع محل ملنے پر فتنہ پیدا کرنے میں کردار ادا کرسکیں۔

بیت اللہ کی طرف روانگی

حیات محمد کے مولف محمد لکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ ۶ ھ ذوالقعدہ کو مدینہ سے زیارت بیت اللہ کی نیت سے نکلے۔ مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد یہ آپ کی پہلی زیارتِ بیت اللہ تھی۔ آپ کے ساتھ مہاجرین و انصار اور محدود تعداد میں روانہ ہوئے۔ سیرت نویس لکھتے ہیں کہ آپ کے ساتھ ایک ہزار چار سو چھ (۱۴۰۶) افراد اور ستر (۷۰) اونٹ تھے۔ مدینے سے نکلتے وقت آپ نے ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ کسی شخص کے پاس اسلحہ نہیں تھا اگر تھا بھی تو برائے نام تھا اس سفر میں پیغمبرؐ کے ساتھ ام سلمیٰ تھیں۔

جب آپ ذوالحلیفہ (مکہ کے راستے پر مدینے سے ۶ یا ۷ میل کے فاصلے پر ایک بستی، یہ اہل مدینہ کی میقات ہے آج کل اس کو ابیار علی کہتے ہیں) کے مقام پر پہنچے تو لوگوں نے تلبیہ کہنا شروع کی، قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنائے ان جانوروں میں

ایک ابوجہل کا اونٹ بھی تھا جو بدر میں غنیمت کے طور پر لیا گیا تھا۔

قریش کی نقل وحرکت کے بارے میں معلوماتی گروہ

پیغمبر اسلامؐ کسی قسم کے جنگی عزائم نہیں رکھتے تھے لیکن آپؐ خود سے احتمال رکھتے تھے کہ قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخلہ کی اجازت نہیں دیں گے لہٰذا وہ کوئی نہ کوئی حرکت کر سکتے تھے۔ مشرکین کی عداوت و دشمنی کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی کسی بات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس حوالے سے آپ ممکنہ احتیاطی تدابیر اپنانے کے حق میں تھے۔ آپ نے درج ذیل اقدامات کئے۔

۱۔ آپ نے بسر بن سفیان کعبی خزاعی سے فرمایا "قریش کی طرف جائیں اور مجھے ان کی نقل وحرکات کے بارے میں آگاہ کریں۔"

۲۔ جب ذی الحلیفہ سے روانہ ہوئے تو آپ نے سواروں کا ایک گروہ مکہ بھیجا تا کہ حالات کا پہلے ہی سے پتا چل جائے۔ راستے میں موجود لوگوں کے بارے میں بھی پتا چل جائے ہوسکتا ہے کہ راستے میں کوئی غداری کرے۔ آپؐ نے ۲۰ سواریوں پر انصار و مہاجرین کو روانہ کیا ان میں مقداد بن اسود، ابوعیاش زرقی، حباب بن منذر، محمد بن مسلمہ انصاری، سعد بن زید، عباد بن بشر × شامل تھے۔ عباد بن بشر انصاری مقدمہ جیش کے امیر تھے پیغمبرؐ نے حرام مہینے میں سفر شروع کیا ان مہینوں میں مشرکین جنگ کرنے سے گریز کرتے تھے سب لوگ مطمئن تھے لیکن قریش اپنی جگہ پریشان تھے حالانکہ قریش کو کعبہ کا ہمسایہ و محافظ ہونے کی وجہ سے مہمانوں کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے تھا۔ انہیں میزبان، عربی اخلاق اور کعبہ کے خدمت گزار ہونے کی وجہ سے تو مسلموں کو فراہم کی جانے والی سہولیات کیلئے آمادہ ہونا چاہیے تھا لیکن ان کے غرور اور جہالت نے انہیں اپنے ہی ہاتھوں ذلت و بدنامی کے دہانے لا کھڑا کرنے پر مجبور کر دیا۔

نبی کریم ﷺ کی احتیاطی تدابیر

مدینے سے نکل کر ذوالحلیفہ سے احرام باندھنے کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے قبیلہ خزاعہ سے اپنے ایک حلیف بسر ابن سفیان کعبی کو جو کہ نو مسلم تھے مکہ کی طرف بھیجا تا کہ آپ کی مکہ میں آمد کے متعلق مشرکین کے تاثرات معلوم کئے جا سکیں۔ بسر ابن سفیان کعبی خزاعی مکے سے معلومات حاصل کر کے واپس پیغمبرؐ کے پاس آئے اور خبر دی کہ مشرکین نے ہر صورت میں آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان نئی معلومات کی روشنی میں آپ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا کہ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے آپ کی اس مشورہ طلبی پر ابوبکرؓ اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا کہ خدا اور اسکے رسول جانتے ہیں کہ ہمیں اس سفر کو جاری رکھنا چاہیے چاہے جو بھی ہو اگر وہ ہمیں مسجد الحرام کی زیارت سے روکیں تو ہمیں ان سے لڑنا چاہیے اگر قریش کا کوئی لشکر ہمیں روکنے کیلئے آتا ہے تو ہم ان سے مقابلہ کریں گے۔ مقدادؓ بن عمرو کندی نے کہا "ہم آپ سے وہ بات نہیں کہتے کہ جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ - سے کہی تھی کہ آپؑ اور آپ کا خدا جا کر جنگ کریں۔ ہم کہتے ہیں آپؐ جنگ کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" قبیلہ اوس کے سربراہ اسیدؓ بن حضیر نے ابوبکرؓ کی تجویز کی تائید کی اور کہا کہ ہم قریش سے لڑنے کیلئے تیار ہیں۔

خانہ خدا کی زیارت جنگ وصلح کی کشمکش میں

جب قریش کو خبر ملی محمدؐ اپنے ساتھیوں سمیت حج کے لئے مکہ کی طرف آرہے ہیں تو ان کے دلوں پر خوف طاری ہوا اور وہ اس مسئلے پر ہر پہلو سے سوچنے لگے کبھی کہتے محمدؐ مکے میں داخل ہونے کیلئے آرہے ہیں، کبھی کہتے احتمال ہے کہ محمدؐ ایک جنگی منصوبہ لے کر اہل مکہ سے لڑنے کیلئے آرہے ہوں چاہے کہ وہ ظاہری طور پر بیت اللہ کی زیارت کیلئے آرہے ہوں جسکی علامت احرام اور قربانی کے حیوانات ہیں، اس سے پہلے انہوں نے ہمیں مدینے میں داخل ہونے سے منع کیا تھا اب خود مکے میں داخل ہونا چاہتے ہیں ۔ اس بات کو سب عرب مانتے تھے کہ محمدؐ صرف زیارت کیلئے آرہے ہیں لیکن مشرکین کیلئے یہ خبر اطمینان کنندہ نہیں تھی وہ آپؐ کو آزاد نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

ویسے بھی قریش دعوتِ حق کے مقابلے میں سب سے آگے تھے جو امن وسلامتی کی زبان نہیں سمجھتے تھے، یہ جہالت، عناد و دشمنی خواب غفلت میں سرگرداں تھے انھوں نے اسی بنیاد کو اپنا ہدف قرار دیتے ہوئے اس موقع پر احتجاجاً اپنی حاملہ اور بچوں والی عورتوں کو لشکر کے آگے رکھا جو حالات نازک ہونے کی علامت تھی چیتوں کے چمڑے پہنے اور آپس میں عہد و پیمان باندھا کہ محمدؐ اور اصحاب محمدؐ کو کسی صورت بھی مکے میں داخل نہیں ہونے دینگے۔

یہ قریش کیلئے خطرے کی گھنٹی اور دھمکی ہوگی کہ محمدؐ طاقت سے قریش کی حیثیت کو نظر انداز کر کے مکے میں داخل ہوں ۔ اس سلسلے میں دارالندوہ میں ایک اجلاس طلب کیا گیا ۔ اجلاس میں انہی مسائل پر بحث کرنے کے بعد فیصلہ کرنے کیلئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جسمیں سہیل بن عمرو عامری، عکرمہ بن ابی جہل مخزومی اور صفوان بن امیہ جمحی شامل تھے لیکن کمیٹی کا سربراہ سہیل بن عمرو کو قرار دیا گیا۔ سہیل کو یہ اختیار دیا گیا کہ محمدؐ کو کسی بھی صورت مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے ۔ باقی اس سلسلے میں وہ جو بھی فیصلہ کرے گا اسے اس کی اجازت ہوگی ۔ اجلاس میں طے پانے والے فیصلے کے نکات درج ذیل تھے:

۱۔ مکہ میں احتیاطی طور پر ایک عمومی اعلان کیا جائے کہ ہر وہ شخص جو اسلحہ استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو لڑنے کیلئے لشکر میں شامل ہو جائے۔

۲۔ غیر قریش حلیفوں اور ثقیف سے معاونت کی درخواست کی جائے۔

۳۔ ایک چندے کے صندوق کا اہتمام کیا جائے جس کے ذریعے جنگجوؤں اور حلیفوں کے اخراجات کا بندوبست کیا جائے۔

۴۔ جو جنگ نہیں لڑ سکتا ہے وہ تیار اور چوکنا رہے۔

۵۔ اپنے بیوی بچوں کو بھی ساتھ لے جایا جائے تا کہ یہ بتایا جاسکے کہ قریش کسی صورت میں بھی مسلمانوں کو آنے کی اجازت نہیں دیں گے گرچہ اس کیلئے بچوں اور عورتوں کی قربانی بھی دینا پڑے۔

۶۔ مقدمۃ الجیش کے طور پر سواریوں کا ایک لشکر تشکیل دے کر خالد بن ولید کو سربراہ بنایا جائے تا کہ وہ مکہ اور مدینے کے درمیان محمدؐ کے قافلے کو روکے۔

۷۔ معلومات جمع کرنے کیلئے ایک گروہ تشکیل دیا جائے۔

۸۔ عام فوجیوں کو "بلدح" جو کہ مکہ کے مغرب میں واقع ہے وہاں جمع کیا جائے۔

۹۔ جنگ کیلئے نکلنے والوں کو کھانا کھلانے کیلئے ایک گروہ تشکیل دیا جائے جس میں سہیل بن عمرو، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور رقیب بن عبدالعزاز شامل ہوں۔

مسلمانوں کو روکنے کی کوشش

خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل کو ۲۰۰ سواروں کے ساتھ بھیجا گیا تا کہ وہ پیغمبرؐ کو روکے قریش نے ہدایات جاری کیں، سب وادی ذی طویٰ میں جمع ہو جائیں پیغمبرؐ نے اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ عسفان (حجۃ الوداع کے موقع پر مدینہ سے روانگی کے بعد یہ وادی آپ کی چھٹی منزل تھے آجکل اس کو مدرج عثمان کہتے ہیں) کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے دو دن کی مسافت پر واقع ہے وہاں ایک آدمی جس کا تعلق بنی کعب سے تھا آپؐ سے ملا آپ نے پوچھا تمہارے پاس کیا خبر ہے اس نے کہا قریش نے جب سے آپ کے مکے آنے کی خبر سنی ہے تو وہ جنگ کیلئے تیار ہو گئے ہیں، جنگی لباس پہن لیا ہے اور وہ ذی طویٰ میں انتظار کر رہے ہیں انھوں نے خدا سے عہد کر لیا ہے کہ آپ کو شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ خالد بن ولید دو سو (۲۰۰) سواروں کے ساتھ کراع الغمیم (عسفان سے دو میل آگے) پہنچ چکا ہے پیغمبرؐ نے قریش کے فیصلے کو سن کر فرمایا "قریش کو کیا ہو گیا ہے انہوں نے جلدی کی ہے مجھے عربوں کے درمیان چھوڑ دیتے اگر مجھے شکست ہوتی تو وہ اپنے مقصد کو پا لیتے اگر میں غالب ہوتا تو وہ لوگ اسلام لے آتے"۔ آپؐ نے مزید فرمایا "قسم اس کی جس نے مجھے مبعوث کیا یہ فریضہ انجام پا کر رہے گا"۔ آپؐ سوچنے لگے کیا کرنا چاہیے کیونکہ آپؐ مدینے سے جنگ کیلئے نہیں نکلے تھے بلکہ احرام باندھ کر خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا تھا۔

خون ریز لڑائی سے پرہیز

آپؐ یہی سوچ رہے تھے کہ گھوڑ اسوار مکے سے آتے ہوئے دکھائی دیے یہاں ممکن نہ تھا کہ مسلمان لشکر سے جنگ کیے بغیر اپنے مقصد تک پہنچ جائیں پیغمبرؐ ایک ایسے معرکے میں داخل ہو گئے تھے کہ جس میں قریش اپنی تمام طاقت کو وطن وعزت اور گھر بار کے دفاع میں استعمال کرنے کیلئے تیار تھے۔ پیغمبرؐ معرکہ آرائی نہیں چاہتے تھے اگر قریش پیغمبرؐ کو جنگ پر مجبور کرتے تو مسلمان غیرت میں آ کر ان کا مقابلہ ضرور کرتے لیکن پیغمبرؐ کا مقصد فوت ہو جاتا بلکہ قریش کے ہاتھوں عربوں کے سامنے پیغمبرؐ کو قصوروار ٹھہرانے کا بہانہ مل جاتا۔ ادھر رسول اللہؐ نے کراع الغمیم کا مرکزی راستہ چھوڑ کر مغرب کی طرف ایک دوسرا پُر پیچ راستہ اختیار کیا کیونکہ آپؐ نے فیصلہ کیا تھا کہ کسی نہ کسی طریقے سے امن کے راستے کو اپنائیں گے قریش کا یہ لشکر حیران ہو گیا کہ مسلمان ان سے لڑنا نہیں چاہتے ہیں وہ واپس مکہ آ گئے تا کہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے مکہ کا دفاع کریں۔ مسلمان اسی دشوار گذار راستے پر چلتے ہوئے حدیبیا می مقام پر پہنچے۔

حدیبیہ

حُدیبیہ ح پر پیش، د پر فتحہ، یائے ساکن، ب پر فتحہ اور ی پر بعض نے تشدید لگائی اور بعض نے نہیں لگائی ہے۔ یہاں سے مکہ ایک منزل جبکہ مدینہ نو منزل کے فاصلے پر ہے۔اس جگہ کا ایک حصہ حرم اور دوسرا حل میں آتا ہے۔یہ کعبے سے دور ترین جگہ ہے۔ اس جگہ کو حرم کا ایک کونہ سمجھا جاتا ہے۔نبی کریمؐ نے ہجرت کے پانچ سال دس مہینے گزرنے کے بعد یہاں آکر پہلی بار مشرکین سے ایک معاہدے پر دستخط کئے اس معاہدے کا نام "صلح حدیبیہ" ہے۔یہ جگہ مکہ کے مغرب میں واقع ہے۔اس مقام پر ایک درخت تھا جس کے نیچے پیغمبر اسلامؐ نے اصحاب سے جنگ کیلئے بیعت لی، جسے قرآن نے "بیعت رضوان" کا نام دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سواری کا مقام حدیبیہ پر رک جانا

کتاب صلح حدیبیہ کے مؤلف محمد احمد باشمیل لکھتے ہیں کہ نبی کریمؐ مدینہ منورہ سے ۴۰ میل کا فاصلہ مشقت کے ساتھ طے کر کے حرم کی حدود میں پہنچے جہاں سے آپ کا قافلہ کعبے کی زیارت کے اشتیاق میں انتہائی ذوق وشوق سے آگے بڑھ رہا تھا۔کہتے ہیں حدیبیہ کے مقام پر آپ کی سواری رک گئی مسلمانوں نے سمجھا کہ یہ تھکاوٹ کی وجہ سے رکی ہے لیکن پیغمبرؐ نے فرمایا جس نے ہاتھی کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا تھا اس نے سواری کو بھی منع کیا ہے۔

اس قصہ کے بارے میں چند اشکالات پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔اس قصہ کو برے اور ناپاک عزائم کے تحت گھڑا گیا ہے جس کسی نے اسے ترتیب دیا ہے اس نے اسے ان لوگوں کیلئے گھڑا ہے جو دین کو دلیل سے زیادہ معجزے، عالم سے زیادہ مخلص اور عمل سے زیادہ داد کے ذریعے لینے کے قائل ہیں جبکہ اس کے پیچھے کئی حوالوں سے برے عزائم کارفرما نظر آتے ہیں۔

۲۔نبی کریمؐ کا (نعوذ باللہ) ابرہہ نصرانی سے موازنہ کیا گیا ہے۔یہ بات اپنی جگہ درج ذیل دلائل کے تحت غلط ثابت ہوجاتی ہے۔

الف۔نبی کریمؐ مدینہ سے اس گھر کی زیارت اور خانہ خدا کی عشق میں نکلے تھے جبکہ ابرھہ اس خانہ خدا کو ڈھانے اور مسمار کرنے کے لئے آیا تھا؟

ب۔ پیغمبرؐ جن پر ہر لمحہ وحی ہوتی ہو اس دفعہ انہیں اونٹ کے ذریعے پیغام دینے کی کیا منطق تھی خود آپؐ پر وحی کیوں نہیں اتری۔

ج۔ پیغمبر اسلامؐ مکہ مکرمہ کی حدود میں ہر حوالے سے جنگ وجدال سے گریز کرنا چاہتے تھے جبکہ ابرھہ جنگ وجدال کیلئے نکلا تھا۔

د۔ پیغمبرؐ کی جانب سے بھیجے گئے ایک نمائندے نے اہل مکہ کی طرف سے مزاحمت کیلئے تیاری اور جنگی اقدامات کی خبر دی تھی۔

ہ۔ قریش جنگ کا بہانہ تلاش کر رہے تھے اگر نبی کریم بھی جنگی عزائم لے کر مدینے سے چلے ہوتے تو آپ کو جنگ کا جواز مل چکا تھا۔ پھر آپ نے کیوں اس موقع کو ہاتھ سے جانے دیا اور کیوں جنگ سے دستبردار ہوئے؟

و۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ قریش جنگ کا بہانہ نہیں تلاش کر رہے تھے یا یہ صرف ان کے اندر موجود افراطی گروہ کی خواہش تھی؟ یہ باتیں پیغمبر اسلامؐ کی نبوت کو مقام و منزلت دینے کیلئے نہیں بلکہ گھٹانے کیلئے گھڑی گئی ہیں۔

مقام حدیبیہ پر سفارتی پیشرفت

پیغمبرؐ نے فرمایا قریش جو بھی تجویز دیں جس میں صلہ رحمی ہو تو میں مان لوں گا۔ قریش اپنی کمین گاہ کے اندر اس انتظار میں تھے کہ آپؐ کو مکے میں داخل ہونے کی بجائے موت کی طرف دھکیلیں انہوں نے ہر قسم کی تیاری کی ہوئی تھی کہ مکے میں محمدؐ کو داخل نہیں ہونے دیں گے چاہے کچھ بھی ہو جائے اگر اس کے باوجود محمدؐ داخل ہو گئے تو قریش کے پاس توجیہ ہو جائے گی کہ انہوں نے اچھے طریقے سے دفاع کیا۔ قریش کو یہ ڈر بھی لاحق تھا کہ آپؐ ان سے اس گھر کی تولیت اور حاجیوں کی سقایت بھی چھین لیں گے جسے وہ اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ غرض وہ ہر قسم کے مسائل پر سوچنے لگے دوسری طرف پیغمبرؐ اپنی پہلی سوچ پر قائم تھے کہ ہمارا مقصد صرف زیارت کرنا ہے چنانچہ آپ صلح کرنا چاہتے تھے سوائے اس کے قریش ٹوٹ پڑیں، دھوکہ و غدر کریں اور تلوار کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہے۔ قریش نے فیصلہ کیا پیغمبرؐ کے پاس اپنے لوگوں میں سے ایک نمائندہ بھیجا جائے جو آپؐ کی قوت کا اندازہ لگائے۔ اس ضمن میں بدیل بن ورقہ بنی خزاعہ کے کچھ آدمی لے کر نکلا پیغمبرؐ سے پوچھا آپؐ کیوں آئے ہیں آپؐ نے فرمایا ہم صرف زیارت کیلئے آئے ہیں ہمارا مقصد جنگ نہیں وہ مطمئن ہو کر واپس چلا گیا اور قریش کو بتایا کہ پیغمبرؐ جنگ کیلئے نہیں صرف زیارت کیلئے آئے ہیں۔ قریش مطمئن نہ ہوئے اور چیخ اٹھے کہا ممکن ہے جنگ کیلئے نہ آئے ہوں لیکن وہ اس طرح طاقت سے ہمارے شہر میں داخل نہیں ہو سکتے تا کہ عرب یہ نہ کہیں کہ محمدؐ طاقت سے مکے میں داخل ہوئے ہیں اور یہ قریش کی کمزوری کی واضح نشانی ہے۔

قریش کے نمائندے پیغمبر ﷺ کے پاس

قریش نے اپنے ایک حلیف احابیش حلیس بن علقمہ کو پیغمبرؐ کی طرف بھیجا جب آپؐ نے حلیس بن علقمہ کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ وہ شخص ہے جس کی قوم قربانی کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے۔ آپ لوگ اپنے قربانی کے جانور آگے لاؤ تا کہ وہ دیکھ لے ہم عمرے کیلئے آئے ہیں۔ جب حلیس نے خانہ کعبہ کی زیارت کیلئے آنے والی نشانیوں کو دیکھا تو پیغمبرؐ سے ملے بغیر واپس قریش کے پاس چلا گیا چونکہ اس نے درک کر لیا کہ آپ کا مقصد زیارت ہے، اس نے قریش سے کہا محمدؐ زیارت کیلئے آ رہے ہیں ان کا مقصد جنگ کرنا نہیں ہے قریش اور حلیس میں تکرار ہوئی حلیس بن علقمہ غصے میں آ گیا کیسے ممکن ہے قریش پہلے نمائندہ بنائیں پھر اس کی اہانت کریں اور اسکی بات کی تصدیق نہ کریں، اس نے کہا ہم نے تم سے اس لئے عہد نہیں کیا کہ تم لوگوں کو کعبہ کی زیارت سے روکو جس ذات کے ہاتھ میں حلیس کی جان ہے اس کی قسم ہم محمدؐ اور کعبے کے درمیان حائل

نہیں ہونگے بلکہ ان کے درمیان موجود رکاوٹ کو دور کریں گے۔اس پر قریش نے کہا چپ رہو ہم سے بات نہ کرو ہم اپنے مسائل و مشکلات کو خود حل کریں گے اس کے بعد انھوں نے عروہ بن مسعود کو پیغمبرؐ کے پاس بھیجا لیکن عروہ نے تردد کیا کہ کہیں قریش حلیس کی طرح اسے بھی نہ جھٹلا دیں جب وہ واپس آیا تو کہا اے قریش میں نے کسریٰ جیسے بادشاہوں کو دیکھا ہے لیکن خدا کی قسم کوئی بادشاہ اپنی قوم میں اتنا معزز نہیں جتنے محمدؐ اپنے اصحاب میں معزز ہیں محمدؐ کسی کے ہاتھ تسلیم نہیں ہوں گے تم اپنا فیصلہ خود کرو۔قریش سوچنے لگے کہ اب کیا کریں۔

فساد کی کوشش

قریش نے اپنی شرارتی ذہنیت کے تحت پیغمبرؐ کے گرد فتنہ و فساد پھیلانے اور ہلہ گلہ کرنے کیلئے چالیس آدمی بھیجے تا کہ قتل و غارت گری کر کے لوگوں کو اسیر کیا جائے اگر نبی کریم نے احتیاطی تدابیر کے طور پر پہلے ہی محافظ دستہ تشکیل نہ دیا ہوتا تو یہ لوگ اپنے مذموم عزائم میں کامیاب ہو جاتے لہٰذا پیغمبر کی مدبرانہ اور دوراندیش حکمت عملی نے ان کے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔

مسلمان ان افراد کو گرفتار کر کے پیغمبرؐ کے پاس لائے اس موقع پر قریش نے ایک مسلمان کو اسیر کر کے قتل کر دیا تا کہ مسلمان جذبات میں آ کر اسیروں کو قتل کریں لیکن پیغمبرؐ نے صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے انھیں اس بات کا موقع نہ دیا اس کے بارے میں اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾

"وہی ہے جس نے کافروں کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک لیا اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر غلبہ دے دیا تھا اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے" (فتح ۲۴)

قریش چاہتے تھے مسلمان انکی کسی سواری کو ماریں تا کہ انھیں فساد کا بہانہ مل جائے لیکن مسلمان ان چیزوں سے متاثر ہو کر حرکت میں نہ آئے۔مشرکین کے بعض افراد اس موقع پر اسیر ہوئے پھر پیغمبرؐ نے انہیں آزاد کر دیا تا کہ یہ ثابت کریں کہ مسلمانوں کی نیت صاف ہے اور قریش لڑائی کو بہانہ بنا کر دوسروں کو مسلمانوں کے خلاف اکسانے کی کوشش نہ کریں۔

قریش کی طرف پیغمبر کا نمائندہ

پیغمبر اسلامؐ نے خراشؓ بن امیہ کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے مشرکین مکہ کی طرف بھیجا تا کہ ان کے ساتھ گفتگو کی جائے خراشؓ کو پیغمبرؐ نے اس لئے بھیجا کیونکہ یہ بنی مخزوم کے حلیف تھے لہٰذا یہ انہیں بات سمجھا سکتے تھے پیغمبرؐ نے فرمایا "ان سے کہہ دیں کہ جنگی حالات پیدا کرنے سے گریز کریں اور محمدؐ اور ان کے اصحاب کو عمرہ کرنے دیں۔"خراش جب وادی بلدہ پہنچے۔وہاں کچھ جذباتی فتنہ پسند لوگوں نے پھر حملہ کیا عکرمہ بن ابی جہل نے ان کی سواری کی ٹانگیں کاٹ دیں اور انھیں قتل کرنا چاہا لیکن ان کے سمجھدار لوگوں نے اسے روکا۔خراشؓ نے کہا ہم عمرے کیلئے آئے ہیں ہمارے پاس قربانی کے جانور موجود ہیں محل ہونے کے بعد واپس چلے جائیں گے لیکن قریش نہ مانے۔

اس کے بعد آپؐ نے عمرؓ بن خطاب کو بلایا اور فرمایا جاؤ اشراف مکہ کو بتاؤ ہمارا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے اس پر عمرؓ نے کہا مجھ سے قریش سخت دشمنی رکھتے ہیں اگر مجھے اذیت دی گئی تو مکہ میں بنی کعب کا ایک فرد بھی ایسا نہیں جو میری حمایت سے بگڑ سکتا ہو لہذا آپ عثمانؓ بن عفان کو بھیجیں۔

عثمانؓ بن عفان کی سفارت

رسول اللہؐ نے عثمانؓ بن عفان کو نمائندہ بنا کر مکہ بھیجا تا کہ وہ وہاں سے کوئی خبر لائیں یا ان سے مذاکرات کریں تو قریش نے انہیں وہیں روک لیا اور کہا اگر تم چاہتے ہو تو کعبے کا طواف کرلو عثمانؓ نے کہا جب تک پیغمبرؐ طواف نہیں کریں گے میں طواف نہیں کروں گا اس پر قریش نے آپ کو روک لیا جس سے یہ خبر پھیل گئی کہ عثمانؓ قتل ہو گئے ہیں اس خبر کو سن کر مسلمانوں نے ایک درخت کے نیچے پیغمبرؐ کی بیعت کی کہ وہ جنگ سے فرار نہیں کریں گے اس بیعت کو قرآن میں بیعتِ رضوان اور بیعتِ شجرہ کہا گیا ہے شجرہ اس لئے کہ یہ درخت کے نیچے ہوئی اور بیعت رضوان اس لئے کہ اس پر خدا راضی ہوا اس حوالے سے سورہ فتح کی آیت ۱۸ نازل ہوئی:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ "بتحقیق اللہ ان مومنین سے راضی ہو گیا جو درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے۔ پس جو ان کے دلوں میں تھا وہ اللہ کو معلوم ہو گیا لہذا اللہ نے ان پر سکون نازل کیا اور انہیں قریبی فتح عنایت فرمائی"

جب قریش کو پتہ چلا کہ آپ نے جنگ کیلئے اصحاب سے بیعت لی ہے تو ان کی تمام تدابیر خاک میں مل گئیں قریش انتہائی اضطراب میں تھے حلیس نے قریش کو کہا محمدؐ جنگ کرنے کیلئے نہیں آئے ہیں بلکہ وہ صرف عمرے کی نیت سے آئے ہیں ان کو نہیں روکنا چاہیے تو قریش نے کہا کہ بیٹھ جاؤ تم نہیں سمجھتے۔ یہاں سے شرک کے پہلو کمزور اور مسلمانوں کی عزت میں اضافہ ہوا پیغمبرؐ اپنے اس موقف پر قائم رہے کہ خانہ خدا کی زیارت و تعظیم سے انھیں کوئی چیز نہیں روک سکتی قریش نے اپنی فکر تبدیل کی اور فیصلہ کیا کہ گفتگو کے ذریعے اس مسئلے کا حل نکالنا چاہیے چنانچہ انہوں نے پیغمبر اسلامؐ کے پاس ایک وفد بھیجا۔

سہیل بن عمرو کے مذاکرات اور صلح حدیبیہ

رئیس وفد سہیل بن عمرو پیغمبرؐ کے پاس آیا اور کہا حضرت عثمانؓ کو روک کر رکھنے اور آپ سے جنگ کرنے کا فیصلہ ہمارے عقلا نے نہیں بلکہ سفیہوں نے کیا تھا آپ عثمانؓ کو واپس لانے کیلئے ایک آدمی بھیج دیں تو پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا تم خود انہیں بھیجو چنانچہ قریش نے عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا۔ پیغمبرؐ اور سہیل ابن عمرو کے درمیان مفاوضات و گفتگو چلتی رہی آخر کار صلح پر اتفاق ہوا پیغمبر اسلامؐ نے اپنے چچا زاد بھائی علیؑ کو بلایا تا کہ معاہدہ لکھیں۔ سید احمد زینی دحلان مفتی شافعین کتاب سیرت نبویؐ میں لکھتے ہیں پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھیں اس پر سہیل نے کہا میں نہیں مانتا رحمن کون ہے آپ لکھیں "بسمک اللھم" کیونکہ قریش یہی لکھتے ہیں مسلمان کہنے لگے بسم اللہ لکھیں پیغمبرؐ نے سب کو خاموش کراتے ہوئے فرمایا

بسمک اللھم لکھیں پھر علیؑ سے کہا لکھیں یہ وہ معاہدہ ہے جو محمدؐ رسول اللہ نے سہیل ابن عمرو سے کیا،اس پر سہیل نے کہا اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو کیوں آپ سے لڑتے آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیں آپؐ نے فرمایا میں رسول اللہ ہوں چاہے یہ جھٹلائیں یا مانیں اور محمدؐ بن عبداللہ ہوں ۔علیؑ رو پڑے اور کہا میں محمدؐ رسول اللہ لکھوں گا پیغمبرؐ نے علیؑ سے فرمایا رسول اللہؐ کو مٹا دیں علیؑ نے گوارا نہ کیا جس پر پیغمبرؐ نے خود مٹایا اور لکھا یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمدؐ بن عبداللہ نے سہیل ابن عمرو سے کیا ہے پیغمبرؐ نے اس موقع پر علیؑ سے فرمایا ایک ایسا دور آئے گا جب آپ کیلئے بھی ایسے کلمات لکھے جائیں گے۔

صلح حدیبیہ کے نکات

نبی کریمؐ اور مشرکین مکہ کے نمائندے سہیل بن عمرو عامری کے درمیان حدیبیہ کے مقام پر ہونے والے معاہدے کے نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔مسلمان اور مشرکین دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہیں لڑیں گے۔

۲۔کوئی بھی شخص مکہ سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر ہجرت کر کے محمدؐ کے پاس جائے گا تو اسے واپس کیا جائے گا۔

۳۔کوئی بھی شخص مرتد ہو کر مدینہ سے مشرکین کے پاس چلا گیا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

۴۔مومنین اور مشرکین دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف دھوکہ اور مکروفریب سے کام نہیں لیں گے بلکہ وفاداری اور امانتداری کا مظاہرہ کریں گے۔

۵۔کوئی بھی قبیلہ محمدؐ کا حلیف بنا چاہے تو بن سکتا ہے اسی طرح کوئی قریش کا حلیف بنا چاہے تو اسے اس کی آزادی ہوگی۔

۶۔ محمدؐ اسی مقام سے واپس مدینہ جائیں گے البتہ آئندہ سال مکہ آنا چاہیں گے تو قریش مکہ کو تین دن کیلئے خالی کردیں گے۔ان کی طرف سے کوئی بھی مزاحمت نہیں ہوگی اور محمدؐ امن وامان کے ساتھ شہر میں تین دن قیام کرسکیں گے تاہم ان کی تلواریں نیام میں ہوں۔معاہدے کی اس مدت کو عرف عام میں حدنہ کہا جاتا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کے اہداف

پیغمبرؐ کے اہداف درج ذیل تھے:

۱۔ زیارت بیت اللہ کے پس منظر میں مسلمانوں کی طاقت وقدرت کو قریش اور دیگر قبائل مشرکین کے سامنے آشکار کرنا کہ مسلمان کس حد تک منظم ہیں اور کس حد تک رسولؐ کی اطاعت میں سر تسلیم خم ہیں،اسی طرح اپنی دعوت سے کس حد تک وابستہ ہیں اور کس حد تک اس دعوت سے دفاع کرنے اور اسے پھیلانے کی کوشش میں سرگرم ہیں تا کہ کلمۂ خدا بلند ہوجائے۔

۲۔ مسلمان کس حد تک اس گھر کے احترام کے قائل ہیں یہاں تک کہ عربوں کو یقین ہوجائے کہ جائے شک وتردید کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

جنگ نہ لڑنے کی وجوہات

نبی کریمؐ ظاہری اور باطنی دونوں عزت واحترام اور فخر وناز کے حامل بیت اللہ الحرام کی زیارت کے شوق وذوق میں مدینہ سے نکلے تھے۔آپؐ جانتے تھے کہ یہ امن وامان کی جگہ ہے جہاں خونریزی نہیں ہوسکتی لہٰذا نبی کریمؐ کی جانب سے کسی بھی حوالے سے جنگ وجدال سے گریز کرنا آپ کے بنیادی اور اصولی اہداف میں سے تھا لیکن آپؐ کی ایما اور خوشخبری پر بھروسہ کر کے مدینہ سے آنے والے مسلمانوں کیلئے یہ کیسے ممکن تھا کہ مکہ میں آ کر بیت اللہ کی زیارت سے محروم رہیں اور مشرکین کے سامنے ذلت وخواری کے بعد احرام اتار کر مدینہ واپس چلے جائیں۔ایک آزاد مرد مرنے کو گوارا کر سکتا ہے لیکن ذلت اٹھانے کو نہیں تاہم دوربین اور دور اندیش انسان جو اعلیٰ اہداف الٰہی میں محو ہو وہ چند دنوں کی ملامت وسرزنش کے علاوہ وقتی غوغا اور ہا ہو کی پرواہ نہیں کرتا۔ان کی منطق یہ ہوتی ہے کہ آخرت میں جہنم جانے سے دنیا میں ذلت وخواری بہتر ہے۔بہر حال مسلمان قوم کیلئے مکہ سے زیارت بیت اللہ کا شرف حاصل کئے بغیر واپس جانا موت وحیات کا مسئلہ تھا جبکہ پیغمبر اکرمؐ انہی لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنا تھی۔اس لئے ان کے موقف سے متصادم فیصلہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

پیغمبرؐ کی مشرکین کے ساتھ اس بار جنگ نہ لڑنے کی چند وجوہات ہو سکتی تھیں۔

۱۔مقام بلد الحرام میں کسی سے جنگ لڑنا خدا اور رعیت دونوں حرام سمجھتی تھی۔

۲۔پیغمبر اسلامؐ مکہ کی طرف عمرے کی نیت سے تشریف لائے تھے لہٰذا آپ لوگوں کو حالت احرام میں مزید دنوں تک روکنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ یہ کام انسان محرم کیلئے ممکن نہیں کہ وہ زیادہ دن احرام میں رہے۔

۳۔پیغمبر اسلامؐ ایک محدود لشکر کے ساتھ آئے تھے لہٰذا جنگ چھڑنے کی صورت میں کہیں سے کسی قسم کی مدد ومعاونت ملنے کا امکان نہیں تھا۔

۴۔آپؐ میدان جنگ میں اعلانیہ طور پر لڑنے والے انسان تھے لہٰذا آپ کسی بھی علاقے میں گھس کر جنگ کرنے کے قائل نہیں تھے اگر ایسا ہوتا تو یہ مشرکین کے مفاد میں جاتا دوسری جانب مشرکین جنگ کے بغیر کسی قسم کی رعایت دینے کیلئے تیار نہیں تھے۔

ان تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد پیغمبرؐ اور مشرکین کے درمیان پیدا ہونے والی صورتحال کو غزوہ فکری قرار دینا ہی زیادہ مناسب ہوگا۔فکری غزوات میں ہار جیت کا نتیجہ فوری طور پر سامنے نہیں آتا کیونکہ یہ کرکٹ جیسا کھیل نہیں بلکہ فکری غزوات کا نتیجہ ایک طویل عرصہ بعد منظر عام پر آتا ہے جس طرح دنیا میں عالمی سطح پر موجود عدالتوں میں چلنے والے مقدمات کا فیصلہ کرنے میں بہت وقت لگتا ہے۔اس فکری غزوہ میں قریش کو کیا خدشات لاحق تھے اس کے چند نکات درج ذیل ہیں۔

الف۔مشرکین بھی جانتے تھے کہ محمدؐ زیارت کی نیت سے ہی آئے ہیں لیکن وہ نبی کریم کا مکہ میں داخلہ اپنی تذلیل وتوہین سمجھتے تھے۔

ب۔مشرکین کو خدشہ تھا کہ اگر محمدؐ کو مکہ میں داخل سے زبردستی روکیں گے تو پورے جزیرۃ العرب میں اس اعتراض کے ساتھ

بدنام ہوجائیں گے کہ یہ اپنی انا کو بنیاد بنا کر لوگوں کو خانہ خدا سے روک رہے ہیں ۔اس طرح کی بدنامی مشرکین کیلئے جنگ میں شکست سے بھی زیادہ خطرناک بن سکتی تھی۔

ج ۔انھیں یہ خدشہ بھی لاحق تھا کہ محمدؐ کو ہر قیمت پر روکنے کی وجہ سے ان کا اپنے حلیفوں سے ہونے والا معاہدہ ٹوٹ جائے گا۔ ایسی صورتحال میں اگر لوگ محمدؐ سے مل گئے تو پھر ان کا پلہ بھاری ہوجائے گا اس لئے مشرکین قریش کلی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ ہم محمدؐ کو بیت اللہ کی زیارت کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے وہ ایک درمیانی راستے پر چلنے کے خواہاں تھے۔

صلح حدیبیہ میں ناخوشگوار حالات کا سامنا

مسلمانوں پر بغیر عمرہ کے مدینہ واپس جانا ناگوار وگراں تھا البتہ بعض مسلمان پیغمبر اسلامؐ کے اس خواب سے مطمئن تھے کہ ہم جلدی مکہ فتح کریں گے یہاں جو تلخیاں تھیں وہ شیطان نے ان کے دلوں میں پیدا کی تھیں طبری جلد ۳ میں لکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے صلح سے فارغ ہوکر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ قربانی اور تقصیر کرو تو کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔یہاں تک کہ پیغمبر اسلامؐ نے صحابہ کرام سے تین بار اسی بات کا تکرار کیا اس کے باوجود کوئی صحابی بھی آپ کا حکم ماننے کے لئے اپنی جگہ سے نہ اٹھا پیغمبر اسلامؐ وہاں سے اٹھ کر ام سلمیٰؓ کے پاس گئے اور ان کے سامنے صحابہ کے اس سلوک پر انتہائی دکھ اور افسوس کا اظہار کیا کہ انہوں نے میرا حکم نہیں مانا تو ام سلمیٰؓ نے کہا آپ کسی سے بات نہ کریں اور اپنے حصہ کی قربانی کریں اور نائی کو بلوا کر بال منڈوائیں ۔چنانچہ پیغمبر اسلامؐ کسی سے بات کیے بغیر قربانی کرنے کے کام میں مشغول ہوگئے اور سر منڈوانے کیلئے نائی کو بلالیا۔

جب لوگوں نے یہ سب کچھ دیکھا تو وہ اٹھے اپنے اپنے جانور ذبح کردیئے اور ایک دوسرے کے سر مونڈنے لگے لیکن وہ سب غم سے نڈھال تھے انہیں بغیر عمرہ کیے واپس مدینہ جانے کی فکر وغم کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی ناگوار گذری کہ اگر قریش کا کوئی آدمی ہجرت کرکے پیغمبر اسلامؐ کے پاس چلا آئے گا تو پیغمبر اسلامؐ کو اسے واپس کرنا ہوگا اور اگر پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے والا کوئی انسان قریش کے پاس چلا جائے گا تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

قائد صلح کیلئے آہنی گردے کی ضرورت

کسی بھی جنگ میں صلح وجنگ بندی لشکر کی خواہش وچاہت کے مطابق انجام پاتی ہے،لشکر کا قائد اپنی قدرتِ مقابلہ نہ رکھنے کی وجہ سے صلح کرنے یا جنگ بندی کرنے پر مجبور ہوتا ہے یہاں سے صلح سے پیش آمدہ ناگوار نتائج اور تہمت وافتراء کی بازگشت خود اس لشکر کی طرف ہوتی ہے اور قائد لشکر خود کو بے قصور پیش کرتا ہے جیسا کہ امام حسنؑ اور معاویہ کی جنگ میں صلح انجام پائی جس کے برے نتائج کی ذمہ داری اور تلخ اور ناز یبا طنزیہ کلمات کی برگشت امام نے اپنے لشکر پر عائد کی اگر تم صدقِ دل اور اخلاص کے ساتھ میدان میں استقامت دکھاتے تو ہم جنگ کو جاری رکھتے لیکن حدیبیہ میں قضیہ بالکل برعکس تھا یہاں لشکر نے جنگ میں موت کے دھانے تک جانے کیلئے پیغمبرؐ سے بیعت کی،اس کے باوجود پیغمبرؐ نے مشرکین سے صلح کرنے کا فیصلہ فرمایا،اس صلح کے نتیجے میں پیغمبرؐ کو اپنے لشکر کی نافرمانی وبے اعتنائی کو برداشت کرنا پڑا سب سے زیادہ تلخ وناگوار لمحہ وہ تھا جب بعض جوان جو بغیر کسی کے

کہ پیغمبرؐ پر ایمان لائے تھے انہوں نے آپؐ سے پناہ مانگی لیکن اصول معاہدہ کا احترام کرتے ہوئے انھیں دشمن کے سپرد کرنا پڑا یہاں رؤف ومہربان نبی کریمؐ کے دل پر کیا گزری ہوگی اسی طرح ان نوجوانوں پر کیا گزری ہوگی کہ انکے نبیؐ نے اپنے ہاتھوں سے انھیں دشمن کے حوالے کردیا۔یہ واقعہ آج کے بعض نوجوانوں کیلئے لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ اپنے غیر عاقلانہ جذبات وحرکات کی نیتوں کا پہاڑ اپنے مولاناؤں پر رکھتے ہیں اور جلد ہی دین وایمان چھوڑنے کی دھمکی دیتے ہیں۔حدیبیہ معاہدے کی ایک شق یہ تھی کہ آج کے بعد سے کوئی مشرک مسلمان ہوکر محمدؐ کے پاس آجائے تو محمدؐ اس معاہدہ کے تحت مسلمان کو خاندان کے طلب کرنے کی صورت میں واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔

صلح کے وقت عبداللہ ابا جندلؓ بن سہیل بن عمرو زنجیروں میں جکڑے حاضر ہوئے او رپیغمبر اسلامؐ سے قریش کے مظالم کی شکایت کی جب سہیل نے ابا جندلؓ کو آپؐ کے پاس دیکھا تو آپ سے مخاطب ہوکر کہا کہ ابا جندلؓ کو میرے حوالے کردیں اور صلح کی شرط پر پہلی بار عمل کریں تاہم پیغمبر اسلامؐ اور سہیل کے درمیان کچھ دیر گفتگو ہوئی پیغمبرؐ نے فرمایا مجلس ابھی برخواست نہیں ہوئی لہٰذا یہ معاہدہ میں نہیں آتا لیکن سہیل نے دھمکی دی اگر آپؐ اس کو واپس نہیں کریں گے تو ہم اس معاہدہ کو کالعدم قرار دینگے یہاں پیغمبرؐ مجبور تھے کہ ابو جندل کو واپس ان کے والد کے حوالے کریں، قارئین کرام غور کریں اس سے ابو جندل پر کیا تاثرات مرتب ہوئے ہونگے اور خود محمدؐ اور اصحاب محمدؐ پر کیا گذری ہوگی، یہ پہلا تلخ لقمہ تھا جسے محمد شجاع وجرائت مند غیرت وحمیت کے بانی نے کمال اطمینان کیساتھ ہضم کیا۔آخر آپؐ نے سہیل کی بات کو قبول کرلیا اور ابا جندلؓ کو واپس کردیا جبکہ حضرت ابا جندل فریاد کرے اور پناہ مانگ رہے تھے، جواب میں رسول اللہ فرماتے تھے ابا جندل صبر کرو اللہ و تبارک وتعالیٰ تمہیں اور تم جیسے دیگر مستضعفین کو ایک فرج عنایت کریں گے، ہمارے او رقوم قریش کے درمیان صلح کا ایک معاہدہ ہوا ہے ہم اس پر عمل کے پابند ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ جب صلح حدیبیہ کے بعد واپس پہنچے تو ایک اور تلخ منظر کا سامنا کرنا پڑا قریش کے بہت سے جوان جنہوں نے اپنی مرضی سے دین اسلام اختیار کیا تھا او رانھیں اس کی پاداش میں انکے بزرگوں نے پابند سلاسل کیا تھا ان میں سے ایک جوان عتبہ بن اسید ظہری کنیت ابوبصیرؓ کو انکے حلیف بنو زہرہ نے بت پرستی چھوڑنے کے جرم وسزا میں محبوس کیا ہوا تھا۔جب ان لوگوں نے پیغمبرؐ اور سربراہانِ قریش کے درمیان صلح طے پانے کی خبر سنی تو انہیں خوشی ہوئی کہ اب ان کو مستقل قوم وملت کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے کیونکہ اب تک مسلمانوں کو ڈاکہ ڈالنے، قانون کے خلاف بغاوت کرنے ،لوگوں کا راستہ کاٹنے والا چور اور ڈاکو سمجھا تھا۔اب مسلمان ہونے والوں کیلئے جائے پناہ میسر ہوگئی تھی لیکن پہلا شخص ابو بصیر تھا جو خود کو زندان اور قریش کی قید وبند سے آزاد کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہوا وہاں پہنچنے کے بعد پیغمبرؐ سے درخواست کی مجھے بھی امت اسلامی میں شامل کر کے پناہ دی جائے یہاں ایک مسلمانِ باضمیر چند لمحوں کیلئے غور کرے یہ جملہ نبیؐ کیلئے کس قدر گراں گزرا ہوگا اس وقت دل کی گہرائیوں سے اسلام لانے کے جرم کی پاداش میں بدترین سزائیں او رصعوبتیں جھیل کر خود کو داعیٔ اسلام کی پناہ میں پیش کرنے والے نوجوان کیلئے نبیؐ کیا جواب دے سکتے تھے۔آج کل کے نوجوان سینکڑوں جذباتی غیر شرعی، جلاؤ گھیراؤ جیسے کام کر کے اپنے قائدین ذوالعزیٰ والا

حترام سے غلط بیانی کرواتے ہیں قائدین بھی کہتے ہیں کہ یہ سب شرفاء ہیں اگر ان کی مرضی کے مطابق بیان نہ دیا گیا تو ان کی حوصلہ شکنی ہوگی جس سے یہ مایوس ہوجائیں گے۔ جوان اور قائدین اپنی ذہنیت کو سامنے رکھ کر نبی کریمؐ کی زندگی کے اس لمحے پر نظر ڈالیں کہ آپؐ پر کیا گزری ہوگی۔ دنیا میں قوموں اور ملتوں کی خاطر قیام کرنے والوں کی منطق کے تحت کشادہ چہرے اور کھلے سینے کے ساتھ اس جوان کیلئے خوش آمدید کہہ کر دروازے ہی سے استقبال ہوسکتا تھا لیکن ضمیر و قانون، اصول واقدار اور عہدو پیمان کے اصول کو زندہ کرنے والی ہستی نے فرمایا اے مہمان محترم و مکرم، عزیز فرزند اسلام ہم پہلے عہدو پیمان کے پابند ہیں آپ کے اور میرے دشمن کے درمیان جو معاہدہ طے ہوا ہے میرے لئے اس میں سوزن یا سوئی کے برابر تخلف کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔
مشرکین مکہ نے ایک خط کے ذریعے دو آدمیوں اخنس بن شریک اور ازطہر بن عبدعوف کو پیغمبرؐ کے پاس بھیجا کہ وہ ابوبصیرؓ کو معاہدہ حدیبیہ کی پابندی کرتے ہوئے واپس کریں پیغمبرؐ نے خط وصول کرنے کے بعد ابوبصیر کو قریش کے دو نمائندوں کے حوالے کر دیا اور ابوبصیرؓ سے فرمایا میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ قریش کے نمائندے کو واپس بھیجوں، ابوبصیرؓ نے کہا آیا آپ مجھے ان مشرکین کے پاس بھیج رہے ہیں جو مجھے میرے دین کی وجہ سے دردناک عذاب دیتے ہیں پیغمبرؐ نے فرمایا ہمارا ان کے ساتھ عہدو پیمان طے پایا ہے اور مجھے اس پر پابند رہنا ہے میرے دین میں غدر نہیں، خدا سے دعا کرتا ہوں آپ اور دیگر مستضعفین کو رہائی عنایت فرمائے چنانچہ ابوبصیرؓ مشرکین کے دو نمائندوں کی حراست میں حزن واندوہ کیساتھ دوبارہ دیار شرک کیطرف روانہ ہوئے۔
ابوبصیرؓ مدینہ سے سات میل کے فاصلے پر ایا دعلی پہنچے تو دونوں محافظوں کے ساتھ آرام کی غرض سے وہاں ٹھہرے، انہوں نے ایک محافظ کیساتھ پیار و محبت کے ساتھ گفتگو کرنا شروع کردی اور انتہائی سنجیدگی کے ساتھ محافظ سے کہا اے برادر عامر یہ آپ کی تلوار بڑی عمدہ ہے تو عامر نے کہا ہاں اور پھر تکبر و غرور سے اسے ہلایا اور کہا میں اس تلوار سے اوس وخزرج سے لڑتا رہوں گا ابوبصیرؓ نے کہا کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں حارث نے ابوبصیرؓ کے ہاتھ میں تلوار دے دی ابوبصیرؓ نے تلوار ہاتھ میں لیتے ہی اس پر وار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جبکہ دوسرا فرار ہوکر پیغمبرؐ کے پاس پہنچا۔ پیغمبرؐ نے پوچھا وائے ہو تم پر کیا ہوا اس نے کہا آپ کے ابوبصیرؓ نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا ہے اور میں اس سے جان بچا کر فرار ہوکر یہاں تک آیا ہوں اس نے پیغمبرؐ سے پناہ مانگی آپؐ نے اسے پناہ دے دی۔ اسی لمحے ابوبصیرؓ اپنے اونٹ پر سوار ہوکر مسجد میں آپکی خدمت میں پہنچے اور تمام حالات سے آگاہ کیا انہوں نے پیغمبرؐ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور کہا آپؐ نے اپنا وعدہ وفا کیا اور اپنی ذمہ داری ادا کی اور مجھے میری قوم کے سپرد کر دیا اب میں نے خود دوبارہ ان سے جان چھڑائی ہے اب آپؐ کو مجھے پناہ دینے میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیے پیغمبر اسلامؐ نے ابوبصیرؓ کی معقول توجیہ کو کسی حد تک قبول فرمایا اور انہیں مکہ جانے پر مجبور نہیں کیا لیکن انہیں مدینہ میں بھی قیام کرنے کی اجازت نہیں دی اور فرمایا تم جہاں جانا چاہتے ہو آزاد ہو۔ ابوبصیرؓ نے مشرک کے اونٹ تلوار اور دیگر چیزوں کے بارے میں استفسار کیا تو پیغمبرؐ نے فرمایا تمھاری مرضی ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا خدا ان کی ماں پر رحم فرمائے اگر ان کے ساتھ کوئی دوسرا ساتھی ہوتا تو یہ جنگ برپا کرسکتے تھے کیونکہ یہ لشکر کی قیادت کرنیکی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ابوبصیرؓ کو جب پیغمبرؐ

کی طرف سے مدینے میں قیام کی اجازت نہ ملی تو انھوں نے عزم کیا اب دوبارہ کفر و شرک کے سائے میں زندگی نہیں گزاروں گا جیسے بھی حالات ہوں انکا سامنا کروں گا چنانچہ یہ دریا کے کنارے ایک جنگل جسے عیص کہتے ہیں کی طرف روانہ ہوئے، انھوں نے اس جگہ کو اپنی پناہ گاہ کے طور پر منتخب کیا پھر یہاں سے مشرکین کے خلاف ایک اعصابی جنگ کا آغاز کیا کیونکہ یہاں سے مشرکین کا تجارتی قافلہ شام و مکہ کی طرف گزرتا تھا ابو بصیرؓ مشرکین کے تجارتی قافلے پر حملے کرتے بعض کو مارتے اور بعض سے مال چھینتے اور اپنی پناہ گاہ میں واپس آجاتے ۔ابو بصیر کا یہ عمل قریش کیلئے خطرہ ثابت ہوا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے تجارتی قافلوں کے ساتھ محافظین کو بھیجنا شروع کیا ۔قریش اور اہل مکہ کے ساتھ ابو بصیرؓ کے اس عمل و کردار نے انہیں اس راستے پر چلتے ہوئے احتیاط کرنے پر مجبور کر دیا، دوسری طرف محصور ظلم و ستم اور قید و بند کاٹنے والے مسلمانوں کے دلوں میں امید کی کرن پیدا ہوئی اور ہر شخص زندان سے فرار ہو کر ان تک پہنچنے لگا یہاں تک کہ مکہ سے ستر جوان ان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ان میں سر فہرست ابو جندل بن سہیل بن عمرو تھے ۔اس کے علاوہ دیگر عشائر و قبائل قبیلہ غفار، جہینہ وغیرہ سے ایمان لانے والوں کا رخ بھی ان کی طرف ہوا، غرض یہاں ایک قسم کی اسلامی حکومت قائم ہوئی لیکن ان کا سیاسی و اجتماعی اور اقتصادی و دفاعی حوالے سے حکومت مدینہ سے کسی قسم کا رابطہ نہیں تھا کہ انکے اس عمل کو صلحِ حدیبیہ کے حوالے سے اٹھایا جاسکتا ہو ۔اس حوالے سے ان کے عمل سے سب سے زیادہ قریش اور اہل مکہ متاثر ہوئے نہ وہ انھیں روک سکتے تھے اور نہ ہی بہانہ بنا کر پیغمبرؐ کے خلاف کوئی اقدام کر سکتے تھے وہ اس مسئلے کی تہہ تک غور کرنے کے بعد خود کو اسکا ذمہ دار ٹھہرانے پر مجبور ہوئے کیونکہ انہوں نے ہی اس معاہدہ کی اس شق کو پیغمبرؐ اور مسلمانوں کی مرضی کے خلاف قبول کرنے پر مجبور کیا تھا ۔اب اس سے جان چھڑانے کیلئے وہ صرف محمدؐ سے ہی درخواست کر سکتے تھے کہ آپؐ براہِ کرم ہمارے اوپر احسان کریں، انھیں اپنے ہاں پناہ دیں اور ہم اس شرط کو معاہدے سے منسوخ کرتے ہیں چنانچہ وہ اس مسئلے پر دارالندوہ میں غور و غوص کرنے کے بعد اس رائے پر مشتمل ایک خط کو اپنے ایک نمائندے کیساتھ مدینہ بھیجنے پر متفق ہوئے ۔

فلسفۂ صلح حدیبیہ

شہید محمد باقر الحکیم نے اس صلح کے فلسفے پر دو زاویوں سے بحث کی ہے ۔ایک زاویہ مثبت جبکہ دوسرا منفی زاویہ ہے ۔

الف ۔آپ لکھتے ہیں کہ اس صلح کا منفی زاویہ یہ ہے کہ مشرکین مکہ سے دو بدو مقابلہ کرنے اور جنگ ستیزی میں رہنے سے نجات حاصل ہوئی اسی طرح ہر آئے دن مدینہ پر شب خون مارنے، جلادوں کو قتل کا موقع دینے اور ان کی دیوانہ پن پر مشتمل حرکات کو کچھ دیر کیلئے روکنے کا موقع ملا جو صرف اسی صلح کے ذریعے ممکن الحصول تھا ۔

ب ۔اس صلح کا مثبت پہلو یہ ہے گرچہ پیغمبر اسلامؐ چھ سال تک قریش سے مزاحمت اور مقابلہ کرتے رہے تاہم آپ نے مدینہ میں مسلمانوں کی تربیت اور گرد و پیش میں رہنے والوں کو دعوت اسلام دینے کا سلسلہ جاری رکھا ۔

صلح حدیبیہ کے آثار ونتائج

۱۔ اپنی تمام تر بے بسی کیساتھ دین کی خاطر کیے بعد دیگر جنگوں میں کئی سال گزارنے کے بعد اس جنگ بندی سے مسلمانوں کو سکون کا سانس نصیب ہوا۔اسی طرح جزیرۃ العرب اور اس سے باہر دین کا تعارف کرانے کا بھی موقع ملا، نبی کریمؐ نے اس وقت دنیا پر مسلط مقتدر بادشاہانِ روم وفارس اور انکے زیرِ نگر وتابع امراء وسلاطین اور عشائر وقبائل کے روسائے کو دین اسلام کی طرف دعوت دینے کا سلسلہ شروع کیا۔پیغمبرؐ کیلئے اب خطرہ شمال مدینہ کیطرف موجود عرب مشرکین اور دوسری جانب سے یہود خیبر سے تھا جنکے ساتھ مقابلہ باقی تھا۔

۲۔مشرکین کو صلح حدیبیہ سے پہلے مکہ وشام تجارت کرتے وقت راستے میں بدامنی کیوجہ سے کساد بازاری اور اقتصادی بحران کا سامنا تھا لیکن اس صلح کے بعد انکے لئے شام کا راستہ دوبارہ کھول دیا گیا۔اب وہ امن سے اپنے تجارتی سفر کو جاری رکھ سکتے تھے لیکن انھوں نے سوئے فہم اور عدم بصیرت کے ساتھ جو شرائط نبی کریمؐ پر بغیر رضا ورغبت ٹھونسیں تھیں وہ انکے گلے میں ہڈی ثابت ہوئیں۔ابوبصیرؓ اور انکا گوریلا گروہ ان کے پاؤں پر کلہاڑی ثابت ہوا ان سے جان چھڑانے کیلئے انہیں ذلت وخواری اور انکساری برداشت کرنا پڑی اور خود انہیں پیغمبرؐ سے اس شق کو ختم کرنے کی درخواست کرنا پڑی۔

۳۔ یہود نے اس موقع سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اطراف واکناف میں رہنے والے قبائل کو طمع ولالچ دیکر مسلمانوں کیخلاف لڑنے کیلئے متحد کرنا شروع کردیا۔یہ مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کرنے کیلئے تمام وسائل کو بروئے کار لائے۔

صلح حدیبیہ اور احتیاطی تدابیر

۱۔ اس غزوے میں سب سے پہلا درس احتیاطی تدابیر کا پاس رکھنا ہے۔پیغمبر اسلامؐ نے ابتداء ہی سے اپنے قول وفعل دونوں کے ذریعے صریح اور واشگاف کلمات میں اعلان فرمایا میں عمرہ کیلئے نکل رہا ہوں میرا مقصد جنگ کرنا نہیں تا کہ قریش یہ گمان نہ کریں کہ آپؐ جنگ کی نیت سے آرہے ہیں۔

۲۔ سلے ہوئے لباس کو اتار کر احرام پہن لیا۔

۳۔ اپنے ساتھ کعبہ کے ہدیہ کیلئے ذبیحہ ساتھ لے گئے۔

۴۔ یقین دہانی یا اجازت کیلئے عثمانؓ بن عفان کو مکہ بھیجا۔

۵۔ ان تمام تدابیر کے باوجود آپ نے قریش کے ممکنہ تصادم، نخوت وغرور میں جنگ آزمائی اور ہنگامی حالات سے بروقت نمٹنے کیلئے اپنے آگے ایک لشکر عباد بن بشر کی سرکردگی میں رکھا جن کے پاس ضروری اسلحہ بھی تھا۔

۶۔ آپؐ نے بعض افراد کو خبر رسانی کے لئے مکہ بھیجا تا کہ وہ قریش کے عزائم ونیات اور جنگی تیاریوں کے بارے میں آپؐ کو معلومات فراہم کریں۔

۷۔جب قریش کے نوجوانوں نے رات کے وقت ایک چال کے تحت مسلمانوں میں گھسنے کی کوشش کی تو انھیں گرفتار کرلیا گیا

آپؐ نے ان اسیروں کو فوری چھوڑنے کا حکم دیا تا کہ یہ ثابت کریں کہ آپؐ جنگ لڑنے نہیں آئے ہیں۔

۸۔ **جذبات واحساسات کے ماحول میں ضبطِ نفس کا مظاہرہ:** صلح حدیبیہ ایک درس ہے پوری تاریخ بشریت میں کسی قائد نے اپنے مطیع وفرمانبردار لشکر کیلئے ایسا لائحہ عمل اپنانے کا مظاہرہ نہیں کیا کیونکہ یہاں جذبات واحساسات کی تند وتیز ہواؤں میں ضبطِ نفس کا مظاہرہ کیا گیا۔ یہاں اہل لشکر کا بھی اپنے جذبات واحساسات کو اپنے قائد کے فرمان کے تحت قابو میں رکھنا ضروری تھا بعض اوقات لوگ جذبات ایمانی کے ساتھ خودساختہ اور سازشی جذبات کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں ایسے حالات میں صرف وہی قائد حالات کو قابو میں رکھ سکتا ہے جو پورے لشکر پر تسلط رکھتا ہو جس کا مظہر آپ معاہدۂ صلح لکھتے وقت دیکھ سکتے ہیں جہاں صلح کے موقع پر مندرجہ ذیل چیزوں کا سامنا کرنا پڑا:

۱۔ سہیل نے کلمۂ بسم اللہ اور محمدؐ رسول اللہ کو لکھنے کی مخالفت کرتے ہوئے اسے مٹانے پر اصرار کیا۔

۲۔ سب سے خطرناک لمحات وہ تھے جب نومسلم ابا جندلؓ نے خود کو پیغمبرؐ کی پناہ میں دینے پر اصرار کیا اور ان کے باپ سہیل نے بے دردی و بے رحمی کے ساتھ انھیں بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اپنی طرف کھینچا یہ سب سے خطرناک لمحات تھے لیکن پیغمبرؐ نے ابا جندلؓ کو تسلی دی۔

برداشتِ نقد وانتقاد

کسی کے قول وفعل پر کہاں تک نقد وانتقاد کیا جا سکتا ہے اور کس قسم کے لوگ اس کا حق رکھتے ہیں؟ اس سوال اور اس کے جواب کا تعلق معاشرے کی ترقی، تمدن اور بقائے باہمی کی ضمانت سے وابستہ ہے، اس سوال کے جواب سے پہلے یہاں چند حقائق کا روشن ہونا ضروری ہے:

۱۔ ہر وہ انسان جو اس قول وفعل کی حکمت ومصلحت اور فائدے سے جاہل ونادان ہے اسے اس حوالے سے سوال کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ سائل کتنا ہی پست اور مسئول کتنا ہی بڑا اور عظیم کیوں نہ ہو یہاں سوال و جواب میں ظرفیت وصلاحیت حائل نہیں۔ ہر سائل کا حق ہے اس کے سوال کا جواب اسے ملے یہ حق قاعدہ رجوع جاہل بہ عالم سے مستفید ہے۔ اب یہ عالم کا فرض ہے کہ سائل کی ذہنی صلاحیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسے جواب دے قرآنِ کریم میں بیان ہوا ہے انسان اور ملائکہ حتی شیطان نے بھی خدا سے سوال کیا جس کا خداوند متعال نے جواب دیا ہے۔

۲۔ **نقد وانتقاد سے کون پریشان ہوتا ہے؟:** نقد وانتقاد سے وہی پریشان ہوتا ہے جو جرم و جنایت، غلطی، جھوٹ، مصلحت تراشی کا مرتکب ہوا ہو یا جس نے ایک غیر ذمہ دارانہ یا بغیر دلیل ومنطق کے بات کی ہو چنانچہ جب ان سب کے بارے میں اس سے ”کیوں، کس لئے، کہاں سے“ انتقاد ہوگا تو یقیناً وہ پریشان ہوگا۔ فی زمانہ اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے غلط رسوماتِ مذہبی، جعلی قصے کہانیاں اور قرآن وسنت سے متصادم مشہور احادیث جن کا طویل زمانہ تک اس نے ورد کیا ہو اور اسے اپنے مدعا کیلئے سند کے طور پر پیش کیا ہو وہ ان کے بارے میں شکوک وشبہات اور انتقاد کو برداشت نہیں کرے گا۔

۴۔نقد وانتقاد برداشت کرنے کی صلاحیت کس میں ہے:وہ انسان جسے خود کو خطا کار کہلانے پر شرمندگی نہ ہوتی ہو یا جس کے پاس اپنے قول وفعل کیلئے سینکڑوں دلائل وبراہین موجود ہوں اور وہ اپنی جگہ بے لوث وبے غرض ہو اس کا مقصد خدایا خلقِ خدا کی خدمت ہو تو اسے کسی قسم کے نقد وانتقاد سے پریشانی لاحق نہیں ہوتی ہے۔

ان حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد جب ہم نبی کریمؐ کی حیات طیبہ کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو یہاں پیش آنے والے انتقادات عام انسان کیلئے نا قابلِ فہم وبرداشت دکھائی دیتے ہیں بلکہ ظاہری طور پر ذلت کا سبب نظر آتے ہیں ایسے موقع پر اگر کسی کے نقد وانتقاد کو اس کے کفر وشرک کی باطنی علامت قرار دیا جائے تو قارئین بتائیں وہ انسان کہاں جائے آسمان پر وہ پہنچ نہیں سکتا نہ ہی زمین کے نیچے جا سکتا ہے چنانچہ اسے روئے زمین پر رہنے کیلئے کفر وشرک جیسے مناظر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔تاہم ان باتوں سے شکوک وشبہات میں اضافہ ہوتا جائے گا کیا نقد وانتقاد کا یہ مفروضہ صحیح ہوگا۔

الف۔آیا ایسے فیصلے کے مراحل میں تمام ذمہ داری قائدین پر چھوڑیں کہ سب من وعن تسلیم کریں چاہے دین،وطن،عزت وآبرو سب کی سودہ بازی ہوتی ہو۔

ب۔ہر شخص کو اپنی ذہنیت کے تحت جو کچھ آتا ہے بولنے کی اجازت ہونی چاہیے یہاں تک کہ نا سمجھ لوگ بھی اپنا نام ووراندلس والوں میں درج کرائیں اور افراتفری کا ماحول پیدا ہو جائے اور اپنے فائدے کا معاہدہ بھی طے نہ کر پائیں۔

ج۔خاص صاحبان فکر ونظر،مشاورین اور چیدہ افراد کو آزادی ملنی چاہیے۔

د۔ نبی کریمؐ پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ وحی کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

ھ۔ جس وقت تک یہ پتہ نہ چلے کہ پیغمبرؐ نے وحی کے ذریعے یا اپنی صوابدید پر فیصلہ کیا ہے۔

صلح حدیبیہ پر خلیفہ دوم کے انتقادات

معاہدہ صلح حدیبیہ کے اعلان کے بعد عمرؓ بن خطاب نے اس معاہدے کی شقوں کو نا قابل ہضم اور سمجھ میں نہ آنے کی ابوبکرؓ سے یوں مکالمت کی کیا نبیؐ برحق نہیں ہیں؟ ابوبکرؓ نے کہا ہاں ہیں پھر کہا کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں؟ کہا ہم حق پر اور دشمن باطل پر ہے تو پھر کیوں ہم اپنے دین میں پستی دکھلا رہے ہیں اس پر ابوبکرؓ نے عمرؓ کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ہمیں ہر حال میں خاضع ہو کر دل کی گہرائیوں سے پیغمبرؐ کے قول وفعل کو تسلیم کرنا چاہیے۔محمدؐ اللہ کے رسول ہیں جو اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے ،خدا ان کا ناصر ومددگار ہے عمرؓ نے کہا میں بھی جانتا ہوں،ابوبکرؓ نے کہا اپنے عقیدہ پر قائم رہو وہ حق پر ہیں اس کے بعد دونوں پیغمبرؐ کے پاس آئے اور کہا آپؐ فرما رہے تھے کہ ہم کعبہ میں داخل ہونگے اور طواف کریں گے پیغمبرؐ نے انھیں جواب دیا کیا میں نے اسی سال کا کہا تھا عمرؓ نے کہا نہیں پیغمبرؐ نے فرمایا تم وہاں ضرور جاؤ گے اور طواف بھی کرو گے۔

صلح حدیبیہ سے دروس اور عبرتیں

صلح حدیبیہ جسے عرف عام میں ماہرین جنگ ایک قسم کی شکست وکمزوری اور عقب نشینی کہتے ہیں اسکے برعکس اسلام میں اسے فتح عظیم کہا گیا ہے لیکن سطحی فکروسوچ رکھنے والے، زکام دور کرنے کیلئے بھاپ لینے والے اور دودھ کے اوپر سے ملائی اتارنے والے طاقت وقدرت نمائی کے عاشقین ہمیشہ شب وروز کے مسائل پر اپنا فیصلہ سناتے رہتے ہیں۔ بعض اس کو بنیاد بنا کر ہمیشہ دشمن سے صلح وآشتی کی دعوت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کیا محمدؐ نے اپنے دشمن سے صلح نہیں کی تھی۔ یہ ہر جگہ پر صلح کی طرف کھینچتے ہیں جبکہ اس کے مقابل میں بعض افرا نعرہ "هيهات منا الذلة" بلند کر کے قلیل افراد کو موت کے دھانے تک پہنچا دیتے ہیں اور خود کو درندہ صفت خونخوار ظالمین کیلئے ایک لقمہ گوارہ کے طور پر پیش کرتے ہیں اس کے بعد اپنے لئے شہادت کی فضیلت میں قصیدے پڑھتے ہیں گویا ہم ایسی قوم ہیں جنہوں نے ہمیشہ ظالموں جابروں کے ناشتے کیلئے شہدائے اہل حق کے اجساد پاک کو کباب اور خون کو شراب کے طور پر پیش کیا ہے۔ جو افراد قرآن کریم، سنت رسولؐ اور سیرت آئمہ طاہرینؑ واصحاب باوفا کا مطالعہ کرنے کے ساتھ اس کی تہہ تک جاتے ہیں وہ اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ صلح حدیبیہ میں اسلامی جنگ کے تمام اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھا گیا جنھیں حروف جلی میں لکھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں حکمت، حلم وبردباری، صبر، ضبط نفس، سیاست، دور اندیشی، عہدوپیمان کی پابندی، احتیاطی تدابیر، غیر متزلزل فیصلے، دشمن کیلئے خطرات سے نمٹنے کیلئے عفوودرگزر کرنے کے تمام مسائل کو استبداد اور آمریت کی بجائے کھلے دل سے سننے کا مظاہرہ ہوا ہے۔

صلح حدیبیہ کے بارے میں دو متضاد تبصرے

جن لوگوں نے مسلمان مہاجرین وانصار کی قربانی وفدا کاری اور غیر متزلزل ایمان کو اس سفر کی وجہ سے تنزلی ایمان کا سبب گردانا ہے انہوں نے پیغمبر کی نبوت کو مشکوک بنانے کی ناکام کوشش کی ہے، تاہم اس موقع پر ہر فرد مسلمان نے یقین قانع کی حد تک اس بات کا عملی مظاہرہ کیا کہ یہاں ہم افسردگی اور ذلت وخواری کے ساتھ پسپا ہو رہے ہیں لیکن پیغمبرؐ نے خدا پر بھروسے اور اپنے اہداف ومقاصد کے حصول کیلئے دقیق وباریک حکمت عملی اور منصوبہ بندی کرنے کی وجہ سے اپنے دشمن اصلی وازلی کو اجتماعی واخلاقی طور پر مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بندیاں کرنے اور جنگیں مسلط کرنے سے روکا گویا انھیں پابند سلاسل کیا۔ مسلمانوں نے اسے باعث ذلت وخواری ہی کیوں نہ قرار دیا ہو خداوند متعال نے اسے فتح مبین کا نام دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے بادشاہان اورامراء کےنام خطوط

پیغمبراسلامؐ چھٹی ہجری کوجب حدیبیہ سےواپس مدینہ پہنچےتو آپ نےمختلف بادشاہوں اورامراءکواسلام کی دعوت دینے کیلئےخطوط بھیجنے کافیصلہ کیا۔اس فیصلےکی روشنی میں آپ کوبتایا گیا کہ یہ لوگ کسی بھی خط یامراسلےکواس وقت تک نہیں مانتے جب تک اس پرکسی بھی قسم کی مہرنہ لگادی جائے۔مہربنائی گئی جس پر محمد رسول اللہ کانقش تھا۔اس نقش میں "اللہ، محمد، رسول" کواوپر سے نیچےکی طرف لکھا گیا مہر بننے کےبعد آپ نےپہلے مرحلے میں خطوط کوترتیب وتنظیم دی اورمحرم ےہجری کےاوائل میں خیبر جانے سے پہلےانھیں متعلقہ شخصیات تک پہنچانے کافیصلہ کیا۔جن میں سےبعض نے بہت نرمی اورمدارات وباریک بینی سےانھیں رڈ کیا،بعض نےاس دعوت کےسامنےتردد وخشوع کامظاہرہ کیا جبکہ بعض نےبُرےانداز میں اہانت وجسارت اور غرور کےساتھ انھیں مسترد کیا۔ایسوں کوخداوندمتعال نےآخرت سے پہلےہی اپنےعتاب میں گھیرلیااسی طرح بعض کی طرف سےقبولیت اورپذیرائی کااعلان ہوا۔

نبی کریمؐ کی طرف سے دعوت اسلام کےسلسلے میں بہت سارےبادشاہان وامراء کےنام خطوط لکھے گئےلیکن ہم یہاں ان میں سےصرف چندایک کاذکرکرنےپراکتفاءکرتے ہیں۔

۱۔بادشاہ نجاشی کےنام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدنبی کی طرف سےصحمہ عظیم حبشہ کےنام

اس شخص پرسلام جوہدایت کی پیروی کرےاوراللہ اوراس کےرسول پرایمان لائے۔میں گواہی دیتاہوں اس خدائے واحد کی جس کاکوئی شریک نہیں۔اس نےاپنےلئےکوئی زوجہ انتخاب نہیں کی اورنہ ہی اس کاکوئی فرزند ہے۔میں خدا کابندہ اوراس کارسول ہوں۔میں آپ کواسلام کی طرف دعوت دیتاہوں۔اسلام قبول کروگےتو سلامت رہوگے۔

"اےاہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جوہمارےتمہارےدرمیان برابر ہےکہ ہم اللہ کےسواکسی اور کی عبادت نہ کریں اس کےساتھ کسی کوشریک نہ ٹھہرائیں اورہم میں سےبعض،بعض کواللہ کی بجائے رب نہ بنائیں پس اگروہ منہ موڑیں توکہہ دوکہ گواہ رہوہم مسلمان ہیں۔"

۲۔مصرکےبادشاہ مقوقس جریج بن متی کےنام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدعبدخدااوراس کےرسول کی طرف سےمقوقس کی جانب

سلام اس پرجوہدایت کی پیروی کرے۔میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتاہوں اگرقبول کروگےتوسلامت رہوگے۔

اس خط کو حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے ساتھ بھیجا۔ بتایا جاتا ہے کہ نبی کریمؐ کا خط دیکھ کر مقوقس کا ردعمل کچھ اس طرح تھا۔

"ہمارے پاس ایک دین ہے ہم اسے اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک اس سے بہتر کو نہ پالیں۔"

۳۔ کسریٰ فارس کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ عظیم فارس کے نام

سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد بندہ خدا اور رسول ہیں۔ میں تمھیں خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ میں تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بن کر آیا ہوں۔ اگر تم اسلام قبول کرو گے تو سالم رہو گے۔

یہ خط عبداللہ بن حذافہ سہمی کے ساتھ بھیجا گیا۔

۴۔ قیصر روم کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد بندہ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے ہرقل عظیم روم کے نام

سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ میں تم کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں اگر قبول کرو گے تو سلامت رہو گے۔

نبی کریمؐ نے یہ خط دحیہ بن خلیفہ کلبی کے حوالے کیا اور ہدایت دی کہ اس خط کو لے جا کر شام کی سرحد پر عظیم بصریٰ کو دے دیں وہ اسے قیصر روم تک پہنچا دے گا۔ علاوہ ازیں پیغمبرؐ نے دعوت اسلام کے سلسلے میں حاکم بحرین منذر ابن ساویٰ کے نام، صاحب ھوذہ بن علی، صاحب دمشق حارث بن ابی شمر غسانی اور بادشاہ یمن کی طرف خطوط ارسال کئے۔

قارئین کرام ہمارے نبی کریمؐ نے ان خطوط کو اس وقت کے ارباب اقتدار، سلاطین و روساء اور امراء خاص کر بڑی طاقتوں کے سربراہوں کے نام مدینہ منورہ میں کھجور کی تنوں سے بنی ہوئی چھت کے مکان سے ارسال کیا۔ بعض ارباب اختیار نے اپنی رضا اور رغبت سے اسلام قبول بھی کیا اور بعض نے اسلامی حکومت کے جھنڈے تلے رہنے کو برداشت کیا جبکہ بعض نے اپنی طاقت و قدرت کی نخوت اور تکبر و سرکشی کی مستی میں آکر دین اسلام کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا جو بعد میں ذلیل و خوار ہوئے۔ لیکن آج معاملہ بالکل برعکس ہے وہی لوگ ہمیں ایسے پیغامات بھیجنے کی جرأت کرتے ہیں جن میں کہا جاتا ہے کہ ہمارا ساتھ دو ورنہ نتائج بھگتنے کیلئے تیار رہو جاؤ یا یہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے سر تسلیم خم کر کے ملکی معاملات میں دخل اندازی کی اجازت دو وغیرہ اس بدلی ہوئی اور غیر شائستہ صورتحال اور ہماری حالت زار کے بارے میں جب ہم اپنی نجی محافل میں تبادلہ خیال کرتے ہیں تو بعض کا کہنا ہوتا ہے کہ ان سے جان چھڑانے کیلئے واحد چارہ کار نئی ٹیکنالوجی کا حصول ہے۔ ہمارا کہنا ہے کہ مغرب کے مقابلے میں ہمیں بہتر ٹیکنالوجی نہیں مل سکتی اگر مل بھی جائے تو غلامی کے عوض بھاری قیمت چکانی پڑے گی۔ بعض دیگر حلقوں کا خیال ہے

کہ جب تک اقتصادی طور پر خود کفیل نہیں ہوں گے ہم خودمختار نہیں ہو سکتے ۔یہ دونوں باتیں اسلامی ہیں نہ ہمارا دین اس طرح کی باتیں سکھاتا ہے بلکہ یہ باتیں خود انہی طاقتوں کی سکھائی ہوئی ہیں ۔ہماری نجات اور عزت و مقام مغربی طاقتوں کے در کا سائل بننے میں نہیں بلکہ صرف اور صرف نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ کے سایے میں مضمر ہے عزت و منزلت تو آپؐ کے نام گرامی سے ہے اس وقت بدبختی و شقاوت اور غلامی ہماری ورثے میں آئی ہے مثلاً ایک صاحب عزت و حیثیت جب اس دنیا سے گزر جاتا ہے تو اس کا ورثہ چند لوگوں میں تقسیم ہوتا ہے تو ہر ایک اپنے حصے کی فکر میں ہوتا ہے اور مرنے والے بزرگ کا نام بھول جاتا ہے ہماری صورتحال بھی اسی طرح ہے امت میں سے ایک گروہ نے صرف اہل بیت کے نام کو اٹھایا ہے تو کسی نے اصحاب کو اس سے بھی بڑھ کر ایک گروہ نے امام کی بجائے امام زادوں کو اور دوسرے نے فقہاء کو ہی سب کچھ سمجھ لیا ہے ۔

یہ وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے ہم اس قابل نہیں رہے ہیں کہ دنیائے کفر و شرک کے ساتھ اپنے ہی نبی کی زبان میں بات کر سکیں وہ اب بھی نام محمدؐ سے لرزہ براندام ہیں صرف ہمارے اندر اسلامی سکت ختم ہوگئی ہے نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد خلفائے راشدین کو اگر ایک عرصہ عزت و مقام اور طاقت و مقدرت کی بناء پر غلبہ حاصل ہوا تو وہ نام محمدؐ ہی کی وجہ سے ہوا ۔لوگ کہتے تھے کہ یہ حکم یا ہدایت خلیفہ رسول اللہ کی طرف سے ہے لیکن اب یہ امت رسول اللہؐ کو بھول گئی ہے انھیں بھول کر بھی اپنے نبی کا نام لینے کی فرصت نہیں ،رسولؐ کو بھلانے پر علم اور رجالؒ ہمیں ذلت و خواری سے نجات نہیں دلا سکیں گے ۔

غزوہ ذی قرد ۔۷ہجری

ذی قرد مدینہ سے ایک منزل پر غطفان کے قریب ایک چشمہ ہے ۔یہ غزوہ حدیبیہ سے واپس آنے کے بیس دن بعد اور خیبر جانے سے چند دن پہلے واقع ہوا ۔اس کے سبب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عیینہ بن حصن فزاری نے مال و مویشی پر حملہ کیا تو ایک شخص فزع فزع کہتے اور فریاد کرتے ہوئے رسول اللہؐ کے پاس آیا ۔رسول اللہؐ نے مدینہ میں ابن ام مکتوم کو جانشین مقرر کیا اور خود پانچ سو افراد کے ساتھ نکلے ۔تین سو افراد نے سعدؓ بن عبادہ کی قیادت میں مدینہ کی حفاظت کی ۔اس غزوہ میں آپؐ نے پرچم کو ایک بلند نیزے پر نصب کر کے مقدادؓ کو علمبردار بنایا اور فرمایا آپ آگے جائیں اور سواروں سے ملیں ہم آپ کے پیچھے آئیں گے انہوں نے دشمن کا پیچھا کیا ،ان کے روسا کو قتل کیا اور ان سے اونٹوں کو لے لیا ۔اس غزوہ میں مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص محرز بن نضلہ شہید ہوئے ۔اس جنگ میں سلمہؓ بن اکوع نے بڑا کردار انجام دیا ۔ابوقتادہ مسعدہ بن حکمہ فزاری قتل ہوا تو رسول اللہؐ نے اس کی سواری اور اسلحہ عکاشہؓ بن محصن کو دیا ۔پیغمبرؐ اس جنگ میں پانچ دن مدینہ سے باہر رہے اور ذی قرد میں نماز خوف ادا کی ۔

غزوۂ خیبر۔ ۷ ہجری

دھخدا لکھتے ہیں خیبر عبرانی زبان کا کلمہ ہے عربی میں اسے حصن کہتے ہیں جس کے معنی قلعہ ہے۔ خیبر مدینہ کے شمال کی طرف سو(۱۰۰) میل کے فاصلے پرواقع ہے یہ مدینہ سے شام کی طرف آٹھ منزل پرواقع ہے۔ یہ زرخیز زمین نخلستان خرما کے باغات اور زراعت کے حوالے سے مشہور ہے اس زمانے میں مدینہ سے خیبر پانچ دن کی مسافت تھی۔ پانچویں میلادی کو شام سے آئے ہوئے یہودیوں نے اسے آباد کیا، زرخیز زمین ہونے کے علاوہ یہاں محکم قلعے بھی تھے جن کے گرد خندقیں کھودی گئی تھیں چنانچہ یہ بیرونی دشمنوں کے حملوں سے محفوظ جگہ سمجھی جاتی تھی، یہاں کے رہنے والے یہودی زیادہ طاقتور وقدرت منداور صاحبانِ مال ودولت تھے۔ پیغمبر اسلامؐ نے ان کی طرف لشکر کشی کی اور ان کے قلعوں کا محاصرہ کیا۔

یہاں سات (۷) قلعے تھے جن کے نام درج ذیل ہیں:

- ☆ حصن ناعم
- ☆ حصن الشق
- ☆ حصن النطاۃ
- ☆ حصن السلالم
- ☆ حصن الوطیح
- ☆ حصن الکتیبۃ
- ☆ قموص اس کو حصن ابی الحقیق بھی کہتے ہیں

مدینہ سے دور طاقتور وقدرت مند محفوظ قلعوں میں رہنے والے بظاہر غیر نبرد آزما قوم کے خلاف پیغمبر اسلامؐ کا لشکر کشی کرنا اور ان کا محاصرہ کرنا، اس وقت سے عصرِ جدید تک چندین سوالات کا سبب بنا ہوا ہے کہ اس جنگ کی کیا اسباب تھے جن کی بنیاد پر نبی اسلامؐ نے ان کا محاصرہ کیا اس سلسلے میں چند وجوہات بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ طمعِ حصولِ غنائم

مستشرقین ومستغربین اور یہودیوں سے گیرائش وہمدردی رکھنے والوں نے اس نظریہ کو اپنایا ہے جن میں سرِ فہرست مارغلیوث ہے جو کہتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے خیبر کی زرعی اور غیر زرعی غنیمت کی خواہش میں ان کے خلاف لشکر کشی کی۔ یہ مستشرقین کی اسلام اور محمدؐ کے خلاف لگائی جانے والی تہمتوں کا ایک حصہ ہے۔ اگر ہم پیغمبر اسلامؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والے صحابہ کرامؓ جنہوں نے لشکر کشی کی ان کی تاریخ کو پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے یہ لوگ مال کی طمع ولالچ میں انسانوں کو مارنے والے نہیں تھے چاہے ان کا تعلق مکہ سے آنے والوں سے ہو یا مدینہ سے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مال ودولت کو پیچھے چھوڑ کر خالی ہاتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی جیسے ابوبکر، عثمان، عبدالرحمن اور صہیب رومی وغیرہ۔ ایمان لانے والوں میں ایسے افراد بھی تھے جنہوں نے مکہ میں اپنے مال ودولت کو پیغمبرؐ اور آپؐ کے ساتھ ہجرت کرنے والوں کے سپرد کیا۔

۲۔شکست وناامیدی کامداوا

صلح حدیبیہ کی وجہ سے پیش آنے والی شکست وناامیدی کامداوا کرنا مقصود تھا۔مستشرقین میں سے مارغلیوث اس فکر کا داعی ہےاس نے اپنی کتاب "فتوحات عربیہ کبریٰ میں لکھا ہےپیغمبراسلامؐ نے خیبر پرلشکر کشی اسلیئے کی تا کہ صلح حدیبیہ میں ہونے والی ناامیدی اورشکستہ نفسی کامداوا کرسکیں ۔یہ نظریہ بھی اپنی جگہ مردود ہے کیونکہ حدیبیہ میں مسلمانوں کوکامیابی حاصل ہوئی تھی انہیں یہ موقع ملا کہ اپنے دین کو پھیلا سکیں چنانچہ وہ جن عشائرو قبائل عرب سے چاہتے معاہدہ کرسکتے تھے۔

قارئین غزوۂ خیبر کے اسباب وہ نہیں ہیں جودشمنانِ اسلام،مستشرقین نے بیان کیے ہیں بلکہ پیغمبرؐ نے صلح حدیبیہ کے بعد قریش کے ساتھ جنگ بندی تک کسی بھی کاروائی کے حوالے سے انتظار کیا،دوسری جانب جزیرۃالعرب میں موجودتمام یہود خیبر میں سلام بن مشکم یہودی کی قیادت میں جمع ہورہے تھےتا کہ دین اسلام کامقابلہ کریں۔ان سے مسلمانوں کوخطرہ لاحق تھا کیونکہ یہ مسلمان سے اپنی مدینہ بدری کاانتقام لیناچاہتے تھے۔اب یہودیوں سے مزید عہدوپیمان یا معاہدہ کرنا بے معنی تھا کیونکہ یہ لوگ عہدوپیمان کے وفادارنہیں تھے اسکے علاوہ یہ لوگ کسی بھی وقت روم وفارس یااہل مکہ کے ساتھ متحد ہوسکتے تھے اس خطرے کو گہوارے میں ہی دفنانے کی خاطرپیغمبراسلامؐ نے خیبر کارخ کیا۔

اسلامی لشکر کی روانگی

پیغمبراُسلام نے ۷ہجری میں ایک ہزار چارسو(۱۴۰۰) پیادہ اور دوسو(۲۰۰)سوارافراد پرمشتمل لشکر کے ہمراہ رجیع کی طرف حرکت کی تا کہ خیبر کے یہوداور غطفان کے مشرکین کامسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم نہ ہونے پائے یہودیوں نے غطفان سے وعدہ لیاہواتھا کہ جب یہودیوں کومسلمانوں سے خطرہ لاحق ہوگاتو بنی غطفان ان کی مدد کریں گے۔

اس موقع پر سفرحدیبیہ میں شامل نہ ہونے والوں نے بھی خیبر میں جانے کیلئے کہاتو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ﴾ "جب تم غنیمتیں لینے چلو گےتو پیچھے رہ جانے والے جلد ہی کہنے لگیں گے:ہمیں بھی اجازت دیجئے کہ آپ کے ساتھ چلیں"(فتح ۱۵)﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ﴾ "اللہ نے تم سے بہت سی غنیموں کاوعدہ فرمایا ہے جنہیں تم حاصل کرو گےپس یہ تو اللہ نے تمہیں فوری عنایت کی ہیں اس نے لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے"(فتح ۲۰)

جب پیغمبراسلامؐ نے خیبر کی طرف حرکت کی تو بنی غطفان گمان کرنے لگے محمدؐ ان کا گھیراؤ کریں گے آپؐ نے ایک گروہ کو غطفان کی طرف اس غرض سے بھیجا کہ اگر غطفان نے یہودیوں کی معاونت کی توان کے گھروں کوغارت کیا جاسکے۔پیغمبرؐ غطفان کویہودیوں سے جدا کرنے کی منصوبہ بندی میں کامیاب رہےاور بنی غطفان یہودیوں کومسلمانوں کے مقابلے میں تنہا چھوڑکراپنے گھروں کی طرف واپس چلے گئے۔

جس وقت آپؐ بنی غطفان سے مطمئن ہوئے کہ اہل غطفان اہل خیبر کی مدد نہیں کررہے ہیں تو تین دن بعد آپؐ لشکر

کے ساتھ خیبر پہنچ گئے۔ جب مسلمانوں کا لشکر رات کے وقت خیبر پہنچا تو اہل خیبر کو پتہ نہ چل سکا کہ وہ مسلمانوں کے گھیرے میں ہیں بلکہ جب صبح لوگ کام کی خاطر اپنے کھیتوں اور باغات کی طرف جانے کیلئے قلعے سے باہر نکلے تو انھوں نے دیکھا کہ وہ لشکر اسلام کے محاصرے میں ہیں یہ واپس اپنے گھروں کی طرف بھاگ گئے، اس طرح یہ جنگ قلعوں کے آس پاس ہوئی جو کہ ایک مشکل جنگ تھی یہودی محکم قلعوں میں محصور تھے دوسری طرف وہ جنگی اسلحے کے حوالے سے غنی اور بے نیاز تھے۔ یہودی جنگ کیلئے آمادہ ہوئے، سلام بن مشکم نے انھیں ہدایات دیں کہ بچوں خواتین اور مال کو قلعہ وطیح وسلالم میں رکھا جائے اور جنگ کرنے والے قلعہ نطاۃ میں پہنچ جائیں، پہلے دن سخت جنگ ہوئی اور پچاس افراد زخمی ہوئے۔ مسلمانوں نے استقامت دکھا کر انھیں قلعہ نطاۃ سے باہر نکال دیا اور ان کے قائد مشکم کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد ان کی قیادت حارث بن ابی زینب صاحب حصن ناعم کے ہاتھ آئی پیغمبرؐ نے پرچم علیؑ کے ہاتھ میں دیا، حارث قتل ہوا اور حصنِ ناعم والے تسلیم ہو گئے۔ اس قلعہ کی فتح مسعود بن مسلمہ کے شہید ہونے پر نصیب ہوئی۔ پھر یہود وطیح اور سلالم میں داخل ہوئے۔ وہاں قائد مرحب بن ابی مرحب یہودی تھا وہ شعر پڑھتا ہوا نکلا تو مسلمانوں کی طرف سے اس کے مقابلے کیلئے علیؑ نکلے، آپس میں مقابلہ ہوا یہاں تک کہ مرحب اور اس کا بھائی قتل ہو گئے اس طرح وطیح اور سلالم بھی فتح ہو گئے۔

فتح خیبر تاریخ اسلام میں اس وقت سخت قدرت نمائی کی جنگ تھی یہودیوں کے قلعے اور خندقیں مسلمانوں کی طاقت وقدرت کے مقابل میں کام نہ آ سکے اور نہ ہی ان کی افرادی قوت کام آئی۔ ان کی تعداد کے بارے میں یعقوبی ج ۲ میں لکھتے ہیں بیس ہزار (۲۰۰۰۰) تھی جبکہ مسلمانوں کی تعداد بعض کے نزدیک دو ہزار سات سو (۲۷۰۰) تھی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے انیس (۱۹) افراد شہید اور بہت سے زخمی ہوئے جبکہ یہودیوں کو جانی نقصان کے ساتھ بہت زیادہ مالی خسارے کا سامنا کرنا پڑا۔ اس جنگ کے بعد اسلام و مسلمین کو یہودیوں کے شر اور غدر سے امن مل گیا، اب مسلمان قریش اور اطراف میں رہنے والے قبائل وعشائر کو مرعوب کر سکتے تھے۔

فتح خیبر کے بعد وہاں کے رہنے والوں نے پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی آپ ہمارے گھروں اور باغات کے تحفظ کی ذمہ داری ہمیں بخش دیں، آپؐ نے کچھ مقررہ مال دینے کے معاہدہ پر انھیں اجازت دے دی لیکن خلیفہ دوم کے دورِ خلافت میں یہودیوں نے مسلمانوں کو اذیتیں پہنچانے کے ساتھ بے حیائی کو فروغ دینا شروع کیا تو خلیفہ دوم نے انھیں شام بدر کر دیا۔

فتح خیبر کے بعد اہل فدک جو خیبر کے پاس آباد تھے انھوں نے آپؐ کے پاس اپنا نمائندہ بھیجا اور آپ کو فدک کی آدھی درآمدات دینے پر مصالحت کی پیش کش کی جسے آپؐ نے قبول فرمایا۔

فدک

رسول اللہؐ نے خیبر پہنچ کر محیصہ بن مسعود کو اسلام کی دعوت دینے کیلئے فدک کے یہود کے پاس بھیجا لیکن اہلِ فدک نے اسلام قبول کرنے میں دیر کی پھر جب اللہ نے خیبر کی فتح دی تو ان کے دلوں میں رعب پڑ گیا اور انھوں نے رسول اللہؐ کے پاس

آدمی بھیج کر اہل خیبر کے معاملہ کے مطابق فدک کی نصف پیداوار دینے کی شرائط پر مصالحت کی پیشکش کی۔ آپؐ نے پیشکش قبول کر لی اور اس طرح فدک کی سرزمین خالص رسول اللہؐ کی ملکیت ہوئی کیونکہ مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے یعنی بزور شمشیر فاتح نہیں بنے تھے۔

نبی کریم ﷺ کا یہودِ خیبر کے ساتھ سلوک

مستشرقین اور یہودیوں کے تمام پروپیگنڈے اور نقد و اعتراض اپنی جگہ لیکن رسول کریمؐ نے جو سلوک اہل خیبر کے ساتھ اپنایا اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ پیغمبرؐ ان کے ساتھ کسی قسم کا کینہ نہیں رکھتے تھے آپؐ نے ان کے دلوں میں چھپے ہوئے ناپاک عزائم اور عہد و پیمان شکنی کی منافقانہ سیرت و کردار کو سامنے رکھتے ہوئے ان سے لاحق خطرات کو روکنے کی خاطر پیش قدمی کی تھی چنانچہ فتح کے بعد آپؐ نے مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

۱۔ فتح کے بعد کسی کا خون نہیں بہایا۔

۲۔ انکی زمینوں کو ان کیلئے باقی رکھا جس طرح چاہیں کاشت کریں لیکن اس میں مخصوص حصہ بطور خراج پیغمبرؐ کیلئے مختص تھا۔

۳۔ ان کے غنائم میں تورات کے چند صفحات بھی تھے جنھیں پیغمبرؐ نے واپس کر دیا۔

۴۔ پیغمبرؐ نے ان کے دلوں سے بغض و عداوت کو مٹانے کیلئے یہودیوں کے بزرگ حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ کو آزاد کیا جو اسیروں میں شامل تھیں۔ انھوں نے اسلام قبول کیا تو پیغمبرؐ نے انہیں اپنے عقد میں لیا۔

۵۔ زینب بنت حارث نے پیغمبرؐ کو زہریلا کباب پیش کیا کیونکہ اس کا باپ اور بھائی اس معرکے میں قتل ہو گئے تھے لیکن آپؐ نے اس کو معاف کر دیا۔

۶۔ اسی طرح مسلمانوں نے تاریخ میں پیغمبر اسلامؐ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہودیوں کے ساتھ ہمیشہ اچھے سلوک کا مظاہرہ کیا اور ان کو اپنی رسومات انجام دینے کی کھلی اجازت دی لیکن یہودیوں نے ہمیشہ اپنے زیر اثر رہنے والے مسلمانوں کو اذیتوں اور تکالیف میں محصور رکھا۔

فتح خیبر کے بعد کی فتوحات

پیغمبر اسلامؐ نے فتح خیبر سے واپس آ کر خزاں اور سردی کا موسم مدینہ میں گزارا اس دوران آپ نے مختلف جگہوں پر لشکر روانہ فرمایا

سریۂ غالبؓ بن عبداللہ اللیثی (سریہ قدید)۔ ۷ ہجری

عبداللہؓ کو ۱۳۰ پیدل افراد کی ایک جماعت کے ساتھ نجد میں اہل میفعہ کی طرف بھیجا گیا یہ مقام مدینہ سے آٹھ منزل (پڑاؤ) کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اہل مُیفعہ کی جس میں ان کے بہت سے افراد مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ مسلمانوں نے انکے مال مویشی کو غنیمت میں لیا۔ اس لڑائی میں مرداس بن نہیک کو اسامہ بن زید نے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کیا اس پر پیغمبرؐ

نے فرمایا اے اسامہ تمہیں لا الہ الا اللہ پڑھنے والے کو قتل کرنے سے کیا ملا ، اسامہ نے کہا یا رسول اللہ اُس نے قتل سے بچنے کیلئے ایسا کیا تھا رسولؐ نے فرمایا تم نے اس کے دل کو چیر کر دیکھا تھا ، آئندہ تم کسی لا الہ الا اللہ پڑھنے والے کو قتل نہ کرنا۔

سریۂ عمرؓ بن خطاب (سریۂ تربہ) ۔ ۷ ہجری

۳۰ افراد پر مشتمل گروہ کو عمرؓ بن خطاب کی سرپرستی میں قبیلہ بنی ہوازن کی طرف بھیجا گیا جو مکہ کے قریب آباد تھے جب انھیں مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملی تو وہاں سے فرار ہو گئے جس پر صحابہ کا یہ گروہ واپس مدینہ آیا۔

سریۂ بشیرؓ بن سعد انصاری ۔ ۷ ہجری

یہ تیس آدمیوں پر مشتمل دستہ بشیرؓ کی قیادت میں بنی مرۃ کی طرف روانہ ہوا وہاں انکی ملاقات گلہ گوسفند چرانے والوں سے ہوئی تو بشیرؓ نے کچھ حیوانات اور گلہ گوسفند پر قبضہ کر لیا جب واپس آنا چاہا تو بنی مرۃ نے رات کے وقت ان پر حملہ کیا بشیرؓ کے اصحاب کے پاس تیر ختم ہو گئے جس کے نتیجے میں مسلمان شہید ہو گئے اور بشیرؓ کو زخمی حالت میں واپس مدینہ لایا گیا۔

سریۂ ابی بکرؓ (سریۂ فزارہ) ۔ ۷ ہجری

ایک گروہ نجد میں قبیلہ بنی کلاب کی طرف ابوبکرؓ کی سرکردگی میں بھیجا گیا۔ مسلمانوں نے ان کے بعض افراد کو قتل اور بعض کو اسیر کر لیا۔

سریہ یمن و جبار ۔ ۷ ہجری

اس سریہ میں بشیرؓ بن سعد کو دوبارہ غطفان کے قبائل کی طرف تین سو افراد کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا کیونکہ انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کی دھمکی دی تھی جب ان تک بشیر کی آمد کی خبر پہنچی تو فرار ہو گئے مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ملا۔

غزوۂ وادی القریٰ ۔ ۷ ہجری

پیغمبرؐ نے جب فتح خیبر کے بعد مدینہ کی طرف رخ کیا تو مغرب سے پہلے وادی قریٰ پہنچے اور انکا محاصرہ کیا یہاں بھی یہود کی ایک جماعت تھی۔ آپ نے یہاں چار دن قیام فرمایا اور اپنے اصحاب کو ان سے لڑنے پر آمادہ کیا۔ ان کے گیارہ آدمیوں کو قتل کیا اور ان کے اموال کو غنیمت میں لیا۔ یہاں مسلمانوں کو کافی مال غنیمت حاصل ہوا جسے پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیا اور زمین و باغات کو یہودیوں کیلئے باقی چھوڑا اور آپؐ نے عمرو ابن سعید ابن عاص کو وادی قریٰ کا والی بنایا۔

اهل تَیْماء

تیماء، مدینہ سے شام کی طرف جاتے ہوئے ساتویں منزل پر واقع جگہ کا نام تھا۔ یہاں کے رہنے والوں کو جب خیبر فدک اور وادی القریٰ کے باشندوں کے سپر انداز ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی طرف سے صلح کی پیش کش کی اور جزیہ دینے کا کہا جسے پیغمبرؐ نے قبول کیا اور یزید ابن ابی سفیان کو والی بنایا۔

عمرۃ القضاء

حیات محمدؐ مؤلف کے محمد رضا لکھتے ہیں اس عمرے کو عمرۃ قضا کا یہ مطلب نہیں کہ آپؐ کا عمرہ حدیبیہ کے موقع پر نامکمل رہا اور آپ اُس کی قضا کر رہے ہوں بلکہ وہ عمرہ اپنی جگہ صحیح تھا اور یہ اپنی جگہ ایک مستقل عمرہ تھا اسے ظاہری طور پر قضاء کہتے ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ نے مشرکین سے معاہدہ کیا تھا کہ آئندہ سال عمرہ کیلئے تشریف لائینگے اور قریش اس میں مزاحم نہیں ہونگے اور تین دن کیلئے سرزمین مکہ کے مقامات حج و عمرہ کو آپؐ کیلئے خالی کرینگے، چنانچہ دوسرے سال آپؐ نے عمرہ کیلئے اپنے ان اصحاب کو مکہ لے جانے کا فیصلہ کیا جو حدیبیہ میں آپؐ کے ساتھ تھے بعض نے کہا ہے کہ قضاء کا معنی مصالحہ یعنی طے پانا ہے اسی لحاظ سے اسے عمرۃ قضاء کہتے ہیں۔

اہل حدیبیہ کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی عمرہ کرنے کیلئے آپکے ہمراہ نکلے تو کل تعداد دو ہزار ہوگئی، عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے۔ اس موقع پر آپؐ نے مدینہ میں ابو رہم غفاریؓ کو جانشین مقرر کیا (بعض کے مطابق عویفؓ بن اضبط دیلی تھے) پیغمبرؐ نے ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور لبیک کی صدا لگائی۔ آپ نے اپنے ساتھ ساٹھ اونٹ لئے جن کی نگہداری محمدؓ بن مسلمہ کے پاس تھی بعض کے مطابق دیکھ بھال کی ذمہ داری ناجیہؓ بن جندب اسلمی کو سونپی، آپؐ نے اسباب جنگ زرہ، خود، تیر، نیزے تلوار وغیرہ بھی اپنے ساتھ لئے کیونکہ قریش سے غدر، خیانت اور عہد شکنی کا اندیشہ تھا۔ جب وادی یاجج پہنچے تو سارے ہتھیار اوس بن خولیؓ انصاری کے سپرد کئے اور ان کی نگہداری کیلئے دو سو مسلح افراد معین کئے۔ پیغمبرؐ قصواء نامی اونٹنی پر سوار تھے اور اصحاب آپؐ کے گرد حلقہ بگوش تھے، عبداللہ بن رواحہ اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے۔

مشرکین مکہ سے نکل کر جبل قعیقعان اور ابوقبیس پر جو مکہ کے شمال میں واقع ہیں جا بیٹھے تا کہ مسلمانوں کا تماشہ دیکھیں، آپس میں کہنے لگے یثرب کے بخار نے انہیں کمزور کر دیا ہے۔ رسول اللہؐ مکے میں اس پہاڑی گھاٹی کے راستے سے داخل ہوئے جو حجون سے نکلتا ہے وہاں سے مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا پہلے تین چکر دوڑتے ہوئے مکمل کریں البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان چلتے ہوئے گزریں اسی طرح فرمایا اپنا دایاں کندھا کھلا رکھیں لیکن پورے چکر دوڑتے ہوئے مکمل کرنے کا حکم نہیں فرمایا تا کہ اہل مکہ آپکی طاقت و قدرت کا مشاہدہ کر سکیں۔

جب طواف سے فارغ ہوئے تو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی، مروہ میں ہدیٰ (قربانی کے جانور) موجود تھے سعی سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا یہ قربان گاہ ہے اور مکے کی ساری گلیاں قربان گاہ ہیں پھر ایک گروہ کو ہتھیاروں کی حفاظت کیلئے بھیجا تا کہ جو لوگ حفاظت پر مامور تھے وہ آ کر عمرہ کریں۔ پیغمبر اسلامؐ نے مکہ میں تین دن قیام کیا۔

جب تین دن کا وقت ختم ہو گیا تو قریش نے حویطب بن عبدالعزیٰ کی سرکردگی میں ایک وفد پیغمبرؐ کی خدمت میں بھیجا اور آگاہ کیا کہ آپ کی مدت ختم ہو گئی ہے لہٰذا مکہ سے نکل جائیں پیغمبرؐ نے فرمایا مجھے ایک دن کی اجازت دو تا کہ میں تمہارے لئے کھانے کا بندوبست کروں قریش نے کہا کہ ہمیں آپ کے کھانے کی ضرورت نہیں بس آپ چلے جائیں۔ اس عمرہ کے بارے

میں سورہ فتح کی آیت ۲۷ نازل ہوئی ہے۔

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ "یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خواب سچا کر دکھایا کہ ان شاءاللہ تم یقیناً پورے امن وامان کے ساتھ مسجدالحرام میں داخل ہوگے سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے نڈر ہو کر وہ ان امور کو جانتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے پس اس نے اس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح تمہیں میسر کی۔"

اسی سفر میں واپسی پر پیغمبرؐ نے میمونہؓ بنت حارث عامریہ سے عقد کیا پیغمبرؐ نے اس مقصد کیلئے اپنی طرف سے جعفرؓ بن ابی طالب کو بھیجا میمونہؓ نے اپنا اختیار اپنے بہنوئی عباسؓ کو دیا کیونکہ انکی بہن ام الفضل ان کی بیوی تھیں میمونہؓ کا نبی کریمؐ کے ساتھ عقد کردیا گیا پھر مکہ سے نکلتے وقت آپؐ نے ابارافعؓ کو پیچھے چھوڑا تا کہ وہ میمونہؓ کو سوار کر کے آپ کی خدمت میں لے آئیں۔

چند اور سرایا

پیغمبر اسلامؐ نے عمرۃ قضاء سے واپس مدینہ پہنچنے کے بعد مندرجہ ذیل مہموں پر صحابہ روانہ کئے:

سریہ ابی العوجاءؓ ۔۷ ہجری

ابی العوجاء کی قیادت میں ۵۰ افراد کو بنی سلیم کی طرف بھیجا گیا تا کہ انہیں اسلام کی طرف دعوت دی جائے اس پر انھوں نے کہا ہمیں آپ کی دعوت کی احتیاج نہیں جس کی وجہ سے آپس میں جنگ ہوئی ابی العوجاء زخمی ہوگئے اس سریہ میں دشمن کے دو آدمی اسیر ہوئے۔

سریہ غالبؓ بن عبداللہ ۔۸ ہجری

دوسو آدمیوں کے ہمراہ فدک کے اطراف میں بشیرؓ بن سعد کے رفقاء کی شہادت گاہ میں بھیجا گیا ان لوگوں نے دشمن کے جانوروں پر قبضہ کیا اور ان کے متعدد افراد کو قتل کیا۔

سریہ ذات اطلاح ۔۸ ہجری

بنوقضاعہ کی طرف بھیجا گیا کیونکہ بنوقضاعہ نے مسلمانوں کو ختم کرنے کیلئے ایک بڑی جمعیت فراہم کررکھی تھی اس سریہ میں پندرہ آدمیوں کے سربراہ کعبؓ بن عمیر انصاری تھے ایک صحابی کے سوا باقی سب شہید ہوگئے۔

سریہ ذات عرق ۔۸ ہجری

بنی ہوازن کی طرف ۲۵ افراد کو شجاع بن وہب کی کمان میں بھیجا گیا کیونکہ ذات عرق والوں نے جنہوں نے مسلمانوں کے دشمن کی چند مواقع پر مدد کی تھی جنگ کی نوبت نہ آئی لیکن یہ لوگ دشمن کے جانور ہانک کر لے آئے۔

سریہ موتہ۔۸ہجری

موتہ،میم پر پیش اور واؤ،ہمزہ ساکن،تا عاورۃ۔ایک گاؤں کا نام ہے جو شہر بلقا کی حدود میں واقع ہے۔یہاں کے رہنے والے تلوار ساز تھے سیوفِ مشرفیہ یعنی تلوار شرفی اسی جگہ سے منسوب ہے۔بلقاء(اردن)شام اور وادی قریٰ کے درمیان واقع ہے اس کا دارالخلافہ عمان ہے یہ ایک زرخیز علاقہ ہے گذشتہ زمانے میں اردن،فلسطین،بلقعہ سب کو ملا کے شام کہتے تھے۔یہ سب جزیرۃالعرب کے شمالی حصے میں آتے ہیں یہ علاقے سلطنت روم کے زیر تسلط تھے جس وقت پیغمبر اسلامؐ نے دنیا کے بادشاہان اور شرقِ اوسط میں واقع امراء اور سربراہان کو اسلام کی طرف دعوت دی تو ان میں قسطنطنیہ کا بادشاہ ھرقل بھی شامل تھا یہ لشکرِ فارس پر غلبہ کے شکرانے میں پیدل قدس کی زیارت کیلئے آیا ہوا تھا۔اس نے اپنے جانشینوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ اسلام ایک اچھا دین ہے اس نے دل سے اسلام قبول کرلیا تھا لیکن اسے چھپا رہا تھا۔حارث بن ابی شمر غسانسہ کا بادشاہ تھا یہ شام کے ایک علاقہ جولان میں قیام پذیر تھا لیکن حکومت روم کے نام سے بصری اور جولان پر بادشاہت کرتا تھا۔کہتے ہیں اس کے پاس ایک لاکھ جنگجو تھے اور یہ خود ایک طاقت ور وقدرت مند عرب جنگجو تھا علاوہ ازایں یہ امپراطور رومی بادشاہ سے وابستہ تھا امپراطور رومی سلطنت سے وابستہ ہونے کی وجہ سے یہ فنونِ کثیرہ کا حامل تھا اور عسکری تنظیم بھی جانتا تھا یہ بارہا امپراطور فارس سے بھی نبرد آزما ہوتا رہتا تھا۔پیغمبر اسلامؐ نے اس کے پاس اپنے اصحاب میں سے حارثؓ بن عمیر ازدی کو نمائندہ بنا کر بھیجا جب وہ شام کی سرحد قریہ موتہ کے نزدیک پہنچے تو شرجبیل بن عمرو غسانی نے انہیں پکڑ لیا جو کہ حارث بن ابی شمر غسانی کی طرف سے امیر تھا اور پوچھا تم کہاں جارہے ہو انھوں نے جواب میں کہا میں شام کی طرف جارہا ہوں اس نے کہا شاید تم محمدؐ کی طرف سے آئے ہو نمائندہ نے کہا ہاں شرجبیل نے انھیں کو پابند سلاسل کرکے قتل کردیا۔پیغمبرؐ کے نمائندوں میں یہ پہلے صحابی تھے جو قتل ہوئے۔بعض مقاتل کے تحت چودہ افراد پر مشتمل گروہ شام میں دین اسلام کی تبلیغ کیلئے جارہا تھا ان سب کو بھی قتل کردیا گیا۔

ان واقعات سے پیغمبرؐ نے محسوس کیا اگر خاموش رہیں گے تو ملک غسانہ شرح بیل اور بادشاہ روم مل کر مدینہ پر حملہ کرسکتے ہیں لہٰذا ضرورت محسوس کی کہ ایک بڑے لشکر کو شام کی طرف روانہ کیا جائے تاکہ فتح وکامیابی کے غرور میں مستغرق بادشاہ کو متنبہ کیا جاسکے ایسا نہ ہو کسی وقت وہ مدینہ پر قبضہ کا خواب دیکھنے لگے اس سلسلے میں پیغمبرؐ نے اپنے تجربہ کار جنگجوؤں میں سے تین ہزار کا انتخاب کیا اور ان سے فرمایا آپ لوگ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر جرف نامی جگہ جو مکہ کے قریب ہے وہاں انتظار کریں پیغمبرؐ نے انہیں یہ نہیں بتایا یہ لشکر کہاں جائے گا۔جب یہ لوگ جرف میں جمع ہوئے تو پیغمبرؐ نے اپنا حکم صادر فرمایا اور لشکر کیلئے یکے بعد دیگرے تین قائدین کی قیادت کا اعلان کیا سب سے پہلے جعفرؓ بن ابی طالب اگر وہ شہید ہوجائیں تو زیدؓ بن حارثؓ اگر وہ شہید ہوجائیں تو عبداللہؓ رواحہ اور اگر یہ تینوں شہید ہوجائیں تو باقی لشکر کے صلاح مشورے سے کسی کو قائد انتخاب کریں۔

تین ہزار مجاہدین اسلام کا دو لاکھ لشکرِ رومانی کے ساتھ مقابلہ

دوسری جانب روم کیلئے جاسوسی کرنے والوں نے انہیں خبر دی لشکر محمدؐ تمہاری طرف آ رہا ہے۔ شرح بیل عمر وازدی نے اپنی طرف سے معلوماتی گروہ کیلئے اپنے بھائی سدوس کو ایک لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے بھیجا مسلمانوں نے اسے پیغمبرؐ کے نمائندے کے بدلے میں قتل کر دیا۔ شام کی سرحد پر پہنچنے کے بعد جیسا کہ واقدی کا بیان ہے عرب حکمران اپنے قبائل سے ایک لاکھ کا لشکر تیار کیے ہوئے تھے اور خود امپراطوری کے بھائی تیو دوا کی طرف سے ایک لاکھ کا لشکر تیار تھا یہ تعداد وبہترین جنگی ساز و سامان کے حوالے سے مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھی۔ یہاں لشکر اسلام کے قائدین نے تمام قبائل وعشائر کے چھوٹے بڑے قائدین کو جمع کر کے ان سے معلومات حاصل کیں اور صلاح ومشورہ کیا تا کہ اس کی روشنی میں کوئی فیصلہ کر سکیں۔ یہاں ان کے درمیان اختلاف نظر ہوا ایک گروہ کا کہنا تھا کہ جنگ نہ لڑیں اور پیغمبرؐ کو صورت حال سے آگاہ کریں کیونکہ تین ہزار کے لشکر کا دو لاکھ سے مقابلہ تھا جو ایک خطرناک فیصلہ ہو سکتا تھا انہوں نے کہا ایسے موقع پر فیصلے کرنے کی ہم میں سے کسی میں صلاحیت نہیں ہے یہ فیصلہ پیغمبرؐ پر چھوڑتے ہیں۔

دوسرے گروہ کا کہنا تھا جو بھی خطرہ لاحق ہو ہمیں اس لشکر سے لڑنا ہے چاہیے چاہے ہم میدان جیت جائیں یا شہید ہو جائیں، عبداللہؓ بن رواحہ اس نقطہ نظر کے حامی تھے وہ اپنی اس منطق کیلئے یہ دلیل رکھتے تھے کہ وہ دشمن کے قریب ان کی سرحد میں ہیں وہ انھیں اتنی مہلت نہیں دیں گے کہ ہم پیغمبرؐ سے رابطہ کر کے مدد آنے تک جنگ نہ لڑیں، نہ ہی ہمیں واپس جانے دیں گے لہٰذا ہمارا دینی اور مذہبی فرض بنتا ہے ہم یا شہید ہو جائیں یا فتح پائیں جو بھی ہو دشمن سے جنگ کا اعلان کرنا ہے دو دن کی طویل بحث و گفتگو کے بعد نتیجہ رواحہؓ کے مشورہ پر فیصلہ کیا گیا کہ نہ ہم واپس جائیں گے نہ انتظار کریں گے بلکہ دشمن سے مقابلہ کرینگے اس کے بعد سربراہِ اول زیدؓ بن حارثہ نے تمام دستوں کو دشمن سے مقابلہ کا حکم دیا، رومی فوج تمام افرادی و جنگی وسائل کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئی جس کی وجہ سے جنگ بہت سخت مرحلے میں داخل ہو گئی یہ جنگ تمام جنگوں سے زیادہ پر خطر تھی، تینوں قائدین یکے بعد دیگرے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور دشمن کو ایک قسم کی کامیابی ملی لیکن جہاد فی سبیل اللہ کے نظریئے **"کامیابی وکامرانی یا راہِ خدا میں شہادت"** نے مسلمان مجاہدین کے حوصلے کو کسی حد تک زندہ رکھا اگرچہ شکست اس قلیل تعداد کے لشکر کے چہروں اور صفوں میں نمایاں طور پر نظر آ رہی تھی۔ ذکر ہوا ہے کہ یہ جنگ سات دن جاری رہی چھٹے دن تینوں قائدین شہید ہوئے۔

عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کے بعد پرچم جنگ ثابت بن اقرم البلوی نے ہاتھ میں لیا اور مسلمانوں کو خطاب کر کے کہا اے قوم اپنوں میں سے کسی کی قیادت پر اتفاق کرو لشکر نے خالدؓ بن ولید کی قیادت پر اتفاق کیا۔ خالدؓ بن ولید نے قیادت سنبھالتے ہی لشکر اسلام کو اس مشکل سے نجات حاصل کر کے نکالنے کا فیصلہ کیا لیکن یہ عمل کیسے انجام پایا کیونکہ اگر لشکر کی واپسی کا علم دشمن کو ہو جاتا تو وہ اس لشکر کو ختم کر دیتے۔

ماہرین جنگ اور عسکری تربیت یافتہ لوگوں کا کہنا ہے شکست خوردہ جنگ سے سلامتی کیساتھ زیادہ جانی و مالی قربانی دیئے

بغیر نکلنا بھی مہارت کا متقاضی ہے یہ لشکر کئی حوالے سے طاقتور دشمن سے لڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔

۱۔لشکرِ اسلام کا لشکرِ کفر کیساتھ کسی قسم کا تناسب نہیں تھا۔

۲۔اس لشکر کے تین قائدین یکے بعد دیگرے شہید ہو چکے تھے۔

۳۔اگلی قیادت کی منظوری مرکزی قیادت کی طرف سے نہیں تھی۔

۴۔معرکہ جنگ دشمن کے قلب میں واقع تھا لہٰذا یہاں سے نکلنا آسان نہیں تھا، بہر حال کوئی شخص عقلی یا شرعی زاویئے سے شاید یہ کہہ سکتا کہ انکا واپس جانا ایک غیر معقول اور غیر شرعی عمل تھا بہر حال لشکر کی اپنی صوابدید پر انتخاب کردہ قائد کی تشخیص نے یہ مناسب سمجھا کہ اس لشکر کو اس وحشت و دہشت اور خوف زدہ ماحول سے نکالا جائے لیکن یہ سب کیسے ہوگا چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا پہلے مرحلے میں لشکر کو نئے سرے سے منظم کر کے اسے دستوں میں تقسیم کیا جائے۔ تنظیم کرنے کے بعد انہوں نے نعرے بلند کئے اور خوشی کا اظہار کیا تا کہ دشمن کو یہ اندازہ ہو جائے کہ انکی معاونت کیلئے نیا لشکر آیا ہے انہوں نے حکمت عملی طے کی کہ لشکر کے پچھلے دستے وسیع پیمانے پر لمبی قطار کیساتھ دائرہ بنائیں اور رات کی تاریکی میں یہاں سے نکل جائیں تا کہ دشمن کو انکی واپسی کا علم ہی نہ ہو اس طریقے سے لشکر اسلام کو میدانِ جنگ سے نکالنے کی صورت میں جو خسارہ و نقصان اور خطرہ لاحق ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہوا۔ جب لشکر واپس مدینہ کے نزدیک پہنچا تو یہاں موجود مسلمانوں نے ان کے حق میں نازیبا و جسارت آمیز کلمات استعمال کئے اور کہا تم میدانِ جنگ سے فرار کرنے والے ہو، لشکر اسلام کے چہروں پر مٹی پھینکی پیغمبرؐ نے فرمایا یہ فرار ہونے والے نہیں بلکہ استقامت دکھانے والے ہیں، اس جنگ میں مسلمانوں کے تیرہ آدمی شہید ہوئے ہیں لیکن دشمن کے قتل ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی یہ تعداد گر چہ واضح نہیں لیکن مسلمانوں کا پیچھا نہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے انھیں کافی نقصان پہنچا۔

جنگ موتہ کے شہداء

زیدؓ بن حارثہ	جعفرؓ بن ابی طالب	عبداللہؓ بن رواحہ
حارثؓ بن نعمان	سراقہؓ بن عمرو	وہبؓ بن سعد
ابوکلیبؓ	جابرؓ بن عمرو	مسعودؓ بن اسود
عمروؓ بن سعد	عامرؓ بن سعد	عبادؓ بن قیس

موتہ کی شہید قیادت

۱۔زیدؓ بن حارثہ بن شراحیل کلبی

خالد محمد خالد، زید کی حیات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ زید کے والد حارثہ اپنی بیوی سودا کو بیٹے کے ساتھ اپنے سسرال بنی معن کی طرف روانہ کرنے کیلئے قافلہ تک آیا اور انہیں قافلے میں شامل کرنے کے بعد وداع کر کے اپنے گھر واپس چلا گیا۔سودا اپنے والدین اور قوم و قبیلے کے ساتھ خوشحال زندگی گزار رہی تھیں کہ ایک دن اچانک ان کے دشمنوں نے ان کے قبیلہ بنی معن پر حملہ کر کے عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا جن میں یہ ماں بیٹا بھی شامل تھے انہیں بازار عکاظ میں فروخت کر دیا گیا۔اس وقت زیدؓ پر کیا گزری ہوگی بیان کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ ہم قصہ گوئی کی بجائے حقیقت کی طرف زیادہ توجہ رکھنا چاہتے ہیں۔جب یہ خبر حارثہ کو ملی تو وہ ان کی تلاش میں دشت و بیابانوں میں پھرنے لگا۔

یہ بچہ بازار عکاظ میں حکیم بن حزام جو خدیجہؓ بنت خویلد کے برادرزادے تھے کے ہاتھ آیا۔انہوں نے زیدؓ کو خدیجہ کیلئے بطور تحفہ پیش کیا۔اس وقت خدیجہؓ پیغمبر اسلامؐ کے عقد میں تھیں، خدیجہؓ نے زیدؓ کو اپنے شوہر محمدؐ کو بخش دیا، تو آپؐ انہیں آزاد کرنے کے بعد اپنی شفقت و محبت سے نوازنے لگے۔

قبیلہ حارثہ سے کچھ افراد حج کرنے کیلئے آئے انہیں جب زیدؓ کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ ان سے ملے اور انہیں ان کے والدین کی پریشانیوں سے آگاہ کیا زیدؓ نے انہیں محبت بھرا اسلام بھیجا اور رجاج سے کہا ان کے والدین سے کہہ دیں کہ میں یہاں پر ایک مشفق و مہربان والد کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوں۔جونہی حارثہ کو زیدؓ کے بارے میں خبر ملی تو وہ اپنے بھائی کے ساتھ مکہ روانہ ہوا اور مکہ پہنچنے کے بعد پیغمبرؐ کو تلاش کرنے لگا پیغمبرؐ کو دیکھتے ہی کہا اے فرزند عبدالمطلب، اپنے قوم کے سردار و آقا کے فرزند! آپ اس گھر (کعبہ) کے اہل ہیں لوگوں کی مشکلات کو حل کرتے ہیں، پریشانیوں کو دور کرتے ہیں، اسیروں کو کھلاتے ہیں میں اپنے بیٹے کی آزادی کے سلسلے میں آیا ہوں اس کو آزاد کر کے ہمارے ساتھ احسان کریں اور منت رکھیں، پیغمبرؐ نے ان کو جواب دیا زیدؓ کو بلاؤ میں اسے یہ اختیار دیتا ہوں اگر اس نے آپ کو انتخاب کیا تو میں اسے بغیر فدیہ کے آپ کے حوالے کر دوں گا اور اگر اس نے مجھے انتخاب کیا تو میں وہ انسان نہیں ہوں جس نے مجھے انتخاب کیا ہے اس کے بدلے میں، میں فدیہ کو انتخاب کروں۔یہ بات جب حارثہؓ نے سنی تو اسکا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا اس نے کہا آپ نے ہمارے ساتھ انصاف کیا بلکہ انصاف سے زیادہ احسان کیا ہے۔پیغمبرؐ نے زیدؓ کو بلا کر پوچھا ان کو جانتے ہو تو زیدؓ نے کہا ہاں یہ میرے والد اور یہ میرے چچا ہیں پیغمبرؐ نے ان سے فرمایا میں تمہیں اختیار دیتا ہوں اگر تم اپنے باپ کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو ان کے ساتھ جا سکتے ہو اور اگر میرے پاس رہنا چاہتے ہو تو یہاں رہو انہوں نے کہا میں آپ پر کسی اور کو انتخاب نہیں کروں گا آپ ہی میرے باپ اور چچا ہیں جونہی پیغمبرؐ نے زیدؓ کی زبان سے یہ بات سنی تو پیغمبرؐ کی آنکھیں محبت کے آنسوؤں سے تر ہو گئیں آپؐ زیدؓ کا ہاتھ پکڑ کر کعبہ کے پاس لے گئے اور وہاں موجود قریش سے خطاب کر کے فرمایا تم سب گواہ رہو یہ زید آج سے میرا بیٹا ہے یہ مجھ

سے ارث لے گا اور میں اس سے ارث لونگا، حارثہ خوشی کے مارے سمانہیں رہا تھا کہ میرا بیٹا صرف آزاد نہ ہوا بلکہ خاندانِ قریش اور بنی ہاشم میں لائق تعظیم واحترام اور ان کے نزدیک صادق وامین کا فرزند قرار پایا ہے۔ حارثہ اپنے بھائی کے ساتھ انتہائی خوشی اور اپنے بیٹے کے حوالے سے مطمئن ہوکر اپنے قوم کی طرف واپس چلا گیا۔ اس دن کے بعد زید بن محمدؐ مشہور ہوئے، جب پیغمبرؐ پر وحی نازل ہوئی اور دوسروں کو دعوت دینے کا حکم آیا تو سب سے پہلے پیغمبرؐ کی نبوت ورسالت کو تسلیم کرنے والوں میں زیدؓ بھی شامل تھے۔ پیغمبرؐ اُن سے حد سے زیادہ محبت کرتے تھے کیونکہ یہ اس کیلئے لائق وسزاوار تھے پیغمبرؐ نے زیدؓ کو اپنے فرزندی میں لینے کا عملی ثبوت اس بات سے دیا کہ خاندانِ بنی ہاشم کی طیبہ وطاہرہ اور حسین وجمیل لڑکی آپ کی پھوپھی زاد بہن زینبؓ بنت جحش کے ساتھ آپ کی منگنی کی۔ زینبؓ کیلئے بھی پیغمبرؐ کی شفاعت کے طمع میں حیا مانع ہوئی کہ اس منگنی کو مسترد کریں تاہم زینبؓ اور ان کے بھائی عبد اللہؓ راضی نہ ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ ”اور کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کردیں تو انھیں اپنے معاملے کا اختیار حاصل رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہوگیا“ (احزاب ۳۶)

پیغمبرؐ نے بنی ہاشم اور قریش کے خاندان کی اس بیٹی کو بازار عکاظ سے خریدے گئے غلام کے عقد میں دیا اور ہمیشہ کیلئے خاندانی افتخار واعزاز کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا تا کہ رہتی دنیا تک مسلمانوں جان لیں کہ پیغمبرؐ نے کس طرح سے جاہلیت کی ان فرسودہ خرافاتی تصورات کو ہر قیمت پر مٹا دیا اور محمدؐ پر ایمان لانے والوں نے اسے خدا اور اسکے رسول کی خاطر کس طرح برداشت کیا۔ اس کے صلے میں خداوند متعال نے وحی قرآنی اور آیت قرآنی کے ذریعے آخر میں زینبؓ کا عقد محمدؐ کے ساتھ کیا۔ سینکڑوں برجستہ اصحاب میں صرف زیدؓ کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا﴾ ”جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی تو ہم نے اس خاتون کا نکاح آپ سے کردیا“ (احزاب ۳۷)

پیغمبرؐ نے جس وقت مہاجرین وانصار کے درمیان اخوت وبرادری قائم کی تو زیدؓ بن حارثہ کو حضرت حمزہؓ سید الشہداء کا بھائی بنایا، زیدؓ ہمیشہ پیغمبرؐ کے ہم رکاب رہے، آٹھویں ہجری کو جیشِ اسلام کی قیادت ورہبری کرتے ہوئے سرزمینِ شام میں شہید ہوئے، یوں زیدؓ پہلے غلام محمدؐ بعد میں فرزند محمدؐ اس کے بعد صحابی رسولؐ اور آخر میں شہید اسلام ہیں۔

۲۔ جعفرؓ ابن ابی طالب

آپ کی ماں فاطمہ بنت اسد تھیں آپ علیؑ سے دس سال بڑے تھے۔ جعفرؓ پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ اپنی بیوی اسماءؓ بنت عمیس کے ساتھ ہجرت کر کے حبش گئے اور وہاں مہاجرین کی نمائندگی کی۔ جعفرؓ نے بادشاہ حبش کے سامنے دین اسلام کا

تعارف پیش کیا اور پیغمبرؐ کی تعلیمات سے آگاہ کیا، آپ نے وہاں سورۂ مریم کی تلاوت کی۔

آپؓ ساتویں ہجری کو فتح خیبر کے موقع پر حبش سے واپس مدینہ آئے آپ کی واپسی پر پیغمبرؐ کو بہت خوشی ہوئی پیغمبرؐ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ میں کس بات پر خوش ہوں فتح خیبر پر یا جعفرؓ کی آمد پر۔

۳۔عبداللہؓ بن رواحہ بن ثعلبہ امری القیس

آپ عقبۂ اولیٰ میں حاضر ہونے والے ۷۰ انصار اور پیغمبرؐ کے معین کردہ نقیبوں میں سے ایک تھے۔بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر، عمرۃ القضاء کی جنگوں میں شریک ہوئے۔بدر کے موقع پر مدینہ میں پیغمبرؐ کے جانشین بنے پیغمبرؐ نے آپ کو تیس آدمیوں کے ساتھ اُسیر بن رزام یہودی کی طرف بھیجا عبداللہ، اُسیر کو قتل کر کے واپس آ گئے۔آپ کو خیبر میں معلومات حاصل کرنے کیلئے بھی بھیجا گیا۔آپ غزوۂ موتہ میں تیسرے قائد منتخب ہوئے اور مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

خالدؓ بن ولید

سیرت نبی کریمؐ کا ایک سے زائد حصہ آپ کے غزوات پر مشتمل ہے پہلے صرف اسی حصے کو سیرت کہا جاتا تھا۔ان غزوات میں خالدؓ بن ولید کی حیثیت باقی پرچم داروں اور رقائدین سے مختلف ہے کیونکہ کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا جس نے پہلے پیغمبرؐ کے خلاف جنگ لڑی ہو اور پھر آپؐ کی طرف سے لشکر کا قائد بھی بنا ہو۔یہ سیاہ نقطہ خالدؓ کی تاریخ میں ملتا ہے۔یہ جنگ احد میں مسلمانوں کے پہاڑی درہ چھوڑنے کے بعد ان کی پشت سے حملہ آور ہوئے اسی طرح حدیبیہ کے موقع پر پیغمبرؐ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے اور آپؐ کو شہید کرنے کا محکم ارادہ رکھتے تھے۔

ان کا پورا نام خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر ابن مخزوم القریشی المخزومی تھا ان کی ماں لبابہ بنت حارث بن حزن ہلالی تھیں جو کہ زوجہ رسول میمونہؓ کی بہن تھیں ان کی خالہ لبابہ کبریٰ عباسؓ بن عبدالمطلب کی بیوی تھیں۔

خالدؓ بن ولید کا دورِ جاہلیت میں قریش کے اشراف و بزرگان میں شمار ہوتا تھا۔یہ جنگجو، جنگ باز، شہسوار اور صاحب قبا عنہ خلیل تھے یعنی اسلحۂ جنگ رکھنے کے خیمے اور مقدمۃ الجیش کے سربراہ ہوتے تھے۔خالد کا بیان ہے۔

"جتنی مرتبہ بھی دورِ جاہلیت میں، میں پیغمبرؐ کے مقابلے کیلئے نکلا ہر دفعہ غلبہ آپؐ کو حاصل ہوتا جس کی وجہ سے آپؐ کی ہیبت میرے دل میں بیٹھ گئی۔"

عمرۂ قضاء کے موقع پر جب مجھے پیغمبرؐ کی آمد کی خبر ملی تو میں چھپ گیا، میرا بھائی ولید جو مسلمان ہو کر پیغمبرؐ کے لشکر میں شامل تھا اس نے مجھے خط لکھا خالد کہاں گئے ہو تمہاری عقل کیوں کھو گئی ہے تم اسلام سے کیوں فرار ہو رہے ہو تم اپنے غلطیوں کا ازالہ کرو اور اسلام میں داخل ہو جاؤ۔اس خط نے میرے دل میں اسلام کے بارے میں رغبت پیدا کی۔خالدؓ بن ولید اور عمر بن عاص عمرۃ القضاء کے بعد پشیمان ہو کر تنہائی میں مکے سے نکل کر مدینہ آئے اور پیغمبرؐ کی خدمت میں اسلام قبول کیا۔

اس کے بعد انہوں نے چند یں بار جنگوں میں قیادت کی۔انہوں نے جنگ موتہ میں ایک عام آدمی کی حیثیت سے شرکت

کی لیکن ایک بڑا کارنامہ انجام دیا موتہ میں شکست خوردہ ومصیبت زدہ اور تین قائدین سے محروم وسوگوار مسلمانوں کو طاقتور و فاتح لشکر روم سے نجات دلا کر سالم واپس لانا جنگی قیادت اور صلاحیت واہلیت کی نشانی ہے۔ جو افراد ان کی واپسی کی مذمت کرتے ہیں ان کے اس عمل کو بزنطیوں کی عقدہ حقارت وانتقام سمجھا جائے گا۔

نبی کریمؐ نے فتح مکہ کے موقع پر تیس (۳۰) افراد کو خالد کی قیادت میں بت عزیٰ کو گرانے کیلئے شجرہ عزیٰ کی طرف بھیجا۔ خالدؓ وہاں موجود بتوں اور بت خانوں کو گرا کر واپس آئے۔ ۹ ھ کو خالدؓ بن ولید کو دومۃ الجندل میں جو کہ مدینہ سے پندرہ منزل دور واقع ہے اکیدر بن عبدالملک سے لڑنے کیلئے ۴۲۰ گھوڑ سواروں کی قیادت میں بھیجا گیا اکیدر بن عبدالملک نصرانی ہرقل روم کے تابع تھا۔ صاحب کتاب حیات محمدؐ لکھتے ہیں رسول اللہؐ نے بنی حارث بن کعب بنی نجران کی طرف خالدؓ بن ولید کو دعوت اسلام کیلئے بھیجا۔ بنی حارث بن کعب عیسائی تھے انھوں نے خالدؓ کی دعوت پر اسلام قبول کرلیا۔ اسی طرح خالدؓ بن ولید کو فتح مکہ کے موقع پر بنی جذیمہ بن کنانہ کی طرف ۳۵۰ مہاجرین وانصار کے ساتھ بتوں کو گرانے کی غرض سے بھیجا گیا۔ مسلمان فرقوں کی بدقسمتی وبدنصیبی یہ ہے کہ انہوں نے پیغمبرؐ کی وفات کے بعد شخصیتوں کو تقسیم کیا ہے۔ ایک گروہ نے اسلامی مزاج کے خلاف فضائل کے ذریعے چند یں افراد کی تاج پوشی کی ہے اور اپنے مخالفین کی شرافت وخدمات اور پگڑی کو اچھالا ہے۔ ایک گروہ نے خالدؓ بن ولید کو سیف اللہ کا لقب دیا تو دوسرے کو انکا نام سنتے ہی کڑواہٹ محسوس ہوتی ہے لیکن جانبدار رہنے والوں کو انکی خدمات سے چشم پوشی کرنا پڑتی ہے پیغمبرؐ کی وفات کے بعد ابو بکرؓ نے انہیں یمامہ میں مرتدین کی سرکوبی اور شام کی سرحد پر دشمن سے لڑنے کیلئے بھیجا لیکن عمرؓ نے خلافت سنبھالنے کے بعد پہلی فرصت میں خالدؓ بن ولید کو اس عہدے سے معزول کیا اور انکی جگہ عبیدؓ بن الجراح کو نامزد کیا۔ اسکے بعد خالدؓ حمص میں رہے اور چالیس سے پینتالیس سال کی عمر میں سنہ ۲۱ ہجری کو وہیں وفات پائی۔

کعبہ کی چھت پر اذان کی تمہید

نبی کریمؐ کو مکہ سے بزورِ طاقت وقدرت نکالا گیا تھا آج کل کی اصطلاح کے مطابق نکالنے کے بعد آپ کو اشتہاری مجرم قرار دیا گیا اور آپ کے قتل، زندہ ہونے کی خبر دینے والے کیلئے سو اونٹوں کا جائزہ رکھا گیا اس وقت قریش اپنے ان مقاصد میں ناکام ہوئے لیکن پیغمبرؐ اپنے مجبر خانہ میں مسلسل اور یکے بعد دیگران کی ستم ظریفی کا نشانہ بنتے رہے۔ لیکن غزوات نبی کریمؐ اور تاریخ بشریت کی گذشتہ وآئندہ جنگوں میں فتح مکہ کے طریقہ سلوک اور اختتام وانجام کا چیدہ خلاصہ پیش کرنا چاہیں تو ان عبارات میں پیش کر سکتے ہیں کہ بشریت کی خیر وسعادت، اصول واہداف اور سلوک وانجام کیلئے بہترین اصولِ جنگی، اعلیٰ وارفع ترین مظاہرہ وتجلی فتحِ مکہ ہے۔

مکہ خانہ خدا، ام القریٰ، بلد الحرام مجبر خانہ خدا اور بے پناہوں کی پناہ گاہ ہے اس سرزمین کی عظمت وبزرگی کے باوجود صرف ایک بار قرآن میں اس کا نام ذکر ہوا ہے۔

﴿بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ ''خاص مکہ میں۔'' (فتح ۲۴)

صاحب مقالیس اللغہ لکھتے ہیں مکہ م،ک اور حرف معتل کا مرکب ہے اس کے تین معانی ہیں۔

الف۔ ایک قسم کی آواز کو کہتے ہیں۔

ب۔ کسی چیز میں خشونت وسختی کو کہتے ہیں۔

ج۔ ایک قسم کے شہد کو کہتے ہیں۔

راغب اصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں مکہ مادہ مکک سے بنا ہے۔

۱۔ ہڈی کا سارا گودا چوس لینا جبکہ مغز کی صورت میں ہڈی کے درمیان میں ہوتا ہے چونکہ یہ سرزمین دنیا کے وسط میں ہے لہٰذا یہ دنیا کا مغز ہے۔

۲۔ اونٹنی کے بچہ کا تھن کو خوب چوسنا یہ شہر اپنے زائدین کے گناہ چوس لیتا ہے۔ اگر حاجی اخلاص کے ساتھ حج کو انجام دے کر فارغ ہو جاتا ہے تو وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

۳۔ دھکیلنا، دفع کرنا بعض کے مطابق ہر اس کرنا جو بھی اس شہر پر حملہ کرتا ہے یہ اسے دفع وختم کرتا ہے جیسا کہ تبع حمیری اور ابرھہ کو دفع و دور کیا۔

اس غزوہ میں نبی کریمؐ ان عوامل واسباب کو بروئے کار لائے جو ایک جنگجو کی جنگی کامیابی کیلئے ضروری ہوتے ہیں مثلاً دشمن کو غفلت میں رکھ کر اچانک اس پر ہجوم کرنا، اپنی طاقت وقدرت نمائی کے ذریعے دشمن کو مرعوب وخوفزدہ اور حواس باختہ کرنا، ایک جنگجو کے حوالے سے وارد ہونے کے بعد ہر قسم کی لوٹ مار اور غارتگری، غنیمت گری سے ہاتھ کو صاف رکھنا، سخت ترین وبدترین

دشمن پر کامیابی اور تسلط وقدرت حاصل ہونے کے بعد، ان کی تقصیر سے عفو ودرگزر کرنے کی مثال اور نمونہ اگر تلاش کیا جائے تو یہ سب صفات یکجا ہو کر ہمیں فتح مکہ میں دکھائی دیتی ہیں جہاں اسلام اور پیغمبر اسلامؐ و مسلمین کے خلاف کینہ وحسد رکھنے والے دشمن کو تسلیم کرانے کیلئے پہلی مرتبہ بارہ ہزار کا لشکر رعب و دبدبے، فلک شگاف نعروں اور تکبیر و تہلیل کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا۔ بڑے سے بڑے شجاع شہسوارانِ طاغوت وجبروت صفت انسانوں کو مرعوب وخوفزدہ کرنے اور حد سے زیادہ خون بہانے سے احتیاط برتنے والی جنگ تاریخ بشریت میں نہ کسی نے پہلے دیکھی ہوگی نہ بعد میں ایسا مظاہرہ ہوگا۔ تمام مظالم سہنے والے محمدؐ کی ذات کے نزدیک ہر قسم کی لشکر کشی اور طاقت وقدرت کا استعمال کرنا برا تھا یہ وہ جگہ ہے جو مکان وزمان کے لحاظ سے حصار خداوندی میں ہے یہاں کوئی بھی شخص احرام کے بغیر داخل نہیں ہوسکتا قرآن کی آیات کے تحت تمام لوگوں کیلئے امن ہے یہاں داخلے کے وقت اسلحہ لے کر داخل ہونا ممنوع ہے، ان حالات میں مکہ کو کیسے فتح کیا جاسکتا تھا اور کیسے طاقت وقدرت کے ذریعے شہر فتح ہوسکتا تھا۔ اس سلسلے میں صاحب بیت و بلد خود خداوند متعال نے نبی کریمؐ کو یہ فرما کر اجازت دی کہ اس گھر کو ان کے لوث وجود سے آزاد کرایا جائے یہ لوگ اس احترام کے اہل نہیں ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ذکر ہوا ہے:

﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا﴾ "اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے خانۂ کعبہ کو ثواب اور امن کی جگہ بنایا" (بقرہ۱۲۵) ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾ "اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم نے دعا کی کہ پروردگار اس شہر کو امن کا شہر قرار دیدے" (بقرہ۱۲۶) ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً﴾ "اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔" (توبہ۳۶) ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ "انہیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے نہ لڑیں، اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو کافروں کا یہی بدلہ ہے۔" (بقرہ۱۹۱) ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ "پھر حرمت والے مہینوں کے گزرتے ہی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو انہیں گرفتار کرو ان کا محاصرہ کرلو اور ان کی تاک میں ہر گھاٹی میں جا بیٹھو وہاں اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہوجائیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تم ان کی راہیں چھوڑ دو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔" (توبہ۵) (قصص۵۷، عنکبوت۶۷)

عوامل واسباب

مکہ کے نواح میں آباد دو بدو قبائل بنوبکر اور بنوخزاعہ کی بہت سی شاخیں تھیں۔حدیبیہ کے معاہدے کی رو سے بدو قبائل کو جب اللہ کے رسولؐ اور مکہ کے قریش میں سے کسی ایک کے ساتھ اتحاد کرنے کی آزادی ملی تو۔بنوخزاعہ کی شاخیں ریاست مدینہ کی حلیف بن گئیں۔بنوبکر پہلے ہی قریش مکہ کے ساتھ تھے انہوں نے بھی اس اتحاد کی دوبارہ تجدید کی۔مکہ کے قریش پر بنوخزاعہ کا یہ معاہدہ بہت ناگوار گزرا۔ایک وقت تھا جب جزیرہ نمائے عرب کے صحراؤں اور ریگستانوں میں پھیلے دور دراز کے عرب بھی ان قبیلوں کی ناراضگی کے خوف سے ریاست مدینہ کے ساتھ معاہدہ کرتے ہوئے ڈرتے تھے لیکن اب ریاست مکہ کی حدود کے اندر بسنے والے بنوخزاعہ نے ریاست مدینہ سے معاہدہ کرلیا جس سے وہ جنگ اور امن میں اس کے دوسرے ساتھی بن گئے۔مکہ کے قریش کی کثیر تعداد کو حدیبیہ کا معاہدہ پسند نہیں تھا اور انہیں حالات کے جبر کے تحت یہ معاہدہ تسلیم کرنا پڑا۔اس معاہدے کے بعد ریاست مدینہ کے اثر ورسوخ میں کئی گنا اضافہ ہوگیا،جزیرہ نمائے عرب کی بہت بڑی سیاسی اور اقتصادی قوت یہود نابود ہوچکے تھے ان کے شہر اور بستیاں ریاست مدینہ کا حصہ بن چکی تھیں۔وہ یہودی جو سارے عربوں کو اللہ کے دین اور اسکے رسولؐ کے خلاف متحد کیا کرتے تھے اب ریاست مدینہ کے پرامن شہری بن کر رہنے کا معاہدہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے مزارع کی زندگی گزار رہے تھے۔جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں کے اندر رہنے والے قبائل ریاست مدینہ کی قوت سے خوفزدہ ہوئے لہٰذا انھوں نے مسلمانوں سے دوستی اور امن کے معاہدے کئے۔شام کی سرحد کے ساتھ آباد عرب قبائل رومیوں کے اتحادی اور ساتھی ہوتے ہوئے بھی ریاست مدینہ سے خوفزدہ تھے اور اس کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے،اللہ کے رسولؐ نے حاکموں اور شہنشاہوں کو اسلام کی طرف دعوت دینا شروع کی ہر جگہ آپؐ کی تبلیغ وقوت کے اثرات محسوس کئے جارہے تھے۔یہی وجہ تھی جب قریش مکہ اپنے ماضی اور حال پر غور کرتے تو انہیں مایوسی اور پریشانی کے دورے پڑنا شروع ہوجاتے تھے۔

قریش کی جانب سے معاہدے کی خلاف ورزی اور بنوخزاعہ پر ظلم

مایوسی اور پریشانی کے کسی ایسے ہی لمحہ میں قریش کے بعض سرداروں نے بنوخزاعہ کو سبق سکھانے کا فیصلہ کیا لیکن یہاں انھیں یہ مشکل درپیش تھی کہ اگر وہ خود بنوخزاعہ پر حملہ کرتے ہیں تو حدیبیہ کے معاہدہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے لہٰذا انہوں نے خزاعہ اور بنوبکر کی پرانی دشمنی کو از سر نو زندہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور بنوبکر کو اکسانا شروع کیا۔بنوبکر نے بنوخزاعہ سے پرانا حساب چکانے کیلئے اس موقع کو غنیمت جانا۔بنی دیلیل کے رئیس نوفل بن معاویہ دیلی نے قریش کے سرداروں سے بات چیت کی،قریش نے انھیں وعدہ دیا کہ وہ بنوخزاعہ پر حملہ کرنے کیلئے ان کی ہتھیاروں،گھوڑوں اور آدمیوں کے ساتھ مدد کریں گے۔مکہ کے قریب "وتیر" کے چشمہ پر بنوخزاعہ کی شاخ بنوکعب کے کچھ لوگ خیمہ زن تھے۔قریش کے سرداروں اور نوفل نے مل کر رات کے اندھیرے میں ان پر حملہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا اس منصوبہ کے مطابق قریش مکہ میں سے صفوان بن امیہ،حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص بذات خود بنوخزاعہ پر حملہ کرنے والوں میں شامل تھے۔بنوکعب کے لوگ سو رہے تھے کہ اچانک ان پر حملہ ہوا تو انکی عورتیں،بچے اور

بوڑھے حرم کی طرف بھاگے کیونکہ حرم کی حدود ان کے مقام کے قریب سے ہی شروع ہو جاتی تھیں اور ان حدود کے اندر لڑائی اور قتل و غارت سے شرک پرہیز کیا کرتے تھے۔ حدود حرم میں پہنچ کر تعاقب کرنے والے بنو بکر کے کچھ لوگوں نے چلا کر کہا

"ہم حدود حرم میں داخل ہو گئے ہیں اے نوفل تمہارا الہ! تمہارا الہ!"

نوفل بن معاویہ نے انہیں ڈانٹا

"آج کے دن کوئی الہ نہیں! اپنا انتقام پورا کر لو۔ تم حرم سے مال چوری کرتے وقت تو ڈرتے نہیں بدلہ لیتے ہوئے کیوں ڈرتے ہو؟"

بنو بکر اور قریش نے بنو خزاعہ کے افراد کا تعاقب جاری رکھا، بنو خزاعہ کے لوگوں نے مکہ پہنچ کر اپنے قبیلے کے بدیل بن ورقاء اور ان کے آزاد کردہ غلام رافع کے گھروں میں پناہ لی۔ ابھی رات کا اندھیرا باقی تھا کہ حملہ آوروں کا ساتھ دینے والے قریش کے سردار اور غلام یہ کہتے ہوئے اپنے گھروں کو چلے گئے "محمدؐ کو کچھ علم نہیں اور اندھیرے میں کسی نے نہیں دیکھا"۔

بنو بکر اور قریش نے بنو خزاعہ کے بیس افراد ہلاک کئے جبکہ ان کا اپنا کوئی ایک بھی آدمی ہلاک نہ ہوا کیونکہ بنو خزاعہ کو ہتھیار اٹھانے کا موقعہ ہی نہ مل سکا تھا۔

بنو بکر کی شاخ بنو دیل کے شاعر اخزر بن لعط نے اپنے قبیلے کی اس بہادری اور بنو خزاعہ کے فرار کے بارے میں کہا:

قریش کے دور دراز رہنے والے حلیفو! — کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے،
بنو کعب کو ٹوٹے ہوئے تیروں سے — مار بھگایا
ہم نے انہیں غلام رافع کے گھر میں — محبوس کر دیا
اور انہیں بدیل کے گھر میں بند رکھا — جو ان کی کچھ بھی مدد نہ کر سکا
انہیں ایسے ذلیل آدمی کے گھر میں قید کر دیا — جو ذلت اور ظلم بڑی خوش دلی سے قبول کرتا ہے
اور ہم نے تلواروں سے اپنے دل کی پیاس بجھائی تھی — پھر ہم نے انہیں کئی دن وہاں بند رکھا
ہم ہر گھاٹی سے ان پر ٹوٹ پڑے تھے — اور انہیں نیزوں سے چھلنی کر دیا تھا
ہم نے انہیں بھیڑ بکریوں کی مانند ذبح کیا — ان کے جسموں میں اپنے دانت پیوست کرنے کو
ہم شیروں کی مانند ان کا تعاقب کرتے رہے — انہوں نے ہم پر ظلم کیا اور دشمنی کی
اور حرم کے مقدس پتھروں کے قریب — خون بہانے میں پہل کی تھی
وادی کے موڑ پر جب انہوں (حملہ آوروں) نے تعاقب کیا تھا — تو وہ ایسے بھاگ رہے تھے کہ شتر مرغ کے بچے ہوں

رسول اللہ ﷺ سے فریاد

رسول اللہؐ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور اس موقع پر صحابہ کرامؓ بھی موجود تھے اس لمحے بنو خزاعہ کی شاخ بنو کعب کا عمرو بن سالم آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے ساتھ بنو کعب کا ایک اور آدمی بھی تھا۔ وہ رسول اللہؐ کو قریش مکہ اور بنو بکر کے ظلم اور زیادتیوں سے آگاہ کرنے کیلئے آئے تھے عمرو بن سالم نے اللہ کے رسولؐ کے حضور یہ نظم پڑھی۔

یا رب! میں محمد ﷺ کو وہ معاہدہ یاد دلاتا ہوں   جو ہمارے والد اور آپؐ کے والد نے بہت پہلے طے کیا تھا
اس وقت تم اولاد تھے اور ہم تمہارے باپ   پھر ہم نے صلح کر لی اور کبھی اس سے انحراف نہیں کیا
قریش نے آپؐ سے کئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے   اور آپؐ سے کیا جانے والا پختہ عہد توڑ دیا ہے
انہوں نے خیال کیا کہ میں کسی کو مدد کیلئے نہ پکاروں گا   وہ ذلیل اور قلیل ہیں
انہوں نے وتیر کے قریب ہمارے گھروں پر شب خون مارا   اور ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا
وہ کداء کی گھاٹی میں مجھ پر گھات لگائے بیٹھے تھے   یا رسول اللہؐ بھرپور قوت سے ہماری مدد کریں
اور اللہ کے بندوں کو ہماری فوری مدد کیلئے آواز دیں   ان میں اللہ کے رسولؐ بھی شامل ہوں جو بے مثل ہیں
جب ان سے زیادتی کی جاتی ہے تو غصہ سے   ان کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے
ان کے ساتھ ایسا عظیم لشکر ہوتا ہے   جو سمندر کی طوفانی لہروں کی مانند ہوتا ہے

رسول اللہؐ عمرو بن سالم کی پکار سنتے رہے، وہ اپنی بات ختم کر چکا تو آپؐ نے فرمایا "اے سالم کے بیٹے تمہاری مدد کی گئی" اس کے بعد آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا دکھائی دیا آپؐ نے فرمایا "یہ بادل بنو کعب کی مدد کی بشارت سے دمک رہا ہے"۔

عمرو بن سالم کے بعد بدیل بن ورقا ایک وفد کے ساتھ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بنو خزاعہ پر بنو بکر اور قریش کے مظالم کی تفصیلات بیان کیں اور بتایا بنو بکر کی شاخ بنو نفاثہ کے رئیس نوفل بن معاویہ نے حملہ کرنے والوں کی قیادت کی۔

رسول اللہؐ نے قریش مکہ کے پاس اپنا سفیر بھیجا اور انہیں تین باتوں میں سے کوئی ایک ماننے کیلئے کہا۔

الف۔ بنو خزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کرو۔

ب۔ بنو نفاثہ سے الگ ہو جاؤ اور ان کے ساتھ معاہدہ ختم کر دو۔

ج۔ حدیبیہ کے معاہدہ کو ختم کرنے کا اعلان کر دو۔

رسول اللہؐ کا قاصد حرم کعبہ کے دروازے پر اپنے اونٹ سے اترا اس وقت قریش کے سردار حرم میں محفلیں جمائے بیٹھے تھے ضمرہ نے رسول اللہؐ کی شرائط انہیں پیش کر دیں قریش کے سرداروں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا جس پر قرظہ بن عبد عمرو نے کہا

"دیت ادا کرنے سے ہمارے پاس کچھ بھی باقی نہیں بچے گا اور نفاثہ سے معاہدہ بھی ختم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ سب سے زیادہ حرم کی تعظیم کرنے والے ہیں اس لئے ہمیں تیسری صورت منظور ہے"

قریش کے اس جواب سے معاہدہ حدیبیہ ختم ہو گیا۔

قریش کا ہوش میں آنا

رسول اللہؐ کے نمائندہ کے واپس چلے جانے کے بعد قریش مکہ کو معاہدہ ختم کرنے کا احساس ہوا کہ یہ ان کے مفاد میں نہیں، انہوں نے سوچا کہ اس کا فوری نتیجہ یہ نکلے گا کہ شام کی طرف ان کی تجارت کا راستہ بالکل ہی بند ہو جائے گا۔ اللہ کے رسولؐ کی تدبیر سے اس راستہ پر ریاست مدینہ کا مکمل قابو ہو گیا تھا اور راستے کے ساتھ ساتھ آباد قبائل نے ریاست مدینہ سے تعاون یا غیر جانبداری

کے معاہدے کر لئے تھے۔شام کے اندر بُصریٰ تک کے قبائل پر ریاست مدینہ کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔جزیرہ نمائے عرب کے بہت سے قریش مکہ کے اتحادی قبائل ریاست مدینہ سے خوفزدہ رہنے لگے تھے۔اسی طرح یہودیوں کی قوت ختم ہو چکی تھی چنانچہ ان عوامل کا تجزیہ کرنے کے بعد قریش کے سرداروں کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔حارث بن ہشام چند دیگر سرداروں کو ساتھ لے کر صفوان ابن امیہ اوران کے دیگر ساتھیوں کے پاس گیا جنہوں نے بنوخزاعہ پر حملہ میں بنوبکر کا ساتھ دیا تھا اورانہیں حالات کا ذمہ دار ٹھہرایا۔پھروہ سب مل کر ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا کہ اس معاملے کو سنبھالنے کیلئے کچھ کرنا چاہیے،سب نے طے کیا کہ ابوسفیان فوری طور پر خود مدینہ جائے اوراللہ کے رسولؐ کو قریش کی طرف سے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کے فیصلے سے آگاہ کرے بلکہ اس بات کا بھی اضافہ کرے کہ قریش اس معاہدہ کی تجدید کے علاوہ اسے موثر و مضبوط بنانا چاہتے ہیں اوراس کی مدت میں اضافہ کرنے کے خواہاں ہیں قریش کے سرداروں کے فیصلہ کے بعد ابوسفیان ایک غلام کے ہمراہ تیزی سے مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ابوسفیان کی تجدید عہد کیلئے تگ ودو

ادھر رسول اللہؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا

''میں ابوسفیان کو دیکھ رہا ہوں وہ عہد کو پھر سے پختہ کرنے اور مدتِ صلح کو بڑھانے کیلئے آ گیا ہے''

ابوسفیان نے مدینہ میں علیؓ کے ہاں رات بسر کی،اگلی صبح وہ اپنی بیٹی ام المومنین ام حبیبہؓ کے گھر گیا وہ ایک عرصے کے بعد بیٹی سے مل رہا تھا۔بیٹی نے باپ کا استقبال کیا،ایک چارپائی جس پر بستر بچھا ہوا تھا ابوسفیان اس پر بیٹھنے لگا تو ام المومنین نے جلدی سے بستر لپیٹ دیا۔

ابوسفیان : ''پیاری بیٹی!تو اس بستر کو میرے شایان شان نہیں سمجھتی یا مجھے اس بستر پر بیٹھنے کے قابل نہیں سمجھا''

ام حبیبہؓ : ''یہ اللہ کے رسولؐ کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں،میں نہیں چاہتی ایک ناپاک مشرک اس بستر پر بیٹھے''

ابوسفیان : ''خدا کی قسم میرے بعد تمہیں شر پہنچ گیا ہے''

یہاں سے وہ سیدھا اللہ کے رسولؐ کے پاس گیا آپؐ صحابہ کی محفل میں تشریف فرما تھے۔اس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو صحابہ نے روک دیا۔

ابوسفیان : ''تم کیوں میرے اور محمدؐ کے درمیان حائل ہو رہے ہو؟وہ تو میرا برادرزادہ ہے''

رسول اللہؐ : ''اسے آنے دو''۔جس پر صحابہ درمیان سے ہٹ گئے۔

ابوسفیان رسول اللہؐ کے قریب بیٹھ گیا اور کہا

''اے محمدؐ میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان جو معاہدہ تھا اس کی تجدید کا حلف اٹھاؤں''

رسول اللہؐ : ''کیوں؟تمہاری طرف سے کوئی نیا حادثہ تو رونما نہیں ہو گیا؟''

ابوسفیان : ''لات وعزیٰ کی قسم،نہیں ہم نے کوئی نئی بات نہیں کی'' رسول اللہؐ خاموش رہے۔

ابوسفیان : ''مجھے خدشہ ہے کہ ہمارے اور آپؐ کے حلیفوں کے درمیان جو کچھ ہوا ہے آپؐ اس کا بدلہ لیں گے''

رسول اللہؐ نے تبسم فرمایا اور کوئی جواب نہ دیا۔ابوسفیان کو اندازہ ہوگیا کہ معاہدے کی تجدید نہ کرنے کا مطلب کیا ہے۔

ابوبکرؓ بھی اللہ کے رسولؐ کی محفل میں موجود تھے۔ابوسفیان نے ان سے مخاطب ہوکر کہا

ابوسفیان : ''اے ابن قحافہ تو مسلمانوں کو قریش کے ساتھ معاہدہ کرنے کا کیوں نہیں کہتا؟''

ابوبکرؓ : ''اللہ اور اس کا رسولؐ اس معاملے کو بہتر جانتے ہیں''

ابوسفیان نے عثمانؓ بن عفان سے کہا

ابوسفیان : ''اے فرزند عفان تم مسلمانوں سے امان کا معاہدہ کرنے کی سفارش کیوں نہیں کرتے؟''

عثمانؓ : ''اللہ اور اس کے رسولؐ اس بارے میں مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں''

ابوسفیان : (عمرؓ سے) ''اے ابن خطاب تم ہی سفارش کر کے قریش سے اپنے تعلق کا حق ادا کرو''

عمرؓ : ''اللہ نے تم سے ہمارا رشتہ ختم اور صلہ رحم قطع کر دیا ہے۔قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں عمر کی جان ہے اگر تو اللہ کے رسولؐ کی محفل میں نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا''

ابوسفیان : ''اپنی جان کی قسم،میں نے تو کبھی تم سے ایسا کلام نہیں سنا اور نہ ہی تم نے کبھی مجھے ایسی دلیری دکھائی تھی اے عمر تو نے ایسی بات کیوں کی؟''

عمرؓ : ''اللہ اور اس کے رسولؐ پر تیرے ایمان نہ لانے اور ان سے عداوت رکھنے کی وجہ سے''

اسی دوران نماز کا وقت ہوگیا موذن نے اذان کہی ،رسول اللہؐ نے وضو کیا اور نماز کی امامت کی ۔ابوسفیان الگ بیٹھا دیکھتا رہا جب رسول اللہؐ نماز سے فارغ ہوئے

ابوسفیان : ''واللہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ میں یہاں سے لڑائی کا پیغام لے کر جا رہا ہوں یا صلح کا''

رسول اللہؐ : ''انشاء اللہ تمہیں معلوم ہو جائے گا''

رسول اللہؐ کی محفل سے اٹھ کر ابوسفیان فاطمہؓ کے پاس گیا

ابوسفیان : ''اے فاطمہؓ آپ عربوں میں اپنی قوم کی سب سے پیاری بیٹی بننا پسند نہیں کریں گی''

فاطمہؓ : ''وہ کیسے؟''

ابوسفیان : ''آپ قوم کو امان اور پناہ دلا دیں''

فاطمہؓ : ''قسم ہے خدائے ذوالجلال کے بقاء کی ،رسول اللہؐ کے موجود ہوتے ہوئے میں نہ کسی کو پناہ دوں گی اور نہ پناہ دلاؤں گی''

پاس ہی حسنؑ کھیل رہے تھے،ابوسفیان نے حسنؑ کی طرف دیکھ کر پوچھا

ابوسفیان : ''بیٹی کیاتم اپنے اس فرزند سے نہ کہوگی کہ یہ دونوں فریقوں میں معاملہ طے کرادے اور ہمیشہ کیلئے عربوں کا بڑا سردار کہلائے''

فاطمہؑ : ''خدا کی قسم وہ تو ابھی بچہ ہے،وہ اس قابل نہیں کہ لوگوں میں بیچ بچاؤ کرا سکے''

ابوسفیان : ''واللہ میں تم سب کو یک زبان اور یک دل پاتا ہوں، میں نے تمہارے رئیسوں بچوں اور خواتین سے بات کی مگر سب نے مجھے ایک ہی جواب دیا''

ابوسفیان کو اپنے مقصد کے حصول میں ناکامی

ابوسفیان کیلئے یہ امر بہت پریشان کن تھا کہ پورے مدینہ میں کوئی ایک شخص بھی اللہ کے رسولؐ سے اس کی سفارش کرنے پر تیار نہیں سب ایک ہی جواب دیتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں وہ جو فیصلہ کریں گے ہم سب اس کی پابندی کریں گے۔ بعض روایات میں ہے ابوسفیان خزرج کے سردار سعدؓ بن عبادہ کے پاس بھی درخواست لے کر گیا اس نے بھی وہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔

ابوسفیان : (علیؑ سے) ''میں دیکھتا ہوں کہ میرا معاملہ بگڑ گیا ہے آپؑ سے میرا تعلق سب سے گہرا ہے، آپ میرے قریبی رشتہ دار ہیں آپ رسول اللہؐ سے سفارش کریں ایسا نہ ہو میں جیسے آیا ہوں ویسے ہی ناکام لوٹ جاؤں''

علیؑ : ''واللہ میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جو تیرے لئے مفید ہو،تم بنی کنانہ کے رئیس ہو لوگوں کے مجمع میں پناہ اور امان کا اعلان کر کے واپس چلے جاؤ''

ابوسفیان مسجد نبوی میں گیا اور علیؑ کے مشورہ کے مطابق بلند آواز میں کہا

ابوسفیان : ''اے محمد ﷺ میں نے لوگوں کے درمیان پناہ کا اعلان کر دیا ہے میرا خیال ہے میری امان کی تردید اور خلاف ورزی نہیں کی جائیگی''

رسول اللہؐ : ''ابوحنظلہ تو نے جو کچھ کہا اپنی مرضی سے کہا''

ابوسفیان اپنی اونٹنی پر سوار ہوا اور واپس چلا گیا۔

قریش سے نبرد آزمائی کی منصوبہ بندی

قریش کعبہ کی وجہ سے پورے جزیرۃ العرب میں ایک مقام واحترام اور منزلت رکھتے تھے۔ یہ پیغمبرؐ کے ساتھ سب سے زیادہ عداوت و دشمنی رکھتے تھے۔ بہت سے عشائر وقبائل ان کے حلیف تھے جو موقع ومحل پر ان کا ساتھ بھی دیتے تھے پیغمبرؐ کو قریش سے لڑنے کیلئے کیا کرنا چاہیے تھے:

الف۔ قریش کے علاوہ دیگر کمزور قبائل سے جنگ کرتے۔

ب۔ قریش سے زیادہ طاقتور طاقتوں سے پہلے نبرد آزما ہوتے۔

ج۔ براہ راست قریش سے لڑتے؟ اس سلسلے میں چند مفروضات اور عقلی تصورات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ پیغمبرؐ قریش کے ساتھ نبرد آزمائی یا ان پر جنگ مسلط کرنے سے گریز کرتے ہوئے اپنے لئے دفاعی موقف اختیار کرتے تھے کیونکہ افرادی قوت کی کمی کے ساتھ جزیرۃ العرب کے محترم سمجھے جانے والے گروہ کے خلاف لشکر کشی کی وجہ سے دیگر عشائر و قبائل کی ہمدردیاں مشرکین مکہ کی طرف جا سکتی تھیں۔

۲۔ قریش کے خلاف لڑنا ناگزیر تھا لیکن جنگ کا مدینہ سے نزدیک ہونا بھی ضروری تھا میدان جنگ گھروں سے نزدیک ہونا مسلمانوں کیلئے تسلی و تشفی کا باعث بن سکتا تھا۔

۳۔ مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں پہل کرنا صحیح اقدام نہیں تھا کیونکہ قریش کی جنگی طاقت دیکھ کر ان میں نفسیاتی کمزوری پیدا ہو سکتی تھی جس سے مسلمانوں پر خوف طاری ہو جاتا نتیجتاً دشمن کے لشکر کے خلاف لڑنے کی سکت ختم ہو جاتی لیکن جب جنگ باہر سے مسلط کی جائے تو اس وقت چونکہ راہ فرار اختیار نہیں کی جا سکتی لہٰذا ایسی جنگ سے معنویت اور عزم و ارادے کو تقویت ملتی ہے اور دشمن سے دفاع کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔

۴۔ مسلمانوں کو ایک ایسے موقع پر جب دشمن جنگ مسلط کر دے تو خدا کی نصرت و تائید کا وعدہ دلایا جائے اور انہیں یوں باور کرایا جائے کہ دشمن کثیر تعداد اور کثرت وسائل سے لیس کیوں نہ ہو خدا کی نصرت و معاونت تمہارے ساتھ ہے۔

۵۔ قریش کو اچانک جنگ کیلئے آمادہ کیا جائے کیونکہ اگر دشمن کو تیاری کا موقع دیا جائے تو دشمن پیش قدمی کر سکتا تھا اسی طرح اگر قریش کو تیاری میں مصروف رکھا جاتا تو وہ مزید دشمنان اسلام کے ساتھ سمجھوتہ کر کے ایک نا قابل شکست طاقتور لشکر لاتے دعوت اسلامی کے خاتمے کا سبب بن سکتا تھا۔ ان تمام مفروضات کو سامنے رکھتے ہوئے پیغمبرؐ نے قریش سے مقابلہ و نبرد آزمائی کرنے کی منصوبہ بندی کی۔

لشکر اسلامی کی تیاری

قریش نے حدیبیہ میں طے ہونے والے معاہدے کو توڑ کر پیغمبرؐ کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر حملہ کرنے والوں کی معاونت کی یہ سنتے ہی پیغمبرؐ بے تاب ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اگر میں نے بنی خزاعہ کی مدد نہ کی تو میں نے کسی کی مدد نہ کی گویا میں نے اپنے نفس کی مدد نہ کی پیغمبرؐ نے مکہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر کے تیاری کرنے کا حکم دیا۔

جنگ اسلامی میں اسرار پوشی

جنگ میں شامل افراد اپنی نقل و حرکت کو مخفی رکھنے کے ساتھ زمان و مکان بلکہ ہر چیز کی اسرار پوشی کرتے ہیں یہ اصول تمام تاریخی جنگوں میں رائج رہا ہے۔ اسرار پوشی میں کامیابی کی ضمانت ہے یہ کامیاب و باصلاحیت قائد کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے لہٰذا قرآن کریم نے اس شرط کا انتہائی تاکید کے ساتھ پاس رکھنے کا حکم دیا ہے اور راسرار فاش کرنے والے کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ''جہاں انھیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے تم سب شیطان کے پیرو کار بن جاتے۔'' (نساء:۸۳)

پیغمبرؐ نے فرمایا: ''من کتم سرہ بلغ مرادہ'' ''جس نے اپنا بھید چھپایا وہ اپنی مراد کو پہنچا''

اسرار کا فاش ہونا

ایک مہاجر صحابی حاطبؓ بن ابی بلتعہ پہلے اسلام لانے، جنگ بدر میں شرکت اور جنگ احد میں لشکر کے شکست کھانے پر استقامت کا مظاہرہ کرنے والوں میں سے تھے انھوں نے قریش کو مخفی انداز میں معلومات پہنچانے کی کوشش کی کہ پیغمبر اسلام جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں اور تمہاری طرف لشکر کشی کرنے والے ہیں۔ یہاں حاطبؓ کا مقصد اپنے عزیز و اقارب کیلئے مشرکین مکہ کی ہمدردی حاصل کرنا تھا اس لحاظ سے انھوں نے تین آدمیوں سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ ابن ابی جہل کو خط لکھا

''پیغمبرؐ نے لوگوں کو جنگی تیاری کا حکم دیا ہے میرے خیال میں یہ تیاری تمہارے علاوہ کسی اور کیلئے نہیں ہو سکتی ہے میں نے چاہا میرا یہ خط تمہارے پاس ایک سند کے طور پر رہے''۔

یہ خط انھوں نے ایک مغنیہ عورت کو دیا جو مکہ سے مدینہ آئی ہوئی تھی اور اسے کچھ دینار دیئے تاکہ یہ خط مکہ میں مطلوبہ افراد تک پہنچائے حاطبؓ نے عورت سے کہا اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتانا اور مزید تاکید کی کہ عام راستے سے نہ جائے کیونکہ تمام راستوں پر محافظ بیٹھے ہوئے تھے یہ غیر معروف راستے سے سفر کرتے ہوئے ابیار علی تک پہنچ گئی خدا نے اپنے نبی کو وحی کے ذریعے اس کی خبر دی پیغمبرؐ نے علیؑ اور زبیر کو حکم دیا کہ روضہ خاخ پہنچیں وہاں ایک ہودج نشین عورت ملے گی جس کے پاس قریش کے نام ایک رقعہ ہوگا اس جاسوس عورت کو جا کر پکڑیں اور اس سے خط نہ ملا انھوں نے اس عورت کا پیچھا کیا اسے پکڑ لیا اور اس سے کہا سواری سے اتر جاؤ وہ ایک ناقہ پر سوار ہو کر جا رہی تھی اس کے سامان کی تلاشی لی لیکن خط نہ ملا اس سے پوچھا خط کہاں ہے؟ اس نے کہا مجھے کچھ بھی معلوم نہیں اس سلسلے میں جب اس نے انکار کیا تو انھوں نے اس عورت سے کہا پیغمبر جھوٹ نہیں بولتے اور اگر تم نے خط نہ دیا تو ہم ہر حوالے سے تمہاری تفتیش کریں گے جب اسے یقین ہوا یہ نہیں چھوڑیں گے تو اس نے کہا تم منہ دوسری طرف کرو پھر بالوں کی چوٹی سے خط نکال کر ان کے حوالے کر دیا۔ خط رسول اللہؐ کے پاس لایا گیا جب پیغمبر کو پتہ چلا یہ حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا جاسوسی کا عمل تھا جو پیغمبرؐ اور امت اسلام سب کے خلاف یعنی سینکڑوں جانوں کی ہلاکت کا پیش خیمہ تھا تو آپؐ نے انھیں بلایا اور ان سے باز پرس کی، حاطبؓ نے تمام حقائق کا بغیر کسی پردہ پوشی کے اعتراف کیا۔

حاطبؓ نے کہا یا رسول اللہؐ مجھے سزا دینے میں جلدی نہ کریں میں قریش سے نہیں ہوں بلکہ ان سے وابستہ اور ان کا حلیف

ہوں آپ کے پاس جتنے بھی مہاجرین ہیں ان کی حمایت کرنے والے قریش میں موجود ہیں جو ان کے مال و دولت کی حفاظت کرتے ہیں لہٰذا میں نے چاہا کہ ان میں سے میرے رشتہ داروں کی حفاظت ہو جائے، میں نہ تو دین سے خارج ہوا ہوں اور نہ ہی کفر پر راضی ہوں پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے عمرؓ نے کہا اسے میرے حوالے کریں میں اس کی گردن اڑا دوں یہ منافق ہے۔ رسول خداؐ نے فرمایا نہیں یہ منافق نہیں بلکہ مسلمان ہے اس نے جنگ بدر میں شرکت کی ہے ہم نے اسے معاف کیا چنانچہ حسن سابقہ کی وجہ سے ان کے اس جرم سے درگزر کا فیصلہ کیا گیا اس موقعہ پر یہ آیت اتری:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ﴾ ''اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کا وہ انکار کرتے ہیں اور وہ رسول کو اور تمہیں اس جرم میں جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو'' (ممتحنہ۱)

غزوہ میں سمت کا خفیہ رکھنا

پیغمبر اسلامؐ نے فتح مکہ کیلئے سب سے پہلے اقدام کے طور پر اسے ہر حوالے سے پوشیدہ رکھا۔ آپ نے درگاہ خدا میں دعا فرمائی۔

''اے اللہ! جاسوسوں اور مخبروں کو قریش تک پہنچنے سے روک اور پکڑ لے تا کہ ہم ان کے علاقے میں ان کے سر پر ایک دم جا پہنچیں۔''

آپ اسے پوشیدہ رکھنے کے تمام ذرائع کو بروئے کار لائے:

۱۔ قریش کا معاہدہ توڑنے پر پیغمبرؐ نے ارادہ کیا کہ مکہ پر لشکر کشی کریں گے لیکن کسی کو اس سے آگاہ نہ کیا۔

۲۔ جب اپنے گھر سے آمادۂ سفر ہوئے تو کسی کو نہیں بتایا۔

۳۔ پیغمبرؐ نے مکہ جانے والے تمام راستوں پر محافظ متعین کیے تا کہ مکہ جانے والے تمام مشتبہ افراد کو روک لیں اس طرح مکہ والوں کو لشکر اسلام کی نقل و حرکت کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہ چل سکا۔

۴۔ آپؐ نے اس بات کو تمام انصار و مہاجرین سے پوشیدہ رکھا صرف اتنا بتایا کہ ہم ایک بڑے حملے کی تیاری کر رہے ہیں یہ نہیں بتایا کہ کہاں پر حملہ کرنا ہے۔

لوگ اپنے اپنے اندازے کے تحت باتیں کرنے لگے بعض نے کہا روم پر حملہ کرنے والے ہیں بعض نے کہا ہوازن پر، بعض نے کہا نجد پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اس سلسلے میں پیغمبرؐ نے اپنے نمائندے مدینہ کے اطراف و اکناف میں رہنے والے مسلمان قبائل و عشائر کی طرف روانہ کئے اور انہیں جنگ میں جانے کیلئے مدینے میں حاضر ہونے کی دعوت دی۔ پیغمبرؐ نے عائشہؓ سے فرمایا کہ سفر میں جانے کی تیاری کرو جب ابوبکرؓ آئے تو دیکھا کہ عائشہؓ تیاری میں مصروف ہیں کھجور آٹا اور ستو وغیرہ سامان میں رکھا جا رہا ہے تو انھوں نے بیٹی سے پوچھا پیغمبرؐ جنگ میں جانا چاہتے ہیں انھوں نے کہا پتہ نہیں، پوچھا سفر میں جا

رہے ہیں تو کہا پتہ نہیں پوچھا کیا روم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ چپ رہیں، پوچھا نجد پر حملہ کرنا چاہتے ہیں پھر بھی چپ رہیں، پوچھا مکہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تب بھی چپ رہیں پھر وہ خود پیغمبرؐ کے پاس گئے اور دیکھا کہ آپؐ تیاری میں مصروف ہیں پوچھا یا رسول اللہؐ کیا سفر میں جانا چاہتے ہیں فرمایا ہاں، پوچھا کیا ہم بھی تیاری کریں فرمایا ہاں، پھر پوچھا کیا جنگ میں جا رہے ہیں فرمایا ہاں، پوچھا کس سے جنگ لڑنا ہے فرمایا قریش سے لیکن کسی کو بتانا نہیں۔ پھر ابو بکرؓ نے پوچھا کیا اہل مکہ سے معاہدہ نہیں ہے فرمایا قریش نے معاہدے کو توڑ دیا ہے لہٰذا اب جنگ کریں گے۔

تاریخ خروج لشکر از مدینہ

مورخین لکھتے ہیں ۸ھ کے ابتدائی ایام میں لشکر اسلام حرکت میں آیا تا کہ جنگ کے ذریعے بت پرستی، شرک و کفر اور غرور و تکبر کا جزیرۃ العرب سے ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا جائے۔ پیغمبرؐ کے خانہ خدا بیت اللہ الحرام کی طرف طاقت وقدرت سے مسلح ہو کر روزے کی حالت میں نکلنے کے تین اہداف و مقاصد ہو سکتے تھے:

۱۔ وقت مقررہ سے پہلے اپنے ہاتھوں معاہدے کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے قریش سوچ و بچار میں پڑے تھے ضروری تھا کہ ان کے کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے ان پر حملہ کیا جائے۔

۲۔ اشہر حرم آنے والے ہیں پھر چار مہینے انتظار کرنا پڑتا جس کی وجہ سے قریش کسی نتیجے پر پہنچ کر احزاب تشکیل دے سکتے تھے۔

۳۔ مکان اور زمان دونوں حوالے سے یہ بلد حرام ہے لہٰذا یہاں حملہ کرنے کا موقع ہمیشہ نہیں آتا۔

لشکر اسلام کی تقسیم بندی

مورخین لکھتے ہیں پیغمبر اسلامؐ جب مدینے سے نکلے تو غیر منظم طریقے سے نکلے یہاں تک کہ منزل قدید پہنچے یہ مقام مکے کے قریب ایک قصبے کا نام جو رابغ سے چند میل کے فاصلے پر جنوب میں واقع ہے یہاں آپؐ کا حلیف قبیلہ بنو خزاعہ آباد تھا اس مقام سے آپؐ کے لشکر نے منظم صورت اختیار کی۔

مہاجرین کے دستے

تمام مہاجرین کی تعداد سات سو تھی ان کے تین دستے تھے، ہر دستہ کیلئے ایک قائد قریش سے منتخب کیا گیا مہاجرین میں قیادت اور دستے قبیلے کی بنیاد پر نہیں تھے کیونکہ تمام مہاجر قریش سے نہیں تھے۔

بلکہ تین بڑے سربراہان مہاجرین کو قائد بنایا گیا جو کہ تینوں قریشی تھے۔

☆ علی بن ابی طالبؑ ☆ زبیرؓ بن عوام ☆ سعدؓ بن ابی وقاص

انصار اور انکے سربراہان

قبائل اوس وخزرج کی کل تعداد چار ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی، انھیں پیغمبرؐ نے عشائر کی بنیاد پر بارہ گروہوں میں تقسیم کیا اور ہر ایک کا سربراہ اسی قبیلے سے منتخب کیا۔

اوس کے دستے

پیغمبرؐ نے قبیلہ اوس کے چھ قائد بنائے، ہر عشیرہ کا ایک دستہ بنایا اور اسی عشیرے سے اسکا سربراہ منتخب کیا۔

☆بنوعبدالاشہل سے ابو نائلہ ☆بنوحارثہ سے ابو بردۃ بن نیار ☆بنوامیہ سے مبیض بن مبیض

☆بنومعاویہ سے جبیر بن عتیک ☆بنوخطمہ سے ابولبابہ بن عبدالمنذر

خزرج کے دستے

قبیلہ خزرج کے دستے بنائے اور ہر عشیرہ سے ان کا سربراہ بنایا ان میں سے پانچ قائدین کے نام معلوم ہیں۔بنو دینار کے قائد کا ذکر نہیں ہوا ہے:

☆بنوسلمہ سے قطبہ بن عامر ☆بنوحارث سے عبداللہ بن زید ☆بنومازن سے سلیط بن قیس

☆بنوساعدہ سے ابواسید ساعدی ☆بنومالک بن نجار سے عمارہ بن حزم

دیگر قبائل

☆**قبیلہ مزینہ:** قبیلہ مزینہ سے ایک ہزار کا لشکر آیا جسے پیغمبرؐ نے تین دستوں میں تقسیم کیا اور ہر ایک کیلئے انہیں میں سے قائد انتخاب کیا۔

☆**قبیلہ جہینہ:** قبیلہ جہینہ سے آٹھ سو کا لشکر آیا جسے تین حصوں میں تقسیم کر کے چار قائد چار بنائے گئے رافع بن مکیث الجہنی اور جندب بن مکیث الجہنی۔

☆**قبیلہ بنی سلیم:** قبیلہ بنی سلیم سے ایک ہزار کا لشکر آیا جسے تین حصوں میں تقسیم کر کے تین قائد بنائے گئے۔

☆**قبیلہ خزاعہ:** قبیلہ خزاعہ جن پر قریش نے قبیلہ بنی بکر سے ملکر حملہ کیا تھا ان کی طرف سے پانچ سو افراد نے شرکت کی انکے تین حصے کر کے ہر دستے کا ایک سربراہ بنایا گیا۔

☆**قبیلہ اسلم:** قبیلہ اسلم سے چار سو کا لشکر آیا جسے دو حصوں میں تقسیم کر کے اسماء بن حارثہ اور ہند بن حارثہ کو قائد بنایا گیا۔

☆**قبیلہ غفار:** قبیلہ غفار سے تین سو کا لشکر آیا جس کی قیادت ابوذرؓ غفاری نے کی۔

☆**دستۂ بنی ضمرہ و سعد:** بنی ضمرہ اور سعد بنی بکر یہ لوگ کنانہ سے تعلق رکھتے تھے ان کی طرف سے دو سو افراد کا دستہ آیا۔

☆**قبیلہ بنولیث:** یہ بنی بکر کنانہ سے تھے ان کی طرف سے دو سو پچاس افراد پر مشتمل لشکر آیا۔

☆**قبیلہ اشجع:** قبیلہ نجد سے تھے ان کی تعداد تین سو تھی ان کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دو سربراہ بنائے گئے۔

☆**قبیلہ بنوتمیم:** قبیلہ بنوتمیم سے بہت کم لوگ آئے جن کی تعداد دس تھی۔

عباسؓ سے ملاقات

بعض کے مطابق جب پیغمبرؐ عرج سے روانہ ہو کر جحفہ یا اس سے کچھ اوپر پہنچے تو آپ کی اپنے چچا عباس بن عبدالمطلبؓ سے ملاقات ہوئی۔ عباسؓ ابتدائی زمانے سے آپ کے ساتھ تھے اور آپ کی حمایت کرتے تھے وہ اپنے بال بچوں سمیت مدینہ ہجرت کر کے آرہے تھے۔

اطلاعاتی گروہ کی روانگی

پیغمبر اسلامؐ نے معلومات کے حصول کیلئے خالدؓ بن ولید کی سربراہی میں بنی سلیم کا ایک دستہ تشکیل دیا تا کہ وہ دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھے اور دیگر معلومات حاصل کرے پیغمبر اسلامؐ نے دستہ کو حکم دیا ہر مشتبہ شخص کو گرفتار کرلیں کیونکہ ممکن ہے ان میں سے کوئی مشرکین کا جاسوس ہو پیغمبرؐ نے قدید سے نکلتے وقت مکہ کو بائیں جانب چھوڑتے ہوئے دائیں جانب رخ کیا اس عمل کا مقصد یہ تھا کہ پیغمبرؐ کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے والوں کو محسوس نہ ہو آپؐ مکے کی طرف جارہے ہیں، آپؐ آگے بڑھنے کے بعد عام راستے پر عازم سفر ہوئے جو ظہران سے گزرتے ہوئے مکے کی طرف جاتا ہے، آپؐ نے عرج نامی مقام پر قیام فرمایا، لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو سکا آپؐ ہوازن کی طرف جارہے ہیں یا ثقیف کی طرف۔ یہاں تک کہ کعب بن مالک جو شاعر تھے انہوں نے ایک شعر کے ذریعے پیغمبرؐ سے معلوم کرنا چاہا کہ آپؐ کا رخ کس طرف ہے، پیغمبرؐ جواب دینے کی بجائے ایک تبسم کے ساتھ خاموش ہو گئے۔ لوگ سمجھتے تھے پیغمبرؐ کے سامنے قریش کی زیادہ اہمیت ہے یا ہوازن کی جبکہ بعض کا خیال تھا اگر مسلمانوں کے نزدیک سب سے زیادہ خطرناک قریش ہیں تو ہوازن کی بھی اپنی جگہ کم اہمیت نہیں۔

رئیس قبیلہ غطفان کی بغیر دعوت پیغمبر ﷺ لشکر اسلام میں شمولیت

جنگجو قبیلہ غطفان کے رئیس و قائد عیینہ بن حصن فزاری نبی کریمؐ کے سخت دشمن تھے انھوں نے جنگ احزاب و خیبر میں مشرکین یہود کے ساتھ مل کر پیغمبرؐ کے خلاف جنگ لڑی اور کئی دفعہ مدینہ میں غارت گری بھی کی۔ جب لشکر اسلام نے قبیلہ غطفان کی شان و شوکت کو ختم کیا تو یہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ پیغمبرؐ نے مدینے کے گردو نواح میں رہنے والے مسلمان قبائل و عشائر کو دعوت دی تو قبیلہ غطفان کو دعوت نہ دی، سوائے ان کے جو پہلے ایمان لے آئے تھے۔

ایک مقام پر عیینہ بن حصین کی پیغمبرؐ کے ساتھ ملاقات ہوئی انہوں نے آپؐ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے بہت افسوس ہوا کہ آپؐ جہاد میں محو سفر ہیں اور میں بالکل بے خبر ہوں، اگر مجھے بروقت علم ہوتا تو میں اپنے قبیلے کے تمام مردوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتا۔ عیینہ نے پیغمبرؐ سے عرض کی آپؐ کے لشکر میں نہ آثار جنگ پر چم نظر آتے ہیں جس سے کہا جا سکے کہ آپ جنگ کیلئے جارہے ہیں نہ آپ لوگ احرام کی حالت میں ہیں تا کہ کہہ سکیں کہ عمرہ کیلئے جارہے ہیں بتائیں آپ کہاں جارہے ہیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا جہاں خدا چاہے۔ چونکہ عیینہ اپنے قبیلے کے مطیع و فرمانبردار قائد تھے اس لئے پیغمبرؐ نے ان کو اپنے ساتھ رکھا اور جنگی صلاح و مشورہ کے ارکان میں شامل کیا۔

بنوہوازن کاجاسوس

واقدی نے معاذ بن جبل سے اورانھوں نے عبد اللہ بن سعد سے نقل کیا ہے کہ ہوازن نے لشکر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے ایک جاسوس کومکہ اور مدینہ کے درمیانی راستے پر متعین کیا۔اس جاسوس کومکہ سے ۳۰میل پہلے عرج اورتلوک نامی مقام پرمقدمۃ الجیش اسے گرفتار کر کے پیغمبرؐ کے پاس لائے اورکہا

"یا رسول اللہؐ ہم نے اس جاسوس کوایک اونٹ پرسوار پایا۔ہمیں دیکھ کراس نے ایک نشیبی جگہ پر چھپنے کی کوشش کی کچھ دیر کے بعد یہ بلند مقام پر بیٹھ کرادھرادھر کاجائزہ لینے لگا ہم نے اسکاپیچھا کیاتو یہ ہم سے بھاگنے لگا لیکن اونٹ کاپاؤں لڑکھڑانے کی وجہ سے یہ ایسا کرنے میں ناکام رہا،ہم نے اسے پکڑ کر پوچھا کہ تم کون ہو؟تو اس نے کہا میں بنی غفار سے ہوں،پھراس سے پوچھا کہ تم بنی غفار کے کس خاندان سے تعلق رکھتے ہوتو یہ جواب نہ دے سکا اورخاموشی اختیار کرلی جس پرہمیں شک پڑگیا،ہم نے پوچھا تمہارے اہل وعیال کہاں ہیں اس نے کہا قریب ہی پانی کے چشمے پر ہیں ہم نے پوچھا کس چشمے پر ہیں؟اس پر یہ جواب نہ دے سکااورادھرادھر کی باتیں کرنے لگا ہم نے اس سے کہاسچ بتادوورنہ تمہاری گردن اڑادیں گے۔اس نے کہا اگرسچ بتادوں تو مجھے کیافائدہ ہوگا؟ہم نے کہا اگر حقیقت ظاہر کروگےتو امان دی جائے گی۔اس نے کہا میراتعلق بنوہوازن کے بنی نصر سے ہے انہوں نے مجھے یہاں جاسوسی کیلئے بھیجا ہےاورکہا ہے کہ معلوم کروکہ محمدؐ اپنے حلیفوں بنی خزاعہ کی مدد کے بارے میں کیاارادہ رکھتے ہیں؟کیاقریش کی طرف مذاکرات کیلئے یاجنگ کیلئے اپنے آدمیوں کوبھیج رہے ہیں یا خود لشکر کے ساتھ قریش سے لڑنے کیلئے آرہے ہیں جوصورت احوال ہوتم ان کے ساتھ بطن سرف تک آجاؤ جومکہ کے قریب واقع ہے پھر دیکھو وہاں سے محمدؐ ہماری طرف آرہے ہیں یا مکہ کی طرف جارہے ہیں اگر ہماری طرف آرہے ہیں تو ان سے پہلے جلدی آکرہمیں اطلاع دوتا کہ ہم مقابلہ کی تیاری کریں اوراگر مکہ جارہے ہوں تو وہ جانیں اورانکا کام۔"

جاسوس سے ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد پیغمبرؐ نے خوداس سے سوالات پوچھے،ہوازن کہاں ہیں؟لشکر کہاں موجود ہے؟اس نے کہامیں نے انہیں مقام بقعاء پر چھوڑاانہوں نے بڑی تعداد میں لوگوں کوجمع کیا ہے۔پیغمبرؐ نے پوچھا ہوازن نے کس کوسربراہ بنایا ہے اس نے کہامالک بن عوف کو۔اس نے مزید بتایابنی عامر جوجنگجو ہیں انھوں نے مالک کوتسلیم نہیں کیا پیغمبرؐ نےفرمایااس قبیلے کاسردار کون ہےاس نے کہا کعب وکلاب ہے پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایایہ شخص سچ کہتا ہے آپ نے خالدؓ بن ولید کوحکم دیا کہ اسے اپنی تحویل میں رکھیں لشکر اسلام جب مکہ میں داخل ہواتو اس نے اسلام قبول کرلیا یہاں تک کہ جنگ حنین میں شہادت کے درجہ پر فائز ہوا۔

ہوازن اور مکے کے مشرکین میں اتحاد کیوں نہیں ہوا

"یہاں ایک اہم موضوع یہ ہے کہ قریش اور ہوازن کے درمیان مسلمانوں کے خلاف اتحاد کیوں نہیں ہوا؟ تاریخی اور عسکری تجزیہ و تحلیل کرنے والوں کا ذہن اس سوال سے نا آشنا ہے آخر کیوں قریش اور ہوازن ایسے موقع پر مسلمانوں کے خلاف متحد نہ ہو سکے۔ اگر یہ دونوں متحد ہو جاتے تو مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرتے۔"

اگر چہ ان دونوں کے درمیان پڑوسی ہونے کے ناطے ارتباط اور اتحاد قائم کرنے کے مواقع موجود تھے لیکن اس کے باوجود ان دونوں میں اتحاد و اتفاق نہ ہو سکا۔ اس بارے میں تاریخ کے صفحات پر کوئی چیز واضح انداز میں نہیں ہے البتہ یہ ممکن ہے کوئی شخص یہ تجزیہ کرے کہ قریش ذہنی یا فکری طور پر پیغمبرؐ سے جنگ کرنے پر مائل نہیں تھے انھیں یہ باور ہو چکا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے لہٰذا انہوں نے مسلمانوں یا محمدؐ سے بچنے کیلئے دار الندوہ میں صلاح و مشورہ کیا۔ انہوں نے متوقع لشکر کشی کے بارے میں بہتر اور مناسب طور پر احتیاط کی اور اس سلسلے میں حالات سازگار بنانے کیلئے رسول اسلامؐ سے مزید مذاکرات کرنے کو عافیت سمجھا اور یوں اپنے توڑے ہوئے عہد کو پھر سے بحال کرنے کی کوشش کی چنانچہ پیغمبرؐ سے ہونے والی گفتگو میں کسی معاہدے تک پہنچنے کا اختیار ابو سفیان بن حرب کو دیا گیا اور انہیں آپؐ کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ جب ابو سفیان کو ناکامی ہوئی تو قریش نے ایک بار پھر دار الندوہ میں صلاح و مشورے کے بعد ابو سفیان کو نمائندہ مقرر کیا۔ دوسری جانب قریش کی پیغمبرؐ کی لشکر کشی پر کڑی نظر تھی وہ اس بات سے آگاہ تھے کہ پیغمبرؐ مکے کی طرف رخ کریں گے۔ اس لئے انھوں نے فیصلہ کیا کہ مذاکرات کے ذریعے امان طلب کی جائے۔ یہ تصور قریش کے اذہان میں موجود تھا۔ جہاں تک ھوازن کا تعلق ہے وہ درندہ صفت اور مغرور قوم تھی جو مسلمانوں پر حملہ کرنے یا ان سے مقابلہ و دفاع کرنے کیلئے تیاری میں مصروف تھی پیغمبرؐ بھی ان کے متعلق سوچ رہے تھے۔

مر الظہر ان میں اسلامی لشکر کا پڑاؤ

پیغمبرؐ نے اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے مر الظہر ان پہنچے۔ صاحب معالم حجاز لکھتے ہیں یہ مقام مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر شمال کی طرف جادہ مدینہ پر جبکہ مکہ سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے بقری کا بیان ہے مکہ اور مر الظہر ان کے درمیان ۱۶ کلومیٹر کا فاصلہ ہے یہاں پیغمبرؐ نے اصحاب کو آگ جلانے کا حکم فرمایا تا کہ مشرکین کے دل اکھڑ جائیں۔ دوران سفر پیغمبر اسلامؐ نے لشکر اسلام کو روزہ کھولنے یا رکھنے کا اختیار دیا تھا کہ جو روزہ رکھنا چاہیں وہ رکھیں اور جو روزہ کھولنا چاہیں وہ کھولیں لیکن جب یہ لشکر مقام مرّ الظہر ان پہنچا راستے میں پیغمبرؐ نے لشکر کو حکم دیا تمام لوگ روزہ کھول لیں کیونکہ ہم اس وقت میدانِ جنگ کے دروازے پر پہنچ چکے ہیں اور روزہ جنگ میں کمزوری کا سبب بنتا ہے، لہٰذا تمام لشکر کیلئے حکم ہے سب روزہ افطار کر لیں اور جس نے یہ حکم نہ مانا وہ گناہگار ہوگا یہ کہہ کر پیغمبرؐ نے ایک برتن میں پانی لے کر روزہ کھولا اور فرمایا افطار تمہارے جسم کو قوت دیتا ہے، یہاں پیغمبرؐ کو خبر دی گئی کہ لشکر کے بعض افراد نے روزہ نہیں کھولا ہے تو آپؐ نے فرمایا وہ گناہگار و عاصی ہیں۔ روزہ قصر کرنے کا فلسفہ اسی بنیاد پر ہے دوسری جانب پیغمبرؐ کے اس سفر کی نقل و حرکت قریش سے مخفی رہی اور انہیں یہ بھی پتہ نہ چلا کہ پیغمبرؐ

کا دس ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر مکہ سے صرف چار میل کے فاصلے پر پہنچ چکا ہے، پیغمبرؐ کے اچانک ایک بڑے لشکر کے ہمراہ مکے کی طرف آنے کی اطلاع اگر چہ قریش کو نہیں تھی تا ہم ان لوگوں نے جس دن قبیلہ خزاعہ سے خیانت کی اور بعد میں ابوسفیان مدینہ سے نا کام لوٹا تھا تو اس کے بعد یہ اس انتظار میں تھے کہ محمدؐ کبھی نہ کسی طرح انہیں ادب سکھانے کیلئے ان پر ضرور حملہ کر دیں گے، اس لئے وہ ہمیشہ صلاح ومشورے میں رہتے تھے، سربراہانِ قریش سب متفق تھے کہ لشکر اسلام کی طرف سے لشکر کشی کی صورت میں وہ ان کا مقابلہ نہیں کرینگے، دارالندوۃ کے فیصلے میں ابوسفیان کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ محمدؐ سے صلح کیلئے مذاکرات کرے اور جنگ کی صورت میں لشکر کے سامنے سر تسلیم خم ہو کر مکہ کو مفتوحہ علاقہ تسلیم کرے تا کہ ان کی جان ومال کا تحفظ ہو، ابوسفیان کو یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے لشکر کو تسلیم کرنے میں جلد بازی نہ کرے اگر محمد محدود لشکر لے کر آ جائیں تو ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دے، قریش نے دارالندوہ میں یہ فیصلہ بھی کیا ابوسفیان مسلمانوں کے حالات کے بارے میں جاسوس کا کردار بھی ادا کرے گا اس کام کیلئے حکیم بن حزام ،بدیل بن ورقا کو ابوسفیان کا معاون اور مشیر مقرر کیا گیا۔ یہاں ہم روسائے قریش حکیم بن حزام اور ابوسفیان کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

حکیم بن حزام ام المومنین خدیجہ الکبریٰ = کے چچازاد بھائی

حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن مصعب بن عثمان ۔ جب پیغمبرؐ نے اعلان نبوت کیا تو اس وقت دار الندوۃ حکیم بن حزام کے ہاتھ میں تھا ۔ یہ بدر واحد میں مشرکین کے ساتھ نکلے دونوں میں شکست کے ساتھ واپس آنے پر قسم کھائی کہ اب آئندہ مکہ سے باہر نہیں نکلوں گا اور قریش کے ساتھ نہیں بیٹھوں گا۔ مکہ میں اس انتظار میں رہے کہ اہل مکہ پیغمبرؐ کے سامنے تسلیم ہو جائیں لیکن قریش اپنی جاہلیت پر اصرار کرتے رہے اور یہ انکی پیروی کرتے رہے یہ سوچتے تھے کہ کاش قریش کی پیروی نہ کرتے ان کی بربادی اس میں رہی کہ یہ اپنے آباؤ واجداد کی پیروی کرتے رہے۔ جب پیغمبرؐ نے مکہ کی طرف لشکر کشی کی تو حکیم بن حزام اور ابوسفیان معلومات حاصل کرنے کیلئے نکلے ان کی عباسؓ بن عبدالمطلب سے ملاقات ہوئی ۔ عباسؓ ابوسفیان کو پیغمبرؐ کے پاس لے گئے اور حکیم اپنے گھر واپس آ گیا اس نے گھر کا دروازہ بند کر لیا یہاں تک کہ پیغمبرؐ مکہ میں داخل ہو گئے ۔ حکیم دیگر لوگوں کے ساتھ پیغمبرؐ پر ایمان لایا ۔ حکیم بن حزام نے زمانہ جاہلیت میں ۱۰۰ آدمیوں کو آزاد کیا تھا ۔ یہ مدینہ آئے اور وہاں مکان تعمیر کیا ۵۴ھ کو ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

ابوسفیان

ابوسفیان فرزند حرب بن امیہ بن عبدالشمس کا سلسلہ نسب تین پشتوں سے پیغمبرؐ کے ساتھ عبدالمناف سے جا کر ملتا ہے ۔ عبد الشمس اور اس کا بیٹا امیہ دور جاہلیت کے اقتدار میں اپنے چچا ہاشم بن عبدالمناف کے حلیف ورقیب تھے ۔ مکہ میں امیہ کثرت اولاد اور صاحب مال و دولت ہونے کی وجہ سے ایک مقام رکھتا تھا جو کہ مکہ میں اس وقت رائج تین شرافتوں نسب، کثیر اولاد اور کثرت دولت میں سے دو کا حامل تھا۔ امیہ کی دس اولادیں تھیں ۔ جن کے نام یہ ہیں ۔ عنابس، حرب، ابوحرب، سفیان، ابوسفیان، عمرو، ابوعمر اور

عیاس ان میں عیاس کی نسل سے عاص، ابوالعاص، عیص اور ابوالعیص تھے۔ حرب بن امیہ جنگ فجار میں اپنے گروہ کے قائد تھے۔

حرب کی عبدالمطلبؓ بن ہاشم کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک دوستی رہی اسی طرح ابوسفیان بھی عبدالمطلبؓ کا دوست تھا، اگرچہ ان کے درمیان وقتاً فوقتاً ہلکی پھلکی عداوت و دشمنی کی ہوائیں چلتی رہتی تھیں مگر کبھی ان میں جنگ کی نوبت نہ آئی۔ جب پیغمبر اسلامؐ نے اپنی دعوت اسلام کا آغاز کیا تو بنی عبدالشمس کے گھرانے کے بعض ارکان آپؐ پر ایمان لائے جیسا کہ خالد بن سعید بن عاص اور ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہؓ باقی نے دعوت اسلام کی مخالفت کی، خود بنی ہاشم کے بعض افراد جیسا کہ ابولہب نے بھی دعوت اسلام کی مخالفت کی۔ اسی طرح دارالندوۃ میں پیغمبرؐ کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کرنے والوں میں بنی ہاشم کی طرف سے ابولہب نے نمائندگی کی پیغمبرؐ کی ہجرت کے بعد آپؐ سے مقابلہ کرنے والے مخالفین کی قیادت عتبہ بن ربیعہ نے کی یہ بدر میں قائد تھا جبکہ احد اور احزاب میں ابوسفیان قائد تھا جنگوں کا یہ سلسلہ آٹھ ہجری کو فتح مکہ کے بعد اپنے اختتام کو پہنچا جس کے ساتھ ہی مشرکین پیغمبرؐ کی دعوت قبول کر کے اسلام کے سامنے سر تسلیم خم ہو گئے۔

دور حاضر میں دنیائے کفر و شرک اور ادیان باطلہ کی جانب سے اسلام کے خلاف جنگ پہلے سے کہیں گنا زیادہ شدت سے جاری و ساری ہے۔ جس سے ایک بات سب کو ذہن نشین کر لینی چاہیے اور شاید دنیا کے حالات و واقعات پر گہری نظر رکھنے والے مبصرین بھی اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ خونریز جنگ و جدال سے زیادہ ثقافتی اور تبلیغاتی جنگ تباہ کن، کارآمد اور موثر ثابت ہوتی ہے اس اصول کے تحت مسلمانوں کو ایک عرصے سے خاندانوں اور قوموں میں تقسیم کر کے رکھا گیا ہے اس مہم کے سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ ظلم کو منظر عام پر لانے کیلئے بنی امیہ کے کارناموں کو پیش کیا جاتا ہے جبکہ لعن طعن کیلئے پہلے اور دوسرے خلیفہ کو سامنے لایا جاتا ہے تا کہ کبھی فاطمی، کبھی حسنی، کبھی بنی عباس، کبھی عثمانی اور کبھی صفوی وغیرہ کے نام سے مسلمانوں کی گردن دبائی جا سکے۔

عباسؓ کی مکہ میں قریش کو قتل عام سے بچانے کی کوشش

جب عباسؓ نے پیغمبرؐ کے ساتھ ایک بڑا لشکر دیکھا تو خوفزدہ ہو گئے کہ مکہ میں خون بہے گا اگر یہ لشکر مکہ میں طاقت و قدرت کے ساتھ داخل ہو گیا تو اہل مکہ ہمیشہ کیلئے صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ عباسؓ نے لشکر اسلام کو تمام طاقت و قدرت اور عزم و ارادے کے ساتھ مکہ فتح کرنے کیلئے سرگرم دیکھا تو سوچنے پر مجبور ہوئے کہ قریش کو لشکر اسلام کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہونے سے بچانے کیلئے کیا کیا جا سکتا ہے، اگر یہ لشکر مکہ میں اسی طرح داخل ہو گیا تو ہر وہ شخص جو ان کے سامنے کھڑا ہو گا وہ ان کی تلوار کی ضربت سے پاش پاش ہو جائیگا، کچھ دیر اس مسئلے پر غور و غوص کرنے کے بعد آپ اس نقطہ پر پہنچے کہ خود جا کر پیغمبر اسلامؐ سے ابتدائی مرحلہ میں امان طلب کریں اور مشرکین مکہ کو پیغمبرؐ کے حوالے کر دیں۔ لشکر اسلام اہل مکہ کے جان و مال کا تعرض نہ کرے آپ پیغمبرؐ کو راضی کرنے کے بعد فوراً وہاں سے نکلے تا کہ طلوع آفتاب سے پہلے کسی نہ کسی طریقہ سے اپنی قوم کی سربرآوردہ شخصیات سے کہیں کہ وہ جلد از جلد آ کے محمدؐ کے ہاتھوں تسلیم ہو جائیں۔ آپ تیزی سے رات کے اندھیرے میں مکہ کی طرف آ رہے تھے تا کہ راستے میں اگر کوئی لکڑی جمع کرنے والا یا دودھ بیچنے والا ملے تو اس کے ذریعے سربراہان قریش کو پیغام بھیجیں۔

حسنِ اتفاق کہہ سکتے ہیں کہ اسی رات ابوسفیان، حکیم اور بدیل خبر معلوم کرنے کیلئے مکہ سے نکل چکے تھے ان کے علم میں نہیں تھا کہ محمدؐ اُس کے شہر کے دروازے پر پہنچ کر داخل ہونے کیلئے لمحات کا انتظار کر رہے ہیں، اسے ایک غیبی مدد کہہ سکتے ہیں ابوسفیان کے ذہن میں یہ تصور جاگزین ہوا کہ وہ راتوں رات اہل مکہ کو بری طرح ہلاکت سے بچانے کیلئے نکلے، اسی طرح عباسؓ کے ذہن میں بھی یہ بات راسخ ہو چکی تھی۔ عباسؓ کی ابوسفیان سے اراک نامی جگہ پر ملاقات ہوئی، یہاں ابوسفیان اور بدیل بن ورقہ محو گفتگو تھے ابوسفیان نے کہا "خدا کی قسم! آج رات کی طرح پہلے نہ میں نے ایسے بھڑکتے شعلے دیکھے ہیں نہ کبھی اتنا بڑا لشکر دیکھا ہے۔" یہاں عباس نے ابوسفیان کو کہا کہ وہ جلد از جلد رئیسِ قریش کی حیثیت سے اہل مکہ کیلئے امان نامہ طلب کرے۔ عباسؓ پیغمبرؐ کے خچر پر سوار تھے آپؓ نے ابوسفیان کو اپنے پیچھے سوار کیا اور فوراً پیغمبرؐ کے پاس لے گئے۔ جب ابوسفیان رسول اللہؐ کے خیمے میں پہنچا تو عمرؓ نے تلوار نکالی اور رسول اللہؐ سے کہا "یا رسول اللہؐ مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن ماروں" عباسؓ نے کہا "یا رسول اللہؐ میں نے اسے پناہ دی ہے" پیغمبرؐ نے عباسؓ بن عبدالمطلب سے فرمایا کہ آپؓ اس کو لے جائیں اور صبح میرے پاس لائیں۔ جب صبح ہوئی تو عباسؓ ابوسفیان کو لے کر پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے پیغمبرؐ نے ابوسفیان سے کہا "افسوس ہو تم پر کہ تمہارے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم جان لو کہ خدا کا کوئی شریک نہیں" تو ابوسفیان نے کہا کہ خدا کا کوئی شریک ہوتا تو میرے کچھ کام آیا ہوتا۔ آپؐ نے مزید فرمایا کہ کیا تمہارے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم جان لو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو ابوسفیان نے کہا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں مگر میرے اندر ابھی بھی اس بارے میں تذبذب پایا جاتا ہے بہر حال اس نے اسلام قبول کر لیا۔ یہاں ابوسفیان نے پیغمبرؐ سے ایک بات کی اے محمدؐ! آپ ان پست صفت اور مجہول انسانوں کو اپنی قوم اور قبیلہ کو مارنے کیلئے لائے ہیں ہم ان میں سے اکثر کو نہیں جانتے، ابوسفیان کی یہ گفتگو اس کی جاہلیت کی عداوت اور حقارت و دشمنی کی عکاسی کرتی ہے، اس کے جواب میں پیغمبرؐ نے فرمایا تم بہت ظالم اور فاسق و فاجر انسان ہو، تم نے حدیبیہ کے عہد و پیمان کو توڑا، قبیلہ خزاعہ پر خدا کے حرام کردہ مہینے میں تجاوز و غارت گری کی پھر فرمایا یہ وہ افراد ہیں جنہوں نے میری تنہائی اور غربت میں میری تصدیق کی، جب تم لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے اس وقت اِن لوگوں نے میری مدد کی۔ اسی مقام پر عباسؓ نے پیغمبرؐ سے کہا کہ ابوسفیان فخر و مباہات پسند انسان ہے لہٰذا آپ اسے کوئی اعزاز دے دیجئے تو پیغمبرؐ نے فرمایا جو بھی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا وہ امن میں ہوگا۔ جو مسجد الحرام میں چلا جائے گا اسے امن ہوگا اور جو کوئی اپنا دروازہ بند رکھے گا وہ بھی امن میں ہوگا۔

ابوسفیان نے نبی کریم ﷺ کو مکہ سے پہلے جنگ ہوازن کا مشورہ دیا

مورخین لکھتے ہیں ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام دونوں نے اسلام قبول کیا اور دونوں نے مشورہ دیا آپؐ اپنا رخ ہوازن کی طرف کریں تو مناسب ہوگا کیونکہ وہ لوگ ہماری نسبت آپؐ سے زیادہ دشمنی رکھتے ہیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ مجھے میرے خدا سے امید ہے، ہوازن کی فتح مجھے فتح مکہ کی عزت اور سر بلندی کے بعد نصیب ہوگی، ہوازن کی شکست، انکے اموال اور اسیر میری غنیمت میں آئینگے یہ میری خدا سے درخواست ہے۔

لشکر اسلام کی طاقت نمائی اور ابوسفیان

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ جب پیغمبرؐ مکہ کی طرف روانہ ہوئے آپؐ نے اپنے چچا عباسؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو وادیٔ مضیق میں روک کے رکھیں تا کہ وہ گزرنے والے لشکر کا نظارہ کرے، عباسؓ نے پیغمبرؐ کے فرمان کے مطابق اس کو وادی مضیق میں پہاڑ کے دامن میں روک کر رکھا تو ابوسفیان نے کہا کیا میرے ساتھ غدر ہو رہا ہے، عباسؓ نے کہا اہل بیت نبوت غدر نہیں کرتے تم اتنے خوف زدہ کیوں ہو گئے ہو۔ جب عباسؓ نے ابوسفیان کو روک کر رکھا تو پیغمبرؐ نے حکم دیا کہ لشکر کے تمام دستے رئیس قریش یا نمائندۂ قریش کے سامنے سے گزریں یہ اس لئے تھا کہ یہ مکہ جا کر عہد شکنی نہ کر دے، یہ منظر دیکھ کر ابوسفیان پر وحشت طاری ہوئی اور وہ تطبیق نہیں کر پا رہا تھا کہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ تمام دستے اپنے پرچم داروں کے پیچھے دقیق اور منظم طریقے سے جا رہے تھے اس سے پہلے تاریخ عرب میں ایسی کوئی عسکری مشق دیکھنے میں نہیں آئی تھی اس صورت حال نے ابوسفیان کو مزید وحشت و دہشت میں مبتلا کیا اور وہ حیران ہو گیا کہ اتنی محیر العقول اور بے مثال تبدیلی مسلمانوں کی حیات و زندگی میں کیسے پیدا ہوئی۔ شرک کی پیدا کردہ تمام برائیاں شرک چھوڑنے کیساتھ ختم ہو گئیں اور تمام خوبیاں جو توحید کا تحفہ ہیں انکے اندر جاگزین ہو چکی ہیں جو کل ضعیف تھے آج وہی قوی ہیں جو کل انکی نظروں میں ذلیل تھے وہ آج عزت مند نظر آ رہے ہیں جو کل عداوت و دشمنی میں ایک دوسرے کے دست وگریباں تھے آج ایمان با توحید اور ایمان برسالت کی وجہ سے انہیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار نظر آ رہے تھے۔ یقیناً ابوسفیان نے سوچا ہوگا پیغمبرؐ کو جب مکہ سے نکالا گیا تو یتیم عبداللہؓ پروردۂ ابو طالبؑ تھے لیکن آج عرب کے بادشاہ بن چکے تھے ابوسفیان نے کہا ہم نے دنیا کے بڑے طاقتور بادشاہوں قیصر و کسریٰ کو دیکھا لیکن تمھارے بھائی کے بیٹے کی بادشاہی کا نمونہ نہیں ملتا عباسؓ نے کہا یہ بادشاہت نہیں نبوت ہے لشکر کی جو ترتیب مقام قدید میں دی گئی تھی فوجی دستے اسی حکم کے مطابق ترتیب سے یکے بعد دیگر چلتے رہے ہر قبیلے کا ایک پرچمدار تھا سب سے پہلے سواروں کا دستہ ابوسفیان کے سامنے سے گزرا جس کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے یہ ایک ہزار افراد پر مشتمل تھے جو بنی سلیم سے تعلق رکھتے تھے عباس بن مرادس سلمی، اخفاف بن ندبہ اور رجاج بن علاط تینوں ان کے پرچم دار تھے۔

تمام دستے زرہوں میں ڈوبے ہوئے تھے ابوسفیان محسوس کر رہا تھا اس کے سامنے سے لوہے کا دریا بہہ رہا ہے۔ خالد بن ولید کے لشکر کے سوار گزرے تو ابوسفیان نے پوچھا یہ کون ہے عباس نے جواب دیا بنو سلیم، ابوسفیان نے کہا کہ میرا بنو سلیم سے کیا واسطہ ہے عباس نے کہا ان کا قائد خالد بن ولید ہے۔ ابوسفیان نے کہا وہ لڑکا، جب خالد بن ولید عباس اور ابوسفیان کے سامنے سے گزرے تو تین دفعہ تکبیر بلند کی۔ اس کے بعد زبیر بن عوام پانچ سو مہاجرین اور بعض عرب کی قیادت کرتے ہوئے ہاتھ میں پرچم لئے گزرے ابوسفیان زبیر کو اچھی طرح سے جانتا تھا وہ زرہ میں ڈوبے تھے اس لئے نہ پہچان سکا اور پوچھا یہ کون ہے عباس نے کہا یہ زبیر ہے ابوسفیان نے کہا تمہاری بہن کا بیٹا (زبیر صفیہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے) عباس نے کہا ہاں، اس کے بعد بنی غفار کا تین سو سواروں کا دستہ گذرا انکا پرچم ابوذر غفاری کے ہاتھ میں تھا جب گزرنے لگے تو تین بار تکبیر بلند کی، ابوسفیان نے

پوچھا یہ کون ہے عباس نے کہا یہ بنو غفار ہے، اسکے بعد بنو اسلم کا دستہ آیا انکا پرچم بریدہ بن حسیب کے ہاتھ میں تھا، انہوں نے بھی تکبیر بلند کی، اس کے بعد عمرو بن کعب خاندانِ خزاعہ کا دستہ گذرا انکی تعداد پانچ سو تھی، انکا پرچم بصر بن سفیان خزاعی نے اٹھایا ہوا تھا، ابوسفیان نے پوچھا یہ کون ہیں عباس نے کہا یہ بنی کعب ہے انہوں نے بھی تکبیر بلند کی۔

جب ابوسفیان کے سامنے سے سعد بن عبادہ کا گزر ہوا تو رئیس انصار سعد بن عبادہ کے ذہن میں مشرکین کی ان حرکتوں کی یاد تازہ ہوگئی جو انھوں نے پیغمبرؐ اور مسلمانوں کے ساتھ کی تھیں۔ سعد بن عبادہ اس وقت انصار کے پرچمدار تھے، یہ اہل مکہ کی پچھلی جنایتیں یاد آنے پر جذبات میں آ گئے جس کا اظہار انھوں نے جھنڈے کو لہراتے ہوئے کہا ''آج خون ریزی اور مار دھاڑ کا دن ہے آج حرمت حلال کرلی گئی ہے'' صبر و تحمل کے پیکر نبی کریمؐ فرما رہے تھے ''آج کعبے کی تعظیم دن ہے۔'' سعد بن عبادہ کے جذبات میں آنے کی وجہ سے انہیں معزول کر کے پرچم ان کے بیٹے قیس کو دیا گیا۔

ابوسفیان مکہ واپس آیا

جب سربراہِ قریش یا قائد لشکر احزاب ابوسفیان بن حرب نے اپنی آنکھوں سے لشکر نبوی کی افرادی قوت، تنظیمی طاقت، اسلحہ اور سب سے اہم قوتِ ارادہ وعقیدہ کو دیکھا تو اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ اس لشکر سے مقابلہ کرنا یا اس کے مقابل میں استقامت دکھانا خودکشی، دیوانہ پن اور عقل و فراست سے باہر اقدام ہوگا کیونکہ یہ لشکر ہر طرح سے مظہرِ طاقت وقدرت نمائی کا حامل ہے۔ دنیا کے جنگ وجدل میں دین ومذہب اگر نہ ہو تب بھی بڑی قدرت اور طاقت کے ساتھ قلت اور غیر مناسب افراد کے ذریعے مقابلہ کرنا احمقانہ حرکت ہے، اگر ایسے موقع پر بھی استقامت دکھائیں گے تو عقب نشینی، ہدنہ اور جنگ کو کسی اور موقع کیلئے ٹالنے کے اصول جنگی مخدوش ہوجائیں گے۔ ان تمام افکار ونظریات، اصول وثقافتِ جنگی کو اپنے ذہن اور دماغ میں گردش دینے کے بعد ابوسفیان دو پیغامات لے کر مکہ واپس آیا۔

الف۔ ایک پیغامِ بصری تھا کہ اس نے جیش محمدؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا یعنی مختصر سی مزاحمت قریش کو صفحۂ روزگار سے مٹا دے گی۔

ب۔ دوسرا اس شفقت کا پیغام جو پیغمبرؐ نے اس سے فرمائی تھی

> ''اگر ہمارے لشکر کے ساتھ مقابلہ ومزاحمت نہیں کرو گے تو تمہاری جان و مال اور عزت وآبرو محفوظ رہے گی ہم تمہارے تسلیم ہونے کا اس وقت یقین کریں گے جب اپنا اسلحہ ہمارے لشکر کے سپرد کردو گے۔''

اہل مکہ انتہائی کرب واضطراب کے عالم میں اپنے مستقبل کے متعلق پریشان تھے اور اس سوچ میں تھے کل یا آج شام ہمارے ساتھ کیا حشر ہوگا، جونہی انھوں نے ابوسفیان کو آتے دیکھا تو بارش کے قطرات کی مانند ہر سمت سے اس کی جانب بڑھے اور سوالات کی بوچھاڑ کردی، ابوسفیان نے امانتداری، دلسوزی، مہربانی اور سیاستمداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا مکہ اس لشکر کیلئے مفتوحہ علاقہ ہوگا ہم میں سے کوئی اسلحہ لے کر نہیں نکلے گا ہم لشکرِ محمدؐ کے مکے میں داخل ہوتے وقت کسی قسم کی مزاحمت کا مظاہرہ نہیں کرینگے، بصورت دیگر ہم کسی کی جان کی ضمانت نہیں دے سکتے، اگر آپ لوگ اس پر عمل کریں گے اور پابندی کا مظاہرہ کرینگے تو

سب کی جان، مال اور عزت وآبرو محفوظ رہے گی۔ ابوسفیان نے اہل مکہ اور قریش کو لشکرِ اسلام کی تعداد، طاقت وقدرت، تنظیم اور جوش وجذبے سے آگاہ کیا۔ ابوسفیان کے فیصلے استبدادی یا فردِ واحد کے فیصلے نہیں تھے بلکہ اغلب وسربرآوردہ قریش نے واضح الفاظ میں اپنے تحفظ کی خاطر تسلیم ہونے کی حد تک اختیارات اسکے سپرد کئے تھے اس نے ان اختیارات کی روشنی میں ہی فیصلہ کیا تھا غالب اکثریت نے ابوسفیان کے فیصلے کو سراہا اور قبول کیا جس سے انقلابی اور جذباتی گروہوں کی غیر معقول کوشش ناکام ہو کر رہ گئی۔

معاہدۂ ابوسفیان کے ناقدین

ابوسفیان نے اہل مکہ سے کہا وہ عاطفہ وجذبات میں آنے کی بجائے عقل سے کام لیں بصورت دیگر مصیبت یکے بعد دیگر گریبان گیر ہو جائے گی گرچہ اکثر اہل مکہ دل کی گہرائیوں سے اس اعلان کا استقبال کرنے کیلئے آمادہ تھے لیکن بعض نے مسترد کیا جن میں سرِفہرست ابوسفیان کی زوجہ ہندہ تھی۔ کیا واقعاً زوجۂ ابوسفیان ہند نے صحیح معنوں میں اپنے شوہر کی مخالفت کی یا یہ مخالفت پہلے سے طے شدہ تھی تاکہ مکہ میں ابوسفیان کی اس بات کے خلاف اٹھنے والا گروہ سبقت نہ کر سکے یا انکے جذبات کو ٹھنڈا کیا جا سکے؟ غرض ابوسفیان کی بیوی ہند دختر عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس نے جونہی ابوسفیان کی زبان سے لشکرِ اسلام کے سامنے تسلیم ہونے کی خبر سنی تو فوراً سے مسترد کر کے ابوسفیان پر ہجوم کیا اور کہا خدا تمہارے چہرے کو مسخ کرے تم اہل مکہ کیلئے کتنے برے نمائندے ہو جس نے اہل مکہ کو دعوت دی ہے اسے قتل کرو۔ بعض نے اس کی اس تحریک کی حمایت کی جن میں عکرمہ بن ابوجہل پیش پیش تھا۔ ہند نے ابوسفیان کی مونچھوں کو پکڑ لیا اور کہا تم قوم کیلئے سیاہ ترین نمائندے ہو۔ اے آلِ غالب! اس شیخ احمق کو قتل کر دو اس میں کسی قسم کی خیر نہیں ہے پھر قریش کو کہا اپنی جان ومال اور وطن سے دفاع کرو، ابوسفیان نے کہا خاموش ہو جاؤ اور اپنے گھر جاؤ پھر قریش سے خطاب کر کے کہا اس واعیہ کی بات میں نہ آنا جو کچھ میں نے دیکھا اس نے نہیں دیکھا ہے لشکر ہر قسم کے وسائل وذرائع سے بھرپور انداز میں آمادہ ہے اور اس لشکر کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا لہٰذا جو میرے گھر میں داخل ہوگا وہ امن ہوگا لوگوں نے کہا خدا تمہیں ہلاک کرے تمہارا گھر ہمیں کیسے بچائے گا۔ اس نے کہا جو دروازہ بند کر کے گھر میں یا بیت اللہ کے پاس ہوگا وہ بھی امن میں ہوگا۔ جب اہل مکہ نے ابوسفیان کے اعلان کو سنا تو منتشر ہو گئے ہر شخص نے یقین کر لیا کہ اس وقت لشکرِ محمدؐ سے کسی قسم کی مزاحمت بے سود ہوگی، حکمت ومصلحت اسی میں ہے کہ جنگ سے باز رہیں اور اپنا اسلحہ پھینک دیں چنانچہ قریش نے گلی کوچوں کو خالی کیا۔ کچھ اپنے گھروں میں رہے کچھ نے مسجد کا رخ کیا اور کچھ نے ابوسفیان کے گھر میں پناہ لی۔ اس طرح ابوسفیان کے کئے ہوئے اتفاقِ رائے پر بطور کامل عمل کیا تاکہ اہل مکہ کی جان ومال محفوظ رہے اور جنگی مصیبت سے جان بچ سکے۔ اس اعلان پر سختی سے عمل کیا گیا کہ لشکرِ اسلام کے داخل ہونے کیلئے تمام راستے خالی کر دیئے جائیں۔

لشکر کی نئی تنظیم بندی

پیغمبر اسلامؐ جب ذی طویٰ پہنچے تو مسجد حرام سے نصف میل کے فاصلے پر آپؐ نے اپنے دس ہزار لشکر کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا اور قلب لشکر میں ایک ہیئت تشکیل دی جس میں مہاجرین وانصار اور دیگر قبائل کے جنگی ماہر وتجربہ کار شخصیات کو پورے

لشکر کی ہدایت و رہنمائی کیلئے معین کیا۔باقی چار دستوں کو حکم دیا کہ مکہ پر قبضہ کریں اور ہر قسم کی مزاحمت کو کچل دیں،آپؐ نے فرمایا کسی کو اس وقت تک قتل نہ کیا جائے جب تک وہ تم لوگوں سے مبارزہ آرائی پر نہ اتر آئے۔انکی قیادت اصحاب میں سے چار افراد کو دی گئی جن میں سے تین مہاجر اور ایک انصاری تھا۔مہاجرین کے ایک قائد زبیر بن عوام تھے،انہیں حکم دیا گیا کہ مکہ کے شمال میں کدئی سے داخل ہوں۔

دوسرے قائد خالد بن ولید تھے انھیں حکم ملا کہ شمال مغرب سے مکے میں داخل ہوں۔

تیسرے قائد ابوعبیدۃ بن الجراح تھے انھیں حکم دیا گیا کہ مکے کے شمال مغرب سے داخل ہوں۔

چوتھے قائد سعد بن عبادہ تھے تمام انصار انکی قیادت میں تھے انہیں حکم دیا گیا جنوب مغرب سے مکے میں داخل ہوں۔

جب سعد بن عبادہ نے نعرے بلند کئے تو اہل مکہ کو تشویش ہوئی کہ امن دینے کے بعد ان کا خون ہدر کیا جا رہا ہے۔ان کے اس عمل سے مہاجرین بھی خوش نہیں تھے۔سعد ایک جنگجو انسان تھے شاید اس موقع پر فاتحانہ انداز میں داخل ہوتے وقت جاہلیت کے جذبات ابھر کر ان کے سامنے آ گئے ہوں جیسا کہ بیعت عقبہ دوم کے بعد قریش نے انھیں پکڑ کر مار پیٹ کی تھی یا غرور کی وجہ سے اسلامی تعلیمات پیچھے رہ گئی ہوں غرض ان کا یہ نعرہ اس وقت ہر حوالے سے غلط تھا کیونکہ سعد تمام انصار کی قیادت کر رہے تھے اور انصار اس جنگ میں کثرت کے حوالے سے عمود فقری کی حیثیت رکھتے تھے پیغمبرؐ نے سعد کی جگہ انکے بیٹے قیس کو منتخب کیا پیغمبر اسلامؐ کے مکہ میں داخلے کے حوالے سے ابن اسحٰق لکھتے ہیں آپؐ شمال مغرب کی طرف سے انتہائی پر سکون حالت میں مکہ میں داخل ہوئے آپؐ کے آگے ابوعبیدۃ بن الجراح تھے۔

لشکر اطمینان و سکون کے ساتھ دھیرے دھیرے ہر نئے قدم پر حرم سے نزدیک ہوتا جا رہا تھا،فتح مبین کا یہ دلکش منظر مشرکین کو اپنے عبرتناک ماضی کی بخوبی یاد دلا رہا تھا یعنی کہ انہی مسلمانوں کو بے بسی و ناتوانی کے عالم میں مکہ سے باہر نکالتے وقت کتنی ٹھوکریں ماری گئیں لیکن اب مسلمانوں کا لشکر تائید الٰہی کی انمول نعمت سے لطف اندوز ہو کر مکے میں داخل ہو رہا تھا۔

حرم پاک کی طرف بڑھنے والے مسلمانوں کو خدا کی نعمت کا احساس جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی ان کے خضوع میں اضافہ ہوتا ہے اور خشوع میں سر جھکائے رہتے ہیں یہاں بڑھتے ہوئے جذبات مسلمانوں پر غالب تھے،اس عظیم فتح و کامیابی کا مظاہرہ ان کے اعضاء سے بھی چھلک رہا تھا پیغمبرؐ کا لشکر مختلف اطراف سے مکہ میں داخل ہوا۔

۱۔**زبیر بن عوام:** شمال سے داخل ہوئے اور حجون پر جھنڈا نصب کیا۔

۲۔**عبیدہ بن الجراح:** ان کا پیدل دستہ شمال مغرب سے داخل ہوا۔

۳۔**قیس بن سعد بن عبادہ:** جنوب مغرب سے داخل ہوئے۔

۴۔**خالد بن ولید:** زیریں حصے سے داخل ہوئے وہاں موجود قریشی سرداروں صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل نے تکبر و غرور میں آ کر خالد بن ولید کے ساتھ مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ان میں قبیلہ بنی بکر اور بنی ہذیل بھی شامل تھے۔انہوں

نے ایک تنگ جگہ کا انتخاب کیا۔ جب خالد بن ولید خندمہ پہنچے تو دیکھا کہ ایک لشکر لڑنے کیلئے آمادہ ہے انہوں نے خالد کو موقع دیئے بغیر تیر مارنا شروع کر دیئے۔ خالد نے انہیں تنبیہ کی کہ ایسا مت کرو پھر نام لے کر سب کو مخاطب کیا اور کہا واپس گھروں کو چلے جاؤ، مجھے حکم ہے سوائے مزاحمت کے اسلحہ استعمال نہ کروں۔ خالد بن ولید نے انہیں فرصت دی لیکن انہوں نے قسم کھائی کہ جنگ لڑیں گے اور محمدؐ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اس پر خالد نے لشکر کو لڑنے کا حکم دیا تھوڑی دیر کے بعد لشکر اسلام نے ان پر قابو پا کر شکست دی، مشرکین فرار ہو گئے، کہتے ہیں کہ اس جھڑپ میں ۲۸ افراد مرے جن میں سے ۴ ہذیل سے تعلق رکھتے تھے۔ اس معرکے میں بنی بکر کے دو آدمی قتل ہوئے جو اس معرکے میں شریک نہیں تھے بعض کے مطابق ۲۴ افراد قتل ہوئے اس موقعہ پر ابوسفیان بن امیہ اور حکیم بن حزام چیخے "اے قریش جنگ نہ لڑو" جس پر امن ہو گیا اور لوگوں نے گھروں میں داخل ہو کر دروازے بند کر دیئے۔ جب پیغمبرؐ تک یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا میں نے جنگ سے منع نہیں کیا تھا آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ کام خالد بن ولید کا ہے۔ پیغمبرؐ نے کہا جو کام ہونا تھا وہ ہو گیا۔ ابن عباس نے پیغمبرؐ سے نقل کیا ہے

"خدا نے آسمان و زمین کی تخلیق کے دن سے یہاں جنگ کو حرام قرار دیا ہے یہاں کسی کو جنگ کرنے کی اجازت نہیں ملی صرف مجھے چند گھنٹوں کیلئے یہ اجازت دی گئی۔"

پیغمبرؐ انصار و مہاجرین اور عشائر قبائل کے رؤساء کے ساتھ شمال مغرب میں ناحیہ کدا جنت المعلٰی کی طرف روانہ ہوئے تو آپ کی زبان پر سورہ فتح کی آیات جاری تھیں

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ☆ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ☆ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا﴾ "بیشک اے نبی ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے گذشتہ اور آئندہ کے خطرات کو ڈھانپ دیا اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل کر دے اور آپ کو سیدھے راستے پر چلائے اور اللہ آپ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو۔" (فتح ۱تا۳)

جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ یہ دعا فرما رہے تھے۔ "اللھم ان العیش عیش الاخرۃ"

اسی دوران ایک آدمی آیا جو آپ سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن ہیبت کی وجہ سے لرزہ براندام ہو گیا پیغمبرؐ نے دیکھا تو انتہائی تواضع سے فرمایا "بات کرو میں بھی ایک قریشی عورت کا فرزند ہوں" پیغمبر کا سر نعمت خدا اور احسان خدا کی وجہ سے نیچے جھکا ہوا تھا۔

طواف و نماز

جب نبی کریمؐ اور مسلمان مسجد الحرام میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے اپنی لاٹھی کے ذریعے حجر اسود کو بوسہ دیا اور تکبیر پڑھی آپ کی تکبیر کے ساتھ تمام مسلمانوں نے بھی تکبیر کہی اور پھر تکبیر کی صداؤں سے پورا شہر مکہ گونج اٹھا۔ یہ سارے مناظر مشرکین پہاڑی پر کھڑے ہو کر دیکھ رہے تھے محمد بن مسلمہ پیغمبرؐ کی ناقہ قصویٰ کی لگام تھامے ہوئے تھے، ہر طواف کے چکر پر آپؐ اپنے

عصا کو حجر اسود سے مس کر کے بوسہ دیتے جب رسول اللہؐ طواف سے فارغ ہوئے تو اپنے ناقہ سے اترے اور مقام ابراہیمؑ کے پاس دو رکعت نماز پڑھی بعد ازاں زم زم کا پانی پی کر وضو کیا۔ آپؐ کے وضو کا پانی مسلمان اپنے چلو میں لے کر اپنے چہرے پر تبرک کے طور پر ملنے لگے جسے دیکھ کر مشرکین کو تعجب ہوا کہ آج تک کسی ایسے بادشاہ کے بارے میں نہ دیکھا ہے اور نہ سنا ہے۔ طواف کے بعد آپؐ نے مسجد کے کونے پر کچھ دیر آرام فرمایا اس دوران ابوبکرؓ تلوار لئے آپؐ کے سرہانے کھڑے رہے۔ آپؐ نے عثمان بن ابی طلحہ کو جو کہ کعبے کے کلیدار تھے بلوایا اور ان سے چابی لے کر کعبے میں داخل ہوئے۔

بتوں اور تصاویر سے کعبے کی تزئین و آرائش

دور جاہلیت میں قریش کعبے کا دروازہ پیر اور جمعرات کو کھولا کرتے تھے، کعبے کا کلید بردار دروازے پر پہرا دیتا تھا اور کسی کو جوتے پہن کر اندر جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی جس کے باعث تمام لوگ جوتے دروازے کے باہر اتار کر اندر جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جوتے اتار کر کعبے میں سب سے پہلے داخل ہونے والا شخص ولید ابن مغیرہ تھا، بعد میں اسکا یہ عمل کعبہ میں داخلے کی سنت بن گیا۔ کعبے کے اندر موجود بت اور تصویریں کب، کس طرح اور کہاں سے یہاں لائی گئیں۔ اس کے بارے میں اخبار مضطرب ہیں یہ نہیں معلوم کہ یہ چیزیں شام، عراق اور یونان سے آئیں یا مقامی رسام و مصورین نے بنائیں؟ کہتے ہیں کہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت، ابراہیم، عیسیٰ + اور مریم = کی تصاویر سمیت متعدد تصویریں کعبہ کی زینت بنی ہوئیں تھیں۔ انہی بتوں اور تصاویر کیلئے اونٹ اور گوسفند ذبح ہوتے تھے، بتلایا جاتا ہے کہ انبیاءؑ کے علاوہ ملائکہ کی تصاویر بھی موجود تھیں۔ نبی کریمؐ نے فتح مکہ کے موقع پر تمام بتوں کو گرایا اور تصویروں کو مٹا دیا۔ کہتے ہیں مشرکین عرب نے کعبے اور اس کے گرد رکھے گئے بتوں پر اکتفاء نہ کیا بلکہ ان سے ملتے جلتے مجسمے بنا کر اپنے محلوں میں لے گئے جہاں انھوں نے گھر گھر بت خانے اور طواف گاہیں بنا رکھی تھیں جنھیں پیغمبرؐ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے مسلح قائدین کے ذریعے نہ صرف تباہ کیا بلکہ ان کے آثار تک کو مٹا دیا گیا۔ ان چیزوں کے بارے میں حقائق بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ سرزمین مکہ میں موجود بت اور صورت پرستوں کی جانب سے ابتدائی مراحل میں ان بتوں کی طرف جھکاؤ اور احترام درحقیقت ان کے بقول خدا کا احترام تھا یا ان سے قرب کو قرب خدا سمجھنے کے علاوہ وہ انھیں اپنا شفیع او روسیلہ و واسطہ بھی سمجھتے تھے جیسا کہ ان کے عقائد و نظریات کو قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ہے:

> ﴿اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَاۗءَ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰہِ زُلْفٰی اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ فِیْ مَا ھُمْ فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ﴾ "خبردار اللہ تعالیٰ ہی کیلئے خالص عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں نہیں کرتے ہم ان کی عبادت مگر اس لئے کہ یہ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا فیصلہ اللہ کرے گا جھوٹے اور ناشکرے کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا۔" (زمر۳)

سرزمین توحید یعنی کعبہ پر جسے خداوند متعال نے تمام روئے زمین کے خدا پرستوں کیلئے معبد اور نکتۂ توجہ بہ خدا قرار دیا اس

کے ساتھ لوگوں نے تین کام انجام دیئے۔

الف۔توجہ با خدا کی بجائے بتوں کی طرف متوجہ ہوئے نتیجتاً خدا ان کے اذہان سے نکل گیا بلکہ بتوں کے علاوہ کسی اور کے موثر و مدبر اور رازق ہونے کا اعتراف کرنے سے بھی یہ لوگ انکار کرتے تھے

ب۔کوئی انہیں خدائے واحد کی طرف دعوت دیتا تو کہتے کہ تم تمام خداؤں کو چھوڑ کر ایک ہی خدا کی بات کر رہے ہو یہ بات کیسے ماننے والی ہے۔

ج۔مشرکین کعبہ میں موجود بتوں سے قانع نہ ہوئے تو اس عمل کو وسعت دیتے ہوئے بتوں کو اپنے گھروں میں لے گئے۔آج یہی صورتحال مسلمانوں کے اکثر و بیشتر فرقوں کے اندر مختلف صورتوں میں پائی جاتی ہیں۔بعض حلقوں نے کسی جانی پہچانی مسلمان شخصیت کی قبر سے نیاز حاصل کرنے کا رواج ڈالا ہے بعض نے مجہول الحال قبرستانوں،بعض نے چلتے پھرتے حیوانات،بعض نے حیوانات کے مجسموں اور بعض نے دیگر اشکال و صورتوں کو پہلے مرحلے میں وسیلے اور واسطے کے طور پر اپنانے کا دعویٰ کیا ہے۔دوسرے مرحلے میں ہر قوم و گروہ اور ہر صنف کے لوگوں نے اپنے لئے بت خانے قائم کئے ہیں اب شرک کرنے والے یہ مناظر دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں "ہم اور تم ایک ہی ہیں"۔

بتوں کا انجام

پیغمبرؐ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے ہاتھ میں عصا تھا اسی سے آپ ہر ایک بت کو ٹھوکر مارتے جاتے اور کہتے جاتے تھے:

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ "حق آگیا اور باطل مٹ گیا باطل کو تو مٹنا ہی تھا" (اسراء ۸۱)

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ﴾ "حق آچکا باطل نہ تو پہلے کچھ کر سکا اور نہ کر سکے گا" (سبا ۴۹)

آپؐ نے سب سے بڑے بت ھبل کو توڑنے کا حکم دیا تمام بتوں کے توڑے جانے کے بعد ہبل کعبے کی عمارت سے باہر نکال کر جلا دیا گیا۔اسی طرح دیواروں پر بنائی گئی ابراہیم عیسیٰ +اور مریم = کی تصویریں مٹا دیں گئیں ان تصویروں کے ہاتھ میں ازلام کے تیر تھے اس دوران پیغمبرؐ کی جانب سے منادی نے ندا کہ جو کوئی خدا اور رسولؐ پر ایمان لایا ہے اسے چاہیے کہ اپنے گھروں میں رکھے گئے بتوں کو توڑ دے۔

مکے میں منع عبور و مرور (کرفیو) کا خاتمہ

جب جیشِ نبویؐ نے سرزمینِ مقدسہ مکہ پر تسلط حاصل کیا اور یہاں سے شرک و بت پرستی کے تمام مظاہر،بت اور بتوں سے متعلق شعار،عکس،نوشتۂ دیوار سب کا خاتمہ کر دیا تو یہاں عبور و مرور (کرفیو) کی جو پابندی لگائی گئی تھی اسے اٹھا لیا گیا اہل مکہ شہر کے اندر اور باہر آنے جانے میں آزاد ہوئے تو ہر طرف سے لوگ مسجد الحرام کی طرف آنے لگتا کہ دیکھیں محمدؐ فاتح بن کر شکست خوردہ دشمن کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں کہ جس نے بیس سال مسلسل پیغمبر کی راہ میں روڑے اٹکائے اور اپنا آخری تیر پھینکنے میں کوتاہی نہیں کی۔قریش کی سربرآوردہ اور برجستہ شخصیات پر وحشت اور خوف و خشیت کا غبار چھایا ہوا تھا،لشکرِ اسلام کی عظمت و قدرت اور

ہیبت کو دیکھ کر ان کی آنکھیں چندھائی ہوئی تھیں کہیں ہمیں دھوکہ تو نہیں ہو رہا جس محمدؐ کو اشتہاری مجرموں کی طرح پکڑ کر لانے اور ان کا خون بہانے کیلئے جائزہ و انعام معین کیا تھا وہ اب ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ محمدؐ یہاں سے ایک ساتھی کے ساتھ نکلے تھے لیکن ابھی دس ہزار کے مسلح لشکر کے ساتھ یہاں آئے ہیں۔

قریش سے خطاب

پیغمبرؐ نے کعبے کے دروازے پر فرمایا

"لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ صدق وعدہ و نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ الا کل ماثرۃ اودم او مال یدعی فھو تحت قدمی ھاتین الا دسانۃ البیت.....الخ" "ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا فرما دیا اس نے بندہ کی مدد کی، تمام جتھوں کو تنہا شکست دی ہاں تمام تفاخر، تمام انتقامات خون برائے قدیم، تمام خون بہا میرے قدموں کے نیچے ہیں، بصرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا تکبر و غرور اور نسبت کا افتخار اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا ہے۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے ہے۔"

اس کے بعد آپؐ نے سورہ حجرات کی آیت ۱۳ کی تلاوت کی:

﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد او رعورت سے پیدا کیا پھر تمہیں قومیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک یقیناً وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو یقین مانو کہ اللہ خوب جاننے والا باخبر ہے۔"

پیغمبرؐ نے اپنے اس خطاب میں ہر قسم کے تشدد و سختی، ناجائز عادات و رسومات اور اندھی تقلید کو ختم کیا۔ اسی طرح ہر قسم کے ناجائز استحصال و استثمار کو جو اس وقت رائج تھا ختم کیا۔ قتل عمدی میں قصاص او ردیہ کا اعلان فرمایا اور تمام انسانیت میں وحدت و بشریت کا اعلان کیا۔ آپؐ نے مسلمانوں کیلئے احکام شریعت بیان فرمائے جن کی بنیاد پر امت ایک دوسرے سے مربوط اور تشکیل پا جائے آپؐ نے فرمایا یہ امت جنسی روابط پر قائم نہیں ہوئی کیونکہ اس میں ایک دوسرے پر فضیلت فخر و برتری اور مال و جاہ کی وجہ سے نہیں ہے۔

اہل مکہ کیلئے عفو عام

قریش مجرم و گناہ گار اور اسلام و پیغمبر اسلامؐ پر تعدی و تجاوز کرنے والے تھے، انہوں نے مسلمانوں کو ستایا، قسم قسم کی تکالیف دیں اور مدینہ پر یکے بعد دیگرے ہجوم و لشکر کشی کی تا کہ وہاں سے مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے لیکن آج کی متمدن و ترقی یافتہ دنیا کے برعکس پیغمبر اسلامؐ نے ان کے ساتھ مثالی سلوک کیا آپؐ نے ان سے خطاب میں فرمایا

"اے محشر قریش، اے اہل مکہ تم میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہو اور کس بات کا انتظار کر رہے ہو اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا۔"

قریش اس وقت آپؐ کے ہاتھوں سے کسی قسم کے ناگوارہ و ناپسندیدہ عمل کے سرزد ہونے یا کوئی مجازات ملنے کی توقع نہیں رکھتے تھے انتہائی خوف، کرب و جزع اور پریشانی میں مبتلا تھے اور ان کے کلیجے منہ کو آ رہے تھے کہ ان کے حق میں پیغمبر اسلامؐ کیا اعلان کریں گے اور کس طرح اپنے اصحاب کو ہمارے اوپر مسلط کرینگے بلکہ وہ آپؐ کے اخلاق کریمہ اور مثالی سلوک جس سے آپؐ آراستہ تھے کی مناسبت سے کسی اقدام کی توقع رکھتے تھے لہٰذا قریش نے کہا: "آپ اخی کریم اور اخی کریم کے بیٹے ہیں" یہ سننے کے بعد آپ کی زبان مبارک سے عفو عمومی کا اعلان اور وہ کلمہ جاری ہوا جو انسانی سلوک کیلئے رہتی دنیا تک ایک نمونہ و مثال بن کر باقی رہے گا۔ یہاں پیغمبرؐ کی رحمت و شرافت اپنے ظہور و تجلی میں طلوع آفتاب کی طرح نمایاں ہوئی آپؐ نے فرمایا تمہارے لئے آج کوئی خوف نہیں تم سب امان میں ہو خدا تمہیں بخش دے وہ ارحم الراحمین ہے جاؤ تم سب آزاد ہو۔ خدا نے اہل مکہ کی رگ حیات پیغمبرؐ کے ہاتھ میں دی تھی اسی وجہ سے اہل مکہ کو طلقاء کہتے ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ نے خانہ کعبہ میں داخل ہونے کیلئے کعبہ کی چابی عثمان بن ابی طلحہ سے لی تھی لوگ سوچ رہے تھے کہ اب آپؐ انہیں چابی واپس نہیں کریں گے اور اپنے اقرباء میں سے کسی کو دیں گے جیسا کہ بنی ہاشم کی طرف سے اس کا مطالبہ ہوا تھا دنیا میں بھی کسی ملک پر غلبہ و تسلط حاصل کرنے والے حکمرانوں کا دستور یہ ہے کہ وہ جس جگہ غلبہ و تسلط حاصل کریں وہ لوگوں کے اموال پر قابض ہو جاتے ہیں۔ پیغمبرؐ نے تمام اہل مکہ کو امن دیا۔ سوائے محدود افراد کے لشکر اسلام نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کسی بھی مشرک کو قتل نہیں کیا لیکن پیغمبرؐ کے حلیف قبیلہ خزاعہ نے اس عفوِ عمومی کے باوجود اپنے انتقامی جذبے کے تحت قبیلہ ہذیل کے ایک مشرک کو قتل کیا جس پر نبی کریمؐ غصے میں آ گئے آپ نے اپنے لشکر کو جمع کر کے اس فعل کی مذمت کی اور مقتول کی دیت ادا کی۔ لیکن یہاں آپؐ نے لوگوں کی اس سوچ اور دنیاوی حکمرانوں کے دستور و عادت کے خلاف عثمان کو چابی دیتے ہوئے فرمایا یہ چابی تم سے کوئی نہیں چھینے گا سوائے کسی ظالم کے۔

کعبہ کی چھت پر اذان ظہر

فتح مکہ کے دن جب ظہر کا وقت ہوا تو مسجد الحرام لشکر اسلام اور تسلیم شدہ اہل مکہ سے بھر چکی تھی اس موقع پر نبی کریمؐ نے بلالؓ بن رباح کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر جا کر ظہر کی اذان دیں اور یہ اعلان کریں کہ مکے سے شرک و بت پرستی کی حکومت کا خاتمہ اور توحید و رسالت کی حکومت قائم ہو گئی ہے۔ پیغمبرؐ کے حکم پر بلالؓ نے چھت پر جا کر اذان دی۔

بلالؓ کی اذان مکہ کی بعض شخصیات کیلئے قابل ہضم نہیں تھی اور اسے سن کر قریش کے جلتے ہوئے دلوں میں غیض و غضب کی کوئی حد نہ رہی لیکن اظہار ناراضگی سے خوف کھاتے تھے۔ ان میں سے بعض بے قرار ہو کر اپنے درد دل کے مرض کا اعلان کرنے لگے اور کہنے لگے کہ کیا محمدؐ کو (نعوذ باللہ) اس کوے کے سوا کوئی اور نہیں ملا۔

۱۔عتاب بن اسید نے کہا خدا نے میرے باپ اسید پر رحم کیا آج انہیں یہ اذان سننا نہیں پڑی۔

۲۔سعید بن عاص کی اولادوں نے کہا خدا نے ہمارے آباء کو نوازا کہ وہ اس کالے کو کعبہ کی چھت پر اذان دیتے ہوئے دیکھنے سے پہلے گئے۔

۳۔کسی قریشی نے حارث بن ہشام سے کہا کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ یہ بندہ کہاں چڑھ گیا ہے اگر خدا موجود ہے تو وہ اس کو برداشت نہیں کرے گا۔

۴۔حکم بن عباس کا کہنا تھا کہ بنی جمع کے ایک غلام اور رابی طلحہ کے بیٹے (بلالؓ) کا چیخنا ایک عظیم سانحے سے کم نہیں ہے۔

۵۔ابوسفیان نے اس خوف سے کچھ کہنے سے گریز کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی باتیں پیغمبرؐ تک پہنچ جائیں۔

۶۔بعض قریشیوں نے بلالؓ کی اذان کی نقل اتارنا شروع کردی۔ان میں ابومحذورہ بھی شامل تھا۔

ابوسفیان نے اشراف قریش کو یہ کہتے ہوئے سنا تو کہا میں کچھ نہیں کہتا اگر میں کچھ کہوں تو یہ سنگریزے ان کو خبر دیتے ہیں۔ تاریخ میں آیا ہے ابوسفیان نے پیغمبرؐ کی عظمت وشہامت کو دیکھ کر حسد میں آکر اپنے دل میں سوچا اگر میں ان سے جنگ کرتا تو کیا ہوتا اسی لمحے پیغمبرؐ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اگر تم ایسا کرتے تو خدا تمہیں ذلیل کرتا۔فتح مکہ کی پہلی رات لشکر اسلام نے مسجد الحرام میں نماز وطواف اور دعا میں گزاری۔

بلال ÷

بلالؓ مکے میں قبیلہ بنی جمع کے امیہ بن خلف کے غلام تھے۔وہ ہمیشہ اپنے مولا امیہ بن خلف کو محمدؐ کے بارے میں غیض و غضب،غم وغصہ اور بُرے نام سے یاد کرتے ہوئے سنا کرتے تھے۔ان کے ذہن میں ایک سوالیہ فقرہ منتج جاری تھی کیونکہ یہ لوگ محمدؐ کو غم وغصے اور برے کلمات سے یاد کرتے تھے دوسری جانب محمدؐ کی شرافت اور صداقت کا ذکر کرتے ہوئے ایک دوسرے سے کہتے تھے محمدؐ کبھی جھوٹ نہیں بولتے،دھوکہ باز اور ساحر بھی نہیں ہیں ایک دن ہمارا اور ان کا سخت مقابلہ ہوگا۔بلال پیغمبرؐ کی امانتداری؛ وفا؛ جوان مردی؛ اخلاق اور کردارِ حسنہ کا ذکر سنتے رہتے تھے۔

قریش کو اپنے اقتدار واحترام کیلئے خطرہ لاحق تھا یہ سب باتیں سنتے سنتے ایک دن بلالؓ بے قراری اور بے صبری میں پیغمبرؐ سے ملنے گئے اور وہاں آپؐ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔یہ خبر جلد ہی قبیلہ بنی جمع کے روساکے کانوں تک پہنچ گئی،اس خبر نے انھیں چونکا دیا اور شیاطینِ قریش امیہ بن خلف پر ٹوٹ پڑے اور کہنے لگے یہ کیا ہوا آج ہمارے ہی غلاموں میں سے ایک غلام نے محمدؐ کے ہاتھوں اسلام قبول کرلیا ہے لیکن امیہ اپنے آپ سے کہتا ایک غلام کے اسلام قبول کرنے سے سورج نہیں ڈوب جائے گا امیہ کو کیا پتا تھا اسی سیاہ حبشی غلام کے نام پر دنیا کے بڑے بڑے خاندان اپنے بچوں کی اسم گزاری کو افتخار سمجھیں گے۔ تاریخ میں اصحاب پیغمبرؐ میں بلالؓ جیسا کوئی اور نہیں ہوگا جن کے نام سے لوگوں نے اپنے بچوں کی نام گزاری کی ہو۔بلالؓ نے اپنے زمانے اور آنے والے تمام انسانوں کیلئے چاہے سیاہ ہوں یا سفید،غلام ہوں یا آزاد کیلئے درس چھوڑا ہے کہ آزادی اور خود

مختاری کسی بھی مال و منال، جاہ و مقام اور جینے کیلئے فروخت نہیں کی جا سکتی ہے لہٰذا زندہ ضمیر کے ساتھ جلتی ریت پر لیٹنا اور سینے پر گرم پتھر رکھے جانے کو قبول کرلو لیکن دین اور ضمیر کو فروخت نہ کرو۔

بلالؓ نے احترام ضمیر اور دین سے دفاع کرنے کی ایک غیر متزلزل مثال پیش کی۔ جس زبان سے احد احد کہا اسے پھر کبھی کفر و شرک سے آلودہ نہیں کیا۔ بلالؓ جلتی دھوپ میں گرم ریت پر لیٹنے اور سینے پر گرم بھاری پتھر رکھے جانے سے دل تنگ نہ ہوئے بلکہ ان کے ایمان و عقیدے میں مزید استحکام آیا۔ انکا نام نہاد مولا امیہ بن خلف پریشان و سرگردان ہوا اور ان سے جان چھڑانے کی راہ تلاش کرنے لگا وہ سمجھ رہا تھا اگر یہ غلام اسی حالت میں مر جائے گا تو نقصان ہوگا بہتر یہ ہے کہ اس کو فروخت کر کے اس قیمت سے کوئی اور غلام خرید لیا جائے، امیہ اس غلام کو بیچنے کیلئے ذہنی طور پر آمادہ ہوا تو ابوبکرؓ آگے بڑھے اور انھیں غلامی سے نکال کر آزاد مردوں کی تعداد میں اضافہ کیا۔ یہ گمنام غلام اور بے سر و صدا انسان مسلمانوں کیلئے بلند آواز دینے اور انھیں پانچ وقت غفلت سے بیدار کرنے کیلئے ندا دینے والا انسان بن گیا۔

میدانِ بدر میں قریش کے سربر آوردہ افراد کے ساتھ بلالؓ کا سید و آقا امیہ بن خلف بھی آیا، امیہ بن خلف کا ضمیر مر چکا ہو لیکن دین مرنے والا نہیں ہے جنگ میں امیہ بن خلف، بلالؓ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔

انصار کا اندیشہ اور رسول اللہ ﷺ کا ان کو تسلی دینا

رسول اللہؐ کوہ صفا پر دعا فرما رہے تھے اسی دوران انصار آپ کے اردگرد جمع تھے ان میں سے بعض آپس میں گفتگو کرنے لگے اب جبکہ پیغمبر اسلامؐ کا آبائی شہر فتح ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ پیغمبر اب یہیں ٹھہر جائیں انصار کو خوف لاحق ہوا ہم کہیں اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہی نہ ہو جائیں۔ جب آپ دعا سے فارغ ہوئے تو ان سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیا اندیشہ ظاہر کر رہے تھے؟ پھر ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا "اب میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہے"۔ اس حدیث سے مدینہ طیبہ اور انصار کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

بیعت

لوگ پیغمبرؐ کی بیعت کیلئے جمع ہوئے آپؐ نے صفا پر بیٹھ کر بیعت لینا شروع کی عمرؓ بن خطاب آپ سے نیچے تھے اور لوگوں سے عہد و پیمان لے رہے تھے لوگوں نے حضورؐ سے بیعت کی کہ وہ آپؐ کی بات سنیں گے خدا اور رسولؐ کی اطاعت کریں گے اور اسلام کے اصولوں کی پابندی کریں گے۔ مردوں کی بیعت ختم ہونے کے بعد عورتوں کی باری آئی قریش کی خواتین میں سے ہند بن عتبہ آئی جو منہ چھپائے ہوئے تھی کہ بھیس بدلے ہوئے تھی تا کہ پیغمبر اسلامؐ اسے پہچان نہ سکیں، یہ پیغمبر اسلامؐ سے ڈرتی تھی کہ کہیں آپ حمزہؓ کے بارے میں کوئی بات نہ چھیڑ دیں۔

رسول اللہؐ : کیا تم میری بیعت کرنے اور شرک کو ترک کرنے کیلئے تیار ہو

ہند : اگر آپ ہم سے وہی بیعت لینا چاہتے ہیں جو مردوں سے لی ہے تو ہم بیعت کرنے کیلئے تیار ہیں

رسول اللہؐ : چوری نہیں کرو گی

ہند : اگر ابوسفیان کے مال میں سے کچھ لا تو گوارا سمجھ کر کھاؤں گی مجھے نہیں معلوم کہ وہ حلال ہے یا حرام

ابوسفیان : جو کچھ گزر گیا ہے وہ تمھیں معاف ہے

اس گفتگو سے رسولؐ نے پہچان لیا کہ وہ ہند بن عتبہ ہے

رسول اللہؐ : کیا تم ہند بن عتبہ ہو؟

ہند : جی ہاں ہم سے جو کچھ سرزرد ہوا اس سے درگزر فرمائیں

رسول اللہؐ : تم زنا نہیں کروگی

ہند : کیا آزاد عورت بھی زنا کرتی ہے؟

رسول اللہؐ : اپنے بچوں کو قتل نہیں کروگی

ہند : ہم نے انھیں پالا پوسا تھا جنھیں آپؐ نے بدر میں قتل کر دیا۔یہ سن کر عمرؓ ہنسنے لگے۔

رسول اللہؐ : عورتوں اور مردوں کے درمیان تہمت تراشی نہیں کروگی

ہند : تہمت تراشی بہت بری بات ہے

رسول اللہؐ : میری اطاعت میں عصیان نہیں کروگی

ہند : ہم یہاں اس لئے نہیں بیٹھیں اور نہ ہی اس لئے آئی ہیں کہ آپؐ کی نافرمانی کریں گی۔

پیغمبرؐ نے ان سے بیعت لی اور ان کے حق میں دعا کی البتہ پیغمبرؐ نے ان سے مزید مصافحت نہیں کی اور نہ ہی کسی اور عورت سے گفتگو کی۔

نامور افراد کا تسلیم ہونا

جب نبی کریمؐ لشکر اسلام کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو قریش کی بہت سی سربرآوردہ شخصیات پیغمبرؐ کے ڈر سے چھپ گئیں ان میں سے بعض مکہ میں تھے اور بعض مکہ سے فرار ہو گئے۔مکہ میں چھپنے والے افراد رابطہ خصوصی اور ضمانت کے ذریعے منظر عام پر آئے۔تسلیم ہونے والوں میں عسکری و لشکری اور انتظامی قائدین کے علاوہ عام افراد بھی تھے۔ان میں سے چند ایک کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔صفوان بن امیہ

صفوان پیغمبرؐ کا سخت دشمن تھا، رسولؐ اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں پیش پیش ہوتا تھا۔فتح مکہ کے موقع پر فرار ہوا تاکہ خود کو غرق کرلے اس کو بدگمانی تھی کہ پیغمبرؐ اس کو امان نامہ نہیں دیں گے اس کا بھائی عمیر بن وہب جمحی پیغمبرؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا قوم کا سربراہ یہاں سے بھاگ کر دریا میں خودکشی کرنے گیا ہے۔آپؐ نے سرخ و سیاہ کو امان دی ہے اسی لئے اسے بھی امان دیں پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا جاؤ اپنے بھائی کو لے آؤ اسے امان ہے۔عمیر نے کہا مجھے کوئی نشانی دے دیں کیونکہ میں نے اسے

آنے کیلئے کہا تھا مگر وہ کہنے لگا کہ جب تک مجھے کوئی نشانی نہیں ملے گی میں نہیں آؤنگا تو پیغمبر اکرمؐ نے انہیں اپنا عمامہ اتار کر دیا جسے پہن کر آپؐ مکے میں داخل ہوئے تھے۔ عمیر عمامہ لئے اپنے بھائی کی جانب بھاگے ادھر وہ کشتی میں سوار ہو رہا تھا۔ عمیر کو دیکھ کر صفوان نے کہا کہ مجھ سے دور ہو جاؤ اور بات نہ کرو۔ عمیر نے جواب دیا کہ اے صفوان میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں میں تمہارے پاس سب سے افضل، نیک اور حلیم انسان کی طرف سے آیا ہوں۔ وہ تمہارا ابن عم ہے اس نے تمہاری عزت و شرف کو تسلیم کیا ہے۔ صفوان نے کہا کہ میں ان سے اپنی جان کیلئے ڈرتا ہوں، عمیر نے کہا کہ وہ اس سے بلند علیم و کریم ہیں پھر عمامہ رسولؐ اس کو دکھایا اس کے بعد وہ عمیر کے ساتھ آیا، رسول اللہؐ کے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ آپؐ نے مجھے امان دی ہے تو پیغمبرؐ نے جواب دیا کہ سچ کہتے ہیں۔ بعض نے ذکر کیا ہے کہ امان نامہ اس کے غلام نے اس کیلئے طلب کیا تھا کہتے ہیں پیغمبرؐ نے اس سے فرمایا اے ابا وھب بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد صفوان نے پیغمبرؐ سے دو مہینے کی مہلت چاہی تو آپؐ نے جواب دیا کہ تم چار مہینے کی مہلت لے لو۔ جب پیغمبر اسلامؐ ہوازن کیلئے نکلے تو صفوان سے چالیس ہزار درہم اور اسکے پاس موجود زرہیں مانگیں صفوان کہنے لگا آپؐ یہ زبردستی لے رہے ہیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا نہیں بلکہ عاریہ لے رہا ہوں جنگ کے بعد تمہیں لوٹا دونگا۔ یہ پیغمبرؐ کے ساتھ حنین کیلئے نکلا۔ جب آپؐ نے ہوازن کا مال غنیمت تقسیم کیا تو پہلا سے سو (۱۰۰) اونٹ دیئے پھر سو (۱۰۰) اونٹ مزید مانگنے پر پھر سو (۱۰۰) اونٹ دیئے۔ مال غنیمت میں ایک درہ بھی آیا جو مویشیوں سے پر تھا صفوان کی نظریں اس پر تھیں پیغمبرؐ نے فرمایا یہ درہ اور یہ مویشی سارے تمہارے ہیں۔ اس پر صفوان بہت حیران ہوا پیغمبرؐ اس کی حیرانی جان گئے آپؐ نے اس سے پوچھا کیا یہ تمہیں پسند ہے تو اس نے کہا پسند ہے آپؐ نے فرمایا کہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں سب کچھ تمہارے لئے ہے۔ پیغمبرؐ کے جود و سخا اور آپؐ کی نظر میں مال کی بے اہمیتی دیکھ کر صفوان نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا اور اپنی مانگی ہوئی مہلت کے ختم ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا۔

۲۔ سہیل بن عمرو عامری

یہ قریش کی سربرآوردہ شخصیات میں سے تھا قریش نے حدیبیہ میں اسے نمائندہ وفد کا قائد بنا۔ خطیب اور سیاسی قائد تھا یہ جنگِ بدر میں پیغمبرؐ سے لڑنے کیلئے آیا لیکن مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوا اس نے اپنا فدیہ دے کر خود کو آزاد کرا لیا دوسروں کی نسبت اس سے دو ایسے فعل سرزد ہوئے جن کا یہ اپنی جگہ احساس کرتا تھا۔ اس نے دس سال مسلسل پیغمبرؐ کی اہانت و جسارت او رمخالفت کی لہٰذا اسے یقین تھا کہ اب پیغمبرؐ اس سے انتقام لیں گے اسی خوف سے اس نے خود کو اپنے گھر میں چھپا کر رکھا تا کہ کوئی اسے قتل نہ کر دے تاہم پیغمبرؐ کی طرف سے یہ شخص نہ مطلوب تھا اور نہ اسکا خون ہدر ہونے کا حکم صادر فرمایا گیا تھا اس نے اپنے بیٹے ابی جندلؓ جو صلح حدیبیہ کے موقع پر پیغمبرؐ پر ایمان لانے والوں میں سے تھے واسطہ بنایا، ابوجندلؓ پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے باپ کیلئے امان طلب کی آپؐ نے فرمایا ہاں وہ امان خدا میں ہے اسکے بعد آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص بھی سہیل ابن عمرو سے ملے اسے کراہت کی نظر سے نہ دیکھے یہ بڑا دانشمند انسان ہے تعجب ہے ایسا شخص اسلام کے بارے میں جاہل رہا جو عقل خدا نے اس کے اندر رکھی تھی اس

سے اس نے فائدہ نہ اٹھایا۔ابی جندل اپنے باپ کے پاس گئے اور پیغمبرؐ کا فرمان سنایا اس نے کہا واقعاً محمدؐ چھوٹی عمر سے ہی نیک کردار انسان ہیں، جنگ حنین میں حالت شرک پر آپؐ کے ساتھ شریک رہا اور جعرانہ کے مقام پر ایمان لایا۔

۳۔پسران ابولہب

ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور معتب مکہ میں چھپتے پھر رہے تھے انہیں پیغمبر اسلامؐ کے سامنے آنے کی جرائت نہیں تھی پیغمبر اسلامؐ نے اپنے چچا عباسؓ سے پوچھا آپ کے دو بھتیجے عتبہ اور معتب نظر نہیں آ رہے وہ کہاں ہیں؟ عباسؓ نے فرمایا وہ دوسروں کی طرح آپ کے سامنے آنے کی جرات نہیں کر رہے آپؐ نے فرمایا کہ دونوں کو میرے پاس لائیں، عباسؓ بھتیجوں کی تلاش میں نکلے دونوں کو اپنے ہمراہ لے آئے۔پیغمبر اسلامؐ نے ان دونوں کو اسلام کی طرف دعوت دی انہوں نے قبول کر لیا۔

۴۔ابی قحافہ کا اسلام قبول کرنا

ابوبکرؓ اپنے والد عثمان بن عامر تیمی کا ہاتھ پکڑ کر پیغمبرؐ کے سامنے لائے تو آپؐ نے فرمایا کہ بوڑھے باپ کو گھر میں ہی رہنے دیتے ہم خود ہی وہاں چلے جاتے ابوبکرؓ کہنے لگے یہی سزاوار تھا کہ وہ آپ کے پاس آئیں نہ کہ آپؐ انکے پاس جائیں آپؐ نے عثمان بن عامر کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جسے انھوں نے قبول کر لیا انکے ایمان لانے پر نبی کریمؐ نے ابوبکرؓ کو مبارکباد دی۔

مَحکومین قتل

مکہ معظمہ میں داخلہ کے وقت آنحضرت نے اپنے لشکر کو ہدایت فرمائی تھی کہ کسی پر حملہ کرنے میں پہل نہ کی جائے اور احتیاط برتی جائے تا کہ بے گناہوں کے قتل عام کی صورت پیدا نہ ہو لیکن بعض مردوں اور عورتوں کے بارے میں حکم دیا گیا کہ انھیں قتل کر دیا جائے چاہے وہ استار کعبہ سے ہی کیوں نہ لپٹ جائیں یہ لوگ اپنے سابقہ جرائم کی وجہ سے وہ قتل کے حقدار بن چکے تھے اور انھیں قطعی انجام تک پہنچانا حتمی فیصلہ تھا۔

یہ افراد اپنے جرائم کے ارتکاب کے بعد پیغمبرؐ کی جانب سے احکامات صادر ہونے کی خبر سن کر روپوش ہو گئے تھے محکومین قتل میں سے چند افراد نے امان طلب کی اور کچھ پیغمبرؐ کے سامنے حاضر ہونے سے پہلے قتل ہوئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

قتل ہونے والے افراد

۱۔عبداللہ بن خطل

یہ بنی تمیم بن غالب سے تعلق رکھتا تھا اس نے اسلام قبول کیا اور مدینہ آ گیا۔پہلے اس کا نام عبدالعزیٰ تھا،اسلام قبول کرنے کے بعد پیغمبرؐ نے اسکا نام عبداللہ رکھا۔ابن اسحٰق لکھتے ہیں پیغمبرؐ نے اسے ایک خدمت گار انصاری صحابی کے ساتھ زکات جمع کرنے کیلئے بھیجا عبداللہ نے اسے کھانا بنانے کا حکم دیا اور سو گیا جب نیند سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ کھانا تیار نہیں تو اس نے اس انصاری پر حملہ کر کے قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا جہاں یہ شعر کے ذریعے پیغمبرؐ اہانت کرتا تھا۔اس نے مکے میں اس وقت دو کنیزیں گانا گانے کیلئے رکھی تھیں جو حضورؐ کی شان میں گستاخی کرتی تھیں۔کتاب حیات محمدؐ کے مؤلف لکھتے ہیں کہ ان دو گلوکاراؤں کا خون بھی پیغمبرؐ

نے ہدر کیا تھا لیکن یہ فرار ہو گئیں۔عبداللہ بن خطل سے انتقام لینا تین حوالوں سے ضروری تھا ایک اس سے مسلمان کا قصاص لینا تھا دوسرا یہ مرتد ہو گیا اور تیسری وجہ یہ تھی کہ یہ شخص لشکر اسلام کے مکے میں داخل ہوتے وقت زرہ پہنے گھوڑے پر سوار ہو کر ہاتھ میں نیزہ لئے یہ اعلان کر رہا تھا کہ محمدؐ طاقت کے ذریعے مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب لشکر اسلام کو دیکھا تو ڈر کر کعبہ میں چلا گیا، اسلحہ پھینک دیا اور کعبہ کے استار کو پکڑ لیا۔جب پیغمبرؐ نے طواف کے موقع پر اسے ایسی حالت میں دیکھا تو آپؐ نے فرمایا اسے قتل کرو۔نہ شریعت قتل کرنے سے منع کرتی ہے اور نہ ہی کعبہ اسے پناہ دیتا ہے۔اسے سعید بن حریث المخزومی اور ابو برزہ اسلمی نے مل کر قتل کر دیا

۲۔حویرث ابن نقیذ بن وہب بن عبد قصی

اس کے خون کو بھی پیغمبرؐ نے ہدر کیا۔یہ آپؐ کو مکہ میں اذیتیں پہنچاتا اور آپؐ کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔یہ وہ شخص تھا جس نے ہبار بن اسود کے ساتھ مل کر پیغمبرؐ کی صاحبزادی کو ایسا کچوکا مارا کہ وہ زینب ہودج سے چٹان پر گر گئیں۔ابن ہشام لکھتے ہیں ہے کہ فاطمہ اور ام کلثوم جب مکے سے مدینے جارہی تھیں تو اس نے تیر مار کر انہیں اونٹ سے گرایا تھا۔علیؑ اس کو قتل کرنے کیلئے اس کے دروازے پر گئے لیکن اندر سے آواز آئی وہ باہر گیا ہے آپؑ دروازے سے ہٹ کر کھڑے ہو گئے جب یہ اپنے گھر سے دوسرے گھر جانے لگا تو اسے قتل کر دیا۔

۳۔مقیس بن صبابہ

اس شخص نے پہلے اسلام قبول کیا۔مقیس کے بھائی ہشام کو ایک انصاری نے غزوہ ذی القردہ میں غلطی سے قتل کر دیا تھا۔اس نے پہلے اس انصاری سے معاوضہ لیا پھر اسے قتل کر دیا۔یہ مرتد ہو کر مکہ واپس چلا گیا پیغمبرؐ نے اس کے خون کو ہدر کیا نمیلہ بن عبد اللہ اللیثی نے اسے صفا و مروہ کے درمیان قتل کیا۔

۴۔حارث بن ہشام

یہ اور اس کا بیٹا عبدالرحمٰن بن حارث نبی کریمؐ اور مسلمانوں کا سرسخت دشمن تھے بعض کے مطابق علیؑ نے اسے قتل کیا۔

امان طلب کرنے والے افراد

فتح مکہ کے موقع پر قریش کے ساتھ نیک سلوک روا رکھا گیا جو دنیا کے سامنے عیاں ہے پیغمبرؐ کا سلوک دیکھئے کہ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ کیا کیا۔

۱۔عبداللہ بن ابی سرح

یہ عثمانؓ بن عفان کا رضاعی بھائی تھا۔قریش کی سربرآوردہ شخصیات میں سے تھا۔یہ پہلے اسلام لے آیا، اس نے اسلام قبول کیا اور مدینہ ہجرت کی پیغمبرؐ کے پاس وحی لکھنے پر مامور تھا لیکن بعد میں مرتد ہو کر واپس مکہ آ گیا بعض کے مطابق یہ کہتا کہ میرے پاس وحی آتی ہے۔آپؐ نے اسکے لئے حکم ارتداد صادر فرمایا کیونکہ اسلام میں اس کی سزا موت تھی۔پیغمبر اسلامؐ نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے یہ ہدایت فرمائی کہ یہ شخص جہاں بھی پایا جائے قتل کر دیا جائے۔لشکر اسلام مکے داخل ہوا تو اس نے

محسوس کیا جب تک پیغمبرؐ سے خصوصی عفو نہ ملے اسکی موت یقینی ہے۔اس لئے اس نے اپنے رضاعی بھائی عثمانؓ بن عفان کے گھر میں پناہ لی اور عثمانؓ سے کہا میرے لئے امان نامہ لیں عثمان پیغمبرؐ کے پاس گئے اور منت سماجت کی کہ عبداللہ بن سعد کو امان دیں عثمانؓ نے اسے پیغمبرؐ کے سامنے حاضر کیا اور کھڑے ہو کر کہا اس (عبداللہ بن سعد) کی ماں مجھے اپنے دوش پر اٹھاتی اور اسکو پیدل لے کر جاتی تھی، مجھے دودھ پلاتی اور میرے ساتھ اس سے زیادہ شفقت و پیار کرتی تھی یا رسول اللہؐ، آپؐ اس کو بخش دیں پیغمبرؐ نے اس سے منہ موڑا تو عثمانؓ نے دوسری جانب کھڑے ہو کر یہ باتیں دھرائیں، پیغمبرؐ چاہتے تھے کوئی شخص اٹھ کر اسے قتل کردے کیونکہ اس وقت تک پیغمبرؐ نے اسے امن نہیں دیا تھا، عثمانؓ اصرار کر رہے تھے کہ اسے بخش دیں اور کہتے میری جان اور میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں یہ بیعت کرے گا۔اس نے خود پیغمبرؐ کا ہاتھ کھینچا، آپؐ کی بیعت کی اور مسلمان ہو گیا لیکن جب بھی آپؐ کو دیکھتا فرار ہو جاتا بعد میں پیغمبرؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص نہیں تھا جو اٹھ کر اس فاسق کو مار دیتا۔کسی نے کہا آپؐ نے اشارہ نہیں فرمایا تو کہا پیغمبرؐ خیانت کے اشارے نہیں کرتے۔

۲۔عکرمۃ بن ابی جہل

یہ شخص سب سے زیادہ پیغمبرؐ اور مسلمانوں سے دشمنی رکھتا تھا۔عکرمہ سے اس کے چچا زاد بھائی خالد بن ولید نے اسلام قبول کرنے کیلئے کہا تو اس نے کہا اگر میرے علاوہ دیگر تمام لوگ اسلام قبول کرلیں تب بھی میں اسلام قبول نہیں کروں گا۔یہ مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ کے قتل میں شریک تھا جب پیغمبرؐ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا تو یہ روپوش ہو گیا تا کہ باقی ماندہ زندگی کہیں اور گزارے اس کی بیوی اس کی تلاش میں وہاں پہنچ گئی اور اسے واپس چلنے کا کہا اس نے اسے پیغمبرؐ سے امان لینے کا وعدہ دیا محمدؐ اگر کسی کو امان دینے کا عہد کرتے ہیں تو وہ اسے وفا کرتے ہیں اور غدر سے کراہت کرتے ہیں، یہ اپنی بیوی کے ساتھ واپس آیا اس کی زوجہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام جو پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھیں انہوں نے عکرمہ کیلئے پیغمبرؐ سے امان نامہ لیا اس کے بعد عکرمہ نے پیغمبر اسلامؐ کے پاس آ کر اسلام قبول کرلیا۔

۳۔ہبار بن الاسود

یہ مسلمانوں کے ساتھ بہت زیادہ عداوت رکھتا تھا۔جب پیغمبرؐ کی بیٹی زینبؑ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ جا رہی تھیں تو جس اونٹ پر وہ سوار تھیں اس نے اسے نیزہ کے ذریعے ایسا کچوکا مارا زینبؓ ہودج سے چٹان پر گر گئیں جس کی وجہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا اور بالآخر اس صدمہ و تکلیف کی وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا ہبار فتح مکہ کے موقع پر بھاگ کر چھپ گیا پھر پیغمبرؐ کے پاس آیا۔اور اپنے گناہ کا اعتراف کیا مگر رحمت مجسم نے اسے بخش دیا۔اگرچہ یہ پیغمبرؐ کی بیٹی کا قاتل تھا۔

۴۔کعب بن زہیر

یہ شاعر تھا اور شعر کے ذریعے پیغمبرؐ کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔پیغمبرؐ نے اس کا خون ہدر کیا اور اسے قتل کرنے کا حکم دیا فتح مکہ کے موقع پر فرار ہو گیا لیکن بعد میں یہ خوفزدہ ہو کر مدینہ پہنچا اور پیغمبرؐ کے سامنے توبہ کرلی۔

۵۔زہیر بن ابی امیہ

یہ بھی مسلمانوں کا سخت دشمن تھا پیغمبرؐ نے اس کا خون ہدر کیا۔فتح مکہ کے موقع پر اس نے فرار ہو کر ام ہانیؓ کے گھر پر پناہ لی تو پیغمبرؐ نے معاف کر دیا۔

۶۔وحشی بن حرب

یہ وہی شخص ہے جس نے حمزہؓ کو شہید کیا تھا پیغمبرؐ نے اس کا خون بھی ہدر کیا لیکن یہ طائف بھاگ گیا تھا جب اہل طائف کا وفد پیغمبرؐ پر ایمان لے آیا تو اس کیلئے دنیا تیرو تار اور تنگ ہوگئی۔یہ خود پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کلمہ شہادت پڑھا پھر یہ شخص وہاں سے چلا گیا اور خلافت ابوبکرؓ میں اہل ردہ کے خلاف جنگ کیلئے نکلا اس نے اپنے حربے سے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا۔

۷۔سارہ

سارہ بنی مطلب کی کنیز تھی۔اس کا خون پیغمبرؐ نے ہدر کیا کیونکہ یہ عورت پیغمبرؐ کی ہجو میں گانا گاتی تھی۔کہتے ہیں فتح مکہ سے پہلے جب اس کا دھندا ٹھپ ہوگیا تو یہ عورت اپنی ضروریات اور حاجت روائی کیلئے مدینہ میں پیغمبرؐ کے پاس آئی آپؐ نے اس سے پوچھا کہ تم گانا گاتی تھی کیا اس سے گزارا نہیں ہو رہا ہے؟اس نے جواب دیا جب سے قریش کے لوگ جنگ بدر میں قتل ہوئے انھوں نے غنا کی محافل منعقد کرانا چھوڑ دی ہیں اور ہمارا روزگار بھی ختم ہوگیا ہے۔پیغمبرؐ نے اس کی حاجت روائی کی پھر یہ عورت مکہ چلی گئی۔مکہ واپسی پر حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے کر جانا چاہتی تھی مگر نا کام ہوگئی بعض کے مطابق ابن خطل اسی عورت کو رسول اللہؐ کے خلاف شعر لکھ کر دیتا تھا جنھیں یہ ترنم کے ساتھ گاتی تھی۔

۹۔عبداللہ بن الزبعری

فتح مکہ کے بعد بھاگ کر نجران چلا گیا،حسان بن ثابت نے اس کی طرف چند اشعار لکھ کر بھیجے جس میں اسے اسلام کی طرف دعوت دی،یہ اشعار پڑھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور مدینہ کی طرف چل پڑا۔

۱۰۔ہند بن عتبہ بن ربیعہ

ابوسفیان کی بیوی ہند کو بھی پیغمبرؐ نے واجب القتل قرار دیا۔ہند نے نبی کریمؐ کے چچا حمزہؓ سید الشھداء کا مثلہ کیا تھا،جب مکہ فتح ہوا تو یہ عورت اپنے گھر میں روپوش رہی البتہ بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا۔ہند تند و تیز اور عصبیت کی مالک عورت تھی۔یہ یرموک کی جنگ میں ابوسفیان کے ساتھ تھی جہاں یہ مسلمان مردوں کو جنگ کا شوق دلاتی تھی۔نبی کریمؐ نے ہند زوجہ ابو سفیان کو بھی معاف کر دیا جس نے آپؐ کے چچا کا کلیجہ دانتوں سے چبایا تھا اور نعش کی بے حرمتی کی تھی تاریخ انسانیت ایسی رحمت و شفقت اور عفو درگزر کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

بعض کے مطابق مجموعی طور پر پندرہ (۱۵) محکوم افراد میں سے صرف چند ایک قتل ہوئے جبکہ باقیوں نے پیغمبر اکرمؐ سے امن طلب کیا اور مسلمان ہو گئے۔ان سب کو پیغمبرؐ نے معاف کر دیا،اللہ اکبر ایسے مجرموں کو معاف کرنا رحمت دو عالم کا کام تھا ان میں

بعض ایسی شخصیات بھی تھیں جن کا دعوت اسلام کے سلسلے میں کسی نہ کسی مرحلے پر کردار تھا ان کی خواہش اور التماس کی بنیاد پر پیغمبرؐ نے ان سے صرف نظر کیا۔ اب وہ معاشرے میں محفوظ زندگی گزار سکتے تھے اور انھیں اسلامی معاشرے میں دوسری مملکتوں کی خیانت کی طرح کسی قسم کے خدشات نہیں تھے کیونکہ محمدؐ خیانت کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ بہر حال محکومین افراد سے عفوو درگزر کرنے کے اس مظاہرے سے امت نے اپنی نوعیت کے منفرد اسباق حاصل کئے ہیں جو کہ قابل ہضم وفہم نہیں۔

۱۔ امت کا پہلا گروہ: ایک گروہ نے واجب القتل کے سمندر سے نکل کر عفوودرگزر کی خشکی پر آنے والوں کو بڑی حد تک تقدیس اور تعظیم وتکریم کے قابل گردانا ہے۔ ان کو یاد کرنے کیلئے یہ کہا جانے لگا "واجب القتل کی دلدل سے نکلنے پر ان کے اندر موجود نفاق، طمع ولالچ، عصبیت اور جاہلانہ سوچ کے تمام جراثیم جل کر ختم ہو گئے تھے۔" فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے اور بعد میں نفاق کرنے والوں کے بارے میں قرآن وسنت رسول اللہؐ کے تحت کوئی فضیلت وحیثیت بیان نہیں ہوئی ہے انہوں نے بحالت مجبوری یا با دل نخواستہ اسلام قبول کیا بعض سرکردہ شخصیات فتح مکہ کے بعد بھی اسلام قبول کرنے سے گریز کرتی رہیں یہاں تک کہ یہ لوگ پیغمبرؐ کے ہمراہ حنین گئے وہاں بھی پیغمبرؐ اور مسلمانوں کی کامیابی کے بعد جب ان کی تمام امیدوں پر پانی پھیر گیا اور پیغمبرؐ کے خلاف معرکہ آرائی ومزاحمت کرنے کی طاقت وقدرت سے مایوس ہوئے تو ان لوگوں کو اسلام قبول کرنا پڑا۔ تمام کتب سیرت میں لکھا ہے کہ پیغمبرؐ نے غنائم ہوازن کو ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جو مولفۃ القلوب تھے تا کہ ان کو یہ سمجھا سکیں کہ دین اسلام میں پچھلی عداوت وکینہ اور بغض ختم ومحو ہو جاتا ہے بلکہ اسلام کے دائرے میں شامل ہونے والا شخص تمام پچھلی عداوتوں کو بھلا کر رحم وکرم کا مالک بن جاتا ہے لیکن تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ نبی کریمؐ کی دعاؤں سے اہل مکہ کے دلوں میں اسلام اس حد تک نفوذ کر گیا کہ وہ نہ صرف اسلام کے عاشق وشیدائی بن گئے بلکہ انہوں نے فدا کاری اور مجاہدانہ کردار بھی ادا کیا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے اسلام قبول کرنے کے حوالے سے کبھی بھی رضا ورغبت کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ ان میں سے بعض کے خون ہدر کئے گئے تھے اور بعض نے بہت زیادہ جرم وجنایت کا ارتکاب کیا تھا چونکہ اسلام صلح وامان اور عفوودرگزر کا حامل دین ہے اس لئے انھیں بخش دیا گیا۔ اگر صرف پیغمبرؐ کی دعاؤں سے لوگ حق شناس، خدا شناس، نبی شناس، ذاتیات سے چشم پوشی کرنے والے، ہدایت یافتہ وایمان افروز ہو جاتے تو پیغمبرؐ یہ دعائیں احد، خندق، اور حنین میں قربانیاں دینے اور مصیبتیں اٹھانے سے پہلے پڑھتے لہٰذا ایسے لوگوں کے حق میں اس طرح کے جملات کا استعمال پیغمبرؐ پر پہلے ایمان لانے اور ہجرت میں سبقت کرنے والوں کی خوبیوں اور فضیلتوں کو خاک میں ملانے اور ان پر پانی پھیرنے کی مہم کا حصہ ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ چند صفات خبیثہ ان افراد میں پہلے موجود تھیں جو بعد میں نہ رہیں لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا یہ صفات صرف ان لوگوں میں کیسے اور کیوں ختم ہوئیں۔ حاشا وکلا ان افراد کو پیغمبرؐ کی دعوت کے سلسلے میں اذیت وآزار اور تنگی کے دور میں بھی آپ کا ساتھ دینے اور گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنے والوں کے برابر گردانا جاتا ہے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے کچھ زیادہ ہی

القابات حاصل کیے ہیں۔بعض افراد واجب القتل نہیں تھے البتہ تازہ ایمان لانے اور امتحان کے مراحل سے نہ گزرنے والے تھے تاریخ میں سیرت نویسان نے انھیں موٴلفۃ القلوب کا نام دیا ہے۔جیسے ابوسفیان، معاویہ اور دیگر افراد، ان کے اول الذکر سے برتر ہونے کی یہ بات بھی قابل فہم وہضم نہیں۔

۲۔نبی کریمؐ کی جانب سے مکہ کے خونخوار و مجرمین اور محکومین قتل کے ساتھ عفو ودرگزر کی جومثال قائم کی گئی ہے، وہ تاریخ بشریت میں ایک تجربہ کار و ماہر معمار کے بنائے ہوئے مینار کی مانند ہے لیکن افسوس ناک، حیرت انگیز اور انگشت بدندان صورتحال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب پیغمبرؐ کی صاحبزادی اور آپؐ سے تربیت حاصل کرنے والے اہلبیت سے یہ نسبت دی جاتی ہے کہ ان کے دلوں میں مخالفین کیلئے کسی بھی قسم کی عفو ودرگزر کی گنجائش نہیں ہے ان کے بقول اگر کوئی زہراؑ کا مغضوب پایا گیا تو ان کیلئے آخری ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا۔زہرا = کے بعض ماننے والوں کی یہ منطق ہے کہ خلیفہ اول اور دوئم آپ کے پاس آئے تا کہ آپ کی ناراضگی دور کریں لیکن زہراؑ نے ان کی رضائیت کی سچائی کی تصدیق کرنے کے بعد انھیں معاف کرنے سے انکار کر دیا اور آپ ان سے ناراضگی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہوئیں آیا ہمیں بھی انکے بارے میں نفرت لعنت اور برأت کو جاری رکھنا چاہئے ۔یہ بات بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ زہراؑ کی ناراضگی کے بارے میں نقل کی گئی روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زہراؑ نے اپنے والدگرامی کی پیروی نہیں کی جنھوں نے واجب القتل قرار دیئے جانے والوں کو بالآخر معاف کر دیا تھا جو لوگ زہراؑ کے دنیا سے گزر جانے کے بعد اس عدم معافی پر اب بھی اظہار خیال کر رہے ہیں، ہم اس حلقے سے پوچھتے ہیں کہ اس قسم کی نفرت کو جاری رکھنے کیلئے کیا خود زہراؑ کی طرف سے وصیت ہے یا ان کے شوہر اور عزیز فرزندوں کی طرف سے کوئی درخواست کی گئی ہے یا پھر یہ سب کچھ دور حاضر کے اسلام دشمن عناصر کی جانب سے ملنے والی خصوصی ہدایات کی روشنی میں ہو رہا ہے۔

بتوں کے انہدام کیلئے دستوں کی روانگی

انہدام سواع

یہ انسانی طاغوت کے ہاتھوں صنم طاغوت کی شکست تھی۔عظمت اسلام اور اس کی حقانیت کا نظارہ کرنا چاہیں تو آپ کو فتح مکہ پر نظر کرنا ہوگی جہاں نبی اسلامؐ اور امت مسلمہ سے طاغوت سالہا سال جنگ و استہزا میں مشغول رہا، دونوں طرف سے جانیں ضائع ہوئیں بالآخر انھی طاغوتوں کے ہاتھوں ان کے بڑے بڑے طاغوت زمین بوس ہوئے۔عمرو بن عاص مکہ کا ایک بڑا طاغوت تھا اس کے ہاتھوں بت سواع زمین بوس ہوا۔مکہ میں ابوسفیان ایک سر کردہ بلکہ سب سے بڑے طاغوت کا مظہر تھا لیکن فتح مکہ کے چند مہینے بعد خود ابوسفیان نے مغیرہ بن شعبہ کے ساتھ بت لات کو منہدم کیا۔

ایک دن اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کو ان کے بتوں کو برا نہ کہنے کا حکم دیا (انعام ۱۰۸) اور پھر ایک دن ایسا بھی آیا جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ اور بت پرستوں کے سابق آقا اور دیگر سرداروں کے ہاتھوں بتوں کی اہانت اور انہیں پاش پاش کرنے

کا حکم صادر فرمایا جس وقت اللہ نے کفار و مشرکین کے بتوں کو برا نہ کہنے کا حکم دیا، اس وقت یہ لوگ بتوں کو مقدس سمجھتے تھے دوسری طرف مسلمانوں کے پاس ان سے لڑنے کی سکت نہیں تھی لیکن جس دن وہ ان بتوں سے کسی قسم کا ثمر و منفعت پانے سے مایوس گئے تو اس دن خداوند متعال نے ان کے ہاتھوں بتوں کو گرانے اور پاش پاش کرنے کا حکم دے دیا۔ آنحضرتؐ نے اس بت کو توڑنے کیلئے عمرو بن العاص کو ایک دستہ کے ساتھ روانہ فرمایا، انہوں نے اس کا کام تمام کردیا۔

انہدام عزیٰ

نخلہ مکہ و طائف کے درمیان ایک مقام ہے، بت پرستوں کی ایک دیوی کا بت عزیٰ یہاں نصب تھا۔ خالد بن ولید آپ کے حکم کے مطابق ۲۵ رمضان ۸ھ کو تیس گھڑ سواروں کے ساتھ اس کو توڑنے کے لئے روانہ ہوئے جب بت توڑ کر واپس آئے تو نبی کریمؐ نے ان سے دریافت فرمایا بت توڑنے کے بعد تم نے کچھ دیکھا؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا تم نے ابھی تک عزیٰ کو نہیں توڑا دوبارہ جاؤ اور اس کو توڑ کر آؤ۔ دوسری بار جب خالد بن ولید وہاں پہنچے اور تلوار نکالی تو ایک برہنہ سر و بال کالی عورت میں ظاہر ہوئی، جس کے بال بکھرے ہوئے تھے انہوں نے اس پر زوردار وار کیا اور اسکے دو ٹکڑے کر دیئے۔ واپس آکر نبی کریمؐ کو اس کی خبر دی آپؐ نے فرمایا ہاں یہی تو عزیٰ تھی اور اب وہ اس بات سے ناامید ہوگئی ہے کہ تمہاری سرزمین پر اس کی پوجا ہوگی۔ عزیٰ قریش کے بڑے بتوں میں سے ایک بت تھا۔ اس واقعہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بت پرستی درحقیقت شیاطین کی پوجا کا نام ہے۔ مشرکین جنات سے ڈرتے تھے اور ان کے نام کی مورتیاں بنا کر پوجا کرتے تھے۔

انہدام منات

اس بت کو توڑنے کیلئے پیغمبرؐ نے سعدؓ بن زید اشہلی کو روانہ فرمایا۔ یہ بت ساحل کی جانب مقام مشلل میں قدید کے قریب واقع تھا۔ یہاں بھی ایک کالی عورت برہنہ حالت میں ظاہر ہوئی اس کو قتل کردیا گیا یہ لوگ بت کو مسمار کرنے کے بعد واپس ہوئے۔

غزوۂ حنین

فتح مکہ مشرکین عرب کو لگنے والی ایک غیر متوقع ضرب تھی جس سے جزیرۃ العرب میں کفر کی کمر ٹوٹ گئی۔اس وقت کفارو مشرکین نے اپنی کمین گاہ سے آخری تیر اسلام و مسلمین کی طرف مارنے پر اصرار کیا۔جزیرۃ العرب میں قریش کے بعد دوسری بڑی طاقت ہوازن تھی کتاب نہایہ پر نقل کرتے ہیں کہ قبیلہ ہوازن دو ناموں سے معروف تھا ایک کا سلسلہ نسب مزیقیا سے ملتا ہے اور مزیقیا قحطانیہ پر منتہی ہوتا ہے دوسرے کا سلسلہ نسب قیس بن میلان سے ملتا ہے اور ان کا نسب عدنانیہ پر منتہی ہوتا ہے۔پیغمبرؐ کی دائی حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ اس نسل سے ہے انہوں نے ۹ھ کو ضمام بن ثعلبہ کی قیادت میں ایک وفد پیغمبرؐ کے پاس بھیجا جبکہ پیغمبرؐ نے علیؑ کی قیادت میں ایک گروہ ان کی طرف بھیجا کہتے ہیں ان کی وادیوں میں سے ایک کا نام قرن الجبال ہے۔

کتاب "غزوۃ حنین" میں احمد باشمیل لکھتے ہیں کہ مؤرخین اور معاجم نسب کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ قبیلہ بنو ہوازن سرزمین عرب کا سب سے بڑا اور سب سے خطرناک قبیلہ تھا اس قبیلہ کا سلسلہ مزیقیا عدنانیہ سے ملتا ہے جو آگے چل کر متعدد قبائل میں تقسیم ہوا ہے۔انہیں میں سے ایک ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس بن عیلان بن مضر بن نزار بن معاد بن عدنان ہے۔اس قبیلہ کی چند بڑی بڑی شاخیں یہ ہیں۔

☆ قبیلہ بنی ثقیف جو طائف کی طرف ہے۔ ☆ قبیلہ کعب
☆ بنی ہلال ☆ بنو عامر بن صعصعہ
☆ بنو جشم عشیر ☆ بنو نضر، جو مالک بن عوف کی قوم ہے۔
☆ بنی کلاب جس سے ام البنین زوجہ علی ابن ابی طالبؑ کا تعلق ہے۔

مذکورہ بالا قبائل ہوازن درج ذیل تین خاندانوں پر منتہی ہوتے ہیں:

☆ بنو سعد بن بکر ☆ بنو معاویہ بن بکر
☆ بنو منبح بن بکر

جزیرۃ العرب میں اپنا نام پیدا کرنے کیلئے ہوازن کے پاس اتنی طاقت و قدرت تھی جو قریش کے پاس نہیں تھی۔

یہ قبیلہ اپنی جنگجویانہ صلاحیتوں اور افرادی قوت کے حوالے سے اپنے دور کا ایک مشہور و معروف قبیلہ تھا۔یہ قبیلہ قریش کے بعد اسلام کا دوسرا بڑا دشمن تھا۔مسلمانوں سے نبرد آزمائی کی خاطر یہ اسلحے سے لیس رہتا تھا اس کا روم سے بھی رابطہ تھا اس سلسلے میں انہوں نے اپنا ایک قبیلہ بنی ثقیف ان کے حوالے کر رکھا تھا۔پیغمبرؐ کے زمانہ میں اس قبیلہ نے کئی بار مسلمانوں پر حملہ کیا اور ان سے جنگیں ہوئیں۔یہ لوگ ہمیشہ اپنے ہمسایہ قبائل کے ساتھ برسرپیکار رہتے تھے اور خود آپس میں بھی لڑتے رہتے تھے۔

دور جاہلیت میں اس قبیلہ نے چار جنگیں بنام "جنگ فجار" لڑی ہیں۔ان جنگوں کو فجار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جنگیں اشہر

حرام میں لڑی گئیں تھیں جو کئی سال جاری رہیں ۔یہ جنگیں بعثت پیغمبرؐ سے چھبیس سال پہلے لڑی گئی تھیں ۔

ہجرت مدینہ کے بعد لڑی گئی سب سے بڑی جنگ، جنگ احزاب ہے اس جنگ میں مدینہ کا محاصرہ کرنے میں مشرکین کے تمام قبائل بمعہ قبیلہ ہوازن شامل تھے ۔

بنو ہوازن کو یہ بات اپنی خودی اور عزت نفس کے خلاف معلوم ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کے سامنے خاضع ہو جائیں انہیں مسلمانوں سے خطرہ محسوس ہونے لگا انہوں نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو پیشگی طور پر کچلنے کی تیاری شروع کر دیں یہ نبرد آزمائی پر اتر آئے اور مالک بن عوف کو اپنے قبیلہ کا سردار بنایا جس کا تعلق بنی نصر بن معاویہ بن بکر بن ہوازن سے تھا اس کی عمر اس وقت تیس سال تھی ۔اس نے مسلمانوں کے خلاف آواز جنگ بلند کی تو دیگر قبائل طائف وثقیف ،مضر و جشم ، بنی ہلال اور سعد بن بکر وغیرہ ان کے ساتھ شامل ہو گئے ان سب قبیلوں کا تعلق قیس عیلان سے تھا ۔

دشمن کی روانگی

جنگ کے فیصلے ہوتے ہی مالک بن عوف ۲۰ ہزار افراد کے ساتھ ان کے مال مویشی اور بال بچے بھی کھینچ لایا اور آگے بڑھ کر اوطاس میں خیمہ زن ہوا ۔یہ حنین کے قریب بنو ہوازن کے علاقے میں ایک وادی ہے لیکن یہ وادی حنین سے علیحدہ ہے حنین ایک دوسری وادی ہے جو ذوالمجاز کے بازو میں واقع ہے ۔وہاں سے عرفات ہوتے ہوئے مکہ کا فاصلہ دس میل سے زیادہ ہے ۔

جب یہ سب اوطاس پہنچے تو لوگ مالک بن عوف کے پاس اکھٹے ہوئے ان میں ایک رئیس درید بن الصمہ بنو جشمی بھی تھا یہ بوڑھا ہو چکا تھا لیکن جنگی تجربات رکھتا تھا ۔اس نے پوچھا تمہیں پتہ بھی ہے کہ تمہارا لشکر کہاں پہنچا ہے جواب دیا اوطاس میں اس نے کہا اچھی بات ہے یہ لشکر رکھنے کی جگہ ہے یہ نہ پتھریلی اور کھائی دار جگہ ہے نہ بھربھری نشیب لیکن میں بچوں اور عورتوں کی آواز سن رہا ہوں یہ کیا بات ہے ،انہوں نے بتایا مالک اپنے ساتھ مال ،عورتیں اور بچے بھی لایا ہے اس نے مالک کو بلایا اور کہا ان بچوں اور عورتوں کو کیوں لائے ہو مالک بن عوف نے جواب دیا میں اپنے پیچھے مال اور عورتوں بچوں کو رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص ان کی حفاظت کے جذبے کے ساتھ جنگ کرے ۔اس نے کہا تم نرے بھیڑوں کے چرواہے ہو بھلا شکست کھانے والے کو بھی کوئی چیز روک سکتی ہے ، دیکھو اگر جنگ میں تم غالب رہتے ہو تو بھی تمہارے لئے شمشیر و سناں سے مسلح آدمی ہی مفید ہیں اور اگر شکست کھا گئے تو پھر تمہیں اپنے اہل اور مال کے سلسلے میں رسوا ہونا پڑے گا ، پھر بعض قبائل اور سرداروں کے متعلق سوال کیا اور اس کے بعد کہا اے مالک تم نے بنو ہوازن کے بچوں اور عورتوں کو سواروں کے سامنے لا کر اچھا نہیں کیا ان کو اپنے گھروں میں بھیجو اور اپنی قوم کے ساتھ رہو تم اپنے جوانوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ تمہیں فتح ہوئی تو پیچھے والے تم سے آن ملیں گے اور اگر تمہیں شکست ہوئی تو تمہارے اہل اور مال مویشی محفوظ ہوں گے ۔اسی طرح درید نے پہاڑ کی چوٹی پر رہنے اور بعض سواروں کے ذریعے مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا ۔مالک بن عوف نصری نے یہ رائے قبول نہ کی اور کہا میں ایسا نہیں کر سکتا تو بوڑھا ہے اور تیری عقل کھو گئی ہے ۔ہوازن میری اطاعت کریں گے یا میں اس تلوار پر ٹیک لگا دوں گا اور یہ میری پیٹھ کے

آر پار نکل جائے گی درحقیقت مالک کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اس جنگ میں درید کا بھی نام یا مشورہ شامل ہو۔ دوسری جانب مالک نے اپنے لشکر کے حوصلے بلند کرنے کی غرض سے کچھ اس طرح کہنا شروع کیا:

"محمد کبھی جنگجوؤں اور تجربہ کاروں سے نہیں لڑے ہیں وہ ہمیشہ اوباش لوگوں سے لڑتے رہے ہیں۔ تم لوگ کل صبح اپنا مال مویشی آگے اور عورتوں اور بچوں کو پیچھے رکھو پھر ان پر حملہ کرو اپنی نیاموں کو توڑ دو تمہارے ساتھ بیس ہزار (۲۰۰۰۰) تلواریں ہیں جو پہلے حملہ کرے گا وہی غالب آئے گا"۔

طیش و غضب اور جنون میں کیے ہوئے فیصلوں نے ان کی صفوں میں انتشار پھیلا دیا اور مرکزی قیادت کے خلاف آوازیں بلند ہونے لگیں۔ چونکہ اس قبیلہ کے لوگ پورے جزیرۃ العرب میں اپنے آپ کو جری و شجاع و بہادر سمجھتے تھے اور اپنی حیثیت کو حد سے زیادہ تصور کرتے تھے اس لئے کسی بھی مشورہ پر کان دھرنے کیلئے تیار نہیں تھے ان کی اس ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہوازن کے دو قبیلوں نے جنگ میں شریک ہونے سے انکار کر دیا اور پیچھے ہٹ گئے۔ یہ دو قبیلے یہ تھے۔

۱۔ قبیلہ بنو کعب ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن۔ یہ قبیلہ تہامہ، مدینہ اور شام میں رہائش پذیر تھا۔

۲۔ قبیلہ بنو کلاب۔ کلاب بن ربیعہ کعب بن ربیعہ کا بھائی تھا۔

ان دونوں قبائل کے پیچھے ہٹنے کی وجہ سے قبیلہ بنو ہوازن کو بڑا دھچکا لگا بعض لوگوں کو فتح و کامیابی کے بارے میں شک ہونے لگا وہ سوچنے لگے کہ شاید شکست ہمارا مقدر ہو گی اسی لئے یہ دو قبیلے جنگ میں شرکت نہیں کر رہے ہیں ورنہ ایسا نہ کرتے۔ لیکن اس کے باوجود قبیلہ بنو ہوازن بیس ہزار کا لشکر اسلام و مسلمین کے مقابلے میں اتر آیا جبکہ مسلمانوں کے پاس صرف بارہ ہزار کا لشکر تھا۔

مسلمانوں کی جاسوسی

مالک نے تین آدمیوں کو لشکر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے بھیجا وہ واپس آئے تو ان کے جسم کے جوڑ منتشر ہو چکے تھے۔ بعض کے مطابق جب ان جاسوسوں نے مسلمانوں کے لشکر کی شان و شوکت کا نظارہ کیا تو خوف کے مارے وہاں سے چلے جانے کو غنیمت سمجھا۔ انھوں نے واپس جا کر مالک کو مشورہ دیا کہ آپ مسلمانوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے تو مالک نے انھیں گرفتار کرنے کا حکم دیا تا کہ یہ خبر کہیں لشکر میں نہ پھیل جائے۔

رسول اللہ ﷺ کے خبر رساں

رسول اللہؐ نے بھی عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو معلومات کیلئے ہوازن کے ہاں بھیجا اور انھیں ہدایت دی کہ وہ دشمن کے لشکر میں گھس جائیں اور جن باتوں پر وہ اتفاق کریں انھیں دھیان سے سنیں۔ انھوں نے جا کر دو دن دشمن کے لشکر میں قیام کیا، مالک بن عوف اور ہوازن کے دیگر روساء کی نیات سے باخبر ہو کر واپس آئے اور پیغمبرؐ کو اس بارے میں آگاہ کیا۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے مکہ کے اغنیاء سے قرض لیا

غزوۂ فتح مکہ پیغمبر اسلامؐ کے دیگر غزوات بلکہ تاریخ بشریت میں وقوع پذیر ہونے والی جنگوں سے کئی لحاظ سے مختلف اور ممتاز ہے۔ دس ہزار مجاہدین کے رعب و دبدبے نے مشرکین مکہ کو بے چارگی کے عالم میں تسلیم ہونے پر مجبور کیا۔ اس فاتحانہ جنگ میں جہاں خون خرابہ نہیں ہوا وہاں جن افراد کے خون ہدر تھے اور انکی سزائے موت یقینی تھی وہ بھی موت سے بچ گئے، اس جنگ کے امتیازات میں سے ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کے فاتح لشکر نے اس شہر سے جبر اور طاقت کے ذریعے مالِ غنیمت کے طور پر ایک درہم بھی نہیں لیا۔ پیغمبرؐ نے بعض افراد کی احتیاج اور نیازمندی دور کرنے کیلئے اہل مکہ کے تین بڑے سرمایہ داروں سے قرض لیا، صفوان بن امیہ سے پچاس (۵۰) ہزار درہم، عبدا بن ابی ربیعہ سے چالیس ہزار اور حویطب بن عبدالعزیٰ سے چالیس ہزار درہم' کل ایک لاکھ تیس ہزار درہم قرض لیکر اپنے لشکر کے نیازمندوں میں تقسیم کیا۔ بعد میں فتح ہوازن سے ملنے والے مال غنیمت سے یہ قرض ادا کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی روانگی

پیغمبرؐ ۸ھ کو مکے سے حنین کی طرف نکلے، آپ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا۔ جن میں دس ہزار مدینے سے آنے والے فاتحین تھے اور باقی دو ہزار اہل مکہ تھے جن میں سے اکثر و بیشتر تازہ مسلمان تھے۔ لشکر کی کثرت کو دیکھ کر بعض مسلمانوں نے کہا آج ہم شکست نہیں کھائیں گے۔ پیغمبرؐ نے مکہ میں عتاب بن اسید کو اپنا نمائندہ بنایا جبکہ ایک جوان معاذ بن جبل انصاری کو شہر میں رہ جانے والوں کو دین و قرآن سکھانے کیلئے رکھا۔ ہوازن روانگی کے موقع پر کسی شخص نے پیغمبرؐ سے کہا کہ صفوان کے پاس جنگی سامان موجود ہے پیغمبرؐ نے موقع پر ہی صفوان سے اس کے پاس موجود جنگی اسلحہ کا تقاضہ کیا اس نے اپنا اسلحہ نکال کر پیغمبرؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جب مسلمانوں کا لشکر مکہ سے نکلا تو لشکر میں موجود بعض افراد سواری پر جبکہ بعض دوسرے پیدل چل رہے تھے جن میں خواتین بھی شامل تھیں بعد دوپہر ایک سوار نے آکر بتلایا کہ میں نے فلاں فلاں جگہ پر چڑھ کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بنو ہوازن سب کے سب ہی آگئے ہیں وہ اپنے عیال اور مال و اموال کو بھی ساتھ لائے ہیں۔ رسول اللہؐ نے تبسم فرمایا اور کہا یہ کل انشاءاللہ مسلمانوں کی غنیمت ہوگا۔ راستے میں کچھ لوگوں کی نظر ایک ہرے درخت پر پڑی انہیں اپنا دورِ جاہلیت یاد آیا انھوں نے رسول اللہؐ سے کہا ہمارے لئے بھی انواط بنا دیجئے (انواط بیر کا بڑا ہرا درخت تھا جس کے ساتھ یہ ہتھیار لٹکاتے اور وہاں جانور ذبح کرتے تھے) آپ نے فرمایا اللہ اکبر اور پھر ان کے جواب میں اعراف ۱۳۸ تلاوت کی

﴿اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾ ''اے موسیٰؑ! بنا دے ہمارے لئے بھی ایک خدا ویسا ہی جیسے ان کے خدا ہیں موسیٰؑ نے کہا درحقیقت تم لوگ بڑے ہی نادان ہو''

لشکر کی ترتیب اور پرچموں کی تقسیم

پیغمبرؐ نے مکہ سے نکل کر پہلی منزل سلیم پر قیام کیا یہاں پر آپؐ نے ایک مسئول کو چھوڑا۔ جب دشمن سے نزدیک ہوئے تو مسلمانوں کی صفوں کو مرتب و منظم کیا اور مرکزی پرچم اور گروہی جھنڈوں کو اس طرح تقسیم کیا کہ مہاجرین کا مرکزی پرچم علیؑ کو دیا جبکہ قبائلی یا گروہی جھنڈوں میں سے ایک سعد بن ابی وقاص اور دوسرا عمرؓ بن خطاب کو دیا۔ اسی طرح قبیلہ خزرج کا جھنڈا حبابؓ ابن منذر جبکہ اوس کا جھنڈا اسیدؓ بن حضیر کے سپرد کیا۔ آپؐ نے دو زرہیں اور خود (لوہے کی ٹوپی) پہنی ہوئی تھی اور اپنی سواری دلدل پر سوار ہوئے۔

دس ہجری ۸شوال بعض کے مطابق ۱۰شوال کو آپؐ وادی حنین میں پہنچے جہاں ہوازن پہلے ہی اپنی کمین گاہوں میں چھپے ہوئے تھے جونہی مسلمان وہاں پہنچے، انھوں نے اچانک مسلمانوں پر حملہ کر کے تیراندازی شروع کر دی۔ جس سے مسلمانوں کو سنبھلنے نہ دیا اور وہ ایک دوسرے کو دیکھے بغیر پیچھے مڑنے لگے۔ یہ شکست بڑی دردناک تھی، اس شکست نے واقعہ احد کی یاد کو تازہ کر دیا، جب اس منظر کو مکہ سے آنے والے تازہ مسلمانوں اور مشرکین نے دیکھا تو کہا آج ان کے اختتام کا دن ہے۔ بعض کا کہنا تھا مسلمانوں کو یہ شکست اپنی کثرت پر ناز کرنے کی پاداش میں ملی ہے۔ خداوند عالم نے فتح مکہ کی مٹھاس کے بعد یہاں مسلمانوں کو ہزیمت کا کڑوا پن بھی چکھلایا تا کہ یہ خدا کو فراموش کر کے صرف اپنی طاقت و قدرت پر مغرور نہ ہو جائیں پھر خداوند عالم نے پیغمبر اسلامؐ اور مومنین پر سکون و اطمینان نازل کیا پیغمبرؐ اپنی سواری پر اپنی جگہ قائم تھے۔ کسی قسم کا خوف و ہراس آپؐ پر طاری نہ ہوا، آپؐ کے پاس مہاجرین و انصار اور اہل بیتؑ موجود تھے۔ لشکر مشرکین آگے بڑھا تو آپؐ نے عباسؓ سے ارشاد فرمایا: ”یا عباس، انصار و اصحاب شجرہ کو چیخ کر آواز دیں“ آپؐ نے زمین سے مٹی اٹھا کر انکی آنکھوں میں پھینکی۔ جب عباسؓ نے آواز دی تو ہر ایک نے ان کی آواز کو پہچان کر لبیک کہا اور تمام لوگ پیغمبر اسلامؐ کے پاس آئے۔ مسلمانوں کے اکھٹے ہونے پر گھمسان کی لڑائی ہوئی۔

دشمن کی نامرادی

عام جنگ کے دوران چند ساعتیں گزرنے کے بعد دشمن کے سپاہی ایک پر ایک گرنے لگے اور دشمن کو شکست فاش ہوگئی اس موقع پر سورۂ توبہ کی آیات ۲۵،۲۶ نازل ہوئیں:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ☆ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ”یقیناً مدد کر چکا ہے تمہاری اللہ بہت سے مواقع پر، اور غزوۂ حنین کے دن، جب غرّہ تھا تم کو اپنی کثرتِ تعداد کا تو نہ کام آئی تمہارے کوئی چیز اور تنگ ہوگئی تم پر زمین اپنی وسعت کے باوجود پھر بھاگ نکلے تم پیٹھ پھیر کر، پھر نازل فرمائی اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور مومنوں پر اور نازل فرمائے

ایسے لشکر جو نظر آتے تھے تمہیں اور سزا دی ان لوگوں کو جو منکر حق تھے اور یہی سزا ہے منکرین حق کی"

اس جنگ میں چند سبق آموز نکات ملتے ہیں۔

۱۔قبیلہ بنو ہوازن گرچہ کہ جنگ میں ماہر تھا لیکن اپنے اس زعم وگمان میں مست ہو کر شرارت اور جنونیت پر اتر آیا تھا جس کا انجام شکست پر منتہی ہوا۔

۲۔جب قبیلہ کعب بن ربیعہ نے قبیلہ کلاب بن ربیعہ سے پوچھا کہ جنگ میں کیوں شریک نہیں ہوتے تو انہوں نے جواب دیا کہ اس وقت اگر مشرق ومغرب سب محمدؐ کے خلاف ہو جائیں تب بھی شکست ہی ان کا مقدر رہے گی۔بنو کلاب جان چکے تھے کہ شجاعت کا اصل محور ومرکز محمدؐ اور ان کا دین ہے یعنی انہوں نے شجاعت کو مسلمانوں کا ورثہ قرار دیا۔

۳۔شجاعت صرف زور قوت بازو اور جنگجو ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ قائد ورہبری کی دور اندیشی،جنگی حکمت اور بروقت مدابیر بھی اس میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

شہدائے حنین

قریش بنی ہاشم سے ایمن بن عبید (ابن ام ایمن اخو اسامہ بن زید من الرضاعہ)	اشعریین سے ابو عامر اشعری۔
بنی اسد بن عبدالعزیٰ سے یزید بن زمعہ بن اسود بن المطلب بن اسد۔	انصار بنی عجلان سے سراقہ بن حارث بن عدی

تعاقب

شکست کھانے کے بعد دشمن کے ایک گروہ نے طائف کا رخ کیا،ایک نخلہ کی طرف بھاگا اور ایک نے اوطاس کا رخ کیا پیغمبرؐ اور صحابہ کرام نے ان کا تعاقب کیا۔

اوطاس: ابو عامرؓ اشعری کی قیادت میں ایک دستہ اوطاس بھیجا گیا،معمولی جھڑپ کے بعد مشرکین بھاگ کھڑے ہوئے، خود ابو عامرؓ شہید ہو گئے۔

نخلہ: صحابہ کی ایک جماعت کو نخلہ بھیجا گیا،یہاں درید بن صمہ کو ربیعہؓ بن رفیع نے قتل کیا۔

طائف: بڑے گروہ کا تعاقب خود رسول اللہؐ نے کیا،یہاں مالک بن عوف طائف کی طرف اپنے قلعہ میں مورچہ زن ہو گیا تھا۔ یہی پیش خیمہ غزوہ طائف کا سبب بنا۔

غزوہ طائف

طائف کسی جگہ کے اردگرد دیوار پھیرنے کو کہتے ہیں طائف بلاد ثقیف کی ایک وادی کا نام ہے جو مکہ سے ۱۲ فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ نخلستان، زراعت، انگور، میوہ جات، سرسبز و شاداب اور چشموں کے حوالے سے مشہور جگہ ہے۔ اس جگہ کو طائف اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کے چاروں طرف دیوار کھڑی کی گئی تھی۔

کتاب حیات محمدؐ کے مؤلف لکھتے ہیں کہ غزوہ طائف ۸ ہجری میں ۹ شوال کو جنگ حنین کے بعد پیش آیا۔ جنگ حنین میں مالک بن عوف شکست سے دوچار ہوا تو طائف کی طرف بھاگ گیا جس کے بعد مسلمانوں نے طائف کی طرف رخ کیا۔ جب اہل طائف کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کا لشکر ان کے قلعے کے قریب پہنچنے والا ہے تو وہ قلعہ بند ہو گئے اور اندر سے مسلمانوں پر تیر اندازی شروع کر دی۔ اہل طائف نے جنگ کی ممکنہ صورت حال سے بچنے کیلئے قلعے میں ایک سال کے کھانے پینے کا بندوبست کر لیا، پیغمبر اسلامؐ نے انھیں اٹھارہ (۱۸) روز تک محاصرے میں رکھا۔ غزوہ طائف میں پہلی بار منجنیق سے حملہ کیا گیا لیکن انھوں نے ہتھیار ڈالنے سے مسلسل انکار کیا اور جوابی کارروائی کے طور پر مسلمانوں پر تیروں کی بارش کر دی جس میں متعدد مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔ پیغمبرؐ نے جنگی حکمت عملی کے پیش نظر انگور کے درختوں کو کاٹ کر جلانے کا حکم دیا۔ چونکہ اشہر حرم آنے والے تھے لہٰذا پیغمبرؐ کیلئے اہل طائف مزید محاصرے میں رکھنا ممکن نہیں تھا اس لئے آپ محاصرہ ختم کر کے مدینہ واپس تشریف لائے۔ حنین میں فتح کے ساتھ ہی عرب کے جنگی شعلے ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئے۔ دشمن کے ترکش کے تمام تیر ختم ہو گئے، ان کا اجتماع ذلیل ہو گیا اور اسلام میں داخل ہونے کیلئے ان کے سینے کھل گئے۔ پیغمبرؐ نے اس جنگ میں کسی عورت، بچے، غلام، مزدور کو قتل کرنے سے سختی سے منع کیا۔ پیغمبرؐ نے جعرانہ کے مقام پر حنین سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کو تقسیم کیا اس سلسلے میں ہم غنائم جنگی کے متعلق مختصر بحث پیش کریں گے۔

شہداءِ طائف

سعیدؓ بن سعید بن العاصی بن امیہ	عرفطہؓ بن جناب، حلیف بنی امیہ من ازد
عبداللہ بن ابی بکرؓ	عبداللہؓ بن امیہ بن مغیرہ مخزومی، اخوام سلمہ ام المومنین
عبداللہؓ بن عامر بن ربیعہ العنزی، حلیف بنی عدی بن کعب	سائبؓ بن حارث بن قیس بن عدی
اخوہ: عبداللہؓ بن حارث سہمی	جلیحہؓ بن عبداللہ، بنی سعد بن لیث
ثابتؓ بن جذع، بنی سلمہ انصار	حارثؓ بن سہل بن ابی صعصعہ، بنی مازن بن نجار
منذرؓ بن عبداللہ، بنی ساعدہ	رقیمؓ بن ثابت بن ثعلبہ بن زید بن لوذان بن معاویہ

مالک بن عوف کی معافی

جنگ حنین میں جب آپؐ نے دشمنوں پر فتح وکامرانی حاصل کی تو مال غنیمت کے ساتھ لشکر کے چھ ہزار سپاہیوں کو اسیر کیا اس جنگ کی آگ کو مالک بن عوف نے بھڑکایا تھا آپؐ نے پوچھا کہ مالک ابن عوف کہاں ہے، کہا گیا کہ وہ طائف میں ہے پیغمبرؐ نے فرمایا تم میرا یہ پیغام اس تک پہنچا دو کہ اگر وہ اسلام لے آئے تو میں اس کے لوگوں کو آزاد کردوں گا اور اسے سواونٹ دونگا، مالک پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے اس کے اہل اور مال کو واپس کیا اور سواونٹ دیئے اسی کو اس کی قوم کی سربراہی سونپ دی۔

غنائم جنگی

اسلام کے نظام مالیات کے ستون جنگوں سے حاصل ہونے والے مالِ غنائم یا غیر مسلموں سے ملنے والے جزیے پر قائم نہیں تھے کیونکہ اس کی مثال ان بارانی زمینوں جیسی ہے جہاں فصلوں کے اگنے کا دارومدار بارش پر ہوتا ہے۔ موقع پر بارش برسے گی تو فصل اُگے گی ورنہ زمین یونہی بنجر پڑی رہے گی۔ موجودہ زمانے میں صورتحال اس کے برعکس ہے یعنی مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کسی نہ کسی طرح جنگ جاری ہے، یہاں تک کہ غیر مسلم مسلمانوں سے جزیہ وصول کررہے ہیں جس سے مسلمانوں میں فقر وفاقہ ختم ہونے کے بجائے بڑھ رہا ہے ایسی صورتحال میں جب غنائم کا دروازہ بند ہوا اور نہ مسلمانوں کو کہیں سے جزیہ ملتا ہو تو مستضعفین محرومین کی ضروریات اور اسلام و مسلمین کے خدمت گزاروں کی ضروریات کو کہاں سے اور کیسے پورا کیا جائے۔

مال کی مقدار اور سائلین کی تعداد کیا ہے اسی طرح مال دینے والے اور لینے والے کتنے ہیں؟ مال دینے والوں کے تناسب سے ایک مسلمان کو اپنے مال و دولت سے انفاق کرنا ہوگا۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ پیغمبرؐ اسلام جنگوں کے ذریعے لوگوں کے مال و دولت کو غنیمت کے طور پر جمع کرکے مسلمانوں میں تقسیم کرتے تھے جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ مسلمانوں کا اقتصادی نظام فقط جنگی غنائم سے چلتا رہا ہے! تاہم یہ جاننے کیلئے کہ جنگ سے غنیمت لینے کا کیا اصول ہے؟ اس سلسلے میں قرآن وسنت کا کیا حکم ہے؟ ہر مسلمان خاص طور پر پڑھے لکھے طبقے اور ان سے بڑھ کر مبلغین ومروجین، دینی وشرعی کے داعیوں کیلئے اس بارے میں جاننا ضروری ہے۔ ہمیں پیغمبرؐ کی زندگی کے دس سالہ جنگی دور کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ آپؐ نے کتنی جنگیں لڑیں؟ کتنی جنگوں سے مال غنیمت حاصل کیا؟ جن جنگوں سے مال غنیمت ملا وہ کس مقدار میں تھا؟ اور ان غنائم کی تقسیم بندی کیسے ہوئی؟ جنگوں میں غنائم کے سلسلے میں پیغمبرؐ نے کہاں تک دلچسپی لی؟ جنگی غنائم سے ضروریات کس حد تک پوری کی گئیں؟ اور خود پیغمبرؐ کے حصے میں کتنا مال غنیمت آیا اور آپ کے عزیز و اقارب کو کتنا نوازا گیا؟

غنائم جنگی کے بارے میں مندرجہ ذیل نکات غور طلب ہیں:

۱۔ جنگ بدر میں نبی کریمؐ نے جنگی غنائم کے بارے میں اس وقت تک کوئی دلچسپی نہیں لی جب تک مہاجرین میں اپنے استحقاق کے متعلق اختلاف نہ ہوا۔ اس موقع پر خداوند عالم نے آیت نازل کی پھر پیغمبرؐ نے اس کے احکام بیان کئے۔

اس جنگ میں فتح وکامیابی کے بعد مسلمانوں کو مال غنیمت بھی ملا اور اسیر بھی۔ اس جنگ میں اسیر ہونے والوں کی تعداد

۰۷ جبکہ قریش کی طرف سے مسلمانوں کو ملنےوالی فدیہ کی رقم بیس ہزار (۲۰۰۰۰) تھی۔

۲۔سب سے زیادہ مال غنیمت حنین میں حاصل ہوا جسے پیغمبرؐ اسلام نے دس بارہ دن تک تقسیم نہ کیا کہ شاید مغلوب قوم پشیمان ہوکر اسلام قبول کر لے تو ان کا مال انہیں واپس کر دیا جائے لیکن ان کی طرف سے کسی قسم کا رابطہ نہیں کرنے پر مایوسی کے بعد پیغمبرؐ اسلام نے مال غنیمت تقسیم کرنا شروع کر دیا۔اس جنگ میں ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار گوسفند، ۴ ہزار اوقیہ سونا غنیمت میں حاصل ہوا ۶ ہزار لوگوں کو اسیر کیا گیا۔

غزوہ حنین کے غنائم کی تقسیم

تمام مال اور اسیروں کو جمع کر کے جعرانہ لایا گیا جو حرم سے ۲۰ کلومیٹر دور مکہ کے شمال مشرق میں ایک جگہ ہے پیغمبرؐ ان غنائم کو مجاہدین میں تقسیم کرنے سے گریز کر رہے تھے گویا آپ کسی کے انتظار میں تھے۔سیرت نگار لکھتے ہیں کہ واقعی نبی کریمؐ اس انتظار میں تھے کہ شاید شکست خوردہ ملت پشیمان ہو جائے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیں اور اپنا کھویا ہوا مال واپس لے لیں۔پیغمبرؐ ان کی آمد کے انتظار میں دس سے بارہ دن تک مال غنیمت کو تقسیم کرنے سے گریز کرتے رہے لیکن جب آپ اس سلسلے میں مایوس ہوئے تو مال غنیمت کو تقسیم کرنا شروع کر دیا۔پیغمبرؐ نے پہلے مرحلے میں جن لوگوں کو ترجیح دی اور انھیں زیادہ حصہ دیا وہ مکہ کے قبائلی روساء اور مؤلفۃ القلوب تھے۔غزوہ حنین میں جن مؤلفۃ القلوب کو زیادہ مقدار میں مال غنیمت ملا ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔صفوان بن امیہ کو سو (۱۰۰) اونٹ دیئے، مزید مانگنے پر سو (۱۰۰) اونٹ پھر مانگنے پر سو (۱۰۰) اونٹ دیئے۔

۲۔ابوسفیان: اسے (۱۰۰) اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی دی گئی۔

۳۔معاویہ: ابوسفیان کے بیٹے معاویہ کو بھی اتنا ہی مال دیا گیا۔

۴۔یزید ابن ابوسفیان: ابوسفیان کی سفارش پر یزید کے حصے میں بھی اتنا ہی مال آیا۔

۵۔حکیم بن حزام: اس کو سو (۱۰۰) اونٹ ملے لیکن مزید مانگنے پر اسے سو (۱۰۰) اونٹ اور دیئے گئے۔

۶۔نضر بن حارث بن کلدہ کو سو (۱۰۰) اونٹ ملے۔

۷۔مخرمہ بن نوفل کو پچاس (۵۰) اونٹ ملے۔

۸۔اسید بن جاریہ ثقفی۔چالیس (۴۰) اونٹ ملے۔

۹۔حرث بن ہشام۔چالیس (۴۰) اونٹ ملے۔

۱۰۔قیس بن عدی۔چالیس (۴۰) اونٹ ملے۔

۱۱۔سہیل بن عمرو۔چالیس (۴۰) اونٹ ملے۔

۱۲۔حویطب بن عبدالعزیٰ۔چالیس (۴۰) اونٹ ملے۔

۱۳۔اقرع بن جابر حابس تمیمی۔چالیس (۴۰)اونٹ ملے۔

۱۴۔عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر۔چالیس (۴۰)اونٹ ملے۔

۱۵۔مالک بن عوف۔چالیس (۴۰)اونٹ ملے۔

۱۶۔عباس بن مرداس۔چالیس (۴۰)اونٹ ملے۔

مال غنیمت کی تقسیم بندی کے پہلے مرحلے کے بعد پیغمبرؐ نے زیدؓ بن ثابت سے فرمایا کہ بچے ہوئے مال غنیمت اور دیگر لوگوں کو گن لیں بعد ازاں بچے ہوئے مال کو ان میں تقسیم کریں۔تقسیم بندی کے اس دوسرے مرحلے میں ہر ایک کے حصے میں چار اونٹ اور چالیس گوسفند آئے۔وہ افراد جو گھڑ سوار تھے انھیں بارہ بارہ (۱۲) اونٹ اور ایک سو بیس (۱۲۰) گوسفند ملتا ہم اس وقت پیغمبرؐ کے ساتھ بعض سوار ایسے بھی تھے جنھیں کوئی حصہ نہیں ملا۔

جنگ حنین کے غنائم کے حوالے سے چند نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔جنگ میں شرکت کرنے والوں کی اکثریت بیرون مکہ سے آئی تھی جن کی تعداد دس ہزار بنتی ہے لیکن غنائم جنگی کا زیادہ تر حصہ مکہ والوں میں تقسیم کیا گیا جن کا جنگ میں کوئی قابل ذکر کردار نہیں تھا۔

۲۔پیغمبر اسلام کو پناہ دینے والے انصار تھے،جنھوں نے مال غنیمت سے کچھ نہ ملنے پر گلہ وشکوہ کیا لیکن بعد میں آپ نے انھیں بھی منالیا۔

۳۔مسلمانوں کی سب سے بڑی جنگ اہل مکہ سے ہوئی جسے مصدر جنگ کہا جا سکتا ہے۔یہ وہ جنگ ہے جس میں فتح و کامرانی کے باوجود پیغمبر اسلام نے مال غنیمت حاصل نہ کیا۔

انصار کی بے چینی

مؤلفۃ القلوب کو عطیات بخشنے کا مقصد ان لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا اور رغبت دلانا تھا پیغمبر اسلام کا یہ عمل انصار کے دلوں میں غصے کا سبب بنا،منافقین نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر انصار اور پیغمبر اسلامؐ کے درمیان فتنہ بھڑکانے کی کوشش کی پیغمبر اسلامؐ نے انصار کو اکٹھا کیا اور ان سے خطاب فرمایا:

"اے گروہ انصار!تم نے دنیا کی تر و تازگی کے متعلق جس کے ذریعے میں نے کچھ لوگوں کے دلوں کو اسلام کیلئے نرم کیا ہے،اور تمہارے لئے اسلام کو کافی سمجھا ہے،اپنے دلوں میں شکایت پیدا کی ہے،اے گروہ انصار کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ لوگ اپنے گھروں میں بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کو اپنے گھروں میں لے کر جاؤ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار مدینہ کا ہی ایک فرد ہوتا اور اگر لوگ کسی گھاٹی سے چلیں اور انصار کسی گھاٹی سے چلیں تو میں انصار کی گھاٹی میں ان کے ساتھ چلوں گا۔اے اللہ!انصار مدینہ ان کے بال بچوں اور ان کی اگلی نسل پر اپنی رحمت نازل فرما۔"

آپؐ کا یہ خطبہ سن کر لوگ رو رہے تھے حتی کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئی تھیں ۔

انصار نے کہا "یا رسول اللہؐ! آپ نے جو فیصلہ کیا ہم اس پر راضی ہیں"۔اس طرح پیغمبرؐ نے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی جو آگ منافقین نے بھڑکانے کی کوشش کی اس کو آپ نے برد وسلام میں تبدیل کیا۔یہ اخلاق رسولؐ کا ایک نمونہ ہے۔

پیغمبر ﷺ کو نئی صورتحال کا سامنا

بعض لوگوں نے یہ افواہ پھیلادی کہ پیغمبرؐ نے مال غنیمت فقیروں میں نہیں بلکہ صاحبان مال و دولت میں تقسیم کردیا ہے اس موقع پر بعض لوگ شورشرابا کرکے آپؐ سے اپنے حقوق کا تقاضا کرنے لگے انھوں نے مال غنیمت کو ان کے درمیان تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا۔اس دوران پیغمبر اسلامؐ لوگوں کے ہجوم سے ایک طرف نکلے اور فرمایا

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تہامہ میں موجود درختوں کی تعداد کے برابر بھی میرے پاس چوپائے ہوتے تب بھی میں ان تمام کو تمہارے درمیان تقسیم کردیتا۔تم نے مجھے کبھی بخیل اور جھوٹا نہیں کہا"

اس کے بعد آپؐ ایک اونٹ کے پہلو میں گئے اور اس کی گردن کے ایک بال کو لے کر اسے بلند کرتے ہوئے کہا

"اے لوگو! خدا کی قسم تمہارے مال غنیمت میں سے میرے پاس اس بال کے برابر بھی حصہ نہیں ہے سوائے اس خمس کے جسے بھی میں تمھیں واپس کر رہا ہوں"

یہ وہ وقت تھا جب لوگوں کی روح مال دنیا کے لالچ میں تڑپ رہی تھی ۔

جنگی اسیروں کا معاملہ

پیغمبرؐ کے پاس ہوازن کا چودہ رکنی وفد آیا جس کی قیادت زہیر بن صرد اور ابو برقان کر رہے تھے ۔ابو برقان پیغمبر اسلامؐ کے رضاعی چچا تھے۔ابو برقان مسلمان ہو کر نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ۔انھوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ ان کے اسیروں کو رہا کیا جائے ۔آپؐ نے ان کی درخواست منظور کرلی ،دیگر مسلمانوں نے بھی آپ کے فیصلے پر رضامندی کا اظہار کیا۔اس موقع پر پیغمبرؐ نے ہوازن قبیلے کی اسیر خواتین اور بچوں کی رہائی کا حکم فرمایا،سوائے عیینہ بن حصن کے دیگر تمام افراد نے آپ کے فرمان کی تائید کی عیینہ بن حصن نے جو کہ عرب جاہل و بدو تھا اپنے ہاتھ لگنے والی عمر رسیدہ خاتون کو واپس کرنے سے انکار کردیا لیکن بعد میں اسے بھی جانے کی اجازت مل گئی۔

بعد ازاں ہوازن کے رئیس مالک بن عوف پیغمبر اسلامؐ کے پاس حاضر ہوئے جنھیں ان کے عزیزوں کی رہائی کے ساتھ سو(۱۰۰)اونٹ بھی دے دیئے گئے جس پر وہ بھی مسلمان ہوگیا۔پیغمبرؐ نے اسے اپنی قوم پر والی بنادیا ۔

غزوۂ تبوک

فتح مکہ اورغزوہ حنین وطائف کے بعد پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کو پورے جزیرۃ العرب پر تسلط حاصل ہوا جس کی وجہ سے اسلامی سرحدیں شام وعراق تک پہنچ چکی تھیں، اب جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کی طاقت وقدرت کا مقابلہ یا تہدید کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ دین اسلام ایک ایسا دین نہیں جو قبائل وعشائر تک محدود ہو بلکہ یہ دین پوری انسانیت اور بشریت کیلئے ہے لہٰذا اس دین کو جزیرۃ العرب سے باہر پہنچانا ضروری تھا، جزیرۃ العرب کے مشرکین نے ہر قریے اور علاقے سے دین اسلام میں داخل ہونے کیلئے جوق در جوق مدینے کا رخ کیا، اب اسلام کیلئے مشرکین کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ تیزی سے پھیلتے ہوئے اسلام کے حالات کو دیکھ کر روم کے ارباب اقتدار کا چین وسکون ختم ہوگیا، اور وہ اس سوچ میں پڑ گئے کہ کسی بھی طرح اس جدید دین کو مزید طاقت وقدرت نہیں ملنی چاہیے اور اس کا خاتمہ ہونا چاہیے چنانچہ رومی لشکر کے روساء نے ان افراد سے رابطہ کیا جو مدینہ سے تجارتی تعلقات رکھتے تھے انہوں نے اہل روم کو اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت وقدرت کے بارے میں آگاہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ یہ دین مستقبل میں روم کیلئے خطرے کا باعث بن سکتا ہے اس پر روم نے اس نئے دین کے ساتھ مقابلہ ومزاحمت کیلئے تگ ودو شروع کی۔

نویں ہجری کی پہلی ششماہی میں پیغمبرؐ کو خبر ملی کہ بادشاہ روم اپنے گردونواح کے والیوں اور حکمرانوں کے ہمراہ مدینہ پر حملہ کرنے اور اسلامی حکومت کے سقوط کے عزائم میں مصروف ہے اور بادشاہ نے اپنے قبائل لخم، جذام، عاملۃ اور غسان کو وادی بلقاء میں جمع کیا ہے آپؐ نے مدینہ پر ہجوم سے پہلے انھیں انکی سرحدوں پر روکنے کیلئے تیاری کرنے کا اعلان کیا اور زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو سرزمین حجاز کی مشرقی سرحد پر دشمن سے لڑنے کی دعوت دی، آپؐ جس جنگ کیلئے آمادہ ہو رہے تھے اس کی خاص نوعیت کی خاطر اسے لوگوں سے پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں تھا کیونکہ یہ غزوہ سابقہ دس سالہ جنگوں کی نسبت ہر حوالے سے مختلف تھی دشمن کی طاقت وقدرت، لمبی مسافت، دشوار گزار راستے، گرم موسم اور فصلوں کے پکنے کے دن غرض ہر حوالے سے مختلف تھی یہ جنگ مسلمانوں کیلئے کٹھن اور دشوار آزمائش تھی لہٰذا پیغمبرؐ نے مسلمانوں کو ہر قسم کی جانی و مالی معاونت کی دعوت دی یہ پیغمبرؐ کی آخری جنگ تھی اسی حوالے سے یہ جنگ دو ناموں سے مشہور ہوئی:

۱۔ **غزوۂ عسرۃ:** خداوند متعال نے اس جنگ میں پیغمبرؐ کے ساتھ نکلنے والوں کی تعریف میں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سختی میں نبی کا ساتھ دیا:

﴿الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ ''جنھوں نے تنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا'' (توبہ ۱۱۷)

۲۔ **غزوۂ تبوک:** تبوک ایک جگہ کا نام ہے جو وادی القریٰ اور شام کے درمیان واقع ہے یہ مدینے سے چودہ منزل اور دمشق سے گیارہ منزل کے فاصلے پر ہے۔ اس جگہ کو تبوک کہنے کے بارے میں صاحب روض الانف اپنی کتاب کی ج ۴ میں

لکھتے ہیں کہ یہ ایک چشمے کا نام ہے جہاں پہنچ کر پیغمبرؐ نے فرمایا "اس چشمے کو نہ چھوا جائے"، اس کے باوجود چار افراد معتب بن قشیر، حارث بن یزید طائی، ودیعۃ بن ثابت اور زید بن لصیت جو کہ منافقین میں سے تھے انھوں نے پیغمبرؐ کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے چشمے سے کھیلنا شروع کردیا۔ تبوک کا معنی چشمے کے پانی کو ہلانا ہے۔

رہتی دنیا تک امت اسلامی کیلئے اس جنگ کی تیاری و آمادگی اور ابتداء و اختتام میں بہت سے دروس اور عبرتیں ہیں۔ منافقین کے تمام تر پروپیگنڈے اور مخالفتوں کے باوجود پیغمبرؐ کے ساتھ اس جنگ میں ایک ہزار سواروں سمیت تیس ہزار (۳۰۰۰۰) افراد نے شرکت کی۔

غزوۂ تبوک کی خصوصیات وامتیازات

۱۔ یہ آخری غزوہ ہے جس میں مجاہدین اسلام نے اپنے نبیؐ کی قیادت میں شرکت کی اور خود یہ جنگ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دین مخصوص جزیرۃ العرب کیلئے نہیں بلکہ پورے کرہ ارضی کیلئے ہے چنانچہ اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِینَ یَلُونَکُمْ مِنَ الْکُفَّارِ﴾ "اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں" (توبہ۱۲۳)

اس آیت کے تحت نبی کریمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے آس پاس کی حکومتوں سے جنگ کریں۔

۲۔ یہ غزوہ موسم اور راستے کے لحاظ سے سخت اور مشکل ترین غزوہ تھی اسی وجہ سے خداوند عالم نے اسے غزوہ عسرہ کہا ہے اور مہاجرین وانصار کی اس جنگ میں شرکت کی آمادگی کو سراہا اور اس کی تعریف کی ہے۔

۳۔ اس جنگ میں دوسری جنگوں کی بنسبت ہر قسم کے کنایہ گوئی، اجمال گوئی، اسرار پوشی وغیرہ سے گریز کیا گیا بلکہ کھلے، واضح اور واشگاف الفاظ میں دشمن کا ذکر کیا گیا۔

۴۔ یہ وہ واحد جنگ تھی جس میں ہر حوالے سے حصہ لینے کی دعوت دی گئی یعنی اگر کوئی خود جا سکتا ہے تو فبہا ورنہ سواری، مال، سامان جنگ غرض حسب استطاعت اس جنگ میں شرکت کرنے والوں کی امداد کرے لہٰذا مومنین نے اس جنگ میں دل کھول کر جان و مال سے حصہ لیا۔

۵۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار (۳۰۰۰۰) تھی جو کہ تمام جنگوں سے زیادہ تھی۔

۶۔ اس جنگ میں منافقین کے چہرے کھل کر سامنے آئے، ان کے چہرے سے کشف نقاب ہوا اور ان کے عزائم ونیات سب پر عیاں ہو گئیں اور انھیں پشیمانی اور ذلت وخواری اٹھانا پڑی اور قیام قیامت تک خدا اور رسولؐ کی طرف سے ان کے بارے میں فیصلہ صادر ہوا۔

مسلمان سابقہ فتوحات اور پیغمبر اسلامؐ پر غیر متزلزل ایمان وعقیدت کی بنا پر تیاریوں میں سرگرم تھے، راستہ کی دوری اور روم کی قدرت وطاقت جیسی چیزوں نے انھیں تردد میں مبتلا نہیں کیا اور انہوں نے دل وجان سے پیغمبرؐ کے حکم کا استقبال کیا لیکن منافقین مدینہ کے ساتھ بعض کمزور اور ضعیف الایمان مومنین نے اس جنگ میں جانے کی بجائے بہانہ تراشی اور معذرت طلبی

کی۔ جولوگ اس جنگ میں شرکت کرنے سے کترا رہے تھے اور بہانہ تراشی کر رہے تھے ان کی مذمت میں سورۂ توبہ کی آیات ۱۲۹تا۱۱۲ نازل ہوئیں۔ پیغمبر اسلامؐ کے غزوات میں سے ہر ایک غزوہ دوسرے کی نسبت خاص خصوصیات وامتیازات کا حامل ہے،اس نکتے کے تحت جنگ تبوک میں جہاد کی شرائط پر پورا اترنے والے تمام مسلمانوں کی شرکت ناگزیر تھی لیکن بعض افراد اس جنگ سے پیچھے رہے۔ یہ غزوہ گذشتہ غزوات سے منفرد اور کئی خصوصیات کی حامل ہونے کی وجہ سے پیغمبر اسلامؐ نے اس جنگ کے بارے میں منفرد اور مختلف اقدامات کئے پہلے ہم اس جنگ کی انفرادی خصوصایت بیان کرتے ہیں۔

۱۔ یہ جنگ اس وقت کی سب سے بڑی اور طاقتور حکومت ''روم'' کے خلاف تھی۔

۲۔ مدینہ سے طویل مسافت طے کرکے جانا تھا۔

۳۔ پر مشقت راستوں، دشت وبیاباں، دروں اور پہاڑوں سے گزرنا تھا۔

۴۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔

۵۔ مدینہ میں فصل کٹائی کیلئے بالکل تیار تھی۔

انہی وجوہات کی بنیاد پر اس جنگ میں شرکت کیلئے نیات کا متزلزل ہونا ایک حتمی اور یقینی امر تھا لہٰذا اس مرتبہ امت کی طرف سے جنگ میں شرکت کرنے والوں میں اختلاف، اضطراب، تردد اور بہانہ جوئی وغیرہ سامنے آئی۔ ہم یہاں جنگ میں شرکت کے متعلق پیش آنے والی صورتحال ترتیب سے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ جس طرح بعض افراد نے سابقہ غزوات وسرایا میں بغیر کسی چون وچرا سراپا شوق وجذبہ سے خود کو پیش کیا تھا انہوں نے اس دفعہ بھی سب کاموں پر جنگ میں شرکت کو ترجیح دی جن کے حق میں خداوند متعال نے آیت نازل کی۔

۲۔ کچھ لوگ جنگ میں شرکت کی تمنا اور شوق تو رکھتے تھے لیکن سواری نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہوئے کہ پیغمبرؐ سے سواری کی درخواست کریں۔ پیغمبرؐ نے ان سے معذرت چاہی جس پر یہ روتے ہوئے گھروں کو لوٹ گئے۔

۳۔ ایک گروہ بغیر کسی عقلی شرعی عذر کے صرف جنگ سے بچنے کی خواہش میں پیغمبرؐ سے اس جنگ میں شرکت سے معافی کی درخواست کی ان کی تعداد ۸۰ تھی ان کے زیادہ اصرار، قسمیں کھانے اور اپنی پریشانیوں کا اظہار کرنے پر پیغمبرؐ نے انہیں رکنے کی اجازت دے دی جس پر خدا نے اپنے نبیؐ سے بازپرس کی کہ آپؐ نے انہیں اجازت کیوں دی۔

﴿عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنتَ لَھُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْکَاذِبِیْنَ﴾ ''اللہ تجھے معاف فرمادے تو نے انھیں کیوں اجازت دے دی؟ بغیر اسکے کہ تیرے سامنے سچے لوگ کھل جائیں اور تو جھوٹے لوگوں کو بھی جان لے۔'' (توبہ ۴۳)

۴۔ ایک گروہ میں پہلی جنگوں میں شرکت کرنے کا جو شوق وجذبہ تھا وہ اس جنگ میں نہیں پایا گیا چنانچہ وہ فیصلے کے حوالے سے کافی تردد اور پریشانی میں مبتلا تھے بالآخر انہوں نے شرکت نہ کرنے کو ہی ترجیح دی۔ یہ افراد انصار سے تعلق رکھتے

تھے ان کے نام درج ذیل ہیں۔

کعب بن مالک	مرارۃ بن ربیع	ہلال بن امیہ

۵۔ پیغمبر اسلامؐ جب تبوک سے سرخرو ہو کر واپس مدینہ تشریف لائے تو جنگ سے پیچھے رہنے والے افراد شرمندہ ہو کر پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت خواہی کی پیغمبرؐ نے ان سے استفسار کیا کہ کیوں جنگ سے پیچھے ہٹے؟ تو انھوں نے سچائی اور صداقت سے جواب دیا درحقیقت ہمارے پاس کوئی قابل قبول عذر نہیں تھا آپؐ نے ان کے بارے میں قطع تعلق کا اعلان کیا اور ان کا فیصلہ خدا پر چھوڑا۔

امت میں تقسیم بندی

۱۔ جنگ میں شرکت کرنے والے

ایک گروہ نے بڑے شوق ورغبت اور عشق کا مظاہرہ کیا اور جانی و مالی خدمات پیش کیں، ابوبکرؓ نے جنگ تبوک کے موقع پر شریک ہونے کے ساتھ چالیس ہزار درہم کی مالی امداد بھی کی عمرؓ نے اپنا نصف مال، عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے دوسو اوقیہ چاندی، عاصمؓ بن عدی نے ستر وسق کھجور، عثمانؓ نے ایک تہائی مال اور ایک ہزار دینار دیئے۔

۲۔ معذور افراد: یہ دو گروہوں میں منقسم تھے:

پہلا گروہ:

مریض، ضعیف و ناتواں اور غریب و نادار افراد کو خدا نے اس جنگ میں شرکت سے مستثنیٰ قرار دیا:

﴿لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ مَا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ "ضعیفوں پر اور بیماروں پر اور ان پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ بھی نہیں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں ایسے نیکوکاروں پر الزام کی کوئی راہ نہیں اللہ بڑی مغفرت و رحمت والا ہے" (توبہ ۹۱)

دوسرا گروہ:

سات نفر کا ایک گروہ روتا ہوا پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ ان کے پاس جنگ میں جانے کیلئے سواری نہیں تھی۔ انھوں نے نبی کریمؐ سے سواری کی درخواست کی، آپؐ کی معذرت پر وہ روتے ہوئے واپس لوٹ گئے:

﴿وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ اِذَا مَا اَتَوْکَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُکُمْ عَلَیْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ﴾ "اور نہ ہی ان لوگوں پر کوئی الزام ہے جنہوں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ ان کیلئے سواری فراہم کریں آپ نے کہا میرے پاس کوئی سواری موجود نہیں کہ تمہیں اس پر سوار کروں وہ واپس گئے جب کہ ان کی آنکھیں اس غم میں آنسو بہا رہی تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کیلئے کچھ نہ تھا" (توبہ ۹۲)

۳۔بہانہ جوئی کرنے والے

الف۔انصار کے تین افراد کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع، ہلال بن امیہ پیچھے رہنے والوں میں سے تھے۔پیغمبرؑ نے ان تینوں سے پوچھا سچ بتاؤ کیا تم واقعی معذور تھے انہوں نے سچ بولنے کو ترجیح دی اور کہا کہ ہمارے پاس جنگ میں شریک نہ ہونے کا کسی بھی حوالے سے کوئی معقول عذر نہیں تھا۔جب ان کی یہ صورت حال پیغمبرؑ کے سامنے واضح ہوئی تو آپؑ نے اصحاب سے فرمایا ان سے کوئی بات نہ کرے۔حکم پیغمبرؑ کے تحت اہل مدینہ نے ان تینوں سے قطع تعلق کیا یہاں تک یہ تینوں اہل مدینہ کیلئے اجنبی بن گئے، سرزمین مدینہ ان تینوں پر تنگ ہوگئی اسی حالت میں چالیس دن گذر گئے، حکم میں مزید شدت آئی عورتوں سے بھی کہا گیا ان سے قطع تعلق کریں پچاس دن گذر گئے ان تینوں کی پشیمانی تو بہ وانابہ بڑھتی گئی انہوں نے پیغمبرؑ اور مسلمانوں کے اس سلوک کے مقابل میں کوئی ضد ونقیض پر مبنی سلوک نہیں اپنایا اس کے بعد خداوند عالم نے ان کی توبہ قبول فرمائی:

﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ ”اور تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی توبہ کرسکیں بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا رحم دل والا ہے“ (توبہ۱۱۸)

کعب بن مالک

کعب بن مالک نے عقبہ دوم میں پیغمبر اسلام کی بیعت کعب کا بیان ہے کہ میں نے نبی کریمؐ کے ہمراہ سوائے بدر تمام غزوات میں شرکت کی، جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کی بہت فضیلت ہے لیکن شریک نہ ہونے والوں کی مذمت بھی نہیں۔

عزوہ بدر میں شریک نہ ہونے کا افسوس و داغ اور حسرت و ارمان دل میں ہمیشہ کیلئے رہ گیا، مجھے ایک اور حسرت و ارمان جنگ تبوک سے پیچھے رہنا کی ہے۔جنگ تبوک دوسری جنگوں سے بالکل مختلف تھی، کیوں کہ اسی دوران درختوں کے پھل پک چکے تھے اور لوگ سایہ میں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔مسلمان مدینہ سے پیغمبرؑ کے ساتھ نکل گئے لیکن میں ابھی تک تیاری اور ارادہ کرنے میں متردد تھا بلا آخر نہیں جا سکا، حالانکہ میرا خیال تھا کہ اس جنگ میں ضرور شرکت کروں گا، دن رات گزر گئے میں خود کو غم زدہ، کم زور اور ضعیف منافقین کے درمیان پاتا تھا یہاں تک کہ پیغمبرؑ مسلمانوں کے ساتھ تبوک میں پہنچے اور میرے بارے میں پوچھا۔

جب پیغمبرؑ تبوک سے واپس لوٹ کر مدینہ پہنچے، میں پریشان ہوا اور سوچنے میں پڑ گیا کہ اب رسول اللہؐ کی خدمت میں کیا عذر پیش کروں ان کی ناراضگی کو کیسے دور کروں، جب پیغمبرؑ حسب سابق مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے نکلے تو میں نے سمجھا کہ اب بغیر صداقت وسچائی کے بچنا ناممکن ہے، سچ بولنے کا فیصلہ کیا پیغمبرؑ جب مسجد پہنچے تو میں ان افراد کے ہمراہ جو تبوک سے پیچھے رہ چکے

تھے آپؐ کے حضور میں حاضر ہو کر عذر خواہی کی اور قسمیں کھانے لگے، آپؐ نے ان سب کے عذر قبول فرمایا، ان کیلئے طلب مغفرت کی، ان کے دل کی بات ونیت کو خدا پر چھوڑا لیکن جب میں نے پیغمبرؐ کو سلام کیا تو آپ نے غصہ و ناراضگی میں تبسم کیا اور فرمایا افسوس ہو تم پر یہ کہہ کر آپ آگے بڑھ گئے، میں آپؐ کے پیچھے پیچھے چلنا لگا، پیغمبرؐ نے فرمایا تم کیا چیز چھپا رہے ہو کیا تم نے سواری نہیں خریدی تھی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو اس کی ناراضگی سے نکلنے کیلئے کوئی بھی عذر پیش کر لیتا اور جھوٹ سے اس کو راضی کر لیتا۔ لیکن اگر میں جھوٹ بولوں تو خدا راضی نہیں ہوں گے اور اگر میں سچ بولوں تو آپ ناراض ہوں گے لیکن مجھے اُمید ہے کہ میرے عاقبت خیر ہوگی، میرے پاس جنگ میں شریک نہ ہونے کا کوئی بھی عذر نہیں تھا۔ چنانچہ پیغمبرؐ نے فرمایا اگر تم نے سچ بولا ہے تو فیصلہ خدا پر ہی چھوڑو، خدا خود ہی فیصلہ کرے گا۔ جب میں آپؐ کے حضور سے نکلا تو بنی سلمہ کے کچھ لوگ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہنے لگے جو گناہ تم نے آج کیا ہے وہ کبھی بھی تم نے نہیں کیا۔ تم دوسروں کی مانند عذر پیش کر کے معافی مانگتے تو پیغمبرؐ تمہیں بھی بخش دیتے۔ کعب بن مالک کہتا ہے میں نے سوچا دوبارہ پیغمبرؐ کے پاس جا کر اپنا کوئی عذر پیش کروں لیکن پیغمبرؐ کے پاس پہنچے کے بعد مجھ سے جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا۔

چنانچہ پیغمبرؐ اور مسلمانوں نے مرارہ بن ربیع ہلال بن امیہ اور میرے ساتھ قطع تعلقات کا اعلان کیا۔ مرارہ اور ہلال گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے لیکن میں جب بھی گھر سے نماز کیلئے یا بازار کیلئے نکلتا تھا لوگ مجھ سے منہ موڑتے تھے اور بات نہیں کرتے تھے، پیغمبرؐ کو سلام کیا کہ شاید پیغمبرؐ میرا جواب دیں قریب جاتا تاکہ کوئی بات کریں، جب میں ان کی طرف دیکھتا تو وہ نظریں پھیر لیتے یہاں تک کہ مدینے میں جینا میرے لئے مشکل ہو گئی بالآخر سورہ توبہ کی آیات ۱۱۷ سے ۱۱۹ تک نازل ہوئی۔

تین متخلفین کے قصے میں درس وعبرت

۱۔ نبی کریمؐ کا ان متخلفین کے ساتھ سلوک اس بات کی واضح و روشن دلیل ہے کہ دین اسلام میں فاسق و فاجر، شریعت اسلامی کے خلاف برسر پیکار رہنے والوں کو دینداروں کے معاشرے میں رہنے کی اجازت نہیں ہے ان دونوں کی اجتماعی زندگی کا ایک دوسرے سے الگ ہونا ضروری اور ناگزیر ہے۔

۲۔ اگر کوئی دل کی گہرائیوں سے خدا و رسول پر ایمان رکھتا ہو تو خدا اور اس کے رسول کی طرف سے ہونے والی مکافات ومجازات کبھی بھی اسے دین سے ضدیت پر نہیں ابھارتی بلکہ انتہائی کرب واضطراب سے دوبارہ دین کے سایے میں زندگی گزارنے کو ترجیح دیتا ہے چنانچہ جنگ سے پیچھے رہنے والوں میں سے بعض پیغمبرؐ اور مسلمانوں کے خلاف کے سخت ترین موقف انتخاب کرنے کے باوجود ضد میں آنے کی بجائے توبہ وعنابہ کو وسیلے کو اپنایا۔

۳۔ کوئی بھی بندہ کتنے ہی بڑے گناہوں کا مرتکب کیوں نہ ہوا ہو، اگر دل کی گہرائیوں سے توبہ وعنابہ کر کے خدا و رسول کی طرف برگشت کرے تو خدا اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

ب۔ایک گروہ نے پیغمبرؐ سے کسی عذر کے بغیر صرف جنگ سے بچنے کیلئے پیچھے رہنے کی اجازت لی تھی۔

بنی غفار سے تعلق رکھنے والے ایک گروہ جن کی تعداد بیاسی تھی انہوں نے ضعیف وناتوان ہونے کا بہانہ کر کے جنگ میں شرکت نہ کرنے کیلئے پیغمبرؐ سے عذر خواہی کی لیکن پیغمبرؐ نے ان کے عذر کو قبول فرمایا اسی دوران آیت نازل ہوئی:

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْکٰذِبِیْنَ﴾ ''اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے انھیں کیوں اجازت دے دی قبل اس کے کہ آپ پر واضح ہو جاتا کہ سچے کون ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے؟''
(توبہ ۴۳)

بعد میں جب آپؐ واپس تشریف لائے انہوں نے قسمیں کھائیں تو پیغمبرؐ نے ان کے عذر کو قبول فرماتے ہوئے ان سے دوبارہ بیعت لی اور ان کیلئے طلب مغفرت کی اور ان سے فرمایا تمہارا حساب خود خدا کرے گا جو سرّ واخفا سے آگاہ ہے۔

ج۔بعض نے سفر کی دوری اور گرمی کو بہانہ بنایا:

﴿لَوْ کَانَ عَرَضًا قَرِیْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْکَ وَلٰکِنْ بَعُدَتْ عَلَیْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَکُمْ یُهْلِکُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ﴾ ''اگر جلد وصول ہونے والا مال واسباب ہوتا اور ہلکا سا سفر ہوتا تو یہ ضرور آپ کے پیچھے ہو لیتے لیکن ان پر تو دوری اور دراز کی مشکل پڑ گئی۔اب تو یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں قوت وطاقت ہوتی تو ہم یقیناً آپ کے ساتھ نکلتے،یہ اپنی جانوں کو خود ہی ہلاکت میں ڈال رہے ہیں ان کے جھوٹا ہونے کا سچا علم اللہ کو ہے۔'' (توبہ ۴۲)

ان سب کے جواب میں خدا نے فرمایا کہ یہ سب بہانہ تراشی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے کی بات ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ﴾ ''اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ چلو اللہ کے راستے میں کوچ کرو تو تم زمین سے لگ جاتے ہو کیا تم آخرت کے عوض دنیا کی زندگانی پر ہی ریجھ گئے ہو سنو دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلے میں کچھ یونہی سی ہے۔'' (توبہ ۳۸)

منافقین کا گروہ

منافقین نے اس جنگ کی مخالفت میں انتہائی کرب واضطراب،دیوانی پن اور جنونی حالت اپناتے ہوئے سرتوڑ کوشش کی کہ جتنا ممکن ہو سکے لوگوں کو اس جنگ سے دور رکھا جائے گویا ان کے خیال میں پیغمبرؐ اور مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کرنے کا یہ آخری اور سنہری موقع ہے انہوں نے اس موقع پر مندرجہ ذیل اقدامات کئے۔

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَکَرِهُوْۤا اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ کَانُوْا یَفْقَهُوْنَ ☆ فَلْیَضْحَکُوْا قَلِیْلًا وَّلْیَبْکُوْا کَثِیْرًا جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ☆ فَاِنْ رَّجَعَکَ اللّٰهُ اِلٰی طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْکَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ

عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخَالِفِيْنَ☆وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ☆وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ ''پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرنا ناپسند رکھا اور انہوں نے کہہ دیا کہ اس گرمی میں مت نکلو کہہ دیجئے دوزخ کی آگ بہت سخت گرم ہے، کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے۔ پس انھیں چاہیے کہ بہت کم ہنسیں اور بہت زیادہ روئیں بدلے میں اس کے جو یہ کرتے تھے پس اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی کسی جماعت کی طرف لوٹا کر واپس لے آئے پھر یہ آپ سے میدان جنگ میں نکلنے کی اجازت طلب کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ ہرگز چل نہیں سکتے اور نہ میرے ساتھ تم دشمنوں سے لڑائی کر سکتے ہو تم نے پہلی مرتبہ ہی بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا پس تم پیچھے رہ جانے والوں میں ہی بیٹھے رہو۔ ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور مرتے دم تک بدکار بے اطاعت رہے ہیں۔ آپ کو ان کے مال و اولاد کچھ بھی بھلے نہ لگیں اللہ کی چاہت یہی ہے کہ انہیں ان چیزوں سے دنیوی سزا دے اور یہ اپنی جانیں نکلنے تک کافر ہی رہیں۔'' (توبہ ۸۱تا۸۵) ﴿يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ☆سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ☆يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ☆اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ☆وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ☆وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''یہ لوگ تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس جاؤ گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ عذر پیش مت کرو ہم کبھی بھی تم کو سچا نہیں سمجھے گے اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری خبر دے چکا ہے اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمہاری کارگزاری دیکھ لیں گے پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے پھر وہ تم کو بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ ہاں وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھا جائیں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تا کہ تم انکو ان کی حالت پر چھوڑ دو سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے ان کاموں کے بدلے جنہیں وہ کیا کرتے تھے۔ یہ اس لئے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تو ایسے فاسق لوگوں سے

راضی نہیں ہوتا۔ دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہیے کہ ان کو ان احکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں اور اللہ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ اور ان دیہاتیوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو جرمانہ سمجھتے ہیں اور تم مسلمانوں کے واسطے برے وقت کے منتظر رہتے ہیں برا وقت ان پر ہی پڑنے والا ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور بعض اہل دیہات میں ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو عنداللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں یاد رکھو کہ ان کا یہ خرچ کرنا بیشک ان کیلئے موجب قربت ہے ان کو اللہ تعالیٰ ضرور اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے" (توبہ ۹: ۹۹) ﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ☆ عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ☆ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ☆ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ☆ وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِن كَرِهَ اللَّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ☆ لَوْ خَرَجُوا فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ﴾ "اگر جلد وصول ہونے والا مال و اسباب ہوتا اور ہلکا سا سفر ہوتا تو یہ ضرور آپ کے پیچھے ہو لیتے لیکن ان پر تو دوری اور درازی مشکل پڑ گئی اب تو یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں قوت و طاقت ہوتی تو ہم یقیناً آپ کے ساتھ نکلتے یہ اپنی جانوں کو خود ہی ہلاکت میں ڈال رہے ہیں ان کے جھوٹا ہونے کا سچا علم اللہ کو ہے اللہ تجھے معاف فرما دے تو نے انھیں کیوں اجازت دے دی؟ بغیر اس کے کہ تیرے سامنے سچے لوگ کھل جائیں اور تو جھوٹے لوگوں کو بھی جان لے۔ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان اور یقین رکھنے والے تو مالی اور جانی جہاد سے رکے رہنے کی کبھی بھی تجھ سے اجازت طلب نہیں کریں گے اور اللہ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے۔ یہ اجازت تو تجھ سے وہی طلب کرتے ہیں جنہیں نہ اللہ پر ایمان ہے نہ آخرت کے دن کا یقین ہے جن کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک میں ہی سرگرداں ہیں۔ اگر انکا ارادہ جہاد کیلئے نکلنے کا ہوتا تو وہ اس سفر کیلئے سامان کی تیاری کر رکھتے لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند ہی نہ تھا اس لئے انھیں حرکت سے ہی روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی رہو۔ اگر یہ تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لئے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے بلکہ تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑا دیتے اور تم میں فتنے ڈالنے کی تلاش میں رہتے ان کے ماننے والے خود تم میں موجود ہیں اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔" (توبہ ۴۲ تا ۴۷)

اسلامی جہاد کے شوق و ذوق میں مسلمانوں کی سبقت اور جذبۂ جہاد کو دیکھ کر منافقین تلملائے اور سویلم نامی شخص کے گھر

میں جمع ہوئے تا کہ لوگوں کو کسی بھی طرح جنگ میں شرکت کرنے سے روکا جائے انہوں نے فیصلہ کیا جتنا ہو سکے مجاہدین کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کیا جائے اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی جائے کہ روم سے لڑنا یہاں کے قبائل و عشائر سے لڑنے جیسا نہیں۔ جب پیغمبر اسلامؐ کو انکی خفیہ سرگرمیوں کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فوراً طلحہ بن عبید اللہ کو بھیجا تا کہ اسلام کے خلاف روشن کی جانے والی آگ بجھائی جائے جب طلحہ وہاں پہنچا اور ان کے عزائم سے پردہ ہٹا تو انہوں نے کہا کہ ہم یونہی ہنسی مذاق کر رہے تھے ان کے اس بہانے کا ذکر آیت کریمہ میں کچھ اس طرح آیا ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ﴾ ''اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے کہہ دیجئے کہ اللہ اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے لئے ہنسی مذاق کیلئے رہ گئے ہیں؟'' (توبہ ۶۵)

لیکن منافقین کا لشکرِ اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ مؤثر ثابت نہ ہوا کیونکہ پیغمبرؐ وقتاً فوقتاً منافقین کی تبلیغات سے پردہ اٹھاتے تھے، آپؐ کے حرکت و اقدام سے انکے شکوک و شبہات لوگوں کے ذہنوں سے رفع ہو جاتے تھے لیکن گرد و نواح میں رہنے والے قبائل و عشائر پر ان کے یہ منفی تبلیغات اثر انداز ہوئے چنانچہ وہ پیغمبرؐ کے پاس آئے اور اپنے ضعیف و ناتواں ہونے کا عذر پیش کیا:

﴿وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ''بادیہ نشینوں میں سے عذر والے لوگ حاضر ہوئے کہ انہیں رخصت دے دی جائے اور وہ بیٹھے رہے جنہوں نے اللہ سے اور اس کے رسول سے جھوٹی باتیں بنائی تھیں اب تو ان میں جتنے کفار ہیں انھیں دکھ دینے والی مار پہنچ کر رہے گی'' (توبہ ۹۰) ﴿لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ﴾ ''اگر یہ تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لئے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے بلکہ تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑا دیتے اور تم میں فتنے ڈالنے کی تلاش میں رہتے ان کے ماننے والے خود تم میں موجود ہیں اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔'' (توبہ ۴۷)

اس دفعہ منافقین نے پہلے سے زیادہ جنونی کیفیت اختیار کرتے ہوئے اس جنگ میں پیغمبر اسلامؐ کو ناکام کرنے اور ان کو شکست دینے کیلئے اپنے ناپاک عزائم کا زبان و عمل سے مظاہرہ کیا اسی طرح لوگوں کو اس جنگ سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش بھی کی اور اس سلسلے میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے انہوں نے حیلہ بازی اور بہانہ تراشی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ منافقین کے ایک سرکردہ شخص جدس بن قیس سے پیغمبر اسلامؐ نے پوچھا کہ تم اس جنگ میں شرکت کرو گے یا نہیں؟ تو اس نے جواب دیا ''یا نبی اللہ! مجھے اس جنگ میں شرکت سے معاف رکھیں کیونکہ میں ایک شہوتی انسان ہوں اور رومی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں ان کو دیکھ کر میں صبر نہیں کر سکتا۔''

قرآن کریم نے پیغمبرؐ کو اس کے اس جھوٹے بہانے سے آگاہ فرمایا:

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ﴾ ”ان میں سے کوئی تو کہتا ہے مجھے اجازت دیجئے مجھے فتنے میں نہ ڈالیے، آگاہ رہو وہ تو فتنے میں پڑ چکے ہیں اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔“ (توبہ۴۹)

لشکر اسلامی کی روانگی

پیغمبرؐ مدینہ سے نکلتے وقت فوج کے سربراہوں میں لشکر اسلام کے جھنڈے تقسیم کیے مرکزی جھنڈا ابوبکرؓ کو دیا دوسرا جھنڈا زبیرؓ کو، اوس کا جھنڈا اسیدؓ بن حضیر کو خزرج کا جھنڈا حبابؓ بن منذر کو دیا پھر ہر قبیلے کیلئے ایک پرچمدار بنایا۔ پیغمبرؐ سخت گرم موسم میں لق و دق اور دشوار گذار راستوں سے گذر کر مسلسل سفر کرتے رہے جہاں وقتاً فوقتاً آندھی یا طوفان اور بارش کا خطرہ سر پر منڈلاتا رہتا تھا پُر خطر راستے کے پیش نظر ہر ایک کو ہدایت کی گئی کہ اپنے ساتھی کا خیال رکھے، پیاس کی شدت سے لوگ اونٹنیوں کے تھنوں کو چوسنے پر مجبور تھے مسلمان رات کو سفر اور دن میں آرام کرتے تھے۔

جب اہل روم نے مسلمانوں کا ذوق وشوق کے ساتھ آنے کی خبر سنی تو اپنے لشکر کو پیچھے ہٹالیا۔ اس وقت کی سب سے بڑی طاقت وقدرت کے مالک بادشاہ روم کا خستہ و ناتوان اور طویل مسافت طے کر کے آنے والے تیس (۳۰۰۰۰) ہزار کے لشکر سے ڈر کر پہلے ہی محاذ جنگ چھوڑ کر جانا لمحہ فکریہ ہے اور دنیائے کفر و شرک جو اپنے اسلحہ، افرادی قوت، مال و دولت، فریب و نیرنگی پر سرتاپا مغرور ہے اسے چاہیے کہ وہ اس بارے میں سوچے وہ کونسے عوامل و اسباب تھے جس کی بنا پر رومی لشکر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگیا اور بے بس و بے چارہ، ضعیف و ناتواں، کمزور اور قلیل مسلمان کو بھی اس بارے میں سوچنا چاہیے کہ ضعیف و ناتواں مسلمان عزت وآبرو سے سرخرو ہو کر جنگ کیے بغیر فتح وکامیابی اور کامرانی کے ساتھ کیسے واپس لوٹے؟

غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی جانشینی کا مسئلہ

غزوہ تبوک کے موقع پر پیغمبرؐ کی طرف سے مدینہ میں مقرر کیے گئے جانشین کا ذکر تاریخ کی کتب میں جداگانہ طور پر آیا ہے۔ کیا آپؐ کی جانب سے کسی خاص فرد کو جانشین کے عنوان سے تقرر کرنا خلافت وجانشینی رسول قرار پانا کیلئے آخری معیار وامتیاز ہے؟ اس بارے میں کتب سیرت وتاریخ میں بقدر مستطاع ذکر آیا ہے، ان باتوں کو سامنے رکھنے کے بعد نبی کریمؐ اور اسلام کے مفاد سے زیادہ اپنے فرقے کے چاہنے والوں کی محبت اور مخالفین کی عداوت میں اسلام کے اصول مسلمات کے ساتھ کھیلنے کیلئے گھڑی گئی قصہ کہانیوں سے سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

اس سلسلے میں بغض وعداوت اور تعصب کی عینک نہ پہلے اتاری گئی ہے نہ آئندہ اتارے جانے کی کوئی امید ہے تاہم یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ جس دن اس عینک کو اتار کر خالص اسلام، خالص قرآن اور نبی کریمؐ کا بول بالا کرنے کے ارادے سے ہاتھ میں قلم اٹھایا جائے گا اور زبان کو جنبش دی جائے گی، اسی دن خدا کی طرف سے سورہ روم کی ابتدائی آیات سنائی دے گی یہاں مناسب ہے کہ نبی کریمؐ کے جانشین کے بارے میں کچھ وضاحت پیش کریں کہ جانشین کی کتنی قسمیں ہیں اور ہر ایک کی کیا کیا فضیلت ہے:

خلفاءاور رسول اللہ ﷺ

نبی کریمؐ کی جانشینی کے بارے میں تین قسم کے تصورات ہیں ان تین میں سے کون سا تصور سب سے زیادہ مستحکم، اہمیت وفضیلت کا حامل ہے؟ کیا اس جانشین کا مقام ومنزلت دنیا کے رائج سیاسی واجتماعی سربراہان یا شخصیات کی شان ومنزلت کی مانند ہے؟ آیئے پہلے ہم خلفائے رسولؐ کے بارے میں تین قسم کے تصورات کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

۱۔پیغمبراسلامؐ جب بھی مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو ضرور اپنے جانشین کا تعین فرماتے تھے تا کہ آپؐ کی غیر موجودگی میں اقامہ نماز یعنی جمعہ وجماعت اور دیگر مسائل کا خیال رکھے۔تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں ان جانشینوں کے نام اور تاریخی حوالے سے موقع محل کا ذکر آیا ہے، ہم آپ کی خدمت میں کتاب نقوش سیرت سے ایک فہرست پیش کریں گے۔

۲۔پیغمبرؐ مدینہ سے باہر دعوت اسلام اور دین سکھانے کیلئے اپنا نمائندہ بھیجتے تھے جیسا کہ آپؐ نے یمن اور بحرین وغیرہ کیلئے اپنے نمائندے بھیجے۔

۳۔تیسرے خلیفہ کا تصور پیغمبرؐ کی قیادت ورہبری سے محروم ہونے کے بعد امت کیلئے ضروری ہے جو آپ کے جانشینی کا فریضہ انجام دے لیکن آپؐ کے بعد تیسرے جانشین کے بارے میں اختلاف ہے کہ اسے کس خاندان سے لیا جائے اور اسے کن شرائط وصفات کا حامل ہونا چاہیے؟ درج بالا دونوں خلیفہ کیلئے اتنی صلاحیت واہلیت کی ضرورت نہیں جتنی تیسرے کیلئے ہے کیونکہ ان تمام افراد کو اندرون خانہ ایک دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں تھی۔

نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد جو افراد مسلمانوں کے سربراہ یا حکمراں بنے ان تمام کے بارے میں امت اسلامی کا اتفاق ہے کہ امام حسن مجتبیٰؑ کے بعد مسلمین کے سربراہ بننے والوں کا کردار واقتدار دنیا کی ملوکیت سے زیادہ شبیہ اور خلافت رسول اللہؐ سے کم مطابقت و شباہت رکھتی تھی لیکن انہی خلفاء کے دین اور دنیا سے متعلق درجات ایک دوسرے سے مختلف ہونا بھی اپنی جگہ ایک روشن وواضح حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں اوران تمام خلفاء کے درجات یکساں ہونے پر اصرار ایک بے بنیاد و بے دلیل دعویٰ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی مدنی زندگی میں متعین کئے گئے جانشینوں کی ایک فہرست

جانشین	قبیلہ	مہم	سال حق
سعدؓ بن عبادہ	خزرج، بنی ساعدہ	غزوہ ودّان	۲ہجری
سعدؓ بن معاذ	اوس، بنی عبدالاشہل	غزوہ بواط	۲ہجری
زیدؓ بن حارثہ	بنی کلب، مولائے رسولؐ	غزوہ بدر اولیٰ (سفوان)	۲ہجری
ابوسلمہؓ بن عبدالاسد	قریش، بنی مخزوم	غزوہ ذات العشیرہ	۲ہجری
عمروؓ بن ام مکتوم	قریش، عامر بن لوی	بدر الکبریٰ	۲ہجری
ابولبابہؓ بشیر بن عبدالمنذر	اوس، عمرو بن عوف	بدر الکبریٰ	۲ہجری
حارثؓ بن حاطب	اوس، عمرو بن عوف	بدر الکبریٰ	....
عاصمؓ بن عدی	اوس، عجلان	بدر الکبریٰ	۲ہجری

ابولبابہؓ بشیر بن عبدالمنذر	اوس، عمرو بن عوف	غزوہ بنو قینقاع	۲ ہجری
ابولبابہؓ بشیر بن عبدالمنذر	اوس عمرو بن عوف	غزوہ سویق	۳ ہجری
عمروؓ بن ام مکتوم	قریش، عامر بن لوی	غزوہ الکدر	۳ ہجری
عثمانؓ بن عفان	قریش امیہ	غزوہ ذوامر، غطفان	۳ ہجری
عمروؓ بن ام مکتوم	قریش عامر بن لوی	غزوہ بحران	۳ ہجری
عمروؓ بن ام مکتوم	قریش عامر بن لوی	غزوہ احد	۳ ہجری
عمروؓ بن ام مکتوم	قریش، عامر بن لوی	غزوہ حمراء الاسد	۳ ہجری
ابوسلمہؓ بن عبدالاسد	قریش مخزوم	غزوہ ذات العشیرہ	۴ ہجری
عمروؓ بن ام مکتوم	قریش عامر بن لوی	غزوہ بنو نضیر	۴ ہجری
عبداللہؓ بن رواحہ	خزرج	غزوہ بدر الموعد	۴ ہجری
عثمانؓ بن عفان بعض کے مطابق ابوذر غفاری	قریش بنی امیہ	غزوہ ذات الرقاع	۵ ہجری
سباعؓ بن عرفطہ	بنو غفار	غزوہ دومۃ الجندل	۵ ہجری
زیدؓ بن حارثہ	بنو کلب	غزوہ مریسیع	۵ ہجری
عمروؓ بن ام مکتوم	قریش	غزوہ خندق	۵ ہجری
عمروؓ بن ام مکتوم	قریش	غزوہ بنو قریظہ	۵ ہجری
عمروؓ بن ام مکتوم	قریش	غزوہ لحیان	۶ ہجری
عمروؓ بن ام مکتوم	قریش	غزوہ الغابہ	۶ ہجری
عمروؓ بن ام مکتوم	قریش	غزوہ حدیبیہ	۶ ہجری
سباعؓ بن عرفطہ	بنو غفار	غزوہ خیبر، فدک، وادی القریٰ	۷ ہجری
ابورہم کلثوم بن حصین بعض کے مطابق عویف بن اضبط	بنو غفار	غزوہ عمرۃ القضاء	۷ ہجری
عمروؓ بن ام مکتوم	قریش	غزوہ فتح مکہ	۸ ہجری
عمروؓ بن ام مکتوم	قریش	غزوہ حنین، طائف	۸ ہجری
محمدؓ بن مسلم	اوس، عبدالاشہل	غزوہ تبوک	۹ ہجری
علیؓ بن ابی طالب	قریش بنو ہاشم	غزوہ تبوک	۹ ہجری
سباعؓ بن عرفطہ	بنو غفار	حجۃ الوداع	۱۰ ہجری
سباعؓ بن عرفطہ	غفاری	غزوہ بنو سلیم	....

کیا جانشینی بذات خود ایک فضیلت؟

کیا جانشینی بذات خود ہمہ وقت ایک فضیلت ہے؟ یا خاص شرائط اور صفات و حالات کے تحت فضیلت رکھتی ہے؟ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ جانشینی بذات خود ایک فضیلت ہے۔ دنیا کے ہر ادارے میں سربراہ کے اِدھر اُدھر جانے پر اور زیادہ مصروفیت یا معزول ہونے پر اس کی جگہ کسی دوسرے کو عارضی طور پر جانشین یا قائم مقام بنایا جاتا ہے لیکن یہ عمل ہر گز اس بات

کی سندنہیں ہے کہ وہی شخص مستقل جانشین رہے گا یا اس کا اہل ہے بلکہ کسی سربراہ کے انتقال یا معزول ہوجانے پر کسی کو ان کی جگہ مستقل طور پر جانشین بنانے کیلئے مقررہ اصول وضوابط کے تحت کاروائی عمل میں لائی جاتی ہے مثلاً سرکاری سطح پر جب صدر مملکت ملک سے باہر جاتا ہے تو اس کی غیر موجودگی میں ایوان بالا کا سربراہ قائم مقام صدر کے طور پر امور کی ذمہ داری سنبھالتا ہے لیکن جب صدر معزول ہو یا انتقال کر جائے یا مستعفی ہو تو قائم مقام صدر مستقل طور پر اس عہدہ پر نہیں رہ سکتا بلکہ فوراً نئے صدر کے انتخاب کیلئے آئین کی مدد لی جاتی ہے یعنی صدر بنانے کیلئے آئینی کاروائی کی جاتی ہے یہ طریقہ کار اور اصول عقل، شرع ودین میں ہمیشہ رائج اور برپا رہا ہے۔

قرآن وسنت اور سیرت کی روشنی میں تمام تر احتیاط کے ساتھ مملکت اسلامی کیلئے کارآمد علمی وفقہی شرائط اور اجتماعی صفات امتیازات کو مدنظر رکھتے ہوئے انتخاب کیا گیا شخص جانشینِ پیغمبرؐ کہلانے کا مستحق ہے اور ایسے شخص کو خلیفہ منتخب ہونا چاہیے کیا اس بات کا یہ مطلب ہے کہ ان صفات وخصوصیات کا حامل خلیفہ پیغمبرؐ کے برابر ہے یا یہ کہ دوسروں کی نسبت پیغمبرؐ سے زیادہ قریب ہے؟

عام طور پر کمالیہ وجمالیہ صفات اور شرائط میں جانشین کا سربراہ یا سابقہ اہل کار سے مشابہہ ومماثل یا اس سے بہتر وبرتر ہونا یا نہ ہونا معمولی اور غیر ممکن نہیں اس کا واضح ثبوت تمام اقتصادی، اجتماعی، سیاسی ودینی اداروں کا ترقی وتمدن کی ارتقائی منزل طے کرنا ہے ان اداروں کے ارتقاء کا راز سربراہان کا پچھلوں سے بہتر وبرتر ہونا ہے لیکن یہ رائج اصول نبی خاتمؐ کے جانشین کے بارے میں قابل عمل نہیں کیونکہ آپؐ کے جانشین پر نہ وحی اتر سکتی ہے اور نہ وہ مقام ومنزلت جو آپ کو حاصل تھی آپ کے جانشین کو حاصل ہوسکتا ہے اور اگر خدانخواستہ پیغمبرؐ سے برابری یا برتری کا جملہ کسی خلیفہ کیلئے استعمال کیا گیا ہے تو وہ درحقیقت مقام نبوت کے ساتھ اہانت وجسارت ہے بعض اہل سنت نے اپنے کچھ خلفاء کے بارے میں قلم اٹھاتے وقت مبالغہ آرائی کی انتہا کردی ہے تا کہ یہ ظاہر کردیں کہ وہ پیغمبرؐ کے تمام امور میں برابر کے شریک تھے اسی بنیاد پر بعض اہل سنت نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو فلاں نبی بنتا اور یہ بات پیغمبرؐ نے فلاں جگہ پر فرمائی وغیرہ۔ یہی رویہ غالی شیعوں نے مولا امیر المومنینؑ یا مقام امامت کے متعلق اپنا یے رکھا ہے جبکہ یہ تصور ختم نبوت سے متصادم ہونے کے ساتھ ساتھ نہج البلاغہ میں موجود علی بن ابی طالبؑ کے کلمات کے بھی سراسر منافی وخلاف ہے:

"وَخَتَمَ بِهِ الْوَحْيَ، فَجَاهَدَ فِي اللهِ الْمُدْبِرِيْنَ عَنْهُ وَالْعَادِلِيْنَ بِهِ" "آپؐ کے ذریعے رسولوں کے سلسلہ کو تمام کیا اور وحی کے سلسلہ موقوف کیا تو آپؐ نے بھی اس سے انحراف کرنے والوں اور اس کا ہمسر ٹھہرانے والوں سے جم کر جہاد کیا" (نہج البلاغہ خ ۱۳۳) "بِاَبِي اَنْتَ وَاُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَقَدِ انْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا لَمْ يَنْقَطِعْ بِمَوْتِ غَيْرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْاِنْبَاءِ وَاَخْبَارِ السَّمَاءِ" "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان آپؐ کے انتقال سے وہ نبوت الٰہی احکام اور آسمانی اخبار کا سلسلہ منقطع ہوگیا جو آپؐ کے علاوہ کسی کے مرنے سے منقطع نہیں ہوا تھا" (نہج البلاغہ ک ۲۳۵)

نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ کے حقائق کو مشکوک بنانے کیلئے جنگ تبوک کے موقع پر مقرر کئے گئے جانشین کے بارے میں

اختلاف پیدا کیا گیا ہے۔ہم اس کتاب کے چند صفحات پر اس واقعہ کے بارے میں تعصب کی عینک کو اتار کر حقائق تک پہنچنے کی کوشش کرینگے تاہم انسان کے نفس اور اسکے گرد وپیش منڈلاتے کالے بادلوں سے صرف صاحب وحی ہی بچ سکتا ہے کسی اور کیلئے اس سے بچنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، جنگ تبوک کے موقع پر پیغمبرؐ کی جانشینی کے متعلق تین افراد کا نام آتا ہے ہم ذیل میں ان کے ناموں کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ہی مفروضات بھی بنائیں گے جن کی روشنی میں یہ دیکھا جائے گا کہ کس کا نام قرین صحت ہے۔

علیؑ بن ابی طالب	محمدؓ بن مسلمہ انصاری	سباعؓ بن عرفطہ

پہلا مفروضہ: علیؑ ان ابی طالب کو نبی کریمؐ نے اپنے اہل وعیال یا خاندان کی نگرانی کیلئے جانشین بنایا جبکہ مدینہ کے نظم و نسق کیلئے محمد ابن مسلمہ یا پھر سباع بن عرفطہ کو انتخاب کیا۔

پیغمبرؐ کی دس سالہ جنگوں میں علیؑ کے کرادر کا جائزہ لیا جائے تو جہاں جہاں پیغمبرؐ جنگ کیلئے گئے وہاں علیؑ بھی آپ کے ہمراہ تھے یا پھر علیؑ کو لشکر کی قیادت دے کر بھیجا گیا لیکن اس دس سالہ جنگی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے جہاں علیؑ آپؐ کے ساتھ نہیں تھے۔پیغمبرؐ نویں ہجری رجب کے مہینے میں سر زمین بلقاء کی طرف روانہ ہوئے لیکن مدینے میں منافقین سازشی عزائم میں سرگرم تھے،اس طویل مدت میں مدینہ کو ان کے آشوب وآسیب سے بچانا ہر شخص کیلئے ممکن نہیں تھا لہٰذا آپؐ نے اپنی جانشینی کیلئے علیؑ کو منتخب فرمایا اس خبر کو سن کر منافقین پریشان ہوئے اور انھوں نے اس پریشانی کو دور کرنے کیلئے یہ مشہور کروا دیا کہ علیؑ اور محمدؐ میں کشیدگی پیدا ہو گئی ہے اسی وجہ سے پیغمبرؐ اس خطرناک جنگ میں علیؑ کو لے کر نہیں گئے جبکہ یہ علیؑ کی توہین تھی اس پروپیگنڈے کے بعد علیؑ اسلحۂ جنگ سے لیس ہو کر پیغمبرؐ سے جا ملے، جب علیؑ وہاں پہنچے تو پیغمبرؐ نے فرمایا

"یاعلی ان تکون منی بمنزلةھارون من موسی الاانه لانبی بعدی" "یا علی آپ کو میرے ساتھ وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیؑ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا"

اس پر علیؑ راضی ہوئے اور واپس مدینہ تشریف لائے۔ہم نقل ونقولات اور شاذونادر کو دوسروں پر مقدم رکھنے کی بجائے مسلمات کی روشنی میں بات کرنا چاہتے ہیں۔تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں پیغمبرؐ علیؑ کو اپنے ساتھ لے کر نہیں گئے بلکہ آپ کو مدینے میں چھوڑا۔پیغمبرؐ کے اس اقدام کی کیا منطق اور وجوہات ہوسکتی ہیں:

☆ کیا علیؑ اس وقت معذور یا بیمار تھے جس کی وجہ سے پیغمبرؐ نے علیؑ کو مدینہ میں چھوڑ جانے کو ترجیح دی۔لیکن ایسی بات کسی مؤرخ نے نہیں لکھی ہے۔

دوسرا مفروضہ: علیؑ کو گردونواح میں موجود دشمنوں کے خطرات کے پیش نظر آپؐ نے ان کو اپنے خاندان کی نگرانی پر مامور رکھا۔

بعض نے اسی بنیاد پر اس واقعے کی تفسیر وتوجیہ کی ہے۔اس تفسیر کے متعلق درج ذیل چند باتیں ضبط تحریر میں لانے کی ضرورت ہے۔

الف۔ایسے اقدام کی ضرورت تھی جب مدینہ پیغمبرؐ اور آپ کا خاندان قرب وجوار میں موجود عشائرومشرکین اور یہودیوں کے

طعنوں کی زد میں تھے لیکن آپ نے حدیبیہ عمرۃ القضا اور فتح مکہ کے مواقع پر علیؑ کو جانشین نہیں بنایا۔

ب۔ پیغمبرؐ کو علیؑ جیسی ہستی کی ضرورت تھی تا کہ آپؐ کے اہل بیت سے دفاع اور ان کی محافظت کر سکیں لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ دشمنوں کی طرف سے حملہ ہو پورا مدینہ خطرے میں پڑ جائے اور پیغمبرؐ کا خاندان محفوظ رہ جائے۔

ج۔ پیغمبرؐ نے علیؑ کو یہ کہہ کر راضی کیا "آپ کی نسبت میرے ساتھ ایسی ہی ہے جیسے ہارونؑ کی نسبت موسیٰؑ سے تھی۔ موسیٰؑ جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو انہوں نے ہارونؑ کو اپنا جانشین بنایا۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ اگر موسیٰؑ ہارونؑ کو صرف اپنے گھر والوں پر مامور کر کے گئے تھے تو واپسی پر کیوں موسیٰؑ نے قوم کی بچھڑے کی پرستش کرنے کو ان کی سستی اور کوتاہی کو قرار دیا؟ یقیناً اس فرمان نبی کے تحت علیؑ گھر والوں کی نگرانی پر نہیں بلکہ پورے مدینہ کیلئے مامور تھے۔

د۔ علیؑ کی ذمہ داری اور جانشینی گھر تک محدود ہونے کی صورت میں مدینہ کے نظم و نسق سے ان کا کوئی رابطہ نہ رہتا اور آپ کسی بات کے ذمہ دار نہ ہوتے اور اگر خدانخواستہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آ جاتا تو اس کے دفاع میں علیؑ کسی قسم کی مداخلت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ سربراہ کا دشمن کے ہاتھوں تسلیم ہونے شکست کھانے یا سودے بازی کے بعد سپاہی چاہے کتنا ہی جنگی حکمت عملی میں ماہر، تجربہ کار، جاں فشاں یا شجاع کیوں نہ ہو وہ کچھ نہیں کر سکتا۔

ھ۔ اگر علیؑ مدینہ کے نظم و نسق کی بجائے صرف گھر کی نگرانی پر مامور تھے تو کیوں منافقین نے آپ کے خلاف مہم شروع کیا؟ ان کی طرف سے یہ کیوں کہا جانے لگا کہ پیغمبرؐ علیؑ کو جنگ کا اہل نہیں سمجھتے۔ یہ مہم منافقین نے اس لئے شروع کی کہ مدینے میں علیؑ کی موجودگی سے ان کے ناپاک عزائم کو خطرہ لاحق تھا۔

جہاں تک باقی جنگوں میں علیؑ کی شرکت کرنے یا نہ کرنے کا تعلق ہے تو دوسری جنگوں میں مدینہ کو بیرون شہر سے خطرات لاحق تھے بالفرض اگر کوئی مدینہ پر لشکر کشی کا ارادہ کرتا تو پیغمبرؐ کہیں سے بھی موقع پا کر واپس پہنچ سکتے تھے جبکہ غزوہ تبوک کے موقع پر زیادہ خطرہ اندرون شہر سے تھا یہاں ایک ایسی ہستی کی ضرورت تھی جو فیصلہ کرنے اور خطرے سے نمٹنے کیلئے خدا کے علاوہ کسی اور کی ملامت سے نہ ڈرنے والی ہو۔

یہ وہ وجوہات تھیں جن کی بنا پر علیؑ کی جانشینی کو دیگر پر فوقیت ملی جہاں تک دیگر دو ناموں کا تعلق ہے ان کی ضرورت کے متعلق تاریخ میں کہیں بھی کوئی توجیہ و حکمت بیان نہیں ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دو ناموں کو دشمنان علیؑ و اسلام نے جعل کیا ہے تا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو مسائل و تنازعات میں الجھائے رکھیں۔

غزوہ تبوک کے اثرات

یہ جنگ خاص امتیازات اور خصوصیات کی حامل ہے مسلمانوں کی روانگی پر منافقین نے اس جنگ کے متعلق مختلف قسم کے شکوک و شبہات پھیلائے مثلاً راستے کے سنگین حالات، دشمن کی طاقت و قدرت اور خطرات سے ڈرانا تا کہ مسلمانوں کو جنگ سے بدظن کریں لیکن نبی کریمؐ پر مومنین اور اہل اسلام کے غیر مشروط اور غیر متزلزل ایمان و عقیدے نے منافقین کے تمام تر

ناپاک عزائم کو ناکام بنادیا۔

۱۔جب پیغمبرؐ طاقت وقدرت کے ساتھ رومی سرحد کے قریب پہنچے تو دنیا کی سب سے بڑی فوجی طاقت نبی کریمؐ اور مسلمانوں کے جوش وجذبے، فداکاری اور جانثاری کے عملی مظاہرے سے مرعوب ہوکر پیچھے ہٹ گئی اس طرح جنگ وجدال کے بغیر نصیب ہونے والی فتح وکامیابی پر نبی کریمؐ خدا کی حمد وثناء اور شکر ادا کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔اس وقت جزیرۃ العرب اور اس کے گردونواح میں مقیم مشرکین ومنافقین کو یقین ہوگیا تھا کہ اس خطے میں اگر کوئی طاقت اور قدرت ہے تو وہ محمدؐ، اسلام اور مسلمان ہیں اس تاثر کو مزید تقویت ملنے کے بعد پیغمبرؐ سے ملنے کیلئے اطراف واکناف سے وفود کی آمد کا سلسلے بڑھتا چلا گیا۔اس صورت حال کو دیکھ کر جاہل ونادان بدو اور دانا وعاقل منافقین جو اپنے دلوں میں یہ آس لگائے ہوئے تھے کہ کسی دن مسلمانوں کو شکست کا سامنا ہوگا انکی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا کیونکہ انکی نظریں روم کی افواج پر جمی ہوئی تھیں لیکن اب طاقت وقدرت صرف اسلام اور مسلمانوں کو نصیب ہوچکی تھی جنگ سے واپسی پر پیغمبرؐ اور مسلمانوں نے اس آیت کریم پر عمل کرنا شروع کیا جہاں خداوند عالم نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ "اے نبی! کفار اور منافقین سے لڑو اور ان پر سختی کرو" (توبہ۷۳)

مسلمانوں نے منافقین سے سلوک اور روابط میں سختی شروع کردی اللہ نے ان سے ہر قسم کے تعلقات رکھنے، ان کے صدقات وزکوۃ وصول کرنے، ان کے مرنے والوں کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے اور ان کیلئے مغفرت مانگنے سے منع کیا یہاں تک کہ ان کی بنائی گئی مسجد کو گرانے کا حکم دیا گیا جو درحقیقت جاسوسی کا مرکز تھی۔ان کے بارے میں ایسی آیات نازل ہوئیں جو ان کے اصل چہرے کو سامنے لے آئیں اس کے بعد مدینے میں منافقین کے نام بھی اعلانیہ طور پر لئے جانے لگا۔

۲۔وہ افراد جنہوں نے بغیر کسی عذر کے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی پیغمبرؐ نے انھیں اسلامی معاشرے سے خارج کیا اور ان سے تمام تعلقات ختم کرنے کا اعلان کیا یہاں تک کہ ان کی بیویاں ان کے ساتھ ہمبستری نہ کریں۔

۳۔جس سازش خانے کو مسجد کے نام پر بنایا گیا تھا پیغمبر اسلامؐ نے اسے مسمار کرنے کا حکم دیا یقیناً اس کے تاثرات منافقین پر مؤثر انداز میں مرتب ہوئے ہونگے جسے ہر صاحب عقل درک کرسکتا ہے۔

۴۔پیغمبرؐ نے دس سالہ جنگی زندگی میں منافقین کی جانب سے انتہائی ناخوشگوار، تلخ رویے اور سلوک کو برداشت کیا جس کے نتیجے میں خدا نے آپ کو ہر میدان میں فتح وکامرانی سے ہمکنار کیا۔خداوند متعال نے منافقین کے ساتھ ہر موڑ اور موقع ومحل پر ببانگ دھل، دوٹوک انداز میں ان کے خلاف نفسیاتی اور معاشرتی جنگ کا اعلان کیا یوں منافقین کی ہمت ٹوٹ گئی اور شرمندگی کے بادل ان پر سایہ فگن ہونے لگے یہاں تک کہ خدا نے ان کیلئے طلب مغفرت کرنے، فاتحہ پڑھنے اور ان کے جنازوں میں شرکت کرنے سے بھی منع فرمایا۔ہمارے کچھ جذباتی مومنین کی یہ منطق حقیقت سے عاری اور خدا اور رسولؐ کے موقف سے متصادم نظر آتی ہے کہ **"ہمیں منافقین میں شامل ہوکر دین کی تبلیغ انجام دینی چاہیے جبکہ پیغمبرؐ مکے میں بھی**

مشرکین کے ساتھ رہ کر دین کی تبلیغ کرتے رہے" گویا یہ لوگ خود کو محمدؐ اور بے دین حلقے کو مشرکین و منافقین تصور کرتے ہیں حالانکہ پیغمبرؐ کا مشرکین و منافقین کے ساتھ رویہ بالکل واضح ہے۔ دوسری بات یہ کہ مدینہ میں پیغمبرؐ معاشرے پر چھائے ہوئے تھے اور منافقین اس معاشرے میں گھسے ہوئے تھے قرآن و سنت اور تاریخ اسلام میں کافروں کے منافق بننے کی مثالیں تو ملتی ہیں لیکن مومن کے منافق بننے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس حلقے کو قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت کرنی چاہیے جہاں خداوند عالم مومنین اور کافرین کی صفوں کو الگ رکھنے کا حکم دیتا ہے (توبہ ۸۴) جنگ تبوک سے واپسی کے کچھ عرصے بعد منافقین کے رئیس عبداللہ بن ابی بن سلول کی وفات پر مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

سیرت نبی کریمؐ اور خاص کر غزوات کے حصے میں اتنے سراپا معجزات اور کرامات نقل ہوئیں ہیں کہ ان سب تجزیہ و تحلیل کے ساتھ چھان پیش کرنا آسان نہیں بلکہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اگر اس سلسلے میں ہماری طرف سے کوئی ناقص یا غیر مستند واقعہ نقل ہوا ہو تو ہم اسے اپنی کمزوری سمجھتے ہیں اور اس سلسلے میں نشاندہی کرنے والوں کے احسان مند ہونگے۔ غزوات پیغمبر اسلامؐ میں بہت سے معجزات بیان ہوئے ہیں اگر مسلمان قائدین کیلئے پیغمبر اسلامؐ کی سیرت کی تاسی ضروری ہے تو جنگ و جہاد کے حوالے سے مسلمان قائدین ان معجزات کی موجودگی میں پیغمبرؐ کی سیرت کی تاسی نہیں کرسکتے ہیں جس کی وجہ سے کفر و شرک کے خلاف جنگ کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے کیونکہ ان میں سے نہ تو کوئی غیب سے متصل ہے نہ ہی اسلحہ اعجاز رکھتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر معجزات میں صرف آپؐ کی ذات کو بلند مقام دے کر سیرت کو نا قابل تاسی بنانے کے عزائم کو ترجیح دی گئی ہے، نبی کریمؐ کی الٰہی شخصیت اور غیب سے متصل ہونے کی تمام علامات و نشانیاں خدا نے قرآن کریم میں موزوں مواقع پر بیان فرمائی ہیں ان کی موجودگی میں ہمیں مشکوک السند اور غیبی تائید و معجزات اور غیر مستند احادیث سے سہارا لینے کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

حرکت منافقین کا آغاز و انجام

تاریخ اسلام میں منافقین کی حرکتوں کے موضوع پر قلم و زبان استعمال میں لانے کا مناسب ترین موقع غزوہ تبوک ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں منافقین کی عملی سرگرمیاں شروع ہوتی ہیں اور ہمیں اس بارے میں غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے کہ کب منافقین اپنے منطقی انجام کو پہنچے؟ ان کا کیا کردار رہا اور مستقبل میں انھیں کیسے پہچان سکتے ہیں؟ یہاں ہم منافق کی تعریف اس کی اسلام دشمن سرگرمیوں کے بارے میں جاننے کی کوشش کریں گے۔

منافق مادہ نفق سے ہے جانور کے بل میں موجود خفیہ راستے کو نفق کہتے ہیں اسی بنیاد پر سرنگ کو عربی میں نفق کہا جاتا ہے اور جو شخص اپنے باطن کو ظاہر کے ذریعے پوشیدہ رکھے اسے منافق کہتے ہیں یعنی ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور۔ اسلام کے خلاف منافقین کی حرکتیں مدینہ کی تاریخ میں ہی نظر آتی ہیں کیونکہ مکہ میں پیغمبرؐ پر ایمان لانے والے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے تا کہ کوئی انھیں اذیت و آزار نہ پہنچائے مکہ میں پیغمبرؐ کی صداقت کو خلوت و جلوت میں جاننے یا آپ کی دعوت کو عقل و فراست اور دلیل و منطق سے درک کرنے والے ہی آپؐ پر ایمان لائے مکہ میں آپؐ پر ایمان لانے والوں کو فائدے کی بجائے خاندانی،

مالی اور جانی طور پر نقصان کا خطرہ لاحق رہتا تھا اس لئے وہاں نفاق کا تصور نہیں تھا جبکہ مشرکین بھی منافقین کو اپنے گروہ میں داخل نہیں کرتے کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ جو کشش اور جاذبیت محمدؐ میں موجود ہے وہ کسی اور میں نہیں جو بھی ان سے نزدیک ہوتا ہے وہ ان کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے چنانچہ مشرکین کے بعض نمائندوں کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس عمل سے محمدؐ کی تائید ہو جائے۔

اسلام کے خلاف نفاق کا آغاز مدینہ میں پیغمبرؐ کی آمد کے کچھ عرصے بعد ہوا ہے۔ آپؐ کی مدینہ آمد سے قبل اوس وخزرج عبد اللہ بن ابی بن سلول خزرجی کو متفقہ طور پر بادشاہ بنا کر تاج پوشی کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے، جب رسول اللہؐ نے مدینہ ہجرت کی تو ان کا یہ منصوبہ سراب بن گیا اور عبداللہ بن ابی کا خواب بادشاہت شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا۔ اس صورتحال کے بعد اس نے منصوبہ بندی کے تحت کچھ عرصہ صبر وتحمل کے ساتھ وقت کا انتظار کیا کہ آگے چل کر اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے اس نے پیغمبرؐ کو ناکام کرکے مکہ لوٹانے کیلئے چالیں چلنا شروع کر دیں تاہم تمام امیدیں کے چکنا چور ہونے کے بعد اس نے مصلحت اس میں سمجھی کہ مسلمان ہو کر اسلام کے اندر بگاڑ پیدا کرے یہی وہ راستہ تھا جسے اپنانے کیلئے اس نے منافقت کی راہ کو اپنایا۔ اس کام کے سلسلے میں اس کے حلقہ احباب اور مدینہ میں موجود دیگر یہودیوں نے دیوانگی کی حد تک منافقانہ مہم میں حصہ لیا یہ لوگ ایسے مواقع کے انتظار میں رہتے تھے جس میں مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جا سکے غزوہ بنی قینقاع، جنگ احد، جنگ احزاب اور غزوہ بنی مصطلق میں اسلام دشمن عناصر کا پیغمبرؐ اور مسلمانوں کے بارے میں چہرہ نفاق کھل کر سامنے آگیا تاہم ان کی تمام کارستانی کے باوجود پیغمبرؐ انھیں منطقی انجام تک پہنچانے سے گریز کرتے رہے منافقین کے ساتھ پیغمبرؐ کے اس رویے کی وجوہات کے بارے میں بعض کا کہنا ہے کہ منافق عامر کا بیٹا اسلام اور پیغمبرؐ کا شیدائی تھا جس کی مروت میں آپ صرف نظر کرتے تھے۔ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ درست اور قابل غور ہو سکتی ہے لیکن اصل سبب اس سے کہیں زیادہ اہم ہے یعنی خود نبی کریمؐ کے اعلیٰ ترین مقام ومرتبت سایہ فگن ہونے کی وجہ سے منافقین کی حرکتیں تاریک رات میں چمگادڑ کی حیثیت رکھتی تھیں منافقین کی مخالفت اپنی جگہ، ہر آنے والا دن مسلمین اور نبی کریمؐ کیلئے کامیابیوں کا پیغام لے کر آتا تھا، جب کفر وشرک کے بڑے بڑے قلعے فتح اور ان کے بزرگان پیغمبرؐ کے سامنے ذلیل وخوار ہونے کی صورتحال نے منافقین اور انکے سربراہان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ کفار ومشرکین کے مراکز جنگی اور نجی مرکز مکہ کے علاوہ حنین وطائف فتح ہوئے تو منافقین کے حوصلے اور ارادے مزید ٹوٹنے لگے رئیس منافق عبد اللہ بن ابی بھی آخری ہچکی لے رہا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ منافق ابی عامر نے کس طرح اسلام کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگایا اسکے برعکس اسکے بیٹے نے اسلام اور نبی کریمؐ کا شیدائی بن کر جنگ احد میں جام شہادت نوش کیا اور شہادت کے بعد "غسیل ملائکہ" کے لقب پر فائز ہوا۔ ان کا والد ابی عامر نہ صرف کفر پر باقی رہا بلکہ اس کے کفر میں اضافہ ہوتا چلا گیا بالآخر فتح مکہ کے بعد مکہ میں پناہ کی جگہ نہ ملنے پر وہ فرار ہو کر روم جا پہنچا جہاں اس نے اپنے قریبی ساتھیوں کو ایک پیغام بھیج کر اسلام کے خلاف ایک خفیہ تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ یہ تنظیم اسلام کے خلاف مسلسل سرگرم رہی اور جس طرح آج کی تنظیمیں اسلام کے ماننے والوں کو

آپس میں دست وگریباں اور منتشر کرنے کیلئے ہر گلی کوچہ محلے اور چوراہے پر قادری، نقشبندی، بریلوی، دیوبندی اور جعفری کے نام سے زیارت گاہ، ماتم سرا اور امام بارگاہ کو اہمیت دینے میں سرگرم ہیں۔ اسی طرح ان تنظیموں کے جد نے اُس وقت مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی غرض سے ایک نئی مسجد کی بنیاد ڈالی جسے بعد میں خدا نے ''مسجد ضرار'' کا نام دیا۔ جب خداوند متعال نے ان کی چال کو برملا برباد کیا تو انہیں ایک اور دھچکا لگا جس کے بعد سے یہ اسلام کے خلاف ایک آخری اقدام اٹھانے کی غرض سے فرصت کا انتظار کرنے لگے جب پیغمبرؐ نے غیر متوقع طور پر اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی طاقتور حکومت سے لڑنے کا اعلان کیا تو منافقین نے پیغمبرؐ کے اعلان کو مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آنے کیلئے بہتر موقع سمجھا۔

منافقین کا کردار، گفتار اور سلوک

منافقین کا کردار گفتار اور سلوک کو خداوند متعال نے قرآن کریم کی سورہ برأت، منافقین، احزاب، نساء، انفال اور حشر میں واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ سورہ برأت میں ان کی تمام ظاہری و باطنی منافقت کو کشف کیا ہے اور انہیں عام لوگوں کے سامنے شرمندہ کیا ہے اس وجہ سے اس سورہ کو سورہ الفاضحہ کہتے ہیں۔ یہاں ہم منافقین کی جنگ تبوک کے موقع پر اڑائی والی باتیں اور سرگرمیوں کے سلسلے میں خداوند متعال نے کیا اقدام کیا اور ان کیلئے کیا، مکافات اور سزا مقرر فرمایا ہے اسے بیان کریں گے۔

۱۔ منافقین نے جنگ میں شرکت نہ کرنے اور مدینے میں قیام کرنے کی اجازت طلب کی۔ اس قسم کے مطالبات رکھنے والے بذات خود مومن نہیں ہوسکتے کیونکہ ترک واجب کی اجازت مانگنا دراصل اس واجب کا انکار کرنے کی مانند ہے۔

۲۔ اگر جنگ پر جانا ہی تھا تو کیوں اپنا سامان تیار نہیں کرتے بلکہ نکلنے کی اجازت ملنے کی بات صرف بہانہ ہے۔

۳۔ اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ نکل بھی جاتے تو آپ کے لئے مصیبتیں ہی کھڑی کرتے۔

۴۔ انہوں نے یہ اقدام نبی کریمؐ اور امت کے درمیان اختلاف، شگاف پیدا کرنے کیلئے کیا تھا جس طرح جنگ احد میں کیا تھا۔

۵۔ جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کرنے والوں کا مدعا یہ تھا کہ وہ روم کی خوبصورت عورتیں دیکھ کر گناہ میں مبتلا ہوسکتے ہیں۔

۶۔ مومنین کے سامنے قسم کھاتے ہیں کہ ہماری نیت وہی ہے جو آپ کی نیت ہے۔

۷۔ پیغمبرؐ کے چندہ اور انفاق لینے کا مسخرہ کرتے ہیں ان کو کچھ مل جائے تو خوش ہوتے ہیں نہ ملے تو ناراض ہوتے ہیں۔

۸۔ پیغمبرؐ کا مسخرہ کرتے ہیں جبکہ آپؐ اُذن (کان) ہے ہر کسی کی بات سنتے ہیں۔

۹۔ مومنین کے سامنے قسم کھاتے ہیں تا کہ مومنین خوش ہوجائے لیکن خدا کو خوش نہیں کرتے۔

۱۰۔ دل ہی دل میں ڈرتے ہیں کہ کہیں کوئی سورہ ہمارے بارے میں نازل نہ ہوجائے جس سے ہمارا سب کچھ کھل کر سامنے آجائے۔

۱۱۔ مسخرہ کرنے پر معذرت چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو مذاق کر رہے تھے۔

۱۲۔ آیت میں ہے: خدا کو ان کا جنگ کیلئے نکلنا ہی پسند نہیں۔

۱۳۔ اگر نبی کو فتح و کامیابی نصیب ہو تو انہیں برا لگتا ہے اور اگر نبی کو کوئی شکست ہو یا کوئی مصیبت پڑے تو یہ خوش ہوجاتے ہیں۔

۱۴۔خدا ان کے صدقات کو قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ کافر و فاسق ہیں۔

۱۵۔با دل نخواستہ نماز اور انفاق انجام دیتے ہے۔

۱۶۔ان کیلئے ان کی اولاد اور مال سب مصیبت ہوں گے۔

۱۷۔منافقین فاسق ہیں۔

۱۸۔خدا فرماتا ہے کہ منافقین سے جنگ کرنا کفار سے جنگ کرنے کے برابر ہے۔

۱۹۔قرآن نے ان کے خلاف سخت سلوک کا حکم دیا ہے۔

۲۰۔منافقین بہت جلدی قسم کھاتے ہیں۔

۲۱۔منافقین مومنین کی عیب جوئی کرتے ہیں۔

۲۲۔منافقین جنگ سے پیچھے رہنے پر خوش ہوتے ہیں۔

۲۳۔خدا نے ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا ہے۔

۲۴۔منافقین کی حالت و مزاج عرب کے بدوں کے حالات و مزاج جیسے ہیں۔

یہ وہ صفات اور خصوصیات ہیں جو قرآنی آیات میں بیان کئے گئے ہیں ان امتیازات و علامات کے تحت ہم اپنے زمانے کے منافقین کو پہنچان سکتے ہیں ہمیں منافقین سے وہی سلوک روا رکھنا چاہیے جو خدا نے قرآن کریم میں پیغمبر اور مومنین کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔

اسلام کا منافقین کے ساتھ معاشرتی سلوک

جن لوگوں نے پیغمبر اسلامؐ کی مکی زندگی میں ایمان لائے ان کو آپؐ کی گفتار و کردار کی صداقت و حقانیت پر غیر متزلزل عقیدہ تھا ان میں سے کوئی بھی آپ کے مستقبل کے بارے میں نہیں جانتا تھا اور نہ ہی اس وقت پیغمبرؐ کے پاس آپ پر ایمان لانے والوں کیلئے اچھی زندگی کا بندوبست تھا جس نے بھی اسلام قبول کیا اس نے اپنے لئے اذیت و آزار اور محرومیت کا چناؤ کیا۔یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ سطحی، سرسری اور گہری سوچ کے بغیر ایمان لائے لیکن یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے تھے کیونکہ اس کی کوئی منطق نہیں بنتی ہے۔مدینہ ہجرت کے کچھ عرصے بعد مفاد پرست اور اقتدار کے بھوکوں نے جب یہ دیکھا کہ آئے دن آپؐ کے قدم جمتے جارہے ہیں اور مسلمانوں کی تعداد میں روز اضافہ ہورہا ہے تو وہ حواس باختہ ہوکر مسلمانوں کے خلاف ایک نیا محاذ کھولنے پر آمادہ ہوگئے جہاں سے موقع و محل کے تناسب سے نومولود اسلام پر حملہ آور ہوسکے۔لیکن نبی کریمؐ کو بروقت خدا کی طرف سے خبر ملنے، آپ کی بے مثال حکمت عملی، ایمان لانے والوں کی غیر متزلزل بصیرت اور ایمان افروز عقیدے نے منافقین کی حرکت و جنبش کو ناکام و بے رنگ بناکر رکھ دی تاہم بہت سے لوگوں کی خواہش و اصرار کے باوجود آپؐ نے منافقین کے خلاف کوئی عملی اقدام کرنے سے گریز کیا کیونکہ پیغمبر انھیں ضعیف، حقیر اور رذیل انسان سمجھتے تھے۔آپؐ

اسلام و مسلمین کو لاحق بڑے خطرات کے مقابلے میں انھیں نظر انداز کرتے تھے اور خود منافقین بھی جرأت و جسارت سے کوئی کام نہیں کر پاتے تھے بلکہ چھپ چھپا کر ناپاک حرکتیں کرتے تھے۔

آپ ؐ نے سنہ ۹ ھ کو رجب کے مہینے میں اس وقت کی سب بڑی طاقت و رحکومت قیصر روم کے خلاف جنگ کیلئے جانے کا فیصلہ کیا منافقین اس سے پریشان ہوگئے اور پیغمبرؐ کو اس جنگ سے روکنے اور نا کام بنانے کی کوشش کرنے لگے نبی کریمؐ انکی بعض ناپاک حرکتوں سے باخبر ہونے کے بعد ان کے ساتھ آئندہ کسی قسم کا معاشرتی سلوک رکھنا چاہیے اس کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ خداوند متعال نے آپ ؐ پر وحی نازل کی اور ان کے متعلق فکری اور عملی اقدامات کی ہدایت فرمائی کہ اب آپ ؐ منافقین کے چہرے سے کشف نقاب کریں اور ان سے تمام رشتے توڑ دیں اور مجرمین سے لاتعلق رہیں۔ جنگ تبوک کی واپسی پر سورہ توبہ کی آیت ۸۴ نازل ہوئی جس میں حکم تھا ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں حتیٰ ان کیلئے طلب مغفرت بھی نہ کریں۔

اس صریح آیت کریمہ کے باوجود مفسرین نے اسے کنارے پر لگا کر یا اس سے چشم پوشی کر کے اسے مشاہدے کی میز پر کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ دونوں چیزیں بیک وقت تحت شعاع آجائیں۔ متعلقہ حلقے نے پہلے مرحلے میں قرآن کی آیت کو کنارے پر لگایا ہے دوسرے مرحلے میں نبی کریمؐ کو پیچھے رکھا ہے اور غیر رسول کا مقام رسول سے زیادہ بڑھانے اور چڑھانے کی کوشش کی ہے اور صریح آیت کو چھوڑ کر حدیث سے تمسک کیا ہے اور اگلے مرحلے میں گرے ہوئے منافقین کو اوپر لانے کی کوشش کی ہے لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اگر ہر قسم کی نقل کردہ حدیث و روایت کے بارے میں چون وچرا کی گنجائش کو ختم کیا جائے روایت کی سند و متن پر تحقیق کی اجازت چھین لی جائے اور صحابی کو نبی سے افضل اور برتر بنائیں تو اسلام پر فاتحہ پڑھ لینی چاہیے کیونکہ دین مقدس اسلام صرف اور صرف ''قرآن اور رسول اللہ ؐ'' کا مرکب ہے، جہاں قرآن اور رسول اللہ ؐ نہیں وہاں کونسا اسلام ہوگا؟

پیغمبر اسلام ﷺ اور منافقین کے درمیان سرد جنگ

طاقت و قدرت اور جنگی وسائل کے استعمال سے گریز کرتے ہوئے مخالفین سے نمٹنے کے عمل کو سرد جنگ کہتے ہیں۔ پیغمبر ؐ اسلام کی مدینہ تشریف آوری کے کچھ عرصہ بعد عبداللہ بن ابی بن سلول کی قیادت میں منافقین کا ایک گروہ وجود میں آیا اس گروہ کو یہودیوں کی حمایت حاصل تھی منافقین نے دعوت اسلام کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کر کے اس میں خلل ڈالنے کیلئے من گھڑت افواہیں پھیلانا شروع کر دیں۔ مسلمانوں اور خاص کر نبی کریمؐ کو ہر موقع و محل پر پریشان کرنے اور مسائل پیدا کرنے کا سلسلہ چلتا رہتا تھا لیکن مسلمانوں کا پیغمبر ؐ اسلام پر غیر مشروط ایمان و اطاعت نے مشرکین کے تمام ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ مدینہ میں حکومت و سلطنت مسلمانوں کی تھی منافقین کی کوئی اہمیت و حیثیت نہیں تھی تاہم فریقین میں سرد جنگ کا سلسلہ چلتا رہتا تھا یہاں تک کہ مسلمانوں اور مشرکین میں جنگ تبوک کی نوبت آئی منافقین ایک بار پھر پیغمبرؐ کی مخالفت پر اتر آئے اور اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقدامات کرنے پر آمادہ ہوئے جس کا ذکر تفسیر المیزان ج ۹ میں منافقین کے اقدامات کا ذکر ہے۔

۱۔منافقین نے نبیؐ کریم کے اعلان کے بعد پہلے مرحلے پر جنگ میں جان و مال غرض کسی بھی حوالے سے حصہ نہ لینے کا فیصلہ کیا۔

۲۔انہوں نے پروپیگنڈا شروع کیا اور کہا کہ گرمی بہت زیادہ ہے جو صحت کیلئے نقصان دہ ہے دشمن مسلمانوں سے کہیں زیادہ طاقتور ہے اس سے نقصان کا زیادہ امکان ہے جب پیغمبرؐ جنگ کیلئے روانہ ہوئے تو انھوں نے یہ سوچ کر سکون کا سانس لیا کہ وہ جنگ سے بچ گئے ہیں۔

۳۔رسول اللہؐ جنگ تبوک میں کامیاب ہونے کے بعد جب مدینہ واپس پہنچے سب سے پہلے انہی منافقین سے نمٹنے کیلئے اہم فیصلوں کا اعلان کیا تا کہ ان کے عزائم کا خمیازہ خود انھیں بھگتنا پڑے جیسے:

الف۔آئندہ کسی بھی جنگ میں منافقین کو شریک نہیں کیا جائے گا۔

ب۔نبیؐ کریم کو حکم ہوا آپ نہ ان کی نماز جنازہ میں شرکت کریں نہ قبروں پر کھڑے ہو کر ان کیلئے طلب مغفرت کی دعا کریں کیونکہ یہ لوگ فاسق ہیں ان کیلئے استغفار کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔نماز جنازہ ان کیلئے پڑھائی جاتی ہے جو اسلام پر مرے ہوں کفر کی موت مرنے والوں کی نماز جنازہ نہیں ہوتی۔

۴۔خداوند عالم نے پیغمبرؐ سے فرمایا ان کے مال،اولاد و نسل پر آپ تعجب نہ کریں:

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ "لہٰذا ان کے اموال اور اولاد کہیں آپ کو فریفتہ نہ کر دیں اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے انھیں دنیاوی زندگی میں بھی عذاب دے اور کفر کی حالت میں ہی ان کی جان نکلی ہو" (توبہ۵۵)

ان آیات کریمہ میں یہ بیان ہوا ہے منافقین کے ساتھ ان کی حیات و ممات میں کیا سلوک اور آداب معاشرت رکھا چاہیے اس کے باوجود بعض لوگوں نے اسلام کو نا قابل قبول قرار دینے یا اس پر عمل پیرا ہونے سے روکنے کیلئے ایسی روایات جعل کیں ہیں جن میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ نبی کریمؐ نے منافقین کے قائد و رئیس عبد اللہ بن ابی بن سلول کی نماز جنازہ پڑھائی۔ان کے بقول نبی کریمؐ نے نماز جنازہ کا یہ فیصلہ عبد اللہ بن ابی کی وصیت یا ان کے بیٹے مومن ہونے کی مروت میں کیا تھا جبکہ یہ منطق قرآن کریم کی صریح آیات کے منافی ہے کیونکہ خداوند عالم نے منافقین سے قطع تعلق کرنے اور ان سے ناراضگی کا اظہار کرنے کا حکم پیغمبر اسلامؐ کو تبوک سے واپسی پر مدینہ پہنچنے سے پہلے ملا ہے جو کہ آیت سے بھی صاف ظاہر ہے لہٰذا ممکن نہیں کہ رسول اللہؐ قرآن کی آیات سے ہٹ کر منافقین سے حسن سلوک کریں کیونکہ خداوند عالم نے منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا تھا اس طرح ان کیلئے طلب مغفرت کی بھی کوئی گنجائش نہیں تھی رسول اسلامؐ سے منسوب یہ عمل مشرکین اور مذاہب باطلہ نے مسلمانوں کو کفار و منافقین سے اجتماعی طور پر مخلوط زندگی کو جاری رکھنے کیلئے جعل کی ہیں۔

عامر کا گروہِ منافقین

عبداللہ بن ابی کی آخری عمر میں، منافقین کی پے درپے نا کامیوں اور مایوسی کے بعد ان کی قیادت و رہبری ابی عامر نامی شخص کی طرف منتقل ہوئی جس نے درج ذیل اقدامات اٹھائے۔

۱۔ **علیحدہ مسجد کا قیام:** اس گروہ نے عامر کی سرکردگی میں مسلمانوں کے خلاف اپنے مذموم عزائم اور مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کیلئے مسجد تعمیر کی جسے مقبولیت بخشنے کیلئے مسجد کا افتتاح خود رسول اللہ ؐ کی امامت کے ذریعے کرانے کا منصوبہ تھا اور کیونکہ ان لوگوں نے مسجد کی تعمیر کے اغراض و مقاصد کو پوشیدہ رکھا تھا لہٰذا خداوند عالم نے مسجد کی تعمیر کے چاروں مقاصد سب پر عیاں کردیئے۔

الف۔ مسجد کی تعمیر کا اہم مقصد اسلام اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کیلئے ایک مرکز کی تاسیس تھا۔

ب۔ نبی کریمؐ اور دین کے نام سے کفر کی ترویج کرنا۔

ج۔ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور انتشار پھیلانا۔

د۔ خدا اور رسولؐ کے خلاف جنگ لڑنے کیلئے مسجد کو مورچہ کے طور پر استعمال کرنا۔

اس بارے میں سورہ مبارکہ توبہ میں کچھ یوں ذکر آیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ "اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے ایک مسجد بنائی ضرر رسانی اور کفر اور مومنین میں پھوٹ ڈالنے کیلئے نیز ان لوگوں کی کمین گاہ کے طور پر جو پہلے اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ لڑ چکے ہیں اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارے ارادے فقط نیک تھے لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں" (توبہ۔۱۰۷)

۲۔ **جنگ سے روکنا:** پہلے مرحلے میں خود پیغمبرؐ کو جنگ تبوک سے روکنا تھا اور دوسرے مرحلے میں مسلمانوں کو شرکت نہ کرنے کی تلقین کرکے پیغمبرؐ کو دشمن سے شکست دلوانا تھا۔

۳۔ **فتنہ و فساد پھیلانا:** منافقین کا ایک گروہ پیغمبرؐ کے ساتھ بھیجا گیا جس کا کام راستے میں مسائل اور پریشانیاں پیدا کرنا اور ساتھ ہی کسی نہ کسی طرح رومیوں کو کامیابی کا موقع فراہم کرنا تھا۔

۴۔ **مؤسسینِ مسجد ضرار:** مسجد ضرار کی تاسیس کرنے والے افراد کے نام درج ذیل ہیں:

خذام بن خالد	ثعلبہ بن حاطب	معتب بن قشیر	ابو حبیبہ بن الازعر	عباد بن حنیف	جاریہ بن عامر
مجمع بن جاریہ	زید بن جاریہ	نبتل بن حارث	بحزج	بجاد بن عثمان	ودیعہ بن ثابت

پیغمبر ﷺ کو راستے میں قتل کرنے کی ناکام کوشش

تبوک میں ۲۰ دن یا ایک ماہ گزارنے کے بعد بغیر کسی جنگ کے فتح و کامرانی کے ساتھ پیغمبرؐ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ دوسری جانب منافقین کا ایک گروہ آپؐ کو راستے میں ہی قتل کرنے کیلئے گھات لگائے بیٹھا تھا پیغمبرؐ کے ہمراہ عمارؓ اور حذیفہؓ تھے جبکہ دیگر لوگ کچھ فاصلے پر تھے عمارؓ آپؐ کے اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور حذیفہؓ پیچھے سے اسے چلا رہے تھے منافقین اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنانے کیلئے تیار تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جیسے ہی پیغمبرؐ اور ان کے دو ساتھی ان کے قریب سے گزریں ان پر وار کر دیا جائے گا لیکن آپؐ کے ساتھی ان کے پاؤں کی آہٹ سے باخبر ہو گئے یہ چہروں پر نقاب اوڑھے ہوئے تھے حذیفہ نے جب ان مشکوک افراد کو پیغمبرؐ کے قریب آتے دیکھا تو فوراً آگے بڑھ کر نیزے سے ان پر وار کیا خداوند متعال نے اس گروہ کے دل میں خوف ڈال دیا جس کے باعث یہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

خداوند عالم نے ان کے عزائم سے پیغمبرؐ کو قبل از وقت آگاہ کر دیا انہی کے بارے میں خداوند متعال نے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا﴾ "یہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ انھوں نے کچھ نہیں کہا حالانکہ انھوں نے کفر کی بات کہہ دی ہے اور وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے ہیں اور انھوں نے وہ کچھ کرنے کی ٹھان لی تھی جو وہ نہ کر پائے" (توبہ ۷۴)

اس گروہ میں درج ذیل افراد شامل تھے:

عبداللہ بن ابی بن سلول	سعد بن ابی سرح	ابو حاضر اعرابی	ملیح تیمی	مجمع بن حارثہ
الجلاس بن سوید بن صامت	حصین بن نمیر	طعیمہ بن ابیرق	مرۃ بن ربیع	ابو عامر
		ابوخطلہ		

یہاں بھی منافقین کا منصوبہ ناکامی سے دوچار ہوا اور شرمندہ و مایوس ہو گئے پیغمبرؐ مدینہ سے نکلنے کے ٹھیک پچاس (۵۰) دن بعد مدینہ پہنچے جہاں آپ نے سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو (۲) رکعت نماز شکرانہ ادا کی غزوہ تبوک کے بعد مجاہدین خوش و خرم تھے اور جنھوں نے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی وہ شرمندہ تھے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے رئیس منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے طلب مغفرت کرنے اور تشیع سے متعلق مبینہ واقعے پر ایک عمومی نظر

اس مبینہ واقعہ کے بارے میں روایات کے تسلسل کا ایک سلسلہ ہے جسے ذیل میں بالترتیب پیش کرتے ہیں:

۱۔ رئیس منافقین عبداللہ بن ابی بن سلول بیمار ہوا تو پیغمبر اسلامؐ اس کی عیادت کے لئے گئے۔

۲۔ عبداللہ بن ابی بن سلول نے آپ کے جسم سے مس شدہ قمیض کا تقاضا کیا۔

۳۔ عبداللہ کی ہلاکت پر اس کا بیٹا نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کی نماز جنازہ پڑھنے کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا تم خود نماز جنازہ پڑھو اس نے کہا یا رسول اللہؐ اگر آپ نہیں پڑھیں گے تو کوئی بھی مسلمان اس کا نماز جنازہ

نہیں پڑھے گا اور اس کی نماز جنازہ نہیں ہوگی۔

۴۔عمرؓ آپؐ اور جنازہ کے درمیان حائل ہوئے اور کہا ’’آپؐ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھیں کیونکہ یہ دشمن خدا ہے اور آپؐ اور اسلام و مسلمین کے خلاف اس کے بے شمار سیاہ کارنامے ہیں کیا آپ اس کی اسلام دشمن کارستانیاں بھول گئے ہیں‘‘۔

۵۔پیغمبر اسلامؐ نماز جنازہ کیلئے کھڑے ہی تھے کہ جبرائیل نازل ہوئے، آپ کے لباس کو پکڑ کر جنازے کی صف سے الگ کیا اور آیت پڑھ کر سنائی۔

۶۔عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کے بعد آئندہ مرنے والے منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا گیا آپ نے فرمایا کہ میری طرف سے نماز جنازہ پڑھنے کے باوجود اکی مغفرت نہیں ہوگی لیکن اس اقدام سے بہت سے لوگ صحیح معنوں میں مسلمان ہوجائیں گے۔

۷۔صاحب تفسیر المنارج ۱۰ میں بخاری، ترمذی اور نسائی سے ابن عباس کی روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے عمرؓ سے سنا کہ جب عبداللہ بن ابی مرا تو پیغمبرؐ کو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے بلایا گیا، آپؐ وہاں تشریف لے گئے اور نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے تو عمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ آپ دشمن خدا عبداللہ ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں؟ جبکہ آپ کو معلوم ہے کہ اس نے فلاں فلاں حرکتیں کیں ہیں۔ رسول اللہؐ نے تبسم فرمایا جب عمرؓ نے اپنی گفتگو تمام کی تو رسول اللہؐ نے فرمایا عمر آپ پیچھے ہٹ جائیں مجھے معلوم ہے کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ اگر آپ ستر (۷۰) بار بھی استغفار کریں گے تب بھی میں نہیں بخشوں گا:

﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ ’’آپ ان کیلئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تو خدا انھیں نہیں بخشنے والا نہیں ہے‘‘ (توبہ ۸۰)

مجھے معلوم نہیں لیکن اگر میرے اکہتر (۷۱) بار استغفار پڑھنے سے خدا اسے معاف کردے تو میں اس کی نماز جنازہ ضرور پڑھاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ عمرؓ نے کہا مجھے تعجب ہوا کہ میں نے کیسے رسول اللہؐ پر جسارت اور اتنی جرأت کی حالانکہ خدا اور رسول بہتر جانتے ہیں۔ میں نے اس قدر جرأت کیوں کی پھر خداوند عالم نے رسول اللہؐ پر سورہ توبہ کی مذکورہ بالا آیت نازل کی۔ اسی تفسیر کے ج ۱۰ پر مولف جابر بن عبداللہ سے نقل کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ عبداللہ بن ابی کی قبر پر آئے، اس کے جسد کو قبر سے نکال کر اپنے گھٹنوں پر رکھا اور اس کے منہ پر اپنا لعاب دہن لگایا، اس کو قمیص پہنائی یہ اعمال آیت کریمہ کے نزول کا سبب بنی۔

۸۔یہ بھی روایات میں ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ مجھے خدا کا حکم ہے کہ آپ استغفار کریں یا نہ کریں حتیٰ کہ ستر بار بھی استغفار کریں ہم انھیں نہیں بخشیں گے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اکہتر بار پڑھنے سے خدا اسے بخش دے گا تو میں اکہتر بار پڑھوں گا۔

منافقین کی نماز جنازہ نہ پڑھنے سے متعلق چند گزارشات

مختلف کتب سیرت میں موجودان روایات کو سیرت نگاروں اور مؤرخین کی اکثریت نے نقد وتنقید اور اعتراض واشکال سے پاک قرار دینے کی سرتوڑ کوشش کی ہے، ہر وہ شخص جو خداوند متعال قرآن مجید اور رسول کریمؐ کی عظمت و بزرگی اور حقانیت پر ایمانِ کامل اور یقین محکم رکھتا ہے اسے چاہیے کہ درج ذیل نکات کی روشنی میں سنجیدگی اور باریک بینی سے روایات کے نکات پر غور وخوض کرے۔

☆ منافقین کی نماز جنازہ پڑھانا آیت قرآن کے تحت غلط ہے جیسا کہ فرمایا

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ ”اور نہ نماز پڑھنا تم کسی کی ان میں سے جو مر جائے کبھی بھی اور نہ کھڑے ہونا انکی قبر پر۔ بے شک انہوں نے کفر کیا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اور وہ مرے ہیں اس حالت میں کہ وہ سرکش تھے۔“ (توبہ ۸۴)

☆ رسول اللہؐ کا کیا مقام ومنصب تھا؟ آیت کی شان نزول کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ عمرؓ کے رسول اللہ کو اس کی نماز جنازہ سے منع کرنے کے بعد نازل ہوئی اس کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہؐ سے زیادہ عمرؓ حقائق جانتے تھے۔

☆ خلیفہ دوم کی علمی باریک بینی کا مقام اور منزلت کس حد تک تھی؟ جبکہ روایت کے تحت عمرؓ کی مخالفت کا موقف غلط نہیں تھا اس لئے پیغمبرؐ نے تبسم فرمایا اور انہیں ایک طرف ہٹا کر آگے بڑھے۔

☆ پیغمبر اسلامؐ کی جانب سے منافقین اور ان کے رئیس کے ساتھ فراخدلی اور وسعت قلبی کا مظاہرے کرنے سے کیا کیا منفی اور مثبت اثرات مرتب ہوسکتے تھے؟ خداوند متعال کا واضح حکم ہے کہ آپ ان کیلئے ۷۰ بار بھی استغفار کریں یا نہ کریں خدا انہیں نہیں بخشے گا جبکہ ان روایات سے ایسا لگتا ہے کہ نعوذ باللہ پیغمبر اسلامؐ نے خدا کے حکم کو یکسر رد کیا ہے!

☆ یہ روایتیں آیت کریمہ کے سیاق وسباق کے خلاف ہیں کیونکہ ان روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی بن ابی سلول کا جنازہ پڑھنے کے بعد اتری ہے جبکہ آیت کے سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ آیت پیغمبرؐ کے تبوک سے واپسی پر مدینہ پہنچنے سے پہلے اتری ہے۔

☆ بعض کا دعویٰ اور اصرار ہے کہ عمرؓ نے پیغمبرؐ سے کہا خدا نے آپ کو اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع کیا ہے اس کے باوجود پیغمبرؐ نے نماز پڑھائی جس بعد یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

☆ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اگر مجھے پتہ چل جائے کہ اکہتر (۷۱) بار استغفار کرنے سے خدا اسے بخش دے گا تو میں اکہتر بار استغفار کروں گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کو عبداللہ بن ابی کی مغفرت، حکم خدا کے سامنے سر تسلیم خم ہونے سے زیادہ عزیز تھی۔

درج بالا نکات کا بغور جائزہ لینے کے بعد ہر وہ انسان ”جو عقل وشعور کے ساتھ نبی کریمؐ کی وحقانیت پر غیر متزلزل ایمان

رکھتا ہے' اس کے ذہن میں چند سوالات کا پیدا ہونا فطری اور حتمی ہے۔

ا۔رئیس منافقین عبداللہ بن ابی سلول کی ہلاکت پیغمبر اسلامؐ کی غزوہ تبوک سے واپسی پر ہوئی ہے جبکہ منافقین کی نماز جنازہ نہ پڑھانے کا حکم نبی کریمؐ کے مدینہ پہنچنے سے قبل راستے میں نازل ہوا ہے:

﴿فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ إِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ﴾ "پھر اگر اللہ آپ کو ان میں سے کسی سے گروہ کے پاس واپس لے جائے اور وہ آپ سے نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ کہہ دیں: اب تم میرے ساتھ ہرگز نہیں نکلو گے اور نہ ہی میرے ساتھ کسی دشمن سے لڑائی کرو گے پہلی مرتبہ تم نے بیٹھے رہنے کو پسند کیا لہذا اب پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو"

(توبہ ۸۳)

الف۔آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ خدا کا دستور یہ ہے کہ جب آپ تبوک سے واپس مدینہ پہنچا یں تو آپ نے منافقین کے بارے میں چند اقدامات اٹھانے ہیں جن میں منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے اور نہ ان کیلئے طلب مغفرت نہ کرنے کا حکم بھی شامل ہے۔

ب۔پیغمبرؐ کیلئے منافقین کی نماز جنازہ فائدہ مند ہے اور نہ ہی طلب مغفرت منافع بخش ہے کیونکہ یہ لوگ عقیدتی طور پر کافر اور عملی طور پر فاسق مرتے ہیں۔

ان صریح احکامات کی موجودگی میں منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی کوئی بھی توجیہ صحیح نہیں کیونکہ منافقین کے بارے میں واضح اور روشن حکم شریعت کے بعد نبی کریمؐ کسی اور کی طرف سے سمجھنے کے محتاج نہیں۔جہاں خدا کی جانب سے منافقین کے حق میں ستر بار طلب استغفار کو بے سود گردانا گیا ہو وہاں اسے سودمند بنانے کی منطق ایک پیغمبر تو دور کی بات ایک عادی مسلمان کیلئے بھی صحیح نہیں کہ وہ راہ فرار کیلئے جواز تلاش کرے جبکہ یہ تو یہودیوں کی سنت ہے جو جواز در جواز تلاش کرتے رہیں لہذا ایسا عمل زیب وزینت کے حامل پیغمبر اسلامؐ کیلئے کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ

عبداللہ بن ابی بن سلول کی وفات کے بارے میں ہاشم معروف حسنی لکھتے ہیں "عبداللہ سلول پیغمبرؐ کے تبوک سے واپس مدینہ پہنچنے کے دو ماہ بعد مرا۔مسلمانوں نے گھر سے قبرستان تک اس کی تشیع جنازہ میں حصہ لیا اور خود پیغمبرؐ نے نماز جنازہ پڑھائی بعض کا کہنا ہے کہ عمرؓ نے پیغمبرؐ کو اپنے قول وفعل کے ذریعے آپؐ کے لباس کو کھینچتے ہوئے روکنے کی کوشش کی لیکن آپؐ نے نظر انداز کیا۔

مؤلف مزید لکھتے ہیں

"پیغمبرؐ کی جانب سے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کی خبر اطمینان بخش نہیں بالفرض اگر پڑھی گئی ہو تب بھی اس میں چنداں ہرج نہیں شاید حکم خدا کے تحت وقت کی مصلحت اسی میں ہو لیکن یہ کہنا کہ عمرؓ نے جنازہ پڑھتے وقت پیغمبرؐ کو روکنے کی کوشش کی بعید نہیں کہ یہ روایت جعلی ہو جسے منافقین نے پیغمبرؐ کی سیرت میں شامل کیا

ہے تا کہ یہ تاثر دیا جاسکے کہ عمرؓ کی فکر پیغمبرؐ کی فکر پر غالب تھی اور وہ پیغمبرؐ کو اپنے مقاصد کی طرف رخ کرواتے تھے جس کی چند مثالیں موجود ہیں جیسے کہ آیہ حجاب، آیہ تحریم وغیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے عمرؓ جب چاہتے پیغمبرؐ کو روک سکتے تھے یہاں تک کہ شریعت میں بھی مداخلت کرسکتے تھے۔

اگر یہ روایت اپنی جگہ صحیح ہو تو اس کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ ان کی حرکتیں صحیح نہیں تھیں یہ پیغمبرؐ کے اعمال کو صحیح نہیں سمجھتے تھے جبکہ پیغمبرؐ وحی کے بغیر بات نہیں کرتے اور جو پیغمبرؐ کی مخالفت اور ان کے افعال پر اعتراض کرتا ہے اس کا حال تو سب کو معلوم ہے۔"

قارئین کرام! یہاں مؤلف بزرگوار نے عمرؓ کو بدنام کرنے کیلئے لکھا ہے کہ عمرؓ کو روکنے کی روایت منافقین نے شامل کی ہے جبکہ مؤلف بزرگوار یہ احتمال بھی دے سکتے تھے کہ منافقین نے یہ باتیں اس لئے شامل کی ہیں تا کہ مسلمانوں کی طرف سے منافقین کا جنازہ پڑھنے کا سلسلہ جاری رہے۔ مولف نے عمرؓ کو بدنام کرنے کیلئے پیغمبرؐ کو حکم خدا سے بے اعتنائی کرنے والا دکھایا ہے جیسا کہ مولف ذکر کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے منافقین کی نماز جنازہ پڑھائی شاید اس میں وقت کی مصلحت ہو۔ اس تفسیر کو علماء کے عرف عام میں "تفسیر ما لا یرضیٰ صاحبہ" کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف بزرگوار کو عبداللہ بن ابی کی بہ نسبت عمرؓ سے زیادہ نفرت ہے شاید ان کے خیال میں عبداللہ بن ابی سلول سے زیادہ عمرؓ منافق تھے تاہم ابن ابی سلول اور دیگر منافقین کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کا حکم اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ایمان و اہل اسلام کو منافقین یعنی اسلام کی جڑوں پر کدال چلانے والوں کی نماز جنازہ میں بالکل شریک نہیں ہونا چاہیے اور یہ کہنا کہ مصیبت زدوں کی دلجوئی کیلئے چلا جانا چاہیے یہ بات بھی سراسر غلط ہے جیسا کہ آجکل کے سیاسی رہبران اپنے ووٹوں کی تعداد بڑھانے کیلئے ایسا کرتے ہیں۔

غلط اور باطل چیزوں کے خلاف مزاحمت کرنا شریعت کا حکم ہے اور کسی بھی عمل کے مستحسن قرار دینے کا فیصلہ انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ جسے خدا مستحسن قرار دے وہی اچھا ہے اور جسے وہ مستحسن قرار دے اسے کوئی برا نہیں ٹھہرا سکتا۔

امارت حج اور اعلان برأت

امارت امیر کا مصدر ہے، امیر المومنین کے نمائندہ کو امیر کہا جاتا ہے، امیر، امیر المومنین کی جانب سے ان جگہوں کیلئے منتخب ہوتے ہیں جہاں امیر المومنین کی رسائی ممکن نہ ہو۔ یہ نمائندے اپنی جگہ دو قسم کے ہوتے ہیں:

۱۔ دائمی امیر

۲۔ وقتی اور خاص کام کیلئے

سرزمین مقدس مکہ ہمیشہ امیر المومنین کے وجود سے خالی رہی ہے اور یہاں ہر وقت امیر المومنین کا نمائندہ ہوتا تھا۔ مکہ مکرمہ ۸ھ کو فتح ہوا، اکثر و بیشتر لوگ بادل ناخواستہ اسلام و مسلمین کے سامنے تسلیم ہوئے بعض نے اسلام قبول کرنے کیلئے مہلت طلب کی، کچھ افراد دعوت اسلام قبول کرنے میں متردد تھے، اسی وجہ سے پیغمبر اسلامؐ ادائیگی حج کے تمام امور کو باقاعدگی سے اپنی نگرانی اور سرپرستی میں نہیں کر سکتے تھے لہٰذا مشرکین کو آزاد چھوڑا گیا جس کے تحت مسلمانوں اور مشرکین نے اپنے خاص طریقے سے حج ادا کیا، آپؐ نے مدینہ واپسی کے موقع پر امور مکہ کیلئے عتاب بن اسید کو اپنا وکیل و نمائندہ مقرر فرمایا، سرزمین مکہ کے انتظام و انصرام کیلئے جس شخص کو انتخاب کیا گیا تھا وہ مولفۃ القلوب سے تعلق رکھتا تھا، وہ نہ تو احکام اسلام سے آشنا تھا اور نہ ہی چنداں اخلاص رکھتا تھا لہٰذا حج جیسے بڑے اور عظیم عبادی اور اجتماعی مظہر کے موقع پر ایک اسلام شناس و آگاہ امیر کا ہونا ناگزیر تھا اس لئے نبی کریم نے ابو بکر کو ۹ھ حج کے مہینے میں امیر منتخب کر کے روانہ فرمایا۔

برائت

برائت مادہ برأ سے بنا ہے جس کے معنی کسی چیز، فرد یا گروہ سے الگ ہونا، بیزاری، ناپسندی اور لاتعلقی کا اظہار کرنے کے ہیں، قرآن کریم میں خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ برے اور قبیح افعال، شرک و کفر، فاحشہ اور برے انسانوں سے قطع تعلق کریں اور ان سے کسی قسم کی محبت و دوستی کا رشتہ نہ رکھیں چنانچہ برے لوگوں کے اعمال اپنانے سے گریز کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اَلْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ﴾ ''خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں'' (نور۲۶)

اسی طرح

﴿اَلزَّانِي لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ﴾ ''زانی مرد بجز زانیہ یا مشرکہ عورت کے اور سے نکاح نہیں کرتا اور زنا کار عورت بھی بجز زانی یا مشرک مرد کے اور سے نکاح نہیں کرتی'' (نور۳)

اس سلسلے میں قرآن کریم میں کثیر آیات آئی ہیں مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ کریں:

﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا ...... وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا﴾ "جس وقت پیشوالوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے ......اور تابعدار لوگ کہنے لگیں گے' کاش ہم دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں" (بقرہ ۱۶۶،۱۶۷) ﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ﴾ "اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن لوگوں کیلئے اعلان ہے کہ اللہ مشرکین سے بیزار ہے اور اس کا رسول بھی" (توبہ ۳) ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ "لیکن جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ وہ دشمن خدا ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے" (توبہ ۱۱۴) ﴿قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ "آپ فرما دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں" (انعام ۱۹) ﴿اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ "بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں" (انعام ۷۸) ﴿وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ﴾ "اور میں ان گناہوں سے بری ہوں جو تم کر رہے ہو" (ہود ۳۵) ﴿اَنْتُمْ بَرِيْٓــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ "تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمہارے عمل سے بری ہوں" (یونس ۴۱) ﴿فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ "اگر یہ لوگ تیری نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہارے کردار سے بیزار ہوں" (شعراء ۲۱۶) ﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ﴾ "شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر' جب وہ کفر کر چکا تو کہنے لگا میں تجھ سے بری ہوں" (حشر ۱۶) ﴿اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ﴾ "میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو" (زخرف ۲۶) (سورہ کافرون)

انہی آیات کے تحت پیغمبر اسلامؐ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر ان تین افراد سے جنہوں نے کسی عذر اور شرعی جواز کے بغیر آپؐ کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے قطع تعلق کا حکم صادر فرمایا۔

جب رسول اللہ غزوہ تبوک کیلئے نکلے تو منافقین نے آپؐ کی مخالفت میں مہم چلائی اور غلط افواہیں اڑانی شروع کیں اس صورتحال کے پیش نظر مشرکین بھی مخالفت کیلئے حرکت میں آئے چنانچہ پیغمبرؐ نے بھی ان سے عہد و پیمان توڑنے کا فیصلہ کیا۔

جب پیغمبر اسلام غزوۂ تبوک میں کامیابی کے بعد واپسی کے ساتھ ہی جزیرۃ العرب کے گرد و نواح میں مقیم اکثر قبائل کے گروہوں نے مدینہ آ کر اسلام قبول کیا اس سال (۹ ھ) آپؐ کو حکم ہوا کہ اس بار حج کی ادائیگی صرف مسلمانوں کی نظارت و نگرانی میں ہونی چاہیے اور سرزمین مکہ زمان و مکان دونوں حوالے سے کفار و مشرکین اور ان کی عادات سے پاک ہونی چاہیے۔

سورہ برأت کا نزول

سورہ برأت کا نزول غزوہ تبوک سے لشکر اسلام کی واپسی پر نویں ہجری شوال اور ذی القعدۃ کے مہینے میں ہوا ہے جس وقت جنگ کی آگ بجھ چکی تھی اور دعوت اسلام کا پھیلاؤ اپنے عروج پر تھا اور ساتھ ہی اسلام کی سرحدیں دور دور تک پھیل چکی تھیں جس کے نتیجے میں ہر علاقے میں اسلام کی پیروی کرنے والے پائے جاتے تھے اسی وجہ سے اس سورہ مبارکہ میں پچھلی سورتوں

اورآیات کی بہ نسبت مختلف لہجے میں کفارومشرکین سے مقابلہ آرائی کا حکم آیا ہے۔

واقدی کا بیان ہے کہ نبی کریمؐ نویں ہجری رمضان المبارک غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے آپؐ کے ہمراہ مسلمانوں کا لشکر وقت کی سب سے بڑی اور طاقتور حکومت کو مرعوب کر کے فاتحانہ انداز میں جھنڈے لہراتا ہوا مدینہ پہنچا اس بڑی کامیابی کے بعد لوگوں نے اپنے ہتھیار فروخت کرنا شروع کر دیئے جب یہ خبر رسول اللہ کو ملی تو آپؐ نے انھیں ایسا کرنے سے منع کیا فتح مکہ کے بعد علاقے کے تمام امور پیغمبرؐ کی نگرانی میں انجام پاتے تھے اور کیونکہ حج اسلام کا عبادی، اجتماعی اور سیاسی مظہر تھا لہٰذا حج کی ادائیگی کے موقع پر حجاج کرام کی سرپرستی، عازمین حج کے امور کی نگرانی، ضرورتمندوں کی حاجت روائی اور حاجیوں کو مناسک حج کے بارے میں بتانا پیغمبرؐ کی فردی ذمہ داری تھی لیکن آپؐ مکہ پر مشرکین کے غلبہ کی وجہ سے یہ ذمہ داری انجام نہیں دے سکتے تھے۔

سورہ برأت کے بارے میں کچھ اور وضاحت

یہ سورہ درحقیقت ''ایک مسلمان کیلئے ایمان اور اعمال صالح کے درجات کے تحت کس حد تک اور کس نوعیت کا معاشرتی سلوک اپنے عزیز و اقارب اور اسلامی اصولوں کی مخالفت اور تمسخر کرنے والوں کے ساتھ روا رکھنا چاہیے'' کے احکام و دستورات لے کر نازل ہوا ہے اور سورہ کا دوسرا حصہ اسلام و مسلمین کے کفر و شرک کے ساتھ تعلقات و روابط کی حدود و نوعیت سے متعلق ہے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سورہ کی آیات کو ایک حوالے سے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ وہ آیات جو رجب المرجب نویں ہجری غزوہ تبوک سے قبل نازل ہوئیں ہیں۔

۲۔ جنگ کی روانگی کے موقع پر اور جنگ کے دوران نازل ہونی والی آیات۔

۳۔ جنگ سے واپسی پر مدینہ میں نازل ہونی والی آیات۔

سورہ کی ابتدائی آیات ایک سے اٹھائیس (۱۔۲۸) نویں ہجری کے آخری مہینے یعنی ذی القعدہ اور ذی الحجۃ میں حج سے پہلے نازل ہوئیں ہیں ان آیات میں جزیرۃ العرب میں رہنے والے مشرکین سے تعلقات و روابط برقرار رکھنے کی حتمی شکل و صورت بیان ہوئی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے اعلان برأت تک کا عہد و پیمان

۱۔ نبی کریمؐ مبعوث بہ رسالت ہونے کے بعد داخل مکہ اور بیرون مکہ کفار و مشرکین کے ساتھ حالت جنگ میں رہے یہ وہ دور تھا جب آپ کا مشرکین کے کسی قبیلے یا گروہ کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ آپؐ پیغام الٰہی کو پہنچانے میں مصروفِ عمل تھے جبکہ دوسری طرف کفار و مشرکین آپؐ کی دعوت کو روکنے پر تلے بیٹھے تھے تاہم کوئی بھی اپنی کمزوریوں کے باعث پیغمبرؐ سے عہد و پیمان کرنے کیلئے تیار نہیں تھا۔

۲۔ آپ کی اہل مدینہ سے اجتماعی طور پر حج کے موقع پر مکہ میں ملاقات ہوئی اس اجتماع کو ''عقبہ دوئم'' کہا جاتا ہے۔

۳۔ پیغمبرؐ کا اوس و خزرج کے مشرکین سے ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت جب بھی پیغمبرؐ مدینہ جانا چاہیں مشرکین کے

قبائل آپ کا دفاع کریں گے۔

۴۔جب پیغمبر اسلامؐ مدینہ پہنچے تو آپؐ نے شہر کے گردونواح میں رہنے والے یہودی قبائل بنی قیںقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ کے ساتھ ایک معاہدہ طے کیا دو شقیں یہ ہیں۔

الف۔فریقین ایک دوسرے کے خلاف نہیں لڑیں گے۔

ب۔کوئی بھی بیرونی طاقت کسی ایک سے لڑنے کی صورت میں دوسرا فریق کسی بھی حوالے سے بیرونی طاقت کا ساتھ نہیں دے گا۔

۵۔چھٹی ہجری میں جب نبی کریمؐ عمرے کے ارادہ سے مدینہ سے نکلے راستے میں ''حدیبیہ'' کے مقام پر مشرکین نے آپؐ کو مکے میں داخل ہونے سے روکا یہاں آپ نے مشرکین کے نمائندے سہیل بن عمرو کے ساتھ معاہدہ کیا جس کے تحت آئندہ دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف نہیں لڑ سکتے تھے لیکن یہ عہدو پیان بنوبکر کے بنوخزاعہ پر شب خون مارنے کے باعث ٹوٹ گیا جس کے بعد پیغمبرؐ اور مشرکین کے تعلقات پہلی والی حالت پر پلٹ گئے۔

۶۔آٹھ ہجری نبی کریمؐ نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ مکہ پر لشکر کشی کی جس سے مکہ میں شرک کی تمام تر بنیادیں زمین بوس ہوگئیں اور بتوں کی آلودگی سے یہ مقدس سرزمین ایک طویل عرصہ بعد مطہر ہوئی اور خلائق کیلئے امن کا گہوارہ بن گئی۔

۷۔فتح مکہ کے بعد بھی کچھ لوگ ایمان نہیں لائے تھے اس پوشیدہ کفروشرک کی وجہ سے اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ موقع ملنے پر کافرین ومشرکین مسلمانوں کے خلاف معرکہ آرائی سے باز رہیں گے چنانچہ خداوند کریم نے فرمایا کہ مشرکین کیلئے کوئی عہد نہیں ہے۔یہاں دو صورت بنتی ہے:

الف۔ مشرکین سے لاپرواہی کا مظاہرہ کر کے انہیں آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔

ب۔ انہیں مقام ومنصب دے کر ان سے دوبارہ عہدوپیان نہیں باندھا جاسکتا تھا۔

بڑھتے ہوئے خدشات کو اس وقت تقویت ملی جب پیغمبر اسلامؐ جنگ تبوک کیلئے نکلے اور دس سال تک اسلامی پرچم تلے زندگی گزارنے والوں نے سر اٹھایا، اور جہاں صحیح نگرانی کرنے والا اور اطمینان بخش نمائندہ نہیں تھا اس طرف سے اطمینان و سکون کیسے حاصل ہوسکتا تھا ان وجوہات اور احتمالات کے تناظر میں خداوند عالم نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ کفار ومشرکین کو آخری اور حتمی فیصلہ سنائیں۔

قرآن کریم میں ابتداء بعثت سے کفار ومشرکین پر یہ واضح کیا جاچکا تھا کہ تمہارا دین تمہارے لئے اور ہمارا دین ہمارے لئے ہم تمہارے امور سے بری اور تم ہمارے اعمال سے بری ہو، ہمارے اور تمہارے درمیان کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ مشرکین کیونکہ کافر ہیں ان کا کوئی دین وایمان نہیں اس لئے انکا کوئی عہد نہیں ہوتا لیکن پیغمبر اسلامؐ نے کیوں عہد توڑا؟ اس کا جواب واضح ہے کہ اسلام میں تین جگہ عہد توڑنے کی اجازت ہے۔

۱۔ان کی خیانت کا علم ہو جائے:

﴿الَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ﴾ ''جن سے آپ نے عہدو پیمان کر لیا پھر بھی وہ اپنے عہدو پیمان کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور بالکل پرہیز نہیں کرتے۔'' (انفال ۵۶) ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾ ''اور اگر آپ کو کسی قوم کی خیانت کا ڈر ہو تو برابری کی حالت میں ان کا عہد نامہ توڑ دیجئے اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔'' (انفال ۵۸)

۲۔ دونوں کے درمیان طے پائی ہوئی شرط کا کوئی بھی فریق مخالفت کرے۔

۳۔جہاں عہد خاص مدت کیلئے ہو، وہاں مدت ختم ہونے کے بعد اعلان کیا جائے کہ آج سے عہد ختم ہے۔

ان تین صورتوں میں عہد توڑا جا سکتا ہے ان کے علاوہ عہد توڑنے کی اجازت نہیں لہٰذا خدا نے اس عہد کی تنسیخ کے موقع پر فرمایا سوائے ان مشرکین کہ جو عہد پر باقی ہیں ان کے علاوہ باقیوں سے عہد توڑ دیں:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ''بجز ان مشرکوں کے جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے تمہیں ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچایا نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی ہے تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔'' (توبہ ۴)

مفسرین لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کو سورہ برأت کے احکامات کی تبلیغ کے لئے مکہ بھیجا تا کہ حج کے موقعہ پر یہ اعلان کریں

۱۔ جنت میں کوئی کافر داخل نہیں ہوگا۔

۲۔ اس سال کے بعد نہ کوئی مشرک حج وعمرہ کرے گا اور نہ ہی یہ لوگ برہنہ ہو کر طواف کیلئے آئیں گے۔

۳۔اگر کسی نے مسلمانوں کے ساتھ کوئی عہدو پیمان باندھا ہے تو وہ عہد اپنی مدت تک باقی ہے۔

اس سلسلے کا ایک مظاہرہ آپؐ کا نویں ہجری کے حج کے موقع پر سورہ برائت کی آیات ۱تا۲۸ تک کا اعلان کرنا ہے جس کے متعلق سیرت نویسوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا اس اعلان کیلئے علیؑ کو انتخاب کیا گیا تھا یا یہ ذمہ داری ابوبکرؓ سے واپس لے کر علیؑ کو دی گئی تھی یا پھر ابوبکرؓ اپنی ذمہ داری امارت کیلئے گئے تھے اور علیؑ کو ان کے بعد میں اعلان کیلئے بھیجا گیا تھا؟

نویں ہجری کو آپؐ نے امور حج کے احکامات بیان کرنے کیلئے ابوبکرؓ کو منتخب فرمایا اور امارت حج ان کے سپرد کی ابوبکرؓ تین سو حاجیوں کے ہمراہ مدینہ سے نکلے پیغمبرؐ نے آپؐ کے ہمراہ بیس (۲۰) اونٹ بھیجے جبکہ ابوبکرؓ خود پانچ (۵) اونٹ لے کر گئے روانگی کے وقت خود پیغمبرؐ نے جانوروں کو قلادے پہنائے بعد ازاں پیغمبر اسلامؐ نے علیؑ بن ابی طالب کو اپنی اونٹنی قصویٰ دے کر بھیجا۔

لکھتے ہیں جب ابوبکرؓ نے علیؑ کو دیکھا تو پوچھا کیا آپ امیر ہیں یا مامور تو علیؑ نے جواب دیا مامور مجھے صرف مشرکین سے اعلان برأت کیلئے بھیجا گیا ہے اور پیغمبر اسلامؐ اور مشرکین کے درمیان جو کچھ عہدو پیمان ہوا ہے میں اسے معلوم کرنے آیا ہوں۔

پیغمبرؐ اور مشرکین کے درمیان ایک عام اور دوسرا خاص معاہدہ ہوا تھا۔ عام معاہدے کے تحت مسلمان جب حج کے ایام مکہ آئے تو انہیں روکا نہیں جائے گا نہ اس مہینے میں کسی کو خوف زدہ کرنے کی اجازت ہے۔ جبکہ خاص معاہدہ پیغمبرؐ اور بعض عرب قبائل و عشائر کے درمیان محدود مدت کیلئے طے پایا تھا کیونکہ عرب قریبی رشتے داروں کے ساتھ معاہدے کرنے یا معاہدہ توڑنے کے عادی تھے۔ بعض کے مطابق علیؑ نے اعلان برأت کا حکم ۱۰ ذوالحجہ جمرا کے قریب سنایا جبکہ اصولی طور پر یہ اعلان عرفات کے دن ہوا ہے اس اعلان کے تحت اگلے سال سے کوئی مشرک نہ حج کر سکتا تھا اور نہ برہنگی کی حالت میں طواف کر سکتا تھا۔ واپسی پر علی اور ابو بکرؓ دونوں اکھٹے مدینہ آئے۔[۴]

سیرت نویس نے اس سلسلے میں دو قول نقل کرتے ہیں۔

۱۔ پیغمبر اسلامؐ نے ابو بکرؓ کو امیر حج کی ذمہ داریاں سونپ کر مکہ روانہ کرتے وقت فرمایا کہ وہاں پہنچنے پر عرفات میں ان آیات کو پڑھ کر سنائیں۔

۲۔ ابو بکرؓ کے روانہ ہونے کے بعد وحی نازل ہوئی کہ یہ آیات یا آپ خود پڑھ کر سنائیں یا پھر آپ کا کوئی قریبی عزیز پڑھ کر سنائے، جس کی بنیاد پر نبی کریمؐ نے علیؑ کو منتخب کیا۔

بعض سیرت نویسوں کے مطابق اعلان برأت عقبہ کے میدان میں ہوا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں بلکہ یہ اعلان مقام عرفات میں ہوا ہے کیونکہ دور جاہلیت سے لے کر حجۃ الوداع تک تمام اعلانات سرزمین عرفات میں کئے جاتے تھے اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ابو بکرؓ صرف ان آیات کے اعلان کیلئے بھیجے گئے تھے بلکہ ان کے پاس دو ذمہ داریاں تھی امارت حجاج اور اعلان برأت اور جو چیز علیؑ نے ابو بکرؓ سے واپس لی وہ صرف اعلان برأت ہے اور یہ بات فریقین کے نزدیک متفق علیہ حقیقت ہے اور پہلا نظریہ و موقف اسلامی مصادر قرآن و سنت اور تاریخ کے خلاف ہے جو کہ صرف اور صرف عصبیت پر مبنی ہے جبکہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کی کوئی بھی فضیلت عصبیت، فرقہ پرستی، اندھی غیرت کی بنیاد پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ مولا علیؑ کی فضیلت اطاعت خدا و رسول اور مصلحت اسلام و مسلمین میں پوشیدہ ہے۔

اس سلسلے میں ایک بزرگ مفسر قرآن یوں رقمطراز ہیں:

۱۔ یہ دونوں عمل (ایک کو امیر اور دوسرے کو پیام رساں مقرر کرنا) پیغمبرؐ نے وحی کے ذریعے انجام دیئے ہیں تا کہ یہ بتائیں کہ جب ابو بکرؓ پیغمبرؐ کی طرف سے آپؐ کی حیات میں نہیں پہنچا سکتے تو کیسے آپؐ کی رحلت کے بعد پہنچا سکیں گے۔ یہ ایک کٹھن اور کڑوی صورتحال تھی۔ بعض کا کہنا ہے کہ علیؑ کو بھیج کر پیغمبرؐ نے ابو بکرؓ کے مقام کو کم دکھایا اگر یہ خیال و تصور درست ہے تو پہلے ہی علیؑ کو کیوں نہیں بھیجا گیا۔

۲۔ تا کہ یہ بتائیں کہ پہلا شخص اس منصب کیلئے ہرگز اہل نہیں جس کے متعلق لوگ بہت کچھ فکر و خیال رکھتے ہیں اگر منصب خلافت کا کوئی اہل ہے تو وہ صرف دوسری ہستی ہی ہے۔

اعلان برأت اور صاحب تفسیر المیزان

صاحب المیزان ج ۹ میں لکھتے ہیں جس سال پیغمبرؐ نے مکہ فتح کیا اس سال مشرکین کو حج سے نہیں روکا گیا۔
مشرکین کے حج کی چند خاص باتیں درج ذیل ہیں:

۱۔عرب کی سنت تھی کہ جو شخص جس لباس میں طواف کرتا اسے دوبارہ نہیں پہن سکتا اور وہ لباس اسے صدقہ کرنا پڑتا تھا۔اس لئے اگر کوئی مکہ آتا تو اپنے ساتھ عاریتاً لباس لے کر آتا اور اس لباس کو طواف کے بعد واپس کر دیتا تھا۔

۲۔اگر کسی کو کرائے پر لباس نہیں ملتا تو وہ برہنہ ہی طواف کرتا اور طواف کے بعد کپڑے پہنتا تھا۔

۳۔سورہ برأت کے نازل ہونے سے پہلے آپؐ نے کسی سے کوئی جنگ نہیں کی مگر یہ کہ کسی نے آپؐ سے جنگ کرنے میں پہل کی ہو۔چنانچہ حکم بھی یہی تھا کہ اگر کوئی آپؐ سے مصالحت کرتے تو آپؐ ان سے نہیں لڑ سکتے۔

۴۔پیغمبرؐ پر آیت اتری کہ مشرکین کو قتل کریں چاہے وہ میدان جنگ میں ہوں یا میدان جنگ سے باہر صرف ان سے نہ لڑیں جنھوں نے فتح مکہ پر آپؐ سے مہلت طلب کی تھی۔اس گروہ میں صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو شامل تھے جنہیں دو ماہ کی مہلت طلب کرنے پر چار ماہ کی مہلت دی گئی۔

۱۰ ذی الحجہ سے ۱۰ ربیع الثانی تک چار ماہ مکمل ہوئے یعنی مہلت ختم ہوتے ہی سورہ برأت نازل ہوئی آپؐ نے ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ مکہ جائیں اور آیات کو عید کے دن لوگوں کو پڑھ کر سنائیں ابوبکرؓ گھر نکل چکے تھے کہ جبرائیلؑ نازل ہوئے اور فرمایا یا رسول اللہؐ یہ پیغام آپؐ کی طرف سے آپ کا ہی کوئی آدمی پہنچا سکتا ہے آپؐ نے علیؑ کو ابوبکرؓ کے پیچھے بھیجا علیؑ جب روحاء [مدینے سے ۲ رات کی مسافت پر مدینہ کی ایک بستی] نامی جگہ پر ابوبکرؓ سے ملے اور انھیں رسول اللہؐ کا پیغام پہنچایا ابوبکرؓ واپس پیغمبرؐ کی خدمت میں آئے اور پوچھا یا رسول اللہؐ کیا میرے بارے میں تو کوئی آیت نازل ہوئی ہے آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ حکم خدا یہ ہے کہ میں یا میرا کوئی عزیز اس اعلان کو ابلاغ کرے۔آگے چل کر آیت اللہ طباطبائی تفسیر عیاشی سے نقل کرتے ہیں ابوبکرؓ نے پیغمبرؐ سے کہا آیا آپؐ مجھ سے ناراض ہیں تو پیغمبرؐ نے فرمایا نہیں بلکہ حکم خدا یہ ہے کہ میں یا میرا کوئی قریبی فرد اسے پہنچائے''

دو ذمہ داری۔دو شخصیات کا انتخاب

سرزمین مقدس مکہ میں ایام حج کے موقع پر دونوں ذمہ داریوں کو انجام دینے کیلئے تاریخ میں دو محترم شخصیات ابوبکرؓ اور علی ابن ابی طالبؑ ثبت ہوئے ہے۔لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ان میں سے صرف ایک کو دونوں ذمہ داری سونپ کر بھیجا گیا یا دونوں کو الگ الگ ذمہ داری دے کر روانہ کیا گیا؟ اس سلسلے میں تاریخ میں دو نقل ملتا ہے۔

۱۔ابوبکرؓ کو بھیجا گیا۔

۲۔ابوبکرؓ کو راستے میں ذمہ داری سے سبکدوش کر کے ذمہ داری علیؑ کے سپرد کیا جس کے بعد ابوبکرؓ واپس مدینہ آئے اور اس پر اظہار ناراضگی اور گلہ و شکوہ کیا۔

الف۔یقیناً کسی بھی انسان کوایسی صورتحال کاپیش آنایااس کے ساتھ ایسا سلوک ہونا ناگوار اور گراں ہوتا ہےاور یہ صورتحال کسی بھی انسان کو برداشت نہیں خدا بھی جب کسی انسان سے نعمت چھینتا ہےتو وہ بھی روتے ہوئے سوالیہ فقرے میں سوال کرتا ہے کہ میری کیا خطاتھی ؟میں نے کونسا جرم کیا تھا؟وغیرہ۔یقیناًاس موقع پر رسولؐ سے بھی سے ایسا سوال واستبصار ہوئے ہونگے یہاں ایک سوال رسولؐ کے اس اقدام کے بارے میں ہوسکتا ہے کہ آیا رسولؐ نے ابوبکرؓکو پہلے بھیج کر اشتباہ یا غلطی کی تھی یاپھر ان کا پہلے بھیجنا اور بعد میں معزول کرنا دواقدام ہے؟اس کا فلسفہ بیان کرتے وقت بعض کہتے ہیں کہ رسول نے یہ اقدام اس لئے کیا تا کہ دنیا کو بتائیں کہ ایسی ذمہ داریوں کیلئے ابوبکرؓ اور ان جیسے افراد اہل نہیں اگر کوئی اس کام کی اہلیت رکھتا ہےتو علی ابن ابی طالبؑ کی ذات ہی ہیں ممکن ہےاس جواب سے بعض کے نزدیک علیؑ کا مقام و منزلت میں اضافہ ہوا ہواور انہیں اس سے مزہ حاصل ہوکیونکہ ان کی دیانت علیؑ سے شروع ہوکر علیؑ پر ہی ختم ہوتی ہے لیکن وہ افراد جو نبی کواس دین کا بانی، پیکر او رمجسم کامل سمجھتے ہیں اوران کے ہر قول وفعل کو حجت سمجھتے ہیں ان کی نظر میں آپؐ کا کردار قابل فہم ودرک ہےاور ایسے طریقہ کار کی تاٗسی کرنے والے کونا قابل بخشش ہیں۔

ب۔ابوبکرؓ امارت حج کی ذامہ ذادری لے کر مکہ روانہ ہوئے اور بعد میں پیغمبرؐ نے دوسری ذمہ داری یعنی اعلان براٗت کیلئے علیؑ کو بھیجا چنانچہ راستے میں دونوں کی ملاقات ہوئی اور سوال واستبصار کے بعد دونوں ساتھ مکہ روانہ ہوئے ابوبکرؓ اپنی ذمہ داری انجام دیتے رہےاور علیؑ اپنی ذمہ داری عرفات پر انجام دی او ر دونوں ساتھ مدینہ واپس تشریف لائے۔

عام الوفود

خداوند عالم نے سورہ فتح کی ابتدائی آیات میں فتح مکہ کو ایک عظیم کامیابی اور سورہ مبارکہ نصر میں اسے قدرت مند فتح قرار دیا ہے، اس غیر معمولی کامرانی کے بعد مکہ کے اطراف واکناف میں رہنے والے ارباب اقتدار خوف زدہ اور لرزہ بہ اندام ہوئے اور ان پر وحشت ورعشہ طاری ہوگئی کیونکہ یہ اسلام اور مشرکین کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ تھا اس فتح سے گہرے اور دوررس اثرات مرتب ہوئے جس کا ثبوت مختلف علاقوں سے پیغمبرؐ کی خدمت میں آنے والے وفود ہیں۔ یہ خبریں اطراف واکناف میں رہنے والے عرب عشائر وقبائل کی نجی محافل کا موضوعِ گفتگو بن گئی خاص کر مکہ جو جزیرۃ العرب میں روحانی واجتماعی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا اور کفر کا قلعہ بنا ہوا تھا اس کا دین خدا کے سامنے سرنگوں اور روسائے قریش کو ذلت وخواری کے ساتھ دین اسلام میں داخل ہونا۔ عرب کے عشائر وقبائل جو حالات کا انتظار کر رہے تھے حالا ر اس کے برخلاف رونما ہوئے اور ان کے اسلام لانے میں جو فاصلہ حائل تھا وہ کم ہوگیا اور تمام پردے ہٹ گئے۔ یہ لوگ قریش پر نظر رکھے ہوئے تھے اور اہل کعبہ کو امت کا امام تصور کرتے تھے۔ لیکن ان کی اور ثقیف کی پسپائی پر انہیں یقین ہوگیا کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لوگوں کا مدینہ رسولؐ میں سیلاب امڈ آیا گویا گردن بند کے دھاگے ٹوٹ گئے اور اس کے موتی دامنِ اسلام میں گرنے لگے۔ لوگ ایک نئی روح، نئے ولولہ ایمان، جذبہ ایمان، کفر وشرک، بت پرستی اور آثار جاہلیت سے نفرت وکراہت کا مظاہرہ اور خدا کی وحدانیت و نبیؐ کی رسالت کا اقرار کرتے ہوئے سیلاب کی مانند مسجد نبویؐ کی طرف سرازیر ہوئے۔ خداوند متعال نے اس کا ذکر سورہ مبارکہ نصر میں کیا ہے:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ☆ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا☆ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ "جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لیں تو اپنے رب کی ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے"

پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں آنے والے وفود کا تانتا بندھتا رہتا کہ جس کا پورے جزیرۃ العرب میں زبان خاص وعام پر ذکر ہونے لگا۔ تاہم ان وفود میں وہ قبائل بھی شامل تھے جو فتح مکہ سے پہلے نبی کریمؐ سے ملنے آئے تھے۔ ہم ذیل میں بعض وفود کی ایک فہرست قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

ا۔ وفد عبد القیس

اس قبیلے کا وفد دو بار نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا پیغمبرؐ نے انہیں خوش آمدید کہا اور انہیں سکر و مستی کے استعمال سے منع فرمایا۔ شعراء کا ایک وفد اہل یمن کی طرف سے آیا یہ لوگ آتے وقت شعر پڑھ رہے تھے:

غداً نلقی الاحبه　　محمداً وحزبه

"کل ہم اپنے دوستوں سے ملیں گے۔ محمدؐ اور ان کی جماعت سے ملیں گے"

پیغمبرؐ نے فرمایا تمہاری طرف اہل یمن آ رہے ہیں، جو نرم دل او رزم جگر لوگ ہیں، یہ یمن کی پہچان وایمان ہے، حکمت یمن سے نکلتی ہے ۔۱۴ رکنی وفد پہلی بار ۶ ہجری میں مدینہ آیا جس کی قیادت اشج عصری کر رہے تھے ۔رسول اللہؐ سے ملاقات کے دوران وفد کے ارکان نے جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے کچھ دینی مسائل دریافت کئے ۔قبیلہ قیس سے دوسری بار آنے والے وفد میں چالیس افراد تھے ۔۹ھ کو نبی کریمؐ کی خدمت میں آنے والے اس وفد کے سربراہ جارود بن علاء عبدی تھے ۔یہ مدینہ آنے سے پہلے نصرانی تھے لیکن بعد میں مسلمان ہو گئے ۔

۲۔وفد دوس

یہ وفد ۷ھ کو مدینہ پہنچا جس وقت نبی کریمؐ خیبر میں تشریف فرما تھے،وفد کے سربراہ طفیل بن عمرو دوسی تھے جو قبیلہ دوس کے ۷۰ سے ۸۰ گھرانوں کی نمائندگی کر رہے تھے ۔

۳۔فروہ بن عمرو جذامی کا وفد

فروہ رومی لشکر کا عربی نژاد سپہ سالار تھا انھیں روم کی جانب سے شامی سرحد کے قریب عرب سے متصل علاقوں میں گورنر مقرر کیا گیا تھا بنا رکھا تھا ان کا مرکز معان (جنوبی اردن)تھا فروہ نے جنگ تبوک میں مسلمانوں کی شجاعت وشہامت اور صداقت کو دیکھا تو وہ اسلام قبول کئے بغیر نہ رہ سکا ۔بعد ازاں انھوں نے ایک وفد رسول اللہؐ کی خدمت میں بھیجا اور ہدیہ کے طور پر ایک سفید خچر بھی بھیجا،جب قیصر روم کو فروہ کے مسلمان ہونے کی خبر ملی تو انھیں گرفتار کیا گیا پھر انھیں اختیار دیا گیا کہ یا مرتد ہو جائیں یا موت کیلئے تیار ہو جائیں،انھوں نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی بالآخر انھیں فلسطین میں سولی پر چڑھا کر شہید کیا گیا ۔

۴۔وفد صداء

صداء یمن کے ایک علاقے میں مقیم قبیلے کا نام ہے جہاں زیاد بن حارث رہتے تھے انھوں نے پہلے اپنی قوم کو اسلام کی طرف رغبت دلائی بعد ازاں ۸ھ کو پندرہ رکنی وفد کی قیادت کرتے ہوئے پیغمبرؐ سے ملاقات کی اس دوران وفد کے ارکان نے اسلام قبول کر لیا ۔اس قبیلے کے سو(۱۰۰) افراد نے حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریمؐ سے ملاقات کی ۔

۵۔کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی کی آمد

یہ شخص شعراء عرب میں سے تھا اور پیغمبر اسلامؐ کی ہجو کیا کرتا تھا ۔یہ شخص ان مجرموں کی فہرست میں تھا جن کی گردنیں اڑانے کا حکم صادر ہوا تھا لیکن جب رسول اللہؐ ۸ھ طائف سے واپس آئے تو کعب بن زہیر کو ایک بار پھر اسلام کی دعوت دی ۔اس کے بھائی بجیرہ نے اسے ایک خط لکھا جس میں اسے کہا گیا تھا کہ محمدؐ نے اپنے ہجو کرنے والے کئی افراد کو قتل کر دیا ہے جس پر باقی لوگ مدینہ سے فرار ہو گئے ہیں ۔اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو محمدؐ کے پاس نکل بھاگو وران کے سامنے جا کر ان سے کہو کہ میں نے توبہ کی ہے بصورت دیگر اپنی نجات کیلئے کوئی دوسرا ذریعہ تلاش کرو جب بھائی کا خط موصول ہوا تو کعب سوچ و بچار میں پڑ گیا اور مدینہ چلا آیا جہاں وہ قبیلہ جہینہ کے ایک آدمی کے ہاں ٹھہرا پھر اسی شخص کے ساتھ صبح کی نماز کیلئے مسجد گیا ،نماز سے فارغ ہونے پر

جب جہنی نے اشارہ کیاتو وہ اٹھ کر رسول اللہؐ کے سامنے بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھوں کو پیغمبر اسلامؐ کے ہاتھ میں رکھ دیا پیغمبرؐ نے اسے نہیں پہچانا، اس نے پیغمبر اسلامؐ سے کہا کہ کعب بن زہیر مسلمان ہوگیا ہے اگر میں اسے آپ کے پاس لاؤں تو کیا آپ امن دیں گے؟ پیغمبرؐ نے فرمایا ہاں تو اس نے انکشاف کیا کہ میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔یہ کہنا تھا کہ ایک انصاری صحابی اسے مارنے کیلئے اٹھے لیکن پیغمبرؐ نے انھیں منع کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ اس نے توبہ کرلی ہے۔

۶۔وفد عزرہ

یہ بارہ رکنی وفد ۹ھ کو مدینہ آیا ان میں حمزہ بن نعمان بھی تھا جب وفد کے ارکان سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ کون ہیں تو وفد کے ترجمان نے کہا کہ ہم بنو عزرہ ہیں اور ماں کی طرف سے قصی کے بھائی ہیں۔ہم نے قصی کا ساتھ دے کر خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ سے نکالا تھا لہٰذا ہمارے اور آپ کے درمیان رشتہ قائم ہے۔پیغمبرؐ نے انھیں خوش آمدید کہا اور انھیں فتح شام کی خوشخبری دی، نیز کاہنوں سے سوالات اور بتوں کے سامنے حیوانات ذبح کرنے سے منع فرمایا وفد نے اسلام قبول کیا اور چند دن ٹھہرنے کے بعد مدینہ سے واپس روانہ ہوئے۔

۷۔وفد بلی

یہ وفد ربیع الاول ۹ھ مدینہ پہنچا جہاں انھوں نے پیغمبرؐ کے سامنے اسلام قبول کیا اور تین روز تک شہر میں مقیم رہا۔

۸۔وفد ثقیف

یہ وفد رمضان ۹ھ میں نبی کریمؐ کی تبوک سے واپسی کے بعد مدینہ آیا اس وفد کی آمد کا سبب کچھ یوں بیان کیا گیا ہے کہ قبیلہ بلی کے سردار عروہؓ بن مسعود ثقفی نے پیغمبر اسلامؐ کی غزوہ طائف سے واپسی کے موقع پر ذی القعدہ ۸ھ کو آپؐ کی خدمت میں آکر اسلام قبول کیا پھر انھوں نے واپس جا کر اپنے قبیلے والوں کو اسلام کی دعوت دی قبیلے کے سربراہ کی حیثیت سے انھیں توقع تھی کہ ان کی بات مان لی جائے گی لیکن قوم کے مشتعل افراد نے تیروں کی بوچھاڑ کر کے انھیں شہید کردیا۔اس سانحے کے کچھ عرصے گزرنے کے بعد اس باغی گروہ کو احساس ہوا کہ عرب کے اکثر و بیشتر لوگوں نے اسلام اور پیغمبرؐ کے سامنے سر تسلیم خم کردیا ہے جس کے باعث گردو پیش کا سارا علاقہ مسلمان ہو چکا ہے اب ہم لوگوں میں اتنی سکت و طاقت نہیں کہ مسلمانوں سے نبرد آزمائی کرسکیں اسی احساس نے انھیں سر جوڑ کر با ہم مشورہ کرنے پر مجبور کیا آپس کی بات چیت کے بعد اس بات پر اتفاق ہوا کہ ایک شخص عبد یا لیل بن عمرو کو رسول اللہؐ کے پاس بھیجا جائے مگر وہ آمادہ نہ ہوا کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں اس کے ساتھ وہی سلوک نہ دہرایا جائے جو عروہؓ بن مسعود کے ساتھ کیا گیا تھا۔لوگوں نے اس کے مطالبے پر اپنے قبیلے سے دو، بنی مالک سے تین افراد اور عثمان بن ابی العاص ثقفی کو پیغمبر اسلامؐ کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

جب یہ لوگ عبد یالیل کی قیادت میں مدینہ پہنچے تو نبی کریمؐ نے انھیں مسجد کے ایک کونے میں بیٹھا دیا تاکہ یہ لوگ قرآن مجید کی تلاوت سنیں اور لوگوں کو خدا کے حضور سر بسجود ہوتے دیکھیں۔بالآخر انھوں نے نبی کریمؐ سے ایک ایسا صلح نامہ لکھنے کیلئے کہا

جس میں زنا کاری، شراب نوشی، اور سود خوری کی اجازت ہو ان کے بت لات کا تحفظ ہو، نماز سے معاف رکھا جائے اور بتوں کو خود انہی کے ہاتھوں سے نہ تڑوایا جائے لیکن رسول اللہؐ نے ان میں سے کوئی بھی بات منظور نہ کی اس بدلی ہوئی صورتحال کے پیش نظر انھوں نے تنہائی میں مزید مشورہ کو عافیت سمجھا۔ اس دوران انھیں رسول اللہؐ کے سامنے سر تسلیم خم ہونے کے سوا دوسری کوئی تدبیر نظر نہیں آئی بالآخر انھوں نے نبی کریمؐ کے سامنے اسلام قبول کیا اور بتوں کو توڑ ڈالنے کی نوبت آئی البتہ ان کی یہ شرط تھی کہ بتوں کو ثقیف والے نہیں توڑیں گے؟ بلکہ پیغمبرؐ خود اسے توڑنے کا بندوبست کریں گے آپ نے شرط کو قبول فرمایا اور صلح نامے کو حتمی شکل دے کر عثمان بن ابی العاص کو ان کا امیر مقرر کیا کیونکہ وہ دوسروں کی نسبت اسلام کو سمجھنے میں پیش پیش تھے۔

جب ثقیف کا وفد اپنے علاقے واپس پہنچا تو وفد کے ارکان نے قوم کے سامنے اپنے اسلام قبول کرنے کی حقیقت کو چھپائے رکھا اور انھیں جنگ سے ڈرایا۔ حزن و ملال کا اظہار کیا اور کہا کہ رسول اللہؐ نے ان سے مطالبہ کیا ہے کہ اسلام قبول کرلیں اور زنا، شراب اور سود چھوڑ دیں بصورت دیگر جنگ کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ قبیلہ ثقیف کو یہ باتیں بہت گراں گزریں اور اپنے غرور و تکبر اور جاہلیت کے باعث طیش میں آگئے دو تین دن تک یہ جذباتی حلقہ پیغمبرؐ کے خلاف جنگ کی باتیں کرتا رہا لیکن خدا نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جس سے ان کے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے آخر کار قوم ثقیف نے وفد سے کہا کہ رسول اللہؐ کے پاس واپس جائیں اور ان کے تمام مطالبات تسلیم کرنے کی یقین دہانی کرائیں قوم کی طرف سے اسلام کے حق میں اظہار آمادگی کے بعد وفد کے ارکان نے بھی اصل حقیقت کا اظہار کر ڈالا اور جو باتیں ان کے اور پیغمبر اسلامؐ کے درمیان صلح نامے میں طے پائی تھیں ان کا بھی اعلان کیا۔

ادھر خالد بن ولید کی سربراہی میں صحابہ کی ایک جماعت قبیلہ بنو ثقیف کے بت لات کو گرانے کیلئے بھیجی گئی۔ جب وفد اس مقام پر پہنچا جہاں بتوں کو رکھا گیا تھا تو مغیرہ بن شعبہ گرز اٹھائے نکلے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں ذرا آپ لوگوں کو ثقیف پر ہنساؤں پھر گرز "لات" پر مار کر خود ہی گر پڑے اور ایڑیاں پٹکنے لگے اہل طائف ششدر رہ گئے اور انھوں نے کہا خدا مغیرہ کو ہلاک کرے اسے تو دیوی نے مار دیا ہے اتنے میں مغیرہ کھڑے ہو گئے اور اہل طائف سے مخاطب ہو کر کہا کہ خدا تمھیں ذلیل و خوار کرے یہ تو پتھر اور مٹی کا تماشا ہے پھر انھوں نے صنم خانے کا دروازہ گرا لیا بعد ازاں اونچی دیوار پر چڑھ گئے اور اسے زمین کے برابر کر دیا، یہاں تک کہ اس کی بنیاد بھی کھود ڈالی، بتوں کو ریزہ ریزہ کیا اور وہاں موجود زیورات کو قبضے میں لے لیا۔

۹۔ شاہان یمن کا خط

تبوک سے نبی کریمؐ کی واپسی کے بعد شاہان حمیر یعنی حارث بن عبد کلال، نعیم عبد کلال، رعین، ہمدان اور معافر کے سربراہ نعمان بن قیل کا خط آیا۔ خط لے کر آنے والا مالک بن مرہ رہاوی تھا۔ ان بادشاہوں نے خط میں اپنے اسلام لانے اور شرک و اہل شرک سے علیحدگی کا اعلان کیا۔ پیغمبر اسلامؐ نے ان بادشاہوں کے نام ایک جوابی خط لکھا جس میں آپؐ نے اہل ایمان کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں بیان فرمائی۔ آپ نے معاذؓ بن جبل کو امیر بنا کر یمن روانہ کیا تا کہ انھیں اسلام کی تعلیمات سکھائیں

آپؐ نے معاذؓ بن جبل سے فرمایا وہاں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں آپ نے سفارش کی

''لوگوں کو سادہ اور آسان طریقے سے دعوت دیں اور انھیں مشکل میں نہ ڈالیں، انھیں خوشخبری دیں اور منافرت نہ پھیلائیں''۔

۱۰۔وفد ہمدان

یہ وفد ۹ ہجری میں تبوک سے رسول اللہؐ کی واپسی کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی کریمؐ نے ان کیلئے ایک خط تحریر فرمایا جس میں ان کے سوالات کے جواب تھے۔ مالک بن نمط کو ان کا والی مقرر کیا، دوسرے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کیلئے خالد بن ولید کو یمن بھیجا۔ خالد چھ (۶) ماہ تک وہاں دعوت دیتے رہے لیکن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا پھر آپ نے علیؓ بن ابی طالب کو روانہ کیا۔ طبقات کبریٰ ابن سعد سے صاحب سیرۃ مصطفیٰؐ میں پر نقل کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اس سے قبل دو مرتبہ علیؓ کو یمن بھیجا تھا۔ اس مرتبہ جب علیؓ وہاں پہنچے تو قبیلہ بنو ہمدان کو پیغمبرؐ کا خط پڑھ کر سنایا اور انھیں دین اسلام کی طرف دعوت دی، ہمدان کے لوگوں نے اسلام کی دعوت کا خیر مقدم کیا اور سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ علیؓ نے رسول اللہ کو ہمدانیوں کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی خوشخبری ایک خط کے ذریعے دی۔ جب یہ خط پیغمبرؐ کو ملا تو آپ اُسے پڑھ کر سجدے میں گر پڑے اور سر اٹھانے کے بعد خدا کا شکر ادا کیا پھر سر اٹھا کر فرمایا سلام ہو اہل ہمدان پر۔

۱۱۔وفد بنی فزارہ

یہ وفد ۹ ہجری میں نبی کریمؐ کی تبوک سے واپسی کے بعد مدینہ پہنچا، وفد کے ارکان نے آپؐ سے ملاقات کی یہ وفد پہلے سے ہی مسلمان تھے اور اپنے علاقے میں خشک سالی کی شکایت لے کر آپؐ کے پاس حاضر ہوا تھا آپؐ نے ان کی پریشانیاں کے ازالہ اور بارش کیلئے دعا فرمائی۔

۱۲۔وفد نجران

نجران مکہ سے یمن جاتے ہوئے ساتویں منزل پر واقع ہے ایک جگہ کا نام ہے۔ کتاب ''رحیق المختوم'' میں لکھتے ہیں کہ اسی سال پیغمبرؐ سے ملنے کیلئے آنے والے وفود میں سے ایک نجران کا وفد تھا۔ نجران یمن کی طرف ۷۳ دیہاتوں پر مشتمل تھا جہاں ایک لاکھ جنگجو تھے جو دین نصاریٰ پر تھے۔ نجران سے آنے والے ۶۰ رکنی وفد میں اہل نجران کے تین روساء سمیت ۲۴ صاحب اختیار شخصیات بھی شامل تھیں پیغمبرؐ نے انھیں خط لکھ کر اسلام کی طرف دعوت دی جس کے جواب میں یہ حاضر ہوئے تھے۔ اہل نجران کے رئیسوں میں عبد المسیح لقب عاقب، ایہم یا شرجبیل لقب سید اور حارثہ بن علقمہ لقب اسقف شامل تھے۔ ان میں سے ایہم سیاسی جبکہ اسقف یعنی حارثہ دینی امور کے سربراہ تھے، یہ بادشاہانِ روم کے ہاں مقام و منزلت رکھتے تھے، نبی کریمؐ سے ملاقات کے دوران سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا، آپؐ نے ان سے سوالات کئے اور انھوں نے بھی آپؐ سے سوالات پوچھا انھوں نے پوچھا آپ مسیحؑ کے بارے میں کیا کہتے ہیں تو سورہ آل عمران کی آیات ۵۹ تا ۶۱ نازل ہوئیں، ان کو غور و فکر کیلئے آزاد چھوڑ دیا گیا لیکن انہوں نے ایمان

لانے سے انکار کیا پیغمبر اسلامؐ نے چاہا ان سے مباہلہ کریں جیسا کہ قرآن کریم میں ذکر ہوا ہے:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِندَ اللهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ☆ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ☆ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ☆ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾ "بے شک اللہ کے نزدیک عیسٰی کی مثال آدم کی سی ہے کہ اس نے پہلے اسے مٹی سے خلق کیا پھر اسے حکم دیا: ہو جا اور وہ ہو گیا حق آپ کے رب کی طرف سے ہے پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں آپ کے پاس علم آ جانے کے بعد بھی اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہہ دیں: آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ ہم اپنی خواتین کو بلاتے ہیں اور تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے نفسوں کو بلاؤ پھر دونوں فریق اللہ سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو"

نجران کے وفد کے ارکان نے اسلام قبول نہیں کیا اور عیسیٰؑ کے بارے میں پیغمبر اسلامؐ کے جواب کو بھی رڈ کر دیا۔

آپ نے فاطمہؑ، علیؑ اور حسنینؑ کو بلوایا تو عاقب اور سید نے مشورہ کیا کہ اگر ہم ان ہستیوں سے بحث و مباحثہ کر کے معاملہ لعن وطعن تک لے جائیں گے تو اس روئے زمین پر ہم باقی نہیں رہیں گے۔ اس پر انھوں نے اسلام کے علاوہ کسی اور تجویز کیلئے کہا جس پر پیغمبرؐ نے ان سے جزیہ کا مطالبہ، جس پر وہ رضامند ہو گئے اور ان سے تحریری معاہدہ بھی میں لیا گیا۔ پیغمبرؐ نے ابی عبیدہ بن جراحؓ کو ان کے ساتھ بھیجا اور ان کے بارے میں فرمایا یہ اس امت کے امین ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے حجۃ الوداع کیلئے مدینہ سے روانہ ہونے سے پہلے اہلِ نجران سے معاملہ طے کرنے کے بعد مالیات کی وصولی کیلئے علیؑ کو نجران روانہ کیا، پھر علیؑ جب وہاں سے مکہ تشریف لائے تو آپ کے وفد میں موجود لوگوں نے خیانت کی ہر شخص نے غنیمت میں سے ایک لباس لے لیا۔ جب آپکو اطلاع ملی اور ان کو مخصوص لباس میں دیکھا تو ان سے یہ لباس واپس لے لیا، لوگوں کو یہ بات پسند نہ آئی تو انھوں نے پیغمبرؐ سے علیؑ کی شکایت کی۔ یہ شکایت اپنی جگہ حقیقت ہے لیکن ہمارے پاس تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں اسی شکایت کے ازالہ کیلئے نبی کریمؐ نے غدیر خم کے موقع پر تمام حجاج کو روک کر خطاب فرمایا

"علیؑ کے بارے میں شک نہ کرو کیونکہ علیؑ ذات خدا میں محو ہیں، جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کے علیؑ مولا ہیں۔"

نبیؐ کے علیؑ کی شان میں اس بے محل و بے موقع اور اچانک بیان سے تین نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ یہ علیؑ کی خلافت کا نص اور حکم صریح ہے۔

۲۔ اس اعلان کے باوجود علیؑ کو کنارے پر لگا کر خلافت کے منصب پر قابض ہونے والے کے بارے میں کافر و طاغی تصور کرنا سر دست ہے کیا یہ تصور عقل، قرآن و سنت کے مطابق ہے؟

۳۔ پیغمبرؐ کی طرف سے یہ اعلان امت کیلئے ایک رہنمائی، مشاورت و نصیحت تھی اس کی روشنی میں نہ قابض، کافر و طاغی و باغی

بنے گااور نہ علیؑ کواپنے حق کی بازیابی کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے ہوگی؟

ان تین مفروضوں کو سامنے رکھنے کے بعد ہر ایک کیلئے دلائل قرائن وشواہد سے استدلال کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۳۔ وفد تجیب

تجیب کا ۱۳ رکنی وفد اپنی قوم کے بچے ہوئے صدقات لے کر پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہیں دیکھ کر رسول اسلامؐ خوش ہوئے۔ ان کے ساتھ بھی ایک عہد نامہ لکھا گیا، انہوں نے قرآن وسنت کے بارے میں آپؐ سے سوالات کئے، آپؐ نے ان کے سوالوں کے جوابات کے ساتھ مزید چیزیں بھی بیان کیں اور بلالؓ کو حکم دیا کہ ان کی اچھی مہمان داری کریں، انہوں نے چند دن تک مدینے میں قیام کیا اور مزید رکنے کا مطالبہ نہ کیا، جب ان سے پوچھا گیا آپ لوگ اتنی جلدی کیوں واپس جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا ہم اپنے ان لوگوں کی طرف جا رہے ہیں جنہیں ہم خبر دیں گے ہم نے رسول اللہؐ کو دیکھا ہے اور ان سے سوالات وجوابات کئے یہ لوگ دوبارہ دسویں ہجری کو منیٰ میں رسول اسلامؐ سے ملے۔

۱۴۔ وفد تمیم

اس وفد میں بنی تمیم کی برجستہ شخصیات شامل تھیں ان کے ساتھ خطیب وشاعر تھے اسلام کے خطباء اور ان کے خطباء کے درمیان گفتگو اور مذاکرات ہوئے اسلام بیان کرنے والے خطباء کو کامیابی نصیب ہوئی جس پر روسا اور عشیرہ نے اسلام کو دل وجان سے قبول کرنے کا اعلان کیا۔

ان وفود میں سے ایک وفد بنی عامر کا تھا، زمان بن ثالبہ بنی سعد بن بکر کی طرف سے آیا اور اپنی قوم کی طرف داعی بن کر گیا انہوں نے پہلی بار آ کر قوم سے کہا ست ”لات وعزیٰ“ لوگوں نے ان سے کہا چپ ہو جاؤ، اے زمان! برص وجزام اور دیوانے پن سے گریز کر۔ زمان نے کہا ”افسوس ہے تمہارے لئے یہ دونوں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ دے سکتے ہیں، اللہ نے پیغمبر بھیجا ہے اس پر کتاب نازل کی ہے اور تم کو ان بتوں سے نجات دلائی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں اللہ ایک ہے اسکا کوئی شریک نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں، میں انکی طرف سے جو چیز لے کر آیا ہوں تمہیں دے رہا ہوں“ اس دن کے بعد ان کے قبیلہ کے تمام مرد وزن مسلمان ہو گئے۔

۱۵۔ وفد بنو حارث بن کعب

بنو حارث بن کعب نے نجران میں خالد بن ولید کے ہاتھوں اسلام قبول کیا، خالد انہیں اسلام سکھاتے تھے، ایک وفد بنی حارث سے آیا پھر دوبارہ اپنے وطن چلا گیا پیغمبرؐ نے ان کی طرف عمرؓ بن حزب کو بھیجا تا کہ وہ دین کی تبلیغ کریں انہوں نے وہاں سنت رسول اللہؐ اور اسلامی عقائد سکھائے۔

۱۶۔ وفد بنی حنیفہ

یہ وفد ۹ ہجری میں مدینہ آیا، جس میں مسیلمہ کذاب سمیت سترہ (۱۷) افراد شامل تھے۔ مسیلمہ کذاب کا سلسلہ نسب مسیلمہ بن

ثمامہ بن کبیر بن حبیب بن حارث ہے۔اس وفد نے مدینہ پہنچ کر پہلے ایک انصاری صحابی کے گھر پر پڑاوڈالا جہاں سے یہ نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا تاہم مسیلمہ کذاب نے تکبر و غرور اور اقتدار کی ہوس کا اظہار کیا اور وفد کے ہمراہ پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔

۱۷۔وفد بنی عامر بن صعصعہ

اس وفد میں دشمن اسلام عامر بن طفیل ،اربد بن قیس ٗخالد بن جعفراو رجبار بن اسلم تھے یہ سب اپنی قوم کے سربرآوردہ لوگ تھے کہتے ہیں عامراو راربد دونوں پیغمبرؐ کو قتل کرنے کی سازش کے تحت آئے تھے لیکن خداوند عالم نے اپنے نبی کو بچالیا اوران کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

۱۸۔وفد طی

اس وفد میں عرب کے مشہور شہسوار زید الخیل بھی تھا پیغمبر اسلامؐ نے وفد کے ارکان کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے قبول کیا او رشرعی احکام سیکھانے کی درخواست کی ، نبی کریمؐ نے انھیں اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کیا اس موقع پر پیغمبر اسلامؐ نے زید کی تعریف کرتے ہوئے ان کا نام زید الخیل کی بجائے زید الخیر رکھا دیا اس کے بعد عدی بن حاتم آئے جو اس وقت صاحب جود و سخا تھے۔انھوں نے رسول اللہؐ کے اخلاق و تواضع کو دیکھ کر اسلام قبول کیا۔

بعد میں آنے والے وفود میں وفدِ بنی اسدٗ وفدِ بحرا او روفدِ بنی عزار شامل تھے۔انہوں نے اسلام قبول کیا او رپیغمبر اسلامؐ نے انہیں شام کی فتح کی خبر سنائی ،ان سے مخاطب ہو کر آپؐ نے فرمایا کاہنوں سے سوال نہ کرنا اوران قربانیوں سے منع فرمایا جو یہ لوگ بتوں کے نام پر کیا کرتے تھے۔آپؐ نے فرمایا کہ صرف قربانی کے دن ہی گوسفند ذبح کریں۔

ایک وفد مرہ و خولان سے آیا پیغمبر اسلامؐ نے ان سے صنم خولان کے بارے میں پوچھا جن کی وہ پوجا کرتے تھے انہوں نے پیغمبرؐ سے کہا آپؐ کو خوشخبری ہو خدا نے ہمیں وہ دین دیا ہے جو آپؐ لائے ہیں ہمارے پاس صرف ایک بوڑھا شیخ اورایک بوڑھی عورت ہے جو بت کی پوجا کرتے ہیں ہم انہیں بھی آپؐ کا دین پہنچادیں گے انشاء اللہ۔اس دوران وفد عبد بنی زبید آیا اس میں عرب کے مشہور عمر بن مہدی کرب بھی تھے پھر وفد کندہ آیا جس میں اشعث بن قیس تھے اس کے بعد وفد ازد آیا۔

محارب ٗغسان ،غامط اورنخ کے وفود کے بعد دیگر آپؐ کے پاس آئے ،یہ دین سیکھتے اور سمجھتے تھے،انھوں نے اخلاق رسولؐ اور صحابہؓ کے سلوک کا مشاہدہ کیا،ان کیلئے مسجد کے کونے میں ایک خیمہ نصب کیا گیا یہ مسجد میں نمازیوں کی جماعت دیکھتے تھے اوران کے ذہن میں جو سوالات آتے وہ سادہ زبان میں پیغمبر اسلامؐ سے پوچھتے تھے پیغمبر اسلامؐ انہیں دلیل او رفصاحت سے سمجھاتے تھے اور قرآن سے دلیل بھی پیش کرتے تھے۔

سریہ علی بن ابی طالب ؑ قبیلہ طی کی طرف

اکثر مولفین وسیرت نگاروں نے مسلمانوں کی طرف سے شہر طی پر حملہ کرنے کے بعد انہیں اسیر بنانے کا ذکر کیا ہے ان اسیروں میں سے ایک سفانہ بنت حاتم طائی تھیں اس کا بھائی عدی بن حاتم شام فرار ہوگیا لیکن اکثر وبیشتر مورخین نے اس سریہ کی تعداد اور سربراہ کا ذکر کرنے سے گریز کیا ہے البتہ بعض نے لشکر کی تعداد ایک سو پچاس (۱۵۰) بتائی ہے اور علیؑ بن ابی طالب کی قیادت کا ذکر کیا ہے۔ یہ جنگ ۹ھ کو ہوئی علیؑ نے طی اور اس کے اطراف میں رہنے والوں پر حملہ کیا اس جنگ میں اسلام دشمن لشکر کے بعض سپاہیوں کو قتل اور بعض کو اسیر کیا گیا جبکہ بعض فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ لشکر اسلام نے ان کے گلہ و گوسفند پر قبضہ کیا اور بت خانوں کو مسمار کیا مجاہدین مال غنیمت اور اسیروں کو لے کر مدینہ آئے۔ سفانہ بنت حاتم کے رحم طلب کرنے پر عزت و احترام کے ساتھ اسے واپس وطن بھیج دیا گیا۔ تاریخ طبری میں آیا ہے کہ سفانہ بنت حاتم اپنے شہر واپس پہنچی جہاں سے وہ شام چلی گئیں اور وہاں اپنے بھائی عدی بن حاتم سے ملاقات کی اور اس کی حرکات کی ملامت و مذمت کی۔ عدی نے کہا کہ اب آپ کیا چاہتی ہیں تو صفانہ نے کہا کہ تم جلد محمدؐ سے ملاقات کرو اگر وہ پیغمبر ہیں تو ان پر ایمان میں سبقت کرنا باعث فضیلت ہے اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو ان کے پاس جانے سے ہمارے لئے باعث ذلت نہیں۔ عدی بن حاتم اپنی بہن کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے مدینہ پہنچے جہاں انہوں نے پیغمبرؐ سے ملاقات کی۔

جاہلیت کی بنیادیں اور نبی کریم ﷺ

ثقیف کا وفد جب پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وفد میں شامل بنی کنانہ کے عبد یالیل نے پیغمبرؐ سے کہا کہ زنا کے بارے میں کچھ بتائیں، ہم ایک قوم "عزاب" ہیں یعنی ہم شادی نہیں کرتے لہٰذا ہمارے لئے زنا ناگزیر ہے۔ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ زنا تمہارے لئے حرام ہے خدا نے سورۂ اسراء کی آیت ۳۲ میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ "خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ ہے"

انہوں نے رباء کے بارے میں پوچھا کہ ہمارا تمام مال و دولت رباء ہے پیغمبرؐ نے فرمایا کہ صرف اصل سرمایہ تمہارا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو" (بقرہ ۲۷۸)

انہوں نے شراب کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ یہ ہماری زمین کی درآمد ہے لہٰذا یہ ہمارے لئے ناگزیر ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ خدا نے اسے حرام قرار دیا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ "اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں" (مائدہ ۹۰)

انہوں نے مزید کہا کہ ہمیں نماز سے مستثنٰی رکھا جائے اور ان کے بت خود انہی کے ہاتھوں سے نہ تڑوائے جائیں لیکن رسول اللہؐ نے ان میں سے کسی بات کو منظور نہیں فرمایا، اس دوران عمر بن خطابؓ نے گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ اے عبد یالیل! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس سے مخاطب ہو؟ یہ بت کیا ہے؟ یہ تو صرف ایک پتھر ہے، جواب میں اس کی قوم نے کہا کہ فرزندِ خطاب ہم تمہارے پاس نہیں آئے ہیں۔ وفد نے پیغمبر اسلامؐ سے کہا کہ آپؐ لات کا خود بندوبست فرمائیں۔ ثقیف بتوں کو اپنے ہاتھوں سے ہرگز نہ گرائیں گے پیغمبرؐ نے انہیں واپس جانے کی اجازت دی تو انہوں نے رسول اللہؐ سے کہا ہمارے اوپر کسی ایسے شخص کو رئیس بنائیں جو ہم میں سے ہو، پیغمبرؐ نے عثمان بن ابی العاص کو ان کا امیر بنایا جو ان میں سب سے چھوٹے تھے اور پیغمبرؐ نے دیکھا کہ یہ زیادہ اسلام کی طرف رغبت رکھتا ہے، دین کو سمجھنے اور قرآن کی تعلیم حاصل کرنے میں سب سے پیش پیش ہے بعد میں پیغمبر اسلامؐ نے مغیرہ بن شعبہؓ و دیگر صحابہ کو لات توڑنے کیلئے روانہ کیا، انہوں نے اونچی دیوار پر چڑھ کر اسے زمین بوس کردیا، یہ وفد اسی دن پیغمبرؐ کی خدمت میں واپس آیا۔ گویا یہ سال بت پرستی کی فنا اور موت کا سال تھا۔

سریہ علی بن ابی طالب ﷺ قبیلہ بنو مذحج کی طرف

علیؑ دوسری دفعہ رمضان ۱۰ھ کو قبیلہ مذحج کی طرف بھیجے گئے پیغمبرؐ نے آپ کو عمامہ پہنایا اور جھنڈا دیا علیؑ تین سو (۳۰۰) سواروں کی قیادت کر رہے تھے اس موقع پر پیغمبرؐ نے علیؑ کو ہدایت دی "ان سے اس وقت تک جنگ نہ کریں جب تک وہ آپؑ سے لڑنے پر آمادہ نہ ہو جائیں بلکہ انھیں پہلے مرحلے پر کلمہ کی طرف دعوت دیں اگر وہ قبول کرلیں تو انہیں نماز سکھائیں" پیغمبرؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ آپ کے ذریعے ایک آدمی کی ہدایت ہونا خدا کی راہ میں پوری دنیا دینے سے بہتر ہے، مسلمانوں نے قبیلے بنی مذحج پر حملہ کیا یہاں بہت سا مال غنیمت اونٹوں اور گوسفند کی شکل میں حاصل ہوئی عورتیں اور بچے بھی اسیر ہوئے علیؑ نے انھیں ایک بار پھر اسلام کی طرف دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور مسلمانوں پر پتھر برسائے، بنو مذحج سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے مسلمانوں کو مقابلے کیلئے چیلنج کیا جس کے بعد ان کی طرف سے اسود بن خزاعی میدان میں آیا جسے علیؑ نے موت کی گھاٹ اتار دیا بعد ازاں آپؑ نے اپنے اصحاب کو مرتب و منظم کیا اور پرچم مسعود بن سنان کو دیا۔ مسلمانوں نے ابھی بیس (۲۰) آدمی ہی قتل کئے تھے کہ دشمن بھاگ گئے، علیؑ نے ان کا پیچھا نہ کیا پھر دوبارہ ان کو اسلام کی طرف دعوت دی تو انہوں نے بالآخر اسلام قبول کرلیا۔ ان کے بزرگوں نے علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جنگ کے خاتمے پر آپؑ نے مال غنیمت جمع کیا اور اسے پانچ حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ خمس نکالنے کے بعد باقی چار حصے لشکر میں تقسیم کردیئے۔

حجۃ الوداع

اکمال دین اور امت سے وداع

جب رسول خداؐ ارادہ ومشیت الٰہی کی مدد سے لوگوں کو شرک وبت پرستی اور رسومات جاہلیت کی نجاست سے پاک کرنے، ان کے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کرنے ،ایک دوسرے کیلئے شفقت ومحبت کا نور روشن کرنے اور خانہ خدا کو بتوں کی آلودگی سے پاک کرنے میں کامیاب ہوئے اس طرح سے مسلمانوں میں حج بیت اللہ کا شوق بڑھتا گیا، ہر آئے دن محبت وشفقت میں تیزی آتی گئی یہاں تک کہ پیغمبرؐ نے اپنے اندر امت سے جدائی اور رخصت ہونے کا احساس پایا آپؐ نے امت سے وداع کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا ''عن قریب میں داعی رب کو اجابت کروں گا اور اس دنیائے فانی سے کوچ کر جاؤں گا'' لہٰذا خداوند متعال نے نبی کریمؐ کو خانہ خدا کا حج کرنے کی اجازت دی جسے آپؐ نے ظہور اسلام کے بعد اب تک ادا نہیں کیا تھا تا کہ مناسک حج کے ساتھ عقائد اور فروعاتِ اخلاق سکھائیں، ادائے امانت وشہادت کریں، امت سے عہد لیں اور تمام آثارِ جاہلیت کو دفنائیں اس حوالے سے پیغمبر اسلامؐ کا حج، خطبوں اور دروس پر مشتمل تھا گویا یہ عمل، تعلیم کے حوالے سے ایک گشتی (صفری) مدرسہ اور عبادت وبندگی کے حوالے سے ایک گشتی (سیار) مسجد تھی۔ ہجرت کے بعد سے اب تک آپؐ نے حج خانہ خدا نہیں کیا تھا لیکن تین عمرے انجام دیے عمرہ حدیبیہ جہاں حدیبیہ محل ہوئے عمرہ قضایہ جو دوسرے سال ادا کیا اور عمرہ جعرانہ جو فتح حنین سے واپسی کے موقع پر انجام دیا۔

پیغمبرؐ ہمیشہ جاہلوں کو سکھاتے اور غافلوں کو بیدار کرتے تھے۔ آپ سست انسانوں میں جذبہ اور ضعیف وناتوان میں طاقت وقدرت ڈالتے تھے گویا آپ صبح وشام اور اٹھتے بیٹھتے اس ابر رحمت کی مانند تھے جو اس امت پر سایہ فگن تھا۔

صحابہ کرامؓ اور روات ثقہ نے اس سفر میں پیغمبر اسلامؐ کے اعمال وافعال حرکات وسکناتِ صغیر وکبیر کو اپنے داخلی وخارجی قرطاس میں ضبط کیا اس حج کو حجۃ الوداع، حجۃ البلاغ اور حجۃ الاسلام کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

زیارتِ بیت اللہ اور اکمال الدین

ذی القعدہ دس ہجری کا چاند دیکھنے کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے ادائے حج کی نیت سے مکہ مکرمہ کی طرف سفر کا اعلان فرمایا جونہی یہ اعلان مدینہ اور اس کے گرد ونواح میں مقیم لوگوں کو تک پہنچا تو انھوں نے جوق درجوق مدینہ کی طرف رخ کیا اور شہر کے گرد وپیش میں خیمہ زن ہو گئے۔

اس مقام پر ہمیں (مؤلف) اپنی علمی بے بضاعت کے باوجود علماء کے دو گروہوں پر انتہائی حیرت اور تعجب ہے۔ ہم اپنی بساط علمی کی حدود میں رہتے ہوئے اپنا نقطہ نظر پیش کرنے سے گریز کریں گے تاہم ذہن کو لاحق خطورات کو سوال کی صورت میں پیش کریں گے تا کہ قارئین کرام اپنی نوبت میں فقہاء، علماء اور دانشمندوں تک پہنچائیں:

۱۔ سیرت نگاروں نے کتب سیرت میں حجۃ الوداع کے موضوع کو انتہائی اہتمام اور عنوانِ جلی کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن اس عظیم فریضے کے متعلق کسی قرآنی آیت کی نشاندھی نہیں کی ہے چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ اچانک پیغمبرؐ نے از خود کیا تھا اور اس بارے میں کوئی خاص آیت نازل نہیں ہوئی تھی جبکہ اس موقع پر حج کی اقسام میں "حج تمتع" کا ایک نیا طریقہ بھی شامل ہوا!

۲۔ مفسرین کرام نے سورہ مبارکہ حج کی آیت ۲۷ کی تفسیر میں بڑے اطمینان کے ساتھ اعلانِ حج کے حکم کو ابراہیم خلیلؑ سے منسوب کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ خداوند عالم نے ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ حج کا اعلان کریں تاکہ رہتی دنیا تک مسلمان گوشہ و کنار سے خانۂ خدا کی طرف حج کو آئیں چنانچہ ندائے ابراہیمیؑ کو قیام قیامت تک کے لوگوں نے سنا اور جس جس نے اس ندا پر لبیک کہا ہوگا صرف انہی کو حج نصیب ہوگا گویا اگر کوئی حج کو جانے کی استطاعت رکھتا ہو پھر بھی حج نہ کرے تو وہ عقاب و سزا کا مستحق نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اس وقت لبیک نہیں کہا تھا لہٰذا وہ نہیں جا سکتا ہے۔

الف۔ کوئی بھی اعلان انسان کانوں کے ذریعے ہی سنتا ہے۔ لیکن جس وقت ابراہیمؑ نے اعلان کیا، اس وقت وہاں کوئی جسمانی صورت میں موجود نہیں تھا جو سماعت کرتا۔

ب۔ قرآنی آیات، روایات یا کسی بھی تاریخ میں یہ نہیں ملتا ہے کہ ابراہیمؑ کے اعلان کے بعد پہلی دفعہ مکہ میں کوئی بڑا اجتماع ہوا ہو چنانچہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حج صرف ندائے ابراہیمی سننے والے ہی کرتے ہیں۔

قرآن کریم پیغمبر اسلامؐ سے خطاب ہے۔ ماہرین علوم عربیہ کے مطابق قرآن میں غائب سے حاضر اور حاضر سے غائب کی طرف ضمیر پلٹانے کی مثال بکثرت پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں علماء معانی بیاں سورہ مبارکہ فاتحہ پیش کرتے ہیں۔ اسی تناظر میں اگر یہ خطاب رسول اللہؐ سے ہے تب ہی رسول اللہؐ نے اعلان بھی کیا اور لوگوں نے جوق در جوق شرکت بھی کیں اور اس دن سے ابھی تک حاجیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اگر انتظام وانصرامِ حج میں گنجائش ہوتی تو حجاج کی تعداد موجودہ دور سے کئی گنا زیادہ ہوتی غرض آیت کا اعلیٰ مصداق عملِ رسول اللہؐ میں بطور نمایاں نظر آتا ہے ساتھ ہی اسکے مصادیق ہر زمانے کے داعیان حج بیت اللہ ہیں تاہم حقیر کی یہ جرأت نہیں ہے کہ قرآن کریم کی کوئی از خود تفسیر پیش کروں۔ الغرض یہ حج تین ناموں سے یاد کیا جاتا ہے:

☆ حج البلاغ ☆ حج الاسلام ☆ حجۃ الوداع

اعلان کے بعد ۲۵ ذی القعدہ آپؐ ایک لاکھ بیس ہزار حجاج کا کاروان لے کر مدینہ منورہ سے میقات کی طرف روانہ ہوئے مدینے سے اپنی عدم موجودگی میں سماک بن خرشہ ساعدی معروف ابو دجانہ یا سباع بن عرفطہ غفاری کو ذمہ داری دے کر نکلے اور ذوالحلیفہ سے محرم ہوئے جن کے پاس قربانی کا ہدیہ تھا انھوں نے حجِ قران کا احرام باندھا اور جن کے پاس قربانی کا ہدیہ نہیں تھا انھوں نے حجِ افراد کا احرام باندھا، سعی بجالانے کے بعد پیغمبرؐ نے اعلان فرمایا کہ جن کے ساتھ ہدیہ نہیں وہ احرام سے محل ہو جائیں اس دن سے "حج تمتع" حج میں شامل ہوا۔

مورخین کا کہنا ہے کہ اس موقع پر صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار تھی، پیغمبر اسلامؐ نے جب

حج کاارادہ کرنے کے بعد لوگوں کو آگاہ کیا کہ ہم حج کو جارہے ہیں تو مدینہ کے اطراف واکناف میں رہنے والے جوق در جوق رسول اللہؐ کے ہمراہ حج کیلئے نکلے۔ کچھ مدینہ ہی سے آپ کے ساتھ نکلے اور کچھ گروہ راستے میں آپؐ سے ملحق ہوئے لوگ آپؐ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں جمع تھے۔ مدینہ سے ۲۵ ذی القعدہ کو ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد آپؐ نے رخت سفر باندھا، طبقات کبریٰ کے مطابق آپؐ سادہ لباس پہن کر پیدل نکلے جب ذوالحلیفہ پہنچے تو دو رکعت نماز پڑھی، احرام باندھا اور قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنائے، آپؐ نے ایک خطبہ بھی ارشاد فرمایا جس میں لوگوں کو احرام اور اس کے واجبات و مستحبات سے آگاہ کیا پھر آپ نے لوگوں کے ساتھ تلبیہ " لبیک اللّٰھم لبیک ، لا شریک لک لبیک " کی صدا بلند کی یہاں تک کہ آپؐ مکہ کے قریب عرج کے مقام پر پہنچے آپؐ اور ابوبکرؓ ایک ہی قافلے میں تھے وہاں سے منزل ابواء پھر عسفان اور سراف پہنچے، پھر ۴ ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجری بروز اتوار ذی طویٰ پہنچے اتوار کی رات وہاں گزاری صبح کی نماز پڑھی پھر وہاں سے ظہر کے وقت مسجد الحرام تشریف لے گئے جب آپ کی نظر کعبہ پر پڑی تو آپؐ نے یہ دعا پڑھی: "اللّٰھم زدبیتک ھذاتشریفاًوتعظیماًوتکریماًومھابۃ"

مسجد میں داخل ہوتے ہی سیدھے کعبہ کی طرف گئے حجر اسود کا بوسہ لیا پھر دائیں طرف آ کر کعبہ کو بائیں طرف کرتے ہوئے پہلے تین طواف میں ہرولہ کیا یعنی دوڑے، آپ نے طواف میں جلدی کی تھی، قدم نزدیک رکھے اور بازو نکالے ہوئے تھے جب بھی حجر اسود کے پاس پہنچتے تو اپنے عصا کو اس سے مس کر کے چومتے، جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیمؑ کے پاس آئے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۵ کے تحت: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ نماز طواف ادا کرنے کے بعد حجر اسود کے پاس آئے بوسہ دیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی پھر وہاں سے باہر نکلے اور کوہ صفا پر چڑھ کر کعبہ کی طرف رخ کیا تکبیر پڑھ کر یہ دعائیں پڑھیں: "لاالہ الا اللہ وحدہ وحدہ انجز وعدہ، ونصر عبدہ، وھزم الاحزاب وحدہ"

۸ ذی الحجہ ترویہ کے دن، آپ منیٰ تشریف لے گئے ظہر، عصر، مغرب عشاء اور فجر (پانچ وقت) کی نمازیں منیٰ میں پڑھیں پھر سورج طلوع ہونے تک توقف فرمایا آپ نے ۹ ذی الحجہ کی صبح تک قیام فرمایا، اس کے بعد عرفہ کیلئے چل پڑے، عرفہ پہنچے تو وادی نمرہ میں قبہ تیار تھا اسی میں نزول فرمایا، جب سورج ڈھل گیا تو آپؐ کے حکم سے قصواء پر چادر ڈال دیا گیا اور آپؐ بطن وادی تشریف لے گئے، اس وقت آپ کی معیت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا۔ آپ نے ان کے درمیان حمد و ثنا خدا کے بعد ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا:

بَعْدَالْحَمْدِلِلّٰهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ إِلَى أَنْ تَلْقَوْا رَبَّكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا.
وَإِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْئَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ وَ قَدْبَلَّغْتُ وَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا لِمَنِ ائْتَمَنَهُ عَلَيْهَا وَإِنَّ كُلَّ رِبًا مَوْضُوعٌ وَلٰكِنْ لَكُمْ رُؤُسُ

"اے لوگو! تمہاری جانیں اور تمہارے اموال تم پر عزت و حرمت والے ہیں یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرو۔ یہ اس طرح ہے جس طرح تمہارا آج کا دن حرمت والا ہے، جس طرح تمہارا یہ مہینہ حرمت والا ہے اور جس طرح تمہارا یہ شہر حرمت والا ہے۔

بیشک تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے وہ تم سے

أَمْوَالِكُمْ وَلَاتَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ.

تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔سنو!اللہ کا پیغام میں نے پہنچادیا اور جس شخص کے پاس کسی نے امانت رکھی ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس امانت کو اس کے مالک تک پہنچا دے۔سارا سود معاف ہے لیکن تمہارے لئے اصل زر ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔

قَضَى اللّٰهُ أَنَّهُ لَارِبَاً.وَإِنَّ أَوَّلَ رِبَاًأَضَعُ رِبَاعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ آلَاإِنَّ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَاءِ نَادَمُ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعاً فِيْ بَنِيْ سَعْدِبْنِ بَكْرٍ وَقَتَلَهُ هُذَيْلُ

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ کوئی سود نہیں۔سب سے پہلے جس ربا کو میں کالعدم کرتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔یہ سب کا سب معاف ہے۔زمانہ جاہلیت کی ہر چیز کو میں کالعدم قرار دیتا ہوں اور تمام خونوں میں سے جو خون میں معاف کر رہا ہوں وہ عبدالمطلب کے بیٹے حارث کے بیٹے ربیعہ کا خون ہے جو اس وقت بنوسعد کے ہاں شیر خوار بچہ تھا اور ہذیل قبیلہ نے اس کو قتل کر دیا۔

أَيُّهَا النَّاسُ!اَلشَّيْطَانُ قَدْيَئِسَ أَنْ يُعْبَدَبِأَرْضِكُمْ هٰذِهٖ أَبَدًا. وَلٰكِنَّهُ إِنْ يُطَعْ فِيْمَاسِوٰى ذٰلِكَ فَقَدْرَضِيَ بِمَاتَحْقِرُوْنَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ.فَاحْذَرُوْهُ عَلٰى دِيْنِكُمْ.

اے لوگو! شیطان اس بات سے مایوس ہوگیا ہے کہ اس زمین میں کبھی اس کی عبادت کی جائے گی۔لیکن اسے یہ توقع ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے گناہ کرانے میں کامیاب ہو جائے گا۔اس لئے تم ان چھوٹے چھوٹے اعمال سے ہوشیار رہنا۔

پھر فرمایا کہ جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم کیا ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں (ذی القعدہ، ذی الحجہ محرم اور رجب) ان مہینوں میں جنگ وجدال جائز نہیں۔

کفار اپنے اغراض کے پیش نظر ان مہینوں میں رد و بدل کر لیا کرتے تھے۔

أَيُّهَا النَّاسُ !إِتَّقُوااللّٰهَ وَاسْتَوْصُوْابِالنِّسَاءِ خَيْرًافَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٍ لَايَمْلِكْنَ لِأَنْفُسِهِنَّ شَيْئاً.وَإِنَّكُمْ إِنَّمَاأَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانَةِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ حَقٌّ.وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ حَقٌّ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَايُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًاتَكْرَهُوْنَهُ وَعَلَيْهِنَّ اَنْ لَايَأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ.وَإِنْ فَعَلْنَ فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْأَذِنَ لَكُمْ أَنْ تَهَاجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَتَضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًاغَيْرَمُبَرِّحٍ فَإِنِ انْتَهَيْنَ فَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاعْقِلُوْا كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، میں تمہیں عورتوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔کیونکہ وہ تمہارے زیر دست ہیں، وہ اپنے بارے میں کسی اختیار کی مالک نہیں اور یہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہیں۔
اور اللہ کے نام کے ساتھ وہ تم پر حلال ہوئی ہیں تمہارے ان کے ذمہ حقوق ہیں اور ان کے تم پر حقوق ہیں۔تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر کی حرمت کو برقرار رکھیں۔
اور ان پر یہ لازم ہے کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب نہ کریں۔
اور اگر ان سے بے حیائی کی کوئی حرکت سرزد ہو پھر اللہ تعالیٰ

فَاعْقِلُوْا.

نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم ان کو اپنی خوابگاہوں سے دور کرو۔
اور انھیں بطور سزا تم مار سکتے ہو۔لیکن جو ضرب شدید نہ ہو۔
اور اگر وہ باز آجائیں تو پھر تم پر لازم ہے کہ تم ان کے خوردو نوش ورلباس کا عمدگی سے انتظام کرو۔

اَيُّهَا النَّاسُ قَوْلِيْ فَاِنِّيْ قَدْبَلَّغْتُ.
وَقَدْتَرَكْتُ فِيْكُمْ مَالَنْ تَضِلُّوْابَعْدِيْ أَبَدًااِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ . أَمْرَيْنِ كِتَابَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَسُنَّةَ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اے لوگو! میری بات کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرو۔بیشک میں نے اللہ کا پیغام تم کو پہنچا دیا ہے اور میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔
اللہ تعالٰی کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔

اَيُّهَا النَّاسُ اِسْمَعُوْا قَوْلِيْ وَاعْقِلُوْهُ تَعْلَمُنَّ أَنَّ كُلَّ مُسْلِمٍ أَخٌ لِمُسْلِمٍ وَأَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ إِخْوَةٌ.
فَلَايَحِلُّ لِامْرَئٍ مِنْ أَخِيْهِ إِلَّا مَاأَعْطَاهُ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ وَلَاتَظْلِمُنَّ أَنْفُسَكُمْ.
وَاعْلَمُوْا أَنَّ الْقُلُوْبَ لَاتَغُلُّ عَلٰى ثَلَاثٍ.

اے لوگو! میری بات غور سے سنو اور اس کو سمجھو تمہیں یہ چیز معلوم ہونی چاہیے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں کسی آدمی کیلئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے مال سے اسکی رضامندی کے بغیر کوئی چیز لے پس تم اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا۔
جان لو! کہ دل ان تینوں باتوں پر حسد وعناد نہیں کرتے:

إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مُنَاصَحَةُ أُولِى الْأَمْرِ وَعَلٰى لُزُوْمِ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ.

کسی عمل کو صرف اللہ تعالٰی کی رضا کیلئے کرنا۔حاکم وقت کو ازراہ خیر خواہی نصیحت کرنا۔مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ شامل رہنا۔

فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيْطُ مِنْ وَرَآءِهِمْ وَمَنْ تَكُنِ الدُّنْيَا نِيَّتُهُ يَجْعَلِ اللهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَيُشَتِّتْ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ وَلَايَأْتِيْهِ مِنْهَا إِلَّا مَاكُتِبَ لَهُ وَمَنْ تَكُنِ الْاٰخِرَةُ نِيَّتُهُ يَجْعَلِ اللهُ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَيَكْفِيْهِ ضَيْعَتَهُ وَتَأْتِيْهِ الدُّنْيَا وَ هِيَ رَاغِمَةٌ.

اور بیشک ان کی دعوت ان لوگوں کو بھی گھیرے ہوئے ہے جو ان کے علاوہ ہیں۔جسکی نیت طلب دنیا ہو۔اللہ تعالٰی اس کے فقر وافلاس کو اس کی آنکھوں کے سامنے عیاں کر دیتا ہے اور اس کے پیشہ کی آمدن منتشر ہو جاتی ہے۔اور نہیں حاصل ہوتا اس کو مگر اتنا جو اس کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے اور جس کی نیت آخرت میں کامیابی حاصل کرنا ہے تو اللہ تعالٰی اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے،اور اس کا پیشہ اس کیلئے کافی ہو جاتا ہے۔اور دنیا اس کے پاس آتی ہے اس حال میں وہ اپنا ناک گھسیٹ کر آتی ہے۔

فَرَحِمَ اللهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ.
فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ وَلَيْسَ بِفَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ.

اللہ تعالٰی اس شخص پر رحم کرے جس نے میری بات کو سنا اور دوسروں تک پہنچایا۔بسااوقات وہ آدمی جو فقہ کے کسی مسئلے کا جاننے والا ہے وہ خود فقیہ نہیں ہوتا اور بسااوقات حامل

فقہ کسی ایسے شخص کو بات پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔

أَرِقَّاءَ كُمْ أَرِقَّاءَ كُمْ أَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ وَاكْسُوْهُمْ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ فَإِنْ جَاءَ بِذَنْبٍ لَا تُرِيْدُوْنَ أَنْ تَغْفِرُوْهُ، فَبِيْعُوْا عِبَادَ اللهِ وَلَا تُعَذِّبُوْهُمْ. أُوْصِيْكُمْ بِالْجَارِ حَتّٰى أَكْثَرَ فَقُلْنَا إِنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ.

تمہارے غلام، تمہارے غلام جو تم خود کھاتے ہو ان سے ان کو کھلاؤ۔ جو تم خود پہنتے ہو ان سے ان کو پہناؤ، اگر ان سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے جس کو تم معاف کرنا پسند نہیں کرتے تو انھیں فروخت کر دو۔

اے اللہ کے بندو ان کو سزا نہ دو۔ میں پڑوسی کے بارے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ (یہ جملہ پیغمبر اسلامؐ نے اتنی بار دھرایا کہ ہمیں اندیشہ لاحق ہو گیا کہ حضور پڑوسی کو وارث نہ بنا دیں)

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللهَ قَدْ أَدّٰى لِكُلِّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ وَإِنَّهُ لَا يَجُوْزُ وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ وَالْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ. وَمَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ أَوْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ. لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا. اَلْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ.

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے، اس لئے کسی شخص کیلئے جائز نہیں کہ اپنے کسی وارث کیلئے وصیت کرے۔ بیٹا بستر والے کا ہوتا ہے یعنی خاوند کا اور بدکار کیلئے پتھر۔ جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے بغیر کسی طرف منسوب کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سارے لوگوں کی لعنت ہو۔ نہ قبول کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے کوئی بدلہ اور کوئی مال۔ جو چیز کسی سے مانگ کر لو اسے واپس کر دو۔ عطیہ ضروری واپس ہونا چاہیے اور قرضہ لازمی طور پر اسے ادا کرنا چاہیے اور جو ضامن ہو اس پر اس کی ضمانت ضروری ہے۔

وَأَنْتُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنِّيْ وَمَا أَنْتُمْ قَائِلُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ أَنَّكَ بَلَّغْتَ، وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ.

تم سے میرے بارے میں دریافت کیا جائے گا، تم کیا جواب دو گے؟ انہوں نے کہا، ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا، اس کو ادا کیا اور خلوص کی حد کر دی۔"

حضور نے اپنی انگشت کو آسمان کی طرف اٹھایا، پھر لوگوں کی طرف موڑا اور فرمایا، اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا اے اللہ تو بھی گواہ رہنا اے اللہ تو بھی گواہ رہنا۔

پیغمبرؐ نے اس خطبہ میں اسلام کے تمام قواعد وقوانین بیان فرمائے اسلام کے ستونوں کو مستحکم کیا اور شرک وجاہلیت کے ستونوں کو منہدم کیا، جن محرمات کو تمام ادیان نے حرام قرار دیا تھا انھیں حرام قرار دیا، خون ریزی، غارت گری، زنا وغیرہ جیسی تمام جاہلیت کی رسومات کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا اسی طرح جاہلیت میں رائج روایات کو ختم کیا۔

کتاب سیرۃ النبویہ کے مؤلف ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں پیغمبر اسلامؐ ۱۳ ذوالحجہ کو رمی جمرات کرنے کے بعد مکہ تشریف لے گئے۔ وہاں رات کے وقت طواف وداع فرمایا پھر مدینے کیلئے روانہ ہوئے۔ راستے میں آپؐ مکہ اور مدینہ کے درمیان خم نامی جگہ پر پہنچے جو جحفہ سے ۳ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

غدیر خم

غدیر ''غ،د،ی،ر'' پہلے پر فتحہ دوسرے پر کسرہ، بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے یہ مادہ ''غادرت'' سے لیا گیا ہے جو کسی جگہ یا چیز چھوڑنے کو کہتے ہیں یعنی ایسی گودی جہاں پانی جمع ہونے کے بعد ناپید ہو جائے اور جگہ خالی ہو جائے۔

خم

مرغیوں کا ڈربے صاف کرنا، مرغیوں کے انڈے دینے اور چوزے نکالنے کیلئے بنا ہوا بانس کا ڈربا، "اخمم البیت او بئر": گھر یا کنواں صاف کرنا، "تخمم ماعلی الخوان": دسترخوان کے بچے ہوئے ٹکڑے وغیرہ کھانا بعض نے کہا ہے کہ یہ مادہ الخمة سے ہے یعنی جھاڑو کرنا، ان کلمات سے مرکب ایک جگہ کا نام غدیر خم ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے بعض نے کہا ہے یہاں کلاب بن مرہ کا ایک کنواں تھا۔

پیغمبرؐ نے اس مقام پر لوگوں کو روک کر خطبہ دیا جس میں علیؑ بن ابی طالب کی فضیلت بیان کرنے کے بعد آپؐ کی شان میں یہ کلمات ارشاد فرمائے: "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ و عاد من اعداہ"

السیرۃ النبویہ ندوی اور سیرت ابن کثیر ج ۴ میں احمد نسائی سے نقل کرتے ہوئے سوال اٹھاتے ہیں پیغمبرؐ کا لوگوں کو خم کے مقام پر روک کر خطبہ دینے اور فضائل علی بن ابی طالبؑ سے متعلق کلمات ارشاد فرمانے کے کیا اسباب و وجوہات تھے؟ ابن کثیر کہتے ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ علیؑ یمن سے مکہ آئے تھے اور آپؐ کے یمن میں قیام کے دوران بعض لوگوں نے پیغمبرؐ کی خدمت میں علیؑ کی شکایت کی تھی چنانچہ ان شکایات کو رفع کرنے کیلئے آپؐ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

اس کے مدمقابل شیعہ مفسرین و مورخین اور محدثین کا کہنا ہے پیغمبرؐ نے ایک خاص حکمِ الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے ہنگامی حالات میں اپنے بعد جانشین کے طور پر علیؑ کو منتخب کرنے کا اعلان فرمانے کیلئے اس مقام پر اجتماع کو روکا تھا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان دو نظریات میں سے کس کا نظریہ قرائن و شواہد سے نزدیک ہے اور کس کی بات دلیل و منطق پر مبنی ہے یا دونوں نے اپنے اپنے تو ان و بساط میں رہتے ہوئے اپنے فرقے کی خدمت کی ہے فرقہ والوں کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اُن کا فرقہ پر بڑا احسان ہے گرچہ اس میں اسلام کا خیال نہیں رکھا گیا۔

واقعہ غدیر کے بارے میں علامہ فضل بن روزبہان کے کلمات علامہ محمد مظفر نے اپنی کتاب دلائل صدق ج ۲ میں نقل کیے ہیں کہ روز غدیر کے بارے میں خود رسول اللہؐ سے نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے علیؑ کا ہاتھ تھام کر فرمایا: [الست ...... الخ] یہ حدیث صحاح میں درج ہے اس لئے ہم نے بھی اپنی کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الامۃ میں لکھی ہے جس کے تحت حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر رسول اللہؐ غدیر خم کے مقام پر پہنچے جہاں سے حاجیوں کا راستہ ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے جب آپؐ نے یہاں لوگوں کو جمع کر کے خطاب کیا تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ پیغمبرؐ خود کو لقاء رب کے قریب دیکھ رہے تھے جس کے باعث آپ نے فرمایا میری آپ لوگوں سے پھر ملاقات نہیں ہوگی لہٰذا چاہتا ہوں کہ اہل عرب کو اپنے اہل بیتؑ کے بارے میں سفارش کروں کیونکہ علیؑ خاندان بنی

ہاشم میں سب سے اعلیٰ مقام کے حامل تھے لہٰذا پیغمبرؐ نے ان کے فضائل ومناقب بیان فرمائے لیکن اگر نبیؐ کے اس فرمان سے علیؑ کی خلافت کا ہلکا سا بھی تصور بنتا تو تمام مخالفین عرب اور دعویدارانِ نبوت اسی کو بنیاد بنا کر خلفاء کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔

محققین، علماء اور شیعہ واقعہ غدیر کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں مائدہ ۳، ۶۷ اور معارج ۱ تا ۳ سے استدلال کرتے ہیں، اس سلسلے میں ہم اس صدی کے محقق و مجتہد اور نابغہ روزگار مفسر کبیر آیت اللہ طباطبائی کی تفسیر المیزان سے ان تین آیات کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔

۱۔ آیہ بلغ اور صاحب المیزان آیت اللہ طباطبائی

آیت بلغ کی تفسیر کے سلسلے میں آیت اللہ طباطبائی فرماتے ہیں کہ یہ آیت اپنے ماقبل اور مابعد آیات سے مربوط نہیں ہے کیونکہ یہ آیات اہل کتاب کے بارے میں ہیں بلکہ یہ آیت اس جگہ منفرد نظر آتی ہے اس آیت کا سیاق وسباق اپنے ماقبل اور مابعد سے نہیں بنتا ہے اس آیت میں یہ بات انتہائی اہمیت اور خطرے کے اعلان کی حامل نظر آتی ہے۔

۱۔ اگر پیغمبرؐ اس پیغام کی تبلیغ نہیں کریں گے تو رسالت کالعدم ہو جائے گی۔

آیت اللہ طباطبائی آیہ بلغ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں دو مطالب ہیں:

الف۔ تہدید آمیز لہجہ یعنی اگر آپ نے تبلیغ نہ کی تو رسالت کالعدم ہو جائے گی۔

ب۔ تبلیغ کرنے کی صورت میں آپ کیلئے کوئی خطرہ پیش نہیں آئے گا اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔

اس آیت پر غور وفکر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ آیت کا سیاق وسباق اہل کتاب کے بارے میں ہے کیونکہ وہ خدا کی حرمتوں کی ہتک حرمت اور آیات خدا سے انکار کرتے تھے یہاں ان کے افعال کی مذمت کی گئی ہے:

﴿ولو انهم اقاموا التورٰة......﴾ ﴿یا اهل الکتاب لست علی شیء......﴾ اگر یہ آیت اپنے ماسبق سے متعلق ہے تو یہاں اہل کتاب کا ذکر ہے۔ پیغمبرؐ کو حکم ہوا کہ جو کچھ آپ پر وحی نازل ہوئی ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیں۔ تہدید یا تو پیغمبرؐ کی جان سے مربوط ہو سکتی ہے یا پھر دین کے متعلق ہو سکتی ہے لیکن یہ آیت اپنے ماسبق و مابعد سے مطابقت نہیں رکھتی ہے کیونکہ جس وقت یہود طاقت وقدرت میں تھے پیغمبرؐ نے نہ صرف تبلیغ کو جاری رکھا بلکہ احکام اسلام تند و تیز لہجے میں بیان کئے جیسے توحید، کفار کا خاتمہ اور مختلف احکامات لیکن اس میں آپ کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا اس لئے تحفظ کی یقین دہانی کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی اب جبکہ یہودیوں کی تمام شان وشوکت ختم ہو چکی تھی، فتنے کی آگ بجھ چکی تھی مسلمانوں کا غیظ وغضب ان پر حاوی تھا، بہت سے یہود ونصاریٰ مسلمان ہو چکے تھے یا جزیہ دینے پر مجبور ہو چکے تھے لہٰذا ان سے کوئی خوف لاحق نہیں تھا اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آیت اپنے ماسبق اور مابعد سے کوئی ربط رکھتی ہے بلکہ آیت اپنی جگہ ایک منفرد نوعیت کے ساتھ خاص حکم رکھتی ہے، جس کو پیغمبرؐ بتانے سے ڈر رہے تھے اور ہمیشہ مناسب وقت کی تلاش کی وجہ سے اس میں تاخیر کر رہے تھے۔ اگر پیغمبرؐ اس میں تاخیر نہیں کر رہے تھے تو خدا کی تہدید کا کوئی معنی نہیں بنتا ہے تا ہم پیغمبرؐ کو اپنی ذات کے متعلق کوئی خطرہ نہیں تھا۔ آپؐ خدا کی راہ میں

جان دینے سے خوف زدہ نہیں تھے اور نہ جان دینے کیلئے کسی قسم کا بخل کر رہے تھے اسی طرح دین کے بارے میں ہر قسم کی سستی وکوتاہی آپ ؐ کی سیرت طیبہ سے مطابقت نہیں رکھتی لہٰذا آپ اپنی جان کے بارے میں نہیں ڈر رہے تھے بلکہ دین کے بارے میں ڈر رہے تھے درج ذیل آیات اس بات کی شاہد ہیں:

﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهُ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ☆ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيبًا﴾ "نبی کیلئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جو اللہ نے اس کیلئے مقرر کیا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں ان کیلئے بھی اللہ کی سنت یہی رہی ہے اور اللہ کا حکم حقیقی انداز سے طے شدہ ہوتا ہے جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور محاسبے کیلئے اللہ ہی کافی ہے" (احزاب ۳۸،۳۹) ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ "جب کچھ لوگوں نے ان سے کہا: لوگ تمہارے خلاف جمع ہوئے ہیں پس ان سے ڈرو تو ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوا اور کہنے لگے: ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے" (آل عمران ۱۷۳) ﴿إِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ "یہ شیطان ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے لہٰذا اگر تم مومن ہو تو ان لوگوں سے نہیں مجھ سے ڈرو" (آل عمران ۱۷۵)

لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ پیغمبرؐ اپنے نفس کیلئے خوف زدہ تھے کہ کہیں آپ ؐ کو قتل نہ کردیا جائے گا پیغمبرؐ ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ؐ کی تبلیغ پر تہمت لگائی جائے اور آپ ؐ کی تبلیغ کا اثر ختم ہو جائے اور آپ ؐ اپنے مقصد میں ناکام ہو جاتے، اس حوالے سے پیغمبرؐ کا تبلیغ میں تاخیر کرنا اپنی صوابدید پر جائز تھا۔

آیت اللہ طباطبائی لکھتے ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ آیت نہ تو بعثت کے بارے میں ہے جیسا کہ بعض کہتے ہیں اور نہ اصل دین کے بارے میں بلکہ خاص حکم کا حامل ہے۔

۲۔ انتہائی اہمیت کے حامل امر کی تبلیغ کا حکم ہوا جس کے اعلان سے پیغمبرؐ کے نفس کو خطرہ لاحق تھا۔

آیہ مبارکہ ﴿یاایھاالرسول بلغ ما......﴾ کے متعلق آیت اللہ طباطبائی نے چند احتمالات بیان کئے ہیں۔

الف۔ بعثت کی ابتداء سے مربوط ہے اور اصول دین مراد ہے۔

ب۔ بعد از حجۃ الوداع پورا دین مراد ہے۔

ج۔ دین کا وہ حصہ جس پر عمل ہونے سے دین کا پورا ڈھانچہ قائم ہو جاتا ہے اور اس کے شامل نہ ہونے سے پورا دین معطل رہ جاتا ہے، یہ آیت ایک ایسے جزء کی طرف اشارہ کرتی ہے جس پر اگر پیغمبرؐ اشارہ نہ کرتے تو پوری رسالت کالعدم ہوتی لہٰذا دین وشریعت کے محافظ وپاسدار کا بندوبست کرنا تھا لیکن پیغمبرؐ اس جزء پر عمل درآمد کرنے میں تاخیر کر رہے تھے کیونکہ آپ کو قوم کے قبول نہ کرنے کا خوف تھا دوسری جانب خداوند متعال

نے سخت لہجے میں تہدید کی ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ﴾ "اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا" (مائدہ آیت ۶۷)

"آیت اللہ طباطبائی اپنی تفسیر کی جلد ۶ میں اپنے مدعیٰ اور ماحصل نتائج کی تائید میں متعدد روایات نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں جس نکتے کو ہم نے کشف کیا ہے اس کی تائید شیعہ سنی دونوں کی کتابوں میں موجود روایات میں ہیں ان روایات میں آیا ہے کہ خداوند عالم نے پیغمبرؐ کو امر کیا کہ اس حکم کو پہنچا دیں اور کیونکہ آیت ولایت علیؑ کے حق میں تھی اس لئے آپؐ کو علیؑ کی طرفداری کرنے کی تہمت کا ڈر تھا لہٰذا آپؐ نے پیغام پہنچانے میں دیر کی یہاں تک کہ غدیر خم میں یہ پیغام پہنچا دیا۔ ولایت امرامت ہے جس سے دین کبھی بے نیاز نہیں ہوسکتا اور اس میں جائے شک نہیں کہ یہ دین اپنی وسعت اور آفاقی ہونے کے حوالے سے ہر جگہ اور زمانے کیلئے بنیادی معارف، اصول اور احکام رکھتا ہے جن سے تمام انسانوں کی حرکات وسکنات کو اعتدال میں رہتے ہیں چاہے اجتماعی مسئلہ ہو یا انفرادی یہ دین حافظ و نگہبان کا محتاج ہے آیا امت اسلامی دیگر اقوام وملل سے اس سلسلے میں بے نیاز ہے؟ کیا اس کیلئے والی، مدبر و مجری نہیں ہونا چاہیے وہ پیغمبرؐ جو معمولی سفر پر جانے کیلئے بھی اپنی جگہ جانشین مقرر فرماتے تھے کیسے ممکن ہے کہ ابدی و دائمی سفر پر جانے سے قبل اپنا جانشین مقرر نہ کریں۔

آیت اللہ طباطبائی نے تفسیر المیزان ج ۶ میں اس آیت کریمہ ﴿بَلِّغْ﴾ کی دقیق وعمیق اور ریاضیاتی طریقے سے تفسیر کرنے اور آیت کے مرام ومقصود کو استنباط واستخراج کرنے کیلئے بہت توانائیاں خرچ کی ہیں۔ آپ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل ملاحظات کو آیت کریمہ کے بارے میں ثبت کرتے ہیں:

۱۔ آیت کے سیاق وسباق سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آیت ابتدائی دور بعثت میں نازل نہیں ہوئی اگر ایسا ہوتا تو ابلاغ رسالت سے مراد اصول دین یا تمام امور دین ہوتے لیکن ایسا نہیں۔

۲۔ بعثت کے بعد بھی اس آیت سے مراد نہ کل دین ہے نہ ہی اصول دین (توحید، رسالت و معاد) ورنہ یہ کلمہ ﴿وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ﴾ لغو ہو جائے گا کیونکہ پیغمبرؐ تبلیغ میں کسی قسم کی کوتاہی اور سستی نہیں کر رہے تھے۔

۳۔ آیت ایک خاص حکم کی حامل تھی جس کو پہنچانے میں پیغمبرؐ کو خطرہ لاحق تھا۔

۴۔ اگر حکم نہیں پہنچایا گیا تو اس سے ظاہر ہوگا کہ آپؐ نے دراصل کوئی کار تبلیغ انجام ہی نہیں دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تبلیغ کا کون سا مسئلہ تھا؟ اس حکم کی دو طرح سے تفسیر ہوسکتی ہے:

الف۔ دین اسلام، تسبیح کے دانوں کی مانند ایک منظم و مرتب نظام ہے اگر تسبیح ٹوٹ جائے اور اس کے دانے بکھر جائے

تو وہ کسی کام کی نہیں رہتی بالکل اسی طرح دین وشریعت کے کسی ایک جزو کا انکار کرنا سب کا انکار کرنے کے مترادف ہے کیونکہ یہ ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

لیکن یہ احتمال آیت کے دوسرے جملے کے تحت اپنی جگہ ناقص ومخدوش ہے کیونکہ دوسرے جملے میں خدا پیغمبرؐ سے فرمارہا ہے کہ ہم اس سلسلے میں آپ کو لوگوں کے شر سے بچائیں گے یعنی لوگ اس حکم کے بارے میں آپ کو اذیت پہنچانا چاہیں گے اور اس کی مخالفت پر اتر آئیں گے تا کہ آپ کو اس سے دستبردار ہونے پر مجبور کیا جاسکے اور یہ تاثر پھیلانے کی کوشش کریں گے کہ اس حکم پر ہرگز عمل نہیں ہوگا۔ پیغمبرؐ کو حکم کے ابلاغ میں خطرے کا خدشہ تھا لہٰذا خداوند متعال نے پیغمبرؐ کو لاحق خدشات دور کرنے کی ضمانت دی۔

ب۔ اگر ہم پورے دین وشریعت کے اصول وفروع کو ایک جگہ جمع کر کے ہر ایک کا تجزیہ کریں تو ہمیں دین کے مسئلے میں دو ہی چیزیں نظر آتی ہیں، ایک دین کا ستون اور دوسرا معمولی مستحبات چنانچہ چاند کی رویت پر دعا پڑھنے اور توحید کے اقرار میں بہت فرق ہے اسی طرح ایک شادی شدہ عورت سے زنا کرنے اور ایک نامحرم عورت کی طرف دیکھنے کے گناہ میں واضح فرق ہے لہٰذا آپ کو ماننا پڑے گا کہ احکام کلی طور پر دو حصوں میں منقسم ہوتے ہیں ایک حکم کی حیثیت اور دوسرا اس کا مقام اور ان دونوں کو نظر انداز کرنا احکام کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے جس کے بعد اس دین کی مثال اس جسم کی سی ہوگی جس سے روح نکال لی گئی ہو، آیت بلغ میں بھی بالکل ایسا ہی حکم ہوا ہے، جس کی تبلیغ نہ کرنے سے تمام احکام بے روح جسد کی مانند ہونے کا خطرہ ہے جس کے نتیجے میں پیغمبرؐ کا لایا ہوا دین نابود ہو جاتا لیکن پیغمبرؐ ان احکام کو پہنچانے میں لوگوں سے خوفزدہ بھی تھے، آپ کو خدشہ تھا کہ لوگ آپ کی مخالفت کریں گے، یہی وجہ ہے کہ آپ اس کام میں تاخیر کر کے مناسب موقع ومحل کے انتظار میں تھے لہٰذا آپؐ سے واضح طور پر کہا گیا اب آپؐ اس کام میں مزید دیر نہ کریں اور اس سلسلے میں آپ کو جو خطرہ لاحق ہے، ہم اس سے آپ کی حفاظت کریں گے"۔

روایات

ا۔ تفسیر عیاشی میں ابی صالح نے ابن عباس اور جابر بن عبداللہ انصاری سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت اتری تو پیغمبرؐ نے کھڑے ہو کر غدیر خم میں علیؑ کی ولایت کا اعلان کیا۔

۲۔ حنان بن سدیر نے اپنے والد سے اور انہوں نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ جب جبرائیلؑ حجۃ الوداع کے موقع پر علیؑ کی شان میں یہ آیت لے کر نازل ہوئے تو پیغمبرؐ نے تین دن تک انتظار کیا یہاں تک کہ لوگوں کی تہمت کے ڈر سے علیؑ کا ہاتھ نہیں پکڑا، جب جحفہ کی "مہیعہ" نامی جگہ پر پہنچے تو لوگوں کو نماز کیلئے جمع کیا اور پوچھا تمہاری جانوں پر کون سب سے زیادہ ولایت رکھتا ہے، لوگوں نے جواب دیا "خدا اور اس کے رسولؐ "، پیغمبرؐ نے یہی سوال تین دفعہ دہرایا اور

لوگوں نے بھی یہی جواب دیا تب آپؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

" من كنت مولاه فهذا فعلي مولاه، اللهم وال من والاه وعاد من عاداه، وانصر من نصره، وخذل من خذله، فانه مني و انا منه، وهو مني بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبي بعدي "

۳۔ یہ واقعہ ابی جارود نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے۔

۴۔ بصائر میں فضیل بن یسار نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے آپؑ نے فرمایا کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

صاحب المیزان فرماتے ہیں اس آیت کے ولایت علیؑ سے مربوط ہونے کے سلسلے میں کلینی نے ابی جارود کا حوالہ دے کر امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے، شیخ صدوق نے محمد فیض بن مختار سے، انہوں نے اپنے والد اور انہوں نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے جبکہ عیاشی نے ابی جارود سے نقل کیا ہے۔

۵۔ تفسیر برہان میں ابراہیم ثقفی نے ابی سعید خدری، بریدہ اسلمی اور محمد بن علی سے نقل کیا ہے۔

۲۔ آیہ غدیر ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ کی روشنی میں

علماء شیعہ نے پیغمبر اسلامؐ کی غدیر خم کے اعلان کو اعلان ولایت گردانے کے بارے میں جن آیات سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک سورہ مبارکہ مائدہ آیت ۳ بھی شامل ہے صاحب المیزان اس آیت کریمہ (مائدہ ۳) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ﴾ اور آیت ﴿اليوم يئس الذين كفروا من دينكم﴾ دونوں ایک ہی مقصد کی طرف توجہ دلاتی ہیں چنانچہ دونوں آیات میں آیا ہے کہ دین کی خداوند متعال نے تکمیل کر دی ہے اور نعمت کو اتمام تک پہنچایا ہے دونوں آیات کی حقیقت ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کے بارے میں طمع رکھتے تھے اور مومنین ان سے ڈرتے تھے لہٰذا خداوند عالم نے کافرین کو مایوس کیا اور مومنین کو ان سے ڈرنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے صرف خدا سے ڈرو اگر خدا سے نہیں ڈرو گے تو یہ دین تم سے چھینا جائے گا اور نعمت بھی چھینی جائے گی، نعمت اور دین کا تمہارے درمیان سے جانے کا ایک ہی سبب ہے اور وہ کفر ہے لہٰذا کفر اختیار کرنے سے ڈرو:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ "ایسا اس لئے ہوا کہ اللہ جو نعمت کسی قوم کو عنایت فرماتا ہے اس وقت تک اسے نہیں بدلتا جب تک وہ خود اسے نہیں بدلتے اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے" (انفال ۵۳) ﴿وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ "اور جو شخص اللہ کی نعمت پانے کے بعد اسے بدل ڈالے تو اللہ یقیناً سخت عذاب دینے والا ہے" (بقرہ ۲۱۱)

آیت اللہ طباطبائی نے پہلی آیت کے چند احتمالات پیش کرنے کے بعد ان میں سے ایک کا انتخاب کیا ہے:

۱۔ "اکمال دین اور اتمام نعمت بعثت کا دن ہے۔"

آیت اللہ فرماتے ہیں: بعثت کے دن کفار طمع کر رہے ہوں اور مسلمان ان سے ڈر رہے ہوں یہ احتمال درست نہیں۔

۲۔ "یہ فتح مکہ کا دن ہے کہتے ہیں جس دن خدا نے مشرکین کے مکر و فریب اور شان و شوکت کا خاتمہ کر دیا اور ان کے

بتوں کو توڑ ڈالا توان کی امیدیں دم توڑ گئیں۔"

آیت اللہ فرماتے ہیں: یہ فتح کا مکہ کا دن بھی نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ بہت سے فرائض اور حلال وحرام آٹھویں ہجری کے بعد بیان ہوئے ہیں،اس کے علاوہ کافرین سے مراد مشرکینِ عرب ہیں تو مشرکین عرب مسلمانوں کے دین سے مایوس نہیں ہوئے تھے اور بہت سے عہدوپیمان مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان باقی تھے،مشرکین اس وقت بھی پرانے طریقے پر حج کرتے تھے یعنی عورتیں برہنہ حج کرتی تھیں۔

۳۔"یوم سے مراد نزولِ سورۂ برأت ہے کیونکہ اس وقت دین اسلام پورے جزیرۃ العرب پر چھاچکا تھا،مشرکین کے آثار مٹ چکے تھے جس کے بعد مسلمانوں نے مناسک حج میں کسی مشرک کو نہیں دیکھا اور امن وامان سے حج کا فریضہ ادا کیا۔"

آیت اللہ فرماتے ہیں یہ بھی صحیح نہیں ہے گرچہ مشرکین اسلام سے مایوس ہوئے اور جزیرۃ العرب سے شرک کے آثار مٹ چکے تھے لیکن ابھی تک دین تکمیل کو نہیں پہنچا تھا بہت سے احکام خود اسی سورۂ مائدہ میں نازل ہوئے ہیں جبکہ سورہ مائدہ سورۂ برأت کے بعد نازل ہوئی،اس سے پتہ چلتا ہے کہ کفار کی مایوسی، تکمیل دین اور اتمام نعمت کا دن ہے جس دن یہ سورۂ مائدہ نازل ہوئی۔

۴۔یوم سے مراد یوم عرفہ ہے جیسا کہ بہت سے مفسرین نے نقل کیا ہے اور روایات میں بھی آیا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کونسے کافرین مسلمانوں کے دین سے مایوس ہوئے؟

آیا اس سے مراد قریش کے کافرین ہیں جو کہ فتح مکہ کے موقع پر یعنی ۸ھ کو مسلمانوں سے مایوس ہوئے تھے،اگر تمام مشرکینِ عرب مایوس ہوئے تو وہ یقیناً نویں ہجری کو مایوس ہوئے ہوں گے اور اگر یہ کہا جائے کہ تمام کفار اور یہود ومجوس سب مایوس ہوئے تھے تو یہ ﴿الـذین کـفـروا﴾ سے ملتی ہے اس حوالے سے اس وقت تک کافرین مسلمانوں کے غلبہ سے مایوس نہیں ہوئے تھے جیسا کہ جزیرۃ العرب سے باہر کے کفار مایوس نہیں تھے۔

آیۂ ﴿اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ......﴾ کی شان نزول کے بارے میں صاحب المیزان کا نظریہ

۱۔صاحب المیزان اپنی تفسیر جلد ۵ میں اس آیت کریمہ کی شان نزول کے متعلق کتاب غایۃ المرام میں ابی مؤید موفق بن احمد سے نقل کرتے ہیں انھوں نے ابی سعید خدری سے نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے غدیر خم کے ایک درخت کے نیچے جھاڑو دینے کا حکم دیا اور علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اتنا بلند کیا یہاں تک کہ آپ کی بغل کی سفیدی لوگوں نے دیکھی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

۲۔صاحب المیزان نے مناقب فاخرہ تالیف سید رضیؒ اور انہوں نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے پیغمبر اسلام نے حجۃ الوداع سے واپسی پر "حضوجان" نامی جگہ پر قیام فرمایا اتنے میں آیت ﴿بـلـغ﴾ نازل ہوئی آپؐ نے کھڑے ہوکر لوگوں کو جمع کیا اور ان سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تمہاری جانوں پر کون اولیٰ ہے تو لوگوں نے جواب دیا کہ خدا اور اس کے رسول جس پر آپؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ......"[۳] اسی وقت آیت ﴿اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ......﴾ بھی نازل ہوئی۔

۳۔کتاب مناقب میں ابن مغازلی نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ غدیر کے دن اگر کسی نے روزہ رکھا تو اس کیلئے ساٹھ مہینے کے روزے کا ثواب ملے گا اس دن پیغمبرؐ نے علیؑ کیلئے بیعت لی اور فرمایا: "من کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ....." پھر عمرؓ نے اٹھ کر "بخ بخ" کہا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

۴۔علامہ طباطبائی فرماتے ہیں کہ یہ دو حدیثیں در منثور میں ابی سعید اور ابی ہریرہ دونوں سے نقل ہوئی ہیں اور دونوں کی اسناد کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن یہی روایت دوسرے ذرائع جیسے عمرؓ بن خطاب، علی بن ابی طالبؑ، معاویہ اور سمرہ سے بھی نقل ہوئی ہے، صاحب در منثور کہتے ہیں کہ صرف اس حدیث پر اعتماد کیا جا سکتا ہے جسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن منذر، ابن حبان اور بیہقی غرض سب نے ابن عباسؓ یا عمرؓ بن خطاب سے نقل کیا ہے علامہ طباطبائی فرماتے ہیں کہ صاحب در منثور کو ان دو احادیث کو ضعیف گرداننے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ ہم نے واضح کیا ہے کہ آیت کے معنی و مفاہیم ہر حوالے سے انہی روایتوں سے ہی موافقت رکھتے ہیں اس کی تائید کے بارے میں ہمارے پاس وہ بیس (۲۰) حادیث ہیں جنہیں شیعہ سنی دونوں سے نقل کیا ہیں اور جو ولایت کے بارے میں ہیں لہٰذا یہ آیت غدیر کے بارے میں اتری ہے۔

ہماری گذارشات

آیت غدیر سے مربوط اہم بیانات ذکر کرنے کے بعد یہاں ہم ان بیانات کے داعیوں سے درج ذیل استفسار و وضاحت طلب کرتے ہیں:

۱۔پہلے دو احتمالات کو مسترد کر کے تیسرے احتمال کو قبول کرنا نص ہے، ظاہر ہے یا احتمال ہے؟

۲۔خدا اور رسولؐ دونوں کے اصرار کے بعد محافظ و پاسدار شریعت کا اعلان ہونے کے بعد آیا مطلوبہ مقصد حاصل ہوا یا نہیں؟ اگر مطلوبہ مقصد حاصل نہیں ہو سکا تو خدا کی طرف سے اس بارے میں اصرار کرنے کا کیا معنی ہے؟

۳۔فرض کریں کہ فوری طور پر مطلوبہ مقصد بھی حاصل ہو گیا یعنی امیر المومنینؑ نے دین و شریعت کی پاسداری کی اور اسے معطل ہونے سے بچایا لیکن کیا دوسرے آئمہؑ بھی دین و شریعت کے نفاذ پر پوری طرح اسی انداز میں عمل کر سکے؟

۴۔بعض کے مطابق آئمہ اطہارؑ شروع سے ہی دین و شریعت کے محافظ و پاسدار تھے لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ سے امام مہدیؑ تک آئمہ کی جانب سے دین و شریعت کی محافظت و پاسداری کی داستان و کاوشوں کے بارے میں تاریخی صفحات کہاں اور کتنے ہیں؟

۵۔اگر تمام آئمہ طاہرینؑ نے شریعت کی پاسداری کی ہے اور ۲۶۰ھ کے بعد سے اب تک دین و شریعت اپنی اصل شکل و صورت میں معاشرے میں موجود ہے تو کیا موجودہ دور کے اسلامی ممالک کے حکومتی اداروں، دفاتر اور محکموں اور عوام کی گھریلو زندگی میں وہی رائج نظام ہے جس کے تحفظ کا بندوبست اس دن ہوا تھا۔

ان تمام احتمالات کو سامنے رکھ کر سوال کرنے والوں کو دشمن اہل بیتؑ اور دشمن علیؑ قرار دے کر اس اعلان کو نامزدگی نص کہنا اور

نص ثابت کرنے کی کوشش کسی اندھے کو بصیر کہنے کے مترادف ہے۔ہاں اگر واقعہ غدیر کے ذریعے یہ کہا جائے کہ اس واقعے میں جب پیغمبرؐ نے اپنے بعد نظام خلافت اور دین وشریعت کی محافظت کیلئے جس امین، بے لوث اور بے داغ افراد کے انتخاب کی رہنمائی کی تو وہیں پیغمبرؐ نے علیؑ کو اسکے مصداق جلی کے طور پر پیش کیا۔یہ بات اسلام کے اصول کے عین مطابق ہے کیونکہ خدا اپنی طرف سے بشر کی ہدایت کے بارے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا اور یہ بات اپنی جگہ درست بھی ہے۔

۶۔بعض علماء کا کہنا ہے کہ پیغمبرؐ اس حکم کو پہنچانے میں خوف محسوس کر رہے تھے لیکن خدا نے اس پر عمل درآمد کرنے پر مصیبت سے دور رکھنے کی ضمانت دی۔اگر یہ احتمال درست ہے تو کیونکر پیغمبرؐ نے جب بستر موت پر قلم و دوات طلب کی تو فلاں فلاں نے انھیں روکا اور متعلقہ چیزیں نہ دی گئیں تو یہاں اس تحفظ من الناس کی ضمانت کا کیا بنا؟

۷۔بعض یہاں تک کہتے ہیں کہ دنیا مانے یا نہ مانے اس سے خدا یا آئمہؑ کو کوئی فرق نہیں پڑے گا یہ بات عوام کے علاوہ بہت سے علماء کی بھی منطق ہے جس پر انھیں ناز بھی ہے لیکن اس جملے کا تجزیہ وتحلیل کریں تو اس کے چند فریق بنتے ہیں:

☆ **خود خدا:** خدا کی شریعت پر لوگوں کے عمل کرنے یا نہ کرنے سے خدا پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

☆ **نبی کریمؐ:** خود نبی کریمؐ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ امت ان کی باتوں کو مانے یا نہ مانے۔

☆ **آئمہ طاہرینؑ:** آئمہ طاہرینؑ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ امت ان کی قیادت ورہبری کو تسلیم کرے یا نہ کرے۔

☆ **دین پر:** امت کی طرف سے دین کے قبول کرنے یا مسترد کرنے سے دین پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

☆ **امت پر:** امت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ ان پر یہ ذوات امام ورہبر بنیں یا نہ بنیں۔

☆ خود اس شخص پر جو دعوائے شیعہ یا اہل بیتؑ کو ماننے کا دعویدار ہے اس پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

☆ **دنیائے کفر وشرک پر:** دنیائے کفر وشرک پر اس کا ضرور اثر اور فرق پڑے گا کیونکہ وہ اسلام کی فرسودگی، بوسیدگی اور معطلی سے خوش ہوتے ہیں یا انھیں شریعت کے نفاذ ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ ان کا اس پر ایمان نہیں۔

آپ کو بھی یہ واضح کرنا ہوگا کہ آپ اپنے موقف کو کس گروہ کے ساتھ منسلک کرتے ہیں۔

۳۔اعلانِ ولایت علیؑ اور نزول عذاب

اعلان غدیر کو اعلان امامت علیؑ کے نص ثابت کرنے کیلئے بعض علماء اعلام نے سورہ معارج کی پہلی تین آیات سے استدلال کیا ہے۔

سورۂ معارج کی شان نزول کو ولایت امیر المومنین علیؑ سے مربوط کرنا

اسلام اور اہل بیتؑ سے دشمنی رکھنے والوں کی بڑی تعداد دور آئمہؑ سے لیکر عصر حاضر تک مستشرقین کی صورت میں موجود ہیں جن کی ایک مذموم اور بے مقصد کوشش یہ رہی ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی واقع میں کوئی مشابہت نظر آئے اس سے متعلق ایک قصہ گھڑ لیا جائے۔اس سے ان کا مقصد مسلمانوں میں انتشار وافتراق پھیلانے کے ساتھ ساتھ اہل بیتؑ کو ان کے حقیقی مقام سے دور رکھنا ہے

انھوں نے لوگوں کیلئے قرآن واہل بیتؑ کو نا قابل فہم بنانے کی سرتوڑ کوشش کی ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے بعض مترجمین اور مفسرین نے ان گھڑے ہوئے قصوں کو من وعن اپنی تفاسیر اور تراجم کے حواشی میں نقل کیا ہے تا کہ یہ ثابت کر سکیں کہ ہم اہل بیتؑ کے حقیقی چاہنے والے ہیں، اسی سلسلے کی ایک کڑی سورہ معارج کی شان نزول سے متعلق گھڑے گئے قصہ کو بیان کرنا ہے، جسے ان علمائے اعلام نے فریقین کی کئی کتب کا حوالہ دے کر صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کتب میں یہ قصہ یوں نقل ہوا ہے:

"جب غدیر خم کے موقع پر جب پیغمبر اسلامؐ نے علیؑ کی ولایت کا اعلان کیا تو حارث بن نعمان فہری نے کہا اگر محمدؐ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ صحیح ہے تو میری دعا ہے خدا میرے اوپر آسمان سے پتھر برسائے چنانچہ اسی دوران آسمان سے پتھر برسا جو اس کے سر پر لگا اور وہ وہیں ہلاک ہو گیا، جس کے بعد سورہ معارج نازل ہوئی۔"

ذی شعور اور اہل فکر قارئین سے گزارش ہے کہ وہ پہلے مرحلہ میں اس واقعہ کو سامنے رکھتے ہوئے سورۂ معارج کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اس واقعہ کو سورہ کی کونسی آیت سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ علمائے اعلام اور مفسرین نے فہم قرآن کیلئے آیات کی شان نزول یا بقول بعض کے تاریخ نزول کا علم ہونے کو ضروری قرار دیا ہے کیونکہ شان نزول کے پس منظر میں آیت آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے یعنی شان نزول آیت کی تفسیر و تشریح میں معاون و مددگار ہے لیکن ان حضرات نے خود شان نزول کو آیت بنا کر پیش کیا ہے جبکہ اس شان نزول اور آیت میں دور کا بھی واسطہ نہیں۔

۱۔ اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں تفسیر مجمع البیان سے نقل کرتے ہیں کہ ابو القاسم حسکانی نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے آپؐ نے خلافت کے منصب کیلئے علیؑ کے نام کا اعلان کرتے ہوئے یہ جملہ "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" فرمایا یہ خبر شہر شہر پھیل گئی جب نعمان بن حارث نے یہ خبر سنی تو اس نے پیغمبرؐ سے کہا کہ آپ نے ہمیں خدا کی وحدانیت، اپنی رسالت پر ایمان لانے، حج، زکوۃ، صوم و صلاۃ کیلئے کہا تو ہم نے قبول کیا لیکن آپ اس پر بھی راضی نہ ہوئے اور اب تو آپ نے علیؑ کی ولایت کا بھی اعلان کر دیا۔ یہ اعلان آپ کی طرف سے ہے یا خدا کی طرف سے؟ تو پیغمبرؐ نے فرمایا کہ یہ خدا کی طرف سے ہے نعمان بن حارث نے کہا خداوندا! اگر یہ اعلان تیری طرف سے نازل ہوا ہے اور حق ہے تو ہم پر پتھر برسا اس کی طرف سے یہ جملہ ادا ہوا ہی تھا کہ ایک پتھر اس پر آ گرا اور وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔

۲۔ علامہ طباطبائی "اقول" کہہ کر فرماتے ہیں کہ یہ روایت شیعہ طریقہ سے نقل نہیں ہوئی ہے بلکہ شیعہ علماء نے اس روایت کو اہل سنت کی جعلی کتب سے نقل کیا ہے کیونکہ خود سورہ معارج مکی ہے۔

۳۔ در منثور میں فاریابی، عبد بن حمید، نسائی، ابن ابی حاتم اور حاکم وغیرہ نے ابن عباس سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سوال کرنے والا نضر بن حارث تھا۔

۴۔ در منثور میں سدی نے اس آیت کی شان نزول میں لکھا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی اور سائل نضر بن حارث تھا اس نے کہا اگر یہ حق ہے تو خدا میرے اوپر عذاب نازل کرے۔

۵۔صاحب المیزان "قول" کہہ کر لکھتے ہیں بعض روایات میں آیا ہے کہ سوال کرنے والا حارث بن علقمہ تھا جس کا تعلق عبدالدار کے قبیلہ سے تھا جبکہ بعض دیگر نے کہا ہے کہ سائل ابوجہل بن ہشام تھا۔

۶۔صاحب المیزان فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ سورہ اس وقت نازل ہوئی جب کسی نے یہ جملہ کہا خداوندا! اگر یہ صحیح ہے تو میرے اوپر عذاب نازل کر۔

سورۂ معارج اور آیت اللہ طباطبائی

آیت اللہ طباطبائی تفسیر المیزان ج۶ میں تفسیر المنار کی جانب سے اس آیت کی شان نزول کے بارے میں اعتراض کو پیش کرتے ہیں کہ صاحب المنار نے ثعلبی سے نقل کیا ہے کہ جب پیغمبرؐ نے علیؑ کی ولایت کا اعلان فرمایا تو یہ خبر حارث بن نعمان فہری کو پہنچی وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر پیغمبرؐ کے پاس آیا اس وقت آپؐ اپنے اصحاب کے ساتھ ابطح میں تھے، حارث نے اونٹ کو باندھا اور پیغمبرؐ کے سامنے آ کر کہا آپ نے ہمیں خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کو کہا ہم نے قبول کیا، آپ نے ارکان اسلام بتائے ہم نے قبول کئے لیکن اس پر بھی آپ راضی نہ ہوئے اور اپنے ابن عم کو ہاتھ پکڑ کر ہمارا مولیٰ قرار دیا ہے آیا یہ آپ کی طرف سے ہے یا خدا کی طرف سے؟ پیغمبرؐ نے فرمایا خدا کی طرف سے ہے اس پر حارث اپنی سواری کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھا خداوندا اگر یہ تیری طرف سے ہے تو میرے اوپر پتھر برسا اتنے میں ایک پتھر آ کر اس کے سر پر لگا اور دبر سے نکل گیا اسی واقعہ کے ذیل میں سورہ معارج کی آیت نازل ہوئی ہے۔

۱۔صاحب المنار اس روایت کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ روایت جعلی ہے کیونکہ سورۂ معارج مکی ہے بعض کے مطابق یہ آیت قریش کے متعلق ہے جہاں انہوں نے کہا تھا کہ اگر یہ حق ہے تو ہم پر عذاب نازل ہو اس کا ذکر سورہ انفال میں ہوا ہے جو جنگ بدر کے بعد اور سورۂ مائدہ سے پہلے نازل ہوئی۔

۲۔کہتے ہیں کہ یہ باتیں حارث بن نعمان کی ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ مسلمان تھا بعد میں مرتد ہو گیا، اگر وہ مرتد ہو گیا تھا تو اسے اصحاب میں شمار نہیں کرتے علاوہ ازیں اصحاب پیغمبرؐ میں اس نام کا کوئی آدمی نہیں تھا۔

۳۔کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ابطح نامی جگہ پر پیش آیا ہے جو کہ مکہ میں ہے جبکہ پیغمبرؐ غدیر خم سے مکہ نہیں بلکہ مدینہ گئے علامہ طباطبائی صاحب المنار کے اشکال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ صاحب المنار نے سورہ کے مکی ہونے کے بارے میں ابن عباس اور ابن زبیر کی روایات پر اعتماد کیا ہے پھر کہتے ہیں کون ہے جو ان روایات کو دوسری روایات پر ترجیح دے دے اسی طرح اسے غلط ٹھہرانے کی کیا منطق ہے۔

۴۔علامہ طباطبائی نے اس سورے کی تفسیر کی تمہید میں لکھا ہے کہ یہ سورہ قیامت میں کافرین کو ملنے والے عذاب کو بیان کرنے کیلئے نازل ہوئی ہے، سورے کا آغاز اس انسان کے سوال سے ہوتا ہے جس نے دنیا میں ہی عذاب نازل ہونے کی درخواست کی لیکن خداوند عالم نے جواب دیا کہ یہ عذاب اپنے مقررہ وقت پر آئے گا اور جب یہ نازل ہو گا تو

اسے روکنےوالا کوئی نہیں ہوگا۔

۵۔علامہ طباطبائی فرماتے ہیں کہ اس سورے کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکی ہے کیونکہ یہ سورہ بعثت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔

وضاحت!

علامہ طباطبائی نے ان روایات کے بارے میں موجود شکوک وشبہات کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے جبکہ ایک بڑے محقق کیلئے اس قسم کے شکوک وشبہات کے بارے میں کم سے کم اپنی رائے بیان کرنا لازمی ہے اور صاحب المیز ان علامہ طباطبائی نے ذیل کے نکات پر کسی قسم کا تبصرہ نہیں کیا جس کی وجہ سے یہ بات مبہم رہ گئی ہے:

الف۔نعمان بن حارث پیغمبرؐ کے پاس کب اور کس مقام پر آیا۔

ب۔خدا کی وحدانیت پیغمبرؐ کی رسالت اور تمام فروع دین کوتسلیم کرنے کے بعد اس پر صرف علیؑ کی ولایت کیوں ناگوار گزری اس کی کیا منطق تھی۔

ج۔راوی نے روایت کو حسکانی سے اور بلاواسطہ امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے علامہ نے اس سقم کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا ہے یہاں چند اہم نکات ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ ان آیتوں کے شان نزول اور بعض سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں قرآنی علوم کے ماہرین اور مفسرین میں شدید اختلافات پایا جاتا ہے۔اہل سنت والجماعت کے اکثر و بیشتر علماء کا کہنا ہے کہ درج بالا آیات غدیر خم میں نہیں بلکہ مکہ میں نازل ہوئیں ہیں۔اسی طرح بہت سی دیگر آیات جو امیر المومنینؑ کی فضیلت یا اہلبیت کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں ان کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے ہمیں کسی آیت کے مکی یا مدنی ہونے کی کسوٹی کے بارے میں اپنا موقف واضح اور روشن کرنے کی ضرورت ہے اس سلسلے میں آیت اللہ شہید باقر الصدرؒ کی مبسوط بحث کتاب "مدرسہ قرآنیہ" میں ہے جہاں قرآن اور علوم قرآن سے متعلق آپ کے مقالات جمع ہیں۔اس کتاب میں آپ فرماتے ہیں کہ مفسرین نے قرآن کریم کو مکی اور مدنی آیات کی بنیاد پر دو حصوں میں تقسیم کیا ہے جس کے تحت بعض آیات کا مکی اور بعض کا مدنی ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔ کسی آیت کے مکی یا مدنی قرار دینے کی کیا کسوٹی ہونی چاہیے اس سلسلے میں آپ نے تین اصول بیان فرمائے ہیں:

الف۔پہلی کسوٹی سرحد زمانی:

مشہور ومعروف نظریہ کے مطابق جو سورہ یا آیت ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہو وہ مکی ہے جبکہ ہجرت کے بعد نازل ہونے والی سورہ یا آیت مدنی ہوگی۔یعنی مکی اور مدنی سورہ یا آیت کی سرحد زمانی رسول اللہؐ کی ہجرت پر منتج ہوتی ہے۔

ب۔دوسری کسوٹی سرحد مکانی:

ہر وہ آیت جو مکہ یا مدینہ میں نازل ہوئی ہو چاہے ہجرت سے قبل ہو یا بعد میں، جہاں نازل ہوئی ہو وہیں سے

منسوب ہوگی حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں جو آیت نازل ہوئی وہ ہجرت کے بعد کی ہے کیونکہ ایسی کوئی آیت ہجرت سے پہلے مدینہ میں نازل نہیں ہوئی۔

ج۔ تیسری کسوٹی مخاطب:

ہر وہ آیت جو اہل مدینہ سے مخاطب ہے وہ مدنی ہے اور وہ آیت جو اہل مکہ سے مخاطب ہے وہ مکی آیت ہے۔

جہاں تک آیت کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اس سلسلے میں فیصلہ اکثریتی رائے اور اعتبار کی بنیاد پر ہوگا۔ جب تک فرد واحد کی نقل کے ساتھ دلیل محکم نہ ہو اور اکثریت کے ساتھ ٹکرانے کی طاقت نہ ہو وہاں اکثریتی رائے کو ماننا پڑے گا لیکن بعض لوگ شاذ و نادر اور احتمال کی بنیاد پر کہتے ہیں "ہوسکتا ہے کہ یہ آیت مدینے میں اتری ہو اور مکہ کی آیات میں شامل کی گئی ہو یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو آیت مکہ میں نازل ہوئی ہو اسے مدینہ میں اترنے والی آیتوں میں شامل کرلیا گیا ہو" اگر کلمہ "**ہوسکتا ہے**" کا استعمال کرکے اپنے مدعا کا فیصلہ کرنا شروع کردیں تو اس پر مذہب کی عمارت قائم کرنے کو، یقین محکم کی بنیاد اور ستون پر قائم مذہب تصور نہیں کیا جائے گا بلکہ وہم و خیال اور احتمالات پر کھڑا مذہب ہوگا۔

۲۔ بعض تفاسیر اور تراجم میں کہا گیا ہے کہ نعمان بن حارث فہری نے نبی کریمؐ کے علیؑ کے بارے میں اعلانِ ولایت کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ خدا کی طرف سے ہے تو میرے اوپر عذاب نازل ہوجائے، اس کے طلب عذاب پر خدا نے عذاب نازل کیا اور وہ وہیں ختم ہوگیا چنانچہ اس بارے میں سورہ مبارکہ معارج کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ منکرین پر نزولِ عذاب سے متعلق واقعہ اور اس سلسلے میں آیت نازل ہونے اور روایتوں کے بارے میں بحث و گفتگو کرنے سے پہلے ہم معاجم انساب عرب میں دیکھتے ہیں کہ کیا "نعمان بن حارث فہری" نامی کوئی شخص تاریخ عرب میں گزرا ہے یا یہ ایک فرضی اور گمنام آدمی ہے۔

کتاب قبائل عرب کے مؤلف محمد رضا کحالہ بکلمہ حارث میں لکھتے ہیں کہ حارث کے نو (۹) نام نام بغیر بن کے آئے ہیں اور باقی بن کے ساتھ آئے ہیں جیسے:

حارث بن اسد، حارث بن امری عالقیس، حارث بن امیر، حارث بن بکر، حارث بن بہثہ، حارث بن تمیم، حارث بن تیم اللہ	۲ مرتبہ
حارث بن ثعلبہ، حارث بن جبلۃ، حارث بن جفنۃ، حارث بن خزرج، حارث بن خطمۃ، حارث بن ربیعۃ، حارث بن سعد	۲ مرتبہ
حارث بن سوں، حارث بن شاور، حارث بن عباد، حارث بن عبداللہ، حارث بن عبدالمدان، حارث بن عبدالمطلب، حارث بن عبدمناۃ	۲ مرتبہ
حارث بن عبدمناف، حارث بن عتیک، حارث بن عدی، حارث بن عمرو	۳ مرتبہ
حارث بن عنبر، حارث بن عوف بن حارث بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، حارث بن کعب، حارث بن کلیب، حارث بن مالک، حارث بن مرہبۃ، حارث بن مرۃ، حارث بن مسلمۃ، حارث بن معاویہ، حارث بن یربوع، حارث بن یزید	۱ مرتبہ

آیت اللہ الخوئی کتب رجال ج ۴ میں فرماتے ہیں کہ نعمان بن حارث فہری نام کا کوئی صحابی نہیں تھا۔اسی طرح شیعہ اور سنی کتب رجال میں جہاں جہاں اصحاب رسولؐ کا نام آیا ہے وہاں بھی ایسا کوئی نام نہیں آیا ہے جبکہ دعویٰ کرنے والا کہتا ہے کہ وہ محمدؐ کے کہنے پر خدا اور آپؐ پر ایمان لایا اور اس نے احکام پر عمل کیا، کتب رجال میں جس جس نے اسلام قبول کیا چاہے وہ بعد میں منحرف ہی کیوں نہ ہوا ہو اسکا نام آیا ہے کتاب معجم رجال الخوئی جلد ۱۹ میں نعمان بن بشیر اور نعمان بن مقرن کا ذکر آیا ہے۔

تعجب کی انتہا یہاں ہوتی ہے کہ ہمارے فرقے کی ایک مایہ ناز ہستی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ شخص جس نے خدا سے نزولِ عذاب کا تقاضا کیا وہ نضر بن حارث فہری تھا جو کہ جنگ بدر میں اسیر ہوا پھر رسول اللہؐ نے راستے میں اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔لیکن سوال یہ ہے کہ وہ غدیر کے بعد کیسے آیا؟ ایک دوسری عظیم المرتبت ہستی کا فرمان ہے کہ اس شخص کا نام کتبِ رجال میں اصحاب رسول اللہ یعنی دیدار رسول اللہؐ کرنے والوں میں نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔یہ بات اپنی جگہ غور طلب ہے!؟

۳۔اب سورۂ معارج کی طرف آتے ہیں اس سورہ کی کل ۴۴ آیات ہیں اور اس سے پہلے سورۂ مبارکہ حاقہ ہے، یہ دونوں سورتیں مشرکین کے پیغمبرؐ کے ساتھ تمسخر اور سوالات کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں، انکا کہنا تھا آخر خدا کا عذاب کب آئے گا جسکے جواب میں خداوند متعال نے فرمایا وہ عذاب ضرور آئے گا اور اسے ٹالنے والا کوئی نہیں ہوگا عذاب خدا کو طلب کرنے والوں کے جواب کی قرآن کریم میں ایک فہرست ہے لہٰذا عذاب خدا کو سمجھنے اور کسی نتیجہ تک پہنچنے کیلئے سورہ انفال ۳۲، ۳۳، ۳۴، نور ۴۲، ۴۰ سے ۴۷، ص ۱۶، شعراء ۱۸۷، اعراف ۷۰، عنکبوت ۲۹، بقرہ ۹۰، لیل ۱۱، اسراء ۱۵ سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔

مشرکین پیغمبرؐ سے تمسخر کرتے ہوئے کہتے تھے: ہم آپکی دعوت کو قبول نہیں کرتے اور جس عذاب سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں وہ کب آئے گا وہ عذاب کب نازل ہوگا ان کے جواب میں خداوند متعال نے فرمایا پیغمبرؐ کی دعوت کے دوران عذاب نازل کرنا عدل الٰہی کے خلاف ہے لہٰذا جب تک ہماری مرضی ہوگی ہم دعوت جاری رکھیں گے اور جسے تم دور یا ناممکن سمجھتے ہو، جب ہم اسے نازل کرنے کا ارادہ کریں گے تو اسے روکنے یا ٹالنے والا کوئی نہیں ہوگا:

﴿لِلْكافِرينَ لَيْسَ لَهُ دافِعٌ﴾ ”کفار کیلئے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں ہے“ (معارج ۲)

یہاں چند باتیں غور طلب ہیں

☆پیغمبرؐ جو اصل رسالت ہیں ان کا انکار کرنے والوں پر خدا نے عذاب نازل نہیں کیا تو کیونکر منکر ولایت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ پر عذاب نازل ہوسکتا ہے۔

☆امیر المومنینؑ کی ولایت کا انکار کرنے والوں میں تنہا حارث بن نعمان فہری نہیں تھا بلکہ بہت سے دوسرے افراد بھی شامل تھے، ان پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوا۔

☆اس سورہ میں خداوند عالم نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ ہم یہ عذاب مستقبل میں نازل کریں گے یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ جس نے بھی انکار کیا اس پر فوراً عذاب نازل کردیا جائے گا۔

ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اہل بیتؑ کے ماننے والوں پر واضح کردینا چاہتے ہیں کہ اہل بیتؑ کی حقانیت کی دلیل یہ نہیں کہ مخالفین نے جو جھوٹے اور فرسودہ فضائل اہل بیتؑ کے نام سے اپنی کتب نقل کیے ہیں وہ سب فضائل اہل بیت میں شامل ہیں بلکہ اہل بیتؑ کی حقانیت کو قرآن اور سنت متواتر سے ثابت ہونا چاہیے یہ مذہب پہلے مرحلہ میں جدال پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس میں پہلے دعوتِ حکمت ہے اور پھر اس مذہب میں صرف جدال احسن ہے لہٰذا جب پہلے مرحلہ میں اپنے پاس کوئی سند نہ ہو تو جدال سے اسے ثابت کرنا عقل و نقل سے عاری ہے۔

نبی کریم نے حجاج کو روک کر خلائق کے اجتماع میں علیؑ کی ولایت کا اعلان اور علیؑ سے دفاع کیا سب کے نزدیک یہ ایک واضح اور مسلم حقیقت ہے۔ ایک طرف تو علیؑ سے دفاع کی تفسیر و توجیہ کرتے ہیں اور اسے غیر مبہم اور غیر معمولی گردانتے ہیں اور دوسری جانب فضیلت علیؑ سے دفاع پر کفایت و اکتفاء کرنے کی بجائے اس میں متشابہ آیات، مشکوک شان نزول اور قصے کہانیوں کا اضافہ کر کے اس فضیلت کو بے رنگ و بو کرنے والے دونوں علیؑ کی حق تلفی کرنے میں یکساں دبدبہ رکھتے ہیں۔

- جب تمام مورخین نے تاریخ میں یہ ثبت کردیا ہے کہ غدیر خم کے موقع پر پیغمبرؐ نے توقف کر کے علیؑ کی شان میں یہ کلمات ارشاد فرمائے ہیں تو اس سے شکوک و احتمالات کثیر پر مبنی چیزوں کو جوڑنا درحقیقت نہ نظام امامت اور نہ خود امیر المومنینؑ کی حمایت ہوگی بلکہ یہ علیؑ کی فضیلت کو مشکوک گردانے کیلئے کی جانے والی مذموم کوشش کا حصہ ہوگا کیونکہ ان چیزوں کو جوڑنے کے بعد اصل واقعہ "جس پر کسی کو اختلاف نہیں" بھی موج شک میں گرفتار ہوجاتا ہے۔
- واقعہ غدیر علیؑ کی ذات گرامی سے ہر قسم کے داغ و عیب اور ان کے رہبر و رہبری کی صلاحیت و اہلیت کی گواہی دیتا ہے، لیکن اگر اس عظیم اقدام سے لوگوں کی نظریں ہٹا کر چراغاں کرنا، شور و شرابہ کرنا، مٹھائیاں بانٹنا، علیؑ کو خلافت سے اٹھا کر الوہیت پر بٹھانا، علیؑ کو ماننے کے بعد احکام خداوندی کی پابندی سے آزاد قرار دینا، آیات متشابہہ اور روایات مجہول الحال سے استدلال کر کے اصل واقعہ کے مقاصد کو مشکوک بنانا اور اس دن زیادہ سے زیادہ خلفاء پر سب و شتم کرنے کا سلسلہ جاری رہ تو مسلمانوں کو اہل بیتؑ سے دور بھگانے کا کردار ضرور ادا ہوگا، یہ چھوٹی بچیوں کو گڑیا دینے اور بڑوں کو گیند دے کر مصروف رکھنے کی ایک کوشش ہے شیعیان اہل بیتؑ ایک طویل عرصے سے اس صیاد کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔

آثار وفات رسول ﷺ

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ
أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ

آپؐ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہمیشگی نہیں
دی، کیا اگر آپ مر گئے تو وہ ہمیشہ کیلئے رہ جائیں گے۔

(سورہ مبارکہ انبیاء آیت ۳۴)

آثار وفات رسول ﷺ

جب دعوت پایۂ تکمیل کو پہنچی اور اسلام نے پورے عرب پر غلبہ اور برتری حاصل کر لی تو خود پیغمبر اسلامؐ اپنی حیات کو وداع کرنے لگے، لوگوں نے آپؐ کے جذبات و احساسات، آپ کی حرکات و سکنات اور عبارات پر دقت سے غور کیا۔ ۱۰ھ رمضان المبارک کو بیس (۲۰) دن آپؐ نے اعتکاف فرمایا جبکہ گزشتہ سالوں میں صرف دس دن اعتکاف فرمایا کرتے تھے، جبرائیل امین ؑ نے اس سال آپ کو دو مرتبہ قرآنِ کریم کا دور کرایا، حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ شاید آئندہ سال دوبارہ اس جگہ ملاقات نہ ہو۔ آپؐ نے جمرۂ عقبہ کے مقام پر فرمایا مناسک حج کو مجھ سے سیکھ لو شاید میں دوبارہ حج نہ کر سکوں، ایام تشریق میں آپؐ پر سورۂ نصر نازل ہوئی تو آپؐ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ آپ کو خداوند متعال نے اس دنیا سے وداع اور اپنے پاس بلانے کی خوشخبری دی ہے۔ گیارہویں ہجری کے ماہ صفر کی ابتدا میں آپ دامن اُحد تشریف لے گئے اور شہداء کیلئے اس طرح دعا فرمائی گویا زندوں اور مردوں دونوں سے رخصت ہو رہے ہوں، وہاں سے واپس آنے کے بعد منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا

''میں تمہارا امیر کارواں ہوں اور تمہارے اوپر گواہ ہوں، میں اس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں، مجھے خداوند متعال نے زمین کے خزائن کی چابی بخشی ہے خدا کی قسم تمہارے بارے میں مجھے خوف نہیں کہ تم مشرک ہو جاؤ لیکن مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ دنیا طلبی میں آپس میں دست و گریبان ہو جاؤ''۔

انہی ایام میں ایک نصف شب آپ بقیع قبرستان کی طرف تشریف لے گئے اور مردوں کیلئے طلب مغفرت کی اور فرمایا ''اے قبروں میں رہنے والو! تم پر سلام ہو، تم جس حال میں ہو وہ تمہیں مبارک ہو، فتنے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ایک کے پیچھے ایک چلے آ رہے ہیں اور بعد والا پہلے سے زیادہ بُرا ہے'' پھر رفقائے جماعت کو جمع کیا اور فرمایا

''مرحبا! اے مسلمانو! اللہ تمہیں اپنی رحمت میں رکھے، تمہاری شکستہ دلی دور فرمائے، تمہیں رزق دے، تمہاری مدد کرے، تمہیں عروج دے، تمہیں باہم رکھے، میں تم کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور تم کو اللہ ہی کی نگرانی میں سونپتا ہوں، تم کو اسی سے ڈراتا ہوں کیونکہ میں کھلا متنبہ کرنے والا ہوں، دیکھو اللہ کی بستیوں میں اس کے بندوں کے درمیان تکبر اور سرکشی کی روش اختیار نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اور تم سے فرمایا ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ ''آخرت کا یہ بھلا گھر ہم ان ہی کیلئے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں پرہیزگاروں کیلئے نہایت ہی عمدہ انجام ہے'' (قصص ۸۳) ﴿اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ ''کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں؟'' (زمر ۶۰)

ایک دن بقیع سے واپسی پر آپ کے سر میں درد شروع ہو گیا۔

اسامہ بن زید کی قیادت میں لشکر کی موتہ کی طرف روانگی

نبی کریمؐ حجاز میں مقیم قبائل وعشائر سے مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ سرحدی علاقوں میں موجود دشمنوں کے خطرے کی طرف بھی نظر رکھے ہوئے تھے تا کہ مملکت اسلامی کو ان سرحدوں کی طرف سے اچانک کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔اس سلسلے میں پہلے اقدام کے طور پر آپؐ نے موتہ کی طرف زید بن حارثہ کی قیادت میں اسلامی لشکر روانہ فرمایا جہاں خونریز لڑائی اور قائدین کی شہادت کے بعد لشکر اسلام بغیر قائد کے واپس لوٹا۔اس کے بعد روم کی مقتدر سلطنت کی پشت پناہی میں حکمرانی کرنے والے شامی حکمران کے خلاف تشکیل پانے والا تیس ہزار (۳۰۰۰۰) کا لشکر تھا جس نے دشمن کو خوفزدہ کر کے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا بعد ازاں لشکر فاتحانہ طور پر واپس مدینہ پہنچا۔تیسرا اقدام ۱۰ھ کو حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد کیا گیا اس کے تحت زید بن حارثہ کے وارث اسامہ بن زید کو ایک بڑے لشکر کی قیادت دے کر شام کی طرف ،سرزمین بلقاء موتہ روانہ کرنے کا بندوبست کیا گیا۔اس سلسلے میں گذشتہ لشکر کشی کی طرح انتہائی شدت اور اہتمام کے ساتھ سب کو جنگ میں شرکت کرنے کی دعوت دی گئی اسی طرح اکابرین و مہاجرین کو اپنے قائد کے ماتحت رہنے کا حکم دیا گیا اس جنگ میں عمرؓ بن خطاب بھی شامل تھے حسب تاریخ وسیرت نویساں بہت سے لوگوں کیلئے یہ سب کچھ ناگوار گزرا انہوں نے اسامہ کی نوعمری کو بنیاد بنا کر انہیں نا اہل قرار دینے کی مہم شروع کی جس وجہ سے اسامہ کی روانگی میں دیر ہوگئی،پیغمبرؐ کے درد میں اضافہ ہوتا چلا گیا جب آپؐ کو اس بات کا علم ہوا تو آپؐ سر پر رومال باندھ کر مسجد تشریف لے گئے اور منبر پر جا کر خطاب کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ اکثر انصار و مہاجرین اسامہ کی نوعمری کو بنیاد بنا کر ان کی قیادت کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا

"لشکر اسامہ کو روانہ کرو آج تم اس کی امارت کے بارے میں اشکال کر رہے ہو جس طرح پہلے اسکے باپ کی امارت پر اشکال کیا کرتے تھے یہ اس منصب کیلئے اسی طرح سزاوار ہے جس طرح ان کا باپ اس منصب کیلئے سزاوار تھا"

یہ فرما کر آپؐ نے شدت کے ساتھ حکم دیا کہ مدینہ سے جلد از جلد رخت سفر باندھو،اس حکم پر لوگوں نے اس لشکر کو ترتیب و تنظیم دینے اور بھیجنے میں تیزی دکھائی،اسامہ مدینہ سے نکل کر "جرف" پہنچے جو کہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے وہاں انتظار کرتے رہے۔

نبی کریمؐ کی بڑھتی ہوئی علالت نے مجاہدین و مہاجرین اور انصار کو تشویش میں مبتلا کیا اور وہ اس فیصلے میں متردد ہوئے کہ محاذ پر جائیں یا نبی کریمؐ کی صحت کے بہتر ہونے کا انتظار کریں لیکن یہاں ایک سوال ہے کہ نبی کریمؐ نے اس جنگ کیلئے لشکر روانہ کرنے کی اتنی شدت اور اہمیت وضرورت کیوں محسوس کی اس سلسلے میں مختلف توجیہات و تفاسیر پیش کی گئی ہیں ہماری کتاب کے صفحات میں ان تفاصیل کا ذکر کرنے کی چنداں گنجائش نہیں کیونکہ کتاب کے صفحات ہمارے تصور و خیالات سے تجاوز کر گئے ہیں۔تاہم اس سے چشم پوشی کر کے گزر جانا بھی تشویش اور غلط خیالات کو جنم دینے کا سبب بن سکتا ہے لہذا ہم اس بارے میں کچھ نہ کچھ عرض کرتے ہیں۔

بعض کا کہنا ہے کہ نبی کریمؐ اپنی رحلت کے موقع پر علیؑ کو خلیفہ انتخاب کرنے کی غرض سے اسامہ کی قیادت میں ان کے حلیفوں اور رقیبوں سے مدینہ کو خالی کرانا چاہتے تھے تا کہ اطمینان اور سکون سے علیؑ کو منصب خلافت دیا جا سکے۔ یہ تفسیر صرف ان لوگوں کیلئے صحیح ہے جنہیں اسلام اور نبی اسلامؐ کے بارے میں غلط تصورات پھیلانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا خصوصاً ایسے مراحل پر جہاں علیؑ کا مقام بلند ہوتا ہو یا علیؑ خلیفہ بن جائیں۔ ہمارے خیال میں انہیں کسی بھی قسم کی معیار کی فکر نہیں ہے یہ لوگ علیؑ کے بارے میں ایسے تصورات پیش کرتے ہیں کہ جن سے خود علیؑ بھی محفوظ نہیں ہیں، انہیں صرف اپنے مقاصد شوم سے واسطہ ہے۔ اس سلسلے میں چند گذارشات درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ بات تو دنیائے سیاست میں بھی باطل مانی جاتی ہے جیسا کہ آج کل کے مقتدر و بااثر شخصیات انتخابات کے دوران فریق مخالف کی راہ میں روڑے اٹکاتی ہیں اس کے حامی کارکنوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے یا پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے لیکن عالمی و قومی سطح پر ایسے انتخابات کو کالعدم قرار دیا جاتا ہے کیونکہ یہ جمہوریت کے منافی ہے۔

۲۔ گویا اس تفسیر کے تحت پیغمبرؐ تمام اہل مدینہ کو نکال کر شہر خالی کرنے کی کوشش میں تھے تا کہ کوئی بھی اس سلسلے میں بہانہ نہ بنائے علیؑ کو خلیفہ بنانا مقصود تھا تو ایسے اقدام کرنے کی کیا ضرورت تھی یہ باتیں گھر میں بھی علیؑ سے کہہ سکتے تھے یا پھر اپنے چاہنے والے چند افراد کو بلا کر فیصلہ کر سکتے تھے۔

۳۔ ایسی باتیں اور احتمالات پیغمبرؐ کی انتہائی بزدلی اور اپنے اصحاب سے مرعوب رہنے کی واضح دلیل بن سکتی ہے جو پیغمبرؐ کی سیرت کے سراسر منافی ہے کیونکہ جس پیغمبرؐ نے دشت و بیاباں میں ایک لاکھ سے زائد کے مجمع میں علیؑ کی فضیلت بیان کر کے ان کا دفاع کیا ہو کیا وہ پورے مدینے کو خالی کرنے کے بعد علیؑ کا تقرر کرنا چاہتے تھے؟ پھر خلافت و امامت کی حیثیت روزمرہ گھروں میں ہونے والی باتوں جیسی ہو جائے گی جیسا اگر کسی سے کوئی ضروری بات کرنی ہو تو کمرے میں موجود دوسرے لوگوں کو یہ کہہ کر باہر بھیج دیا جاتا ہے کہ میں نے ان سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔

۴۔ یہ خود علیؑ کی سیرت کے خلاف ہے عثمانؓ کے قتل کے بعد اہل مدینہ آپ کے گھر میں بیعت کیلئے ہجوم لے کر آئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ بیعت عوامی و اجتماعی مسئلہ ہے، اس کا فیصلہ اندرون خانہ خلوت میں نہیں کروں گا تم مسجد میں جاؤ میں آ رہا ہوں۔

۵۔ جب والی مدینہ نے امام حسینؑ کو یزید کی بیعت کیلئے دار الامارہ میں بلایا تو امامؑ نے فرمایا یہ کوئی انفرادی مسئلہ نہیں جسے یہاں بیٹھ کر حل کیا جائے یہ پوری امت کا مسئلہ ہے جب سب لوگوں کو بلایا جائے تو مجھے بھی بلائیں وہاں سب کے سامنے فیصلہ کروں گا۔

ملاءِ اعلیٰ کی طرف پرواز کی تیاریاں

بعض کے مطابق گیارہویں ہجری ۱۹ صفر کو پیر کے دن پیغمبرؐ ایک تشیع جنازہ کیلئے بقیع تشریف لے گئے واپسی پر آپؐ کے سر میں درد شروع ہو گیا اور حرارت اتنی تیز ہو گئی کہ سر پر بندھی پٹی سے محسوس ہونے لگی پیغمبرؐ کے مرض کی مدت میں اختلاف ہے،

بعض نے یہ مدت گیارہ دن اور دیگر نے بارہ جبکہ ایک تیسرے طبقے نے چودہ دن کا ذکر کیا ہے۔

قصاص کیلئے خود کو پیش کرنا

جب پیغمبرؐ کا مرض شدت اختیار کرتا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے اوپر پانی چھڑکاؤ، آپؐ سر پر کپڑا باندھ کر فضل بن عباسؓ اور علی بن ابی طالبؑ کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لے گئے، منبر پر جا کر لوگوں سے خطاب کیا اور اپنے آپ کو قصاص کیلئے پیش کر کے فرمایا:

"میں نے اگر کسی کو بے جا تازیانہ مارا ہے تو میری یہ پشت قصاص کیلئے اس کے سامنے حاضر ہے وہ آ کر مجھ سے قصاص لے لے اور اگر میں نے کسی کے حق میں بد زبانی کی ہے تو وہ بھی آ کر ہم سے اس کا تقاضہ کرے۔"

اگلے دن امت کو غم بیکراں کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے ان مصیبتوں کا ذکر کیا جو امت کی ہدایت کے دوران آپؐ پر آن پڑیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ میرے رب نے فرمایا ہے اور قسم کھائی ہے کہ جو شخص بھی ظلم کرے گا قیامت کے دن جب تک اس سے اس ظلم کا حساب نہ لیا جائے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ میں تم لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر تم میں کوئی بھی ایسا ہو جس پر محمدؐ سے ظلم یا زیادتی ہوئی ہو تو وہ ابھی اٹھے اور اسی دنیا میں مجھ سے قصاص لے لے کیونکہ قیامت میں ملائکہ و انبیاءؑ کے حضور قصاص لینے سے بہتر ہے کہ اسی دنیا میں قصاص لے لیا جائے۔ پیغمبرؐ کی ان منفرد باتوں سے مسجد میں موجود لوگوں پر خاموشی کی ایک لہر چھا گئی، تمام افراد یہ سوچ رہے تھے کہ پیغمبر اسلامؐ کو کیا مناسب جواب دیا جائے، کس کا حق رسول اللہؐ کے ذمے ہو سکتا ہے کیونکہ یہ وہی ہستی ہیں جنھوں نے عدالت کی بنیاد رکھی اور خود لطف و کرم کی زندہ مثال ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ کی اس دردمندانہ گفتگو پر لوگوں نے سمجھ لیا کہ آپؐ اس دنیا سے رخصت ہونا چاہتے ہیں اسی لمحے مسجد کے ایک کونے سے ایک شخص سوادہؓ بن قیس اٹھے اور سکوت توڑتے ہوئے بولے یا رسول اللہ! کسی ایک موقع پر آپؐ کا تازیانہ میری پیٹ پر لگا تھا جس کا میں قصاص لینا چاہتا ہوں پیغمبرؐ نے ان کے بیان پر بلالؓ سے یہ کہہ کر سب کو حیرت میں ڈال دیا کہ جا کر تازیانہ لے آئیں تاکہ سوادہؓ بن قیس مجھ سے قصاص لے سکیں بلالؓ اس تعجب خیز صورتحال میں تازیانہ لینے پیغمبرؐ کے گھر گئے یہ وہ لمحہ تھا جب بلالؓ حواس باختہ ہو کر رہ بے ساختہ بلند آواز میں کہنے لگے کہ نبی کریمؐ خود کو قصاص کیلئے پیش کیا ہیں کون ہے جو ان سے قصاص لے۔ بہر حال بلالؓ گھر سے تازیانہ لے آئے تو رسول اللہؐ نے ان سے کہا کہ تازیانہ سوادہؓ کے حوالے کر دیں، اس مرحلے پر لوگوں کا پورا وجود بصر و بصیرت بن کر سوادہؓ کی نقل و حرکت پر نظریں جمائے ہوئے تھا کہ آیا یہ شخص نبیؐ سے ان کی بیماری کی حالت میں بھی قصاص لیتا ہے یا نہیں دوسری جانب سوادہؓ پر رسول اللہؐ کی ہیبت چھا گئی جس سے وہ لرزہ بہ اندام تھے لہٰذا انھوں نے پیغمبرؐ سے عرض کیا کہ آپ اپنا دامن اٹھائیں پیغمبرؐ نے جب دامن اٹھایا تو سوادہؓ نے کہا کہ اجازت ہے کہ اس جگہ کو بوسہ دوں پیغمبرؐ کی طرف سے اجازت ملنے پر سوادہؓ نے اپنا منہ شکم رسولؐ پر رکھا تو اس کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے اور خدا سے دعا کی کہ خداوندا رسول اللہؐ کی اس جگہ کا واسطہ مجھے جہنم کی آگ سے نجات دے۔ جس پر پیغمبر اسلامؐ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ کیا تم نے مجھے بخش دیا یا قصاص لینا ہے سوادہؓ نے کہا میں نے آپ کو

بخش دیا تو پیغمبر اسلامؐ نے دعا کی کہ اے خدا تو سوادہؓ کو بخش دے جس نے تیرے محمدؐ کو بخش دیا۔ اسی دوران کسی نے کہا یا رسول اللہؐ! میرے آپؐ کے ذمہ تین درہم ہیں پیغمبرؐ نے فضلؓ کو حکم دیا کہ اس کو تین درہم دے دیں پھر آپؐ نے انصار کے بارے میں وصیت کی اور فرمایا "میں سفارش کرتا ہوں کہ یہ میرے ہم راز ہیں انہوں نے اپنا حق ادا کیا ہے لیکن ان کو جو ملنا چاہیے وہ باقی ہے، ان کے محسنوں سے ان کے احسانات کو قبول کرنا اور ان کے خطا کاروں سے عفو و درگزر کرنا، اگر تم میں سے کوئی بھی ولی امر بنے جس سے کسی کو نقصان یا فائدہ ہو تو نیک آدمیوں سے قبول کرے اور ان خطا کاروں سے عفو و درگزر کرے۔

وفات سے چار دن پہلے

وفات سے چار دن پہلے جمعرات کے روز جس دن آپؐ سخت تکلیف سے دوچار تھے فرمایا "لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ کر دوں تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ" اس وقت گھر میں عمر بن خطابؓ بھی موجود تھے انھوں نے وہاں موجود لوگوں سے کہا کہ پیغمبرؐ پر شدت مرض کا غلبہ ہے اور تمہارے درمیان قرآن موجود ہے اور قرآن تمہارے لئے کافی ہے لیکن اہل بیتؑ نے ان سے اختلاف کیا اس کشمکش میں بعض نے کہا لاو پیغمبرؐ کو لکھنے دیں تو بعض نے وہی بات کہی جو عمرؓ نے کہی تھی۔ جب اختلاف اور غلط گوئی بڑھ گئی تو پیغمبرؐ نے فرمایا آپ لوگ یہاں سے اٹھ جائیں، اسی دن پیغمبرؐ نے یہ بھی وصیت کی کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے اور دوسری وصیت یہ کی کہ باہر سے آنے والے وفود کا اسی طرح استقبال کیا جائے جس طرح آپؐ خود کیا کرتے تھے، تیسری وصیت میں کتاب و سنت سے تمسک کرنے اور جیش اسامہ کو روم کی طرف روانہ کرنے کی تاکید فرمائی پیغمبرؐ نے اپنے مرض کے انتہائی سخت لمحات میں جمعرات تک نماز کی امامت خود کرائی مغرب کی نماز میں آپؐ نے سورۃ مبارکہ مرسلات کی تلاوت فرمائی۔ اس دن عشاء کی نماز کے وقت آپؐ کا مرض بڑھ گیا اور نماز کیلئے آپؐ نہ جا سکے اور نماز کا وقت ہو گیا، مسلمان مسجد میں آپؐ کے منتظر تھے، جب پیغمبرؐ مسجد نہ جا سکے تو ابو بکرؓ نے امامت کرائی، اس طرح کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے پیغمبرؐ کی حیات میں سترہ نمازوں کی امامت کرائی، ہفتہ یا اتوار کے دن پیغمبرؐ نے اپنی طبیعت میں قدرے بہتری پائی تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر مسجد تشریف لے گئے اور وہاں آپؐ نے نماز ادا کی، وفات سے ایک دن پہلے اتوار کو اپنے تمام غلاموں کو آزاد فرمایا، بعض کے مطابق پیغمبر اسلامؐ نے اسی حالت میں عائشہؓ سے ان کے پاس موجود رقم کے بارے میں دریافت کیا، رقم آپؐ کے سپرد کی گئی تو ہاتھ میں اٹھا کر فرمایا محمدؐ کے ساتھ کیا ہوگا کہ اگر اس رقم کے انفاق کرنے سے پہلے خدا سے ملاقات کرے لہٰذا اسے جلدی انفاق کرو چنانچہ سات دینار جو آپؐ کے پاس تھے انھیں صدقہ کر دیا اس طرح ہتھیار بھی مسلمانوں کو ہبہ کر دیئے گئے۔

ابو بکرؓ کی امامت

صاحب کتاب سیرۃ المصطفیٰ اس موضوع پر عائشہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے عائشہؓ سے فرمایا ابو بکرؓ سے کہیں کہ وہ نماز پڑھائیں، عائشہؓ نے کہا کہ وہ رقیق القلب ہیں امامت کا کام کسی اور کو سونپ دیں۔ ایک اور روایت کے مطابق وفات سے ایک دو دن قبل پیغمبرؐ دو آدمیوں کے درمیان سہارا لے کر ظہر کی نماز کیلئے تشریف لے گئے تو ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے

آپؐ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپ نے اشارے سے فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں پیغمبرؐ نے ان کے پہلو میں نماز پڑھی یوں ابوبکرؓ پیغمبرؐ کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگوں کو تکبیر سنا رہے تھے۔

ارشاد شیخ مفید میں نقل ہوا ہے کہ اصحاب پیغمبرؐ کے آنے کا انتظار کرتے رہے آپؐ نے فرمایا "خود انہی میں سے ایک امام بنے جب پیغمبرؐ مسجد گئے تو دیکھا ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے ہیں تو آپؐ نے اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹیں" یہ کرب و اضطراب اور متضاد و متضارب روایات ہیں جن سے تین قسم کے نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔

۱۔ پیغمبرؐ کی عدم موجودگی میں مسجد نبویؐ میں نماز پڑھانے والے کو پیغمبرؐ کے مقام و منزلت کے قریب و قرین سمجھنا آیا اس فکر کے تحت یہ شخص پیغمبرؐ کے بعد آپ کا جانشین ہونے کا سزاوار ہے؟

۲۔ آیا پیغمبرؐ نے ابوبکرؓ کو پیچھے ہٹا کر سمجھا دیا کہ وہ خلافت کیلئے اہل نہیں لہٰذا جو شخص ایک وقت کی نماز کی امامت کرانے کا اہل نہ ہوا سے کیسے نبی کے بعد جانشین بننے کا اہل قرار دیا جا سکتا ہے؟

۳۔ نماز ایک واجب ہے جسے ہر مسلمان کو ادا کرنا ہے جب تک کسی شخص کی نماز باطل ہونا ثابت نہ ہو اس کی اقتداء کی جا سکتی ہے اس میں افضل و اشرف کی بنیاد حائل نہیں لہٰذا اس مسئلہ کو صرف فرقی تعصب کو ہوا دینے کی کاوش کہا جا سکتا ہے لیکن یہ عمل کسی بھی فرقے کی حقانیت کی دلیل نہیں بن سکتی۔

فراق رسول اللہ ﷺ کی مصیبت

امت اسلامی میں وفات رسول کریمؐ کی تاریخ کے بارے میں اتنا اختلاف پایا جاتا ہے کہ جتنا آپؐ کی ولادت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس اختلاف کو بنیاد بنانے یا ترجیح دینے کی نہ تو عقل، نہ آیات قرآنی اور نہ ہی نبی کریمؐ کے ارشادات میں کوئی سند ملتی ہے۔ یہ آج کل کے محاورہ کے مطابق محض اپنا تشخص قائم کرنے کی ایک منطق ہے امت اسلامی کو دنیائے کفر و شرک کے مقابل میں کم سے کم آپؐ کی وفات کے دن خود کو محزون اور غم زدہ و مصیبت زدہ دکھانے کیلئے ملت واحدہ کا ثبوت دیتے ہوئے آپؐ کی رحلت کا دکھ درد منانے کیلئے کسی ایک دن پر اتفاق کرنا چاہیے تھا اور گروہ در گروہ اس مصیبت و پریشانی سے بڑھ کر اور کونسی مصیبت ہوگی کہ جس پر یہ امت اپنے اتحاد و اتفاق کا ثبوت دے گی لیکن یہ وہ آرزو ہے جو شاید کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کا کوئی جواب نہیں کیونکہ شریعت میں مقررہ تاریخ کے علاوہ اظہار حزن و ملال پر کوئی پابندی نہیں۔ لہٰذا اکثریت سے کٹ کر الگ سے یہ دن منانا غیر منطقی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم اس مصیبت کا اندازہ کس چیز اور کس پیمانے سے کریں۔

انسان دنیا میں بڑی مصیبتوں کا اندازہ اولاد کی مصیبت سے کرتے ہیں اور اولاد بڑی مصیبت کا اندازہ ماں باپ کی مصیبت سے کرتی ہے لیکن دونوں کے پاس اس مصیبت کا بدل یا نعم البدل موجود و میسر اور ممکن الحصول ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کچھ عرصے کے بعد وہ اپنے پیاروں کے غم کو فراموش کر بیٹھتے ہیں اور وہ اس مصیبت سے اجنبی ہو جاتے ہیں اور کبھی

یوں ہوتا ہے کہ دوسری مصیبت یا دوسری مشکلات اس مصیبت کی جگہ لے لیتی ہیں۔

کسی مصیبت پر صبر کرنے کیلئے کوئی معاوضہ یا نعم البدل درکار ہوتا ہے جبکہ نبی کریمؐ کا کوئی بدل نہیں ہے۔قرآن کریم نے بھی ہر مصیبت پر صبر کرنے کی تلقین کی ہے لیکن نبی کریمؐ کی مصیبت سب مصیبتوں سے منفرد ہے۔اس سلسلے میں فرمانِ امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب پیش خدمت ہے:

”ولقدعلم المستحفظون من اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم انی لم اردعلی اللّٰہ ولا علیٰ رسولہ ساعة قط،ولقدواسیتہ بنفسی فی المواطن التی تنکص فیہا الابطال،وتتاخر فیہا الاقدام،نجدة اکرمنی اللّٰہ بہا. و لقدقبض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم وان راسہ لعلیٰ صدری،ولقدسالت نفسہ فی کفی،فامررتہا علیٰ وجہی،ولقدولیت غسلہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم والملائکة اعوانی،فضجت الدار والافنیة،ملاٴ یہبط، و ملاٴ یعرج،وما فارقت سمعی ہینمة منہم،یصلون علیہ حتیٰ واریناہ فی ضریحہ،فمن ذا احق بہ منی حیاً ومیتاً“

”اصحاب پیغمبرؐ میں شریعت کے امانتدار افراد اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ میں نے ایک لمحہ کیلئے بھی خدا اور رسولؐ کی بات کو رد نہیں کیا اور میں نے پیغمبر اسلامؐ پر اپنی جان ان مقامات پر قربان کی ہے جہاں بڑے بڑے بہادر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے قدم پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔صرف اس بہادری کی بنیاد پر جس سے پروردگار نے مجھے سرفراز فرمایا تھا۔

رسول اسلامؐ اس وقت دنیا سے رخصت ہوئے ہیں جب ان کا سر میرے سینہ پر تھا اور ان کی روح اقدس میرے ہاتھوں پر جدا ہوئی ہے تو میں نے اپنے ہاتھوں کو چہرہ پر مل لیا۔میں نے ہی آپ کو غسل دیا ہے جب ملائکہ میری امداد کر رہے تھے اور گھر کے اندر اور باہر ایک کہرام برپا تھا۔ایک گروہ نازل ہو رہا تھا اور ایک واپس جا رہا تھا سب نماز جنازہ پڑھ رہے تھے اور میں مسلسل ان کی آوازیں سن رہا تھا۔یہاں تک کہ میں نے ہی حضرت کو سپرد لحد کیا ہے تو اب بتاؤ کہ زندگی اور موت میں مجھ سے زیادہ ان سے قریب تر کون ہے؟“ (خطبہ ۱۹۷)

”ان الصبر لجمیل الا عنک،وان الجزع لقبیح الا علیک،وان المصاب بک لجلیل،وانہ قبلک و بعدک لجلل“

”صبر عام طور سے بہترین چیز ہے مگر آپ کی مصیبت کے علاوہ اور پریشانی و بے قراری بُری چیز ہے لیکن آپ کی وفات کے علاوہ آپ کی مصیبت بڑی عظیم ہے اور آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ہر مصیبت آسان ہے“

(کلمات قصار ۲۹۲)

انتخاب خلیفہ بعد از وفات

پیغمبرؐ اپنی رحلت کے بعد دعوت اسلامی کیلئے کیا فکر و سوچ رکھتے تھے؟اس سلسلے میں دنیا کے رہبران کی تین سیرتیں ہمارے سامنے آتی ہیں پیغمبرؐ نے درج ذیل تین مفروضوں میں سے کس کو اپنایا؟:

۱۔اپنے خاندان کے چھوٹے بچے چاہے نا اہل ہی کیوں نہ ہو ان کو جانشینی کے طور پر حکومت ورثے میں دیتے اس کیلئے

لوگوں کو منت سماجت یا غم وغصہ کے ذریعے منوانا اور تسلیم کروانا شامل ہے۔

۲۔ اپنے بعد کے مسائل کا حل پیغمبرؐ نے لوگوں پر چھوڑا اور خود اس مسئلے میں سکوت و خاموشی اختیار کر کے دنیا سے چلے گئے تا کہ جو مقام و منزلت لوگوں کے دلوں میں موجود ہے وہ جوں کی توں رہے اور بعد میں ان کے بارے میں کوئی اختلاف نظر قائم نہ کیا جائے۔ کیا پیغمبرؐ بھی اس فکر کے حامل تھے؟

۳۔ امت کو اچھے اور معقول نصیحتوں سے پُرمشورے دینا اور فیصلہ ان پر چھوڑنا۔

جانشین رسول اللہ ﷺ کا انتخاب

پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد آپؐ کے جانشین کا انتخاب کس بنیاد اور معیار کے تحت ہونا چاہیے اس بارے میں کہاں تک تحمل و برداشت کی گنجائش ہے اور جو کچھ وقوع پذیر ہوا ہے وہ کس اصول اور معیار کے تحت ہوا اور کس حد تک اس میں قباحت و برائی ہے؟ یہ چند سوالات ہمیشہ سے رہے ہیں اور رہیں گے اور انہی سوالات کے جوابات پر ہمارے موجودہ مسائل و مصائب کی عمارت قائم ہے۔ اس سلسلے میں عقلی طور پر چند مفروضے انسانی ذہن میں پیدا ہوتے ہیں ان میں سے کون سا مفروضہ معقول اور قابل قبول ہے اور کس کو ترجیح حاصل ہے؟

۱۔ خلیفہ کو خدا یا رسولؐ کی طرف سے منتخب ہونا چاہیے لہٰذا امت کو اس سلسلے میں کسی قسم کی مداخلت اور کردار ادا کرنے کا حق نہیں ہے جس طرح ایک مسلمان کیلئے شریعت کے اوامر عبادات وغیرہ میں حکم خدا اور رسول کے آگے سر تسلیم ہونا ضروری ہے بصورت دیگر وہ خدا اور رسولؐ منحراف تصور کیا جائے گا۔ شیعہ اثنا عشری کا دعویٰ ہے کہ نبی کریمؐ کی جانشینی کیلئے خود آپؐ کی طرف سے نامزد یعنی نص پیغمبرؐ کا ہونا ضروری ہے ان کے بقول پیغمبرؐ نے واضح و آشکار الفاظ اور کلمات میں اپنے جانشینوں کو نامزد فرمایا ہے۔

۲۔ انتخاب جانشین کا مسئلہ امت کے عام یا خاص لوگوں کی صوابدید پر ہونا چاہیے۔ آیا ایسا ہوا ہے اگر ایسا ہوا ہے تو آج ایسا کیوں نہیں ہوتا بعض دیگر حلقوں کا کہنا ہے کہ یہ مسئلہ امت پر چھوڑا گیا ہے پیغمبرؐ کے بعد انتخاب کیلئے دو طریقہ معروف ہیں اور تمام امت کیلئے قابل قبول ہے۔

۳۔ خدا اور رسولؐ کی طرف سے بیان کردہ عام اصول و معیارات کے تحت جانشین رسولؐ منتخب ہونا چاہیے اور یہ معیار و اصول ہمیشہ کیلئے زندہ و باقی ہیں چاہے پیغمبرؐ اپنی طرف سے کسی کو نامزد کریں یعنی وصی معین کریں یا پھر امت اپنی صوابدید کے تحت انتخاب کرے، دونوں صورتوں میں بنیادی اصول اور معیارات کے مطابق انتخاب ہونا چاہیے۔

ان تین مفروضات کو سامنے رکھنے کے بعد ہمیں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ امت کے کردار کو مقدم رکھنے کا نعرہ اور دعویٰ ہمیشہ قائم رہا یا نہیں، جس کے تحت جانشین رسولؐ کو ہمیشہ امت نے ہی انتخاب کیا ہو اگر قائم ہے تو یہ اصل مانا جائے گا کیونکہ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو کر وراثتی تسلسل میں ہمیشہ کیلئے منتقل ہو گئی جو کہ امت کے کسی گروہ کیلئے بھی

نہ پہلے قابل قبول تھا اور نہ اب ہے۔

امت با صلاحیت ذی اہل اور صاحب امتیاز افراد کا انتخاب کریں اس طرح سے مسلمانوں کے پاس ہمیشہ ایک مسلم اصول باقی رہے گا اور اس اصول کے تحت جانشین رسول منتخب ہونا بذات خود امت کیلئے ہمیشہ بہت سی خرابیوں اور برائیوں سے بچنے کا موجب ہوگا لیکن اگر خلیفہ کا انتخاب اس اصل پر قائم نہ رہا تو امت مستقبل میں ایک بڑے سالمیہ سے دوچار ہوگی جیسے ہو چکا ہے۔

جانشینی رسول اللہ ﷺ نص یا انتخاب سے

نبی کریمؐ کی رحلت سے لے کر آئی یومنا ھذا نص کے ذریعے یا انتخاب ملت سے جانشین منتخب ہونے کے متعلق امت اسلامی میں انتہائی شدومد کے ساتھ اختلاف پایا جاتا ہے، سرزمین اسلامی میں اس ضد کی آڑ میں ایک دوسرے کے خلاف کتابوں کی عبارات فریقین کے خون سے لکھی گئی ہیں جبکہ اجساد سے نقطے لگائے گئے اور ان سب کی نظارت دنیا کفر و شرک کر رہی ہے جسے انہوں نے نظام اسلام قرآن و سنت کی بجائے نظام خلافت یا امامت کہا ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

قرآن کریم اور سنت رسولؐ میں دعوت فکر انتہائی شدومد کے ساتھ ہونے کے باوجود مسلمانوں نے جس طرح سے اپنے بنیادی مسائل کے بارے میں غور و فکر سے گریز کیا ہے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، انہوں نے ہمیشہ جانبدارانہ اور معمولی مسائل کے حصول کیلئے قربانیاں دی ہیں اور ان مسائل کو اٹھانے کے بعد بھی ان پر غور تک نہیں کیا۔ اس کی ایک واضح مثال جانشینی رسولؐ کے انتخاب کا مسئلہ ہے کہ جانشین کا انتخاب نص رسولؐ سے ہونا چاہیے یا ملت کے انتخاب سے لیکن ایک نظریئے کو قبول کرنے کے بعد اس بارے میں دلیل پیش کرنے یا اس کی حکمت و فلسفے پر روشنی ڈالنے سے گریز کرتے ہوئے حکمت کی جگہ گالی گلوچ، غصہ اور سب و شتم کو جاگزیں کیا ہے۔

۱۔ انتخاب ملت

ایک گروہ نے انتخاب کیلئے ملت کو بنیا قرار دیا ہے اور اسی کے تحت انتخاب بھی عمل میں آیا ہے لیکن وہ اسکی اولین حکمت و فلسفے کی کوئی ایسی مثالیں پیش نہ کر سکے جس دیکھ کر دنیا کی دیگر اقوام و ملل رشک کریں کہ اسلام میں انتخاب رہبر کا یہ طریقہ ہے، گرچہ اس گروہ نے انتخاب ملت کا ذکر کیا ہے لیکن وہ اس کے اصول و ضوابط یا اسکا کوئی نعم البدل اور متبادل طریقہ نہ ہونے کے بارے میں واضح دلائل پیش نہیں کر سکے یہی وجہ ہے کہ اس طریقہ انتخاب کے بارے میں متعلقہ گروہ روز اول سے ہی ہرج و مرج پر مبنی توضیح دینے پر مجبور ہوا جو رفتہ رفتہ ۳۰،۴۰ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد قدیم شاہان ملوکیت کے طریقہ انتخاب میں تبدیل ہوگیا۔

۲۔ انتخاب نص

دوسری جانب نص سے انتخاب کے داعی گروہ اہل تشیع نے نص سے انتخاب کے دعوے کو زور و شور سے اٹھایا ہے اور صرف اسی طریقے کو قابل عمل سمجھ کر پسند کیا ہے لیکن انہوں نے اس بارے میں فلسفہ و حکمت یا اس طریقہ انتخاب کے نعم البدل نہ ہونے کے بارے میں کوئی توجیہ بیان نہیں کی ہے تاہم انتخاب نص کی بنیاد پر مخالفین کو سب و شتم اور تہمت کا اب بھی نشانہ بنایا جاتا ہے لیکن

اس کے بارے میں وہ غیر مسلموں کے سامنے کوئی معقول وجہ بیان کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ادھر غیر مسلموں نے انتخاب نص کو بھی ملوکیت کی دوسری شکل قرار دیا ہے جس کے نتیجے میں اس کے قائلین بعد میں خود اختلاف وانتشار کا شکار ہو گئے ان میں مزید چند گروہ ہیں:

الف۔ایک گروہ نے نص خاص سے انکار کرتے ہوئے نص عام سے تمسک کیا چنانچہ فرقہ زیدیہ نے اسی طریقہ انتخاب کو اپنایا اور اسی پر اولاد امام حسنؓ کی تحریک چلی ہے یعنی امامت نسل فاطمی میں ہونی چاہیے اور امامت کیلئے قیام با سیف دوسری شرط ہے۔

ب۔دوسرا گروہ جن کا کہنا ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں جانشینی رسولؐ نسل رسولؐ سے جاری رہے گی۔

ج۔تیسرا فرقہ اثناعشری ہے جو کہ نبی کریمؐ کے بعد بارہ (۱۲) ذوات پاک کا نسل فاطمہؓ سے ہونے کا داعی ہے۔فرقہ اثناعشری میں عدد صرف بارہ تک محدود رہا ہے اور وہ بھی ۲۶۰ سال تک،اس کے بعد آج تک امت اس خاندان کی قیادت ورہبری سے محروم ہے۔آخر یہ محرومیت کب تک،ان لوگوں کیلئے نص کیوں ضروری ہے؟نص کس لئے ہے اور اس میں کیا خوبی ہے؟اس پر قلم کے ذریعے تفسیر وتشریح اور توضیح پیش کرنے سے گریز کیا گیا ہے دوسری جانب شیعوں نے خلیفہ کے انتخاب کے جمہوری طریقے کو باطل ومذموم اور نامعقول قرار دیا ہے،قدیم دور سے عصر حاضر تک انہی دو فکروں کے حامیوں کے درمیان یعنی شیعہ اور اہل سنت والجماعت جو بعد میں نظریہ خلافت وامامت کے نام سے متعارف ہوئے جنگ وجدال،قتل وکشتار اور تصادم وتنافر کا بازار گرم ہے۔

نظام امامت وخلافت

مسلمانوں کو ایک دوسرے سے الگ تھلگ یا آپس میں دست وگریباں رکھنے کیلئے انہی دو (امامت وخلافت) کلمات سے زیادہ مہلک اور موثر کوئی اور کلمہ زیر گردش نہیں،ایک دوسرے کو خاموش اور زیر کرنے کیلئے ان دونوں کلمات میں سے ایک کو انتخاب کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے لہٰذا ہمیں دیکھنا یہ ہوگا کہ ان دونوں کلمات کی اصل حیثیت اور افادیت کیا ہے؟ان دونوں کلمات پر اتنا اصرار کیوں کیا جاتا ہے؟

جہاں تک ان کلمات کی افادیت کی بات ہے تو یہ واضح ہے کہ انہی کلمات نے دنیا کے گوشہ وکنار میں مسلمانوں کو امت محمدؐ کے نام سے اب تک متحد ہونے نہیں دیا ہے اس صورت حال کا فائدہ سب سے زیادہ دنیائے کفر وشرک کو ہوا ہے اور ہو رہا ہے جہاں تک اس کی حیثیت کی بات ہے تو یہ اس کی افادیت سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کلمہ صرف مسلمانوں کو آپس میں لڑانے اور جنگ وجدال کیلئے وضع کیا گیا ہے کیونکہ امتِ محمدؐ کبھی بھی قرآن وسنت پر مشتمل نظام کے بارے میں اختلاف نہیں کر سکتی لیکن اگر دشمن بلاواسطہ خود قرآن وسنت سے اختلاف کرتے تو اندر کا کفر وشرک اگل کر باہر آ جاتا اور وہ دائرۂ اسلام سے باہر نکالے جاتے۔اس لئے ایک گروہ نے اسلام کے دائرے میں رہ کر امتِ اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کیلئے صرف نظام

امامت کے دامن کو تھام لیا ہے تو دوسرے نے خلافت کی رسی پکڑی ہے حالانکہ دونوں الفاظ کے معنی ایک ہیں یعنی امت مسلمہ کی قیادت ورہبری وہی کرے گا جو پیغمبرؐ کا جانشین بنے گا، دونوں کے معنی میں اختلاف ظاہر کرنا ایسا ہے جیسے دو آدمیوں میں سے ایک پانی کو "ماء" کہے تو دوسرا اس پر اعتراض کرتے ہوئے بولے کہ میں پانی کو کوئی دوسرا نام دینے کو نہیں مانتا، درحقیقت دونوں کلمات کی متضاد تصاویر پیش کرنا بذات خود قرآن وسنت اور عقل سلیم سے متصادم عمل ہے۔

۱۔ نظام خلافت:

"نظام خلافت" کو تصویر کے دوسرے رخ کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اس پہلو میں امت کی قیادت ورہبری کے مسئلہ کو کلی طور پر لوگوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا ہے یعنی امت ہی اپنی تقدیر کا فیصلہ کرے گی اور امت کا فیصلہ خدا کو بھی منظور ہوگا۔

اس طریقہ انتخاب سے امت کو ہمج الرعٰی (وہ بھیڑ بکریاں جو بغیر چرواہا کے کھیت میں چھوڑی جاتی ہیں) اور ہرج ومرج کا سامنا کرنا پڑا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جاہلیت کے جس گڑھے سے بندگان خدا کو نکالنے کیلئے کل تک انبیاءؑ مبعوث ہوتے رہے آج بندگان خدا دوبارہ اسی گڑھے میں گرے ہوئے ہیں یعنی انہیں انسانوں پر چھوڑا گیا ہے، کل کا مذموم عمل آج مستحسن قرار دیا گیا ہے چنانچہ اسی ہرج ومرج نے تمیں (۳۰) سال بعد امت کو دوبارہ آمریت کے دلدل میں دھکیل دیا اور یوں امت محمدیؐ ایک بار پھر ظلم واستبداد اور سلاطین کی خدمت گزار بن گئی، یہ سب بدبختیاں صرف رسول اللہؐ کی مسلسل ومکرر سفارش، کتاب خدا اور آپؐ کی سنت سے انحراف وروگردانی کے نتائج ہیں جہاں آپؐ نے فرمایا تھا:

"انی تارک فی کم الثقلین کتاب اللّٰہ وسنتی او عترتی" "یقیناً تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہے ہوں ایک کتاب خدا اور دوسری میری سنت (یا عترت)"

۲۔ نظام امامت

نبی کریمؐ کے بعد قیامت تک خلفاء کو تمام امت کیلئے خلیفہ کہنے کی بجائے امام کہنے میں عقلی اور شرعی حوالے سے کوئی مذائقہ اور حذر نہیں ہے کیونکہ آپؐ کے بعد مسلمانوں کے قائد کو "خلیفہ" اور امت کی قیادت ورہبری کرنے والے کو امام کہتے ہیں اور مومنین کی ریاست اور امارت چلانے والے کو امیر المومنین کہا جاتا ہے، اس سلسلے میں جو بھی لفظ استعمال کریں گے اس میں کوئی مذائقہ نہیں البتہ کلمات کا مفاہیم کے ساتھ مطابقت رکھنا ضروری ہے، اصل مدعا کے بارے میں بحث وگفتگو کرنے کی بجائے لفظی جنگ وجدال میں عمر گزارنا ہر حوالے سے عقل ومنطق کے خلاف ہے۔ غرض پیغمبرؐ کی جگہ پر فائز ہونے والا چاہے ہم اسے امام کہیں، خلیفہ کہیں یا امیر المومنین کہیں دوسروں کی بنسبت اس میں احکام اسلام اور امت اسلام کی ہدایت ورہبری کیلئے زیادہ صلاحیت واہلیت کا ہونا ناگزیر ہے اس حوالے سے امت اسلامی میں اب تک جتنی بھی بحث وگفتگو ہوئی ہے وہ درحقیقت عدل و انصاف، دلیل وبرھان اور استدلال سے خالی جذبات واحساسات پر چلانے کی کوشش ہے۔ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے ان کلمات کو نیا دینا دیا ہے وہ کہاں تک صحیح ہیں اور ان کی یہ تحریک کس حد تک قرآن وسنت سے مطابقت رکھتی ہے؟

دوسری طرف نظام امامت کی جو تصویر پیش کی گئی ہے اس کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ ہمارے ہاں امام اوپر سے منسوب (منسوب من اللہ) ہوتا ہے اور امت کو امام کی تقرری و تعیین کا کوئی حق نہیں ہم یہاں پہلے نص کے لغوی و اصطلاحی معنی پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ یہ بات خارجی حقائق سے کتنی مطابقت رکھتی ہے۔

نص

امامت نص کے عمل میں آتی ہے نص کسے کہتے ہیں اس کے کیا دلائل ہیں اور یہ کب تک قائم رہ سکتی ہے؟ علم اصول میں ایک باب "دلالت الفاظ" کے نام سے ہے۔ علمائے اصول کسی لفظ کے معنی پر دلالت کرنے کے بارے تین تصور پیش کرتے ہیں:

۱۔ دلالت مطابقت: جو معنی ذہن میں آتا ہے لفظ سے پورا نکلتا ہے۔
۲۔ دلالت تضمن: (تضمنی) معنی کے ایک حصے پر دلالت کرتا ہے۔
۳۔ دلالت التزام: (التزامی) معنی و مقصود لفظ سے نہیں نکلتا ہے بلکہ معنی لفظ کے باہر سے نکلتا ہے۔

دلیل نص

جو معنی لفظ کی ترکیب اور سیاق و سباق سے واضح و روشن ہو اور اس کے خلاف کوئی دوسرا معنی لینا یا نکالنا بعید ہے۔ اس قسم کی دلیل کو علماء دلیل نص کہتے ہیں۔

نص کے لغوی معنی

صاحب مقائیس کہتے ہیں "ن اور ص" دو (۲) حرف سے مرکب ہے جو کسی چیز کے اٹھانے یا انتہا تک پہنچانے کو کہتے ہیں مثلاً نص الحدیث یعنی حدیث کو فلاں تک پہنچایا گیا، اسی سے منصۃ بنی ہے جو کہ اس چبوترے کو کہتے ہیں جہاں دولہا اور دولہن کو رکھا جاتا ہے، اسی طرح نص الحقاق بچے کا بالغ ہو جانا غرض کسی چیز کا اس طرح واضح ہونا جس کے بعد اس کے متعلق کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے، اسے نص کہتے ہیں۔

نص کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

الف۔ عام فہم، واضح و روشن ہے اور ہر انسان کے ذہن میں بھی یہی مفہوم آتا ہے اسے دلائل ظاہر کہتے ہیں۔

ب۔ اگر متصورہ معانی اپنی جگہ فہم میں ایک جیسے ہوں اور ایک کو دوسرے پر کوئی امتیاز و ترجیح نظر نہ آئے تو اسے مجمل کہا جاتا ہے۔

جب ہم اہل تشیع کے امامت سے متعلق عقیدے یعنی امام اور خلیفہ منصوص من اللہ و رسول ہونا چاہیے، کے بارے میں محققین کی پیش کردہ نصوص کا جائزہ لیتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ جن روایات اور آیات کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے وہ اپنے مدعا پر نص ہونا تو دور کی بات ہے ظہور کی حیثیت بھی نہیں رکھتیں جبکہ بعض اوقات بعید از قیاس معنی کو بزور طنز و تہمت فریق کو منوانے کی کوشش نظر آتی ہے۔

یہ کہنا کہ خدا کی طرف سے منتخب ہونے کے بعد بندوں کی طرف سے امام کا ساتھ دینے یا نہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور

نہ ہی امام کے انتخاب کے عمل میں کوئی تاثیر رکھتا ہے یہ بات سراسر غلط ہے۔ اگر امام منصوص من اللہ ہوتا ہے تو امت کا ساتھ دینے یا نہ دینے سے کوئی فرق نہ پڑنے والی بات کھلی غلط گوئی ہے کیونکہ خدا کی طرف سے انتخاب ہونے کے بعد بندوں کی طرف سے منتخب نہ ہونے سے امت شقاوت و بدبختی کے دہانے پہنچ جاتی ہے پھر امام و خلیفہ امت کی قیادت و رہبری جیسی فضیلت اور اطاعت سے محروم رہیں گے اور اس محرومیت کے بارے میں علیؑ اپنے تیسرے خطبے میں فرماتے ہیں:

"او صبر علی طخیۃ عمیاء یھرم فیھا الکبیر و یشیب فیھا الصغیر" "میں نے اس عالم میں صبر کیا کہ آنکھوں میں مصائب کی کھٹک تھی اور گلے میں رنج و غم کے پھندے تھے میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا"

دعوائے انتساب میں واقع علل و انجام

کہتے ہیں کہ خدا اور اس کے رسولؐ نے اپنے جانشین کا انتخاب نص صریح کے ذریعے خود نام لے کر کیا ہے لہٰذا جہاں خدا اور رسول انتخاب کا حکم فرمادیں اس سے روگردانی کا کسی کو بھی حق حاصل نہیں لیکن اس مفروضے پر چند اشکالات وارد ہوتے ہیں:

۱۔ پیغمبرؐ کی طرف سے اس قدر واضح و روشن اور صریح طور پر جانشین کے انتخاب کا عمل رونما ہونے کے بعد کیسے ممکن ہے کہ پوری امت اسے بھول جائے تاہم ایسے مواقع پر کسی ایک کی طرف سے باغیانہ طور پر حد سے تجاوز کرنے یا ناجائز طور پر اس منصب پر قابض ہونے کو تسلیم بھی کیا جائے تو پوری امت کی طرف سے اس سے چشم پوشی ناقابل ہضم و فہم ہے اور یہی ایک اہم سوال ہے جس کا جواب اطمینان اور تسلی بخش طریقے سے دینے کی ضرورت ناقابل انکار اور حیاتی ہے۔

۲۔ پیغمبرؐ کی جانشینی کیلئے خود سے انتخاب کرنے کی کیا منطق اور حکمت ہوسکتی ہے؟ اس طریقہ کار کو دنیا میں رائج طریقہ استقراطی اور وراثتی دائرے سے کیسے الگ یا ممتاز کیا جا سکتا ہے؟

۳۔ یہ طریقہ دین اسلام کیلئے جو ایک ابدی و دائمی دین ہے مادام العمر یعنی قیام قیامت تک کیلئے قابل عمل اور موضوع حکم نہیں بن سکتا اور اس کی کوئی ضمانت نہیں کیونکہ یہ دعویٰ ۲۶۰ ہجری سے ناپید ہے۔ جس کے بعد سے اب تک عمل نہیں ہوا ہے۔

۴۔ امامت پر دلالت کرنے والی یہ کشتی دو بڑی قباحتوں کی چٹانوں سے ٹکراتی ہے جو کہ دین اسلام کے سراسر خلاف اور بے بنیاد ہے کیونکہ اس نظریہ اور منطق کا ایک معنی استبداد و آمریت ہے جو قرآن کی کثیر آیات اور روایات کے خلاف ہے۔

۵۔ خداوند عالم فرماتے ہیں کہ دین میں (اکراہ) جبر نہیں۔ نبی کریمؐ کیلئے کہا گیا کہ آپ لوگوں پر مسلط نہ ہوں یعنی آپ لوگوں کو مجبور نہ کریں اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ دین اسلام قیام قیامت تک قائم و دائم رہنے والا دین ہے جبکہ انتخاب الٰہی کا سلسلہ ۲۶۰ ہجری کے بعد اختتام کو پہنچا جسکے بعد یہ گروہ انسانی نظامِ حیات میں زندگی کو جاری و ساری رکھنے کیلئے کشکول، سیکولرزم کے آگے پھیلا رہے ہیں یا ان کے نوکر و مزدور بننے پر مجبور ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، بدقسمتی سے دین و شریعت کے ترجمان یہ کہتے ہوئے کسی قسم کی شرم و حیا محسوس نہیں کرتے کہ ہمارے لئے سیکولر نظام ہی بہتر ہے۔

۶۔ اس مدعا کو خود اہل بیت والوں نے بھی قبول نہیں کیا ہے چنانچہ خود اس خاندان سے وقتاً فوقتاً اس منصب کے مختلف

افرادداعی بنے ہیں ان کا کہنا تھا کہ خلیفہ خود اہل بیت نبی سے منتخب ہونا چاہیے۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس مسئلے کے بارے میں پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے کوئی نص نہیں تھی ورنہ خاندان والوں کا کم سے کم اس پر اتفاق ہونا ضروری ہے۔

ے۔کچھ افراد کا اصرار ہے کہ نبی کریمؐ نے اپنے بعد کے جانشینوں کا یکے بعد دیگر بطور نص صریح الفاظ میں تعین فرمایا ہے۔ اگر ان کے اس تصور کو مان لیا جائے اور اس حقیقت کے مخالفین پلٹ کر ان سے سوال واستفسار کریں کہ اگر ہم اس بات کو تسلیم کریں کہ وفات پیغمبرؐ کے بعد خلیفہ اول و دوم اور ان کے ساتھی نے اپنی سابقہ سازش کے تحت اس نص سے چشم پوشی اور اسے نظر انداز کر کے اس مقام کو اپنے لئے حاصل کیا اور ان کی پیغمبرؐ کے اس فیصلے کی مخالفت پر اتفاق نظر کو بھی قبول کرلیں تب بھی یہ سوال اپنی جگہ زندہ وباقی رہتا ہے کہ امت کے دیگر افراد سے تو یہ مسئلہ پوشیدہ نہیں تھا!خاص کر کے پیغمبر اسلامؐ کی نصرت ،معاونت اور ہمدردی کرنے والے افراد سے اور اس سے زیادہ اس گھرانے کے خاص الخاص اور متقیوں سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہونا چاہیے تھا ہم اس سلسلے میں چند تاریخی و مسلمہ واقعات کو پیش کرتے ہیں:

الف۔انصار فوراً ہی ساعدہ میں جمع ہوئے اور اس منصب کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دینے پر اتفاق کیا ان کی نظر میں خلافت کا امیدوار ایسا شخص تھا جس نے عقبۂ دوم کے موقع پر پیغمبر اسلامؐ کی بیعت کی جنگوں میں پیغمبرؐ کے ساتھ رہا اور بعض جنگوں میں پرچم دار بھی رہا ہو وہ خود کو امامت وخلافت کے امیدوار کے طور پر پیش کرے۔

ب۔سعد بن عبادہؓ کے بیٹے قیسؓ جو کہ بعد میں علیؑ کے ساتھ رہے اور امام حسنؑ کے بہت عاشق وشیدا تھے انھوں نے اتنا تک نہیں کہا کہ ابا جان! آپ نے پیغمبرؐ کے طرف سے نامزدگی کو اتنی جلدی کیسے فراموش کیا۔

ج۔انصار دو قبیلوں اوس وخزرج پر مشتمل تھے اور پیغمبر اسلامؐ کی وجہ سے آپس میں متحد تھے ورنہ انکے دلوں میں ایک دوسرے کیلئے دیرینہ نفرت وعداوت موجود تھی چنانچہ ان میں وقتاً فوقتاً موقع ومحل پر عداوت کے آثار نمودار ہوتے رہتے تھے لیکن پیغمبرؐ اسے دبا دیتے تھے چنانچہ یہ عداوت ثقیفہ میں بھی ظاہر ہونی چاہیے تھی اور قبیلہ اوس کیلئے قبیلہ خزرج کو بدنام کرنے کا یہ اچھا موقع تھا کہ صرف اتنا کہہ دیتے کہ ابھی تو پیغمبر دفن نہیں ہوئے ہیں اور ہم لوگوں نے ان کے فرمان کو نظر انداز کر دیا ہے۔

د۔محمد حنفیہ جو امیر المومنین علیؑ کے فرزند رشید اور صفات حمیدہ کے حامل تھے انہوں نے اپنے لئے اس منصب کا دعویٰ کیا اور ان کے بعد ان کے بیٹے نے باپ کی وصیت کا دعویٰ کر کے اس مقام ومنصب پر قبضہ کیا اور خلائق کی ایک کثیر نے ان کی دعوت کو قبول کیا۔

ھ۔کہتے ہیں کہ زید بن علیؑ نے بھی اس منصب کیلئے قیام کیا امام جعفر صادقؑ نے اس قیام کی ناکامی کو مدنظر رکھتے ہوئے انھیں اس سے منع کیا،لیکن ان کی شہادت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ کامیاب ہوتے تو ہمارے ساتھ انصاف کرتے کیوں امام صادقؑ نے ان سے یہ نہیں فرمایا عمِ بزرگوار!جو مقام آپ کو خدا اور اس کے رسولؐ نے نہیں دیا ہے،اسے حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔اس میں گناہ ہے بلکہ خدا نے یہ مقام صرف ہمیں عنایت فرمایا ہے۔

و۔ جس مجلس میں فرزندانِ عبداللہ محض نفس زکیہ اور ابراہیم نے لوگوں سے بیعت لی وہاں امام صادقؑ بھی موجود تھے اور آپؑ سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا گیا ۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ امام حسن مجتبیٰؑ کے خاندانِ پاک کو یہ علم نہ ہو کہ امام صادقؑ نص صریح کے ذریعے منتخب شدہ ہیں چنانچہ جب نص صریح کی بات نسلِ امام حسنؑ سے پوشیدہ ہو تو دوسروں پر کیسے واضح ہو سکتی ہے اگر یہ لوگ بھی جاہل تھے اور نہیں جانتے تھے یا تجاہل کرتے تھے تو امام صادقؑ کا یہ فرض تھا کہ ان سے یہ فرماتے کہ آپ کس مقام و منصب کا دعویٰ کرتے ہیں یہ مقام و منصب تو خدا اور رسولؐ کی طرف سے طے شدہ خاص افراد کیلئے ہے ہر شخص کو اس کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

ز۔ زید بن علیؑ کے تابعین اور پیروکار کہتے تھے کہ یہ منصب اس انسان کیلئے ہے جو فاطمی النسل ہو اور قیام بالسیف کرے اور کیونکہ امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ نے قیام بالسیف نہیں کیا ہے لہٰذا اس طریقہ انتخاب کی وجہ سے یہ منصب ان کو نہیں مل سکا چنانچہ اسی اصول کے تحت پیروانِ زید بن علیؑ نے امامت کیلئے دوبارہ امام حسنؑ کی اولاد سے نئے فرد کو منتخب کیا۔

تاہم پیغمبرؐ کی خواہش تھی آپؐ کا جانشین آپ کے ہی اہل بیتؑ میں سے ہو آپ مخصوص افراد کے انتخاب کے خواہاں تھے اور آپ کا دل چاہتا تھا کہ یہ ہستی منتخب ہو جائے پیغمبرؐ کی یہ خواہش کسی شریعت، قرآن اور عقل بھی کے کسی بھی اصول و معیار سے کسی بھی حوالے سے متصادم نہیں تھی بلکہ قرآن کے عین مطابق تھی اس حوالے سے چند گذارشات درج ذیل ہیں

- ☆ اگر اس خواہش پر عمل نہیں کیا گیا تو اس سے روگردانی کرنے والے افراد کی کیا سزا ہو گی اور ان کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے اس کا تعین بھی قرآن و سنت کے تحت ہونا چاہیے۔
- ☆ ہر قسم کے انتخاب کے اصول یا عام معیارات و امتیازات قرآن و سنت کے مطابق ہونے چاہیے تا کہ امت رہتی دنیا تک ہر موقع و محل پر اپنے لئے رہبر و قائد انتخاب کرنے میں ان اصولوں سے انحراف نہ کرے، یہ پیغمبرؐ کی بھی خواہش تھی۔ لیکن حضورؐ کی سفارش کی پاسداری نہ کرنے کی وجہ سے آج امت مسلمہ جن کے احکامات و آئین کا مصدر و مآخذ قرآن و سنت ہے وہ نظام امامت، نظام خلافت اور نظام رسالت سے محروم اور دست خالی ہے شیعوں میں امام زمانہؑ کی غیبت کے بعد مجتہدین اور اخباریین کی حکومت یا پھر مجتہدین کی ولایت فقیہ کی حکومت کے سلسلے میں اختلاف ہے، جو کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد امت میں خلافت و امامت کی ایک مثال ہے۔
- ☆ کم ترین اور سب سے نچلی سطح کے کسی بھی مسئلہ و مفہوم یا تشخص کو دین کی بنیاد اور اساس بنانا درحقیقت ایسے مذموم عزائم کی پاسداری کرنا ہے جس سے فرسودہ نظریات کا پرچار کیا جا سکے اس نظریے کا قائل گروہ دراصل اسلام میں اختلاف پیدا کر کے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے دور کرنے کے عزائم پر کاربند ہے جس دن پیغمبرؐ تشریف لائے اسی روز سے بننے والا دین اور نظام یعنی قرآن و سنت کا نظام قیام قیامت تک کیلئے ہے۔ اس نظام کے تحت امت کے حاکم کا اسلام

کے بارے میں علم، اسلام پر ایمانِ کامل اور خدمت گزار اسلام ہونے کے علاوہ امت کے تمام معاملات میں اسلام کے دائرے میں ہونا ضروری ہے، یہ اصول کسی بھی جگہ اور زمانے کیلئے قابل تنسیخ نہیں ہے اور دور حاضر میں بھی اسے پرانا، بوسیدہ اور جاہلانہ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ ہمیشہ تر وتازہ اور سرسبز و شاداب رہنے والا نظام ہے۔

۸۔ علمائے اسلام نے قدیم زمانے سے عصر حاضر تک امیر المومنین علیؑ کی خلافت کے بارے میں جن دلائل سے استدلال کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت و امامت کیلئے ان کے نزدیک نص نہیں بلکہ معیار اور کسوٹی ضروری ہے، چنانچہ آپ مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ کتاب دلائل صدق میں شیخ محمد حسن مظفر اور احقاق الحق میں قاضی نور اللہ شوستر نے شیعہ مسلک میں انتخاب خلیفہ کے ثبوت میں نص کی بجائے معیار اور اصول سے استدلال کیا گیا ہے یعنی ایک امام کیلئے جن صفات کا حامل ہونا چاہیے وہ تمام صفات علیؑ میں پائی جاتی تھیں مثلاً:

۱۔ امام معصوم ہونا چاہیے۔

۲۔ امام کا رعیت سے افضل ہونا۔ آیات قرآنی اور روایات کثیرہ سے اس بارے میں استدلال کیا گیا ہے۔

۹۔ جو دلائل علماء نے اس سلسلے میں پیش کئے ہیں وہ بھی نص کے خلاف ہیں البتہ اس بارے میں امیر المومنینؑ کی خلافت پر جو بھی دلائل پیش کیے گئے ہیں وہ علامہ حلی کے دلائل پر مشتمل ہیں۔ انہوں نے علیؑ کی خلافت کے بارے میں ایک ہزار دلائل پیش کیے جو کہ آیات قرآنی کی تاویلات یا نبی کریمؐ کی طرف سے علیؑ کے بارے میں بتائی گئی فضائل والی روایات ہیں یا پھر مختلف مقامات پر نبی کریمؐ کا علیؑ کے ساتھ سلوک ہے، یہ تمام معیار فضیلت پر مبنی دیگر اصول و ضوابط کی آمیزش کے بعد علیؑ کی خلافت یا مستحق خلافت ہونا ثابت ہوتا ہے، جو چیز دلائل یا فضائل سے ثابت کی جاتی ہے اسے نص نہیں کہا جاتا ہے لہٰذا پہلے مرحلے پر ضروری ہے کہ اصول تخاطب اور بیان کی اقسام سے آشنا ہوں۔

اصول بیان کے تحت سب سے اولیٰ برتر اور بہترین بیان کو نص کہا جاتا ہے چنانچہ ایسے بیان میں سامع یا مخاطب کو بیان کی مخالف سمت کو اپنانے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ بیان جتنا واضح و روشن اور نا قابل تردید احتمال پر مشتمل ہو اسے نص کہا جاتا ہے۔ خلافت امیر المومنینؑ کے سلسلے میں جو چیز نص کے طور پر پیش کی گئی ہے وہ قصہ غدیر ہے اور غدیر کے خطبہ میں جو کلمہ مولیٰ آیا ہے وہ دلائل و قرائن اور شواہد سے ثابت ہے کہ یہاں مولیٰ سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے جو نص نہیں ہے البتہ یہ دلائل فریق مخالف کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ وہ ہماری تفسیری دلائل قبول کر لیں تا ہم فریق اپنی جگہ حق رکھتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ ہمارے لئے یہ مطلب واضح نہیں ہے لیکن جو چیز واضح و عیاں ہو اس سے انکار کرنے کا جواز کسی کو نہیں ملتا ہے، شریعت و دین کا ہر بیان واضح و آشکار ہونا چاہیے چنانچہ قرآن کریم میں خداوند متعال فرماتے ہیں کہ اس کی حجتیں واضح ہیں اگر مسلمین کے دونوں گروہ جانشین کے انتخاب کے بارے میں قرآن و سنت اور سیرت نبی کریمؐ کی روشنی میں اصول و معیار پر بحث و گفتگو کرتے تو وہ اپنی سعادت کے ساتھ پوری انسانیت کے یا دیگر اقوام و ملل

کے سامنے قابل رشک ہو جاتے۔ہم کہتے ہیں کہ نظریہ نص والوں کے اصول وضوابط کے تحت پیغمبرؐ کو چاہیے تھا کہ اپنے جانشین کی نشاندہی کرتے یا نص کی بنیاد پر خلیفہ انتخاب کرنے کی وصیت وسفارش کرتے جس کے بعد امت اسلام کو ایسے روزگار کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

۱۰۔تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ شیعہ جو انتساب کے قائل ہیں آخری منصوص جانشین کی غیبت کے بعد سے ابھی تک موجودہ دور میں امام ورہبر کے انتخاب کیلئے منصوص من اللہ ورسولؐ ہونے کی شرط کو ضروری گردانتے ہیں جبکہ ان کے حق میں کسی قسم کی نص نہیں، یہ لوگ سرے سے جمہوری انتخاب کے سخت مخالف ہیں اور دوسری جانب اہل سنت والجماعت کے بارے میں ختم نہ ہونے والا حیرت وتعجب یہ ہے کہ انتخاب پر اتنا اصرار کرنے کے باوجود کبھی بھی انہیں ایک ایسا خلیفہ منتخب کرنا نصیب نہیں ہوا جو نمونہ بن جائے لہٰذا ہم اس سلسلے میں نہ اہلِ انتساب ونامزدگی کے دلائل پر مطمئن ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اہل انتخاب کے قائم کردہ دلائل وشواہد اور نمونوں سے استفادہ کرسکتے ہیں۔البتہ ہم انتخاب خلیفہ میں طریقۂ انتساب کے نقائص اور خامیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے انتخاب صالح کیلئے قرآنِ کریم کی آیات اور نبی کریمؐ کی پاک ومطہر سنت سے رہنمائی لے سکتے ہیں۔ہم طریقۂ انتخاب میں نہ اہل سنت والجماعت کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں کیونکہ انہیں کبھی بھی ایسا کوئی موقع ومحل نصیب نہیں ہوا ہے اور نہ ہم اس سلسلے میں دنیائے جمہوریت کے تجربات سے استفادہ کریں گے کیونکہ ان کی جمہوریت کے تجربات میں ایک طرف سے دین وشریعت اور فضائل واقدار کا کوئی کردار نہیں تو دوسری طرف سے ان کی جمہوریت اپنی حدود واور علاقے تک محدود ہے لہٰذا ہمارے طریقہ انتخاب کا ہر کلمہ ولحہ اور حرف قرآن وسنتِ رسولؐ اور تاریخ بشریت کے گذشتہ اور دور حاضر کے عقلا کی سیرت پر قائم واستوار ہے اور اگر کوئی راہ یا طریقہ قرآن وسنت کے خلاف یا بالمقابل نہ ہو تو اس بہتر روش کو اپنانے میں کوئی عار وننگ محسوس نہیں ہوگا گرچہ وہ طریقہ دنیائے کفر وشرک کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ بہتری کے اپنانے کے بارے میں حدیث نبویؐ ہے کہ ''حکمت جہاں سے بھی ملے لے لو'' دوسری طرف عقلاء کی سیرت ہے اور عقلاء کی پیروی وتاسی کرنا ہمارے دین کے عین مطابق ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے جنگوں میں علمبرداران

شمارہ	علمبردار	قبیلہ/خاندان	مہم	تاریخ مہم
۱	ابومرثدؓ	قیس عیلان/بنوغنی	سریہ حمزہؓ (سیف البحر)	۱ہجری
۲	مسطح بن اثاثہؓ	قریش/مطلب	سریہ عبیدہ بن حارثؓ (رابغ)	۱ہجری
۳	مقداد بن عمروؓ	قضاعہ/بہراء	سعد بن ابی وقاصؓ (خرار)	۱ہجری
۴	حمزہ بن عبدالمطلبؓ	قریش/ہاشم	غزوہ ودان	۲ہجری
۵	سعد بن ابی وقاصؓ	قریش/زہرہ	غزوہ بواط	۲ہجری
۶	علی بن ابی طالبؑ	قریش/ہاشم	غزوہ بدر اولی	۲ہجری
۷	حمزہ بن عبدالمطلبؓ	قریش/ہاشم	غزوہ ذات العشیرہ	۲ہجری
۸	مصعب بن عمیرؓ	قریش/عبدالدار	غزوہ بدر عظیم	۲ہجری
۹	حباب بن منذرؓ	خزرج/سلمہ	غزوہ بدر عظیم	۲ہجری
۱۰	سعد بن معاذؓ	اوس/عبدالاشہل	غزوہ بدر عظیم	۲ہجری
۱۱	حمزہ بن عبدالمطلبؓ	قریش/ہاشم	غزوہ بنی قینقاع	۲ہجری
۱۲	علی بن ابی طالبؑ	قریش/ہاشم	غزوہ الکدر	۳ہجری
۱۳	مصعب بن عمیرؓ	قریش/عبدالدار	غزوہ احد	۳ہجری
۱۴	ابوالروم بن عمیرؓ	قریش/عبدالدار	غزوہ احد	۳ہجری
۱۵	اسید بن حضیرؓ	اوس/عبدالاشہل	غزوہ احد	۳ہجری
۱۶	حباب بن منذرؓ	خزرج/سلمہ	غزوہ احد	۳ہجری
۱۷	علی بن ابی طالبؑ	قریش/ہاشم	غزوہ حمراءالاسد	۳ہجری
۱۸	علی بن ابی طالبؑ	قریش/ہاشم	غزوہ بنی نضیر	۴ہجری
۱۹	علی بن ابی طالبؑ	قریش/ہاشم	غزوہ بدر الموعد	۴ہجری
۲۰	ابوبکر بن ابی قحافہؓ	قریش/تیم	غزوہ مریسیع	۵ہجری
۲۱	سعد بن عبادہؓ	خزرج/ساعدہ	غزوہ مریسیع	۵ہجری
۲۲	زید بن حارثہؓ	کلب/مولائے رسول	غزوہ خندق	۵ہجری
۲۳	سعد بن عبادہؓ	خزرج/ساعدہ	غزوہ خندق	۵ہجری

شمارہ	علمبردار	قبیلہ/خاندان	مہم	تاریخ مہم
۲۴	علی بن ابی طالبؓ	قریش/ہاشم	غزوہ بنی قریظہ	۵ہجری
۲۵	مقداد بن عمروؓ	قضاعہ/بہراء	غزوہ غطفان	۶ہجری
۲۶	ابوبکر بن ابی قحافہؓ	قریش/تیم	غزوہ خیبر	۷ہجری
۲۷	عمر بن خطابؓ	قریش/عدی	غزوہ خیبر	۷ہجری
۲۸	علی بن ابی طالبؓ	قریش/ہاشم	غزوہ خیبر	۷ہجری
۲۹	حباب بن منذرؓ	خزرج/سلمہ	غزوہ خیبر	۷ہجری
۳۰	سعد بن عبادہؓ	خزرج/ساعدہ	غزوہ خیبر	۷ہجری
۳۱	مسطح بن اثاثہؓ	قریش/مطلب	غزوہ خیبر	۷ہجری
۳۲	سعد بن عبادہؓ	خزرج/ساعدہ	وادی القریٰ	۷ہجری
۳۳	حباب بن منذرؓ	خزرج/سلمہ	وادی القریٰ	۷ہجری
۳۴	سہل بن حنیفؓ	اوس/مالک	وادی القریٰ	۷ہجری
۳۵	سعد بن عبادہؓ	خزرج/ساعدہ	فتح مکہ	۸ہجری
۳۶	قیس بن سعد بن عبادہؓ	خزرج/ساعدہ	فتح مکہ	۸ہجری
۳۷	قطبہ بن عامرؓ	خزرج/سلمہ	فتح مکہ	۸ہجری
۳۸	عمارہ بن حزمؓ	خزرج/نجار	فتح مکہ	۸ہجری
۳۹	عبداللہ بن زیدؓ	خزرج/حارث	فتح مکہ	۸ہجری
۴۰	سلیط بن قیسؓ	خزرج/نجار	فتح مکہ	۸ہجری
۴۱	زبیر بن عوامؓ	قریش/اسد	فتح مکہ	۸ہجری
۴۲	علی بن ابی طالبؓ	قریش/ہاشم	فتح مکہ	۸ہجری
۴۳	سعد بن ابی وقاصؓ	قریش/زہرہ	فتح مکہ	۸ہجری
۴۴	ہلال بن امیہؓ	اوس/واقف	فتح مکہ	۸ہجری
۴۵	ابونائلہؓ	اوس عبدالاشہل	فتح مکہ	۸ہجری
۴۶	جابر بن عتیکؓ	اوس/بنو معاویہ	فتح مکہ	۸ہجری
۴۷	ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ	اوس/خطمہ	فتح مکہ	۸ہجری
۴۸	خزیمہ بن ثابتؓ	اوس/خطمہ	فتح مکہ	۸ہجری
۴۹	ابواسیدؓ	خزرج/ساعدہ	فتح مکہ	۸ہجری

شمارہ	علمبردار	قبیلہ/خاندان	مہم	تاریخ مہم
۵۰	قتادہ بن نعمانؓ	خزرج/ظفر	فتح مکہ	۸ہجری
۵۱	ابوبردہ ہانی بن نیارؓ	خزرج/حارثہ	فتح مکہ	۸ہجری
۵۲	حیان بن حکمؓ	سلیم	فتح مکہ	۸ہجری
۵۳	یزید بن اخنسؓ	سلیم	فتح مکہ	۸ہجری
۵۴	خفاف بن ندبہؓ	سلیم	فتح مکہ	۸ہجری
۵۵	عوف بن مالکؓ	غطفان/اشجع	فتح مکہ	۸ہجری
۵۶	خزاعی بن عبدنہمؓ	مزینہ	فتح مکہ	۸ہجری
۵۷	نعمان بن مقرنؓ	مزینہ	فتح مکہ	۸ہجری
۵۸	عبداللہ بن عمروؓ	مزینہ	فتح مکہ	۸ہجری
۵۹	بلال بن حارثؓ	مزینہ	فتح مکہ	۸ہجری
۶۰	بریدہ بن حصیبؓ	اسلم	فتح مکہ	۸ہجری
۶۱	ناجیہ بن اعجمؓ	اسلم	فتح مکہ	۸ہجری
۶۲	معبد بن خالدؓ	جہینہ	فتح مکہ	۸ہجری
۶۳	سوید بن صخرؓ	جہینہ	فتح مکہ	۸ہجری
۶۴	زید بن خالدؓ	جہینہ	فتح مکہ	۸ہجری
۶۵	عبداللہ بن بدرؓ	جہینہ	فتح مکہ	۸ہجری
۶۶	بشرؓ بن ابی سفیان	خزاعہ/کعب	فتح مکہ	۸ہجری
۶۷	ابوشریحؓ	خزاعہ/کعب	فتح مکہ	۸ہجری
۶۸	عمرو بن سالمؓ	خزاعہ/کعب	فتح مکہ	۸ہجری
۶۹	علی بن ابی طالبؑ	قریش/ہاشم	غزوہ حنین	۸ہجری
۷۰	سعد بن ابی وقاصؓ	قریش/زہرہ	غزوہ حنین	۸ہجری
۷۱	عمرؓ بن خطاب	قریش/عدی	غزوہ حنین	۸ہجری
۷۲	حباب بن منذرؓ	خزرج/سلمہ	غزوہ حنین	۸ہجری
۷۳	سعد بن عبادہؓ	خزرج/ساعدہ	غزوہ حنین	۸ہجری
۷۴	اسید بن حضیرؓ	اوس/عبدالاشہل	غزوہ حنین	۸ہجری
۷۵	ابوبکرؓ بن ابی قحافہ	قریش/تیم	غزوہ تبوک	۹ہجری

شمارہ	علمبردار	قبیلہ/خاندان	مہم	تاریخ مہم
۷۶	زبیر بن عوامؓ	قریش/اسد	غزوہ تبوک	۹ ہجری
۷۷	اسید بن حضیرؓ	اوس/عبدالاشہل	غزوہ تبوک	۹ ہجری
۷۸	عمارہ بن حزمؓ	خزرج/نجار	غزوہ تبوک	۹ ہجری
۷۹	ابو دجانہؓ	خزرج/نجار	غزوہ تبوک	۹ ہجری
۸۰	حباب بن منذرؓ	خزرج/سلمہ	غزوہ تبوک	۹ ہجری
۸۱	زید بن ثابتؓ	خزرج/نجار	غزوہ تبوک	۹ ہجری
۸۲	ابو زیدؓ	خزرج/عمرو بن عوف	غزوہ تبوک	۹ ہجری
۸۳	معاذ بن جبلؓ	خزرج/سلمہ	غزوہ تبوک	۹ ہجری
۸۴	عبداللہ بن مالکؓ	خزرج/ بنوقطیعہ بن عبس	غزوہ تبوک	۹ ہجری
۸۵	عامر بن سالمؓ	اسلم	غزوہ تبوک	۹ ہجری
۸۶	بریدہ بن حصیبؓ	اسلم	سریہ اسامہ بن زید	۱۱ ہجری

خلفاء راشدین

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ
بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ
اٰتٰکُمْ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور ایک دوسرے پر
رتبہ بڑھایا تا کہ تم کو آزمائے ان چیزوں میں جو تم کو دی ہیں۔
بالیقین آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بالیقین وہ واقعی بڑی
مغفرت کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

(سورہ مبارکہ انعام آیت ۱۶۵)

خلفائے رسول ﷺ

اہل عقل و دانش اور عرف وشریعت سے وابستہ تمام انسان کسی شخص کے مرنے کے بعد یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنے پیچھے کیا چھوڑ کر گیا ہے۔قدر ومنزلت والی کسی ہستی کے معاشرے سے اٹھ جانے کے بعد اس بارے میں دینی و مذہبی اور اجتماعی واقتصادی غرض تمام حلقوں کے لوگ اپنے اپنے زاویۂ نگاہ کے تحت پوچھتے ہیں کہ مرحوم نے اپنے سوگواران میں کس کس کو چھوڑا ہے اسی طرح آپؐ کی وفات کے بعد اہل دنیا، عشائر وقبائل اور ہر خبر سننے والے نے اپنے حلقے کے تناظر میں پوچھا ہوگا کہ پیغمبر اسلامؐ نے اپنے زیر کفالت، اپنے سوگوران اور اپنے سے وابستہ افراد کیلئے کیا چھوڑا ہے۔آج بھی امت کے ذہنوں میں نبی کریمؐ کے متعلق یہی سوال پیدا ہوتا ہے، سوال پوچھنے والوں کو تاریخ یوں جواب دیتی ہے:

محمدؐ کی شناخت دو طرح سے ہے:

۱۔ آپؐ نے بحیثیت عام انسان اپنے وابستگان میں نو زوجات اور ایک بیٹی کو چھوڑا جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

۲۔ آپؐ نے بحیثیت نبیؐ مبعوث من اللہ ہونے کی حیثیت سے دو چیزیں چھوڑیں:

الف۔ اسلام

ب۔ امت

اسلام

اسلام قرآن کریم اور سنت رسول اللہ کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔نوع انسانی چاہے دین و مذہب یا کفر والحاد پر قائم ہو اس کا اجتماعی زندگی گزارنے کیلئے ایک دستور و آئین کا محتاج ہونا کسی سے پوشیدہ نہیں، ایسا آئین جو آپس کی حدود وقیود کا تعین کرے اسے قانون کہتے ہیں، اس قانون کو بڑے اجتماع سے لے کر چھوٹے گروہ اور خاندان تک احاطہ کرنا چاہیے لیکن ایسا آئین و دستور یا قانون کون وضع کرے گا کون ہے جس کی نظر میں اجتماع کے تمام مفادات ہوں پھر اس بات کی کیا ضمانت ہے؟ اس سلسلے میں دو نکات پیش کرتے ہیں:

☆ اگر یہ قانون ساز نوع بشر کی فکر وسوچ کا حامل ہو تو صرف خاندان اور خاندان سے متعلقہ افراد کو اپنی حدود میں لے گا۔

☆ اگر قانون ساز مافوق بشر سے ہو تو نوع بشر کے چھوٹے بڑے تمام خاندانوں پر احاطہ کرے گا جیسا کہ آئین سماوی و الٰہی ہے۔ایک ایسا قانون صرف خدا ہی وضع کرسکتا ہے جس میں تمام نوع بشر کی شکل وصورت، قد وقامت اور رنگ و بو کا احاطہ کیا گیا ہو قرآن کا دعویٰ ہے کہ ہم نے بشر کیلئے ایسا ہی آئین تخلیق کیا ہے۔اسی کا نام اسلام ہے اور اسی کے ماننے والوں کو امت اسلام کہتے ہیں۔

قرآن میں امت کے خدا، خود رسولؐ اور عام لوگوں سے تعلقات اور ذمہ داریوں کا بیان موجود ہے قرآنی اصول وضوابط

کونظر انداز کرنے یا پیچھے چھوڑنے کے بعد کسی کی بھی کوئی مقام وحیثیت باقی نہیں سب کے بارے میں امت کو ہی جواب دہ ہونا ہے چاہے خواص امت سے ہو یا عوام سے لہٰذا امت ہی سے شروع کرتے ہیں۔

امت

امت سے مراد ایسی امت نہیں ہے جو مادی ونفسیاتی، عقلانی وقومی یا علاقائی بنیادوں پر دنیا کے گوشہ وکنار میں پائی جاتی ہے کیونکہ اس امت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اگر کسی امت کے ہاں یہ تصور پایا جاتا ہو تو وہ امت اسلام کہلانے کی مستحق قرار نہیں پائے گی، نبی کریمؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے ساتھ وہی عام سلوک ہوا جو صاحبان اقتدار اور صاحبان مال وثروت کے ساتھ ہوتا آیا ہے، ہر ایک نے ایک ورثہ کو پکڑا ہے کسی نے اصحاب کو، کسی نے اہل بیت کو، کسی نے زوجات کو، کسی نے قرآن کو، کسی نے سنت کو اور کسی نے عترت کو گویا یہ سب لوگ مل کر نہیں چلے۔

امت اسلام اپنی چار دیواری کے اندر مختلف گروہوں میں منقسم ہے۔ ہم اس سلسلے میں قرآن وسنت کے مختلف زاویوں سے اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

ایک گروہ نے پیغمبرؐ کی ۲۳ سالہ زندگی کے نشیب وفراز میں آپؐ کا ساتھ دیا، اس کا ذکر قرآن وسنت میں تکرار کے ساتھ ہوا ہے خداوند متعال نے اپنی کتاب کے اندر اس کی تعریف میں امت خیر، امت وسط اور بنیان مرصوص کہا ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے خارج کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو" (آل عمران ۱۱۰) ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ "ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے" (بقرہ ۱۴۳) ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ "اللہ یقیناً ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر اس طرح لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں" (صف ۴)

پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد امت اور آپؐ کے درمیان یہی گروہ واسطہ تھا جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا۔ امت صالح وخیر بننے اور اس کے دوام وبقاء کیلئے درج ذیل عناصر کا پایا جانا ضروری ہے۔

پہلا عنصر

تمام افراد مؤمن اور اصول ثلاثہ (توحید، نبوت اور معاد) پر ایمان رکھتے ہوں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ "مومن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں پھر شک نہ کریں اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کریں" (حجرات ۱۵)

دوسرا عنصر

پوری امت ہدف اور منزل کی طرف ہجرت کرے اور مادیت سے نکل کر معنویات کی طرف، جاہلیت سے عقلیت کی طرف، کفر و شرک سے ایمان و اسلام کی طرف، مشرکانہ معاشرے سے مسلمان معاشرے کی طرف ہجرت کرنے کیلئے آمادہ ہو اگر امت مادہ پرستی، قوم پرستی اور اقربا پروری کی دلدل سے نکلنے کیلئے تیار نہ ہو تو امت مسلمہ نہیں کہلائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے نبی کریمؐ پر نازل کردہ ابتدائی آیات میں پہلے اسی کی طرف دعوت دی ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾
"اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو نیکی کی دعوت اور بھلائی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں" (آل عمران ۱۰۴)

تیسرا عنصر

تیسرا عنصر جہاد ہے، دین اپنانے اور اس کی تبلیغ کیلئے ہر قسم کی زحمت اور مشقت کو برداشت کرنے، اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو ہٹانے، مزاحمت کرنے والوں کو سمجھانے اور بوقت ضرورت دشمن کا مقابلہ کرنے کو جہاد کہتے ہیں جب امت اس کام کیلئے آمادہ ہو گی تب اسے امت محمد یہ کہہ سکتے ہیں:

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ "اور راہ خدا میں ایسے جہاد کرو جیسے جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں منتخب کیا ہے اور دین کے معاملے میں تمہیں کسی مشکل سے دوچار نہیں کیا" (حج ۷۸) ﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ "یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام امور کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے" (حج ۴۱)

چوتھا عنصر

چوتھا عنصر مسلمان معاشرے کا قیام ہے۔ درج بالا عناصر سے بننے والی امت کیلئے ایک جگہ کا انتخاب کرنا ضروری ہے جہاں وہ کفر و شرک اور ادیان باطلہ کے معاشرے اور منافقین کے مخلوط اجتماعات سے نکل کر جمع ہوتا کہ اپنوں کے معاشرے میں زندگی گزار سکے تب وہ امت خیر کہلانے کی مستحق قرار پائے گی۔ خالص مومنین کے معاشرے کی ضرورت اور اہمیت کی طرف قرآن کریم نے خصوصی طور پر توجہ دلائی ہے:

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾
(یونس ۸۷)

پانچواں عنصر

لوگ دین خدا کی خاطر ہمہ وقت قولی، عملی، مالی اور فکری خدمات پیش کرنے کیلئے آمادہ ہوں، ہر شخص اپنے پاس موجود مال ومتاع کو خدا کی طرف سے امانت سمجھتا ہو جیسا کہ خداوند متعال فرماتے ہیں

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ "اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جسے اللہ نے تمہارے پاس امانت رکھا ہے پس تم میں سے جو ایمان لائیں اور خیرات کریں انہیں بہت بڑا ثواب ملے گا۔" (حدید ۷)

چھٹا عنصر

چھٹا عنصر ولایت ہے یعنی معاشرہ اس وقت امت مسلمہ کہلانے کے لائق ہوگا جب مسلمان محبت، وابستگی اور تعلقات صرف مسلمانوں سے قائم کریں:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ﴾ "آپ کبھی ایسے افراد نہیں پائیں گے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے ہوں لیکن اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت رکھتے ہوں خواہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے" (مجادلہ ۲۲) ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ "اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا مد مقابل قرار دیتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے رکھنی چاہیے اور ایمان والے تو سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں" (بقرہ ۱۶۵) (مائدہ ۵۴)

الف۔ امتوں کی سعادت و بہتری، برتری اور شقاوت بدبختی کسی خاص زمان و مکان کیلئے مخصوص نہیں بلکہ اس کے بھی علل و اسباب ہوتے ہیں جن کے پیدا ہونے سے امت کو سعادت مندی یا نا پید ہو جانے سے شقاوت و بدبختی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر جتنا بھی بولیں اور لکھیں، کم ہے۔ ہماری کتاب کے صفحات میں اتنی گنجائش نہیں لہٰذا انتہائی سرعت و تیز رفتاری اور اشاروں سے کام لیں گے۔

ب۔ نبی آخر الزمانؐ کی پروردہ اُمت آپ کی رحلت کے ۳۰ سال بعد اپنے تشخص کو قائم و باقی رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکی، جس کے باعث وہ سعادت کی سرحد سے شقاوت و بدبختی کے علاقے میں داخل ہو گئی فی زمانہ اگر امت اپنے کھوئے مقام و منزلت کا خواب دوبارہ دیکھ رہی ہے تو اسے فرقہ پرست مقتداؤں کی سوچ سے بالاتر ہو کر قرآن مجید اور سیرت رسول اللہؐ کی روشنی میں چلنا چاہیے۔ فرقہ پرست مقتدئ امت کی کشتی کا نا خدا بنا رہے کی پہچان دو طرح سے ہوتی ہے

ایک شقاوت وبدبختی کے آشیانے کی طرف لے جاتا ہے جبکہ دوسرا قرآن مجید اور سنت رسول اللہؐ کے ساحل پر پہنچاتا ہے، یہی خلفائے رسولؐ کی ناخدائی کی شناخت ہے۔

ج۔ قوموں کی تقدیر بدلنے کیلئے ہمیشہ دوقسم کے گروہوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اگر امت میں ان دوگروہوں کی پہچان وشناخت کی اہلیت نہ ہوتو اسے سعادت مند تو درکنار وہ اپنے ہاتھوں میں بچی کچی سعادت سے بھی محروم ہوجائے۔

پہلا گروہ: مردان حق یعنی انبیائے الٰہی کا گروہ امتوں کو شقاوت وبدبختی اور ضلالت وگمراہی کے طوفان سے سعادت ونیک بختی کے ساحل تک پہنچانے کیلئے تشریف لایا۔

دوسرا گروہ: یہ ارباب اقتدار، اقتدار طلب، ہوس ران اور شہوت پرست افراد کا گروہ ہے جن کے ہاتھوں قوم وملت رفتہ رفتہ شقاوت وبدبختی کے دہانے تک پہنچ جاتی ہے۔

خلفائے رسول کے بارے میں جیسا کہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کسی قدر ومنزلت والی ہستی کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد معاشرے میں موجود طبقات سے ہر ایک اپنے زاویہ نگاہ کے تحت پوچھتا ہے کہ مرحوم نے کس کس کو چھوڑا ہے۔ پیغمبرؐ کے لواحقین میں اولاد اور زوجات سرفہرست ہیں۔

ہر ایک اپنے زاویہ نگاہ کے تحت اولاد کو مقدم سمجھتا ہے کیونکہ مرحوم کا نام اولاد کی وجہ زندہ وباقی رہتا ہے کوئی زوجات کو مقدم سمجھتا ہے کیونکہ شوہر کے مرنے کے بعد یہ زیادہ مستحق توجہ ہوتی ہیں ان دو حقیقت دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کیلئے منطق کی ضرورت ہے۔ دنیا میں عام طور پر دوسوگواران میں زوجہ کی اہمیت کم ہوتی ہے وہ ایک حوالے سے ذلت وخواری پر مشتمل زندگی کا آغاز کرتی ہے اور سرپرستی کی خواہش مند رہتی ہے اسے عزت ومقام اور سرپرستی کا سایہ سر پر دکھائی نہیں دیتا لیکن زوجات نبی کو خداوند عالم نے اپنی کتاب میں اور نبی کریمؐ نے اپنی زبان مبارک سے مقام ومنزلت عنایت کیا ہے اس حوالے سے ہم زوجات کو مقدم رکھتے ہیں یہ ترجیحات درحقیقت شریعت اور معاشرے دونوں سے مرکب ہیں اس ترجیح کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زہرا مرضیہؑ کا مقام ومنزلت زوجات سے کم ہے، زہراؑ کیا مقام ومنزلت رکھتی تھیں اسے زہراؑ کے مضمون میں ملاحظہ کریں۔

زوجات نبی کریم

زوجات نبی کریم کی تعداد کے گیارہ ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے، سب سے پہلی زوجہ خدیجۃ الکبریٰؑ تھیں جنھوں نے آپؐ کے ساتھ اٹھارہ سال زندگی گزاری، اس دوران آپؐ کی کوئی دوسری زوجہ نہیں تھی۔ خدیجہؑ اور اُم المساکین زینبؓ نے آپ کی حیات میں وفات پائی۔ آپ کی دو کنیزوں میں سے ایک ماریہؓ قبطیہ بنت شمعون تھیں جن سے ابراہیم پیدا ہوئے جبکہ دوسری ریحانہؓ بنت زید قرطیہ تھیں۔ بعض سیرت کی کتابوں میں آیا ہے آپؐ سترہ عورتوں کو عقد میں لائے تیرہ سے ہمبستری کی اور وفات کے وقت پسماندگان میں نو (۹) کو بیوہ چھوڑا لیکن نو (۹) زوجات کے علاوہ باقی کے بارے میں واضح نہیں کہ وہ آپ کی زوجیت میں آئیں یا نہیں۔

زوجات کی ضرورت

تعدد زوجات کبھی مرد، کبھی عورت، کبھی دونوں کی ضرورت پر، کبھی صرف جنسی خواہشات، کبھی خاندان، مال و دولت، وراثت اور کبھی مصالح اجتماعی کی بنیاد پر واقع ہوتا ہے یہ تمام عوامل تعدد زوجات کا سبب بنتے ہیں۔

انسان کی ازدواجی اور انفرادی زندگی قدرت اور استطاعت سے مربوط ہے بعض افراد فقر و فاقہ کی بنا پر ازدواجی زندگی سے محروم رہتے ہیں۔ تعدد زوجات کی رغبت و خواہش اس وقت جنم لیتی ہے جب انسان معاشرے میں مقام و منزلت حاصل کرتا ہے اور قوم، علاقے یا معاشرے کا سرپرست بن جاتا ہے، اس وقت ازدواجی زندگی کی تمام ضروریات اس کے پاس فراہم ہوتی ہیں دوسری طرف سے معاشرے میں صاحبان عزت اس رہبر سے تعلقات کو اپنے خاندان کیلئے فخر و عزت سمجھتے ہوئے اسے عزیزہ جات کی پیشکش کرتے ہیں۔

کلیسا کے مبلغین اور خواتین کی آزادی کے علمبردار زمانہ قدیم سے نبی اسلامؐ کے تعدد ازدواج کو نقد و انتقاد کا نشانہ بناتے آئے ہیں یہ تعدد زوجات امت کیلئے جائز نہیں تھا لیکن آپؐ کیلئے جائز تھا۔ تعدد زوجات مستشرقین و مستغربین کیلئے اسلام اور نبی اسلامؐ کی حقانیت کے بارے میں شکوک و شبہات کو ہوا دینے کا ایک ابزار و آلہ بنا ہوا ہے جس کے ذریعے اسلام اور نبی کریمؐ کو تہمت و افتراء کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

درج بالا حلقے کی طرف سے اس سلسلے میں دو قسم کے شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔

الف۔ دین اسلام وہ دین ہے جس میں شہوت رانوں کیلئے سہولت ہے۔

ب۔ یہ طبقاتی دین ہے جہاں سربراہوں اور اعلیٰ حکام کو ازدواج کے سلسلے میں سہولت ہے جو رعایہ یا عوام الناس کیلئے نہیں ہے۔ اسلام میں کثرت زوجات کی اجازت دینے کی حکمت اور فلسفہ کیا ہے اس کے متعلق کچھ حد تک ہم نے اپنی کتاب **"قرآن میں مذکر و مؤنث"** میں بیان کیا ہے۔

نبی اسلامؐ کیلئے نو زوجات جائز ہونے اور اس تعداد تک انتخاب کرنے کی اجازت ہونے میں کیا حکمت عملی اور فلسفہ پوشیدہ تھا ہم اسے قارئین کرام کے سامنے بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تعددِ زوجات کی حکمتیں

نبی کریمؐ کی کثرتِ ازواج کی حکمت کے متعلق مستشرقین، جاہلین کے نقد و انتقاد اور شکوک و شبہات کا اگر چہ علمائے اسلام نے مختلف نکات کے ذریعے جواب دیا ہے تاہم پیغمبر اسلامؐ کی کثرتِ ازواج کی اعلیٰ و ارفع حکمتوں کو سمجھنے کے لئے پہلے چند نکات کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے:

- ☆ پیغمبر اسلامؐ نے بیک وقت کثرتِ ازدواج کا سلسلہ اس وقت شروع کیا جب آپؐ کی عمر ۵۰ سال سے زائد ہو چکی تھی۔
- ☆ جوانی و عشق کی طغیانی اور عورتوں سے لگاؤ کے دور میں آپؐ کے عقد میں خدیجہؓ کے علاوہ کوئی اور زوجہ نہیں تھی جس دور میں مرد کو عورت سے لگاؤ اور عورت کو مرد سے لگاؤ ہوتا ہے، اس دور میں آپؐ نے اپنے سے پندرہ (۱۵) سال بڑی خاتون کے ساتھ عقد کیا۔ دنیا میں رائج ہے کہ پہلا عقد باکرہ سے کرتے ہیں لیکن پیغمبرؐ نے پہلی شادی بیوہ سے کی۔ خدیجہؓ کے بعد آپؐ کی صرف ایک زوجہ کے علاوہ باقی تمام زوجات بیوہ اور عمر رسیدہ تھیں۔
- ☆ اگر نبی کریمؐ باشہوت انسان ہوتے یا آپؐ کی جنسی خواہشات دوسروں سے زیادہ ہوتیں تو اس کا مظاہرہ آپ کی ابتدائی عمر میں نظر آنا چاہیے تھا لیکن آپ کی سیرت مطہرہ کا مطالعہ کرتے وقت ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی جہاں آپؐ نے گفتار و کردار اور حرکات و سکنات کے ذریعے جنسی خواہش کی بناء پر کسی عورت سے تعلقات قائم کرنے کی خواہش ظاہر کی ہو۔ حالانکہ شہواتی احساسات کی بلند لہروں اور جذبات کی طغیانی کے مراحل دس یا چودہ سال سے شروع ہو کر پینتیس یا چالیس سال تک محیط ہوتے ہیں۔
- ☆ آپؐ سرزمینِ مکہ کے بافضل و شریف خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک پسندیدہ و امین شخصیت تھے اس کے باوجود کسی سے بھی حتیٰ اپنے رؤف و مہربان عم بزرگوار سے بھی آپؐ نے ازدواج کرانے کی خواہش ظاہر نہیں کی، آپؐ سرزمین مکہ کے دیگر جوانوں جیسے نہیں تھے کہ کھیل کود اور جنگ وجدال وغیرہ میں مصروف رہنے کی وجہ سے شادی نہ کر سکے ہوں، ۲۵ سال تک آپؐ شادی پر راضی نہ ہوئے پھر ایک عمر رسیدہ خاتون نے اپنے مقام و منزلت، نیاز و ضرورت کو بالائے طاق رکھ کر خود کو آپؐ کی زوجیت میں دینے کی درخواست کی تو آپ نے قبول فرمایا۔
- ☆ نبی کریمؐ متوسط الحال زندگی گزارتے تھے آپؐ کی معمول کی زندگی متوسط طبقے کے گھرانوں کے مطابق تھی، آپ جسمانی حوالے سے بھی ضعیف، کمزور اور معذور نہیں تھے بلکہ شکل و صورت اور حسن میں دوسروں سے زیادہ برتر نہیں تو کمتر بھی نہیں تھے۔ آپ کی طرف سے خواہشات کا اظہار کرنا تو دور کی بات ہے آپؐ دوسروں کی اس بارے میں پیشکش کو بھی مسترد کرتے تھے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کی طبیعت و مزاج شہوانی نہیں تھا۔

جیسا کہ دعوت الی اللہ کے ابتدائی دور میں مشرکین قریش نے آپ کو دعوت چھوڑنے کے بدلے میں حسن و جمال، مال و دولت، عزت و مقام والی لڑکیوں کی پیشکش کی لیکن آپ نے انتہائی بے اعتنائی کے ساتھ ان کی پیشکش کو مسترد کر دیا۔

☆ آپ نے (۲۸) سال خدیجۃ الکبریٰ = کے ساتھ زندگی گزاری، اس دوران غیر عادی حرکات وسکنات یا کوئی قول و فعل سننے میں نہیں آیا جس سے آپ کی اپنی زوجۂ محترمہ شریک حیات اور انیس و مونس کے سوا کسی اور سے اپنی جوانی کی حرارت و خواہش ظاہر کرنے کا مظاہرہ ہوا ہو۔

☆ پیغمبر مال و دولت کے حامل نہیں تھے، دعوت الی اللہ دینے کی وجہ سے خاندان و قبائل آپ کو ناپسند اور عنصر نا مطلوب قرار دیتے تھے، آپ کا مستقبل خدائے علیم و قدیر، رؤف و مہربان کے سوا دیگر تمام لوگوں کی نظروں میں تاریک و غیر یقینی تھا ایسے حالات میں آپ اپنی رؤف و مہربان زوجہ سے محروم ہوئے اس وقت بھی جنسی خواہشات یا عورتوں کے ساتھ زندگی گزارنے کی خواہش میں طغیانی نہیں آئی، بلکہ آپ نے عادی حالات کے تحت زندگی گزاری۔

☆ مقام و منزلت ملنے کے بعد عادی طور پر یہ ہونا چاہیے تھا کہ آپ مال و دولت کے حامل خاندانوں سے حسن و جمال کی حامل بے مثال عورتوں کی خواستگاری کرتے لیکن آپ نے ایسی خواتین کو اپنے عقد میں شرفِ قبولیت عطا کر کے ان کے زخموں کا مداوا فرمایا جو شریک حیات کے بغیر سفر غربت کی زندگی گذار رہی تھیں۔

خداوند متعال نے آپ کی ذات گرامی کی زندگی کے تمام لمحات وحی کے آئینے میں ضبط کیے، معاذ اللہ آپ کے ایک شہوتی انسان ہونے کے تصور کو آیات قرآنی نے تصریح سے رد کیا ہے خود آپ نے بھی عملی زندگی میں اسے مسترد کیا جہاں آپ نے پوری دنیا کی قیادت و رہبری کا اعلانِ عام کرنے کے باوجود سوائے عائشہؓ کسی باکرہ یا کنواری لڑکی سے شادی کی خواہش ظاہر نہیں کی بلکہ بیوہ، عمر رسیدہ اور بچہ دار بیوہ عورتوں کو ان کی اپنی خواہش کی بنیاد پر اور ان پر رحم کرتے ہوئے اپنی زوجیت میں شرفِ قبولیت بخشا آپ کے اسی اقدام سے تاریخ میں پیغمبر کی جنسی خواہشات کی بارے میں موجود مقولات کی کوئی حیثیت نہیں رہتی ہے بلکہ ان کا جعلی اور من گھڑت ہونا قطعاً ثابت ہو جاتا ہے۔

آیا پیغمبر اسلام کیلئے نمائندۂ حق اور دین الٰہی کے مخبر، مفسر و شارح اور امین ہونے کی حیثیت سے ایک زوجہ کافی تھی یا کثرت زوجات کا ہونا ضروری تھا؟ ایک زوجہ یا کثیر زوجات کا فلسفہ بذات خود کس کی خواہش ہے اور اس میں زیادتی کہاں ہوئی ہے یہ صرف مرد کی خواہش نہیں بلکہ مرد و عورت دونوں کی خواہش ہے۔ اس منطق کے تحت اسلام نے دونوں کی نفسیاتی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے کثرت ازدواج کی اجازت دی ہے، کثرت زواج کی ضرورت کو محسوس کرنے کے بعد زوجات میں عدالت قائم کرنا ایسا ہے جیسے ہتھیلی پر آگ کا انگارہ۔ اسلامی نکتہ نظر سے اس سلسلے میں دو نکات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

الف۔ زواج مرد و عورت دونوں کی ضرورت ہے۔

ب۔ متعدد زوجات میں مکمل طور پر عدالت قائم کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے

یہ دونوں موقف ایک عام انسان کیلئے کیسے قابل فہم ہو سکتے ہیں زواج چاہے زحمت ہو یا ضرورت، دین میں ظلم کی ہرگز اجازت نہیں اور کثرت زواج میں عدالت کا قیام بھی ممکن نہیں پھر اپنی نوعیت کے اس منفرد قانون کی حکمت کیا ہو سکتی ہے۔

دین اسلام صرف خالص وفکری اور اخلاقی دین نہیں بلکہ یہ دین ایک نظام کے گرد گھومتا ہے اور یہ زندگی کیلئے الٰہی قوانین کا مجموعہ ہے جس کے اندر محروم و بے چارے اور بے بس انسانوں کی کفالت وضمانت کا بندوبست موجود ہے لیکن اس منفرد نظام میں موجود ضمانت و کفالت کا مظاہرہ عملی صورت میں کیسے کیا جا سکتا ہے اس کیلئے ایک مثال یا نمونے کی موجودگی کیسے ممکن ہے اس کام کو عملی طور پر انجام دینے کیلئے سب سے بہتر و برتر ہستی کون ہو سکتی ہے؟ ان تمام سوالوں کا جواب صرف اور صرف ہمارے نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکت ہے۔

ان حقیقتوں کو تسلیم کرنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی کثرت ازدواج جنسی خواہشات کی بنا پر نہیں تھی، آپؐ کی سیرت طیبہ، گفتار و کردار میں ایسی کوئی چیز نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ جنسی خواہشات آپؐ کے مزاج پر حاوی و غالب رہی ہوں۔ جنسی خواہشات کے بعد کثرت اولاد کی خواہش کا مرحلہ آتا ہے اسے منہا کرنے کے بعد کثرت ازدواج ایک عبث فعل سمجھا جائے گا آیئے ہم ان نا قابل تردید حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے نبی کریمؐ کی کثرت زوجات کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ نے کن اہداف و مقاصد کے تحت نو خواتین کو اپنی زوجیت میں لیا۔

۱۔ اسلام ایک کامل نظام ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر احاطہ کر کے اسے اوامر و نواہی کے درمیان رکھتا ہے یہ دین پورے کا پورا علم وآگاہی پر مبنی ہے، جس میں مرد و عورت یکساں ہیں، عمومی تعداد کے لحاظ سے عورتیں مردوں کے برابر یا اکثریت میں ہوتی ہیں۔ اس حقیقت کے علاوہ عورتیں بذات خود مردوں سے ہٹ کر مخصوص احکامات رکھتی ہیں جن کا سمجھنا، درک کرنا اور سمجھانا مردوں کیلئے ممکن اور مناسب نہیں ہوتا، ایسی صورت حال کے پیش نظر زمانہ پیغمبرؐ میں عورتوں کیلئے ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے مخصوص مسائل جیسے حیض، نفاس، استحاضہ، غسل وغیرہ کو بغیر جھجک پیغمبر اسلامؐ سے استفسار کر سکیں کیونکہ اس میں شرم و حیا مانع تھی آپؐ خود اپنی جگہ شرم و حیا کے پیکر تھے، یہی وجہ ہے کہ آپؐ عورتوں سے بہت زیادہ شرم و حیا رکھتے تھے یہاں تک کہ روایات میں آیا ہے پیغمبر اسلامؐ حجلۂ عروسی میں موجود دلہن سے زیادہ شرم و حیا کے مالک تھے چنانچہ آپؐ کیلئے ممکن نہیں تھا کہ عورتوں کے مخصوص مسائل کا جواب صریح الفاظ میں بیان کریں اسی لئے آپؐ اشارے اور کنایوں میں ایسے مسائل بیان فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں اسلام نے عورت کیلئے مردوں کے اختلاط سے دور چار دیواری اور حجاب میں رہنے پر زور دیا ہے اسی طرح آرائش وزیبائش نمائی سے دور رہنے کی سفارش و تاکید کی ہے۔ ایسی صورت میں مسلمان خواتین فرائض اور واجبات کے علاوہ دیگر دینی تعلیمات سے آشنائی کیلئے صرف نبی کریمؐ کی زوجات کی طرف رجوع کر سکتی تھیں۔

۲۔ پیغمبر اسلامؐ کے تعدد زوجات کا معاملہ اصل سبب آپؐ کی نبوت و رسالت کو فروغ دینا تھا جس میں جنسی خواہشات کی

بجا آوری نہ ہونے کے برابر تھی۔

۳۔آپؐ نے بعض ایسی خواتین کی بے بسی کو ختم کرنے کیلئے ان کے ساتھ عقد کیا جو آپ پر ایمان لانے کے بعد اپنے عزیز واقربا سے کٹ جانے، خانہ وآشیانے سے دور ہونے اور عدم سرپرستی کی وجہ سے پریشان حال تھیں۔

۴۔آپؐ کی بعض زوجات کے سابقہ شوہر بچوں کو یتیم چھوڑ کر شہدا کی صف میں شامل ہو چکے تھے۔

۵۔بعض اصحاب پہلے مرحلے میں پیغمبرؐ کی دعوت پر ایمان لائے جب ان کا روزگار تنگ ہوگیا تو انھیں بہت سی پریشانیوں نے گھیر لیا ان کی پریشانیوں کو دور کرنے کیلئے آپؐ نے ان کی بیٹیوں کے ساتھ عقد کیا۔

۶۔خداوند عالم نے قرآن مجید میں عام انسانوں کو دو تین بیویاں رکھنے پر عدالت قائم کرنے کے سلسلے میں انتباہ کیا ہے چنانچہ کثرت زوجات کی خواہش کا اظہار کرنا آسان ہے لیکن ان میں عدالت قائم کرنا مشکل ہے تا ہم کثرت زواج اپنی جگہ ضروریات میں سے ہے ورنہ عورتوں پر ظلم ہوگا کیونکہ وہ اس نعمت سے محروم رہیں گی انھیں اس نعمت سے بہرہ مند رکھنے کیلئے ان کے ساتھ انصاف سے پیش آنا ضروری ہے، نبی کریمؐ نے دو تین کی بجائے بیک وقت نو بیویوں کو اپنے عقد میں رکھ کر انصاف کے تمام تقاضے پورے کئے اور دنیا کو ایک مثالی عدالت کا نمونہ دکھلایا۔دس سالہ حیات بابرکت میں کسی بھی بیوی نے یہ کہہ کر آپؐ سے شکایت نہیں کی کہ اس کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے یا وہ اپنے حق سے محروم ہے پیغمبرؐ جنگوں اور سفر کے دوران کسی بھی زوجہ کے حسن وجمال، جوانی اور اثر ورسوخ کی وجہ سے دوسری زوجہ پر ترجیح نہیں دیتے تھے بلکہ آپؐ ہر ایک زوجہ کو باری باری اپنے ہمراہ لے کر جاتے تھے۔

محمد مصطفیٰ ﷺ کی انمول و بے نظیر زندگی میں نظر آنے والی حکمتیں اور فلسفے قدیم وجدید تاریخ بشریت کے حکماء، فلاسفہ اور بڑی سے بڑی شخصیات عملی طور پر پیش کرنے سے قاصر تھیں، ہیں اور رہیں گے۔مسلمان گھرانوں میں ابتدائی زندگی سے شقاوت وبدبختی ہونے کی اصل وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ہماری انفرادی اور گھریلو زندگی میں نبی محمدؐ کی سیرت طیبہ کی کوئی جگہ نہیں ہے جیسا کہ دنیا میں مردوں کی بربادی اور رذلت وخواری کا ایک بڑا سبب عورتوں کی آسائش وزیبائش کے علاوہ گھروں میں ہونے والی فضول خرچیاں ہیں بعض عورتیں شوہر کو اچھی خاصی عزت والی کمائی کے مرحلے سے نکال کر نہ صرف ذلیل وخوار کرتی ہیں بلکہ اپنی خواہشات پر مبنی لمبی چوڑی فہرست میں شامل چیزوں کے حصول کیلئے انھیں کسب حرام کی دلدل میں دھکیلنے سے بھی گریز نہیں کرتیں ۔۷۵ سالہ نبی محمدؐ نے ۱۸ سے ۱۹ سالہ عائشہؓ جیسی زوجہ کو بھی بالواسطہ طور پر یعنی خدا کی جانب سے سخت لہجے میں ڈانٹ پلا کر زمین پر بٹھا دیا اور ان پر یہ واضح کر دیا کہ اگر وہ عیش ونوش اور عشرت وراحت کی زندگی گزارنے کی خواہاں ہیں تو طلاق لے کر عزت سے رخصت ہو جائیں ۔اگر میری زوجیت میں رہنا چاہتی ہیں تو قناعت وکفایت پر اکتفا کرنا ہوگا۔

ازواج نبی کریم کے متعلق نازل آیات میں ان کی خصوصیات وفضائل

زوجات نبی اور امت کے درمیان کس قسم کا رشتہ ہے؟ امت مسلمہ کو ازواج نبیؐ کے بارے میں کس قسم کی سوچ رکھنی چاہیے اور ان سے کیسا سلوک روا رکھنا چاہئے؟ ان سوالات کے جوابات قرآن کریم کے سورہ احزاب، سورہ طلاق اور سورہ تحریم میں خاص طور پر دیئے گئے ہیں۔ جن میں خداوند عالم نے مختلف واقعات بیان کئے ہیں ان تینوں سوروں کا آغاز "یا ایھاالنبی" سے ہوا ہے۔ ازواج کی خصوصیات اور فضائل درج ذیل آیات میں بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ زوجات نبی سورۂ احزاب آیت ۳۲ کے تحت فضیلت وبرتری میں دیگر تمام خواتین سے بہتر وبرتر ہیں:

﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ...... ﴾ "اے نبیؐ کی بیویو! نہیں ہو تم مانند عام عورتوں کے اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو"

۲۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی ازواج دیگر عورتوں سے ممتاز وافضل ہیں کیونکہ وہ شرافت وکرامت اور فضل ومنزلت میں عام عورتوں سے فرق وامتیاز کی حامل تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ازواج نبیؐ کیلئے پیغمبرؐ کی اطاعت کی صورت میں دوگنا اجر وثواب اور معصیت ونافرمانی کی صورت میں دوسری عورتوں کی نسبت دوگنا عذاب کی وعید سنائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت پیغمبرؐ میں ازواج نبی کا ایک کردار اپنی نجات کیلئے اور دوسرا کردار رسالت کی سربلندی کیلئے تھا۔ سورہ احزاب کی آیت ۳۰، ۳۱ میں فرمایا:

﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفْ لَھَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ☆ وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِھَآ اَجْرَھَا مَرَّتَیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَھَا رِزْقًا کَرِیْمًا ﴾ "اے نبیؐ کی بیویو! جو ارتکاب کرے گی تم میں سے کھلی فحش حرکت کا تو دیا جائے گا اسے عذاب دگنا اور ہے یہ بات اللہ کیلئے بہت آسان۔ اور جو فرمانبردار بن کر رہے گی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی اور کرے گی نیک اعمال، دیں گے ہم اسے اس کا اجر بھی دوہرا اور مہیا کر رکھا ہے ہم نے اس کیلئے رزقِ کریم"

ازواج نبی کی خصوصی ہدایت کے لئے خداوند متعال نے فرمایا کہ اگر تم نے تقویٰ اختیار کرنا ہے تو گفتگو میں نرمی پیدا نہ کرو کیونکہ اس سے مریض دلوں میں بیماری پھیلنے کا خطرہ ہے، نامحرم مردوں سے گفتگو کرتے وقت قطعی یعنی فیصلہ کن قوت وقدرت سے بات کرو تا کہ تمہاری باتیں کسی کے دل میں شہوت انگیزی کا سبب نہ بنیں اور ان میں فسق وفجور کی میل پیدا نہ ہو، جب ازواج کو برے کردار وعمل سے منع کیا گیا تو اس کیلئے ضروری تھا کہ برے کردار کے مقدمات، تیاری وتمہید اور برائی پر ابھارنے کے مواقع پیدا کرنے یا ان کے قریب جانے سے بھی منع کیا جائے۔ اس سلسلے میں دو اقدامات کئے گئے۔

الف۔ اجنبی ونامحرم مرد سے نرمی کے ساتھ گفتگو کرنا برائی ابھارنے کیلئے تمہیدی کردار ادا کرتا ہے اس لئے اس سے

بھی منع کیا گیا ہے۔

ب۔ پیغمبر اسلامؐ کی ازواج کو حکم ہوا کہ ضرورت سے ہٹ کر گھر سے باہر نہ نکلو کیونکہ عورت، عورت ہے جب وہ گھر سے باہر نکلے گی تو اس پر شیطان صفت لوگوں کی نظر بھی پڑے گی۔

۳۔ زوجات امت کی مائیں ہیں احزاب آیت ۶ میں خداوند متعال نے تمام زوجات کو امت کی ماں قرار دیا ہے:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ ''نبیؐ زیادہ مقدم ہے اہلِ ایمان کیلئے ان کی اپنی ذات پر اور نبیؐ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں''

۴۔ زوجات النبیؐ کے ساتھ امت کا ازدواج حرام ہے جیسا کہ سورہ مبارکہ احزاب کی آیت ۵۳ میں ذکر ہوا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا﴾ ''اور نہیں ہے جائز تمہارے لئے کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس کی بیویوں سے ان کے بعد کبھی۔ بے شک ایسا کرنا ہے اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ''۔

۵۔ ازواج نبیؐ کے امہاتِ امت ہونے کا مقصد ان سے ازدواج کی حرمت اور تعظیم و احترام تک محدود ہے باقی ماں کے احکام جیسے حلیت نظر، ان سے ارث لینا دینا، انہیں دیکھنا اور خلوت میں ان کے ساتھ بیٹھنا یہاں نافذ نہیں ہوگا، احزاب آیت ۵۳ میں فرمایا

﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ ''اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو''

۶۔ زوجات نبیؐ کو امہات المومنین قرار دیئے جانے کے باوجود آپ کی بیٹیوں کے ساتھ عقد کو جائز قرار دیا گیا یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے اپنی بیٹیوں کا عقد امت سے کیا۔

۷۔ زوجات پیغمبرؐ نے آپؐ سے دنیا کی آسائش و آرائش اور سہولیات مانگیں جو آپؐ کے پاس نہیں تھی، اللہ تعالٰی نے پیغمبرؐ کو زوجات کی اس خواہش اور مطالبے کے جواب میں فرمایا آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر دنیا کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو جو مال مطلقہ عورت کو دیا جاتا ہے دے کر بغیر کسی ضرر و نقصان کے آزاد کر دوں اور اگر تم آخرت چاہتی ہو تو خداوند عالم نے تم میں سے محسنات کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کی بیویوں نے اچھے لباس اور نان و نفقہ میں فراوانی کی خواہش کا اظہار اس لئے کیا کہ آپؐ کو اللہ تبارک و تعالٰی نے بنو قریظہ اور بنی نضیر پر فتح و کامیابی عطا فرمائی تھی اس پر انھوں نے یہ گمان کیا کہ اب پیغمبر اسلامؐ کے پاس یہود کے کافی اموال آ گئے ہیں چنانچہ پیغمبرؐ کے گرد جمع ہو گئیں اور کہنے لگیں قیصر و کسریٰ کی خواتین زینت و آرائش میں مستغرق ہیں ان کے پاس کنیزیں اور غلام ہیں اور ہم فقر و فاقہ کا شکار ہیں۔ اس مطالبہ سے پیغمبر اسلامؐ کا دل کافی رنجیدہ و غم زدہ ہوا، آپؐ نے سوچا انہوں نے مجھ سے ایسا مطالبہ

کیوں کیا جو بادشاہان کی بیویاں کیا کرتی ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے ازواج نبیؐ کے بارے میں آپؐ کو مذکورہ فیصلہ سنانے کا حکم دیا۔

﴿یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا﴾ ''اے نبی! اپنی ازواج سے کہہ دیجئے: اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی آسائش کی خواہاں ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے کر شائستہ طریقہ سے رخصت کر دوں'' (احزاب ۲۸)

رسول اسلامؐ نے اپنی ازواج کو دو راستوں میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دیا کہ وہ زوجیت پیغمبرؐ میں باقی رہنے کیلئے مشقتیں اور سختیاں برداشت کریں یا طلاق لینے کیلئے تیار ہو جائیں، ازواج نبی نے خدا اور رسولؐ کو انتخاب کیا۔

۸۔ ازواج رسول اللہؐ میں سے کوئی ایک بھی زانیہ نہیں تھی ایسا سوچنا پیغمبر اسلامؐ کی اہانت اور جسارت ہے ساتھ ہی خدا کو جھٹلانا ہے۔ اس کی دلیل خود انہی آیات میں ہے کلمہ فاحشہ سے مراد زنا نہیں فحش اس فعل قبیح کو کہتے ہیں جو اپنی حد سے گزر چکا ہو اور لوگوں کی نظروں میں حد درجہ مکروہ ہو بلکہ فاحشہ اس عمل کو کہتے ہیں جو صاحب شریعت کو ناپسند ہو چنانچہ اس کلمے کی صفت میں مبینہ آیا ہے۔ کلمہ فاحشہ، بینہ سے متصف ہوا ہے لہٰذا سورہ احزاب میں موجود کلمہ فاحشہ سے زنا کاری مراد لینا پیغمبر اسلامؐ کی اہانت ہے اور قرآن کی تکذیب کرنا ہے کیونکہ قرآن نے اس نسبت کو غلط قرار دیا ہے یہاں بینہ سے مراد کھلی برائی ہے، زنا کھلی برائی نہیں کیونکہ زنا چھپ کر کیا جاتا ہے آیات قرآن میں فاحشہ سے مراد نشوز، سرکشی و بدسلوکی وغیرہ ہے۔ پیغمبر اسلامؐ سے قریب افراد کو آپؐ سے ناپسندیدہ، سختی پر مبنی سلوک روا رکھنے اور آپ کو تکلیف دینے سے منع کیا گیا اور انہیں زہد و عفت کی سنت اپنانے اور اخلاق حسنہ پر عمل کرنے کی ہدایت کی گئی احزاب ۳۰ ان آیات سے متصل ہے جن میں پیغمبر اسلامؐ کو اذیت پہنچانے سے منع کیا گیا۔

۹۔ خداوند متعال نے بیت نبیؐ کیلئے اہل ایمان کو خاص حکم فرمایا

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّا اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰہُ وَلٰکِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ﴾ ''اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہونا مگر یہ کہ تمہیں کھانے کیلئے اجازت دی جائے اور نہ ہی پکنے کا انتظار کرو لیکن جب دعوت دے دی جائے تو داخل ہو جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں لگے بیٹھے نہ رہو'' (احزاب ۵۳)

۱۰۔ زوجات النبی کی تعظیم و تکریم قرآنی احکامات کے تحت ثابت ہے لہٰذا کسی قسم کی ایذا رسانی اور ہتک حرمت حکم خدا اور رسول کے منافی قرار پائے گا۔

۱۱۔ پیغمبر اسلامؐ کی زوجات جنہیں قرآن کریم نے اُمہات المومنین کہا ہے وہ اپنے فرزندان کی بے توجہی، حق مادری کا پاس نہ رکھنے کی وجہ سے اہانتوں کا نشانہ بنی ہیں انھیں نشانہ بنا کر پھینکا جانے والا تیر ان سے گذرتے ہوئے دین اور نبی

اسلامؐ پر جا لگتا ہے۔

بعض مسلمان بعض امہات کو اہانت وتوہین کا نشانہ بنا کر مستشرقین، مستغربین، مغرب نوازوں اور اسلام دشمنوں کی کارکردگی میں اضافہ کر رہے ہیں جو ہر وقت امہات المومنین کے مقام ومرتبہ پر حملہ آور ہوتے رہتے ہیں۔

دوسری جانب مسلمانوں میں ان ماؤں کی سٹیلی یا غیر سٹیلی جیسی تقسیم بندی کی وجہ سے اہل سنت والجماعت نے دوسرے فرقوں کی ضد میں امہات المومنین میں سے ایک یا دو کی ایسی تعریف وستائش کی ہے جو نہ صرف عقل ونقل بلکہ مزاج شریعت سے بھی متصادم ہے بلکہ یہ تعریفیں مستشرقین کی طرف سے اسلام کے خلاف لکھے گئے صفحات میں اضافے کا سبب بنی ہیں۔ وہ لوگ جو ازواج نبی کو اپنی ماں سمجھتے ہیں انہیں چاہیے اپنی ماؤں کی تعریف کرتے وقت قرآن کریم میں زوجات نبی کے متعلق نازل ہونے والی آیات کریمہ کا خیال رکھیں۔

۱۲۔زوجات نبیؐ میں سے بعض نے کبھی کبھار نبی کریمؐ کو آزردہ ورنجیدہ کیا۔

۱۳۔سورہ مبارکہ تحریم آیت ۴ میں ایک غیر عادیل لہجہ عتاب سے دو خواتین کو خاص طور پر خطاب کیا گیا ہے:

﴿إِنْ تَتُوبَآ إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾ ''اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرلو کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہوگئے ہیں''

۱۴۔آپؐ نے اپنی ازواج کو خاموش کرانے کی خاطر کچھ چیزوں کو اپنے اوپر کیوں حرام کر دیا جنہیں خداوند عالم نے آپ کیلئے حلال قرار دیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللهُ﴾ ''اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کیلئے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟'' (تحریم)

۱۴۔سورہ تحریم میں ہے انہوں نے آپؐ کے خلاف مہم چلائی جس کے نتیجے میں آپؐ ان سے ناراض ہوئے ہیں۔

۱۵۔اس قسم کی مہم چلانا اور اس انداز سے پیغمبر اسلامؐ سے سلوک کرنا ایک بڑا گناہ تھا جو بغیر توبہ قابل بخشش تھا۔

۱۶۔تفسیر جامع احکام قرآن میں قرطبی نے صحیح مسلم سے نقل کیا ہے عائشہؓ نے کہا پیغمبر اسلامؐ جب زینبؓ بنت جحش کے ہاں جاتے تو وہاں شہد تناول کرتے تھے میں نے اور حفصہؓ نے اتفاق کیا ہم میں سے جس کے پاس بھی پیغمبر اسلامؐ آئیں کہا جائے آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے چنانچہ جب رسول اللہؐ ان دونوں میں سے ایک کے پاس گئے تو اس نے وہی بات کی۔ آپؐ نے فرمایا میں نے زینبؓ کے ہاں شہد تناول کیا ہے اب دوبارہ نہیں کھاؤں گا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے عائشہؓ اور حفصہؓ کے پیغمبر اسلامؐ سے اس سلوک کو ناپسند کرتے ہوئے یہ آیت نازل کی:

﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ ''اور یاد کرو جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک

پوشیدہ بات کہی پس جب اس نے اس بات کی خبر کردی اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبی نے تھوڑی سی بات تو بتادی اور تھوڑی سی ٹال گئے پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات بتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپ کو کس نے دی کہا سب جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتلایا ہے" (تحریم۔۴)

تفسیر مراغی میں ابن عباس سے منقول ہے کہ انہوں نے عمرؓ سے پوچھا کہ ازواج نبیؐ میں سے یہ دو عورتیں کون ہیں جن کیلئے اللہ تبارک تعالٰی قرآن کریم میں فرماتا ہے "اللہ کی طرف توبہ کرو" عمرؓ نے جواب دیا یہ عائشہؓ اور حفصہؓ ہیں۔ ان دونوں نے ایسی حرکت کی جس سے پیغمبر اسلامؐ کو اذیت پہنچی، اللہ تعالٰی نے ان کی اس مہم پر اپنے نبی کو نصرت کا وعدہ دیا۔ آیت میں ازواج کو اس حد تک ڈرایا گیا کہ رسول اسلامؐ کو ایذا دینے اور آپؐ کے خلاف مہم چلانے یا آپؐ کے خلاف کسی کو اکسانے سے نوبت طلاق تک پہنچ سکتی ہے، طلاق عورت کیلئے سب سے زیادہ ناگوار، خطرناک اور رکنے میں موثر کردار رکھتی ہے خاص کر یہ اس صورت میں عورتوں پر زیادہ گراں گزرتی ہے جب ان کے بدلے میں شوہر کو ان سے زیادہ اچھی اور بہتر بیوی مل جائے۔

۱۶۔ قرآن کریم میں اللہ تعالٰی نے پیغمبر اسلامؐ اور امت کے نظام ازدواجی کے مسائل کو بیان کرنے کے بعد گزشتہ انبیاءؑ کے ساتھ ان کی زوجات کے کردار کا ذکر کیا ہے کہ نوحؑ اور لوطؑ کی بیویاں بہت خیانت کار تھیں انہوں نے ان نبیوں کو بہت ستایا اس کے مقابل اللہ تعالٰی نے ایسی خواتین کا ذکر کیا ہے جو رہتی دنیا تک کی خواتین کیلئے مثالی نمونہ ہیں۔

زوجات نبیؐ جسم و جسمانیت، روح و روحانیت کے تقاضوں کو پورا کرنے، اپنے شوہر سے رضا و ناراضگی، شرکت و ناپسندی، عیش و عشرت اور راحت طلبی میں عام خواتین سے الگ یا مستثنیٰ نہیں تھیں لہٰذا ان کا صبر و تحمل اور آزمائش و برداشت کس حد تک تھی اس کا اندازہ ہم آج کے دور کی خواتین کو دیکھ کر لگا سکتے ہیں؟ زوجات نے پیغمبرؐ سے شکوہ و شکایات کئے تو ان کے درجات ایک دوسرے کی نسبت کم ہو سکتے ہیں لیکن انہیں قابل ملامت اور نقد و تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ زوجات نبیؐ خواتین عالم بالغیب تو نہیں تھیں انہوں نے کئی سوتنوں پر صبر کرتے ہوئے زندگی گزاری۔

زوجات النبی

پیغمبرؐ کی نو زوجات میں سے پانچ عائشہ بنت ابی بکرؓ، حفصہ بنت عمرؓ، ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان، سودہؓ بنت زمعہ اور ام سلمیٰؓ بنت ابی امیہ قریش سے تھیں جبکہ چار بیویاں میمونہؓ بنت حارث ہلالیہ، زینبؓ بنت جحش اسدیہ، جویریہؓ بنت حارث مصطلقیہ، صفیہؓ بنت حی بن اخطب خیبر یہ غیر قریش سے تھیں۔

خدیجۃ الکبریٰ =

خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی: آپ پیغمبرؐ کی پہلی زوجہ تھیں آپ کا مکہ میں عقد ہوا، آپؐ اعلان نبوت کے بعد سات سال تک زندہ رہیں آپ پہلی خاتون تھیں جو سب سے پہلے پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لائیں پیغمبر اسلامؐ کی تمام اولاد

سوائے ابراھیم کے خدیجہؓ کے بطن سے ہے۔

سودہؓ بنت زمعہ

سودہ بنت زمعۃ بن قیس بن عبد شمس بن عبدوڈ بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی: ان کی ماں شموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار انصاری تھیں۔ آپؓ نے مکہ میں اسلام قبول کیا اور پیغمبرؐ کی بیعت کی آپ پہلے اپنے چچازاد بھائی سکران بن عمرو بن عبدالشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی کے عقد میں تھیں، انھوں نے بھی اسلام قبول کیا، دونوں نے دوسرے مرحلے میں حبش کی طرف ہجرت کی۔ سکران بن عمرو اپنی زوجہ کے ساتھ واپس مکہ آئے تو ان کا انتقال ہو گیا جب عدہ وفات کی مدت ختم ہوئی تو پیغمبر اسلامؐ نے آپ سے منگنی کی تو سودہؓ نے کہا میرا اختیار آپؐ کے ہاتھ پاس ہے پیغمبرؐ نے فرمایا اپنی قوم میں سے کسی کو وکیل بنائیں کہ تزویج کرے تو سودہؓ نے حاطب بن عمرو بن عبدالشمس بن عبدود کو اس سلسلے میں متعین کیا آپؐ نے سودہؓ کا حق مہر چار سو درہم رکھا۔ یہ اپنے زمانے کی فاضل عورتوں میں سے تھیں ان کا مدینہ میں انتقال ہوا۔

عائشہؓ بنت ابی بکر

ام عبداللہ، عائشہؓ بنت ابی بکر عبداللہ بن ابی قحافۃ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی، کتاب زوجات النبیؐ میں لکھتے ہیں آپ کی ماں رومان بنت عمیر بن عامر بن دھمان بن غنم بن مالک بن کنانۃ تھیں، آپؓ ہجرت سے آٹھ یا نو سال پہلے پیدا ہوئیں۔ تیم خاندان بنو تیم سے تعلق رکھتی تھیں جو شجاعت، مہربانی، امانت داری، پختگی اور عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کے حوالے سے معروف تھا۔

ڈاکٹر عائشہ بنت عبدالرحمن شاطی اپنی کتاب تراجم سیدات بیت نبوت میں رقمطراز ہیں "آپ اور آپ کی بہن اسماءؓ نے بالغ ہونے سے پہلے اسلام قبول کیا، اس وقت مسلمان محدود تعداد میں تھے پیغمبر اسلامؐ آپؓ کو بچپنے سے جانتے تھے، آپؓ حسن صورت، صلاحت وفصاحت لسان کے ساتھ شجاعت قلب کی مالک اور حاضر جواب تھیں، خدیجہؓ کی وفات کے بعد پیغمبرؐ نے نکاح کی خواستگاری کی اس پر ان کے والدین ابوبکرؓ اور ام رومان نے دل وجان سے استقبال کیا۔

پیغمبرؐ کے عقد میں آنے سے پہلے جویر بن مطعم عدی سے آپؐ کے رشتے کی بات چل رہی تھی لیکن جویر کی ماں نے ابوبکرؓ کے ایمان کو بنیاد بنا کر اس رشتے سے لاتعلقی کا اظہار کیا جو ابوبکرؓ کے لئے اس منگنی کو توڑنے کا بہترین موقع ثابت ہوا۔ طبقات سعدج ۸ میں ابن عباس سے منقول ہے جب پیغمبر اسلامؐ مدینہ پہنچے تو آپؐ نے زیدؓ بن حارثہ کو مکہ سے اپنی بیٹیوں کو لانے کا حکم فرمایا، ابوبکرؓ نے بھی انہیں ایک چٹھی تھمادی اور کہا آپ میری بیوی ام رومانؓ اور بیٹیوں اسماءؓ و عائشہؓ کو بھی ساتھ لے آئیں۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو اطمینان وسکون اور دشمن کے ظلم سے نجات حاصل ہوئی تو ابوبکرؓ نے پیغمبر اسلامؐ سے کہا اپنی زوجہ کو اپنے گھر لے جائیں، کہتے ہیں عائشہؓ کی کنیت اُم عبداللہ تھی شاید یہ کنیت آپ کی بہن کے بیٹے عبداللہ بن زبیر کی وجہ سے آپ کو ملی ہو

جیسا کہ بعض نے نقل کیا ہے جب عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو انھیں پیغمبرؐ کے پاس لایا گیا آپؐ نے عائشہؓ سے فرمایا ام عبداللہ یہیں سے یہ کنیت مشہور ہوگئی۔ تراجم اعلام النساء میں ذکر ہوا ہے آپ اپنے دور کی مسلمان عورتوں میں سب سے بڑی محدثہ وفقیہ اور دین وادب میں سب سے زیادہ اعلم اور پیغمبرؐ کی پسندیدہ بیوی تھیں ہر موقع پر شعر انشاء کرتی تھیں اکابر صحابہ آپ سے مسائلِ شرعیہ پوچھتے تھے مسروق جب بھی کوئی حدیث نقل کرتے تو کہتے تھے "حدثنی صدیقة بنت صدیق" بعض کے مطابق پیغمبرِ اسلام کی وفات کے وقت آپ کی عمر ١٨ سال تھی آپؓ نے اٹھاون ٥٨ ہجری میں وفات پائی۔

ام المومنین عائشہؓ کا نام گرامی سننا یا پڑھنا بعض فرقوں کے نا سمجھ یا حق وباطل کی کسوٹی کو اپنی پسند اور ناپسند سے تولنے والے افراد کیلئے گوارا نہیں ہے اس کی توجیہ میں وہ امیر المومنین علیؑ کی ذات سے نبرد آزما ہونے کیلئے ایک لشکر کی قیادت کرنے کو بنیاد بناتے ہیں اگر یہ نبی اسلامؐ یا امام علیؑ کے خلاف اپنی نبرد آزمائی کا احتساب کرتے تو کتنا بہتر تھا لیکن یہی لوگ غیر مسلموں، اسلام کا مذاق اڑانے اور اسلام کی اہانت کرنے والی خواتین کا احترام اور انھیں برداشت کرتے ہیں انہیں ان کا نام سنتے ہوئے اتنی کراہت نہیں ہوتی جتنی عائشہؓ کا نام لیتے وقت ہوتی ہے جو باعث تعجب ہے اور ہم ان گروہوں میں سے بھی نہیں جو سورہ مبارکہ طلاق اور سورہ مبارکہ تحریم دونوں سوروں کے معانی اور خلیفہ چہارم کے خلاف مزاحمت کو نظر انداز کر کے ملاءِ اعلیٰ سے فوق سبع سماوات میں عقد کرنے کی بات کرتے ہیں۔

نابالغ لڑکی کی شادی

ممکن ہے نقد انتقاد کرنے والے عائشہؓ کے پیغمبرؐ کے ساتھ عقد کو ایک عجیب واقعہ قرار دیں اور اسے پیغمبرؐ کی شہوت رانی کا ثبوت بنا کر پیش کریں اور یوں کہیں کہ ایک نابالغ لڑکی سے ٥٢ سالہ شخص کی شادی تعجب خیز ہے، مستشرقین اسلام کے خلاف ہرزہ رسائی کیلئے اس تمسک کریں اور مذہب و مغربیت کی داعیان شاید سرے سے اس کا انکار کریں اور سنِ ازدواجی کے بارے میں تحریف تاریخ کو جواز بنا کر جواب پیش کریں۔ سرزمینِ مکہ میں پیغمبرؐ کیلئے جعلی و خود ساختہ تہمت وافترا اور عیب جوئی کرنے والے موجود تھے انہوں نے اس رشتے پر انگلی نہیں اٹھائی اور اسے حربے کے طور پر استعمال نہیں کیا حالانکہ وہ آپؐ پر نقد وتنقید کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے کسی نے یہ تک نہیں کہا ایک ایسی لڑکی جس کی عمر سات سال سے زیادہ نہیں اس کی باون (٥٢) سالہ انسان سے شادی ہوئی ہے۔ عبد المطلبؓ نے ہالہ سے شادی کی جو آمنہؑ کی چچا زاد بہن اور ان کی ہم عمر تھیں یعنی عبد المطلبؓ نے اپنی بہو کی ہم عمر لڑکی سے شادی کی۔ عمرؓ نے اپنی بیٹی حفصہؓ کے بیوہ ہونے کے بعد ابوبکرؓ سے اس رشتہ کی درخواست کی جبکہ حفصہؓ اور ابوبکرؓ کی عمر اس وقت اسی تناسب میں تھی جو عائشہؓ اور پیغمبرؐ کے درمیان تھی، اس زمانے میں عمر کا تناسب کسی بھی حوالے سے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن آج کل عمر کے تناسب کو معیوب سمجھا جانا مغربی ثقافت کی ایک جعلی وزہریلی پیشکش ہے مغرب والے اس بارے میں مخلص نہیں ہیں۔

اُم المومنین عائشہؓ کے بارے میں امت کے اندر ضد ونقیض پر مشتمل نظریات پائے جاتے ہیں بعض انھیں انتہائی ناروا اور

نازیبا کلمات سے یاد کرتے ہیں جبکہ بعض مبالغہ آمیز مقام و منزلت اور قدسیت کے دائی ہیں یہ قرآن کریم کی آیات، روایات اور کتب تاریخ و سیرت میں موجود نقولات سے بے اعتنائی برتنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے ایک منصف انسان کیلئے ضد و نقیض پر مشتمل مواد کو سامنے رکھنے کے بعد ایک حصہ کو لے کر مذمت کرنا یا ایک حصے کو لے کر تقدیس و مبالغہ آرائی کرنا انصاف سے باہر ہے، حق و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان تمام امور میں ہر ایک کو سامنے رکھنے کے بعد عدالت و انصاف سے فیصلہ کرنا چاہیے۔

تمام اصحابؓ زوجات اور آئمہ طاہرینؑ کے کردار کو قرآن و سنت اور فرمانِ رسولؐ کے سانچے سے گزارنے کے بعد دیکھنا چاہیے کہ قرآن و سنت ان کے ساتھ کس قسم کے سلوک کو اپنانے کا حکم دیتے ہیں۔ ام المومنین عائشہؓ ازواج نبیؐ میں خاص امتیازات و خصوصیات کی حامل تھیں ہم ان خصوصیات و امتیازات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے بارے میں عقیدت و احترام کی مقدار کا تعین کریں گے۔ اس سلسلے میں ان کی حیات کے بہت سے نکات کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے:

پیغمبرؐ کی ذاتِ گرامی کے حوالے سے عائشہؓ کیلئے دو قسم کے سلوک بیان کئے جا سکتے ہیں:

الف۔ پیغمبر اسلامؐ کو اگر نبوت و رسالت سے الگ فرض کریں تو آپؐ قریش کی ایک ممتاز و محترم شخصیت اور ۵۲ سال کی عمر کے انسان تھے اور عائشہؓ ایک نو دس سالہ کنواری لڑکی تھیں جو اپنی جگہ حسن و جمال کے ساتھ ذہانت، طبیعت میں تجمل پذیرائی کے علاوہ دوسروں کے مقابلے میں انفرادیت کی مالک تھیں۔ پیغمبر اسلامؐ کو نبوت سے الگ سمجھنے کی صورت میں عائشہؓ کا ہر قسم کی خواہشات اپنی جگہ عادی و معمولی تھیں تاریخ میں ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ ایک نو عمر لڑکی جو عمر رسیدہ شوہر اور کئی سوتن بیوہ عورتوں کے درمیان رہتی ہو وہ شوہر کے ساتھ کیا سلوک کر سکتی ہے۔

ب۔ پیغمبر اسلامؐ بحیثیت نبی، داعی الی اللہ زندگی کو وحی الٰہی کے مطابق چلانے والے روئے زمین پر سب سے افضل و برتر ہستی تھے اس حیثیت سے آپؐ کی شان میں کسی بھی قسم کی کوتاہی چاہے اولاد، بیوی یا امت کی طرف سے ہو قابل ملامت و سرزنش اور نقد و انتقاد کا نشانہ بننے کی مستحق ہے کیونکہ وحی آسمانی کے تحت چلنے والے انسان کے سامنے زمینی نظام کے ذریعے زبان کھولنا ایک قسم کا جسارت آمیز سلوک ہے اس حوالے سے کیا کیا جسارتیں ہیں جو عائشہؓ نے نبوت و رسالت سے کیں؟ ان کا ذکر سورہ تحریم و طلاق میں آیا ہے اور خدا نے اس کا فیصلہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔ پیغمبرؐ کا دیگر زوجات سے اتفاق و محبت پر مشتمل مظاہرہ آپ کی دو زوجات کیلئے قابل برداشت نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے پیغمبرؐ کے ساتھ جو سلوک کیا اسے خدا نے بھی قبول نہ کیا اس حوالے سے ان کی پیغمبرؐ پر ہر قسم کی اونچائی دکھانا یا پیغمبرؐ کی زبانی ان کی فضیلت و برتری دکھانا تاریکی میں فیصلہ کرنے کے مترادف ہے لہٰذا فیصلہ خداوندی سے ہٹ کر انسان کے فیصلے کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

عائشہؓ سے متعلق چند حقائق

۱۔ عائشہؓ کا قریش کے اچھے اور متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود چھوٹی عمر میں نبی کریمؐ کو بغیر کسی چوں وچرا کے قبول کرنا اپنی جگہ قابل تعریف ہے۔

۲۔ ان کا ایک نہیں بلکہ کئی سوتنوں (بیواؤں) کے ساتھ اور ان میں بڑھتی ہوئی تعداد کو برداشت کرنا دل گردے کی بات ہے۔

۳۔ کنواری، تازہ شادی شدہ عورت کو گھر میں بٹھا کر پیغمبرؐ کا دوسری زوجہ کے گھر رہنا یا عائشہؓ کو چھوڑ کر ایک بیوہ کو اپنے ساتھ سفر پر لے جانا نا قابل برداشت تھا جو صرف ایمان باللہ کے سایہ میں قابل برداشت تھی۔

۴۔ مسلمان مردوں، عورتوں اور اصحاب وانصار پر پیغمبرؐ نے مال و دولت نچھاور کیا تو عائشہؓ نے بھی تعیش وآسائش کی خواہش ظاہر کی چنانچہ مفسرین نے سورۂ طلاق اور سورۂ تحریم کی شانِ نزول سے اخذ کیا ہے کہ آپ کے دل میں دنیا کیلئے بہت کچھ مقام ابھی تک باقی تھا۔

۵۔ پیغمبر اسلامؐ کی احادیث نقل کر کے خواتین کو اسلام سکھانے کے سلسلے میں ان کا ذکر دیگر زوجات کی نسبت زیادہ ہوا ہے۔

۶۔ عائشہؓ کے تمام امتیاز اور انفرادیت پسندی کے باوجود دیگر زوجات کی طرف سے آپ کے خلاف مہم جوئی کی کوئی خبر نہیں ملتی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زوجاتِ پیغمبرؐ بھی عائشہؓ کی جوانی اور سلوک ومزاج کا احترام کرتی تھیں۔

۷۔ قصۂ افک عائشہؓ کی حیات میں پوری امت اور پیغمبرؐ کیلئے ایک تلخ اور ناگوار واقعہ تھا ان کے حق میں جو فیصلہ خدا اور اس کے رسولؐ نے کیا امت کو اسے تسلیم کرنا چاہیے۔

۸۔ اعلام زرکلی ج ۳ ص ۲۴۰ پر لکھتے ہیں آپ سے بائیس سودس (۲۲۱۰) احادیث منقول ہیں، بدرالدین زرکشی نے آپ کی بہت سی احادیث نقل کی ہیں جنھیں "الاجابہ لما استدرکتہ عائشہ علی الصحابہ" کے نام سے کتاب میں جمع کیا ہے۔

۹۔ نصِ قرآنی کے تحت عائشہؓ ام المومنین ہیں، انہیں اپنی ماں سمجھ کر ان کی ناپسندیدہ حرکات وسکنات اور سلوک کو نظر انداز کرتے ہوئے مومنین کو ان کا احترام کرنا چاہیے۔

۱۰۔ خلیفہ سوم کے دور خلافت میں ان کی طرف سے نا مناسب اقدامات کو دیکھ کر جہاں امت کے دیگر افراد و شخصیات ان سے نالاں تھیں وہاں اُم المومنین عائشہؓ بھی ان سے نالاں تھیں اس سلسلے میں بارہا وہ امت کو عثمانؓ کے خلاف اکسا چکی تھیں لیکن عثمانؓ کے قتل کے بعد جب خلافت کے لئے اہلِ مدینہ نے بطور اتفاق علیؑ کو انتخاب کیا تو یہ بات اُم المومنین عائشہؓ پر بہت ناگوار گزری ان کی نظر میں عثمانؓ کا قتل ہونا اچھا تھا لیکن علیؑ کو جانشین نہیں بننا چاہیے تھا۔ علیؑ سے نفرت اور خلافت علیؑ سے کراہت اُم المومنین عائشہؓ کے ذہن میں کب اور کہاں سے آئی ؟ اس سوال کا کوئی جواب نہیں سوائے اس کے کہ علیؑ شوہرِ زہراؑ تھے اور زہراؑ اُم المومنین عائشہؓ کی سوتن کی بیٹی تھیں منصبِ خلافت کیلئے علیؑ کے خود کو پیش کرنے کی ایک وجہ ان کا شوہر زہراؑ ہونا تھا جہاں وہ دامادِ پیغمبرؐ کی حیثیت سے دیگران کی بنسبت خلافت کیلئے اولیٰ تھے تو کیوں

کررسول اللہؐ کی زوجہ کے والد (سسر) جانشین ہونے میں زیادہ ترجیح نہیں رکھتے؟ دراصل یہ تصوروخیال جانشین کا تعین زمینی اقدار کی بنیاد پر کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے؟

۱۱۔ عائشہؓ دیگر زوجات کی بنسبت خدیجۃ الکبریٰؑ کی بیٹی فاطمہؑ اوران کے داماد علی بن ابی طالبؑ کو اپنے لئے بہت گراں اور بھاری بوجھ محسوس کرتی تھیں اورانہیں دیکھنے کے بعد خود پر قابو نہیں رکھ سکتیں تھیں تاریخ نگار لکھتے ہیں انھوں نے خلیفہ سوم کے تصرفات کو پیغمبراسلامؐ اور شیخین کی سیرت کے خلاف قرار دے کر لوگوں کو ان کے خلاف اکسایا جب وہ قتل ہوئے اور زمام خلافت علیؑ کے ہاتھ میں آئی تو یہ خبر سننے کے بعد بھی تاب نہ لا سکیں اور علیؑ کے خلاف ایک بڑے لشکر کی قیادت کرنے پر آمادہ ہوئیں جس کا کوئی جواز نہیں تھا لہٰذا جنگ جمل عائشہؓ کے معروف ومشہور کردار کی ایک مثال ہے۔

۱۲۔ عائشہؓ سے تلخ وناگوار واقعات کا تذکرہ کرنے کے باوجود علیؑ اور آپ کی اولاد نے عائشہؓ کے ساتھ جو رویہ اور سلوک اپنایا امت کو بھی اسے اپنانا چاہیے۔عائشہؓ ام المومنین ہونے کے حوالے سے آئمہ طاہرینؑ کے نزدیک محترم تھیں لہٰذا امام جعفر صادقؑ نے اپنی ایک بیٹی کا نام عائشہ رکھا۔ان تمام حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد عائشہؓ کو عام امت کی خواتین پر فضیلت حاصل ہے لہٰذا ایک کلمہ گو مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ان کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کرے یا ان کے ساتھ ناروا سلوک اختیار کرے۔

ام سلمیٰؓ

ہند دختر ابی امیہ سہیل بن مغیرہ مخزومیہ بن عبداللہ بن عمران کی ماں عاتکہ بن عامر بن ربیعہ بن مالک بن حذیفہ بن علقمہ بن جذل الطعان بن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ تھیں۔

آپ ابوسلمیٰ عبداللہؓ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے عقد میں تھیں، جو پیغمبرؐ کی پھوپھی کے بیٹے اور آپؐ کے رضاعی بھائی تھے ام سلمیٰ خلق وعقل دونوں لحاظ سے کامل تھیں۔آپ پڑھنا لکھنا جانتی تھیں آپ نے اپنے شوہر کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی جہاں آپ کا بیٹا سلمیٰ پیدا ہوا۔پھر واپس مکہ آئیں وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، جہاں تین بچے مر، درّہ اور زینب پیدا ہوئے۔ایک جنگ کے دوران آپ کے شوہر زخمی ہونے کی وجہ سے وفات پا گئے ابوبکرؓ نے آپؓ سے عقد کی خواستگاری کی تو آپ نے قبول نہ کیا پھر پیغمبرؐ نے خواستگاری کی تو عرض کیا میں کی زوجیت کیلئے مناسب نہیں کیونکہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور یتیم بچے رکھتی ہوں۔پیغمبرؐ نے فرمایا میں آپ سے بڑا ہوں اور زیادہ بچوں کا باپ ہوں۔ام سلمیٰؓ زاہدو پرہیز گار اور عمر رسیدہ تھیں آپ نے ۶۲ھ میں وفات پائی۔

حفصہؓ بنت عمر

حفصہ بنت عمرؓ بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی: لکھتے ہیں حفصہ خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم کے عقد میں تھیں دونوں نے مدینہ ہجرت کی جنگ بدر کے بعد خنیسؓ نے

وفات پائی عمرؓ،عثمانؓ کے پاس گئے ان سے بیٹی کے عقد کی درخواست کی تو انہوں نے کہا مجھے عورتوں سے دلچسپی نہیں ۔ابوبکرؓ کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی تو انھوں نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہے پھر پیغمبر اسلامؐ نے اپنے لئے خواستگاری کی بعد میں عمرؓ نے ابوبکرؓ سے کہا میں نے اپنی لڑکی کو عثمانؓ کیلئے پیش کیا تو انہوں نے مسترد کیا آپ سے کہا آپ خاموش ہو گئے میں بہت غصے میں تھا لیکن پیغمبر اسلامؐ نے انہیں اپنے عقد میں لینے پر آمادگی ظاہر کی ہے جس سے میری پریشانی کم ہو گئی ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے ۳ ہجری میں حفصہ کو اپنے عقد میں لیا ان کا حق مہر چار سو درہم معین کیا اس وقت حفصہؓ کی عمر بیس (۲۰) سال تھی ۔صاحب اعلام زرکلی ج ۲ میں پر لکھتے ہیں پیغمبرؐ نے حفصہ کو طلاق دی پھر اللہ تعالٰی نے وحی نازل کی کہ آپ دوبارہ رجوع کریں ۔یہ صوامہ قوامہ ہیں ۔حفصہؓ سے ۶۰ احادیث منقول ہیں۔

زینبؓ بنت جحش

اُم المومنین زینبؓ بنت جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمۃ ،ان کی ماں امیمہ بنت عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی تھیں ۔آپ حمۃ ابی احمد اور عبد اللہ بن جحش کی خواہر تھیں عبد اللہ اسلام کے شجاع و بہادر افراد میں سے تھے،ابواحمد ایمان لانے اور پہلے ہجرت کرنے والوں میں سبقت کرنے والوں میں سے تھے آپ جنگ بدر اور دیگر جنگوں میں بھی پیغمبرؐ کے ساتھ رہے ۔آپ کی شان میں سورۂ احزاب کی آیات ۳۶ تا ۴۰ نازل ہوئیں۔

ہجرت سے تیس سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئیں،اپنے خاندانی شرف وکمال کے ساتھ ظاہری حسن و جمال اور باطنی عقل وشعور کے حوالے سے قریش کی ممتاز و با فضیلت خواتین میں سے تھیں ۔عرب میں زینبؓ کا مقام،حسب ونسب،کرم،جود وسخا،سبقت اسلام میں سب سے پیش پیش تھا،آپؓ عزت وفخر اور مقام ومنزلت کے حوالے سے کہتی تھیں ''میں ابنائے عبد الشمس کے سادات میں سے ہوں۔'' جب پیغمبرؐ نے دعوت کا آغاز برأت سے کیا تو زینبؓ نے پیغمبرؐ کی دعوت کو قبول کرنے میں سبقت کی،مشرکین مکہ،ایمان سے محروم،رسالت کے منکر پیغمبرؐ کی دعوت میں رکاوٹیں ڈالتے اور دعوت دینے سے روکتے تھے،آپؐ اور ایمان لانے والوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے تھے،زینبؓ ان تمام مشقتوں کو برداشت کرتی رہیں یہاں تک کہ حبش کی طرف ہجرت کی پھر مکہ واپس آئیں اور پھر مدینہ ہجرت کی،بنی جحش،بنی مزعون،بنی بکید،ان کے مرد و عورت،چھوٹے بڑے سب ایمان لائے اور سب نے ہجرت کی ۔ابن اسحاق سے منقول ہے بنی جحش سے زینب بنت جحش،ام حبیب بنت جحش اور ابواحمد بن جحش (برادر زینب بنت جحش) × نے بنی جحش سے ہجرت کی،زینبؓ بنت جحش کا عقد حکم خدا اور رسولؐ کے تحت زیدؓ بن حارثہ سے عقد ہوا تاکہ خاندانی امتیازات کو ختم کرسکیں جب ان کے شوہر نے انہیں طلاق دی تو پیغمبرؐ نے ان سے اس لئے عقد کیا تاکہ جاہلیت میں رائج متبنیٰ کی بیوی سے عقد کی ممانعت کو ختم کیا جائے پیغمبرؐ نے آپ کا سابقہ نام ختم کر کے ''زینب'' رکھا۔

آپؓ کا پیغمبرؐ کے ساتھ عقد نص قرآن کے تحت ہوا جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا﴾ ''جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی تو ہم نے اس خاتون

کا نکاح آپ سے کردیا" (احزاب ۳۷)

زینبؓ دوسری ازواج پر فخر کرتی تھیں، اس کے مقابل عائشہؓ کیلئے اسی بنیاد پر فضلیتیں بنائی گئی ہیں لیکن عائشہؓ کے بارے میں کونسی ایسی آیت موجود ہے۔ اس قسم کے فضائل صاحب فضیلت کے درجوں کو بلند کرنے کی بجائے مشکوک بناتے ہیں یعنی جسے فضیلت دی جاتی ہے اس کا مرتبہ بلند ہونے کی بجائے مشکوک ہو جاتا ہے۔

جویریہؓ بنت حارث بن ابی ضرار المصطلقیہ

جویریہؓ بنت الحارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمۃ بن المصطلق۔ آپ کے والد حارث قوم کے سید و سرتاج تھے چنانچہ انہوں نے عزت و وقار، سیادت و ریاست کے ماحول میں پرورش پائی، اپنے خاندان کے اچھے اخلاق، آداب وصفات، حسن ادب اور جود وسخا کی بنا پر آپ اپنے خاندان کی با فضیلت خاتون اور سیدہ و سرتاج تھیں۔

خاندان بنی مصطلق ہمیشہ جاہلیت کی کہنہ پرستی میں مستغرق رہتا تھا ان کا حاکم حارث بن ابی ضرار تھا جو مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والی جنگوں سے پریشان رہتا تھا کیونکہ ہر آئے دن لشکرِ اسلام کو لشکرِ شرک پر فتح و کامیابی حاصل ہو رہی تھی اور یہی چیز اس کے غیض وغضب میں اضافے کا سبب بنی۔ اسے ڈر تھا اگر دیگر قبائل عرب سے کٹ کر غیر جانبدار ہو گئے تو کسی نہ کسی دن ہم مجاہدین کی لپیٹ میں آ جائیں گے اور اچانک خواب غفلت میں مجاہدین ہم پر حملہ آور ہو جائیں گے ایسے وہم وخیالات بڑھتے گئے شیطان نے مزید ہوا دی اور اس میں نخوت، غرور وتکبر پیدا کیا کہ تم قوی اور قدرت مند انسان ہو تم پہلے سے ہی مسلمانوں پر ہجوم کر سکتے ہو اس نیت سے یہ مسلمانوں کے خلاف تمام جنگی وسائل، اسلحہ اور افراد جمع کرنے لگا، قبیلے کی سرپرست شخصیات دیگر قبائل وعشائر کے پاس گیا تا کہ انہیں متحد کر کے مسلمانوں کی طاقت کا مقابلہ کر سکے جنہوں نے جاہلیت کی تمام طاقت وقدرت اور اپنے راستے میں حائل رکاوٹوں کو کچل دیا تھا اور اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچا رہے تھے، جب یہ خبر پیغمبر اسلامؐ کو ملی تو آپ نے بریدۃؓ بن حصیب بن عبداللہ الاسلمی کو حکم دیا کہ جا کر حارث اور ان کے دیگر بزرگان سے ملیں اور ان سے بات کریں۔ انہوں نے وہاں پہنچنے پر محسوس کیا کہ وہ لوگ مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کیلئے بالکل آمادہ ہیں تا کہ پیغمبر اسلامؐ کو مدینہ سے نکال دیں، بریدۃؓ نے واپس آ کر پیغمبر اسلامؐ کو ساری تفصیلات سے آگاہ کیا جس پر آپؐ سات سو مجاہدین کو لے کر قبیلہ بنی مصطلق کی طرف نکلے اس جنگ میں عائشہؓ آپؐ کے ساتھ تھیں۔

جویریہؓ اس جنگ میں دو سو خواتین کے ہمراہ اسیر ہوئیں، پہلے ان کا بیس سال کی عمر میں بنی خزاعہ کے مسافع بن صفوان بنی خزاعہ سے عقد ہو چکا تھا۔ چھ ہجری میں پیغمبرؐ نے ان کے ساتھ عقد کیا، ان کا نام مذموم ہونے کی وجہ سے پیغمبرؐ نے ان کا نام جویریہؓ رکھا۔ پیغمبرؐ کے اس سلوک کی وجہ سے قبیلہ بنی مصطلق مسلمان ہو گیا۔

اُمِ حبیبہؓ

رملہؓ ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس زعیم وقائد مشرکین کی بیٹی تھیں ۔آپ عبید اللہ بن جحش اسدی کے عقد میں تھیں ،جب وہ پیغمبرؐ پر ایمان لایا تو رملہؓ بھی ایمان لائیں ،ان کو باپ کی جانب سے ایذا ءواذیت کا خوف لاحق ہوا تو انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی اس وقت حاملہ تھیں ۔آپکی ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ بنت عبید اللہ رکھا گیا ۔اسی سے آپ کی کنیت ام حبیبہؓ مشہور ہوئی ،آپ دیارِ ہجرت میں اپنے شوہر کے ساتھ رہیں ۔ایک مرتبہ انھوں نے خواب میں اپنے شوہر کو بدترین شکل میں دیکھا تو فوراً اٹھ گئیں ،بعد میں ان کا شوہر مرتد ہو کر نصرانی ہو گیا تعجب ہوتا ہے جس شخص نے دین اسلام کیلئے مشقتیں برداشت کیں ،گھربار اور عزیز وا قارب کو چھوڑا ہو اس نے دین اسلام سے مرتد ہو کر ایک ایسے دین کو قبول کیا جو اس کے آبا وَاجداد کیلئے بھی قابلِ قبول نہیں تھا گویا ایک لباس کو اتار کر دوسرا لباس پہنا ۔اس چھوٹی بچی کی کیا تقصیر تھی جس کا باپ کافر و مرتد ہو چکا تھا اور وہ سرزمین غربت میں پیدا ہوئی اس کا باپ نصرانی ،ماں مسلمان ،اور نانا مشرک دشمن اسلام تھا غرض ان تمام نا گوار و نا قابلِ برداشت حالات نے رملہ کو پریشان کر دیا ۔تمام دروازے ان پر بند ہو جانے سے ان کی غربت میں اضافہ ہوا ،نہ انہیں یہاں کوئی جگہ مل سکتی تھی اور نہ ہی وہ اپنے گھر لوٹ سکتی تھیں یہاں رکنے کی صورت میں لوگ شماتت کرتے جبکہ وطن واپس چلے جانے پر باپ کی اذیتوں کا اندیشہ تھا لہٰذا واپس آ کر مکہ میں بھی رہنے کی کوئی جگہ نہیں تھی کچھ مدت تک آپ حبش میں اضطراب و پریشانی کی حالت میں رہیں ،ساتویں ہجری میں ایک دن نجاشی کی ایک کنیز نے آپ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور آپ سے کہا کسی کو اپنا وکیل بنائیں اور اپنے آپ کو پیغمبرؐ کے عقد میں دے دیں کیونکہ انھوں نے آپ کی خواستگاری کی ہے ۔ام حبیبہؓ نے کنیز سے دو تین بار پوچھا ،جب یقین ہوا تو چاندی کی دو چوڑیاں اُتار کر اسے مٹھائی کیلئے دے دیں اور خالد بن سعد بن عاص بن امیہ بن عبد شمس جو مہاجرین بنی امیہ کے سربراہ تھے انہیں اپنا وکیل بنایا ۔شام کے وقت نجاشی نے حبش میں موجود مسلمانوں کو بلایا تو جعفر بن ابی طالبؓ اور خالد بن سعید آئے ۔نجاشی نے حبشی زبان میں گفتگو کی ،مترجم نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا نجاشی نے کہا محمدؐ بن عبد اللہ نے مجھے لکھا ہے کہ اُمِ حبیبہؓ بنت ابو سفیان کو ان کے عقد میں دے دیں تو تم میں سے کون اس بارے میں وکیل بننے کیلئے سزاوار ہے ؟قوم نے کہا کہ خالد بن سعید ۔نجاشی نے کہا میں نے ان کا صداق چار سو دینار رکھا ہے ،بعض نے چار ہزار دینار بتایا ہے ۔سعید نے کہا میں نے وکیل بننا قبول کیا یعنی صداق کو قبول کیا ،پیغمبرؐ کے وکیل عمرو بن امیہ ضمری تھے ۔نجاشی نے وہاں ایک ولیمہ دیا کیونکہ یہ انبیاءؑ کی سنت ہے ،کھانا کھانے کے بعد یہ لوگ اُمِ حبیبہؓ کے پاس آئے ،عثمانؓ بن عفان نے بھی ولیمہ دیا اس دن سے اُمِ حبیبہؓ ام المومنین بنیں نجاشی کی کنیزیں ،زنانِ نجاشی کی طرف سے تحفے تحائف اور عود وعنبر کی خوشبوئیں لائیں آپ نے انھیں اپنے مہر میں سے پچاس دینار دینا چاہا تو انہوں نے لینے سے انکار کر دیا اور چوڑیاں بھی واپس کر دیں اور کہا کہ بادشاہ نے آپ سے کچھ بھی لینے سے منع کیا ہے ،اُمِ حبیبہؓ نے یہ تمام خوشبوئیں محفوظ رکھیں ۔پیغمبرؐ نے ان سے اس لئے عقد کیا تا کہ ان کے شکستہ و رنجیدہ دل کا جبران کریں اور یہ اسلام پر باقی رہیں ۔

صفیہؓ بنت حی

صفیہؓ بنت حی بن اخطب بن سعیۃ بن عامر بن عبید بن کعب بن الخزرج بن ابی حبیب بن النضیر بن النحام بن تحوم من بنی اسرائیل من سبط ہارون بن عمرانؑ: یہ خاتون خیبر کے اسیروں میں شامل تھیں ۔پیغمبرؐ نے صفیہؓ سے فرمایا کیا آپ مجھ سے کوئی حاجت طلب کریں گی تو صفیہؓ نے کہا میں مشرک تھی تو یہ تمنا کرتی تھی اب اسلام کے سائے میں آئی ہوں پیغمبرؐ نے ان کو آزاد کیا اور غلامی سے آزادی کو ان کا مہر یہ قرار دیا صفیہؓ کے پیغمبرؐ اسلام کے عقد میں آنے کے متعلق بہت سا ایسا مواد موجود ہے نبی کریمؐ کی سیرت سے انتہائی اجنبیت رکھتا ہے بعید از قیاس نہیں ہے صفیہؓ کے بارے میں ایسی نا مناسب حکایات پیغمبرؐ سے منسوب کی گئی ہوں کیونکہ صفیہؓ رئیس کے گھرانے سے تعلق رکھتیں تھیں لہٰذا ان کیلئے ان کا پیغمبرؐ کے ساتھ عقد کیسے گوارا ہو سکتا تھا انہوں نے سوچا ہوگا کہ صفیہؓ تو پیغمبرؐ کے عقد میں گئیں لیکن اس کا انتقام پیغمبرؐ کی شخصیت کو صفیہؓ کے عشق کے حوالے سے داغدار کیوں نہ کیا جائے ۔عصر حاضر میں یہودی اقلام پیغمبرؐ سے انتقام لینے اور جسارت کرنے کیلئے ایسے مواد سے استناد کرتے ہیں جو انہی کا خود ساختہ ہے ۔

زینبؓ بنت خزیمہ

زینبؓ بنت خزیمۃ بن الحارث عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ھلال بن عامر بن صعصعہ: آپ دور جاہلیت میں مسکینوں کو کھانا کھلاتی تھیں آپ کو "ام المساکین" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا آپ کے شوہر بدر میں شہید ہوئے بعض نے کہا ہے کہ یہ عبداللہؓ بن جحش کے عقد میں تھیں جو اُحد میں شہید ہوئے، جب پیغمبرؐ نے ان سے اپنی زوجیت قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے اختیار رسول اللہؐ کے ہاتھ میں دیا انہوں نے تمیں (۳۰) سال کی عمر میں ہجرت کی اور ۲۹ سال کی عمر میں وفات پائی ۔

ریحانہؓ بنت زید

ریحانہؓ بنت زید بن عمرو بن خناقہ بن شمعون بن زید بنی نضیر، ان سے چھٹی ہجری میں پیغمبرؐ کا عقد ہوا، ان کا شوہر غزوہ بنو نضیر میں قتل ہوا اور خود اسیر ہوئیں، حجتہ الوداع کے بعد وفات پا گئیں ۔

ماریہؓ قبطیہ

ماریہؓ بنت شمعون قبطی رومی مسیحی کی بیٹی تھیں انھوں نے ابتدائی زندگی اپنی بہن سیرین کے ساتھ قصر مقوس عظیم القبط ملکِ اسکندریہ میں گزاری، انہوں نے سن رکھا تھا کہ جزیرۃ العرب میں ایک ہستی نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور وہ ایک آسمانی دین کی طرف دعوت دے رہے ہیں پیغمبرؐ کی طرف سے ایک وفد حاطبؓ بن ابی بلتعہ کی قیادت میں آپؐ کا خط لے کر مقوس کے پاس پہنچا، اس نے خط پڑھنے کے بعد انتہائی عزت و احترام کے ساتھ اسے ایک ظرف میں بند کر کے اسے ایک کنیز کے حوالے کر دیا پھر حاطبؓ کی طرف متوجہ ہو کر کہا اپنے نبی کی تعریف بیان کیجئے تعریف سننے کے بعد تھوڑی دیر سوچا پھر کہا میں جانتا تھا ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے اور یہ بھی جانتا تھا وہ شام سے ظاہر ہوگا کیونکہ شام انبیاءؑ کے مبعوث ہونے کی جگہ ہے

لیکن ابھی یہ بنی حجاز میں ظاہر ہوئے ہیں، اس اظہار کے باوجود مقوس کو اپنے ہاتھوں سے سلطنت نکلنے کی فکر لاحق تھی بعد ازاں اس نے کاتب کو بلا کر خط کا جواب لکھوایا جوابی خط میں لکھا آپ کا خط پڑھا جو کچھ آپ نے لکھا ہے میں نے سمجھ لیا آپ اپنی جانب دعوت دینا چاہتے ہیں مجھے معلوم تھا ایک نبی شام کی طرف سے ظہور کرے گا مقوس نے حاطبؓ سے کہا میں آپ کے رسولؐ کے احترام میں اپنے پاس موجود دو محترم و معزز کنیزیں مع لباس فاخرہ اور ایک سواری و کچھ مال پیش کر رہا ہوں اس نے خط حاطبؓ کو دیا اور دعوت اسلام قبول کرنے سے معذرت کی اور یہ جواز پیش کیا کہ اہل قبط میری بات نہیں مانتے اور تاکید کی جو بات ہمارے درمیان ہوئی ہے اس کا ذکر کسی اور سے نہ کریں۔

شہر قبطی چھوڑتے وقت حاطبؓ کے ہمراہ ماریہ، ان کی بہن سیرین، ایک خصی غلام، ہزار مثقال سونا، ۲۰ مصری ساخت لباس، ایک خچر جس کا نام دلدل تھا، کچھ شہد اور مختلف خوشبوؤں کا تحفہ تھا۔ ماریہ اور ان کی بہن جیسے جیسے وطن سے دور ہونے لگیں ان کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے حاطبؓ نے محسوس کیا یہ اپنے وطن سے جدائی کی فراق میں محزون ہیں لہٰذا حاطب نے انہیں مکہ و حجاز کی تاریخ کی داستانیں سنائیں پھر پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں بتایا اس سے انہیں تسلی ہوئی۔ حاطبؓ نے ماریہ اور ان کی بہن کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی دونوں نے قبول کیا، آہستہ آہستہ یہ خبر پھیل گئی کہ ارضِ نیل سے پیغمبرؐ کیلئے تحفہ و تحائف آئے ہیں اور مدینہ میں مسجد کے قریب حارث بن نعمان انصاری کے گھر میں رکھے گئے ہیں۔

ماریہؓ پیغمبرؐ کے حبالہ میں آ گئیں اور اُم المومنین بنیں ان کی امید و آرزوئیں پیغمبرؐ کی وجود میں حل ہو گئیں پیغمبرؐ ان کیلئے صاحب اہل وطن بنے، ماریہؓ ہمیشہ خلوت میں ہاجرہؑ کے مصری اور عربوں کی ماں ہونے کے بارے میں سوچتی رہتی تھیں انھیں ہاجرہ کے برابر ہونے کی بہت تمنا تھی کبھی سوچتی تھیں کہ جس طرح ہاجرہؑ کو سارائے نے ابراہیمؑ کیلئے ہدیہ کیا ہے اسی طرح مقوس نے انہیں بھی نبی کیلئے ہدیہ کیا ہے۔ آپؓ کی بہن کا عقد حسان بن ثابت کے ساتھ ہوا۔

میمونہؓ بنت حارث

ام المومنین میمونہ بنت الحارث بن حزن بن بجیر بن الھرم بن رویبۃ بن عبداللہ بن ھلال بن عامر بن صعصعہ، آپ سب سے آخری خاتون ہیں جن سے پیغمبر اسلامؐ نے عقد کیا، اصل نام برہ تھا، رسول اللہؐ نے ان کا نام بدل کر میمونہ رکھا۔

یہ اپنے دور میں نسب و فضیلت کے حوالے سے مشہور و معروف خواتین میں سے تھیں، اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ مسعود ابن عمرو ثقفی کی زوجہ تھیں، زیادہ تر اپنی بہن ام الفضل کے گھر میں رہتی تھیں۔ یہیں سے آپ اسلام کی تعلیم کی طرف راغب ہوئیں آپ نے مسلمان مجاہدین اور فتح بدر و احد کی خبریں مکہ میں سنیں، ان سب نے انھیں بہت متاثر کیا۔ جب انھوں نے خیبر میں مسلمانوں کی کامیابی کی خبر سنی تو انہیں انتہائی خوشی ہوئی یہ اپنے شوہر مسعود بن عمرو کے گھر گئیں تو انھیں غمزدہ پایا جس سے ان کا آپس میں اختلاف ہوا یہاں تک کہ ان میں جدائی ہو گئی آپ اپنے شوہر کے گھر سے نکل کر مکہ میں عباسؓ کے گھر پہنچیں، مسعود سے جدائی کے بعد ابو رحم بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی کے عقد میں آئیں، صلح

حدیبیہ میں معین کردہ مدت ھدنہ (صلح) تمام ہوئی اور وقت قریب آ پہنچا تو رسول اللہؐ مسلمانوں کے ساتھ مناسک عمرہ ادا کرنے کیلئے امن وامان کے ساتھ " لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک "کی صدائیں بلند کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے ان کی آواز سے پورا مکہ گونج اٹھا مشرکین کے قدموں کے نیچے سے زمین نکل گئی وہ پہاڑوں اور چوٹیوں کی طرف فرار ہو گئے کیونکہ انہیں محمدؐ اور یارانِ محمدؐ کا مکہ میں قوت ،عزت ،عظمت ،شان وشوکت اور وقارو دبدبے کے ساتھ داخل ہوتے دیکھنا گوارا نہیں تھا جنہوں نے اپنے ایمان کو چھپا رکھا تھا ان کی دلی خواہش وآرزو تھی کہ اسلام کی فتح وکامیابی اپنی آنکھوں سے دیکھیں ان میں سے ایک میمونہؓ ہر لحظہ وقت شماری کرتی تھیں۔ آپ مسلمانوں کی نصرت اور عظمت وغلبہ پر مکمل عقیدہ وایمان رکھتی تھیں آپ نے صرف ایمان پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پوری طرح اسلام کی طرف متوجہ ہوئیں یہاں تک کہ برملا اعلان کیا کہ میں اسلام میں داخل ہوگئی ہوں پھر انہوں نے اظہار کیا کہ میں سقف نبوت کے نیچے زندگی گزارنا چاہتی ہوں تا کہ زندگی میں دین و عقیدہ کی تشنگی کو اس چشمہ حیات سے سیراب کروں یہاں تک کہ انہوں نے بے قابو ہو کر اپنی بہن ام الفضلؓ سے کہا میرے دل میں امہات المومنین میں شامل ہونے کی خواہش جنم لے رہی ہے ،ام الفضلؓ نے یہ بات اپنے شوہر عباسؓ تک پہنچائی ،عباسؓ بھی بغیر کسی تردد کے پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میمونہ کی خواہش کو آپ سے بیان کیا رسولؐ نے بھی قبول کیا اور ان کا مہر یہ چار سو درہم مقرر کیا بعض روایات میں ہے انہوں نے اپنے نفس کو رسولؐ کیلئے بطور ہبہ پیش کیا چنانچہ آپ کی طرف سے پیغمبرؐ کی زوجیت میں جانے کی خواہش یا ان کی طرف سے پیشکش پر خداوند عالم نے فرمایا:

﴿وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ "اور وہ مومنہ عورت جو اپنے آپ کو نبی کیلئے ہبہ کرے اور اگر نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں (یہ اجازت) صرف آپ کیلئے ہے مومنوں کیلئے نہیں" (احزاب ۵۰)

پیغمبرؐ مکہ میں صلح حدیبیہ کے معاہدے کے تحت تین (۳) دن سے زیادہ قیام نہیں کر سکتے تھے جب یہ مہلت ختم ہوگئی تو قریش نے آپؐ کو پیغام بھیجا کہ آپ کے قیام کی مدت ختم ہوگئی ہے لہٰذا آپ یہاں سے نکل جائیں۔

دراصل مشرکین پیغمبرؐ کے قیام سے ڈر رہے تھے کیونکہ آپؐ کے قیام اور مکہ کی زیارت سے لوگوں کے دلوں میں بہت اثر ہو چکا تھا جس کی ایک واضح مثال میمونہؓ تھیں جنھوں نے اپنے اسلام لانے پر اکتفا نہ کیا بلکہ مشرکین کو غصہ دلانے کیلئے خود کو زوجہ نبیؐ کے طور پر پیش کیا پیغمبرؐ نے اصول اور معاہدے کی پاسداری کرتے ہوئے میمونہؓ سے عقد نہ کیا اور مسلمانوں کو مدینہ کیلئے آمادہ ہونے کا حکم دیا جب آپؐ مکان سرفہ پہنچے جو مکہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے تو آپ نے میمونہؓ سے عقد کیا اس طرح میمونہؓ سات ہجری میں بیت نبوت کا حصہ بنیں اور امہات المومنین میں ایک اور فاضلہ عورت کا اضافہ ہو گیا پیغمبرؐ کی وفات کے بعد میمونہؓ چند سال زندہ رہیں آپ زہد وتقویٰ اور پیغمبرؐ کے لئے ایک وفادار عورت تھیں جب آپ کی عمر پچاس سال ہوئی تو آپ نے وصیت کی کہ آپ کو اس جگہ پر (مقام سرفہ) دفنایا جائے جہاں پیغمبرؐ اور آپؓ کا عقد ہوا تھا، آپ کی

وفات کے بعد ابن عباس نے میمونہؓ کی وصیت پر عمل کیا۔ عائشہؓ کا بیان ہے میمونہؓ ہم سب سے زیادہ باتقویٰ عورت تھیں میمونہؓ پر سلام ہو، وہ جرأت مند عورت تھیں جن کے اسلام کا اعلان مشرکین پر ایک کاری ضرب ثابت ہوا، میمونہؓ کے ایمان کی وجہ سے خالد بن ولید اور عمرو بن عاص ایمان لائے۔

میمونہ کی چار بہنیں تھیں:

۱۔ لبابہ کبریٰ: ام الفضلؓ زوجہ عباسؓ بن عبدالمطلب۔

۲۔ لبابہ صغریٰ: ولید بن مغیرہ کی زوجہ، والدہ خالد بن ولید۔

۳۔ عصمہ بنت حارث: زوجہ ابی بن خلف جمحی۔

۴۔ عزیٰ بنت حارث: زوجہ زیاد بن عبداللہ بن مالک ہلالی۔ عزیٰ میمونہؓ کی باپ کی طرف سے بہن تھی۔

بنات رسول

پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد امت میں آپؐ کی جانشینی کی ترجیحات و امتیازات میں اختلاف کا ایک سبب بناتِ رسولؐ ہیں، تاریخ سیرت کی کتب میں آپؐ کیلئے چار بیٹیوں کا ذکر ملتا ہے جن میں سے دو بیٹیاں عثمان بن عفانؓ کے عقد میں تھیں اور ایک بیٹی جو تاریخ اور احادیث نبویؐ دونوں کی رُو سے پیغمبر اسلامؐ کی سب سے زیادہ عزیزہ بیٹی تھیں یعنی زہرائے مرضیہ = انہیں آپؐ نے وحی الٰہی کے تحت علی ابن ابی طالبؑ کی زوجیت میں دیا جبکہ چوتھی بیٹی زینبؓ بعض کے مطابق مکہ میں وفات پا گئیں۔ کئی صدیاں گزرنے، اصول و مقائیس کے بدلنے اور امتِ مسلمہ کے فرقوں میں بٹنے کی وجہ سے صفحات تاریخ میں موجود حقائق سب کیلئے یکساں نہیں رہے خصوصاً ان افراد کیلئے جو تاریخ ہی کو فضائل و برتری کی مقیاس گردانتے ہیں کیونکہ ان لوگوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ جو چیزیں اپنے پاس ہوں انہیں افضل و اشرف بتائیں اور دوسروں کے پاس موجود چیزوں کو جو نا قابل انکار حقیقت ہوں ان میں کمی و کاستی کریں بلکہ انہیں معیار فضیلت سے بھی گرا دیں پیغمبرؐ کی کئی بیٹیوں کے ہونے کا ممنوع ہونا مؤرخین و تاریخ نویسیان کیلئے موضوع بحث و گفتگو ہے۔ بعض نے اسے تاریخی زاویہ نگاہ سے سقم اور مخدوش قرار دیا ہے تو بعض نے اپنے مخالفین کے ہاتھوں میں سندِ فضیلت دیکھ کر فوراً انکار کیا ہے اس حوالے سے چند اہم نکات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ صاحب سیرۃ المصطفیٰؐ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں نبی کریمؐ کی خدیجہ الکبریٰؓ سے چھ اولادیں ہوئیں دو بیٹے قاسم اور عبداللہ مکہ میں ہی وفات پا گئے جبکہ چار بیٹیاں زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہ الزہراؑ تھیں تین بیٹیاں خود نبیؐ کی حیات میں وفات پا گئیں صرف زہراؑ باقی رہیں۔

۲۔ سورۂ مبارکہ احزاب میں خداوند عالم نے پیغمبرؐ کیلئے ایک کی بجائے کئی بیٹیوں کا ذکر کیا ہے،

۳۔ جن افراد کو عثمان بن عفانؓ پسند نہیں انہوں نے سورہ احزاب آیت ۵۹ کے کلمہ "بَنٰتِكَ" اور نہج البلاغہ علیؑ کے خطاب میں موجود کلمہ صہر (داماد) کو اس کے حقیقی معنی سے نکال کر معنی مجازی میں استعمال کرنے کی سخت کوشش کی ہے جو اپنی جگہ ایک ناکام اور مذموم کوشش ہے۔ بعض نے تو یہ لکھا ہے کہ یہ بیٹیاں خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے تھیں، کلمہ کو اپنے حقیقی معنی سے نکال کر معنائے مجازی میں استعمال کرنے کیلئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے اور جب تک معنائے حقیقی میں استعمال ناممکن نہ ہو جائے اس وقت تک معنائے مجازی میں استعمال کرنا کلام کو فصاحت و بلاغت سے نکالنے اور متکلم کے مراد و مقصود سے خارج اور دور رکھنے کی مانند ہے۔ ہم بنات رسول کے بارے میں چند کلمات پیش کرتے ہیں۔

زینبؓ بنت رسول اللہؐ

زینبؓ بنت رسول اللہ خدیجۃ الکبریٰؑ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں آپ پیغمبر اسلامؐ کی تیس (۳۰) سال کی عمر میں پیدا ہوئیں آپ کی خالہ ہالہ بنت خویلد نے اپنے بیٹے ابی العاص بن ربیع کیلئے آپ کی منگنی کی درخواست کی تو رسول اللہؐ نے آپ کا

عقد ابی العاص کے ساتھ کیا۔

ابی العاص بن ربیع بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے، جبیر بن نعمان انصاری نے انہیں اسیر کیا بعد میں زینبؓ نے اپنا ہار اپنے شوہر کے فدیہ کیلئے بھیجا پیغمبر اسلامؐ کی سفارش پر اصحاب نے ابی العاص کو ہار واپس کر کے اس شرط کے ساتھ رہا کیا کہ وہ مکہ جا کر زینبؓ کو مدینہ بھیجیں گے۔

رقیہؓ بنت رسول اللہؐ

رقیہؓ، زینبؓ سے چھوٹی تھیں، بعثت سے پہلے آپ کی منگنی ابولہب کے بیٹے عتبہ سے طے پائی۔ بعض افراد دین وشریعت کو اپنے معاشرے میں سوچے سمجھے نا قابل فہم اور کثیر الاشکال بنانے کیلئے آنکھ بند کر کے کہتے ہیں کہ کیسے نبی کریمؐ نے اپنی بیٹیوں کی فرزندان ابولہب سے منگنی کی۔ سچ بات یہ ہے کہ خدا بے دینوں کے اذہان سے حق کو دور رکھتا ہے اور اس طرح ان کا حافظہ کم پڑ جاتا ہے۔ انھیں یہ پتہ نہیں ہے کہ رقیہؓ سے پہلے پیغمبرؐ کی بڑی بیٹی زینبؓ کی شادی ابی العاص بن الربیع سے ہو چکی تھی دوسری بات یہ ہے کہ احکام شریعت یکے بعد دیگرے نازل ہوئے ایسا نہیں ہے کہ بعثت سے پہلے مشرکین سے عقد کی ممنوعیت کا حکم نازل ہوا ہو قرآن میں نکاح کے احکام بعد میں نازل ہوئے:

> ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ "اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں کیونکہ مومنہ لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگر چہ وہ تمہیں بہت پسند ہو نیز مشرک مردوں کے عقد میں نہ دینا جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں کیونکہ ایک مومن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں پسند ہو کیونکہ وہ جہنم کی طرف بلاتے ہیں" (بقرہ۲۲۱)

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت کے نزول سے پہلے مشرکین سے ازدواج کا طریقہ رائج تھا تاہم بعد میں بعض کے مطابق قریش کی جانب سے ابولہب پر دباؤ کی وجہ سے رقیہؓ اور ام کلثومؓ کو طلاق ہو گئی، مشرکین کا یہ اقدام پیغمبرؐ کو گھریلو مسائل میں مصروف رکھنے کیلئے تھا، کفار ومشرکین کا ہمیشہ سے مردانِ خدا کو گھر کے مسائل میں مصروف ومشغول رکھنا ایک حربہ رہا ہے چنانچہ اہل باطل کی اسی بات کو تسلسل دینے کیلئے ابولہب کے دونوں بیٹوں نے یہ اقدام کیا۔ رقیہ عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ کے عقد میں آئیں۔ دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، مکہ کے حالات معمول پر آنے کی خبر سن کر اپنے شوہر کے ساتھ واپس آئیں ان کے بطن سے عبداللہ پیدا ہوئے پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی جنگ بدر کے موقع پر علیل ہوئیں اور اسی دوران وفات پا گئیں۔

ام کلثوم بنت رسول اللہ

ام کلثومؓ ابولہب کے بیٹے عتیبہ کی منگیتر تھیں رقیہ اور ام کلثوم دونوں کی ایک ہی موقع پر منگنی ٹوٹی جیسا کہ ذکر ہوا جب سورہ تبت نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے بیٹے عتبہ اور عتیبہ سے کہا اگر تم محمدؐ کی دو بیٹیوں سے الگ نہ ہوئے تو میں اور تم دوبارہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکیں گے، یوں یہ منگنی ٹوٹ گئی، عتبہ نے پیغمبرؐ سے کہا میں آپ کے دین سے انکار کرتا ہوں اور آپ کی بیٹی سے جدا ہوتا ہوں آپ مجھ سے محبت نہ کریں میں آپ سے محبت نہیں کروں گا یہ کہہ کر چلا گیا۔ رقیہؓ کی وفات کے بعد ام کلثومؓ کا عثمانؓ کے ساتھ عقد ہوا، ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی انھوں نے شعبان ۹ ھ میں وفات پائی اسماء بنت عمیسؓ نے غسل دیا پیغمبرؐ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

عثمانؓ کو یہ افتخار حاصل ہے کہ وہ پیغمبرؐ کی دو بیٹیوں کے شوہر تھے لیکن کسی بھی تاریخ نگار نے یا خود عثمانؓ نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کے عقد میں آنے والی پیغمبرؐ کی دو بیٹیاں زہراؑ سے افضل یا برابر تھیں اسی طرح دیگر اصحاب نے بھی ایسے کلمات استعمال نہیں کیے حتی زہراؑ خدیجہؑ کی بیٹی ہونے کی بنا پر اُم المومنین عائشہؓ کے گلے میں بار بار کھٹکتی تھیں لیکن وہ بھی فضیلت زہراؑ کی معترف تھیں۔

فاطمۃ الزھرا =

پیغمبر اسلامؐ کی سیرتِ طیبہ میں آپ کی رحلت کے بعد ایک عنصر ذاتِ گرامی فاطمۃ الزھرا = ہے۔ ہم یہاں زہراؑ کی حیات طیبہ میں موجود لمحاتِ اخلاقی میں نہیں جانا چاہتے بلکہ پوری امت اسلامی کے نزدیک متفقہ مسائل و لمحات کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ زہرائے مرضیہ پیغمبر اسلامؐ کی بعثت سے پانچ سال قبل اور بعض کے مطابق پانچ سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔

ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی کی ایک کتاب زہراؑ کی حیات طیبہ پر جدہ سے نشر ہوئی ہے اس میں امہات المومنین عائشہؓ و ام سلمیٰؓ دونوں سے منقول ہے کہ زہراؑ رسول اللہؐ سے سب سے زیادہ قریب اور آپ کی سب سے زیادہ شبیہ تھیں۔

ذکی یمانی فرماتے ہیں کہ آپؑ کا نام فاطمہؑ اس لئے رکھا گیا ہے کہ خدا نے آپ کو جہنم کی آگ سے دور رکھا ہے اور زہراؑ اس لئے کہ پیغمبر اسلامؐ کے گھر میں آپؑ پھول کی مانند تھیں اور آپ سے گھر روشن و نورانی رہتا تھا۔ سات سال اور بعض کے مطابق بارہ سال کی عمر میں والدۂ ماجدہ کے سائے سے محروم ہو گئیں ماں کے بعد باپ کو تسلی دینے اور پیغمبرؐ کے دکھوں، پریشانیوں اور مصیبتوں میں آپ واحد سہارا تھیں۔ پیغمبر اسلامؐ نے خدیجہؑ کی وفات کے سال کو سالِ حزن قرار دیا آپ اظہار فرماتے تھے:

> ''خدیجہؑ سب سے پہلے میری نبوت پر ایمان لائیں، میری تصدیق کی جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے اور مجھ سے کٹ رہے تھے تو انہوں نے مجھے تسلی دی۔''

جب زہراؑ سے زیادہ خود آپؐ کے والد گرامی کو تسلی کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپؐ نے سودہ بنت زمعہؓ سے عقد کیا زہراؑ نے اس موقع پر اپنے والد گرامی سے اس سلسلے میں کسی قسم کی ناگواری کا مظاہرہ نہیں کیا اور اس ضرورت کا احساس کیا۔

یمانی کتاب اسدالغابہ سے نقل کرتے ہیں کہ خلیفہ اول و دوم اور عبدالرحمن بن عوف نے پیغمبرؐ سے زہراؑ کے رشتہ کیلئے خواستگاری کی لیکن آپؐ نے ان تینوں کو ایک ہی جواب سے مایوس کیا کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ عمرؓ اور سعد بن معاذ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ فاطمہؑ کا ذکر ہوا تو ابوبکرؓ نے کہا میں نے پیغمبرؐ سے فاطمہؑ کی خواستگاری کی تو آپؐ نے فرمایا:

''میں اس سلسلے میں قضائے الٰہی کا منتظر ہوں''

ابوبکرؓ و عمرؓ نے علی بن ابی طالبؑ سے کہا آپ کا پیغمبرؐ سے سب سے زیادہ نسبی رشتہ ہے اور راہِ اسلام میں بھی آپ کی خدمات سب سے زیادہ ہیں اگر آپ زہراؑ کے رشتہ کیلئے خواستگاری کریں گے تو یہ بات قابل قبول ہوگی اور آپ کے فضائل میں اضافہ کا موجب ہوگی۔ انھوں نے علیؑ کو پیغمبرؐ سے نسبی اور اسلامی رشتے یاد دلائے اور اس سلسلے میں جلدی کرنے کا مشورہ دیا اسی طرح انس بن مالک نے بھی انہی الفاظ میں اظہارِ خیال کیا اور کہا آپ سب سے موزوں کفو ہیں۔

فاطمہ = کا علیؑ کے ساتھ عقد نو (۹) سال کی عمر میں یا بعض کے مطابق اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں ہوا اس حوالے سے چند نکات درج ذیل ہیں۔

دو کفو رسالی میں ازدواج

رشتۂ ازدواج میں کفو سابق زمانے میں خاندان کی بنیاد پر ہوتا تھا اسلام آنے کے بعد یہ ایمان پر قائم ہوا عصر جدید میں عمر کی برابری کے ساتھ تعلیمی اسناد کو بھی کفو کی بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے لیکن امیر المومنین علیؑ اور فاطمہ الزہراؑ کا عقد کس کفو کی بنیاد پر ہوا اس کفو کو رسالی کہیں تو بے جا نہیں ہوگا ہے کیونکہ دونوں کے اہداف ایک جیسے تھے یعنی اسلام کی بقاء اور امت کی وحدت۔ علیؑ اور زہراء مرضیہؑ اس وقت کی رائج سنت کے حوالے سے کفو نہیں تھے کیونکہ علیؑ کی ولادت بعثت سے دس سال قبل ہوئی، عمر کے حوالے سے کفو ہونے کا تصور اسلام کی آمد سے قبل تھا اور نہ ہی اسلام نے اُسے رائج کیا ہے بلکہ یہاں کفو سے مراد خدا اور رسول پر ایمانِ محکم کے علاوہ دونوں کا پیغمبرؐ کے ہاتھوں پرورش پانا ہے، دونوں کا دنیا و مافیہا سے منہ موڑ کر اسلام کی سربلندی کیلئے شیدائی اور فدا کار ہونا ہے۔

زہرائے مرضیہ کی رسم ازدواج کے سلسلے میں پیغمبر اسلامؐ نے سب سے پہلے حق صداق کا معاملہ طے کیا، اس وقت یہ حق مہر یہ ۵۰۰ درہم یا ساڑھے بارہ (۱۲،۵) اوقیہ چاندی ہوتا تھا۔ یہی مقدار پیغمبرؐ کی تمام زوجات کا حق صداق تھی۔

پیغمبرؐ نے زہراؑ کے عقد سے پہلے علیؑ سے حق صداق کا مطالبہ فرمایا اور اسی رقم سے زہراؑ کیلئے ضروری اشیاء خریدیں۔ خریداری کیلئے ابوبکرؓ اور عمار یاسر کے علاوہ بعض دیگر اصحاب کو منتخب کیا بچ جانے والی رقم ام ایمنؓ کے حوالے کردی گئی یہاں یہ تصور قائم کرنا بالکل غلط اور باطل ہے کہ زہراؑ کا حق صداق پانچ سو (۵۰۰) درہم تھا لہٰذا اس وقت حق صداق ۵۰۰ ہی ہونا چاہیے۔ قرآن کریم سورہ مبارکہ نساء ۲۰ میں حق صداق کی مقدار کو قنطار بھر سونا بتایا گیا ہے۔ فقہ اسلامی ج ۱ص ۱۴۵ پر قنطار شرعی ۱۲۰۰ اوقیہ سونا معادل ۸۴۰۰ درہم جبکہ لسان عرب میں قنطار معادل ۴۰۰۰ ہزار درہم ذکر ہوا ہے۔ دورِ حاضر میں مختلف ملکوں کے پیسہ کی قدر و

قیمت کم یا زیادہ ہے لیکن مختص مقدار سے زیادہ حق صداق کا تعین کرنا اہانت تصور کیا جاتا ہے، حق صداق کا صحیح تصور یہ ہے کہ صداق عورت کیلئے شوہر کی طرف سے ممکنہ خدشات یا اسے لاحق خطرات سے بچنے کیلئے ایک سپر ہے، ہر انسان کو خطرات کے تناسب سے سپر انتخاب کرنا چاہیے عورت کو اپنے لئے مناسب سپر انتخاب کرنے کا حق قرآن کریم نے دیا ہے۔

سیدہ نساء العالمین فاطمہ الزہراؑ کے متعلق چند ضروری نکات پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ کا ایک اہم حصہ آپ کی بیٹیوں کے نام وقف کیا جاتا ہے آپؐ کی بیٹی فاطمۃ الزہراؑ کے ذکر کے بغیر پیغمبرؐ کی سیرت طیبہ کے صفحات میں ایک قسم کا خلاء بن جاتا ہے۔

۲۔ عمر میں چھوٹا بڑا ہونا یا جلد وفات پانا اور عمر رسیدہ ہونا کسی بھی اجتماعی، سیاسی یا اقتصادی مسئلہ کا حل نہیں اور نہ اس پر بحث و گفتگو کرنے سے کچھ حاصل ہوگا چنانچہ ہم اس بارے میں تحقیق کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ فاطمہ الزہراؑ کی ولادت، رحلت اور عمر کی تاریخیہ تینوں معاملات کوئی ایسے مسائل نہیں ہیں جن کے حقائق معلوم ہو جانے پر کوئی فائدہ مرتب ہوتا ہو۔

۳۔ صاحب سیرت مصطفیٰ لکھتے ہیں فاطمۃ الزہراؑ کی شادی دو (۲) ہجری میں ہوئی اور تین (۳) ہجری ماہ مبارک رمضان کی پندرہ تاریخ کو پہلے فرزند امام حسن مجتبیٰ جبکہ ہجری شعبان المعظم کے مہینے میں امام حسینؑ کی ولادت ہوئی ہے۔

۴۔ زہرائے مرضیہ = کی ازدواجی زندگی انتہائی سادگی، قناعت و کفایت، تنگدستی اور مشقتوں میں گزرتی تھی تاریخ میں کوئی ذکر نہیں آیا کہ علیؑ کو مکہ میں اپنے والد گرامی کے ورثے سے کچھ ملا ہو بلکہ عقیلؓ نے ابو طالبؑ کے متروکات کو فروخت کیا، ابو طالبؑ اپنی قوم میں جود و سخا کے مالک، نیکیوں میں سبقت کرنے والے اور صاحب مروت تھے لیکن کثیر العیال اور سخی انسان ہونے کی وجہ سے ان کے مالی حالات چنداں اچھے نہیں تھے اسی بنا پر پیغمبرؐ اور ابن عباسؓ نے ابو طالبؑ کے بچوں کو اپنی کفالت میں لیا لہٰذا علیؑ نے پہلے دن سے پیغمبرؐ کی کفالت میں زندگی گزاری۔ علیؑ کے پاس کوئی مال نہیں تھا جس سے زہراؑ سکون کی زندگی گزار سکتیں، علیؑ گھر میں زہراؑ کی خدمت یا معاونت کے لئے کوئی خادمہ نہیں رکھ سکتے تھے اس حوالے سے بھی زہراؑ نے مشقت کی زندگی گزاری۔ سیرت زہراؑ کی کتابوں میں اس کے متعلق کم و بیش ایسی باتیں لکھی گئی ہیں جو زہراؑ کی شان و منزلت کے خلاف ہونے کے علاوہ صاحبان عقل و دانش کی نظر میں ایک افسانے کی مانند ہیں۔ جیسا کہ لکھتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک سریہ میں چند کنیزیں مال غنیمت میں آئیں تو علیؑ نے فاطمہؑ سے فرمایا آپ اپنی مشقتوں کو اپنے والد کے سامنے بیان کریں اور خادمہ کی درخواست کریں، زہراؑ اور علیؑ پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے پیغمبرؐ نے آنے کا سبب پوچھا زہراؑ اپنے والد کے سامنے اپنی حاجت بیان نہ کر سکیں لہٰذا کہا کہ آپؐ کی خدمت میں سلام عرض کرنے آئی تھی یہ کہہ کر اٹھ کر واپس جانے لگیں تو علیؑ نے زہراؑ کی نیابت میں ان کی حاجت پیغمبرؐ سے بیان فرمائی آپؐ نے جواب میں فرمایا ''میں کچھ نہیں دے سکتا، مسجد میں اصحاب صفہ کی طرف دیکھو ان کے پیٹ خالی ہیں اور کھانے کیلئے کچھ نہیں میں

ان کنیزوں کو فروخت کر کے ان پر خرچ کروں گا"

کتب سیرت میں یہ ذکر نہیں ہوا ہے کہ یہ کون سا سنہ تھا اور کون سا غزوہ یا سریہ تھا جس میں اتنی تعداد میں غلام و کنیزیں اسیر ہوئی ہوں جس کی خاطر زہرائے مرضیہؑ کو بھی کنیز ملنے کی امید تھی ۔ اگر زہراؑ کی یہ درخواست درست تھی تو یہی خواہش بعض زوجات نبیؐ نے بھی نبی کریمؐ سے کی تھی جو خدا اور رسولؐ دونوں کو پسند نہ آئی ۔

﴿ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴾ "اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم زندگانی دنیا اور زینت دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں ۔ اور اگر تمہاری مراد اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہے تو تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے بہت زبردست اجر رکھ چھوڑے ہیں" (احزاب ۲۸، ۲۹)

زہرائے مرضیہؑ اپنی تمام تر خوشنودی و خوشحالی رسول اللہؐ کی خوشنودی میں دیکھتی تھیں اب اہل فکر و نظر اور صاحبان عقل سے سوال ہے کہ کیا وہ ایسی درخواست کر سکتی تھیں جو خدا اور رسول پاکؐ دونوں کو ناپسند ہو؟ یہ واقعہ ایک نقل ہے جس پر مزید تحقیق کرنے کی ضرورت ہے ۔

۵ ۔ پیغمبر اسلامؐ اور آئمہ طاہرینؑ کی سیرت مبارک سے متعلق دینی مسائل کے حقائق تک پہنچنے کیلئے تگ و دو کرنے کی بجائے بے مقصد اور بے سود مسائل کو موضوع بحث و گفتگو بنانا اور خود کو مناظرہ و مجادلہ میں سرگرم رکھنا ایک سنت بن چکی ہے ، اس سلسلے میں زہراء مرضیہؑ کی شخصیت بھی محفوظ نہیں آپؑ کے بارے میں درج ذیل نکات سیرت محمدؐ کے صفحات پر لائے جاتے ہیں:

کہتے ہیں کہ زہرائے مرضیہؑ کے پاس فضہ نامی ایک خادمہ تھی جو علم کیمیا سے آشنا ہونے کی وجہ سے امام المتقین علیؑ کے علوم و کرامات سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی وہ ریت اور خاک وغیرہ سے سونا بنانا جانتی تھی ، تاریخ میں اس خادمہ کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ فضہ ہجرت کی کونسی تاریخ ، کس طرح سے اور کہاں سے زہراؑ کے گھر پہنچی ، دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی زہراؑ کی انیس و مونس اور خدمت گزار کے بارے میں اسماءؓ بنت عمیس کا نام آتا ہے جو جعفر طیارؓ کی زوجہ تھیں ان کی شہادت کے بعد ابو بکرؓ کے عقد میں آئیں لیکن فضہ نامی خدمت گزار کا کوئی ذکر نہیں لہٰذا فضہ کا وجود ایک کہانی اور افسانے سے زیادہ شباہت رکھتا ہے ۔

۶ ۔ علیؑ اور زہراؑ کے یہودیوں کے یہاں شرکت کرنے کو بیان کیا جاتا ہے حالانکہ ۳ ہجری جنگ احد سے پہلے بنی قینقاع کو مدینہ سے نکالا گیا شوال المکرم ۵ ہجری میں جنگ احزاب ہوئی اور اس کے ایک ماہ بعد جنگ میں بنی قریظہ کی جلاوطنی کے ساتھ مدینہ سے یہودیوں کا صفایا ہو گیا ، یہ تاریخی اور ناقابل تردید حقائق ہیں علیؑ کے یہودیوں کے باغ میں مزدوری کرنے اور یہودی

عورتوں کی شادیوں میں زہراؑ کے شرکت کرنے اور عید وغیرہ پر حسنینؑ کے لباس طلب کرنے کے قصے ایرانی ساسانیوں، اسلام میں چھپے ہوئے منافقین یا شام سے آئے ہوئے منافقین اور مسیحیوں کے جعل کردہ ہیں، ان قصہ کہانیوں سے محافل ومجالس کی تزئین کرنا درحقیقت صادقین ومطہرین کی مجلس میں کاذبین کا بول بالا کرنے کی کے مترادف ہے۔

۷۔ زہرا مرضیہؑ پر گزرنے والی مصائب وآلام کو زہراؑ کے ارمان وخواہش کی روشنی میں دہرائے جانے کی بجائے مفاد پرست اپنے مقاصد کے حصول کیلئے استعمال کرتے ہیں۔

زہراؑ کی خوشنودی رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کیوں؟

زہراؑ کی حیاتِ طیبہ کی تمام کتابوں میں یہ حدیث شریف نقل ہے "خاتونِ جنت زہراؑ کی خوشنودی پیغمبر اسلامؐ کی خوشنودی ہے" یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کلام میں کیا مزیت اور خوبی ہے؟ مجسم دین وشریعت اور خدا کے برگزیدہ نبیؐ زہراؑ کی خوشنودی سے کیوں خوش نہ ہوں؟ اولاد کی خوشنودی باپ کی خوشنودی کا باعث ہوتی ہے، دنیا کا ہر باپ اپنے بچے کے کام سے چاہے اچھا ہو یا غلط، کھیلیں کودیں اور رولیں اس سے خوش ہوتا ہے۔ اگر آپ اس حوالے سے دیکھیں گے تو زہرائے مرضیہؑ کی خوشنودی سے پیغمبر اسلامؐ کا خوش ہونا چنداں اہمیت نہیں رکھتا ہے کیونکہ دنیا میں اولاد سے باپ کا خوش ہونا ایک معمولی اور عادی بات ہے۔ بہت کم والدین ایسے ہوں گے جو اپنی اولاد سے خوش نہ ہوں اور اپنی اولاد کی حرکتوں سے نالاں و ناراض ہوں بہت ہی کم اولاد ملے گی جو خاص طور پر بڑے ہونے کے بعد بھی اپنے والد سے خوش ہو اور اپنی تمام تر خوشی کو باپ کی خوشی میں محو وفنا کرتی ہو لیکن بعض کی اولاد اتنی ناانصاف ہوتی ہے کہ وہ کہتی ہے باپ کو اس وقت بھی جب کہ وہ جوان ہیں اولاد کا خیال رکھنا چاہیے لیکن زہراؑ کی حیات طیبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ کا شمار ان اولادوں میں ہوتا ہے جو ایک فیصد سے زیادہ نہیں ملتیں بلکہ زہراؑ جیسی اولاد سو میں سے ایک تو درکنار ہزاروں میں ایک بھی نہیں ہے۔

قارئین دنیا کے گوشہ وکنار میں دیکھا گیا ہے کہ اولاد اپنی والدہ کی وفات کے بعد اپنے والد کی دوسری زوجہ کو برداشت نہیں کرتی ہے بلکہ ایسی صورت میں والد کو بے وقوف وفرسودہ، اولاد کے حق میں قسی القلب اور بے رحم گردانا جاتا ہے اور دوسری بیوی لانے والوں کی مذمت کی جاتی ہے اس حقیقت کی روشنی میں اب زہرائے مرضیہؑ کی زندگی پر نظر دوڑائیں کہ آپؑ نے اپنی والدۂ مشفقہ کی حیات طیبہ کے بعد دس سوتیلی مائیں دیکھیں لیکن کہیں بھی آپؑ کی طرف سے کراہت وناراضگی کا اظہار اور ماؤں کی شکایت کرنے کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ زہراؑ کے دل میں اپنے والد گرامی پیغمبر خداؐ کی خوشی کا کیا مقام تھا جب تک اس زاویے سے مسئلہ پر غور نہیں کریں گے بات سمجھ نہیں آئے گی کہ کیوں رسول پاکؐ زہرائے مرضیہؑ کی خوشنودی کو ایک خصوصی خوشی محسوس کرتے تھے یہ اس لئے تھا کہ زہراؑ اپنی خوشنودی کو رسول اسلامؐ کی خوشنودی میں محو وفنا کر چکی تھیں۔

اس بات پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ختمی مرتبت محمدؐ کی رحلت کے بعد آپؐ کے نسب اطہر سے صرف ایک ہی بیٹی خاتون جنت زہرا = زندہ تھیں جو کہ کتب فریقین میں وارد کثیر روایات کے تحت آپؐ کی بیٹیوں اور بیٹوں میں سب سے افضل واشرف،

مقام ومنزلت کی حامل اور آپ کی وارث تھیں ۔تاریخ میں کسی بھی موافق اور مخالف کی طرف سے کوئی ایسا جملہ و کلام حتیٰ ایک لفظ بھی نہیں ملتا جس سے آپ کی کسی معمولی سی تقصیر وکوتاہی کا اشارہ ملتا ہو یا جس سے آپ کی تنقیص یا آپ کی شان وعظمت میں کمی کی کوئی بات نتیجہ ہو اسلام اور امت کے درد وغم میں زندگی گزارنے والی ہستی پر اپنے شفیق ومہربان باپ کی وفات کتنی گراں گزری ہوگی اور کس حالتِ جسمانی اور فکری الم میں آپ نے وقت گزارا ہوگا یہ تمام نکات امت مسلمہ کے تاریخی صفحات میں انتہائی تشویشناک ومشکوک ،متزلزل ،غیر یقینی اور افسوسناک صورت میں لکھے گئے ہیں ۔ان میں سے کون سی بات قرین صحت ہے اور کون سی باتیں دشمنانِ اسلام کی شامل کردہ ہیں ان کی تہہ تک پہنچنا تاریخ کو جھوٹ وملاوٹ سے پاک کرنے اور حقائق کو درک کرنے کا کام ہے یہ کام مشکل ضرور لیکن ناممکن نہیں ہے اس وقت دست وقدرتِ دشمن انتہائی حد تک توانا ومضبوط اور متحرک ہے جبکہ امت میں اسلام ومسلمین کے دوست وشیدا اور مخلص ترین افراد اپنی بے شعوری اور احمقانہ رویے پر قائم ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے کہ ہمارے مذہب میں تمام اصول وفروعِ دین سے بالاتر اور افضل کام اپنے مخالفین سے دشمنی برتنا ہے چنانچہ انہوں نے اپنے لئے عقل اور قرآن وسنت سے بالاتر ایک اصول خود ہی وضع کیا ہے جس کا متن یہ ہے ۔

"دشمن پر اعتراضات یا ان کے خلاف جتنا زیادہ بول سکیں بولنا چاہیے اور جہاں دشمن کا کردار مشکوک نظر آتا ہو یا کوئی ثبوت نہ ہو وہاں بھی ان کی مخالفت میں کھل کر بولنا چاہئے کیونکہ یہی ان کے مشکوک کردار کا صلہ اور بدلہ ہے،تاریخ نے ہمارے دشمن کی دشمنی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی دشمنی سے بہت کم ہے یا کم از کم یہ اس کی باطنی دشمنی سے بہت کم ہے"

اسی خودساختہ اصول کے تحت ان لوگوں نے امام حسینؑ کی درخشاں حیات ٗعقلی ومنطقی سیرت ،قرآن وسنت پر مبنی اہداف عالیہ اور دشمنانِ سے ہونے والی گفتگو کو ظلمت وتاریکی کے طاق نسیان پر رکھ دیا ہے تاکہ اندھیرے میں کسی کی نگاہ اس پر نہ پڑجائے اور پھر خود یہ الٹی سیدھی ٗمن گھڑت ،وفرسودہ دشمنی کی داستانیں ،قصے اور کہاوتیں بنا کر اس اسلامی وقرآنی انقلاب و ثقافت کے حامل مقدس ترین قیام کو ناقابل عمل وناسی اور ناقابل فہم بنائیں ،اسی طرح اسے غور وخوض کے مرحلے سے نکال کر احمقوں ٗدیوانوں اور غیر قرآنی وغیر شرعی عادات وافکار کے گرویدہ جاہلوں کے شور وشرابے کے حلقے میں گیند کی مانند پھینک دیں تاکہ وہ جس طرح چاہیں اس سے جی بھر کر کھیلیں ۔

علماء وفقہاء اور مراجع عظام قیام امام حسینؑ کے اہداف سے روا رکھے جانے والے اس سنگین ظلم وجنایت کو دیکھ کر دور سے دستِ مبارک آنکھوں پر رکھ کر روتے ہیں اگر آنسو نہ نکلیں تو تباکی سے ذاکر وخطیب کے جھوٹ پر مہر تصدیق لگاتے ہیں اور امام حسینؑ کی مصیبت کسی بھی کتاب کی سند دے کر اور اگر مکر لگا کر جھوٹ بولنے کا جواز پیش کرتے ہیں اس بات کا ثبوت ان کے بیانات اور ان کا کردار ہے وہ اسلام دشمنی کے اس المناک منظر کا نظارہ کرتے رہ جاتے ہیں ،علماء وفقہاء کا کہنا ہے کہ اسلام انہیں احمقوں کے اقوال وافعال کے طفیل سے زندہ ہے گویا ان کا کہنا ہے جتنا جہالت وابتری اور قیام ابا عبداللہ الحسینؑ کے افکار و

اہداف سے دوری میں اضافہ ہوگا، اتنا ہی شعائرِ اسلام اور مذہب اہل بیتؑ کو رفعت وعزت اور رونق ملے گی!

اس وقت زہرا ؑ مرضیہ کی شان میں اسی قسم کی صورتحال کا آغاز ہوا ہے ہم زہراؑ کی حیات طیبہ اور آپ کے مصائب و آلام یا صفحات تاریخ سے کسی ایسے بے سند واقعہ کو لکھنے اور اس کا پرچار کرنے کے قائل نہیں جسے برادرانِ اہل سنت والجماعت نے ہر دور میں مسترد کیا ہو اور نہ ہم اس زاویہ نگاہ سے لکھنا پسند کرتے ہیں جس کے تحت اہل تشیع نے خلفاء سے دشمنی کو اصول مذہب کے طور پر اپنا کر اس واقعہ میں نت نئے اضافے اور خود ساختہ و من گھڑت باتوں کی شمولیت زہرا ؑ کی شفاعت کا موجب گردانا ہے۔ہم یہاں پر اس متفقہ نکتے کو اٹھائیں گے جو سنی وشیعہ دونوں کیلئے قابل قبول ہے اور اسی کے تناظر میں بعض ریاضیاتی مفروضات اور ان کا تجزیہ و تحلیل پیش کریں گے۔اس سلسلے میں تین زاویوں سے بحث و تحقیق کرنے کی ضرورت ہے:

مصائب زہراء مرضیہ =

۱۔ پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد زہرا ؑ مرضیہ ٗمولا امیر المومنین علیؑ اور آپؐ کے گرویدہ وشیدا افراد پیغمبرؐ کے جنازۂ مطہر کے گرد فریاد و فغان میں مصروف تھے پیغمبر اسلامؐ کی تدفین کے بعد بھی یہ گروہ انتہائی افسردہ وغمزدہ رہا اور پریشانی و افسردگی کی حالت میں ان کی آنکھیں گریہ کناں تھیں جبکہ انصار و مہاجرین کا ایک گروہ سقیفہ بنی ساعدہ میں پیغمبرؐ کی جانشینی کے مسئلے پر بحث و تمحیص اور چون وچرا کرنے میں مصروف تھا۔یہ گروہ خلافت وجانشینی کا مسئلہ طے کرنے کے بعد آپؐ کی تدفین و تجہیز میں مصروف ہو اصحاب نے مسجد میں جمع ہو کر ابو بکرؓ کی خلیفۃ المسلمین کے طور پر بیعت کی لیکن علیؑ و زہرا ؑ اور ان کے شیدائی بنی ہاشم وغیر بنی ہاشم بیعت کے اس اجتماع میں شامل نہ ہوئے،ان سطور پر شیعہ وسنی سب کا اتفاق ہے کسی نے بھی ان سطور سے اختلاف نہیں کیا ہے۔

۲۔بعض کے مطابق ''ابو بکرؓ کی انصار و مہاجرین کی طرف سے بیعت ہونے کے بعد خلیفۂ دوم عمرؓ بن خطاب کی سرکردگی میں ایک جماعت نے زہرا ؑ کے گھر کے دروازے کو گرایا یا جلایا جہاں دروازہ کے گرنے کے نتیجے میں زہرا ؑ گر گئیں اور آپ کا بچہ محسن ساقط و شہید ہو گیا پھر یہ لوگ امیر المومنین علی بن ابی طالب کی گردن میں رسیاں ڈال کر بیعت کیلئے مسجد کی طرف لے گئے''۔اس نقل کے بارے میں چند نکات درج ذیل ہیں۔

الف۔یہ خبر سب سے پہلے ابن قتیبہ دینوری متوفی ۲۷۶ھ سے منسوب کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ''میں ذکر ہوئی ہے جسے پہلی بار لندن (برطانیہ) کی لائبریری سے مستشرقین نے چھپوایا۔حال ہی میں یہ کتاب ایران اسلامی کے **مکتب شریف رضی** سے نشر ہوئی ہے،کتاب کے عرضِ ناشر میں لکھا گیا ہے کہ اس نام کی کوئی کتاب ابن قتیبہ کی کتابوں کی فہرست میں نہیں ہے، صاحب ''کشف الظنون'' نے ابن قتیبہ کی تصنیف کردہ کتابوں کا ذکر کرتے وقت مذکورہ کتاب کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ب۔کتب اسلامی کے ماہرین کا کہنا ہے کہ ابن قتیبہ کی تصنیفات میں اس نام کی کوئی کتاب نہیں ،انہوں نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ جس طرح دنیا میں کتابیں لکھ کر مشہور و معروف مصنفین اور مؤلفین کے نام سے منسوب کر دی جاتیں ہیں اسی

طرح اس کتاب کی نسبت ابن قتیبہ کی طرف دی گئی ہے۔

ج۔ بعض شیعہ علماء نے اسی کتاب کی سند دے کر اور کچھ نے صاحب بحار علامہ مجلسی کی جبکہ او رخود مجلسی نے اقول کہہ کر بغیر سند کے اس واقعہ کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

د۔ دشمنانِ اسلام نے جب یہ دیکھا کہ زہرا مرضیہ کے نام سے ایسے واقعات کا پرچار سنی وشیعہ میں نفرت و کدورت پیدا کرنے ،انہیں فتنہ وفساد پر اکسانے ،ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑوں میں مصروف رکھنے اورامت اسلامی کے اتحاد کی امید پر پانی پھیرنے میں بہت کارآمد و مؤثر ہے تو انہوں نے اس کو نئے انداز اور نئے طور وطریقوں سے وسیع پیمانے پر رواج دینے اور عام کرنے کی مہم شروع کی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک فرقے کو تاریخی حوالے سے اپنے فرقے کا لائحہ عمل ،سلوک وکردار اور افکار ونظریات کی پہچان کرانے کیلئے منقولات تاریخ سے کتنے اور کس کے مستند ومعتبر تاریخی شواہد کی ضرورت ہے؟ آیا اپنے مدعا کے ثبوت میں یہ کہنا کافی ہے کہ یہ بات فلاں مستند کتاب سے منقول ہے یا مخالفین کی کتب سے استناد کرنا کافی ہے یا اس کیلئے دونوں کی کتابوں سے استناد کرنا لازمی ہے یا جو بات بیان کی جارہی ہے اس کی سند کیلئے کسی بھی کتاب میں لکھا ہونا کافی ہے چاہے وہ کتاب مستند ومعتبر ہو یا غیر مستند وغیر معتبر ہو ،چاہے وہ اپنی ہو یا مخالفین کی اس کا جواب اہل فکر وعقل اور تحقیق کرنے والے از خود دیں ،ہم اس سے آگے کچھ نہیں کہیں گے۔

جہاں تک خلیفہ دوئم کا تعلق ہے ان کے فاطمۃ الزہرا = کے دروازے پر آنے اور وہاں جسارت آمیز حرکت کرنے سے متعلق واقعے کا ذکر احتجاج طبرسی میں بھی ہے ،کتاب شناس بزرگ عالم شیعہ آغا بزرگ تہرانی اپنی گراں قدر کتاب **الذریعہ** جلد ا میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب ابی منصور احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی کی ہے جس میں تمام کے تمام واقعات بغیر کسی سند کے بیان کئے گئے ہیں۔صاحب ریاض لکھتے ہیں کہ کتاب **'احتجاج'** تین شخصیات سے منسوب ہے:

۱۔ ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی۔

۲۔ ابی علی طبرسی صاحب کتاب تفسیر مجمع البیان۔

۳۔ شیخ ابی الفضل طبرسی۔

تمام روایت اور کتب شناس علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کتاب احتجاج کا پورا متن مراسل یعنی بے حوالہ ہے۔ ایسی کتابوں میں درج روایت کو بنیاد بنا کر اتنی ہنگامہ آرائی کی صورت حال پیدا کرنا اس مذہب کی سکی کی دلیل بنتی ہے لہٰذا مذہب غصے ،دشنام ،گالی گلوچ ،سینہ کوبی ،سر پیٹنے ،پابرہنہ پیدل مارچ اور جلوس سے ثابت نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کی عمارت دلیل سے قائم ہوتی ہے۔

ھ۔ والد گرامی کی رحلت کے بعد زہرا مرضیہ نے کیسی زندگی گزاری ،آپ کس قسم کا شکوہ وشکایت رکھتی تھیں ،کون سی باتوں نے

آپؑ کے قلب وروح کو رنجیدہ وغم زدہ کیا تھا اور آپؑ کن باتوں کی اصلاح چاہتی تھیں آپ کا اولین وآخرین مطالبہ کیا تھا؟

کہتے ہیں زہراؑ مرضیہ اپنے والدگرامی کی رحلت سے اپنی زندگی کے آخری ایام تک محزون ومغموم اور ناراض وغمزدہ رہیں اور اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئیں، یہ مدت چاہے پچہتر (۷۵) دن کی ہو یا نوے ۹۰ دن کی، بہت محدود عرصے میں آپؑ اپنے بابا سے جاملیں لیکن یہاں ہر انسان اور خاص کر کے آپؑ کے حقیقی دوستداروں اور عقیدتمندوں کیلئے حتیٰ مفادپرست اور فتنہ پرداز دوستوں کیلئے ایک سوالیہ فقرہ یہ ہے کہ خاتون جنت زہراؑ نے اتنی حزین وغمزدہ زندگی کیسے اور کیوں گزاری؟ اس سلسلے میں دوسرے فریق کو شکست دینے، مجلس کو گرم کرنے، سوگواری کی مجلس کو گریہ وزاری سے مزید موثر بنانے، زہراؑ کی مظلومیت کو زیادہ بتانے، خلفاء کے خلاف غم وغصہ نکالنے یا پھر دوسروں کی جانب سے خلفاء کا دفاع کرنے کیلئے بہت کچھ لکھا اور بولا جاتا ہے۔ ہم یہاں زہراؑ مرضیہ کے غمزدہ اور گریہ کناں رہنے کے حوالے سے چند مفروضات اس حقیقت کے تناظر میں پیش کریں گے کہ زہرا مرضیہؑ امت اسلامی کی ایک مثالی خاتون اور آیۂ تطہیر کی مصداق جلی ہیں تاکہ آسانی سے معلوم ہوسکے کہ ان مفروضات میں سے کونسا مفروضہ تاریخی صفحات اور زہرا مرضیہؑ کے دین وشریعت کی جسمی ومعلولی حالت وسانچے سے مطابقت رکھتا ہے۔

۱۔ والدگرامی سے جدائی

نبی کریمؐ، زہرا مرضیہؑ کے مشفق ومہربان اور عزیز والد تھے، ایسا باپ تاریخ بشریت میں کسی بیٹی کو نہ نصیب ہوا ہے اور نہ ہوگا لہٰذا ایسے والدگرامی کی رحلت پر آپؑ جتنی بھی غمزدہ ہوتیں اور جتنا بھی بے چینی وبے چارگی کا مظاہرہ کرتیں، اس کا آپؑ کو حق حاصل تھا آپ والدگرامی ختمی مرتبتؐ کی جدائی پر خون کے آنسو بہاتیں تب بھی کم تھا پیغمبرؐ کے فراق وجدائی اور بے تابی کی وجہ آپ کی جسمانی صحت علالت میں تبدیل ہوگئی یہ سلسلہ آپ کی دنیا سے رخصتی پر منتج ہوا۔

اگر یہی مفروضہ دلائل وشواہد سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے تو اس صورت میں دنیا والوں اور پیغمبرؐ واہل بیتؑ کے چاہنے والوں کو اس قسم کے واقعات وحادثات اور مواقع پر کسی قسم کی حیرت وتعجب نہیں ہونا چاہیے، ان کا یہ عمل نہ قابلِ مذمت ہے اور نہ قابل تعریف وستائش اور نہ اس حوالے سے دوسروں پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان کی یاد کو ہمیشہ زندہ وباقی رکھیں کیونکہ ان کی یاد کو زندہ رکھنے سے پیغمبر اسلامؐ، دین یا خود زہراؑ کیلئے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا ہے۔

۲۔ باغ فدک سے محروم ہونا

آیا پیغمبر اسلامؐ کے عطا کردہ باغ فدک کا خلفاء کی طرف سے چھینا جانا اور اسے بیت المالِ مسلمین میں داخل کرنا آپ کے غمزدہ ومحزون ہونے کا سبب تھا؟

دنیا کا ہر انسان اپنی زندگی کے ذریعہ معاش یا روزگار کی درآمدات سے محروم ہونے کی وجہ سے پریشان ہوجاتا ہے، باغ فدک چھینے جانے پر یہ جملہ ملتا ہے کہ یہ میرے بچوں کا ذریعہ معاش تھا اور اسی سے ان کی گزراوقات ہوتی تھی اسی طرح یہ باغ زہراؑ کے پاس پیغمبر اسلامؐ کی یادگار تھا اس احتمال کو اپنی جگہ زیادہ حمایت ملتی ہے اور اس پریشانی کو قرینِ صحت گردانا جاسکتا

ہے۔گر چہ یہ مفروضہ اپنی جگہ عادی حالات میں درست تصور کیا جاسکتا ہے لیکن اسی مفروضہ کی بنیاد پر زہراؑ کے چاہنے والوں اور دوستداروں کی طرف سے اس مصیبت کو ہمیشہ کیلئے زندہ رکھنے کی کوئی عقلی و شرعی منطق نظر نہیں آتی ہے اور نہ اس عمل کو مستحسن کہا جاسکتا ہے، اس مصیبت کو زندہ رکھنے سے نہ زہراؑ کو کچھ فائدہ ملتا دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی اس کے تکرار سے اس وقت خلفاء کو کوئی نقصان پہنچ رہا ہے کیونکہ وہ اس وقت دنیا سے جاچکے ہیں اگر اس مفروضہ کو دنیا والوں کے سامنے پیش کریں تب بھی یہ لوگوں کو اس مذہب کا گرویدہ بنانے کا موجب نہیں بن سکتا ہے اور نہ ہی یہ مفروضہ دوسروں کو اس مذہب کی طرف دعوت دینے میں کارآمد اور موثر نظر آتا ہے۔مال و جائیداد سے محروم ہونے کی یادیں مناسب ہے بیوہ عورتوں کیلئے بنائی جائیں نہ کہ زہراء مرضیہؑ جیسی معظّمہ خاتون کیلئے!!

۳۔امیر المومنین علیؑ کا خلافت سے محروم ہونا

اس محرومی پر آپؑ کے پریشان وغمزدہ ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مہاجرین وانصار کی خواتین جب آپؑ کی عیادت کیلئے آئیں تو آپؑ نے ان سے مخاطب ہو کر شکایت کی کہ تمہارے مردوں نے علیؑ کو خلافت سے کیوں محروم رکھا، مسجد میں انصار و مہاجرین سے آپؑ کا خطاب بھی اس بات کی تائید کرتا ہے چنانچہ اس مفروضہ کی بنیاد پر علیؑ کی خلافت سے محرومی پر زہراؑ کا غمزدہ و پریشان ہونا عقلی و منطقی بات ہے لیکن یہ منطق اپنی جگہ صحیح اور غیر مخدوش ہونے کے باوجود زہراؑ کی شان کو بلند کرنے کا سبب نہیں بن سکتی ہے کیونکہ ہر خاتون اپنے شوہر کی گرویدہ و شیدا اس کے غم و غصہ میں شریک ہوتی ہے البتہ باوفا خواتین پر شوہر کی جدائی عام مرد و زن کی نسبت زیادہ گراں گزرتی ہے لیکن یہاں یہ منطق اس وجہ سے مخدوش قرار پاتی ہے کہ زہراؑ جس خلافت کے چھینے جانے پر نالاں و پریشان تھیں اس کے بارے میں چھیننے والوں سے علیؑ کا موقف و رویہ زہراؑ کی بنسبت مختلف تھا جو کسی سے پوشیدہ نہیں کیونکہ امام علیؑ اور آپ کے اصحاب وانصار نے خلفاء سے مصالحت کی لہٰذا دنیائے اسلام و مسلمین میں اسے بطور یادگار زندہ رکھنے کی کوئی منطق و جواز نہیں بنتا ہے۔علیؑ اور حسنینؑ سے زیادہ خود کو زہراؑ کا شیدا دکھانا کسی عاقل کو مطمئن نہیں کرتا ہے۔فاطمۃ الزہرا =کی خلفاء سے ناراضگی، غصب فدک اور حقدار خلافت کی تفصیل کے بارے میں جاننے کیلئے کتاب **"شکووں کے جواب"** ملاحظہ کریں۔

زہراؑ دین و شریعت کی بقا و دوام کو صرف لائق و صالح قیادت کے اصول میں ہی محصور جانتی تھیں چنانچہ آپ اس قرآنی و شرعی اصول میں ہیر پھیر اور رکتا ہی و انحراف کو اسلام و مسلمین کیلئے نا قابل تلافی و نا قابل جبران نقصان گردانتی تھیں اسی وجہ سے آپؑ پریشان تھیں لیکن آپؑ کی اس پریشانی کا کسی بھی حوالے سے تدارک نہ ہوسکا۔

امیر المومنین علیؑ کو خلافت نہ ملنے پر زہراؑ اس لئے غمزدہ و پریشان نہیں تھیں کہ اس سے علیؑ کو یا ان کی ذات کو کوئی نقصان پہنچا تھا یا کسی فائدے سے محروم ہوگئے تھے بلکہ پریشانی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسلام و مسلمین ایک ایسے فائدے سے محروم ہو چکا تھے جو اسلام کی سربلندی کی ضمانت تھا اور تمام مسلمانوں تک اس کے فوائد و ثمرات پہنچنا قطعی تھے چنانچہ علیؑ کی خلافت سے محرومی پر

اسلام و مسلمین کو جس پستی، بدحالی اور نا قابل تلافی نقصانات کا سامنا تھا ان کے تصورات زہراؑ کو غمزدہ و پریشان کر رہے تھے۔ آپؑ اچھی طرح دیکھ رہی تھیں کہ جو پریشانی آپ کو لاحق ہوئی ہے اس میں کمی نہیں آسکتی بلکہ آئے دن اس میں اضافہ ہوتا رہے گا اور مستقبل میں بہت برے نتائج برآمد ہونگے اس سلسلے میں آپؑ کو اپنی زندگی میں کوئی ایسی صورت حال نظر نہ آئی جس سے دلی اطمینان و سکون نصیب ہوتا اور اچھے حالات کی کوئی امید دکھائی دیتی۔ آپؑ اس بارے میں جتنا سوچتی تھیں، اتنی ہی آپؑ کی مایوسی بڑھتی جاتی تھی اس بڑھتی ہوئی یاس و نا امیدی میں آپؑ دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

لیکن لائق و صالح ترین اور علم و شجاعت میں دوسروں سے برتری رکھنے والے علیؑ بن ابی طالب کو خلافت سے محروم رکھا گیا، امیر المومنین علیؑ نے خلفاء سے مصالحت و موافقت اور ہم آہنگی پیدا کر لی تاہم خلفاء سے علیؑ کی مصالحت و موافقت اسلام و مسلمین کو در پیش و لاحق خطرات کیلئے شفا بخش اور حالات کو ٹھنڈا کرنے کا ذریعہ بنی۔ اس سلسلے میں علیؑ اور زہراؑ کی سیرت میں کسی بھی حوالے سے ٹکراؤ نظر نہیں آتا۔ علیؑ نے اسلام کو مزید خطرات سے بچانے کیلئے خلفاء سے اتفاق کیا اور زہراؑ کی اصل پریشانی بھی اسلام و مسلمین کے مستقبل کے بارے میں تھی جو حقدار خلافت سے خلافت چھیننے پر تاریک ترین اور خطرناک نظر آ رہا تھا لہٰذا اس سلسلے میں علیؑ و زہراؑ کی فکر میں کوئی تضاد نہیں، اگر دنیا اس تفسیر کے تحت یا اس حوالے سے زہراؑ کی یاد کو تازہ رکھتی اور اسلام کے بارے میں ان کے درد دل اور انداز فکر کو زندہ رکھتی تو اس سے درحقیقت اسلام کی خدمت ہوتی اور یہ بات ہر دور میں اسلام کو درپیش مشکلات کے حل کیلئے مداوا ثابت ہوتی چنانچہ اس حوالے سے زہراؑ کی یاد و مصیبت کو زندہ رکھنے میں کسی قسم کی بھی قباحت نہیں ہے۔

ان تمام زمینی اور ملکوتی فضائل و مناقب کے تحت زہراؑ جن کے عقد میں تھیں وہی منصب خلافت کیلئے لائق و شائستہ تھے آپؑ یہ چاہتی تھیں کہ علیؑ جانشین رسول بنیں اور امت کی بھی یہی خواہش تھی کہ جانشین رسول شوہر زہراؑ بنیں، زہراؑ کی وجہ سے خلافت کیلئے دیگران کی بنسبت علیؑ کے لائق و سزاوار ہونے کو کسی نے بھی رد نہیں کیا۔ یہ تھا وجود زہراؑ کا مثبت کردار۔

زہراؑ کے نام سے خلافت کا رُخ بدلنے میں منفی کردار

۱۔ اگر خلیفہ زمینی بنیاد پر منتخب ہونا چاہیے تو دو شخصیات کے درمیان کفو کے ترازو میں کچھ ترجیحات کی بنا پر فرق پیدا ہوگا اور اگر ترجیحات کو آسمانی اور الٰہی قرار دیں گے تو اس صورت میں یہ باتیں بنیاد نہیں بن سکتیں بلکہ امتیازات شمار ہوں گے۔

۲۔ خلافت اسلامی کو اس کے الٰہی رخ سے موڑنے کا دوسرا کردار زہراؑ کے نام سے بنی عباس نے ادا کیا۔ بنی عباس نے خود کو اولادِ زہراؑ کی نسبت خلافت سے قریب تر گردانے کیلئے اسلام میں عورت کے مقام کو گراتے ہوئے اس سے فضیلتیں چھین کر دوبارہ سے اسے جاہلیت کی تحقیر و تذلیل کے مقام پر لے جانے کی بھرپور کوشش کی کیونکہ زہراؑ کے اسلامی و الٰہی مقام و منزلت کو تسلیم کرنے کے بعد بنی عباس کیلئے خلافت کا مستحق قرار پانا ممکن نہیں تھا۔

۳۔ مسلمانوں کو کسی بھی شائستہ و لائق مسلمان کی خلافت پر متفق و متحد ہونے سے روکنے کیلئے زہراؑ کے نام گرامی کو بہت زیادہ اٹھایا جاتا ہے آپؑ کے نام گرامی کو اس سازش کی بنیاد پر اٹھاتے ہیں "خلفاء نے زہراؑ پر ظلم روا رکھا لہٰذا وہ خلافت

اسلامی کے حقدار نہیں تھے ،بعد میں آنے والے انھیں کو خلیفہ مانتے ہیں تو ان سے بھی اتفاق ممکن نہیں "مظلومیت زہرا کے نام سے بعض اپنے مفادات کی خاطر امت میں انتشار و افتراق کو باقی رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں تا کہ مسلمانوں پر کفر و شرک کی بالا دستی بغیر کسی مزاحمت کے باقی رہے ۔یہ لوگ زہراؑ کی مظلومیت کا مرثیہ زیادہ پڑھتے ہیں اور ان کو اس وقت تک مظلومیتِ زہراؑ کا احساس نہیں ہوتا جب تک انکے دشمنوں کے گھروں کو آگ نہ لگائی جائے اور ان کی املاک کو لوٹا نہ جائے ،گویا علیؑ اور حضرات حسنینؑ سے زیادہ عزادار مظلومیتِ زہراؑ پر نوحہ کناں ہیں انھیں نہ علیؑ ،نہ زہراؑ اور نہ ہی امت کی مظلومیت کا درد ہے بلکہ انہیں اپنے مفادات کا درد ہے ،امت کو قیامِ قیامت تک زہراؑ کے سوگ میں مشغول رکھنا ان کے مفاد میں ہے کیونکہ اس طرح سے لوگ خلافت کی بحالی اور شریعت کی بالا دستی کو نظر انداز کر دیں گے ۔یہ کہتے ہیں تم پوری زندگی زہراؑ اور ان کے بیٹے حسینؑ کے سوگ میں عمر گزار دو ۔انہی لوگوں نے ان دو ہستیوں کے نام سے بے انتہا دولت و ثروت بنائی ہے ،ان لوگوں کو یہ دولت و ثروت مظلومین و محرومین کو دینے کا کوئی خیال نہیں ہے اسی طرح معصومینؑ کے نام سے نہ کوئی تاریخ لکھنے کی کوشش کی گئی ہے نہ ان کی مظلومیت کو قرطاسِ ابیض پر لایا گیا ہے گویا اس وقت اگر کوئی شخصِ منصف ہو تو اسے فدکِ تاریخ کو بھول کر فدکِ حاضر پر مرثیہ سراہنا چاہیے ۔

not found.

file\Border\FRAME64.jpg not found.

ذوالقربیٰ رسول

وَأُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ

اور رشتے ناتے والے ان میں سے بعض بعض سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں۔

(سورہ مبارکہ انفال آیت ۷۵)

اہل بیت

دین مقدس اسلام کے افکاروعقائد، اعمال وسلوک اوراخلاق کی بنیادیں انسان کی فطری وطبیعی سنتوں اورتقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں اسلام میں افہام وتفہیم اورالفاظ وکلمات کے معانی درک کرنے، سمجھنے کیلئے عرفِ عام سے ہٹ کرکوئی خاص طریقہ نہیں ہے لہٰذا ہمیں تمام دینی، اجتماعی اورسیاسی میدانوں میں مختلف کلمات سے وہی معنی اخذ کرنے چاہئیں جورائج عرفِ عام میں اخذ کئے جاتے ہیں۔ اہل بیت کی تعریف وہی ہے جوعرفِ عام میں عرب سمجھتے تھے کیونکہ اسی عرفِ عام کے مطابق قرآنِ کریم اترا ہے،اس میں اہل بیت کاتصوروہی ہے جونزولِ قرآن سے پہلے عرب لیتے تھے اس میں سوائے آیت تطہیر کے دیگرتمام موارید میں جہاں کلمہ اہل بیت استعمال ہواہے اس سے وہی عام مطلب مراد ہے جیسے عام مسلمان،مشرک، کافراوردیگراہلِ ادیان مراد لیتے تھے اورلیتے ہیں۔اس تمہید کے بعدہم آپ کویہاں اہل بیت نبی یااہل بیت نبوت کے بارے میں ایک واضح وروشن اورغیرمبہم تعریف سے واقف وآ گاہ کرنا چاہیں گے،اہل دوکلمات سے مرکب ہے:

ا۔اہل

”اہل“دائم الاضافہ ہوتا ہےاور ہمیشہ اہل کاتعین اس کے مضاف سے کیاجاتا ہےاس حوالے سے چندنکات درج ذیل ہیں:

الف۔ ”اہل“ کا کتاب کی طرف اضافہ ہونا

﴿وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾”اوراگرکہیں ایمان لے آتے اہل کتاب بھی تو ہوتا بہتران کےحق میں“ (آلعمران۱۱۰)

ب۔ اہل القریٰ

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى......﴾”اوراگران بستیوں کے رہنے والے......“(اعراف۹۶تا۹۸)

ج۔ اہل مدینہ

﴿وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾”اورکچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق پراڑے ہوئے ہیں“ (توبہ۱۰۱،توبہ۱۲۰)

د۔ اہل کادائیہ کی طرف اضافہ

﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ﴾”کیامیں تمہیں ایسا گھرانا بتاؤں“(قصص۱۲)

ھ۔ اہل کابیوی کی طرف اضافہ

﴿قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ﴾”تو کہنے لگی جوشخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے بس اس کی سزایہی ہے کہ اسے قید کردیاجائے“(یوسف۲۵)

د۔ اہل کا گھرانہ کی طرف اضافہ

﴿وَأْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ "اور اپنے تمام خاندان کو میرے پاس لے آؤ" (یوسف ۹۳)

۲۔ بیت

چاردیواری معہ چھت کو انسان کی رہائش جہاں وہ سکونت اختیار کرتا ہے اس کو بیت کہتے ہیں:

﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ﴾ "آپ کے رب نے آپ کو حق کے ساتھ گھر سے نکالا"

(انفال ۵)(نساء ۱۵، نور ۶۱)

بیت میں رہنے والوں کو اہل البیت اور بیت کے مالک کو صاحب بیت کہتے ہیں قرآن میں بیوی اور بیٹے کو اہل کہا گیا ہے۔

﴿فَقَالَ لِاَهْلِهٖ﴾ "انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا" ﴿يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ "اے نوح! بیشک یہ آپ کے گھر والوں میں سے نہیں" (ہود ۴۶)(طٰہٰ ۱۰)(انبیاء ۷۶، قصص ۲۹، ذاریات ۲۶)

قرآن کریم میں اہل بیت کن افراد کیلئے استعمال ہوا ہے

۱۔ اہل بیت، عرف عام میں ازواج، غلام، کنیز، بچے، والدین اور زیر کفالت افراد اہل بیت میں شامل ہیں جیسا کہ قرآن کریم نے ابراہیمؑ، لوطؑ اور ہودؑ کی ازواج و اولاد کو اہل بیت کہا ہے۔

۲۔ اہل بیت وارثین اور محرم ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے ارث لیتے ہیں، انکا ایک دوسرے سے عقد و نکاح حرام ہے۔

۳۔ اہل بیت رشتہ دار و قربیٰ کا نام ہے جسے صلۂ ارحام کہتے ہیں یہ اپنی جگہ نزولی اور صعودی خط رکھتے ہیں۔

۴۔ محمدؐ، علیؑ، فاطمۃ الزہراؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے اہل بیت ہونے کی دلیل وہ روایات ہیں جو فریقین کی کتب میں آیت تطہیر کے کلمہ "اہل بیت" کے تعین و مصداق کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جو تواتر کی حد تک پہنچتی ہیں ان میں اہل بیت کے مصادیق کو مذکورہ اسمائے گرامی تک محدود کیا گیا ہے حتیٰ کہ ام سلمہؓ کو بھی اہل بیت کے دائرے سے باہر رکھا گیا ہے۔

کلمہ اہل بیت کے سلسلے میں چند سوال پیدا ہوتے ہیں۔

الف۔ کیا اہل بیت کی شناخت کیلئے حدود و قیود اور شرائط کی ضرورت ہے؟

ب۔ آیا ہر وہ انسان جس کی نسل بنی ہاشم سے جا ملتی ہو اہل بیت میں سے ہے، اس اصول کے تحت بنی عباس بھی اہل بیت میں سے ہیں!

ج۔ کیا جو نسل ابوطالب سے پھیلی ہے وہی اہل بیت ہے؟ اس صورت میں جعفر، عقیل اور محمد حنفیہ سب کی اولادیں اہل بیت میں شامل ہونگی۔

د۔ جو بھی زہراؑ یعنی امام حسنؑ و حسینؑ کی نسل سے ہو جیسا کہ زیدی اور رفاطمی وغیرہ یہ سب اہل بیت میں شامل ہیں؟

ھ۔ کیا اہل بیت میں صرف آئمہ طاہرینؑ کی ذوات آتی ہیں؟ اور یہ کلمہ ان تک محدود ہے؟

اہل بیت کے بارے میں تصورات

علم لسانیات کے اصول مسلمہ کے تحت ہمیں یہاں ''اہل بیت'' لکھنے کے دو طریقوں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے:
علوم لسانی کے ماہرین اپنی کتابوں میں ایک باب اسمائے نکرہ و معرفہ کے نام سے کھولتے ہیں۔اسم نکرہ وہ اسم جو غیر معین چیز کیلئے بولا جائے اور عام ہو اس میں مطلوبہ نام کی تشخیص قرینے کی محتاج ہوتی ہے اسی وجہ سے لوگ ایک گھر میں دو افراد کا ایک نام رکھنے سے کتراتے ہیں کیونکہ شناخت کرنے میں مشکل ہو جاتی ہے اور اگر کہیں ایسا ہوتا بھی ہے تو نام کے ساتھ دونوں میں تمیز کرنے کیلئے ایک نام کے ساتھ خاص چیز کا اضافہ کرتے ہیں۔اسم معروفہ وہ اسم ہے جو معین چیز کیلئے بولا جائے اس تقسیم کے تحت اہل بیت کی بھی دو اقسام ہیں ایک اہل بیت معروف جو قرآن کریم اور سنت رسول میں بیان ہوئے ہیں اور دوسرا اہل بیت نکرہ۔

ا۔اہل بیت معروفہ

قرآن کریم میں معروف اہل بیت وہی ہیں جن کی شان میں آیہ تطہیر نازل ہوئی ہے یعنی ان کا ظاہر، باطن، زبان طاہر ہے جب وہ بات کرتے ہیں تو جھوٹ، تہمت، گالی اور سب و دشنام ان کی زبان سے نہیں نکلتا، اہل بیت معروف کے ماننے والوں کی شناخت وہی ہے جو اہل بیت کی شناخت ہے۔

الف۔ان کی گفتگو کا محور دعوت بخدا ہوتا ہے جیسا کہ سورہ فصلت آیت ۳۳ میں آیا ہے:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَآ اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ ''اور اس شخص کی بات سے زیادہ کس کی بات اچھی ہو سکتی ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا: میں مسلمانوں میں سے ہوں''

ب۔ صاف ضمیروں سے گفتگو کرنے سے وہ ان کے دوست بن جاتے ہیں۔

﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ﴾ ''اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتیں۔آپ بہترین طریقہ سے دفع کریں تو آپ دیکھ لیں گے کہ آپ کے ساتھ جس کی عداوت تھی وہ گویا نہایت قریبی دوست بن گیا ہے'' (فصلت ۳۴)

ج۔ ان کا کہنا تھا تمہارے پاس اپنے مدعا کیلئے دلیل ہے تو اسے لاؤ۔

﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ﴾ ''اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو'' (بقرہ ۱۱۱)

د۔ جب ان سے کوئی جسارت کرتا ہے تو وہ شرافت سے گزر جاتے۔

﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا﴾ ''اور جب بے ہودہ باتوں سے ان کا گزر ہوتا ہے تو شریفانہ انداز سے گزر جاتے ہیں'' (فرقان ۷۲)

ھ۔جاہلوں سے کہتے....

﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا﴾ ''اور جب جاہل ان سے گفتگو کریں تو کہتے ہیں: سلام'' (فرقان ۶۳)

۲۔اہل بیت نکرہ

اہل بیتِ نکرہ وہ گھرانہ ہے جسے خدا اور رسولؐ پسند نہیں فرماتے ،ہر اہل بیت کی شناخت اس کے تابعین سے ہوتی ہے ۔اہل بیت نکرہ کے تابعین آج کل کی مجالس ومحافل اور تقریروں میں انکایوں تعارف کراتے ہیں:

الف۔ کائنات کی تخلیق کی غرض وغایت یہی تھے ،یہ پہلے سے ہیں اوراس وقت بھی اس دنیا میں ہماری فریادرسی اور دادرسی فرمارہے ہیں۔

ب قرآن کریم ان کاقصیدہ ہے،اس کتاب کی ان کے مقابلے میں کوئی اہمیت وحیثیت نہیں یہ کتاب ان کے بغیرادھوری و ناقص ہے کیونکہ اصل قرآن سینۂ علیؑ ہے،یہ اصل قرآن نہیں۔

ج۔ محمدؐ ان کی شان بتانے کیلئے مبعوث ہوئے۔

د۔ اہل بیت کے مصداق جلی صرف علیؑ ہیں کیونکہ علیؑ نفس رسولؐ ہیں لہٰذا انہی کا ذکر کرنے کے بعد کسی اور کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

اہل بیت شاہان

دنیائے کفروشرک، منافقین اور دورِ جدید کے مستشرقین نے اہل بیتِ نبی کو سلاطین، اربابِ اقتدار کے اہل بیت اوران کی رعایا کے مقام ومنزلت کے زاویہ سے اٹھایا ہے ۔اس اصول اور زاویہ کے تحت پیغمبر اسلامؐ کے اہل بیت کوبھی وہی مقام ومنزلت دی ہے جوبادشاہان کے اہل بیت کوان کی رعایا کی جانب سے حاصل ہوتی ہے،اگر یہی معیار اور زاویۂ نگاہ درست ہے تو پھر نعوذ باللہ اہل بیت محمدؐ اور سلاطینِ قیصروکسریٰ کے اہل بیت میں تمیز کرنا مشکل ہوجائے گی۔ مستشرقین کواسلام سے خالی وعاری مسلمان زیادہ گوارا ہیں وہ ہمیشہ ایسے اہل بیت کی ترویج پر تلے رہتے ہیں جواسلام کوپس پشت ڈالنے میں کار آمد ہوں پیغمبرؐ کوایسے اہل بیت کی ضرورت نہیں تھی ۔اہل بیت کاتصورروشن ہونے کے باوجود اہل بیت نبی کے مصادیق کے تعین پر امت اسلامیہ میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے،اس اختلاف کی بنیادی وجہ کیا ہوسکتی ہے اور کس کاقول قرین صحت ہے اس حوالے سے پہلے مرحلے میں اربابِ اہل نظر کے اقوال اوران کے دلائل وشواہد بیان کرتے ہیں:

۱۔ بعض کہتے ہیں اہل بیت سے مراد وہ ذوات ہیں جن کی تعظیم واحترام کے احکام نبی کریمؐ لے کرآئے قرآن ان کاسپاسنامہ ہے ان سے تمسک کے بعد شریعت کی ضرورت نہیں رہتی اس پرانہوں نے پوراعمل کیا ہمیں عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ایک گروہ کااصرار ہے اہل بیت سے مراد ازواج نبی ہیں کہتے ہیں سورہ مبارکہ احزاب کی آیت ۳۲ اور ۳۴ کا سیاق وسباق اس کا شاہد ہے جہاں اہل بیت کاذکر ازواج کے خطاب کے درمیان آیا ہے۔

۳۔ دوسرا گروہ کا کہنا ہے اہل بیت میں ازواج اور غیرازواج دونوں شامل ہیں۔امام فخر رازی نے اس رائے کومنتخب کیا ہے اہل بیت میں ازواج کے علاوہ پیغمبرؐ، فاطمہؑ، علیؑ اور حسنینؑ ہوں تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت میں مذکر لانے کی

کیا منطق ہے کہ "مذکر کو مونث پر غلبہ دیا گیا ہے" پھر سوال پیدا ہوتا ہے یہ غلبہ آگے اور پیچھے والی آیتوں میں کیوں نہیں لایا گیا تو یہاں جواب دینے سے رہ جاتے ہیں۔

مذکر کو مونث پر وہاں غلبہ دیا جاتا ہے جہاں مذکر اور مونث کی تعداد برابر ہو مذکر کو اس جگہ مونث پر غلبہ دینے کی منطق نہیں بنتی ہے جہاں مخاطبین میں مونث کا مذکر پر غلبہ ہو۔ یہاں زہراؑ سمیت ۱۰ مومنین تھیں تو نصف سے زائد تعداد ہونے کے باوجود آیت میں مذکر کو غلبہ دینے کی کوئی منطق نہیں بنتی ہے جب تک کہ مخاطب تبدیل نہ ہو جائے۔ اس سلسلے میں ہم چند نکات قارئین کی خدمت میں غور و خوض کیلئے پیش کرتے ہیں۔

☆ جو بھی شخص فرقہ پرستی اور فرقہ کے تعصب کی نگاہ سے قرآن کی آیات سے کھیلنے کا عادی ہو۔ یہ مسئلہ اس کیلئے کسی بھی وقت قابل حل اور واضح نہیں ہوگا۔

☆ وہ افراد جو قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کر کے مسائل کو حل کرنے اور اپنے فرقے کی صحت و حسن میں قرآنی آیات سے استدلال کرنے کے قائل اور عادی ہیں وہ بے بنیاد اور ضد و عصبیت پر مشتمل موقف سے گریز کرتے ہیں، وہ حقائق اور عبارات و کلمات کے معانی کو عرف عام اور مسلمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ قرآن کریم عام انسانوں سے مخاطب ہے کسی مخصوص گروہ سے نہیں۔

۴۔ تیسرے گروہ کا کہنا ہے اہل بیت سے مراد وہ ذوات ہیں جو کساء کے نیچے جمع ہوئے۔ ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے بات کو مزید آگے بڑھاتے ہیں:

الف۔ آیۂ تطہیر کے نزول پر پیغمبرؐ کی کساء میں شامل ہونے والوں میں تنہا رسولؐ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کے اسمائے گرامی آتے ہیں اس سے یقین ہو جاتا ہے کہ صرف اس آیت میں اہل بیت سے مراد یہی ذوات ہیں۔

ب۔ آیت میں دو چیزوں یعنی رجس اور تطہیر کا ذکر ہے جبکہ آیت کے سابقہ اور لاحقہ میں خداوند متعال نے ازواج کو اطاعت میں رہنے کے فوائد اور معصیت کرنے کے مفاسد سے ڈرایا اور دھمکایا لہٰذا اس آیت کا لحن بدل گیا۔

ج۔ پیغمبر اسلامؐ نے اپنے اہل بیتؑ سے ان ہستیوں کو منتخب کر کے خاص طور پر ان کا تعارف کرایا آپؐ کی طرف سے یہ سفارش اور تعارف ہرگز ان ہستیوں سے آپ کی خونی رشتہ داری، عصبیت اور خواہش کی بنیاد پر نہیں تھا جو عام انسان رکھتے ہیں بلکہ آپؐ نے ان ہستیوں کا تعارف کرا کر ان سے تمسک رکھنے کی سفارش کی کیونکہ ان سے وابستگی میں دین و شریعت سے وابستگی کی ضمانت تھی پیغمبرؐ نے اپنی ازدواج کو اس دائرہ سے باہر رکھا لہٰذا تمام اہل بیت نبی اس میں شامل نہیں پیغمبرؐ کی کساء کے اندر موجود ذوات جہاں اہل بیت نبی تھے وہاں "اہل بیت نبوت" بھی بن گئے لیکن یہ بات غور طلب ہے کہ خود اہل بیتؑ کیلئے پیغمبرؐ کے بعد کس حد تک آگے جانے کی اجازت تھی۔

☆ کیا وہ اس حد تک آگے جا سکتے ہیں کہ زمین و آسمان درہم و برہم ہو جائیں اور وہ خود زندہ رہیں؟ کیا پوری دنیا،

دین وشریعت ان کے احترام وتعظیم کیلئے خلق ہوئے ہیں جیسا کہ ایک گروہ کا خیال ہے؟

☆ اہل بیتؑ کا نام اسلام کے نام کی وجہ سے ہے، اسلام ومسلمین کیلئے لاحق خطرات کو نظر انداز کر کے اہل بیتؑ خود کو پیش نہیں کیا جا سکتا ہے۔

د۔ اہل بیتؑ نبوت وہی ہیں جن کے کردار وگفتار کا دارومدار اسلام ومسلمین کی بقاء کے گرد گردش کرتا تھا ان کے علاوہ باہر سے کوئی فرد نسب کی بنیاد پر اس میں شامل نہیں لہٰذا یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کے پاس رائج اہل بیت کا تصور جس میں ازواج اور آپؐ کے زیر کفالت افراد شامل تھے وہ آیہ تطہیر کے اہل بیت سے مختلف تھا جن سے وابستگی کا فائدہ نہ اہل بیت کو پہنچے گا اور نہ نبی کو بلکہ امت کو ہی پہنچے گا، جب وابستگی کا فائدہ امت کو ہی ہے تو کیونکر اہل بیت غیظ وغضب اور غم و غصہ سے اپنے آپ کو امت پر ٹھونسیں۔

ھ۔ خود پیغمبرؐ صاحب بیت ہونے کی وجہ سے اہل بیت میں شامل نہیں بلکہ بیت نبوت میں ہیں علیؑ اصولی طور پر اہل بیت نبی نہیں، بلکہ اہل بیت نبوت میں ہیں کیونکہ کہیں بھی عرفِ عام میں داماد کو اہل بیت میں نہیں گردانا جاتا ہے اسی طرح لڑکی کی شادی درحقیقت ایک گھر میں فتق اور دوسرے گھر میں رتق کا باعث ہے یعنی شادی کے بعد لڑکی ایک گھر کے اہلبیت سے نکل کر دوسرے گھر کے اہل بیت میں چلی جاتی ہے جہاں اس کا شوہر صاحب بیت جبکہ وہ اور اس کے بچے اہلبیت ہوتے ہیں تو زہراؑ بھی اہل بیت نبوت میں شامل ہیں، اہل بیت نبی سے ازواج باہر نہیں ہیں لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ ایک ''اہل بیت نبی'' ہیں اور دوسرے ''اہل بیت نبوت'' اہل بیت نبوت کے بارے میں آیہ تطہیر ہے جس کی تشخیص وتعین صرف فریقین کی کتب میں موجود روایاتِ مطہرہ سے ہو سکتا ہے۔

ی۔ قرآن کریم کی آیات اور سنت وسیرت طیبہ رہتی دنیا تک انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں خاص طور سے انسان کے روابط و تعلقات پر احاطہ رکھتی ہیں انسان کی زندگی میں کوئی ایسا پہلو نہیں جس کا رابطہ مجہول ہو اس حوالے خاندان نبوت کے بارے امت محمد کیلئے کسی حکم کا ہونا ضروری تھا کہ اس خاندان سے کس قسم کے روابط وتعلقات اور وابستگی رکھی جائے، ان کی کیا حدود وقیود ہوں آیا امت محمد اور خاندان نبوت کے درمیان رابطہ حاکم ورعیت جیسا ہے جہاں خاندان نبوت حاکم اور امت رعیت ہوگی؟ اس کی کوئی سند آیات قرآن اور سنت وسیرت نبی کریمؐ سے نہیں ملتی ہے، ایسا مقام جلوس واحتجاج اور لعن و نفرین سے ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ بعض کی روش ہے۔ بعض کا کہنا ہے خاندان نبوت ایک اعلیٰ وارفع اور اجل مقام رکھتا ہے، ان کی تعظیم واحترام اور دوسروں سے ممتاز ہونا عین شریعت ہے۔ ایک اور گروہ کا کہنا ہے خاندان نبوت کا سلسلہ نسب ماضی بعید سے لے کر قیامت تک قائم ہے جو دوسروں سے مختلف ومتفاوت ہے۔ اس بات کو کبھی کبھی مستشرقین تکیہ دے کر اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں یہ امتیاز اہل بیت کی محبت میں نہیں بلکہ محمدؐ کی دشمنی میں دیا جا رہا ہے تا کہ دین محمد بھی دین سلاطین کی طرح ہو جائے۔ بعض شاہان کی مثال دینے سے قانع ہو جاتے ہیں۔ یہ تعظیم واحترام امت محمد نے پہلے دن سے

اہل بیت کیلئے جاری رکھ کر اس میں کوتاہی نہیں برتی ہے، بعض نے خاندان نبوت سے تعلق کا پاس رکھتے ہوئے تمام محرومیت و مظلومیت کو مول لے کر اپنی طرف سے دین محمد پر کوئی داغ نہیں لگنے دیا لیکن بعض نے اس سے کرسی اقتدار اور بعض نے زندگی کی سہولتیں حاصل کی ہیں۔ اگر اقتدار خاندان نبوت کیلئے وقف ہے تو عصر حاضر میں کسی گھرانہ نبوت کو دیا جائے علوی، حسنی، حسینی، کاظمی و موسوی، تقوی اور نقوی میں سے کون مقدم ہوگا پھر اس تصور اور سفید فام و ذات پات میں کیسے فرق کریں گے یہ بات واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ محمدؐ دین لائے یا خاندان؟

خلافت و امامت، بیت نبی میں رہنے کی قباحتیں

اگر ہم اس گھرانے سے جانشین رسولؐ انتخاب کرنے سے متعلق وارد روایتوں کو تسلیم کریں تو اسکے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہونگے:

۱۔ بیت نبیؐ سے بہت بیوت نکلتے ہیں ان بیوت کے آپس میں اختلاف اور نزاع کی صورت میں کسی کے حق میں فیصلہ کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

۲۔ انتخاب کا یہ تصور پیغمبر اسلامؐ کے لائے ہوئے دین، قرآن کریم کی آیات اور آپؐ کے فرمان اور سنت کے خلاف ہے۔

۳۔ اس خاندان کے لاتعداد افراد اس حق سے محروم و مظلوم قرار پائیں گے۔

۴۔ نبیؐ سے قریب والے محروم اور نبیؐ سے بعید والے مستحق قرار پائیں گے جیسا کہ زید بن علیؑ اور امام جعفر صادقؑ کی نسبت پیغمبر اسلامؐ سے زیادہ قریب ہیں کیونکہ زید بن علی امام محمد باقرؑ کے برادر اور امام جعفر صادقؑ کے چچا تھے۔

۵۔ کبھی دو ہستیاں قرب میں برابر ہوتی ہیں لہذا ان میں سے کسی ایک کو ترجیح و امتیاز کے بغیر برتری دینا ترجیح بلا دلیل محسوب ہوگا جیسا کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد امام سجادؑ اور حسن مثنیٰ قرب بیت میں دونوں ایک درجے پر تھے۔

۶۔ یہ اقلیت کی اکثریت پر حکمرانی ہوگی جو کہ آمریت کا مظہر و مصداق جلی ہے۔

۷۔ فساد اور خون ریزی کا دروازہ کھلے گا۔

۸۔ اس طریقے سے نبوت و رسالت کے گھرانے سے آنے والی ہستیوں اور تاریخ بشری کے سلاطین و حکام کے درمیان کیا فرق و امتیاز رہ جائے گا۔

اصحاب: مہاجرین وانصار

اصحاب کے بارے میں علمائے اعلام کا کہنا ہے:

"وہ اشخاص جو نبی کریمؐ پر ایمان لائے، آپؐ کی زیارت کی' آپ کے ساتھ رہے اور حالت ایمان میں دنیا سے گزر رے آپ کے صحابی ہیں"۔

اس تعریف کے تحت پیغمبر اسلامؐ کی بعثت سے وفات کے دور میں آپؐ پر ایمان لانے اور آپؐ کا دیدار کرنے اور اسی ایمان کے ساتھ مرنے والے سب آپؐ کے اصحاب ہیں۔

یہاں ہم پیغمبرؐ کی سیرت میں آپؐ کے اصحاب کا ذکر کرنا اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اصحاب چاہے مہاجرین میں سے ہوں یا انصار سے دونوں نے آپؐ کی دعوت کے لئے جانی اور ملی ایثار وقربانیاں پیش کیں لہٰذا ان کا ذکر بھی آپ کی سیرت طیبہ کا جز ہے اصحاب کی خدمات بیان کئے بغیر سیرت نبیؐ ادھوری رہے گی اسکے علاوہ انکی شان میں ہونے والے غلو و مطاعن اور عداوت و نفرت کی وجہ سے پیغمبرؐ کی سیرت معمی اور دھندلا رہے گی۔ بعض مسلمانوں نے اصحاب کے بارے میں افراط وتفریط کی راہ اپنائی ہے، اس راہ کو انتخاب کرتے وقت انہوں نے قرآن کریم کی آیات' حقائقِ تاریخ اور مسلمات کو نظر انداز کر کے جذبات واحساسات کے طوفان میں اپنا الگ موقف انتخاب کیا ہے یہ افراد آپس میں کسی نکتے پر متفق نظر نہیں آتے ہیں بلکہ ایک نے شمال، دوسرے نے جنوب، تیسرے نے مغرب اور چوتھے نے مشرق کا انتخاب کیا ہے۔ ایک گروہ نے اصحاب کی محبت یا ان کے مخالفین کی ضد میں آ کر اصحاب کو نبوت کے برابر یا نبوت سے بالاتر مرتبہ دیا ہے تو دوسرے گروہ نے بعض اصحاب کے قصور و کوتاہی کو بنیاد بنا کر بعض منافق لوگوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کو ان کے کھاتے میں ڈال کر اصحاب سے نفرت ودشمنی پیدا کی ہے۔ اصحاب نبی میں ازواج بنات اور اہل بیت سب شامل ہیں کیونکہ سب کا افتخار و اعزاز آپ کی صحبت کا شرف ہے تاہم عرف عام میں بلکہ بعض آیات میں ان کا الگ ذکر ہوا ہے، آپؐ پر ایمان لانے اور آپؐ کا ساتھ دینے والوں کو چند گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

- ☆ ایک گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو مکہ میں ایمان لائے، ہجرت کی اور آپؐ کے ساتھ رہے۔ ان میں بعض لوگوں نے ایمان لانے میں سبقت کی۔
- ☆ ایک گروہ آپؐ پر اس وقت ایمان لایا جس وقت آپؐ تنہائی اور غربت کے دور سے گزر رہے تھے انہوں نے آپؐ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والے مہاجرین کو اپنے ہاں پناہ دی اور مختلف مواقع پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا، بنو نضیر یا بنی قریظہ کی جلاوطنی کے موقع پر ان سے لیا گیا مال غنیمت جنگ میں شریک تمام افراد کیلئے برابر تھا لیکن پیغمبرؐ نے اسے صرف مہاجرین میں تقسیم کیا کیونکہ وہ بے سہارا تھے۔ جنگِ حنین کے موقع پر ملنے والے غنائم کو پیغمبرؐ نے صرف اہل مکہ میں تقسیم کیا اور انصار کو اس سے محروم رکھا، اس کے باوجود انصار نے خوشی کے آنسو بہائے کہ وہ کتنے خوش نصیب ہیں محمدؐ

ان کے ساتھ واپس مدینہ جارہے ہیں۔

ان دونوں گروہوں کے افراد کی برتری سبقتِ ایمان پر منحصر تھی جیسا کہ آیتِ قرآن میں آیا ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ "اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے" (توبہ۱۰۰) ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾ "اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں" (حشر۱۰، واقعہ۱۰)

جن انصاریوں نے ابتدائی مراحل میں اپنے گھر اور مال و دولت کو مہاجرین کی خدمت کیلئے پیش کیا اور انکے متعلق حشر ۹ میں خصاصہ آیا ہے، انہیں دوسرے انصار پر منزلت وفضیلت اور برتری حاصل تھی۔ ان دونوں گروہوں کا ذکر قرآن کریم میں ہوا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ "اور جنہوں نے اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب ہے۔" (حشر۹) ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ "یہ ان غریب مہاجرین کیلئے ہے جو اپنے گھروں اور اموال سے بے دخل کردیئے گئے جو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں نیز اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں" (حشر۸) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ "جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو پناہ دی اور مدد کی یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں" (انفال۷۲) ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ "محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت گیر اور آپس میں مہربان ہیں" (فتح ۲۹)(اعراف۱۵۷)

طبقات اصحاب نبی کریم ﷺ

انصار کے بارے میں وارد آیات پہلے بیان ہوچکی ہیں ہم یہاں ان کے مراتب اور منازل کا ذکر کرتے ہیں۔ علمائے اعلام نے اصحاب نبیؐ کے طبقات کے بارے میں اختلاف کیا ہے بعض نے ان کے پانچ اور بعض نے ۱۲ طبقات بیان کئے ہیں۔

۱۔ جو سب سے پہلے پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لائے، اس طبقہ میں خدیجہ الکبریٰ =، امیر المومنین علیؑ، زید بن حارثہؓ اور ابوبکر بن قحافہؓ آتے ہیں۔

۲۔ جو دارارقم میں پیغمبر اسلامؐ کے حضور جمع ہوئے۔
۳۔ جنہوں نے حبش کی طرف ہجرت کی۔
۴۔ انصار جنہوں نے عقبہ اولی کے موقع پر بیعت کی یہ طبقہ مدنیہ سے آنے والے انصار پر مشتمل ہے۔
۵۔ انصار جنہوں نے عقبہ دوم کے موقع پر بیعت کی اور نبی کریمؐ کو مدینہ دعوت دی۔
۶۔ مہاجرین جنہوں نے پیغمبر اسلامؐ سے پہلے مدنیہ کی طرف ہجرت کی۔
۷۔ جو جنگ بدر میں شریک ہوئے۔
۸۔ جنہوں نے بدر اور حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی۔
۹۔ جنہوں نے حدیبیہ کے موقعہ پر شجرہ کے نیچے بیعت کی۔
۱۰۔ جنہوں نے حدیبیا اور فتح مکہ کے درمیان ہجرت کی جیسے خالد بن ولید اور عمرو عاص وغیرہ۔
۱۱۔ جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور انہیں مؤلفۃ القلوب کہا گیا ہے۔
۱۲۔ چھوٹے بچے جنہوں نے آپؐ کو بالغ ہونے سے پہلے دیکھا۔

آیئے پیغمبر اسلامؐ کے تیئس (۲۳) سالہ دور میں آپؐ پر ایمان لانے اور ساتھ دینے والوں کا ذکر کرتے ہیں جن کے بارے میں تمام ارباب سیر و تاریخ نویسان نے اتفاق سے لکھا ہے یہاں ہم اصحاب کے بارے میں قرآن کی کسوٹی سے گزرتے ہوئے ایک تقسیم بندی پیش کرتے ہیں:

۱۔ وہ لوگ جو پیغمبر اسلامؐ کو نزدیک سے دیکھ کر ایمان لائے اور بغیر ارتداد کے دنیا سے رخصت ہوئے وہ آپؐ کے اصحاب ہیں۔
۲۔ اصحاب پیغمبرؐ میں نص قرآن اور اتفاق سیرت نویسان کے تحت منافقین کا ایک گروہ بھی تھا جو پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لائے اور مرتد نہ ہوئے کبھی آپ کا ساتھ دیا تو کبھی مخالفت پر اتر آئے یا مزاحمت کرنے پر آمادہ پر آمادہ ہوئے لیکن اپنی منافقانہ سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہوئے دنیا سے گزر گئے جیسا کہ آپ نے گذشتہ صفحات میں منافقین کے بارے میں ملاحظہ کیا اس حقیقت کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ ایک جیسے نہیں تھے۔
۳۔ مہاجرین و انصار مسلسل فتح مکہ تک پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ جنگوں میں شریک رہے جبکہ فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے اور آپؐ کی زیارت کی ان دونوں گروہوں میں فرق ہے چنانچہ انصار کی فضیلت کے بارے میں قرآن کریم کی آیت موجود ہے: "جنہوں نے آپ کی نصرت کی اور مدد کی"
۴۔ نص قرآن کے تحت ہجرت جہاں کہیں سے بھی ہو اسلام کیلئے ترک وطن کرنا ضروری ہے۔ لیکن ہجرت کرنے والوں کیلئے خدا نے خاص فضیلت فتحِ مکہ تک رکھی چنانچہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کرنے والے ابو سفیان اور دیگر بنی امیہ کا مہاجرین میں شمار نہیں ہوتا ہے۔

۵۔ پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے والے بعض افراد مرتد ہوئے جن کے خلاف مسلمان متحد ہوئے اور انھیں کیفر کردار تک پہنچایا۔ یقیناً جو گروہ حکم اسلامی کے تحت تلوار سے قتل ہوا وہ اصحاب رسول میں شامل نہیں۔

۶۔ کچھ لوگوں نے چند جنگوں میں پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ نبرد آزمائی کی لیکن بعد میں پیغمبرؐ پر ایمان لائے جیسے خالد بن ولید وغیرہ یہ افراد ان افراد سے وجہ میں مختلف ہیں جنہوں نے کسی بھی وقت پیغمبرؐ کے خلاف کسی بھی جنگ میں شرکت نہیں کی۔

اصحاب اور اہل بیت

شیعوں اور سنیوں کے مختلف فرقوں میں ایسا گروہ بھی موجود ہے جو نبی کریمؐ کے اہل بیت اور اصحاب میں سے ایک کی محبت میں دوسرے سے دشمنی کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ ایک گروہ اہل بیت سے محبت اور دوستداری میں اصحاب سے عداوت و دشمنی اور نفرت و بیزاری کا مظاہرہ کرتا ہے جبکہ دوسرا گروہ عظمت یا ناموس صحابہ کی پاسداری اور محبت میں بعض اوقات اہل بیت کی شان میں گستاخی کے علاوہ جسارت و توہین آمیز زبان استعمال کرتا ہے لیکن ستم یہ ہے کہ شیعہ سنی دونوں فرقوں کے ذمہ دار اور سنجیدہ طبقے نے اپنے اپنے شدت پسندوں کو باز رکھنے اور لگام دینے کی بجائے ان کی سرگرمیوں اور حرکتوں پر سکوت و خاموشی اختیار کر رکھی ہے بلکہ چند یں اگر مگر اور لیکن لگا کر ان کی حمایت بھی کی ہے، جس طرح کنواری لڑکی کے نکاح کے دوران اس کی خاموشی کو رضامندی یا اجازت گردانا جاتا ہے بالکل اسی طرح شدت پسند گروہ اپنے فرقے کے ذمہ دار حلقے کی خاموشی کو رضامندی تصور کرتے ہیں جس کی وجہ سے پورا فرقہ ان کی سرگرمیوں کی زد میں آجاتا ہے ان شدت پسند گروہوں نے پوری امت کو دلدل میں دھکیلا ہے اور یہ بات کسی بھی ذی شعور و ذمہ دار انسان سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔

اصحاب و اہل بیت کے بارے میں کچھ مفروضات سامنے لاتے ہیں۔

۱۔ اہل بیت اور اصحاب ایک جیسے ہیں یہ ایک دوسرے پر کوئی فضیلت و برتری نہیں رکھتے۔

۲۔ دونوں ایک دوسرے کی بنسبت افضل و اشرف ہیں۔

۳۔ اہل بیت افضل و برتر ہیں جبکہ اصحاب کی کوئی حیثیت نہیں۔

۴۔ دونوں بظاہر مختلف ہیں لیکن ان کے اہداف و مقاصد میں ہم آہنگی اور یگانگت پائی جاتی ہے۔

۵۔ انسان و بشر کی مانند دونوں حقیقت واحدہ ہیں۔

دونوں کے بارے میں اپنی نوعیت کے دو سوال بن سکتے ہیں۔

۱۔ اہل بیت نے اسلام کی حفاظت و نگہداری کے سلسلے میں کس قسم کا کردار ادا کیا؟

۲۔ اصحاب نے اسلام کی سربلندی اور پاسداری میں کیا کردار ادا کیا؟

ان سوالات یا نکات کا ذکر قرآن و سنت دونوں میں آیا ہے، اہل بیت کا ذکر سورہ مبارکہ احزاب اور اصحاب کا ذکر سورہ مبارکہ حشر میں آیا ہے، ان دونوں آیات کو سامنے رکھنے کے بعد انسان مسلمان کو اہل بیت اور اصحاب دونوں کے بارے میں قرآن

وسنت کی رو سے نبی کریمؐ کے بعد آپ کی امت کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہیے۔

الف۔ آیا امت نے پیغمبرؐ کی امنگوں اور آرزوؤں کے مطابق فیصلہ کیا؟

اس سلسلے میں ہمیں مزید چند زاویوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے، امت میں ہمیشہ دو گروہ رہے ہیں

☆**خواص امت:** وہ افراد جو پوری امت کو گردش دیتے اور چلاتے ہیں امت ان کے انتظار میں رہتی ہے، امت محمدؐ میں مہاجرین وانصار اور اہل بیت خواص تھے۔

☆**عوام امت:** وہ افراد جو حوادث اور واقعات کا فیصلہ سننے کے انتظار میں رہتے ہیں، جب تک کوئی جان لیوا فیصلہ سنائی نہ دے معمولی کوتاہیوں کی وجہ سے جنبش میں نہیں آتے۔

ب۔ امت محمدؐ، امت ممتاز اور امت خیر تھی لیکن دنیا طلبی اور دنیا جوئی کے جراثیم ان کے اندر چلے نہیں تھے۔

اس تعارف کے بعد امت کے دوام وبقاء، سعادت وشقاوت کی ضمانت کے بارے میں گفتگو کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل مفروضات بنتے ہیں:

۱۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، امت کو جوں کا توں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور کسی قسم کے قانون کی حدود وقیود کی پابندی ضروری نہیں۔ اس صورت میں امت باہر سے آنے والے درندوں کیلئے چراگاہ بن جائے گی۔

۲۔ دین وشریعت کا نفاذ ہو اور ہر کوئی اپنی رضا، بساط، استطاعت اور گنجائش کے تحت عمل پیرا ہو۔ یہ کارل مارکس کی سوچ وفکر کا نتیجہ ہے اس باطل نظام کے داعیوں نے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کیلئے کثیر انسانی جانوں کی قربانی دی لیکن اس خواب کو شرمندۂ تعبیر نہ کر سکے۔

۳۔ امت کی سعادت وخوش بختی کا بندوبست اور شقاوت وبدبختی کو دور کرنے کیلئے وحی سے ہٹ کر زمینی قانون ساز اسمبلیوں سے مدد لینے کا طریقہ قدیم زمانے سے عصر حاضر تک چلا آ رہا ہے اس قسم کے انتخاب کے بارے میں کہیں کہا جاتا ہے کہ کامیاب ہوا اور کہیں کہا جاتا ہے کہ ناکامی سے دوچار ہوا، یہ بات روز روشن کی طرح ثابت وعیاں ہے کہ یہ قانون اور اس کی شرح ایک خطے یا قوم کیلئے کامیاب یا بہتر ثابت ہوئی یا ہو سکتی ہے لیکن پوری انسانیت کیلئے اس کی پیشکش کی گئی ہے اور نہ اس کے پیش کئے جانے کا کوئی امکان ہے چنانچہ نبی کریمؐ کے بعد امت نے تیس (۳۰) سال یہ تجربہ کیا لیکن بعد میں یہ نظام اپنی موت آپ مر گیا۔

اس حقیقت کے پیش نظر جب ہم رحلتِ نبی کریمؐ کے بعد صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے لئے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے نظام کو جاری وساری رکھنے کیلئے ایک مجری کا ہونا ناگزیر ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ مجری بھی خداوند متعال کی طرف سے نبی کی طرح معین ہوگا جسمیں بشر کا کسی بھی حوالے سے کوئی کردار نہیں ہوتا؟

الف۔ بعض علماء حتی نوابغ روزگار کا بھی یہی خیال ہے کہ نبی کے بعد نظام کو جاری وساری رکھنے کیلئے مجری کے انتخاب میں بشر کا

کسی قسم کا کوئی کردار نہیں، غرض انتہائی شدت سے بغیر کسی نرمی اور آمادگی کے بحث و گفتگو میں کہا جاتا ہے کہ اس میں بشر کو کسی بھی حوالے سے کوئی حق نہیں۔

ہم اس مفروضے کی نفی میں قرآنِ کریم کی آیات اور سیرت نبی کریمؑ کے نمونے مرحلہ وار پیش کرتے ہیں:

☆ خداوند متعال نے کثیر آیات میں انسان کو روئے زمین پر اپنا خلیفہ قرار دیا ہے اور خلافت سے عہدہ برآ ہونا صرف اس صورت میں ممکن ہے جب انسان کے ارادے کا اس میں کوئی دخل اور اہمیت ہو۔

☆ قرآنِ کریم نے چندین آیات میں پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے ہر قسم کے تسلط و بالادستی اور جبر و اکراہ کو مسترد کیا ہے۔

☆ خداوند متعال نے دین اسلام کو عقل و فکر اور انتخاب کا دین قرار دیا ہے۔

☆ دنیا و آخرت کی سعادت و شقاوت کی ذمہ داری خود انسان پر عائد کی گئی ہے چنانچہ قرآنِ کریم میں کلمہ "عمل" اور اس کے مشتقات ۳۵۰ بار تکرار ہوئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نظام اوپر سے ٹھونسا گیا نظام نہیں بلکہ انسان کو از خود خیر و شر میں تمیز کر کے اسے انتخاب کرنا ہے۔

☆ دوسری ہجری، جنگ بدر میں جب پیغمبرؐ کو تین گنا زیادہ لشکر کا سامنا کرنا پڑا تو آپؐ نے اپنے اصحاب سے یہ نہیں فرمایا کہ ایک دن مرنا ہے تو کیوں جلدی مرنے کیلئے تیار نہ ہو جائیں یا تم سب موت کیلئے آمادہ ہو جاؤ آج تم حور و غلمان سے معانقہ کرو گے اور جنت میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرو گے ورنہ تم سب جہنم کا ایندھن بنو گے بلکہ آپؐ نے سب کو جمع کر کے فرمایا حالات تمہارے سامنے ہیں تم دیکھ رہے ہو کہ ہم کتنی تعداد میں ہیں اور دشمن کی تعداد کتنی ہے جب تک انصار نے آپؐ کو مشرکین سے لڑنے کا مشورہ نہ دیا آپؐ نے جنگ کا اعلان نہ کیا۔

☆ جب مدینہ پر احزاب نے لشکر کشی کی تو آپؐ نے اصحاب سے مشورہ کر کے جنگی حکمت عملی کا تعین کیا۔

☆ آدمؑ سے خاتمؐ تک آنے والے خدا کے برگزیدہ انبیاءؑ میں سے بہت کم کو حکومت قائم کرنے کا موقع ملا اکثر و بیشتر تبلیغ و ارشاد اور دعوت تک محدود رہے اسی طرح بعض انبیاءؑ، اولیاء، نقبا اور حواری اپنی امت کو چھوڑ گئے کیونکہ وہ امت پر مسلط نہیں تھے۔

☆ خلیفہ سوم کے قتل کے بعد مدینہ میں مسلمانوں نے امیر المومنین علیؑ کی خدمت میں اپنی بیعت پیش کیلئے حاضر ہوئے تو علیؑ نے اسے مسترد کر کے فرمایا "اسے تم کسی اور کے سپرد کر دو میں اس کی اطاعت اور مشورہ کیلئے معاون رہوں گا"۔ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی نظام خالص الٰہی یا خالص بشری نہیں ہے اور اس میں انسانوں کا کسی نہ کسی حوالے سے کردار ایک ناگزیر حقیقت ہے۔ بعض بزرگان سے نامعلوم وجوہات کے تحت یہ فرماتے ہوئے سنتے ہیں: "جب انسان اپنا ہاتھ کاٹ کر فروخت نہیں کر سکتا تو کیسے اپنے اور دیگر تمام انسانوں کے مقدرات کو ایک انسان کے ہاتھ میں دے سکتا ہے" معلوم نہیں انھوں نے یہ بات کیسے اور کس منطق کے تحت کہی ہے۔ اس وقت کے فقہا فرماتے ہیں انسان اپنے اعضاء و جوارح گردے، آنکھ اور دل وغیرہ فروخت کر سکتا ہے اگر پہلی بات درست ہے ہو تو یہ فتاویٰ کہاں سے صادر

ہوئے ہیں اسی طرح کہتے ہیں نابالغ لڑکی کے ولی کواس کے عقد کا حق حاصل ہے اور انسان خود کو کسی کی خدمت کیلئے سالہا سال پیش کرسکتا ہے تو پھر کیوں کر انسان اپنے اوپر ایک حاکم معین نہیں کرسکتا؟

ب۔ ایک گروہ پہلے گروہ کے بالمقابل کہتا ہے یہ حق صرف انسان کو ہی حاصل ہے اور اس میں خدا کا کوئی دخل نہیں، وہ اس سلسلے میں دنیا کے اندر رائج نظام جمہوریت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے ڈیموکریسی ''عوام کے ذریعے عوام پر حکومت کرنے کا نام ہے'' یہ بات دنیا کے مظلوم ومقہور اور مہذب وستم دیدہ بشر کو بہت پسند ہے اس نے انتہائی سادہ لوحی اور غفلت میں فاسدو خون خوار ہاتھوں خود کو فروخت کردیا جبکہ انہوں نے مثل یوسفؑ کم قیمت میں فروخت کرکے اس کے ساتھ عبد فراری وغلام جیسا سلوک کیا ہے یعنی کچھ مختصر سے انعام و جائزہ کے ساتھ دوبارہ اپنی غلامی میں پلٹا دیا ہے۔ ابھی تک پوری دنیا کے انسانوں نے بحیثیت بشر اس نظام سے کسی قسم کی خیر وخوبی نہیں دیکھی اور نہ آئندہ دیکھنے کی توقع ہے کیونکہ بشر میں بطور مستقل یہ صلاحیت اور اہلیت نہیں کہ اپنے تئیں ایسے فرد کا انتخاب کرسکے جو ہر قسم کی اقربا پروری، قوم پرستی اور دبا ؤ ولالچ میں آئے بغیر تمام انسانوں کو مساویانہ نظر سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو یا اسے اس پر گامزن رکھنے کیلئے مجبور کیا جاسکے، دنیا میں کسی بھی جگہ جمہوری آزادی اور عوامی حکومت کا سر سبز وثمر آور نظر آئے تو سمجھ لیں کہ اس درخت کی جڑوں میں دوسرے علاقے کے انسانوں کی لاشوں کو بطور کھاد اور ان کے خون کو پانی کی جگہ پر استعمال کیا جارہا ہے!

ج۔ روئے زمین پر چاہے حکومتِ واحدہ ہو یا متعددہ کوئی بھی حکومت اپنے رب کی رہنمائی کے بغیر کوئی نظام اور حکومت قائم نہیں کرسکتی اور نہ ہی اس کے اجراء کرنے والے کو از خود پیش کرسکتی ہے، اسلامی نظام کو خالص انسانی وعوامی نظام کہنا یا خالص ربانی والٰہی کہنا دونوں صورتیں اس نظام کو معطل ومعلق رکھنے کے مترادف ہیں۔

پہلے مفروضے کے تحت خلیفہ وحاکم کے انتخاب میں کسی کا کوئی دخل نہیں یہ مفروضہ بھی کارگر نہیں کیونکہ اس صورت میں آنے والے رہنما کا سلسلہ نبی پر ختم ہوجاتا ہے قرآن کریم کی آیات اور نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ دونوں ہمارے اس مدعا پر صادق وگواہ ہیں کہ یہ نظام الٰہی ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی وعوامی بھی ہے، انسان اپنے رب کی خوشنودی، اپنے بھائی کی بھلائی اور اپنی ذات کیلئے اطمینان وسکون کی ضمانت نظام اسلام کے قیام میں دیکھتا ہے اور اس میں اپنا کردار پیش کرنے کو اپنے لئے افضل ترین عبادت شمار کرتا ہے۔

خدا ہی کی طرف سے منتخب نمائندہ کا مفروضہ بطور نقباء، حواریین اور اسباط کی صورت میں ایک عرصے کیلئے تجربے وتربیت کے طور پر ممکن ہے چنانچہ امت کو اہل بیتؑ کی قیادت ورہبری کے سائے میں آنے کی سفارش کی گئی۔ یہ نظریہ ایک عرصے تک متصور تھا لیکن محدود تعداد کے بعد کسی فرد یا گروہ کے بارے میں اشارہ بھی کہیں سے نہیں ملتا ہے۔

قرآن کریم اور سنت رسولؐ کے دائرے میں رہتے ہوئے رہبر کو منتخب کرنے کا خواب ابھی تک امت کیلئے شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا ہے اگر اس سلسلہ میں کوئی ایران اسلامی کی حکومت پیش کرتا ہے تو انھوں نے دنیائے بشریت کیلئے اس کا دعویٰ کیا ہے

اور نہ دعوت دی ہے بلکہ یہ ان کی قوم وملت تک محدود ہے۔

اس سلسلے میں چند گزارشات درج ذیل ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ پیغمبر اسلامؐ، گیارہ آئمہ طاہرینؑ اور خلفائے راشدین اس دنیا سے گزر چکے ہیں ہمارا ان سے کوئی رابطہ نہیں حتی امام زمانہؑ سے بھی کوئی رابطہ نہیں، چودہ سو سال گزرنے کے بعد پیغمبر اسلامؐ کے متروکات میں سے اس وقت ہمارے پاس آپ کی چھوڑی ہوئی کتاب قرآن کریم ہے، جس سے ہم تمسک ووابستگی اختیار کر سکتے ہیں اسی میں ہماری سعادت وخوش بختی ہے بشرطیکہ ہم اس کی اتباع وپیروی کریں۔

۲۔ دین وشریعت ہر دور میں جہاں بھی ہو ایک محافظ اور ایک شارح کی محتاج ونیازمند ہے پیغمبرؐ کے غیاب میں کتاب خدا کی تفسیر وتشریح اور آپؐ کی سنت کی حفاظت وپاسداری ناگزیر تھی اس سلسلے ہے تو صدر اسلام میں خلیفہ کا تعین کرتے وقت امت اسلامی میں اختلاف وانتشار پیدا ہوا:

☆ ایک گروہ کا دعویٰ تھا پیغمبر اسلامؐ نے یہ مسئلہ اپنی حیات میں طے نہیں کیا اور اسے ہمارے اوپر چھوڑا ہے اب ہمیں ہی اسے طے کرنا ہے لیکن اس سلسلہ میں جو معیار ومنطق انہوں نے پیش کیا تھوڑے عرصے بعد خود ہی اس کی مخالف سمت پر چل نکلے اور اس سے منحرف ہوگئے۔

☆ دوسرے گروہ کا کہنا تھا پیغمبر اسلامؐ نے دین وشریعت کے کسی مسئلے کو ادھورا نہیں چھوڑا بلکہ اسے حتمی شکل دی ہے اور آئندہ کی حکمت عملی کا تعین بھی کیا ہے، اس تعین کی نوعیت وکیفیت ابتدائی مراحل میں بہت حد تک واضح وروشن تھی لیکن یہ منطق غیبت امام زمانؑ کے ساتھ ناقابل عمل بن گئی۔ اب ایک طلسماتی ونامرئی گروہ موجود ہے جو کلمات کی شکل وصورت بدلتے ہوئے ایک عصائے نامرئی چلا کر کہتا ہے ہمارے ہاں فقہاء کی حکومت ہے، اس دور میں امت اسلامی کیلئے ایسے افراد کا تعین اور تشخیص وانتخاب کیسے اور کن شرائط کے تحت ہونا چاہیے اس سوال کا جواب اور اس مسئلے کا حل قرآن حکیم کی آیات اور پیغمبر اسلامؐ کی سنت وسیرت طیبہ کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا۔ یہی وہ معیار واصول ہے جو پوری امت کیلئے قابل قبول ہے کیونکہ پیغمبر اسلامؐ کا لایا ہوا دین وشریعت بحیثیت خاتم نبوت "دین خاتم" ہے چنانچہ اس کے محافظ بھی اسی دین کے بیان کردہ اصول وضوابط کے تحت منتخب ہونے چاہئیں۔

۳۔ خداوند عالم نے پیغمبرؐ کو رسالت دی جسے قرآنی اصطلاح میں "دین وشریعت" کہتے ہیں، امت کی سعادت اور پیغمبرؐ کے ساتھ وفاداری اس میں ہے کہ امت سب سے زیادہ دین وشریعت کا پاس رکھے اور اس کو دیگر انسانوں کیلئے نمائش کے طور پر پیش کرے۔ تمام ادیان وملل کو مقابلے کی دعوت دی جائے کہ اس قسم کے امتیازات وخصوصیات کا حامل دین وشریعت کسی کے پاس ہے تو اسے پیش کریں ورنہ اس کے سامنے سر تسلیم خم ہو جائیں۔

خلفائے رسولؐ کے مصادیق بیان کرنے کے بعد اب ہم ان کے حقوق وامتیازات کے بارے میں بات کرتے ہیں۔

بنات وزوجات نبیؐ اورانصارومہاجرین میں سے کون مقدم ہوگااوراس سلسلے میں تشکیل دیئے گئے آئین کانظم ونسق کیا ہوگا؟ کس کوکس پر برتری حاصل ہوگی؟ کون داعی اورکون رعیت ہوگا؟ داعی کاانتخاب کون کرے گا؟ان تمام حقوق وامتیازات کا مصدرقرآن وسنت ہیں اوران دونوں کے مجموعے کانام اسلام ہے۔اگراسلام نہیں تو کسی کواحترام وامتیازاوربرتری دینے کا کوئی معنیٰ نہیں بنتا ہے پیغمبرؐ کے بعدامت کی جانشینی کیلئے درج بالامصادیق میں سے کس مصداق کی بنیادپرگذشتہ زمانے میں خلیفہ منتخب ہوااورآج طریقۂ انتخاب کیا ہوناچاہیے؟ پہلے ہم امت اسلام کے بارے میں بات کرتے ہیں۔

امت اسلام

پیغمبرؐ کے بعدامت چندگروہوں میں بٹ گئی:

۱۔ ایک گروہ ان افرادپر مشتمل تھاجنھیں اسلام کے طفیل مہاجرین کالقب ملا،انھوں نے کلمہ مہاجرین کوبنیادبناکرامت میں شگاف ڈالا۔

۲۔ دوسراگروہ فتنہ وجنگ میں ڈوبے ہوئے اوس وخزرج اہل مدینہ کاتھاانہیں اسلام کے طفیل انصارکالقب ملاانہوں نے اپنی خدمات کاصلہ خدااوراس کے رسولؐ سے لینے کی بجائے اقتدارکیلئے تگ ودو کی اوراپنی قدیم جغرافیائی یادکوتازہ کر کے دوبارہ دین میں عصبیت کوزندہ کیاانہوں نے مہاجروانصارکوبنیادبناکرکرسی اقتدارکی خواہش کی۔

۳۔تیسراگروہ ان افرادپر مشتمل تھاجنہوں نے کہاحقِ خلافت صرف پیغمبراسلامؐ کے خاندان کوہی حاصل ہے باقی ان کے غلام ومزارع ہیں انھوں نے تگ ودوکرکے کچھ جگہوں پراپنااقتدارقائم کیااورتسلط جمایا۔

۴۔چوتھااہل بیت کاگروہ تھاجن سے پیغمبرؐ نے دین وشریعت کے معاملے میں وابستگی رکھنے کی تاکیدکی لیکن اس میں کون آتا ہےاوراس سے مرادکون لوگ ہیں؟علیؑ اورآپ کےاصحاب نےاسلام کی بقااورامت اسلام کی وحدت کیلئےاقتدارکی رسہ کشی سے اجتناب کیاانھوں نے مصلحت اس میں گردانی کہ کم سے کم ایساتو نہ ہوکہ ان کے ہاتھوں یاان کی معاونت سے اسلام ومسلمین کی مقدرات پائمال ہوں یہ پیغمبرؐ کی تجہیزوتکفین میں مصروف رہے جبکہ مہاجرین کاایک گروہ اورانصارسقیفہ بنی ساعدہ میں جانشین پیغمبرؐ کےتعین کیلئے جمع ہوئے۔

سقیفہ بنی ساعدہ

قبیلہ خزرج کے سربراہ سعدؓ بن عبادہ کا گھر سے باہر باغ میں ایک خیمہ وسائبان تھا جہاں وہ اپنے قبیلے اور دیگر قبائل و عشائر کے لوگوں سے ملاقات کرتے تھے اور ان کو درپیش مسائل کیلئے صلاح ومشورہ اور حل و فصل پیش کرتے تھے،اس جگہ پر طویل عرصہ قبیلہ اوس کے خلاف جنگ وجدال کیلئے صلاح ومشورے ہوئے ۔اسلام آنے کے بعد اوس وخزرج کے سیاسی اور جنگی فیصلے اسلامی جنگ وجہاد کے فیصلوں میں تبدیل ہوگئے جنہیں مسجد نبویؐ سے صادر کیا جانے لگا تھا لیکن رحلت پیغمبر اسلامؐ کے فوراً بعد انصار پھر اس جگہ پر جمع ہوئے تاکہ رسول اللہ کی جانشینی کا مسئلہ طے کریں انصار کا خیال تھا کہ ہم پیغمبرؐ کے بعد آپؐ کی جانشینی کیلئے سے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ہم نے ایثاروفدکاری کی تاریخی مثال قائم کرکے اپنے خانہ وآشیانہ اور جان ومال ہر چیز کو پیغمبرؐ کے حوالے کیا اسی طرح مہاجرین کو پناہ دے کر جائیداد کے ارث میں اپنے غیر مسلم عزیزوا قارب کی جگہ وارث بنایا۔

سقیفہ کا سیاسی واجتماعی تجزیہ

بعض سیاسی اور اجتماعی تجزیہ وتحلیل نگار،سقیفہ کے بارے میں اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:

۱۔ سقیفہ اس جگہ کا نام ہے جہاں پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے فوراً بعد حب اقتدار کی ہوس نے جنم لیا۔

۲۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں سابقہ کینہ وعداوت اور مدفون عصبیت نے دوبارہ سر اٹھایا۔

۳۔ یہاں اسلام اور امت کے خلاف جلد بازی میں فیصلہ کیا گیا جو دلیل ومنطق اور استدلال سے عاری تھا۔

۴۔بعض کی نظر میں "یہ جگہ سب سے زیادہ متعفن ہے" ان کے خیال میں زہرا = کے دروازے پر آتش کا شرارہ علیؑ کی گردن میں رسن،امام حسنؑ کے جنازے پر تیر محراب مسجد میں علیؑ کے سر پر تلوار کی ضرب،کربلا میں امام حسینؑ کے گلو اطہر پر خنجر کا چلنا سب سقیفہ کی وجہ سے ہے۔ایسا نظریہ رکھنے والوں کے متعلق ایک مثال پیش کرتے ہیں

جس وقت جمال الدین افغانی ترکیہ میں قیام پذیر تھے ایران سے ایک بڑے عالم آئے اور شاہ ایران کے مظالم کی داستانیں انتہائی فصاحت وبلاغت اور آداب سخن کے ساتھ سنائیں جمال الدین افغانی نے ایک تبصرہ پر اکتفا کرتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے آپ روضہ خوان ہیں اور مسئلے کے حل کے خواہاں نہیں"۔

۵۔بعض کا کہنا ہے "سقیفہ کے بانی ومبانی شیخین تھے" لیکن معروف ومشہور اور غیر متردد حقیقت یہ ہے کہ جانشینی کے مسئلہ کو مسجد نبویؐ سے نکالنے کا کام انصار نے انجام دیا جو خلیفہ کی سند وخلعت کو سعدؓ بن عبادہ کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔

سقیفہ میں جو کچھ ہوا اس کی تمام روداد،فیصلہ ونتائج ہر ایک کا تفصیلی جائزہ لینے کی ضرورت ہے:

☆ جو لوگ اس فیصلے کیلئے جمع ہوئے کیا انہیں جمع ہونا چاہیے تھا؟

☆ کیا انہیں غائبین کا انتظار نہیں کرنا چاہیے تھا؟

☆ اگر اصحاب خلیفہ منتخب کرنے کیلئے جلدی نہ کرتے یا کچھ دیر کیلئے تاخیر کرتے تو اسلام و مسلمین کیلئے کون سے خطرات لاحق تھے جن سے نمٹنے یا بچنے کی خاطر انہوں نے اس میں جلدی کی؟

☆ جو فیصلہ سنایا گیا وہ قرآن وسنت کے مطابق تھا؟

☆ اس بات پر غور کیا گیا کہ اس فیصلے پر کیا برے اثرات مرتب ہوں گے؟

☆ جن لوگوں نے یہ فیصلہ کیا قرآن وسنت کی رو سے وہ کس حد تک جرم و جنایت کے مرتکب ہوئے ہیں؟

☆ عقل، قرآن وسنت اور پیغمبرؐ کے فرمودات کی روشنی میں مذکورہ فیصلہ کرنے والوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک ہونا چاہیے؟

☆ اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو کیا ابھی تک حالات بدستور اسلام کے فائدے میں رہتے اور حکومت اہل بیت اطہارؑ جاری رہتی یا پھر اتنے ناخوشگوار حالات پیش نہ آتے؟

☆ جن لوگوں نے یہ ماجرا بنایا ان کے سوابق کیا تھے وہ اسلام، پیغمبر اسلامؐ اور امت کے بارے میں خیر خواہ یا موقع پرست تھے۔

☆ قرآن کریم اور سنت نبی کریمؐ کے تحت اس عمل میں شریک افراد کن صفات سے یاد کئے جانے کے لائق و مستحق ہیں؟

سقیفہ میں طے ہونے والے مسائل کے حقائق پر اعتراف

۱۔ سقیفہ میں جمع ہونے والے افراد اور ان کے مخالف گروہ دونوں اسلام اور نبی اسلامؐ پر ایمان لانے فدا کاری اور خدمات پیش کرنے میں اپنے اپنے حفظ مراتب اور درجات کے تحت پہلے گروہ میں شامل تھے یعنی اسلام کے سابقین اور مجاہدین تھے انصار و مہاجرین دونوں اس مسئلے کے بارے میں حق رکھتے تھے چنانچہ کسی کو بھی غیر اور اجنبی قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہی لوگ نبی کریم کی ۲۳ سالہ امن و جنگ کی زندگی میں آپؐ کے معاون و مشیر تھے۔

۲۔ سقیفہ میں جمع ہونا، مسئلۂ خلافت پر غور وخوض کرنا اور اس پر فیصلہ سنانا اس میں سے کوئی بھی عمل کسی نظم ونسق اور آئین و دستور کے تحت نہیں طے پایا بلکہ یہ سب اچانک اور ہنگامی شور وشرابہ کے حالات میں ہوا۔

۳۔ اس پر تمام فرق اسلام کا اتفاق ہے کہ تاریخ خلافت میں انتخاب خلیفہ کا مستحسن اور مثالی خلفائے راشدینؓ تک محدود و محصور ہے کیونکہ خلافت کے امام حسنؑ سے معاویہ کے ہاتھوں میں بزور طاقت و نیرنگ چلے جانے کے بعد ہر قسم کے احترام و تکریم اور نمونہ کا دور ختم ہوگیا، بعد میں خلیفہ ہر حوالے سے قرآن وسنت کے سراسر خلاف منتخب ہوتا رہا اسی طرح نئے آنے والے خلفاء کی روش پہلے آنے والوں کی سیرت سے مختلف و متضاد اور بدتر رہی۔

۴۔ خلفائے راشدینؓ کا انتخاب کسی آئین و دستور کے مطابق انجام نہ پایا اس وقت زیادہ تر توجہ اسلام و مسلمین کے مفادات پر دی گئی لہٰذا انحرافات وجانبداری کے جو نمونے اس دور میں نظر آتے ہیں یا جو مسائل پیش آئے وہ باقاعدہ کسی سوچی سمجھی سازش اور منصوبہ بندی کا نتیجہ یا اسلام و مسلمین کو دبانے کیلئے درپردہ برے عزائم کے ثمرہ نہیں تھے بلکہ یہ سارے اقدامات لاابالی، ناسمجھی اور عجلت میں کسی اصول کو پیش نظر رکھے بغیر انجام دیئے گئے۔ اگر کوئی اسے باقائدہ سازش کا نتیجہ قرار دے تو

یہ بات کسی کیلئے بھی قابل فہم ودرک نہیں ہوگی ،اس قسم کی باتوں اور تصورات سے صرف طرفداری و جانبداری اور دلیل و برہان سے عاری وخالی فرقہ پرستی کی بو آتی ہے جوفرقہ پروری پر مبنی گمنام اور قیل وقال کے عنوان پر مجہول المولف کتابوں کی وجہ سے ہے۔انصار ومہاجرین سقیفہ بنی ساعدہ میں کیوں جمع ہوئے ،کیا فیصلہ ہوااور اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟اس بات پر تفصیل سے بحث وگفتگو کرنے کیلئے خود سقیفہ کا ایک تعارف رمزی پیش کرتے ہیں جس کے نیک وشوم کا آنکھ کھول کر جائزہ لیناہوگا۔

سقیفہ نیک وشوم سے مرکب

☆ نیک

اسلام کی قیادت ورہبری کیلئے کس کو انتخاب کیا جائے ،اس مسئلے کے حل کیلئے پہلی بار جمع ہونے والے سقیفہ میں انصار صرف اپنے آپ کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے جبکہ مہاجرین اپنی جلیل خدمات اور نبی کریمؐ سے انتساب کی بنیاد پر خود کو اس کا حقدار سمجھتے تھے دونوں کا مشترکہ ہدف اسلام تھا۔اس حوالے سے یہ اجتماع اسلام و مسلمین کے مفاد کی خاطر تھا نہ کہ اسلام و مسلمین کے خلاف ۔امام علیؑ اور آپ کے حامیوں نے آواز بھی اٹھائی اور فیصلے کو مسترد کیا لیکن بعد میں مزاحمت سے دست بردار ہوگئے لہٰذا کسی قسم کی کوئی بدمزگی وکشیدگی پیدا نہ ہوئی یہ خود اس سقیفہ کے اسلام و مسلمین کے حق میں ہونے کا واضح ثبوت ہے جیسا کہ حزب مخالف کے رئیس علیؑ بن ابی طالب نے یہ جملہ فرمایا:''واللہ لاسلمن ماسلمت امور المسلمین...''

☆ شوم

سقیفہ اس لئے تھا کہ یہاں نبیؐ کا جانشین انتخاب کرتے وقت سنجیدگی کے ساتھ قرآن وسنت میں موجود اصول وضوابط کا لحاظ نہ رکھا گیا اور خلیفہ کا بنیادی امتیاز انصار یا مہاجر ہونے کو قرار دیا گیا جو اسلامی تعلیمات کے حوالے سے واضح انحراف تھا کیونکہ خلیفہ و امام اور خلافت وامامتِ مسلمین انصار ومہاجرین کے علاوہ ہر جگہ، ہر زمان اور ہر نسل کے مسلمانوں کیلئے تھی ۔یہاں ایک ایسا فیصلہ بھی ہوا جس کا نتیجہ بہت تلخ اور بُرا نکلا اور اس سے عداوت ودشمنی پھیلتی گئی ،تاریخ بشریت میں کوئی جنگ اور مزاحمت اتنی مدت تک بپا نہیں رہی ہوگی جتنا اس فیصلے کے حق میں یا مخالفت میں انجانی قربانیاں دی جاچکی ہیں اور دی جارہی ہیں اور معلوم نہیں یہ جنگ ختم ہوگی یا نہیں؟اگر ختم ہوگی تو کب؟ ۔تاریخی سقیفہ اس حوالے سے شوم نہیں کہ اس میں شوریٰ کا عمل دخل تھا بلکہ شوم اس حوالے سے تھا کہ اس میں ''قوم پرستی اور جذباتی طریقے'' سے خلیفہ منتخب کرنے کا عمل انجام دیا گیا جو آگے جاکر ملوکیت کے ساحل پر لنگر انداز ہوا،یہ اس میں پائی جانے والی خرابی تھی ،پچیس (۲۵) سال بعد نہ شوریٰ رہی نہ غیر جانبدار طریقہ انتخاب بلکہ یہ عمل وراثت میں تبدیل ہوگیا ،یہاں تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ بدترین آمریت واستبداد کے حامی اور دفاع کرنے والے کس منہ سے شوریٰ اور سقیفہ کو برا کہتے ہیں جو اس وقت کی آمریت واستبداد کی نسبت کئی حوالوں سے بہتر ہے ۔اس کے جاری رکھنے سے کس کو فائدہ پہنچ رہا ہے؟ کیا یہ فیصلہ اسلام ،پوری امت مسلمہ، یا پھر کسی ایک فرد اور گروہ کیلئے شجرہ منحوسہ ہے؟اگر یہ شجرہ منحوسہ تھا

توشجرہ طیبہ کہاں ہے؟ کیا شجرہ طیبہ آئمہ طاہرینؑ سے مربوط تھا؟ پھر اس وقت کیلئے کیا ہوگا؟ اس مسئلے کیلئے بہت زیادہ پیچیدگی میں جانے کی ضرورت ہے جو اس وقت ہماری گنجائش سے باہر ہے اس سے یہ تأثر نہ لیا جائے کہ یہاں بحث سمیٹ کر موضوع کو نظر انداز کیا گیا ہے بلکہ ہم اپنے آپ کو قارئین کا مقروض سمجھیں گے زندگی رہی تو اس کی وضاحت کریں گے امت کیلئے سقیفہ کے ثمرات دانہ حنظل سے زیادہ تلخ ہیں یہاں ہم دو حقائق کو سامنے لانے کے خواہاں ہیں:

۱۔ سقیفہ کے فیصلے میں کردار ادا کرنے والے افراد کے کردار کو مسلمہ تاریخی اسناد کے ساتھ سامنے لانے کی ضرورت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے اور کسی کو گرا کر اس کے کردار کو غیر معمولی قرار دیا جائے اور کچھ کے کردار کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے اسی طرح قرآن و سنت کی روشنی میں سقیفہ کی خرابیوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ اس میں کہاں کہاں خرابی واقع ہوئی۔

۲۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اس فیصلے کے بارے میں ہر دور کے علماء، دانشمندان، مفکرین اور قاضیانِ عدل و انصاف نے صحیح معنوں میں عدل و انصاف روا رکھا ہے یا نہیں؟ ہم اس کے بارے میں چندین حوالے سے عدل و انصاف کے خواہاں ہیں امید ہے قارئین کرام خدا کو حاضر و ناظر جان کر اور خود کو محضر خداوندی میں جوابدہ سمجھتے ہوئے قرآن و سنت اور سیرت آئمہ طاہرینؑ کی روشنی میں اس کے متعلق عدل و انصاف پر مبنی فیصلہ سنائیں گے اور خود اس کے پابند رہیں گے۔

قرآن میں مخالفین کے ساتھ عدالت کرنے کا حکم

خداوند متعال فرماتا ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ "کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے" (مائدہ ۸)

عدالت اپنی جگہ زاویہ مثلث رکھتی ہے۔

۱۔ پہلے مرحلے میں امت کا ہر فرد عدالت دینے والا ہے۔

۲۔ حاکم کی طرف سے منتخب قاضی۔

۳۔ داعی اجراء عدالت اور عدالت خواہی کرنے والے چاہے ان کے ساتھ نا انصافی ہو۔

ان تینوں میں سے ہر ایک اپنی حیثیت سے عدالت قائم کرنے کی کوشش کرے یا کم از کم خود عدالت پر قائم رہے۔

دین مقدس اسلام کے دوام و بقا کیلئے سر چشمہ اور مصدر قرآن اور سنت رسول کریمؐ ہیں ان دونوں میں پیغمبرؐ کی دعوت کریمہ اور آپ کے کردار کے علاوہ آپ پر ابتدائی مراحل میں ایمان لانے والوں کے کردار کا ذکر آیا ہے، اسی طرح کتب سیرت میں خاص طور پر آپ کی وفات کے موقع پر اور وفات کے بعد مخالفتوں کا بھی ذکر آیا ہے بعض نے کہا اب تو ہماری باری ہے اور ہمیں ملنا چاہیے عادی اور طبیعی سنت و رواج کے تحت اس منصب کے حقدار ہونے کی منطق خاندان نبی بتائی گئی اور یہ نعرہ بلند کیا گیا

صرف پیغمبرؐ کے خاندان کو ہی یہ حق ملنا چاہیے اس پر کیونکر انصار یہ نہیں کہہ سکتے تھے یہ مقام پیغمبرؐ کے محسنین اور فدا کار میزبانوں کو ملنا چاہیے، ایک عام انسان کا اپنی خدمات جلیلہ کے صلے میں مقام و منصب کی توقع رکھنا خارج از قیاس نہیں اس تناظر کے تحت انصار بھی یہ امید رکھتے تھے کہ پیغمبرؐ کے بعد مقام و منصب کے وارث ہم ہیں تاہم صلاحیت و اہلیت اور منطق کو نظر انداز کرنے کے بعد خدمت کی بنیاد پر دونوں ایک ہی وزن رکھتے تھے چنانچہ دونوں نے مہاجر و انصار نعرہ بلند کرتے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ میں آواز اٹھائی اس سلسلے میں درج ذیل اصحاب نے شرکت کی۔

☆**سقیفہ میں انصار سے شریک اصحاب**

سعدؓ بن عبادہ	اسیدؓ بن حضیر	بشیرؓ بن سعد	منذرؓ بن ارقم انصاری	براءؓ بن عاذب

سقیفہ میں شریک انصار کے بارے میں چند کلمات پیش کرتے ہیں۔

سعدؓ بن عبادہ

سعدؓ بن عبادہ بن دیلم بن حارثہ بن ابی خذیفہ بن ابی خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج، کنیت ابو ثابت یا ابو قیس مدنی۔ ان کی ماں عمرۃ بن مسعود تھیں، یہ قبیلہ خزرج کے رئیس و آقا اور دور جاہلیت کے پڑھے لکھے طبقے میں شامل تھے۔ بیعت عقبہ کے موقع پر دیگر مسلمانانِ مدینہ کے ساتھ پیغمبرؐ پر ایمان لائے، بعد میں ایمان لانے والوں کی بنسبت زیادہ امتیاز کے حامل تھے۔ جب بیعت عقبہ کے اسرار قریش کیلئے فاش ہوئے اور انہیں پتہ چلا کہ اہل مدینہ نے محمدؐ کی بیعت کی ہے اور اب وہ مدینہ ہجرت کیلئے تیار ہیں تو ان پر جنون طاری ہوا اور انہوں نے حج کیلئے آئے ہوئے حجاج کا پیچھا کیا لیکن موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا البتہ یہ سعدؓ کو گرفتار کر کے کجاوے کی رسی کے ذریعے ان کے ہاتھوں کو پس گردن باندھ کر مکہ لائے، انھیں طرح طرح سے اذیتیں اور تکالیف دیں اور کہا تم نے ہمارے دشمن کو پناہ دی ہے جو لوگ انہیں اذیت و آزار پہنچا رہے تھے ان کو معلوم نہیں تھا کہ وہ جس شخص کو پکڑ کر اذیت دے رہے ہیں وہ اپنی قوم میں کیا مقام و منزلت رکھتے ہیں یہ صرف اپنے دل میں موجود غم و غصے کی تشفی کے طالب تھے۔ مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ نے آ کر سعدؓ کو ان سے چھڑایا کیونکہ ان دونوں کے قافلے مدینے سے گزرتے وقت ان سے پناہ لیتے تھے تاہم بجائے اس کے کہ سعدؓ مشرکین کے قہر و غضب سے جان بچاتے مزید پیغمبر اسلامؐ کے گرویدہ ہو گئے۔ ہجرت کے بعد اہل صفہ کے اسی (۸۰) افراد کو روزانہ کھانا کھلاتے تھے۔ غزوہ بدر کے سوا تمام جنگوں میں پیغمبرؐ کے ساتھ شریک رہے۔ جنگوں میں ان کا پرچم پیغمبرؐ اور آپ کی ازواج کے گرد گھومتا تھا، عام طور پر جنگوں میں مہاجرین کی طرف سے پیغمبرؐ کا پرچم علیؑ جبکہ انصار کی طرف سے سعدؓ اٹھاتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی انہیں انصار کا امیر بنایا گیا جونہی لشکر مکہ سے نزدیک ہوا تو انہوں نے اپنے ساتھ ہونے والے قریش کے سلوک کو دل میں رکھتے ہوئے نعرہ بلند کیا

اليوم يومُ الملحمة   اليوم تستحل الحرمة

''آج خونریزی اور مار دھاڑ کا دن ہے، آج حرمت حلال کر لی جائے گی''

عمرؓ نے بعض کے مطابق ابوسفیان نے پیغمبرؐ کو خبر دی کہ سعدؓ اس قسم کا نعرہ لگا رہے ہیں آپؐ نے جھنڈا ان سے لے کر انکے بیٹے قیسؓ کے حوالے کر دیا یہی قیسؓ بعد میں امیر المومنینؑ کی طرف سے مصر کے والی بنے۔ سعدؓ ابن عبادہ نے ابی بکرؓ کی بیعت نہ کی اور مدینہ سے شام کے علاقے بحوران منتقل ہو گئے وہیں وفات پائی ان سے اور ان کے بیٹوں سے کئی احادیث مروی ہیں۔

بشیرؓ بن سعد

بشیرؓ بن سعد بن ثعلبہ بن جلاس الخزرجی دورِ جاہلیت کے پڑھے لکھے لوگوں میں سے شامل تھے جنگ بدر میں پیغمبرؐ کے ساتھ شریک تھے، ایک قول کے مطابق عمرۃ قضاء کے موقع پر انہیں مدینے کا والی مقرر کیا گیا انھوں نے سب سے پہلے ابوبکرؓ کی بیعت کی تا کہ خلافت ان کے چچا زاد سعدؓ بن عبادہ کو نہ ملے۔ بارہ ہجری جنگ یمامہ میں عین التمر کے مقام پر شہید ہوئے انکا بیٹا نعمان جنگ صفین کے موقع پر امیر المومنینؑ کو چھوڑ کر معاویہ کے ساتھ مل گیا اور کوفہ کا والی بنا۔

اُسیدؓ بن حضیر

اُسیدؓ بن حضیر بن سماک بن عتیک انصاری الشہلی کنیت ابو یحیٰ حضیر قبیلۂ اوس کے رئیس تھے، دورِ جاہلیت میں ان کا اشراف عرب اور جنگجوؤں میں شمار ہوتا تھا، اسید بھی اپنے والد کے مقام و منزلت اور شجاعت کے وارث تھے جب مدینے میں پیغمبرؐ کے نمائندے مصعبؓ بن عمیر تشریف لائے تو انھوں نے ان کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ ہجرت سے قبل عقبہ میں پیغمبرؐ کی طرف سے متعین بارہ نقبا میں سے تھے، ان کی جنگ بدر میں شرکت کے حوالے سے اختلاف ہے۔

☆سقیفہ میں مہاجرین سے شریک اصحاب

ابوبکرؓ بن ابی قحافہ	عمرؓ بن خطاب	ابوعبیدہؓ عامر بن الجراح

یہاں پر ابوعبیدہ کے بارے میں چند کلمات پیش کرتے ہیں۔

ابوعبیدہؓ عامر بن الجراح

فرزندِ جراح بن ہلال بن اہیب بن ضبۃ بن الحارث بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ تھے انہوں نے عثمانؓ بن مظعون کے ساتھ ابوبکرؓ کے توسط سے اسلام قبول کیا، دوسری مرتبہ حبش کی طرف ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔ بدر اور دیگر جنگوں میں شرکت کی جنگ احد کے موقع پر پیغمبرؐ کے ساتھ رہے۔ آپ کو اہل یمن کی درخواست پر تعلیم اسلام کیلئے بھیجا گیا آپ اور معاذؓ بن جبل خلیفہ دوم کے دورِ حکومت میں اردن کے اندر مرضِ طاعونِ عمواس کی وجہ سے ۵۸ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

☆انصار و مہاجرین سے سقیفہ میں شریک نہ ہونے والے جید اصحاب

علی بن ابی طالبؑ	عباسؓ بن عبدالمطلب	فضلؓ بن عباس	زبیرؓ بن عوام	خالدؓ بن سعید
سلمانؓ فارسی	ابوذر غفاریؓ	عمار یاسرؓ	ابیؓ بن کعب	مقدادؓ بن عمرو

سقیفہ میں جذبات کا طوفان اور سنجیدگی کا فقدان

تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ سقیفہ میں دلیل و منطق نامی کوئی چیز نہیں تھی وہاں جذبات اور ایک دوسرے کی توہین و اہانت کا طوفان زور پر تھا بعض سیرت نگار اس جذباتی طوفان کی تفسیر و توجیہ کے متعلق لکھتے ہیں ''نبی کریمؐ کی رحلت کی وجہ سے امت بدحواس اور پریشان ہوگئی تھی چنانچہ انھیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا'' یہ بات درحقیقت اس اصطلاح کا حصہ ہے جہاں لوگ کہتے ہیں ''عذر گناہ بدتر از گناہ ہے''۔

پیغمبرؐ کی وفات پر مسلمانوں کے کرب و اضطراب کی کوئی انتہا نہیں تھی، آپ کی ذات کے فقدان پر گریہ کا مظاہرہ کرنا اور مضطرب و پریشان ہونا ان کا حق تھا لیکن اس کا مظاہرہ پیغمبرؐ کے گھر کے احاطے میں ہونا چاہیے تھا نہ کہ اقتدار و منصب کی رسہ کشی کے ساتھ!؟ یہ کہنا درست ہے کہ یہاں سنجیدگی و پختگی نامی کوئی چیز نہیں تھی، تاہم جن مہاجرین اور انصار نے یہاں اجتماع کیا اور پیغمبرؐ کی جانشینی حاصل کرنے کی طرف سبقت کی وہ پیغمبرؐ کے ۲۳ سالہ دور میں آپؐ کے ہم بزم، ایثار و قربانی دینے والے اور فداکار افراد تھے اس موقع پر آپؐ کے اصحاب دو گروہوں میں تقسیم ہوئے ایک نے اقتدار کی رسہ کشی میں حصہ لیا جبکہ دوسرے نے سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔ ان کے سنجیدہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ انھوں نے نادرست قرار دینے کے باوجود اس فیصلے کو خلفاء سے زبان و عمل کے ساتھ تعاون و ہمکاری کا مظاہرہ کیا۔

انتخاب سقیفہ اور اس کے شوم نتائج

سقیفہ میں جانشینِ رسول اللہؐ منتخب کرتے وقت رسالت اسلام اور قرآن و سنت سے ماخوذ قابل ہضم اور گوارا اصول وضع نہ کرنے کی وجہ سے اچھے نتائج برآمد نہ ہوئے بلکہ یہاں جو کچھ ہوا وہ بقول خلیفہ دوم ''ایک ہنگامی فیصلہ تھا خدا ہمیں اسکے شر سے بچائے'' آیا اس کے بعد بھی خلیفہ کا انتخاب ہمیشہ ہنگامی حالات کی نذر ہوتا رہا؟ اس کے بارے میں معلوم نہیں البتہ وہ طلعیۃ الاسلام افراد کا زمانہ تھا جو پہلے کاروان سے تعلق کی بنا رسول اللہؐ سے قریب تھے لہٰذا اسلام و مسلمین کا بہت خیال رکھتے تھے۔ خلافت کے ملوکیت میں بدلنے سے بہت برے نتائج نکلے جس میں جائے شک و تردید نہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے آثار کہاں تک باقی رہے؟ اسی طرح یہ سوال قابل غور ہے اگر سقیفہ میں خلیفہ کا انتخاب نہ ہوتا اور امام علیؑ کو ہی خلافت ملتی تو کیا آج بھی یہ سمت برقرار رہتی اور دنیا اس حیات بخش شجرۂ مبارکہ کے ثمرات سے لطف اندوز ہوتی رہتی؟ اس فکر و نظر کی کیا منطق اور ضمانت ہے؟ بعض کہتے ہیں ''ابوبکرؓ و عمرؓ اپنے ۱۴ سالہ دور خلافت میں باطل کی جڑوں کو امت کی سوچ کی گہرائیوں تک لے جانے میں کامیاب ہوئے جس سے ظلم و ستم کو ہمیشہ کیلئے فروغ ملا اور عدل و انصاف کا مستقل خاتمہ ہوا۔ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے قدم کس نے جمائے، ظلم کی بنیاد کس نے رکھی خلفائے ثلاثہ ہی تو اس کے ذمہ دار ہیں ایسے لوگوں کے خلیفہ بننے کا یہی حشر ہونا تھا اگر قیادت سقیفہ میں امام علیؑ کو ملتی تو سلسلۂ خلافت ہمیشہ آئمہؑ ہی کے ہاتھ میں رہتا'' یہ باتیں عقل اور واقعیت کے خلاف ہیں اس حوالے سے چند نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ اس نظریہ وسوچ کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ اپنے دور کے انتہائی ذہین، مدبّر وصاحبِ حکمت، قابل ولائق اور مقتدر انسان تھے اگر چہ باطل پر ہی کیوں نہ تھے جبکہ رسول اللہؐ اپنے بعد دعوتِ حق کو ایک ہفتہ یا ایک ماہ تک طول دینے میں کامیاب نہ ہوئے اور اپنی دعوت کو صحیح راستے پر قائم ودائم رکھنے کیلئے نعوذباللہ آپؐ میں اتنی صلاحیت واہلیت نہیں تھی یا یہ کہ کلمہ حق میں ہی یہ گنجائش نہیں کہ وہ صالح قائد کے بغیر چند دن بھی زندہ رہے۔ اگر قیادت صحیح ہاتھوں میں آنے کے بعد ہمیشہ انھی میں باقی رہتی ہے تو نعوذباللہ پیغمبر اسلامؐ کو سب سے زیادہ ناکام امام سمجھا جائے گا کیونکہ آپؐ کے بعد بلا فاصلہ خلافت غلط ہاتھوں میں گئی اگر آپ کا یہ فلسفہ صحیح ہے تو معاذاللہ رسول اللہؐ بھی خلافت دوسروں کے ہاتھوں میں جانے کے ذمہ دار ہونگے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو قرآن کریم کی اس آیت کا کیا معنی لیا جائے گا جہاں خداوند عالم فرماتے ہیں کلمہ حق کی جڑیں انسانی ذہن کی تہہ تک چلی جاتی ہیں، اس کے تنے آسمان تک پھیل جاتے ہیں اور باطل کی مثال گھاس پھوس کی مانند ہے جو زمین کی سطح پر اُگتا ہے اور پھر ختم ہو جاتا ہے۔

۲۔ یہ منطق ایک مسلمہ حقیقت ہے تو کیونکر امام حسنؑ کو ہاتھوں سے خلافت غلط ہاتھوں میں گئی؟ اگر غلط آدمی کو آگے کرنے سے ظلم وستم کا سلسلہ ہمیشہ قائم ودائم رہتا ہے تو کیوں کر اس سلسلہ میں ”معاویہ بن یزید“ اور ”عمر بن عبدالعزیز“ جیسے نیک نیت خلفاء میدان میں آئے اور ان کو کون آگے لایا؟ کیا ان کے بعد آنے والے ظالم حکمرانوں کو یہ شریف لوگ لائے تھے اگر یہ دعویٰ سُنت پر قائم ہے تو ایک سنت میں تفکیک وتقسیم نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کی باتیں آئمہؑ کی محبت یا حمایت میں نہیں کہی جاتی ہیں بلکہ یہ جادۂ اسلام کو مخدوش پیش کرنے والوں کے برے عزائم کی پہچان ہے۔ حمایت ومخالفت کی ایک چار دیواری ہوتی ہے، اس کے اندر رہتے ہوئے حمایت ومخالفت کرنے والے کو انصاف وعدالت خواہ کہتے ہیں، بعض ملکوں میں احتجاج کیلئے مخصوص جگہیں معین کی گئی ہیں اگر کوئی ان سے باہر احتجاج کرے تو خود اسے ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ دین اسلام کی چار دیواری درج ذیل عناصر سے مبنی ہے جس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

شریعت کی سرحدیں

۱۔ اصول وعقائد ثلاثہ: ☆ توحید ☆ رسالت ☆ آخرت
۲۔ عبادت وبندگی: ☆ نماز ☆ روزہ ☆ حج
۳۔ اجتماعیات: ☆ جہاد ☆ امر بالمعروف نہی از منکر
۴۔ اقتصادیات: ☆ زکوٰۃ ☆ مال انفاقات

ان سرحدوں سے نکلنے والوں کو سزا دی جائے گی۔

خلفاء تمام انحرافات کے ذمہ دار؟

بعض کہتے ہیں سقیفہ کے بعد سے اب تک جاری مظالم کی بنیاد سقیفہ میں رکھی گئی اگر اصحاب غدیر خم میں نبی کریمؐ کی جانب سے کئے گئے اعلان پر عمل درآمد کر کے خلافت علیؑ کے حوالے کر دیتے تو شاید جمل وصفین اور نہروان کی جنگیں وجود میں نہ آتیں،

نہ علیؑ شہید ہوتے نہ امام حسنؑ کو خلافت سے دستبردار ہونا پڑتا، نہ امام حسینؑ کو کربلا آنے کی ضرورت پڑتی، نہ یزید جیسا شقی انسان امام حسینؑ کو شہید اور اہل بیتؑ کو اسیر کرنے کی جرأت کرتا جیسا کہ انہوں نے یک بعد دیگر شام میں ابوسفیان کے بیٹوں کیلئے حکومت کی بنیاد ڈالی چنانچہ اول وسوم کے دور میں مزید ان کی پشت پناہی ہوتی یہاں تک کہ ایک طاقتور بادشاہ بن گئے اس نے علیؑ کے خلاف جنگ لڑی اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے بعد دیگر غاصبین وظالمین کا تسلسل رہتا نہ اگلے مرحلے پر بنی عباس کے مظالم و زیادتیاں ہوتیں، نہ مشرکین مسلمانوں کی سرزمین پر حاکم ہوتے، نہ خلافت عثمانی شیعہ کش حکومت کا اقتدار سرزمین اسلام پر وسیع و عریض حد تک پھیلتا۔ اس طرز فکر کو اپنانے والے طبقے کی درج بالا باتوں کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات ہوسکتے ہیں:

۱۔ خلفاء کے پچیس (۲۵) سالہ دور حکومت کے بعد شوق ورغبت اور کسی کی منت وسماجت کے بغیر خلافت علیؑ کے سپرد کی گئی جیسا کہ امیر المومنین علیؑ اور آپ کے چاہنے والوں کی خواہش تھی جسے آپ نے بھی قبول فرمایا اور حکومت کے انتظام و انصرام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا علیؑ اسی خلافت کی گاڑی میں سوار ہوئے جسے خلفاء نے چھوڑا تھا بتائیں علیؑ کے خلافت پر آنے کے باوجود یہ سب کچھ کیسے اور کیوں باقی رہا؟

۲۔ بقول آپ کے اگر ظلم وستم کی بنیاد خلفاء نے ہی ڈالی تھی تو علیؑ نے ان غاصبین کا وقتاً فوقتاً ساتھ دے کر ظلم وستم کی بنیاد پر قائم حکومتوں کو استحکام اور دوام کیوں بخشا؟

۳۔ اسلام اور علیؑ کے مذہب میں ظالمین کا ساتھ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے تو پھر علیؑ خود اپنی آخری وصیت میں حضرات حسنینؑ سے یہ کیوں فرمایا: ہمیں ظالم کے خلاف نبرد آزما ہو کر مظلوم کا ناصر و مددگار بننا ہوگا، اگر خلفاء ظالم تھے تو آپ نے کیونکر ان کے خلاف نبرد آزمائی کو جاری نہیں رکھا۔ اگر علیؑ کو خلافت سے محروم کرنے سے آپؑ کے خاص معتقدین اور ہمنوا و شیدا دوستوں کی حوصلہ شکنی ہوئی اور انھیں مایوس ہونا پڑا تو انہوں نے کیوں خلافت میں شرکت کی؟

۴۔ لوگوں نے بڑی خوشی سے امام حسنؑ کی بیعت کی چھ (۶) ماہ بعد آپؑ اس وقت کا ایک بڑا لشکر مدائن لے کر گئے لیکن خلافت فریق مخالف کے سپرد کر کے دست خالی گھر واپس آئے۔

۵۔ اگر یہ منطق درست تھی تو معاویہ جس نے چالیس سال شام پر حکومت کی اس نے یزید کو بزور طاقت پوری امت کی امنگوں کے خلاف ولی عہد بنایا لیکن وہ اسے اپنی نسل میں جاری نہ رکھ سکا اور خلافت غیر متوقع طور پر ایسے افراد کے ہاتھوں میں چلی گئی جن کیلئے ایسے مقام و منصب کا ملنا وہم وگمان میں بھی نہیں تھا بلکہ معاویہ نے اس کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا یہاں چند سوالات پیدا ہوسکتے ہیں یعنی خلافت مراون کے ہاتھ کیسے لگی؟ عثمانؓ کے قتل کے بعد یعنی ۳۶ھ سے ۶۴ھ تک کے عرصے میں مروان کونسی طاقت وقدرت جمع کرنے میں کامیاب ہوا؟

۶۔ خلافت بنی امیہ کے سو (۱۰۰) سالہ دور کا خاتمہ کس نے کیا؟ کن وجوہات کی بنا پر ان کی حکومت صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئی؟ بنی عباس امت اسلامی میں اولاد علیؑ وزہراؑ سے زیادہ عزیز وار جمند نہیں تھے لیکن انھوں نے خلافت کی کرسی پر کیسے قدم

جمائے؟ کونسی علمی واقتصادی توانائی اور طاقت وقدرت تھی جس نے پانچ سو(۵۰۰) سال سے زیادہ بنی عباس کی مسند خلافت کو دوام بخشا۔

۷۔ ابوسفیان نے اسلام کے ساتھ دس (۱۰) سال تک دشمنی روا رکھی اس کے باوجود نبی کریمؐ نے فتح مکہ کے موقع پر اس کے گھر کو امان گاہ قرار دے دیا، کیا ابوسفیان کو پیغمبرؐ کے اس اقدام سے مقام نہیں ملا۔

۸۔ پیغمبر اسلامؐ نے غزوہ حنین کے موقع عتاب اسیود کو مکہ کا والی بنایا بعد میں ابوبکرؓ نے انہیں اس عہدے پر باقی رکھا۔

اگر خلفاء تمام غلط چیزوں کی بنیا وڈالنے والے تھے تو ہر دور میں اقتدار ان کے منظورِ نظر لوگوں کے ہاتھوں میں ہونا چاہیے تھا، اس حوالے سے چند کلمات پیش کرتے ہیں۔

☆ خلافت کیلئے خلیفہ اوّل نے اپنے بیٹوں میں سے کسی کو نامزد نہ کیا اور نہ ہی اپنے خاندان سے کسی کو نامزد کرنے کی خواہش ظاہر کی جبکہ فاطمیوں اور صفویوں کے ادوار میں نابالغ، شیر خواروں اور ماں کے شکم میں موجود بچوں کو بھی جانشین بنایا گیا۔

☆ خلیفہ دوم نے بھی اپنے دورِ خلافت میں اپنے کسی بیٹے کو نہ کوئی اہم عہدہ دیا اور نہ ہی اپنے بعد کسی کو نامزد کیا حتیٰ کہ انھوں نے خلافت کیلئے اپنے خاندان کے کسی فرد کے انتخاب پر زور نہیں دیا البتہ انھوں نے ایک شوریٰ بنائی جس کے ذریعے جہاں ایک طرف علیؑ کو نظر انداز کرنے یا کنارے پر لگانے کی کوشش کی وہاں اپنے خاندان کے افراد کو بھی اس سے دور رکھا۔

☆ خلیفہ سوئم کا نام اقربا پروری کی وجہ سے خلفائے راشدین میں دھندلا نظر آتا ہے کیونکہ ان کی طرف سے ایسی اقربا پروری ہوئی جس کے تحت نبی کریمؐ کی نظر میں مردود، قتل کے مستحق مجکومین قتل اور مرتدین اسلام کو روک ٹوک اور لجام کے بغیر مسلمانوں کی مقدرات پر تسلط حاصل ہو گیا لیکن ان کے وہ کون سے چاہنے والے تھے جو ان کی وفات کے بعد بھی اعلیٰ عہدے پر فائز رہے ان کے بیٹوں کو کوئی بھی منصب یا عہدہ نصیب نہ ہوا، لہٰذا یہ کہنا عقل وشرع کے تحت صحیح نہیں ہے کہ "خلفاء نے ظلم کا بیج بویا یا ظلم کی بنیاد رکھی آجکل برسر اقتدار مسلمانوں پر کفر وشرک کا غلبہ اسی وجہ سے ہے" اسے دشمنی پر مبنی بات قرار دینا بھی درست نہیں بلکہ اسے بے عقلی اور دیوانہ پن میں کہی جانے والی بات قرار دیا جا سکتا ہے یا موجودہ ظالمین کے اوپر چادر چڑھانے کی بات ہے۔

☆ کہتے ہیں "خلفاء نے برسر اقتدار آنے کے بعد اپنے چاہنے والوں کو اقتدار پر لا کر اس کی جڑیں مضبوط کیں، جس کی وجہ سے ان کے دورِ حکومت نے طول پکڑا" اگر یہ اصول مسلمہ ہے تو اس بارے میں حقیقت کو اہل حق کے اقتدار کی روشنی میں دیکھنا ہوگا۔ آیئے علیؑ کی طرف سے اقتدار میں شامل ان کے چہیتے اور گرویدہ افراد، رشتہ داروں اور دوستوں کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں جنھیں آپ نے اپنے دورِ خلافت میں والی بنایا ان کا نہج البلاغہ میں ذکر ہوا ہے:

۱۔ **عبداللہؓ بن عباس:** یہ آپؑ کے چچا زاد بھائی تھے انہیں بصرہ کا والی بنایا، : کتب ۱۸، ۲۲، ۳۵، ۶۶، ۷۲، ۷۲ اور ۷۶

۲۔ **قثمؓ بن عباس:** یہ عبداللہؓ بن عباس کے بھائی تھے انھیں مکہ کا والی بنایا: کتب ۳۳، ۶۷

۳۔ **عقیلؓ:** یہ آپؑ کے بھائی تھے انہیں بھی والی بنایا: کتب ۳۶

۴۔ **محمد بن ابی بکرؓ:** ان کے بارے میں آپ فرماتے تھے یہ میرے پروردہ ہیں: کتب ۲۷، ۳۴

۵۔ **عثمانؓ بن حنیف انصاری:** یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے ام المومنین اور طلحہ وزبیر کے لشکر سے مار پیٹ کھانے کے باوجود ان کا ساتھ دینے سے انکار کیا اور علیؑ کی صف میں شامل ہو کر بصرہ کے لوگوں کو اہل بیتؑ کا گرویدہ بنایا جہاں امامؑ نے انھیں والی بنایا تھا: کتب ۴۵

۶۔ **کمیل بن زیاد:** انہیں بیت المال کا والی بنایا: کتب ۶۱

۷۔ **سہل بن حنیف انصاری:** انہیں مدینہ کا عامل بنایا: کتب ۷۰

علیؑ نے صحیح وصالح اور باایمان افراد کو چن چن کر والی منتخب کیا جبکہ خلفاء نے جانتے بوجھتے مشکوک افراد اور اسلام کے دیرینہ دشمنوں کو مقدرات اسلامی پر مسلط کیا حالانکہ مشتبہ افراد کو مناصب اسلامی پر مسلط کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا؟ اگر خلفاء نے اسلام کے اصولوں کو یکسر نظر انداز کر کے صرف اور صرف اپنے عزیز ترین افراد اور خاندان کے لوگوں کے لئے جگہ بنائی ہوتی تو ان کے بعد انہی کی حکومت ہوتی جس میں خلفاء کے بیٹے اہم عہدوں پر فائز ہوتے۔ یہ بات عقل وشرع کے حوالے سے قرین قیاس بھی نہیں ہوتی ہے۔ تمام ادوار کا بغور جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ خلفاء کے منظور نظر افراد کو دوام وبقا نہیں مل سکا کیونکہ کسی کے محض چاہنے سے دنیا میں کوئی بھی حکومت دوام وبقا کی منزل پر قائم نہیں رہ سکتی۔ دراصل دنیا مفاد پرستوں کی جگہ ہے جہاں اقتدار پر آنے کے بعد خدا، آخرت اور رسول کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ ذاتی مفادات پیش نظر رکھتے ہیں یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ بیٹے نے باپ، باپ نے بیٹے، بیوی نے شوہر، بہن نے بھائی کو قتل کر کے کرسی اقتدار پر قدم جمائے جیسا کہ خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس نے اپنے ولی عہدوں سے جبری استعفیٰ لیا یا قتل کروایا۔

سقیفہ کی طرف سرعت وسبقت کیوں اور کیسے؟

مہاجرین وانصار، ایثار وفدا کاری کے درخشاں ستاروں نے اتنی عجلت میں بغیر کسی تمہید واعلان کے اجتماع کیوں کیا، اس کا جواب ہر انسان کے اندر پوشیدہ غریزہ، سود جوئی اور مفاد پرستی کی تفسیر وتشریح میں ملے گا۔ مفاد یعنی انسان کا فائدے کی خاطر حرکت وجنبش میں آنا، کسی فائدے کو مدنظر رکھ کر عمل کرنا وغیرہ یہ عمل کس حد تک قباحت رکھتا ہے اور اس کی کہاں تک اجازت ہے اس کو سمجھنے کیلئے عقلی اور منطقی تجزیہ وتحلیل کی ضرورت ہے، جب تک ہم مفادات کے حسن وقبح اور اجازت کے بارے میں صحیح فیصلہ اور حقیقی تصور قائم نہیں کریں گے اس وقت تک ہم تاریخی واقعات میں لوگوں کی گیرائش کے بارے میں فیصلہ نہیں کر سکتے، دیکھتے ہیں کہ مفاد وگیرائش کسے کہتے ہیں۔

انسانی زندگی کے تمام نشیب وفراز، حرکت وسکون اور فکر ونظر مفاد وگیرائش کا معلول ہیں، علمائے کلام نے دین پر ایمان لانے کیلئے تحقیق کو ضروری قرار دیا ہے انہوں نے دین میں تحقیق کی ضرورت کو جلب منفعت اور دفع ضرر پر قائم کیا ہے اس کو عام

اصطلاح میں سود جوئی اور مفاد پرستی کہتے ہیں ۔ اجر و ثواب کے طور پر جنت اور جہنم کا عذاب وغیرہ اسی فلسفے کا حصہ ہیں، انسان کی تمام سرگرمیاں چاہے روحانی ہوں یا جسمانی، دنیاوی ہوں یا اخروی سب اسی فلسفہ پر قائم ہیں دعوت آخرت دینے والے بھی اسی فلسفے سے استدلال کرتے ہیں ۔ تمام انسان جلبِ منفعت اور دفعِ ضرر کسی فائدے کی کشش یا کسی نقصان و ضرر کو دور کرنے کیلئے کرتے ہیں ۔ دنیا میں کسب و کاج، مال و دولت، ترقی و تمدن کی طرف دعوت دینے والے اسی فلسفے کو بنیاد بناتے ہیں ۔ فائدہ کی تشخیص اور مقدار کا تعین اپنی دل بخواہ اور مرضی سے کیا جائے تو یہ دنیا ایک جنگل ہے دنیا میں موجود استحصال اسی سے جنم لیتا ہے لہٰذا اسے ایک ایسی ہستی کی طرف سے ہونا چاہیے جو خود ہر قسم کے فائدے سے بے نیاز اور نقصان سے محفوظ ہو، اسی کا نام دین اور شریعت ہے انسان دنیا میں فائدہ جوئی کیلئے کس حد تک وحی سے نزدیک اور کتنا وحی سے دور ہے اس نقطے کا اندازہ لگانے کیلئے فائدہ کی تقسیم بندی پیش کرتے ہیں ۔

۱۔ **دنیوی فائدہ:** جو شخص دنیا کا فائدہ حاصل کرنے کیلئے خود کو غرق اور محو کرے اسے تو در کنار دنیا میں بھی چین و سکون کی زندگی میسر نہ ہوتی ۔

۲۔ **اخروی فائدہ:** اگر ایک شخص صرف اور صرف آخرت کے فائدے کا خواہاں ہو اور دنیا سے بے نیاز و نالاں ہو تو وہ دنیا میں شقاوت و بدبختی اور فقر و محرومیت کی زندگی گزارنے کے باوجود آخرت میں بھی بے بہرہ رہے گا کیونکہ آخرت کا زادِ راہ اسی دنیا سے بھیجا جاتا ہے اگر کسی کو یہ توفیق نہ ہو کہ آخرت کیلئے کچھ فائدہ یہاں سے بھیجے تو وہاں محروم و فقیر اور دست خالی رہے گا ۔

۳۔ **انفرادی فائدہ:** ایسے انسان کو اپنے علاوہ کوئی اور چیز نظر نہیں آتی چاہے دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے اسے پروا نہیں ہوتی یہ صرف اپنے فائدے کا خواہاں ہوتا ہے، یہ کسی قسم کی عزت اور احترام کے لائق نہیں خدا بھی اس سے ناراض ہے اور خلق خدا بھی اس سے نالاں ہے ۔

۴۔ **اجتماعی فائدہ:** بعض انسان اپنے فائدے کو نظر انداز کرکے اجتماعی فائدے کی خاطر خود کو وقف کرتے ہیں انکی بھی اقسام ہیں:

☆ جس انسان نے اپنے لئے کسی قسم کا فائدہ ملحوظ خاطر رکھے بغیر خود کو اجتماع کیلئے وقف کیا ہو اس کی تفسیر عقلی طور پر ممکن نہیں ہے کیوں کہ ایسے انسان کے بارے میں دیوانگی، غفلت، کم عقلی اور سحر شدہ ہونے کا تصور زیادہ قرین صحت ہے ۔

☆ جو انسان خود کو دنیا میں اجتماع کی سعادت کیلئے وقف کرتا ہے اور اپنے لئے کسی قسم کے دنیاوی فائدے کو نظر میں رکھے بغیر صرف آخرت کیلئے فائدہ ذخیرہ کرتا ہے ایسا انسان، انسانِ عاقل و کامل ہے کیونکہ آخرت اس کے نزدیک روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے اور وہ دنیا کو ایک گذرگاہ اور آخرت کی تجارت گاہ سمجھتا ہے ۔ انبیاء کرامؑ اسی گروہ سے تھے ہمیں اس وقت نبی کریمؐ پر ایمان لانے والوں کے آپ کی حیات اور آپ کے بعد سود جوئی اور مفاد پرستی کے رجحانات پر غور کرنا ہے امت اسلام میں یہ صفات روزِ اول سے موجود ہیں ۔ جب نبی کریمؐ امت میں موجود تھے تو امت کا کوئی شخص اعتدال کی راہ سے باہر نکلنے کی ہمت و جرأت نہیں کرتا تھا یا کبھی کبھار ایسی صورت حال پیش آنے پر لوگ بہت جلد پشیمان ہو جاتے

تھے جیسا کہ غنائم حنین کی تقسیم کے موقع پر انصار کی انحرافاتی خطورات کو پیغمبر اسلامؐ اعتدال میں لائے لیکن آپؐ اور امت کے درمیان قبر مطہر کا فاصلہ آنے کے بعد اس ہستی کے سامنے خاضع و خاشع ہونے والا کوئی نہیں تھا نہ آئندہ آئے گا، نہ امت خلفاء کے سامنے آپ کی مانند خاضع تھی اور نہ خلفاء آپؐ جیسے تھے۔ لوگ، علیؑ بن ابی طالب اور دیگر آئمہ بھی آپ جیسے نہیں تھے چنانچہ امام علیؑ فرماتے ہیں ہمارے اٹھتے ہی قوم تین گروہوں مارقین، ناکثین اور قاسطین میں بٹ گئی اور آپؑ ان لوگوں کے رویے سے موت کی تمنا کرتے تھے پیغمبرؐ کے بعد اصحاب و امت میں سے ایمان اور علم کے درجے و تناسب سے ہر ایک میں اعتدال کی راہ سے باہر نکلنے کا رجحان پیدا ہوا جس سے جلب منفعت اور دفع ضرر کی شاخیں پھوٹنے لگیں۔ جس جس کے پاس فائدہ حاصل کرنے اور ضرر رساں چیزوں کو دور کرنے کی جتنی صلاحیت واستعداد موجود تھی وہ اتنی ہی مقدار کے ساتھ منظر عام پر آیا، موسیٰؑ فاصلہ مکانی و فاصلہ زمانی کی وجہ سے قوم سے دور ہوئے تو اس عرصے کے دوران ہارونؑ کی موجودگی کے باوجود ایک مفاد پرست سامری نے حد اعتدال سے تجاوز کیا اور لوگوں کو خدا پرستی کی بجائے ایک بچھڑے کی پرستش شروع کروادی لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی معاملے میں حد اعتدال سے نکلنے کی خواہش کیلئے کسی خاص جگہ یا زمانے کی ضرورت نہیں بلکہ خواہش کو محل و موقع اور فرصت کی تلاش ہوتی ہے یعنی یہ معاملہ نہ پرانی کہانی ہے نہ جدید دور کی اختراع، بلکہ یہ انسانی فطرت کے وہ تقاضے ہیں جو پہلے سے اب تک ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے، جس پر دنیوی تعمیر و ترقی کے ساتھ دینی واخروی مقام قائم ہے لہٰذا یہ دونوں صفات، سابقہ ادیان کے ماننے والوں کے پاس تھیں۔

پیغمبرؐ پر ایمان لانے والوں کی ایمانی گیرائش میں کس قسم کا اور کتنی مقدار میں مفادات کا عنصر تھا اسے جاننے کیلئے ہم پیغمبرؐ کی بعثت سے لیکر وفات تک کے عرصے کی تقسیم بندی پیش کریں گے۔

☆ آپ کس طرح اور کیسے لوگوں کو دعوت دیتے تھے۔

☆ لوگ آپ پر کس بنیاد اور کن شرائط کے تحت ایمان لائے۔

ہم ہر ایک کے بارے میں تاریخ میں درج مسلمات کی روشنی میں عرائض پیش کریں گے۔

۱۔ آپؐ بحیثیت داعی الی اللہ کس طریقے، کن وسائل و ذرائع سے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتے تھے اس سلسلے میں کون سے امور تھے جن سے آپؐ پرہیز کرتے تھے۔

۲۔ آپؐ کی بود و باش، گفت و شنید، لوگوں کے ساتھ کردار و سلوک اور اخلاق کس قسم کا تھا۔

۳۔ کیا آپؐ ایک انفرادی دعوت پر تکیہ کرتے تھے یا لوگوں کیلئے ایک اجتماع اور ایک صالح معاشرے کے قیام کے بارے میں دعوت دیتے تھے؟

۴۔ آپؐ کی دعوت کی چار دیواری کی حدود کہاں تک تھیں، یہ دعوت سرزمین حجاز اور عرب تک محدود تھی، جیسا کہ دنیا میں دوسرے

رہبران اپنے نظریے کو اپنی قوم تک محدود رکھتے ہیں۔

۵۔ لوگ آپ کی دعوت سے اتفاق کی بجائے اختلاف کر کے آپؐ کے راستے میں رکاوٹیں ڈالتے تھے اس مناسبت سے آپ کی تعلیمات کی روشنی میں تحمل، برداشت، افہام وتفہیم، صلح وآشتی یا جنگ وجہاد سے کیا مراد ہے؟

پیغمبر اسلام ﷺ اور اسلام لانے والوں کی ذہنی تصورات کے مطابق تقسیم بندی

جب نبی کریمؐ نے مکہ مکرمہ کی سرزمین پر اپنی مخفی دعوت کا آغاز کیا تو اس وقت اسے قبول کرنے والوں کی ذہنی گیرائش اور تصورات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

۱۔ جو لوگ پیغمبرؐ پر تہہ دل سے بغیر کسی گیرائش اور مادی فوائد کے سمعاً وطاعاً اصل اسلام کو سمجھ کر یا آپؐ کی صدق وصفا پر اعتماد کرتے ہوئے مسلمان ہوئے وہ آپؐ کے مخفی دور کی دعوت قبول کرنے والے افراد تھے، ان اہل ایمان کی مستقبل قریب میں پیغمبرؐ کی کامیابی وکامرانی سے متعلق مادی فوائد وتحفظات اور لالچ کی پیش بینی وغیرہ کے پہلو کو بلا کسی تردد کے رد کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس دور میں ایسی نشانیاں نہیں تھیں کہ آپؐ آنے والے زمانے میں جزیرۃ العرب پر ایک عالمی شخصیت بنیں گے اگر ایسی علائم اور نشانیاں اس وقت پائی جاتیں تو سب سے پہلے سرزمین مکہ کی شخصیات اور سربراہان قبائل و عشائر کو یہ چیزیں نظر آتیں، جب کہ آپؐ پر ایمان لانے والوں میں ایسی پیشنگوئی کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا اگر کہیں ایسے لوگ بھی ایمان لائے تو ماننا پڑے گا کہ ایمان لانے والوں میں یہ ذوات زمان ومکان کی حدود سے باہر علائم کو دیکھ سکتی تھیں لیکن اس بات کو دلائل سے ثابت کرنا ہوگا۔

۲۔ بعض نے درمیانی راستہ انتخاب کیا یعنی پیغمبرؐ پر ایمان لائے اور مشرکین ویہود کے ساتھ اپنے سابقہ دوستانہ تعلقات و روابط کو برقرار رکھا، یہ ایمان وکفر کی جنگ میں ہمیشہ خود کو غالب گروہ کے ساتھ رکھتے تھے ان کے بقول یہ اپنی جگہ اصلاح کرنے والے عقلمند انسان تھے یہ ایمان لانے والوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پھیلانے پیغمبرؐ کی حوصلہ شکنی کرنے یا مشرکین کیلئے جاسوسی کرنے کی خاطر ایمان لائے تھے لیکن زیادہ دیر تک اپنے برے عزائم کو پوشیدہ نہ رکھ سکے۔ پیغمبرؐ اور مسلمانوں کیلئے ان کے چہروں سے پردہ ہٹ گیا خدا نے بذریعہ وحی پیغمبرؐ کو آگاہ کیا یا پھر اپنی حرکتوں کے سبب یہ سب پر عیاں ہوگئے اس گروہ میں عبداللہ بن ابی اور اس کی جماعت شامل تھی جنہوں نے جنگ احد، جنگ خندق، جنگ بنو قینقاع اور غزوہ بنی مصطلق وغیرہ میں اپنے چہرے سے کشفِ نقاب کر کے منافقت نمائی کی۔

۳۔ کچھ لوگوں نے اسلام کی حقیقت اور محمدؐ کی صداقت کو درک کئے بغیر دین اسلام کے بڑھتے ہوئے غلبہ کو دیکھ کر اسلام قبول کیا، جنگ میں اسیر ہونے یا تسلیم ہونے والے افراد بالخصوص فتح مکہ کے بعد اسلام میں داخل ہونے والے بعد میں والی بنے اسی نوعیت کے تھے۔

۴۔ بعض مفاد پرست لوگوں نے اسلام اور صداقت وصفائے محمدؐ پر غیر متزلزل یقین پیدا کئے بغیر اسلام قبول کیا اس گروہ کی

تقسیم بندی کیلئے ضروری ہے پہلے ہمارے پاس مفاد پرست کا تصور واضح و روشن ہونا چاہیے۔

☆ جنگوں میں نبی کریمؐ کی پے در پے فتح و کامیابی اور مقبولیت کی بنا پر جزیرۃ العرب کے اطراف و اکناف سے لوگ اخلاص اور مصلحت دونوں تناظر میں اسلام لائے، سورہ نصر اسی کی سند ہے اسی گروہ سے مانعین زکوٰۃ نکلے۔

☆ قلعہ ایمان کے کونوں میں چھپی مفاد پرستی نے سر اٹھایا بغیر کسی غور و فکر کے سقیفہ کی طرف سبقت کی گئی لیکن مسئلہ حل ہونے کے بعد مفاد جوئی یا مفاد پرستی دب گئی۔ اسلام و مسلمین کیلئے خدمات انجام دی گئیں جیسا کہ خلیفہ اول اور دوم نے خورد برد کیا اور نہ ذخیرہ اندوزی کی اور نہ ہی اقربا پروری، تکبر و غرور اور تعیش کا مظاہرہ کیا۔

۵۔ حزب مخالف امیر المومنینؑ اور آپ کے ہمنواؤں نے سقیفہ کے فیصلے کے خلاف اپنا نقطہ نظر اور یادداشت مرتب کی پھر سب نے ملکر اسلام کے دشمنوں کے خلاف نبرد آزمائی کی اور آپس کے اختلافات کو فراموش کیا اس کے باوجود سقیفہ کے دعویٰ کو جاری و ساری رکھنا قرآن، سنت نبی کریمؐ اور سیرت اہل بیتؑ کے عین مطابق ہے؟ اس دعویٰ کو باقی رکھنا اسلام و مسلمین کے حق میں ہے یا اسلام کیلئے نقصان دہ اور ضرر رساں ہے؟ اسلام و مسلمین کے خلاف ہونے کے باوجود اس دعویٰ کو زندہ رکھنے والوں کے عزائم کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے؟ اس دعویٰ کی وجہ سے برآمد ہونے والے نتائج کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اس فیصلے میں شریک تمام کے تمام افراد چالیس ہجری کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور حلیف و رقیب دونوں عدل خدا میں حاضر ہیں ان کے بعد مسند خلافت پر آنے والے خلفاء سراسر قرآن و سنت کے نقطہ نظر کے خلاف مسند اقتدار پر آئے۔

کیا سقیفہ کے نتائج کو شوم گردانے والے آج بدتر و شوم ترین سقیفات میں شرکت اور ان کی حمایت نہیں کرتے جہاں ملک وملت کے منتخب نمائندے جمع ہو کر وطن اسلامی میں کفر و شرک پر مبنی فیصلے سناتے ہیں پھر یہ ان شوم مقامات سے نظروں کو ہٹانے کیلئے تاریخی سقیفہ کی برائیوں کو بنیاد و اساس قرار دے کر اس پر لعنت بھیجتے ہیں جو ہر حوالے سے غلط اور غیر منطقی ہے کیونکہ وہاں سابقین اسلام کا انتخاب ہوا بعد میں جب حالات قابو سے باہر ہو گئے تو امت اسلام کے علماء و دانا اور مومنین نے خلافت راشدہ کے تسلسل پر مہر لگا دی اور مزید آنے والوں کو خلیفہ کہنے کی اجازت نہ دی۔

خلافت راشدہ کا انتخاب

جس روز سے ہم شیعہ مسلک میں رائج افکار ونظریات کی تصحیح اور اصلاح کے لئے قلم وزبان کو حرکت میں لائے اسی دن سے ہمیں تہمت وافتراء کا نشانہ بنایا گیا، ہمارے موقف میں شدت کی وجہ سے لوگوں نے ہم پر الزام تراشیاں کرتے ہوئے تہمت لگائی کہ یہ کام کسی اور کی ایماء پر انجام دیا جارہا ہے، ہم نبی کریمؐ کی ساحت سے اونچے نہیں اور نہ ہی ہماری کوئی حیثیت ہے جب نبی کریمؐ قرآن لائے تو لوگوں نے کہا یہ اجنبی اور باہر والوں کی سکھائی ہوئی باتیں ہیں جو ان کی ایماء پر کہی جارہی ہیں تاہم ہمارے موقف میں تشدد کی وجہ بڑھتے ہوئے انحرافات ہیں جو ہر آئے دن واضح وآشکار صورت میں اسلام و مسلمین کو داؤ پر لگانے او رقرآن کے خلاف اپنوں سے دشمنی اور غیروں سے دوستی کو فروغ دینے میں موثر ثابت ہورہے ہیں، تاریخ اسلام کے وسیع پیمانے پر مطالعے، اس کے بارے میں سوال واستفسار اور علل واسباب کی جستجو نے ہمیں اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ مسلمان فرقوں کے نزدیک اسلام قرآن اور نبی اسلامؐ سے زیادہ عزیز ان کا اپنا فرقہ ہے وہ فرقے کے دوام وبقاء کی خاطر اسلام قرآن اور نبی کریمؐ کو تو خیر باد کہہ سکتے ہیں لیکن اپنا فرقہ نہیں چھوڑ سکتے اسی فکروسوچ نے انہیں اس دہانے پر لاکھڑا کیا ہے کہ وہ تاریخ کے مسلمہ حقائق کو جھٹلائیں یا ان حقائق کی اپنی مرضی کے مطابق تاویل کریں اصحاب پیغمبرؐ جنہوں نے اپنے دنیاوی مفادات کی خاطر بہت سی جگہوں پر راہِ انحراف کو اپنایا ہمارے ہاں انہیں دنیا کے کافر ومشرک سے بدتر قرار دیا جاتا ہے ان کی دشمنی میں ان کے ماننے والوں سے دشمنی برتتے ہوئے دنیائے کفروشرک کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جاتا ہے ستم ظریفی یہ کہ ان کے اس عمل کو بعض علماء ودانشمندان نے عینِ شریعت قرار دیا ہے، ان کے تشدد کی اسی روش نے ہمیں تاریخی صفحات کا تجزیہ وتحلیل کرنے پر آمادہ کیا اس سلسلے میں ہم اہل بیتؑ، اسلام اور نبی اسلامؐ کو کنارے پر لگانے اور مسلمانوں کو شکست دے کر کفر کی بالادستی اور ان کیلئے ماحول سازگار کرنے کے مستبدانہ عمل کو ناانصافی سمجھتے ہوئے چند کلمات تحریر میں لارہے ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد اصحاب کے انحراف کی علت اور پھر ان کے کردار وانحراف کے حوالے سے ان کے ساتھ کس حد تک کون سا سلوک ہونا چاہیے؟ ان نکات کے متعلق کچھ حقائق کو صفحۂ قرطاس پر لانے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہم نے اس کتاب میں موقع ومناسبت سے کچھ عرائض بیان کی ہیں امید ہے قارئین سنجیدگی سے ملاحظہ فرمائیں گے۔ خلافت راشدہ کا اسلامی تصور امام حسنؑ کی معاویہ کے ساتھ صلح تک ہے، اس کے بعد آنے والی حکومتوں کے خلفاء اور سلاطین کو اسلامی حاکم کہنا قابلِ ہضم نہیں ہے اگر ہم انہیں با دلِ نخواستہ مسلمان حکمران کہتے بھی ہیں تو ہر ایک کو دوسرے کی نسبت بہتر وبرتر قرار دینا عقل وشرع دونوں کا تقاضا ہے کیونکہ دین اسلام کی بنیاد عدالت پر قائم ہے اور عدالت کا تصور یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کی مناسب جگہ پر رکھا جائے اور مستحق کو اس کا حق دیا جائے البتہ ہم یہاں پر عدالت کے متعلق بحث نہیں کریں گے کیوں کہ ہمارا موضوع سیرتِ نبیؐ سے متعلق ہے آپؐ کی رحلت کے بعد پانچ خلفائے راشدینؓ کا دور آپؐ کی سیرت طیبہ سے آگاہی حاصل کرنے میں شامل ہوتا ہے، چاہے

ہم منطق اہل بیتؑ کو اپنا ئیں جو آپؐ کے منصب کیلئے سزاوار تھے یا خلفاء کی منطق کو لیں جنہوں نے آپؐ سے قرب اور آپؐ کی صحبت میں رہنے اور دین اسلام کو فروغ دینے میں کردار ادا کیا۔خلفاء راشدین کی اصل تعداد پانچ ہے کیونکہ امام حسن مجتبیٰؑ سے منصب خلافت چھینا گیا عام طور پر تعداد بتاتے وقت چار خلفاء راشدین کا ذکر کیا جاتا ہے۔ان کے انتخاب کے بارے میں دو حقائق تسلیم کرنا ہوں گے ورنہ سرکشی وجنوں میں مبتلا قرار دیا جائے گا جس کا کوئی مداوا نہیں ہے۔

۱۔ چاروں کا معین کردہ مقرر رات کے تحت انتخاب نہیں ہوا ہر ایک کا انتخاب دوسرے سے مختلف رہا۔

۲۔چاروں اپنی خدمات، اخلاص اور سرعت وسبقت کے حوالے سے مراتب ودرجات رکھتے ہیں ۔امت اسلامی کو ابھی تک بحیثیت کل امت ایسے خلفاء نصیب نہیں ہوئے ہیں۔

ابو بکرؓ بن عثمان ابی قحافہ

''عبداللہ'' فرزند عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی بن قصی قریشی پہلے خلیفہ تھے، لوی پر ان کا سلسلہ نسب پیغمبر اسلامؐ سے جا ملتا ہے، عام الفیل کے دوسرے سال مکہ میں پیدا ہوئے جاہلیت کے دور میں ''عبدالکعبہ'' نام تھا اسلام لانے کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے ''عبداللہ'' رکھا مکے میں تاجر تھے اور کپڑے کا کاروبار کرتے تھے، نرم مزاجی میں معروف تھے لوگ ان کا احترام اور ان سے محبت کرتے تھے جب پیغمبرؐ مبعوث با رسالت ہوئے تو خدیجہؓ، علیؑ اور زیدؓ بن حارثہ کے بعد ایمان لائے اور پیغمبرؐ کا دفاع کیا۔آپؓ نے ایمان لانے کے بعد عثمانؓ بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ کو دعوت اسلام دی تو وہ بھی ایمان لائے ۔پیغمبرؐ نے فرمایا جس جس کو میں نے اسلام کی دعوت دی ابو بکرؓ کے سوا سب نے غور کرنے اور سوچنے میں تردد کیا، آپؐ نے ابو بکرؓ کے بارے میں فرمایا کہ ان کے مال سے مجھے فائدہ ہوا، دور جاہلیت میں ان کی زوجہ اُم رمان بن عامر کنانہ، عبداللہ بن حارث اسدی کے عقد میں تھیں ان سے طفیل پیدا ہوئے، ابن حارث کی وفات کے بعد ابو بکرؓ کے عقد میں آئیں، ان سے ام المومنین عائشہؓ و عبدالرحمٰنؓ پیدا ہوئے، ام رومان نے مکہ میں اسلام قبول کر کے پیغمبرؐ کی بیعت کی پھر مدینہ ہجرت کی۔حادثہ افک کے بعد ان کی وفات ہوئی، ابو بکرؓ کی حیات کے حوالے سے چند نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ ان کا شمار پیغمبر اسلامؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں ہوتا ہے۔

۲۔ نبی کریمؐ کی ہجرت کے دوران آپؐ کی معاونت اور معیت کا شرف حاصل کیا جس میں ہیر پھیر اور تاویل، تاریخ اور خود نبی کریمؐ کے ساتھ ناانصافی ہے کیونکہ آپؓ کی ہجرت کے موقع پر پیغمبرؐ کے ساتھی تھے۔

۳۔تمام جنگوں میں شریک رہے۔

۴۔پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں سنہ ۱۱ ہجری کو عبیدہؓ بن جراح اور عمرؓ بن خطاب کی تجویز پر خلیفہ منتخب ہوئے۔

۵۔امیر المومنین علیؑ کے مداحوں اور آپؑ کے فضائل بیان کرنے والوں میں تھے۔

٦۔ان سے ایک سو بیالیس (۱۴۲) احادیث مروی ہیں۔

۷۔ان کے دورِ خلافت میں درج ذیل واقعات رُونما ہوئے:

☆ اُسامہ بن زید کی قیادت میں تشکیل دیا گیا لشکر موتہ روانہ ہوا جس کا اعلان خود رسول اللہؐ نے فرمایا تھا۔

☆ جزیرۃ العرب کے اطراف و اکناف میں ہونے والی ارتدادی بغاوتوں کو کچلا گیا جس کی تفصیل بحث ارتداد میں ملاحظہ فرمائیں۔

☆ سنہ ۱۳ ہجری وفات سے قبل بغیر کسی صلاح و مشورہ کے عمرؓ بن خطاب کو خلافت و امامت کیلئے منتخب کیا۔

اولادِ ابو بکرؓ

ام المومنین عائشہؓ	اسماءؓ ذات النطاقین زوجہ زبیرؓ	عبداللہؓ	محمدؓ اسماء بنت عمیس کے بطن سے
عبدالرحمٰنؓ، جنگ بدر میں مشرکین کے ساتھ آئے پھر اسلام قبول کیا			

فتنۂ ارتداد

تاریخ و کتب سیرت میں یہ سطور واضح و روشن صفحات پر تحریر کی گئی ہیں کہ فتح مکہ کے بعد نجد، یمن اور بحرین وغیرہ کے لوگوں نے سرایا کے ذریعے اسلام قبول کیا، ان نو مسلموں کے دلوں میں عظمت و حقانیت اسلام مکمل طور پر نفوذ نہیں کر پائی تھی کہ فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا اس فتنہ کو لوگوں کی طرف سے پزیرائی حاصل ہوئی جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا﴾ "بدوی لوگ کہتے ہیں: ہم ایمان لائے ہیں کہہ دیجئے: تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو: ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کمی نہیں کرے گا" (حجرات ۱۴)

نبی کریمؐ کی رحلت اور سقیفہ بنی ساعدہ میں منصب خلافت کیلئے ابو بکرؓ کے انتخاب کے بعد سب سے پہلے مرحلے میں مسائل و مشکلات اور آزمائشی لمحات فتنۂ ارتداد کی شکل میں سامنے آئے جہاں بعض علاقوں میں لوگوں نے دین اسلام کی بنیادی چیزوں سے انکار کر کے بغاوت کا اعلان کیا اور لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی اس فتنہ میں دو گروہ شامل تھے۔

پہلا گروہ: فتنہ کے قائد نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے علاقے کو مرکز و خلافت اسلامی کی نگرانی سے آزاد قرار دیا، ان علاقوں کے بعض مقامات پر کچھ نے نبی کریمؐ کی حیات میں ہی بغاوت کی جبکہ دیگر نے آپؐ کی رحلت کے بعد سر اٹھایا۔

دوسرا گروہ: اس گروہ نے اسلامی فرائض میں اہم رکن فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا اور لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے کر بغاوت کا اعلان کیا۔ اسی طرح انھوں نے اسلام کے اہم ستونوں سے انکار کر کے اپنے لئے حیلے بہانے تلاش کئے جس طرح دورِ حاضر کے سیاستدان اور سیکولر طبقات سرے سے اسلام کے ساتھ استہزاء کرتے ہوئے

کہتے ہیں، چودہ سو سال پہلے کا نازل شدہ آئینِ زندگی اس وقت کیسے انسان کیلئے کافی ہوسکتا ہے۔

ابو بکرؓ کا مرتدین کے خلاف نبرد آزمائی کا عزم

جب مرتدین نے مسلمانوں کے خلاف باغیانہ سر اٹھایا اوران کی بغاوت کی تحریک عروج پر پہنچی تو اس فتنے کی آگ نے جلد ہی متعدد قبیلوں اسد، غطفان، عبس، طے، اور ذبیان کے علاوہ بنی عامر، ہوازن، سلیم اور بنی تمیم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اس باغیانہ سازش کے دور دراز علاقوں میں پھیلنے پر بطاہ، یمامہ، صنعاء، عمان، یمن، بحرین اور قضاعہ (سرحد شام) کے خطوں میں مقیم مرتدین نے بھی سر اٹھانا شروع کیا جس کی وجہ سے یہ فتنہ مسلمانوں کیلئے خطرناک اور آزمائش کی گھڑی ثابت ہوا۔ دوسری جانب ابو بکرؓ نے ان کے خلاف لڑنے کیلئے مسلمانوں کے لشکر کی قیادت کرنے پر اصرار کیا تو انھیں اس کام سے روکنے والوں میں دیگر اصحاب کے علاوہ علیؓ بن ابی طالب بھی شامل تھے بعد ازاں علیؓ سمیت دیگر صحابہ نے ان باغیوں سے لڑنے کیلئے ایک لشکر مرتب و منظم کیا تا کہ مرتدین کی جانب سے خانہ جنگی کی آگ کو روکا جا سکے اس سلسلے میں پہلے خالد بن ولید کو ایک لشکر کے ساتھ قبیلہ بنی حنفیہ کی طرف روانہ کیا گیا جہاں مسیلمہ کذاب اوراس کے پیروکاروں کے ساتھ مسلمانوں کا شدید مقابلہ ہوا لشکر اسلام کی ضعف و ناتوانی کی وجہ سے پہلے پسپائی کے آثار دکھائی دینے لگے لیکن خالد بن ولید نے مسیلمہ کذاب کے لشکر کو شکست فاش دینے میں اہم کردار ادا کیا یہ مسیلمہ کے قتل پر منتج ہوئی علاوہ ازیں مختلف علاقوں میں اصحاب کے زیر قیادت وفود بھیجے گئے جن کی فہرست درج ذیل ہے:

- ☆ طلحہ بن خویلد اسدی ان کے بعد مالک بن نویرہ بطاح کو بزاعہ کی طرف بھیجا گیا۔
- ☆ عکرمہ ہی کو شرجیل بن حسنہ کی سرکوبی کیلئے گیا۔
- ☆ مہاجر بن ابی امیہ کو صنعا میں اسود عنسی کی طرف بھیجا گیا۔
- ☆ حزیفہ بن محصن کو عمان میں اہل دبا کی طرف بھیجا گیا۔
- ☆ عرفجہ بن ھرثمہ کو اہل مہرہ کی طرف بھیجا گیا۔
- ☆ سوید بن مقرن کو یمن میں تہامہ کی طرف بھیجا گیا۔
- ☆ علاء بن حضرمی کو بحرین بھیجا گیا۔
- ☆ طریفہ بن حاجز کو بن سلیم اور ہوازن کی طرف بھیجا گیا۔
- ☆ عمرو بن عاص کو قضاعہ کی جانب بھیجا گیا۔

ان تمام افراد کے ذریعے ایک ہی مضمون پر مشتمل خطوط روانہ کئے گئے۔ جن میں مخالفین و مرتدین کو اسلام کے ساتھ مخالفت و بغاوت کو ترک کر کے دین کی طرف واپس آنے کی دعوت دی گئی تا ہم مزاحمت یا دعوت کے مسترد کئے جانے پر قائدین کو ان کے خلاف کاروائی یا جنگ کرنے کی اجازت بھی دی گئی۔

بغاوت وسرکشی کی صورت میں امت اسلام کی ذمہ داریاں

امت اسلامی کے نومسلم حلقوں میں بغاوت وسرکشی کی تحریکوں کا سر اٹھانا اسلام ومسلمین کیلئے کسی خطرناک حادثے سے کم نہیں تھا بلکہ اس طرح کے المیوں کے حساس، سنگین اور فوری نتائج صاحبان عقل وشعور سے پوشیدہ نہیں۔ کتب تاریخ میں آیا ہے کہ بعض نومسلم علاقوں میں پھیلنے والی باغیانہ آگ نے پورے جزیرۃ العرب کو اپنی لپیٹ میں لیا جس کی وجہ سے اہل دین پر رعشہ طاری ہوگیا تمام مسلمان اس تند وتیز آندھی کی زد میں تھے ایسی صورتحال کے بارے میں ذیل کے مفروضات ملاحظہ کریں:

۱۔ اس طرح کا کوئی بھی واقعہ یا حادثہ وجود میں آیا ہی نہیں یہ باتیں جھوٹ پرمبنی اور افسانہ ہیں۔

۲۔ اس قسم کے کئی حادثات رونما ہوئے ہیں۔

۳۔ ان واقعات کے بارے میں مبالغہ آرائی ہوئی ہے، درحقیقت کچھ واقعات رونما ہوئے۔

پہلے مفروضے کا کوئی بھی قائل نہیں اگر کوئی شخص اس مفروضہ کو درست تسلیم کرتا ہے تو پھر کتب تاریخ کو افسانہ قرار دینا پڑے گا جبکہ مفروضہ کو رد کرنے کیلئے بھی تاریخی کتب سے اسناد پیش کرنے کی ضرورت ہوگی۔ دوسرے اور تیسرے مفروضے کو تسلیم کرنے کے بعد اس بارے میں جاننے کی ضرورت ہے کہ علیؑ اور آپ کے ہمنوا افراد یعنی حزب اختلاف کی کیا ذمہ داریاں تھیں ان کی دوراندیشی اور حکمت عملی کی گاڑی کہاں کہاں رکی اور کہاں تک چلی۔

☆ کیا علیؑ اور آپ کے حامیوں کیلئے ایسا ممکن تھا کہ مرتدین وباغیوں کے ساتھ مل کر خلیفہ اول کو ان کے منصب سے ہٹا دیتے۔

☆ علیؑ نہ مرتدین اور نہ ہی خلفاء کا ساتھ دیتے بلکہ سماعت وبصارت کا دروازہ بند کر کے گھر میں بیٹھے رہتے۔

☆ کیا یہ ممکن تھا کہ اس منصب کیلئے علیؑ سب سے زیادہ اہل ولائق ہوتے ہوئے پیغمبرؐ کی جانب سے اپنے بارے میں کی جانے والی وصیت وسفارش کو ایک طرف رکھتے ہوئے خلیفہ اول کے ساتھ مل کر مرتدین وباغیوں سے بھرپور مقابلہ کرتے۔

☆ اپنی صلاحیت واہلیت اور حقانیت کا اظہار کر کے اپنے خلاف ہونے والے فیصلے کو غلط ٹھرا کر صرف اور صرف اسلام و مسلمین کی خاطر خلیفہ کے ساتھ معاونت کا مظاہرہ کرتے۔

قرآن وسنت اور سیرت علیؑ واہل بیت% کے تحت ان مفروضوں کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کس مفروضے کو تسلیم کریں گے اور کس کو جھٹلائیں گے، خاص کر موجودہ حالات میں اگر ایسے واقعات رونما ہو جائیں تو ہمیں اپنا کردار کس مفروضے کے تحت ادا کرنا چاہیے؟ عقل وشعور رکھنے والے انسانوں کو اس بارے میں سوچنا چاہیے!

عمر بن خطابؓ

عمرؓ بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب۔ان کی ماں ختمہ بنت ہاشم بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھیں۔

عام الفیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے،سات پشتوں کے بعد مرۃ بن کعب بن لوی کے ذریعے آپ کا رسول اللہؐ سے سلسلہ نسب جاملتا ہے،اسلام لانے سے پہلے پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے یہاں تک کہ پیغمبرؐ کو قتل کرنے کے درپے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ برا سلوک روا رکھتے اور ابوجہل کے ساتھ ہر مسلمان کو ستاتے تھے۔مسلمانوں کو ایسی تکالیف پہنچاتے کہ پہاڑ بھی برداشت نہ کرسکیں،بعض مؤرخین کے بقول کسی پر رحم نہیں کرتے تھے،۳۳ سال کی عمر میں بعثت کے چھٹے سال،۴۵ مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد ایمان لائے۔

عمرؓ کے بارے میں حقیقت پسندانہ اہم نکات

۱۔دور جاہلیت میں انہیں قریش کی طرف سے اہم معاملات جیسے جنگ و صلح وغیرہ کیلئے بارے میں فریق مخالف کی طرف سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا یا پھر نفرت پھیلانے اور فخر و مباہات کی محافل میں گفتگو کیلئے منتخب کیا جاتا تھا۔

۲۔مشرکین کی طرف سے اذیت و آزار کے دور میں پیغمبرؐ پر ایمان لائے۔

۳۔کہا جاتا ہے ان کو خلفاء میں سب سے پہلے امیر المومنین کا خطاب کو ملا۔

۴۔بیت المال کو رجسٹرڈ ادارے کے طور پر چلایا۔

۵۔ہجری قمری تاریخ کی تقویم ان کے دور میں ہوئی۔

۶۔پیغمبر اسلامؐ کی زبانی ان کے بارے میں کوئی ایسی مذمت نہیں جو ان کی طرف سے اسلام و مسلمین کو کسی بھی طرح کا نقصان پہنچانے اور پریشانی پیدا کرنے کے بعد کی گئی ہو۔

۷۔کہتے ہیں معاویہ کے سوا دیگر تمام والیوں کا سختی کے ساتھ احتساب کرتے تھے۔

۸۔صلح حدیبیہ اور رقصہ طلب قرطاس دو ایسے واقعات ہیں جو ان کی طرف سے نبی کریمؐ کی مخالفت کے مظاہر ہیں۔

۹۔عمرؓ کی خوبیوں میں سے ایک شجاعت ہے پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ تمام جنگوں میں رہے لیکن کہیں بھی ان کے حوالے سے کوئی قابل ذکر کارنامہ بیان نہیں ہوا ہے۔

۱۰۔خلیفہ اول کی وفات کے بعد عمرؓ کے انتخاب کے بارے میں دو نکتے قابل غور ہیں۔

☆ عمرؓ کا انتخاب کس اصول اور معیار کی بنیاد پر کیا گیا اس کا ذکر تاریخ و سیرت کی کسی بھی کتاب میں نہیں ملتا ہے۔

☆ ان کو انتخاب کئے جانے کے بعد کسی نے بھی اس فیصلے کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اگر آواز اٹھائی جاتی تو تاریخ کی کتابوں میں ضرور اس کا ذکر ہوتا۔

۱۱۔حقیقت یہ ہے کہ عمرؓ بن خطاب کے اتنے فضائل اور خدمات تاریخ اسلام کی کتابوں کے صفحات پر نہیں آئے ہیں جتنے دیگر اصحاب ابوبکر،عثمان،سلمان فارسی،ابو ذرغفاری،عبیدہ بن جراح،سعد بن عبادہ اور سعد بن ابی وقاص × کے بارے میں نقل ہوئے ہیں کیونکہ ان اصحاب نے پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے اور ہجرت کرنے میں سبقت کی اور فدا کاری کے حوالے سے جان و مال دونوں کے ذریعہ اسلام کی خدمت کی جبکہ ان کے مقابلے میں عمرؓ بن خطاب کا کوئی قابل ذکر کردار نہیں ہے۔

۱۲۔رسول اللہؐ پر پہلے ایمان لانے ،ہجرت میں سبقت کرنے ،قرب رسول کریمؐ ،فدا کاری اور انفاق مال جیسی صفات حمیدہ میں ان کا درجہ باقی خلفاء کے بعد آتا ہے لیکن خلافت اور دیگر مسائل میں ان کا ذکر عثمانؓ اور علیؑ سے پہلے کیا جاتا ہے!

۱۳۔امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب جو عمرؓ کے حریف و رقیب خلافت تھے انہوں نے نہج البلاغہ میں تین مقامات پر ان کی تعریف فرمائی ہے جبکہ خود عمرؓ نے متعدد بار علیؑ کی تعریف کی جس کا اظہار ہر وہ شخص کرتا ہے جو علیؑ کے فضائل بیان کرتا ہے۔

۱۴۔ان سے پانچ سو سینتیس (۵۳۷) احادیث مروی ہیں۔

۱۵۔ان کے دور میں بیت المال مسلمین میں ذخیرہ اندوزی ہوئی اور نہ تقسیم مال کے حوالے سے اقربا پروری کی گئی۔

۱۶۔انہوں نے اپنے دور میں بہت سی چیزوں کا اضافہ کیا جس میں سے ایک ۱۴ ہجری سے "رمضان المبارک" کی راتوں میں مستحب نماز "تراویح" کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی سنت ہے اس وقت علماء اہل سنت کے آئمہ جماعت کی بنیادی شرط تراویح پڑھنے کی صلاحیت و استعداد ہے۔

۱۷۔علامہ محمد باقر خوانساری اپنی کتاب روضات الجنات کی جلد ا کے پہلے صفحہ ۱۹ پر محمد تقی مجلسی کی کتاب حدیث سمیت کئی کتب سیرت سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے مشائخ و اسامید سے نقل کیا ہے "عمرؓ کے دور خلافت میں علیؑ نے اپنے بڑے صاحبزادے امام حسن مجتبیٰؑ کو تمام جنگوں میں روانہ کیا اور تمام فتوحات کے سلسلے میں اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔"

۱۸۔انہوں نے خلافت سنبھالتے ہی ۱۳ ہجری ابوبکرؓ کی وفات کے بعد انہی کی صوابدید کے مطابق بغیر کسی صلاح و مشورہ کے خلیفہ منتخب ہوئے،ان کے دور خلافت میں مصر،شام اور ایران کے بہت سے علاقے فتح کیے گئے ان جنگوں کے صلاح و مشوروں کے بارے میں نہج البلاغہ کے خطبات ۱۳۴ اور ۱۴۶ ترجمہ جوادی ملاحظہ فرمائیں۔خلافت سنبھالنے کے بعد پہلے "خالد بن ولید" کو لشکر کی امیری سے معزول کر کے "ابا عبیدہ بن الجراح" کو منتخب کیا جنگ فارس میں پہلے "ابا عبیدہ بن مسعود ثقفی کو عراق بھیجا ان کے بعد سعد بن ابی وقاص زھری کو منتخب کیا۔

دس سال چھ مہینے خلافت کرنے کے بعد ۶۳ سال کی عمر میں ذی الحجہ ۲۳ ہجری "مغیرہ بن عقبہ" کے غلام "ابُو لولو" کے ہاتھوں زخمی ہوئے محرم ۲۴ ہجری کو انتقال ہوا آپ کی نماز جنازہ صہیبؓ رومی نے پڑھائی۔

کتاب جولۃ التاریخیہ کے مولف السید الوکیل صفحہ ۲۸۲ پر عمرؓ کے قاتل کے بارے میں تجزیہ و تحلیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں ان کا قاتل مغیرہ بن شعبہ کا غلام ابو لولو فیروز مجوسی تھا،یہ عمرؓ کے بارے میں دیگر اہل فارس کی بنسبت زیادہ عداوت اور حسد و کینہ

رکھتا تھا یہ ہمیشہ نہاوند کے اسیروں کو دیکھ کر روتا تھا اس نے چندین بار عمرؓ کو دھمکی دی تھی کہ میں ایک ایسی چکی بناؤں گا جو ہمیشہ کیلئے مثال بن جائے گی۔صاحب تاریخ اسلام ڈاکٹر ابراہیم حسن جلد ا ص ۲۵۱ پر عبدالرحمن بن عوف سے نقل کرتے ہیں انھوں نے کہا میں نے وہ خنجر جس سے ابولولو نے عمرؓ کو قتل کیا ایک دن پہلے ہرمزان ھفینہ کے پاس دیکھا تھا، میں نے پوچھا اس سے کیا کرو گے تو اس نے کہا اس سے گوشت کاٹوں گا،ھفینہ نصرانی، سعد بن ابی وقاص کا دوست تھا مدینہ میں آتا جاتا تھا جہاں وہ مسلمانوں خاص کر اصحاب رسولؐ میں گھل مل جاتا تھا۔

خلیفہ دوم کی اقتصادی ومالی سیاست کی نئی ایجاد

اُس وقت سے عصر حاضر تک خلیفہ دوم پر ہونے والے انتقادات میں سے ایک بڑا انتقاد ان کے تقسیم بیت المال میں نئے اصولوں کا وضع کرنا ہے جو قرآن کریم' سیرت رسولؐ اور سیرت خلیفہ اول سے ہٹ کر مال کی تقسیم میں وضع کیے گئے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ بیت المال کی تقسیم ہجرت میں سبقت کرنے والوں کی بنیاد پر کی گئی۔

۲۔ ازواج نبی اور دیگران میں فرق رکھتے تھے۔

۳۔ بیت المال کی تقسیم میں بیت نبی سے تعلق رکھنے والے قریشیوں اور مہاجرین کو غیروں پر ترجیح دی۔

۴۔ رسول اللہؐ کی غیر موجودگی میں جنگوں میں شرکت کرنے والوں اور خود رسول اللہؐ کے ہمراہ جنگیں لڑنے والوں کے اصول کے تحت بدری مہاجرین وانصار کیلئے پانچ پانچ ہزار دینار معین کئے جو افراد بدر سے پہلے ایمان لائے اور جنگ بدر میں شرکت نہ کی ان کیلئے چار ہزار دینار معین کئے۔

۵۔ پیغمبر اسلامؐ کے عم عباسؓ کیلئے ۱۲ ہزار دینار معین کئے۔

۶۔ ''اسامہ بن زیدؓ'' کیلئے چار ہزار دینار جبکہ ان کے بیٹے عبداللہ کیلئے تین ہزار دینار معین کئے۔

۷۔ عرب کو عجم اور اصل عرب کو مستعرب پر ترجیح دی۔

تقسیم بیت المال کی اس نوعیت کی سیاست سے اسلام میں طبقہ پرستی اور خاندان پرستی کا نیا دور شروع ہوا،ضروریات زندگی میں شریف وغیر شریف انسان، عالم وجاہل، عرب وغیر عرب اور مجتہد ومقلد میں کوئی فرق نہیں لہٰذا ضروریات پورا کرتے وقت ایک ہی اصول معین کرنا چاہیے۔جس اصول کی وجہ سے خلیفہ دوم نقد وتنقید کا نشانہ بنے، وہی اصول ایک عرصے سے حوزات علمیہ میں بڑی آب وتاب کے ساتھ رائج ہے اور اسے سراہا بھی جاتا ہے، یہاں اعلیٰ درجے اور اچھے نمبر حاصل کرنے والوں کیلئے اتنی سہولیات وامتیازات مختص ہیں کہ اگر خوش قسمتی سے کوئی قلیل العیال ہو تو وہ چند سالوں میں اچھا سرمایہ دار بن سکتا ہے جبکہ نچلے درجے کا پڑھنے والا یا کم نمبروں والا کثیر العیال ہو تو اس کیلئے حوزہ میں زندگی گزارنا یا اپنی پڑھائی کو دیگر مشاغل کے ساتھ جاری رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے اس طریقے سے ثروت چند افراد کے گھروں میں جمع ہوتی ہے اور دوسری طرف چندین گھرانے فقر وفاقے

کاشکار رہتے ہیں ایسی ہی صورت حال کو دیکھ کر خلیفہ دوم اپنی سیاست سے پشیمان ہوئے تھے اور عہد کیا تھا کہ آئندہ سال سے پہلی سنت کو رائج کیا جائے گا لیکن ایسا کرنا انھیں نصیب نہ ہوا۔

خلیفہ دوم کا نیک کردار

خلیفہ دوم اپنے دور میں اطراف واکناف کے والیوں اور ذمہ داران کا سختی سے محاسبہ کرتے تھے، معزول ہونے والوں کے پاس کوئی اضافی مال دیکھتے تو اسے بیت المال میں واپس جمع کراتے تھے اس بات پر سختی سے عمل کرتے ہوئے والی بحرین ''ابو ہریرہ'' سے کہا جب میں نے تمھیں بحرین کا والی بنایا تو اس وقت تمہارے پاس جوتے تک نہیں تھے ابھی تمہارے پاس بہت ساری دولت کیسے جمع ہوئی ہے؟ پھر انھیں تازیانے مارے جس سے ان کا خون نکل آیا، بعد میں ان کے تمام مال کو بیت المال مسلمین میں واپس جمع کرادیا۔ عمرؓ بن خطاب اپنی بودوباش میں تواضع وفروتنی اور دین اسلام کے بیان کردہ اصول کے مطابق رہتے تھے جس سے دنیائے مسیح حیران وسرگرداں تھی لیکن تندوتیز مزاج انسان تھے جس طرح ان کا اسلام سے پہلے مزاج تھا۔

ایسے انسان کو اس انسان کے برابر سمجھنا جو بیت المال مسلمین کو اپنے باغات تصور کرے، والیوں سے احتساب نہ کرے، لاکھوں درہم ودینار کے علاوہ جائیداد واملاک بنائے اور رعایا کی طرف سے والیوں کی شکایات وفریاد نہ سنے عدالت ہے یا اجتہاد؟ کیا ان کا ان سلاطین سے موازنہ کرنا جن کے وزیر ومشیر اپنی جگہ الگ سلطان بنے ہوئے تھے انصاف ہے؟ دقیق حساب کرنے والی شخصیت سے سوال ہونا چاہئے کہ کیوں معاویہ کے تکبر وغرور، بودوباش اور اسراف وتبذیر پر تنقید نہیں کی جاتی بعض حضرات عمرؓ کے چند والیوں کے اسراف وفضول خرچی کا احتساب نہ کرنے اور خاموش رہنے پر انتقاد کرتے ہیں گویا اسراف کرنے والے سے زیادہ اس پر خاموشی اختیار کرنے والا مجرم ہے لیکن یہاں تنقید کرنے والے عمرؓ کی خاموشی کو تنقید کا نشانہ بنا کر معاویہ کی اس منطق کو بغیر کسی تجزیہ وتحلیل کے اپناتے ہیں جہاں معاویہ نے کہا تھا ''یہاں مسیحی اور غیر مسلم رہتے ہیں ان کی زندگی سے کمتر زندگی مسلمانوں کی توہین ہے لہٰذا مسلمانوں کی عزت کا مسئلہ ہے'' اگر یہی جملہ ہمارے بزرگانِ ملت دوسروں کے مدمقابل استعمال کریں تو ان کا یہی جملہ وحی کے برابر قرار دیا جاتا ہے کیا یہی عدالت اور انصاف ہے؟

خلیفہ اول اور دوم کے کردار وموقف کے متعلق لوگوں کے دلوں میں بہت زیادہ غم وغصہ پایا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے علیؑ کو حق خلافت سے محروم رکھا جو ہر حوالے سے اس منصب کیلئے لائق وسزاوار تھے، مزید برآں پیغمبر اسلامؐ کی دختر گرامی زہراء=ان سے ناراضگی کی حالت میں وفات پاگئیں اور دیگر ناگوار واقعات ہوئے لیکن اس حوالے سے بعض تاریخی نقولات تسلی بخش نہیں کیونکہ خلفاء کے بعض خیر خواہوں نے ان کی محبت میں زہراء = کے حق میں کی گئی کوتاہیوں اور ناروا سلوک کو چھپایا ہے اور دوسری طرف خلفاء کے بعض مخالفین ہر آئے دن اس میں بہت کچھ اضافہ کر رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اُمت کیلئے اس قسم کے مسائل کو بے لجام کرنے سے مصائب وپریشانیوں کا کوئی حل نہیں نکلے گا مسلمان مزید مصائب میں گھر جائیں گے اور ان کے درمیان خلیج بڑھ جائے گی، بی بی خلفاء سے ناراض چلی گئیں یہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن اسی کو بنیاد بنا کر خلفاء سے

ہمیشہ کیلئے نفرت وعداوت جاری رکھنا کس منطق کے تحت ہے؟ علیؑ سے زیادہ بی بیؑ کی رضایت وخوشنودی کا پاس رکھنے والا کوئی نہیں تھا یا یہ کہنا علیؑ اُس وقت مجبور تھے، ہم مجبور نہیں یہ بھی بے بنیاد اور باطل فکر وسوچ ہے یہ بات صرف جذبات سے کھیلنے کیلئے کہی جاتی ہے کیونکہ آج ہم علیؑ سے زیادہ مجبور ہیں شاید آپ اس وجہ سے یہ بات کہتے ہیں کہ آپ کے دوش پر اسلام کی کسی چیز کی پاسداری کرنے کی ذمہ داری نہیں اور آپ ان ذمہ داریوں سے فرار کرنا چاہتے ہیں جو علیؑ کے دوش پر سنگینی کر رہی تھیں جس کی فکر کی وجہ سے آپؑ پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے، یہ بات سب کیلئے طے ہونی چاہیے کہ اس مسئلہ کی تحقیق سے امت محمد ﷺ کا کوئی بھی مسئلہ حل نہیں ہوگا جب مولیٰ علیؑ اور بی بی زہراء= دونوں نے اپنی مصیبتوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنے غم وغصہ کو اسلام پر قربان اور ہر چیز ہر اسلام کو ترجیح دی تو ان کے چاہنے والوں کا اپنے مفادات کے پیش نظر دین ومذہب کے نام پر مختلف حیلے بہانوں سے ہر آئے دن مختلف شکل وصورت میں غم وغصہ دکھانا ان سے محبت کی دلیل نہیں بلکہ یہ ان کی سیرت سے انحراف اور اسلام سے لاتعلقی ودشمنی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ علیؑ اور آپ کے اصحاب نے ابوبکرؓ کی بیعت سے انکار کیا لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بیعت کی بلکہ صلاح ومشورے اور معاونت سے بھی دریغ نہیں کیا عمرؓ کے دور میں علیؑ کے درج ذیل برجستہ جان فدا ساتھی مملکت اسلامی کے مختلف مناصب پر فائز رہے۔

۱۔ عمار یاسرؓ: آپؓ کو کوفے کا والی بنایا گیا۔

۲۔ عثمانؓ بن حنیف الاوسی الانصاری: آپؓ عراق کے والی بنائے گئے انہوں نے معاویہ کے دور میں وفات پائی۔

۳۔ سہل بن حنیف: جنگ بدر میں شریک تھے آپؓ کے دور میں ان کے طرف سے بصرہ کے والی بنے جنگ جمل میں علیؑ کے ساتھ تھے۔

۴۔ حذیفہؓ بن الیمان العبسی: آپؓ اپنے والد اور بھائی کے ساتھ پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے۔ حذیفہؓ کہتے ہیں لوگ پیغمبرؐ سے خیر کے بارے میں پوچھ رہے تھے لیکن ہم شر کے بارے میں پوچھتے تھے تا کہ اس میں مبتلا نہ ہوں، کہتے ہیں میں نے پیغمبر سے پوچھا اپنے بعد مجھے کیا حکم دیتے ہیں امت اور امام کے ساتھ رہنا میں نے عرض کی اگر دونوں نہ ہوں تو فرمایا تنہا رہنا۔ لکھتے ہیں حذیفہؓ صاحب بصر وبصیرت تھے، شرور سے پرہیز کرتے تھے صادق اور صاف گو تھے غزوہ خندق کے موقع پر پیغمبرؐ نے انہیں تند وتیز آندھی میں پیغمبرؐ نے انہیں مشرکین کے بارے میں خبر لینے کیلئے بھیجا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ جنگ نہاوند میں فارس کے ایک لاکھ پچاس ہزار لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کی قیادت نعمانؓ بن مقرن اور حذیفہؓ کو دی گئی اور کہا گیا اگر نعمانؓ شہید ہو جائیں تو حذیفہؓ امیر ہوں گے۔ نعمانؓ نے شہید ہونے سے پہلے جھنڈا حذیفہؓ کے سپرد کیا اور کہا میری موت کو چھپا کر رکھا جائے بعد میں عمرؓ نے حذیفہ کو مدائن کا والی بنایا امیر المومنین علیؑ کے خلیفہ بننے تک مدائم میں رہے چالیس دن کے بعد وفات پائی کہتے ہیں کہ آپؓ علیؑ کے مقرب صحابی تھے۔

۵۔ البراءؓ بن عازبؓ بن حارث: یہ صحابی ابن صحابی تھے پیغمبرؐ کے ساتھ ۱۵ جنگوں میں شرکت کی پہلی مرتبہ احد میں شریک ہوئے

انہوں نے پیغمبرؐ اور اصحاب سے احادیث نقل کی ہیں فتح قزوین کے موقع پر امیر تھے، رے کو فتح کیا، علیؑ کی طرف سے نمائندہ بن کر خوارج سے گفتگو کی اور اطاعت کی دعوت دی۔ جمل، صفین اور نہروان میں علیؑ کے ساتھ شریک تھے۔ مصعب بن زبیر کے دور میں وفات پائی۔

۶۔ **"سلیمانؓ فارسی"** گدھے پر سوار ہوتے اور جو کی روٹی کھاتے تھے، زاہد و پرہیز گار تھے فتح مدائن میں "سعد بن ابی وقاص" اور "عدی بن حاتم" کے ساتھ جنگ میں شامل تھے۔

۷۔ **"ہاشم"** قادسیہ کی جنگ میں شریک تھے اس جنگ میں مالک اشتر بھی شریک تھے۔

عمرؓ کے فضائل اور مطاعن میں ثریا اور ثرا کا فاصلہ

صحیح بخاری میں انس سے مروی ہے عمرؓ نے کہا خداوند عالم نے میری خواہش کے مطابق تین بار آیات نازل کیں۔ پہلی بار آیت کے ذریعے مقام ابراہیم کو مصلیٰ قرار دیا، دوسری بار ازواج نبی کو حجاب کی تجویز دی تو آیہ حجاب نازل ہوئی جب پیغمبرؐ اپنی بعض ازواج سے ناراض تھے تو میں نے ان سے کہا اگر تم چپ نہیں رہو گی تو خدا پیغمبر اسلامؐ کو تم سے اچھی بیویاں دے گا، اس موقع پر آیہ طلاق نازل ہوئی۔

☆ کہتے ہیں جنگ بدر کے اسیروں کے بارے میں ان کی موافقت میں آیت نازل ہوئی۔

☆ روایت میں ہے شراب کی حرمت کے بارے میں ان کی خواہش پر خداوند عالم نے آیت نازل کی۔

☆ ابو ہریرہ سے منقول ہے، پیغمبرؐ نے فرمایا "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا"

عمرؓ بن خطاب کے متعلق مذکورہ بالا چند فضائل کی حقیقت او رصداقت جاننے کیلئے درج ذیل مفروضات قائم کئے جا سکتے ہیں:

۱۔ "یہ تمام فضائل ان کے قریب ترین اور خاص الخاص معتقدین نے اندھی محبت کی وجہ سے جعل کیے ہیں" اگر یہ فضائل صحیح ثابت ہو جائیں تو پھر ان کا مقام رسول اللہؐ سے بھی بلند ہو جائے گا کیونکہ پورے قرآن کریم میں کوئی ایسا حکم یا ایسی آیت نہیں ہے جو رسول اللہؐ کی خواہش کے مطابق اتری ہو لیکن یہاں خداوند عالم نے متعدد قرآنی آیات عمرؓ کی خواہش کے مطابق اتاریں جو کہ بقول ان کے مریدین و معتقدین کے عمرؓ کیلئے ایک بڑا مقام ہے۔

۲۔ یہ سب باتیں عمرؓ کے مخالفین نے ان کی شخصیت کو اٹھا کر نیچے گرانے کیلئے گھڑی ہیں کیونکہ کسی شخصیت کے بارے میں غیر معقول فضائل بیان کرنے سے، بہت سے لوگوں کو ان کے صحیح فضائل کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں جس سے ان کی شخصیت بلند ہونے کی بجائے گھٹ جاتی ہے، فارس اور شام کے علاقے عمرؓ کے زمانے میں فتح ہوئے لہٰذا ممکن ہے کہ وہاں کے شکست خوردہ لوگ اپنی قوم کی ناکامی کا انتقام لینے کیلئے فضیلت کے دروازے سے داخل ہوئے ہوں، ایک طرف سے درج بالا دو گروہوں نے عمرؓ کے فضائل جعل کئے ہیں تو تیسرے گروہ نے مطاعن کی انتہاء کرتے ہوئے عمرؓ کو نمرود و فرعون سے بھی بدتر، سامری اور امت کی تمام تر بدبختیوں اور شقاوتوں کا سرچشمہ قرار دیا ہے یہ گروہ ان کیلئے "رضی

اللہ عنہ“ تک کہنا پسند نہیں کرتا لیکن صاحب بن عباد آل بویہ کے وزیر اور سلاطینِ صفوی شاہ اسماعیل وشاہ عباس سمیت دیگر بادشاہوں کو ”نوراللہ اور ظل اللہ“ کہنے کے علاوہ وقت کے ظالمین وجابرین کیلئے دست بہ دعا رہتا ہے عمرؓ کے بارے میں غلو کرنے والوں اور طعن دینے والوں کی طرف سے غلط نتیجہ اخذ کرنے کا خدشہ نہ ہوتا تو امانت داری سے اسلام وامت کی سربلندی کی خاطر نوکِ قلم کو کھینچ کر چند سطور اور بڑھاتے۔

عثمانؓ بن عفان

عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد المناف تیسرے خلیفہ مسلمین تھے سنہ ۶ عام الفیل کو پیدا ہوئے، ان کی ماں عروہ بن کریس بن ربیعہ بن حبیب بن عبد الشمس تھیں عروہ نے بھی اسلام قبول کیا۔ عثمانؓ کی کنیت اسلام قبول کرنے سے پہلے ابی عمرو تھی جب اسلام لائے اور رقیہ سے عبد اللہ پیدا ہوئے تو کنیت ابوعبداللہ ہوگئی پیغمبرؐ کے دارارقم میں داخل ہونے سے پہلے ابوبکرؓ کے توسط سے ایمان لائے مشرکین نے تو مسلموں کو بہت زیادہ اذیت وآزار پہنچانا شروع کیا تو انھوں نے حبشہ ہجرت کی جب حالات کے صحیح ہونے کی خبر ملی تو واپس مکہ آئے پھر حبشہ ہجرت کی پھر مدینے کی طرف ہجرت کی۔ عثمان پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ سوائے غزوہ بدر کے تمام جنگوں میں شریک رہے کیونکہ بدر کے موقع پر ان کی زوجہ رقیہؓ بیمار تھیں یہاں ناقدین اس مسئلہ کو، احد کے میدان سے فرار ہونے اور بیت المال میں بدعنوانی کو ان کے عیب ونقص کے طور پر اٹھاتے ہیں لیکن ان کے حامیوں کا کہنا ہے بدر میں شرکت نہ کرنا پیغمبرؐ کی اجازت سے تھا، احد سے فرار ہونے پر پیغمبرؐ نے معاف کیا۔

بیت المال مسلمین کے بارے میں توجیہ پیش کی ہے ”عثمانؓ ایک تو صلہ رحمی کرنے والے دوسرا اقربا پرور تھے جو کہ اپنی جگہ ایک مستحسن عمل ہے اس کے نتیجے میں کچھ امور میں ان کے اختیار کے بغیر زیادتی ہوئی۔ وہ انتہائی رحمدل تھے لہٰذا لوگوں نے ان کی رحم دلی سے غلط فائدہ اٹھایا انھوں نے ایک غلطی کی لیکن دوسروں کی غلطیاں بھی ان کے کھاتے میں ڈال دی گئیں“ یہ اس سلسلے میں بہترین مثال اس طرح پیش کرتے ہیں کہ جس ماہر نے ٹیلی ویژن ایجاد کیا تھا اس نے اسے انسان کی سہولت کی نیت سے بنایا تھا لیکن اس کے غلط استعمال کی وجہ سے ہونے والے نقصان کے ذمہ دار وہ لوگ خود ہیں جو اسے غلط استعمال کرتے ہیں جس نے مہلک دوا جراثیم مارنے کیلئے بنائی تھی اس سے غلط فائدہ اٹھا کر دوا کو نگلنے والے لوگوں کی اپنی غلطی ہے۔

”حدیبیہ“ کے موقع پر پیغمبرؐ کے نمائندہ بن کر مشرکین کے پاس گئے، انہوں نے روک کر قتل کرنے کی افواہ اڑائی تو پیغمبر اسلامؐ نے لوگوں سے مرتے دم تک جنگ لڑنے کی بیعت لی۔ عثمانؓ صاحب ثروت ودولت تھے انہوں نے کئی مرتبہ اپنا مال لشکر اسلام کیلئے بذل کیا۔ علیؑ کے نہج البلاغہ میں موجود خطبہ ۱۶۴ کلمہ ”صہر“ کے تحت آپ رسول اسلامؐ کے داماد تھے، ابوبکرؓ کے دور خلافت میں ان کے منشی تھے، خلیفہ دوم کی طرف سے تعین کردہ چھ رکنی شوریٰ کے تام الاختیار عبد الرحمٰن بن عوف کی رائے سے خلیفہ منتخب ہوئے، ان کے دورِ خلافت میں ارمینہ، خراسان، افریقہ، افغانستان اور قبرص فتح ہوئے۔

انھوں نے مروان، عبداللہ بن معیط، عبداللہ بن ابی سرح اور ولید بن عتبہ وغیرہ کو مسلمانوں کی مقدرات پر مسلط کیا جن کی

ناقص کارکردگی اور مالی تصرفات کی وجہ سے اُمت اسلامی کی تنقیدات اور اعتراضات کا نشانہ بنے، ان کی اقربا پروری قریبی رشتہ داروں کی بیت المال سے لوٹ مار اور ظلم وستم کی بنا پر لوگوں نے شکایت کیلئے کئی وفود دارالخلافہ بھیجے اور ظلم وستم کرنے والے لوالیوں کو معزول کرنے کی درخواست کی، انھوں نے خود اس کا اعتراف بھی کیا لیکن جب امت کو اپنے بجا اعتراضات کا اطمینان بخش جواب نہ ملا تو ۴۰ دن تک گھر کا محاصرہ کرنے کے بعد آپ کو خلافت سے معزول کردیا گیا آخر کار اسی تنازعہ میں عید الاضحیٰ ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ ہجری کی صبح تلاوت قرآن کرتے ہوئے انقلابی گروہوں کے ہاتھوں مروان کی غلط کاریوں کی وجہ سے دوسری مرتبہ خلیفہ قتل ہوئے آپ کی معزولی کے عوامل واسباب اور اس سلسلہ میں علیؑ کے کردار اور موقف کو جاننے کیلئے نہج البلاغہ خطبہ ۳، ۱۶۴، ۲۴۰ رسائل ۱، ۲۸ ملاحظہ فرمائیں۔

خلیفہ سوئم کی کوتاہیوں کے بارے میں بعض نے لب کشائی کرتے ہوئے ان کی بے ادبی کی ہے اور ان پر تنقید کرنے کیلئے جارحانہ انداز اختیار کیا ہے جبکہ بعض دیگر نے اس بارے میں قرآن وسنت اور سیرت محمدؐ سے متصادم توجیہات پیش کی ہیں جو دنیا والوں کیلئے قابل ہضم نہیں ان توجیہات کو نظر انداز کرکے انھیں حق بجانب گروانا مشکل ہوگا۔

عثمانؓ کے قاتل کے متعلق صاحب الصفوۃ ج ۱ ص ۱۵۹ پر لکھتے ہیں کہ وہ مورد اختلاف ہے، بعض نے اسود تجیبی مصری بعض نے جبلۃ بن ایھم عرب نصرانی بعض نے سودان بن رومان مرادی، اور بعض نے تجیبی ومحمد بن ابی حذیفہ کا ذکر کیا ہے۔

عثمانؓ بن عفان سے ایک سو سینتالیس (۱۴۷) احادیث منقول ہیں۔

نہج البلاغہ کے درج ذیل مقامات پر مختلف مناسبتوں سے علیؑ نے عثمانؓ بن عفان کا ذکر کیا ہے: خطبہ ۱۵، ۳۰، ۴۳، ۷۴، ۷۵، ۱۳۵، ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۷۴، کتب ۶، ۹، ۲۰، ۲۸، ۵۴، ۵۸

ہم یہاں چھٹے رکن شوریٰ کے تام الاختیار عبدالرحمن بن عوف کے بارے میں چند کلمات پیش کرتے ہیں۔

عبدالرحمنؓ بن عوف

فرزند عوف بن عبدالحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی تھے انھیں زمانہ جاہلیت میں بعض عبد عمرو، بعض عبدالحارث جبکہ بعض عبدالکعبہ کہتے تھے، پیغمبرؐ نے انکا نام عبدالرحمن رکھا، عوف کی والدہ شفا بنت عوف تھیں۔ انہوں نے بھی اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت کی، عبدالرحمن نے پیغمبرؐ کے دارالارقم میں جانے سے پہلے اسلام قبول کیا اور حبش کی طرف دو مرتبہ ہجرت کی، تمام جنگوں میں پیغمبرؐ کے ساتھ رہے، جنگ احد میں پیغمبرؐ کے شانہ بشانہ کفار سے جنگ کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی زمین عثمانؓ کو چالیس (۴۰) ہزار درہم میں فروخت کی اور اس رقم کو فقراء ونادار مسلمین اور امہات المومنینؓ میں تقسیم کیا پیغمبرؐ کے زمانے میں چار (۴) ہزار دینار، پھر چالیس (۴۰) ہزار دینار اور پانچ (۵۰۰) سو گھوڑوں پر مشتمل سامان صدقہ میں دیا ۷۲ سال کی عمر میں ۳۲ ھ کو مدینہ میں وفات پائی انھیں بقیع میں دفن کیا گیا۔

عثمانؓ کے نظام خلافت کا ڈھانچہ اور خلاف ورزیاں

۱۔ مروان بن حکم بن عاص بن وائل کو پیغمبرؐ کی طرف سے جلاوطنی کے بعد واپس مدینہ لائے جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا تھا لیکن نبی کریمؐ کے خلاف جسارت کرنے پر اسے مکہ سے جلاوطن کیا گیا اس کی جلاوطنی کو خلیفہ اول اور دوئم نے برقرار رکھا لیکن عثمانؓ کے خلیفہ سوئم بننے پر مروان کو نہ صرف مدینہ واپس آنے کی اجازت دی گئی بلکہ انھیں خلیفہ کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہوا یعنی قدیم اصطلاح کے مطابق ولی عہدی اور دور حاضر کی اصطلاح کے مطابق وزارت عظمٰی کا عہدہ دیا گیا۔ مروان کو صاحب اسرار اور مشیر بنانا اور تمام امورات وتصرفات کا مکمل اختیار دینا یہ اقدام تنہا سیرت رسول اسلامؐ کے خلاف تھا بلکہ شیخین کی سیرت کے بھی خلاف تھا۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ میں مؤلف لکھتے ہیں عاص بن وائل وہی شخص ہے جو رسول اللہؐ کا ذکر آنے پر کہتا تھا اس کو چھوڑو وہ تو ابتر و بے اولاد ہے مرنے کے بعد اس کا نام ونشان مٹنے سے اس کا ذکر ختم ہو جائے گا جب اس کی یہ باتیں پیغمبرؐ تک پہنچیں تو آپؐ کا دل رنجیدہ ہوا اس وقت خداوند متعال نے سورہ کوثر نازل فرمائی۔ اس سورہ کا ایک مصداق زہراؑ مرضیہ کو قرار دیتے ہیں جن سے گیارہ آئمہؑ کی نسل چلی ان ذوات پاک کے خدا کی طرف سے کوثر ہونے میں کوئی جائے شک نہیں۔ فریقین کی کتب میں اس کے متعلق بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں لیکن قرآن کریم کو جامع الاخبار بنانے والوں نے اس سورہ مبارکہ کے ضمن میں دو زیادتیاں کی ہیں:

☆ کوثر کو نسل میں منحصر کیا ہے جبکہ آیت میں اس قسم کا کوئی نمونہ نہیں ملتا ہے بلکہ کوثر کے ایک وسیع عطیہ ہونے پر قرآئن موجود ہیں۔

☆ نسل میں بھی بعض نے گیارہ آئمہ طاہرینؑ کے علاوہ آپ کی نسل سے ہر قسم کے سادات "**چاہے کتنے ہی جرائم کے مرتکب کیوں نہ ہوں**" کوثر کا مصداق گردانا ہے۔

۲۔ کئی خاندانوں کے ارباب اختیار ایسے تھے جن کا خون پیغمبرؐ نے ہدر کیا تھا لیکن خود عثمانؓ کے اصرار پر ان سے صرف نظر کیا گیا بعد ازاں انکے دور خلافت میں انھیں مملکت اسلامی کے بعض خطوں کا حاکم بنایا گیا علاوہ ازایں انہوں نے اپنے خاندان کے لوگوں کو مملکت اسلامی کے طول وعرض میں مختلف مناصب پر مسلط کیا جیسا کہ ولید بن عقبہ، عمرو بن عاص اور معاویہ وغیرہ۔

۳۔ عثمانؓ نے عید کی نماز سے پہلے خطبہ دیا اور جمعہ کے روز پہلی اذان کا اعلان کیا، پہلی بار قضاوت کیلئے خاص جگہ کا تعین کیا کیونکہ اس سے پہلے خلیفہ اول و دوئم مسجد میں قضاوت کرتے تھے۔

۴۔ عمار یاسرؓ اور ابن مسعودؓ کو ضرب وشتم کا نشانہ بنایا۔

۵۔ بیت المال کی تقسیم میں خاندان بنی امیہ کو دیگر قریشیوں پر ترجیح دی۔

۶۔ ابوذر غفاریؓ کو "ربذہ" جلاوطن کیا جہاں وہ عالم غربت میں وفات پاگئے ہم انکی حیات کے متعلق چند کلمات پیش کرتے ہیں۔

ابوذرؓ غفاری

ابوذرؓ مدینہ سے باہر رہتے تھے پیغمبرؐ کی بعثت کی خبر سوید بن صامتؓ و ریاس بن معاذؓ کے ذریعے سنی جوان کے اسلام لانے کا سبب بنی ۔ابوذرؓ کہتے ہیں مجھے خبر ملی مکے میں ایک آدمی نمودار ہوا ہے جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے، میں نے اپنے بھائی سے کہا ان کے پاس جا کر ان سے بات کریں اور میرے پاس خبر لائیں ،بھائی مکہ جا کر واپس آیا،ابوذرؓ نے اپنے بھائی سے پیغمبرؐ کے ساتھ ملاقات کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا خدا کی قسم میں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا ہے جو بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے، مجھے بھائی کی باتوں سے تسلی نہ ہوئی تو میں نے خود کھانے پینے کی چیزیں لے کر جانے کا فیصلہ کیا مکہ پہنچا تو میرا وہاں جاننے والا کوئی نہیں تھا، کسی سے سوال کرنے سے کراہت محسوس کرتا تھا، زم زم کا پانی پی کر حرم میں آرام کیا،علیؑ وہاں سے گزرے اور مجھے دیکھ کر کہنے لگے اجنبی معلوم ہوتے ہو میں نے ہاں میں جواب دیا پھر انہوں نے کہا میرے ساتھ چلو ان کے ساتھ گیا لیکن انہوں نے مجھ سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہ کیا اور نہ ہی میں نے ان سے کچھ پوچھا صبح پھر مسجد واپس آ گیا مجھے کوئی بتانے والا نہیں تھا یہاں تک کہ علیؑ آئے اور مجھے دیکھ کر بولے آپ کو ابھی تک اپنا ٹھکانہ معلوم نہیں ہوسکا میں نے کہا نہیں، انہوں نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا اور پوچھا اس شہر میں کیوں آئے ہو میں نے کہا مجھے خبر ملی ہے یہاں ایک آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے میں نے اپنے بھائی کو اس بارے میں خبر لینے کیلئے بھیجا لیکن مجھے تسلی نہیں ہوئی لہٰذا چاہتا ہوں کہ خود ان سے ملوں ابوذرؓ کہتے ہیں یوں علیؑ کے ذریعے میری پیغمبرؐ سے ملاقات ہوئی ۔

کتاب صفوۃ الصفوۃ ج ا میں مؤلف لکھتے ہیں ابوذرؓ غفاری پیغمبر اسلامؐ کی بعثت سے پہلے خدا کی عبادت کرتے تھے مکہ میں آ کر اسلام قبول کیا، ایمان لانے والی چوتھی شخصیت گنے جاتے ہیں، جنگ بدر و احد اور خندق کے بعد مدینہ آئے، آپ نے خلیفہ سوئم کے دور میں بیت المال کی تقسیم پر تنقید کی جس کی وجہ سے انھوں نے آپ کو شام بدر کر دیا وہاں بھی یہی صورت حال پیش آئی تو معاویہ بن ابی سفیان نے آپ کو علاقہ بدر کرتے ہوئے واپس مدینہ بھیج دیا،اس کے بعد دوبارہ عثمانؓ نے آپ کو ربذہ جلاوطن کر دیا۔صاحب صفوۃ لکھتے ہیں آپ نے میدانِ ربذہ میں وفات پائی ،حجر بن عدی بن الادبر اور مالک بن الاشتر نے آپؓ کی تجہیز و تدفین کی پیغمبر اسلامؐ نے ان کی شان میں فرمایا تم میں سے کوئی فلاں زمین پر مرے گا جس کے جنازے پر مومنین کا ایک گروہ نماز پڑھے گا:

"لیموتن رجل منکم بفلاۃمن الارض تشھدہ عصابۃمن المؤمنین" (نہج البلاغہ خطبہ ۱۳۱ ترجمہ جوادی ص ۲۵۳ ملاحظہ کریں)

نبی کریمؐ کی وفات کے بعد بقائے اسلام کی ضمانت امت اور خلفاء دونوں پر عائد تھی ،امام و رعیت اور حکام و عوام دونوں برابر عنداللہ جوابدہ ہیں، امام و رعیت اور حکام و عوام کی ایک دوسرے پر دو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں:

ا۔ اگر امت انحراف کرے فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی برتے محرمات کا ارتکاب کرے اور بے پرواہی کا مظاہرہ کرے تو حاکم کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت کو راہ راست پر لائے۔

۲۔ حاکم کے انحراف پر امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اٹھے، اسے متنبہ کرے اور راہِ راست پر لائے۔

خلیفہ سوئم اوران کی طرف سے متعین والیوں کا انحراف پیغمبر اسلامؐ کی سیرت طیبہ کے علاوہ خلیفہ اول و دوم کی سیرت کے بھی سراسر خلاف تھا جہاں ان کے ادوار میں ان کے عزیز و اقارب میں سے کسی نے بھی اجتماعی و سیاسی اور اقتصادی فوائد حاصل نہیں کئے، خلیفہ سوئم کے دور میں اقتدار پر صرف انھیں کا خاندان قابض رہا۔ اس پر رعیت کے ایک معزز و محترم، متقی و پرہیز گار اور ایمان لانے والوں میں سبقت کرنے والے صحابی رسولؐ ابوذرؓ غفاری نے صدائے احتجاج بلند کی۔ اس جرم کی پاداش میں جلاوطنی کی زندگی گزارنے والے کی زندگانی سے سیرت نویسیان سرسری طور پر گزر جاتے ہیں تا کہ عثمانؓ کے اس اقدام سے چشم پوشی کی جاسکے، مسلمانوں کا یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ اسلام سے زیادہ خلفاء، سلاطین و حکام اور فقہاء و مجتہدین کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں شاید ان حضرات کی وجہ سے اسلام زندہ ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے اگر اسلام زندہ ہے تو سب زندہ رہیں گے۔

عثمانؓ اور تقسیم بیت المال

۱۔ تقسیم بیت المال مسلمین سے اپنے داماد مران بن حکم کو (۱۰۵۰) اوقیہ سونا چاندی، تین لاکھ درہم، صدقات کے اونٹ، مدینے میں موجود ایک بازار، افریقہ سے حاصل ہونے والا خمس اور پانچ لاکھ دینار دیئے۔

۲۔ مولفۃ قلوب ابوسفیان کو بیت المال سے دو لاکھ دینار دیئے۔

۳۔ ولید بن عقبہ جو انکا ماں کی طرف سے رشتہ دار تھا اس نے بیت المال سے قرضے کے بہانے کثیر رقم وصول کی اور واپس نہیں کی۔

۴۔ طلحہ کو دو لاکھ اور زبیر کو ۶۰ لاکھ دینار دیئے، جب زبیر کو چھ لاکھ دینار ملے تو وہ حیران رہ گیا کہ اتنی بڑی رقم کہاں خرچ کرے۔

یہ تھا رقم کا حساب، انہوں نے جو زمین اور باغات وغیرہ اپنے والیوں، گورنروں اور بنی امیہ کو دیئے وہ اس وقت کے حوالے سے ایک فاش ظلم تھا لیکن ایک منصف شخص کو عثمانؓ پر نقد و انتقاد کرتے وقت بنی امیہ اور بنی عباس کی اپنے وزیروں کو دی گئی املاک و جائیداد، سلاطینِ آل بویہ، صفویوں اور رفاطمیوں کی فضول خرچیوں، اسراف و تبذیر اور مال و دولت کی بے جا فضل و بخشش کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے اسی طرح بعض مراجع کے اپنی مرجعیت کے دور میں دامادوں اور تعلقات کی بنیاد پر دی جانے والی دولت کو سامنے رکھ کر عدالت کرنا چاہیے۔

خلفائے راشدین × کے بارے میں مشترکہ حقائق

خلفاء راشدین کے بارے میں پوری امت مسلمہ مندرجہ ذیل حقائق کو تسلیم کرتی ہے:

۱۔ یہ پیغمبرؐ کے ساتھ مکہ اور مدینہ دونوں ادوار کی دعوت میں شریک رہے۔

۲۔ ہر ایک کے درجات و مراتب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

۳۔ چاروں کی ترتیب اس طرح سے ہے

☆ابوبکرؓ بن عثمان ابی قحافہ ☆عمرؓ بن خطاب ☆عثمانؓ بن عفان ☆علی بن ابی طالبؑ

۴۔ابوبکرؓ کے علاوہ باقی تینوں امت کے ہاتھوں خنجر وتلوار کا نشانہ بنے۔

۵۔ہر ایک مقام ومنزلت اور سبقت وفدا کاری میں دوسرے کی بنسبت تقصیر وبرتری کا حامل ہے۔

۶۔پہلے دوسرے اور چوتھے خلیفہ نے ہر قسم کی اقربا پروری سے گریز اور منسوب والیوں کا سختی سے احتساب کیا۔

۷۔پیغمبرؐ کا ساتھ دینے والے بہترین انسان تھے ان کا مختصر سا صدقہ بھی سونے کے پہاڑ کے برابر تھا۔یہ حکم صرف فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والوں کے بارے میں تھا اس کے بعد ایسی یہ فضیلت ختم ہوگئی۔

۸۔خلفاء راشدین × کے بعد سوائے امام حسنؑ کے جن کو موقع نہیں دیا گیا ان سے بہتر کوئی خلیفہ آج تک منتخب نہیں ہوا ہے کیونکہ خلفاء نہ کافر ومشرک تھے نہ منافق ،اہل غلو کیلئے ان مسلماتِ عقلی ونقلی سے متصادم ہونے کی کوئی گنجائش ہے اور نہ اہل طعن وتشنیع کے سب وشتم کرنے کی سند قرآن وسنت میں ملتی ہے کیونکہ یہ حضرات رسول اسلامؐ پر صدق دل سے ایمان لانے والے سچے مسلمان تھے ان میں بھی وہی صفات وحاجات اور ترجیحات تھیں جو ہر مسلمان میں پائی جاتی ہیں۔جونہی آفتاب رسالت غروب ہوا تو ہر ایک کی ترجیحات نے سر اٹھایا، کیا آج کل کے مسلمان ارباب اقتدار حتیٰ فقہاء اور مجتہدین مرجع بننے کے بعد اقربا پروری نہیں کرتے اور سیاسی ،اجتماعی واقتصادی فوائد ملنے کے بعد یا اقتدار حاصل کرنے کیلئے سر نہیں اٹھاتے؟ کیا یہ لوگ امتیازات کو ایک محترم زندگی گزارنے کے کام سے نہیں اپناتے؟

خلفاء کے بارے میں درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔نبی کریمؐ کے بعد خلفاء، آئمہ اور امت اسلامی پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد تھیں؟

۲۔کن لوگوں نے مرکز اسلامی سے بغاوت اور سرکشی کا اعلان کیا؟

۳۔خلیفہ اول نے نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد پیدا ہونے والے فتنوں کی تند وتیز آندھی سے مدینہ اور امت اسلام کو بچانے کی خاطر کیا حکمت عملی مرتب کی ،اس میں کون کون سی خوبیاں یا خرابیاں اور خامیاں تھیں؟

۴۔ابوبکرؓ کی کیا کیا حکمت عملیاں اور مناسب اقدامات تھے یا پھر ان میں کن چیزوں کی کمی وبیشی تھی؟

۵۔انتخاب خلیفہ کے مخالفین یا حزب اختلاف جن کی قیادت ورہبری علیؑ بن ابی طالب کر رہے تھے ان کی ذمہ داریاں کیا تھیں اور آپ نے کون کون سے کام انجام دیئے اور کون سے کام چھوڑ دیئے؟

خلفاء کے بارے میں چند نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ان کی مذمت میں بیان کی جانے والی بعض روایات جھوٹ پر مبنی ہیں ان کے بعض فضائل میں بھی غلو ہوا ہے۔

۲۔بعض کہتے ہیں خلفاء کی سابقہ حسنات ونیکیاں اور فضائل ان سے صادر ہونے والے گناہوں کیلئے قابل بخشش ہیں کیونکہ نیک اعمال انجام دینے کے بعد آئندہ سرزد ہونے والے تمام گناہوں کو بخشا جائے گا یہ چھوٹ صرف انہی کیلئے ہے۔ کسی کے بارے میں یہ تصور درست نہیں کہ بعض گناہ انسان کی حسنات کو کھا جاتے ہیں یہ مقام کسی نبی کو بھی نہیں ملا ہے

یہ وہاں درست قرار پاتا ہے جہاں گناہ پہلے سرزد ہوں اور حسنات بعد میں کی جائیں چنانچہ یہ کفر سے اسلام لانے والوں کیلئے ہے نہ کہ اسلام کی طرف سبقت کرنے اور جہاد کے بعد گناہ کا ارتکاب کرنے والوں کیلئے بمفروضہ چھوٹ کے تحت دین سے منحرف ہونے والے مرتدین کا تصور ختم ہو جائے گا قرآن کی مختلف آیات ملاحظہ ہوں۔

☆ ذرہ برابر اچھائی کا صلہ اور برائی کا بدلہ دیا جائے گا

☆ ایک سلسلہ آیات میں سابقہ گناہوں کے توبہ دانابہ سے محو اور دھلنے کا ذکر آیا ہے۔

☆ بعض آیات میں کثیر نیک اعمال وعبادات کا مختصر منافی اعمال کے ذریعے کالعدم قرار پانے کا ذکر آیا ہے۔

☆ جس طرح بعض نیک اعمال کو بعض اچھے اعمال پر فوقیت دی گئی ہے اسی طرح بعض برے اعمال کو دیگر اعمال کی نسبت بدتر قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ اٹھتے بیٹھتے اصحاب و خلفاء پر لعن اور سب وشتم کرنا ایک نا قابل بخشش عمل ہے۔

ہم اس کتاب میں خلفاء پر نقد وتنقید کرنے سے کئی وجوہات کی بنا پر گریز کریں گے۔

۱۔ اس وقت ان کو نقد وتنقید کا نشانہ بنانا نہ کسی مسئلے کا حل ہے اور نہ کسی درد کی دوا سوائے تکرار اور ایک دوسرے کے ساتھ عداوت ودشمنی میں اضافہ کرنے کے اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہے۔

۲۔ خلفاء کو برے انداز میں یاد کرنا اور ان پر سب وشتم کرنا چند خاص فرقوں کا کام ہے جس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، ہم ان سب سے برأت کا اعلان کرتے ہیں جس کی تفصیلی بحث ہماری کتاب **"قرآن میں امام وامت"** کے عنوان **"امامت امت"** میں بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ کتاب **"شکووں کے جواب"** ملاحظہ کریں۔

۳۔ امت مسلمہ کی اکثریت خلفاء کی تعظیم واحترام کرتی ہے ہم ان برادران اسلامی کا احترام کرتے ہیں اور ان کے خلاف ہر قسم کی حرکات اور موقف سے گریز کرتے ہیں کیونکہ ایسا کرنا اغیار کی خوشی اور مسلمانوں کی ناراضگی کا سبب ہے ہمارے لئے علیؑ کی سیرت طیبہ حجت ہے آپ کی سیرت میں یہ پہلو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ نے تمام اختلافات اور مسائل کو بالائے طاق رکھ کر خلفاء سے تعاون کی سیرت کو اپنایا، نص قرآن کے تحت تمام اہل سنت والجماعت ہمارے برادرانِ ایمانی ہیں لہٰذا ان کو ناراض کرنا جائز نہیں کیونکہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان کی جان، مال اور ناموس محفوظ رہے ہم جن کے شیعہ کہلاتے ہیں ان کی قولی وفعلی سیرت طیبہ بھی یہی تھی اس کے خلاف چلنے کے بعد کیسے ان کے شیعہ کہلانے کے مستحق ہونگے؟ علیؑ خلفاء کے ساتھ رہے انھوں نے کبھی بھی ان کو برے انداز میں یاد نہیں کیا امام حسینؑ نے اہل بصرہ کے نام خط میں تحریر فرمایا "ہم نے خلفاء سے عدم مزاحمت ومخالفت کی سیرت کو اپنایا"

خلفائے راشدین × کی خلافت کا موزانہ خلفاء اور سلاطین اسلامی سے

۱۔ قرآن کریم اور سنت سے ہٹ کر منصب خلافت سنبھالنا پہلے خلیفہ کا برا تجربہ تھا جس کیلئے آیات قرآن اور سیرت ونظریہ رسول اللہؐ کو نظر انداز کیا گیا۔

۲۔ خلفاء راشدین × کا دور، تاریخ خلفاء وسلاطین میں عصر حاضر تک کے بہترین اور اعلیٰ کردار کا دور ہے ۔اس کی دیگر ادوار کی بنسبت اَمولیت اور بہتری درج ذیل اسباب کی وجہ سے تھی:

- ٭ کسی خلیفہ نے خلافت کو اپنے خاندان میں محصور نہیں کیا بلکہ دوسرے خاندان میں منتقل کیا۔
- ٭ خلفاء نے اپنی زندگی کے حوالے سے ہر قسم کے عیش ونوش سے پرہیز کیا۔

عقلاء اور حکماء فرماتے ہیں شرف انسانی اس میں نہیں کہ فقط خیر وشر میں تمیز کرے کیونکہ یہ صفت بعض حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے بلکہ شرف انسانی اس میں ہے کہ دو خیر کے درمیان تمیز کرے کہ اُن میں سے کون سا بہتر و برتر یا برائیوں میں سے کون سی بدتر ہے اس اصول کے تحت ہمیں خلفاء اور سلاطین کے مختلف ادوار میں سے ہر دور کے دوسرے دور کی بنسبت بہتری کی تمیز کرنا ہو گی۔

۱۔ **خلفاء ثلاثہ:** ابو بکر، عمر، عثمان ×

۲۔ **خلفاء بنی اُمیہ** ''معاویہ بن ابی سفیان'' سے لے کر ''مروان حمار'' آخری اموی خلیفہ تک

۳۔ **خلفاء بنی عباس**

۴۔ **سلاطین عثمانی، فاطمی، آل بویہ، صفوی۔**

اس سلسلے میں ہم قارئین کی خدمت میں چند سوال پیش کرتے ہیں امید ہے عقل اور بصیرت دینی کے تحت عدل وانصاف کا پاس رکھتے ہوئے ان سوالات کے بارے میں غور وفکر کریں گے:

۱۔ کیا بنی اُمیہ، بنی عباس، سلاطین فاطمی، آل بویہ، صفوی، عثمانی، قاچاری، پہلوی اور راجگان، خلفائے راشدین کے ساتھ برابر و یکساں درجہ رکھتے تھے یا ان سے کئی گنا بہتر تھے۔

۲۔ کیا پیغمبر اسلامؐ کی بعثت کے ابتدائی دور میں آپؐ پر ایمان لانے والے، اپنے دین کی خاطر گھر بار اور عیش وعشرت کی زندگی چھوڑ کر ہجرت کرنے والے یا جنہوں نے مکہ میں آپ پر زندگی کو تنگ کیا، آپؐ کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا، آپ پر پے در پے جنگیں مسلط کیں اور آخر میں آپ کے سامنے تسلیم ہو گئے برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا ان دونوں گروہوں میں کوئی فرق نہیں ہے آپ فرق نہ رکھنے والے کو کیا کہیں گے؟ کیا آپ قلم و بیان سے ان دونوں گروہوں میں فرق رکھیں گے یا نہیں؟

۳۔ کیا پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک ہونے والے اور آپؐ کے خلاف آخری دم تک جنگ لڑنے والے برابر ہیں؟

۴۔ اپنے دور اقتدار میں علیؑ کو چاہنے والے، آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے مدح سرائی کرنے والے اور رصلاح ومشورہ کرنے والے ان لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں جنہوں نے تمام منابر سے علیؑ پر سب وشتم اور دشنام کی سنت کو جاری کیا؟ حتیٰ دشنام

دینے کی یاد آنے کے شکرانے میں مساجد قائم کیں۔

۵۔ کیا مسند خلافت پر شوریٰ کے ذریعے آنے والے کا موازنہ ان خلفاء کے ساتھ کیا جا سکتا ہے جو لشکر کے ذریعے بزور بازو خلافت پر قابض ہوا؟

۶۔ جس خلیفہ نے اپنے بیٹے کو خلافت سے محروم رکھ کر حق انتخاب کو شوریٰ پر چھوڑا اُس کے برابر ہو سکتا ہے جس نے خلافت کو اپنی نسل میں باقی رکھنے کے لئے شریعت آسمانی کے تمام عہد و پیمان توڑ دیئے؟

۷۔ وہ خلیفہ جو تمام منابر سے ہر جمعہ و جماعت کے بعد مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ کے خلاف سبّ و شتم کو رواج دے اور ایک خلیفہ جو اس کی فاسد بدعت کو اپنے خاندان کی مخالفت کو برداشت کر کے انتہائی جرائت و شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ختم کرے کیا ان دونوں میں کوئی فرق نہیں؟

۸۔ کیا وہ خلفاء جن کے دور حکومت میں امام علیؑ کے برجستہ انصار و اصحاب شامل رہے اور خود امامؑ نے بھی ہر موقع و محل پر انھیں اپنے بہترین اور حیات آفرین مشوروں سے نوازا ان خلفاء کے برابر ہو سکتے ہیں جن سے علیؑ اور دیگر آئمہ ؑ نے ہر قسم کے تعاون کو حرام قرار دیا۔

۹۔ اپنے بیٹوں کو منصب خلافت سے دور رکھنے والے، اپنے طرد شدہ داماد کو پیغمبر اسلامؐ اور سابقہ خلفاء کی سیرت کی مخالفت کر کے واپس لانے والے، یہود و صلیب کو اپنی حکومت اور علاقے سے دور رکھنے والے اور انہی کو اپنا مشیر بنانے والے برابر ہو سکتے ہیں؟

۱۰۔ کیا کوخ نشین اور کاخ نشین میں کوئی فرق نہیں؟ کیا بیت فقیرانہ میں زندگی گزارنے والے اور بیت قیصر و کسریٰ اور حمراء و بیضا میں رہائش پذیر ہونے والوں کے درمیان کوئی فرق نہیں؟

۱۱۔ کیا قرآن کریم اور سنت و سیرت رسول اللہؐ کے تحت منافق اور کافر میں کوئی فرق نہیں؟ قرآن و سنت میں منافق کو مسلمان تصور کیا گیا ہے اگر خلفاء کو منافق تصور بھی کیا جائے تو کیا ان کے ساتھ کفار جیسا سلوک کرنا چاہیے؟

ان تمام فروق کو پس پشت ڈال کر پہلے ہی فریق کو اسلام و کفر کی سرحد پر قرار دینے والے کو ہم اور ہر مسلمان مجبوراً یہی سمجھے گا کہ فرق نہ رکھنے والے ہی دوسرے گروہ کے حامی ہیں یہ صدر اسلام میں پیغمبر اسلامؐ کے خلاف نبرد آزما لوگوں سے دوستی اور انہی کو بچانا چاہتے ہیں کیونکہ یہ کم غلطیاں کرنے والوں کو تنقید کا نشانہ بنا کر بنی امیہ اور دیگر کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

خلفاءاور غلطیاں

برادرانِ اہل سنت والجماعت کی طرف سے اہل تشیع پر ہونے والے انتقادمیں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے آئمہ کے بارے میں عصمت کے قائل ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی کریمؐ کے بعد کوئی بھی معصوم نہیں ہے پھر خلفاء بھی غلطیوں کا ارتکاب کرتے تھے اگر تسلیم کریں خلفاء غلطی کرتے تھے اور کی بھی ہیں جو تاریخ میں ثبت شدہ ہیں تو اس کا ذکر کرنے میں کوئی قباحت نہیں اور نہ ہی اسلام کو اس سے کوئی نقصان پہنچے گا۔ آیا ان کی غلطیوں کا مواخذہ نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ بنی امیہ کے بعض ہم نواؤں نے علماء اور خلفاء کو اس سلسلے میں مطمئن کیا، اس صورتحال میں خلفاء کا مقام پیغمبرؐ سے بالاتر ہونا لازم آئے گا!

خلفاء سے دفاع

بعض کا کہنا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے آپ خلفاء کا دفاع کرنے پر مصر ہیں، ان کے کریہہ چہرے کو چھپانا چاہتے ہیں لیکن اپنی کوشش میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، اُن کے چہرے پر پردے لگیں یا نہ لگیں خود آپ کے اپنے چہرے سے پردے ہٹیں گے وغیرہ ......ان کا جواب بہت آسان ہے جو شخص گٹر سے نکلا ہوا سے عطر کی خوشبو کیسے محسوس ہوگی اس طرح جس شخص نے کیسانیہ، جارودیہ، اسماعیلیہ، عباسیہ اور شہنشاہانِ صفوی وقاچاری کی اسلام دشمنی اور اسلام کے خلاف کی گئی غلاظتوں سے کان بھرے ہوں، جو گندی محافل کا عادی ہو جو معاویہ و خلفائے بنی اُمیہ جیسوں کے زیر منبر رہنے اور اسلام کے خلاف خطبات کی سماعت کا عادی ہو وہ کیسے حقائق کو سننا اور سمجھنا برداشت کرے گا؟

ہم خلفاء سے اس لئے دفاع نہیں کرتے کہ ہم انہیں حق بجانب یا ان کی خلافت کو اصول کے مطابق سمجھتے ہیں صحیح جانتے ہیں یا انہوں نے کسی قسم کا کوئی ظلم و نا روائی علیؑ و زہرا = سے نہیں کی بلکہ ہم اسلام اور اہل بیت % سے دفاع کر رہے ہیں ہم نہ خلفاء کو بعض کی طرح کافر و مشرک سمجھتے ہیں نہ منافق بلکہ انہیں عام مسلمان اور اصحاب رسول اللہ سمجھتے ہیں۔ ہم ان سے اسی مقدار میں دفاع کرتے ہیں جتنا علیؑ نے ان سے دفاع کیا آئمہ طاہرین % نے ان کے حق میں بدزبانی و بدگوئی سے گریز کیا ہم بھی انہی ذوات پاک کی تاسی کرتے ہوئے کسی پر بدگوئی کی زبان نہیں کھولتے، یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں ہر ظالم کے خلاف بولنا واجب اور ضروری نہیں اس سلسلے میں دو نکات بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ دین مقدس اسلام کی شناخت عدل ہے یہ دنیا میں عدالت قائم کرنے کیلئے آیا ہے چنانچہ کثیر آیات میں عدالت قائم کرنے کیلئے دقت و باریک بینی سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے خداوند متعال نے دشمنان اسلام کے ساتھ بھی عدالت کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا﴾ ''کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ''
(مائدہ۸)

شیعہ مذہب کے اصولوں میں سے ایک اصل عدل ہے، عدالت کا تقاضا ہے کہ جو چیز ثابت نہیں اسے جھوٹ سے ثابت

کرنے کی کوشش نہ کی جائے یا کم از کم اسے اچھالنے اور ہوا دینے سے گریز کیا جائے جس طرح ظلم کا بہانہ بنا کر دوسرے اُچھالتے ہیں۔

۲۔ ظلم کے خلاف بولنے کا فلسفہ یہ ہے کہ ظالم کو ظلم سے باز رکھا جائے اور اس کے ظلم وستم سے نفرت کی جائے تا کہ کسی دوسرے شخص کو ظلم کرنے کی جرأت نہ ہو لیکن جہاں دنیا میں اس ظالم کا کوئی وجود نہ ہو اور اس کے ظلم کے خاتمہ کے ساتھ مظلوم بھی دنیا میں نہ ہو تو اس صورت میں فلسفہ ظلم کو نظر انداز کر کے صرف گذشتہ ظالمین کا نام لینا اور فضا کو آلودہ کرنا وقت کے ظالمین کو چھٹکارا دینے کے مترادف ہے جیسا کہ چور گھر سے چوری کرنے کے بعد فرار کرتا ہے گھر والے چور کی سمت کو چھوڑ کر دوسری طرف یہ کہہ کر بھاگیں کہ اس سے پہلے بھی چور یہاں سے بھاگا تھا یہ عمل ظالم کے خلاف نہیں بلکہ اسے تحفظ دینے کا پیش خیمہ ہے۔اس سلسلے میں چند حقائق درج ذیل ہیں۔

☆ دور حاضر کے باغی وطاغی حکام ،سرمایہ داران سب کو ایک ہی کٹہرے میں کھڑا کر کے ایک کے ساتھ نرمی اور دوسرے سے زیادتی اپنی جگہ ظلم ہے۔

☆ کیا موجودہ دور میں حد اعتدال سے نکلنے والے مسلیمہ کذاب،اسلام کی خاطر کفر کے خلاف برسرپیکار علماء و دانشمندان ،رسول اللہؐ کی اہانت وجسارت کرنے والے ،شریعت اسلامی کو روک کر باطل کو ترجیح دینے والے اور کفر وشرک سے نبرد آزما ہو کر دین وشریعت کا نفاذ کرنے والے سب کو ایک ہی کٹہرے میں کھڑا کرنا عدل وانصاف ہے۔

☆ دور حاضر میں شرعی احکام پائمال کرنے والے ،اسراف وتبذیر کرنے والے ،علماء ومتدینین اور باغی وطاغی مسلمان حکام یقیناً خلفاء سے ان کا کوئی تناسب نہیں اور وہ ان سے بہتر ہیں۔

خلفاء کے خلاف تاریخ اور احادیث کی کتابوں میں موجود منقولات کو ہم نہ محض جھوٹ گردانتے ہیں کیونکہ وہ غلطیوں سے محفوظ نہیں تھے اور نہ ہم خلفاء کی مذمت میں وارد احادیث کو من وعن تسلیم کر کے ان کے ماننے والوں کے خلاف بطور سند پیش کرتے ہیں کیونکہ ان کتابوں کے مصنفین ومولفین ہمارے عصر حاضر کے سنی سے شیعہ ہونے والے افراد ہیں ،تقریر وتحریر سے اسلامی فضا کو مکدر بنانے اور امت اسلامی کو منتشر کرنے والوں سے ان کے مختلف یا الگ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے!

مذکورہ بالا تمام حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد ہر فرد مسلم کو چاہیے کہ وہ محبت ودوستی یا عداوت ودشمنی کے طیش وغضب میں بھی عدالت وانصاف کا لحاظ رکھے ،اسی طرح اصحاب پیغمبرؐ کے حق یا مخالفت میں عدل وانصاف سے خارج کوئی فیصلہ کرنا درحقیقت اسلام کے خلاف کفر وشرک کی حمایت کرنے کے مترادف ہے ،زبانی اور عملی طور پر نقطۂ اعتدال پر قائم رہنا ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ داعیان نبوت ومہدویت کے لشکر میں رہ کر یہ نعرہ بلند کیا کہ منکر اسلام اور دشمنانِ اہل بیتؑ پر لعنت ہو۔خدائے علیم و قدیر سے دست بہ دعا ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو اس ضلالت خبیثہ سے بچائے رکھے۔

غفلت میں رکھنے کیلئے اتحاد

اتحاد اسلامی کے داعی کا لقب، تمغہ، مہر گذشتہ ایک صدی سے علماء، دانشوروں اور سیاستدانوں کے مختلف طبقات کے علاوہ اجتماعی شخصیات کو دینے کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔

۱۔ وہ علماء اور دانشور حضرات جنھوں نے تمام فرقوں اور مذاہب اسلامی سے تعلق رکھنے والوں کو دنیائے کفر وشرک کے استعمار گروں کے خلاف متحد ہونے کی دعوت دی ہے ان کا کہنا ہے اتحاد وقت کی ضرورت ہے، ہماری مصیبتیں اپنی ہی صفوں میں افتراق وانتشار کا نتیجہ ہیں، اگر ہم متحد ہوجائیں تو دشمن ہمارے خلاف کچھ نہیں کرسکتا لیکن اس کیلئے اجازت نہیں اس کے باوجود اگر وہ اس دعوت کیلئے کام کریں گے تو ان کی خیر نہیں ہوگی۔

۲۔ سب سے زیادہ فرقہ واریت اور انتشار پھیلانے والے رہنما و قائدین اسی قسم کے لقب و تمغے سے نوازے جاتے ہیں کہتے ہیں امن اور اتحاد کے داعی ہونے کا دعویٰ ہے۔

اتحاد وقت کی ضرورت ہے، یہ ایک نعرہ ہے، ہم اتحاد کے داعی نہیں بلکہ ہم دین کے داعی ہیں جس کی ہر زمانے میں، ہر مقام اور ہر وقت ضرورت ہوتی ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ اپنے مسلم مخالفین کو کچھ بھی نہ کہیں بلکہ ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جنھیں آپ برا بھلا کہتے ہیں ان کے بارے میں بھی قرآن کریم، سنت نبویؐ اور آئمہ طاہرینؑ کی سیرت کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ قرآن و سنت اور سیرت آئمہ طاہرینؑ میں ان کے ساتھ کیسے رویے کی اجازت دی گئی جس طرح آپ چاہتے ہیں یا جسے آپ نے جائز قرار دیا ہے۔ ہماری کیا حیثیت ہے کہ آپ کو اس عمل سے روکیں۔ کتاب ہذا کے صفحات اسی سلسلے میں ہمارے غور وخوض کا نتیجہ ہیں۔ غور وخوض اور اس کے اظہار کا حق خدا اور رسول کریمؐ کی طرف سے ہر کسی کو حاصل ہے علاوہ ازیں اس حق کو اظہار رائے کی آزادی کے نام سے عالمی سطح پر اور وطن عزیز کے رائج آئین میں بھی تسلیم کیا گیا ہے اگر چہ چند مفاد پرستوں کو ہماری باتیں بری لگتی ہیں اس کی بڑی وجہ ان کی بے جا توقعات اور مفادات ہیں۔ ہم تو نہیں چاہتے کہ ان کے مفادات کو لازماً نقصان پہنچا اور نہ ہی ان کے مفادات کو نشانہ بنانے کا ہمارا کوئی ارادہ ہے بلکہ ہم نے اسلام سے متعلق مسائل پر اپنے غور وخوض پر مشتمل نتائج کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے، ہم بعض مشکوک النسل کتب جیسا کہ امامت وسیاست، احتجاج وتفسیر امام حسن عسکری اور تفسیر قمی وغیرہ کو بنیاد بنا کر تاریخ اسلام کی معروف شخصیات سے نفرت وعداوت نہیں برت سکتے۔

سب خلفاء

امت اسلامی میں ایک گروہ صریح آیات قرآن کے خلاف شد و مد سے غلو گیرائی کی زبان چلاتا ہے یہ اپنی جگہ دو گروہوں میں تقسیم ہیں ایک صرف فضائل میں غلو کرنے والے دوسرے صحابہ پر سب وشتم کرنے والے ہیں انہی غلطیوں پر انہیں کفر و طاغوت دشنام کیا جاتا ہے بدقسمتی سے یہ گروہ شیعوں کے نام سے پہچانا جاتا ہے زیادہ تر لوگ پہلے گروہ سے سب وشتم کیلئے اس گروہ میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ آئمہ طاہرینؑ کے بارے میں غلو گیرائی اور صحابہ کی شان میں سب وشتم اور اہانت و جسارت

کرتے ہیں ان کا یہ بے ہودہ عمل سب شیعوں کے کھاتے میں جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے شیعہ اثنا عشری کو جانی و مالی حوالے سے نا قابل تلافی نقصان و خسارہ اٹھانا پڑا ہے انہیں عام اجتماع، دفتر اور درسگاہ وغیرہ میں ان کیلئے اقامہ نماز اور روزہ افطار کرتے وقت مشکوک نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اہل سنت والجماعت اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود شیعہ فرقے کو جدا گانہ کلمہ پڑھنے اور صحابہ پر سب و شتم کرنے کی وجہ سے انہیں فرق اسلامی میں شمار کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

کیا دنیا بھر میں کوئی ایسی قوم و ملت ہوگی جو اپنے یا اپنے گزشتہ بزرگ و محترم ذوات کے اوپر ظلم و استبداد سے حکمرانی کرنے والوں کے خاتمے کے بعد بھی بہت زیادہ سب و شتم اور برے الفاظ سے یاد کرتی رہی ہو جیسا کہ ہم میں سے بعض افراد کا رویہ ہے۔ کیا ایران، عراق اور ہمارے ہاں بنی امیہ، بنی عباس، عثمانیوں، مغلوں، صفویوں، قاچاریوں، پہلویوں، سابق برطانوی حکمرانوں، ہندوؤں، ڈوگروں اور نوابوں کو یا موجودہ ظالمین کو بھی اتنا ہی سب و شتم کیا جاتا ہے؟ کیا ہم انہیں بھی اٹھتے بیٹھتے اسی طرح برے، ناپسندیدہ اور غیر اسلامی الفاظ سے یاد کرتے ہیں جس طرح ہر کروٹ پر خلفاء کو طنز و طعن کا نشانہ بناتے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے ”اس بات پر کان ہی مت دھرو ہم کسی سے نہیں ڈرتے ہیں“ یہ خاص افراد ہوتے ہیں جن کو طاقت و قدرت یا خاص تحفظات حاصل ہوتے ہیں عام لوگوں کے تحفظات کو ان کے تحفظات میں شمار نہ کیا جائے۔ جن لوگوں نے شیعوں کیلئے یہ روزگار بنایا ہے ان کا کہنا ہے جب ہم حق پر ہیں تو لوگوں کے ماننے اور نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے دین حق میں یہ سب اٹھانا پڑتا ہے“۔ اگر ہمارے اس غیر قرآنی و غیر شرعی عمل سے ہمیں دنیا میں کوئی فائدہ پہنچتا تو اب تک ہمارا ترقی یافتہ قوموں میں شمار ہوتا کیونکہ تبراء کو ہم تمام اصول و فروع میں مقدم رکھے ہوئے ہیں اور اگر اس عمل سے ہمارے مذہب کی حقانیت ثابت ہوتی تو کب کا ہمارا مذہب امت اسلامی میں پانچویں فرقے کے طور پر تسلیم ہو چکا ہوتا لیکن ہم ابھی تک دوسرے شلتوت کے انتظار میں ہیں۔ سب صحابہ اور اس طرح کے بعض دیگر افکار و اعمال کے غلط اور بے ثمر ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

شریعت اسلام کے دو اصلی مصادر قرآن اور سنت ہیں مستند و معتبر سے ثابت ہو تو فرق نہیں پڑیگا۔ دوسرا فرق کیوں نہیں پڑتا ہے اگر یہ دین حق ہے تو اس کے ماننے والوں کو اپنے قول و فعل سے دوسروں کو بھی دعوت دینی چاہیے جہاں کسی کام پر خود عمل نہ کر سکتے ہوں اور جان لیوا ثابت ہو تو ایسے حق پر کیسے ناز کیا جا سکتا ہے۔ اس سے بڑا اور نا قابل تلافی نقصان اس فرقے کیلئے کوئی اور نہیں ہو سکتا ہے۔ جن کے پیشوا و مقتداؤں کے ساتھ ہر قسم کے داغ و عیب سے پاک و منزہ ہونے کے باوجود ان کے مریدین کا چہرہ کسی کیلئے گوارہ نہیں ہے۔ بعض فقہاء و مجتہدین اور محققین جن میں آیت اللہ سید محسن امین، شیخ محمد حسین فضل اللہ، شہید باقر الصدر، علامہ جواد مغنیہ، اسد حیدر نے اپنے قلم و بیان سے اس گروہ کے اس عمل کو شیعہ اثنا عشری پر ایک تہمت قرار دیا ہے چونکہ ایسی شخصیات اپنی جگہ محدود ہیں اور باقی علماء عوام الناس سے ڈر کر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے اب تک یہ تہمت شیعہ اثنا عشری سے رفع و دفع نہیں ہو سکی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم نے کسی مصلحت اندیشی یا فلسفہ تراشی کی وجہ سے سب صحابہ کو غلط سمجھا ہے بلکہ ہم اس کو قرآن و سنت اور سیرت آئمہ طاہرینؑ کے سراسر منافی سمجھتے ہیں کیونکہ شیعہ اثنا

عشری نے اس بے ہودہ عمل سے اپنے آپ کو بیان وقلم اور عمل کے ذریعے دور رکھا ہے لیکن ان پر مسلط افراد نے اس عمل کو صرف اپنی طاقت وقدرت اور مقام ومنصب کی وجہ سے پھیلایا ہے۔

جب بھی کسی دینی مسئلہ میں حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے محبت کے نام سے راہ غلو اپنایا جائے گا یا مخالفت ودشمنی میں غلو کیا جائے گا تو دوسروں کیلئے اصل مذہب میں شک وشبہ قائم کرنے کی گنجائش پیدا ہوجائے گی بالآخر مذہب افسانہ بن جائے گا، دائرۃ المعارف اسلامیہ شیعہ ج ۴ میں لکھتے ہیں کہ غازان مغل بادشاہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں میں مجادلہ ومناظرہ اور کفر ستیزی کروا کر دوبارہ کفر وشرک کی طرف پلٹنے کی دھمکی دی عصر حاضر کے مغلوں نے ویسی ہی صورتحال پیدا کر کے دہشت گردی کے نام سے مسلمانوں کو کچل دیا ہے۔ اصحاب پر طعن اور ان سے دفاع دونوں لمحہ فکریہ ہے کیونکہ غالیوں کی تعلیمات وسیرت کی تأسی وتأثیر کرتے ہوئے بعض دعویداران نے انتہائی اہانت وجسارت آمیز کلمات سے خلفائے ثلاثہ اور بعض دیگر اصحاب کو یاد کرتے ہیں ان کا یہ اقدام آئمہ معصومینؑ کی سیرت طیبہ سے انحراف کے علاوہ جس عدالت کے یہ خود مدعی ہیں اس کے بھی خلاف ہے۔اسی طرح بعض دیگران کا دفاع کیلئے نا قابل فہم توجیحات پیش کرنا لمحہ فکریہ ہے کیونکہ اس سے دین میں فسطائیت کا دروازہ کھلے گا۔

امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام

آپؑ فرزند ابو طالب عبد المناف بن عبد المطلب بن عبد المناف بن ہاشم بن قصی ہیں بعثت سے دس سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے، قحط سالی کی وجہ سے پیغمبر اسلامؐ نے آپ کو زیر کفالت رکھا۔

نبی ﷺ کے فدائی

امام علیؑ نے رسالت اسلام کی بقا کی خاطر اپنی ایثار وفدا کاری کا آغاز پیغمبر اسلامؐ کی شب ہجرت سے کیا جب پیغمبرؐ نے مکہ چھوڑنے کی خبر سنائی اور آپ کو اپنے بستر پر ردائے محمد اوڑھ کر سونے کا حکم دیا یہ وقت شجاعت وشہامت کے تاریخی صفحات پر جان لیوا، دشمن کے بغض وعداوت، کینہ وغصہ اور طاقت وقدرت کی وجہ سے ہولناک وخطرناک تھا جبکہ دفاع کنندہ کی بے بسی و بے سروسامانی، دشمن کی طرف سے کینہ وغصہ کا مظاہرہ پہلے بھی کئی مواقع پر گزر چکا تھا لیکن فدا کار وایثار گر نے مکمل اطمینان و سکون کا مظاہرہ کیا تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں، ارباب سیرت لکھتے ہیں مشرکین نے آدھی رات کے وقت محاصرہ کیا اور راستے پر کڑی نظر رکھی تاکہ کوئی بھی پیغمبرؐ کے گھر میں داخل ہونے یا نکلنے نہ پائے ،انہیں اپنے اس منصوبے کی تکمیل میں کسی قسم کا شک وتردد نہیں تھا یہ تو فجر کے انتظار میں تھے تاکہ نیام میں موجود خون آشام اور پیاسی تلواریں چلا دی جائیں ،جس وقت مشرکین بیت رسولؐ پر ہجوم کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے اور علیؑ پیغمبرؐ کے بستر پر سکون واطمینان کی نیند سو رہے تھے اس وقت آپؐ انکے قید ومکر اور سازشوں سے نجات پا چکے تھے جب انہوں نے ہجوم کیا تو علیؑ غضب الہی کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑے اور کہا کیوں اس گھر میں داخل ہوئے ہو اور کس کی تلاش میں آئے ہو علیؑ کو دیکھتے ہی ان کے ہاتھ پیر چھوٹ گئے تھوڑی دیر کیلئے ان پر

خاموشی اور سکتہ طاری ہوگیا پھر انہوں نے پوچھا آپ کے چچازاد بھائی محمدؐ کہاں ہیں تو فوراً کہا مجھے کیا معلوم کہ وہ کہاں گئے ہیں۔

شخصیت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

علیؑ کی شخصیت سیرتِ نبیؐ اور اصحاب و مسلمین میں ایک برجستہ مینار کی مانند تھی آپؑ کا اپنی زندگی کو راہِ اسلام اور خدمت پیغمبر اسلامؐ میں پیش کرنا قابلِ رشک ہے، اسلام اور نبی اسلامؐ کی خدمت میں آپ کی دی گئی قربانیوں سے بعض افراد نے چشم پوشی کی ہے وہ وقتاً فوقتاً دوسرے اصحاب کی جانبداری میں آپؑ کی حیات سے مکھی نکالنے کے درپے رہتے ہیں ایک گروہ نے اسلام او رپیغمبر اسلامؐ کو بالائے طاق رکھ کر خلفاء کی ضد میں علیؑ کی شان میں جعلی اور جھوٹے فضائل گھڑے ہیں جس کی وجہ سے آپ کے ماننے والے اجتماعی زندگی میں کمزور ہوگئے ہیں اور اجتماعی و سیاسی اور ثقافتی حقوق سے محروم گمنام و بدنام زندگی گزارنے کے مراحل میں پہنچ چکے ہیں، یہ صورت حال کیسے اور کیونکر مسلط ہوئی اس میں بعض مسلمانوں کی نا انصافی، بعضوں کے اندھے پن، محبت نمائی، مستشرقین و مستعمرین اور دنیائے کفر و شرک کے منصوبے اور کردار کا عمل دخل ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ علیؑ نے پیغمبر اسلامؐ کی حیات اور آپؐ کے بعد اصحاب کے ساتھ اسلام کی خاطر کس طرح زندگی گزاری آپؑ کی نگاہ میں پیغمبر اسلامؐ کی کیا قدر و منزلت تھی؟ کس زبان سے آپ پیغمبرؐ کا نام لیتے تھے اور پیغمبرؐ نے اپنی پوری حیات پاک میں کس نظر سے آپؑ کو دیکھا اور کس انداز میں آپؑ کو یاد فرمایا۔ ان نکات کو سامنے رکھنے کے بعد پوری امت مسلمہ کو علیؑ کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر واضح کرنا چاہیے اور آپ کی پیروی کرتے ہوئے شخصیات کو موضوعِ گفتگو بنانے کی بجائے خود اسلام کو موضوعِ تحقیق و عمل بنانا چاہیے۔

فضائل امیر المومنین علیہ السلام

پیغمبرؐ کی جانشینی کیلئے امیر المومنینؑ کا اپنے دور میں سب سے افضل و برتر ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے اس میں کسی قسم کی جائے شک و تردید نہیں لیکن آپؑ کے فضائل و مناقب کے حوالے سے بعض کتابیں ایسی ہیں جن کے مندرجات منابر و محافل میں نثر و شعر او رثقافت دینی بنے ہوئے ہیں ان کے متعلق کتاب شناس شیعہ ماہرین کا کہنا ہے یہ مجہول الحال او رمشکوک ہیں ان کے مندرجات سے خلافت اسلامی کیلئے علیؑ کا اہل ثابت ہونا تو دور کی بات ہے روئے زمین پر بسنے والی شخصیت ثابت ہونا ناممکن ہے ان کتابوں سے آپؑ ایک عنقائی انسان اور آپ کی شخصیت حقیقت کی بنسبت افسانے سے زیادہ قریب نظر آتی ہے لہٰذا یہ بات ذہن سے نکال دینی چاہیے کہ ان کتابوں کو لکھنے والوں نے علیؑ کی بہت فضیلت بیان کی ہے جیسا کہ بعض کا کہنا ہے آپؑ کے تیس ہزار (۳۰۰۰۰) فضائل ہیں حقیقت یہ ہے اس حلقے نے اسلام کو نا قابل عمل اور اسلامی سربراہی کے تصور کو غیر معقول اور ناممکن بنانے کے ساتھ خود علیؑ کی شخصیت اور اہل بیتؑ کو افسانوی، عنقائی اور تصوراتی ڈھانچے میں ڈال کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ایک مسلمان کیلئے نمونہ ہستیوں کا ملنا ناممکن اور انہیں تلاش کرنا بیہودہ و بے فائدہ قرار پائے جس کے بعد کفار و مشرکین کے روسا یا ان کے اداروں سے دوستی کرنے میں کسی مسلمان کیلئے کوئی رکاوٹ و ممانعت باقی نہ رہے ہم امیر المومنین علیؑ کے چند

فضائل پیش کرتے ہیں۔

۱۔آپؑ کے والد گرامی رسول اسلامؐ کے مربی، کفیل اور مدافع و حامی تھے،اس حوالے سے آپ کی تاریخ،تاریخ اسلام کے روشن صفحات میں شمار ہوتی ہے۔

۲۔آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہؓ بنت اسد، نبی کریمؐ کی دعوتِ اسلام پر سبقت کرنے والوں میں سے تھیں،اس حوالے سے بھی آپ کی تاریخ روشن ہے۔

۳۔آپ کے برادر گرامی شہید جنگ موتہ جعفرؓ بن ابی طالب رسول اللہؐ کے نمائندہ اور مہاجرین کے قائد بن کر ہجرت کرنے والوں میں سے تھے۔

۴۔آپؑ پیغمبر اسلامؐ کے مبعوث برسالت ہونے سے پہلے بچپن میں آپؐ کے زیر کفالت پرورش پائی۔

۵۔خدیجۃ الکبریٰؑ کے بعد ایمان لائے۔اسی سبقت پر آپ ہمیشہ فخر فرماتے تھے کہ میں فطرت اور دعوت دونوں حوالے سے اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے ہوں۔

۶۔مدینہ پہنچنے کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے پروردہ ہونے کے باوجود آپؑ کو اسلام کی بنیاد پر اپنا بھائی قرار دیا تاکہ نسبی رشتہ کی بجائے ایمان وعقیدہ پر رشتہ وتعلق قائم کریں۔

۷۔پیغمبر اسلامؐ نے سیدہ نساءالعالمین فاطمہ زہرا =کو آپؑ کے عقد میں دے کر اپنی دامادی کا شرف عطا کیا۔

۸۔مہاجرین وانصار کے شیخ وآقا تھے اس سربراہی کی سند و بنیاد زہد و پرہیز گاری تھی جس کا ستون خضوع ہے۔دوسری ہجری سے دسویں ہجری تک میدانِ جنگ ومبارزہ مختلف سرایا وغزوات میں پیغمبرؐ نے آپ کو پرچم دار بنایا۔آپ لشکر اسلام کے معروف ومشہور شجاع وشہسوار تھے،میدانِ کارزار میں شجاعان، دلاوران اور اپنے زمانے کے پہلوانوں کو نظر میں رکھے بغیر اپنی جان کی بازی لگا کر رضائے خدا اور اسلام کی برتری کی خاطر دشمنوں پر ٹوٹ پڑتے تھے آپ نے بہت سے دشمنانِ خدا کو تہہ تیغ کیا۔سوائے تبوک کے تمام جنگوں میں شریک رہے جس جنگ میں پیغمبرؐ خود تشریف نہیں لے جاتے تھے اس میں اپنا اسلحہ آپؑ کو دیتے تھے۔

۹۔کتاب 'علمو اولادکم محبۃ آل بیت النبی "ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی ص ۹۹ پر لکھتے ہیں تاریخ بشریت میں شجاع شخصیت کا تعارف کراتے وقت اس کی شجاعت ومردانگی کا موازنہ ومقابلہ اس بات سے کرایا جاتا ہے کہ اس نے کتنی جنگوں میں فتح وکامیابی حاصل کی ہے۔تاریخ کبھی بعض رؤسا و زعماء کا تعارف کراتی ہے جن کے گرد لوگ جمع ہوئے اور لوگوں کی خواہشات و چاہت ان کی طرف تھی لیکن ان کی عظمت وبزرگی کا اندازہ ان کی پیروی کرنے والوں سے ہوتا ہے کہ ان کے دوستوں کے پاس ان کا کیا مقام تھا تاریخ کبھی بعض حکام، بادشاہان، امراء اور حاکموں کو پیش کرتی ہے کہ انہوں نے سیاست مداری کے ذریعے کتنے سال اور کس طریقے سے بادشاہی کی بادشاہت وسلطنت کے بعد ان کا کوئی ذکر نہیں کرتا ہے تاریخ کبھی

علماء فقہاء قاضیوں اور مفکرین کا نام لے کر ہر ایک کے دور کا ذکر کرتی ہے کہ کس طرح، کس کے بعد، کس سے پہلے اور کس کے مقابل انہوں نے نام بنایا ہر ایک کو اس کے میدان اور فن میں ترجیح دی جاتی ہے لیکن علی ابن ابی طالبؑ کا چہرہ ان تمام افراد کی فہرست میں نمایاں و درخشاں ہے امت رسول اللہؐ میں علیؑ کے برابر کوئی نہیں ملے گا۔ لوگوں نے علیؑ کو درک نہیں کیا آپ ہر میدان میں منفرد شخصیت اور تمام میدانوں میں برتری حاصل کرنے والے تھے آج تک تمام صفات کسی ایک فرد میں یکجا نہیں دیکھی گئیں جو علیؑ کی شخصیت میں موجود تھیں۔

۱۰۔ پیغمبر اسلام کی رحلت کے موقع پر اصحاب جانشینی کے متعلق صلاح و مشورے میں سرگرم تھے جبکہ آپ پیغمبر اسلامؐ کے جنازۂ اطہر کی تجہیز و تکفین میں مصروف رہے آپ کے چچا عباسؓ، ان کے بیٹے فضل، قثم اور اسامہ بن زید آپ کے معاون تھے۔

۱۱۔ پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد آپؑ نے سقیفہ میں ہونے والے انتخاب خلیفہ کے خلاف احتجاجی طور پر اپنے گھر میں گوشہ نشینی اختیار کی۔

۱۲۔ زہرائے مرضیہ = کی وفات کے بعد اسلام کی بقاء کی خاطر تمام نا انصافی ، نا روا سلوک اور تلخیوں کو بالائے طاق رکھ کر خلفاء کے ساتھ عدمِ مزاحمت اور ضرورت کے وقت مشاورت اور معاونت کا اعلان کیا۔ آپؑ نے شرف دامادی کے علاوہ شرف مربی اور شرف قُربیٰ رکھنے کے باوجود پیغمبر کی وفات کے بعد اسلام و مسلمین کی مصلحت کی خاطر خلفاء کی بیعت کی اور تمام ممکنہ صورتوں میں صلاح و مشورے سے دریغ نہیں کیا۔

۱۳۔ اپنے اشاروں پر چلنے والے جان نثاروں کو حکم دیا کہ خلیفۂ وقت کے ساتھ اسلام کی سربلندی کی خاطر بھرپور تعاون اور کردار ادا کریں۔

۱۴۔ تینوں خلفاء کے دور میں مشکلات و پریشانیوں کے موقع پر خود کو شریک قرار دے کر ان کو حل کرنے میں دلچسپی لی۔

۱۵۔ رسول اللہؐ کے زمانے کے تمام اصحاب علیؑ کے ساتھ تھے جبکہ معاویہ اس افتخار سے محروم رہا کیونکہ اسے ایک دو اصحاب سے زیادہ کی حمایت حاصل نہیں تھی۔ اگر نبی کریمؐ کے اصحاب کی اکثریت نے علیؑ کا ساتھ نہیں دیا تو وہ معاویہ کے ساتھ بھی نہیں تھے اور جن گنے چنے اصحاب نے معاویہ کا ساتھ دیا ان کے چہرے بھی درخشاں نہیں تھے جس کی وجہ سے وہ معاویہ کیلئے گواہ صدق نہیں بن سکے۔

۱۶۔ سربراہی کے باوجود دست درازی سے گریز کرتے تھے۔

۱۷۔ آپ خلفائے راشدین چوتھے خلیفۂ امیر و حاکم اور عدل کے انتہائی اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔

۱۸۔ آپ عالم وقت، فقیہ و مجتہد اور قاید با بصیرت تھے۔

۱۹۔ آپ کے علم کو ریاست کے زمام نے مخدوش نہیں کیا۔

۲۱۔ آپ منبر خلافت پر فصیح و بلیغ خطیب تھے۔

۲۲۔آپ کی فقاہت کوسلطنت نے ہرگز مدنہیں لگائی اور آپ کی قضاوت کولوگوں کی خوشنودی نے ماند نہیں کیا۔
۲۳۔آپ امامِ ورع، فارسِ باتقویٰ، عالم و قاضی تھے۔
۲۴۔آپؑ سے پانچ سو چھیاسی (۵۸۶) احادیث مروی ہیں۔
جناب ڈاکٹر عبدہ یمانی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۸ پر فضائلِ علیؑ کی ایک فہرست پیش کی ہے:
۱۔ سب سے پہلے رسول اللہؐ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔
۲۔ پیغمبرؐ کی عدم موجودگی میں آپؐ کے گھر کے سرپرست تھے۔
۳۔ آپ نے رسول اللہؐ کی سلامتی کی خاطر خود کو فدا کیا۔
۴۔ فرمان پیغمبرؐ کے تحت تاویلِ قرآن کے مطابق جنگ کرنے والے تھے۔
۵۔ اصحاب پیغمبرؐ میں سب سے زیادہ قضاوت سے آشنا تھے۔
۶۔ محبوبِ مومنین اور مغضوبِ منافقین تھے۔
۷۔ علم اور فقہ کے حوالے سے تمام صحابہ کے نزدیک غیر متنازع عالم وفقیہ تھے۔
۸۔ پیغمبرؐ نے فرمایا علیؑ مجھ سے ہے میں علیؑ سے ہوں۔
۹۔ حجۃ الوداع کے موقع پر پیغمبرؐ قربانی کیلئے سو اونٹ لے کر گئے ان میں سے سینتیس (۳۷) علیؑ نے نحر کئے۔
۱۰۔ سب سے آخر میں پیغمبر اسلامؐ سے وداع کرنے والے تھے۔

بیعت علی علیہ السلام

خلیفہ سوم کے قتل کے بعد تمام اہل مدینہ اور باہر سے آنے والے اصلاح طلب گروہوں نے آپ کے گھر "بیعت، بیعت" کہتے ہوئے ہجوم کیا آپ نے لوگوں کو مسجد میں جانے کا حکم دیا اور خلافت سنبھالتے ہی اپنے مستقبل کے فیصلوں سے آگاہ کیا، انتخاب خلیفہ کے تمام معیارات اور اصولوں پر پورا اترنے والی پہلی شخصیت تاریخ خلفاء میں آپ کی ذات تھی آپؑ کا انتخاب ہر لحاظ سے شرعی و قانونی تھا۔

۱۔ اگر خلافت یا خلیفہ کو شخص نبی کے گھرانے سے قرار دیا جائے یعنی خاندان اہل بیتؑ سے تو آپؑ سے کوئی بھی اولیٰ واقرب نہیں تھا۔ رسول اللہؐ کے چچا عباسؓ آپؑ سے قریب ترین ہستی اور بزرگ تھے لیکن انھوں نے خود اپنی بیعت کو علیؑ کیلئے پیش کیا کیونکہ وہ دیگر امور میں اتنی قابل الذکر صفات کے حامل نہیں تھے۔
۲۔ اگر خلافت کو نسل نبی میں قرار دیا جائے تو فاطمہؑ کی نیابت کرتے ہوئے آپؑ مقدم تھے جیسا کہ زہراؑ نے آپ کے حق خلافت کو اٹھا کر آپ کے لئے نمایاں کردار ادا کیا۔
۳۔ بیت نبی سے مراد نبی کے تربیت شدہ قرار دیں تو آپؑ نے پہلے دن سے ہی پیغمبرؐ کی کفالت و آغوش میں تربیت پائی۔

۴۔بیت امت سے قرار دیں تو خدیجہ☆ کے بعد پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لائے۔
۵۔اگر اہلیت وصلاحیت کو معیار بنائیں تو آپؑ سے زیادہ کوئی شخص اس منصب کے لئے اہل وسزاوار نہیں تھا۔
۶۔اگر رضا ورغبت کو معیار بنائیں تو اہل مدینہ نے کسی اختلاف وانتشار کے بغیر ذوق وشوق اور خوشی کے عالم میں آپ کی بیعت کی۔انتخاب خلیفہ میں آپؑ کا انتخاب مثالی اور انوکھا تھا،آپؑ امت اسلامی کے پہلے خلیفہ ہیں جنھیں لوگوں نے انتہائی خوشی اور مسرت کے عالم میں نامزد کیا،نہج البلاغہ خطبہ ۲۲۹ ملاحظہ کریں

بعد میں بعض نے بیعت توڑ دی اور کچھ نے بیعت سے انکار کردیا لیکن آپ نے ان کے خلاف کسی بھی اقدام سے گریز کیا آپؑ جمہوریت کے راستے کرسی خلافت پر پہنچے کیونکہ آپ کیلئے کوئی معذوریت نہیں تھی اور خلافت وامامت کی شرائط آپ میں پہلے سے موجود تھیں۔

فضائل علی ؑ کے بہانے چند تیروں کے نشانے

فضائل سازوں نے بیک وقت چند چیزوں کو نشانہ بنایا ہے۔

ا۔خود علی وزہرا ؑ

ان ذوات کے ایسے فضائل ومصائب جعل کئے ہیں جن کو دیکھ کر ادنیٰ شعور رکھنا والا انسان بھی یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے۔

☆علیؑ اور زہراؑ کا ہم وغم اپنے ہاتھوں سے مزرعہ اور اقتدار بیگانوں کے ہاتھوں میں جانے کی وجہ سے تھا انہیں اسلام ومسلمین کو لاحق پریشانیوں کا احساس نہیں تھا چنانچہ اس حالت زار اور پریشانی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔آہ!واویلا!

☆علیؑ اور فاطمہؑ کے پاس مسلمانوں کیلئے خاص لائحہ عمل نہیں تھا جس پر چل کر وہ انہیں سعادت دارین کی ضمانت دیتے،وہ صرف اپنے ساتھ محبت اور چاہت رکھنے والوں کو معجزاتی وکراماتی آسائش اور روٹی فراہم کرنے کی تسلی دیتے تھے۔

۲۔توحید ویکتا پرستی

جب علیؑ اور اہل بیتؑ کو تخلیق کائنات اور ترزیق خلائق میں خدا کا وکیل یا اس کا شریک پیش کیا جائے گا تو توحید ویکتا پرستی کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی فضائل ساز عبادت کی جگہ ذکر علیؑ کی دعوت دیتے ہیں۔

۳۔اسلام کی چھٹی

علیؑ کے چار سالہ دور خلافت کو منہا کرنے کے بعد اسلام ومسلمین کی مثالی حکمرانی شیخین کی حکومت تھی اس کو مسترد کرنے کے بعد حکومت کے لئے اسلام سے نا آشنا اور عمل سے بے بہرہ خاندانوں کے چھوکروں،ان پڑھ،شکم مادر میں جنین،شب خون مارنے والوں کی داستانیں رہ جاتی ہیں۔

۴۔قرآن کی چھٹی

اہل بیتؑ سے مروی صحیح دعاؤں میں بھی جعلی وخودساختہ دعائیں اور زیارات شامل کی گئی ہیں بعض کی روش سے ظاہر ہوتا

ہے کہ ان کاورد کرنے کے بعد سعادت دارین حاصل کرنے کیلئے قرآن کی ضرورت ہی نہیں رہتی، ارباب حوزات و مدارس بھی قرآن کریم کورسمی طور پر نصاب میں شامل کرنے کی ممانعت کرتے ہیں اور کسی قسم کی تفسیر کو بغیر استناد اہل بیت مسترد کرتے ہیں اس مطلب کو ذہن نشین کرنے کیلئے کہتے ہیں "یہ قرآن صامت ہے، ہمیں قرآن ناطق کے در پر جانا ہوگا""" جانے" سے ان کی مراد یا قبور پر حاضری یا کتب احادیث کی طرف رجوع کرنا ہے لہٰذا یہ ایک غیر اعلانیہ چھٹی ہے۔

بعض کا کہنا ہے: "قرآن کا خطاب مخصوص طبقے سے ہے" دراصل ان کی یہ بات دین کی روح اور مقصد قرآن سے قطع تعلقی کا اعلان ہے، اس قسم کی سوچ رکھنے والے افراد اس نقطہ نظر کو اپنے منافقانہ کردار و رویہ کے ساتھ آگے بڑھاتے ہیں جو قرآن کریم اور کثیر احادیث کے سراسر خلاف ہے یہ خود کو لوگوں کے سامنے اہل بیت کا محب و فریفتہ دکھاتے ہیں لیکن خفیہ طور پر قرآن اور امت کے رشتہ محبت و لگاؤ کو توڑنے اور ختم کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

کیا اسلام علی ؑ کی تلوار سے پھیلا؟

مستشرقین نے اسلام کو دین الٰہی و خدائی سے نکال کر علاقائی اور خاندانی دین بنانے کیلئے باقاعدگی سے ایک مہم کا آغاز کر رکھا ہے یہ زور و شور سے ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ دین اسلام علیؑ کی تلوار سے پھیلا ہے حالانکہ امیر المومنینؑ کی جانب سے اسلام کی راہ میں قربانی اور فداکاری کے حوالے سے کتب تاریخ و احادیث میں آپ کے خطبات بطور نمایاں بیان ہوئے ہیں لیکن ایسی کسی بات کا ذکر تک نہیں ہوا ہے۔ علیؑ کی تلوار سے اسلام کے پھیلنے کی رٹ لگانے سے دو قسم کی تحریفات جنم لیتی ہیں۔

۱۔ اسلام اپنی حقانیت و منطق کی بجائے طاقت و قدرت سے پھیلا ہے، طاقت ہمیشہ کمزور کے خلاف استعمال ہوتی ہے اور وہ اپنے مافوق طاقت کے سامنے خاضع ہوتا ہے اسی طرح جو کام طاقت سے کیا گیا ہو وہ طاقت کے ذریعے رُک بھی جاتا ہے اور یہ کوئی غلط بات نہیں ہوتی۔

۲۔ اسلامی جنگوں غزوات اور سرایا کے قاتلین و مقتولین کا کتب تاریخ میں ذکر ہوا ہے جہاں علیؑ کی مردانگی، شجاعت و استقامت اور پرچمداری کا ذکر موجود ہے وہیں دیگر بہت سے مردان شجاع کے نام بھی بیان ہوئے ہیں جنھوں نے انتہائی استقامت اور صبر و شجاعت کا مظاہرہ کیا جیسا کہ حمزہ، مصعب بن عمیر، زید بن حارثہ، جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ ×وغیرہ لہٰذا صرف علیؑ کی تلوار کو اسلام پھیلانے کا محور قرار دینا اور حقائق سے آنکھیں چرانا اسلام کے چہرے کو مسخ کر کے پیش کرنے کے مترادف ہے! اس طرح کی باتیں تاریخی صفحات سے ثابت کی جانی چاہیں نہ کہ لعنت بر دشمنان علیؑ سے۔

پیغمبر ﷺ کے بعد سیرت علی ؑ

۱۔ سقیفہ کے اندر آپؑ کی غیر موجودگی میں نبی کریمؐ کے جانشین کا تعین ہوا، اس سلسلے میں آپؑ نے کیا موقف اختیار کیا اور کس طرح اپنا مذہبی فرض ادا کیا؟ اسے جاننے کیلئے اہل مصر آپؑ کا خط ملاحظہ کریں:

"فَلَمَّا مَضٰی ﷺ تَنَازَعَ الْمُسْلِمُوْنَ الْاَمْرَ مِنْ بَعْدِهِ فَوَاللّٰهِ مَا کَانَ یُلْقٰی فِي رُوْعِي وَلَا یَخْطُرُ بِبَالِي اَنَّ الْعَرَبَ تُزْعِجُ

هٰذَا الْاَمْرَ مِنْ بَعْدِهٖ ﷺ عَنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ، وَلَا اَنَّهُمْ مُنَحُّوْهُ عَنِّيْ مِنْ بَعْدِهٖ! فَمَا رَاعَنِيْ اِلَّا انْثِيَالُ النَّاسِ عَلٰى فُلَانٍ يُبَايِعُوْنَهٗ، فَاَمْسَكْتُ يَدِيْ حَتّٰى رَاَيْتُ رَاجِعَةَ النَّاسِ قَدْ رَجَعَتْ عَنِ الْاِسْلَامِ، يَدْعُوْنَ اِلٰى مَحْقِ دِيْنِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَخَشِيْتُ اِنْ لَمْ اَنْصُرِ الْاِسْلَامَ وَاَهْلَهٗ اَنْ اَرٰى فِيْهِ ثَلْمًا اَوْ هَدْمًا تَكُوْنُ الْمُصِيْبَةُ بِهٖ عَلَيَّ اَعْظَمَ مِنْ فَوْتِ وَلَايَتِكُمُ الَّتِيْ اِنَّمَا هِيَ مَتَاعُ اَيَّامٍ قَلَائِلَ يَزُوْلُ مِنْهَا مَا كَانَ، كَمَا يَزُوْلُ السَّرَابُ، اَوْ كَمَا يَتَقَشَّعُ السَّحَابُ، فَنَهَضْتُ فِيْ تِلْكَ الْاَحْدَاثِ حَتّٰى زَاحَ الْبَاطِلُ وَزَهَقَ، وَاطْمَاَنَّ الدِّيْنُ وَتَنَهْنَهَ" "ان کے جانے کے بعد ہی مسلمانوں نے ان کی خلافت میں جھگڑا شروع کر دیا۔ خدا گواہ ہے کہ یہ بات میری خیال میں بھی نہ تھی اور نہ میرے دل سے گذری تھی کہ عرب اس منصب کو ان کے اہل بیت سے اس طرح موڑ دیں گے اور مجھ سے اس طرح دور کر دیں گے کہ میں نے اچانک یہ دیکھا کہ لوگ فلاں شخص کی بیعت کیلئے ٹوٹے پڑ رہے ہیں تو میں نے اپنے ہاتھ کو روک لیا یہاں تک کہ یہ دیکھا کہ لوگ دین اسلام سے واپس جا رہے ہیں اور پیغمبرؐ کے قانون کو برباد کر دینا چاہتے ہیں تو مجھے یہ خوف پیدا ہو گیا کہ اگر اس رخنہ اور بربادی کو دیکھنے کے بعد بھی میں نے اسلام اور مسلمانوں کی مدد نہ کی تو اس کی مصیبت روز قیامت اس سے زیادہ عظیم ہو گی جو آج اس حکومت کے چلے جانے سے سامنے آ رہی ہے جو صرف چند دن رہنے والی ہے اور ایک دن اسی طرح ختم ہو جائے گی جس طرح سراب کی چمک دمک ختم ہو جاتی ہے یا آسمان کے بادل چھٹ جاتے ہیں تو میں نے ان حالات میں قیام کیا یہاں تک کہ باطل زائل ہو گیا اور دین مطمئن ہو کر اپنی جگہ پر ثابت ہو گیا" (نہج البلاغہ مکتوب ۶۲ ترجمہ جوادی)

۲۔ خلفائے ثلاثہ اپنی خلافت کے دوران درپیش مسائل کے متعلق صلاح ومشورے اور معاونت کیلئے آپؑ کے محتاج رہے آپؑ نے کسی قسم کی ہچکچاہٹ، ناراضگی، کوتاہی اور سستی کا مظاہرہ کئے بغیر فراخدلی، وسعت صدری کے ساتھ باریک بینی کے ساتھ بہترین مشوروں سے نوازا، خلفاء آپ کے اس رویے کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

۳۔ جب خلیفہ دومؓ نے خلافت کے تیسرے مرحلے کیلئے انتخاب کو چھ (۶) رکنی شوریٰ سے مربوط کیا تو آپ نے نہ صرف بغیر کسی شرط کے اس شوریٰ میں شرکت کی بلکہ اس کے غیر اصولی نتائج کو یہ کہہ کر قبول فرمایا جب تک ظلم وزیادتی کا نشانہ میری ذات بنے گی اور اس سے اسلام و مسلمین کے مسائل حل ہوتے رہیں گے تو مجھے قبول ہے۔

ملاحظہ ہو نہج البلاغہ خطبہ ۳، ۳۷، ۱۷۲، ۲۴۰۔

۴۔ آپؑ کو نہ پہلے خلیفہ کی طرح چند آدمیوں نے منتخب کیا، نہ دوسرے کی طرح نامزدگی سے آپ کی خلافت کا معاملہ طے ہوا اور نہ ہی چند مخصوص افراد کی طرف سے منتخب ہوئے بلکہ اپنی نوعیت کے منفرد انداز میں عامۃ الناس کی اکثریت نے جوش وجذبے اور خوشی ومسرت کے عالم میں آپ کو خلیفہ بنانے پر اصرار کیا، چنانچہ اس سلسلے میں عوام کے تاثرات کے متعلق آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

"وَبَلَغَ مِنْ سُرُورِ النَّاسِ بِبَيْعَتِهِمْ اِيَّايَ اَنِ ابْتَهَجَ بِهَا الصَّغِيرُ وَهَدَجَ اِلَيْهَا الْكَبِيرُ" "تمہاری خوشی کا یہ عالم تھا کہ بچوں نے خوشیاں منائیں بوڑھے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھے" (نہج البلاغہ خطبہ ۲۲۹)

علی علیہ السلام اور خلافت

امیر المومنین علیؑ کے خلیفہ بننے کے بارے میں اہل تشیع کے درمیان انتہائی شدومد کے ساتھ اختلاف پایا جاتا ہے اس حوالے سے وہ دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

۱۔ ایک گروہ کا کہنا ہے "جب نبی کریمؐ نے علیؑ کو خلیفہ بلافصل بنایا ہے تو وہ اسی کے مطابق خلیفہ بلافصل ہیں"۔ انکا مزید کہنا ہے "علیؑ کی خلافت پر قبضہ ہونے یا لوگوں کا ان کی بیعت نہ کرنے سے آپ کی خلافت پر کوئی اثر نہیں پڑتا علیؑ خدا اور رسول کی طرف سے خلیفہ بلافصل ہیں ہم تو تابع حکم خدا و رسول ہیں ہم ظاہر کے پیچھے نہیں جاتے ہم تو اہل حقیقت و اہل باطن ہیں اور حقیقت میں علیؑ ہی خلیفہ بلافصل ہیں"۔

۲۔ دوسرے گروہ کا کہنا ہے پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے امیر المومنینؑ کو صلاحیت و اہلیت کی بنا پر پیش کیا گیا لیکن آپ کو یہ منصب چوتھے مرحلے پر ملا اس سلسلے میں جامع نہج البلاغہ سید شریف الرضی علیہ الرحمہ نے نہج البلاغہ کے اندر خود امیر المومنینؑ سے مندرجہ ذیل خطابات و کتب نقل کئے ہیں۔

☆ خطبہ ۳ معروف بہ شقشقیہ: امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ فرماتے ہیں "ابوبکرؓ خود میرے بارے میں اس منصب کیلئے لائق و سزاوار ہونے کے اعتراف کے باوجود خلافت پر قابض ہوئے" آپ نے اس سلسلے میں اسلام و مسلمین کی مصلحت کے طور پر صبر و تحمل سے کام لیا پھر خلافت پر عمرؓ آئے انہوں نے خلافت کیلئے چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی جس میں آپؑ کو بھی شامل کیا آپ نے اس میں ہونے والے فیصلے کو اسلام و مسلمین کی خاطر برداشت کیا یہاں تک کہ چوتھا مرحلہ آیا آپ نے فرمایا لوگ میری طرف ہجوم کر کے آئے میں نے اس کو قبول کیا اور زمام خلافت کو سنبھالا اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ چوتھی نوبت پر خلیفہ منتخب ہوئے۔

☆ کتب ۵۴: آپ نے طلحہ و زبیر کے نام خط میں لکھا تم دونوں نے بخوشی میری بیعت کی اب واپس میری بیعت میں آجاؤ

☆ کتب ۲۸: آپ معاویہ کے نام لکھتے ہیں تم نے میری تذلیل و تحقیر کرنے کیلئے کہا خلیفہ اول نے مجھ سے جبری بیعت لی ہے تم اس سے میری مذمت کرنا چاہتے تھے لیکن یہ میری تعریف بنی۔ یہ اور دیگر خطبات و مکتوبات میں امیر المومنینؑ نے اپنے چوتھے مرحلے پر خلیفہ بننے کا ذکر کیا ہے۔

امیر المومنین علیؑ نے فرمایا سب جانتے ہیں کہ میں اس منصب کیلئے لائق و سزاوار تھا لیکن قوم نے مجھے یہ منصب نہ دیا تو میں نے اسلام و امت کی خاطر اس بات کو برداشت کیا اور جب میں خلیفہ بنا تو لوگوں نے اس وقت بھی میری مخالفت کی۔ شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب کنی والالقاب میں حسین بن روح سے نقل کیا ہے آپ چوتھے مرحلے پر خلیفہ بنے جب شریف الرضی کے

مطابق خود علیؑ نے فرمایا میں چوتھے مرحلے پر خلیفہ بنا تو ہم اس سلسلے میں کس کی بات کو ترجیح دیں علیؑ کی یا آپ کے معتقدین کی؟

اصلاحات علی علیہ السلام

علیؑ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی مندرجہ ذیل اصلاحات کا اعلان کیا:

۱۔ **بنیادی اصلاحات:** نظام خلافت کے بنیادی ڈھانچے میں اصلاح کی جائے گی جو افراد ہمیشہ سے جرائم پیشہ اور اسلام کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف رہے انہیں کوئی مقام و منصب نہیں دیا جائے گا جیسا کہ معاویہ، عمرو عاص، عبداللہ بن سعد، مروان بن حکم وغیرہ

۲۔ **اجتماعی اصلاحات:** آج سے سابقہ دور کے امتیازات جہاں قریش کو غیر قریش، مہاجر کو غیر مہاجر، عرب کو غیر عرب پر ترجیح دی جاتی تھی ان سب کا خاتمہ کیا جائے گا۔ آپؑ نے حکومتی منصب پر منصوب افراد کو برطرف کرنے کا اعلان کیا جنہیں سابقہ اسلام دشمنی کے باوجود خلیفہ سوم نے اپنی خلافت میں شامل کیا تھا ان افراد سے امت و رعیت نالاں و خفا تھی اور انہیں کسی صلاحیت و اہلیت کے بغیر مختلف عہدوں پر منسوب کیا گیا تھا۔ آپؑ نے فرمایا "بدعنوان لوگوں کے خلاف کاروائی کیلئے کسی کی نصیحت و مشورے پر کان نہیں دھروں گا"۔

۳۔ **اقتصادی اصلاحات:** آئندہ بیت المال کی تقسیم عادلانہ اور مساویانہ طور پر ہوگی جتنا مال و دولت لوگوں کو بلا دلیل و جواز دیا گیا ہے اسے واپس بیت المال مسلمین میں لوٹایا جائے گا۔ آپ نے فرمایا جن ارباب اقتدار اور صاحبانِ ثروت نے بیت المال مسلمین میں بے ضابطگیاں کی ہیں ان سے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے مال واپس لیا جائے گا:

"وَاللهِ لَوْ وَجَدْتُهُ قَدْ تُزُوِّجَ بِهِ النِّسَاءُ وَمُلِكَ بِهِ الْإِمَاءُ لَرَدَدْتُهُ فَإِنَّ فِي الْعَدْلِ سَعَةً، وَمَنْ ضَاقَ عَلَيْهِ الْعَدْلُ"

"خدا کی قسم اگر میں کسی مال کو اس حالت میں پاتا کہ اسے عورت کا مہر بنا دیا گیا ہے یا کنیز کی قیمت کے طور پر دے دیا گیا ہے تو بھی اسے واپس کرا دیتا اس لئے کہ انصاف میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے" (خطبہ۱۵)

علی علیہ السلام اور آپؑ کی رعیت

بعض تجزیہ نگار کہتے ہیں "امت نے نبی کریمؐ کے بعد خلفائے ثلاثہ کے ساتھ ۲۳ سال تک پرامن زندگی گزاری، اس عرصے میں ہونے والی فتح و کامیابیوں سے سرزمین اسلام کے رقبے میں توسیع ہوئی لیکن جب علیؑ نے خلافت سنبھالی تو امت کا اتحاد پاش پاش ہو گیا اور لوگ گروہوں میں بٹ گئے" اجتماعی دگرگونی کا تجزیہ و تحلیل کرنے والوں کو اس بارے میں غور و خوض کرنا چاہیے کہ امت کی تقسیم کے کیا اسباب و عوامل تھے؟ کل تک دشمنان اسلام کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننے والی امت آج علیؑ جیسے خلیفۂ عادل کی سرپرستی میں کن اسباب و عوامل کے تحت ایک دوسرے کو ناپسندیدہ قرار دینے میں مشغول ہو کر تباہی کے دہانے تک پہنچ گئی۔

امت کی تقسیم بندی:

علیؑ نے اپنے زمانہ خلافت میں امت کے متعلق کیا موقف اختیار کیا اس کی تفصیل آپ کے خطوط و خطبات کی صورت میں موجود ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپؑ کن باتوں کی توقع رکھتے تھے؟ آپ نے امت کی خلافت اس شرط پر سنبھالی کہ ہر میدان میں تن و من کے ساتھ آپؑ کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے گی۔ جب آپؑ خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ کے دور خلافت میں امت کے منقسم ہونے کی وجہ سے مختلف گروہ وجود میں آئے۔

۱۔ آپ کے باوفا و جانثار اصحاب۔

۲۔ چند اصحاب نے کسی برابری، ہمنوائی اور معقول وجہ کے بغیر آپ کی بیعت کرنے میں سستی و کاہلی کا مظاہرہ کیا اور اپنے آپ کو اطاعت کی چھتری سے باہر رکھا حالانکہ اتفاق امت کے مقابل ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی جس کی بنیاد پر آپ کے حریف بنتے انہوں نے سکوت خاموشی اختیار کی اور قرآنی آیات میں بیان ہونے والے وظیفے پر عمل کیا۔ اس گروہ میں درج ذیل شخصیات شامل تھیں:

سعد بن ابی وقاص	عبداللہ بن عمر	حسان بن ثابت شاعر رسول اللہ	ملیحہ بن مخلد	ابا سعید خدری
اسامہ بن زید	محمد بن سلمۃ	کعب بن مالک	عبداللہ بن سلام	سعید بن العاص

علیؑ نے ان کے خلاف کسی قسم کی کاروائی نہ کی ہم یہاں سعد بن ابی وقاص کے بارے میں چند کلمات پیش کرتے ہیں۔

سعدؓ بن ابی وقاص

ان کی ماں حمنہ ابوسفیان کی بھتیجی تھی اپنے بیٹے سے بہت پیار کرتی تھی ان کے مسلمان ہونے پر اسے بہت دکھ ہوا، ماں نے اپنے بیٹے کی محبت و فرمانبرداری کی وجہ سے فیصلہ کیا اگر میں اپنے آپ کو اذیت اور پریشانی میں رکھوں گی تو میری محبت میں یہ اسلام کو ترک کرکے کفر اختیار کرلے گا، اس نے احتجاجی طور پر کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور کہا جب تک بیٹا میری بات نہیں مانے گا کھانا نہیں کھاؤں گی لیکن وہ باز نہ آئے تو اس نے دھمکی دی اگر تم اسلام ترک نہیں کرو گے تو میں اپنا دل چیر دوں گی، سعدؓ نے کہا اگر آپ کے پاس سو دل ہوں اور آپ ایک کے بعد دوسرا چیر دیں تو بھی میں اسلام نہیں چھوڑوں گا پھر انہوں نے سوچا کہ ماں کا حق ادا کرنا اللہ کا حکم ہے انہیں خوف ہوا کہ ماں کی اطاعت نہ کرنے سے کہیں خداوند متعال ناراض نہ ہو جائے سورہ عنکبوت کی آیت ۸ نازل ہوئی جس سے مطمئن ہو گئے۔

۳۔ حزب معارض علیؑ کے دور میں اٹھنے والے فتنہ و فساد کی جڑ تھے اس سلسلے میں مصر، شام اور بصرہ کے والی پیش پیش تھے یہ ناکثین، قاسطین اور مارقین کے نام سے معروف ہوئے انہوں نے علیؑ سے خلافت چھیننے پر اصرار کیا، ناکثین کی قیادت زبیر بن عوام اور طلحہ بن عبیداللہ نے کی۔

زبیرؓ بن عوام بن خویلد

زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب ،ان کی والدہ صفیہؓ بنت عبدالمطلب عمہ پیغمبر اسلامؐ تھیں ان کے والد عوام خدیجہ الکبریٰ کے بھائی تھے، زبیر چھوٹے تھے تو ان کے والد وفات پا گئے ان کے چچا نوفل نے اپنی سرپرستی میں لیا یا اپنے بھتیجے سے بہت پیار کرتے تھے ایک دن ان کی والدہ نے ان پر سختی کی تو نوفل نے برا منایا اور ان کے خاندان سے کی شکایت کی ۔زبیر نے ۸یا۱۶ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا مسلمان ہونے کی وجہ سے چچا انہیں چٹائی میں باندھ کر لٹکا دیتا اور نیچے سے دھواں دے کر کہتا محمدؐ کا دین چھوڑ دو اور اپنے آبائی دین پر واپس آجاؤ، زبیر کہتے ہرگز نہیں خدا کی قسم کفر کی طرف واپس نہیں آؤں گا ۔چچا جتنا زیادہ تشدد کرتا یہی جواب دیتے بالآخر تشدد سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے وہاں سے واپس آئے پھر حبشہ ہجرت کی، مادام الموت پیغمبرؐ کی بیعت کی کسی بھی جنگ میں پیچھے نہ رہے سب سے پہلے اسلام کی راہ میں تلوار نکالی پیغمبرؐ نے ان کے بارے میں فرمایا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے میرا حواری زبیر ہے ۔انہیں ۶۰ یا ۷۵ سال کی عمر میں جنگ جمل کے دوران ابن جرموز نامی شخص نے قتل کیا علیؑ نے اس موقع پر فرمایا فرزندِ صفیہؓ کے قاتل کو جہنم کی خبر سنا دو، کہتے ہیں زبیرؓ کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ اور دو سو درہم وراثت میں ملے ،ان کے متروکہ اثاثے میں ۵۲ لاکھ درہم تھے ۔

ابو محمد طلحہؓ بن عبید اللہ

طلحہؓ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن مرہ بن کعب بن لوئی ان کی ماں صعبہ بنت حضرمی تھیں، ماں بیٹا دونوں دعوت کے ابتدائی دور میں ایمان لائے ۔مواخات کے موقع پر سعد بن ابی وقاص ان کے بھائی بنے انہیں جنگ بدر میں قریش کے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے بھیجا گیا اس لئے جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے ۔جنگ احد میں پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ آپؐ کا دفاع کرتے رہے اور انگلی کٹنے کی وجہ سے زخمی ہو گئے ۔آپ کا دفاع کرتے ہوئے انہیں چوبیس زخم آئے بعض کا کہنا ہے زخموں کی تعداد چوبیس سے زیادہ تھی ۔یہ طلحہ خیر، طلحہ عشیرہ، طلحہ فیاض اور طلحہ جود کے نام سے پہچانے جاتے تھے کیونکہ صاحب جود و سخا اور رضائے خدا میں انفاق کیلئے پیش پیش رہتے تھے ۔علماء اہل سنت کے مطابق عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں، ابوبکرؓ کی دعوت پر ایمان لائے پیغمبرؐ کی اڑتیس احادیث روایت کی ہیں ان میں سے امام بخاری نے دو اور امام مسلم نے تین کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ خلیفہ سوم کے انتخاب کیلئے منتخب کردہ چھ رکنی شوریٰ میں شامل تھے انہوں نے اپنی رائے عثمانؓ کے حق میں دی ۔قتل عثمانؓ کے بعد علیؑ خلیفہ منتخب ہوئے تو طلحہؓ اور زبیرؓ دونوں نے بیعت کی لیکن بعد میں بیعت توڑ کر علیؑ کے خلاف مہم چلاتے ہوئے ام المومنین عائشہؓ کو بصرہ لے گئے اور سے علیؑ کے خلاف لشکر کشی کی ۔۱۰ جمادی الآخر ۳۶ ہجری کو جنگ جمل میں گلے پر تیر لگنے کی وجہ سے قتل ہوئے اس وقت ان کی عمر چونسٹھ سال تھی ۔صاحب صفوۃ الصفوۃ لکھتے ہیں طلحہ کو مروان بن حکم نے قتل کیا۔

۴ ۔ایک گروہ نے لمبے عرصے تک آپ کا ساتھ دیا جنگ جمل میں آپؑ کو فتح و کامرانی حاصل کرنے میں مدد دی اور صفین میں ایک حد تک استقامت دکھائی تاہم یہ اپنے اندر شگاف پڑنے کی وجہ سے منتشر ہو گئے ۔

۵۔ ایک گروہ نے آپؑ کے خلاف تلوار اور نیزے اٹھائے جنہیں علیؑ کے حکم پر دشمن سے لڑنے کیلئے استعمال کرتے تھے انہوں نے آپؑ کے ساتھ درج ذیل موقف اختیار کیا:

☆ آپ جنگ بندی کریں ورنہ ہم آپؑ کو قتل کر دیں گے۔

☆ پھر اسی گروہ نے کہا آپؑ ہی نے جنگ کو بند کیا ہے اس لئے آپ توبہ کریں ورنہ ہم آپ کو مار دیں گے۔ انہوں نے اپنی فکر و سوچ کے تحت آپ کو تحکیم پر مجبور کیا پھر اسی پاداش میں آپ سے جنگ لڑی۔

☆ ایک گروہ نے آپ کے ساتھ سرد جنگ چھیڑی اور آپؑ کا ساتھ دینے میں عدم اطاعت، سستی و کاہلی، بے دردی اور بے مروتی کا مظاہرہ کیا یہ بات علیؑ پر دشمن کے سلوک سے زیادہ گراں گزری اس سلسلے میں آپؑ کے کلمات نہج البلاغہ میں ملاحظہ فرمائیں: ''نہج البلاغہ خطبہ ۱۳۱، ۱۷۸، ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۹۰، ۲۱۲، ۲۳۸۔''

۶۔ ایک گروہ کے درمیان آپؑ سے جنگ لڑنے والوں کے بارے میں حکم شرعی پر بحث و گفتگو ہوئی:

ایک نے رائے دی دونوں کافر ہیں، دوسرے نے رائے دی دونوں فاسق ہیں، تیسرے نے رائے دی دونوں نے اجتہاد کیا اور دونوں نے اجتہادی غلطی کی، چوتھے نے کہا ایک فاسق ہے ایک مومن، پانچویں نے کہا اس مسئلے کو چھوڑ دو ہم اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہتے قیامت کے دن معلوم ہوگا۔

اس مسئلہ پر امت کے اختلاف و انتشار کے متعلق قرآن سنت رسولؐ اور خود شخصیت کو معیار بنانے کی بجائے اجتہادات پر مبنی فتاویٰ دیئے گئے جس کی وجہ سے تفرقہ و انتشار نے جنم لیا۔ اگلے مرحلہ میں علیؑ کی شہادت اور امام حسنؑ کی خلافت سے کنارہ کشی کے بعد جب معاویہ اقتدار پر قابض ہوا تو ایک نیا محاذِ جنگ کھولا گیا جس کا نام تحریف اور جعل حدیث تھا۔ تحریف اور جعل حدیث میں مندرجہ ذیل عناوین کے تحت علیؑ کی مذمت میں احادیث گھڑی گئیں:

☆ علیؑ کی شان میں سب و شتم، جس سے نواصب اور خوارج نے جنم لیا۔ اگر مسلمان قرآن و سنت کی دوربین اور حق نما شیشے سے جائزہ لیں تو بخوبی نظر آئے گا کہ امام علیؑ اور آپ کے فرزندان طاہرینؑ پر سب و شتم کرنے کی سُنت و سیرت کے اوّلین بانی بنی اُمیہ و آل ابی سفیان تھے۔

☆ علیؑ کی شان میں غلو، جس کے دھویں اور گرد و غبار کی زد میں آنے کی وجہ سے دوستداران اہل بیت کا چہرہ امت اسلامی کے نزدیک مکروہ ہو کر رہ گیا ہے۔

والیانِ خلافت علی علیہ السلام جنہوں نے خیانت کی

آپ کے دور خلافت میں جن والیان نے خیانت کی ان کا نہج البلاغہ کے مختلف خطبات اور کتب میں ذکر ہوا ہے۔

۱۔ ابیہ کے والد عبید اللہ بن زیاد کو اہواز کا والی بنایا: خطبہ ۲۰، ۲۱، ۴۴

۲۔ مصقلہ بن جبیر شیبانی کو اردشیر کا والی بنایا یہ فرار ہو کر معاویہ کے پاس چلا گیا۔

۳۔شریح بن قاضی کوکوفہ کا قاضی بنایا: کتب۵۶،

۴۔ابوموسیٰ اشعری کوکوفہ کاوالی بنایا لیکن اس نے اہل کوفہ کوعلیؑ کے ساتھ بصرہ جانے سے روکا پھر تحکیم کیلئے علیؑ کا نمائندہ بنا،اس نے خلافت کوصحیح مقام سے ہٹانے میں میں بہت اہم کردارادا کیا جواہل بیتؑ کیلئے مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہوا: کتب۶۵،۷۸

۵۔منذر بن جارودعبدی کوبصرہ کاوالی بنایا اس نے امام حسینؑ کے سفیر سلیمان بن زرّین کوامام کی طرف سے خط لانے کی پاداش میں گرفتار کرکے عبیداللہ بن زیاد کے حوالے کردیا: کتب۷۱

۶۔اشعث بن قیس

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

سبط اکبر خلفِ صالح امیرالمومنینؑ،نورِدیدۂ زہراؑ ،رابعِ اصحاب کساءامام حسن مجتبیٰؑ ،۴۰ ہجری ۲۱ رمضان کوامیرالمومنینؑ کو سپردِخاک کرنے کے بعد جامع مسجد کوفہ کے منبر پرامت اسلامی سے مخاطب ہوئے حمدوثنائے خدائے متعال بجالائے نبیؐ پاک پردرودوسلام بھیجااورامیرالمومنینؑ کے فضائل بیان کرکے فرمایا علیؑ نے خلیفہ مسلمین ہوتے ہوئے اس دنیا میں سوائے سات سودرہم کے کچھ نہیں چھوڑا جنہیں آپؑ نے اپنے ہاتھوں سے کسب کیا تھا آپؑ نے مجھے حکم دیا کہ انہیں بیت المال میں جمع کرادوں یہ فرما آپ آبدیدہ ہوگئے جس کی وجہ سے مسجد میں موجودتمام لوگ رونے لگے آپ نے اپنے اور بھائی کے بارے میں وارد پیغمبرؐ کی احادیث لوگوں کوسنائیں پھر اندرون خانہ تشریف لے گئے ۔بعض کے مطابق عبداللہؓ بن عباس اپنی جگہ سے اٹھے اور لوگوں کومخاطب کرکے کہا یہ فرزندِ نبیؐ اور امام کے وصی ہیں اگرتم لوگوں نے دل وجان سے ان کی بیعت کرنی ہے توان کو بلاؤ اور بیعت کروورنہ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو لوگ انتہائی شوق ورغبت سے آپ کی بیعت کیلئے آگے بڑھے اور نعرہ کے طور پر یہ آیت تلاوت کی:﴿انمایبایعون اللہ......﴾

سب سے پہلے بیعت کرنے والے قیسؓ بن سعد بن عبادہ انصاری تھے،۴۱ ہجری پانچ یا چھ ماہ چند دن گزرنے کے بعد آپؑ کومعاویہ نے بزورطاقت وقدرت خلافت سے الگ ہونے پر مجبور کیا کیونکہ آپؑ اپنے پدربزرگوارعلیؑ کی سیرت طیبہ کی تأسی میں دین وشریعت خدا کے اجراءونفاذ اورامت اسلامی کی جان ومال اورناموس کے تحفظ کے خواہاں تھے آپ وحدت دین وملت پرکسی قسم کی تقسیم کیلئے آمادہ نہیں تھے انہی طیب وطاہر خصائل کی وجہ سے معاویہ بن ابوسفیان نے آپ کواس منصب سے الگ ہونے پرمجبور کیا۔جب آپؑ نے دیکھا کہ جنگ کوجاری رکھنے کی صورت میں چاہے آپ فاتح وغالب ہوں یا شکست خوردہ ومغلوب دونوں صورتوں میں اسلام کا مفاد نہیں آپ نے خلافت سے دست برداری کوہی اسلام ومسلمین کی مصلحت گردانا آپ کی سیرت کے تناظر میں امام حسینؑ کے بعد دیگر آئمہ طاہرینؑ کسی خطے پراقتدارحاصل کرنے کی خاطر جانی اورمالی قربانیاں دینے،خون بہانے اور جانیں تلف کرانے پر راضی نہ ہوئے جس طرح بعض نے خاندانِ نبوت کے نام پر بہت سی جگہوں پر

اپنے لئے سلطنتیں بنائیں ۔امام حسنؑ کی صلح کے بعد خلافت جہاں کہیں بھی گئی جس شکل وصورت میں یا جس خاندان سے بھی بنی ،طاقت وقدرت سے ہزاروں جانوں کوتہہ تیغ کرنے یاباپ بھائی کومارنے کے بعد نااہل اور نابالغ طفلِ مشیمہ کی وراثت میں چلی گئی اور ابھی تک انہی دوشکلوں یعنی وراثت یا طاقت وقدرت سے خلفاءاور ارباب اقتدار جنم لے رہے ہیں۔

خلافت کے امیدواروں میں سے کون قابل تعریف ہے

وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد آپ ؐ کی جانشینی کے بارے میں امت کا اختلاف وانتشار انتہائی تشویشناک صورتحال سے دوچار ہے خلافت راشدہ کے سلسلے کا چالیس ہجری کے بعد اختتام کو پہنچنا ایک متفق علیہ حقیقت ہے ۔عصر حاضر میں خلافت اسلامی کے قیام کوروکنے کیلئے ماضی کو اچھالنا اور اس پرنمک ومرچ چھڑکنا دین وملت کے ساتھ خیانت ہے، چاروں خلفاء میں سے کون سب سے زیادہ قرآنی واسلامی اصول ومعیار سے نزدیک اور دین وملت کی بقاء کی خاطر ایثاروقربانی پیش کرنے میں پیش پیش تھا اس کا مسئلہ خلافت میں ہمارے لئے مثال ونمونہ ہونا ایک روشن وتابناک چراغ کی مانند ہے۔آیئے تاریخی نقولات میں بیان کردہ قیل وقال کو نظر انداز کر کے مسلمات تاریخ کی روشنی میں اس ہستی کوتلاش کرتے ہیں:

۱۔ قبیلہ خزرج کے رئیس سعدؓ بن عبادہ خلافت کی سندوخلعت کے خواہشمند تھے ۔انہوں نے خلافت کوانصار کا حق قرار دے کر اپنے آپ کو اس منصب کیلئے لائق وسزاوار گردانا اور مہاجرین کو پناہ دے کر خدمات جلیلہ پیش کرنے کو بنیاد بنایا لیکن اپنی ذاتی صلاحیت کی دلیل پر گفتگو کرنے سے گریز کیا۔

نسل انسانی کی بقاء کا ضامن یہ منصب صرف چند خدمات اور احسانات جتانے کی بنیاد پر یا زیادہ مال ودولت خرچ کرنے کے بل بوتے پر ملنا چاہیے؟ عقل اور قرآن وسنت کی روشنی میں اس بات کی کوئی منطق نہیں بنتی ہے۔سعدؓ بن عبادہ جب مقام ومنصب سے محروم اور مایوس ہوئے تو انہوں نے اسلام ومسلمین کی وحدت وبقاء کی خاطر فریق مخالف بننے سے گریز کیا لیکن فکرِ جاہلیت کو دماغ میں پروان چڑھایا اور اعلان کیا کہ میں اور میری قوم یا کم ازکم میرے بچے مرجائیں گے لیکن تسلیم نہیں ہوں گے انہوں نے تسلیم ہونے سے انکار کیا اور خلیفہ منتخب کی بیعت سے سرپیچی کر کے دنیا سے رخصت ہوئے ،انہیں خلافت درکار تھی اور اسلام کا خیال دامن گیر تھا نہ امت کا!

۲۔عمرؓ بن خطاب نے مہاجرین کی طرف سے ابوبکرؓ کا نام پیش کیا۔

۳۔بشیرؓ بن سعد انصاری نے اپنے چچازاد سعدؓ کی ضد اور عداوت میں ابوبکرؓ کی بیعت کیلئے سبقت کی۔

۴۔تاریخ اور سیرت کے مؤرخین وماہرین لکھتے ہیں ابوبکرؓ نے کہا خلافت قریش کا حق ہے لہٰذا ہم میں سے ایک کوخلیفہ ہونا چاہیے لیکن انہوں نے بیعت کے سلسلے میں سبقت کرتے وقت کن اصولوں اور معیارات کو سامنے رکھا اگر وہ اس منصب کو قبول نہ کرتے تو کیا خطرات لاحق تھے جن کی وجہ سے انہوں نے جلدی کی؟ انصار ومہاجرین کی منطق کو عقل وشرع سے تحلیل کیا تو عادی اور معمولی حالات میں خارج ازقیاس نہیں لیکن خارج از اصول ضرور ہے۔

۵۔علیؑ بھی خلافت کے امیدواروں میں سے تھے آپؑ اپنے آپ کو خلافت کیلئے اہل وسزاوار سمجھتے تھے آپ کی منطق صلاحیت واہلیت تھی

☆ عقل، قرآن، سنت رسولؐ، فطرت اور سیرتِ عقلائے عالم سب سے مستند دلیل صلاحیت واہلیت ہے۔

☆ یہ ایسی ترجیح نہیں جو تنہا ایک خاص زمانے میں میسر ہو اور دوسرے زمانے میں نایاب ہو، ایک خاص جگہ میسر ہو اور دوسری جگہ معذور رہو، ایک قبیلہ میں دستیاب ہو اور دیگر قبائل وعشائر میں ناپید ہو، ایک کیلئے قابل قبول اور دوسرے کیلئے ناقابل قبول ہو۔

☆ نص اور خواہش دونوں کی وسعت تمام زمان ومکان کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے چنانچہ دورِ غیبت امام زمانہؑ کے بعد نص اور وراثت کا موضوع اپنی جگہ ختم ہوگیا ہے اور کوئی ہستی اس وقت دنیا کے اندر ہماری دسترس میں نہیں ہے لہٰذا غیبت امام زمانہؑ میں اس پر عمل نہ کر سکنے والا کوئی بھی شخص مذموم قرار نہیں پائے گا، تاہم "صلاحیت واہلیت" ایسی ترجیح ہے جو ہر دور اور ہر زمان ومکان میں اپنی نسبت سے دستیاب ہوتی ہے، رہتی دنیا تک یہ موضوع ختم ہوگا نہ حکم ہر قسم کے شک وشبہ، اشکال واعتراض اور بہانہ سے پاک ترجیحی وشرطیہ مفروضہ "صلاحیت واہلیت" ہے۔ جیسا کہ امام علیؑ کے کلمات سے واضح ہے۔

"اَیُّھَا النَّاسُ، اِنَّ اَحَقَّ النَّاسِ بِھٰذَا الْاَمْرِ اَقْوَاھُمْ عَلَیْهِ وَاَعْلَمُھُمْ بِاَمْرِ اللّٰہِ" "لوگو! یاد رکھو اس امر کا سب سے زیادہ حقدار وہی ہے جو سب سے زیادہ طاقتور اور دین الٰہی کا واقف کار ہو" (نہج البلاغہ خ ۱۷۳) "پیغمبر اسلامؐ کی جانشینی اور منصب خلافت کیلئے وہ شخص سب سے زیادہ سزاوار ہے جو علم، شجاعت، حلم، صبر وقناعت کا حامل ہو" (نہج البلاغہ)

متفرقات سیرت

بعثت انبیاءؑ کی ضرورت

۱۔انسان کی تمنا اور خواب ہے کہ وہ ایک سعادت مند زندگی گزارے اسی طرح اس کی کوشش ہوتی ہے کہ بدبختی و بے بسی کے موجبات سے نفرت و بیزاری اور اس کے اسباب سے کنارہ کشی کرے لیکن مصیبت یہ ہے کہ وہ خود اس راستے سے نا آشنا ہے بہت سے انسان تنہا سرگرم ہیں وہ اخلاص اور قصد قربت کے ساتھ محو عمل رہتے ہیں کہتے ہیں جس راہ پر ہم گامزن ہیں وہ کامیابی کا راستہ ہے جبکہ ان کا یہ راستہ شقاوت و بدبختی کی طرف جاتا ہے یہ اس وقت معلوم ہوتا ہے جب وہ پستی میں گر جاتے ہیں اور واپسی کا راستہ بند ہو جاتا ہے اس طرح ان کو واضح ثبوت خود بخود مل جاتا ہے۔

۲۔ایک گروہ کہتا ہے سعادت اور نیک بختی دولت میں ہے چنانچہ ملحدین کے علاوہ مومنین و علماء بھی یہی کہتے ہیں جب تک ہم اقتصادی طور پر خود کفیل نہ ہو جائیں اور کچھ مال جمع نہ کر لیں ہم دین کی خدمت اور خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہیں کر سکتے جس کے پاس مال نہ ہو اس کی کوئی نہیں سنتا، اسلام کافی نہیں ہے گزر اوقات کا بھی بندوبست کرنا ضروری ہے اقتصادی طور پر خود کفیل ہونے کیلئے دولت کو ضرورت گردانے والے اس کی گندگی میں رہتے ہیں اور آخر کار دین سے بغاوت کرتے ہیں تاریخ میں آپ کو کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو ابتداء میں اقتصادی ترقی کے پیچھے بھاگا ہو پھر اسے چھوڑ کر دین کی طرف واپس پلٹا ہو۔

۳۔بعض کا کہنا ہے اگر دنیا نے ترقی کی ہے تو علم کی بدولت کی ہے، علم کے بغیر انسان ترقی نہیں کر سکتا علم سعادت کا ضامن اور شرافت کی کنجی ہے لہٰذا ہمیں علم سیکھنا چاہیے لیکن ان لوگوں نے آج تک اس علم کے متعلق یہ نہیں بتایا کہ یہ علم کون سا علم ہے کیا یہ علم خدا شناسی ہے؟ رہبر شناسی و فریضہ شناسی ہے؟ طبیعت شناسی ہے؟ کیمیا اور زبان شناسی کا علم ہے یا جسے دوسروں کی بولی بولنا آتی ہو وہی سعادت مند ہے۔

۴۔تاریخ بشریت میں ایسے بہت سے لوگ گزرے ہیں جن کا کہنا تھا تمام خدمات کی چابی کرسی اقتدار میں ہے ہم کہتے ہیں پہلے اقتدار کی کرسی تک پہنچیں گے یعنی پہلے ملک کا اقتدار ہاتھ میں لیں گے پھر دین اور دین داروں کی خدمت کریں گے۔ایسا کہنے والوں کا دین و مذہب اور خدا کی بندگی کرسی کا لقمہ اجل بن جاتے ہیں تاریخ میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے مادی اقتدار کے راستے سے دین کی خدمت کی ہو، خدا سورہ قصص آیت ۸۳ میں فرماتا ہے جو لوگ اقتدار کا خواب دیکھتے ہیں انہیں جنت نصیب نہیں ہو گی۔

۵۔کچھ انسانوں نے روحانیت، مساجد و خانقاہ، گوشہ نشینی کو ہی نجات کی کنجی سمجھا ہے اور اس حوالے سے انہوں نے اقدامات بھی کئے ہیں آپ اس گروہ کو خود ملاحظہ کر سکتے ہیں لیکن ظلم و ستم کے منڈلاتے ہوئے بادلوں کے نیچے دعا کمیل کے

زمزمے، زیارت عاشورہ کے ساتھ گریہ وزاری، رازونیاز اور مناجات کرنے والے انسان سعادت کی زندگی گزار رہے ہیں یا خطرے کے بادلوں سے نزدیک ہوتے جارہے ہیں۔

جاہل ونادان انسان تنہا سعادت تک نہیں پہنچ سکتا وہی انسان سعادت مند ہوسکتا ہے جو حقیقی معنوں میں انسان کے جسم وروح کیلئے باعث خسارہ چیزوں کے بارے میں جانتا ہو جو اس کائنات میں بدکاری، پلیدی فساد سے جنگ میں رہتا ہو اور اسے خدا کی طرف سے ہدایت ورہنمائی نصیب ہو یہی بعثت انبیاءؑ کا فلسفہ ہے۔

بندگان خدا پر حجت

علماء وحکما اور فلاسفہ کا کہنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو جسم اور روح سے مرکب خلق کیا ہے۔اس مرکب مخلوق میں خداوند متعال نے دو قسم کی طاقت وقدرت پنہاں رکھی ہے۔

ا۔ نفس

یہ انسان کو دنیا میں جینے اور زندگی بسر کرنے کے وسائل وضروریات کی طرف کھینچتا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں اسے کسی معمولی سے خارجی رہبر کی ضرورت نہیں ہوتی ہے جیسا کہ اونچی جگہ سے پانی کے نیچے گرنے اور رواں ہونے کیلئے کسی قسم کی کاوش اور بیرونی توانائی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ پانی از خود سرازیر ہوجاتا ہے اسی طرح دنیا میں جینے کیلئے کھانے، پینے، لباس پہننے، جائے سکونت اور شادی وغیرہ کی ضرورت کسی تعلیم وتربیت کے بغیر از خود انسان میں نشوونما پاتی ہے۔

۲۔ عقل

عقل انسان کو اس دنیا سے پرواز کرکے دوسرے عالم کی طرف لے جانے، غریزہ اور طبیعت کی بے لجامی اور غیر محدود سیر کو لجام دینے کیلئے خداوند متعال نے انسان میں ودیعت کی ہے تاکہ اسکی پرواز اور نزول میں توازن برقرار رہے اس طاقت کو روایت میں داخلی پیغمبر کہا گیا ہے کیونکہ دوسرا عالم انسان کی نظروں بلکہ حواس خمسہ سے پوشیدہ ہے لہٰذا دنیا میں اکثر اوقات طبیعت اور خواہشات کی جیت ہوجاتی ہے اور عقل پیچھے رہ جاتی ہے، خصوصاً ان جگہوں پر جہاں معاشرہ عیش ونوش اور لذت وسیاحت کا گرویدہ ہو وہاں نفسانی خواہشات کو زیادہ فروغ ملتا ہے، عقل زیادہ تر مجبور ہوتی ہے، شہوت وخواہشات جیت جاتیں ہیں اور نفس انسان کو انحرافات کی طرف کھینچ لیتا ہے؟ نفس کی خواہشات انسان کو ہر قسم کی مسئولیت وذمہ داری سے سبک دوش ہونے کا درس دیتی ہیں جس سے انسان کا رجحان مادہ کی طرف بڑھ جاتا ہے اور وہ رفتہ رفتہ سعادت سے دور اور شقاوت سے نزدیک ہوجاتا ہے پھر یہ بندۂ خدا آخر میں قہر اور غضب الٰہی کا مستحق بن جاتا ہے یہاں سے خداوند متعال کی رحمت وشفقت انسانوں کی طرف بڑھتی ہے اور ایک دفعہ پھر وہ انسان کی ہدایت ورہبری کا اہتمام کرتا ہے۔وہ افراد جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے باہر سے ہدایت ورہبری کرتے ہیں انہیں روایت میں عقل بیرونی اور حجت خدا کہا گیا ہے یہ حجت اپنی جگہ تین قسم کی ہوتی ہے۔

☆ وہ ذوات جو خدا سے مستقیم وحی لیکر آئیں ان کا کہنا تھا ہم خدا کی طرف سے آئے ہیں، از خود کچھ نہیں بولتے،

ان ذوات کو نبی یا رسول کہتے ہیں۔خداوند متعال نے یہ سلسلہ ہمیشہ ہر دور اور ہر زمانے کیلئے نہیں رکھا بلکہ بشر کے سقوط، جہل و نادانی اور کفر و طغیان کی اپنی انتہا کو پہنچنے کے بعد انبیاءؑ بھیجنے کی سنت قائم کی اس سلسلے کی آخری کڑی محمد مصطفیؐ پر ختم ہو جاتی ہے ان کی نبوت کا سلسلہ باقی رہتے ہوئے اس کائنات کا اختتام ہو جائے گا۔

- ☆ وہ ہستیاں جنہوں نے امت کو دین کی طرف رجوع کرایا ہے۔
- ☆ علماء جن کے دوش پر سنگین و ثقیل ذمہ داریاں ہیں۔

اسلام کی توسیع و جاودانی کے اسباب

حدیث میں آیا ہے کہ اسلام ایک غریب اور نرالی صورت میں ظاہر ہوا اور آئندہ بھی اسی صورت میں برگشت کرے گا، شارحین حدیث نے کلمہ غریب کا ترجمہ تعجب خیز اور نرالا کیا ہے۔ادیان کی تاریخ و پیدائش، خصوصیات و امتیازات، اسباب فروغ و اشاعت اور عوامل زوال و ناپیدی کا تجزیہ و تحلیل کرنے والوں اور ماہرین ادیان و مذاہب کیلئے دین مقدس اسلام ایک موضوع بنا ہوا ہے۔اسلام مکہ سے حرکت کرتے ہوئے رفتہ رفتہ پورے خطہ ارضی پر پھیل گیا، اس وقت دنیا کے گوشہ و کنار میں "اصحاب شماریات" کے مطابق ہر لحہ اس دین کا اعلان ہوتا ہے۔یہ بات اپنی جگہ غیر مسلموں مستشرقین، مغرب نواز مسلمانوں اور حقیقی مسلمانوں کے ذہنوں میں کئی قسم کے سوالات پیدا کرتی ہے؟ ہم مسلمانوں کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کو سامنے لاکر ان کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلام کا عاشق و شیدائی مسلمان کے ذہن میں سوال اٹھتا ہے آخر ہمارے نبی کریمؐ کے لائے ہوئے دین کو اتنی جلدی فروغ کیوں اور کیسے ملا اور کس طرح آج تک یہ زندہ و جاوید اور باقی ہے اس کے کیا اسباب و عوامل ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ چار سو سے اس پر حملہ کرنے، اس کا راستہ کو روکنے اور اس کے چہرے کو مسخ کرنے والے دشمن سرگرم ہیں۔آیا یہ عوامل و اسباب صرف اور صرف غیب سے مربوط ہیں جو خدا کے آخری محبوب و پسندیدہ نبی سے مربوط ہے اور اس سے قبل کسی نبی کیلئے نہیں تھے، نہ ہی آئندہ کسی کو نصیب ہوں گے! آیا خداوند متعال نے حقائق کو ہمیشہ آپ کی کامیابی میں مضمر کیا اور کبھی کبھی دشمن کے جال اور خطرہ سے نکلنے کے لئے بروقت آپ کو آگاہی دی یا ملائکہ الٰہی نازل کرکے آپ کی معاونت کی۔کیا انہی اسباب و عوامل کے تحت آپ کے دین کو فروغ ملا ہے یا اس دین میں اور اس دین کی بنیادی تعلیمات میں ایسے اصول و قوانین موجود ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر آپ کی امت کا کوئی بھی فرد اس مقصد کی طرف آگے بڑھے گا تو دین کو فروغ ملے گی جس سے یہ وسعت پاتے ہوئے پُر رونق ہو جائے گا اور اس کی جڑیں زیادہ مضبوط ہوں گی۔اس وقت دین اسلام کے حوالے سے سستی، ضعف، کمزوری اور مسخ شدہ صورت اس کے اصول و قوانین سے انحراف کی وجہ سے ہے۔

آیئے پہلے دیکھتے ہیں وہ کونسے عوامل و اسباب ہیں جن کی بنیاد پر یہ دین اپنے کم و کیف دونوں حوالوں سے غیر متوقع انداز میں سرعت سے پھیلا، اس سلسلہ میں تجزیہ نگاروں نے چار اصلی عناصر کی نشاندہی کی ہے:

۱۔زاویہ مکانی: دعوت کے آغاز کیلئے خداوند متعال نے جس سرزمین کو منتخب کیا وہ اپنی جگہ دنیا کے تمام گوشہ و کنار کی نسبت انتہائی مناسب و سازگار تھی لہٰذا دعوت کیلئے جو مشکلات دوسری جگہوں پر درپیش تھیں وہ اس جگہ پر نہیں تھیں اس وقت ایک انسانی و عالمی اور آخری دین کی دعوت کیلئے اس سے بہتر و مناسب اور کوئی جگہ نہیں تھی اس کی خصوصیات یوں بیان کی جا سکتی ہیں:

☆ **مرکزیت سے دور:** یہ جگہ اپنے جائے وقوع کے حوالے سے وسط عالم میں واقع ہے اُس وقت دنیا کا تمدن و ترقی کثیر الاحتیاج جگہوں کی وسعت میں پھیلا ہوا تھا چین، ہندوستان، فارس، روم، مصر اپنی مرکزیت کے لحاظ سے سب کیلئے توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے، وہاں عوام بادشاہوں کے اوامر و نواہی کے سامنے خاضع و خاشع رہتے تھے لیکن جزیرۃ العرب میں مختلف قبائل و عشائر رہائش پذیر تھے سرزمین عرب سے ہٹ کر دوسرے خطوں میں اہم سے اہم مسئلے کا فیصلہ کرنے کیلئے سب کا اتفاق ہونا ضروری تھا لہٰذا دعوت اسلام جس کی ابتداء بنیادی نقطے سے ہو رہی تھی اس کیلئے ممکن نہیں تھا کہ وہ متمدن و مترقی اور مرکزی کردار رکھنے والی جگہوں سے شروع ہو اگر ایسا ہوتا تو یک بارگی یہ دعوت اپنے انجام کو پہنچ جاتی اور کوئی بھی طاقت و قدرت اسے بچا نہ سکتی۔

☆ **صحرائی علاقہ:** یہ علاقہ پیداوار اور زرخیزی کی بجائے خشک پہاڑوں اور دشت و بیابان پر مشتمل ہونے کی وجہ سے استعماری قوتوں کے مفادات کی عدم وابستگی اور طمع و لالچ سے محفوظ تھا۔

☆ **اجتماعیت:** یہاں کی آبادی ایک مرکزی شخصیت یا گروہ سے وابستہ اور اس کی مطیع و فرمانبردار نہیں تھی جیسا کہ چین، ہندوستان، فارس، روم، مصر، حبش اور ان کے نو آبادیاتی علاقے تھے جہاں ایک قوی و طاقتور حکمرانی چلتی تھی جبکہ جزیرۃ العرب میں قبائلی اور عشائری نظام ہونے کی وجہ سے اسلام کے داعی اور ان کے حامیوں کو ختم کرنا دعوت کے مخالفین کیلئے مشکل و دشوار اور گراں تھا کیونکہ اس دعوت میں ہر قبیلہ اور عشیرہ سے کوئی نہ کوئی صاحب عزت، صاحب مقام و منزلت شامل ہو چکا تھا لہٰذا اس دعوت کے خلاف جنگ چھیڑنا قبائل و عشائر میں خانہ جنگی کا سبب بن سکتا تھا۔

۲۔دینی زاویہ: اس وقت فارس میں آتش پرستی اور روم میں مسیحیت کی وجہ سے دین کہانت پر قائم تھا اور لوگوں میں افہام و تفہیم اور عقل و تدبر کی گنجائش کم تھی لہٰذا یہ دین کسی بھی صورت میں ان کے ذہنوں میں جاگزیں نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ لوگ بوسیدہ و فرسودہ رسومات کے پابند تھے، ان حالات میں دین اسلام کی بات سننے کیلئے فضا نا سازگار تھی جبکہ جزیرۃ العرب میں بت پرستی کا زور تھا اور بت پرستی بھی ایسی کہ پرستش کیلئے ہر ایک نے الگ الگ بُت بنا رکھا تھے علاوہ ازیں اس سرزمین پر فکری نقطہ نظر سے مسیحیت و یہودیت اور بت پرستی کے مخالف عناصر پائے جاتے تھے۔

۳۔عوام الناس: یہاں لوگ سادہ زندگی کے عادی اور عیش و عشرت کی زندگی سے گریز کرنے والے تھے اس لئے یہاں زندگی پیچیدہ نہیں تھی اور فطرت و واقعیت سے نزدیک تھی یہاں دین کی پذیرائی اور قبول کرنے والوں کیلئے بڑے پیمانے پر مشکلات، مصیبت و فقر، بھوک، پیاس، محرومیت، کمر شکن اور زمین بوس کرنے والی صورت حال نہیں تھی۔

۴۔معاشرے میں متعدد ثقافتوں کا فقدان: قرآن کریم نے اس پہلو کی طرف واضح عبارت میں اشارہ کیا ہے، یہ بات مستشرقین اور مستغربین کی فکر و عزائم کے مطابق ہے اور انھیں اس پہلو پر زیادہ اصرار ہے کیونکہ وہ دین اسلام کو فضائے جہالت کی تخلیق و پیداوار سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عرب جاہل و نادان تھے لہٰذا اس دین کو پذیرائی ملی ہے۔

لیکن یہ بات اپنی جگہ تشریح و تفسیر طلب ہے اگر ایک معاشرے میں کوئی شخص جاہل و سادہ لوح ہو تو اسکو علماء جاہل بسیط کہتے ہیں یعنی علم اور جہل کے درمیان ایک دیوار حائل ہے لیکن ایسا معاشرہ جس میں مختلف قسم کے روشن فکر افراد موجود ہوں اور وہ معاشرے کی مقدرات پر بھی قابض ہوں تو وہ کسی نئی فکر کے فروغ پانے میں دیوار چین کی مانند استقامت دکھا کر رکاوٹ ڈالتے ہیں لہٰذا وہ کسی بھی نئی فکر کو نفوذ نہیں ہونے دیتے چہ جائیکہ کسی مخالف فکر کو نفوذ ہونے دیں۔

کہتے ہیں علم کو فروغ ملنے سے دین کو فروغ ملتا ہے یہ صرف کہنے کی اور خیالی بات ہے کیونکہ دین کے خلاف خرافاتی افکار و نظریات کا جال روشن فکر اور روشن خیال افراد پھیلاتے ہیں کوئی اور نہیں پھیلاتا ہے چنانچہ آپ کو متمدن و ترقی یافتہ علاقوں میں دین سے زیادہ فرسودہ و بوسیدہ کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ ہمیشہ دین کے متعلق بحث و تحقیق کے راستہ میں یہی لوگ مانع و رکاوٹ بنتے ہیں کیونکہ یہ طبقہ جاہل مرکب انسانوں کا طبقہ ہے جزیرۃ العرب میں پہلے پہل ان پڑھ سادہ لوح اور صاف فطرت و ذہنیت کے حامل افراد نے اپنی عقل و شعور کی بنا پر جلدی اسلام کو قبول کیا۔

۵۔عرب کا اخلاق کریمہ: سرزمین عرب میں صحرانشین اور خانہ بدوش تھے ان میں کچھ فضائل کریمہ اور عادات حسنہ تھیں جیسے جود و سخا، شجاعت و شہامت، ایثار و قربانی اور حمایت و پناہ وغیرہ ساتھ ہی ان میں صحرانشینی کے حوالے سے تحمل، صبر اور برداشت کی صفات بھی پائی جاتی تھیں۔

اخلاق کریمہ نبی کریم ﷺ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین مقدس اسلام اپنے مخالفین و معاندین کی تمام تر کاوشوں کے باوجود دیواروں، کانٹوں سے گزر کر تمام نوع انسانی تک جا پہنچا ہے لیکن اسکا کیا راز ہے اس سلسلے میں تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے اسکا ایک عنصر پیغمبرؐ کا اخلاق کریمہ ہے لیکن خود اخلاق کیا ہے یہ شاید بہت سے لوگوں کیلئے واضح نہیں، بعض غیر اخلاقی عمل کو بھی اخلاق سمجھتے ہیں اور اصل اخلاقی عمل سے دوری اختیار کرنے کو باعث فخر سمجھتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ہم کچھ حد تک اخلاق کے مفہوم و مصدر اور اسکی قدر و قیمت کو بیان کریں، اخلاقی عمل اور عام عمل میں کیا فرق ہے؟ ہم کس اصول کے تحت ایک عمل کو عادی عمل اور دوسرے کو اخلاقی عمل کہتے ہیں؟

علمائے اخلاق فرماتے ہیں اخلاق عادات و رسومات پر مشتمل نہیں ہے جو کسی ایک قوم و قبیلہ میں تو پسندیدہ ہو لیکن دوسرے میں ناپسندیدہ ہو، اخلاق ایک فطری عمل ہے جس کی اچھائی اور خوبی کا اعتراف جاہل و نادان، عالم و دیندار، بے دین، عامل اور بے عمل سب کے سب کرتے ہیں، اخلاقی عمل وہ ہے جو سب کے نزدیک قدر و قیمت رکھتا ہو لیکن کہتے ہیں کہ اس کی قیمت کا تعین ممکن نہیں ہے جبکہ عادی عمل کا مختصری مادیات سے بھی حق ادا ہوتا ہے۔

مصادر اخلاق کے بارے میں بحث و گفتگو اس بات پر ہوتی ہے کہ اخلاق کا مصدر کیا ہے؟ اس کی برگشت کی جگہ کیا ہے؟ بعض کا کہنا ہے اخلاق حکام و ارباب اقتدار کے محکومین اور ماٗمورین کو سکھائے گئے آداب و تقالید کا نام ہے کہ وہ اپنے مولا اور آقاؤں کے ساتھ کن الفاظ و کلمات میں نشست و برخواست کریں جیسا کہ آج کل دنیا میں بادشاہان، راجگان، نوابگان، ان کے ریزہ خوران اور ان سے وابستہ افراد اپنے سرداروں کی اطاعت کیلئے مختلف کلمات ادا کرتے ہیں اگر انہوں نے ان آداب و رسومات میں کوتاہی کی تو گویا انہوں نے بداخلاقی کی۔ یہ تفسیر کافی حد تک عام دینداروں میں بھی سرایت کر چکی ہے بعض مسلمان متدینین اس تفسیر کو اخلاقِ اسلامی یا اخلاقِ محمدیؐ سمجھتے ہیں۔

۱۔ حقیقی اخلاق، انبیائے الٰہی بشر کیلئے لائے اس پر عمل پیرا ہو کر انسان دین و دنیا میں سعادت و نیک بختی حاصل کر سکتا ہے چنانچہ کتب آسمانی قرآنِ کریم اور آئمہ طاہرینؑ کے فرمودات میں اس حوالے سے ہدایت و رہنمائی ملتی ہے۔

۲۔ انسان اپنے وجود اور معاشرے کے افکار و نظریات سے سرچشمہ لیتا ہے اور بحیثیت انسان اس میں اخلاق نہاں ہے، تاریخ عرب کے مورخین و محققین کا کہنا ہے سرزمینِ مکہ پر جہاں بت پرستی، کفر و شرک اور اس کے آثار و نتائج اپنی عروج اور انتہا پر پہنچے ہوئے تھے وہاں اس وقت بھی عرب میں بعض اخلاقی اقدار زندہ تھیں اور اخلاق کے حاملین محترم و مکرم سمجھے جاتے تھے، اہل مکہ پیغمبرؐ کو تمام اخلاقِ حمیدہ کا اعلیٰ نمونہ سمجھتے تھے آپؐ نے مبعوث بہ رسالت ہونے کے بعد اپنے پہلے خطاب میں اہل مکہ سے اپنی اس اخلاقی صفت کا اعتراف کروایا۔ جب اہل مکہ اپنی عداوت و دشمنی کی وجہ سے پیغمبرؐ کو قتل کرنے پر متفق ہوئے تو اس وقت بھی آپ کو اخلاق اور امانتداری میں یگانہ فرد سمجھتے تھے لہٰذا آپؐ نے بھی اس اخلاق و امانتداری کی پاسداری کرتے ہوئے علیؑ کو ہجرت کے بعد مکہ میں ٹھہرایا تا کہ تمام لوگوں کی امانتیں ان کو واپس کر دی جائیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اخلاق صرف انسانی وجدان و ضمیر کی تخلیق ہے بلکہ نبی کریمؐ نے مدفون شدہ اخلاق سے گرد و غبار ہٹاتے ہوئے کر اسے صیقل دے کر دنیا کے سامنے پیش کیا آپؐ نے یہ نہیں فرمایا میں اخلاق لایا ہوں بلکہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اخلاق کو اس کے مراتب و درجات تک پہنچانے کیلئے آیا ہوں۔

ذوالقربیٰ رسول ﷺ

ذوالقربیٰ رسول کون ہیں اوران کیلئے کیا امتیازات ہیں؟اس سوال کے جواب کیلئے پہلے مرحلے میں اصل قربیٰ کے معنی واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

ذوی القربیٰ

قربیٰ مادہ قرب سے ماخوذ ہے لیکن بعض کا کہنا ہے یہ کلمہ اقرب اسم تفضیل کا مونث ہے لہٰذا اکثر و بیشتر تراجم میں اسکا معنی نزدیک ترین رشتہ دار کیا گیا ہے بعض ماہرین علوم عربیہ نے اسے باب ثلاثی مجرد کے اوزان میں بروزن فُعلی قرار دیا ہے جیسا کہ رجع یرجع کے باب سے اس کا مصدر رجعی آتا ہے اسکے تحت قربیٰ کا معنی نزدیک بنتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں جہاں جہاں یہ کلمہ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے قربیٰ اسم تفضیل اقرب نہیں بلکہ مصدر ہے اس وجہ سے بعض جگہ پر اس پر الف، لام داخل ہوا ہے ہم اس دقیق اور موشگافی بحث میں کوئی نظریہ دینے کے اہل نہیں ہیں لہٰذا ہم اسے اسکے اہل کیلئے چھوڑتے ہوئے قرآن کریم میں اس کے مصادیق کا سرسری جائزہ لیتے ہیں۔قرآن میں قربیٰ ہمیشہ ذی القربیٰ، ذوی القربیٰ، اولی القربیٰ کے اضافہ کے ساتھ آیا ہے۔

انسان اور قربیٰ

عقل وعرف عام میں قربیٰ کے تعین کیلئے نقطہ پرکار خود انسان ہے اسی سے قرب اور بُعد ناپا جائے گا۔ہر انسان اپنے قریب سے قریب تر کو ناپتا ہے اس قرب ناپنے کے آلے کو عرف عام میں قانون شہری کہتے ہیں۔اسلام میں اسے ”شریعت“ کہتے ہیں جو اپنی جگہ قرآن وسنت کا مرکب ہے۔

قرآن وسنت میں قربیٰ انسان

قرآن وسنت میں انسان کے قربیٰ کا ذکر ہوا ہے:

ا۔قربیٰ مکانی

انسان جس جگہ قیام پذیر ہو وہاں اس کے چاروں طرف مسکون افراد قربیٰ مکانی کہلائیں گے قرآن کریم میں اسے ”جار“ کہا گیا ہے جسکا معنی ہمسایہ و پڑوسی ہے۔قرآن میں ان کے حقوق کا خیال رکھنے اور احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔پڑوسیوں کی تین اقسام ہیں:

☆ **مسلمان پڑوسی:** یہ پڑوسی کے حق کے ساتھ قرب دینی کا حق بھی رکھتا ہے۔

﴿وَّبِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَالۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ﴾ ”اور رزیادہ قریبی رشتہ داروں“

یتیموں' مسکینوں' قریبی رشتہ دار پڑوسی' اجنبی پڑوسی' پاس بیٹھنے والے رفیقوں" (نساء ۳۶)

☆**مسلمانوں کا دشمن کافر و مشرک پڑوسی:** یہ اس وقت تک پڑوسیوں کے حقوق کے حقدار ہیں جب تک دشمنی پر نہ اتر آئیں دشمنی کی صورت میں نبی کریمؐ کی سنت کے مطابق ان کے حقوق ختم ہو جائیں گے جیسا کہ آپؐ نے بنی قینقاع اور بنی نضیر کو مدینہ سے بے دخل کیا۔

☆**غیر مسلم پڑوسی:** غیر مسلم پڑوسی جو اسلام و مسلمین کے خلاف کسی سازش اور دشمنی میں سرگرم نہ ہوں وہ محتاج مند و نیاز مند ہونے کی صورت میں توجہ کے طالب ہوں گے۔

۲۔ قربِ زمانی

قرب زمانی میں ہر انسان کے ہم سن و ہم عصر افراد شامل ہوتے ہیں جنہیں قرآن میں اتراب کہا گیا ہے لیکن کسی کے ہم عصر ہونے کی وجہ سے دوسرے پر کوئی حق اور برتری حاصل نہیں ہوتی ہے جیسا کہ بعض نے رسول اللہؐ کے عہد کے لوگوں کو افضل قرار دیا ہے اس کی کوئی منطق نہیں ہے اسی طرح کسی شخص کا قابل احترام ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ افضل بھی بن جائے۔

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنْتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَمْ بَعِيدٌ مَا تُوعَدُونَ﴾ "پھر اگر یہ منہ موڑ لیں تو کہہ دیجئے کہ میں نے تمہیں یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے مجھے علم نہیں کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا دور۔" (انبیاء ۱۰۹)

۳۔ قربِ نسبی

قرب نسبی بھی قرب مکانی کی مانند ہے اس کی چند اقسام ہیں۔
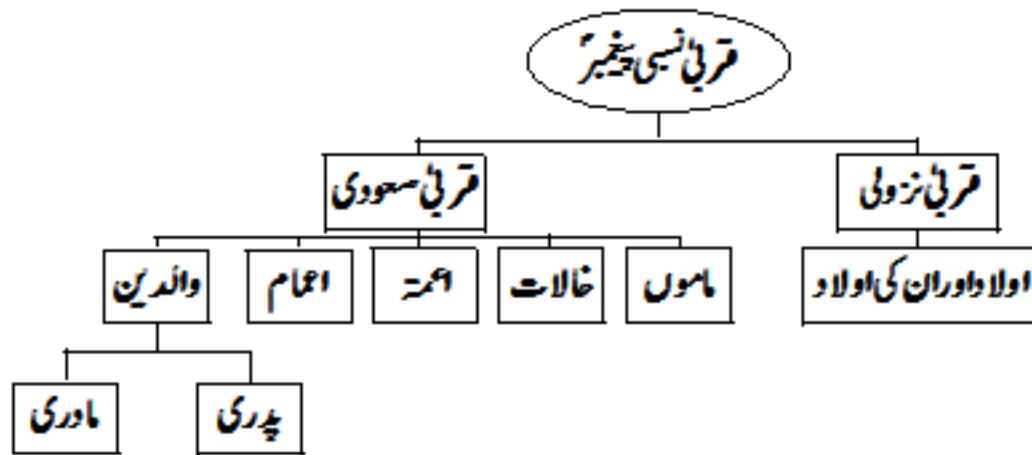
☆**قربِ صعودی:** قرب صعودی میں ماں باپ سے منسوب تمام رشتہ دار شامل ہیں جس میں قریب ترین دادا' دادی' نانا' نانی' چچا' پھوپھی' ماموں اور خالہ وغیرہ شامل ہیں ان کے تنزل میں ان کی اولاد شامل ہے اس خط کے تحت عبد المطلب، ابو طالب و

عباس اور صفیہ ×وغیرہ پیغمبرؐ کے صعودی رشتے دار ہیں۔
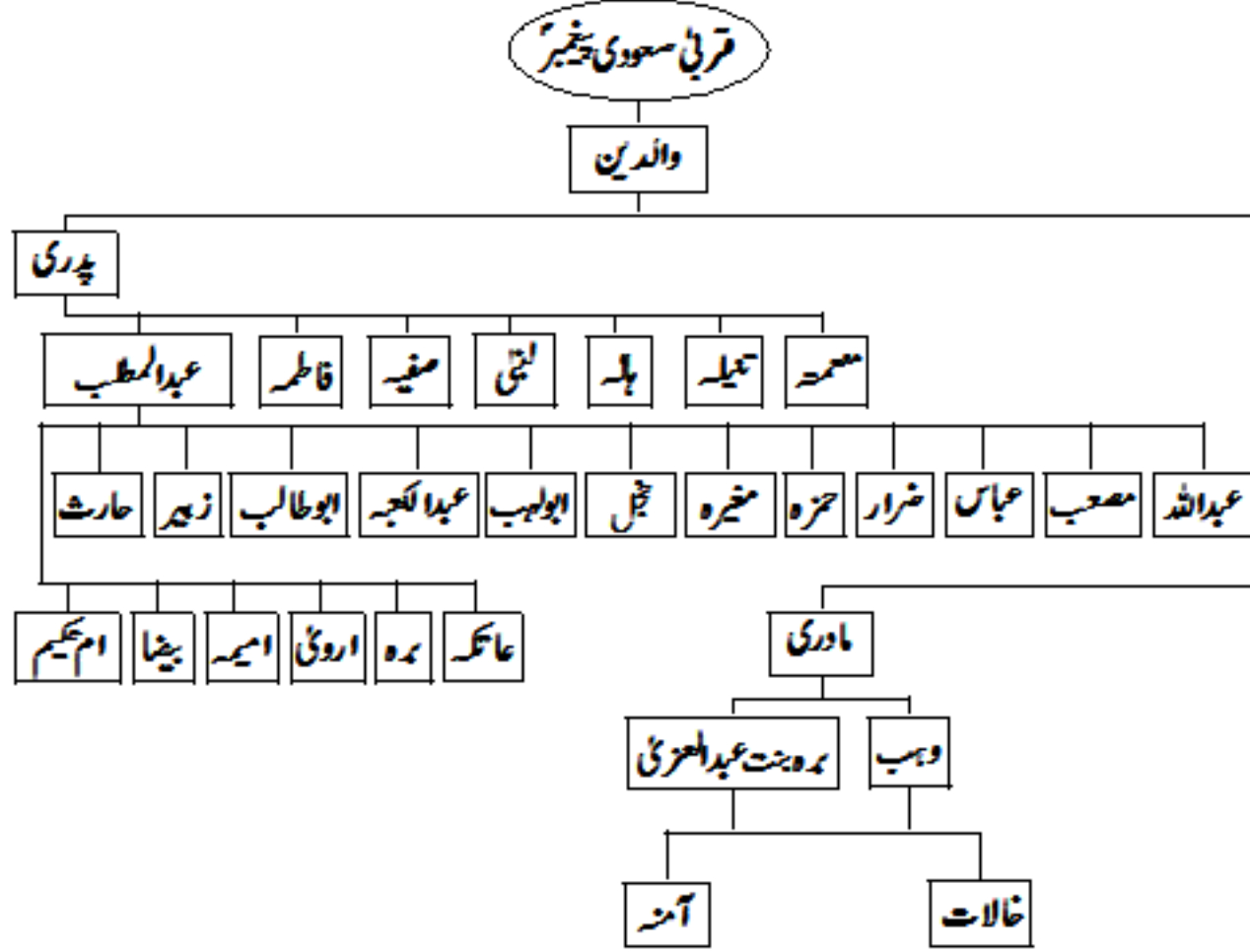
☆**قرابتِ نزولی:** حقیقی بیٹے بیٹیاں اور ان کی نسل اس خط میں آتی ہے۔ والدین کے سوا اولاد باقی اقرباء پر فوقیت رکھتی ہے اس خط کے تحت پیغمبرؐ کے بیٹے قاسم و ابراہیم بیٹیاں زینبؓ، ام کلثومؓ، رقیہؓ اور فاطمہؓ اور ان کی اولاد قرب نزولی میں شامل ہیں۔
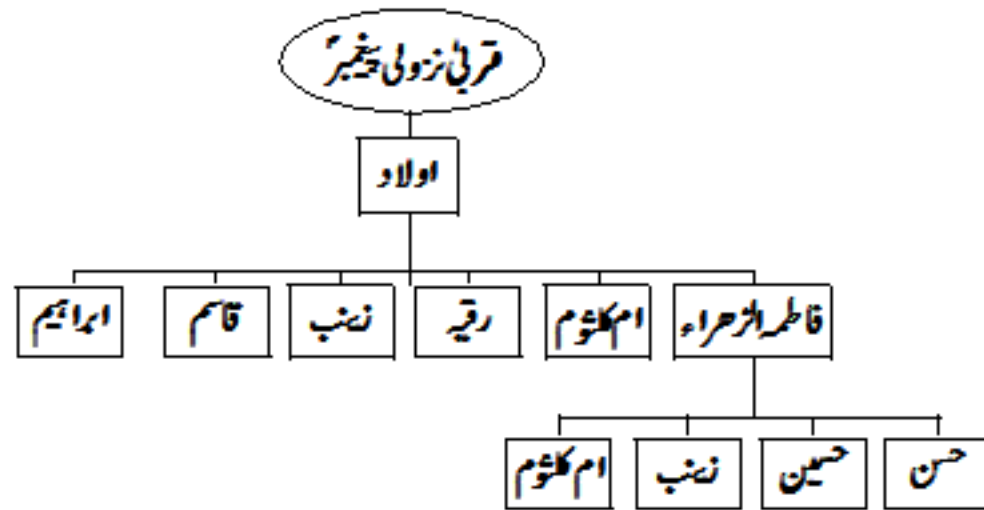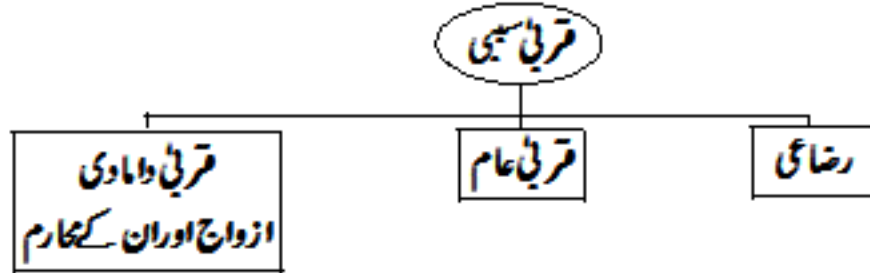
ایک انسان کا طبیعی اور عادی حالات میں ایک انسان سے کسی قسم کا رشتہ وجوڑ نہیں ہوتا بلکہ کل تک ایک دوسرے سے اجنبی اور بیگانے تھے آج کسی سبب کے تحت ایک دوسرے سے قریب ہو گئے ہیں ۔شریعت اسلام نے اس سبب کے تحقق ہونے کے بعد ایک دوسرے پر چند احکامات لاگو کئے ہیں جن کا ذکر قرآن وسنت میں ہوا ہے ۔قربیٰ سببی کی تین اقسام ہیں ۔

☆**عام قربیٰ:** سوائے احتیاج وضرورت کے موقع پر توجہ اور احسانات کے علاوہ ایک دوسرے پر حقوق لاگو نہیں ہیں ۔ان کا ذکر نساء ۸:۱۰ میں ہوا ہے

﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُوْلُوا الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا﴾ ''اور جب تقسیم کے وقت قریب ترین رشتے دار یتیم اور مسکین موجود ہوں تو اس میں سے انھیں بھی کچھ دے دیا کرو اور ان سے اچھے انداز میں بات کرو''

☆**قربیٰ رضاعی:** ایک بچہ کل تک ایک لڑکے سے کوئی رشتہ وجوڑ اور قرب نہیں رکھتا تھا لیکن آج ایک کا دوسرے کی ماں سے مقدار معلوم دودھ پیا قربت کا سبب بن جاتا ہے لہٰذا جس عورت کے پستان سے دودھ پیا ہو اسی سے دودھ پینے پینے والی لڑکی یا لڑکا رضاعی بہن بھائی ہوتے ہیں ۔

☆**قربیٰ دامادی:** ایک انسان ایک عورت سے کسی قسم کا قرب نہیں رکھتا تھا اگر رکھتا تھا تو کسی قسم کے حقوق واحکام اس پر لاگو نہیں تھے آج جونہی ان دونوں کے درمیان عقد جاری ہوا تو انتہائی قریب ہو گئے انسانی زندگی میں ایک انسان دوسرے انسان سے اتنا قریب نہیں ہوتا ہے حتیٰ والدین اور اولاد بھی اتنے قریب نہیں ہوتے ،احکام شرعی اور حقوق کے حوالے سے زوجہ مقدم ہوتی ہے لیکن تعجب کی بات ہے کہ بعض افراد نے فرقی تعصب میں آ کر یا فرسودہ افکار ونظریات میں حل ہو کر اسے اقرباء میں شامل نہیں کیا ہے ۔بعض کے خیال کے مطابق بیوی قربیٰ میں شامل نہیں کیونکہ طلاق کی صورت میں وہ شوہر سے جدا ہو جاتی ہے ۔یہ موشگافی عقل ومنطق اور نقل وشرع کسی بھی حوالے سے صحیح نہیں ہے کیا دیگر اقرباء میں جدائی نہیں ہو سکتی ہے؟ کیا ان میں موت سے بھی جدائی پیدا نہیں ہوتی ؟ زوجہ میں قربیٰ کی تمام خصوصیات وامتیازات موجود ہیں ۔

★ ارث: ارث لیتی اور دیتی ہے ۔

★ محرمیت: باقی تمام قربیٰ سے زیادہ محرم ہوتی ہے

★ محبت و لگاؤ: دیگر اقربا کی بنسبت زوجہ سے محبت و لگاؤ زیادہ ہوتا ہے لہٰذا بیوی کو قربیٰ سے خارج کرنا کسی بھی منطق سے صحیح نہیں ہے۔

بیوی کے ساتھ اس کے محارم بھی قربیٰ میں شامل ہوتے ہیں۔
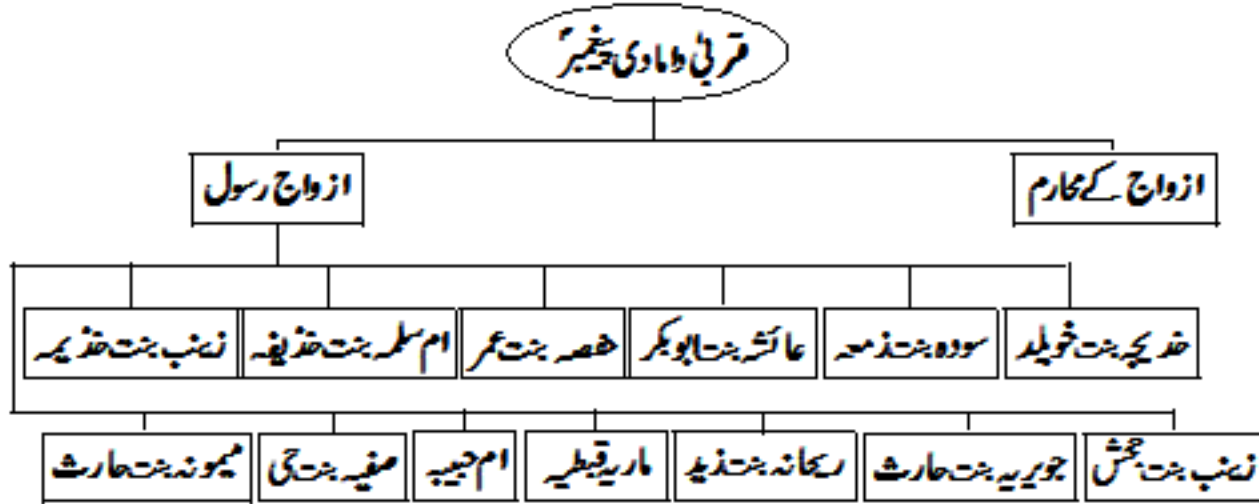
۵۔قربیٰ ارثی

تمام اقربا و وارثین ایک درجے کے نہیں بلکہ ان کے مختلف طبقات ہیں پہلے کے ہوتے ہوئے دوسرے کی نوبت نہیں آتی۔ اسی طرح دوسرے کے ہوتے ہوئے تیسرے کی نوبت نہیں آتی۔مزید آگاہی کیلئے آیات ارث کا مطالعہ کریں۔

۶۔قربیٰ محرمیت

محارم رشتوں سے رشتہ ازدواج حرام ہے اس کے احکامات سورہ نور اور نساء کی آیات میں بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک رشتے کو دوسرے پر برتری نہیں تمام محارم ایک جیسے ہیں۔

۷۔ قرب خدا

خدا کیلئے ایک بندے سے قریب اور دوسرے سے بعید ہونے کا تصور ممکن نہیں تاہم بندے کا خدا سے قرب اعمال کے ذریعے ممکن ہے جن کا دارو مدار اخلاص قلبی اور اعضاء و جوارح پر ہے، اخلاص مشاہدے میں نہیں آتا لہٰذا ہم کسی ایک مومن کو دوسرے مومن کی بہ نسبت خدا سے زیادہ قریب قرار نہیں دے سکتے۔

۱۔ کتاب خدا بشریت کے تعلقات و روابط کو ایمان باللہ و ایمان بر رسالت اور ایمان با آخرت پر استوار کرنے کیلئے نازل ہوئی ہے اس حوالے سے پیغمبرؐ کے ذوالقربیٰ کی تکریم و احترام کو آیات قرآن اور آپؐ کی سیرت کے تناظر میں دیکھنا ہوگا۔ آپؐ کی رسالت پر ایمان نہ لانے والوں کے بارے میں وہ آیات صادق آئیں گی جو ابراہیم خلیلؑ، آپ کی قوم اور ریچا آزر کے

متعلق نازل ہوئیں۔

۲۔ پیغمبرؐ کے قربیٰ میں سے ایمان لانے والوں اور ایثار و فداکاری کا مظاہرہ کرنے والوں کے بارے میں بھی قرآن کریم معیار ہے۔ایمان، ہجرت میں سبقت اور جہاد میں استقامت کی ترجیح سے ہٹ کر سب محترم او رمعزز نہیں ہیں سورہ حجرات آیت ۱۳ اور مومنون آیت ۱۰۱ کے تحت ایمان کے بغیر نسب کا اعزاز کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے بلکہ تقویٰ شرط ہے۔پیغمبرؐ کے وہ ذوالقربیٰ قابل احترام وتکریم ہیں جنہوں نے آپؐ کی ساحت مقدس میں آلودہ بہ گناہ ہونے سے اجتناب کیا انہیں ذولقربیٰ رسالتی کہہ سکتے ہیں عام کی بنسبت ان کو امتیاز حاصل ہوگا۔

۳۔ذوالقربیٰ رسول اور ذو القربیٰ امت میں کسی بھی زاویے سے فرق و امتیاز نہیں ہے اگر رسول اسلام صاحب شریعت الٰہی ہیں اور ان کی شریعت تمام بشریت کیلئے ہے تو بحیثیت صاحب رسالت آپؐ کے ذوالقربیٰ، قربیٰ رسالت ہیں رسالت کو ٹھوکر مارنے والے ذوالقربیٰ کے ساتھ آپؐ کے سلوک کا بہترین نمونہ جنگ بدر ہے۔جن سلاطین نے شب خون مار کر اقتدار حاصل کیا اور ایک حصے پر حکومت کی لوگوں کو ان کے قربیٰ کا بادل ناخواستہ ڈر کے مارے احترام کرنا پڑتا تھا۔ نعوذ باللہ ان کے اور پیغمبرؐ کے ذوالقربیٰ ایک جیسے ہوں گے جیسا کہ ہمارے ہاں کہا جاتا ہے پیغمبرؐ کے عاصی و گناہگار ذوالقربیٰ کا احترام رسول اللہ کی وجہ سے کرنا چاہیے، آیات قرآن میں استعمال ہونے والا کلمہ "فی القربیٰ" یعنی "مودّت قربیٰ میں ہو" درحقیقت پُل ہے جس سے گزر کر رسالت تک پہنچنا ہے۔

۴۔جس طرح عقائد، تاریخ اور مصادر تفاسیر و احادیث میں بے شمار تحریفات کی گئیں ہیں بالکل اسی طرح اخلاق اسلامی کو بھی تحریف زدہ کیا گیا ہے۔کہتے ہیں ذوالقربیٰ نبی، والدین، پڑوسی صلہ ارحام چاہے کافر و مشرک ہی کیوں نہ ہوں ان کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھنا چاہیے یہ منطق اپنی جگہ دو مراحل پر مشتمل ہے۔

☆ جب وہ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہوں تو وہاں اخلاق اسلامی تقاضہ کرتا ہے کہ اس کا دین و مذہب دیکھے بغیر ان کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔

☆ دوسرا عام حالات میں بھی ایسا ہی سلوک روا رکھنے سے کافر و مشرک کے ساتھ دوستی نہ کرنے اور قطع تعلق کا حکم منسوخ ہوجائے گا اور شریعت اسلامی معطل ہو کر رہ جائے گی ایسا اندرون خانہ نظام، شریعت اسلامی کے خلاف ایک بڑا انحراف ہے۔

﴿وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ﴾ "اور اگر آپ کو جھٹلاتے رہیں تو کہہ دیجئے کہ میرے لئے میرا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمہارے عمل سے بری ہوں" (یونس ۴۱) ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ﴾ "اور جب ابراہیم نے اپنے چچا سے اور اپنی قوم سے فرمایا میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو" (زخرف ۲۶)

۸۔ قربیٰ رسالت
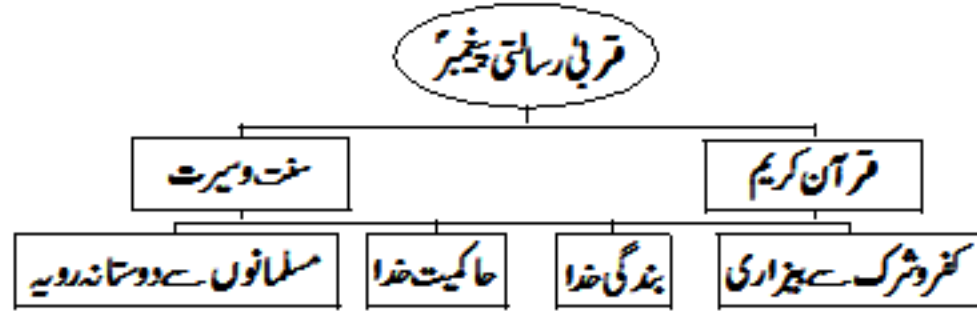
قرآن کریم کی مختلف آیات میں پیغمبری کی ماموریت کو رسالت سے مربوط کیا گیا ہے

﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ﴾ ''تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں'' (اعراف ۶۲) ﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ﴾ ''تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں'' (اعراف ۶۸) ﴿اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ﴾ ''میں نے تو تم کو اپنے رب کا حکم پہنچا دیا تھا'' (اعراف ۷۹) ﴿اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ﴾ ''میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے'' (اعراف ۹۳) ﴿بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ﴾ ''پیغمبری اور اپنی ہم کلامی سے'' (اعراف ۱۴۴) ﴿وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ ''اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی'' (مائدہ ۶۷) ﴿يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے'' (احزاب ۳۹) ﴿اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ﴾ ''البتہ اللہ کی بات اور اس کے پیغام پہنچا دینا ہے'' (جن ۲۳) ﴿لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ﴾ ''تا کہ ان کے اپنے رب کے احکامات پہنچانے کا علم ہو جائے'' (جن ۲۸)

سورہ مائدہ آیت ۶۸ کے تحت پیغمبرؐ کی نبوت کا دارومدار ابلاغ رسالت پر ہے تو پھر امت کی فضیلت آپ کے قریبی رشتے داروں سے وابستگی میں کیسے ہو سکتی ہے پیغمبرؐ کی رسالت سے قریب ترین افراد قربیٰ رسالت میں شامل ہیں قربیٰ رسالت دیگر قربیٰ کے ساتھ واضح فرق رکھتے ہیں جیسا کہ نسبی میں اجداد و جداد، نانا، نانی، اعمام اور رخالات شامل ہیں اسی طرح سببی میں پڑوسی، رضاعت اور زوجات کا قرب کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن قربیٰ رسالت میں قرب واضح نہیں ہے یہاں قرب کیسے اور کس آلے سے ناپا جائے گا یا اپنی جگہ ایک سوال ہے۔اس سلسلے میں بعض کا کہنا ہے دین محمدؐ کی عمارت کے دو طبقے ہیں طبقۂ فوقانی، یہ قرآن وسنت کی اصطلاح میں شعائر اسلام ہے جو دیکھنے میں آتی ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، انفاق اور تلاوت قرآن ان سے پتہ چلتا ہے۔یہ چیزیں دین کا ستون اور اساس ہیں لیکن ہو سکتا ہے ایک گروہ کے اعمال کی جڑیں گہرائی میں نہ ہوں بلکہ پاپرہوا ہوں اس کے متعلق قرآن کریم میں یہ آیات آئی ہیں۔

﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو انکے دلوں میں نہیں ہے'' (فتح ۱۱)

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ ''کیا اب تک ایمان والوں کیلئے وقت نہیں آیا کہ انکے دل ذکر الٰہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے نرم ہو جائیں اور انکی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب

دی گئی تھی پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو انکے دل سخت ہو گئے اور ان میں بہت سے فاسق ہیں" (حدید ۱۶)

دوسرا طبقہ زیر زمین ہوتا ہے جسے عام ریڈار سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس کیلئے سیٹلائیٹ یا ایکسرے جیسے آلوں کی ضرورت ہے جو باطن کی عکاسی کریں چنانچہ اس حوالے سے اس کیلئے چندیں حرکات کو جوڑنے کی ضرورت ہے یہاں سے پتہ چلے گا ایک انسان کا قربٰی رسالت سے کتنا رشتہ ہے۔

۱۔ حرکات وسکنات، اقوال وگفتار میں اطاعت وبندگی خداوند متعال نظر آتا ہے نہ کہ خود ساختہ عرفان وفلسفہ تراشی ان کا کہنا ہوتا ہے ہم بندگان خدا ہیں اور ہمیں ہر حال میں اسی کے سامنے خاضع رہنا ہے۔

۲۔ اصول ثلاثہ اسلام کے اعتقاد کے ساتھ شعائر اسلام کے پابند افراد سے حسب درجات ومراتب انس ومحبت رکھتا ہو۔

۳۔ تمام آثار ومظاہر کفر وشرک اور ان کے نشانات جلی وخفی سے کراہت ونفرت رکھتا ہو۔

۴۔ اسلام ومسلمین کی سربلندی اس کی دیرینہ وہمیشگی اور جاویدی امنگ وآرزو ہو۔

اسی گروہ سے رسالت جاویدانی ونام گرامی رسول اللہ زندہ وتابندہ رہتا ہے۔

کلمات اختتامیہ

ہم اپنے بعض آثار کے آخر میں قارئین کرام کی جانب سے پیدا ہونے والے احتمالی شکوک وشبہات کو ضبط تحریر میں لا کر جواب دینے کیلئے کتاب کے آخر میں ایک عنوان "کلمات اختتامیہ" کے نام سے مختص کرتے آئے ہیں کتاب ہذا کی تمہید میں چند باتیں نبی کریمؐ کی عظمت و بزرگی اور جلال وجلالت کا پاس رکھتے ہوئے ضبط تحریر میں نہیں لائے تھے ان کی تفصیل اس عنوان مین بیان کرتے ہیں:

۱۔ جب اصلاح طلب افراد مختلف افکار ونظریات کے سلسلے میں اصلاحی اقدام کرتے ہیں تو ان کے اردگرد موجود مخالفین حرکت میں آتے ہیں اور اس عمل سے روکنے کیلئے ہر قسم کے مثبت ومنفی وسائل وذرائع کو بروکار لاتے ہیں۔ جیسے ہی اصلاحات کا اعلان ہوتا ہے تو یہ تہمت لگاتے ہوئے کہتے ہیں یہ تو وہابیوں کی بات ہے جو دوسرے فرقوں کی ایما پر کی جارہی ہیں جبکہ خود اصلاح طلب گروہ تہمت وافتراء سے بچنے کیلئے فوراً کہہ دیتے ہیں ہم تو ان پر لعنت بھیجتے ہیں لیکن ہم کسی پر لعنت نہیں بھیجتے کیونکہ لعنت سے دنیوی کام چلتا ہے نہ دینی۔ لعنت اور دیگر اذکار وا وراد حروفی مذہب کے جعل کردہ ہیں یہ کام اپنے آپ کو خوش فہمی میں مبتلا رکھنے اور دوسروں کو غصہ دلانے کا سبب بنتے ہیں۔

۲۔ بہت سے بزرگان دین پہلے اٹھتے بیٹھتے وقت شیعیان حیدر کرار کی شناخت کیلئے کہا جانے والا کلمہ "یا علی مدد" نہیں کہتے تھے لیکن جونہی میدان میں اترے اور لوگوں کو جمع کرنے کیلئے دست و پا چلانے لگے تو ان پر الزام لگایا گیا کہ "یا علی مدد" کے منکر ہیں، ان بزرگان سے اپنے موقف کو واضح کرنے کیلئے کہا گیا تو انھوں نے تین (۳) طریقوں سے الزام رد کرنے کی کوشش کی:

- ☆ ہم منکرین "یا علی مدد" پر لعنت بھیجتے ہیں۔
- ☆ ہم یا علی مدد نہ کہنے والے کو شیعہ ہی نہیں سمجھتے۔
- ☆ جونہی کسی کی طرف سے نعرہ یا علی مدد بلند ہوا تو اس سے روگردانی کرنے کی بجائے با آواز بلند جوابی نعرہ "پیر مولا علی مدد" بلند کیا۔

۳۔ بعض نے خدا پرستی کے خلاف تقرب کے نام سے وسیلہ پرستی کی مہم چلا رکھی ہے:

جو کوئی وسیلہ پرستی کو بت پرستی قرار دے "یہ اس کے کردار کو وہابیت کے ٹھپہ سے داغدار کرتے ہوئے اس کی باتیں سننے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور اس کی تحریروں کے مطالعے پر پابندی لگاتے ہیں لیکن یہ لوگ ایک جگہ مخالفت کرتے ہیں اور دوسری جگہ دورخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں وسیلہ پرستی نہیں ہونی چاہیے ہم ان ذوات سے تھوڑا ہی مانگتے ہیں ہم تو ان کو وسیلہ قرار دیتے ہیں یہ وہی بات ہے جو مشرکین کہتے تھے بعض کہتے ہیں خرافات بہت بڑھ گئی ہیں ہم آپ پر کرنا

چاہتے ہیں کہ یہ لوگ ایک طرف منحرف لوگوں پر لعنت بھیجتے ہیں تو دوسری طرف وہی بات کرتے ہیں جو وہ کرتے تھے۔ مخالف فریق اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک اسکی پیروی نہ کی جائے جیسا کہ خداوند متعال نے قرآن کریم میں فرمایا ﴿وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ "آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں" (بقرہ ۱۲۰)

یہاں مجھے امام خمینیؒ کا وہ جملہ یاد آتا ہے جو آپ اپنی جلاوطنی کے دور میں فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی امریکہ کو برا بھلا کہتا ہے اسے متہم کرتے ہیں کہ یہ روسی کیمونسٹ ہے اور جب کوئی روس کے خلاف بولتا ہے تو اسے امریکی قرار دیتے ہیں لیکن اگر دونوں پر نکتہ چینی کرتے تو کہتے ہیں یہ برطانوی ہے اور جب تینوں پر تنقید کرتے تو اسے رجعت پسند قرار دیتے ہیں ہے غرض اس دنیا میں خدا پرستوں کیلئے کوئی ٹھکانہ نہیں۔

۴۔ یہ دنیا طبیعات کی دنیا ہے جس میں قائم ہمیشہ رہنے کیلئے توازن برقرار رکھنے کی ضرورت ہے مثلاً آپ نے اپنے ایک ہاتھ میں کوئی وزنی چیز اٹھائی ہے تو توازن برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے آپ اپنا بوجھ دوسرے ہاتھ کی طرف رکھیں تاکہ وزنی چیز کی طرف نہ گر جائیں، اسی طرح دونوں ہاتھوں سے بھاری چیز اٹھاتے وقت دونوں کا وزن برابر ہونا چاہیے یہی طبیعی اصول اجتماع یا معاشرے پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ معاشرے میں جب ایک گروہ کسی کو متہم کرتا ہے تو متہم کرنے والے کے مخالف کا جھکاؤ متہم ہونے والے کی طرف ہو جاتا ہے تاکہ وہ خود زندہ رہے، متہم ہونے والا سمجھتا ہے کہ اسکا جھکاؤ میری طرف ہوا ہے، متہم ہونے والے کی حمایت اسکے بے سہارا ہونے کی وجہ سے اس سوچ کے تحت کی جاتی ہے کہ بعد میں یہ ہمارا حامی بن جائے گا یہ گروہ پہلے والے کی ضد میں اس کے مخالف فریق میں شامل ہو کر اپنے گروہ کے خلاف برملا بولنا شروع کر دیتا ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں جیسا کہ بہت سے دانشور برادران اہل سنت سے شیعہ ہوئے لیکن انھوں نے ملک میں فرقہ واریت کی اتنی آگ بھڑکائی کہ اسے بجھائے جانے کو نیا دینا کر بین الاقوامی ادارے حرکت میں آئے۔

۵۔ ہم خرافات اور بے بنیاد رسومات کے فروغ اور رواج کے سلسلے میں فرقِ اسلامی کو ایک دوسرے سے چنداں مختلف یا بے عیب و نقص نہیں سمجھتے، ہمیں اپنے موجودہ عقیدے اور ذہنیت کے تحت فرق و مذاہب اسلامی میں سے کسی بھی فرقے میں کھلنے کی جگہ نظر نہیں آتی ہے۔ چنانچہ اس مرحلے پر وہ دعا کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں جو امام حسینؑ نے میدانِ کربلا میں کی تھی: "خداوندا! اگر تو نے اس دنیا میں میری مدد نہیں کی تو اسے میرے لئے آخرت میں ذخیرہ کر دے" اور آیت کریمہ سے اقتباس کرتے ہوئے یہ دعا بھی کروں گا: ﴿ربنا لاتجعلنا فتنۃ للقوم الظالمین﴾ "اے ہمارے پروردگار! ہم کو ان ظالمین کا فتنہ نہ بنا" (یونس ۸۵) اور یہ دعا بھی کروں گا جو امام علیؑ نے اپنے آخری لمحات میں کی "اللّٰھم بارک الموت"

۶۔ ہم نہ اس فرقے میں رہنا چاہتے ہیں جو سلفیے کے نام سے شرک کا ارتکاب اور اہل بیتؑ کے نام سے دوسروں پر ظلم کر کے دنیا میں ان ذوات کے چہرے کو مسخ کر کے پیش کرنا چاہتے ہیں اور نہ اس فرقے میں شامل ہونا گوارا کرتے ہیں جو سلفیے

کے نام سے قبر و مردہ پرستی میں غلو کر کے مذکورہ فرقے سے کئی ہاتھ آگے نہیں نکلا ہے تو ان سے پیچھے بھی نہیں ہے تاہم دنیا میں امت اسلامی کا ایک تصور ان کے پاس موجود ہے یہ نبی کریمؐ کے اسماء و صفات کی تقدیس و تکریم کی عظمت و بزرگی کے پاسدار ہیں، ان کی موجودگی میں کفر و شرک اسلام کے عظیم مقدسات کے بارے میں لب کشائی یا حرکت و جنبش کی جرأت نہیں کر سکتا بصورت دیگر انھیں جسارت کرنے پر رائے عامہ میں ذلیل و خوار ہونا پڑتا ہے لہٰذا میں اپنے آپ کو اس آیت کا پابند سمجھتے ہوئے یہ اعلان کرتا ہوں جس کی دعوت خدا نے اپنی کتاب میں دی ہے:

﴿وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ "اور دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا" (آل عمران ۱۰۲)

۷۔ سیرت نویسی کے دوران ہم نے اصحاب کی شان میں علمائے سیرت نویسان کے غلو آمیز کلمات و عبارات کو نقل کرنے سے پرہیز کیا ہے کیونکہ غلو آمیز کلمات بعض اوقات نقل سے، بعض مواقع پر عقل، بعض دفعہ مزاج رسول اللہؐ اور بعض مقامات پر فلسفہ نبوت سے متصادم نظر آتے ہیں، غرض حقیر کے ذہن میں سوال اٹھتا ہے کم از کم ایسے مشکوک اور غیر یقینی مواد کو کسی کے لحاظ یا مروت میں آ کر کیوں تحریر میں لایا جائے جس پر محرر کو یقین نہ ہو؟ اسی طرح بعض کی خوش آمد یا نقد و تنقید سے بچنے کیلئے ایسے حقائق سے چشم پوشی کرنا بھی ناانصافی سمجھتا ہوں جنھیں بعض نے اصحاب سے عداوت و دشمنی کی بنیاد پر نقل کرنے سے گریز کیا ہے یا اپنی کتابوں میں ان کی تردید کی ہے۔ غرض ہم نے تمام تر کوشش یہ کی ہے کہ سیرت نویسی میں نقل مسلمات کو نقل کریں اکثر و بیشتر جو تاریخ و سیر کی کتابوں میں موجود ہیں یا ان چیزوں کو تحریر میں لانے کی کوشش کریں کا مسلمات عقل و نقل سے غلط ہونا ثابت نہ ہوا لہٰذا ہم نے مسلم منقولات سے نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے، یہ سب کام اس آیت کے تحت کیا ہے کہ ہر صاحب علم پر ایک بڑا عالم ہوتا ہے:

﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ "اور ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے" (یوسف ۷۶)

قرآن کریم کے بعد کوئی بھی شخص اپنی کتاب کو چیلنج کیلئے پیش نہیں کر سکتا ہم اپنی غلطیوں کی نشاندھی کرنے والوں کے احسان مند اور شکر گزار رہیں گے۔ امام حسینؑ نے فرمایا

"خدایا میں اپنے علم میں بھی جاہل ہوں تو کیوں کر اپنی جہالت میں جاہل نہ ہوں گا"

۸۔ تالیفات میں قرآنی آیات کے تراجم کیلئے زیادہ تر شیعہ تراجم سے استفادہ کیا ہے اور اہل سنت کے تراجم سے بہت کم استفادہ کیا ہے، اپنی طرف سے کسی آیت کا ترجمہ نہیں لگایا ہے تاہم مختلف تراجم سے استفادہ کرنے سے واضح ہوا ہے کہ ان تراجم کے حاشیے تو درکنار دونوں فرقوں کے تراجم کو تراجم قرآن کہنا صحیح نہیں بلکہ یہ سب تفاسیر ہیں جو کلمات کے معنی قرآن سے ہٹ کر مفسرین کے اقوال کی بنیاد پر لکھی گئی ہے۔ قرآن کے تراجم کی نگرانی کرنے اور ان میں موجود اغلاط کی تحقیق کیلئے ایک لجنہ قائم ہونا چاہیے ورنہ بڑھتے ہوئے انحراف اور غیر ذمہ دارانہ رویے کی وجہ سے مستقبل میں خطرناک صورتحال پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ قرآن کریم کے بہت سے مقامات پر کیا گیا ترجمہ عربی لغت سے بھی اجنبی ہے۔

ہم اپنی کتابوں میں آیات قرآنی سے استناد کرتے وقت اپنا ترجمہ بنا کر لکھنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ ہم خود کو اسکا اہل نہیں سمجھتے۔اس سلسلے میں پہلے تو ہم اہل تشیع کے معروف تراجم سے اخذ کرتے تھے کیونکہ ہمیں دوسروں کے ترجمے سے گریز کرکے اپنے فرقے کے ترجمے تک محدود رہنے کی تلقین کی گئی تھی البتہ رفتہ رفتہ ہم نے بہتر ترجمے کی تلاش میں اہل سنت والجماعت کے تراجم قرآن کی طرف رجوع کرنا شروع کیا لیکن دونوں تراجم کو سامنے رکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مترجمین میں اکثر آیات کے فہم وادراک اور ذوق کے حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے جس میں مذہب کا کوئی دخل نہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ فریقین نے نہ قرآن کا پاس رکھا ہے اور نہ ہی فرقے کا بلکہ ہمیشہ اپنی فہم وسوچ کا ہی پاس رکھا ہے۔ان مترجمین کے تراجم کو ترجمہ قرآن نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ تراجم تفسیر بالرائے کے مصداق جلی ہیں۔قارئین کرام اگر آپ بھی ان تراجم پر غور کریں تو آپ کیلئے بھی واضح ہوجائے گا کہ ان تراجم میں ایسے کلمات استعمال کئے گئے ہیں جو نہ قرآنی کلمات سے اخذ کئے گئے ہیں اور نہ ہی ان کی ترکیب سے بلکہ اس سلسلے میں وارد ہونے والی مشکوک السند احادیث کو ترجمے میں شامل کیا گیا ہے۔اگر کوئی مسلمان توحید پرست،عظمت وبزرگی قرآن کریم کا عقیدہ رکھتا ہے اسکے مقابلے کے اعلان ﴿فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ﴾"تو پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورت لاؤ"(یونس ۳۸) کو تسلیم کرتا ہے اور اسے مسلمانوں کی زندگی کا آئین وسعادت سمجھتا ہے تو اسے اس بات کیلئے کوشش کرنی چاہیے کہ ملک میں تراجم قرآن پر ایک گروہ تشکیل پائے جن میں شامل افراد کی فرقہ رگ جل کر ختم ہوچکی ہو اور وہ اردو زبان کے دقیق وباریک کلمات پر عبور اور قدیم عربی زبان کی اصطلاحات سے آشنائی کے ساتھ قرآن سے مانوس ومحرم ہو۔ان کی تمام تر سعی وکوشش یہ ہونی چاہیے کہ حقائق ودقائق کو کلمات کے بطن سے استخراج کر کیا جائے۔ہماری خواہش تھی کہ سیرت طیبہ کا ایک مسودہ تیار کرکے قرآنی آیات کے نگینہ سے آراستہ کیا جائے لیکن مسودے کی تیاری کے ساتھ ہمارا گھیرا ؤ تنگ ہوتا گیا اور حوصلہ شکنی بڑھتی گئی لہٰذا ہم نے اپنے آپ کو قابض الارواح کی ملاقات کے نزدیک دیکھ کر اسے نامعلوم وقت تک کیلئے متوقف کردیا۔

خداوند متعال نے محمدؐ کو اپنی نبوت ورسالت کے منکرین کو قانع اور مطمئن کرنے کیلئے آیات قرآنی سے استدلال کرنے کا حکم دیا بعد ازاں اہل بیت اطہارؑ بھی اسی سیرت وسنت کو جاری رکھتے ہوئے سوال یا مخالفت کرنے والوں کو قرآنی آیات سے استدلال کرنے کا حکم فرماتے تھے۔آئمہ طاہرینؑ میں سے کسی نے بھی اپنے مخالفین پر لعنت نہیں کی،انھیں ولد حرام قرار نہیں دیا اور ان کے حلال زادہ ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں سوال نہیں اٹھایا! ہم سورہ مبارکہ یوسف کی اس آیت کریمہ ﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي﴾"اور میں اپنے نفس کی صفائی پیش نہیں کرتا' کیونکہ نفس تو برائی پر اکساتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے"(یوسف ۵۳) سے اقتباس کرتے ہوئے کتاب میں ادبی اور معنوی حوالے سے سرزد ہونے والی غلطیوں اور لغزشوں سے معذرت چاہنے کی بجائے قارئین کرام سے اصلاح کی نشاندہی کے خواہاں ہوں گے جس سے ہمارے دین ودنیا دونوں کی اصلاح ہو۔

عزیزان سے نصیحت ووصیت

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِىْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ

کیاتم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب کوموت آئی، جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہامیرے بعدتم کس کی بندگی کروگے؟انھوں نے کہا ہم آپ کے معبوداورآپ کے جدابراہیم اوراسماعیل اوراسحاق کےرب کی بندگی کریں گے جومعبودیکتاہےاورہم اسی کےفرمانبردارر ہیں گے۔

(سورہ مبارکہ بقرہ آیت ۱۳۳)

عزیزوں کو نصیحت و وصیت

قاموس قرآن اور مقائیس میں لکھتے ہیں کلمہ وصیت مادہ وصی سے ہے جو واؤ صاد حرف یائے معتل سے مرکب ہے یہ کسی چیز سے وصل کرنے کے معنوں میں آتا ہے انسان چونکہ زندگی میں ہی مرنے کے بعد کے امورات و مسائل اور سفارشات کو دوسروں سے جوڑتا اور محتمل ابہامات کو دور کرتا ہے لہٰذا اس عمل کو وصیت کہتے ہیں قرآن و سنت میں نیک و شرعی امورات کے متعلق دوسروں کو مرنے سے پہلے وصیت کرنے کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ یہ انسانِ مسلمان کی زندگی کے روشن صفحات میں سے ایک صفحہ ہے۔

اس حوالے سے درج ذیل آیات قرآن نازل ہوئی ہیں:

﴿وَوَصّٰى بِهَا اِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يَابَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ ”اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی کہ ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند فرمالیا ہے خبردار تم مسلمان ہی مرنا“ (بقرہ۱۳۲) ﴿وَاَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ ”اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک بھی میں زندہ رہوں“ (مریم۳۱) ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَمَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ”تم پر فرض کردیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کیلئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اسکا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا واقعی اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب داری یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے پس وہ ان میں آپس میں اصلاح کرا دے تو اس پر گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“ (بقرہ۱۸۰تا۱۸۲)

مذکورہ آخری آیت سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم میں اقرباء کے دو گروہ ہیں:

۱۔ وہ گروہ جس کے ارث کا حصہ بیان ہوا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ جس کا حصہ معین نہیں ہوتا ہے وصیت کنندہ کو چاہیے کہ ان کی مالی حیثیت کو دیکھ کر ان کیلئے کچھ حصہ کی وصیت کرے تا کہ یہ لوگ بھی محروم نہ رہیں یہ وصیت کنندہ کی صوابدید پر چھوڑا گیا ہے تا کہ وارثین کو ضرر نہ پہنچے اور ان کا رشتہ محبت ٹوٹ نہ جائے اسی طرح اقرباء میں سے محتاج و نیازمند افراد اعانت و توجہ کے حقدار ہیں ان کیلئے بھی کچھ حصہ مقرر ہونا چاہیے۔

معاشرے میں قرآن کریم کی مہجوریت اور اس کی تفسیر میں تحریف اس حد تک جا پہنچی ہے کہ آیات قرآن کریم کو ضعیف روایات اور مشہور فتاوٰی کے تحت الشاع رکھا جاتا ہے! اس کا اصل ہدف قرآن کی آیات پر عمل کرنے سے روکنا ہے۔ آیہ وصیت میں وارثین کے علاوہ دیگر ذوی القربٰی فقراء اور مساکین کا بھی خیال رکھنے کا صریح حکم موجود ہے چنانچہ اس سلسلے میں صدر

المتالھین ملاصدرالدین شیرازی متوفی ۱۰۵۰ق کا بیان ملاحظہ کریں لکھتے ہیں ایک سرمایہ دار تاجر کے ورثاء میں قانون شرع کے مطابق ارث تقسیم کیا گیا لیکن اس کے غریب ونادار اقربا محروم رہے انہوں نے شاہ عباس صفوی کے گھوڑے کی لجام پکڑ کر اپنا مسئلہ پیش کیا تو اس نے یہ مسئلہ اپنے وزیر اعظم کے سپرد کر دیا۔ دریں اثناء علماء نے کہا ان اقرباء کو کوئی حصہ نہیں ملے گا محروم ذوی القربیٰ نے یہ بات ملاصدرا شیرازی سے دریافت کی تو انہوں نے اس آیت کریمہ کے تحت کہا ان کو کچھ حصہ ملے گا:

﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُوْلُوا الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفًا﴾ ”اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین آجائیں تو تم تھوڑا بہت انہیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو“ (نساء ۸)

اس آیہ کریمہ پر عمل متروک ہونے کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں بعض ورثاء بے تحاشا مال و جائیداد کے مالک بن جاتے ہیں جبکہ بعض اقربا فقر و محرومیت کی زندگی گزارتے ہیں۔ اسکی واضح مثال پوتے، پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہیں جن کے والدین اپنے والد کی زندگی میں وفات پا چکے ہوتے ہیں آیات قرآن کو تحت الشاع رکھنے والے فتویٰ کی وجہ سے ان بچوں کو کوئی حق نہیں ملتا ہے! لہٰذا ایسی ناخوشگوار صورتحال پیش آنے سے قبل سورۂ مائدہ آیت ۱۰۶ میں وصیت کرتے وقت خدا پرست انسانوں کو گواہ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ ”اے ایمان والو تمہارے آپس میں دو شخص کا گواہ ہونا مناسب ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اور وصیت کرنے کا وقت ہو تو وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں خواہ تم میں سے ہوں یا غیر لوگوں میں سے ہوں“

نہج البلاغہ کے متعدد مقامات پر کلمہ وصیت کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ جہاں امیر المومنین علیؑ نے مختلف مناسبتوں سے نصیحت و وصیت کی ہے۔

”واوصاکم بالتقوی وجعلھامنتھی رضاہ“ (خ ۱۰/۱۸۳)”سیرت جوداً......اوصیتھم بمایحب اللہ“ (ک ۲/۲۰)”وصی بان یحسن الی محسنھم“ (خ ۱/۶۷)”التقوی ...... فانھا یرماتواصی العباد“ (خ ۲/۱۷۳)”واللہ اللہ فی جیرانکم.....مازال یوصی بھم“ (ک ۲/۴۷)”فانی اوصیک بتقوی اللہ ای بنی“ (ک ۸/۳۱)”اوصیکمابتقوی اللہ واوصیکما“ (ک ۱۷/۴۷)”اوصیکم عباداللہ بتقوی اللہ“ (خ ۲/۸۳)”اوصیکم بتقوی اللہ الذی اعذر بماانذر“ (خ ۲۶/۸۳)”اوصیکم بالرفض لھذہ الدنیا التارکة لکم“ (خ ۲/۹۹)”اوصیکم عباد اللہ بتقوی اللہ التی ھی الزاد“ (خ ۵/۱۱۴، خ ۲/۱۱۶، خ ۲/۱۷۳، خ ۱۸/۱۸۲، خ ۲/۱۹۴، خ ۱۰/۱۹۵، خ ۱/۱۹۶، خ ۳/۱۹۸)”اوصیکم ایھاالناس بتقوی اللہ“ (خ ۱/۱۸۸)”واوصیکم بذکر الموت واقلال الغفلة عنہ“ (خ ۳/۱۸۸)

”عباداللہ اوصیکم بتقوی اللہ فانھا حق اللہ علیکم“ (خ ۵/۱۹۱)”اوصیکم بخمس لو ضربتم الیھاآباط الابل“ (ق ۱۸۲)

انبیاؑء و اوصیاء اور آئمہ طاہرینؑ سب نے دنیا چھوڑنے سے پہلے وصیت کی چنانچہ امام حسینؑ نے بھی مدینہ سے نکلتے وصیت تحریر فرمائی جس کا اقتباس یہ ہے: ”حسینؑ خدا کی وحدانیت محمدؐ کی رسالت، روز آخرت کے حساب اور جنت و نار پر ایمان رکھتا ہے“

کتاب ھٰذا کی تمہید میں ہم نے اپنی تمام پریشانیوں، مشکلات اور مصائب کو ساحت مقدس رسول اللہؐ سے شرمندہ ہو کر تحریر میں لانے سے گریز کیا لیکن آئے دن مشکلات اور پریشانیوں میں اضافہ اور میرا ہر سطح پر گھیرا و تنگ ہو رہا ہے۔ میں پہلے سے ہر لحظہ قابض الارواح کی دستک سننے کے انتظار میں رہتا تھا یہاں تک کہ چندین بار وصیت نامہ تحریر کیا تا کہ موت آنے پر آسودہ خاطر رہوں، کیونکہ اس دن میرا کوئی فریادرس اور ناصر و مددگار نہیں ہوگا جس کے بارے میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات بنگ صریح کی حیثیت رکھتی ہیں:

﴿یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَیْئًا وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِلّٰہِ﴾ "جس دن کوئی شخص کسی شخص کیلئے کسی چیز کا مختار نہ ہوگا اور احکام اس روز اللہ کے ہی ہوں گے" (انفطار ۱۹) ﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴾ "اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ شفاعت اور سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ اور فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے" (بقرہ ۴۸) (بقرہ ۱۲۳) ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ "اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی اور شفاعت اور کافر ہی ظالم ہیں" (بقرہ ۲۵۴) ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ﴾ "اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ تجارت ہوگی نہ دوستی اور محبت" (ابراہیم ۳۱) ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ☆ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا﴾ "ہم نے ہر انسان کی برائی بھلائی کو اس کے گلے لگا دیا ہے اور بروز قیامت ہم اس کے سامنے اس کا نامہ اعمال نکالیں گے جسے وہ اپنے اوپر کھلا ہوا پا لے گا۔ لے! خود ہی اپنی کتاب آپ پڑھ لے۔ آج تو تو آپ ہی اپنا خود حساب لینے کو کافی ہے" (اسراء ۱۳،۱۴) ﴿یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَی النَّاسَ سُكٰرٰی وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰی وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ﴾ "جس دن تم اسے دیکھ لو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے اور تو دیکھے گا کہ لوگ مدہوش دکھائی دیں گے حالانکہ درحقیقت وہ متوالے نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے" (حج ۲) ﴿فَالْیَوْمَ لَا یَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ "پس آج تم میں سے کوئی کسی کیلئے نفع نقصان کا مالک نہ ہوگا" (سبا ۴۲) ﴿فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ "پس آج کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور تمہیں نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر صرف ان ہی کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے" (یٰسین ۵۴) ﴿یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًی عَنْ مَّوْلًی شَیْئًا وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴾ "اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کی امداد کی جائے گی" (دخان ۴۱) ﴿وَتَرٰی كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤی اِلٰی كِتٰبِهَا اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ "اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھٹنوں کے بل گری

ہوئی ہوگی۔ہر گروہ اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا آج تمہیں اپنے کئے کا بدلہ دیا جائے گا" (جاثیہ ۲۸) ﴿لَنْ تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ﴾ "تمہاری قرابتیں رشتہ داریاں اور اولاد تمہیں قیامت کے دن نفع نہیں دیں گی" (ممتحنہ ۳)

میں پہلے مرحلے میں اپنے متعلق تمام شکوک وشبہات اور ابہامات کو رفع کرنے اور اپنے متروکات ومردہ جسم کے متعلق چند سطور صفحۂ قرطاس پر لانا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ یہ باتیں تحریری شکل میں آجائیں۔میں نے اپنے تمام اعزا اور دیگر وابستگان کی راحت وآسائش کو اس دنیا میں چند دن سمجھ کر برداشت کیا ہے اور ان کیلئے نیک تمناؤں کا خواہاں رہا ہوں۔دنیا میں جینے والے اعزاء کی خاطر حیات آخرت کی پریشانیوں، بدبختیوں اور مصیبتوں کو نہیں خریدا جاسکتا ہے چنانچہ میں نے سورہ بقرہ آیت ۱۸۰ کو مدنظر رکھتے ہوئے کتاب کے آخر میں مختصر سا وصیت نامہ ضبط تحریر میں لانا ضروری سمجھا ہے قبل ازیں میں نے ایک وصیت نامہ تحریری شکل میں اپنے فرزند کو دے دیا ہے تا کہ کتاب ہٰذا کے چھپ کر منظر عام پر آنے سے پہلے ممکنہ طور پر ہمارے ساتھ پیش آنے والے کسی ناخوشگوار واقعہ سے مسائل کھڑے نہ ہوں۔جب میں موت کو نزدیک پاکر اس کیلئے آمادگی کا اظہار کرتا ہوں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں خود کو کوئی زاہد وعابد یا ولی اللہ پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں یا یہ بتانے اور سمجھانے کی کوشش میں ہوں کہ میری منزل روشن وتابناک ہے بلکہ میں کلمات مولا امیر المومنین علیؑ کے تحت ایک مشکل گزرگاہ کے بارے میں اپنے آپ کو آمادہ نہیں پاتا ہوں جہاں آپؑ نے فرمایا:

"تَجَهَّزُوا رَحِمَكُمُ اللهُ فَقَدْ نُودِيَ فِيكُمْ بِالرَّحِيلِ، وَأَقِلُّوا الْعُرْجَةَ عَلَى الدُّنْيَا، وَانْقَلِبُوا بِصَالِحِ مَا بِحَضْرَتِكُمْ مِنَ الزَّادِ، فَإِنَّ أَمَامَكُمْ عَقَبَةً كَؤُوداً، وَمَنَازِلَ مَخُوفَةً مَهُولَةً، لَا بُدَّ مِنَ الْوُرُودِ عَلَيْهَا، وَالْوُقُوفِ عِنْدَهَا، وَاعْلَمُوا أَنَّ مَلَاحِظَ الْمَنِيَّةِ نَحْوَكُمْ دَانِيَةٌ، وَكَأَنَّكُمْ بِمَخَالِبِهَا وَقَدْ نَشِبَتْ فِيكُمْ، وَقَدْ دَهَمَتْكُمْ فِيهَا مُفْظِعَاتُ الْأُمُورِ، وَمُعْضِلَاتُ الْمَحْذُورِ، فَقَطِّعُوا عَلَائِقَ الدُّنْيَا وَاسْتَظْهِرُوا بِزَادِ التَّقْوَى" "خدا تم پر رحم کرے تیار ہو جاؤ کہ تمہیں کوچ کرنے کیلئے پکارا جاچکا ہے اور خبردار دنیا کی طرف زیادہ توجہ مت کرو جو بہترین زادراہ تمہارے سامنے ہے اسے لے کر مالک کی بارگاہ کی طرف پلٹ جاؤ کہ تمہارے سامنے ایک بڑی دشوار گذار گھاٹی ہے اور چند خطرناک وخوفناک منزلیں ہیں جن پر بہر حال وارد ہونا ہے اور وہیں ٹھہرنا بھی ہے اور یہ یاد رکھو کہ موت کی نگاہیں تم سے قریب تر ہوچکی ہیں اور تم اس کے پنجوں میں آچکے ہو جو تمہارے اندر جاچکے ہیں۔موت کے شدید ترین مسائل اور دشوارترین مشکلات تم پر چھاچکی ہیں۔اب دنیا کے تعلقات کو ختم کرو اور آخرت کے زادراہ تقویٰ کے ذریعہ اپنی طاقت کا انتظام کرو" (نہج البلاغہ کلام ۲۰۴ ترجمہ جوادی ص ۴۲۳)

ان سب باتوں کو ضبط تحریر میں لانے سے میرا یہ مقصد نہیں کہ میں دنیا میں سب سے زیادہ خود کو پریشان پاتا ہوں تا کہ ان پریشانیوں سے جلد از جلد نجات مل سکے۔خداوند متعال ہی انسان کی حیات وموت کا مالک حقیقی ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے:

"الذی خلق الموت والحیوۃ" لذا اس دنیا سے جانے کیلئے کسی قسم کی خواہش اور چاہت کارآمد نہیں ہوتی ہے کہ انسان اپنی مرضی سے جب چاہے چلا جائے یا موت کو کراہت سمجھ کر گریز کرنے سے بچ جائے جب یہاں سے جانا حتمی ہے تو اس میں چند دن کی دیر کرنے میں کوئی فضیلت نظر نہیں آتی ہے۔ میں کسی قاتل کے ہاتھ جام شہادت نوش کرنے کیلئے بھی بے تاب نہیں ہوں کیونکہ میں اس قسم کی شہادت کو صحیح نہیں سمجھتا ہوں جہاں انسان مگس کی طرح خود کو آمادہ رکھے کہ کوئی طیشی آ کر جان کا خاتمہ کر دے اور بہت ہی سعادت مند انسان ہو جائے۔ خداوند متعال کے نزدیک انسان کی جان بہت قیمتی ہے اسے اسلام کی سربلندی کیلئے کام آنا چاہیے، ہماری جان ایسی نہیں کہ اسلام کو قوت ملے اگر ایسا ہے تو "فزت و الرب الکعبہ" اگر ایک دن جانا ہے تو کسی پسندیدہ محبوب کی جدائی گراں ہو گی ایسا نہیں ہے، نہ ہی کوئی ایسا اہم کام ہے جس سے فارغ ہونا ضروری ہو، جب انسان کی عمر ایک حد تک پہنچ جاتی ہے تو عادی حساب کے تحت اسے جانے کیلئے آمادہ ہونا چاہیے۔ خداوند عالم سورہ فجر کی آخری آیات میں دنیا پرستوں اور خدا پرستوں دونوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے میری طرف واپسی کیلئے آمادہ ہو جاؤ۔ وہ انسان جس کے جسمانی نظام میں اعتدال اور توازن میں گڑبڑ ہو اور کسی کی طرف سے غصہ دلانے، اذیت پہنچانے اور بے مقصد الجھا دینے والی باتوں کے سننے سے اس کے اعضاء کے مزید خراب ہونے کا خدشہ رہتا ہو وہ اپنے آپ کو موت کے دہانے پر پاتا ہے انہی خدشات کے پیش نظر چند یں حوالے سے میں ایک ایسے دن کو اپنے آپ سے قریب دیکھتا ہوں۔

میرے عزیز وارثین! میں کسی مسلمان سے دشمنی نہیں رکھتا ہوں نہ ہی میں کسی اجتماعی و سیاسی یا اقتصادی سرگرمی میں کسی کا مزاحم ہوں، فرقہ جو بھی ہو وہ پہلے مسلمان ہے بعد میں فرقہ ہے میں صرف اور صرف اپنے دین و دیانت پر قائم رہنے کی کوشش میں مصروف رہا ہوں میرے عزیز کسی ناخوشگوار صورتحال کی وجہ سے کسی قسم کی حرکتوں میں شامل ہونے سے گریز کرنا بلکہ اس سے اپنے قول و فعل کے ذریعے لاتعلقی اور بے زاری کا اعلان کرنا ورنہ تمہیں گھسیٹ لیا جائے گا۔ میری عزیز وارثین کو وصیت ہے کہ سیاست آرائی پر مشتمل حرکتوں سے اپنے کو لاتعلق رکھیں اور خود میں دین و دیانت سے وابستگی کی جھلک پیدا کریں۔

میں اپنے عزیز و اقارب سے مخاطب ہو کر ان سے درخواست گزار ہوں انسان کی دین و دنیا کی سعادت ایک فلسفے پر قائم ہے کہ خداوند متعال کی درگاہ میں دیگران سے آزاد و خود مختار ہونے کا شعار اپنایا جائے، ایسے فلسفہ حیات کا حصول اس وقت ممکن ہے جب انسان ہر قسم کی آسائش و آرائش اور تعیش کی زندگی سے پرہیز کرنے کا مصمم ارادہ کرے اور کسی ایسے دھوکے میں نہ آئے جہاں کہا جاتا ہے انسان کے پاس ایک محترمانہ زندگی گزارنے کے وسائل ہونے چاہئیں یہ ایک قسم کا ابلیسی جال ہے جس میں پھنسنے کے بعد نکلنا ناممکن ہوتا ہے، یہ خدا کی عبادت و بندگی سے سرپیچی اور یکے بعد دیگر مخلوقات کی بندگی میں سقوط و ہبوط کی بنیاد ہے۔ آزاد انسان کا اپنے جیسے انسانوں کی بندگی اور غلامی میں گر کر آسائش و آرائش اور تعیش حاصل کرنا دانۂ حنظل کے کڑوے ذائقے کی مانند ہے چنانچہ میرے عزیز اس کا خیال رکھیں۔ بہترین انسان خدا اور مخلوق خدا کے نزدیک وہ ہے جس کے دل میں انسان مومن و مسلمان کیلئے محبت و مودت ہو، اس جڑ کو کھانے والے تیزاب حُبِ مال و حُبِ دنیا ہے جو انسان کو حُبِ خدا سے دور رکھتا ہے لہٰذا

found.

مادۂ دنیا سے جتنا ممکن ہو سکے کم وابستگی رکھنی چاہیے۔ سورہ مبارکہ بقرہ کی آیات پر عمل کرتے ہوئے وصیت کرنا میرا فرض بنتا تھا کیونکہ موت کا کوئی پتہ نہیں لہٰذا وصیت جتنی جلدی ہو سکے کرنی چاہیے۔

"میں خالق و رازق خداوند متعال کی تصدیق کرتا ہوں جو اپنی وحدانیت و یکتائیت میں بلا مثل اور ہر قسم کے شرک سے پاک و منزہ ہے میں محمدؐ کی ذات گرامی کو ہی خاتم نبوت و رسالت قرآن و سنت کو دین و شریعت کا مصدر، آئمہ طاہرینؑ کو راویانِ صادقین و رہبر، تمام حدیث و تاریخ کی کتب کے مجموعات کو اسلامی مصادر سمجھتا ہوں اور کسی کو کسی پر ترجیح دیتا ہوں دوسرے فرقوں کی کتابوں کو مخالفتوں کا مجموعہ سمجھتا ہوں نہ انہیں غلطیوں سے محفوظ اور اپنی کتابوں کو قرآن کا بھائی سمجھتا ہوں میرے عقائد و اعمال کا مصدر قرآن و سنت ہے میرا دین دینِ محمدؐ قرآن ہے جو مسلمان جینے اور مسلمان مرنے کا حکم دیتا ہے ہم اسی اسلام پر قائم ہیں۔ میں تمام کلمہ گو مسلمانوں کو اپنا برادر دینی سمجھتا ہوں اور خلفاء راشدینؓ کے دور خلافت کو اُمتِ اسلام میں نبی کریمؐ کے بعد دیگر ہر زمانے کے خلفاء و سلاطین کے دور سے افضل و بہتر سمجھتا ہوں"۔

آیات قرآن میں خداوند متعال نے انسانِ مسلمان کو مرنے سے پہلے اپنے ذمے واجب الاداء حقوقِ مالی قرضات بعض عزیز و اقارب اور خدمت گزاروں کیلئے اپنی متروکات میں وصیت کرنے کا حکم دیا ہے جو بذات خود پہلے طبقہ کے ہوتے ہوئے ارث نہیں لے سکتے ہیں۔ میرے بھی کچھ عزیز و اقارب ہیں جو مجھ سے انتہائی لگاؤ رکھتے ہیں میں معذرت کرتا ہوں کہ ان کی کچھ خدمت نہیں کر سکا میرے مرنے کے بعد متروکہ ترکے میں سے کچھ نہ کچھ انہیں ملنا چاہیے اس پر عمل کرنا میری اولاد پر واجب العمل ہوگا، میں چند نکات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ میری عمر پینسٹھ (۶۵) سال قمری سے تجاوز کر چکی ہے جبکہ ہم نبی کریم محمد مصطفیؐ اور آئمہ طاہرینؑ کی حیات پر نظر کریں تو ان ذوات کی عمریں پچاس (۵۰) یا پینسٹھ (۶۵) سے زیادہ نہیں تھیں۔

۲۔ میں فشارِ خون کے عارضے میں مبتلا ہوں اور بعض افراد وقتاً فوقتاً مجھے غصہ دلانے پر تلے ہوئے ہیں لہٰذا کسی بھی وقت ناخوشگوار صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔

۴۔ دنیا میں حادثاتی اموات کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جیسے زلزلے، سیلاب اور گاڑیوں کے تصادم وغیرہ اس حوالے سے انسان کو ہمیشہ آمادۂ موت رہنا چاہیے۔

۵۔ چند عشروں سے ہمارے ہاں کہا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کا ایک فرقہ دوسرے فرقے کو مار رہا ہے ہمارے اپنے تجزیہ و تحلیل کے مطابق ایسا نہیں ہے بلکہ بعض مسلمان دنیائے کفر و شرک کے کہنے میں آ کر مسلمانوں کا قتل عام کرتے ہیں معلوم نہیں یہ سلسلہ کب ختم ہوگا اس حوالے سے بھی ہر مسلمان کو جو حیات مابعد الموت پر ایمان و اعتقاد رکھتا ہے آمادہ اور چوکنا رہنا چاہیے، اس سلسلے میں کتنے لوگ مجھ سے ناراض و نالاں ہیں معلوم نہیں البتہ امت مسلمہ میں سے کسی فرقے کو میں نے ناراض نہیں کیا ہے بلکہ واضح کیا ہے کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان و مال کا تحفظ واجب اور اسے ہدر کرنا

حرام ہے کیونکہ جس دین پر ہم ہیں وہ دلیل و برہان پر یقین رکھتا ہے لیکن طاقت وقدرت کی بولی بولنے والوں کے ہاں دلیل و برہان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر میں حکم قرآن کے تحت اپنی موت سے پہلے اپنے تمام امور کے بارے میں وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ خدانخواستہ اگر میں کسی بھی حوالے سے علاج ومعالجہ کا محتاج ہو جاؤں تو پہلے مرحلے میں اس کے بندوبست کیلئے اپنے گھر ہی کو ترجیح دی جائے اور دولت مندوں کے مہنگے شفاخانہ میں داخل نہ کرایا جائے۔ میری عزیز وارثین سے درخواست ہے کہ میں جہاں کہیں جان خالق آفرین کے سپرد کروں مجھے وہیں مسلمانوں کے قریبی قبرستان میں دفنایا جائے اور سرمایہ داروں کے قبرستان میں نہ دفنایا جائے جو ایک قسم کا کاروبار بنے ہوئے ہیں ان قبرستانوں میں دفنانے سے ملائکہ کے حساب وکتاب سے بچنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مرنے کے بعد میرے لئے صرف طلب مغفرت کی جائے اور کسی قسم کی نمائش نہ ہو اگر آپ میری عاقبت اور مغفرت کیلئے پریشان ہوں تو ایسی ترحیمی ومغفرتی مجلس کا اہتمام کریں جس میں مردے کی بھلائی کی جھلک زیادہ نظر آئے اور وارثین کی خودنمائی کم ہو۔ اسی طرح اخراجات کا زیادہ سے زیادہ فائدہ مردے کو پہنچے نہ کہ مردے کے نام پر زندوں کو، اگر کھانا کھلانا ہو تو غریبوں اور مسکینوں کو ترجیح دی جائے مجلس میں فخر ومباہات کی بجائے خدا اور آخرت کی یاد نمایاں ہو اس وصیت نامہ کو کتاب کے صفحات پر اس لئے لکھ رہا ہوں تا کہ یہ مسئلہ میرے وارثین میں اختلاف کا سبب نہ بنے۔

ا۔ میری موت کے موقع پر منقولات یا غیر منقولات کی صورت میں جو کچھ بھی بچے گا اس کا پانچواں حصہ ورثا میں تقسیم سے پہلے الگ کر کے درج ذیل مدوں میں خرچ کیا جائے:

☆ایک حصہ میرے بعض عزیز وار جمند افراد کیلئے ہے جن کے نام کتاب میں درج کرنا مناسب نہیں سمجھتا ہوں اس سلسلے میں تحریری طور پر میں نے اپنے بڑے فرزند کو آگاہ کر دیا ہے وہ اس پر عمل کرینگے۔

☆میری وفات کے وقت جتنا قرضہ کتابوں کی طباعت اور دیگر مدوں میں میرے ذمہ ہو ایک حصہ اس کی ادائیگی کیلئے ہے۔

☆واجباتِ صوم وصلاۃ سے بطور احتیاط بری ذمہ ہونے کی خاطر ایک حصہ کے بندوبست کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔

☆وہ کتابیں جو چھپ نہ سکیں اور یادداشت میں ہوں ایک حصہ ان کی چھپائی پر خرچ کیا جائے۔

☆پانچواں حصہ ان عزیز و اقارب میں تقسیم ہوگا جو کسی سہارا و مدد کے محتاج ہوں گے اور پہلے سے دین ودیانت، صوم وصلاۃ کے پابند ہوں گے ان کی تفصیل الگ سے میں اپنے بیٹے کو دوں گا۔

۲۔ دار الثقافہ کی جتنی کتابیں ادارے کے حقوق طباعت میں محفوظ ہیں ان سب کی نگرانی وتولیت میرے بڑے بیٹے کے ہاتھ میں ہوگی اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں انکو امتیاز دے رہا ہوں بلکہ مرنے کے بعد کوئی بدمزگی سامنے نہ آئے جبکہ دیگر عربی اور فارسی کتابوں کے متعلق جو کچھ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اسی کے مطابق عمل ہوگا اس میں کسی اور وارث کو کوئی حق نہیں ہوگا۔

مجھ سے دفاع

میری عزیز وارثین اور احباب و وابستگان سے گزارش ہے کہ میرے بعد میرے مخالفین طعن وتعزیہ یا دوست نمائی اور کبھی استفسار و استفہام میں مجھے مسخ اور آپ کو پریشان کرنے یا آپ سے کچھ اگلوانے کی کوشش کریں گے۔

۱۔ ہمارا دین و مذہب دلیل و منطق اور صراحت گوئی کا حامل ہے لہٰذا ابہام و اجمال گوئی اور غصہ و زور گوئی سے گریز کرتے ہوئے قرآنی ہدایات کے تحت منطقی جواب دینے کی سیرت و صورت کو اپنانا میرے مخالفین تہمت و افتراء پر مشتمل سوالات کی بوچھاڑ کریں گے اور کہیں گے ہم نے یا فلاں نے انہیں خواب میں بری حالت میں دیکھا ہے ان کی اس ہرزہ سرائی پر غم و غصہ نہ کرنا شاید وہ سچ کہتے ہوں کیونکہ خواب بیداری کی عکاسی ہے لہٰذا انہیں وہی کچھ نظر آیا ہوگا جو وہ دن بھر تصور کرتے رہے ہوں گے جان لو جو شخص بیداری اور زندگی میں میرے متعلق برا سوچتا تھا وہ میرے مرنے کے بعد کیسا اچھا تصور ذہن میں لائے گا!

۲۔ بعض کہیں گے وہ دامن اہل بیت کو چھوڑ کر دشمن اہل بیت کے جال میں پھنسے تھے ان سے کہنا آپ سچ کہتے ہیں انہوں نے ایسے اہل بیت سے تمسک کیا جو شریعت کے پاسبان تھے اور ان کو چھوڑا ہے جن کی تعریف میں خطباء و شعراء خدا و راسکے رسول دونوں کو انکا نیاز مند قرار دیتے ہیں۔ خدا کی وحدانیت اور پیغمبرؐ کی رسالت کے یقین کے بعد ایسے اہل بیت کی ضرورت تھی جو دین کی پاسداری کریں نہ کہ خدا و راس کا رسول ان کے شکر گزار ہوں۔ مذکورہ گروہ سے مزید گزارش کرنا آپ صحیح کہتے ہیں انہیں حقیقت کی تلاش و جستجو میں رہنے کی وجہ سے خدا نے ایسے اہل بیت کی طرف متوجہ کیا ہے جن کی تعریف اس نے اپنی کتاب اور پیغمبرؐ نے اپنی زبان سے کی ہے۔

کتاب کے اختتام سے پہلے واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں زندگی بھر مظلومیت و مجبوریت کے دور سے گزرا ہوں اب یہاں سے چلے جانے کے بعد مزید اپنے لئے کسی مقام و منصب کا خواہاں نہیں ہوں یہ باتیں اس لئے نوک قلم سے سرزد ہوئی ہیں کیونکہ قرآن فرماتا ہے ﴿لا یحب اللہ الجھر الا من ظلم﴾ میری عزیزوں سے گزارش ہے میرے خلاف برسرپیکار لوگوں سے کہا جائے اگر انہوں نے آپکے حق میں کوتاہی کی ہے تو آپ انہیں بخش دیں کیا آپ نہیں چاہیں گے خدا آپکی غلطیوں سے درگزر کرے۔

﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ﴾ ''کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرمادے؟'' (نور۲۲)

میں اپنی نوبت میں تمام دوستوں اور عزیز و اقارب سے اپنی تقصیرات کیلئے طالب عفو بخشش ہوں اسی طرح ان کی طرف سے میرے بارے میں کوئی لغزش سرزد ہوئی ہو تو انہیں معاف کرتا ہوں ساتھ ہی خداوند متعال سے مغفرت کا خواستگار ہوں اور اسلام و مسلمین کی عزت و سربلندی کے ساتھ اسلام پر مرنے کی دعا کا طالب ہوں۔

مصادر و مآخذ انبیاء قرآن محمد مصطفیٰ ﷺ

مصادر و مراجع تلاش و استخراج آیات استشہاد و کلمات نہج البلاغہ

معجم المفهرس لالفاظِ القرآن الكريم	محمد فؤاد عبدالباقى
معجم المفهرس لالفاظ القرآن الكريم	محسن بيدارفر
معجم لالفاظ القرآن الكريم	مجتمع اللغة العربية
معجم الميسر لالفاظ القرآن الكريم	شيخ ابراهيم رمضان
المعجم المفهرس للقرآن الكريم	موسسة الانصاريان
كشاف الموضوعى القرآن الكريم	سيد آصف هاشمى ،السيد سليمان موسوى
معجم المفهرس نهج البلاغه	محمد دشتى
معجم الفهرس بحار الانوار	كاظم مراد خانى

مصادر استخراج معانی لغات و اصطلاحات عربی، فارسی، اردو

المنجد	دار الاشاعت
مصباح اللغات	مولانا عبدالحفيظ بلياروى
نور اللغات	مولوى نور الحسن نير
فيروز اللغات	مولوى فيروز الدين
فيروز اللغات	مقبول بيگ
احسن اللغات اردو جامع	اوريئنٹل بک سوسائٹی لاهور
شرح الفاظ القرآن	عبدالرشيد گجراتى
قاموس مترادفات	وارث سر هندى
لغات كشورى	سيد تصدق حسين رضوى
آئينه اردو لغت	خالدبک ڈپو لاهور
انوار اللغات	....
اعجاز اللغات جديد	سنگ ميل پبلی کيشنز لاهور
پاپولر جديد لغات	اوريئنٹل بک سوسائٹی لاهور
اظهر لغات جامع	محمدامين بهٹى
فرهنگ آصفيه	مولوى سيد احمد دهلوى

اردو لغت(تاریخی اصولوں پر)	اردو لغت بورڈ کراچی
اردو لغت	مرزا مقبول بیگ بدخشانی
جامع الغات	خوجہ عبد المجید
فرہنگ اصطلاحات	اشفاق احمد . محمد اکرم چغتائی
لغت نامہ	علی اکبر دھخدا
فرہنگ سخن	ڈاکٹر حسن نوری
فرہنگ فارسی	ڈاکٹر محمد معین
فرہنگ فارسی عمید	حسن عمید
فرہنگ فارسی پیام	ڈاکٹرسید محمود اختریان
جہان معاصر	انتشارات جاویدان
قاموس اللغات	....
اصطلاحات عمومی	عبد الحسین سعیدیان
فرہنگ تلفظ	شان الحق الحقی
فرہنگ آصفی	....
فرہنگ عمید	....
لغات علمی	....
قائد اللغات	....
جدید نسیم اردو	مرتضیٰ حسین
فرہنگ کاروان	فضل الٰہی عارف
فرہنگ اصطلاحات معاصر	نجفی میرزائی
فرہنگ علوم فلسفی و کلامی	ڈاکٹر جعفر سجادی
لسان العرب	للعلامۃ ابن منظور
اقرب الموارد	....
تاج العروس	....
المنجد	دار المشرق
القاموس الوحید	مولانا وحید الزمان القاسمی کیرانوی
المشوف المعلم	عبد اللہ بن الحسین البکری الحنبلی
المعجم الوسیط	مکتبہ رحمانیہ
معجم قوامیس اللغہ	ابی الحسین احمد بن فارس بن ذکریا الرازی
بیان اللسان	قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر بن عبد القادر رازی

معجم الوجیز	....
لسان للسان تھذیب لسان العرب	ابی الفل جمال الدین محمد بن مکرم
المعجم المجمعی	عبدالحسین محمد علی البقائی
معجم ما استعجم	عبداللہ بن عبدالعزیز البکری الاندلسی
المعجم فلسفی	ڈاکٹر جمیل صلیبا
المعجم اغلاط اللغویہ معاصر	محمد عدنانی
محیط المحیط	المعلم پطرس البستانی
قاموس المحیط	الفیروز آبادی
المعجم علمی مصور	مکتبہ الثقافۃ بالمدینہ
الموسوعۃ العلمیہ	محمد عدنان رفاعی
الاروس	ڈاکٹر خلیل الجز
المعجم الکبیر	حمدی عبدالمجید السلفی
معجم الطلاب	....

لغات قرآن

معجم القرآن	عبدالرؤف المصری
قاموس قرآن	سید علی اکبر قرشی
فرھنگ نامہ قرآنی	استان قدس رضوی
قاموس الفاظ اصطلاحات قرآنی	امین حسین اصلاحی
مترادفات القرآن	عبدالرحمٰن کیلانی
لغات القرآن	محمد عبدالرشید نعمانی
الفاظ مترادفہ کے درمیان فرق	محمد نور حسین قاسمی
معجم مفردات الفاظ قرآن	راغبِ اصفہانی

مصادر و مراجع تفاسیر آیات

تفسیر المیزان	آیۃ اللہ محمد حسین طباطبائی
تفسیر الفرقان	آیۃ اللہ محمد صادقی طھرانی
التفسیر المنیر	الدکتور وھبہ الزحیلی
تفسیرِ الشعراوی	الشیخ محمد مولی الشعراوی
ایسر التفاسیر	ابوبکر جابر الجزائری
صفوۃ التفاسیر	الصابونی
تفسیر نظم الدرر فی تناسب الآیات و السّور	البقائینی

کتاب	مصنف
تفسیر النور الثقلین	الشیخ عبد علی بن جمعة الحویزی
التفسیر البرهان	علامة بحرانی
تفسیر الکاشف	علامہ جوادمغنیہ
الحوار فی القرآن	آیت اللہ فضل اللہ
من ھدی القرآن	آیۃ اللہ محمد تقی مدرس
تفسیر قرآن	محی الدین ابن عربی اندلیسی
فی ضلال القران	محمدجعفرالشس الدین
التفسیر و المفسرون	الدکتورمحمدحسین الذھبی
تفسیر ابن بادیس	علامہ ابن بادیس
من وحی القرآن	آیۃ اللہ محمدحسین فضل اللہ
المدرسة القرآنیة	آیۃ اللہ سید محمد باقر الصدرؒ
الاتقان فی علوم القرآن	علامہ جلال الدین السیوطی
احکام القرآن	قاضی ابی بکر ابن عربی
احکام السرة و البیت المسلمه	شیخ محمد متولی شعراوی
الکون و الارض و الانسان فی القرآن العظیم	عبدالحمید
علوم القرآن عند المفسرین	مرکز الثقافة و المعارف القرآنیه
الاعجازفینظم القرآن	الدکتور محمود السید شیخون
الاشتراک اللفظی فی القرآن الکریم	محمد نور الدین المنجد
معجزة القرآن الجدیده بنیة الآیات و السور	عمر النجد
الفرقان والقرآن	الشیخ خالدعبدالرحمٰن العک
معجم التعبیرات القرآنیة	محمداریس
اطلس القرآن	الدکتور شوقی ابو خلیل
اسرر التکرار فی القرآن	عبدالقادر احمدعطا
البیان فی روائع القرآن	الدکتور تمام حسان
دراسات فی القرآن الکریم	الدکتورمحمد ابراھیم الحفناوی
النھی فی القرآن الکریم	الدکتور جمال ادین المصر ی
الکتاب و القرآن	الدکتور محمد شحرور
القواعد الحسان لتفسیرالقرآن	شیخ عبد الرحمن بن ناصر
درّة الرنزیل وغرة التّاویل	ابی عبداللہ خطیب الا سکا فی
المدخل لعلم تفسیر کتابِ اللہ تعالیٰ	ابی النّصر حدا دی
قواعدالتّدبر الامثل	عبدالرحمٰن حسن حبنکہ المیدانی

کتاب	مصنف
مجازات القرآن	علامه شریف الرضی
مع الانبیاء فی القرآن الکریم	عفیف عبد الفتاح طبارة
قصص قرآن	مولانا محمد حفظ الرحمن سیو ہاروی
قصص الانبیاء	علامه ابن کثیر
قصص الاولیاء	ابی محمد عبد الله
الایات العجاب فی رحلة الانجاب	حامد احمد حامد
المعجم المفصل لمواضیع القرآن المنزل	محمد خلیل عیتانی
حتی یغیر وامابانفسهم	جودت سعید
فرهنگ موضوعی قرآن مجید	کامران فانی، بهاء الدین خرمشی
لباب النقول فی اسباب النزول	جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطی
پررسی و ترجمه انفال	آیت الله محمدی گلپایگانی. پاسدارِ اسلامش۱۳
الحرکة الجهادیة فی سورة الناس	....
پرسش وپاسخهای قرآنی	محمدبن ابی بکررازی
منهاج الجدل	الدکتورزاهرعواض الالمعی
درسهایی از علوم قرآنی	دکتر حبیب الله طاهری
روش شناسی تفسیر قرآن	محمود رجبی
پژوهشی پیرامون تدبّردرقرآن	ولی الله نقی پورفر
اسرارالآیات	صدر الدین شیرازی
التعریف والاعلام	عبدالرحمٰن السهیلی
القرآن فی السلام	السید محمد حسین طباطبائی
فتوحات مکیه	محی الدین ابن عربی
قرآن و عرفان و برهان	استاد حسن زاده آملی
گنجینه معارف قرآن	ابو الفضل فخر السلام
القرآن حکمة الحیاة	السید محمد تقی المدرسی
موجزعلوم القرآن	الدکتورداؤدالعطّار
معالم القرآن فی عوالم اکوان	الشیخ احمدمحی الدین العجوز
۵۵۰معمای قرآنی	محمدحسین قاسمی
قواعد التفسیر	خالدبن عثمان السبت
التصویر الفنی فی القرآن	سیدقطب شهید
محبة آل البیت	ڈاکٹر محمد عبدة یمانی
اسلوب الدعوة فی القرآن	آیت الله سید محمد حسین فضل الله

المجازات النبویة	علامہ شریف رضی
التکامل فی السلام	احمد امین
الفلسفہ القرآنیہ	عباس محمود العقاد
لمن الحکم للہ ام للانسان	سمیح عاطف الزین
المنہج الحرکی السیرۃ النبویۃ	منیر محمد الغضبان

مصادرومراجع تراجم قرآن کریم ونہج البلاغہ

ترجمہ قرآن کریم	علامہ شیخ محسن علی نجفی
ترجمہ قرآن کریم	علامہ ذیشان حیدر جوادی
ترجمہ قرآن کریم	علامہ ابوالأعلی مودودی
ترجمہ قرآن کریم	مولانا محمد جوناگڑھی
ترجمہ قرآن کریم	مولانا شبیر احمدعثمانی
ترجمہ نہج البلاغہ	علامہ ذیشان حیدر جوادی
ترجمہ نہج البلاغہ	مفتی جعفر حسین

مصادروماٰخذ تاریخ جزیرۃ العرب والاسلام

تاریخ اسلام السیاسی والدینی والثقافتی والاجتماعی	ڈاکٹر حسن ابرھیم حسن
المدخل الی التاریخ الاسلامی	ڈاکٹر محمد فتیحی عثمان
تاریخ العرب فی الاسلام	جواد علی
حروب الردۃ	محمد احمد باشمیل
مقاتل الامویین	محمد الحسینی
الدولۃ الامویہ	شیخ محمد الخضرمی بک
تاریخ پیامبر اسلام	ڈاکٹر ابراھیم آیتی
تاریخ تشریع اسلامی	....
علم تاریخ در اسلام	صادق آیینہ وند
کتاب البدء والتاریخ	مطہر بن طاہر مقدسی
الکامل فی التاریخ	ابن اثیر
تاریخ طبری	امام ابی جعفر محمدبن جریر طبری
تاریخ اسلام	حافظ شمس الدین محمد بن احمدبن عثمان الذھبی
تاریخ یعقوبی	احمد بن ابی یعقوب بن جفعر بن وھب
تجارب الامم	ڈاکٹر ابولقاسم امامی
اخطاء یجب ان تصحح فی التاریخ	جمال عبد الہادی محمد مسعود، وفا محمد رفعت جمعہ

منابع تاریخ اسلام	رسول جعفریان
جامعه و تاریخ از دیدگاه قرآن	استاد محمد تقی مصباح یزدی

مصادر و مراجع شناخت اماکن مقدسہ دعوت نبی کریم

معجم البلادان	یعقود حماوی
محمد فی المدینه	شعبان برکات
کتاب التاریخ القویم لمکه وبیت اللہ الکریم	محمد طاهر اللکردی المکی
التاریخ شامل للمدینه المنورة	عبد الباسط بدر
کتاب عمدة الاخبار فی مدینه المختار	شیخ احمد بن عبد الحمید العباسی
صور من الحیاة الاجتماعیه بالمدینه المنورة	سید یاسین احمد یاسین الخیاری
شفاء الغرام باخبار البلد الحرم	حافظ ابی الطیب تقی الدین محمد ابن ابن علی القاسی
مکه ومدینه فی الجاهلیه وعهد الرسول	ڈاکٹر ابراهیم الشریف
وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ	نور الدین علی ابن احمد سمهودی
معالم حجاز	عاتق بن غیث البلادی
فضائل مکة و حرمة البیت الحرام	عاتق بن غیث
اخبار مکة	ابی الولید محمد بن عبد اللہ
الدین وتاریخ الحرمین الشریفین	الحاض عباس کرارة
الحیاة الاجتماعیة بالمدینة المنورة	سید یاسین احمد یاسین خیاری
عمدة الاخبار فی المدینة المختار	شیخ احمد بن عبد الحمید العباسی
معجم المدن والقبائل الیمنیة	ابراهیم احمد المقحیفی
قریش من القبیلة الی الدولة المرکزیة	خلیل عبد الکریم

مصادر و مآخذ سیرت نبی کریم

السیرة النبویه	شیخ محمد متولی شعراوی
الصحیح المسند من دلائل النبویه	مقبل بن هادی الوادعی
محمد رسول اللہؐ	محمد صادق ابراهیم عرجون
کحل البصر من سیرة النبی الاعظم	جعفر مرتضیٰ العاملی
فقه السیرة النبویه	منیر محمد الغضبان
الرسول	سعید حوّی
فقه السیرة	محمد غزالی
السیرة النبویه	ابو الحسن علی الحسینی الندوی
سیرة ابن اسحاق	محمد ابن اسحاق بن یسار

سیرۃ الرسول و خلفاء	سماحہ السید علی فضل اللہ الحسینی
کتاب المغازی للواقدی	محمد بن عمر بن واقد
مع المصطفیٰ علیہ صلاۃ وسلام	ڈاکٹر عائشہ عبد الرحمٰن بنت الشاطی
سیرۃ النبیؐ	ہاشم معروف حسنی
صفۃ الصفوۃ	الامام العالم جمال الدین ابی الفرج ابن الجوزی
المنہج الحرکی سیرۃ النویہ	منیر محمد الغضبان
ذالکم رسول اللہ	حسن الموسوی
الروض الانف فی تفسیر السیرۃ النبویہ لابن ہشام	عبد الرحمٰن الخشعمی السہیلی
السیرٰ نبویہ لابن ہشام	ابن ہشام
فی تاریخ عرب قبل الاسلام	ڈاکٹر سعد زغلول عبد الحمید
مختارات بن سنن خاتم الرسالات	محسن طاہر
محمد الرسالۃ والرسول	ڈاکٹر نظمی لوقا
ذلکم رسولؐ اللہ	حسن الموسوی
الرسولؐ	سعید حوّی
محمد رسول اللہؐ	محمد صادق ابراہیم عرجون
سیرۃ الرسولؐ و خلفاء	علامہ سید علی فضل اللہ الحسینی
السیرۃ النبویۃؐ	ابن ہشام
کحل البصر فی سیرۃ سید البشرؐ	حاج شیخ عباس قمی
نسیم الریاض	شہاب الدین احمد بن محمد
سیرۃ المصطفیٰؐ نظرۃ جدیدۃ	علامہ ہاشم معروف حسنی
سیرۃ المصطفیٰؐ	علامہ محمد اویس کا ندھلوی
زوجات النبی	امیر مہنا الخیامی
فقہ السیرۃ	محمد الغزالی
الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم	جعفر مرتضی الحسینی العاملی
رحمۃ اللعالمین	علامہ سید سلمان ندوی
اعجاز القرآن والبلاغہ النبویہ مصطفی	صادق الرافعی
رسالتِ مآب	عزیز الدین
محمد فی المدینۃ	منتیجومری وات
النقود اسلامیہ	تقی الدین احمد بن علی المقریری
تاریخ دعوۃ الاسلامیہ	جمیل عبد اللہ مصری
تفسیر اسلامی تاریخ	ڈاکٹر عماد الدین خلیل

احمد موعود انجیل	آیت اللہ جعفر سبحانی
پیغمبر و آئین نبرد	جنرل مصطفیٰ طلاس
تاریخ ابن خلدون	عبد الرحمٰن بن خلدون
معجم الاوئل	ڈاکٹر فواد صالح السیر
دائرة المعارف	علامہ شیخ محمد حسین الاعلمی حائری
الرسول الاعظمؐ	باقر شریف قرشی
دائرة المعارف السلامیہ شیعہ	حسن امین
اعیان شیعہ	امام محسن امین
البدایۃالنھایۃ	حافظ ابن کثیر
تاریخ بغداد	حافظ ابی بکر احمد بن علی حطیب بغدادی
تاریخ اسلام	ڈاکٹر حسن ابراھیم حسن
قصص العرب	محمد احمد جاد المولی،علی محمد البجاوی،محمد
ابو الفضل ابراھیم	....
جھرۃ خطب العرب	العصر العباسی الاول
ایام العرب فی الاسلام	محمد ابوالفضل ابراھیم،علی محمد البجاوی
تجارب السلف	ھندو شاہ بن سنجربن عبداللہ صاحبی
تاسیس الشیعہ	آیت اللہ سید حسن الصدر
مقاتل الامویین	محمد الحسینی
الاسلام نشوؤۃ وارتقاء	علامہ شیخ محمد حسین المظفر
النظام السیاسی فی الاسلام	علامہ باقر شریف قرشی
سیرت محمدؐ	محمد حسین حیکل
محمد رسول اللہؐ	حسین الشاکری
شباب حول الرسول	یوسف عبد الکریم عسانی
محمدؐ الرسالۃ والرسول	ڈاکٹر نظمی لوقا
فروغ ابدیت	آیت اللہ جعفر سبحانی
الرسول الاعظمؐ	علی ربانی گلپایگانی
محمد رسولا نبیا	عبد الرزاق نوفل
معالم النبوۃ	آیت اللہ جعفر سبحانی
زندگی پیامبر اسلام	موسسۃ در راہ حق
سالزاد پیامبر	ڈاکٹر محمود رامیار
سیرۃ محمد رسول اللہ	سید ھاشم الموسوی

محمد رسول اللّٰہ	موسسۃ البلاغ
محمد پیغمبر کہ از نو باید شناخت	کنستان ویرژیل کنورکیو
الرسول القائد	محمود شیت خطاب
حضرت رسول اکرمؐ	سازمان تبلیغات اسلامی
سنن النبی	آیت اللہ سید محمد حسین طباطبائی
انارۃ الدجی	قاضی حسین بن محمد المشاط
زندگی ابو الفضل	احمد صادقی اردستانی
سیرتنا و سنتنا	عبد الحسین امینی
سیری در سیرۃ نبوی	آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری
ریاحین الشریعۃ	آقائی شیخ ذبیح اللہ محلاتی
الاسراء والمعراج	محمد متولی شعراوی
الصحیح المسند من دلائل النبوۃ	مقبل بن ھادی الوادعي
سیرۃ رسول اللہ واھل بیتہ	موسسۃ البلاغ
اعلام الوری باعلام الھدیٰ	ابی علي الفضل بن الحسن الطبرسي
اشعۃ البیت النبوي	شیخ عبد المنعم الزین
رسول نمبر نقوش	ادارہ فروغ اردو لاہور
رحماء بینھم	محمد نافع
ضیاء النبیؐ	محمد کرم شاہ الازہری
سیرۃ حلبیہ	محمد اسلم قاسمی
الامین	محمد رفیق ڈوگر
الرحیق المختوم	مولانا صیفی الرحمن المبارکپوری
سیرت سرور دوعالمؐ	علامہ سید ابو لاعلی مودوی
سیرۃ النبیؐ	علامہ شبلی نعمانی ،علامہ سید سلمان ندوی
ھادی کونین	حکیم محمد اسماعیل
فرہنگ سیرت	سید فضل الرحمن
سیرت المرسلینؐ	حافظ عبد المجید شاکر چغتائی کھرور پکا
اصح السیرفی ھدی خیرالبشرؐ	عبدالروف صاحب
پیغمبر اعظم و آخرؐ	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
نبی کریمؐ سے محبت اور اس کی علامتیں	پروفیسر ڈاکٹر فضل الھی
رحمۃ العالمینؐ	قاضی محمد سلیمان منصور پوری
محسن انسانیت اور انسانی حقوق	ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
اسوہ رسول	ڈاکٹر عبد الحیٔ عارفی
ہمارے حضور	اہلیہ ڈاکٹر سہراب
محمدؐ عربی	برکت اللہ
عہد نبویؐ کے میدانِ جنگ	حمید الدین
حضورؐ کے معجزات	امام ابن کثیر
سیرۃ خاتم الانبیاءؐ	مولانا مفتی محمد شفیع
حضورؐ نے فرمایا	مولانا محمد تقی عثمانی
دائرۃ المعارف محمد رسول اللہ	پنجاب یونیورسٹی
سیرۃ المصطفیٰؐ	العلامہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی
سیرۃ النبیؐ	علامہ شبلی نعمانی ، علامہ سید سیلمان ندوی
سیرت سرور کونینؐ	مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری
پیغمبر اعظم و آخر	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
سیرۃ سید المرسلینؐ	الحاج مولانا حافظ عبد المجید شاکر چغتائی
ہادی کونین	حکیم محمد اسماعیل ظفر آبادی
الامین	محمد رفیق ڈوگر
اخلاق الرسول نہج نہضۃ وحضارۃ	السید محمد العلوی
الرسول القائد	محمد شیت خطاب
نظام حکومۃ النبویۃ	عبد الحي الکتاني
المیلادو الھجرۃ	موسسۃ البلاغ
ملۃ ابیکم ابراھیم	موسسۃ البلاغ
رسالۃ السماء لا ثقافۃ الشعراء	محمد کاظم
النبوۃ	موسسۃ البلاغ
ملۃ ابیکم ابراھیم	دار التوحید
المجتمع المدني	موسسۃ البلاغ
معرکۃ بدر المنطلق و النصر	دار التوحید
نفحات رسالیۃ	دار التوحید
تبرک الصحابہ	شیخ محمد طاہر کردی
دفاع عن السنۃ المحمدیۃ	شریف مرتضیٰ بن محمد
ایام فی الاسلام	احمد شرباسی
ملکیۃ العرب	سید کرار حسین

مختارات اسلامیه	آیت اللہ محمد مهدي شمس الدين
دراسة العقيدة الاسلامية	عثمان جمعة ضميرية
اهل البيت في القرآن و السنة	موسسة البلاغ
قلمرو پیام پیامبران	احد فرامرز قراملکی
فلسفه وحی و نبوت	محمدی ری شہری
خطبة الرسول الاکرمؐ فی شهر رمضان	آیت اللہ عبد الحسین شرف الدين

مصادر و مآخذ غزوات و سرایا

الغزوات الكبرى و معارک الفتح فی العراق والشام و مصر	عبد الكريم غزال
غزواالنبی	مسعود مفتی
آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار	محمود خطاب
غزوة حنین	محمد احمد باشمیل
فتح مکه	محمد احمد باشمیل
صلح حدیبیه	محمد احمد باشمیل
غزوة موته	محمد احمد باشمیل
الحديث متواتر فی غزوه خیبر	قوام الدين وشنوی
غزواتِ کی باتیں	حفظ الرحمن

مصادر خلافت و امامت

علي والحاكمون	آیت اللہ ڈاکٹر محمد صادقی طهرانی
الامامة	سيف الدين الامدي
الخلافة والامامة	عبد الكريم الخطيب
علي ونظام الحكم فی الاسلام	محمد باقر الناصری
الفصول المائة	سید اصغر ناظم زادی قمی
حکومت در اسلام	سازمان تبلیغات اسلامی
الفصول المهمة	آیت اللہ عبد الحسین شرف الدين موسوی
معالم المدرستين	آیت اللہ مرتضیٰ عسکری
المراجعات	آیت اللہ عبد الحسین شرف الدين موسوی
الغدير	آیت اللہ عبد الحسین امینی
دلائل الصدق	علامه محمد حسن مظفر
فدک فی التاريخ	آیت اللہ شہید محمد باقر الصدر
امير المومنين اسوه وحدت	محمد جواد شری

کتاب	مصنف
الخاتم لوصی الخاتم	شیخ غلام رضا مولانا البروجردی
الحیاۃ السیاسیۃ للامام الحسن فی عہد رسول اللہ والخلفاء الثلاثہ	جعفر مرتضیٰ العاملی
الجمل	محمد واقدی
اسمی المناقب	شیخ المقری
تجرید العقائد	....
حیاۃ الخلیفۃ عمر بن الخطاب	عبد الرحمٰن احمد البکری

مصادر و مآخذ شناخت اصحاب

کتاب	مصنف
سلمان الفارسیؓ	علامہ سید جعفر مرتضی العاملی
سلمان الفارسیؓ	شیخ محمد جواد آل الفقیہ
حمزہ سید الشہداءؑ	سید جواد سید فاطمی
ایمان ابی طالبؑ	شمس الدین ابی علی فخار بن معد موسوی
ابو طالبؑ مومن قریش	عبد اللہ خنیزی
سیر اعلام النبلاء	حافظ شمس الدین محمد بن احمدبن عثمان الذہبی
طبقات الکبریٰ	محمد بن سعدبن منیع ہاشمی البصری
انساب الاشراف	امام احمد بن یحییٰ بن جابر
تہذیب الاسماء واللغات	ابی ذکریا محیی الدین بن شرف النوی
موسوعۃ مصطلحات الفلسفہ عند العرب	ڈاکٹر جیرار جہامی
موسوعۃ مصطلحات علم المنطق عند العرب	مکتبہ لبنان
موسوعۃ کشاف الصطلاحات الفنون وعلم	مکتبہ لبنان
الصحاح	احمد عبد الغفور عطار
الاصابہ فی تمیز الصحابہ	....
رجال حول الرسول	خالد محمد خالد
کشاف اصطلاحات	....
معجم فقہ جواہری	....

مصادر عقائد نبوت و رسالت

کتاب	مصنف
تفسیر موضوعی قرآن تنزیۃ الانبیاء	آیت اللہ معرفت
الدین و الاسلام	شیخ محمد حسین کاشف الغطاء
اثبات نبوت	میرزا ابو الحسن شعرانی
العدل الٰہی	آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری
درسات فی العقیدۃ الاسلامیۃ	محمد جعفر شمس الدین

مبانی النظرية الاجتماعيةفی الاسلام	زهير الاعرجی
هرية الاعتقاد فی ظل الاسلام	تيسير خميس العمر
رسالة فی قواعد العقائد	شيخ علی حسن خارم
عقائد الامامية الاثنی عشيرية	سيد ابراهيم موسیٰ زنجانی
عقائد الامامية	شيخ محمد رضا المظفر
مساله وحی	مهندس مهدی بازرگان
درسهائی اصول عقائد اسلام	سيد محمد باقر موسوی همدانی
توحيد	محمد تقی مصباح
سيمائی توحيد	محمد رضا آدينه وند
درسهائی ازاصول دين	گروه تاليف موسسه در راه حق
درسهائی ازاصول عقايد	محمد اسدی کرمارودی
اسول دين برای همه	رضا استادی
عدل در جهان بينی توحيد	محمدی ری شهری
رحلتی من الضلال الیٰ الهدیٰ	شيخ محمد مرعی الامين الانطاکی
اسلام و اجتماع	سيد محمد حسين طباطبائی
آشنائی به اصول اسلام	استاد جعفر سبحانی
پژوهش درباره قرآن و تاريخ آن	ڈاکٹر سيد محمد باقر حجتی
بهترين روش حفظ قرآن کريم	محمد حسين اجرائی
العقائد الجعفرية	آيت الله شيخ جعفر کاشف الغطاء
اصول عقائد	امامی آشتيانی ؛ حسنی
الخلافة المغتصبة	ادريس الحسينی
بيت الاحزان	علامه شيخ عباس قمی
اصول عقائد	محسن قرائتی
دروس فی العقيدة الاسلامية	محمد تقی مصباح اليزدی
دور الدين فی حياة الانسان	محمد مهدی الآصفی
الرسل والرسالات	ڈاکٹر عمر سليمان الاشقر
فضائل امير المومنين و امامته من دلائل الصدق	الشيخ محمد حسن المظفر
کبری اليقينيات الکونية	ڈاکٹر محمد سعيد رمضان البوطی
من اوليات الدولة الاسلامية	آيةالله سيد محمد شيرازی
نظام رهبری و آئين رهروی در اسلام	عزت الله دهقان
فلسفه وحی و نبوت	محمد ری شهری

امامت در چند درس	رضا استادی
۱۰ درس امام شناسی	آیت الله ناصر مکارم شیرازی
پنجاه درس اصول عقائد	آیت الله ناصر مکارم شیرازی
ذرایع البیان فی عوارض اللسان	محمد رضا الطبسی النجفی
الهدیٰ الی دین المصطفیٰ	شیخ محمد جواد البلاغی
صلح امام حسنؑ	آیت اللہ سید علی خامنه ای
سیرۃ الائمة الاثنی عشر	علامه هاشم معروف حسنی
اهل بیت	موسسة البلاغ
من حیاۃ اهل بیت	محمد علی التسخیری
عن الجهاد والثورۃ	محمد فوزی
اهل بیت معالم فی الطریق	عامر الحلو
حاجة الانام الی النبی والامام	سید علی اصغر الموسوي اللاری
علی و بنوه	ڈاکٹر طهٰ حسین
نقش امامت در زندگی انسانها	سید حمید فتاحی
عقاید اسلامی	امامی و آشتیانی
تحلیل وحی	محمد باقر سعیدی روشن
تصحیح الاعتقاد	شیخ مفیدمحمد بن محمد بن نعمان

مصادر وآخذ تشویہات وتشویشات مستشرقین

شبات حول الاستشراق	فراج الشیخ الفزاری
نظرات استشراقیه فی الاسلام	ڈاکٹر محمد غلاب
ملحدون محدثون و معاصرون	ڈاکٹر مسیس عوض
الاستشراق المعاصر فی منظور الاسلام	ڈاکٹر مازن بن صلاح مطبقاني
مستشرقون	نذیر حمدان
الفکر الاستشراقی	ڈاکٹر محمد الدسوقي
الاستشراق فی الفکر العربی	ڈاکٹر محسن جاسم الموسوی
الاستشراق لادوار سعید	باقر بري
الاستشراق	ڈاکٹر محمود حمدی زقزوق
الاستشراق والمستشرقون	ڈاکٹر مصطفیٰ السباعي
الاستشراق فی المیزان	ڈاکٹر منذر معالیقي
الاستشراق و الدراسات الاسلامیة	علی بن ابراهیم الحمد النمله

الاستشراق والدراسات الاسلامية — عبدالقهار داود عبداللہ العانی
المستشرقون التصیر — علی بن ابراهیم الحمد النملة
روية اسلامیه للاستشراق — احمد غراب
الاستشراق رسالة استعمار — محمد ابراهیم الفیومی
الاستشراق فی المیزان نقد الفکر الاسلامی — ڈاکٹر احمد عبد الرحیم السابح
الاستشراق — داالشؤون القافیة العامة
المستشرقون — نجیب العقیقی
موسوعة المستشرقین — ڈاکٹر عبد الرحمٰن بدوی
اسلام از دیدگاه دانشمندان جهان — علی آل اسحق خوئینی
في آفاق الحوار السلامي المسیحي — آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ
اخطار الغزو الفکری علی العالم السلامی — ڈاکٹر صابر طعیمة
اسلام از دیدگاه دانشمندان جهان — علی ال اسحاق خوئینی
جذور الفکر القومي والعلماني — ڈاکٹر عدنان محمد زرزور

اجتماعیات اسلامیات

تشریع الاسلامی،مناهجه و معاصره — سلمان العید
الاسلام والتطور الاجتمائی — عبدالعالی المظفر
ابعاد عالمیة فی عقیدة الاسلامیة — عبدالکریم فکر اسلامی ش۸ص۱۷۳
الاسلام فی مشاکل المجتمعات الاسلامیة المعاصره — دکتور محمد البهی
العودة الی الاسلام،رسم لمنهاج و حل لمشکلات — دکتور محمد سعیدرمضان البوطی
الثورة الاسلامیة عقباتها و مکاسبها — خطب هاشمی رفسنجانی
طاغوت — محمود حکیمی
الحریة و الفکریة،ادواتها اطرها — رئیس التحریرفکر اسلامی
الحرکة الاسلامیة، هموم و قضایا — آیة اللّٰہ محمد حسین فضل اللّٰہ
دورالشعار فی النظریة الاسلامیة — آیت اللہ سید محمد باقر الحکیم
حدائة الفکر و متانة الطرح،کلمة هیئة التحریر — مجله فکر اسلامی
تاریخیة — هانی ادریس،مجله بصائر

مصادروماٰخذ خواتین شناسی حیات نبی کریم

نساء من التاریخ — احمد خلیل جمعة
المراة مع النبیؐ — شهیدة بنت الهدیٰ
المراة المعاصر — عبدالرسول عبد الحسن الغفار

اخبار النساء	ابي الفرج عبد الرحمٰن ابن علي
المراة فی عهد النبوي	عصمة الدين كركر
اعلام النساء	علی محمد علی دخیل
نساء الانبياء	احمد خليل جمعة
خديجة بنت الخويلد	علی محمد علی دخیل
ام المومنين الكبرىٰ خديجة بنت الخويلد	موسسة البلاغ
تراجم النساء	عائشه بنت عبد الرحمٰن شاطی
المراة	شیخ محمد هادی یوسفی الغروی
سوالات در باره حجاب،تعدد زوجات و.....	محمد جواد معرفت
نگرش قرآن بر حضور زن در تاریخ انبیاء	استاد منیر گرجی
انساء حول الرسول	
زوجات النبی	

مصادر وماٰخذ علی وزہراء سلام اللہ علیہا

دور آئمه اهل بیت	استاد عادل ادیب
الائمة اثنا عشر	استاد عادل ادیب
علیؑ کیست؟	فضل الله کمیانی
امام علیؑ	محمد رضا الصدر
امام علیؑ	جور جرداق
امام علیؑ	عبد الفتاح المقصود
علی بن ابی طالبؑ	شمس الدين محمد بن الجزری
علی ابن ابی طالبؑ	ابی السحاق الحوینی الاثري
الامام علیؑ	عبد الحميد المهاجر
موسوعة الامام علی ابن ابی طالبؑ	محمد الرشيهري
فضائل امام علیؑ	علامه محمد جواد مغنیه
فضائل علی ابن ابی طالبؑ	الامام احمد بن حنبل
ملامح شخحية الامام علیؑ	عبد اللرسول الغفار
عبقرية الامام علیؑ	عباس محمود العقاد
حياة الامام الحسن بن علیؑ	علامه باقر شریف قرشی
مرد نامتناهی	....
از غدیر تا عاشورا	....

حماسہ غدیر	....
فی رھاب آئمہ	....
سورہ کوثر جلالت حضرت فاطمۃ	عباس راسخی نجفی
فاطمہ زہراؑ	حسن سعید
فاطمۃ الزہراءؑ	علامہ ابراہیم امینی
فاطمۃ الزہراءؑ بھجۃ قلب المصطفی	احمد الرحمانی الھمدانی
حضرت زہراؑ	فضل اللہ کمپانی
الزہراء عبق الرسالۃ و عبیر محمدؐ	ام الحسنین
فاطمۃ الزہراءؑ از ولادت تا شہادت	سید محمد کاظم قزوینی
انما فاطمۃ الزہراءؑ	ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی
عوالم سیدۃ النساء فاطمہ الزہراؑ	شیخ عبد اللہ بحرانی الاصفہانی
المصطفیٰ والعترۃ فاطمۃ الزہراؑ	حسین شاکری
ماساۃ الزہراءؑ	سید جعفر مرتضیٰ عاملی
فاطمہ الزہراءؑ	آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ
فی رحاب اہل البیت	آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ
بحار الانوار	علامہ باقر مجلسی

مصادر وماٰخذ شخصیت شناسی

جمھرۃ انساب العرب	ابن حزم
سبائک الذھب	محمد امین بغدادی یاسویدی
دیدار ابرار	....
گلشن ابرار	....
روض المناظر	محب الدین ابی الولید محمد بن محمد
الاتحاف بحبا لاشراف	شیخ عبد اللہ بن محمد بن عامر الشبراوی
عمدۃ الطالب	سید جمال الدین احمد بن علی الحسنی

مصادر ماٰخذ کتب شناسی

الذریعہ الاتصانیف شیعہ	آیۃ اللّٰہ بزرگ طہرانی
معجم کتب مولفین سیرت و حیات نبی اعظم حضرت محمد مصطفی	
ریاض العلماء وحیاض الفضلاء	میرزا عبد اللہ آفندی الاصفہانی
روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات	میرزا محمد باقر الموسوی خوانساری اصفہانی
نقباء البشر	آیۃ اللّٰہ بزرگ تہرانی

الکنی والالقاب	علامہ محدث قمی
معجم رجال فکرِ کربلا	....
معجم رجالِ فکر و ادب نجف	هادی امینی
معجم قبائل العرب	عمر رضا کحاله
شیخ عبد الکریم حائری،نگهبانِ بیدا	سید عباس زاده
تتمة الاعلام للزرکلی	محمد خیر رمضان یوسف
کشف الظنون عن اسامی کتب والفنون	مصطفیٰ قسطنطینی معروف حاجی خلیفه

مجلات ورسائل

النجف	طلاب کلیة الفقه فی النجف الاشرف
میقات حج	حوزه نمایندگی ولی فقیه در امور حج و زیارت
رسالة القرآن	دار القرآن الکریم
التوحید	سازمان تبلیغات اسلامی
المنطلق	الاتحاد البناني للطلبة المسلمین
آئینه پژوهش	دفتر تبلیغات اسلامی
الحکمة	نشرة فکریه تصدرها اللجنة الثقافیة لجمعیة اسرة التآخي
الفکر الجدید	دار الاسلام
حکومت اسلامی	دبیر خانه مجلس خبرگان
نور الاسلام	موسسة الامام الحسینؑ
الضامعة السلامیة	جامعة العالمیة للعلوم الاسلامیة لندن
فقه اهل بیت	دارة المعارف الفقه الاسلامي
الفکر الاسلامي	الهیئة العلمیة في مجمع الفکر الاسلامي
اندیشه حوزه	دانشگاه علوم اسلامي رضوی
حوزه	دفتر تبلیغات اسلامی
فقه	دفتر تبلیغات اسلامي
نامه فرهنگ	معاونت امور بین الملل وزارت فرهنگ وارشاد اسلامي
المعارج	المعهد الثقافي للتخصص والدراسات القرآنیة
عصمة الانبیاء	وزارة الثقافة والارشاد الاسلامي
نامه مفید	دانشگاه مفید
پژوهشهائي قرآني	دفتر تبلیغات اسلامي
مشکوة	اداره امور فرهنگی آستان قدس

ثقافة الاسلامي	مستشارية الثقافية للجمهورية الاسلامية الايرانية بدمشق
معالم الحضارة الاسلامية	دار العلم للملايين
كيهان انديشه	موسسه كيهان در قم
بينات	موسسة معارف اسلامي امام رضا
مكتب اسلام	ناصر مكارم شيرازی
ميراث جاويدان	سازمان اوقاف و امور خيريه
مسجد	مركز رسيد گی و امور مساجد
پيام زن	دفتر تبليغات اسلامی
اعتصام	انجمن هائی اسلامی
الوحدة	دار طريق الوحدة للطباعة والنشر بيروت
الفجر	مكتبة الاعلام اسلامی قم
رسالة الثقلين	مجمع العالمي اهل البيت قم
نشر دانش	مركز نشر دانشگاهی
الاضواء الاسلامية	جميعة العلماء والمجتهدين
ترجمان وحی	سازمان اوقاف و امور خيريه
رسالة التقريب	المجمع العالميه للتقريب بين المذاهب الاسلاميه
رسالة اسلام	المجمع العالميه للتقريب بين المذاهب الاسلاميه
معارف	مركز نشر دانشگاهی
مجله دراسات وبحوث	المكتب الاعلامي لجامعة علماء المجاهدين فی العراق
البصائر	مركز الدراسات الاسلاميه
نقد و نظر	دفتر تبليغات اسلامي
پيام حوزه	نشر شورائ عالی حوزه علميه
دانش	رايزن جمهوری فرهنگ اسلامی
فارابی	بنياد سينمايی فارابی
زيست شناسی	وزارت آموزش و پرورش ايران
الندوة	آيت الله سيد محمد حسين فضل الله
السيره عالمی	زوار اكيڈمی كراچی

مصادر و مآخذ عام

کتاب	مصنف
کواشف زیوف	عبد الرحمٰن حسن حبنکة المیدانی
روح السلام	سید امیر علی
التبشیر والاستعمار	مصطفیٰ خالدی،عمر فروخ
اعلام قرآن	دکتر محمد خزائلی
فی الاجتماع السیاسی الاسلامی	آیت اللہ شیخ محمد مہدی شمس الدین
الاحتجاج	ابی منصور احمد بن علی
الوحدۃ العقائدیۃ عند السنۃ والشیعۃ	عاطف سلام
ادب دنیا والدین	لابی الحسن علی بن محمد البصری الماوردی
الحج حکمۃ ورموز	ظفر السلام خان
الحکم و التحاکم فی خطاب الوحی	عبد العزیز مصطفیٰ کامل
الانسان کامل فی نہج البلاغہ	علامۃ حسن زادہ الاملی
قاموس المذاحب الادیان	حسین علی حمد
الفقہاء حکام علی الملوک	سعد الانصاری
غیاث الامم فی التیاث الظلم	ابی المعالیٰ الجوینی
کتاب الارشاد	عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی
التشیع	عبد اللہ الغریفی
التفکر الفلسفی فی السلام	عبد الحلیم محمود
الحج فی الکتاب و السنۃ	سید محمد الموسوی الخوئینی
الموسوعۃ الاسلامیہ العربیہ	انور الجندی
العقیدۃ والاخلاق	محمد سید طنطاوی
اللہ والعالم والانسان	ڈاکٹر محمد جلال شرف
الاسلام	نخبۃ من المربین المختصین
تاریخ الامامیہ	ڈاکٹر عبد اللہ فیاض
حج الانبیاء والائمۃ	معاونین شؤون والبحوث الاسلامیہ فی الحج
الزھور المقتطۃ	تقی الدین ابو الطیب
المنیحۃ فی احکام الحج و العمرۃ	ابی عبد اللہ احمد بن ابراھیم
التشویق الی البیت العتیق	جمال الدین محمد بن محب الدین
تکملۃ معجم المولفین	محمد خیر رمضان یوسف
المجتمع المدنی	محمد صالح جواد السامرائی

کتاب	مصنف
دراسات اسلامیه	محمد عبد الرحمٰن الجدیلی
فی رحاب آئمة آل البیت	محمد بحر العلوم
من هدی السیرة النبویة	کاظم السباعی
اهل البیت ومصلحة الاسلام العلیا	شیخ فواد کاظم المقدادی
الانسان فی القرآن الکریم	عباس محمود العقاد
خاطره هجرت محمدؐ	ڈاکٹر علی قائمی
تاریخ تحلیلی اسلام	رسول محلاتی
بحوث مع اهل السنة و السلفیة	مهدی الحسینی الروحانی
مکتب تشیع	جمعی از نویسندگان دانشمند
کیف نکتب التاریخ الاسلامی	سید قطب شهید
گوشه ای از اخلاق محمدؐ	یکی از علماء بزرگ معاصر
فلسفه تاریخ	ڈاکٹر عبد الریم سروش
اسلام	هیئت تحریری نجف اشرف
سنت	ابو الفضل شکوری
الولاء والبراء فی الاسلام	محمد سعید القحطانی
المناهج المعاصر	ڈاکٹر الزمرد عبد المجید سرحان
روش دعوت محمد	ڈاکٹر علی قائمی
اثبات نبوة النبی	ابی الحسن احمد بن الحسین
الالفین	جمال الدین اب المطهر الاسدی
الشیعة والامامة	محمد الحسین المظفر
آیة التطهیر	شیخ محمد مهدی الاصفی
السلام العالمی والاسلام	سید قطب شهید
جنة الماویٰ	شیخ محمد حسین کاشف الغطاء
اسلامنا	مصطفیٰ الرافیعی
فردوس الاعلیٰ	شیخ محمد حسین کاشف الغطاء
التوبه الی الله	ابی حامد الغزالی
المثل العلیا فی الاسلام لا فی بحمدون	شیخ محمد الحسین کاشف الغطاء
الشیعة فی کتب التاریخ	آیت الله جعفر سبحانی
المجتمع الاسلامی	محمد تقی المدرسی
طریق الی الله	....
اختلاف الفقهاء فی ترکة سید الانبیاء	محمد صغیر الطیب السندی

موسوعة سین و جیم فی الثقافة الاسلامیة	احمد سالم بادویلان
الاعداد الروحی	حسین معن
العدل الالٰهی	آیت اللہ شہید مرتضیٰ المطہری
الاسلام دین و تمدین	طاہر حسن ملحم
الانحرافات الکبریٰ	سعید ایوب
الاسلام والعالم المعاصر	انور الجندی
الدین والعلم	رضوان ظاہر طلاع
الاسلام	ڈاکٹر محمد البهی
من مفاهیم القرآن	ڈاکٹر محمد البهی
مکانة الانسان فی الاسلام	موسسة البلاغ
امن فکری اسلامی	رضوان بن ظاہر الطلاع
الاسلام دین البشریة	موسسة البلاغ
الثقافة الاسلامیة	شوکت محمد علیان
حتی لا تکون کلا	عوض محمد القرنی
الامامیة الاثنا عشریة	عبد الکریم آل نجف
عوامل ضعف المسلمین	سمیح عاطف الزین
فلسفه حقوق البشر	آیت اللہ جوادی آملی
الغلو والموقف الاسلامی	سید متعب المنصوری
الحقیقة کماهي	شیخ جعفر هادي
اسلام پرچمدار آزادی فکر و عقیده	مفتی محمد حسین نعیمی
حقائق و وثائق دراسة میدانیة	ڈاکٹر عبد الورود شلبی
الاصولیة والعنف والارهاب	عصام عامر
نهج الولایة	استاد حسن زاده آملی
المسجد	عبد اللہ قاسم وسلي
نقش آئمه در احیاء دین	علامه سید مرتضیٰ عسکری
اصلاحات اسلامی	علامه سید مرتضیٰ عسکری
الفکر الاسلامی	گروه تالیف دار التوحید
الدین والدولة	ڈاکٹر محمد البهی
بناء المجتمع الاسلامی و نظمه	ڈاکٹر نبیل السمالوطي
بحوث فی الاسلام والاجتماع	ڈاکٹر علی عبد الواحد وافی
تاریخ تحول دولت و خلافت	رسول جعفریان

کتاب	مصنف
نحو حیاۃ افضل	موسسۃ فی طریق الحق
اسلام و منطق القوۃ	آیت اللہ محمد حسین فضل اللہ
رسائل شریف المرتضیٰ	....
تاریخ اسلام	....
علموا اولادکم محبۃ النبی	ذکی یمانی
علموا اولادکم محبۃ اہل بیت	ذکی یمانی
اسلام و تبعیضات نژادی	علی حجتی کرمانی
الاسلام والحکم	احمد ذکی نفاحہ
الایات البینات	محمد الحسین آل کاشف الغطاء
اتحاف المومنین	مصطفیٰ بن محمد رافعی سودانی ثم المدنی
مقالات	محمد المہدی الحسینی الشیرازی
راہ تکامل	استاد احمد امین
اجوبۃ المسائل الدینیہ	ثقافۃ الدینیۃ
الدعوۃ محمد رسول اللہؐ	دار التوحید
کشاف الفنون	....
الفنون و العلوم	علامہ محمد التحانوی
رجال صحیح مسلم	ابی بکر احمد بن علی بن منجویہ الاصفہانی
قصص الحدیث	مولانا زکریا اقبال
کلمۃ اللہ	....
کلمۃ رسول الاعظمؐ	....
معجم و مؤلفین	....
موسوعۃ کشاف اصطلاحات	....
عقلیات السامیۃ	علامہ محمد جواد مغنیہ
قیم حضاریۃ القرآن الکریم	ڈاکٹر توفیق محمد سبع
شباب محمدؐ(مقومات دعوت اسلامی)	محمد فہمی عبد الوہاب
شباب محمدؐ(بدایۃ الداعیۃ)	محمد فہمی عبد الوہاب
شباب محمدؐ(دستور سلوک المسلم)	محمد فہمی عبد الوہاب
شباب محمدؐ(الشریعۃ الاسلامیۃ)	محمد فہمی عبد الوہاب
شباب محمدؐ(دعامات الدعوۃ)	محمد فہمی عبد الوہاب
شباب محمدؐ(محمد رسول الاسلامؐ)	محمد فہمی عبد الوہاب

مُحَمَّدؐ وقرُآن = سَعادت بَشر

بشر طفل دنیا اور طالب سعادت ہے، اس کے دو معلم ہیں ہر ایک کا اپنا نصاب درس ہے :

☆ زمینی معلم کا نصاب خود خواہی ، اقتدار طلبی اور استعمار گری ہے۔ ☆ آسمانی معلم کا نصاب ''قرآن'' ہے جو تعدد پرستی کی بجائے یکتا پرستی اور قومی وعلاقائی خدمت کی بجائے بشریت کی خدمت کو سعادت گردانتا ہے۔

اقوام وملل سعادت اور خوش حالی کے راز و سر کی تلاش میں شب و روز کوشاں ہیں کہ سعادت کا چشمہ کہاں ہے؟ اس تک راہنمائی کرنے میں زمینی و آسمانی داعی میں کشیدگی اور جنگ و ستیز ہے، زمینی داعی درج ذیل اہداف کے تعاقب کو سعادت گردانتا ہے۔

۱)۔ اقتصادی خوش حالی : ''انسان جینے کیلئے خلق ہوا ہے، جینا کھانے پینے میں ہے اس کا حصول مغرب سے سیکھیں، انسان ایک جسم خاکی ہے روح کی کوئی اہمیت نہیں''، جس خوش حالی کا ماحصل دین کی بربادی اور آخرت کی ویرانی ہو اس کی کیا لذت ہوگی قرآنِ محمدؐ کا کہنا ہے: ''یہ لوگ یقیناً عجلت پسند اور اپنے پیچھے ایک بہت سنگین دن کو نظر انداز کئے بیٹھے ہیں'' (انسان ۲۷) ''تم مال سے جی بھر کر محبت کرتے ہو'' (فجر ۲۰) ''تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھایا کرو'' (نساء ۲۹) سب کچھ اسی مادہ و دولت کو نہ سمجھو، اطمینان و سکون اللہ کی طرف پلٹنے میں ہے (فجر ۲۷، ۲۸)۔

۲)۔ فروغ علم: ''علم ودانش سعادت کی کنجی ہے، جہالت ونادانی، پسماندگی اور ظلمتوں کا جال ہے، جب تک اسے نورِ علم سے خاکستر نہ کریں گے سعادت کا سورج طلوع نہیں ہوگا علم متاع عکاظ ہے جو اس وقت مغرب کی سرپرستی میں ہے اس کی بھاری بھر کم قیمت کے علاوہ دین و ایمان، اسلامی اقدار، نماز، روزہ، حجاب چھوڑنا، شراب خوری اور مخلوط اجتماع میں شرکت کرنا ضروری ہے یہی چیزیں ترقی کی راہ میں حائل ہیں'' علم کا دورانیہ کتنا ہے؟ وہ کونسا علم ہے جو انسان کو منزل تک پہنچاتا ہے؟ علم کی کوئی حد و منزل ہے؟ علم ہدف ہے یا وسیلہ؟ زمینی داعی کے پاس اس کا جواب واضح نہیں ہے علماء اکتشاف کا کہنا ہے جتنا بشر کے علم میں اضافہ ہوگا اتنا اس کی جہالت میں اضافہ ہوگا جب تک انسان مملکتِ مادہ کی سرحد سے نہیں نکلے گا ظلمتوں کی دلدل میں دھنسا رہے گا اور بے چینی و پریشانی بڑھتی جائے گی، قرآنِ محمدؐ کی نظر میں علم سعادت آفرین، نور افشاں، ہدف کی طرف زینہ اور دل کیلئے باعث اطمینان وسکون ہے :

''یادِ خدا سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے'' (رعد ۲۸) ''یومنون بالغیب، ہی باعث تسکین ہے''۔

۳)۔ تقلید کورانہ: ''دنیا داری میں مغرب اور دین میں علماء وفقہاء کی تقلید سعادت کی کنجی ہے ان کے بعد ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں، گاڑی خود بخود چلے گی''، پیغمبرؐ سے ﴿یسئلونک﴾ خطاب ہوا ہے اور سوال کرنے کا حکم آیا ہے ''اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو'' (انبیاء ۷) تقلید آمریت واستبدادیت ہے سعادت نہیں قرآن و محمدؐ کی تأسی کی بجائے تقلید پر اصرار کرنا باعث اضطراب وتشویشناک ہے۔

۴)۔ فرقہ پرستی: ''سعادت مند زندگی وہ ہے جو قوم وملت کیلئے وقف ہو کیونکہ مرنے کے بعد قوم وملت محسنین کو یاد کرتی ہے اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہوسکتی ہے''، اگر آخرت کی کوئی حقیقت نہیں تو مرنے کے بعد کیسے معلوم ہوگا کسی نے انہیں یاد کیا ہے یا نہیں؟ ایسی یادوں سے کیا فائدہ ملے گا۔ فرقہ وقوم پرستی میں دوئیت نہیں دونوں اس تلوار کے نام ہیں جو امت کو نژاد ونسل اور فرقے کے نام سے ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہے دونوں قرآن و محمدؐ کے خلاف ہیں پیغمبرؐ نے فرمایا: ''عرب کو عجم اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں''، قرآن و محمدؐ کے نزدیک ایک ''امت'' ہے ''یہ تمہاری امت واحدہ ہے'' (انبیاء ۹۲)

۵)۔ پیروی اصحاب وآئمہؑ: ''آئمہ طاہرینؑ یا اصحابؓ کی تاسی کر کے سعادت تک پہنچ سکتے ہیں''، کیا کسی ہستی کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی طرف دعوت دے جبکہ قرآن اس سے منع کرتا ہے: (مائدہ ۱۱۶) قرآن محمدؐ کی اتباع وتاسی کی دعوت دیتا ہے: ''تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے'' (احزاب ۲۱) یہ ذوات کس کی تاسی میں سعادت مند ہوئیں؟ انہوں نے ہمیں نبیؐ اسلام کی پیروی کی دعوت دی۔ زمینی داعیوں کی تعلیمات کا محور تفریق، انتشار اور طبقات بندی ہے۔ آسمانی داعی کی دعوت وحدت امت، افتراق سے منع اور قرآن وسنت سے اعتصام ہے: ''ان کی طرح نہ ہو جاؤ جو بٹ گئے'' (آل عمران ۱۰۵) ''مختلف راستوں پر نہ چلو'' (انعام ۱۵۳) ''تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو'' (آل عمران ۱۰۳)

بیادِ سید وصی حیدر رضا زیدی

کتابوں کی لسٹ ڈی وی ڈی کور کی پشت پر ملاحظہ فرمائیں۔

خصوصی تعاون: حجتہ الاسلام سید نو بہار رضا نقوی (فاضل مشہد، ایران)

سگ درِ بتولؑ: سید علی قنبر زیدی • سید علی حیدر زیدی

التماس سورہ فاتحہ برائے ایصالِ ثواب سید وصی حیدر رضا زیدی ابنِ سید حسین احمد زیدی (مرحوم)

معروف کتب پر مبنی کمپیوٹرڈی وی ڈی ● التماس سورہ فاتحہ برائے ایصالِ ثواب سید وصی حیدر رضا زیدی ابنِ سید حسین احمد زیدی (مرحوم) DVD DOLBY DIGITAL